بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

مدیر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت براہ راست ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے
مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۳۳ | لکھنؤ - ۸ - محرم الحرام سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۱۹۳۶ء | جلد ۱

سچی باتیں

کچھ روز ہوئے ریل کے ایک مختصر سے سفر کا اتفاق ہوا۔ درجہ میں، جس سیٹ پر بیٹھا ہوا، پاس ہی ایک دیندار مسلمان، ہاتھ میں تسبیح، چہرے پر اللہ کا نور، بیٹھے تھے۔ سامنے کی سیٹ پر ایک شریف خاتون، اپنے شوہر اور بچوں سمیت بیٹھی تھیں۔ گاڑی چلی۔ زبان، مسلمان پڑوسی سے گفتگو میں مشغول، لیکن نظر؟ اُٹھی، اور بار بار اُٹھی، اور اُسی ہندو خاتون کی طرف جاتی رہی! اس بیچاری میں آخر کشش کی بات کیا تھی؟ عزت دار، لباس ساتر میں ملبوس، شوہر اور بچے ساتھ۔ وجہ نظر اُٹھنے کی کوئی سی بھی نہیں۔ لیکن نفس محض اپنی شرارت و خباثت کے لیے کسی وجہ موجہ کا محتاج کب رہتا ہے؟ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، کم از کم دس بارہ مرتبہ تو یہ ہوا ہوگا۔ ہر چند منٹ کے بعد پھر وہی حرکت۔ جانا تھا ہی کتنی دور، گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ میں سفر ہی ختم ہوگیا! ——— اب احساس ہوا کہ اتنی دیر میں گناہ، گناہ بے لذت، کے کتنے سیاہ دھبے! بالکل بلا وجہ، نامۂ اعمال میں بڑھ گئے!

انتظامی بات ہے یہ ہوتی آئی ہے یونہی
ہاں یہ ہے افسوس ہم سے چھن گیا صبر و قرار
اسکا کیا شکوہ جو ہم پر اُسکو غالب کر دیا
طالبِ حق کو فلک نے بت کا طالب کر دیا
(اکبرؒ)

سوال تقویٰ و احتیاط کا نہیں۔ کھلے ہوئے فرمان ربانی، اور صریح نافرمانی کا ہے۔ حدیث میں جو کچھ آیا ہے، اُسے چھوڑیے، خود قرآن پاک میں بہ صراحت کے ساتھ حکم، بصیغۂ امر، مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں کو غض بصر، نیچی نظریں رکھنے کا ہے یا نہیں؟ اور یہ حکم اُسی طرح واجب العمل ہے یا نہیں، جس طرح نماز کا حکم، روزہ کا حکم، حج بسنے کا حکم، شراب سے، جوئے سے، سود سے بچنے کا حکم؟ ——— پھر جب سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں اتنی بار نافرمانیاں کر ڈالیں، تو ذرا حساب لگا کر تو دیکھیے، کہ ۲۴ گھنٹے کے دن رات میں، یہ شمار کہاں تک پہنچتا ہے، اور پھر ایک ہفتہ کا شمار، ایک مہینے کا شمار، ایک سال کا شمار، اور ساری عمر کی میزان؟ ——— میزان کاہے کی؟ کل معاصی کی نہیں، صدہا معاصی میں سے صرف ایک معصیت، بدنظری کی، یعنی نامحرموں پر (چاہے وہ نامحرم اپنے ہی برادری اور خاندان ہی کے ہوں) نظر پڑنے کی! قلب کے، اور زبان کے، اور کان کے، اور ہاتھ کے، اور پیر کے، اور خود آنکھ ہی کے دوسرے گناہوں کا ذکر نہیں ——— صرف اسی ایک گناہ کی، گناہگار ذرا گنا کر دیکھے تو! ——— ہر روز صدہا گھونٹ زہر کے پی جانے والا ذرا سوچے تو، کہ عمر بھر میں کتنی عظیم الشان مقدار زہر کی جسم کے اندر جمع ہوکر رہی! اور روح کے اندر غلاظت و گندگی کے کتنے انبار کے انبار لگتے چلے گئے!

حفظ بصر کا حکم صرف مومنات ہی کے مقابلہ میں نہیں، مسلم و غیر مسلم سب کے مقابلہ میں ہے۔ مسلمان ——— محمدؐ کے دین کا سپاہی ——— تو اپنی عزت و عصمت کے ساتھ ساتھ، ساری کائنات کی عزت کا محافظ، حوا کی ساری بیٹیوں کی عصمت کا پہرہ دار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ امین اگر خود ہی خیانت پر، اور چوکیدار اگر خود ہی نقب زنی پر آمادہ ہو جائے، تو اُس سے بڑھ کر بدبخت و روسیاہ کون ہوگا۔ لیکن آج غیروں کو معلوم ہو جائے، محض زبان و قلم

ہے نہیں، ہمارے عمل سے اگر انھیں یقین آجائے کہ مسلمان، گوئی اور بدمعاشی قوانگ... ی... بہ نظری جاتا ہی نہیں، تو غیروں کے دلوں کے خدا جانے کتنے پتھر اسی وقت موم ہو کر رہ جائیں، اور تنہا یہ عمل وہ کام کر جائے، جو تبلیغی انجمنیں کے صدہا رزولیوشن اور تقریریں اور کانفرنسیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں!

ہولناک ترقیاں

آخری سرکاری اعداد کے بموجب قتل عمد کی شرح:

ہندوستان میں فی لاکھ آبادی ۳ ہے،
امریکہ میں ۹.۲ ہے!

ہندوستان میں، ہر تین واقعات قتل عمد میں، دو قاتل کیفر کردار کو پہنچتے ہیں۔ ایک بچ جاتا ہے۔ امریکہ میں ہر گیارہ واقعات قتل عمد میں صرف ایک کی سراغرسی ہو پاتی ہے، باقی دس بچ کر نکل جاتے ہیں! (پانیر ۱۰ مارچ ۳۶ء)

اور پھر امریکہ کے اعداد میں صرف وہی واقعات شامل درج ہیں جو پولیس کے علم میں آ سکے ہیں، باقی خدا جانے کتنے خون ناحق ایسے ہوتے ہوں گے، جن کی یا تو پولیس کو سرے سے خبر ہی نہیں ہونے پائی، یا انھیں خودکشی، یا کسی حادثہ یا مرض کی مد میں شمار کر لیا گیا! چنانچہ اکیلے شہر نیویارک ہی میں ہر سال پانچ سو افراد مفقود الخبر، "لاپتہ" ہوتے رہتے ہیں! (ایضاً)

امریکہ، علم و تعلیم، تہذیب و شائستگی، روشن خیالی و حسن انتظام کے انتہائی اور آخری نقطۂ عروج پر ہے، ہندوستان غریب کی بے علمی و جہالت، گنوارپن اور پستی، ظاہر ہے۔ اپنی پستیوں سے نکل کر، جن بلندیوں تک پہنچنے کے لیے بیقرار ہو رہا ہے، بہتر ہوگا، کبھی کبھی ان کی حقیقت کی جھلک بھی دیکھ لیا کرے۔

خودکشی کی رفتار

پنجاب کے ایک معاصر کا اقتباس:-

"پنجاب کونسل کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے سر ڈانلڈ نے بیان کیا کہ سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۴ء تک، پنجاب میں خودکشی کے واقعات کی رفتار حسب ذیل رہی ہے۔

سال	واقعات خودکشی	واقعات اقدام خودکشی
۱۹۳۰ء	۴۴۸	۱۴۱
۱۹۳۱	۴۲۲	۱۵۱
۱۹۳۲	۴۸۷	۱۵۷
۱۹۳۳	۵۳۵	۱۴۲
۱۹۳۴	۶۵۶	۱۷۰

وجوہ خودکشی کے متعلق جو اعداد و شمار پیش کیے گئے، وہ بھی ملاحظہ ہوں، سر ڈانلڈ نے بیان کیا کہ اس پنج سالہ مدت میں وجوہ خودکشی کی کیفیت یوں ہے۔

افلاس و پیرانہ سالی	۶۶۷	۷۷
خانگی جھگڑے	۶۸۱	۲۵۶
بدچلنی (شوہر یا بیوی کی)	۲۰۲	۹۹
بے روزگاری	۷۷	۲۲
امتحان میں فیل ہونا	۱۹	۷

انکے علاوہ بعض اشخاص نے دیوانگی، غرور، غم یا قانونی مواخذہ سے بچنے کے لیے بھی خودکشی کا اقدام کیا"

ان اعداد کے ساتھ ساتھ، کاش، یہ بھی شائع ہو گیا ہوتا، کہ اس مدت میں شراب خانے کتنے کھلے؟ شراب کی بکری میں کتنا اضافہ ہوا؟ نئے نئے ناچ گھر کتنے کھلے؟ سنیما اور آرٹ کی ترقیوں کے قدم کہاں تک پہونچے؟ منع حمل کی دعوت کہاں تک پہونچی؟ بے پردگی نے کتنے نئے علاقے فتح کیے؟ سیر گاہوں کے نئے نئے اڈے کتنی تعداد میں کھلے؟ فلمی رسائل اکیڈمیوں کی نیم برہنہ تصاویر کتنی شائع ہوئیں؟ یہ، اور اسی طرح کی تہذیب و شائستگی کی دوسری برکتیں "آزادی" "آزادیاں" کہاں سے کہاں تک پہونچیں؟ — یہ سب اعداد بھی اگر سامنے ہوتے، تو یقیناً علت و معلول، سبب و نتیجہ کا عقدہ کچھ ایسا دشوار نہ رہ جاتا، جسکے حل کرنے کے لیے کسی، افلاطون یا ارسطو کی حاجت رہ جاتی!

ایمان اور غیرت ایمانی

شہنشاہ ہند جارج پنجم کی وفات پر، مسیحیوں کے فرقۂ کیتھولک کا جو جلسۂ تعزیت کلکتہ میں منعقد ہوا، اس میں ایک طویل تقریر کے دوران میں، پادری صاحب نے فرمایا:-

"اس عیش پرستی کے دور میں، جب مذہب کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا قدرتی نتیجہ، بد اخلاقیوں کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے، شاہ جارج کی زندگی ایک با اصول انسان کی زندگی رہی، جن کی زندگی کا اصول یہ تھا کہ وہ خالق و مخلوق کے فرائض برابر ادا کرتے رہیں۔ وہ دنیا کے سامنے یہ ظاہر کرنے میں کبھی نہ جھجکے، کہ ان کا دین مسیحی ہے، اور ان کا عمل بھی یہی۔ اور نہ رعایا کے سامنے اس امر کے اعلان میں، کہ بادشاہت اُن کے پاس محض بطور امانت الٰہی کے ہے"

خیر، وہ تو بادشاہ ہفت اقلیم تھے، اُن کے پایہ کی شخصیت مسلمانوں میں ہے ہی کہاں۔ لیکن بہرحال جو "آزاد" مسلمان حکومتیں ہیں، کاش اُنکے فرمانرواؤں کے حق میں ایک مسلمان مقرر اسی لب و لہجہ میں تقریر کر سکتا؟— ضعف قلب اور ضعف ایمان کی پہلی خطرناک علامت یہی ہے، کہ اپنے ایمان پر فخر کرنے کے بجائے، اپنے اسلام پر ناز کرنے کے بجائے، اس سے شرمایا جائے، اسے چھپایا جائے، اور دنیا کے سامنے، بجائے اس کے، کہ للکار کر اعلان توحید کا، اپنی اسلامیت کا اعلان کیا جائے، نیچی نظروں سے، اور دبی آواز کے ساتھ، گویا بادلِ ناخواستہ صرف اتنا اقرار رہ جائے، کہ "ہاں صاحب، مسلمان ہوں تو سہی، مگر......." گویا مسلمان ہونا کوئی جرم ہے، چارناچار دبی زبان سے اس کا اقبال تو کرنا پڑ رہا ہے، لیکن ساتھ "مگر" کا پیوند لگا کر گویا اس جرم کی تلافی کی کوئی صورت نکالی جا رہی ہے! — اس جُبن و بزدلی کے ساتھ کوئی قوم بھی اپنی زندگی قائم رکھ سکی ہے؟

پردہ یورپ میں

ویانا (آسٹریا) سے، وہاں کے ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کی خبر آئی ہے، کہ کسی عورت سے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اُسے فلاں شادی شدہ، غیر مرد کے ساتھ محبت و الفت ہے، تو اُسے اُس مرد سے ملنا جلنا، بولنا چالنا، خط و کتابت کرنا، سب ہمیشہ کے لئے

قانوناً ممنوع ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا اگر کسی مرد سے متعلق معلوم ہو جائے، کہ اُسے کسی منکوحہ غیر عورت کے ساتھ محبت ہے، تو اُس مرد کے لئے اُس سے ملاقات، بات چیت، مراسلت سب جُرم قرار پا جائے گی!——

خبر کے معنی تو صاف یہ ہیں، کہ بعض حالات میں، عورتوں اور مردوں کے درمیان، دو دو بدو ملاقات ہی نہیں، بلکہ بغیر منہ کھولے، بغیر آمنے سامنے آئے، پردہ کی آڑ سے بھی بات چیت، جُرم! بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، دور سے خط و کتابت بھی جُرم! گویا پردہ محض جسم کا اور چہرہ ہی کا نہیں، بلکہ آواز کا بھی، اور محض آواز ہی کا نہیں، تحریر تک کا واجب! اتنا سخت پردہ تو ہندوستان تک میں، بس کہیں کہیں خال خال ہی رائج ہے!—— اب تک تو پردہ ہماری نظر میں اس لیے حقیر و ذلیل تھا، کہ "صاحب" نے اس رسم کو شرمناک اور غلامی کی یادگار ٹھہرا دیا تھا، مگر اب تو خود صاحب" کا رُخ کچھ بدلا ہوا سا نظر آ رہا ہے! رشک کے نہیں، رحم کے قابل ہے وہ ذہنیت، جسکے فرہنگ میں فرنگیوں کی ہر تقلید کا نام "آزادی" اور فرنگیوں کی ہر غلامی کا نام آزادی ہے۔

جبریہ طلاق

"جرمنی کی قانونی اکاڈمی نے قوانین طلاق کی تدوین جدید کے باب میں ایک رپورٹ ابھی تیار کی ہے۔ ماحصل یہ ہے، کہ عقد نکاح تو اُسوقت فسخ ہو کر رہنا ہے جب اُس سے نظام خلاق میں رخنہ پڑ رہا ہو، اور ملک و قوم میں کوئی فتنہ برپا ہو رہا ہو، خواہ زوجین کے تعلقات محبت کیسے ہی استوار ہوں۔ جب قاعدہ یہ ٹھہرا، تو اب زوجین میں سے اگر کوئی فریق، کمیونسٹ (اشتالی) ہو گیا، اور اپنے عقیدہ کی ترویج کرنے لگا، تو اس کھلے ہوئے جُرم کی پاداش میں یقیناً اس کا عقد مناکحت فسخ ہو کر رہنا چاہیے، اور دوسرے فریق پر طلاق از خود پڑ جانا چاہیے۔ کمیٹی کی رائے میں جرمنی قانون دیوانی میں اس نئے ضابطہ کو بڑھانا چاہیے۔ جس کی رو سے اب طلاق محض زوجین کے درمیان کا مسئلہ نہیں رہ جائے گا بلکہ بعض صورتوں میں حکومت خود طلاق کا وقوع کرا دیا کرے گی"

(مانچسٹر گارڈین۔ وقائع نگار برلن)

بدنام تو اب تک غریب وتاریک خیال مولوی ٹھہرائے جاتے تھے، جو یہ فتوے دیا کرتے تھے، کہ فلاں فلاں عقیدہ رکھنے والوں کی بیویوں پر طلاق پڑ گئی، فلاں فلاں بد اعمالی میں مبتلا رہنے والوں کی بیویاں اُن کے نکاح سے نکل گئیں، یہ روشن دماغوں کے سردار جرمنی کو کیا خبط ہو گیا، کہ وہاں بھی اب یہی صدا آنے لگی، کہ فلاں فلاں گنہگاروں کی بیویاں، اور فلاں فلاں گنہگاروں کے شوہر، خود بخود قید نکاح سے آزاد! رشتۂ ازدواج سے باہر!—— یہ وہی یورپ ہے، جہاں ابھی کل تک اسلام کے نفس مسئلۂ طلاق ہی پر طعن تھا، اور مضحکہ۔ اور آج خود ہی، طلاق نہیں، جبریہ طلاق کا قانون پیش ہو رہا ہے!

جرمنی اور ہندوستان

ہٹلر، صدر سلطنت جرمنی کی ایک تقریر سے کچھ روز ہوئے ہندوستان میں جو ہیجان عظیم برپا ہو گیا تھا، اُس کے سلسلہ میں حبیب الرحمٰن قریشی صاحب، سکریٹری جماعت اسلامیہ برلن، لکھتے ہیں: کہ میں ایک وزیر حکومت، ڈاکٹر گوئبلز سے ملا، اور

"میں نے ڈاکٹر گوئبلز سے سوال کیا کہ اس وقت ہندوستانی جرائد اور اکثر پر دلچسپی جو اس بارے میں لکھ رہے ہیں، کہ ہندوستانی اور جاپانی قوم کا معیار کم درجہ کا بہ نسبت یورپی اقوام کے ہے یعنی کیا ہندوستانی قوم اور جاپانی قوم بوجہ کالے ہونے کے ذلیل و خوار سمجھے جاتے ہیں یا نہیں۔ خاص طور پر یہ ارشاد فرمایا جائے کہ نازی قوم کا اسکے متعلق کیا نقطۂ نظر ہے؟ ڈاکٹر موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہم جرمنی میں ایک عرصۂ عظیم تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری نسل صاف اور بے میل کے ہو جائے تو وہ تندرستی کے نقطۂ نظر سے ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم دوسری اقوام یا نسلوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور چونکہ خاص طور پر ہم اپنی نسل کو صاف دیکھنا چاہتے ہیں، اسی وجہ سے ہم دوسری قوام اور نسلوں کی قدر کرتے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور جبکہ ہم ان اقوام یعنی ہندوستانی اور جاپانی کو دیکھتے ہیں تو اُن کی تہذیب و تمدن کا ہم پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ ہم اُن کی تہذیب کو نہایت حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جبکہ ہم لوگوں کے خیالات ہندوستان کے بارے میں یہ ہیں تو تمھارا کہنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ ہندوستانی اور جاپانی اس قابل ہیں کہ وہ اپنے بہترین تہذیب و تمدن کا ثبوت دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں کیونکہ یہ اقوام کہنہ تہذیب کے فرد ہیں"۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مولانا شوکت علی کا وظیفہ

دلی مسرت کے ساتھ یہ اطلاع ملی کہ اعلیٰ حضرت نظام دکن نے، مولانا شوکت علی صاحب کا وظیفہ تاحین حیات، دو سو ماہوار کا مقرر فرما دیا ہے۔ ہندو قومی کارکنوں کے (محض علمی و ادبی نہیں، سیاسی کارکنوں کے بھی) اس طرح کے وظائف، خدا جانے کتنے اور کن کن رئیسوں کے ہاں سے مقرر ہیں۔ اور وہ فکر معاش سے مطمئن، اپنے ضمیر اور دیانت پر کسی قسم کا دباؤ قبول کیے بغیر، اپنی سرگرمیوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہ "چہ خورد بامداد فرزندم" والی مصیبت ہماری ہی قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اعلیٰحضرت کی نظر ہمایوں، اس کے قبل بھی خدا جانے کتنے قومی اداروں اور اُن کے کارکنوں کو سنبھال چکی ہے، اس صحیفۂ زریں میں آج ایک اور روشن ورق کا اضافہ ہو کر رہا۔

ہلاکت خیزیاں

جنگ عظیم میں برطانیہ عظمیٰ کے کُل مقتولین ومجروحین کی میزان ۱۱,۸۰,۶۱,۲۶ تھی۔ شاہ جارج پنجم کے عہد میں، برطانیہ کے حدود کے اندر، سڑکوں کے حادثوں سے، مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی کُل تعداد ۲۵ لاکھ سے متجاوز ہو کر رہی!—— سنہ ۱۹۱۰ء میں، جب موٹریں نئی نئی چلے تھے، برطانیہ میں سڑکوں کے حادثوں کی تعداد ۳۰ ہزار تھی، موٹروں اور صبار فتار سواریوں میں ترقی کے ساتھ، ہلاکتوں اور جراحتوں میں بھی ترقی رہی،...

سورۂ بقر رکوع ۲

(از عبدالماجد)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صدق منشور، ۱۵ فروری)

۸- ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین۔
اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں[۵۰] جو کہتے ہیں[۵۱] ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور یوم آخرت پر، حالانکہ وہ ایمان والے (بالکل) نہیں[۵۲]۔

۹- یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون۔
چال چلنا چاہتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں، اور چال کسی کے ساتھ نہیں چلتے بجز اپنی ذات کے[۵۳]، اور اسکا بھی شعور نہیں رکھتے[۵۵]۔

۱۰- فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا ولہم عذاب الیم بما کانوا یکذبون
انکے دلوں میں مرض ہے[۵۶]، سو بڑھا دیا اللہ نے[۵۷] مرض[۵۸]، اور انکے لیے عذاب ہے[۵۹] دردناک[۶۰] اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بکتے رہتے تھے[۶۱]۔

۱۱- واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون۔
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین پر[۶۲] تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنیوالے ہیں۔

۱۲- الا انہم ہم المفسدون ولکن لا یشعرون
جان لو، بیشک یہی لوگ تو مفسد ہیں، لیکن اس کا (بھی) شعور نہیں رکھتے[۶۴]۔

۱۳- واذا قیل لہم آمنوا کما آمن الناس قالوا انؤمن کما آمن السفہآء الا انہم ہم السفہآء ولکن لا یعلمون
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے[۶۵] کہ ایمان لاؤ[۶۶] جیسا کہ لوگ ایمان لاتے ہیں[۶۷]، تو کہتے ہیں[۶۸] کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا بیوقوف لوگ ایمان لے آئے ہیں[۶۹]، جان لو یقیناً یہی لوگ تو ہیں بیوقوف لیکن اسکا بھی علم نہیں رکھتے[۷۰]۔

---

۵۰ رکوع اول میں دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا، ایک ایمان کو قبول کرنے والے یا مومن، دوسرے ایمان سے انکار کرنے والے یا کافر۔ اس رکوع میں انسانوں کی ایک تیسری صنف کا بیان ہو رہا ہے، زبان پر دعوائے اسلام، لیکن دل میں کفر خالص۔ اس قسم کے لیے اصطلاحی نام منافق ہے۔ سورۃ مدنی ہے، اور مدینہ میں منافقین کی کثرت تھی۔ عداوت اسلام میں یہ لوگ کھُلے ہوئے کافروں سے کم نہ تھے، بلکہ شاید کچھ بڑھ ہی کر ہوں۔

۵۱ محض زبان سے (بلا شرکت قلب)

۵۳ (دل سے) یعنی اُن کا واقعی عقیدہ، ایمان سے بہت دور ہے۔

۵۴ یعنی اپنی منافقت سے نقصان بجز اپنے اور کسی کا نہیں کرتے۔

۵۵ کہ یہ منافقت، دنیا و عقبیٰ دونوں میں خود انھیں کے حق میں وبال جان ہو کر رہے گی۔

۵۶ جسے وہ اپنے ہاتھوں پیدا کر رہے اور بڑھا رہے ہیں، اور سیدھی بات کو الٹی کیے ہوئے ہیں۔ مرض سے مراد مرض کفر و نفاق ہے۔ باقی اسلام کی روز افزوں ترقیاں دیکھ دیکھ ان لوگوں کو جو حسد و عناد پیدا ہو رہا تھا، یہ بھی اُنکے مرض کے تحت میں آجاتا ہے۔

۵۷ 'سو' یا 'پس' ترجمہ ہے حرف 'ف' کا۔ یعنی آگے جس فعل کا ذکر ہوگا، وہ محض بطور نتیجہ کے ظہور پذیر ہوا ہے۔

۵۸ اسلام کو مزید ترقیاں اور فتحمندیاں دے کر۔ اس قسم کے افعال کا انتساب خدا تعالیٰ کی جانب کتب مقدسہ قدیمہ میں بکثرت ہوا ہے۔ مثلاً زبور میں:-

"میرے لوگوں نے میری آواز پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے اُنھیں اُنکے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا"
(زبور، باب ۸۰- آیت ۱۱- ۱۲)

یا انجیل میں:-

"انھوں نے ایک بچھڑا بنایا، اور اس بت کو قربانی چڑھائی اور اپنے ہاتھوں کے کاموں کی خوشی منائی، پس خدا نے منہ موڑ کر انھیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں" (اعمال، باب ۷- آیت ۴۱- ۴۲)

"خدا نے اُنکے دلوں کی خواہشوں کے مطابق اُنھیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ اُنکے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں" (رومیوں باب ۱- آیت ۲۴)

۵۹ منافقین کے لیے عذاب، اسلام کی خصوصیات میں سے نہیں، ہر مذہب نے انکا حشر ایسا ہی سخت رکھا ہے۔ یہود کے ہاں منافقین کے حق میں لعنتیں اور بد دعائیں یوں منقول ہیں:-

"اولیاء کی صحبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں خدا انھیں غارت کرے ..... جو کوئی منافقت برتے، خدا کرے چیل کوے اُس کی آنکھیں نکال لے رہیں" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۲۱۴)

اور انکی تالمود میں ہے:-

"جو شخص منافقت برتتا ہے، وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے، اُسکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں، وہ تک اُس پر لعنت کرتے ہیں، اور اسکی جگہ جہنم ہے" (ایوری مینز تالمود)

اور عیسائیوں کے ہاں انجیل میں ان "ریاکاروں" کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

"تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں" (متی- باب ۲۳- آیت ۲۷)

"تم پر افسوس ہے، کیونکہ تم پوشیدہ قبروں کے مانند ہو، جن پر آدمی چلتے ہیں، اور اُن کو اس بات کی خبر نہیں" (لوقا- باب ۱۱- آیت ۴۴)

۶۰ آیت ۷ میں "کافروں" کے جس عذاب کا ذکر ہے، اسکے لیے صفت 'عظیم' آئی ہے، جس سے عذاب کا بڑا ہونا ذہن میں آتا ہے۔ یہاں منافقوں کے جس عذاب کا ذکر ہے، اُنکے لیے صفت 'الیم' بیان ہوئی ہے، جس سے تبادر یہ ہوتا ہے کہ تکلیف و اذیت کے لحاظ سے یہ عذاب بہت بڑھا ہوا ہوگا۔

۶۱ اپنے ایمان کے جھوٹے دعوے کیا کرتے تھے۔ سزائے دردناک جو اس رکوع میں مذکور ہے، ان لوگوں کی منافقت پر وارد ہوئی ہے، نہ کہ مطلقاً کذب یا کذب بیانی پر، جیسا کہ بعض انگریز مترجمین اپنی غلط فہمی سے سمجھے ہوئے ہیں۔

۶۲ یہ کہنے والے خود رسول اللہ صلعم اور مومنین تھے۔

۶۳ دین فطرت سے بغاوت و انحراف کا نتیجہ ہمیشہ روئے زمین پر فتنہ و فساد، اختلال و بد نظمی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

۶۴ انکی غباوت یا شرارت کا کیا ٹھکانا تھا کہ عین افساد کو اصلاح قرار دے رہے تھے!

۱۴۔ واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن۔

اور جب وہ ملتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں ۱۶؎، تو کہتے ہیں ۱۷؎ کہ ہم ایمان لائے ہیں ۱۸؎۔ اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں کے پاس پہونچتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم صرف ہنسی کر رہے تھے ۲۰؎

۱۵۔ اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔

اللہ (ہی) اُن سے ہنسی کر رہا ہے ۲۱؎ اور انھیں ڈھیل دے رہا ہے، اُنکی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے ہوئے۔

۱۶۔ اولٰئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدٰی فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی گمراہی ۳۱؎ بعوض ہدایت کے ۳۲؎، سو نہ سودمند ہوئی انکی تجارت ۳۳؎ اور نہ وہ راہ یاب ہوئے ۳۵؎۔

۱۷۔ مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون

ان کی مثال ۳۶؎ اس شخص ۳۷؎ کی سی مثال ہے جسنے آگ روشن کی ۳۸؎، پھر جب روشن کر دیا ۳۹؎ آگ نے اُسکے آس پاس کو ۴۰؎ تو سلب کر لیا اللہ نے اُنکی روشنی کو اور چھوڑ دیا اُنکو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے نہیں ۴۱؎۔

۱۵؎ اتنی موٹی بات کا بھی شعور نہیں رکھتے!

۱۶؎ یہ کہنے والے مومنین ہیں

۱۷؎ (اللہ اور رسول پر)

۱۸؎ یعنی صدق و اخلاص کے ساتھ۔

۱۹؎ جواب اور اپنی صفائی میں کہتے ہیں۔

۲۰؎ یہ طنز ہے مومنین صادقین پر۔ اور انکا غایت حمق یہ ہے کہ پہلے تو افساد کا نام اصلاح رکھا تھا، اب عقل کو بیوقوفی قرار دیتے ہیں۔

۲۱؎ کیا ٹھکانا ہے اس حمق و نافہمی کا!

۲۲؎ یعنی ذی وجاہت وصاحب اثر مسلمانوں سے۔

۲۳؎ (ان کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے)

۲۴؎ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں)

۲۵؎ یعنی اپنے شریر رفیقوں، سرغناؤں اور سرداروں کے پاس۔

۲۶؎ (عقائد و خیالات میں) ۲۷؎ (مسلمانوں سے)

۲۸؎ یعنی اُن کی ہنسی کو اُن کے اوپر اُلٹے دیتا ہے، جیسا کہ بہت سے اہل زبان ارباب لغت کا بیان ہے۔ اس قسم کے محاورات کتب مقدسہ قدیمہ میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً

"تو اے خداوند اُن پہ ہنسے گا تو ساری قوموں کو مسخرہ بنا دے گا" (زبور۔ باب ۵۹ آیت ۸)

"از بسکہ میں نے بلایا پر تم نے نہ مانا۔ میں نے اپنا ہاتھ لمبا کیا پر کوئی متوجہ نہ ہوا۔۔۔۔ تو میں بھی تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا" (امثال۔ باب ۱ آیت ۲۶)

۲۹؎ (بے روک ٹوک)

۳۰؎ یہی معنی ہیں اللہ کی ہنسی کے۔ 'عمہ' اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سُجھائی نہ دے، اور ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا رہے۔ (لین، القاموس)

توریت میں بدکاروں کے انجام کے باب میں ہے:۔

"وہ جو بُرائی کا ہل جوتتے، اور بدی کا بیج بوتے ہیں، وہ اُسی کو کاٹتے ہیں۔ وہ خدا کے جھونکے سے ہلاک ہوتے ہیں، اور اسی کے نتھنوں کے دَم سے فنا ہو جاتے ہیں"

(ایوب۔ باب ۴ آیت ۸ و ۹)

۳۱؎ یعنی بجائے صرف اور دوسری چیز۔!

۳۲؎ 'ب' بمعنے بالعوض،

۳۳؎ ایسی بےبہا جنس (قیمت دی گیا، اس کے معاوضہ میں خرید لیا! کیا حد ہے ایسوں کی غباوت کی۔

۳۴؎ یعنی یہی ہدایت کے عوض گمراہی کی خریداری۔

۳۵؎ وہ کیسے ہوتے، جبکہ اپنی قوت ارادہ سے صحیح کام نہ لیکر خود ہی گمراہی خرید رہے تھے

۳۶؎ یعنی منافقین کی حالت واقعی کی مثال،

۳۷؎ اُس شخص سے یہاں مراد رسول اللہ صلعم کی ذات پُرنور ہے۔

۳۸؎ رُشد و ہدایت کی۔

۳۹؎ یعنی جب تمام مسائل خوب روشن و محقق ہوگئے۔

۴۰؎ یعنی منافقین کا اندرونی نور بصارت سلب ہوگیا۔

۴۱؎ تشبیہ مرکب ہے۔ وحی الٰہی کی آگ سے گرد و پیش کی ہر شے کو منور کر دینے والے رسول اللہ صلعم تھے۔ منافقین نے شدت عناد سے عین وقت پر اپنی آنکھوں کو پھوڑ لیا، اور کسب نور سے محروم رہ گئے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں:۔

"یعنی اللہ نے نبی سے دین اسلام روشن کیا، اور خلق نے اُس میں راہ پائی۔ اور منافق اُسوقت اندھے ہوگئے۔ آنکھ کی روشنی نہ ہو تو مشعل کیا کام آوے"۔

۴۲؎ یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں۔

۴۳؎ (کلمہ حق و ایمان سے)

۴۴؎ (نوید حق سے)

۴۵؎ یعنی اپنی ان اختیاری گمراہیوں کے نتیجہ کے طور پر۔

۴۶؎ (راہِ حق کی طرف)

۴۷؎ منافقین مدینہ دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کے دلوں میں سرتاسر کفر ہی تھا، ایمان کا سرے سے گزر نہ تھا، اس قسم کے منافقین کے لیے پچھلی تمثیل تھی۔ دوسرا گروہ اُن منافقین کا تھا، جو بکسر منکر نہ تھے، بلکہ روشن خیال "متشککین" کی طرح مذبذب میں تھے۔ کبھی کچھ اسلام کی طرف بڑھتے، اور کبھی پھر بالکل پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اس دوسری قسم والوں کے لیے اب تشبیہ آرہی ہے۔

۴۸؎ مراد اس باران رحمت سے طلوع اسلام ہے۔

۱۸- صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون
بہرے[44] گونگے[45] اندھے[46] پس اب وہ رجوع نہ ہوں گے[47]۔

۱۹ او کصیبٍ من السماء فیہ ظلمٰت و رعد و برق، یجعلون اصابعھم فی اٰذانھم من الصواعق حذر الموت و اللہ محیطٌ بالکٰفرین
یا جیسے[48] آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو[49] اُس میں اندھیرے ہیں[50] اور گرج اور بجلی[51] ٹھونسے لیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں بجلی کے سبب، خوف سے موت کے[52] اور اللہ احاطے میں لیے ہوئے ہے کافروں کو۔

۲۰- یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاء لھم مشوا فیہ و اذا اظلم علیھم قاموا و لو شاء اللہ لذھب بسمعھم و ابصارھم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر
قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُنکی بینائی، جب جب چمکتی ہے وہ اُن پر جو اس میں چلنے لگتے ہیں[53]، اور جب اُن پر اندھیرا ہوا تو کھڑے رہ جاتے ہیں[54]، اور اگر اللہ ارادہ کرتا تو لے جاتا اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں[55]، اور بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

۴۹ مراد اُن شدائد سے ہے جو آغاز اسلام میں مسلمانوں کو برداشت کرنا ہوتے تھے۔
۵۰ اُن اندھیریوں میں چلنے والے - مراد منافقین مذبذبین ہیں۔
۵۱ منافقین اپنے ضعف قلب، اور جُبن کی بنا پر، اسلام لانے میں ہر وقت اپنے لیے خطرات ہی دیکھ رہے تھے۔ یہ اشارہ اس کی جانب ہے۔
۵۲ انوار ایمان و آثار غلبۂ اسلام کو دیکھ کر ان منافقین کے قدم اسلام کی طرف کچھ اُٹھتے۔
۵۳ مومنین کے ابتلاء کو دیکھ، یہ منافقین پھر رُک جاتے۔
۵۴ جیسا اس نے بعض اگلی قوموں کے لیے ارادہ کیا۔
۵۵ جیسا کہ حسب روایت توریت، بعض اگلی امتوں کے ساتھ معاملہ پیش آ بھی چکا ہے :-
"جب وہ اُس کی طرف کو اُترے تب الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا ان لوگوں کو مہربانی کرکے اندھا کر دیجیے۔ سو اُس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا، ان کو اندھا کر دیا۔"
(۲- سلاطین - باب ۲- آیت ۱۰)

(بقیہ صفحہ ۳)

تا آنکہ ۱۹۳۴ء میں، ایک سال کے اندر کے حادثوں کی تعداد ۲ لاکھ سے اوپر ہوکر رہی!

اسٹیٹسمین (۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء) کا لندنی وقائع نگار، اعداد بالا دے کر لکھتا ہے، کہ اتنے خونی حادثوں کا اصلی اور بڑا سبب، تحقیق سے معلوم ہوا، یہ ہے، کہ موجودہ سڑکوں کی تعمیر اس وقت ہوئی، اور اُس زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہوئی تھی، جب موٹروں کا دور دورہ نہ تھا، اب زمانہ موٹروں کا ہے۔ اب ضرورت ایسی سڑکوں کی تعمیر کی ہے، جن میں ان جدید ضروریات کا پورا لحاظ رکھ لیا جائے۔ امریکہ میں اگر ہر مربع میل کے لیے پرتہ سات موٹروں کا پڑتا ہے، تو برطانیہ میں ہر مربع میل کے لیے اوسط، ۲۲ موٹروں کا ہے! بس اب ضروریات وقت کا لحاظ کرکے، نئی سڑکیں تعمیر ہوں گی، جنکا پنج سالہ تخمینۂ مصارف ۱۳ کروڑ پونڈ ہے! —— تشخیص مرض سبحان اللہ اور علاج مرض تو ماشاء اللہ! مشرقی دماغ ان نکتہ سنجیوں کی داد دینے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے!

سرزمینِ حرم

مکہ معظمہ میں عنقریب بجلی کی روشنی ہونے والی ہے، اور پانی کے نل بھی لگائے جائیں گے۔

مصر جدید کا نامہ نگار بیان کرتا ہے کہ "تمام جدید سامان آسایش، یہی مہیا کیا جائے گا —— چنانچہ مصر سے چند ماہرین روانہ کیے گئے ہیں، تاکہ حجاز گورنمنٹ کو "جدید سامان آسایش" کے متعلق مشورہ دیں۔

ماہرین کی آمد شروع ہوگئی تو سمجھیے کہ اُن مقدس ریگستانوں کی ہوا بدلی! —— پانی کے نل اور بجلی کی، دوستی کبھی تنہا نہیں آتی —— اپنے ساتھ "جدید سامان آسایش" کے ماہرین کو بھی لاتی ہے! —— یہ غذا اتنی لذیذ ہے کہ اس کا کھانے والا ایک ہی لقمہ کھا کر بس نہیں کرتا! پہلے تو بجلی سڑکوں کو روشن کرتی ہے، پھر پانی کے نل چلاتی ہے، پھر پنکھے چلاتی ہے —— یہ سب، مخلوق خدا کی آسایش کے سامان ہیں —— مگر اب کچھ آگے بھی چلیے —— کھانا بجلی سے کیوں نہ پکے۔ پانی بجلی سے کیوں نہ گرم ہو، کپڑے بجلی سے کیوں نہ دھوئے جائیں، مکان بجلی سے کیوں نہ ٹھنڈے یا گرم کیے جائیں، قالین اور فرش پر بجلی کی جھاڑو کیوں نہ چلائی جائے —— یہ سلسلہ چلا تو پھر چلا - آج نہیں تو دس بارہ برس میں نجدی بدویت کا دامن پیرس اور لندن اور نیویارک سے بندھا ہوگا اور "جدید آسایشوں" کی فضا میں ریگستان کی بدویت آخر فرنگستان کی تہذیب سے ہم آغوش ہوگی!! ——

ہونا چاہیے یا نہ ہونا چاہیے، مگر ہوگا تو یہی!!

تھا آفتِ جاں اُسکا انداز کماں داری
ہم بچ کے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا!
(پیام)

سفیروں کی ضرورت

'صدق' کے حلقۂ افادہ کو وسیع تر کرنے اور نیز اس کی مالی بنیاد کو مستحکم بنانے کے لیے منتظمین اخبار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مختلف حصص ملک میں سفرا روانہ کیے جائیں جو اپنے حلقۂ اثر میں صدق کی توسیع اشاعت کی کوشش کریں۔

جو صاحب یا صاحبان اس کام کے لیے آمادہ ہوں اُنھیں اس کام میں جب ہاتھ ڈالنا چاہیے کہ جب اُنھیں اسکا یقین ہو کہ صدق کے ذریعہ کوئی دینی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔ شرائط کے لیے پتہ ذیل پر خط و کتابت کیجیے :-

مہتمم اخبار صدق - نمبر ۴۳ - ہیوٹ روڈ - لکھنؤ

قانون اور خدائی قانون

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن)

نمبر (۲)

کلیسائے روم کے مذہبی قانون میں مذکورہ بالا اصولوں کی بنا پر جو قواعد بنائے گئے تھے اُن کی رو سے طلاق یعنی رشتۂ نکاح کا کامل انقطاع جس کے بعد زوجین کو الگ الگ نکاح کرنے کا حق حاصل ہو، قطعاً ممنوع تھا، البتہ تفریق کے لیے ۶ صورتیں تجویز کی گئی تھیں:- (۱) زنا یا جرائم خلاف وضع فطری (۲) اعانت (۳) ظالمانہ برتاؤ (۴) کفر (۵) ارتداد (۶) زوجین کے درمیان حرام خونی رشتوں میں سے کوئی رشتہ نکل آنا۔

ان چھ صورتوں میں جو قانونی چارہ کار تجویز کیا گیا تھا اس کو کوئی عقل کے مطابق کہہ سکتا ہے؟ عدالت سے تفریق کا فیصلہ حاصل کر کے ہمیشہ تجرد کی زندگی بسر کرنا! یہ قانونی چارہ کار نہیں بلکہ ایک سزا تھی جس کے خوف سے لوگ تفریق کے مقدمے ہی عدالتوں میں لے جاتے ہوئے ڈرتے تھے، اور اگر کسی شامت کے مارے جوڑے کی تفریق ہو جاتی تھی تو اُسے لامحالہ یا تو راہبوں کی سی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی یا پھر مدت العمر حرام کاری میں مبتلا رہنا پڑتا تھا۔

اس شدید اور ناقابل عمل قانون سے بچنے کے لیے مسیحی علماء نے بہت سے شرعی حیلے نکال رکھے تھے جن سے کام لیکر "چرچ" کا قانون ایسے بدنصیب زوجین کا نکاح فسخ کر دیتا تھا۔ منجملہ اُن کے ایک حیلہ یہ تھا کہ اگر کسی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ زوجین نے مدة العمر ساتھ رہنے کا جو عہد کیا تھا وہ بلا ارادہ اُن سے سرزد ہو گیا تھا ورنہ دراصل اُن کا مقصود محض ایک محدود مدت کے لیے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا (متعہ) تھا، تو اس صورت میں مذہبی عدالت انفساخ نکاح کا اعلان کر دے گی۔

مگر مسیحی قانون کی رو سے "انفساخ نکاح" کے معنی کیا ہیں؟ یہ کہ زوجین میں کوئی نکاح ہی نہیں ہوا، اب تک اُنکے درمیان ناجائز تعلقات تھے اور اُن سے جو اولاد ہوئی وہ حرامی تھی! اس معنی کے لحاظ سے یہ دوسرا قانونی چارہ کار بھی کچھ کم خراب نہیں ہے۔

رومن چرچ کے بالمقابل مشرقی کلیسا نے جس کو فقہ اسلامی سے متاثر ہونے کے بہت زیادہ مواقع ملے ہیں نسبۃً ایک بہتر اور قابل عمل قانون بنایا ہے اس میں ایک بند نکاح سے زوجین کو حسب ذیل وجوہ کی بنا پر آزاد کیا جا سکتا ہے (۱) زنا یا اُس کے مقدمات (۲) ارتداد (۳) شوہر کا اپنی زندگی کو قسیس کی حیثیت سے مذہبی خدمات کے لیے وقف کرنا (۴) بغاوت (۵) نشوز۔ (۶) جنون (۷) جنون (۸) برص وجذام (۹) طویل مدت کے لیے قید ہونا۔ (۱۰) نفرت باہمی یا شدید ناموافقت مزاج۔

لیکن مغربی ممالک کے مذہبی پیشوا اس قانون کو نہیں مانتے وہ کلیسائے روم کی فقہ پر ایمان لا چکے ہیں جس میں قطعی طور پر طے کر دیا گیا ہے کہ رشتۂ نکاح بجز موت کے کسی اور چیز سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ اب اس فتوے کے بعد انکے لیے عقل سے کام لینا تو درکنار خود اپنے ہی دین کے ایک دوسرے مذہب فقہی پر غور کرنا بھی حرام ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء کے رائل کمیشن کے سامنے بشپ گور نے مشرقی کلیسا کے بعض مسائل اخذ کرنے کی مخالفت محض اس حجت کی بنا پر کی کہ انگریزی چرچ رومن کلیسا کی فقہ کا پابند ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کی میں بالفاظ صریح یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہم کسی ایسے مرد یا عورت کا نکاح ہی نہیں پڑھا سکتے جس کا سابق شریک حیات ابھی زندہ موجود ہو۔ آخری اصلاح جس پر سنہ ۱۹۳۵ء میں انگلستان کے مذہبی پیشواؤں کی اکیسٹکلس متفق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح سے پہلے کوئی فریق امراض خبیثہ میں مبتلا ہو یا موروثی خرابی دماغ یا نقص جسمانی کا شکار ہو اور نکاح کے وقت اس کو دوسرے فریق سے چھپایا گیا ہو، یا عورت حاملہ ہو اور نکاح کے وقت اُس نے شوہر سے اپنے حمل کو مخفی رکھا ہو تو نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔ ....

اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کے بعد کوئی صورت پیش آئے تو نہ عورت کے لیے مذہبی حیثیت سے کوئی چارہ کار ہے اور نہ مرد کے لیے!

یہ تو تھا مذہبی گروہ کا حال جس میں صدیوں تک بڑے بڑے عقلاء، علماء، اور فقہاء پیدا ہوئے مگر چونکہ ان کے پیشواؤں سے مسیح علیہ السلام کے ایک ارشاد کا مفہوم اور اس کی قانونی حیثیت سمجھنے میں جو غلطی ہوئی تھی، اس کا اثر ان کے دل و دماغ پر ایسا گہرا جم گیا کہ رفتہ رفتہ زمانہ، تغیر احوال، علمی و عقلی ارتقاء، انسانی فطرت کا مطالعہ، سینکڑوں برس کے تجربات، خود صریح عقل کے فیصلے اور دوسرے بہتر قوانین کے نظائر، غرض یہ سب چیزیں مل جل کر بھی ان کو اس اثر سے آزاد نہ کر سکیں، اور دو ہزار برس کی طویل مدت میں بھی رومن چرچ کے بہترین دماغ اپنے قانون کا توازن درست کرنے اور اس کو اعتدال کے صحیح نقطے پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اب ذرا ایک نظر ان روشن خیال اور وسیع علم و تجربہ رکھنے والے واضعین قانون کے کارناموں پر بھی ڈال لیجیے جنھوں نے مذہبی قانون کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنی قوموں کے لیے خود اپنے اجتہاد سے ازدواجی قوانین بنائے ہیں

انقلاب فرانس سے پہلے تک یورپ کے اکثر و بیشتر ممالک میں رومن چرچ کا مذہبی قانون نافذ تھا، اور اس نے دوسرے ایسے ہی قوانین کے ساتھ مل کر مغربی قوموں کی معاشرت اور اُن کے اخلاق کو بہت سی شدید خرابیوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ انقلابی دور میں جب آزاد تنقید اور آزادانہ تفکرات کی ہوا چلی تو سب سے پہلے اہل فرانس نے اس قانون کے نقائص کو محسوس کیا اور یہ دیکھ کر کہ علمائے دین کسی طرح اس کی اصلاح پر آمادہ نہیں ہیں اپنے سر سے اس بلا کو خود ہی اپنے کندھوں سے اتار پھینکا۔ (سنہ ۱۷۹۲ء)

اس کے بعد ہی یہ ہوا دوسرے ممالک میں بھی چلی اور رفتہ رفتہ انگلستان، جرمنی، آسٹریا، بلجیم، ہالینڈ، سویڈن، ڈنمارک، سوئزرلینڈ وغیرہ نے مذہبی قانون کو چھوڑ کر اپنے اپنے لیے خود قوانین نکاح و طلاق وضع کر لیے جن میں قانونی تفریق اور فسخ کے علاوہ طلاق کے لیے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس طرح مسیحی اقوام کے ایک جم غفیر کا اپنے مذہبی قانون سے آزاد ہو جانا براہ راست نتیجہ ہے اس تنگ نظری، جہل، اور تعصب کا جس کی بنا پر مسیحی علماء

ایک ناقابلِ عمل، خلافِ فطرت، اور سخت مضرت رساں قانون کو جبراً کسی مذہب کی حمایت سے مسلط رکھنے پر اصرار کر رہے تھے۔ یہ قانون خدا کا بنایا ہوا نہ تھا۔ محض چند انسانوں کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ لیکن پادریوں نے اس کو خدائی قانون کی طرح مقدس اور ناقابلِ ترمیم قرار دیا، اُنھوں نے اس کی کھلی ہوئی غلطیوں، مضرتوں اور خلافِ عقل امور کو دیکھنے اور سمجھنے سے قطعی انکار کر دیا کہ کہیں سینٹ پال اور فلاں فلاں ائمہ متقدمین کے نکالے ہوئے مسائل میں غلطی کا امکان تک فرض کر لینے سے ان کا ایمان سلب نہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ اُنھوں نے خود اپنے دین کے ایک دوسرے فقہی مذہب سے بھی استفادہ کرنے کی مخالفت کی، اس بنا پر کہ مغربی چرچ کا قانون مشرقی چرچ کے قانون سے بہتر ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کہ ہم مغربی چرچ کے تبع ہیں، مذہبی پیشواؤں کے اس طرزِ عمل نے مغربی قوموں کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار باقی ہی نہ رکھا کہ وہ اپنے قانون کی بندشوں کو توڑ پھینکیں جس کی غلطیاں اور مضرتیں ظاہر ہو جانے کے بعد قابلِ اصلاح نہیں سمجھی جاتیں۔

ایک قانونِ ازدواج ہی پر کیا موقوف ہے دراصل یہی پادریانہ ذہنیت یورپ کی قوموں کو الحاد و دہریت اور لامذہبی کی طرف دھکیل کر لے گئی ہے۔

مذہبی قانون سے آزاد ہونے کے بعد مغربی ممالک میں گزشتہ ستر اسی سال کے اندر جو ازدواجی قوانین وضع کیے گئے ہیں اُن کو بنانے میں اگرچہ سیکڑوں ہزاروں دماغوں نے اپنی بہترین قابلیتوں کے ساتھ حصہ لیا ہے، اور نئے تجربات کی روشنی میں پے در پے ترمیمیں اور اصلاحیں بھی کرتے رہے ہیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے قوانین میں وہ توازن و اعتدال پیدا نہیں ہو سکا ہے جو عرب کے ایک اُمی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پیش کیے ہوئے قانون میں پایا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مذہبی قانون سے آزاد ہو کر بھی وہ اپنے دل و دماغ کو ان تصورات سے اب تک پاک نہیں کر سکے ہیں جو انھیں رومن چرچ کے ابتدائی بانیوں سے وراثت میں ملے ہیں۔

مثال کے طور پر انگلستان کے قانون کو لیجیے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے تک وہاں صرف زنا اور ظالمانہ برتاؤ، یہ دو ایسے وجوہ تھے جن کی بنا پر قانونی تفریق کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ طلاق جس کے بعد زوجین نکاحِ ثانی کے لیے آزاد ہوں اس وقت تک وہاں ممنوع تھا۔ ۱۸۵۷ء کے قانون میں مذکورہ بالا دو وجوہ کے ساتھ نشوزِ احد الزوجین کو بھی ایک جائز وجہ تفریق قرار دیا گیا بشرطیکہ وہ دو سال یا اُس سے زیادہ تک جاری رہا ہو۔ علاوہ بریں اسی قانون میں طلاق (یعنی عقدۂ نکاح سے قطعی آزادی) کو بھی جائز کیا گیا، مگر اس کے لیے لازم کر دیا گیا کہ مرد اگر طلاق چاہتا ہو تو وہ بیوی کو مرتکبِ زنا ہونا ثابت کرے۔ اور اگر عورت طلاق چاہتی ہو تو وہ شوہر کے ارتکابِ جرمِ زنا کے ساتھ ساتھ ظالمانہ برتاؤ یا نشوز بھی ثابت کرے۔ اس طرح گویا عورتوں اور مردوں کو مجبور کیا کہ خواہ وہ کسی وجہ سے ایک دوسرے کو چھوڑنا چاہتے ہوں، بہرحال ان کو ایک دوسرے پر زنا کا الزام ضرور لگانا پڑے گا۔ اور کھلی عدالت میں اس کا ثبوت دے کر ہمیشہ کے لیے سوسائٹی کے ایک فرد کی زندگی کو داغدار بنا دینا ہوگا۔ اس قانون نے زنا کے جھوٹے الزامات تراشنے کا دروازہ کھولا، عدالتوں کو سوسائٹی کے تمام گندے کپڑے دھونے کی جگہ بنا دیا، اور پھر عدالتہائے طلاق کے مقدمات کی اشاعت گویا بداخلاقی کے اشاعت کا ذریعہ بن گئی۔ مزید برآں اس قانون نے شوہروں کو دیوثی کی بھی تعلیم دی۔ کیونکہ اس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ بھی وصول کر سکتا ہے، یعنی عورت کی عصمت کا معاوضہ! تمتع ناجائز کی قیمت جو قرساقوں کا ذریعۂ آمدنی ہوا کرتی ہے!

۱۸۶۶ء کے قانون میں عدالت کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو نکاح کو توڑنے کے ساتھ ساتھ خطاکار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بار بھی ڈال سکتی ہے۔ ۱۹۰۷ء کے قانون میں شوہر کے خطاکار ہونے کی شرط اُڑا دی گئی اور عدالت کو مطلقاً یہ حق دیا گیا کہ جہاں مناسب سمجھے مطلقہ عورت کے نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ڈال دے۔ یہ عورتوں کے ساتھ کھلی ہوئی جانبداری ہے، اور یہاں صاف طور پر توازن بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ جب عورت اور مرد کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تو محض سابق تعلق کی بنا پر ایک غیر عورت کو ایک غیر مرد سے نفقہ دلوانا درانحالیکہ اس نفقہ کے بالمقابل اس مرد کو کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی نہ عقلاً درست ہے اور نہ اس کو مبنی بر انصاف کہا جا سکتا ہے۔

صلائے عام

صدق کے عملۂ انتظامی نے اس کی روز افزوں ترقی اشاعت دیکھ کر طے کیا ہے کہ آئندہ سے صدق کے صفحات پر اشتہارات کی گنجائش اسکی ضخامت میں اضافہ کر کے نکالی جائے۔ مشتہر صاحبان پتۂ ذیل پر خط و کتابت کریں۔

مہتمم صدق۔ لکھنؤ

شریعتِ الٰہی کے حدود

قدیم زمانہ میں عام طور پر مسلم سوسائٹی، اور خصوصاً مسلمان عورتوں کا معیارِ اخلاق، بہت بلند تھا۔ اسلامی تعلیمات اُن کے رگ و پے میں راسخ تھیں۔ اسلامی حکومت موجود تھی۔ اسلام کے تعزیری اور اصلاحی قوانین نافذ تھے۔ اخلاقِ عامہ کی حفاظت کے لیے سخت انتظامات تھے۔ اس زمانہ کے فقہاء ان حالات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے جو اس وقت ہندوستان میں انگریزی حکومت، مغربی تمدن، غیر مسلم اکثریت، جدید علوم اور ادبیات کی اشاعت اور طریقِ تربیت کی خرابیوں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ انھوں نے فسخ و تفریق کے لیے جو قوانین بنائے تھے وہ اُس زمانہ کی اجتماعی حالت کے مناسب ہو سکتے تھے۔ مگر آج مسلمانوں کی معاشرت کو مقاصدِ شریعت کے مطابق پاکیزگی کے کم سے کم معیار پر قائم رکھنے کے لیے بھی وہ قوانین کافی نہیں ہیں۔ اس زمانہ کے اولی الامر کا فرض یہ ہے کہ وہ اس وقت کی مسلم سوسائٹی کے حالات کو دیکھیں۔ جو خرابیاں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں اُن کے اسباب کی تحقیقات کریں اور اُن کی اصلاح کے لیے ایسی قانونی تدبیریں اختیار کریں جو موجودہ طرزِ حکومت کے ماتحت اختیار کی جا سکتی ہیں۔ ان حالات کے لیے جزئی قوانین وضع کرنا ۱۱سو برس پہلے کے فقہاء کا فرض نہ تھا۔ وہ غیب داں نہ تھے کہ اُن پر قیامت تک کے تغیراتِ احوال روشن ہوتے، نہ وہ خدائے علیم و حکیم کی سی بصیرت رکھتے تھے کہ قرآنی احکام کی طرح جامع احکام وضع کر سکتے۔ اگر اس زمانہ کے ہندوستانی اولی الامر صرف انھیں جزئیات پر انحصار کریں گے جو ہزار بارہ سو برس پہلے کے فقہاء وضع کر گئے ہیں تو وہ اپنے فرض سے ہرگز سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

عموماً ہمارے علماء اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ خدا اور رسول کے احکام اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات میں فرق نہیں کرتے وہ ان دونوں کے مجموعہ کا نام شریعت رکھتے ہیں اور اس مجموعی "شریعت" کو دائمی اور ناقابلِ تغیر و تنقید، اور ناقابلِ حذف و اضافہ قرار دیتے ہیں۔ جہاں کسی نے فقہی مسائل پر تنقید کی یا اُن میں حذف و اضافہ کی ضرورت ظاہر کی، اور اُنھوں نے یہ کہہ کر اُس کا منہ بند کر دیا کہ "شریعت" ایک دائمی قانون ہے، اس میں قیامت تک نہ ترمیم ہو سکتی ہے نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ دراصل شریعت کا اطلاق صرف قرآن مجید کے احکام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل پر ہوتا ہے۔ یہی چیز دائمی ہے۔ اور بلاشبہ اس میں ترمیم و اصلاح کی قیامت تک ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ الٰہی علم و بصیرت پر مبنی ہے اور زمان و مکان کے جملہ تغیرات میں یکساں قابلِ عمل ہے۔ لیکن اس شریعت کے اصول سے جو اجتہادی احکام ائمہ سلف نے مستنبط کیے ہیں وہ "شریعت" نہیں ہیں، بلکہ اصطلاحی زبان میں "قوانین" ہیں۔ انکے متعلق یہ گمان کرنا ہرگز درست نہیں کہ وہ بھی شریعت کی طرح دائمی اور ناقابلِ حذف و اضافہ ہیں۔ یہ گمان کرنے کے لیے کوئی بنیاد اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ معاذ اللہ ائمہ مجتہدین کو علم کے اعتبار سے خدا یا رسولِ خدا کا ہم پلہ سمجھا جائے۔ اور جب یہ غلط ہے تو ان کے وضع کیے ہوئے قوانین کو تنقید سے بالاتر قرار دینا اور اُن پر اضافہ کو غیر ممکن سمجھنا بھی غلط ہے۔

علمائے کرام سو برس سے اسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تغیر پذیر زمانے کی ہر ضرورت کے موقع پر جب کبھی مسلمانوں نے اجتہادی احکام میں ترمیم و اضافہ کی درخواست کی، علماء نے ان کو یہی کہہ کر خاموش کر دیا کہ یہ اللہ کی دائمی شریعت ہے۔ اول اول مسلمان "شریعت" کا نام سن کر چپ ہو گئے، مگر تلخ حقائق کی یہ دنیا جو مجبوریوں اور تقاضوں کے بار بار اپنے نت نئے مطالبات سے کب تک باز رہ سکتی تھی، رفتہ رفتہ مسلمانوں میں یہ غلط خیال پیدا ہو گیا کہ وہ قانون جو اپنی نمایاں کوتاہیوں کے باوجود اپنے نمائندوں کی زبان سے غیر تغیر پذیر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اسی کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ وہ پوری شریعت کا جُوا اپنے کندھوں سے اُتار پھینکنے پر آمادہ ہو گئے۔ کیونکہ احکامِ خدا و رسول اور اجتہاداتِ ائمہ کے درمیان اصولی فرق و امتیاز سے وہ بیگانہ تھے، اور علماء نے انکو اور بھی زیادہ بیگانہ کر دیا تھا۔ ٹرکی میں یہ ہو چکا ہے۔ ایران میں ہو رہا ہے۔ افغانستان بھی عنقریب اسی راستہ پر نظر آتا ہے۔ اب اگر ہماری کشتی کے کھیون ہاروں کا یہی حال ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں تو ہندوستان کا بھی خدا ہی حافظ ہے۔

(ترجمان القرآن)

مولانا ابوالکلام کا تازہ کلام

(خطبۂ عید الضحیٰ کا اقتباس)

جس حقیقت کو ایک مدت سے میں تمہارے سامنے رکھتا آیا ہوں، آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے کانوں تک پہونچاتا ہوں، اور کیا اتنے بڑے انسانی ہجوم میں چند انسان بھی ایسے نہیں ہیں جن کے دلوں کی صلاحیت اس حقیقت کو قبول کر سکے؟ میں پورے تیس برس سے غور و فکر کے بعد جس کی کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزری کہ میں نے پوری توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ غور و فکر نہ کیا ہو، اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و صلاح بجز اس کے کسی دوسرے معاملات پر موقوف نہیں ہے۔ جو قرآن کے ہر صفحہ پر لکھا ہوا تم دیکھو گے اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔ اور یہی دو مسائل ایسے ہیں جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالہ کر رکھا ہے۔ قرآن کریم نے اسی مسئلہ پر سب سے زیادہ زور دیا، سب سے زیادہ تاکید کی، مگر آج انھیں دونوں مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پس پشت ڈال دیا ہے، سب سے زیادہ غفلت، وہ غفلت جو انکار تو نہیں لیکن قریب انکار ضرور ہے، اسی غفلت کی نذر کر دی ہے، حالانکہ کفر و اسلام کے امتیاز کے سلسلہ میں بھی اسی نماز و زکوٰۃ کو معیار قرار دیا گیا ہے، فرمایا فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین، وہ اگر پچھلی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ کی پابندی کا اقرار کریں، تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرط اسلام، اظہار و اقرار اسلام، نیک عمل کے ساتھ ساتھ مشروط ہے قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے

غور کرو گے تو خود سمجھو گے کہ اسلامی اعمال و احکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام، اپنے حلقہ بگوش افراد سے خود انھیں کے مفاد کے لیے چاہتا ہے کہ ان کا ہر عمل اجتماعی ہو، اسی لیے فرض قرار دیا گیا کہ نماز ہر مسلمان باستثناء حالت مجبوری ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرے، اگر مشاغل معاش و ذرائع روزی مخل ہوں تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک وقت کی نماز ضرور ہر مسلمان جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے۔ مسلمان کی زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے ادا کی جائے، کچھ پروا نہیں اگر پورے شہر کی تنظیم نہیں ہو سکتی۔ اور میں آج اس غلط فہمی کی بھی تردید کر دوں جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جا رہی ہیں، کہ اس کے لیے امارت کی شرط ہے۔ امارت کی قطعاً کوئی شرط نہیں، البتہ وہ ایک اولیٰ صورت ہے۔ لیکن اگر امارت حالات کے تقاضا، یا ماحول کے اثر سے بعید الامکان یا ناممکن ہے، تو اس چیز کو جائز یا ناجائز بہانے پر اللہ کے ایک واضح، صریح، اور تاکیدی حکم میں تعیت و لعل، حیل و حجت یقیناً قابل سخت مواخذہ، قابل سخت وعید ہے۔ جو لوگ فرداً فرداً زکوٰۃ اپنے طور پر ادا کرتے ہیں میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ درست نہیں ہے، اور آج میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں، اور اس ممبر پر سے اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ یہ زکوٰۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے، درست نہیں ہے، بلکہ صحیح اور واضح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ہی نہیں ہے کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے، زکوٰۃ نام نہیں دیا جا سکتا۔

پس جب تک تم بحیثیت مسلمان، اجتماعی طور پر قرآن کے حکم اور ارشاد فطرت کے باعث اپنے اعمال خصوصاً نماز و زکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں کرتے، تم سے وہ تمام دینی برکات اور وعدے جن کی تم کو تلاش ہے، ہمیشہ تم سے دور رہیں گے اور جس دن تم نے اجتماعی شکل اور اعمال میں اجتماعی حسن نظام پیدا کر دیا، یقین کر لو کہ چھینی ہوئی ... . تمام دولت تم کو پھر سونپ دی جائے گی۔

میں تم سے آج پھر تاکید کرتا ہوں کہ اپنے اعمال میں اجتماعیت کی صورت پیدا کرو: اٹھو اور ہر ہر قصبہ و محلہ میں کم سے کم پانچ آدمیوں کی ایک جماعت بنا لو، چھ بھی نہیں صرف پانچ، جو زکوٰۃ کی تحصیل و تنظیم کرے اور اسے پوری ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ صرف کرے۔ تم دیکھو گے کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تمہاری کمیٹی کا ممبر بن جائے گا۔ اور یہ ایک قابل تقلید نمونہ بن جائے گا جس پر عامل ہو کر خیر و برکت کے متلاشی اپنی سعادتوں اور گم شدہ متاع دولت و حشمت ڈھونڈیں گے۔ کیا تم میں ایسے پانچ دل بھی نہیں ہیں جو میری بات گوش دل سن سکیں؟ (ہند)

(شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق ۲۳ بیوٹی روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ
اور
انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے
مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۱	لکھنؤ - ۹ - صفر المظفر ۱۳۵۵ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۶ء	جلد ۲

سچی باتیں

اسی ماہ اپریل کے شروع کی کوئی تاریخ تھی۔ لکھنؤ کا انگریزی روزنامہ پائنیر جو آیا، تو پہلے ہی صفحے پر بڑے بڑے جلی عنوانات اور سنسنی خیزی کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ ہولناک خبر درج، کہ شہر کے [illegible] اسکول میں دن دوپہر، فلاں لڑکے کو، پچھلے بہانے سے، فلاں لڑکے نے دریے سے باہر بلوا کر قتل کر ڈالا اور قبل اس کے کہ کوئی ادھر پہونچ سکے، خود اپنے کو بھی چھرا مار کر اسی وقت ختم کر دیا! مقتول ایک خوش جمال اور پروردہ، چودہ سال کا سبزہ آغاز لڑکا تھا، سپہ سالار ملک نیپال کا پوتا۔ قاتل اسی اسکول کا طالب علم، عمر میں اس سے بڑا ——— قتل اور خودکشی کے یہ اہم ترین اور سنگین واقعات کہیں جنگل بیابان میں نہیں، عین شہر لکھنؤ میں ہوتے ہیں! اور شہر کے کسی تنگ و تاریک گلی میں نہیں، کسی گوشے کونے میں نہیں، بھرے ہوئے اسکول میں! اندھیری رات کے ایک بجے نہیں دن دہاڑے! ——— یہ آپ ایک واقعہ کی خبر اخبار میں پڑھ رہے ہیں، یا کسی ڈیٹیکٹو ناول، جاسوسی یا سراغ رسانی کے افسانہ میں افسانہ نگار کی تخئیل کے نتائج ملاحظہ فرما رہے ہیں؟

خبر پڑھنے والے نقش حیرت ہیں۔ لیکن آخر یہ حیرت کیوں؟ اور اس قدر استعجاب کس بنا پر ہے؟ کیا اسکولی فضا اس قسم کے واقعات اور واردات سے اب اسی قدر دور ہو گئی ہے، جتنی آپ کے خیال میں اسے ہونی چاہیے؟ بزرگوں کا ادب، مذہب کا ڈر، دینی شرافت کا لحاظ، عزت کا پاس، تقوے کی فضیلت، نفس پرستی کی ملعونیت، شرم و حیا، ان میں سے کوئی چیز آپ نے اپنے لڑکوں میں باقی رہنے دی ہے؟ ناول آپ نے پڑھوائے، ڈرامے آپ نے دکھلائے، سینما میں آپ ساتھ لیکے، گندے سے گندے رسالے آپ نے پڑھنے دیے، ذلیل سے ذلیل اخبارات کے پڑھنے کا شوق آپ نے دلایا، "رومانیت" فخر و مسرت کے ساتھ آپ نے پیدا کرائی، اسکول کے اندر ہیرو اور ہیروئن اور ویلین، سب کے پارٹ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو خوش ہو ہو کر ادا کرنے دیے، "اداکاری" کی داد آپ نے اپنے بلند اقبال کو علانیہ دی، جب آپ کے نورِ نظر، آپ کے سامنے اسکول کے اسٹیج پر، چہرے پہ غازہ اور پوڈر مل کر، زنانہ لباس پہن پہن کر نمودار ہوئے، تو آپ غیرت سے کٹ کٹ نہ گئے، زمین میں شرم سے گڑ گڑ نہ گئے، بلکہ اُلٹے داد و تحسین میں شریک رہے، اور جب بدنفسوں نے "تالیاں بجائیں، تو ان داد دینے والوں میں خود آپ ہی تھے ——— جب صورت حال یہ ہو چکی، تو اب آپ اس پر حیرت کرنے بیٹھے ہیں، کہ اسکول میں چاقو کیسے مل گئے، فلاں نے فلاں پر پستول کے فیر کیسے کر دیے، شیطان کی نذر اس کی یا اُس کی جان کیسے ہو گئی! حیرت کرنی چاہیے ان واقعات کے وقوع پر! یا اس پر کہ اب تک اس قسم کے واقعات اتنے کم کیوں واقع ہوئے ہیں؟

حضرت اکبر الہ آبادی کی ایک مشہور و دلچسپ نظم، ایک نوجوان کی زبان سے ہے، جنہوں نے ولایت جا کر، ایک میم سے شادی کرلی تھی لڑکا

کہتا ہے ؎

ہر طرف سے سن رہا ہوں طعنہائے دلخراش
. . . . . .
کوئی کہتا ہے کہ بس بس شاباش نامِ قوم کوئی کہتا ہے کہ ہے یہ بدخصال و بدمعاش

اس کے بعد کہتا ہے کہ کیا دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے۔ یہ میرے بزرگ میرے حق میں آخر اتنے ناانصاف کیوں ہو گئے ہیں۔ مجھے شروع سے تعلیم کیا ملی ہو؟ "آئینہ کس چیز کی ہستی؟ یہی نہ کہ انگریزی سوسائٹی کی ایک چیز ہو، معاشرت میں، طرزِ زندگی میں، انگریز بن جاؤ۔

یا وہ تہذیبِ مغرب کے آزاد و خرم ہو تم قوم انگلش سے ملو، سیکھو وہی رنگ و روش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش
بال میں ناچو، کلبوں میں جا کے کھیلو تاش اور [illegible] کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش

میں نے آخر اسی تعلیم پر تو عمل کیا؟ "جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایا ہو گیا" نتیجے وہی عمل کر رہے ہیں، جو فطرت نے لازم کر رکھے تھے۔ "دل یہی تھا آخر نہیں تھی پرت کی یہ کوئی قاش" آج اسی خیالی نظم کے فرضی نوجوان کی ہم زبان ہو کر، اس عہدِ جدید کے خونیں ڈرامے کے خیالی و فرضی نہیں، اصلی و واقعی قاتل کی روح، اگر اپنی صفائی میں یہ شعر پڑھے تو کچھ بیجا ہے؟

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می‌گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش!

مصر کی خدمتِ قرآنِ مجید

مصری اخبارات میں مضمون شائع ہوا ہے کہ

"وزارتِ تعلیم مصر، جامع ازہر کے اشتراک سے بہت جلد ایک عظیم الشان عمل کی ابتدا کرنے والی ہے، یعنی قرآن کریم کا یوروپین زبانوں میں ترجمہ، تاکہ ان زبانوں کے جاننے والے قرآن کریم کے مقاصد اور آیات کا مطالعہ کر سکیں۔ اور بخوبی واقف ہو سکیں ... شاہِ مصر ملک فؤاد نے اس جلیل القدر کارنامہ سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے ... اسی سلسلے میں علامہ محمد مصطفیٰ مراغی شیخ الازہر نے صدر الوزراء علی ماہر پاشا کے نام ایک مراسلہ لکھا ہے، جس میں اس قابلِ قدر کارنامہ کی اہمیت اور ضرورت پر پوری تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں ... موصوف نے لکھا ہے کہ اس قسم کا غیر معمولی کام اگر جامع ازہر یا مصری وزارتِ تعلیم جیسی غیر معمولی کام اگر جامع ازہر یا مصری وزارت تعلیم جیسی غیر معمولی مجلس اپنے ذمے لے تو علاوہ قابلِ اطمینان کام ہونے کے یہ ایک زبردست دینی اور قرآنی خدمت ہوگی ... یہ کام جس قدر اہم ہے اسی قدر نازک بھی ہے، اور ضرورت ہے کہ کام کی اہمیت اور نزاکت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری پوری تیاری کر لی جائے، چنانچہ ترجمہ ایسا ہونا چاہیے، جو صحیح ہو، مکمل ہو، آیات کے معانی پر مشتمل ہو، آیات کے بیانی، علمی، تشریعی مقاصد کو واضح کرنے والا ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح ہو، نرا لفظی ترجمہ اور نقل نہ ہو۔"

خبر نہایت درجہ مسرت انگیز ہے۔ حیرت تھی، کہ اب تک قرآن مجید سے متعلق انگریزی میں جو کچھ بھی کام مسلمانوں کے ہاتھ انجام پایا ہے، وہ ہندوستان ہی کے مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوا، مصریوں کی اس میں اب تک کوئی شرکت نہیں رہی، حالانکہ مصر میں یوروپی زبانیں جاننے والے مسلمانوں کی کمی نہیں، اور مصر چونکہ کہنا چاہیے کہ یورپ سے متصل ہی ہے، اس لیے وہاں کے خیالات اور وہاں کی معاشرت سے متاثر بھی بہت زائد ہے، اور اس لیے قدرۃً قرآن کریم کے یوروپی تراجم و تفاسیر کی ضرورت بھی وہاں بہت زائد تھی۔ اتنا عظیم الشان اور ذمہ دارانہ کام، حقیقۃً کسی فردِ واحد کے بس کا ہے بھی نہیں، اس کی کفالت حکومت ہی کر سکتی ہے۔ خدا ایسا کرے، کہ حکومتِ مصر اور جامع ازہر کا اشتراک بہترین نتائج پیدا کرے، اور مصر پر جو قرض مدت سے چلا آ رہا تھا، وہ پوری طرح ادا کر رہے۔

کام کی رفتار

متعدد سمتوں سے استفسارات موصول ہو رہے ہیں، کہ انگریزی ترجمہ و تشریح قرآن مجید کا کام کہاں تک پہونچا۔ ان حضرات کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بحمد اللہ پارۂ ہشتم تک مسودۂ حواشی ہو چکا ہے۔ لیکن یہ محض مسودۂ اول ہے، اور تجربہ ہے کہ مسودۂ اول نظرثانی کے وقت پوری محنت اور پورا وقت لیتا ہے، اور بالکل نیا ہو جاتا ہے۔ ترجمہ میں جو جو دقتیں اب محسوس ہو رہی ہیں، اگر شروع سے انکا اندازہ ہوتا، تو شاید کام ہاتھ میں لینے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ جو ترجمے اس وقت تک موجود ہیں، اُن میں سے بعض، یقیناً اپنے رنگ میں اچھے ہیں، لیکن ترجمہ پن کی رعایتیں بہت ہی کم ملحوظ رکھی گئی ہیں، عموماً صرف عام مفہوم کے ادا کرنے پر قناعت کی گئی ہے، اور بہت جگہ تو اتنا بھی نہیں۔ کلام مجید کی ترکیبات نحوی اور مترادفات کے خفیف و نازک فرق پر غور بہت ہی کم ہوا ہے۔ یہ تو ہوا نفسِ ترجمے سے متعلق۔ رہے تاریخی، جغرافی، کلامی، حواشی، سو ان کی دشواریاں بالکل ظاہر ہیں۔ سب سے بڑھ کر، مترجم کی تنہائی اور نااہلی۔ شدید ضرورت، کم از کم دو معاونین کی تھی، ایک شعبۂ عربی میں، ایک شعبۂ انگریزی میں۔ اور پھر ایک عظیم الشان کتبخانہ کی فراہمی۔ بہر حال کام، جس طرح بھی بن پڑ رہا ہے، جاری ہے۔ سردست نیا کام رکا ہوا ہے، اور پارۂ اول پر نظر ایک بار پھر ہو رہی ہے۔ پچھلے عشرہ میں ایک مخلص ہموطن نے چھ روپیہ کی رقم پیش کی، جو قبول کر لی گئی۔ التماس دعا، ہر چھوٹے بڑے سے ہے۔

تحقیق کے کمالات!

برطانوی فوج کے ایک افسر میجر جنرل سر ہنری تھولیر ہیں۔ ۱۵ مارچ کو آپ نے رائل یونائیٹڈ انسٹیٹیوشن (لندن) کے سامنے تقریر فرمائی، اور اس کے دوران میں فرمایا کہ

"تمام آلاتِ حرب میں سے، سب سے زیادہ آسان موت زہریلی گیس ہی سے واقع ہوتی ہے"

لیجیے، اب تو "تحقیق" کے قدم یہاں تک پہونچ گئے، اور متعین ہونے لگا کہ موت، بندوق کی گولی کی آسان ہے یا توپ کے گولے کی یا بارود کے کارتوس کی یا ہوائی بم کی! اسکے بعد تو اب صرف یہ متعین کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ دوزخ کی آگ زیادہ سوزش کس طبقے کی رکھتی ہے، اور کم کس طبقے کی؟ اُس آگ میں کھال کو زیادہ جھلسا دینے والے شعلے ہوں گے یا انگارے؟ زیادہ اذیت آگ کی لپٹوں سے ہوگی، جو جسم کو جلائے گی یا

گھونٹے ہوئے پانی پینے سے، جو انتڑیوں تک کو کاٹ کر اور ہضم کر کے رکھ دے گا؟ ——— دوزخ کا یقین نہ ہو نہ سہی، فرض کر کے تو بہرحال یہ ساری تحقیق کی ہی جا سکتی ہے!

جدید عہد وفا

"یہ دعا درحقیقت میری رائے اوقات ثلثہ سے رجعت کا اعلان ہے۔ میں نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الخ کے معنی سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ مگر سید سلیمان صاحب ندوی سے ایک ملاقات کے دوران میں مجھے اپنی غلط فہمی کا مُقر ہونا پڑا۔ سید صاحب سے بالمشافہ گفتگو کرنے پر نہ صرف مجھے اپنی رائے اس مسئلہ میں بدلنا پڑی، یعنی کہ قرآن میں پانچ اوقات کی نماز کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مجھے معلوم ہوا کہ سید سلیمان ندوی موجودہ زمانے میں اسلام کی مغتنم ذاتوں میں سے ہیں، جو دنیا میں بہت کم پائی جاتی ہیں"۔

یہ تازہ ترین اعلان، ایک معلوم و معروف "حق گو" کا ہے، جو رسالہ بلاغ کے حوالہ سے، بواسطۂ رسالۂ اصلاح، دفتر صدق تک پہونچا ہے۔ ایڈیٹر صاحب الاصلاح نے ایک طویل مبارکباد کے تحت میں اسے شایع فرمایا ہے۔ اور اپنے مومنانہ حُسن ظن سے کام لیکر تحریر فرمایا ہے

"ہم کو اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ 'حق گو' صاحب کی نہایت سنگین غلط فہمی رفع ہوگئی۔ اور اس سے بڑھ کر مسرت اس بات پر ہوئی، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اعلان کی توفیق اور ہمت بخشی"۔

مسرت میں الاصلاح کے ساتھ صدق بھی بصدق دل شریک ہے۔ لیکن "حق گو" کا یہ اعتراف رجوع، پہلا عہد و پیمان نہیں۔ آج سے چھ سال قبل رسالہ نگار میں جب ان کا "فلسفۂ مذہب" مسلسل نکل رہا تھا، حالانکہ اس کے صفحات 'فلسفہ' سے بھی اسی طرح کورے ہوتے تھے جس طرح 'مذہب' سے، تو اُس وقت بھی "اعتراف و اعتذار" کے عنوان سے بڑے زور و شور سے اپنا ایک توبہ نامہ وہ شایع فرما چکے ہیں، اُس کے بعض فقرے ملاحظہ ہوں:—

"میں نے نگار کے مسلسل مضامین کو پڑھا…… حضرت ابوہریرہ کے متعلق میری تنقید جرح میں مجھے ایک سخت غلطی کا اب اشتباہ ہوا ہے۔ اور میرا یہ اسلامی فرض ہے کہ بہت جلد اپنی رائے کا اظہار کر کے اس سے قطعی رجعت کر لوں، اور آپ میرے اس توبہ نامہ کو بذریعہ اپنے اخبار کے مسلمانوں میں مشتہر کر دیں …… آپ کے ہاتھ پر تجدید ایمان کرتے ہوئے آپ سے برادرانہ التماس کرتا ہوں …… میں دوبارہ لکھتا ہوں کہ مجھے اپنی غلطی پر اشتباہ ہوگیا، اور آپ جس طرح چاہیں اس تحریر کو میرے سبب کام میں لا سکتے ہیں۔ میں عرصہ ایک سال کا ہوا کوئی مضمون وغیرہ نہیں لکھتا، میری تعلیمی مطالعۂ حدیث پر میری غفلت ….. ورنہ عاقبت اندیشی سے کوئی سال بھر ہوا انکار کو دیر ہی گئی تھی، اگر میری نیک نیتی پر میں قسم کھانے کو تیار ہوں،

اب میں اس کو قطعی واپس لیتا ہوں۔ اور کبھی ایسے مسائل میں قلم نہ اُٹھاؤں گا جو عامۂ مسلمین کے عقائد کے کسی طرح خلاف ہوں"!

یہ توبہ نامہ "نگار" کی تمہید کے ساتھ ہی نہیں، نگار، نمبر ۲۳، اکتوبر ۱۹۲۹ء میں نکلا، بلکہ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں بصورت پوسٹر لکھنؤ میں تقسیم بھی ہوا۔ اس "تجدید ایمان" کے بعد جو آخری فقرہ جلی کر دیا گیا ہے، اس پر "حق گو" صاحب نے جس طرح عمل کیا اُس پر خود اُن کا ضمیر شہادت دینے کو کافی ہے۔ … کہ استواری ابھی ان کے نصیب میں آئے:

پھر سہو ہو گیا ہے تری وعدہ خلافیاں
پھر اعتبار ہے مجھے عہد جدید کا!

اپنے اور بیگانے

جب امان اللہ خاں غازی اور انکی ملکہ ثریا انگلستان تشریف لیگئے اور وہاں آنجہانی ملک معظم جارج پنجم اور ملکہ میری سے ملاقات ہوئی تو ایک طرف ایک شریعت پرست مسلمان قوم کا بادشاہ اعلیٰ درجے کے مغربی لباس میں داڑھی مُنڈائے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ اس کی خوبصورت ملکہ انگریزی گاؤن پہنے آدھا سینہ اور پوری باہیں عریاں کیے ہوئے، بال ترشوائے، پاؤڈر لگائے، اونچی ایڑی کی گرگابی پہنے موجود تھی۔

دوسری طرف عیسائی بادشاہ اپنے ملک کا لباس پہنے، منہ پر داڑھی متانت و وقار کی تصویر بنا ہوا، اور اُس کے ساتھ اس کی ملکہ سر سے پاؤں تک انتہا درجے کا پردے دار لباس پہنے کھڑی تھی، جس سے چہرے کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصہ اور سر کا ایک بال بھی عریاں نظر نہ آتا تھا

ملکہ میری نے ملکہ ثریا سے ایک نہایت معنی خیز جملہ کہا "واہ واہ مغربی لباس اور مغربی فیشن تم پر کیا زیب دیتا ہے۔ کاش میں بھی تمہاری نقلید کر سکتی!"

۸- اپریل کو دہلی کے "لال کٹورہ باغ" میں کونسل آف اسٹیٹ کے ممبروں کی طرف سے وائسرائے اور وائسرائنی کے اعزاز میں ایک پارٹی تھی جس میں بعض مغربی خواتین کی طرح بہت سی ہندوستانی "میمیں" بھی مدعو تھیں جن میں سے بعض نے پاوڈر اور سرخی، اور "لپ اسٹک" کی کارفرمائی سے اپنے لب و رخسار کو لعلیں نہیں۔ آتشیں بنا رکھا تھا۔ گویا انتہائی کوشش کر رکھی تھی، کہ صورت شکل کے اعتبار سے یورپین لیڈیوں سے بھی سبقت لے جائیں۔

لیڈی ولنگڈن پرانی گنہگار! دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں، بے اختیار بول اٹھیں کہ "پاؤڈر اور لپ اسٹک وغیرہ سامان آرایش کا حد سے زیادہ استعمال میرے نزدیک کوئی پسندیدہ عادت نہیں ہے"!

یہ سُن کر ان خود آراستیوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ کیونکہ جس سے داد ملنے کی توقع تھی اُسی نے یہ بیداد کی۔ لیکن ان نیکبختوں کو اس سے عبرت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ آگے جا کر لیڈی ولنگڈن کے اس نفرت بہ مخالفانہ چہ میگوئیاں کرنے لگیں

(انقلاب)

سورۂ بقرہ - رکوع ۳

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۳۳ و ماقبل)

(از عبدالماجد)

۲۱ - یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

اے انسانو![1] عبادت اختیار کرو اپنے رب[2] کی، جس[3] نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے قبل[4] تھے۔ عجیب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ[5]۔

۲۲ - ہو الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون۔

(وہ رب) وہی ہے، جس نے بنایا تمہارے واسطے زمین[7] کو ایک فرش[8] اور آسمان کو[9] ایک چھت[10]، اور اتارا آسمان سے پانی[11] پھر نکالے اس کے ذریعہ سے پھل تمہاری غذا کو۔ سو مت ٹھہراؤ اللہ کے ہمسر[12] اور تم تو جانتے ہی ہو[13]۔

۲۳ - وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین

اور اگر تم شک[14] میں ہو اس (کتاب) کے بارے[15] میں جو نازل کی ہے ہم نے اپنے بندہ (خاص)[16] پر تو بنا لاؤ تم ایک سورۃ[17] اس جیسی[18] اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ[19] کے سوا، اگر تم سچے[20] ہو۔

۲۴ - فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودہا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین۔

پھر اگر یہ نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے[21] تو ڈرو اس آگ[22] سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں[23]، تیار کی ہوئی کافروں کے واسطے[24]۔

---

[1] اس خطاب نے پہلے خود یہ حقیقت واضح کر دی، کہ قرآن کا مخاطب عالم انسانیت ہے، نہ کہ کوئی مخصوص نسل یا قوم یا ملک۔

[2] اب یہاں سے مسئلہ توحید کی تعلیم شروع ہوئی، جو ساری اسلامی تعلیمات کے لیے بمنزلۂ بنیاد کا رہے

[3] (بلا کسی کی شرکت و اعانت کے)۔ یہ نہیں کہ عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک و معاون رہا ہو۔

[4] (عدم محض سے)۔ یہ نہیں کہ مادہ پہلے سے موجود تھا، اور خدا نے محض صورت دے دی

[5] پس الوہیت و معبودیت، صرف اسی ایک خالق بے ہمتا کو سزاوار ہے "تم کو" اور "تمہارے قبل والوں کو" یہ دو لفظ بول کر قرآن مجید نے حال و ماضی، مشاہدہ اور تاریخ، دونوں سے استدلال قدرت الٰہی و استنباط توحید کا سبق دے دیا۔

[6] دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں "عجب نہیں کہ تم بچ جاؤ (سزائے آخرت سے)" "لعل" جس کا ترجمہ "عجب نہیں" سے کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال جب حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے، تو مراد یہ نہیں ہوتی، کہ اس امر کا احتمال رکھو، بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ اس امر کی امید رکھو۔

[7] "زمین" انسان کے لیے خلق ہوئی ہے، انسان، زمین کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ یہ تنبیہ ہے ان مشرک قوموں کے عقائد پر، جو تعلیم و تہذیب کے بڑے بڑے دعووں کے باوجود، "زمین" کو ہی اپنا ایک معبود سمجھتی ہیں، اور "دھرتی مائی" کی پوجا کرتی رہتی ہیں۔

[8] "فراش" کے معنی ہیں "لائق فرش" وہ چیز جو بچھائی جائے، بچھی ہوئی چیز وہ چیز، جس پر چل سکیں۔ پیر رکھ سکیں، بیٹھ سکیں، نہ ایسی چیز جو بہ گہری ہو، جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا، ناممکن ہو۔ جعل لکم الارض فراشا ای وطاء لم یجعلہا حزنۃ غلیظۃ لایمکن الاستقرار علیہا (تاج العروس) زمین اپنی اصلی ہیئت کے لحاظ سے گردی ہو، مستطیل ہو، مربع ہو، مثلث ہو، جو کچھ بھی ہو، اس کی تعریف اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ مخلوق کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور یہی وصف قرآن مجید نے بیان کر دیا۔

[9] السماء کل ما اظلک (تاج العروس) سماء یا آسمان، ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کے سر کے اوپر ہو، جس طرح ارض یا زمین، ہر اس چیز کو کہیں گے، جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے، جس طرح ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ فضا اس قدر بلند ہو، کہ ہماری بڑی سے بڑی بلندیاں بھی اس میں سما جائیں، سماء کا اطلاق اس پر نہ ہوگا، تو اور کس چیز پر ہوگا۔

[10] ایسی چیز جو ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے، جس طرح زمین بطور فرش کے، ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے۔

[11] اس میں یہ حقیقت آگئی، کہ آسمان اور بارش، سب خدائے واحد ہی کی مخلوق و محکوم ہیں۔ اور اس سے رد ہو گیا، ان مشرک قوموں کا جو اکاش دیوتا اور اندر دیوتا، کی پرستش کرتی رہی ہیں۔

[12] قرآن مجید کا کام، ضمناً و کنایۃً بھی، مسائل ہیئت و جغرافیہ کی تعلیم دینا نہیں۔ اس لیے ان ابواب میں اس سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی استنباط کرنا صحیح نہیں۔ وہ ان روزمرہ کے مشاہدات پر توجہ صرف اثبات توحید و رد شرک کے لیے دلا رہا ہے۔ مشرک قوموں نے ہر ملک اور ہر زمانہ میں، زمین کو اور آسمان کو اور بادلوں کو اور درختوں کو دیبی دیوتا مانا ہے، اور پرستش کے لیے ان سب کے آگے سر جھکایا ہے۔ آیت میں ان عقائد کی اصلاح ہے۔ معبود اور پروردگار بننے کے لائق صرف وہ ذات واحد ہے، جس کی یہ سب مخلوق و محکوم ہیں۔

[13] الند بالکسر المثل والنظیر ... وقال الاخفش الند الضد والشبہ وقولہ انداداً ای اضداد و اشباہاً (تاج العروس) اللہ کے انداد ٹھہرانا، یعنی کسی کو کسی حیثیت سے بھی، اس کے مقابل، حریف، سہیم کی حیثیت دینا

[14] (الہام فطری کی بنا پر، کہ سب کا خالق و حاکم بس ایک ہی ہے) اتنی بصیرت ہر قلب میں ودیعت رکھدی گئی ہے۔ الا آنکہ کوئی شخص غلط تعلیم و تربیت اور ناقص ماحول سے خود اس فطرت ہی کو مسخ کر ڈالے۔

[15] کلمۂ اسلام کے دو ہی جزو ہیں۔ ایک توحید باری تعالیٰ دوسرے رسالت محمدی۔ توحید کا بیان ہو چکا، اب رسالت کا شروع ہوتا ہے۔

[16] (اسے کافرو اور منکرو!)

[17] یعنی اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے میں۔

[18] محمد، سردار انبیاء، و سرور رسل، اس انتہائی ندرت اور اہمیت کے موقع پر بھی، قرآن کے الفاظ میں محض "بندہ" ہیں اللہ کے! اس کے "ولد" اور "فرزند" نہیں، اس کے اوتار نہیں، اس کے "مثیل" نہیں، محض بندے! اور محققین بائبل کا

۲۵ - وبشر الذین آمنوا وعملوا الصلحت ان لهم جنت تجری من تحتها الانهر، کلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذی رزقنا من قبل واتوا به متشابها، ولهم فیها ازواج مطهرة وهم فیها خلدون۔

اور خوشخبری سنا دیجیے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے، اور جنھوں نے نیک کام کیے، کہ اُنکے واسطے (بہشت کے) باغ ہیں کہ چل رہی ہوں گی اُن کے نیچے سے نہریں۔ جب کبھی دیے جائیں گے وہ لوگ وہاں سے کوئی پھل کھانے کو تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اسکے قبل، اور ملیں گے (انکو پھل) ملتے جلتے، اور ہونگی اُنکے لیے پاکیزہ بیویاں، اور رہنے والے ہونگے وہ وہاں ہمیشہ (ہمیش)

۲۶ - ان اللہ لا یستحیی ان یضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها۔ فاما الذین آمنوا فیعلمون انه الحق من ربهم۔ واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ بهذا مثلا۔ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا۔ وما یضل به الا الفسقین۔

یقیناً اللہ نہیں شرماتا اس سے کہ بیان کرے کوئی مثال، مچھر کی ہو یا اس سے (بھی) بڑھی ہوئی، سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں، وہ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ (مثال) یقیناً (عین) حق ہے اُنکے رب کی جانب سے۔ رہے وہ لوگ جو کفر اختیار کر چکے ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے۔ گمراہ کرتا ہے اس (مثال) سے بہتوں کو، اور ہدایت دیتا ہے اس (مثال) سے بہتوں کو، اور گمراہ نہیں کرتا اس سے کسی کو بجز بے حکمی کرتے رہنے والوں کے۔

بیان ہے کہ بائبل میں بھی "خدا کے بندہ" کی اصطلاح ایسے ہی اعزاز و اکرام کے موقع پر آئی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بلیسیکا میں ہے :-

"یہوواہ کے بندے" کا فقرہ مختلف اشخاص اور جماعات کے لیے استعمال ہوا ہے ۔۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ کل استعمال تعظیم و اکرام ہے نہ کہ توہین و تحقیر۔ ٹھیک اسی طرح قرآن میں محمد کے لیے "عبدنا" انتہائی تعظیم و اکرام کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔"
(کالم ۴۳۹۸)

۱۹ اسکی بھی قید نہیں کہ کوئی بڑی ہی سورت ہو، چھوٹی سی چھوٹی سورت سہی۔

۲۰ خواہ بلحاظ بلندی معانی و مطالب، خواہ بلحاظ زبان و حسن ادا۔

۲۱ شہداء کے لفظی معنی گواہ کے ہیں۔ یعنی اور جو اپنے گواہ، تم نے خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں، ان سب معبودان باطل کو اپنی حمایت کے لیے بلا لو، اور سب مل کر زور لگا دیکھو۔ اس پُرزور تحدی کو سُن کر جیسا کچھ جوش آیا ہوگا ظاہر ہے۔

۲۲ (اپنے اس زعم و گمان میں، کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے)

۲۳ (تا قیام قیامت)۔ یعنی یہ تحدی صرف کفار عرب کے لیے نہ تھی، بلکہ ہمیشہ کے لیے، تمام دنیا کے مقابلہ میں تھی۔ اور حیرت سے زیادہ عبرت کے قابل یہ امر ہے، کہ آج بھی بڑے سے بڑے مستشرقین باکمال میں سے کسی کو دوسرا قرآن تیار کر دینے کی ہمت نہیں ہوتی! موجودہ صدیاں تو ہر طرح ایک اُمی کی زبان سے ادا کیے ہوئے اس دعوے اور تحدی پر گزر چکی ہیں۔

۲۴ (اپنے معاندانہ انکار حق کے نتیجہ کے طور پر)

۲۵ آگ سے مراد آتش جہنم ہے، آخرت کے اس عذاب آتشیں کا ذکر عہد عتیق میں بھی ہے :-

"کون ہم میں سے اُس مہلک آگ میں رہ سکتا ہے؟ اور کون ہم میں سے ابدی شعلوں کے درمیان بس سکتا ہے" (یسعیاہ ۳۳: ۱۴)

"خداوند فرماتا ہے" اور وہ نکل نکل کے اُن لوگوں کی لاشوں پر جو مجھ سے باغی ہوئے نظر کریں گے، کیونکہ ان کا کیڑا نہ مریگا، اور انکی آگ نہ بجھیگی" (یسعیاہ ۶۶: ۲۴)

حضرت مسیحؑ کی تعلیمات تمام تر رافت و حلم، عفو و درگزر کی سمجھی جاتی ہیں۔ مگر اس آگ کے جہنم کا ذکر اُنکے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے :-

"ٹنڈا یا لنگڑا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ یا دو پاؤں ہوتے تو ہمیشہ کی آگ میں ڈالا جائے .... کانا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں ہوتے تو آگ کے جہنم میں ڈالا جائے" (متی ۱۸: ۸، ۹)

"ٹنڈا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ ہوتے جہنم کے بیچ اُس آگ میں جائے جو کبھی بجھنے کی نہیں .... کانا ہو کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں ہوتے جہنم میں ڈالا جائے۔ جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس ۹: ۴۴، ۴۹)

۲۶ مراد وہ پتھر ہیں، جن کی پرستش مشرکین کرتے رہے ہیں۔ جہنم کی اصل غذا تو مشرکین و کفار ہی ہونگے، سزا انھیں کو ہوگی۔ اسی سزا میں اضافہ و اشتداد کی ایک صورت یہ بھی ہوگی، کہ انکی مورتیوں کو بھی انکے پہلو میں رکھ دیا جائے گا، کہ لو اب اپنے انھیں معبودوں سے کام لو، جنھیں برابر پوجتے رہے ہو۔ شرک کا سب سے بڑا عملی مظہر دنیا میں مورت پرستی رہی ہے، اور عموماً مورتیں پتھر ہی کی ہوتی ہیں، جیسا کہ مورخین اور مصنفین علم الاصنام کا متفقہ بیان ہے۔ (گرانٹ ایلن لکھتے ہیں :-

"دنیا کے ہر حصہ میں تاریخ کے ہر دور میں پرستش کی سب سے زیادہ عام چیز، پتھروں کے ٹکڑے رہے ہیں" (ارتقاء تصور خدا۔ صفحہ ۴۰۔ مطبوعہ ریوائس)

اور انسائیکلو پیڈیا بلیسیکا میں ہے :-

"احجار مقدسہ کی پرستش، مذہب کی وہ قدیم ترین شکل ہے جسکا ثبوت ہم تک پہونچا ہے، اور عام ترین بھی" (کالم ۲۹۷۹)

اور رابرٹسن اسمتھ نے لکھا ہے :-

"مقدس پتھر دنیا کے ہر حصے میں ملے ہیں، اور مختلف ترین دیوتاؤں کی پرستش کے سلسلہ میں" (مذہب سیمیاطیقیہ۔ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ لندن)

"عرب دیوتاؤں کا نام ہی صراحت کے ساتھ حجری ملتا ہے" (ایضاً، صفحہ ۲۰۵)

انسائیکلو پیڈیا بلیسیکا میں بنی اسرائیل کی بھی حجر پرستی کا ذکر ہے (کالم ۲۱۵۴)

۲۷ اس سے معلوم ہوا کہ آتش جہنم کی اصلی غایت، کفار و منکرین کی تعذیب ہے : کہ محض عاصیوں کی۔

۲۷- الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ہم الخسرون۔ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔

(۵۰) جو توڑتے ہیں اللہ سے (اپنے) معاہدہ کو ف۵۱ اس کے استحکام کے بعد، اور کاٹتے ہیں اُس چیز کو جسکے لیے اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رہنے کا ف۵۲، اور فساد پھیلاتے ہیں زمین میں ف۵۳ یہی لوگ ہیں خسارہ میں رہنے والے ف۵۴ -
کس طرح کفر کرتے ہو اللہ سے ف۵۶، درانحالیکہ تم بے جان تھے سو اُسے تمھیں جاندار کیا ف۵۸ - پھر وہ تمکو موت دیگا، پھر تمھیں زندہ کرے گا ف۶۰ پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۶۱

۲۹- ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰہن سبع سمٰوٰت، وہو بکل شیء علیم

وہ وہی ہے جس نے پیدا کی تمہارے واسطے ف۶۲ جو کچھ بھی زمین میں ہے سب ف۶۳، پھر توجہ فرمائی اپنے آسمان کی طرف سو درست کرکے بنائے اُن کو سات آسمان ف۶۵، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ف۶۶ -

ف۲۸ (اے ہمارے پیغمبر!) ف۲۹ (اللہ اور رسول پر)
ف۳۰ (مطابق شریعت اسلام) ف۳۱ یعنی جنت کے اُن باغوں سے)
ف۳۲ یعنی فرطِ مسرت سے بول اٹھیں گے
ف۳۳ (واقعۃً بھی)۔ یعنی یہ اہلِ جنت کا محض خیال ہی خیال نہ ہوگا بلکہ واقعہ بھی یہی ہے۔
ف۳۴ ملتے جلتے کس سے ؟ یا تو ایک دوسرے سے، اور یا دنیا کے پھلوں سے۔ جنتیوں کے لطف ومسرت وانبساط میں ازدیاد کے لیے انھیں جو میوے اور ثمرات ملیں گے، وہ رنگ اور ظاہری شکل میں دنیوی پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے، گو ظاہر ہے کہ ذائقہ، خوشبو، وغیرہ میں ان سے بدرجہا درجے بڑھے چڑھے ہونگے۔ بعض اہلِ اسرار ولطائف نے آیت سے اس نکتہ کا استنباط کیا ہے، کہ اسی دنیا کے اعمالِ حسنہ جنت میں طرح طرح کی نعمتوں کی شکل میں متشکل ہو جائیں گے، اور اہلِ جنت کو اپنے حسنات دنیوی اور اُن کے ثمرات اُخروی میں ایک خاص تشابہ وتناسب نظر آئے گا
ف۳۵ یعنی جنت میں۔
ف۳۶ بعض مفسرین جدید کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا جانے شرم کیوں آئی، کہ اُنھوں نے اس لفظ ہی سے انکار کر دیا، اور ازواج مطہرۃ کے معنی عجب طرح پر توڑ مروڑ کر بیان کیے۔ اگر کسی کو جنت کے وجود ہی سے انکار ہو، تو اور بات ہے، اور ایسے شخص کے لیے دلائلِ وجودِ جنت پیش کیے جائیں گے۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ جگہ ہر طرح کی لذتوں اور نعمتوں کی ہے، اور بےمزگی اور تکلیف کے ہر سے وہاں موجود ہوگی۔ پھر کیا بیویوں کے نعمت اور بہترین نعمت ہونے سے یہی انصوصاً جبکہ وہ بیویاں ہر قسم کی جسمانی واخلاقی گندگی سے پاک و "مطہر" ہوں انکار کر دیا جائیگا ؟ جب دنیا میں یہ ایک اعلیٰ ترین نعمت ہے، تو جنت میں، آخر کسی جرم میں اس نعمت سے محرومی رہیگی ؟ جسمانی، خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا اُن سے شرمانا، تمامتر مسیحیت اور دوسرے باطل مذاہب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو روحانی، اخلاقی، ادبی، جسمانی، ہر قسم کی نعمت کی قدر کی تعلیم دیتا ہے۔ محض دماغی لذت جس میں کوئی عنصر نہ آنکھ کی لذت کا ہو، نہ کان کی لذت کا، کمال نہیں، نقص ہے۔ اور جنت میں ناقص لذتوں کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔
ف۳۷ (جیسا کہ ناقہم اور معاند معترضین کا خیال ہے) ف۳۸ کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لیے)

ف۳۹ جو بظاہر ایک بہت حقیر سا مخلوق ہے، حالانکہ درحقیقت کوئی شے بھی خلاق علیم کی بنائی ہوئی تمامتر حقیر و بےحقیقت نہیں۔
ف۴۰ اپنے صغرِ جثہ یا اپنی ظاہری بےحقیقتی کے لحاظ سے۔
ف۴۱ (اور اپنے مقصد، یعنی توضیحِ مراد میں بالکل کافی ووافی)
ف۴۲ استفساراً نہیں، اعتراضاً۔) ف۴۳ اللہ ف۴۴ اور اسی طرح دوسری مثالوں سے)
ف۴۵ یہ "بہت" وہی ہیں، جو اپنے ارادہ سے کفر کو اختیار کرتے ہیں ف۴۶ ہدایت)
ف۴۷ (اور اسی طرح دوسری مثالوں سے ف۴۸ یہ "بہت" وہ ہیں جو اپنے ارادہ سے ایمان اختیار کرتے ہیں
ف۴۹ فسق کہتے ہیں، احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ فاسق وہ ہے، جو دائرۂ اطاعت سے بار بار نکل نکل جائے۔ گویا آیت میں صاف صاف بتا دیا، کہ گمراہی صرف انھیں کے حصہ میں آتی ہے، جو خود گمراہ ہونا یا رہنا چاہتے ہیں۔ بار بار کی ارادی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہتا ہے، اور طبیعت میں طلبِ حق وتلاشِ صداقت باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اسکے برعکس ناحق پر جمود ہو کر رہ جاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر وانکار پر ہوتا ہے۔
ف۵۰ یعنی معاہدۂ اطاعت کو، عہد ایمان کو۔
ف۵۱ اس عہد، اور اس کی توثیق پر ہر انسان کی فطرتِ سلیم گواہ ہے۔
ف۵۲ مراد حقوق اللہ وحقوق العباد ہیں، وہ فرائض ہیں جو ہر انسان پر خالق و مخلوق سے متعلق عائد رہتے ہیں۔
ف۵۳ فسادِ عقیدہ بھی، اور فسادِ عملی بھی ف۵۴ (اپنے عقائد کفریہ باطلہ سے)
ف۵۵ خسارہ عاجل بھی، اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے، کہ عدمِ ایمان سے سکون خاطر واطمینانِ قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ آجل اس لحاظ سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔
ف۵۶ کس طرح کفر کرنے کی جرأت وہمت رکھتے ہو؟ ف۵۷ (اے کافرو اور منکرو!)
ف۵۸ (اپنے صلبِ پدر میں) ف۵۹ (رحمِ مادر میں) ف۶۰ اس دنیوی زندگی کے خاتمہ پر
ف۶۱ (حشر میں) ف۶۲ (حساب کتاب کے لیے)
ف۶۳ (اے نوعِ انسان!) اور خلیفۃ اللہ کی یہی شان ہونی بھی چاہیے۔
ف۶۴ اس "سب" میں گنگا جمنا بھی شامل ہیں، اور گنگا پرستی بھی۔ پس دریا پرستی، کوہ پرستی، شجر پرستی، حجر پرستی، "فطرت پرستی" کی جتنی بھی صورتیں ہیں، سب بےمعنی، اور ننگِ انسانیت ہیں۔
ف۶۵ "عہد قدیم وعہد جدید دونوں میں انسانوں کا جو تخیل ہے .... وہ سات آسمانوں کا ہے"
(ہسٹنگز، ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۲، صفحہ ۳۲۲)
ف۶۶ چنانچہ اُسے اپنے بندوں کی بھی جملہ ضروریات کا علم ہے اور ازراہ بندہ پروری اُس نے ہر ضرورت کے پورے ہونے کا سامان بھی کر رکھا ہے

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن)

(نمبر ۲)

نظام سرمایہ داری

نظام سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ صاف اور سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے، اس کی کمائی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ اس کو پورا اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ اور وہ حق رکھتا ہے کہ جس قدر وسائل ثروت اس کے قابو میں آئیں ان کو روک رکھے اور اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر ان کو صرف کرنے سے انکار کر دے۔ یہ نظریہ اس خود غرضی سے شروع ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اور آخر کار اس انتہائی خود غرضی تک پہونچ جاتا ہے جو انسان کی تمام ان صفات کو دبا دیتی ہے جن کا وجود انسانی جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ اگر اخلاقی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر خالص معاشی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم ثروت کا توازن بگڑ جائے، وسائل ثروت رفتہ رفتہ سمٹ کر ایک زیادہ خوش قسمت یا زیادہ ہوشیار طبقہ کے پاس جمع ہو جائیں، اور سوسائٹی علاً دو طبقوں میں تقسیم ہو جائے، ایک مالدار، دوسرا نادار۔ مالدار طبقہ تمام وسائل ثروت پر قابض و متصرف ہو کر ان کو محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرے اور اپنی دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش میں سوسائٹی کے مجموعی مفاد کو جس طرح چاہے برباد کر دے۔ رہا نادار طبقہ، تو اس کے لیے وسائل ثروت میں حصہ پانے کا کوئی موقع نہ ہو الا یہ کہ وہ سرمایہ دار کے مفاد کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر کے زندگی بسر کرنے کا کم سے کم سامان حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظم معیشت ایک طرف ساہوکار، کارخانہ دار، اور زمیندار پیدا کرے گا، اور دوسری طرف مزدور، کسان اور قرضدار۔ ایسے نظام کی عین فطرت اس کی مقتضی ہے کہ سوسائٹی سے ہمدردی اور امداد باہمی کی اسپرٹ مفقود ہو۔ ہر شخص بالکلیہ اپنے ذاتی وسائل پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ کوئی کسی کا یار و مددگار نہ ہو۔ محتاج کے لیے معیشت کا دائرہ تنگ ہو جاوے، سوسائٹی کا ہر فرد بقائے حیات کے لیے دوسرے افراد کے مقابلہ میں معاندانہ جد و جہد کرے، زیادہ سے زیادہ وسائل ثروت پر قابو پانے کی کوشش کرے، ہر اپنے مفاد کے لیے ان کو روک رکھے، اور صرف ازدیاد ثروت کے لیے انھیں استعمال کرے۔ پھر جو لوگ اس جد و جہد میں ناکام ہوں یا اس میں حصہ لینے کی قوت نہ رکھتے ہوں، ان کے لیے دنیا میں کوئی سہارا نہ ہو، وہ بھیک بھی مانگیں تو ان کو آسانی نہ مل سکے کسی دل میں ان کے لیے رحم نہ ہو، کوئی ہاتھ ان کی مدد کے لیے نہ بڑھے، یا تو وہ خودکشی کر کے زندگی کے عذاب سے نجات حاصل کریں یا پھر جرائم اور بے حیائی کے ذلیل طریقوں سے پیٹ پالنے پر مجبور رہوں۔

سرمایہ داری کے اس نظام میں ناگزیر ہے کہ لوگوں کا میلان روپیہ جمع کرنے کی طرف ہو، اور وہ اس کو صرف پیدا آور اغراض کے لیے استعمال کرنے کی سعی کریں۔ مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کی جائیں، بینک کھولے جائیں، پراویڈنٹ فنڈ قائم ہوں، انشورنس کمپنیاں بنائی جائیں، امداد باہمی کی جمعیتیں مرتب کی جائیں، اور ان تمام مختلف معاشی تدبیروں میں ایک ہی روح کام کرے، یعنی روپیہ سے مزید روپیہ پیدا کرنا۔ خواہ وہ تجارتی لین دین کے ذریعہ سے ہو یا سود کے ذریعہ سے۔ سرمایہ داری کے نقطۂ نظر سے سود اور تجارتی لین دین کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہے، اس لیے نظام سرمایہ داری میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہ صرف خلط ملط ہو جاتے ہیں، بلکہ کاروبار کی ساخت میں ان کی حیثیت تانے بانے کی سی ہوتی ہے، تجارت کے لیے سود، اور سود کے لیے تجارت، لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے بغیر فروغ نہیں ہو سکتا۔ اگر سود نہ ہو تو سرمایہ داری کا تار و پود بکھر جائے۔

نظام اشتراکی

سرمایہ داری کے عین مقابل ایک دوسرا نظام معیشت ہے جس کو اشتراکی نظام کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں۔ اس لیے افراد کو فرداً فرداً ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشا ان میں تصرف کرنے، اور ان کے منافع سے تنہا متمتع ہونے کا حق نہیں ہے۔ اشخاص کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کے لیے وہ انجام دیں گے۔ سوسائٹی ان کے لیے ضروریات زندگی فراہم کرے گی اور وہ اس کے بدلے میں کام کریں گے۔

یہ نظریہ ایک دوسرے ڈھنگ پر معیشت کی تنظیم کرتا ہے جو بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری سے مختلف ہے۔ اس تنظیم میں ..... سرے سے ملکیت شخصی ہی کا وجود نہیں، پھر اس کی گنجائش کہاں کہ کوئی روپیہ جمع کرے اور اس کو بطور خود کاروبار میں لگائے۔ یہاں چونکہ نظریے اور اصول میں اختلاف ہو گیا ہے، اس لیے مناہج بھی بدل گئے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کا کارخانہ بنکنگ، انشورنس، شرکتہائے سہامی اور ایسے ہی دوسرے اداروں کے بغیر نہیں چل سکتا، لیکن اشتراکیت کی ساخت اور اس کی معاشی معاملات میں نہ ان اداروں کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ سرمایہ داری کے مزاج سے سود کو جتنی مناسبت ہے، اشتراکیت کے مزاج سے اس کو اتنی ہی زیادہ شدید منافرت ہے۔ اشتراکیت اس چیز کی بنیاد ہی مسمار کر دیتی ہے جس کی بنا پر ایک شخص سود لیتا اور دوسرا شخص سود دیتا ہے۔ اس کے اصول کسی شکل اور کسی حیثیت میں بھی سود کو جائز نہیں رکھتے۔ اور جو شخص ان اصولوں پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے ممکن نہیں کہ بیک وقت اشتراکی بھی ہو اور سودی لین دین بھی کرے۔

اسلام کا معاشی نظام

اشتراکیت اور سرمایہ داری ایک دوسرے کے خلاف دو انتہائی نقطوں پر ہیں

سرمایہ داری افراد کو اُن کے فطری حقوق ضرور دیتی ہے مگر اس کے اصول و نظریات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو افراد کو جماعت کے مشترک مفاد کی خدمت کے لیے آمادہ کرنے والی اور تا بحد ضرورت اس پر مجبور کرنے والی ہو، بلکہ درحقیقت وہ افراد میں ایک خود غرضانہ ذہنیت پیدا کرتی ہے جس سے وہ اپنے شخصی مفاد کے لیے جماعت کے خلاف عملاً جنگ کرتے ہیں اور سرمایہ داری کا نظام اس جنگ میں ان کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہونچاتا ہے، یہاں تک کہ تقسیم ثروت کا توازن بالکل بگڑ جاتا ہے۔ ایک طرف چند افراد پوری جماعت کے وسائل ثروت کو سمیٹ کر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جاتے ہیں، اور اپنے سرمایہ کی قوت سے مزید دولت کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف جمہور کی معاشی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے اور دولت کی تقسیم میں ان کا حصہ گھٹتے گھٹتے بمنزلۂ صفر رہ جاتا ہے۔ ابتدا میں سرمایہ داروں کی دولت اپنے شاندار مظاہر سے تمدن میں ایک نظر فریب چمک دمک ضرور پیدا کر دیتی ہے، مگر دولت کی غیر متوازی تقسیم کا آخری انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ معاشی دنیا کے جسم میں دوران خون بند ہو جائے، جسم کے اکثر حصے قلت خون کی وجہ سے سوکھ کر تباہ ہو جائیں، اور اعضاء رئیسہ کو خون کا غیر معمولی اجتماع تباہ کر دے۔

اشتراکیت اس تباہی کا علاج کرنا چاہتی ہے، مگر وہ ایک صحیح مقصد کے لیے غلط راستہ اختیار کرتی ہے۔ اس کا مقصد تقسیم ثروت میں توازن قائم کرنا ہے، اور یہ بلاشبہہ صحیح ہے مگر اس کے لیے وہ ذریعہ ایسا اختیار کرتی ہے جو درحقیقت انسانی فطرت سے جنگ ہے۔ افراد کو شخصی ملکیت سے محروم کر کے بالکل جماعت کا خادم بنا دینا، نہ صرف معیشت کے لیے تباہ کن ہے بلکہ زیادہ وسیع پیمانہ پر انسان کی پوری تمدنی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ کیونکہ یہ چیز معاشی کاروبار اور نظام تمدن سے اس کی روح رواں، اس کی اصلی قوت محرکہ کو نکال دیتی ہے۔ تمدن و معیشت میں انسان کو جو چیز اپنی انتہائی قوت کے ساتھ سعی و عمل کرنے پر اُبھارتی ہے، وہ دراصل اس کا ذاتی مفاد ہے۔ وہ اپنے دل اور دماغ اور دست و بازو کی تمام طاقتیں اُس کام میں خرچ کر دیتا ہے جس سے اُس کو خود اپنے مفاد کے لیے ذاتی دلچسپی ہوتی ہے۔ اگر سرے سے یہ دلچسپی ہی باقی نہ رہے اور اُس کو معلوم ہو کہ اُس کے لیے فوائد و منافع کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اُس سے بڑھ کر وہ اپنی جد و جہد سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا تو اس کے قوائے فکر و عمل ٹھٹھر کر رہ جائیں گے۔ اور وہ محض ایک مزدور کی طرح کام کرے گا جس کو اپنے کام سے بقدر اُجرت ہی دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ تو اشتراکی نظام کا باطنی پہلو ہے۔ اس کا خارجی اور عملی پہلو یہ ہے کہ وہ سرمایہ دار افراد کا خاتمہ کر کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار کو وجود میں لاتا ہے یعنی اشتراکی حکومت۔ یہ بڑا سرمایہ دار لطیف انسانی جذبات کی اس اقل قلیل مقدار سے بھی خالی ہوتا ہے جو سرمایہ دار افراد میں پائی جاتی ہے۔ وہ بالکل ایک مشین کی طرح افراد سے خدمت لیتا ہے اور ایک مشین کی طرح پورے استبداد کے ساتھ ان کے درمیان اسباب حیات تقسیم کرتا ہے۔ اس کے پاس نہ ہمدردی ہے نہ قدر و اعتراف۔ وہ انسانوں سے انسانوں کی طرح کام نہیں لیتا، بلکہ مشین کے پرزوں کی طرح کام لیتا ہے، اور اُن سے فکر و رائے اور عمل کی آزادی بالکل سلب کر لیتا ہے۔ اس شدید استبداد کے بغیر نظام اشتراکی نہ قائم ہو سکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے کیونکہ افراد کی عین فطرت اس نظام کے خلاف ہر وقت آمادۂ بغاوت رہتی ہے۔ اگر ان کو دائماً استبداد کے آہنی پنجہ میں جکڑ کر نہ رکھا جائے تو وہ اشتراکی نظم کو دیکھتے دیکھتے منتشر کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج روس کی سوویٹ گورنمنٹ دنیا کی حکومتوں میں سب سے زیادہ مستبد اور جابر ہے۔ اس کا یہ جبر و استبداد کچھ اس وجہ سے نہیں کہ محض بخت و اتفاق نے اسٹالین جیسے ڈکٹیٹر کو پیدا کر دیا ہے، بلکہ درحقیقت اشتراکیت کا مزاج ہی ایک شدید ترین ڈکٹیٹر شپ کا مقتضا ہے۔

اسلام ان دو متضاد معاشی نظاموں کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی حقوق دیے جائیں اور اُس کے ساتھ تقسیم ثروت کا توازن بھی نہ بگڑنے دیا جائے۔ ایک طرف وہ فرد کو شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے، اپنے مال میں تصرف کرنے کے اختیارات دیتا ہے، دوسری طرف وہ ان سب حقوق و اختیارات پر باطن کی راہ سے کچھ ایسی پابندیاں اور ظاہر کی راہ سے کچھ ایسی قانونی پابندیاں عائد کر دیتا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل ثروت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہو سکے، ثروت اور اُس کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں، اور گردش ایسی ہو کہ جماعت کے ہر فرد کو اس کا متناسب حصہ مل سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے معیشت کی تنظیم ایک نئے ڈھنگ پر کی ہے جو اپنی روح اور اپنے اصولوں اور اپنے طریق کار کے اعتبار سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے مختلف ہے۔ آیئے اب ایک تفصیلی نظر انسانی معیشت کی اس الٰہی تنظیم پر بھی ڈال لیجیے۔

اسلام کے اصول معیشت

اسلام کا معاشی نظریہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ معاشی زندگی میں ہر ہر فرد کا شخصی مفاد اور تمام افراد کا اجتماعی مفاد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتا ہے، اس لیے دونوں میں مزاحمت کے بجائے موافقت اور معاونت ہونی چاہیے۔ فرد اگر اجتماعی مفاد کے خلاف جد و جہد کر کے جماعت کی دولت اپنے پاس سمیٹ لے، اور اس کو جمع کرنے یا خرچ کرنے میں محض اپنے ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھے، تو یہ صرف جماعت ہی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے بلکہ آل کار میں اس کے نقصانات خود اس شخص کی اپنی ذات کی طرف بھی عود کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر اجتماعی مفاد کے لیے افراد کے شخصی مفاد کو قربان کیا جائے تو اس میں صرف افراد ہی کا نقصان نہیں بلکہ آل کار میں جماعت کا بھی نقصان ہے۔ پس فرد کی بہتری اس میں ہے کہ جماعت خوشحال ہو، اور جماعت کی بہتری

اس میں ہے کہ افراد خوشحال ہوں، اور دونوں کی خوشحالی اس پر موقوف ہے کہ افراد میں خود غرضی اور ہمدردی کا صحیح تناسب قائم ہو۔ ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے جد وجہد کرے، مگر اس طرح کہ اس میں دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ ہر شخص جتنا کما سکے کمائے مگر شرط یہ کہ کمائی میں دوسروں کا کوئی حق ہو۔ ہر شخص دوسروں سے خود بھی نفع حاصل کرے اور دوسروں کو نفع پہونچائے بھی۔ منافع کی اس تقسیم اور دولت کی اس گردش کو جاری رکھنے کے لیے محض افراد کے باطن میں چند اخلاقی اوصاف پیدا کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے جماعت کا قانون بھی ایسا ہونا چاہیے جو مال کے اکتساب اور خرچ دونوں کی صحیح تنظیم کر دے۔ اس سے ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کا حق نہ ہو۔ اور جو دولت جائز ذرائع سے کمائی جائے وہ بھی ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ صرف ہو اور زیادہ سے زیادہ گردش کرے۔

اس نظریۂ معیشت کی بنا پر ... اس کا مقصد نہ تو یہ ہے کہ چند افراد کروڑپتی بن جائیں اور باقی تمام لوگ فاقے کریں، اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی کروڑپتی نہ بن سکے اور جبراً سب کو ان کے فطری تفاوت کے باوجود ایک حال پر کر دیا جائے۔ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ بیچ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جماعت کے تمام افراد کی معاشی ضروریات پوری ہوں۔ اگر ہر شخص دوسروں کو نقصان پہونچائے بغیر اپنی فطری حد تک رہ کر اکتساب مال کی کوشش کرے، اور پھر اپنے کمائے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں کفایت شعاری اور امداد باہمی کو ملحوظ رکھے تو سوسائٹی میں وہ معاشی ناہمواری پیدا نہیں ہو سکتی جو سرمایہ داری کے نظام میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کا طرز معیشت کسی کو کروڑپتی ہونے سے نہیں روکتا، مگر اس کے ماتحت یہ ناممکن ہے کہ کسی کروڑپتی کی دولت اس کے ہزاروں ابنائے نوع کی فاقہ کشی کا نتیجہ ہو۔ دوسری طرف یہ طرز معیشت تمام افراد کو خدا کی پیدا کی ہوئی دولت میں سے حصہ ضرور دلانا چاہتا ہے، مگر ایسی مصنوعی بندشیں لگانا جائز نہیں رکھتا جن کی وجہ سے کوئی شخص اپنی قوت اور قابلیت کے مطابق اکتساب مال نہ کر سکتا ہو۔

(بقیہ صفحہ ۱۲)

وحی یوحیٰ | نہیں کرتا اسکی گفتگو محض وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے

وہی ان کو اٹھاتا تھا، بٹھاتا تھا، چلاتا تھا، پھراتا تھا، جدا کرتا تھا، ملاتا تھا،

پھڑکتی تھی خود بخود آگ ان پر | شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ | جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

پھر دنیا کی کونسی قوت کونسی عقل تھی جو ان کا مقابلہ کرتی، وہ خدا کی تقدیر اور قضائے مبرم بن گئے تھے، جو ٹل نہیں سکتی تھی۔ وہ خود کیا کر رہے تھے، اللہ اور اس کا رسول کر رہا تھا۔

جس وقت اس نادان کمسن بچے (امت) نے اس اتالیق اعظم اس مربی اکبر اس دانائے جہاں دیدہ کی انگلی چھوڑ دی، وہ بیچارہ گلیوں میں، بھیڑ میں پڑ گیا۔ وہ جتنا چلتا ہے اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے، چلاتا ہے اور روتا ہے مگر کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا وہ بھوکا ہے اور پیاسا ہے، مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

وہ اتالیق اب بھی ان تمام لوگوں سے اس بچے سے زیادہ قریب ہے زیادہ شفیق ہے۔ جن کی صورت یہ تکتا ہے مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں جن کا ہاتھ یہ پکڑنا چاہتا ہے مگر وہ چھڑا لیتے ہیں۔ لیکن وہ بچہ اس کی طرف کسی طرح سے متوجہ نہیں ہوا۔

معلوم ہوا کہ ہم میں اور ان میں جو فرق ہے وہ اتباع کا ہے وہ نسخۂ کیمیا (قرآن) اب بھی موجود ہے۔ استعمال کرنے کی دیر ہے، نسخہ استعمال کرنے والا اور نسخہ پڑھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن سمجھ کر پڑھو یا پڑھوا کر سنو، فرائض و احکام کی فہرست دیکھو، جو کمی ہو پوری کرو، اپنی اپنی اصلاح کرو کہ قوم کی اصلاح اسی طرح ہو گی

۱؎ مذہب و عقائد کے متعلق اور بھول بھلیاں مراد ہیں

۲؎ مسلمانوں نے شریعت کا راستہ چھوڑ کر منزل مقصود کو جیسے پہونچنا چاہا اور دور ہوتے گئے۔

۳؎ مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی مصائب جن میں ان کا کوئی دستگیر نہیں

۴؎ اس بے راہ روی میں فقر و افلاس، اور مالی مشکلات، اقتصادی مجبوریاں۔

مسلمانوں پر ایک نظر اور قلب پر مختلف اثر

(از مولانا ابو الحسن علی صاحب - ادیب دار العلوم ندوہ - لکھنؤ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس وقت ہمیں مسلمانوں کی تعداد دیکھ کر، اور ایک جگہ ان کا مجمع دیکھ کر دل پر تین قسم کے نہایت مختلف اثر ہوتے ہیں

مسرت، حیرت، حسرت

مسرت اس کی کہ الحمد للہ! ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر کلمہ گو انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اور یہ وہ تھے جو ساری دنیا کی اصلاح کو نکلے تھے اور پوری امت کہلاتے تھے

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ (آل عمران)	تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اور جن کو تھوڑے زمانہ میں زمین کا نقشہ اور قوموں کی تقدیریں بدلنی تھیں اور حقیقت میں انہوں نے اس تعداد پر قناعت اور تری سے دشمنی مول لی تھی۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا - پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰ دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے۔ اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہوگئے ہیں اب ہمیں کیا ڈر ہے ؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔

بہر حال شکر کا مقام ہے - اور اللہ کا احسان ہے اور یہ احسان اس نے ایک جگہ جتایا ہے

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون (الانفال)	اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اُچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور عطا کیں تم کو پاک چیزیں تا کہ تم شکر کرو

ایک نبی نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس طرح یاد دلایا

واذکروا اذ کنتم قلیلا فکثرکم	اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو تمہیں زیادہ کر دیا

آج صرف ایک جگہ اسلام کے مرکز سے ہزاروں میل دور مسلمان کہلانے والوں کی اتنی صورتیں نظر آسکتی ہیں - جن سے بہت کم کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی تھیں اور خواب میں بھی نظر نہیں آتی تھیں - اور ان کے زرق برق لباس اور بیش قیمت پوشاک کی وجہ سے نظر نہیں ٹھہرتی ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا نازوں کا پلا امیرزادہ مصعب بن عمیر کہ جو جس وقت مکہ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو وہ دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک

جسم پر نہ ہوتی تھی اور آگے پیچھے غلام ہوتے تھے - اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی محبت تھی اور جس کے ہاتھ میں جنگ اُحد میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا - جب اُحد میں شہید ہوتا ہے تو اس کے ترکہ میں اور مسلمانوں کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو فراغت سے کفن دے سکیں - صرف ایک کمبل ہوتا ہے کہ جب اس سے سر چھپاتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں اور پیر چھپاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سر چھپا دو، اور پیر پر گھاس ڈال دو -

حیرت اور ایسی حیرت ہے کہ عقل کام نہیں کرتی اور سکتہ طاری ہو جاتا ہے کہ ان شتر بانوں اور خانہ بدوشوں کی کیا کایا پلٹ ہوئی کہ پلک جھپکاتے ہی شتربان سے جہاں بان بن گئے قیصرو کسریٰ کے تاج پیروں سے روندے، زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دنیا کی تاریخ بدل دی دنیا بدل دی - پھر دیکھتے دیکھتے ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ جہاں سے چلے تھے اُس سے بھی پیچھے ہٹ گئے، وہ کیا چیز تھی جو آئی اور گئی ؟ حیرت اس کی ہے کہ جب وہ مٹھی بھر بھی نہیں تھے ایک گھر بھر بھی نہیں تھے تو بحر و بر کو چھپائے ہوئے تھے - ہوا کی طرح اُن سے کوئی جگہ خالی نہیں تھی - اور جب وہ ملخ کی طرح ہوئے تو ان کا نشان نہیں ملتا - سب سے بڑھ کر حیرت اس کی ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ مسلمان کہلاتے تھے اور یہ بھی کم سے کم مسلمان کہلاتے ہیں - حیرت ہے کہ کیا یہ مجمع جو دنیا میں سب سے زیادہ بے فکر و مطمئن نظر آتا ہے - فکر و تردد اس سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جس کو بظاہر دنیا کے ہر کام سے فراغت ہو چکی ہے - یہی حقیقۃً دنیا کی سب سے گراں بار، ذمہ دار اور مصروف قوم ہے جو روئے زمین سے بُرائی اور بداخلاقی دور کرنے اور گناہ اور ظلم مٹانے کے لیے، نیکی کی اشاعت، مظلوموں کی حمایت، امن کی حفاظت کے لیے بھیجی گئی تھی، کیا یہ اپنا کام ختم کر چکے، کیا دنیا سے برائیاں اور بداخلاقیاں دور ہو چکیں - کیا اب کسی پر اور خود اس پر ظلم نہیں ہوتا -

کیا اسی کے حقیقی بھائیوں کے ساتھ مراکش، الجزائر، تونس، طرابلس، بخارا، سمرقند وغیرہ میں جانوروں سے بدتر سلوک کیا

ل شمالی افریقہ اور روسی ترکستان کے خالص قدیم اسلامی ملک جہاں فرانس، اٹلی اور روس کے ہاتھوں مسلمانوں پر وہ ظلم ہوئے اور ہو رہے ہیں جس سے ہر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں - ہزاروں واقعات میں سے ایک دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن کی یورپین نامہ نگاروں نے روایت کی ہے اور تصدیق کی ہے اور جن میں شک کی گنجائش نہیں - اٹلی نے طرابلس کے ۸۰ ہزار عرب مسلمانوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، بیک وقت اُن کے گھروں سے نکال کر ریگستان میں ڈال دیا جہاں نہ سبزہ نہ پانی - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مویشی تو تمام مر گئے اور روہ، اُن کے بچے اور عورتیں بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے لگیں - جب بہت فریاد کی تو حکومت کے سپاہی آئے - اور جتنے لوگ قابل تھے سب فوج میں بھرتی

جارہا ہے۔ دشمنوں کو ان کی حالت پر رحم آرہا ہے اور سوچنے والوں کی نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے اور کھانے پینے میں مزا نہیں آتا۔ کیا ان کو اس کی خبر نہیں، یا اثر نہیں، دونوں صورتیں حیرتناک ہیں۔

کیا یہ جن کے چہروں پر فاتحانہ مسرت، لبوں پر کامرانی کی مسکراہٹ آنکھوں میں شادمانی کی چمک ہے، دنیا کی وہی سب سے بڑی مصیبت زدہ اور بدبخت قوم ہے، جس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جارہی ہے، اور جسکے وہ ملک ہاتھ سے نکل گئے، جو دل کے ٹکڑوں اور اولاد سے بڑھ کر تھے، جن کے ایک ایک بالشت کی قیمت مسلمانوں نے خالد و ابو عبیدہ، سعد و معاذ، طارق و محمد بن قاسم، نورالدین و صلاح الدین کی جان اور خون سے ادا کی تھی جن میں کا ہر ایک اس وقت کے کل مسلمانوں سے زیادہ قیمتی ہے کاش کہ ان میں کا ایک ہی ہوتا اور ان میں کا ایک بھی نہ ہوتا۔

کیا یہ وہی قوم ہے جن کی عزتیں، جن کی آبرو، جن کے نبی کا ناموس، جن کا قبلہ و کعبہ اور جن کے شعائر دینی کسی وقت محفوظ نہیں۔

اور جن کی زندگی اور موت، جن کے قلب اور دماغ اور جن کی اولاد بھی دوسروں کے ہاتھوں میں رہے۔

کیا یہ رعبیہ چہرے، یہ شاندار و باوقار صورتیں، یہ بارعب جسم وہی ہیں، جو تجربہ کار دشمن و دوست کی نظر میں سب سے زیادہ حقیر، بے وقار و بے رعب ہیں۔

و اذا رایتہم تعجبک اجسامہم و ان یقولوا تسمع لقولہم کانہم خشب مسندۃ یحسبون کل صیحۃ علیہم (المنافقون)	اور جب انکو دیکھو گے، انکے جسم بڑے بھلے معلوم ہونگے اور جب یہ کچھ کہنے لگیں گے تو تم کان لگا کر سننے لگو گے (لیکن ان کی حقیقت کیا ہے) گویا یہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں ہر آواز کو اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

اور کیا یہ جو کاندھے سے کاندھا ملائے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں یہاں اور یہاں سے باہر عدالتوں میں، اور عدالتوں سے باہر دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں اور یہ کاندھے سے کاندھا پہلو سے پہلو ملائے ہوئے ہیں لیکن انکے دل بالکل الگ الگ ہیں۔

تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتی	تم انکو اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ انکے دل علیحدہ ہیں

کیا وہ قوم قیامت تک بھی کبھی مسرور و مطمئن رہ سکتی ہے جس کی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی اسپین[۱] کا واقعہ ہو چکا ہو اور جسکے دوسرے ملک بھی اسپین بن چکے ہیں اور بنتے جاتے ہوں۔

کیا وہ قوم اطمینان کی سانس لے سکتی ہے جو اپنے نبی کی وصیت

اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب	یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو

پوری نہ کر سکتی ہو۔

کیا وہ قوم جس کے اوقاف و املاک (خصوصاً حجاز ریلوے جو بیواؤں اور یتیموں اور غریب مسلمانوں کے پیسہ پیسہ سے تیار ہوئی اور جو تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے) پر غاصبوں کا قبضہ ہو، اپنے کو کچھ بااختیار سمجھ سکتی ہے۔ اور کیا وہ قوم جس کے ملک لاوارث مردہ کے مال کی طرح دوسروں میں تقسیم ہو سکتے ہیں وہ زندہ کہی جا سکتی ہے؟

حسرت۔ جتنا علم ہوتا جاتا ہے اُتنے ہی آنکھوں سے پردے اُٹھتے جاتے ہیں اور دل کی حالت بدلتی جاتی ہے۔ اکثر اطمینان کے بجائے حیرت، و مسرت کے بجائے حسرت ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا	اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

آپ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف پیر مرد کے جوان، توانا و تندرست بیٹے اور پوتے ہیں۔ تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے میں اس کا سہارا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ ان کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہوگا کہ جو باغ میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا وہ میری زندگی میں پھل پھول رہا ہے۔ ایسے قبال مند تھوڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مٹی ٹھکانے لگیگی۔ مگر جب وہ پیرمرد ان کو دیکھتا ہے تو دل پکڑ کر رہ جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مرتے ہوئے میرے حلق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں، وہ کہتا ہے کہ کاش یہ نہ ہوتے تو یہ حسرت تو نہ ہوتی کہ ہوکر بھی میرے نہیں۔

یہی حالت اس وقت ہماری ہے۔ اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے "بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے کم بھی کافی تھے یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں، اور میرے ہی کہلاتے ہیں، لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، عیب چھپے ہوئے ہیں۔ اگر پردہ اُٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا، نقائص کا، عیوب کا اور گناہوں کا بازار اور میلہ لگا ہوا ہے اور ان زرق برق لباسوں میں بہت سے جانور اور درندے ہیں۔

لیکن اگر ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے تو عالم الغیب تو دیکھ رہا ہے۔ وہ صورت نہیں دیکھتا، نام نہیں پوچھتا، وہ دل اور عمل

[۱] اسپین یورپ کا مشہور ملک۔ جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو برس کے قریب انتہائی شان و شوکت سے حکومت کی۔ پھر انتہائی ظلم و درندگی سے نکال دیے گئے۔ ... کر دیے گئے ... قتل کیے گئے آج وہاں ایک کلمہ گو نہیں۔

بے دین کر دیے گئے۔ اور شیرخوار بچے ماؤں سے لے کر عیسائی مشن اسکولوں اور تربیت گاہوں میں داخل کر دیے گئے۔ سیکڑوں ہزاروں کو ساتھ باندھ کر سمندر میں ڈال دیا۔ ان کی بندھی ہوئی لاشیں سمندر کے کناروں پر دنوں ملی ہیں۔ سرکردہ لوگوں کو ہوائی جہازوں پر چڑھا کر اوپر سے پھینک دیا گیا۔ عورتوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ الجزائر اور مراکش میں مذہبی آزادی بالکل سلب کر لی گئی۔ فرائض پر قید پابندیاں کر دی گئیں اور بربری مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا جا رہا ہے۔ روسی ترکستان میں اللہ کا نام لینے کی سزا قتل ہے۔ عورتوں کی بے عزتی، مساجد کی بے حرمتی ادنیٰ بات ہے، مقتولوں اور قیدیوں کا کوئی شمار نہیں، فلسطین میں عربوں کی جگہ یہودیوں کو بسایا جا رہا ہے اور عربوں پر زندگی تنگ کی جا رہی ہے۔

دیکھتا ہے

ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم | اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔

وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ انسان نہیں، انسانوں کا کوڑا کرکٹ ہیں، جن میں دانے اور کام کے موتی بہت تھوڑے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قومیں اس طرح اکٹھا ہو جائیں گی جس طرح کھانے والے کھانے پر۔ لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے؟ فرمایا نہیں، تم بہت ہوگے لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا اور وہن کا رعب تمہارے دلوں میں بڑھ جائے گا۔ تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔

یہ تو خدا دیکھتا ہے، لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ

(۱) ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک، توحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کو کلمہ بھی یاد نہیں۔ ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری۔ نہ ان کو شرک سے کوئی نفرت ہے۔ ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں۔

(۲) ایسے سیکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے، نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ ان کو اسلام یا اسلامی نام گھروں، رسالوں اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے، اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں، وہ جانتے نہیں کہ اللہ ان سے کیا چاہتا ہے، اسلام کے کیا حقوق اور شرائط ہیں، اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق کیا یا نہیں۔

(۳) ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کسی طرح اسلامی نہیں۔ اور ان کے رسم و رواج، شادی و غمی، تمدن و معاشرت، وضع قطع، نشست و برخاست، معاملات و تعلقات کسی سے بھی ان کو کوئی مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

(۴) ایسے اکثر ہیں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے مفید نہیں۔ اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(۵) بہت ایسے ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی عزت و شہرت و کامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بدعقیدہ و مرتد ہو جاتے ہیں۔

(۶) بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے، اسلامی شعائر اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے لیے مفت اور بعض تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۷) ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی محبت و ہمدردی نہیں۔ انکو انکے مشکلات و ضروریات کا کوئی علم نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ انکے لیے کیا کر سکتے ہیں۔

(۸) ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، مسلمان کہلانے سے شرماتے ہیں اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

(۹) ایسے بہت ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں، انھیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت، غلبہ اور ترقی کے دیکھنے کا کبھی کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ موجودہ ذلت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ انکو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت ایسے ہیں کہ خود اپنی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں۔ وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ، اپنے امتی، اپنے اسلاف اور بزرگوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ نہ کسی وقت اُن پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے، اور نہ ان کو ان کی پیروی کا شوق ہے اور نہ کھوئی ہوئی چیزوں کا افسوس۔ انکے سامنے اسلام کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا بلند تخیل نہیں، اس لیے وہ پست، دل شکستہ اور مایوس ہیں۔

(۱۰) اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھا دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں، اس لیے نہ ان کو اسلام کا علم ہے نہ اس پر فخر و شکر ہے نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے، اور نہ انکے اخلاق و اعمال پر اس کا نور و برکت و اثر ہے۔

بتائیے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر کیا خوشی ہو۔ حقیقت میں آجکل جہاں مسلمان جمع ہو جائیں وہاں عقائد و مذہب کا عجائب خانہ، اخلاقی و روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے۔ مگر

یہ رونے کی جا ہے تماشا نہیں ہے

عبرت۔ اب مسرت و غیرت و حسرت کے بعد عبرت ہی کا درجہ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس درجہ کو بھی طے کر لیں۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

آئیے ہم اپنا مقابلہ اسلام کے پہلے نمونوں سے کریں:۔

(۱) صحابہ گنتی کے تھے اور تمام دنیا پر بھاری تھے۔	(۱) ہم لاتعداد ہیں اور زمین پر بھاری ہو رہے ہیں۔
(۲) صحابہ بادشاہوں پر سلطنت کرتے تھے۔	(۲) ہمیں غلاموں اور غلاموں کے غلاموں کی غلامی بھی ہزار ذلت سے نصیب ہوئی ہے۔
(۳) صحابہ کچھ نہ تھے اور سب کچھ ہو گئے	(۳) ہم سب کچھ تھے اور کچھ نہ رہے۔
(۴) صحابہ کی دنیا عزت و اطمینان سے بسر ہوتی تھی اور آخرت اس سے کہیں بہتر۔	(۴) ہماری زندگی سخت ذلت اور فکر و پریشانی سے گزرتی ہے اور آخرت کی بھی بظاہر امید اچھی نہیں۔

اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ یہ کس چیز کی نحوست اور وہ کس چیز کی برکت تھی۔ صحابہ کے پاس کونسا کیمیا کا نسخہ تھا، کیا کرامت تھی۔ ان کی زندگی میں بیٹھے بیٹھے کیا انقلاب ہوا جس نے دنیا میں انقلاب کر دیا۔ انکی پوری زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے سوا کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعہ نہیں، ہوا کہ انھوں نے اپنی زندگی و موت، عقل و رائے، دل و دماغ، مرضی و اختیار، اور اپنی پوری مشین کی کنجی ایک انسان کو سپرد کر دی تھی۔ جو معصوم تھا، جو دنیا کا سب سے بڑا حکیم تھا، اور اُسکے مشورہ سے کام کرتا تھا جس سے غلطی ہونی ممکن نہیں۔ جو کسی کی وحی سے بات کرتا تھا، اُسی کی روشنی میں چلتا تھا

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا | رسول اپنی خواہشات سے بات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجئے "مہتمم صدق لکھنؤ"

نمبر ۲ | لکھنؤ - ۱۸ / صفر المظفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ - مئی ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

لاہور سے خبر آئی ہے کہ فلاں ہندو میونسپل کمشنر نے تجویز پیش کی ہے، کہ آیندہ سے ہندو قوم کا بھی ایک متفقہ و متحدہ قومی نعرہ ہونا چاہیے۔ الفاظ یہ ہوں " جو بولے کلیان۔ رب نشکیتان۔ یعنی یہ ہوے " جو قادر مطلق کا نام لے، اُس کا بھلا ہو"۔ —— قومی نعرہ کا تخیل تو ہندوؤں کےلیے نیا نہیں۔ بھارت ماتا کی جے"، "وندے ماترم" اور "مہاتما گاندھی کی جے" اور "مالوی جی کی جے" یہ سارے نعرے تو اسی ایک نسل کے اندر سننے میں آچکے ہیں، البتہ نئے نعرے کے الفاظ ضرور نئے ہوں، اب تک جو نعرے رہ چکے، ان کا حاصل کیا تھا؟ مادر وطن کی پرستش، یا اس سے ذرا ہٹے، تو یہ کہ قوم کے فلاں دیوتا کا بول بالا ہو۔ اور یورپ کے شرک سے بھی غرض یہی رہتا ہے کہ سربلندی اور بڑائی سرزمین وطن کو نصیب ہو!

ہندو قوم تو پڑھے لکھوں کی قوم ہے۔ ریاضی دانوں اور ہندسوں کی قوم ہے، فلسفیوں اور شاعروں کی قوم ہے، ٹیگور اور گاندھی کی قوم ہے، اس کے تخیل کی بلند پروازی آپ نے ملاحظہ فرمائی، جب سوجھی تو وہی مخلوق پرستی کی۔ گھوم پھر کے، رہے اُسی دائرۂ شرک کے اندر! ماشاء اللہ اس قوم پر طعن نہیں، مقصود اُس کے حال سے محض عبرت ہے۔ صدیوں کے بعد، صدہا ٹھوکریں کھانے کے بعد، اب کہیں جاکر پہلی بار زبانوں پر نام اس دیوی اور اُس دیوتا، فلاں مہاتما اور فلاں ماتا کا نہیں، بلکہ رب اکبر کا آرہا ہے، اور بڑائی مخلوق کی نہیں، خالق کی پکاری جارہی ہے! —— مسلمان اخبارات لکھتے ہیں، کہ یہ صاف ہماری ضد میں ہے، اور ہماری تقلید ہے۔ ممکن ہے یہی ہو۔ لیکن ایسی ضد اور ایسی تقلید تو دونوں مبارک ہیں۔ ابھی کچھ روز پہلے یہ تحریک بھی تو ہندوؤں میں اُٹھی تھی، کہ مسلمانوں کی نماز جمعہ کی طرح ہفتے میں ایک دن ہمارے یہاں بھی سب مل کر عبادت کیا کریں ——

وہ تقلید اگر ارکان دین میں تھی، تو یہ دولت، عقائد یا ایمانیات میں ہے، اور ترتیباً مقدم اسی کو ہونا چاہیے تھا۔

> خدا کے فضل سے بیوی میاں، دونوں مہذب ہیں
> حجاب ان کو نہیں آتا، انھیں غصہ نہیں آتا
>
> اکبرؔ

تحریک خلافت کا دور یاد ہے؟ کچھ ایسا بہت زمانہ تو ابھی نہیں گزرا ہے۔ دوسروں کے خواص کی زبانوں پر کیا تھا؟ وہی مہاتما گاندھی کی جے، ہمارے عوام بھی صدا کیا لگاتے تھے؟ وہی اللہ اکبر! انھوں نے پکارا، تو ایک اپنے ہی جیسے بشر کو، ہم نے یاد کیا تو خالق اکبر کو! —— شرک و توحید کا فرق آپ نے دیکھ لیا؟ وہاں علوم و فنون کے ساتھ ساتھ قلوب پر زنگ، یہاں بے علمی کے باوجود حقیقت و معرفت کا رنگ! ایک کی روح زندہ و بیدار، دوسرے کا نفس اسی دیرینہ غفلتوں اور مدہوشیوں کا شکار! —— نئے نعرے کے سنتے الفاظ مبارک! مبارک تر ہوگا وہ دن، جس روز معنی بھی ان الفاظ کے ہمارے ہموطنوں اور ہمسایوں پر روشن ہو کر رہیں گے، اور جس کلمہ کا اقرار آج زبانوں پر ڈرتے اور جھجکتے ہوئے آرہا ہے، اُس کی تصدیق، بلاتکلف دل و قلوب بھی کرنے لگیں گے!

اختلاف اور عناد کے حدود

"اس وقت لکھنا ہم کو کانگرس کے خطبۂ صدارت پر ہے، لیکن یہ شروع ہی میں سمجھ لینا چاہیے، کہ صدر کی شخصیت اور چیز ہے اور انکا خطبۂ صدارت اور۔ مسٹر جواہر لال نہرو کی ذات ہمارے لیے ہر طرح محترم ہے۔ وہ صاحب علم ہیں اور صاحب عمل۔ خدا نے انھیں دولت، ثروت، عزت سبھی کچھ دے رکھی تھی، انھوں نے قوم کی خاطر سب پر لات ماردی، اور اپنی زندگی کو مسلسل ایثار کا ایک مرقع بنا لیا ہے"

اقتباس، ہندوؤں کے مشہور انگریزی روزنامہ لیڈر (الہ آباد) کے ایک مقالۂ افتتاحیہ کا ہے۔ مسٹر چنتامنی اور اُن کے اخبار سے کون واقف نہیں، کانگرس کے مشہور، ورپرانے دشمن، اور عمر جواہر لال کی سوشلزم (اشتراکیت) تو اُن کی چڑھ ہی ہے۔ ڈھائی کالم کا مضمون، سارے کا سارا، سوشلسٹ پروگرام اور جواہر لال کے نظریات کے پُر زور رد میں ہے، لبرل پارٹی، سوشلسٹ کانگرس کی ضد میں زمینداروں سے، مہاجنوں سے، امن سبھا والوں سے، اور خود براہِ راست سرکار برطانیہ سے پورا اتحاد کرلیگی، اور جہاں تک اُس کے بس میں ہوگا، ایسی باغیانہ کانگرس کو بیخ و بن سے برباد کرکے دم لیگی۔ یہ سب کچھ ہے اور کانگرس کی پالیسی کے خلاف آتش افشانی پورے زور و قوت کے ساتھ موجود، لیکن جہاں تک شخصیات کا تعلق ہے، اُسکے لب و لہجہ کا نمونہ ابھی آپ نے اوپر دیکھ ہی لیا۔ ہے اس کی کوئی مثال آپکے ہاں؟ "نرم" اور "گرم"، "عافیت پسند" اور "شوریدہ سر" کسی کے ہاں نہیں، مگر وہ دو فضیحتے بھی کہیں اور دیکھنے میں آئے ہیں جو آپ کی قوم میں ایک دوسرے کے متعلق سیاسی مسلک کے اختلافات کی بنا پر برپا رہتے ہیں؟ گویا یہ تو ہماری قوم نے طے کر لیا ہے، کہ جب تک کسی کو گالی پیٹ بھر کر نہ دے لی جائے، اُس کے مسلک کی تردید ہو ہی نہیں سکتی!

سر اقبال کی صحت

پچھلے دنوں سر اقبال مدظلہٗ کی علالت کی جو تشویشناک خبریں اخباروں میں نکلنی شروع ہوگئی تھیں، اس سلسلہ میں دریافت خیریت کے لیے ایک عریضہ موصوف کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا، جواب کا ضروری حصہ پبلک میں آنے کے قابل ہے:—

"خدا کے فضل وکرم سے اب اچھا ہوں۔ صحت عامہ تو تقریباً بحال ہوگئی ہے، البتہ آواز میں ابھی کسر باقی ہے۔ یہاں کے کالجوں کے مسلمان طلبہ کی ایک جمعیت ہے۔ انھوں نے ایک اپیل شائع کی تھی کہ اقبال کے لیے جمعہ کے روز مسجد میں دعا کی جائے۔ اس اپیل سے اخباروں اور اُن کے ناظرین کو غلط فہمی ہوئی۔"

خدا کرے ایسی خبریں ہمیشہ غلط فہمیوں ہی کا نتیجہ ہوا کریں۔

صاحب کی عید

"مسیحی عقیدہ میں حضرت مسیحؑ نے سولی پر وفات پائی، اور اس کے تیسرے روز زندہ ہوکر آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس کی یادگار میں جشن ایسٹر آج تک بڑی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اسٹیٹسمین کے وقایع نگار خصوصی کا بیان ہے، کہ اب کی بار برطانیہ میں موسم بہت اچھا تھا۔ چنانچہ سینما والوں کی خوب بن آئی، اور

"ایسٹر والے دوشنبہ کو ایک کرور ۴۰ لاکھ انسانوں، یعنی ملک کی کل آبادی کے تقریباً پورے ایک ثلث نے اس روز سینما کی سیر کی" (اسٹیٹسمین - ۲۶ اپریل ۳۶ء)

مہذبوں کا مذہبی جشن آپ نے دیکھ لیا؟ یہ ہے مسیحیوں کی عید! کیا خوب عبادت ہے یہ سینما بازی، اور کتنا اچھوتا طریقہ ہے باجے اور گانے کے ذریعہ سے، اور نیم برہنہ اور کامل برہنہ رقاصیوں کے کمالات دکھا دکھا کر، یادِ الٰہی کا، یادِ آخرت کا، اور پیام مسیحؑ کے تازہ کرنے کا! وہ بھی کیا نامہذب مسلمانوں کی عید ہے، کہ لگے منہ اندھیرے اللہ اکبر پکارنے، غسل و طہارت کا اہتمام کرنے، صدقۂ فطر نکالنے، یتیموں محتاجوں بھوکوں کو کھلانے پلانے، تسبیح و تہلیل کرنے، اور امیر غریب سب مل کر روز کی پانچ فرض نمازوں کے علاوہ، ایک اور نماز پڑھنے پڑھانے کا! —— کاش کسی صاحب نے اتنی تحقیق اور فرمائی ہوتی، کہ ایسٹر کے اس مقدس و متبرک موقع پر شرابیں کس مقدار میں پی گئیں، بازیاں کتنی لگائی گئیں، جوئے پر کتنا روپیہ صرف ہوا، اور، اور کیا کچھ ہو کر نہیں رہا!

بھٹکے ہوؤں کی راہ یابی

جدید جرمنی کے تخیلات و نظریات اور نظام زندگی پر ایک مفصل مضمون انگریزی سے ترجمہ ہوکر بعض روزناموں میں نکل رہا ہے، اس میں عورتوں سے متعلق ذیل کا پیراگراف نظر سے گزرا:—

"عورتوں سے متعلق جو نازی طریق عمل ہوگا وہ عورتوں کا مرتبہ گھٹا دینے والا ہوگا۔ وہ اپنے اس خیال کو پوشیدہ بھی نہیں رکھتے۔ عورتوں کی ایک جماعت کے مرکزی دفتر میں میں ایک جرمن سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے دوران گفتگو میں یہ سوال کیا کہ جرمن عورتیں کن معاملات میں رہنمائی کر رہی ہیں؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ عورتیں رہنمائی نہیں کرتیں بلکہ تتبع کرتی ہیں۔ عورت کے لیے یہ فرض ہے کہ وہ شوہر کے لیے اچھی بیوی اور بچوں کے لیے اچھی ماں بنے۔ "ہم عورتوں کو حق نمایندگی دینا نہیں چاہتے"۔ ایک تعلیمی افسر نے جو اپنے خاکی یونیفارم میں ملبوس تھا، کہا "لڑکیوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے انھیں امور کو پیش نظر رکھ کر دی جاتی ہے جرمنی میں، لڑکیوں اور لڑکوں کی مخلوط جماعتیں یا مخلوط مدارس نہیں ہیں۔ لڑکیوں کا نصاب تعلیم بالکل علحدہ ہے، طالبات کے نصاب تعلیم میں گھریلو معاشیات، معلومات متعلق بہ امور خانہ داری اور فنون لطیفہ کو نمایاں جگہ دی جائے گی۔ معدودے چند ایسی لڑکیاں جو معاشی زندگی میں (جو اُن کے لیے مفید اور مناسب ہو) حصہ لینا چاہتی ہوں اس امر کی اجازت دی جائے گی کہ وہ لڑکوں سے متعلقہ اداروں میں شریک ہو سکتی ہیں۔"

یہ اگر سچ ہے، تو کہنا چاہیے، کہ جو مدت کے بھٹکے ہوئے تھے، وہ اب راہ پر……

سورۂ بقرہ رکوع ۴

(بسلسلۂ متوق۔ جلد ۲ نمبر ۱ و ماقبل)

(از عبدالماجد)

۳۰- واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ، قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون

اور یاد کرو وہ وقت[۱] جب فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں[۲] سے، کہ یقیناً میں بنانے والا ہوں[۳] زمین میں ایک نائب[۴]۔ وہ بولے[۵] کیا آپ پیدا کریں گے اس میں[۶] ایسے کو جو اس میں فساد برپا کرے[۷]، اور خون ریزی کرے، اور حالانکہ ہم آپ کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں، اور آپ کی تقدیس کرتے ہیں[۸]۔ فرمایا، یقیناً میں وہ جانتا ہوں[۹] جو تم نہیں جانتے[۱۰]۔

[۱] ذکر زمانۂ قبل تخلیق انسانی کا۔

[۲] فرشتہ یا ملک نام ہے نوری، اور عام انسانوں کے لیے غیر مرئی مخلوق کا۔ فرشتوں کی تعداد، اللہ ہی کے علم میں ہے۔ فرشتے وجود خارجی رکھتے ہیں۔ صفات الٰہیہ یا قوائے طبیعیہ کے مترادف نہیں ہیں۔ وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں، سرشت معصومانہ رکھتے ہیں، یعنی گناہ و نافرمانی کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ خالق کے فرماں بردار خادم ہوتے ہیں۔ دیوی، دیوتا، معبود، نیم معبود کی حیثیت مطلق نہیں رکھتے، مخلوق و بندہ ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ اور یہیں سے ان تمام مذاہب باطلہ کا رد ہوا جاتا ہے، جنہوں نے ملائکہ کو، خالق سے کم اور مخلوق سے زیادہ، ایک درمیانی درجے پر رکھا ہے۔

[۳] عنقریب

[۴] نائب یا خلیفہ، اللہ وہ جو روئے زمین پر شریعت الٰہی کی حکومت قائم کرے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ انسان کو جو قوتیں ملیں گی، وہ سب اسی مقصد و غایت، یعنی منصب خلافت الٰہی کے مناسب ملیں گی۔

[۵] بطور اعتراض یا گستاخی نہیں، بلکہ فرط وفاداری و جوش میں، گویا کہ ہم جاں نثار خدام کے ہوتے کسی نئے خادم کی ضرورت کیا، جو معلوم نہیں آقا کا مزاج شناس ہو بھی یا نہیں۔ (از افادات حضرت تھانوی مدظلہ)

[۶] یعنی زمین پر۔ [۷] یعنی انسان تیرے قوانین کی نافرمانی بھی کرے گا، اور اس سے روئے زمین پر مادی، معنوی ہر حیثیت سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔

[۸] فرشتے یہ ساری گفتگو کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں کر رہے ہیں، بلکہ نیابت الٰہی کا نام سن کر قوائے بشریہ کا انہوں نے جو اندازہ کیا، اس سے یہ نتیجہ خود بخود نکل آیا، کہ ایسی قوتیں رکھنے والی مخلوق کبھی کبھی فساد بھی کرے گی۔

[۹] یعنی جو بھی خدمت ہو، اس کے لیے ہم خدام جاں نثار حاضر ہیں۔ اس نئی مخلوق کو قوت "اختیار" و "ارادہ" ملے گی، اور اس ارادہ کے بے محل صرف سے، معلوم نہیں وہ کتنی بار مرضی مبارک کے خلاف پر عمل کر بیٹھے، بخلاف ہم خدام کے جو اپنی سرشت کے لحاظ سے، بجز حضور والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ فرشتوں کی عبدیت محض کی، اور پھر انھیں کی زبان سے، قرآن مجید نے ایک اور تصریح کر دی۔

[۱۰] (مصالح کائنات و اسرار غیب کے باب میں) یعنی تمہیں کیا خبر کہ خلافت الٰہی کا کام جس مخلوق کے سپرد ہو گا، اس کی سی صلاحیتیں تم میں کہاں؟

۳۱- وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین

۳۲- قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

اور علم دے دیا (اللہ نے)[۱۱] آدم[۱۲] کو اسماء[۱۳] کا، انکے کل[۱۴]۔ پھر وہ چیزیں پیش کر دیں فرشتوں کے سامنے[۱۵]، پھر فرمایا[۱۶] کہ بتلاؤ مجھے انکے[۱۷] نام اگر تم سچے ہو[۱۸]۔
بولے، پاک ہیں آپ تو۔ ہم کو علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا[۱۹]۔ یقیناً آپ ہی ہیں علم والے[۲۰]، حکمت والے[۲۱]۔

[۱۱] 'دیوتا' کا تخیل دراصل فرشتہ کا ایک مسخ شدہ اور بگڑا ہوا تخیل ہے۔ اور مشرک قومیں، دیوی دیوتاؤں کو ماننے والی، درحقیقت سب کی سب، ملائکہ پرست ہی ہیں۔ یہاں انکے جہل پر بھی تنبیہ ہے، کہ فرشتے بیچارے، قدرت الگ رہی، علم میں بھی تو حق تعالیٰ کے ہمسر نہیں۔ اللہ کا علم نامحدود اور ان کا علم محدود۔

[۱۲] یعنی سب سے پہلے بشر تھے، اور نبی بھی۔

[۱۳] یعنی اسمائے اشیاء اور ان کے آثار و خواص کا۔

[۱۴] شرف انسانیت کے لیے یہ دلیل کچھ کم ہے! ملائکہ پرستی الگ رہی اس سے تو اور انسان ہی کی افضلیت ملائکہ پر نکلتی ہے۔

[۱۵] ان پر انسان کی صلاحیت اور منصب خلافت الٰہی کے لیے اسکی مناسبت کے اظہار و اعلان کے لیے۔

[۱۶] (فرشتوں سے) [۱۷] انکے، یعنی ان اشیاء کے۔

[۱۸] (اپنے اس گمان میں کہ تم بھی انسان کی طرح تنفیذ شریعت و مقتضیات منصب خلافت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو)

[۱۹] ملائکہ پرستی پر ایک اور ضرب، عقیدۂ شرک کی سب سے زیادہ عام اور عالمگیر صورت یہی دیویوں دیوتاؤں کے ماننے کی ہے، جو درحقیقت ملائکہ پرستی ہی ہے۔ قرآن مجید اسی لیے بار بار صراحت سے، اور مختلف پیرایوں میں ملائکہ کے عجز اور مخلوقیت کا اعلان کر رہا ہے۔

[۲۰] حاضر و غائب، حال و مستقبل سب کا یکساں علم رکھنے والے، ہر مخلوق کے ظرف و استعداد سے واقف۔

[۲۱] کہ بشر و ملک میں جس کی جیسی استعداد تھی اور جس کا جیسا ظرف، اسی مناسبت سے ہر ایک کو علم تقسیم فرمایا۔

[۲۲] ان کو یعنی فرشتوں کو۔

[۲۳] (اور آثار و خواص)

[۲۴] یعنی حضرت آدم نے۔

[۲۵] اور آثار و خواص۔

[۲۶] خطاب ملائکہ کو براہ راست ہے، اور تمام صاحب ادراک مخلوق کو بالواسطہ۔

[۲۷] یہ آیت نمبر ۳۰ کے انی اعلم ما لا تعلمون کے اجمال کی تفصیل ہے۔

۳۳ - قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

(فرمایا) اے آدم، بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء۔ پھر جب بتلا دیے انکو اس نے اُن چیزوں کے اسماء (تو) فرمایا، میں نہ کہتا تھا تم سے کہ یقیناً میں جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی، اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

۳۴ - وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٭ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کے آگے، سو اُن سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے۔ اسنے نہ مانا، اور تکبر کیا اور ہوگیا کافروں میں سے۔

۳۵ - وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اور ہم نے کہا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمھاری بیوی بہشت میں اور کھاؤ تم دونوں اس میں سے با فراغت جہاں سے چاہو اور نزدیک نہ جانا اس درخت کے، ورنہ ہو جاؤ گے تم بھی ظالموں میں سے۔

۳۶ - فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ

پھر پھسلا دیا ان دونوں کو شیطان نے اُس (درخت) کے باعث نکلوا دیا انکو اس سے جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا کہ تم سب نیچے اترو ایک دوسرے کے دشمن ہوکر۔ اور (اب) تمھارے واسطے زمین پر ٹھکانا ہے، اور نفع اٹھانا ایک میعاد تک۔

اس میں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان آگیا، کہ حق تعالیٰ کے علم غیر محدود، اور ملائکہ کے علم محدود کا مقابلہ ہی کیا!

۱۲۸ یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے، لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو ملا، تو جنات وغیرہ، دوسری مخلوق جو نسبتہً ادنیٰ ہے، وہ تو بدرجۂ اولیٰ اس حکم کی مخاطب ٹھہری۔

۱۲۹ (بطور اظہار عجز و نیاز و علامت تسلیم و اطاعت) ہر سجدہ، سجدۂ عبادت نہیں ہوتا، سجدۂ تعظیمی بھی ہوتا ہے۔ یہ سجدہ سجدۂ انقیاد تھا۔ لغت میں بھی سجدہ کے معنی محض جھکنے اور اظہار تذلل کے ہیں۔ السجود اصله التطامن والتذلل ..... قیل اُمروا بان یتخذوه قبلة وقیل اُمروا بالتذلل له۔ (مفردات راغب)

۱۳۰ یعنی نائب سلطان حقیقی کے روبرو۔

۱۳۱ یعنی، جن جن کو سجدہ کا حکم ملا تھا۔

۱۳۲ ابلیس کے لغوی معنی ہیں یاس زدہ کے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الباس (مفردات راغب)۔ یہاں ابلیس بطور علم کے ہے۔ یہ ابلیس فرشتہ نہیں، جن تھا، جیسا کہ سورۂ کہف آیت ۵۰ میں تصریح ارشاد ہوا ہے۔ جن، نوری نہیں، ناری مخلوق ہوتے ہیں۔

۱۳۳ (سجدہ کا حکم)

۱۳۴ یہ نافرمانی بھی کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں، بلکہ محض پندار نفس کی بنا پر تھی۔

۱۳۵ اس صریح نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کردیا۔ جنات، مومن و کافر، دونوں ہوسکتے ہیں۔ فرشتے سے نافرمانی ممکن نہیں۔

۱۳۶ ان کی خلقت بھی اسوقت تک ہوچکی تھی۔

۱۳۷ یہ درخت، اشجار جنت میں سے ہے۔ کون سا درخت تھا؟ قرآن مجید اس کے ذکر سے، بخلاف بائبل کے خاموش ہے، اس لیے کہ اس کی تصریح سے کوئی نتیجہ نہیں تھا، اور قرآن جو اتنے بڑے حکیم کا کلام ہے، کبھی بے نتیجہ بات بیان نہیں کرتا۔

۱۳۸ یعنے اُن پر، جو اپنے اوپر خود ظلم کیا کرتے ہیں۔

۱۳۹ ازلّ کے معنی ہیں جگہ سے ہلا دیا، یا ڈگا دیا، یا پھسلا دیا۔ بغاوت سرکشی و ارادی نافرمانی اس میں بالکل شامل نہیں۔

۱۴۰ لقب ہے اُسی ابلیس کا، جو اب جنت سے اپنی نافرمانی کی پاداش میں نکالا جاچکا تھا۔ لفظ شیطان کا مادہ شطن ہے۔ جسکے معنی دور ہونے کے ہیں شطن اے تباعد (مفردات راغب) پس شیطان وہ ہے جو رحمت خداوندی سے بہت دور ہوچکا۔

۱۴۱ اپنی چالاکی اور مکاری سے۔ روایات میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو خدا کی قسم کھاکر حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ کو اپنی دوستی اور ہوا خواہی کا یقین دلایا (وہ بیچارے اس سے بے خبر کہ کوئی شخص جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے) پھر یہ تبلایا کہ اگر اس درخت کا پھل کھالوگے تو جنت میں قیام مستقل ہوجائیگا یہاں سے کبھی الگ نہ ہوسکیں گے، حضرت آدمؑ، قرب الٰہی کی اس نعمت سے بڑھکر اور کس نعمت کے حریص ہوسکتے تھے، اس مکار کے فریب میں آگئے جان بوجھ کر نافرمانی کا وہم کبھی بیچارے کو نہیں گزرا۔

۱۴۲ 'عن' تعلیل کے معنی میں بھی آتا ہے (اتقان) جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں بھی آیا ہے، وما کان استغفار ابراهیم لابیه الا عن موعدة (توبہ، آیت ۱۱۵) ما نحن بتارکی الهتنا عن قولک (ہود، آیت ۵۶)

۱۴۳ کانا فیه۔ "اُسی سے" مراد "اُس مقام سے" بھی ہوسکتی ہے، یعنی جنت سے۔ اور "اس حالت سے" بھی ہوسکتی ہے، یعنی اُس حالت عیش سے۔

۱۴۴ صیغہ بجائے تثنیہ کے جمع کا ہے۔ یعنی خطاب اب ساری نسل آدم کو ہے۔

۱۴۵ (زمین پر)

۱۴۶ اور وہیں رہنا سہنا۔

۱۴۷ یعنی وہاں بھی قیام دائمی نہیں ہوگا۔ صرف اپنی مدت زندگی تک رہنا ہوگا۔

۱۴۸ (توبہ و انابت کے)۔ مجرم کو خود ہی توبہ و انابت کے الفاظ تلقین کردینا ایک فرد ہے رحمت خداوندی کی۔ اور پھر یہ کہ اس تلقین و تعلیم کی نسبت بھی اپنی جانب نہیں فرمائی، بلکہ اُسے بھی آدمؑ ہی کی جانب منسوب کردیا، کہ اُنھوں نے سیکھ لیے وہ الفاظ (کوئی حد ہے شفقت و کرم، رحمت و بندہ نوازی کی!)

۱۴۹ اور اُن کی خطا سے درگزر کردی۔

۱۵۰ صیغۂ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔

۳۷ -	فتلقّٰی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ انہ ہو التواب الرحیم -	پھر حاصل کیے آدم نے اپنے پروردگار سے (چند) الفاظ[۴۹] سو (اللہ نے) اس پر رحمت سے توجہ فرمائی،[۵۰] اور یقیناً وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے مہربان۔[۵۱]
۳۸	قلنا اہبطوا منہا جمیعا فاما یاتینکم منی ہدی فمن تبع ہدای فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون -	ہم نے حکم دیا نیچے اتر جاؤ[۵۲] اس سے[۵۳] تم سب[۵۴]، پھر اگر پہنچے[۵۵] تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت[۵۶] سو جو پیروی کریگا میری ہدایت کی، تو نہ ان کے لیے[۵۷] کوئی خوف ہوگا[۵۸] اور نہ وہ غمگین ہوں گے[۵۹]
۳۹ -	والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولٰئک اصحٰب النار ہم فیہا خٰلدون -	اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے ہماری[۶۰] نشانیوں کو، سو وہ ہیں اہل دوزخ - وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے[۶۱] -

۵۱ معاذ عیسائیوں نے تو اسلام کے خدا کو نعوذ باللہ ایک دہشتناک دیوتا کی حیثیت سے پیش کیا ہے، لیکن بعض منصف مزاجوں سے کھلی ہوئی حقیقتوں سے انکار ممکن نہ ہوا۔ چنانچہ لین پول وغیرہ نے خدائے اسلام کی رحمانیت و رحیمیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

۵۲ اے اولاد آدم -

۵۳ اس سے، یعنی جنت سے -

۵۴ ہر حکم بہ طور سزا نہیں اس لیے کہ خطا تو اب معاف ہو ہی چکی تھی، اور معافی کے بعد سزا کے کوئی معنی نہیں - لیکن اس شجر ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مترتب ہو رہے تھے، اس کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجایش نہ تھی - روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقوش مٹ جائیں - کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے زہر کھا لے، اور معاً اسے اپنی معصیت کا انتباہ ہو جائے، رو رو کے گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے - گناہ ممکن ہے معاف ہو جائے لیکن زہر کے جو طبعی اثرات اس کے جسم پر ہونے ہیں، وہ تو بہرحال ہو کر رہیں گے، اس خشوع و خضوع و انابت قلب سے وہ نہیں رک سکتے -

۵۵ (اس دنیا میں)

۵۶ (میرے انبیاء، یا ان کے نائبین کے ذریعہ سے)

۵۷ ایسے لوگوں کے لیے -

۵۸ لاخوف علیہم، ان کے اوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا - مفہوم صرف اس قدر ہے کہ انکے لیے کوئی خطرہ یا تشویش کی بات نہیں - یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی کبھی حزن و ملال نہ محسوس کریں گے -

۵۹ (روز قیامت کو)

۶۰ اہل جنت کے ذکر میں صیغۂ واحد متکلم (میری) کا استعمال دلالت کرتا ہے تخصیص و شفقت پر، اور اہل جہنم کے ذکر میں صیغۂ جمع متکلم (ہماری) کا استعمال جو دلالت کرتا ہے حاکمانہ شان و اقتدار پر، قابل غور ہے -

۶۱ دائمی سزاؤں کا ذکر انجیل میں بھی ہے - (متی ۵: ۲۲، ۲۹؛ ۴۱: ۲۵ ر ۴۶)

(بقیہ صفحہ ۱)

آ ملے - اب دیکھنا یہ ہے، کہ جو اچھے خاصے راہ یاب، ان بھٹکے ہوؤں کو دیکھکر بھٹکے تھے، انھیں از سر نو راہ پانا کب نصیب ہوتا ہے -

نئی دُنیا

اعداد شایع ہوئے ہیں، کہ امریکہ میں،

ڈاکٹروں کی تعداد ۱½ لاکھ سے اوپر ہے،

دوا فروش ۶۰ ہزار ہیں،

دنداں ساز ۶۱ ہزار ہیں!

کاش کوئی صاحب گنتی کر کے اتنا اور بتا دیتے، کہ اس جنت نشاں سرزمین میں دانتوں کے مریض، اور مصنوعی دانتوں کے محتاج، آنکھوں کے مریض اور عینک کے محتاج، اور عام مریض، قدم قدم پر دواؤں کے محتاج، کل کتنے ہیں - اور یہ کہ تندرستوں کا شمار فی صدی نہ سہی، فی ہزار، فی لاکھ کتنا رہ گیا ہے! ——— دین تو گیا ہی تھا ہی، کاش اس نئی دنیا کی طلب و ہوس میں دنیا ہی ہاتھ آ گئی ہوتی!

نئے وائسرائے

نئے وائسرائے بہادر لارڈ لنلتھگو نے ہندوستان آتے ہی اپنی تقریر میں فرمایا:-

"میں آپ لوگوں سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے اوپر اسی طرح اعتماد کریں، جس طرح میں آپ کے اوپر اعتماد کرنے کا وعدہ اپنے چھ سالہ عہد کے لیے کر چکا ہوں ... خدا تعالیٰ مجھے جسمانی صحت اور دل و دماغ کی قوت جس قدر بھی عنایت کریگا اسے میں آپ کے وطن کی خدمت میں صرف کروں گا، اسلیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں"

نوجوان نسل کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"یاد رکھو، کوئی شخص، مرد ہو یا عورت، اچھا شہری اور سچا محب وطن نہیں ہو سکتا، جو اپنی طبیعت پر حکمرانی کرنا، اور اس کو قابو میں رکھنا، خدا سے ڈرنا، اپنے والدین کی اطاعت کرنا، اور اپنے بادشاہ کی عزت کرنا نہ سیکھے"

اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا، کہ خدا، خوف خدا، دعا، ضبط نفس، اطاعت والدین وغیرہ کے الفاظ ابھی "صاحب" کے لغت سے بالکل خارج نہیں ہو گئے ہیں - ورنہ خیال تو یہ ہو رہا تھا، کہ اس قسم کے "پند سودمند" تو اب تلاش سے سعدی کی گلستان اور کریما ہی میں ملیں گے، اور بس -

---

مضامین کے بارے میں

کل مراسلت ایڈیٹر صاحب صدق سے دریاباد ضلع بارہ بنکی کے پتہ پر ہو -

اور انتظامی امور کے متعلق

مہتمم صاحب صدق ۳۳ ہیوٹ روڈ لکھنؤ کے پتہ پر ہو -

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

(از مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی)

اتفاقاً ۶ اپریل ۱۹۳۶ء کا ہفتہ وار ہند کلکتہ نظر سے گزرا۔ یہ تو معلوم تھا کہ مخدوم و محترم مولانا عبدالرزاق خاں صاحب عرصے سے علی الاطلاق علماء و اتقیاء کے حق میں خلافِ شان مضامین تحریر فرما رہے ہیں اور عجیب یہ کہ بعض ضروری لوازم کی تحقیر نہ صرف زبان و قلم سے بلکہ عملاً بھی فرمایا کرتے ہیں، اور جہاں تک شعائرِ دین کے ساتھ استہزاء کا تعلق ہے آپ کی زندگی بہت ہی کامیاب اور عملی زندگی ہے۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا!

میں مولانا کو اپنا مخدوم و محترم تصور کرتا ہوں لیکن دین کا احترام ہر طور تمام ادنیٰ تعلقات پر غالب ہے۔ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء کا ہند دیکھ کر قلب کو جو اذیت ہوئی ناقابلِ بیان ہے۔ معلوم نہیں کتنے ناواقف مولانا کی اس تحریر کو دیکھ کر غلط راہ اختیار کر لیں گے اور دین کے کتنے اہم لوازم کو حقیر و بے حقیقت تصور کرنے لگیں گے!

مولانا ہند کے افتتاحیہ میں تحریر فرماتے ہیں:—

"سچ پوچھیے جتنی نمازیں آجکل ضروری قرار دی گئی ہیں کیا یورپ و امریکہ کے عدیم الفرصت لوگ انھیں پڑھ سکتے ہیں؟ خدا نے جتنی نمازیں فرض کی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور ہر آدمی انھیں انجام دے سکتا ہے مگر سنتوں اور نفلوں کا یہ لمبا سلسلہ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ بلا شبہ آدمی جس قدر نماز پڑھے اچھا ہے مگر کسی کو مجبور کر دینا کہ تمہیں لازمی طور پر پچاس ساٹھ رکعتیں ضرور پڑھنا پڑیں گی زبردستی ہے۔

اگر سنتیں اور نفلیں ضروری ہیں تو خدا نے انھیں خود فرض کیوں نہیں کیا؟"۔ یقیناً جس آدمی کو فرصت ہے اور جس کا دل چاہتا ہے اُسے اس سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے مگر بیسویں صدی کی عدیم الفرصت دنیا کو فرض نمازوں سے زیادہ مجبور کرنا اشاعتِ اسلام کی راہ میں روک ثابت ہوگا بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ عدیم الفرصت لوگوں کو اجازت دینا چاہیے کہ وہ دو دو نمازیں ایک وقت میں ادا کیا کریں ظہر و عصر ایک ساتھ مغرب اور عشا ایک ساتھ شرعاً یہ جائز ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباسؓ کی صریح حدیث موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دو دو نمازیں ساتھ پڑھی ہیں حالانکہ نہ سفر تھا نہ برسات تھی نہ بیماری اور نہ کوئی عذر تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسی لیے کیا کہ امت کے لیے اس کا دین آسان رہے"۔

العظمۃ للہ۔ مغرب سے مرعوبیت کا اس سے زیادہ مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ مولانا سے کوئی پوچھے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو سینما، تھیٹر دیکھنے، شراب خانوں میں بدمستی دینے اور نت نئے حیا سوز مشاغل میں مصروف رہنے کے لیے تو بیش از بیش فراغ حاصل ہے لیکن سنن کی ادائیگی کے لیے اُن کے پاس وقت نہیں نکل سکتا؟ یہ آپ ہی کا انصاف ہے۔

قربان جائیے مولانا کے حسنِ استدلال پر۔ سنن کی اہمیت کے خلاف آواز اُٹھائی تو دلائل بھی کیا معقول ڈھونڈھ نکالے۔ پہلی دلیل تو یہ ہوئی کہ امریکہ اور یورپ کے عدیم الفرصت اسے پڑھ نہیں سکتے۔ اور دوسری دلیل یہ لائے

"اگر سنتیں اور نفلیں ضروری ہیں تو خدا نے انھیں خود فرض کیوں نہیں کیا؟"

ان سنتوں ہی پر کیا موقوف ہے، نماز میں رکعات کی تعیین، رکوع و سجود کی ترتیب، قیام و قعود کی یہ مناسبت جو نماز میں برتی جاتی ہے، تسبیحات و ادعیہ کا یہ سلسلہ جو نماز کی روح قرار پا چکا ہے، یہ قرآن میں کب مذکور ہے؟ پھر مولانا اپنے اصول کے مطابق اگر سنتوں کو اس لیے اہمیت نہیں دیتے کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں تو نماز کی موجودہ ہیئت کو کس دلیل سے تسلیم کرتے ہیں؟ اور واللہ اعلم تسلیم کرتے بھی ہیں یا نہیں؟

مولانا قلم کو گردش میں لانے سے قبل اگر غور و فکر کی ذرا سی زحمت گوارا فرما لیا کریں تو اس قسم کی فاش غلطیوں میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم تاریک خیال مسلمان جو سنتوں کو ضروری تصور کرتے ہیں خداوند کریم کے اس ارشاد کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا!	جو کچھ رسول تم کو بتائیں اُس پر مضبوطی سے عامل ہو اور جس سے روکیں اُس سے رک جاؤ

رسولؐ نے سنتیں پڑھیں اور ہم کو پڑھنے کا حکم دیا، اس لیے ہم پورے احترام کے ساتھ رسول کی اس سنت کو ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان سنتوں میں سے جن پر علامہ ملیح آبادی نے انکار فرمایا ہے بعض سنتیں وہ بھی ہیں جن کی تاکید زبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی اہمیت کے ساتھ فرمائی گئی ہے فجر کی سنتوں کے لیے ارشاد ہوا۔

صلوھا ولو طردتکم الخیل	فجر کی سنتوں کو پڑھو اور خواہ تم کو گھوڑے نے اپنی پیٹھ سے پھینک دیا ہو۔

جس سنت کی تاکید میں سرورِ عالمؐ نے اس درجہ مبالغہ فرمایا آج حضرت علامہ ملیح آبادی اُس کے استخفاف و تحقیر میں اُسی درجہ مبالغہ فرما رہے ہیں۔ کاش اس بارے میں موصوف نے فقہائے اسلام اور علمائے ملت کی تصریحات کو ملاحظہ فرما لیا ہوتا۔ کبیری میں ہے

ترک سنن الصلوٰۃ ان لم یرھا حقاً کفر	نماز کی سنتوں کو ترک کرنا اس طور پر کہ اُنکو حق نہ سمجھے کفر ہے۔

صغیری میں ہے

لو ترک سنۃ الفجر او غیرھا من المؤکدۃ قیل یاثم والاصح انہ لا یاثم لکن تفوتہ الدرجات والثواب ویستحق الملامۃ ہذا ان رآھا حقاً ولم یستخف بھا و الا یکفر۔	کسی شخص نے اگر سنت فجر کو قضا کیا یا کسی اور سنت مؤکدہ کو ترک کیا تو کہا جاتا ہے کہ وہ گنہگار ہوگا اور یہی قول ہے کہ گنہگار نہ ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا لیکن ثواب اور درجات

سے محروم ہوگا اور ملامت کا مستحق ہوگا، لیکن یہ اُس وقت ہے جب اِن سنتوں کو حق سمجھتا ہو اور حقیر نہ سمجھے اور اگر اس نے حقیر سمجھا تو کافر ہوگا۔

مولانا کی اس علمی تحقیق پر نظر کرنے کے بعد زیادہ توجہ اُس نقد کی

ثابت کرتا ہے جس کا آغاز ان الفاظ میں کیا گیا ہے

"میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ عدیم الفرصت لوگوں کو اجازت دینا چاہیے کہ وہ دو دو نمازیں ایک وقت ادا کر لیا کریں"

ان الفاظ کی تائید میں مسلم شریف کی ایک حدیث کو بھی (جسکے راوی حضرت ابن عباس ہیں) پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تخریج ترمذی سنے بھی کی ہے لیکن ... انھوں نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ

ما فی کتابی حدیث اجمعت العلماء علی ترک العمل بہا الا حدیث ابن عباس فی الجمع بالمدینۃ

میری کتاب میں کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے جسکے ترک عمل پر علماء نے اجماع کیا ہو لیکن حضرت ابن عباس کی وہ حدیث جو مدینہ میں جمع بین الصلوتین کے متعلق ہے۔

ترمذی کی اس تصریح سے قطع نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضر میں جمع بین الصلوتین کو ثابت کیا گیا ہے خبر واحد کا حکم رکھتی ہے اور نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنے کے لیے قرآن کریم میں فرمان موجود ہے جو تواتر کے حکم میں ہے۔ ارشاد ہوا ہے ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین۔

اصول کے اعتبار سے خبر احاد اور خبر تواتر اگر متعارض ہوں تو خبر احاد کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مسلم کی یہ حدیث اس نص قطعی کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہر چند کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس کی تائید بھی کی ہے لیکن وہ بھی یہ کہا کرتے کہ "انتقل الا رہی ہے" کہ جمع بین الصلوتین کو ترک کیا جائے۔ (ذکر اصرحہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری)

حضر میں جمع بین الصلوتین کا جہاں تعلق ہے صاحب سفر السعادت تحریر فرماتے ہیں

جمع در سفر عادت دائمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود بلکہ چوں تعجیل می کرد در سیر جمع می کرد اما جمع در حالت نزول و قرار مروی نیست۔

(حضر تو حضر) سفر میں بھی جمع بین الصلوتین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات میں نہ تھا بلکہ جب کبھی سفر میں عجلت فرماتے لیکن قیام و حضر کی شکل میں جمع کی کوئی (معتبر) روایت نہیں۔

سفر میں جمع بین الصلوتین صحیح ہے لیکن درحقیقت وہ بھی جمع کی صورت نہیں بلکہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہیں۔ ایک اپنے وقت کے آخری لمحات میں ادا کی جاتی ہے اور دوسری اپنے وقت کی ابتدائی ساعات میں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں، لیکن واقعۃً ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ عمل صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین بھی اسی کے موافق ہے۔

ابو داؤد میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا عمل یوں مذکور ہے

عن نافع و عبد اللہ بن واقد ان موذن ابن عمر قال الصلوۃ قال سر حتی اذا کان قبل غروب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق وصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت۔

حضرت نافع اور عبد اللہ بن واقد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے موذن نے آپ سے (جبکہ آپ سفر فرما رہے تھے) کہا نماز (مغرب) کا وقت آ گیا ہے آپ نے فرمایا چلے چلو یہاں تک کہ غروب شفق کے کچھ پہلے آپ (سواری سے) اترے اور نماز مغرب ادا فرمائی۔ پھر کچھ دیر انتظار کیا اور جب شفق غائب ہو گئی تو عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کچھ جلدی ہوا کرتی تھی تو ایسا ہی عمل فرماتے جیسا میں نے کیا ہے۔

یہ روایت ہمارے دعوے کی دو دلیلیں رکھتی ہیں۔ ایک تو اس صحابی اور دوسرے صحابی کی شہادت کہ رسول اللہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت کو صاحب اشعۃ اللمعات اپنے الفاظ میں یوں لکھا ہے

از علی مرتضی آوردہ کہ چوں سیر می کرد وے رضی اللہ عنہ سیر می کرد بعد از غروب شمس تا غروب شفق پس فرود می آمد گزارد مغرب بعد از طعام می طلبید و می خورد و پس می گزارد عشاء را و کوچ می کرد و میگفت ہمچنیں میکرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب آپ سفر میں ہوتے تو غروب شمس کے بعد بھی سفر میں مشغول رہا کرتے یہاں تک کہ غروب شفق کا وقت آ پہنچتا اس وقت آپ (سواری) سے اترتے اور نماز مغرب ادا فرماتے اسکے بعد کھانا طلب فرماتے اور کھاتے پھر نماز عشاء پڑھتے اور کوچ فرما دیتے اور ارشاد فرماتے کہ ایسا ہی رسول خدا بھی عمل فرمایا کرتے تھے۔

اسی اشعۃ اللمعات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے متعلق منقول ہے۔

روایت کرد بخاری و مسلم از عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ گفت ندیدم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را کہ گزارد نمازے را در غیر وقت خود مگر مغرب و عشاء را کہ جمع کرد بمزدلفہ و بتحقیق آمدہ است جمع میان ظہر و عصر در عرفات و آں از جہت مناسک حج بود نہ بسبب سفر

بخاری و مسلم نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر ادا کیا ہو لیکن ہاں آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع فرمایا ہے اور عرفات میں ظہر و عصر کو اور یہ جمع مناسک حج میں سے ہے نہ کہ سفر کے باعث۔

ہمارے مخدوم و محترم اگر زیادہ تفحص و تلاش نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم انھوں نے مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات ہی ملاحظہ فرما لیا ہوتا تو شاید ایسا بدیع اجتہاد نہ فرماتے۔ اشعۃ اللمعات میں جمع بین الصلوتین کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں

تعیین اوقات صلوۃ قطعی است و ثابت است بتواتر کہ شک و شبہہ را در آں راہ نیست تا کہ شمردہ اند تاخیر صلوۃ را از وقت از جملہ کبائر و امام محمد در موطاء خود گفتہ است کہ بتحقیق رسیدہ است با کہ

تعیین اوقات نماز قطعی ہے اور تواتر سے اس طور پر ثابت ہے کہ اس میں مطلقاً شک و شبہہ کی گنجائش نہیں یہاں تک کہ لوگوں نے نماز کو اپنے وقت سے موخر کرکے پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ امام محمدؒ نے اپنی موطا میں فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو بتحقیق پہونچی ہے کہ فرمایا کہ حضرت عمر بن

عمر بن الخطاب بجانب حکام خود در آفاق می نوشت و نہی می کرد ایشاں را از جمع بین الصلوتین دریک وقت و اعلام خبر می کرد ایشاں را کہ جمع بین الصلوتین در وقت واحد کبیرہ است از کبائر و چوں تعیین اوقات صلوٰۃ قطعی و متواتر باشد معارض نہ گردد باں خبر احاد

رضی اللہ عنہ اپنے حکام کو فرامین لکھتے تھے اور ان کو ایک ہی وقت میں جمع صلوتین سے روکتے تھے اور انکو خبر دیتے تھے کہ جمع صلوتین ایک ہی وقت میں گناہ کبیرہ ہے

اور جب کہ تعیین اوقات نماز قطعی اور متواتر ہے تو اس سے خبر احاد معارض ہی کب ہو سکتی ہے۔

آج ہمارے مخدوم بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اسی گناہ کبیرہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں، اور زبان موندہ کی حقارت دلوں میں پیدا کر کے کفر سے قریب کرنا چاہتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

الا لا بارک اللہ فی سہیل
اذا ما اللہ بارک فی رجال

اسلامی انجمنیں اور مناظرے

ہندوستان میں اسلامی انجمنوں کی طرف سے آئے دن جلسے منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان پر ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے پنڈال کی آرائش، دعوتوں کا اہتمام، علماء کے اخراجات سفر اور نذرانوں کے علاوہ اور بھی مصارف برداشت کیے جاتے ہیں، یہ اخراجات عموماً مسلمانوں کے چندہ سے پورے کیے جاتے ہیں اور بعض دفعہ قرض لے کر بھی کام چلایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں [illegible] زندہ قوموں کی زندگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ سال میں ایک دو دفعہ اجتماعی رنگ میں اصلاح و تعمیر کا مظاہرہ کیا جائے اور افراد پر جماعتی حیثیت سے اثر ڈالا جائے لیکن جہاں اپنے مدرسوں کی کارگزاریوں کی تشہیر مقصود ہو اور نا اہل واعظین کی خوش الحانیوں کی داد طلب کی جاتی ہو وہاں سالانہ اجتماعات سے سوائے وقت اور دولت کی بربادی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر اس قسم کے مردہ اجتماعات پر روپیہ خرچ کرنے کے بجائے مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت پر یہ رقم خرچ کی جائے تو بہتر سے بہتر نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اور ٹھوس کام کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسلامی انجمنوں کے ارباب اہتمام نے سالانہ جلسوں میں آریوں کی تقلید میں ایک اور مصیبت پیدا کر لی ہے۔ یعنی ہر جلسے کے لیے یہ ضروری ٹھہرا لیا گیا ہے کہ دیگر مذاہب کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ بھی کیا جاوے۔ اس لیے ہفتوں پہلے چیلنج دیے جاتے ہیں، شرائط مناظرہ طے کی جاتی ہیں اور اسلام پر اعتراضات کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ آجکل کے مناظرات سے سوائے تشدد اور عناد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور نہ آج تک کسی مناظر نے اس طریقہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دنگل اور تفریح کے یہ ہنگامے قطعاً بے سود اور بدعات کی قبیل سے ہیں کیونکہ اسلام کا [illegible] "دعوت" ہے مناظرہ نہیں ہے۔ دعوت کا مقصد یہ ہے کہ قلوب کو مسخر کیا جائے، گمراہ انسانوں پر ہدایت و سعادت کی راہیں کھولی جائیں، اور مخالفین کے اوہام کا ازالہ کر کے ان کو حق و صداقت کی دعوت دی جائے۔ اس کے خلاف مناظرہ مصطلحہ کا مقصد یہ ہے کہ مخاطب خود شکوک و شبہات کی دلدل میں اور زیادہ پھنس جائیں مگر مخالف کی زبان بند کر دی جائے اور پبلک پر اس کی کمزوری واضح ہو جائے۔ حالانکہ انبیاء کی دعوت کا یہ طریق نہیں ہے، انھوں نے کبھی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دس دس منٹ کی تقریریں نہیں کیں اور منطق و فلسفہ کی نا قابل فہم اصطلاحوں کے شکنجے میں کبھی دشمنان حق کو کسنے کی کوشش نہیں کی۔

البتہ اگر کوئی ایسا موقع آ جائے کہ مخالفین مسلمانوں کو مذہبی تبادلۂ خیال پر مجبور کریں اور یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اگر مناظرہ نہ کیا گیا تو نا واقف مسلمانوں پر اور دیگر مذہب کے پیرووں پر اس کا برا اثر پڑے گا تو بلا شبہ مناظرہ کیا جا سکتا ہے، اور اس کے لیے علماء میں ایک ایسی جماعت ہر وقت تیار رہنی چاہیے۔ ص

ص لیکن یہ صورت کہ جلسہ کے انعقاد سے پہلے ہی مناظرہ کا فیصلہ کر لیا جائے اور ذہنی کشمکش کے لیے مخالفین کو للکارا جائے، کوئی مستحسن صورت نہیں ہے اور نہ نتائج کے لحاظ سے اس قسم کا اقدام سودمند ثابت ہو سکتا ہے امید ہے کہ اسلامی انجمنوں کے مہتمم حضرات سالانہ اجتماعات کے موقع پر اپنی روش میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

(فاران)

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(از جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن)

نمبر (۳)

اسلامی نظم معیشت کے ارکان

یہ ہے اسلام کا معاشی نظریہ۔ اب دیکھیے کہ اس نظریہ کے مطابق اسلام نے جو نظم معیشت قائم کیا ہے اُسکے اخلاقی اور قانونی ارکان کیا ہیں :-

(۱) اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز کی تفریق - یہ تفریق اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت کمانے کے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر ہو، اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد و منافع کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان باہمی رضامندی سے ہو - قرآن مجید میں اس قاعدہ کلیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے -

یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما، ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا (۴ : ۵)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو، بجز اسکے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو، اور تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمھارے حال پر مہربان ہے اور جو کوئی اپنی حد سے تجاوز اور ظلم کے ساتھ ایسا کریگا اُسکو ہم آگ میں جھونکدیں گے

اس آیت میں لین دین کے لیے جواز کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں ایک یہ کہ لین دین باہمی رضامندی سے ہو، دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان نہ ہو - اس معنی میں لا تقتلوا انفسکم کا نقرہ نہایت بلیغ ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے فائدہ کے لیے دوسرے کا نقصان کرتا ہے وہ گویا اُس کا خون پیتا ہے اور مآل کار میں خود اپنی تباہی کا راستہ کھولتا ہے - چوری، رشوت، قمار، دغا، فریب، سود، اور بہت سے بیع کے طریقوں میں عدم جواز کے یہ دونوں اسباب پائے جاتے ہیں۔ اور اگر بعض میں تراضی طرفین کے وہم کی گنجایش بھی ہے تو لا تقتلوا انفسکم کی دوسری اہم شرط مفقود ہے

(۲) جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اُس کو جمع نہ کیا جائے کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا - دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا نہ صرف خود بدترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدید جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا نتیجہ آخرکار خود اُس کے لیے بھی بُرا ہے اسی لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے - وہ کہتا ہے

ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتٰہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم بل ہو شر لہم

جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ بخل اُنکے لیے اچھا ہے بلکہ درحقیقت یہ اُنکے لیے بُرا ہے۔

والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم (۹ : ۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُنکو عذاب الیم کی خبر دیدو۔

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب سرمایہ داری کا دروازہ ہی بند کرنا مقصود ہے تو سود جو بخل اور جمع مال کا ثمرہ ہے، اسلام کے نظم معیشت میں کیسے بار پا سکتا ہے -

(۳) جمع کرنے کے بجائے اسلام خرچ کی تعلیم دیتا ہے - مگر خرچ کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ آپ اپنے عیش و آرام اور گلچھرے اُڑانے میں دولت لُٹائیں، بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ دیتا ہے - یعنی آپ کے پاس آپ کی ضروریات سے جو کچھ بچ رہے اُس کو نیک اور مفید کاموں میں خرچ کر دیں کہ یہی فی سبیل اللہ ہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون، قل العفو (۲/۲۷)

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہو کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (۴ : ۶)

احسان کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور نادار مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والے دوستوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں پر۔

وفی اموالہم حق للسائل والمحروم (۵۱/۱)

اور اُنکے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

اس باب میں اسلام کا نقطۂ نظر سرمایہ داروں کے نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے - سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤنگا اور جمع کرنے سے مالدار ہوں گا - اسلام کہتا ہے خرچ کرنے سے برکت ہوگی، تیری دولت گھٹے گی نہیں، بلکہ اور بڑھے گی۔

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا (۲ : ۳۷)

شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بخل جیسی شرمناک بات کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے اپنی بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ جو خرچ کردیا وہ کھو یا گیا - اسلام کہتا ہے کہ نہیں وہ کھویا نہیں گیا بلکہ اس کا بہتر فائدہ تمھاری طرف پھر پلٹ کر آئیگا -

وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون (۲ : ۳۷)

تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کروگے وہ تمکو پورا پورا ملیگا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

وانفقوا مما رزقناہم سرا وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور لیوفیہم اجورہم ویزیدہم من فضلہ (۳۵ : ۴)

اور جن لوگوں نے ہمارے بخشے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے طریقے سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت رکھتے ہیں جس میں گھاٹا ہرگز نہیں ہے - اللہ اُنکے بدل اُنکو پورے پورے اجر دیگا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ عنایت کریگا -

(باقی)

اخباری گندگی

ایک سال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ امریکہ کے ایک متمول کرنل لنڈبرگ کے شیر خوار بچے کو چرا کر ایک مجرم گروہ نے استحصال بالجبر کا ذریعہ بنانا چاہا، اور بچہ کو نہایت دردانگیز حالات میں اُس بچے کو مار ڈالا گیا۔ اُس وقت سے اِس واقعہ کے مجرم، تحقیقات جرم، اور مقدمہ کی سماعت اور اُس کی تفصیلات کے متعلق جو خبریں شائع ہوتی رہی ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ضابطہ تعزیرات ہند اور تمام ہائیکورٹ کے مجموعہ نظائر کے حجم سے اس داستان کا حجم دوگنا ہو جائے۔ ہاپٹمین جو بالآخر مجرم قرار دیا گیا امریکہ اور یورپ کے جرائد میں اس قدر مشہور ہوا کہ دنیا کا کوئی ایکٹر، کسی بڑے ملک کا وزیر اعظم بھی اس قدر مشہور نہ ہوگا۔ مجرم کی سزا یا تعمیل سزا ملتوی ہو چکی ہیں۔ اور آج چھ ماہ سے جب مجرم کے قتل کی تاریخ مقرر ہوئی ہے تو اخبارات امریکہ خاص اہتمام کے ساتھ دنیا بھر کو تار دے کر اطلاع کرتی رہیں کہ ہاپٹمین کو فلاں تاریخ اور فلاں وقت سزائے موت دی جائیگی گویا یا تو وہ کوئی پیغمبر ہے یا کوئی وزیر اعظم ہے یا ساری دنیا کا بھائی بچا ہے جس کی موت کی خبر سے مطلع ہونے کے لیے دنیا کے ہر گوشے میں مخلوق خدا گوش بر آواز ہے!! بار بار تاریخیں بدلتی ہیں اور وقت بدلا جاتا ہے اور ہر دفعہ اخباروں میں اعلان ہوتا ہے کہ ہاپٹمین کو فلاں دن ۸ بجکر ... منٹ یا ۱۰ بجکر ... منٹ پر سزائے موت دی جائیگی۔ جرائم کے ساتھ اخبار پڑھنے والوں اور اخبار شائع کرنے والوں کی یہ دلچسپیاں عبرت انگیز ہیں! جب انسانی اخلاق کا گندہ لباس اس طرح برسرعام دھویا اور نچوڑا جائے اور جب اُس لباس کے دھبے اس قدر نظر فروز ناظرین کرام ہونے لگیں تو کسی قوم کے لیے بھی یہ اخلاقی پستی قابل فخر نہیں ہو سکتی

چند ہی روز ہوئے حیدرآباد کی بعض خبر رساں ایجنسیاں ایک مشہور اخلاقی جرم کی عدالتی سماعت کی تفصیلات نہایت اہتمام کے ساتھ ہم کو بھیجا کرتی تھیں۔ حتی کہ طبی معائنہ کی رپورٹ بھی مع اپنی شرمناک تفصیلات کے مہیا کی گئیں۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے بعض ناظرین اس عدالتی روداد کو بالتفصیل پڑھنا چاہتے ہیں، ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ اس کی بعض تفصیلات کو قلمزد کر دیا کریں۔ اس لیے ہم خبر رسانی کے فرض کو انجام دینے کے شوق میں اس حقیقت کو بھول نہیں سکتے کہ اخبار کے صفحات سنجیدہ اور پاکیزہ مذاق رکھنے والے مردوں اور شریف خواتین اور کم عمر بچوں کے ہاتھوں میں بھی جاتے ہیں! اور یہ کہ عہد جدید کے معیار پر اس قسم کی خبر رسانی کتنی ہی ضروری یا قابل تعریف ہو مگر مشرقی زندگی کے معیار پر وہ یقیناً معیوب ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہندوستان میں تمام ہندوستانی اور خصوصاً مسلم اخبار و جرائد بہت سختی کے ساتھ طلاق، ناجائز عشق و محبت، قتل، اور اسی قسم کے دوسرے اخلاقی جرائم کی تفصیلات سے قطع نظر کریں اور اپنے ناظرین کو اس گندگی سے آشنا ہونے کا موقع نہ دیں! (پیام)

قوم پرستی بغیر نقاروں کے

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور شمالی ہندوستان کے بعض شہروں کا دورہ اس غرض سے کر رہے تھے کہ اپنے مدرسہ کے لیے مالی امداد حاصل کریں۔ اس سلسلے میں وہ دہلی تشریف لائے تھے۔ اُن کے مدرسہ پر بقدر ۶۰ ہزار روپیہ کے قرضہ کا بار تھا، اور اس بار سے سبکدوش ہونے کے لیے انھوں نے باوجود ضعف پیری اور خرابی صحت شمالی ہندوستان کا دورہ شروع کیا تھا۔ دہلی میں اُن کو حسب ذیل گمنام خط موصول ہوا!

جناب محترم ۶۰ ہزار روپیہ کی ایک ہنڈی ملفوف ہے۔ غالباً شانتی نکیتن کے بجٹ میں جس قدر خسارہ ہوا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے آپ جا بجا اپنے آرٹ کی نمائش کر رہے ہیں۔ جب ہم نے یہ سنا تو ہم کو سخت رنج ہوا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس عمر میں اور صحت کی موجودہ حالت میں آپ کو سفر کی اس قدر صعوبت برداشت نہ کرنی چاہیے۔ ہم اس امر کے معترف ہیں کہ ہم آپ کے مدرسہ کے حالات سے بہت کم واقف ہیں، ہم نے اُس کا صرف نام ہی سنا ہے لیکن ہم آپ کی اُس شہرت سے بے خبر نہیں ہیں جو آپ کو اس زمانہ کے شاعر اعظم کی حیثیت سے حاصل ہے۔ آپ کے اشعار ہمیں ہمارے قدیم رشیوں کے گیت یاد دلاتے ہیں۔ آپ نے اپنی بے مثال قابلیت سے ہمارے ملک کی عزت بڑھا دی ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان لوگوں کو جن کو خدا نے دولت دی ہے چاہیے کہ آپ کو اس بار سے سبکدوش کریں اور آپ کے مدرسہ کے لیے مطلوبہ رقم مہیا کردیں۔ ہمارا یہ چندہ اسی مقصد کی ایک ناچیز کوشش ہے۔ ہم اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے مگر امید کرتے ہیں کہ آپ اپنا سفر ترک کرکے واپس تشریف لے جائیں گے۔ ہم آپ کی درازی عمر کے لیے دعا کرتے ہیں تاکہ آپ اپنے ملک کی خدمات انجام دیتے رہیں۔

راقم۔ آپ کے حقیر ہموطن

یہ واقعہ اور یہ خط اور یہ ۶۰ ہزار روپیہ کی گمنام ہنڈی اپنے اندر مسلمانوں کے لیے ——— اور تمام لمبی زبان والے قوم پرستوں کے لیے ——— سرمایہ عبرت رکھتی ہے۔ یہاں حال یہ ہے کہ قوم کے لیڈر ——— چھوٹے اور بڑے دونوں ——— اہل دول کے دروازوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور وہاں حال یہ ہے کہ بغیر مانگے ملتا ہے۔ یہاں حال یہ ہے کہ دس روپیہ بلکہ دس آنے چندہ دے کر ہر شخص چاہتا ہے کہ اُس کا نام پانچ دفعہ اخبار میں چھپ جائے۔ وہاں حال یہ ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں کی ہنڈیاں گمنام پیش کر دی جاتی ہیں! یہ بین تفاوت راہ ہے سبق آموز اور عبرت انگیز ہے۔ اسی لیے اس کا ذکر کیا گیا! (پیام)

شوکت حسین پرنٹر نے دفتر اخبار صدق نمبر ۴۳ ہیوٹ روڈ۔ لکھنؤ سے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر شائع کیا

[illegible] | [illegible]

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر بھیجئے
"منیجر صدق لکھنؤ"

صدق

نمبر | لکھنؤ - ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۳۶ء | جلد

سچی باتیں

سینما کے پردۂ سیمیں پر آگ لگنے کا تماشہ نظروں سے بارہا گزرا ہوگا ——— اور سینما میں بجز اسی قسم کے ہولناک اور اخلاق سوز تماشوں کے اور ہوتا ہی کیا ہے؟ ——— لیکن حیدرآباد دکن نے ابھی چند روز کی بات ہے کہ تماشہ کو نہیں، واقعہ کو، نقل کو نہیں، اصل کو، اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تماشہ کا نام "کالج کی لڑکی" تھا۔ رات کے نو دس بجے کا وقت تھا تماشہ ختم ہونے ہی کو تھا، کہ پردۂ غیب سے حقیقی ٹریجڈی شروع ہوگئی۔ تماشہ گھر میں آگ لگی اور آناً فاناً تفریح گاہ، قتل گاہ بن گئی! مرد تو جوں توں کرکے بھاگ نکلے، آفت گئی عورتوں پر ہوئی اور جن میں اکثر نہیں، کئی ایک مسلمان بھی تھیں! ——— وقت ایسا تھا کہ یہ بیویاں، گھروں کے اندر عشاء کی نمازیں پڑھتی ہوتیں، نماز کے بعد اپنے شوہروں والیوں کے لئے دعائیں کرتی ہوتیں، یہ بھی نہ سہی، تو کھانے اور سونے کے انتظام [illegible] کی راحت، بچوں اور بچیوں کی راحت کی فکر میں خود بھی [illegible] کرتی ہوتیں!

قسمت کی ماریاں، کچھ اللہ کی بندیاں، گھر کی جنت کو چھوڑ چھاڑ، [illegible] پر، تماشوں پر، گاڑیوں پر موٹروں میں [illegible] جا پہونچیں! آگ لگی، اور آگ کے شعلے مصیبت کی ماریوں کی طرف لپکے آہ! اس وقت کا جگرخراش منظر، کس کے [illegible] میں قوت ہے، جو دکھا سکے اور دکھانا چاہے بھی تو الفاظ کہاں سے لائے؟ موت کا مہیب اور بھیانک چہرہ مع اپنی ساری ہولناکیوں کے بالکل سامنے! اور وہ بھی، بالکل بھیانک! پھر موت، بھی آگ کی [illegible] کیا چیز ہوتی ہے؟ اس احساس کو الفاظ کے پڑھنے سے نہیں، اپنی انگلی کو آگ کے قریب لے جاکر، اندازہ کیجیے! حد یہ ہے کہ عذاب الٰہی میں بھی سخت ترین عذاب آگ ہی کا ہے! [illegible] روپے کے حصہ میں تھا۔ وہ دار ہوا

اعلیٰحضرت خسرو دکن اور سینما

"سینما کا جنون" اور "بلائے آسمانی"

آجکل کی دنیا میں سینما کا جنون ہر طرف کارفرما ہے، اور وہ تفریح کی حد سے بہت بڑھ چڑھ کر معلوم ہو رہا ہے۔ جو نہ صرف بلائے آسمانی کا باعث بن رہا ہے بلکہ مخرب عادات بھی ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ جو واقعہ کہ وقوع میں آیا ہے اس سے پبلک آئندہ کے لیے کافی سبق حاصل کرکے اپنے کردار و افعال کی درستگی کی طرف متوجہ ہوگی چنانچہ اسی کی دیکھ بھال سے متعلق گورنمنٹ تجاویز پر غور کر رہی ہے تاکہ ایک قانون کی شکل میں مرتب ہو۔"

صدق۔ دکن کو اپنی شاہ پرستی پر ناز ہے۔ اس شہرت کے عملی ثبوت دینے کا یہی وقت ہے!

آ رہیں، وہ سراسیمگی کی چیخیں! جان سے عزیز بچے اوپر سے نیچے پھینکے گئے، اور بیش قیمت زرتار ساڑیوں سے رسیوں کی طرح لٹک لٹک کر کودنے کا کام لیا جانے لگا! چشم زدن میں، جو ڈھانچے خاصے ہنستے بولتے جسم تو وہ خاکستر تھے، اور جو جگہ صرف ہنسی، چہل، تفریح، قہقہوں اور تالیوں کی تھی صبح ہوتے ہوتے، وہاں سے جنازوں پر جنازے اٹھنے لگے! عشرت گاہ کو اس قدر جلد عبرت گاہ بنتے بھی کیوں دیکھا ہوگا؟

ایک خوشحال گھرانے کے صاحبزادہ کا حال چھپا ہے کہ وہ جب آئے، تو اپنی بیوی اور بہن کی لاشیں جو بھسم ہو کر نعش کی مدت چکی تھیں نیم مردوں کی مدد سے شناخت کیں! ذرا تصور تو کیجیے، کہ اس بھائی اور اس شوہر غریب پر اس وقت کیا گزر گئی رہی ہوگی! مرنے والیاں مر چکیں، اپنے پروردگار کے حضور میں پہونچ چکیں، آگ کی موت حدیث میں آیا ہے کہ شہادت کی موت، حدیث میں آیا ہے کہ شہادت کی ہوتی ہے۔ مغفرت تو انشاءاللہ ان سب بہنوں کی ہوگئی ہوگی۔ سوال ہم زندوں سے متعلق ہے! ہم میں سے کوئی اپنی موت کو، اس عالم میں اس شغل میں، پسند کرے گا؟ اگر نہیں، تو پھر ہم آپ، اس دن کو اپنے سے دور رکھنے کا کیا سامان کر رہے ہیں؟ اب تک کچھ نہیں کیا، نہ ہی اسے اس لعنت کو فرنگستان سے آئی ہوئی اس لعنت کو اپنے درمیان سے ہٹانے کی کیا تدبیریں ہم اور آپ کرنی شروع کر رہے ہیں؟

شرّ میں خیر

حیدرآباد میں سینما کی آتش زدگی کا جو ہولناک واقعہ پیش آیا ہے، اس کا تذکرہ، روزناموں میں بہت تفصیل سے آ چکا ہے۔ حادثہ پر خسرو دکن اور ملکۂ دکن نے جن الفاظ میں اظہار خیال فرمایا ہے، وہ اس پرچہ میں درج ہیں۔ اہل دکن کی خوش نصیبی ہے، کہ انھیں حکمراں ایسا نصیب ہوا ہے، جسے انکی مادی فلاح کے ساتھ، انکی اخلاقی فلاح بھی اس درجہ عزیز ہے، ورنہ عموماً آج کل کے حکمرانوں کو اس پہلو سے بحث ہی کیا ہوتی ہے۔

ساتھ ہی، دکن کے شہیر صاحب علم و صاحب اثر رئیس، نواب نظامت جنگ بہادر کا، مراسلہ ذیل بھی شائع ہوا ہے:—

خدمت شریف ایڈیٹر صاحب رہبر دکن! کچھ عرصہ سے میں یہ خیال کر رہا تھا کہ نصیب زار! کے نوجوان لوگوں کے اخلاق کو خراب کرنے والے جو سامان اس زمانہ میں جمع ہو رہے ہیں، ان میں سے ایک سینما بھی ہے۔ حال کے افسوسناک عبرت خیز واقعہ نے ثابت کر دیا کہ سینما نہ صرف روح کو بلکہ جسم کو جلانے کا ذریعہ بھی بہت آسانی سے بن سکتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کل عصر کے بعد میری نظر اس قرآنی آیہ پر پڑی تھی "ذوقوا عذاب الحریق" اور مغرب کے بعد شہر سے خبر آئی کہ ایک سینما جل گیا اور اس میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ یعنی قدرت کی نامعلوم قوتوں نے

ارشاد ملکۂ دکن

(دکن و ہند کی تمام خواتین کے لیے قابلِ غور)

"حضور نے جو مضمون کہ موتی محل سینما کی آتشزدگی سے متعلق لکھا ہے اور جو کہ رہبر دکن مورخہ ۲۷ ربیع الاول میں شایع ہوا ہے اسی ضمن میں کچھ میں بھی کہنا چاہتی ہوں کہ شرفا کی بہو بیٹیوں کا قریب قریب روزانہ ایسے کھیل تماشے دیکھنے کی غرض سے گلی کوچہ میں مارے مارے پھرنا (مخصوص وہ جو کہ پس پردہ ہوں) نہ صرف انکے ذاتی کیرکٹر و وجاہت پر دھبہ لاتا ہے بلکہ جن معزز گھرانوں سے انکا تعلق ہے اس کی وقعت بھی گھٹاتا ہے۔ ایسی حالت میں سب سے بڑی ہندوستانی ریاست کی بسنے والی مستورات کے لیے تو یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ایسے نازیبا افعال کی مرتکب ہو کر عالم میں خود اپنی سبکی کا باعث بنیں بلکہ چاہیے کہ وہ ایسے کام کریں جو ایک طرف انکے شایاں ہوں تو دوسری طرف اپنی آیندہ آنیوالی صنف لطیف کیلیے سبق آموز ہوں چنانچہ خود اس بات کی دلیل اس طرح ظاہر ہے کہ جو اموات ہوئی ہیں ان سب میں ایک مرد کی لاش نہ تھی بجز مستورات کے اور وہ بھی اچھے گھرانے کی جس سے معلوم ہوا کہ اس آتش کی قربانی صرف اسی گروہ نے کی تھی۔ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مشرق کبھی مغرب کے عادات و خصائل کی پیروی نہیں کر سکتا کہ مابین ہر دو ہر نقطۂ نظر سے بُعد المشرقین ہے البتہ پیروی اچھے امور کی ہمیشہ بنظر استحسان دیکھی گئی ہے مگر ساتھ ہی اندھی تقلید ہمیشہ برعکس نتائج پیش کرتی رہتی ہے جسکے خط و خال آئینہ واقعۂ حالیہ میں بخوبی دکھائی دے رہے ہیں اور اس سبب سے ہم سب کو آیندہ کیلیے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ پھر ہم تجاہل کر کے مضحکہ خیز نہ بنیں بلکہ اپنا رویہ خیر الامور اوسطہا پر رکھیں کہ جس نے سوچ سمجھکر قدم رکھا اسکو پھر حسرت تھکڑی نہیں اٹھانی پڑی۔ گو یہ ممکن ہے کہ میری یہ چند سطور میری بہنوں اور بیٹیوں کے ناگوار خاطر گزریں مگر جب ٹھنڈے دل سے

وہ غور کرینگی تو معلوم ہوگا کہ اُن کا سود بہبود اس میں مضمر ہے۔ بقول

گرچہ تلخ ست ولیکن بر شیریں دارد

اعلیحضرت خسرو دکن کا ارشاد صفحۂ اول پر نقل ہو چکا۔ وہ اگر ہمارے بھائیوں اور بہنوں دونوں کے لیے تھا، تو یہ ملکۂ دکن کا ارشاد، خاص طور پر ہماری بہنوں کے لیے ہے۔ سینما بینی میں اصلاح اگر ان شاہانہ ارشادات سے ہوگئی، تو یہ دورِ عثمانی کی ایسی برکت ہوگی جسکے آگے، شاہان سلف کے بڑے بڑے کارنامے پست نظر آنے لگیں گے۔

حکم قرآنی کی تعمیل اس طرح کر دکھائی —— کیا اب بھی ہم عبرت حاصل نہیں کریں گے؟ میرا سوال سب سے ہے لیکن خاص کر مسلمانوں سے جنکی مستورات بھی جیسا سنتا ہوں آجکل سینما کے شوق میں مبتلا ہیں جو ایک بلائے عظیم ہے۔ کیا اب وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط جماعت قائم ہو جو باہم یہ عہد کرلیں کہ کبھی اس قسم کے لغویات اور مکروہات کو نہیں دیکھیں گے جو عموماً سینما میں بتائے جاتے ہیں اور جن کا زہر یلا اثر کچھ نہ کچھ ضرور اخلاق پر پڑتا ہے۔ کیا وہ لوگ جنکے دلوں پر حال میں ایسا سخت صدمہ گذرا ہے فوراً ایسی جماعت قائم نہیں کر سکتے تاکہ قوم کو آیندہ خرابیوں سے بچانے کا ذریعہ بن سکیں"۔

اسی کے ساتھ دکن کے مقبول و معروف روزنامہ رہبر دکن کے کالموں میں بھی اس قسم کی تحریریں شائع ہو چکی ہیں:-

"ہم پوچھتے ہیں، کیا اس جسم کو جھلسانے والے اور جان کو جلا کر خاکستر کرنے والے حادثہ میں ان بہنوں اور بیٹیوں اور ان کو سینما لے جانے والے مردوں کے لیے کوئی سبق ہے؟ کیا ہم توقع رکھیں، کہ آج کے بعد کم سے کم یہ پردہ پوش بھٹکنے نہ لگیں۔ اور جلنے والی شکر میں سینما دیکھنے نہ آتیں گرشاید نہیں! اس عالم آب و گِل میں درد و مصیبت اور رنج و تعب کی کس قدر کمی ہو جاتی۔ اگر انسان ان حادثات سے، خالق ارض و سما کے ان بلیغ اشاروں سے عبرت حاصل کر سکتا!!"

اگر یہ تاثرات خدا نخواستہ محض عارضی و ہنگامی نہیں، بلکہ مستقل نقش عبرت بن کر دل کی گہرائیوں پر ثبت ہو چکے ہیں، تو یہ چودہ جسم جو آگ میں جل کر رہے ان شاء اللہ بہت سی روحوں کو آگ سے بچانے کا پیش خیمہ ثابت ہوکر رہیں گے۔ اور مبارک ہے وہ شر جو اپنے اندر "خیر" کا اس قدر وسیع پہلو رکھتی ہو!

تصویر، تفسیر قرآن میں!

جناب ملک محمد دین صاحب، ایڈیٹر سیالہ صوفی، پنڈی بہاء الدین (پنجاب) سے تحریر فرماتے ہیں:-

مولانا ابوالکلام آزاد، الہلال میں جو ایک ہفتہ وار اخبار تھا تصویروں کی اشاعت پر افسوس ظاہر فرما چکے ہیں۔ انہوں نے یہ صاف لکھ دیا کہ میرا یہ فعل احکام شریعت کے خلاف تھا، اور میں توبہ کرتا اور اپنے فعل پر اظہار ندامت کرتا ہوں۔

اب صاحب موصوف کا ترجمہ قرآن حکیم دوسری جلد شائع ہوا ہے۔ اس میں سورۂ الکہف کی تفسیر کے سلسلہ میں آپ نے پورے صفحہ کی تصویر ذو القرنین کی، بلاک سے آرٹ پیپر پر شائع کی ہے اور قرآن مجید میں اسکو لگا دیا ہے

میرا دل اس تصویر کو دیکھ کر غم سے بیتاب ہو گیا، اس لیے میں نے اس ترجمہ کی تلاوت کو چھوڑ دیا۔ مہربانی فرما کر صدق میں اس پر ایک نوٹ لکھ کر مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ فرمائیں، ورنہ کئی لوگ اس ترجمہ کو پڑھکر گمراہ ہو جائیں گے"

ترجمان القرآن کی جلد دوم، ایڈیٹر صدق کی نظر سے اسوقت تک نہیں گزری ہے، اس لیے ذاتی ذمہ داری پر تو کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں لیکن صورت واقعہ اگر یہی ہے، جو مراسلۂ بالا میں بیان ہوئی تو نہایت افسوسناک ہے۔ اول تو نفس تصویر کشی ہی احکام شریعت کے کب موافق ہے؟ چہ جائیکہ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید میں اسے داخل کر دینے کی جسارت! اور پھر تصویر بھی ذو القرنین کی! یہ اور بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ذو القرنین کی شخصیت تو خود ہی معرض بحث میں ہے، جزم و یقین کے ساتھ کسی خاص شخصیت کی تعیین کر لینا یا یہ تحقیق سے بہت گری ہوئی بات ہے۔ تصویر پرستی نے مسیحیت ہی کی لائی ہوئی لعنتوں میں سے ہے، اور یہ شیوہ انہی قوموں کا ہے کہ اپنی کتب مقدسہ کا ایک ایک صفحہ تصویروں سے منقش و رنگین کر کرکے رہتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے، کہ تصویروں کو مٹانے والا اور تمثالوں کو توڑنے والا مسلمان، تصویر درج کرے، اور وہ بھی قرآن مجید کی اس سورۃ کے ذیل میں، جو خاص طور پر فتنۂ مسیحیت ہی کے رد میں ہے!

کمتھال مرحوم

مولانا محمد کمتھال مرحوم کی وفات پر ایک نوٹ پہلے نکل چکا ہے۔ اسکے بعد دکن کے ایک روزنامہ میں مرحوم کے ذاتی سوانح انکے کسی واقف کار کے قلم سے نظر پڑے۔ ذیل کا اقتباس ہر مسلمان مسرت اور دلچسپی سے پڑھے گا:-

"شعائر اسلامی کے بڑے پابند تھے۔ نماز پنجگانہ اور تلاوت قرآن مجید انکا دلچسپ مشغلہ تھا جب تک وہ سیول سروس ہاؤز کے منتظم رہے۔ پانچ وقت کی اذان ہوتی تھی اور وہ بھی اوقات مقررہ پر سب کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ انکے خشوع و خضوع کو دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ نماز میں قرآن شریف کی چیدہ چیدہ آیتیں تلاوت فرماتے اور نماز کے بعد اسلام کی فتح و نصرت کے لیے دیر تک دعا کرتے کسی وقت اگر وہ بات چیت میں رہتے اور اذان شروع ہو جاتی تو قطعاً خاموش ہو جاتے اور اذان ختم ہونے تک مؤدب کھڑے رہتے۔ حتیٰ کہ ڈنر پر بھی اذان کی آواز آجاتی تو ختم تک رک جاتے۔ یہ تھا احترام مذہب اس اللہ والے کا جس نے بالکل غیر مانوس ماحول میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی تھی۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ماہ رمضان میں پورے مہینے کے روزے رکھتے اور سحر کے لیے سوتے نہیں نماز فجر باجماعت پڑھتے۔ افطار اور سحر کا خاص اہتمام کرتے

اور ایک سچے مسلمان کی طرح روزہ نماز اور دوسرے فرائض کے پابند رہے۔ حالات روزانہ میں ان کے معمولی فرائض پر بھی کبھی خلل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اوقات کے پابند تھے اور لمحات زندگی کی حقیقی قدر و قیمت سے واقف، ہر کام وقت پر ہوتا۔ فرصت کے اوقات مطالعہ میں گزرتے۔ ..... عقیدہ میں پکے اور بڑے خوش عقیدہ تھے۔ ایصال ثواب اور زیارت قبور کے منکر نہیں تھے۔ چنانچہ سر آغا خان مرحوم کے انتقال کی خبر سننے کے بعد سول سروس ہاؤس میں انھوں نے ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کی ایک مجلس منعقد کی تھی، جس میں اکثر عہدہ دار شریک تھے۔ خود مسٹر پکتھال نے بھی (وہ خود تو شریک رہے) اور ایصال ثواب کیا۔ جب مخاطب ہوتے تو "السلام علیکم" کہتے نہ کہ یورپی سلام۔ کسی کو خط لکھتے تو اس کی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے ہوتی۔ مختصر یہ کہ انکے جملہ حرکات و سکنات تابع مذہب تھے۔ اکل و شرب میں بھی اس کا خیال رکھتے۔"

یہ حالات اُس نومسلم کے ہیں، جو خالصۃً انگریز تھا۔ پیدائش، تعلیم، تربیت سب انگلستانی ماحول میں ہوئی۔ اس درجہ پابندی، کہ پشتینی مسلمانوں کو رشک آجائے! درجات عالیہ ایسوں کو بھی نہیں، تو اور کس کو نصیب ہوں گے؟

"تحریک خاکسار"

برکت بنگلہ۔ حیدرآباد دکن سے ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"... تحریکوں میں منجملہ کئی پنجابی تحریکوں کے ایک "خاکسار تحریک" بھی ہے، جس کے بانی عنایت اللہ خاں المشرقی ہیں، جو علامہ مشرقی بھی کہلاتے ہیں اور لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انکے اور انکی تحریک کے متعلق متضاد بیانات، خیالات اور افواہیں ہیں۔ کوئی اچھا کہتا ہے اور کوئی برا۔ ہم مسلمانوں کو تو تحقیق کرنے کی فرصت نہیں۔ لہذا ہم دونوں بیانات سُن کر بیچ میں معلق رہ جاتے ہیں۔ مثلاً علامہ مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کے متعلق حوالے دے دے کر ہمیں بتاتے ہیں کہ اُس کے ایسے خراب عقائد اور خیالات ہیں، مگر ہمیں پھر بھی ان حوالوں کی صحت میں شبہہ رہتا ہے، اس لیے کہ کوئی حامی کہتا ہے کہ یہ وہی معاملہ ہے جیسا کہ قرآن کی آدھی نامکمل آیت لیکر کہنا۔ براہ کرم آپ اس تحریک کے متعلق کافی تحقیق کرکے اس پر اظہار خیال کیجیے۔ اگر اچھی چیز ہے تو ہم بھی اس میں شامل ہو جائیں گے، اگر نہیں تو مسلمانوں کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش کریں گے ......"

مشرقی کی کتاب تذکرہ آج سے بارہ سال قبل شائع ہوئی تھی، وہ یقیناً نہایت ہی لغو، گمراہ کن، اور مخالف اسلام مضامین سے لبریز تھی۔ رسالہ معارف اور روزنامہ زمیندار میں اس پر مفصل اور صحیح تنقیدیں بھی اُسی زمانہ میں نکل گئی تھیں۔ اس کے بعد سے پھر صاحب تذکرہ کی اصل تحریریں دیکھنے میں نہیں آئیں۔ ہاں انکے پرچہ الاصلاح کا کوئی نمبر نظر سے گزرا۔ ممکن ہے اس درمیان میں انھوں نے اپنے اُن ملحدانہ خیالات سے رجوع کر لیا ہو، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم بھی ہوتا ہے۔ لیکن خیال غالب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ بدستور وہ انھیں ملحدانہ خیالات پر قائم ہیں، جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتوی، اور بعض دوسرے ذمہ دار حضرات کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان حالات میں کوئی صحیح رائے، ذمہ داری کے ساتھ، خود انکی تحریک خاکسار پر ظاہر کرنے سے معذوری ہے، البتہ مفتی صاحب وغیرہ کی تحریروں پر اعتماد کرکے ترجیح سلسلہ موافقت میں نہیں، مخالفت ہی میں قائم ہوتی ہے۔ اللھم ارنا الاشیاء کما ہی۔

غیرتمندی کی انتہا!

"شاہ ... کی بہن اور ... کی پوتی کو عیسائی بنا لیا گیا"

"... میں ایک امریکی سے عشقبازی اور شادی"

یہ روزنامہ کے صفحہ اول پر دوہرے دوہرے جلی عنوانات، پہلا عنوان تین کالمی، اور دوسرا دو کالمی، کسی عیسائی، کسی آریہ، کسی دشمن اسلام گندہ زبان کے نہیں، خود آپ ہی کی قوم و ملت کے، ایک مسلمان اخبار، ایک مدعی خدمت اسلام کے ہیں! بیہودہ سی خبر کا، جسکے نہ راوی کا پتہ، نہ ماخذ کہیں درج، خلاصہ یہ ہے کہ فلاں بادشاہ کی بہن، اور فلاں شریف ترین اسلامی عہدہ دار کی پوتی، ایک عیسائی کے ساتھ نفس پرستی میں ملوث ہو کر مرتد ہو گئی ہے! خدانخواستہ یہ خبر، ہر طرح کے معتبر و مصدق ذرائع سے موصول ہوئی ہوتی، جب بھی ایک مسلمان روزنامہ میں، اس آب و تاب، اس ذوق و شوق کے ساتھ شائع کرنے کے قابل تھی؟ اور پھر شہزادی سے متعلق نہ سہی، کسی ادنی سے ادنی مسلمان خاتون سے متعلق ہوتی، جب بھی اس "خبری تجارت" جائز تھی؟ اسلامی قانون کی رو سے؟ اسلامی اخلاق کی رو سے؟ غیرت و شرافت کے کسی بھی ضابطہ کی رو سے؟ نفس خبر سے کہیں زیادہ دلچسپ اور عبرت انگیز خبر کا ضمیمہ ہے، اصل خبر سے زیادہ جلی قلم سے لکھا ہوا:-

"عشق و محبت کی داستان کل کے اخبار میں پڑھیے۔ ایجنٹ سے پرچہ کے لیے کہہ دیجیے"

خبر کی اشاعت اور اسقدر نمایاں اشاعت کا راز اب تو خود خبر چھاپنے والے کی زبان سے کھل کر رہا! گویا یہ خوش طرف ایڈیٹر اس انتظار میں دن گن رہا تھا، کہ کہیں سے اسے کسی دینی بہن کی روسیاہی کی بھنک کان میں پڑے، اور وہ جھٹ اس داستان کو اپنے چند پیسے کمانے کا ذریعہ بنالے!

بالآخر "کل" کا پرچہ آیا۔ اس میں ایڈیٹوریل صفحہ پر "خاص ... کے لیے" کے ماتحت، دوہرا نہیں، بلکہ تہرا عنوان ہے، اور اس کے نیچے تقریباً ایک کالم میں، اس بدبخت "شہزادی" کی نفس پرستیوں کی نہایت "شریفانہ" تفصیل درج ہے! پرچہ کی مقامی قیمت دو پیسہ ہے۔ ممکن ہے اس "کل" کے اخبار کے، دس بیس پرچے زائد نکل گئے ہوں، اور اس طرح اس پانچ آنہ کی گراں قدر آمدنی روزنامہ مذکور کے خزانہ عامرہ میں داخل ہو گئی ہو، لیکن غیرتمندی اور شرافت کا جو نمونہ اس نے پیش کر دیا ہے، وہ بھی درحقیقت اپنی نظیر آپ ہے!

النبی الخاتم

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(قریشی صاحب کے یوم النبی کے لیے تقریر سیرت)

الحمد للہ رب العالمین سلام علی المرسلین۔ یوں تو آنے کو سب ہی آئے، سب ہی آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا، جانے ہی کے لیے آیا، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا۔ وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا۔ چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا ہی چاہیے کہ جنھیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے، برگزیدوں کے اسی پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے، اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے، جو پچھلوں میں بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جانے گا، جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے لیے رات بند ہے۔ ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔ ورنہ جنھوں نے ناموں کو کھویا، کیا وہ اپنے ادیوں کے کاموں کی نگہبانی کر سکتے تھے۔ ہمارے ملک میں وید کی صورت میں اوتاروں کا کام پیش کیا جاتا ہے لیکن لاپرواؤ! تم سے جب انکے ناموں کا بھی بوجھ نہ اٹھایا گیا تو ہمیں کیا دکھاتے ہو کہ یہ ہے ان کے کاموں کا پشتارہ۔

تاریخ کے تحقیقی ہاتھوں نے ہندوستان کے رہنماؤں اور انکی امتوں کے درمیان جو اندھیری کھائیاں کھود دی ہیں اور مسلسل کھدتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا اب آدمی کے بس میں ہے کہ ان کو پاٹے؟

کن پر اتری؟ کہاں اتری؟ کن کن زبانوں میں اتری؟ نظم میں اتری کہ نثر میں اتری؟ صدیوں میں اتری؟ ملکوں میں اتری؟ جب ان تمام بنیادی سوالات پر جن کی تحقیق کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ اٹکا ہوا ہے، تم خود جانتے ہو کہ ان پر اندھیرا اور گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، بتاؤ! کہ شک کے ان دلدلوں میں یقین کا قدم کس طرح اٹھایا جائے؟

تم اُن سے اوجھل ہو، وہ تم سے اوجھل ہیں، پھر کس راہ سے تم اُن کو تاکو گے؟ جن کو تاک کر تم چلنا چاہتے ہو، اور کس طرح وہ اپنے تئیں تمھیں دکھائیں جو اپنے کو دکھا کر تمھیں چلانا چاہتے ہیں؟

ہو سکتا ہے کہ بدھ اور بدھ مت والوں نے تم کو اُن سے توڑا ہو حالانکہ سچ یہ ہے کہ بدھ سے پہلے بھارت ورش اور اُس کے بچے اپنے اوتاروں سے ٹوٹ چکے تھے، لیکن اپنی غلطی کا الزام دوسروں پر اٹھانے کے لیے اس کی تہمت بدھ ہی کے ذمہ جوڑی جائے مگر سوال یہ ہے کہ جن کو بدھوں نے اپنے بزرگوں سے توڑا، کیا ٹھیک اُسی کے توڑ پر انھوں نے بدھشٹوں کو بدھ کے قدموں پر چھوڑا؟ اور آج اگر دیدک دھرم کے حقیقی سرچشموں کا دنیا کو سراغ نہیں ملتا، تو کیا سچ یہ اسی طرح یقین کے ساتھ مہاتما بدھ کے اصلی نوشتوں اور واقعی سچنوں کا کہیں نشان دے سکتا ہے؟

دیدک دھرم اگر بالمیک کے نقشوں اور مہابھارت کے افسانوں پر قائم ہے تو اوہام کے جس مجموعہ کا آج بدھ مت نام ہے، کیا تحقیق کی نگاہ میں اس کی قیمت بھی اختراعی کہانیوں سے زیادہ ہے؟ آج کس مورخ کے ذخیرہ میں ایسا تیل ہے، جس کے چراغ کی روشنی میں کپل وستو[1] کا منی اس شان میں نظر آئے جیسا کہ وہ واقع میں تھا۔

اور آرین دھرم کی ہندی شاخ کی بربادی کا الزام تو بودھوں یا جینیوں کے سر تھوپا جاتا ہے، لیکن ایران کی سرزمین میں وہ آگ کس نے سلگائی جس میں زرتشت اور اسکے سارے کارنامے ہمیشہ کے لیے جل کر بھسم ہوگئے۔ آج جب بیچارے زرتشت اکے وجود میں بھی شک پیدا کیا جاتا ہے، مورخین کی اکثریت کو اسکے وجود کو ذہنی اور وہمی ثابت کرنے پر اصرار ہے[2] تو انصاف کرو! کہ اس کے لائے ہوئے دین کا اب کون اقرار کر سکتا ہے کہ کیا تھا؟ کہاں تھا؟ کس زبان میں تھا؟

ہے کوئی موبد جو پوچھنے والوں کی تسلی دوسروں کی شہادتوں سے نہیں اپنی خانگی گواہیوں سے کر سکتا ہے؟ کیا تھا کے شروح و تراجم اوستا اور ژند اوستا کا نام بلاشبہ باقی ہے، لیکن اسکی کس سورتوں سے بجز ایک سورۃ کے جس پر موجودہ آتش کدوں اور ان کے بوم کی بنیاد ہے۔ اگر غیروں میں نہیں تو کیا اُس پر ایمان لانے والوں کے یہاں بھی کوئی سورۃ پائی جاتی ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ جو پانے ہی کے لیے آئے تھے۔ وہ آکر جب چلے گئے تو اب اُن کی تلاش میں لوگ کیوں سرگرداں ہیں؟

لکیروں پر لاٹھی پیٹنے والوں سے کوئی ہوتا جو کہتا کہ سانپ نکل چکا ہے۔ لکڑیاں ٹوٹیں گی، لاٹھی ہی چلی جائیں گی، ہاتھ شل ہوں گے اور ہوتے جائیں گے، لیکن سانپ نہیں مرے گا۔

مرگھٹوں پر نالہ کرنے والو! دھموں پر داد و بلا مچانے والو! اُٹھو

---

[1] کپل وستو۔ دامن کوہ ہمالیہ کے اس شہر کا نام تھا، جہاں بدھ پیدا ہوا تھا۔ اسکے باپ کا یہی شہر پایہ تخت بھی تھا۔ قرآن مجید میں انبیاء صالحین کے ذکر میں ایک نام ذوالکفل کا بھی آیا ہے۔ مفسرین کا خیال ہے: وفی تسمیۃ ذالکفل اقوال منتشرۃ لا تصح (روح المعانی ص ۸۲ جلد ۱۷) یعنی ذوالکفل کے نام میں مختلف اقوال ہیں اور ان میں کوئی بات صحیح نہیں ہے۔ کیا اسی صورت میں اگر کفل کو کپل کا معرب ٹھہرا کر یہ کہا جائے کہ کپل والا ذوالکفل کے معنی ہیں جیسا کہ بعضوں کا خیال ہے کہ رد اسکے رد کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ مذہبی دنیا کا اتنا عظیم انقلابی رہنما جیسا کہ بدھ تھا قرآن میں اسکا ذکر ہو تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً اسلام سے اسکا تعلق ہو جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

[2] دیکھو فجر اسلام ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔

جو جانے کے لیے آتا ہے، چلے جانے کے بعد پھر یہاں واپس نہیں ہوتا، اس دنیا کی ریت یہی ہے۔ پھر جو جا چکے اُن کو ہم کہاں تک روئیں گے۔ اور یہ حال تو اُن کا ہے جن کے پاس کچھ تو ہے۔ ہر پچھلے کے لیے پہلوں کے گاڑھے ہوئے منصوبے اُن کا دین بن جاتا ہے۔ دھرم اُنکے یہاں صرف اُسی شخص کی بات ہے جو اُن سے پہلے اس دنیا میں آیا ہو۔ اٹھارویں صدی والوں نے جو خیالی بت بُلاؤ پکایا، اُنیسویں صدی والوں کے لیے یہی غذا ہے، بلکہ سچ ہے کہ گزشتہ میں وسوسوں کا جو جال بُنا گیا سنہ میں وہی نجات کی کشتی بن جاتی ہے۔ اور یہ کیفیت اُن کی ہے جن کے پاس اپنے بزرگوں کے نام کے سوا کام کا کوئی تنکا بھی باقی نہیں۔

لیکن وہ جنکا دعویٰ مذہب کے میدان میں سب سے اونچا ہے، جنھوں نے اپنا نام ہی کتاب والا رکھا ہے۔ کیا واقعی جن کتابوں کا پشتارہ اپنی پیٹھوں پر لادے، وہ دنیا کے گوشے گوشے میں مارے مارے پھرتے ہیں، یہی یہودی اپنی ان کتابوں کی راہ سے موسیٰ علیہ السلام کو پا سکتے ہیں جن کی زندگی سے وہ اپنی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

مصریوں کی غلامی میں صدیاں کاٹنے والے بنی اسرائیل کے آوارہ گرد صحرانوردوں کو جب خدا کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام آسمانی تختیاں سونپ کر کے سوآب کی سرزمین میں بحالت مسافرت آسودہ ہوئے۔ سب جانتے ہیں کہ ان میں اسوقت یعقوب کے گھرانے کے بارہ اسباط تھے اور نمانوادے فراہم تھے، یہی بارہ اسباط تھے جنھیں حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کا محافظ و نگراں ٹھہرایا تھا، لیکن ان بارہ سبطوں میں سے دو ایک نہیں پورے دس اسباط کو جب نینوا کے فرد و شلمانصر اور اس کے بیٹے سرگون نے شامرون کے شہر سے نکالا جو بچ ہوئے، جو جلائے گئے، زن و مرد، بچوں بوڑھوں کو اِس لاکھوں کی تعداد کو چھوڑ کر جن بیکسوں کو زنجیروں میں جکڑ کر رسیوں میں باندھ کر سرگون نے ایشیاء کے شمالی و مشرقی کوہستانوں میں جنگلی جانوروں کی طرح کھدیڑ دیا تو کیا دنیا نہیں جانتی کہ اسرائیل کی ان کھوئی ہوئی بھیڑوں نے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ان کی کتاب کو، دنیا کے کسی حصہ میں پھر کبھی بھولے سے بھی یاد کیا؟ ہونگے، شامرون کے یہ اسرائیلی، ہونگے جو ایشیا کے شمال مشرقی حصوں میں آباد ہوں، لیکن کیا ہندوستان کے برہمن اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر کر سکتے ہیں؟ افغانستان کے باشندے یہودی ہونے کی گالی برداشت کر سکتے ہیں؟ سندھیوں اور بلوچستانیوں میں کوئی یہ یقین پیدا کر سکتا ہے کہ وہ شامرون ہی کے یہودیوں کی نسل سے ہیں؟ مارواڑ کے سودی کاروبار کرنے والے ساہوکار کو کوئی باور کرا سکتا ہے کہ انکے اجداد فلسطین کے رہنے والے تھے؟

وہ موسیٰ علیہ السلام سے بچھڑ گئے، اور یہی اُنکے لیے مقدر تھا۔ آخر بیکسوں کا یہ مرحوم قافلہ اپنے ساتھ اپنے ان فاقہ زدہ ڈھانچوں کے سوا اور کیا رکھتا تھا جن کے ساتھ ان کی جانیں اٹکی ہوئی تھیں، یا لوہے کی وہ زنجیریں اور سن کی وہ رسیاں جن میں وہ جکڑے ہوئے اپنے گھروں سے نکالے گئے

"موسوی شریعت، موسوی سیرت کی حفاظت کی بڑی قوت
اس طرح دنیا کی دوسری قوموں میں کھپ گئی"

اب دینی میثاق کا سارا دارومدار اسرائیل کے محض ان دو سبطوں کے بچے کھچے لوگوں پر رہ گیا جو فلسطین کے جنوبی علاقہ میں آباد تھے۔ اگرچہ عملاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت سے وہ بھی دور ہو چکے تھے لیکن اتنا پھر بھی قریب تھے۔

پر جو جانے کے لیے آیا تھا اُس کے جانے کی آخری گھنٹی بھی بجا دی گئی آنے والے کی روانگی کا وقت آگیا۔ اشوری برباد ہوئے، بابل آباد ہوا۔ اسی بابل کا مشہور سفرود، بخت نصر، آندھی کی طرح اٹھا، بادل کی طرح چڑھا اور پھر صاعقہ بن کر گرا۔ اسرائیل کے ان دو پسماندہ سبطوں پر۔ وجاسوا خلال الدیار، جس کی تفسیر میں یہودی اور غیر یہودی مورخین کا بیان ہے

"پوری قوم بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند گرفتار کرا لیا، خانۂ خدا کی تمام چیزیں لوٹ لیں، سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مقدس عمارات کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا، سارا شہر منہدم کر دیا گیا، گرد کی فصیل گرا دی، ہر جگہ آگ لگا دی، ہر چیز جلا کے خاک سیاہ کر ڈالی" (تاریخ یہود مولفہ خضر ص۶۱)

اور یہ اُن کے شہر اور ملک کا ہوا۔ خود موسیٰ علیہ السلام اور اُنکی کتاب کے آخری نگرانوں پر کیا گزری؟

"ساری قوم بنی اسرائیل کے گرفتار ہو کے بابل روانہ ہوئی بخت نصر یہودیوں کے بادشاہ صدقیاہ کو بھی اپنے ساتھ پکڑ لے گیا اور بابل میں پہونچنے کے بعد اس کے بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے طرح طرح کے عذابوں سے قتل کیے گئے اور یہ جگر پاش منظر دیکھنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں تاکہ پھر خوشی کی چیز نہ دیکھ سکے" (کتاب مذکور ص۶۱)

یہودیوں کا بادشاہ اندھا کیا گیا اور یہودی اگرچہ زندہ رکھے گئے لیکن کیسی زندگی؟

لہ بنی اسرائیل کے یہ دس اسباط کہاں غائب ہو گئے؟ مورخین کا اس کے متعلق مختلف خیال ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ افغانستان اور سرحد کے پہاڑوں میں رہنے والے شاید یہی لوگ ہیں جنھوں نے پہلے بدھ مذہب اور آخر میں اسلام قبول کر لیا۔ درۂ خیبر، کوہ سلیمان وغیرہ اسمی قرائن م صر کے سوا انکی شکل و صورت، عادات و اطوار سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ نیز توراۃ کا کوئی حصہ بھی سرحدی قبائل میں کسی مورخ کو ملا تھا، خود بھی ان میں بعض اپنے آپ کو اسرائیلی کہتے ہیں۔ پشتو زبان کے الفاظ بھی اس کے قرائن ہیں۔ اسی طرح بعضوں کا خیال ہے کہ سندھ میں سامرونی تمدن کے جو آثار ملتے ہیں وہ شامرون کے ان ہی اسرائیلیوں کے ہیں۔ بعض لوگ اچھوتوں کے مارواڑی ساہوکار اور ہندوستان کے براہمنوں کو بھی اسرائیلی قرار دینا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

لہ قرآن کی آیت ہے جس میں اسرائیلیوں کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انکے ملک میں اور قومیں گھس پڑیں

"سخت محنت اور جفاکشی میں رہتے اور اپنی حالت کو یاد کرکے روتے۔ انھیں اپنی مذہبی رسموں کے بجالانے کی ممانعت تھی۔ نہ قربانی کرسکتے تھے نہ روزے رکھ سکتے تھے۔" (کتاب مذکور ص۵۶)

علاوہ اس طرح موسوی شریعت کے رسوم سے بھی جدا کیے گئے اور یہودیوں کا جو کتابی سرمایہ تھا، اسکے متعلق تاریخ کی یہ اتفاقی شہادت ہے:

"توراۃ مقدس اور قدیم آسمانی صحف انبیا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس لیے کہ بابل والوں کے طوفان بے تمیزی نے ان کی قدیم تاریخ اگلے اسرائیلی لٹریچر کے ساتھ ان مقدس کتابوں کو بھی فنا کردیا تھا" (کتاب مذکور ص۵۹)

اسرائیل کے یہی دو سبط "موسوی دین" کے آخری سہارے تھے، سو ٹوٹ کر پاش پاش ہوگیا۔

یہ سچ ہے کہ غلامی کی رسوا زندگی اور اسیری کی ان ذلیل گھڑیوں سے اولادِ یعقوب کو ایک مدت کے بعد نجات میسر آئی۔ اس وقت نجات میسر آئی، جب اسیر ہونے والے زندگی کی قید سے آزاد ہوچکے تھے اور صرف اُن کے وہ بچے رہ گئے جنھوں نے اس ملک میں آنکھیں کھولی تھیں، جہاں ان کے مذہب کی تعلیم ممنوع تھی اور مذہبی رسوم کی بجاآوری جُرم ٹھہرائی گئی تھی۔

لیکن اپنے ماں اور باپ کے نالہ و بکا کے شور میں ان کے کانوں تک آواز پہونچی تھی کہ وہ بھی کسی دین کے وارث، اور خدا کے کسی پیغمبر (علیہ السلام) کی ودیعت کے پاسبان تھے۔

گریہ و واویلا کی ان آوازوں کا یہ اثر تھا کہ جب سائرس شاہ ایران (SIRECE) نے نمرود عراق کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر اسرائیلیوں کو بھی آزادی بخشی تو انکی ایک بڑی جماعت ہانپتے کانپتے راکھ کے اس ڈھیر پر پہونچی جو سلیمان و داؤد کے شہر و ہیکل کے جلانے کے بعد یروشلم کے میدانوں میں پڑی ہوئی تھی۔ یہودیوں کے اس پہلے قافلہ کے ان گویا، روتے اور پیٹتے ہی کے نذر ہوئے تاآنکہ وہ قافلہ بھی آگیا جس میں دین کے غمخوار وہ اسرائیلی نوجوان عزرا یا عزیر (علیہ السلام) بھی تھے۔ ان کے یاد دلانے پر لوگوں کو موسیٰ کی اس کتاب کا خیال آیا جو نہ دنیا میں کاغذ کے اوراق پر موجود تھی اور نہ بابل کی زندانی زندگی میں پیدا ہونے والے یہودیوں کے دماغ میں اس کا کامل کیا بلکہ ناقص بھی کوئی ہلکا سا خاکہ موجود نہ تھا، اٹھا گیا، خاکستر کا وہی تودہ اُلٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ راکھ اور کوئلہ کے اسی ڈھیر کے نیچے کسی تہ خانہ کے اندر سے عزیر علیہ السلام کو توراۃ کا وہ نسخہ ہاتھ آگیا جس کی حفاظت اسرائیل کے دو اسباط اس طرح کرتے چلے آرہے ہیں کہ یہودیوں کے گھروں میں نہیں بلکہ ہیکل میں صرف اس کا ایک نسخہ رہتا تھا جسے ساتویں سال یہودی اس طرح سن لیا کرتے تھے جس طرح آج دنیا کے مسلمان ہر سال تراویح کی شکل میں ہر شہر اور گاؤں میں قرآن کا سننا ضروری سمجھتے ہیں۔

راکھ کے نیچے یہ نسخہ تھا جو کسی نہ کسی طرح خدا کی قدرت سے جیسا کہ یہود کہتے ہیں، آگ کے ان شعلوں سے محفوظ رہ گیا تھا جس نے سلیمان کی ہیکل کا تنکا تنکا جلاکر خاک کردیا تھا جو بعد کو اُن تمام نسخوں کی اصل قرار پایا، جنھیں آیندہ یہودیوں نے اپنی نجات کا ذریعہ ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہونچنے کی ساری راہیں جب قطعی طور پر بند ہوچکی تھیں، اُس وقت اس خاکستری نسخہ کا ایک سوراخ نکل آیا، جس سے جہاں تک ممکن تھا، یہودی حضرت موسیٰ کو پھر دیکھ سکتے تھے۔ لیکن زمانہ نے اس سوراخ کو بھی زیادہ دن تک کھلا نہ رکھا، اور ایک دفعہ نہیں، بار بار، ہر سو دو سو سال کے بعد کبھی یونان سے کبھی روم سے ایسے جبار اُٹھے جو دوڑ کر اس سوراخ کو بند کردیتے تھے اور یہودی کھول لیتے تھے۔ (انٹوکیس یونانی نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پھر توراۃ کے نسخوں کو جلاکر دُنیا سے ناپید کیا، ہیکل کو پھر زمین کے برابر کرکے اُس کی جگہ جوپیٹر کا مندر بنایا، لیکن باوجودیکہ انٹوکیس کا یہ قومی حکم تھا کہ جسکے پاس توراۃ کا ایک ورق بھی ملے وہ مارا جائے، تاہم یہودی کہتے ہیں کہ مکابی یہودی بادشاہ کے زمانہ میں اُنھوں نے پھر اس کتاب کو زندہ کرلیا۔ انٹوکس کے بعد رومی قہرمان طیطس کا فتنہ آگ کی طرح اُٹھا اُس نے گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا، ہیکل اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں نذرِ آتش ہوا۔ توراۃ پھر دنیا سے جل کر ناپید ہوئی، لیکن یہودی کہتے ہیں اُنھوں نے کسی نہ کسی ذریعہ سے اُسے پھر پیدا کرلیا۔ حالانکہ توراۃ بجز ہیکل یا شاہی خزانہ کے اور کہیں نہیں رہتی تھی۔ طیطس کے بعد روم کے قیصر ہڈرین نے پھر پانچ لاکھ یہودیوں کو ذبح کرکے ان کی کتاب کے ساتھ وہی کیا جو پہلوں نے کیا تھا۔ اس نے بھی جوپیٹر کا دیوتا اُسی جگہ قائم کیا جہاں سلیمان علیہ السلام نے کبھی اللہ کی مسجد بنائی تھی۔ اس نے یروشلم کا نام بدل کر ایلیا رکھ دیا۔ آغاز اسلام تک بیت المقدس اسی نام سے موسوم تھا، تا اینکہ آنے والا آیا اور جس طرح اُس نے دنیا کے پاکوں کی تقدیس کی۔ یہودیوں کے اس پاک شہر کا نام بھی بیت المقدس ہوگیا،

ہوتا رہا، تباہیوں اور بربادیوں کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہونچنے کا یہ تنگ و تاریک سوراخ حوادث و واقعات کے طوفانوں میں کہاں تک کھلا رہ سکتا ہے اور اس پر یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ بچھڑنے کے بعد بھی وہ اپنے پیغمبر موسیٰؑ سے نہیں بچھڑے۔ دنیا فیصلہ کرسکتی ہے کہ یہودی جس آئینہ کو پیش کررہے ہیں کیا اس میں واقعی حضرت موسیٰؑ اور انکی پاک تعلیم کی وہ صورت نظر آسکتی ہے جو واقعی ان کی صورت تھی؟ راکھ کے اس ڈھیر سے "موسوی شریعت" کا جو سانچہ تیار کیا گیا ہے، کیا سچ مچ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا سچا قالب ہوسکتا ہے۔ سچائی کی پیاس ہی جن میں کچھ کر رہ گئی ہو، جن کو بجائے یقین کے شک ہی کے انگاروں پر لوٹنے میں ٹھنڈک میسر آتی ہو، اس سے بحث نہیں ہے لیکن جن میں صداقت کی تڑپ ہے جو واقعی ایمانی بشاشت کی تلاش میں ہیں، کیا شبہات و شکوک کے ان گھپ اندھیروں میں وساوس و اوہام کے ایسے خطرناک گھنے جنگلوں میں اس لیے گھس سکتے ہیں کہ ان کو وہاں ابدی زندگی کا چشمہ نصیب ہوگا؟

کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دو ہزار سال سے جس خاکستری توراۃ کے بعد صرف ترجموں، غلط سلط ترجموں، ترجموں کا دنیا میں رواج ہو

جس میں صرف ایسے واقعات اور اسماء بکثرت پائے جاتے ہوں جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کی تجہیز و تکفین تک کی داستان درج ہو (استثناء باب ۳۴) کس میں جھوٹ کے برداشت کرنے کی اتنی صلاحیت ہے کہ اس کو پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب قرار دے؟ ممکن ہے کہ مذہب میں منطق کو دخل نہ ہو۔ لیکن کیا اس حد تک کہ علانیہ جن کتابوں میں پیغمبروں پر شراب خواری اور حرام کاری کا الزام لگایا گیا ہو۔ لوطؑ جیسے اولوالعزم نبی اللہ کو (العیاذ باللہ) اپنی بیٹیوں سے ملوث کیا گیا ہو، خدا وند قدوس کے کلام کو ایسی فحش گالیوں سے بھر دیا گیا ہو، جن کو بازاروں کے غنڈے اپنی زبانوں پر لاتے شرماتے ہوں، جس کتاب کا خدا پچھتاتا ہو، روتا ہو۔ کیا یہ اس رب قدوس کی کتاب ہو سکتی ہے، جس کی تقدیس و تحمید کا ترانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے رسولوں نے دنیا کو سنایا تھا؟

اس رومن کیتھولک پادری کے قلم سے گو مناظرہ کے جھونک ہی میں سہی، لیکن ایک پروٹسٹنٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کتنے صحیح الفاظ نکل آئے ہیں:

"اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا وہ اپنی نجات کی دعویٰ صرف ایک ایسی کتاب کے بھروسہ پر رکھ سکتا ہے جسے وہ کلام الٰہی نہیں ثابت کر سکتا؟ ایک کتاب جسے وہ سمجھ نہیں سکتا، ایک کتاب جسے جہلاء و ضعفاء اپنی ہلاکت کے لیے پڑھتے ہیں، ایک کتاب جس کے اکثر حصے کھوئے گئے، ایک کتاب جو ازبس غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے، جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں، ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کل اور نجات کی تکمیل ہو سکتی ہے؟"[۱]

جو اپنی "دینی شریعت" کا سرچشمہ اس کتاب کو قرار دیتے ہیں، جب ان کی یہ شہادت ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ خدا کے یہاں سے جو کتاب جانے ہی کے لیے آئی تھی، اس کے جانے کا وقت آ گیا تھا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بخت و اتفاق یا بے نظمی کے تحت نہیں، بلکہ تقدیری نظام کی ماتحتی میں وہ بھی آئی اور اسی قانون کے زیر اثر وہ جہاں سے آئی تھی، چلی گئی اور جس طرح اسرائیل کے دس اسباط کو بچھڑنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیم سے ملنا نصیب نہ ہوا تقریباً کچھ اسی طرح وہ دو اسباط بھی کھوئے گئے، اگرچہ وہ اب تک اسی غلط فہمی میں ہیں کہ ہم پائے ہوئے ہیں۔

باقی رہی دنیا کی وہ مذہبی جماعت جس کے پیغمبر نے اگرچہ کل اپنی ڈھائی سال کی نبوت کے بعد ان سے کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے کہ آنے والا میرے جانے کے بغیر نہیں آئے گا"۔

اور یہ کہہ کر کہ جو جانے ہی کے لیے آیا تھا، چلا گیا، پر عیسائی کہتے ہیں کہ نہیں گیا، مگر جب پوچھا جاتا ہے کہ تم مسیح علیہ السلام اور ان کی زندگی کو کن راہوں سے پاتے ہو، تو دیکھنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب ان میں سے ایک دوسرے کو تاکتے ہیں، گھورتے ہیں۔ کیا مسیح کی کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ کیا اس کی کتاب کا کوئی ترجمہ تمہارے پاس ہے؟ حیرت کی خاموشی کے سوا ان مسکینوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے، نامعلوم الاسم والحال شخصیتوں کے ہاتھوں کے کچھ میلادی مسودے ہیں جن کی وقعت مسلمانوں کے ان عام میلادی رسالوں سے زیادہ نہیں، جنھیں سعیدی یا شہیدی وغیرہ ناموں سے دو دو تین آنے لیکر گشتی مولود خوان ہندوستان میں پڑھتے ہیں۔ ان ہی رسالوں کا نام انجیل رکھا گیا ہے۔ اسی قسم کی ہزارہا انجیلوں کا انتخاب کرکے ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ خدا کی کتاب مل گئی اور کتابوں کا انتخاب کس طرح ہوا؟ ہر عیسائی جانتا ہے کہ نیقیہ[۲] کے کونسل والوں نے گرجا کے مقدس مقام پر انجیلوں کے اس انبار کو تہ بہ تہ کرکے رکھ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے جبوں والے پادری سجدے میں گر کر آنکھیں بند کیے دعا کرتے رہے، دل ہی دل میں یہ منتر پڑھے جاتے تھے

"جو جھوٹی ہے سو گر جائے، جو جھوٹی ہے سو گر جائے"

کہتے ہیں کہ سب گر گئیں، صرف چار اور ان کے ساتھ پولس کے کچھ خطوط بھی گرنے سے رہ گئے، سجدہ سے سر اٹھا کر وہی سر پر رکھی گئیں۔

اسکے بعد "مسیح علیہ السلام کی سچی انجیل یہی ہے" اس آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کونسل کے ان پادریوں سے دو کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ ان کی قبروں پر اس ریزولیوشن کی مسل ذات کو رکھ دی گئی۔ صبح کو تصدیقی دستخط اس پر ثبت شدہ تھے۔ تصحیح و تغلیط، تنقید و تنقیح کے اس عجیب و غریب انوکھے طریقے پر شاید دنیا نے نہ اس سے پہلے کبھی عمل کیا تھا، نہ اس کے بعد کسی کو اس کی نوبت آئی۔ اسی فیصلہ سے یقین پیدا ہوا۔ اور اسی یقین پر عیسائی جی رہے ہیں۔

اُنتُ لکم والا قبدون، حالانکہ جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرما دیا تھا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لیے مفید ہے" اس پر عیسائی کان دھرتے اور جو جا چکا تھا، اس کے ٹھہرے رہنے پر اصرار نہ کرتے تو مسیح کے جانے کے بعد جو جانے کے لیے نہیں بلکہ آنے ہی کے لیے آیا ہے، اس کے پہچاننے میں ایسی کتنی آسانی ہوتی۔ نہ میز سے انجیل گرانے کا منتر پڑھنا پڑتا، نہ مردوں سے دستخط لینے کی ضرورت پیش آتی اور کیا صرف مسیح علیہ السلام نے آنے والے کے آنے کا دنیا کو منتظر بنایا تھا جو مسیح علیہ السلام کے جانے کے ساتھ ہی آ گیا؟ اس پر کیا تعجب ہے کہ انھوں نے اتنا قریب سے اسکو دیکھ لیا؟ اور سچ تو یہ ہے کہ ڈھائی سال کی اس نبوت کا مقصد اگر...... عیسائی بھی اسی طرح آنے والے کی تبشیر اور مُبَشِّراً بِرَسُولٍ یَأْتِی مِنْ بَعْدِی اسْمُهُ أَحْمَدُ[۳] قرار دیتے، جیسا کہ قرآن نے قرار

---

[۱] ترجمان القرآن مضمون ذوقی شاہ صاحب بحوالہ کتاب مرآۃ الصدق مصنفہ پادری بیڈلی مترجمہ مسٹر نکلسن۔ ص ۱۶۱۔

[۲] مشرق روم کا ایک شہر تھا جسکو انگریزی میں نیلس کہتے ہیں۔ سنہ ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم کے ایماء پر علماء نصاریٰ کی ایک مشہور کونسل ہوئی جس میں تین سو سے زیادہ بشپ اور پادری شام و عراق سے لیکر جزائر برطانیہ تک کے شریک تھے۔ دو مہینے تک اسکے اجلاس بادشاہ کی صدارت میں ہوتے رہے اور اسی کونسل نے تین ایک۔ ایک تین ہے کے مسئلہ کو مسیحی مذہب کا جزو اعظم اور بنیاد ٹھہرایا ہے۔

[۳] اسکا حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔

دیتے، جیسا کہ قرآن نے قرار دیا ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ وہ کسی کو ڈھونڈھتے، جس کے بتانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے، بہر حال مسیح نے اگر یہ کہا تو یہی کہنے کے لیے وہ آئے تھے کہ جس طرح مغربی زمینوں کو درست کرنے والے نے اپنا فرض اس طرح ادا کیا، دیکھنا کہ اس سے پانچ سو برس پہلے مشرقی ممالک کو ایک مشرق بنانے والے سے بھی، جس نے دھوم کا نرسنگھا ایران سے چین کی دیواروں تک بجائے گا، سنو! چلتے ہوئے اس نے دنیا کو کیا وصیت کی؟ اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے، لیکن جو چیزیں بچ گئی ہیں اس میں مہاتما بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے، جس کو اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے مہاتما نے اس سیدھے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اُس وقت ڈالا جب اس کی سانس اُکھڑ رہی ہے اور اس کا یہ مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا،

"آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا"؟

بدھ نے اس کے جواب میں کہا "نندا! میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا، نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔ مقدس، منور، منقلب۔ عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کا ئنات، انسانوں کا عدیم النظیر سردار، جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کر رہا ہوں، وہ بھی ظاہر کرے گا، وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی سلسلہ کی میری طرح تبلیغ کرے گا"

نندا نے کہا "ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے۔ آقا نے فرمایا:-

"وہ میتریا کے نام سے موسوم ہوگا"

۱۶- اکتوبر ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھسٹ کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شایع ہوا تھا، جس میں اسی "میتریا" لفظ کا ترجمہ نامہ نگار نے کو یوں لکھا تھا:

"جس کا نام رحمت ہے"

کیا اس کے بعد اس میں شک کرنے کی گنجایش ہے کہ حضرت رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کا مغربی معلّمۃ الجیش اور مبشر جاتے ہوئے اپنے فرض سے سبکدوش ہوا تھا، بجنسہ اسی فرض کو اس نے بھی خوبی کے ساتھ ادا کیا جس کو خواہ دنیا کچھ ہی خیال کرتی ہو، لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ وہ بھی جہان کے ابر رحمت کے لیے مشرق کے کھیتوں کا تیار کرنے والا تھا۔ اور بلا شبہ چین، ایران، خراسان، ترک، تاتار، منگولیا، افغانستان، سرحد، بلوچستان، سندھ و ہندوستان کے بودھوں نے رحمت کی اس بارش سے جتنا فائدہ اٹھایا، دنیا کی کسی قوم نے نہیں اٹھایا، کاش ایسا ہوتا کہ مغربی نقیب کے ماننے والے بھی بجائے تین کو ایک، ایک کو تین ثابت کرنے کے لایعنی معاملہ کے اپنے ہادی کی اس آرزو کو پورا کرتے، جس کا پورا کرنا اس کے وجوب کا سب سے بڑا مقصد تھا (صلوٰۃ اللہ علیہم والسلام) اور قریب ہے کہ اپنی اس آرزو کو وہ ان سے پوری کرلے) اور کیا مشرق و مغرب کے ان دونوں نقیبوں ہی نے دنیا میں اس آنے والے کی آمد کا گھنٹہ بجایا؟

جو "عہد رسول" اور "میثاق کا نبی" تھا۔ اس کے متعلق عہد کرنے والوں میں سے کس نے عہد شکنی کی، یہ دونوں تو اس سے بہت زیادہ دور نہ تھے۔ لیکن جو اس سے دُور اور بہت دُور تھے، اُنھوں نے بھی دنیا کے آگے کیا۔ اس سے اپنا قرب نہیں جتایا، سینا کی روشنی میں حضرت کلیم کو دکھایا۔ دیکھ کر وہ چلائے کہ

"خدا سینا سے نکلا، سعیر سے چمکا اور فاران[۱] ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ (پیدائش ابلب)

دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکو بھی دیکھ رہے ہیں اور اس کے صدقہ میں ہزارہا برس پہلے ان کو بھی دیکھ رہے ہیں اور اس کے صدقہ میں ہزارہا برس پہلے ان کو بھی دیکھ رہے تھے، جنھوں نے صرف اسکو بھی دیکھ رہے تھے۔ جنھوں نے صرف اسکو دیکھ کر ملائکہ کا رتبہ حاصل کیا۔ ایک دو کو نہیں دیکھا بلکہ ان کی دس ہزار کی تعداد کو دیکھا، ان کی قدوسیت کی شہادت ادا کی[۲]

داؤد علیہ السلام اس کے گھر کی تمنا میں بےچین ہو کر اپنی بانسری سے یہ پُرسوز لے پیدا فرماتے تھے:-

"مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بستے ہیں، وہ سدا تیری حمد کریں گے، وہ بکہ سے گزرتے ہوئے، ایک کنواں بناتے ہوئے"

(زبور - باب ۸۴)

قرآن نے اگر کہہ ہی کا نام بکہ بتایا تو تم کو اطمینان نہیں ہوا لیکن جب قرآن کے مشہور دشمن مارگولیوتھ نے بھی گواہی دی کہ زبور کا یہ بکہ عرب کے کہہ کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تو منکر اب کیوں چپ ہیں۔ حالانکہ جس کے باپ نے بیابان میں اپنی بانسری بجائی تھی، اُسی کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے اپنے شاہی تخت پر اس کے آگے سر بھی جھکایا تھا، اشاروں کنایوں میں نہیں، علانیہ نام لیکر اپنے دل کی لگن کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:-

"خلو محمدیم زہ دودی رہ رعی" (تسبیحات سلیمان باب ۵-۱۲)

"وہ ٹھیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) وہ میرے محبوب ہیں۔ میری جان" اور اس کے لیے اس کے گھر کے لیے صرف حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ہی تڑپے۔

سے مژدہ سناتے ہوئے اس بات کا (مسیح نے) کہ میرے بعد ایک رسول آرہا ہے جس کا نام "احمد" ہے۔ قرآن کی اس مشہور آیت کا ترجمہ ہے۔ قرآن کی اس مشہور آیۃ کا ترجمہ ہے جو سورۂ صف کے پہلے رکوع کی آیت ہے۔ یہی لفظ ہے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں "فارقلیط" "پیرو کلوطوس" سے کیا گیا ہے اور اب اس کے ترجمہ میں ہر سال اصلاح کی جاتی ہے "روح القدس" "تسلی دہندہ"، "شفیع"، "وکیل"، "روح حق"، وغیرہ جانے کیا کیا۔ لیکن محققین علماء نصاریٰ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنھوں نے اسکا ترجمہ "احمد" ہی صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو خطبات احمدیہ، سید احمد خاں۔

[۱] بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحیاب ہو کر جب کہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اس وقت ۱۰ ہزار اصحاب کرام تھے ۱۲

[۲] دیکھو سیرۃ شبلی مرحوم بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲

[۳] فاران مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ بائبل کے لٹریچر کے لحاظ سے یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ تاہم حق پوشی کے لیے لوگ بجائے عرب کے اسکو دنیا کے دوسرے حصوں میں تلاش کرتے۔ خطبات احمدیہ میں سرسید مرحوم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں
سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے (یسعیاہ
نبی کی کتاب باب ۴۲)

سچ کو جھوٹ بنانے کے لیے تم پہاڑوں کو نہیں ہٹا سکتے۔ مدینہ منورہ کے ہر بچے سے اب بھی پوچھ سکتے ہو کہ وہ اپنی بکریوں کے لیے گھاس کس پہاڑ کے دامن سے لاتے ہیں[1]۔ جب آنے والا مکہ سے مدینہ آ رہا تھا اور حبقوق نبی نے کہ کر صدیوں پہلے اس طرح خوشی کا نعرہ مارا۔

" اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے
آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا، زمین احمدؐ کی حمد
سے بھر گئی" (کتاب نبی مذکور۔ باب ۳)

اور یسعیاہ نبی اپنے جوش بیان میں اس کا غلغلہ اس طرح بلند کر رہے تھے

" عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے، اے ددانیوں کے قافلو!
پانی لیکر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ، اے تیما کی سرزمین
کے باشندو! روٹی لیکر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ۔ کیونکہ وہ
تلواروں کے سامنے سے ننگی تلواروں، کھنچی ہوئی کمان سے
اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں" (یسعیاہ۔ باب ۲۱)

کیا آنے والے کی آمد پر دامن سلع کے باشندے، مدینہ والے
طلع البدر علینا

اور اسی قسم کے جن گیتوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر للکار رہے تھے، دنیا کی کس قوم کے حافظہ میں اب وہ گیت محفوظ نہیں ہیں۔ دیکھو اس للکار سے قیدار کی اولاد (قریش مکہ) کی عظمت بدر کے کنوئیں میں غرق ہوئی، کیا ٹھیک تاریخ کی قید کے ساتھ وقوع سے پہلے اور سینکڑوں سال پہلے یہی یسعیاہ پیغمبر یہ کہتے ہوئے ملا نہیں رہے تھے :

" ٹھیک ایک سال مزدوروں کے ایک سال میں قیدار
کی ساری حشمت خاک میں مل جائیگی"

اور میں کیا بتاؤں کہ ان پیمان وفا باندھنے والوں نے کتنی قوت کے ساتھ اپنے اپنے وعدوں کا ایفا کیا ہے، حالانکہ ان کا سب کچھ مٹا دیا گیا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کس کی قوت نے ان خاص نوشتوں کو مٹنے سے بچا لیا۔ ملاکی نبی نے سچ فرمایا تھا :-

" وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں! احمدؐ کا رسول[2]
(صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے تم خوش ہو، وہ اپنی ہیکل میں
ناگہاں آئے گا۔ دیکھو! وہ یقیناً آئے گا، رب الافواج
فرماتا ہے، پر اس کے آنے کے دن میں کون ٹھہر سکے گا اور
جب وہ نمودار ہوگا کون کھڑا رہیگا" (ملاکی نبی کی کتاب۔
باب ۳)

جس ہیکل میں وہ ناگہاں آیا، سب جانتے ہیں کہ کسی زمانے میں اسکے مٹانے پر ایکا کرکے جو عہد نامہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، اس میں کبھی یہی پیش آیا تھا[3] جو ان عہد کرنے والوں کی کتابوں کے ساتھ پیش آیا جو اسکے آگے کھڑا رہتا۔

" وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی طرح ہے" (ملاکی نبی باب ۳)

جو جلنے کے لیے تھا، وہ جل گیا، اور جو دھلنے کے لیے تھا، اور جو چمکنے اور صاف ہونے کے لیے تھا، وہ چمکا اور ستھرا ہوا اور باوجود چھپانے کے اب تک چمک رہا ہے۔ خیر بات بہت دور ہو جائے گی۔ اگر اس ضمنی بحث کی تفصیل میں اور آگے بڑھا گیا۔ میرے سامنے تو اسوقت صرف یہ تھا کہ جتنے آنے والے آنے سب جانے کے لیے آئے اور بینات، واضح شہادات کی روشنی میں دیکھا جا چکا کہ جو بھی آیا، بالآخر ایک ایک کرکے کسی نہ کسی طرح خود وہ اُن کی زندگی، ان کی تعلیم جہاں سے تعلیم ہوئی تھی، بالآخر غروب ہو گئی اور بلاشبہ انکے لیے یہی مقدر تھا۔ قدرت کے باندھے قانونوں کو دنیا کا کون ساز در کھول سکتا ہے۔

پر اب دیکھو کہ وہ آتا ہے جو آنے ہی کے لیے آیا، کس شان کے ساتھ آیا، کس آن کے ساتھ آیا۔ مصریوں کی غلامی میں بسر کرنے والوں میں نہیں، بلکہ جب سے دنیا ہے آدم کے جن گھرانوں کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوا۔ جن کے دماغ میں آزادی کی ہوا کے سوا کبھی کسی قسم کی غلامی کی گندگی نہیں پہونچی اور جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ

وہ عربی ہوگا، اُس کا ہاتھ سب کے اور سب کا ہاتھ اُس کے
خلاف ہوگا۔ (پیدائش۔ باب ۱۶-۱۲)

اور اسی لیے وہ اپنی آزادی کو ہر چیز سے مہنگی خیال کرتے ہوئے

" وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کریگا (باب مذکور)

بلاشبہ آدم کی ساری اولاد کے درمیان شاید یہی ایک نسل تھی جسنے اپنے ہاتھ کو سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر ہمیشہ ایسی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطہ کے باشندوں کو میسر نہ ہوئی۔ وہ ان ہی آزادوں میں اٹھا اور محسوس قوتوں میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ہے، ایک ایک کے نیچے سے انسانیت کو آزادی دلانے کے دعوے کے ساتھ اُٹھا۔ دنیا والے، ساری دنیا والے بلکہ حد تو یہ تھی کہ اس آزاد دنیا والے بھی اس کے آگے تو نہیں، لیکن سچی قوت سے لُوٹ کر جھوٹی اور وہمی قوتوں کے وہمی بوجھ کے نیچے شاید تین ساڑھے تین سو سال سے دبے ہوئے تھے[5] اور کتنے ہیں جو اب تک دبے ہوئے ہیں، وہ ان تمام کاذب قوتوں کو جھٹلاتا ہوا اُٹھا۔

---

[1] سلع ہی کے پاس اب تک خندق کے نشانات موجود ہیں اور یہ پہاڑ اسی نام سے اب تک مشہور ہے۔

[2] قرآن کی آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ میں صاف اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام پیغمبروں سے عہد لیا گیا اور اس عہد کے نوازل خود ذات حق سمجھانہ و تعالیٰ ہوئے۔

[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر اس طرح اچانک مکہ پہونچے ہیں کہ صحابہ کی دس ہزار فوج جب مکہ کے سواد میں پہونچی اور رات کو کھانا پکانے کے لیے چولہے روشن کیے گئے، تب ابو سفیان اور مکہ والوں کو علم ہوا کہ آپ آ گئے

[4] قریش نے ایکا کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھانا پانی بند کیا تھا، اسپر ایک معاہدہ ہوا تھا، کعبہ میں لٹکایا گیا، لیکن دیمک تمام تحریری باتوں کو چاٹ گئی۔

[5] سرزمین عرب میں مختلف قبیلے تھے، ان میں حضرت اسماعیل کی اولاد حضرت ابراہیم کی نسل پھیلی ہوئی تھی اندازہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کم از کم تین سو ساڑھے تین سو سال پہلے بت پرستی میں اس ملک کے لوگ مبتلا ہو گئے تھے۔ اور اس سے پیشتر عموماً ابراہیمی دین عرب قبائل میں پھیلا ہوا تھا۔

اسپورٹنگ اور مسلمان

(مولانا ابوالکلام صاحب کا ایک خطبہ جمعہ)

برادران عزیز! تم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ میں سب سے الگ تھلگ ایک گوشہ عزلت میں شہری آبادی سے دور پڑا رہتا ہوں۔ تم میں کسی نے بھی مجھے کسی بھی سڑک پر گزرتے نہ دیکھا ہوگا۔ ایسی صورت میں شہر کے حالات معلوم کرنے کے لیے میرے پاس صرف دو ذریعے ہیں، مقامی اخبارات میں سے ایک دو صبح کے اخبار یا آپ حضرات میں سے اگر کوئی آگیا تو اس کی زبانی کیفیت۔

اخبار کے مطالعہ کے سلسلہ میں ایک خاص عنوان پر میری نظر ایک دو دفعہ پڑی تھی، لیکن بلا کسی دلچسپی تو یہ لے میں آگے بڑھ گیا۔ لیکن اس ہفتہ ایک عزیز نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی اور ان سے میں یہ سن کر صد درجہ خوش و مسرور ہوا کہ مسلمان عام طور پر بلا استثناء سب کے سب جب دلچسپی لے رہے ہیں۔ لکھے پڑھے اور خوشحال مسلمان امراء ہی کا طبقہ نہیں مزدور پیشہ مسلمان حتی کہ قلی مزدور تک بڑی ہی دلچسپی اور مسرت کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔

محمڈن اسپورٹنگ کلب کے قیام کے بعد اور گزشتہ دو سال سے اسکے شاندار کھیلوں کو دیکھ کر مسلمانوں میں ایک خاص شان و کیفیت پیدا ہو گئی ہے، میں اس مسرت عام میں تم سب کا شریک ہوں اور مجھے اس خبر سے صد درجہ خوشی ہوئی ہے، اور میں اس سلسلہ میں کلب اور کھلاڑیوں کی ترقی و اعزاز کا زیادہ سے زیادہ آرزومند ہوں۔ یہ تازہ شوق اور جوہر مردانگی کی لہر جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے، کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ انکی شجاعت و بسالت کا خاص امتیازی نشان ہے، قرون اولیٰ کے مسلمان ان تمام کھیلوں میں پوری رغبت اور پورے شوق کے ساتھ حصہ لیتے تھے، اور مسلمان بادشاہ وقت ان کھیلوں کو زیادہ دلچسپ بناتے اور عوام میں شوق پیدا کرنے کے لیے بنفس نفیس شریک ہوا کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں اور نمازیان وبہادران اسلام کو آمادہ کرتے رہتے تھے توجہ دلاتے رہتے تھے اور تشویق فرماتے رہتے تھے۔ کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا کہ شہسواری، نیزہ بازی یا پہلوانی کا کوئی نہ کوئی کھیل نہ کھیلا جا رہا ہو۔

مردانگی کی یہ شان، شجاعت کا یہ جوہر، ہماری دوسری دولتوں کی طرح ایک کھوئی ہوئی متاع ہے، جہاں ملے، جب ملے، اور جب ہم اس پر قابض ہونے کے قابل ہوں، یا جب ہمیں اسکے حصول کا شوق ہو، ہمیں حق ہے کہ ہم سے حاصل کریں، اس پر قابض ہو جائیں۔ اسلام کی درخشندہ تاریخ، جس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا، ہمیں بتاتی ہے کہ جب ہم میں مردانگی کے یہ تمام جوہر و اوصاف جمع تھے، ہمارا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔

حال میں فرانس کے ایک مفکر نے ایک ضخیم کتاب تاریخ کی ہے جس میں تمام اقوام و دول سابقہ کے عروج و زوال کے اسباب پر مدلل بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اسپورٹنگ کا نہ صرف افراد بلکہ تمام جماعت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ فرانس کو اپنے زبان و ادب پر ناز ہے، اگر اس پر غرور، فخر بیجا۔ حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرنچ زبان اپنی شیرینی، معانی، و تلمیحات کے سبب سے دنیا کی دو تہائی حصہ کی زبان ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر انگریزی زبان سے فرنچ کے الفاظ ضرب الامثال نکال دیے جائیں تو صرف ایک تہائی انگریزی کے الفاظ باقی رہ جاتے ہیں۔ اور زبان انگریزی زبان کی نوعیت سے مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے مگر اس کا یہ جانچا ہوا فیصلہ ناقابل انکار ہے کہ فرانسیسیوں میں کھیل کود کا شوق چونکہ بالکل مفقود ہو گیا ہے اس لیے زبان دانی کے بیجا فخر و ناز کے باوجود، فرانسیسی قوم تنزل اور پستی کی طرف جا رہی ہے، فرانسیسی کا بحیثیت ایک قوم کے اہل بہ زوال نہ صرف اس لیے ہے کہ اس کے افراد سے مردانگی و شجاعت کے نشان و اوصاف زائل ہوتے جا رہے ہیں۔ زبان کسی قوم کو نہیں ابھارتی، وہ تو ایک امتیازی خصوصیت ہے، بلکہ جو ہر بسالت ابھارتی ہے۔ قوموں میں روشناس کراتی، اور صف اول میں لا کھڑا کرتی ہے۔

اسی مفکر نے دوران بحث میں حسن و خوبی کے ساتھ مثال کے طور پر برطانیہ اور اس کی عالمگیر شہرت کے اسباب میں سے اس قوم میں مردانہ کھیلوں اور اسکے اثرات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے، ایک چھوٹے سے قطعہ زمین میں بسنے والی یہ قوم کیوں دنیا پر چھائی ہوئی ہے، اس لیے کہ اسکو تمام مردانہ کھیلوں اور ورزشوں میں دلی رغبت و شوق ہے اسیلئے اس کی ترقیاں بھی ظاہر ہیں اور برطانوی افراد کی یہ رغبت و شوق اب تو بمنزلہ ایک قانون کے ہے

بہرحال ——— تاریخ قدیم اور دول عالم میں یہ چیز برابر پائی جاتی رہی اور باختلاف قلیل، کسی نہ کسی شکل میں، ہر جگہ مختلف قسم کے کھیل اور ورزش موجود ہیں۔ ہندوستان میں بھی عہد قدیم سے مختلف قسم کے کھیل کود پائے جاتے ہیں۔ موجودہ کھیل "فٹ بال" ایک ترقی یافتہ کھیل ہے۔ جس میں تنظیم و تشکیل بمقابلہ دیگر کھیلوں کے بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے وہ زیادہ دلچسپ کھیل ہے اور مجھے اسی بنا پر بے انتہا خوشی ہوئی جب میں نے سنا کہ مسلمانوں نے بھی ایک قسم کا گزشتہ دو سال سے ایک کلب قائم کیا ہے، اور اس میں خلاف توقع شایان شان ترقی ہے اور عوام و خواص یکساں طور پر اس میں دلچسپی لیتے ہیں۔

لیکن مجھے یہ معلوم کر کے صد درجہ حیرت ہوئی اور انتہائی اندوہ و ملال جب میں نے سنا کہ مسلمان حصہ تو لیتے ہیں مگر وہ اپنے کھیل اور کھلاڑیوں کی ہار اور جیت کو اسلام کی شکست و فتح سمجھ لیتے ہیں، اور اپنے اوپر اس قسم کی کیفیت اور ایسا جذبہ طاری کر لیتے ہیں گویا سچ مچ کسی مذہبی جنگ میں مسلمانوں کو فتح و شکست ہوئی ہے۔ اول اول تو میں نے اس خبر کو یقین ہی نہیں کیا، لیکن جب اصرار کے ساتھ ایک عزیز نے مجھے بتایا کہ نہیں، یہ حقیقت ہے تو مجھے ماننے میں تامل نہ رہا۔ اور یہی سبب ہے کہ میں نے آج کے خطبہ کو اس عنوان کے لیے منتخب کیا۔

کلکتہ کے مسلمانوں کا یہ جذبہ ٹھیک پنجاب کے اخبارات کے جذبات کی طرح قابل مذمت و اصلاح ہے۔ پنجاب کے مسلمان اخباروں کی روش بھی ٹھیک اسی طرح ہے، جب اس قسم کے "مقدمہ میں کسی عدالت نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کیا تو ... اخبارات کی سرخی اس طرح ہوتی ہے

اسلام کی عظیم الشان فتح اسلام کا زبردست غلبہ، اسلام کا بول بالا
کلمہ حق کی بے مثال سربلندی وغیرہ وغیرہ
ماشاء اللہ کا بھلا ایک عدالت کے فیصلہ کو جو کسی زمین یا فساد وغیرہ کے سلسلہ میں، انکے حق میں ہو گیا، اور اگر مقدمہ کی اپیل ہوئی اور عدالت ماتحت کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ ہوا، تو اب کیا اسلام کی شکست ہو گئی؟ اور اس وقت اس خبر کا عنوان وہ کیا دیں گے ——— اسلام کی زبردست بربادی؟ کلمہ حق کی زبردست نامرادی؟ ——— معاذ اللہ عدالتوں کے فیصلے سے اسلام و کلمہ حق کی سربلندی یا سرنگونی کو کیا تعلق؟ اسلام اگر حق ہے، کلمہ حق اگر سچ ہے، تو وہ ہر حال میں، ہر جگہ، ہر زمانہ میں سربلند و منتصر رہے گا۔ غالب و منصور رہے گا۔ کھیل کود کی ہار جیت یا عدالت کے فیصلوں اور مقدمات کی موافقت و مخالفت سے اسلام کی شکست و فتح کو کیا نسبت؟

برادران عزیز۔ تم کہوگے کہ بھلا یہ بھی کوئی خطبہ کی چیز تھی؟ اور شاید تم کو تعجب بھی ہوا اور حیرت بھی کہ محض اسپورٹنگ کے معاملہ کو خطبہ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر میں کہتا ہوں کہ ہاں تھی۔ تم کو معلوم نہیں، سن لو کہ ممبر، وہ بھی لوگ ہونگے جو اسپورٹنگ سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ بھی سن لیں، اور جو یہاں موجود نہیں انہیں بھی میرا پیام پہونچا دیں کہ ایسا ہی کلیات بنا کرتے ہیں۔ یہی چھوٹی چھوٹی چیزیں قوموں کے انحطاط کی کڑیاں بن جاتی ہیں۔ تم کو اسپورٹنگ میں پیش از پیش حصہ لینا چاہیئے تمہیں کلب اور کھلاڑیوں کا استقبال کرنا چاہیئے۔ اُن کا دل بڑھانا، اُن کی عزت افزائی کرنا چاہیئے، انکی حوصلہ افزائی کرنا چاہیئے یہ سب صحیح ہے ——— لیکن خبردار، خبردار کبھی یہ جذبہ اپنے دل میں پیدا نہ ہونے دینا اور نہ دماغ میں یہ اثر ہونے پائے کہ کھیل کی ہار یا جیت اسلام کی فتح یا شکست ہے۔ یہ چیز بالکل غلط ہے، سراسر غلط ہے، فرد، جماعت اور قوم سب کے لیے ایک مہلک ذہنیت اور زہریلا علاج۔

ہر قسم کے مردانہ کھیلوں، ورزشوں میں حصہ لو، دلچسپی رکھو، اس سے افراد کے نہیں قوموں کے ڈھانچے بنتے ہیں، لیکن کھیل کے ہار جیت کو کبھی مذہبی رنگ نہ دو، مذہب اور اسلام کو اس کے شکست و فتح سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تمہارے لئے یہ جذبہ بحیثیت فرد یا بحیثیت قوم صد درجہ انسانیت سوز اور اسلام اور اس کی حقیقت سے بیگانگی کا ثبوت ہوگا۔ (ہند)

سیرت النبی جلد پنجم

الحمد للہ کہ سیرت النبی کے مقدس سلسلہ کی پانچویں جلد چھپ کر شائع ہوئی اس جلد کا موضوع تعلیمات نبوی میں سے عبادات کی تشریح و تفصیل ہے۔ اس میں پہلے عبادت کا مفہوم بتایا گیا ہے، پھر اسلام کے فرائض خمسہ نماز زکوٰۃ روزہ حج، جہاد میں سے ہر ایک پر قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں علیحدہ علیحدہ سیر حاصل بحثیں ہیں، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ اور شکر وغیرہ جانی و مالی و قلبی عبادت کی تشریح اور انکے ذکر، اور انکے مصالح کی توضیح کی گئی ہے۔ تقطیع کلاں۔ ضخامت ۷۰۳ صفحات۔ قیمت قسم اعلیٰ سہ روپیہ قسم دوم للعہ، مصارف ڈاک و پیکنگ فی جلد ۸؍

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

فتنۂ وطنیت

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے یورپ میں قومیت کی بنیاد محض "وطن" پر ہے، ایک جرمنی یا فرانسیسی صرف اُس وقت قربانی پر آمادہ ہوتا ہے جب اُسکے وطن کی عزت یا مفاد خطرے میں ہو، بخلاف اس کے ایک مسلمان مذہب کیلیے اور اپنے پیغمبر کی عزت کیلیے ہر خطرہ کو برداشت کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک مسلمان کو اپنے وطن سے محبت نہیں ہوتی، یا یہ کہ وہ اپنے وطن کی خدمت میں کسی سے پیچھے ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُس کے نزدیک مذہب سب سے بالاتر ہے، یہاں تک کہ اُس کا مرتبہ جان، مال، اولاد سے زیادہ ہے اور ہر قیمتی سے قیمتی چیز اس کیلیے قربان کی جا سکتی ہے۔ اسی جذبہ کا اثر تھا کہ اگر دنیا کے ایک حصہ میں مسلمانوں پر مصیبت آتی تھی تو دوسرے حصہ کے رہنے والے مسلمانوں کے دل تڑپ جاتے تھے۔ اور وہ محسوس کرتے تھے کہ گویا یہ مصیبت خود اُن پر آئی۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں یہ ایسی بڑی طاقت تھی جو کسی قوم کو میسر نہ تھی، اور اسی بنا پر دنیا میں اُن کا رعب و وقار تھا، کیونکہ کسی ایک مسلمان سے مقابلہ کرنا ساری قوم کو اعلان جنگ دینے کے برابر تھا۔

مسلمانوں کا یہ طریقہ کار تبلیغی حیثیت سے بھی مفید تھا، جب ایک غیر مسلم یہ دیکھتا تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایک عظیم الشان برادری میں داخل ہو جائے گا جس کا ہر فرد اُس کے ساتھ حقیقی بھائی جیسا سلوک کرے گا تو بے اختیار اُس کا دل اسلام کی طرف کھنچتا تھا۔ لیکن آج یورپ نے وطنیت کا جو فتنہ پیدا کر دیا ہے اُس کا یہ اثر ہے کہ اخوت اسلامی فنا ہو رہی ہے، مذہب کا مضبوط رشتہ جس نے ہم کو متحد بنا دیا تھا ٹوٹ رہا ہے، اور وہ پیام ربانی جس میں ہم کو متحد و مربوط رہنے کا حکم دیا تھا، بھلا دیا گیا ہے۔ اب مسلمان اپنی قومیت کی بنیاد زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر رکھتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ میں مصری ہوں، دوسرا کہتا ہے میں عرب ہوں، تیسرا کہتا ہے میں ہندوستانی ہوں۔ بلکہ یہ مضحکہ انگیز ذہنیت اب یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ ہر مدعی حب وطن یہ کہتا ہے کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں، پھر مسلمان۔ لیکن آج اُس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ پہلے بھی غلام ہے اور آخر میں بھی غلام، کیا کوئی ہے جو اس انقلاب سے عبرت و بصیرت حاصل کرے؟

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ پہلے انھیں دنیا میں جس چیز نے سربلند کیا تھا، وہ توحید کامل، اسلامی اخوت اور باہمی اتحاد تھا اور مستقبل میں بھی وہ اُسی ذریعہ سے عزت و وقار حاصل کر سکتے ہیں۔

(کانفرنس گزٹ)

خط و کتابت کے وقت

نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجیے۔ منتظم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بھیجنے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ
اور
انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجئے
مہتمم صدق لکھنؤ

نمبر ۸ | لکھنؤ - ۲۱ - ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ - جولائی ۱۹۳۶ء | جلد ۱

سچی باتیں

کوئی صاحب، خدا بخش کشمیری نامے ہیں، اپنے فن میں استاد کامل، ایک شعبدہ باز یا بازیگر ہیں۔ انکے تماشے یورپ والوں کی عقل کو دنگ کیے ہوئے ہیں۔ ایک کمال یہ ہے کہ جلتی آگ پہ ننگے پیر، دور تک اور دیر تک چل لیتے ہیں، اور پیر آگ سے ذرا نہیں جلتے جھلستے۔ اخباری بیانات تو بارہا چھپ بھی آچلے تھے، اب کچھ روز ہوئے، لندن کے مشہور اسپتال سینٹ بری کے مستند ڈاکٹر، ڈاکٹر پینیٹ ر (   ) نے بعض دوسرے ماہرین سائنس کے ساتھ مل بیٹھ، یہ تماشا اپنے سامنے کرایا، اور ہر طرح دیکھ بھال، جانچ پڑتال کے بعد ایک تحریر دی، جسکا لب لباب آگے ملاحظہ ہو۔ ایڈین سنکیر اسوقت ایک مشہور انگریز مصنف، اہل قلم ہیں، ان کی کتاب "واٹ گاڈمینس ٹومی" لنڈن کے ناشر دو نزلاری کے ہاں سے ابھی حال میں نکلی ہے۔ ڈاکٹر پینیٹ کا بیان انکی اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

یہ مظاہرہ، شہر لندن سے دس میل کے فاصلہ پر کارشالٹن میں ایک صاحب کے مکان پر ہوا۔ دو خندقیں، ۱۱ فٹ لمبی ۶ فٹ چوڑی ۹ - انچ گہری کھود دی گئیں۔ آٹھ بجے سے آگ روشن کر دی گئی۔ ۸ ٹن لکڑی جمع کر دی گئی، ۱۰ گیلن تیل، اور ۵۰ اخبارات آگ سلگانے کے لیے۔ سب سے اوپر آدھے ٹن کوئلے رکھ دیے گئے۔ خدا بخش نے کہا "بس عقیدہ شرط ہے"۔ میں نے پیروں کا امتحان لیا۔ بالکل نرم ونازک تھے، کوئی دوا مسالہ وغیرہ نہیں لگا تھا۔ پھر میرے سامنے دھلائے اور کھلائے گئے۔ تلووں کی بابت میں احساس پورا موجود تھا۔ خدا بخش نے ۵ منٹ تک سبزہ پر ٹہلنے کے بعد آگ پر چلنا شروع کر دیا۔ چال زیادہ تیز نہ تھی، قدم ہلکے ہلکے پڑ رہے تھے اور چہرے پر کسی قسم کی اذیت کی کوئی علامت نہ تھی۔ میں نے پیروں کی گرمی چلنے سے قبل بھی تھرمامیٹر سے جانچ لی تھی، اور چلنے کے بعد بھی جانچی۔ درجہ حرارت دونوں بار ۹۳ تھا۔ میں نے تلوے کے ایک گوشہ میں بقدر ۱ انچ کے ایک پلاسٹر لگا دیا تھا کہ اس پر آگ کا کچھ اثر معلوم ہوگا۔ سو بالکل بےاثر ہی سا اثر رہا۔ تلوے کی جلد کہیں کہیں سے خفیف سی حرارت زدہ معلوم ہوتی تھی، مگر آبلہ کہیں بھی نہ تھا۔ خندق کی مسافت، خدا بخش نے چار قدموں میں طے کی، ایک چکر لگا کر، دوسری خندق کے سہارے، پھر اسی خندق کو طے کیا۔ اس بڑے امتحان سے آٹھ روز قبل، خدا بخش نے اسی طرح کی خندق کو چار بار طے کیا تھا۔ اسوقت ایک انگریز مسٹر ڈگبی مونیا نے کہا کہ میں بھی چل سکتا ہوں۔ مگر اس نے دو ہی قدم رکھے تھے کہ اسکے پیر جلنے لگے۔ دوبارہ پھر اس نے کوشش کی اور ابھی آبلے اور زیادہ پڑ گئے۔ ایک اور انگریز مسٹر بارسی جین نے بھی تقلید کرنی چاہی۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔ طبی، جسمانی حیثیت سے انگریز اور ہندوستانی کے پیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایک نقلی پیر اسی طرح کپڑا لپیٹ کر، خندق میں چلایا گیا، کپڑا فوراً جلنے لگا۔ مجھے خدا بخش کے اس مظاہرہ میں کوئی دھوکا فریب کسی طرح کا نہیں ملا۔

میں پوری طرح مطمئن رہا۔ میرے خیال میں کوئی طبعی سبب اس کا ... آگ اتنی تیز تھی کہ اس کی روشنی تک اخبار آسانی پڑھا جا سکتا تھا۔

[قد]رت کے عجائب و نوادر کے سامنے سائنس کی بے بسی آپ نے دیکھ لی! کیا سرحد کے خدا بخش ولی اللہ، کوئی صاحب باطن درویش کوئی صاحب تصرف فقیر نہیں محض الکیمیا گر ہے۔ جب اس میں یہ قدرت ہے کہ آگ میں پڑ کر محفوظ رہ سکتا ہے، اور اس کی محفوظیت کا کوئی حل سائنس کے استادوں اور ماہروں کو نہیں سوجھتا، تو آپ ہی فرمائیے، کہ زمین و آسمان کے پروردگار، اگر اپنے کسی خاص مقبول بندہ کو آگ کی بھٹی سے زندہ و سلامت، بے داغ، نکال لائے، تو اس سے یک لخت انکار کی کوئی سی بھی "عقلی" وجہ آپ کے پاس موجود ہے؟ امکان تو بہر حال تسلیم کیجیے۔ "خلاف" عقل تو آپ قطعاً نہیں کہہ سکتے۔ اب رہ گیا "وقوع"، تو تاریخی واقعہ کے لیے بجز روایت معتبر، متواتر کے، اور کوئی سند ہو کیا سکتی ہے! ——— اس پر بھی میاں خدا بخش کی آتش روی پر آپ کا ایمان ہے، اور جب آتش خلیل کے سرد پڑ جانے کا نام لیا جاتا ہے، تو بے لگام زبانیں اگر بے تحاشا، انکار پر نہیں کھل جاتیں تو کم از کم قلوب تو تردد و تذبذب میں غوطے لگانے ہی لگتے ہیں!

زنِ مغرب

ہٹلر کے نائب، ہر ہس نے عورتوں ہی کے ایک جلسے میں کہا ہے۔

"ہم عورتوں کو شوہروں کا بہترین رفیق، اور بچوں کی بہترین مائیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ عورت ایسی ہو، جو شوہر کی رفاقت کا حق بہترین طور پر ادا کر سکے، اور اس کے فرائض پوری طرح پر ... ہم ایسی عورتوں کے طلبگار نہیں، جو مردانہ ہیں، جو مرد بن جانا، یا مردوں سے آگے نکل جانا چاہتی ہوں"

(ہندو - مدراس - بحوالہ ٹائمس - لندن)

جرمنی کا حال آپ سن چکے، اب اٹلی کی سنیے۔ بقول اسی وسیلی

"اٹلی میں عورتوں کی جبریہ شادی کا رواج ہو گیا ہے۔ عورتیں جو آزاد پیشوں میں چلی جا رہی ہیں، انھیں ہر طرح سے روکا اور گھروں کی طرف ... واپس بلایا جا رہا ہے ... شادی کی راہیں ان پر ہر طرف سے کھولی جا رہی ہیں اور اولاد پیدا کرنے پر انھیں انعام مل رہے ہیں" (ایضاً)

تازہ دم، جواں ہمت، شیر دل، ملکوں کی ان مثالوں کے سننے کے بعد، فرمائیے۔ اب آپ کی اپنی ان تحریکوں کے باب میں کیا رائے ہے، کہ

"عورت کو مرد کے بالکل مساوی اور زیادہ سے زیادہ آزادی مل کر رہنا چاہیے"

"عورت، شوہر کا ضمیمہ نہیں، اپنے ہر شعبہ حیات میں مستقلاً آزاد ہے"۔

"نازک جسم اور نازک صحت رکھنے والی عورتیں، بچوں کا بار اٹھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں"

"منع حمل عورت کا قدرتی حق ہے"

یہ عجب ستم ظریفی ہے، کہ جب یورپ، تجربوں کے بعد، اپنے نئے نظریات سے عاجز ہو لیتا ہے، اور انھیں اتار پھینکنے کے لیے بیقرار ہوتا ہے، ٹھیک اسی وقت ہمارے ملک کی "روشن خیالی" اور "تجدد پسندی" کا تقاضا یہ ہوتا ہے، کہ انھیں اگلے ہوئے نوالوں کو مزہ لے لیکر چبایا جائے، اور انھیں اترے ہوئے جوڑوں سے اپنے جسم و تن کی آرائش کی جائے! ذہنی غلامی، ذہنی مرعوبیت کی بھی آخر ایک حد ہونی چاہیے۔

مدحِ صحابہؓ کا جرم

مجلس احرار لکھنؤ کے ایک کارکن اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:—

"اب احرار کے چکر میں ہوں، اور مدح صحابہؓ کی ممانعت والے قانون کی تنسیخ کی دھن ہے۔ ایک پیر جیل میں ہے ایک باہر، رفیق قاتل ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ جن کے کرنے کا کام تھا وہ بہ قول جوہر مرحوم، عقل کی حیرت و سرگشتگی میں پھنسے ہوئے ہیں، اور آپ کے ... صاحب اس جرگہ کے لیڈر ہیں!
آگ تھے ابتدا میں ہم۔ خاک ہوگئے، انتہا یہ ہے —
مگر ہم غریبوں پر آرہ ضرورت سے زیادہ تیز کر رکھا ہے۔ خیر، نہ شود نصیب دشمن۔ منظر دیکھیے، دونوں قانون کی تنسیخ کے خواہاں۔ مگر ہم شیعہ سنی اتحاد کے حامی اور گورنمنٹ سے برسر پرخاش، اور وہ گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ استغاثوں اور میموریل کے حامل، مگر شیعوں کے جان لیوا اور فرقہ وارانہ چکر میں مبتلا۔

ہندوستان میں کسی آزادی خواہ جماعت کے کارکن، اور دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھائیں؟ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ مزے آرہے ہیں۔ اب سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا سیر لیے ہے، پہلا مصرعہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے"

آئندہ انسانوں میں یہ واقعہ، بطور یادگار رہیگا، کہ اس بیسویں صدی میں، عدل و معقولیت کے ان بلند بانگ دعووں کے ساتھ، اسلامی تمدن کے ایک مشہور مرکز، لکھنؤ میں، صحابہؓ کو علی الاعلان صحابہ کہنا، صدیق کو صدیق، کہنا، فاروق کو فاروق کہنا، مدتوں فوجداری کا جرم قائم رہا! وہ جرم، جو اس وقت بھی جرم نہ تھا، جب اودھ کی حکومت شیعہ حکومت تھی، جب بادشاہ، آصف الدولہ، سعادت علی خاں اور واجد علی شاہ تھے، اور وزیر حکیم مہدی، اور آغا میر اور علی نقی خاں تھے! آج سڑکوں پر اور گلیوں میں، چوراہوں پر اور گزرگاہوں، مسجدوں اور مدرسوں کے دروازوں پر، اور شریفوں کی ڈیوڑھیوں پر، سنیما اور تماشوں کے نام لے لے کر زبان سے جتنی گندگی چاہیے، اچھال لیجیے، بیحیائی اور بداخلاقی کے مظاہرے جتنے چاہیے، کر ڈالیے، مذہبی آزادی کو آڑ بنا کر، جتنا کفر، جتنا شرک پھیلانا چاہیے، پھیلا ڈالیے، مٹی کی مورتیوں اور بانس اور کاغذ کی پتلیوں کے سامنے سجدے جتنے چاہیے کر ڈالیے، سب کی بلا تکلف آزادیاں حاصل

ہیں۔ جرم ہے تو یہ، کہ رسولؐ کے جانشین کو رسولؐ کا جانشین کیوں کہیے، اور جس نے ایران اور روما کی زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیے تھے، اس کا نام عظمت و احترام کے ساتھ کیوں لیجیے! ہاں سچ تو ہے، دن کو دن، رات کو رات، اور دو اور دو کو چار آخر کیوں کہیے!

ذبیحہ اور سفر یورپ

یکم جون کو ایک عزیز قریب، دہلی میں طب یونانی کے مدارج کی تکمیل، اور لکھنؤ میں تدریس فن کے تجربات کے بعد ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے جرمنی روانہ ہوئے —— خیر، المیہ تو یورپ آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔ یہاں کہنا صرف اسقدر ہے، کہ ذبیحہ کی دشواریوں کو دیکھ کر، عزیز موصوف نے تہیہ یہ کر لیا ہے، کہ دوران سفر میں گوشت سرے سے استعمال ہی نہ کریں گے۔ جہاز سے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں نے گوشت کھانے سے قطعاً پرہیز کر لیا ہے اور یہ طے کر لیا ہے کہ گوشت نہ کھاؤں گا۔ مچھلی، ترکاریاں، انڈے، پڈنگ وغیرہ بہت کافی ہیں۔ اگر انگریز خود اپنے ہاتھ سے اپنے سامنے ذبح کیا ہوگا تو مضائقہ نہیں۔"

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم نے اپنے ایک ناول ابن الوقت میں یہ دکھایا تھا، کہ انگریزی وضع وقطع اختیار کرکے احکام اسلام کی پابندی کیا کتنی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ناول کو پچاس سال زیادہ کا لکھا ہوا ہے۔ دشواریاں جوں کی توں، بلکہ کم ہونے کی جگہ کچھ اور بڑھ ہی گئی ہیں۔ اور جب اپنے ہی ملک کے اندر رہ کر، صرف تبدیل وضع کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہیں، تو ان کے ملک کا سفر اختیار کرکے، اور انھیں لوگوں کے درمیان رہ کر یہ دشواریاں جس قدر بھی بڑھ جاتی ہوں، کم ہیں۔ مبارک ہیں وہ نوجوان جو اس ماحول میں پڑ کر بھی اپنی قومی، ملی، دینی خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اپنی روح کو مغرب کے تمدن، معاشرت، اخلاق سے مرعوب نہیں ہونے دیتے، اور اپنے عمل سے دنیا کو جتا دیتے ہیں کہ گو انکے جسم کسی ضرورت یا مصلحت سے فرنگیوں کے درمیان ہیں، لیکن انکے دل، ان کے دماغ، انکے عقائد اور انکے اخلاق، جوں کے توں، مشرقی اور اسلامی ہیں!

ختم نبوت

قادیانی جماعت کے ایک مبلغ و کارکن عبدالرحیم صاحب نیر ہیں۔ آپ کا ایک مراسلہ مع جواب، امریکہ کے مشہور مسیحی رسالہ مسلم ورلڈ کے جنوری نمبر میں شایع ہوا ہے۔ پادری زویمر ایک مشہور دشمن اسلام "محقق" ہیں۔ مدتوں بحرین (خلیج فارس) میں بطور مشنری مقیم رہے۔ اب ایک مدت دراز سے یہ انگریزی سہ ماہی نیو یارک (امریکہ) سے سائمن مذہب اسلام کی "تحقیق" میں نکال رہے ہیں۔ نیر صاحب نے اپنا استفتاء انھیں "محقق اسلام" کی خدمت میں پیش کیا۔ سوال و جواب دونوں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ پوری تفصیل کے لیے اصل رسالہ ملاحظہ ہو (از ص ۷۹ تا ص ۸۲)

سوال۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ..... ہماری جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ بانی جماعت ہی مسیح موعود تھے، اور علماء اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسیح موعود نبی بھی ہونگے۔ انکی نبوت کے سلب ہو جانے کا عقیدہ، علماء اسلام کی نظر میں کفر ہے، پس رسول اللہ کے، خاتم النبین کا عقیدہ رکھنا گویا اضداد کو جمع کرنا ہے۔

دونوں عقیدوں میں باہمی تطبیق کی شکل ہم نے یہ نکالی ہے کہ ہم خاتم کو "مُہر" کے معنی میں لیتے ہیں۔ ڈچ فاضل ہرگونجی نے عرصہ ہوا لکھا تھا کہ "خاتم" کی دو تفسیریں ہیں۔ چنانچہ ہماری جماعت (احمدیہ) "خاتم" کو "آخری" کے معنی میں نہیں لیتی، بلکہ حضرت عائشہؓ، ابن عربی، اور شعرانی (تکملۂ مجمع البحار ص ۸۵، فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۳، اور الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۲۲) کے مطابق یہ مانتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد پیغمبر تو آسکتا ہے، البتہ نئی شریعت نہ ہوگی۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ

(۱) "خاتم" کی دو تفسیریں ہیں یا نہ؟

(۲) عربی زبان میں (اسلامی یا قبل اسلام کے دور میں) کوئی نظیر ایسی ملتی ہے، کہ لفظ "خاتم" یا "آخر" کسی اسم صیغۂ جمع کے ساتھ بطور مضاف آیا ہو، اور معنی بجز "افضل" یا "اکمل" کے کچھ اور رکھتا ہو؟

جواب۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں خاتَم (بالفتح) اور خاتِم (بالکسر) بمعنی "مہر" طویل بحث ہے۔ نولڈکی اور فرینکل کی رائے میں خاتم آرامی زبان سے آیا ہے۔ اور تاج العروس میں اس مادہ کے گیارہ اشکال دیے ہیں، جہاں ۹ احد کے معنی مُہر کے ہیں۔ مضمون مذکور میں یہ بھی درج ہے کہ قبل اسلام، عرب میں مُہروں کا رواج نہ تھا، تاہم عہد محمدی میں کہ میں غالباً مُہروں کا رواج پھیل چکا تھا۔

لسان العرب میں، ختام القوم، خاتِمہم، خاتَمہم سب کے معنی آخرہم کے دیے ہیں۔ "افضل" و "اکمل" کے معنی نہ لسان العرب میں ملتے ہیں نہ تاج العروس میں۔ زمخشری کی اساس البلاغۃ، اور لال کے نسخہ مفضلیات سے بھی انھیں دونوں لغات کی تائید ہوتی ہے۔ فرزدق نے جہاں دونوں معانی کو جمع کرنا چاہا ہے، وہاں محمدؐ کے لیے خیر الخواتیم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غرض یہ کہ عربی زبان ولغت نے، خاتم کے معنی "افضل واکمل" کی سند کہیں سے بھی نہیں ملتی۔ قرآن میں جہاں یہ لفظ محمدؐ کے لیے آیا ہے، حسب تصریح تفسیر ابن جریر طبری، حسن و عاصم کی قرأت میں خاتَم النبیین (بالفتح) ہے۔ مُہر کے معنی میں۔ اور اکثر قراء کی قرأت میں خاتِم النبیین ہے (بالکسر) آخر کے معنی میں۔ شرح شاطبیہ اور غایۃ النفع فی القرأۃ السبع میں بھی دونوں قرأتیں مذکور ہیں۔ تفسیر طبری اور تفسیر زمخشری میں عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے ایک تیسری قرأت نبیاً ختم النبیین بھی درج ہے، یعنی وہ نبی جس نے انبیاء پر مُہر لگا دی، مفسرین نے علی العموم "خاتم" سے مراد "آخر" لی ہے، اور میری نظر سے کسی تفسیر میں خاتم کے معنی اکمل کے نہیں گزرے۔

حدیث میں خود محمدؐ کی زبان سے لانبی بعدی آتا ہے، اور حدیث کی قدیم ترین کتاب موطائے مالک میں محمدؐ کے پانچ اسماء خصوصی میں ایک نام عاقب آتا ہے، جو "آخر" ہی کا ہم معنی ہے۔ قرآن و حدیث کی ان تصریحات کے بعد، قدرۃً، محمدؐ کا آخری نبی ہونا، عقائد اسلامی میں داخل ہے (شرح عقائد نسفی، وغیرہا)

البتہ حدیث میں یہ بھی صراحت کے ساتھ آتا ہے کہ عیسیٰ پیغمبر کا نزول قرب قیامت میں ہوگا۔ اس بنا پر مفسرین قرآن و شارحین حدیث کو عقیدۂ نزول مسیح کے ساتھ ختم نبوت کے جمع کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے۔

اس تطبیق سے متعلق تفصیلی بحث ابن قتیبہ دینوری کی کتاب تاویل مختلف الاحادیث میں ملیگی - حدیث لا نبی بعدی کے ساتھ نزول مسیح اور قتل خنزیر کی بھی حدیث بھی درج ہے، نیز عائشہؓ کا یہ قول کہ پیغمبر کو خاتم الانبیاء کہو، اور یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں - ابن قتیبہ کے نزدیک حدیث کا مطلب اس قدر تھا کہ میرے بعد میری شریعت کا ناسخ کوئی نبی نہیں آنے کا، اور قول عائشہؓ کا مطلب یہ کہ نزول مسیح کا انکار نہ کرو - یہ حل وہی ہے، جسے مفسرین قرآن اور شارحین عقائد نے پیش کیا ہے، اور ساتھ ہی صوفیاء و عرفاء بھی اس سے متفق ہیں - اور وہ یہ کہ [illegible] نبی پیدا نہ ہونگے، بلکہ اتباع شریعت محمدی [illegible] ہیں گے۔

[illegible] مختصر ہو گئے تو دینی [illegible] جانے اور [illegible] سے استفادہ کرنے کی [illegible] ضرورت تھی - نیز اپنی معلومات کو تو بس قادیانیت ہی تک [illegible] جواب بہرحال نہ دیا گیا - دوسرے نبیوں سے بھی [illegible] بنیاد کے قائلین [illegible] سے [illegible] چلے آئے ہیں، یعنی [illegible] یعنی آ [illegible] ہوگا - اور پھر [illegible] تو پھر یہی [illegible] اور [illegible] ہوتی - تو یہ کہ [illegible] جس [illegible] و [illegible] جو گا - [illegible] کے لیے بطور [illegible] کام [illegible] کے لیے [illegible] ہو سکتی ہے؟

اعتراف قصور

صدق کے ڈبل نمبر (۱۵ مئی) کو پڑھ کر [illegible] ایک مخلص کرم فرما لکھتے ہیں:

"آخری صفحہ پر ایک عدالتی نوٹس دیکھ کر میرے دل کو انتہائی صدمہ پہونچا، کل سے جب سے یہ پرچہ میرے پاس آیا ہے، مجھے خلجان ہے، کہ کہیں بجائے ایک خالص اسلامی، اخلاقی اور تمام خرافات سے پاک پرچہ قائم رہنے کے [illegible] رفتہ رفتہ یہ ایک تجارتی اخبار نہ بن جائے، جس میں ابھی تو ایک نوٹس شایع ہوئی ہے، کچھ دنوں کے بعد نصف حصہ تو نوٹسوں اور نمائشوں کے لیے وقف ہونے لگے گا، پھر... لیکٹ (امین آباد)... شین (نظیرآباد).... گولیاں (محمود نگر) وغیرہ وغیرہ کی اشاعت شروع ہو جائیگی - اور ہم چند ابنائے قوم اس کمبخت دور الحاد کی تاریکی میں ان شریفانہ اخلاقی تعلیمات کی روشنی سے محروم رہ جائینگے، اور پرچہ کی تو بہت کا احساس ختم ہو جائےگا... جس پرچہ میں قرآن چھپتا ہو، اس میں نوٹس دیکھ کر یقیناً آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی، اور ہر... کے ہر خریدار کو ہوئی ہوگی"

یہ ایک نمونہ ہے، ان تحریری اور زبانی شکایتوں کا جو اس نمبر سے صدق کے متعلقین کو پہونچ رہی ہیں - شکایت بالکل واجبی ہے، اور جواب بجز اعتراف قصور اور ندامت کے اور کچھ ممکن نہیں - پرچہ میں اول سے آخر تک جو کچھ بھی چھپتا ہے، اس کی ذمہ داری، قانونی و اخلاقی حیثیتوں سے، ایڈیٹر ہی کی ہوتی ہے، اس لیے بعض کرمفرماؤں کا اس سے سر سے الزام دور کرنا دینا، تنہا تحریر یا حسن ظن، نیک نفسی ہی کا نتیجہ ہے - آئندہ کے جس خطرے کا نقشہ مراسلہ نگار کے قلم نے کھینچا ہے، دعا اسکی فرمائیں، کہ اس دن کے طلوع سے بہت قبل، صدق بند ہو کر رہے!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

علی شفا رضی صاحب، ضلع پٹنہ سے تحریر فرماتے ہیں:-

"صدق ۱۵ مئی میں جو مضمون علامہ حمید الدین فراہی کی ایک ناتمام قلمی یادداشت کے عنوان سے شایع ہوا ہے، اس میں یہ جو خیال ظاہر کیا گیا ہے، کہ سورتوں کے نام سے قرآن مجید میں دقت پیدا ہو گئی ہے، یہ بات سمجھ میں نہ آئی، بلکہ ہم اور ہمارے چند اور احباب سخت غلط فہمی میں پڑ گئے کہ کیا واقعی علامہ مرحوم کا بھی خیال اور عقیدہ یہ تھا کہ قرآنی سورتوں کے نام کریما، نامقیمان کی طرح فرضی، دو بے معنی ہیں؟ اور اگر واقعی ان کا یہی خیال ہے تو کیا وہ صحیح بھی ہے؟ اور اس طرح سورتوں کے ناموں میں ترمیم و اصلاح جائز ہے یا ناجائز؟"

صاحب مراسلہ کا شکریہ، کہ انھوں نے ایک نہایت ضروری فروگزاشت کی طرف توجہ دلادی - مولانا مرحوم کا یہ مضمون جب صدق میں نقل ہونے کیلئے دیا گیا، تو چاہیے یہ تھا، کہ اسی وقت اس پر بعض ضروری حواشی لکھ دیے جاتے، جن کے بغیر شدید غلط فہمیوں اور الجھنوں کا اندیشہ تھا - لیکن اس وقت دوسری مصروفیتوں میں یہ بات ذہن سے بالکل اتر گئی - قصور اس میں صرف مدیر صدق کا ہے، کسی دوسرے کا نہیں - - - - مولانا کا یہ مضمون درحقیقت بغرض اشاعت کے لیے تھا بھی نہیں - وہ تو محض انکے اپنے ذاتی کام کے لیے ایک یادداشت تھی، جس میں متعدد بہت سی عبارتیں ناتمام تھیں - اپنی "یادداشت" میں انسان جو کچھ مختصر اور اشارۃً لکھ لیتا ہے، اکثر تو وہ دوسروں کیلیے سرتاپا ناقابل فہم ہی رہتا ہے -

کریما، نامقیمان، گلستان، وغیرہ بھی سرے سے بے معنی نہیں - کتابوں کے یہ نام بھی کسی نہ کسی مناسبت ہی کی بنا پر پڑے ہیں، البتہ کتاب کے مضمون کے ظاہر کرنے کی وسعت ان میں نہیں - مولانا کا کہنا یہ ہے کہ سورتوں کے نام جو رسول اللہ صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں، وہ دوسری مناسبتوں کی بنا پر ہیں، کبھی اس سورۃ کی صفات کا اعتبار رہے، مثلاً فاتحہ کا نام فاتحہ یا شفا - اور زیادہ تر، سورۃ کے اندر کے کسی نادر، غریب و نادر لفظ پر ہیں، جو عرب کے مذاق تسمیہ کے عین مطابق ہے - لیکن عموماً سورۃ کے مضامین کے کھولنے کے لحاظ سے نہیں ہیں - اس لیے جو شخص، مولانا کی طرح، سورتوں کے باہمی نظم کا مدعی، اور اس نظم و نظام کی تفصیل کا جویا ہے، اُسے سورتوں کے ناموں سے کوئی مدد نہیں مل سکتی، اُسے اپنی تفسیر کے لیے اسماء سور سے قطع نظر کر لینی ہوگی ——— مولانا کی ایک رائے ہے، اور ہر رائے کی طرح اس میں بھی خطا و صواب دونوں کے امکانات ہیں، اور بعض متقدمین بھی اسی قسم کی رائے ظاہر کر چکے ہیں - لیکن بہرحال اس سے کلام مجید پر کسی قسم کا اعتراض تو معاذ اللہ مولانا کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا - مولانا نے تو ساری عمر قرآن کی خدمت و نصرت ہی میں گزار دی، کوئی دوسرا اعتراض کرتا، تو مولانا اپنی جان اور سارا کی جان ایک کر دیتے - عبارت مختصر، ناتمام رہ جانے کے سبب سے الجھن کا باعث ہو سکتی ہے، لیکن نیت اعتراض کا تو مولانا کی جانب احتمال بھی نہیں ہو سکتا -

محمد علیؒ

جواہر لال کے نقطۂ نظر سے

یا

"جوہر" میزانِ جواہر میں!

(از عبد الماجد)

محمد علیؒ کو صدارتِ کانگرس (کوکانڈا - دسمبر ۱۹۲۳ء) کے بعد کانگرسی لیڈروں کے جو تلخ اور دردناک تجربات پیش آئے، شاید کسی اور کو پیش آئیں۔ لیکن اسکے باوجود گنتی کے جن دو چار لیڈروں سے وہ آخر تک خوش رہے، یا یوں کہیے کہ زیادہ ناخوش نہیں ہوے، اُن میں سے ایک جواہر لال نہرو بھی تھے۔ محمد علیؒ جب صدر ہوے تھے، تو انھیں کانگرس کا جنرل سکرٹری مقرر کیا تھا آج یہ خود صدر کانگرس ہیں، اور محض کانگرس ہی کے صدر نہیں، کہنا چاہیے، ایک گاندھی کو مستثنیٰ کرکے ملک کے سب سے بڑے لیڈر اور قائد ہیں، سننا کبھی کچھ واجبی سا ہے! —— بہرحال آج انکا نام لیا جا رہا ہے، اور اُن کے زبان اور قلم کا ایک ایک لفظ، یورپ میں بھی اور ہندوستان میں بھی جواہرات کا مول رکھتا ہے!

تازہ آپ بیتی، یا خود نوشت سوانح عمری کو انگریزی میں نکلے ہوے ابھی دن ہی کتنے ہوے، برسوں نہیں، مہینوں نہیں، کہنا چاہیے کہ ہفتوں کی بات ہے۔ اسی اپریل ہی میں تو پہلا ایڈیشن لندن میں نکلا، بس چھپنے کی دیر تھی کہ ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اسی مہینے کے اندر دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی، اور آتا جاتا وہ بھی ختم! —— اُردو کے مصنفین اس داستانِ "طلسم ہوش ربا" پر کیسے یقین کریں؟ —— مئی کا مہینہ آتا تھا، کہ نوبت تیسرے ایڈیشن کی آگئی! قیمت گھٹنے کے بجاے اور بڑھ گئی۔ اور بڑھی بھی تو کیسی، اضافہ پانچ فی صدی، یا دس فیصدی کا نہیں، پچاس فی صدی سے زائد کا! —— پہلے ہندوستان میں ساتھ روپیہ کو آتی تھی، اب گیارہ روپیہ کو آنے لگی —— انگریز پبلشر کیا کوئی ایسا نادان تھا کہ گھر میں سونا برسے۔ لیا، اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے اور بٹورنے کی کوشش نہ کرتا؟ —— ادھر دادِ فطرت کی اس ستم ظریفی کی دیکھیے، کہ جواہر لال اُٹھے تھے سوشلزم کی تبلیغ کو، سرمایہ داری کو مٹانے کو، اور بنے جا رہے ہیں خود بھی سرمایہ دار!

آپ بیتی کسی کی بھی ہو، بہرحال جی لگنے والی ہوتی ہے، اور پھر یہ ایک مشاق صاحبِ قلم کے قلم سے ہے! دلکش کیوں نہ ہوتی۔ ضخامت چھ سو صفحہ سے اوپر، اور وہ بھی اچھی بڑی تقطیع اور خاصی گنجان طباعت کے ساتھ۔ اس پر بھی آخر میں جی اُکتا نہیں جاتا، کہ اتنی طوالت کیوں کرتے چلے گئے، بلکہ کچھ جھنجلاہی کرتا رہتا ہے، کہ ابھی کچھ اور لکھنا تھا، ختم کیوں کر دیا۔ مصنف کا نقطۂ نگاہ، ظاہر ہے کہ کانگرسی اور "اشتراکی" ہے، اور اس نقطۂ نگاہ کو ظاہر ہے کہ آخر عمر کے محمد علی سے ہمدردی ہو ہی کیا سکتی تھی۔ اور اس بنا پر، محمد علی کے حالات وکمالات کی تلاش کے لیے کتاب کے اوراق کی اُلٹ پلٹ سود مند ہونے کی توقع کب ہو سکتی تھی؟

پھر، جواہر لال کی اس کتاب کے اقتباسات، دوسرے لیڈروں کے ساتھ محمد علی سے متعلق، ہندوؤں کے انگریزی اخبارات، اور پھر ان سے نقل ہوکر مسلمانوں کے اخبارات میں، شائع بھی ہو چکے تھے —— توقع اگر پہلے کچھ تھوڑی بہت تھی بھی، تو ان اقتباسات نے اسے زندہ کب رہنے دیا تھا؟

لیکن جواہر لال بہرحال جواہر لال ہیں۔ اور انکی سرگزشتِ حیات، انکی شخصیت کی آئینہ بردار —— ہندو نامہ نگاروں کی پستیوں سے بالاتر، ممکن نہ تھا، کہ محمد علی اپنی زندگی میں، جواہر لال کی نگاہ میں کچھ اور ہوتے، اور وفات کے بعد جواہر لال کی کتاب میں کچھ اور ہو جاتے! جواہر لال "دین" سے سب بری سہی، "دیانت" سے تو ناآشنا نہیں، کسی کے وہ دشمن سہی، لیکن شریف دشمن۔ محمد علی، اس بزم کا غذی میں، ایک دو بار نہیں بار بار آتے ہیں جاتے ہیں، اور روا روی میں نہیں، بلکہ، جواہر لال سے سابقہ اسی طرح رکھتے ہیں، جس طرح واقعات کے عالم میں گوشت پوست کی دنیا میں رکھتے تھے، کبھی ہنستے ہیں، کبھی ڈانٹتے ہیں، کبھی خفا ہوکر مل ملاکر چلے جاتے ہیں۔ ہم آپ اپنی اپنی آنکھوں سے محمد علی کو بارہا دیکھ چکے ہیں اب ذرا دیکھیے، جواہر لال کی عینک سے وہ کیسے نظر آتے ہیں!

محمد علی، مسلمانوں کے لیڈر تو اُس وقت تک ہو ہی چکے تھے "آل انڈیا" لیڈر کہنا چاہیے کہ تحریکِ خلافت کے وقت سے ہوے۔ لیکن خود تحریکِ خلافت ہی کیا تھی؟ ایک دوسرا نام علی برادران کا، عام فہم، عام پسند لفظوں میں محمد علی شوکت علی کا! سنہ ۱۹ء ختم ہو رہا تھا، دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ کہ علی برادران اپنی قید فرنگ سے چھوٹے، اور چھوٹتے ہی دعا واکرکے کانگرس میں پہونچے۔ آنا، اُن کا یہ تھا، ملک کی تاریخ میں انقلاب کا، سیاسیات کی سرزمین پر ایک بھونچال کا آنا تھا۔ سات کروڑ مسلمانوں کی قوم کا مسلمہ مسلک اُس وقت تک "وفاداری" کا تھا مشیت الٰہی میں وقت آیا، کہ سیلاب کا بند اب ٹوٹے، اور پانی کا ریلا پورے زوروں کے ساتھ آکر رہے۔ محمد علی کا پہلا تعارف جواہر لال سے اسی موقع پر ہوتا ہے:—

"امرتسر کانگرس پہلی گاندھی کانگرس تھی . . . . علی برادران نظربندی سے ابھی ابھی رہا ہوے تھے سو کانگرس میں آ شریک ہوے۔ قومی تحریک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی، ایک نئی روح دوڑ گئی۔ محمد علیؒ چند ہی روز بعد، یورپ، وفد خلافت لیکر روانہ ہو گئے"۔ (ص ۴۴ و ۴۵)

سنہ ۲۰ء کے شروع میں —— شاید مارچ کا مہینہ تھا —— الٰہ آباد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ، مسلم لیگ کے زیر اہتمام سید رضا علی صاحب کی کوٹھی پر ہوا —— یہ وہی سید رضا علی مرادآبادی ہیں، جو آج، آنریبل، اور سی، آئی، ای، اور "سر" اور معلوم نہیں اور کیا کیا ہونے کے بعد افریقہ میں گورنر جنرل ہند کے ایجنٹ ہیں، اُس وقت الٰہ آباد میں وکیل، اور زبردست "مسلم لیگی" تھے —— اتنا معرکۃ الآرا جلسہ،

اور محمد علی ہندوستان میں نہ موجود ہوں! شوکت علی غریب سے جو کچھ بن پڑا کیا۔ لیکن محمد علی کی بات کوئی کہاں سے لاتا۔ جواہرلال اس "خلا" کا صرف ذکر کرکے گزر جاتے ہیں۔ (ص۲۶)

سنہ ۲۱ء کا زمانہ بھی، حکومت ہند کے لیے عجب پریشانی کا زمانہ تھا۔ اور پریشانی کیوں، سراسیمگی کہیے۔ وائسرائے بہادر سے لیکر ہر ہر ضلع کے بڑے صاحب، اور چھوٹے صاحب کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے۔ بچوں کی سیٹی پر دشمن کے بگل کا گمان۔ بوڑھوں کی کھنکار پر "کانگریس کی جے" کا دھوکا! اتفاق کی بات کہ ۱۰ مئی کو موتی لال جی کی صاحبزادی کی شادی کی تاریخ قرار پائی۔ کسی نے اڑا دی، کہ ۱۸۵۷ء کا مشہور و معروف ہنگامہ (غدر) بھی اسی تاریخ کو تو میرٹھ سے شروع ہوا تھا! بس پھر کیا تھا۔ صاحب بہادروں کی جیبوں میں پستول، بڑے بڑے پہرے، خیر خواہ، پہرے، خانساماں، سب مشتبہ، قلعہ میں تیاریاں، کہ شاید شہر کی گوری آبادی کو پناہ یہیں لینی پڑے۔ پولیس، فوج، سب لیس!

یہ طول طویل داستان تو چھوڑیے، مضمون سے اس کا تعلق بس اس قدر کہ جشن شادی کی اس "وحشتناک" تاریخ میں، مرغو گاندھی جی کے ساتھ محمد علی شوکت علی بھی تھے! (ص۷۱)

دہشت، صرف گورنمنٹ ہی پر طاری نہ تھی۔ اس میں مبتلا تو جواہرلال جی بھی تھے۔ دماغ پر یہ سمایا ہوا تھا کہ قانون سرکار کی خلاف ورزی اور تحریک کی بے جگری سمجھو تی چلی جا رہی ہے۔ ادھر دھڑکا یہ لگا ہوا ہے کہ تحریک خلافت کی روز افزوں ترقی کے ساتھ جذبۂ "مذہبیت" کو ترقی کیسی ہوتی جا رہی ہے! بیرسٹر تصدق شروانی کے چہرے پر داڑھی، بیرسٹر خواجہ عبید کے چہرے پر داڑھی! اور سب سے بڑھ کر خوفناک وجود خود علی برادران کا!

"علی برادران خود ہی مذہبی خیال کے تھے، وہ اور اس آگ کو ہوا دیتے رہے۔" (ص۷۲)

سال کی آخری سہ ماہی تھی کہ کراچی کا مشہور مقدمہ چلا، اور علی برادران کو دو دو سال کی سزائیں ملیں۔ ہند جدید کا یہ روزنامچہ اس اندراج سے خالی رہ نہیں سکتا تھا:۔

"علی برادران کو طویل سزائیں اس جرم میں ملیں، کہ انھوں نے فوج میں بغاوت پھیلانی چاہی۔ جن الفاظ کی بنا پر اُن پر مقدمہ چلا، ہندوستان کے سیکڑوں جلسوں میں ہزارہا اشخاص نے اُنھیں کو دوہرایا۔" (ص۷۸)

آج کے ہز مجسٹی ایڈورڈ ہشتم سنہ ۲۱ء و سنہ ۲۲ء میں شہزادہ ویلز تھے، اور ہندوستان کے دورہ کو تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا، کہ گورنمنٹ کی بے بسی حد کمال کو پہونچ چکی تھی۔ فکر اس کی ہوئی کہ بائیکاٹ سے کچھ تو صلح کی طرح ڈالی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ شہزادہ کے ورود کلکتہ کے وقت ساری نیکنامی، بدنامی میں تبدیل ہوکر رہے۔ خیال آیا، اور سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ مشہور لیڈر، سی آر داس جیل میں تھے۔ نظر انھیں پر پڑ گئی۔ کہ گاندھی جی کو ہموار اگر کوئی کرسکتا ہے، تو وہی ہیں۔ رائے یہ قرار پائی، کہ ایک مختصر سی کانفرنس حکومت اور کانگریس کے درمیان ہو،

اب سوال یہ پیش ہوا کہ اس میں شریک کون کون ہو؟ گاندھی نے کہا کہ اسیر کراچی، محمد علی کی شرکت تو بہرحال ضروری ہے۔ جواب ملا، کہ یہ تو بہرحال ناممکن ہے، اور پیچیے، اسی پر معاملہ ختم!

"تجویز غالباً اسلیے گرگئی، کہ گاندھی جی کا اصرار تھا، کہ مولانا محمد علی، جو اُس وقت کراچی جیل میں تھے، ضرور اس کانفرنس میں شریک ہوں گورنمنٹ نے اسے نہ مانا" (ص۸۶)

خود جوہر کا ایک شعر ہے ؎

ہیں یوں تو فدا ابر سیہ پر سبھی میکش
پر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لیے ہے!

گورنمنٹ کی اس ضد کے عالم آشکارا ہوجانے کے بعد، کہ صلح کی گفتگو داس سے ہوسکتی ہے، گاندھی سے ہوسکتی ہے لیکن نہیں ہوسکتی تو ایک محمد علی سے، جوہر کی نظم اور جواہر کی نثر میں کس غضب کا توارد ہوکر رہتا ہے!

سنہ ۲۱ء میں ہندوستان کے جیل خانوں کی بارکیں جو سیاسی لیڈروں سے دھڑا دھڑ بھرنی شروع ہوئیں، تو اکثر لیڈروں کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔ لیکن محمد علی اس باب میں آزمودہ کار تھے، جنگ عظیم کے زمانہ میں، سنہ ۱۴ء میں، مولانا ابو الکلام کی طرح، طویل نظربندی اور جیل سے مشرف ہوچکے تھے (ص۹۰) ! دانکی ہر موقع پر آتی ہے، خاص طور پر وہ اُس وقت یاد آئے جب خود کانگریس والوں کے سامنے کونسل کے قطعی مقاطعہ کا فرمان نافذ کیا، تو ایک نہیں، کئی آوازیں اس کی مخالف تھیں۔ ان لوگوں کے ساتھ آئرلینڈ کی "سن فین" تحریک کی مثال تھی۔ یعنی کونسلوں پر قبضہ تو کرلیا جائے، لیکن اُس میں جاکر کام نہ کیا جائے۔ جواہرلال کی بھی یہی رائے تھی،

"محمد علی اُس وقت بہ سلسلۂ وفد خلافت، یورپ میں تھے، جب واپس آئے، تو کامل مقاطعہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کیا، وہ اُسی "سن فین" طریقہ کو پسند کرنے والے تھے" (ص۹۹)

تذکرۂ جوہر، اس طرح ضمناً و تبعاً تو اس جواہرنامہ میں بہت جگہ آگیا، مفصل اور مستقل تذکرہ اُس موقع پر ہے، جب محمد علی کانگریس کے صدر ہیں، اور جواہرلال کانگریس کے سکرٹری۔ اتفاق، و اختلاف، قرب و بُعد کے منظر، تفصیل سے یہیں دیکھنے میں آتے ہیں۔

"سنہ ۲۳ء کا دسمبر تھا، کہ کانگریس کا سالانہ اجلاس کوکناڈا (علاقہ مدراس) میں منعقد ہوا۔ صدر مولانا محمد علی تھے، انھوں نے حسب معمول خطبۂ صدارت بڑا ہی لمبا چوڑا پڑھا۔ لیکن اس طوالت کے باوجود تھا وہ دلچسپ ہی۔ مسلمانوں کا سیاسی اور فرقہ وارانہ ارتقاء دکھا کر بتایا یہ تھا، کہ وائسرائے کے پاس سنہ ۰۶ء میں جو مسلمانوں کا وفد سر آغا خاں کی قیادت میں گیا تھا، اور جسکے مطالبہ پر انتخاب جداگانہ کا سرکاری اعلان ہوا، وہ وفد خود سرکار ہی کی طلب پر مرتب ہوا تھا، اور سوال جواب سرکار ہی سے تھے۔ میں انکار کرتا رہا، لیکن محمد علی نے مجھے مجبور کردیا کہ میں

اُن کے زمانۂ صدارت بھر کے لیے، کانگرس کا جنرل سکرٹری ہو جاؤں آیندہ کی روش جب تک صفائی سے پیش نظر نہ ہو، میں عہدہ قبول کرنے سے گریز کر رہا تھا، لیکن محمد علی کے اصرار پر غالب نہیں آسکتا تھا، اور یوں اپنی جگہ پر ہم دونوں کو محسوس ہو گیا تھا کہ میرے سوا کوئی اور سکرٹری، صدر صاحب کے ساتھ پوری طرح نباہ کر بھی نہیں سکتا۔ محمد علی کی محبت بھی غضب کی تھی اور غصہ بھی غضب کا۔ اور میری خوش قسمتی تھی کہ میرا شمار محمد علی کے محبوبوں میں تھا۔ محبت باہمی اور ہم خیالی کا رشتہ ہم دونوں کو جوڑے ہوئے تھا۔ ان کی مذہبیت بے پناہ تھی، اور میرے خیال میں حدود عقل و علم سے متجاوز، اور میں مذہب سے کورا۔ لیکن میری کشش کی چیز تھی اُن کی اخلاص مندی، انکی زبردست قوت عمل، اور ان کی طباعی و ذہانت۔ وہ بڑے ظریف تھے، لیکن انکے چبھتے ہوئے فقرے دلآزاری کی حد تک پہنچ جاتے تھے، اور کتنے دوست اُن کے اس سے روٹھ کر رہ گئے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی فقرہ انھیں سوجھ جائے اور زبان تک آئے بغیر دل ہی میں رہ جائے، پھر نتیجہ جو کچھ بھی ہوں ہوا کرے "(صہ ۱۱۴)

محمد علی کی جو صورت ہماری آپ کی جانی پہچانی ہوئی تھی، اُس سے یہ تصویر کچھ ایسی بہت مختلف تو نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مصور، جہاں کیمرا لیے کھڑا ہے، اُس کی دھوپ چھاؤں کا کچھ اثر تو تصویر کے رنگ پر بہرحال پڑے گا۔

"پورے سال بھر نباہ خوب ہوتا رہا، گو چھوٹے چھوٹے اختلافات بھی بہت پیش آتے رہے، میں نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں آتے ہی یہ قاعدہ چلایا، کہ سب ممبروں کا صرف سادہ نام ہی لکھا جائے، باقی تعظیمی القاب لفظ ہی کر دیے جائیں، ہندوستان میں یہ القاب ہیں بھی کیسے بے گنتی! مہاتما اور مولانا اور پنڈت اور شیخ، اور سید اور منشی، اور مولوی، اور ان پر تازہ اضافہ، شریمتیہ اور شری کا! اور انگریزی کے مسٹر اور اسکوائر تو موجود ہی تھے۔ اور پھر انکا استعمال اس قدر اسراف کے ساتھ اور اس قدر کثرت کے ساتھ تھا، کہ میں نے چاہا، کہ ایک قائم کر دوں۔ لیکن میری چلنے نہ پائی — محمد علی نے واسطے دلا دلا کر، تار پر بحیثیت صدر، مجھے حکم دیا، کہ ابھی پرانا دستور قائم رکھا جائے، اور خصوصاً گاندھی جی کو تو ضرور مہاتما، رہنے دیا جائے " (صہ ۱۱۷)

اس سے تو معلوم ہوا کہ محمد علی کو حفظ مراتب کس درجہ عزیز تھا۔ لیکن خیر، یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ اہمیت کی اصل شے اب ملاحظہ ہو:-

"جس موضوع پر ہمارے آپس میں اکثر بحث ہوا کرتی تھی، وہ خدا تھا۔ محمد علی کو عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا کہ خدا کا ذکر وہ کانگرس کے رزولیوشنوں تک میں لے آتے تھے! کہیں یہ کہ خدا کا شکر ادا کیا جائے، کہیں یہ کہ خدا سے دعا کی جائے! میں ہمیشہ مخالفت کرتا۔ اور اسوقت محمد علی میرے الحاد پر برس پڑتے! لیکن یہ بات بھی عجیب تھی، کہ اسکے بعد وہ مجھ سے یہ کہا کرتے، کہ زبان سے تم کچھ بھی کہو، یا ظاہری عمل سے جو کچھ بھی دکھاؤ، اپنے باطن میں تم مذہبی شخص ہو ضرور۔ میں نے خود بارہا غور کیا کہ ان کا یہ مقولہ کہاں تک صحیح تھا۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب اور مذہبی کے معنی ہی بہت کچھ مختلف ہیں"

محمد علی کے جوش مذہبی کے نظارے ہم آپ تو بہت سے دیکھ چکے ہیں، لیکن جواہر لال کی یہ شہادت، خود منکر اور بیگانۂ دین ہو کر، کسی دوسری شہادت سے کچھ کم وزن رکھتی ہے؟ — عجب نہیں کہ حشر میں کبھی ایک شہادت محمد علی کے حق میں، اور سیکڑوں ہزاروں تقریروں سے بڑھ کر قیمتی نکل آئے اور عقل، فرزانگی کی اسی ایک شہادت کے گزر جانے کے بعد پھر محمد علی کی دیوانگی و شوریدگی کے لیے کسی اور بینہ کی، کسی اور دلیل و برہان کی ضرورت ہی نہ باقی رہ جائے!

"میں محمد علی سے مذہبی بحث ومباحثہ کرنے کو ٹال ہی جاتا تھا اس لیے کہ میں خوب سمجھتا تھا کہ اس سے فریقین کو بس غصہ ہی آ کر رہیگا، اور ممکن ہے میری کسی بات سے دکھ پہونچ جائے مذہب کوئی سا بھی ہو، اُسکے پختہ پیرووں سے مذہب کے موضوع پر گفتگو کرنا ہے نازک، اور عموماً مسلمانوں سے مخاطبت میں تو یہ نزاکت اور بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ انھیں تو دائرہ سے باہر ہونے کی اجازت ہوتی نہیں، عقائد کے لحاظ سے انکا سیدھا راستہ تو ایک ہی ہے، جو تنگ بھی ہے۔ اور مومن کو داہنے بائیں کسی طرف ذرا بھی ہٹنے کی اجازت نہیں۔ ہندوؤں کی حالت اس سے ذرا مختلف ہے گو ہمیشہ یہاں بھی نہیں "——

جواہر لال جی نے ابھی ایک ہلکی سی چوٹ، محمد علی کی طوالت پسندی پر کی تھی، لیکن یہ مذہب اور لامذہبی اور ہندو ذہنیت پر ایک کھلا چٹکا تبصرہ کر ڈالا، جسے ہمارے موضوع سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ اب اسکے بعد سنیے:-

"تو اس لیے میرے اور محمد علی کے درمیان مذہبی گفتگو نہیں آنے پاتی تھی۔ لیکن بھلا وہ چپ رہنے والے کب تھے۔ کچھ ہی روز بعد (یہ شاید ۱۹۲۵ء ہوا یا شروع ۱۹۲۶ء) اُنکے لیے ضبط کرنا ناممکن ہو گیا۔ ایک دن وہ اُبل ہی تو پڑے۔ دہلی میں اُنکے مکان پر بیٹھا ہوا تھا، کہ انھوں نے گھیر گھار کر مذہب ہی کے موضوع پر مجھے لا آنا چاہا، میں نے ٹالنا چاہا، اور عرض کیا کہ ہمارے نقطۂ خیال اتنے مختلف ہیں، اور ایک دوسرے کو قائل کرنا مشکل ہی ہے۔ لیکن وہ بھلا کب ٹالے ٹلنے میں آنے والے تھے۔ بولے "صاف صاف کہہ ڈالو۔ تمہارے خیال میں میں مذہب کے معاملہ میں کچھ دیوانہ سا ہوں، تو آج اسی کو خوب اچھی طرح صاف کر لو"۔ اسکے بعد انھوں نے فرمایا کہ "میں نے مذہب کا مطالعہ کیا ہے اور

مطالعہ بھی عمیق و وسیع۔ اُدھر دیکھو وہ سامنے الماریاں جو
کتابوں سے بھری ہیں، وہ مذہب ہی سے متعلق ہیں خصوصاً
اسلام و مسیحیت سے متعلق، اور اُن میں جدید ترین کتابیں
بھی ہیں، مثلاً ویلز کی گاڈ، دی ان وزیبل کنگ"۔ پھر
دوران جنگ میں، طویل نظر بندی کی جو مہلت ملی، یہ وقت
میں نے قرآن مجید کے مطالعہ میں صرف کیا، اور تفسیریں
اور ترجمے دیکھے۔ اور اب میں یہ کہہ سکتا ہوں، کہ قرآن میں
جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں، اُن میں ۹۷ فی صدی تو ایسی
ہیں، جو بالکل عقل میں آجاتی ہیں اب رہیں ۳ فی صدی،
جو عقل بشری سے ماوراء امور سے متعلق ہیں سو ظاہر ہے کہ
بس ان ۹۷ فی صدی باتیں بالکل دلنشین ہوگئیں، اُس کی
بقیہ ۳ فی صدی پر ایمان لانے سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے؟
یہ استدلال تو کچھ ایسا قوی نہ تھا، لیکن گرم بحث و مباحثے
ہر حال میں کچھ چلا جاتا تھا۔ میرے لیے حیرت کی چیز وہ نہیں،
جو میں نے اب تک کہی، بلکہ وہ ہے جو اب کہنا چاہتا ہوں۔
یعنی، کچھ بعد محمد علی نے کہا کہ "قرآن جو کوئی بھی انصاف اور
بے تعصبی سے پڑھے گا، وہ اس پر ایمان لے آئیگا۔ اور میرے
علم میں ہے کہ گاندھی جی اسے خوب پڑھ چکے ہیں، اس لیے دل
ہی دل میں اسلام کی صداقت کے تو لامحالہ قائل ہوگئے ہونگے،
کبر نفس کی بنا پر اس کا اعلان نہ کریں تو اور بات ہے"
(صفحہ ۱۱۸-۱۱۹)

جواہر لال کا قلم جزئیات میں یقیناً کہیں کہیں بہک گیا ہے، لیکن کلی اور
اصولی حیثیت سے محمد علی کی ذہنیت کا جو نقشہ دکھایا ہے، وہ بالکل نقل
مطابق اصل ہے۔ دنیا میں، کون بجز محمد علی کے ایسا سرپھرا تھا، کہ دوسروں
سے اس طرح لپٹ لپٹ کر تبلیغ کیے جاتا! مخاطب ہیں کہ سننے سے جی چرا
رہے ہیں، پہلو بدل رہے ہیں، اور وہ ہیں کہ اپنی دھن میں مست، سناتے
چلے جاتے ہیں! ------ دنیا ایسوں کو خرد باختہ دیوانہ نہیں، تو اور
کیا کہیں عاقل و فرزانہ کہیگی؟

اسکے بعد تذکرہ کا رُخ خالص سیاسی ہے،

"سال صدارت کے بعد محمد علی رفتہ رفتہ کانگرس سے ہٹتے گئے،
یا انھیں کی میلان کے تتبع میں، کانگرس اُن سے ہٹتی گئی، رفتار
اختلافات بہت ہی تدریجی رہی، اور امتدادت میں، یعنی کئی سال
تو بیشک محمد علی کانگرس میں، اور آل انڈیا کانگرس کے جلسوں
میں نہ صرف برابر شریک ہوتے رہے، بلکہ سرگرم حصہ بھی لیتے
رہے۔ لیکن دوری اور بیگانگی بہرصورت بڑھتی ہی گئی۔ اس
صورت حال کی ذمہ داری فلاں فلاں فریق یا فلاں فلاں افراد پر ڈالنی
تو شاید صحیح نہ ہو اس لیے کہ واقعات ملک کی رفتار ہی نے اس
نتیجہ کو ناگزیر بنا رکھا تھا، تاہم یہ نتیجہ افسوسناک ضرور تھا، جس نے
ہم میں سے بہتوں کے دل کو دکھ پہونچایا۔ اس لیے کہ اختلافات
فرقہ وارانہ مسئلہ پر جو کچھ بھی ممکن ہو جاتے۔ لیکن سیاسی مسئلہ
میں تو کوئی اختلاف نہ تھا۔ محمد علی آزادی ہند کے پورے دعویدار تھے

اور جب یہ سیاسی سطح نظر مشترک تھا، تو پھر فرقہ وارانہ مسئلہ
میں بھی ہمیشہ ان سے سمجھوتہ کی گنجائش تھی۔ محمد علی کو
اُن رجعت پسندوں سے کوئی نسبت ہی نہ تھی جو فرقہ وارانہ مسائل
کے علمبردار بنے گھوم رہے ہیں" (صفحہ ۱۱۹-۱۲۰)

تقدیر نے ذرا یاوری کی ہوتی، تو حالات کیا سے کیا ہو گئے ہوتے! مشہور و
معروف نہرو رپورٹ ستمبر ۲۸ء میں نکلی۔ محمد علی، بیمار و نزار، ذیابیطس کے شکار،
کئی مہینہ قبل، یورپ علاج کے لیے جاچکے تھے۔

"ہندوستان کی بدقسمتی تھی کہ محمد علی، ۱۹۲۸ء کے موسم گرما میں
یورپ جاچکے تھے۔ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کی اُسوقت ایک
زبردست کوشش ہوئی، اور کامیابی ہوتے ہوتے رہ گئی۔
کاش محمد علی اُسوقت ہوتے۔ بہت ممکن تھا کہ نتائج
دوسرے نکلتے۔ لیکن جب تک وہ واپس آئیں، معاملات
بہت دور تک پہونچ چکے تھے، اور حالات ناگزیر نے انھیں
دوسرے فریق میں لا کھڑا کیا" (صفحہ ۱۲۰)

یہ ذکر آج ملک کی آزادی کامل کے سب سے بڑے علمبردار اسی محمد علی کا
ہو رہا ہے، جو سنہ ۳۰ء میں، خود اپنے بہت سے بھائی بندوں کی زبان پر،
"ٹوڈی" تھا، "غدار" تھا، "قوم فروش" تھا، طلب جاہ کا پتلا، اور نمائش
کا متوالا تھا!

"دو سال بعد، سنہ ۱۹۳۰ء میں جب جیل بھرنے لگے، اور
قانون شکنی کی زبردست تحریک پھر شروع ہوئی، محمد علی نے
کانگرس کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی، اور گول میز کانفرنس
میں شریک ہو گئے۔ مجھے ان کی شرکت سے دکھ ہوا۔ میرا
خیال ہے وہ خود بھی اس سے خوش نہ تھے، چنانچہ
لندن میں انھوں نے جو کچھ کیا، اس سے صاف ہی ظاہر
ہو رہا ہے۔ انھیں محسوس ہو رہا تھا، کہ انکے لیے اصل جگہ
ہندوستان کا میدان جنگ ہے، نہ کہ لندن کانفرنس کا
بے ثمر کمرہ! اور اگر مقدر میں ان کا ہندوستان واپس آنا ہوتا،
تو مجھے اپنی جگہ پر یقین ہے، کہ وہ دوبارہ شریک جنگ ہو کر
رہتے۔ جسمانی حیثیت سے انکی حالت یاس کو پہونچ چکی
تھی، اور سالہا سال سے مرض کا تسلط اُن پر جمتا چلا آرہا تھا
لندن جب پہونچے تو ضرورت محض آرام و سکون کی تھی،
برعکس اسکے محض دھن اس کی سوار رہی، کہ واقعی کوئی
کارنامہ اپنے شایان شان انجام دے ڈالیں۔ بس اسی نے
اور جلدی ختم کر ڈالا۔ نینی جیل میں ان کی خبر وفات
پاکر میں دھک سے رہ گیا" (صفحہ ۱۲۰)

آخری وقت کا منظر آپ دیکھ چکے، تو اب اس زندگی میں آخری ملاقات
کا نظارہ بھی کرتے چلیے۔ وہ بھی کچھ کم شررانگیز نہیں:-

"میری آخری ملاقات محمد علی سے دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور
کانگرس میں ہوئی تھی۔ میرے خطبۂ صدارت کے بعض حصے
انھیں ناپسند ہوئے تھے، اعلان پر وہ شدت سے تنقید
کرتے رہے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ کانگرس آگے بڑھی جا رہی

ہے اور سیاسی اقدامات میں پیش پیش ہو رہی ہے - اقدامات میں وہ خود سب سے پیش پیش رہنے والے تھے - اس لیے قدرۃً وہ یہ دیکھ کر بےچین ہو رہے تھے کہ انھیں پیچھے رہ جانا پڑے اور دوسرے آگے نکلتے چلے جائیں - مجھے انھوں نے خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ دیکھو جواہر لال تمھیں متنبہ کیے دیتا ہوں، کہ یہ جو آج تمھارے ساتھی بنے ہوئے ہیں، تمھارا ساتھ نہیں دینے کے - وقت پڑنے پر سب تم سے غداری کر جائیں گے تمھیں پھانسی پر چڑھاتے ہوئے تمھارے یہی کانگریسی ہوں گے ایک مورخ کی پیشگوئی !" (صفحہ ۱۲)

تین چار صفحے کا مفصل تذکرہ یہی تھا ——— لفظی ترجمہ کی ضرورت کسی ایک مقام پر بھی نہیں کی گئی ہے - کوشش صرف یہی رہی ہے کہ جواہر لال اگر اردو میں لکھتے ہوتے، تو اس مفہوم کو کیونکر ادا کرتے ——— اس مستقل تذکرہ اور اسکے ضمنی تذکروں کے علاوہ، دو جگہ ذکر اور ہے، ہندو مسلم تنازعات، اور فرقہ واریت، کشمکش کے ضمن میں لکھتے ہیں:

" ہندو مسلم کی باہمی لڑائی کے دوران میں بارہا کوششیں اس کی ہوئیں کہ گفت و شنید، بحث و مباحثہ کے ذریعہ سے کوئی صورت مفاہمت کی پیدا ہو - ان جلسوں کا نام "اتحاد کانفرنس" ہوا کرتا تھا - ان میں سب سے زیادہ معرکۃ الآرا کانفرنس وہ تھی، جو ۱۹۲۴ء میں مولانا محمد علی، صدر کانگریس کی دعوت پر دہلی میں طلب ہوئی تھی، اُس وقت جب گاندھی جی اپنا اکیس دن کا مشہور برت رکھے ہوئے تھے " (صفحہ ۱۳۹)

مسلمانوں میں احساس قومی و تحریک وطنی کے ارتقاء کے سلسلہ میں کہتے ہیں اور یہ زمانہ ۱۹۱۲ء کا ہے، کہ

" مسلمانوں کے طبقۂ اعلیٰ کا جو رجحان اب وطنیت کی جانب ناگزیر ہو چکا تھا، اُسے نہ گورنمنٹ روک سکتی تھی، نہ آغا خاں - جنگ عظیم نے اس تحریک کی رفتار تیز کر دی اور ادھر نئے لیڈر پیدا ہوتے گئے، اُدھر آغا خاں ہٹتے گئے - علیگڈھ کالج تک کو اپنا رنگ بدلنا پڑا - اور نئے لیڈروں میں سب سے زیادہ زبردست طاقت والے، علی برادران ہی تھے، جو دونوں کے دونوں علیگڈھ ہی کے تھے " (صفحہ ۲۶۶)

غرض اسی طرح محمد علیؒ کی قوت کا، شخصیت کا، جوش کا، اخلاص مندی کا، مذہب پرستی کا اعتراف، جواہر لال کے حقیقت نگار قلم سے موجود ہے، اتنی وضاحت و صراحت، اور اتنی تکرار و تواتر کے ساتھ کہ اس سے زیادہ کی توقع کسی طرح بھی نہیں قائم کی جا سکتی تھی - جواہر لال آخر اپنی ہی سرگزشت لکھ رہے تھے، کوئی "مناقب محمد علیؒ" لکھنے تو بیٹھے نہ تھے! ——— ہندو اخبارات نے کتاب کے جو اقتباسات شائع کیے تھے، ان میں، اور اصل کتاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے ——— عوام کی زبان پر چڑھا ہوا ایک مصرعہ ہے،

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

دنیائے اسلام کے 'گوہر' نہ سہی، 'جوہر' کی قدر، 'جوہری' نہ سہی 'جواہر' کے ہاں تو پوری طرح موجود ہے!

(بقیہ صفحہ ۱۲)

میری گزارش | امام رازیؒ نے مختلف معنی بیان کرنے کے بعد بغیر کسی تنقید کے کامیابی ہی کے معنی کو ترجیح دی ہے - لکھتے ہیں وعندی تفسیرہ بالفوز بالمطالب | میرے نزدیک لفظ مفازاً کے معنی کامیابی ہی کے اولیٰ ہیں [1]

(۲) النازعات

مولانا لکھتے ہیں: اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے، "گھسیٹنے والے ڈوب کر" یا "زور سے کھینچنے والے ڈوب کر" یا "غوطہ لگا کر کھینچنے والے" یعنی وہ گھوڑے جو تیزی سے دوڑتے ہیں ... والے غوطہ لگا کر، حالانکہ اصلی معنی یہ تھے کہ جس نے کھاڑ لیا - پھر اس لفظ سے اور بعد کے لفظوں سے تمام مترجموں نے فرشتے مراد لیے ہیں، حالانکہ مقصود ستارے ہیں"

میری گزارش | حضرت ملیح آبادی نے جو کچھ فرمایا ہے، فرمایا، مگر اس کا کیا جواب ہے کہ یہ غلطی ہمارے اکابر ائمہ بھی کرتے آئے ہیں - استنادِ امام تفسیر ابن کثیر میں ہے

قال ابن مسعود وابن عباس ومسروق وسعید بن جبیر النازعات غرقاً الملائکۃ حین تنزع ارواح بنی آدم | حضرت ابن مسعود، ابن عباس، مسروق، سعید بن جبیر سے النازعات غرقاً کے معنی فرشتے اور ان کی وہ مخصوص کیفیت ہے جب کہ وہ انسانوں کی روح نکالتے ہیں بیان کیا ہے -

علامہ ابن کثیر نے حسن و قتادہ کا قول بھی نقل کیا ہے جنھوں نے النازعات سے ستارے مراد لیے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے

والصحیح الاول وعلیہ الاکثرون | لیکن صحیح وہی پہلے والا ہے اور یہی اکثر اہلِ تفسیر کا مذہب ہے -

صدق - بحث کو بالکل سنجیدہ حدود کے اندر رہنا چاہیے، اگر محض علمی و فنی دلائل پیش کیے جائیں، اور شخصی تعریضات کی آمیزش سے پوری احتیاط رہے -

---

[1] تفسیر ابن مسعود میں ہے،

مفازاً ای فوزاً وظفراً بمطلبھم | کامیابی اور حصول مقصد

رعایتی قیمتیں

نمبر	کتاب	قیمت اصلی		رعایتی قیمت
۱	خیام - از مولانا سید سلیمان ندوی			
۲	بہادر شاہ ظفر - از شیخ امیر احمد صاحب علوی بی اے	عہ	"	عہ/
۳	دلچسپ افسانے - از کوثر چاندپوری (مجلد)	۱۲/	"	۸/
۴	طوفان تبسم - از شوکت تھانوی	۱۲/	"	۱۰/
۵	محشرستان - از محشر عابدی	۱۲/	"	۱۲/
۶	ایوان تمدن - از ڈاکٹر مرزا احمد بیگ جغتائی	عہ/	"	۸/
۷	سودیشی اردو - از قاضی عبدالصمد سہسوانی	۱۳/	"	۳/
۸	شمیم و بہرام (سراغرسانی کا جدید انداز)	۱۲/	"	۸/
۹	تاریخ السلف (سیرت حضرت خواجہ اجمیریؒ)		"	۱۲/
۱۰	مبادی علم انسانی		"	عہ/

محمد نقی خاں - دریاباد - بارہ بنکی

قرآن مجید کے اُردو ترجمے

(از مولوی عبدالرزاق خاں صاحب ملیح آبادی)

قرآن مجید، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام مجید ہے، اور اصلاح و ہدایت کا سرچشمہ۔ قرآن کے مخاطب تمام انسان ہیں، اور چونکہ قرآن کے مخاطب تمام انسان ہیں، اس لیے تمام انسانوں کا فرض ہے کہ قرآن کو سمجھیں، کیونکہ سمجھنے کے بعد ہی انسان ہدایت حاصل کرسکتا ہے، بے سمجھے ہوئے ہدایت پانا ممکن ہی نہیں۔

لیکن مسلمانوں کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوئی کہ وہ قرآن کی زبان، یعنی عربی زبان سے بے بہرہ ہوگئے۔ عجمی قومیں، اجنبی ہونے کی وجہ سے عربی زبان سے اور قرآن سے دور ہوگئیں۔ عرب قومیں اس وہم میں پڑکر قرآن کو چھوڑ بیٹھیں کہ قرآن کے سمجھنے والے مرگئے، اب نہ کوئی آدمی قرآن سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہی ہے، کیونکہ سمجھنے والے، تفسیریں لکھ گئے ہیں، جو ہمارے لیے ہر لحاظ سے کافی ہیں!

مقامِ مسرت ہے کہ غالباً تمام مسلم قوموں میں ہندوستان کے مسلمان سب سے پہلے لوگ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کے ترجمہ کا خیال کیا اور اس خیال کو عمل میں بھی لے آئے۔ عرب قومیں آج تک اس بحث میں پڑی ہوئی ہیں کہ قرآن کا ترجمہ کرنا جائز بھی ہے یا نہیں۔

ذاتی طور پر میرا بھی یہی خیال ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کرنا چاہیے۔ میرے خیال کی بنیاد یہ ہے کہ خدا نے قرآن کو عربی زبان میں صرف اس لیے نازل کیا ہے کہ دنیا بھر کے انسانوں کی زبان عربی ہوجائے اور وہ ایک قوم بنجائیں۔ میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ عربی زبان سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ لیکن میں فی الحال اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔

قرآن کے ترجمہ کا میں اس لیے بھی مخالف ہوں کہ اس کا کما حقہ ترجمہ ممکن ہی نہیں۔ آدمی عربی زبان کا کتنا ہی بڑا علامہ ہو، قرآن مجید کے مطالب میں کتنی ہی زیادہ سمجھ اُسے بخشی گئی ہو، اپنی مادری زبان کا کتنا ہی زبردست ادیب اور انشا پرداز ہو، مگر ناممکن ہے کہ قرآن کا ہر لحاظ سے مکمل ترجمہ کرسکے۔ قرآن اس سورج کے نیچے سب سے زیادہ حیرت انگیز اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔ خود کفارِ عرب، قرآن کو جادو کہا کرتے تھے۔ مگر دنیا کا کوئی جادو بھی قرآن کے پاسنگ کو نہیں پہونچ سکتا۔ یہ کتاب اعجوبہ ہے اور قیامت تک اعجوبہ ہی رہیگی۔ اسے جتنا زیادہ تلاوت کیجیے، اس کی مٹھاس بڑھتی ہی جائے گی، دل اس سے کبھی اُکتا نہیں سکتے۔ جب پڑھوگے، ایسا معلوم ہوگا کہ بالکل نئی اور بہترین چیز پڑھ رہے ہیں۔ نت نئے نکات نکلتے چلے آئیں گے، اور اسکے عجائبات کبھی ختم نہیں ہونگے۔ معلوم ہے ایسی کتاب کا ترجمہ انسانی قوت سے باہر ہے۔

لیکن میں اپنے اس یقین کے باوجود، ترجمہ کی ضرورت کا بھی قائل ہوں۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے، وہ کیونکر قرآن کے مطالب کا کچھ بھی اندازہ کرسکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ قرآن کی ہدایت اسکے ترجمہ سے نہیں، بلکہ اس کی اصلی زبان و اسلوب ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے، تاہم بالکل کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ اگر قرآن کی پوری ہدایت تک ترجمہ نہیں پہونچا سکتا، تو بھی قرآن سے کچھ نہ کچھ شغف مسلمانوں میں پیدا کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں اُن علمائے ہند کا بے حد احترام کرتا ہوں جنھوں نے قرآن مجید کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے، اور ہندوستانی مسلمانوں کو اس سرچشمۂ ہدایت سے قریب لانے کی کوشش فرمائی ہے۔

ان علمائے اعلام میں سب سے پہلا نام شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ شاہ صاحب مرحوم و مغفور پہلے آدمی ہیں جنھوں نے قرآن مجید کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا، اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بہت ہی محنت اور کمال ہمت سے کیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بعد کے لوگوں کے لیے شمعِ راہ بنا، اور تمام مترجمینِ قرآن نے اس سے کم و بیش فائدہ اٹھایا، بلکہ میں تو یہاں تک عرض کرسکتا ہوں کہ شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم و مغفور کو مستثنیٰ کرکے باقی تمام مترجموں نے بہت ہی کم ترمیم کے ساتھ شاہ صاحب مرحوم ہی کے ترجمہ کو نقل کرلیا ہے۔

اُردو زبان میں قرآن کو ترجمہ کرنے والوں میں مشہورترین پانچ بزرگ ہیں۔ یعنی مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ، مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ، مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب، مولانا اشرف علی صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب۔

قارئین کو معلوم ہوچکا ہے کہ خود میں نے بھی اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود یہ جرأت کی ہے کہ کلام اللہ کو اُردو میں ترجمہ کرکے ثوابِ اُخروی کی آرزو کروں۔ میں پہلے بھی کسی مضمون میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ کام ایک آدمی کی قوت سے زیادہ ہے۔ اسے چند علماء کی ایک بڑی جماعت ہی انجام دے سکتی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں چونکہ امید نہیں کہ علماء کی کوئی جماعت اس کام کو انجام دے سکے۔ اس لیے میں نے اللہ کی توفیق پر بھروسہ کرکے ارادہ کرلیا ہے کہ اس بعید بھاری بوجھ کو اپنے ناتوان کاندھوں پر اُٹھالوں۔

میں سردست صرف تیسویں پارہ کا ترجمہ مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اہلِ علم و اہلِ نظر کے خیال میں یہ ترجمہ، سابق ترجموں سے کسی لحاظ سے بھی بہتر اور مفید ثابت ہوا، تو آگے بڑھوں گا۔ ورنہ اپنی نالائقی کا ماتم کرکے اس جد و جہد سے دست بردار ہوجاؤں گا۔

میں نے تیسویں پارے کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔ صرف نظرِ ثانی باقی ہے۔ میری سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ مالی مشکلات کی وجہ سے ضروری کتابوں سے محروم ہوں۔ اسی لیے مجھے اس کام میں ناقابلِ بیان تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ مرحلہ کسی نہ کسی طرح طے ہی ہوگیا۔

ارادہ تھا کہ میں اپنے قارئین کے سامنے کم سے کم ایک سورۃ کے مذکورۂ بالا محترم مترجموں کے ترجمے پیش کرکے اپنا ٹوٹا پھوٹا ترجمہ بھی پیش کرتا، مگر نظرِ ثانی نہ ہونے کی وجہ سے اس ارادہ کو فی الحال ملتوی کردینا پڑا۔

لیکن آج کی نشست میں قارئین کی اجازت سے میں یہ عرض کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ تیسویں پارے کے مذکورۂ بالا پانچوں ترجمے نامکمل ہیں اور ان میں فنی و علمی فروگذاشتیں موجود ہیں، جو قرآن مجید جیسی کتابِ الٰہی

کے ترجمہ میں گوارا نہیں کی جا سکتیں۔

اندیشہ ہے کہ لوگ مجھے شوخ وگستاخ کہدیں لیکن اپنے پیش رو محترم علماء کی خدمات کا صدق دل سے معترف ہوں لیکن علمی معاملات میں خصوصاً قرآن مجید کے ترجمہ میں ایک ادنیٰ فرو گزاشت بھی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی بساط کے مطابق قرآن کی خدمت کرے۔ اور ہر مسلمان کو حق ہے کہ اگر کلام اللہ کی خدمت میں کسی کو ٹھوکر کھاتے دیکھے تو ذرا ٹوک دے۔

میں چاہتا ہوں کہ مثال کے طور پر قرآن کے چند لفظ یہاں پیش کر دوں۔ قارئین خود ہی اندازہ کر لیں گے کہ ان لفظوں کے ترجمہ میں سابق مترجموں سے کیسی سخت فرو گزاشتیں ہو گئی ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ بہت غور سے ان لفظوں پر غور فرمائیں:۔

۱- النباء - اس لفظ کا تمام مترجموں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "بڑی خبر" اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے کہ "بڑا حادثہ" حالانکہ یہ دونوں ترجمے نامکمل ہیں۔ عربی زبان میں "النباء" اُس خبر کو کہتے ہیں جس سے بڑا فائدہ حاصل ہو، جس سے یقین یا ظن غالب پیدا ہو جائے اور جو دروغ سے دور ہو۔ (خبر ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ ظن ... و ان تیعری یتعری عن الکذب)

۲- افواجاً - اس لفظ کا سب نے ترجمہ کیا ہے کہ "جھٹ کے جھٹ" یا "فوج فوج" یا "گروہ گروہ" حالانکہ عربی میں "فوج" اُس جماعت کو کہتے ہیں جو تیزی سے گذرنے والی ہو (الجماعۃ المارۃ المسرعۃ)

۳- مآباً - اس کا ترجمہ سب نے یہ کیا ہے کہ "ٹھکانا" یا "جگہ" حالانکہ عربی میں اس کے مصدر کا استعمال صرف اُس ذہنی رجوع کی واپسی کے لیے ہوتا ہے جو اپنے اندر ارادہ رکھتا ہے (لا یقال الا فی الحیوان الذی لہ ارادۃ)

۴- برداً - اس کا ترجمہ سب نے "ٹھنڈک" کیا ہے۔ حالانکہ یہاں مراد "نیند" ہے (لا یذوقون ..... ای نوماً)

۵- مفازاً - اس کا مصدر "فوز" ہے اور سب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "مراد" یا "کامیابی" حالانکہ عربی میں اس لفظ کا اطلاق اُس مراد یا کامیابی پر ہوتا ہے جس کے ساتھ آدمی کو کوئی خطرہ بھی لاحق نہ ہو (الظفر بالخیر مع حصول السلامۃ)

۶- النازعات - اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "گھسیٹنے والے ڈوب کر" یا "دور سے کھینچتے ہیں ڈوب کر" یا "کونے کونے گھس گھس کر نکالتے ہیں" یا "گھسیٹنے والے غوطہ لگا کر" حالانکہ اصلی معنی یہ ہیں کہ جڑ سے اکھاڑ لینا (نزع الشیٔ اجتذبہ من مقرہ) پھر اس لفظ سے اور بعد کے لفظوں سے تمام مترجموں نے فرشتے مراد لیے ہیں، حالانکہ مقصود ستارے ہیں۔

۷- تخشیٰ - اس کے معنی سب نے "ڈرنا" لکھے ہیں۔ حالانکہ عربی میں اس سے مقصود وہ ڈرنا ہے جس کے ساتھ تعظیم بھی ہو۔ اور اکثر اسکا اطلاق ایسے خوف پر ہوتا ہے جو علم و یقین کے ساتھ ہو۔ (خوف یشوبہ تعظیم واکثر ما یکون ذلک عن علم بما یخشیٰ منہ)

۸- دحاھا - اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "صاف بچھا دیا" یا "بچھایا" حالانکہ اس لفظ کے معنی ہیں کسی چیز کو اُس کی جگہ سے ہٹا دینا۔ (ازالھا عن مقرہا)

۹- عشیۃ - اس کا ترجمہ "شام" یا "آخر پہر" کیا گیا ہے۔ حالانکہ عربی میں اس سے مراد وہ وقت ہوتا ہے جو زوال آفتاب سے صبح تک ہوتا ہے (من زوال الشمس الی الصباح)

۱۰- انکدرت - اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "میلے ہو جائیں" یا "گدلے ہو جائیں" حالانکہ عربی میں اس سے مقصود وہ تغیر ہے جو کسی چیز کے بکھر جانے سے اس میں ہوتا ہے (الانکدار تغیر من انتشار الشیٔ)

یہ چند لفظ ہیں نمونے کے طور پر پیش کر دیے ہیں، اگر ان تمام لفظوں کا شمار کیا جائے جنکے ترجمہ میں تسامح ہوا ہے تو لمبی فہرست تیار ہو جائے لیکن ان لفظوں کو دیکھ کر بھی قارئین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک نئے ترجمہ کی ضرورت ہے جو زیادہ مکمل ہو۔ خدا سے دعا ہے کہ مجھے اس کام کی توفیق ہو۔ (مہند)

صدق - مضمون نگار نے تمہیدی حصہ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بہت صحیح ہے۔ لیکن دس لفظوں کے جو ناقص ترجمے بطور مثال پیش فرمائے ہیں، اُن سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ اکثر الفاظ کی تو انھوں نے صرف تشریح کی ہے، یہ نہیں بتایا کہ آخر ترجمہ میں ایک لفظ انکے بجائے کیونکر لایا جائے۔ اور کہیں (مثلاً لفظ برداً سے متعلق) دعویٰ بالکل بلا دلیل رہ گیا ہے۔

ملیح آبادی صاحب کا ترجمۂ قرآن

(از مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی)

امت مسلمہ پر حضرت مولانا عبد الرزاق خاں صاحب کی عنایات یوں ہی کیا کم تھیں کہ موصوف نے ترجمۂ قرآن کا کام شروع فرما کر احسانات میں کئی گونہ اضافہ فرما دیا۔

مصر کے اس فاضل اور علامہ رشید رضا مرحوم کے شاگرد رشید نے ابھی صرف پارۂ عم کا ترجمہ کیا ہے اور اس پارہ کے چند الفاظ کا ترجمہ "مہند" میں بڑے آب و تاب کے ساتھ شائع بھی کر دیا ہے کہ ناظرین مہند ترجمہ کے اُن تفوقات سے آشنا ہو سکیں جو سوائے حضرت ملیح آبادی کے ترجمہ کے اور کہیں بھی نظر نہ آسکیں گے۔ اور کیونکر نظر آسکتے ہیں جب مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ، مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ، مولانا محمود الحسن صاحبؒ، مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ، مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے متعلق مدیر مہند اپنے قلم سے یہ رقم فرما چکے ہیں،

"لیکن آج کی نشست میں قارئین کی اجازت سے میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ تیسویں پارہ کے مذکورۂ بالا پانچوں ترجمے نامکمل اور اُن میں فنی اور علمی فرو گذاشتیں موجود ہیں جو قرآن جیسی الٰہی کتاب میں گوارا نہیں کی جا سکتیں!"

ان سطروں کے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے فضل سے ملیح آباد کی سرزمین پر ایک ایسا مفسر پیدا کیا ہے کہ اُسکے قلم سے وہ قرآنی نکات حل ہونگے جو ساڑھے تیرہ سو برس سے تشنۂ تحقیق تھے! لیکن مولانا نے جن الفاظ کا ترجمہ بطور نمونہ کے درج فرمایا ہے اُس کا مطالعہ کرنے کے بعد حقیقت یوں واضح ہو کر رہتی ہے کہ اقرب و قاموس کی الجھنوں

میں پھنس کر مولانا سمجھے کہ ترجمہ کے معراج تک پہونچ گئے، اور اپنے زعم باطل میں اردو کے دوسرے ترجموں کو جو اکابر کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، ناکمل کہہ اٹھے۔ لیکن افسوس کہ یہ ادعائے علم اور مہارت تفسیر مولانا نے وہ ترجمہ اختیار فرمایا ہے جو اکابر مفسرین کے یا تو مجروح و مرجوح ہے یا [illegible] حقیقت یہ ہے کہ اسکا تذکرہ بھی انکے ان کی تفاسیر کے کسی گوشہ میں بھی موجود نہیں۔

مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحبؒ کے ترجمہ کو چھوڑ کر میں پورے وثوق و اذعان کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ مذکورہ بالا اکابر امت کے ترجمے (جن میں حضرت فتح آبادی کے نزدیک علمی فروگذاشتیں موجود ہیں) اُن مفسرین سلف کی تفسیروں سے عین مطابق ہیں جو بالاجماع فن تفسیر کے امام [illegible] امت اسلامیہ کی گردن [illegible] جھکی ہوئی ہے۔ پس حضرت مولانا فتح آبادی نے قرآن کے [illegible] مترجمین و مفسرین کی [illegible] انھیں کی [illegible] فرمائی [illegible] صاحب [illegible] مفسرین کی بھی تنقیص فرمائی کیونکہ اردو مترجمین نے مفسرین کے تراجم و تفاسیر کثرت سے بیشتر انھیں سے مستفاد ہیں۔ [illegible] مفسرین سلف کی تفسیریں ہمارے مولانا فتح آبادی کی طرح [illegible] تحقیقات [illegible] البتہ ان میں بڑا حصہ اقوال صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا [illegible] ہے۔ ناظرین حضرت فتح آبادی کی گستاخ نگاری پر پھر ایک تنقیدی نظر ڈالیں اور غور فرمائیں کہ [illegible] تحقیق کے ڈانڈے [illegible] مفسرین سلف سے بھی گزر کر کس جماعت تک پہونچ رہے ہیں۔

مولانا فتح آبادی نے [illegible] اپنا ترجمہ [illegible] ۸-جون ۱۹۳۶ء کے ہفتہ وار [illegible] شائع کیا ہے ان میں الفاظ ذیل کے متعلق بڑی رد و کد فرمانے کے بعد اردو مترجمین کے ترجمہ کو غلط ثابت فرمانے کی ناکام کوشش کی ہے [illegible] اپنے نت نئے اور انوکھے ترجمہ کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنے نت نئے اور انوکھے ترجمہ کی صحت کا اعلان فرمایا ہے ذیل میں ان الفاظ کے متعلق یہ دکھلانا ہے کہ ان کا ترجمہ جو اردو مترجمین نے فرمایا ہے وہی متقدمین اور مفسرین سلف نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ لہذا ان ترجموں کو غلط کہنا اپنے عدم بصیرت و عدم مہارت کا اعلان کرنا ہے۔

(۱) الانباء

مولانا لکھتے ہیں | اس لفظ کا ترجمہ تمام مترجموں نے کیا ہے "بڑی خبر" اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے "بڑا حادثہ" حالانکہ یہ دونوں ترجمے ناکمل ہیں۔ عربی زبان میں النباء اس خبر کو کہتے ہیں جس سے بہت بڑا فائدہ حاصل ہو جس سے یقین یا ظن غالب پیدا ہو جائے اور جو دروغ سے دور ہو۔

میری گزارش | آنجناب نے اردو مترجمین قرآن پر اعتراض فرمادیا لیکن ملاحظہ ہو مفسر اعظم علامہ ابن کثیرؒ بھی یہی معنی لکھتے ہیں النباء العظیم الخبر الهائل المفظع ...... اب اگر ترجمہ بڑا حادثہ یا بڑی خبر کیا گیا تو ترجمہ کیونکر غلط ہے۔"

(۲) افواجا

مولانا لکھتے ہیں | "اس لفظ کا ترجمہ سب نے یہ کیا ہے کہ جھٹ کے جھٹ یا گروہ گروہ" حالانکہ عربی میں "فوج" اس جماعت یا گروہ کو کہتے ہیں جو تیزی سے گزر جانے والی ہو"

میری گزارش | اس غلطی میں عربی مفسرین بھی اردو مفسرین کے برابر کے شریک و سہیم ہیں۔ تفسیر مدارک میں ہے،

یدخلون فی ملة الاسلام جماعات کثیرة	لوگ مذہب اسلام میں جماعت کی جماعت داخل ہو رہے ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے

افواجا یعنی زمرا	گروہ گروہ

تفسیر ابو سعود میں ہے

ای یدخلون فیہ جماعات کثیرة	لوگ مذہب اسلام میں بڑی بڑی جماعت داخل ہو رہے ہیں

(۳) مآبا

مولانا لکھتے ہیں | "اس کا ترجمہ سب نے یہ کیا ہے "ٹھکانا" یا "جگہ" حالانکہ عربی میں اسکے مصدر کا استعمال صرف اس ذی روح کی واپسی کے لیے ہوتا ہے جو اپنے اندر ارادہ رکھتا ہو"۔

میری گزارش | اردو مترجمین قرآن نے جو غلطی کی ہے وہی غلطی امام رازی اور جلال الدین سیوطیؒ بھی کر گئے ہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے مآبا مقرا	ٹھکانا
تفسیر درمنثور میں ہے مآبا ماوی ومنزلا	"

(۴) بردا

مولانا لکھتے ہیں | اسکا ترجمہ سب نے ٹھنڈک کیا ہے حالانکہ یہاں مراد نیند ہے۔

میری گزارش | تفسیر کبیر میں امام رازیؒ بھی یہی غلطی کر گئے ہیں جو جناب فتح آبادی کے نزدیک مترجمین ہندوستان سے ہوئی ہے لکھتے ہیں

انہ البرد المعروف والمراد انہم لایذوقون مایکون فیہ راحة و انما حاصل انہم لایجدون بردا الا ماء باردا	برد سے مراد وہی ٹھنڈک ہے جسے عرف عام میں ٹھنڈک کہا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ انھیں وہاں راحت نصیب نہ ہو گی۔ حاصل کلام یہ کہ انھیں وہاں ٹھنڈی ہوا ملے گی نہ ٹھنڈا پانی۔

امام رازیؒ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ برد سے مراد نوم ہے اور خود ہی اسکی تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ معنی مجازی ہیں۔ مولانا نے شاید یہ نہیں پڑھا ہو گا کہ مجازی معنی اسوقت معقول ہو سکتے ہیں جب حقیقی معنی کسی طور پر نہ بن سکیں۔

تفسیر ابی سعود میں ہے،

لایذوقون فیہا شیئا من برد قیل النوم	وہ لوگ اس میں کسی قسم کی ٹھنڈک نہ چکھیں گے کہا گیا ہے کہ برد سے مراد نوم بھی ہے۔

غالباً مولانا کو اس اصول کا علم ہو کہ قیل کے بعد جو قول نقل کیا جاتا ہے وہ عموماً ضعیف یا مرجوح ہوتا ہے۔

(۵) مفازا

مولانا لکھتے ہیں | اسکا مصدر فوز ہے اور سب نے اسکا ترجمہ کیا ہے "مراد" یا "کامیابی" حالانکہ عربی میں اس لفظ کا اطلاق اُس مراد یا کامیابی پر ہوتا ہے جسکے ساتھ آدمی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو"

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

شیخ شوکت حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرشدآباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور وہی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)۔

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بابت میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ

اور

انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجئے

"منیجر صدق لکھنؤ"

صدق

نمبر ۹ | لکھنؤ - ۳۰ - ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ - جولائی سنہ ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

علی امام کے بعد فضل حسین! بہار اگر انکے نام سے گونج رہا تھا، تو پنجاب کے شیر یہ تھے۔ اللہ اکبر، کیا زور، کیا دبدبہ، کیا طنطنہ تھا! اچھے تھے، تندرست تھے، اسے چھوڑیے، دیکھیے یہ کہ بڑھتے تھے! نوکریاں سیکڑوں کو دلا دیں، روزگار سے ہزاروں کو لگا دیا۔ بگڑی ہوئی قسمتیں خدا جانے کتنوں کی بنا دیں۔ سیاسیات میں جو چاہا کر کے رہے۔ حکومت کی باگ جدھر چاہی، موڑ کر رکھ دی۔ دبے نہ انگریز سے نہ ہندو سے۔ فراست میں، تدبیر میں، تدبر میں، علم میں، تجربہ میں، تقریر میں، تحریر میں، حریفوں کو نیچا ہی دکھاتے ہی رہے۔ کارگزاریوں کے شہرے، لاہور اور دہلی اور شملہ سے گزر کر لندن تک پہونچے ہوئے۔ خوش نصیبی میں محمد علی کی شریک۔ آکسفورڈ میں اکٹھے ساتھ پڑھے ہوئے۔ — یہ اور بات ہے کہ "دبستان عشق" میں اس ہم سبقی کے بعد ایک نے "راہ صحرا" لی، اور دوسرے نے "رسوائی کوچہ و بازار" اختیار کی! — بڑائی کا اعتراف دوستوں سے بڑھکر زبانِ حال سے دشمنوں اور حریفوں نے کیا ہے — یہ تو کچھ بین السطور سے۔ پنجاب میں ہر مبتدا کی خبر، ہر ابتدا کی انتہا، ہر ضمیر کا مرجع، ایک ذات ان کی رہی۔ ایکی عزت کی، رزق کی، امیدگاہ! الکشن کی تیاریاں کس زور کی ہو رہی تھیں، کہ یکایک

"[illegible] ہے یہ تقدیر ہے فنا بقا"

وقت [illegible]

نکلے تھے! بیمار پڑے تو علاج کی کیا کمی تھی، کمی ہو سکتی کیا تھی۔ نامی سے نامی ڈاکٹروں نے جان لڑا دی، ڈاکٹر بھی ایک نہیں، پانچ پانچ۔ ایک سے بڑھکر ایک۔ میجر بھی، لفٹنٹ بھی، کرنل بھی۔ کیمپ ہو تو کیمپ پر شملہ! وائسرائے بہادر کے خاص طبیب بھی شریک علاج! وقت اپنے وقت سے ایک لمحہ اور ایک پل کے لیے نہ ٹلا۔ آنکھ بند ہوئی، تو گویا ہر فتنہ! — عقلوں پر پردے حسب معمول پڑے رہے، تقدیر پر مضحکہ کرنے والے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے! — رات جمعہ کی پائی، کلمہ گوئی، خوش نصیبی اس سے بڑھکر کیا ہوگی؟ قبر میں جمعہ کے دن اُتارے گئے، مغفرت کی دلیل اب اور کیا چاہیے؟ نعش دفن کے لیے لاہور نہیں، شملہ نہیں، دہلی نہیں، آبائی وطن، قصبہ بٹالہ کو گئی۔ مٹی اپنی اصل میں جا کر ملی۔ مصنوعی زندگی کے تکلفات ختم۔ آخری خوابگاہ کے لیے کوٹھی اور کچہ زمین خاندانی قبرستان میں میرائی، گورنمنٹ ہاؤس کے سبزہ زار سے الگ، ہوٹل سیسل کے کھلی کوچوں اور صوفوں سے دور، کانسل چیمبر اور اسمبلی ہال سے بہت دور!

پیکر خاکی کے کام اس وقت کیا چیزیں آ رہی ہوں گی؟ سرکاری تمغے، عہدے، خطابات، وزارتیں؟ حکومت کی دی ہوئی عزتیں اور سرفرازیاں؟ یا یہ کہ اتنے غریبوں اور مفلسوں کی مدد کی، اتنے فاقہ کشوں کا پیٹ بھر دیا، اتنے یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کر دی، اتنے حاجتمندوں کے بگڑے کام نکال دیے، اتنی مخلوق خدا کی دعائیں لیں؟ اور سب سے بڑھکر مسلمانوں کی [illegible] اور ان کی [illegible] خدمت [illegible] صحیح، لیکن [illegible] کی [illegible] عجیب [illegible] رحمت [illegible] کے لیے [illegible] ایک [illegible] ہو گیا ہو [illegible]

نوبت ہی نہ آنے پائی ہوا آخر مرحوم نے جسٹس سید محمود کی وفات پر حق تعزیت یوں ادا کیا تھا ؎

بوئی عبرت کہ ہوش میں آؤ — اے حریصانِ شانِ شوکت و جاہ
مٹ گیا نقشِ احمد و محمود — رہ گیا لا الٰہ الا اللہ

یہی فاتحہ خیر پڑھ کر ہم آپ بھی اس مزار سے رخصت ہوں —

کام کی رفتار

ترجمہ و شرح کلام مجید کی رفتار، ادھر خدا کے فضل سے اچھی رہی۔ اور ان سطور کی تحریر کے وقت تک بحمد اللہ دس پارے پورے ہوچکے ہیں۔ یعنی اُنکے ترجمہ و تحشیہ دونوں کا ترجمہ و تحشیہ دونوں کا مسودۂ اول تیار ہوگیا، گو نظر ثانی کی ضرورت اور گنجائش ابھی بہت ہے۔

پارۂ اول کے تھوڑے سے نسخے، بلا متن، محض بطور نمونہ، شملہ میں ایک کرم فرما کی عنایت سے، زیر طبع ہیں۔ ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر بھی، خاص خاص اہل علم و اہل رائے حضرات کی خدمت میں، مشورہ و اصلاح کی غرض سے ان شاء اللہ روانہ ہوں گے، عام اشاعت سے ابھی کوئی تعلق نہیں۔

شروع جون میں، دکن کے ایک عزیز سے پانچ روپیہ کی رقم اور وصول ہوئی۔ قبول کرلی گئی۔ کام کی رفتار اگر یہی رہی، تو ان شاء اللہ ختم سال تک چار پارے اور ہو جائیں گے۔ کام کی اہم ترین شرط فرصت و یکسوئی ہے، ہر ہفتہ 'دو تین دن' ہرحال صدق ہی کے لیے نکالنے پڑتے ہیں۔ اور سفر تو اس شغل کے حق میں زہر ہے — بلا ضرورت سفر کی عادت یوں بھی کم تھی، اور اب تو بلا ضرورت شدید مطلق ہلنے کو جی نہیں چاہتا — احباب کرام، و بزرگان ملت سے التماس ہے کہ نہ صرف اس باب میں حق تعالیٰ سے توفیق ملنے کی دعا کریں، بلکہ خود بھی ازراہ کرم، اپنے اس خادم کو سفر کی فرمائشوں سے بالکل معاف فرمادیں۔ یہی احسان ہوگا۔

عکسی قرآن مجید کا ہدیہ

انجمن حمایت اسلام، لاہور کے شائع کیے ہوئے عکسی قرآن مجید پر ریویو صدق نمبر ۹ میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں ہدیہ درج نہ تھا۔ اب مہتمم صاحب کتبخانۂ انجمن، اطلاع دیتے ہیں، کہ

قسم خاص کا ہدیہ، عـــہ ہے
قسم اول کا، عہ/
قسم دوم کا، ـے/

ایک عمل صالح

"۲۷ ۔ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ کو عصر کے وقت مدرسۂ اعزہ میں میلاد النبیؐ کا جلسہ بصدارت نواب نظامت جنگ بہادر ہوا اور بڑی شان سے ہوا۔ یوں تو اس جلسہ میں بھی وہ سب کچھ ہوا جو اس قسم کے متبرک جلسوں میں ہوا کرتا ہے مگر اس کی دو باتیں سب سے نرالی ہیں اور وہ بغیر ذکر ہوئے نہیں رہ سکتیں۔

پہلی تو یہ کہ مقرروں میں بڑی تعداد مدرسہ ہی کے بچوں کی تھی، گویا بڑے بڑے مقررین موجود تھے۔ ایک نے کہا "آج ہم کس واقعہ کی یاد مناتے ہیں"، دوسرے ایک نے "مسلمانوں کے عمل" پر، ایک اور نے "اخلاق" پر، اور ایک چوتھے نے "فرمان خدا" پر تقریریں کیں اور تقریروں سے یہ واضح ہوتا تھا کہ خدا و رسولؐ، اسلام اور اس کی تعلیمات کو انھوں نے بخوبی سمجھ لیا ہے اور اسلام کی خوبیوں کے وہ سمجھ کر قائل ہوگئے ہیں۔

دوسری بات جو سب سے زیادہ قابل ستائش اور دوسرے مسلم بچوں کے لیے لائق تقلید ہے یہ ہے کہ:— مدرسہ کے لڑکوں نے اپنے آپ کو پابند عمل صالح کرنے کا وعدہ کرکے میثاق پر دستخط لیے" (رہبر دکن)

مدرسۂ اعزہ، دکن کا مشہور و معروف مدرسہ ہے۔ وہاں کے طلبہ میں اس صحیح اسلامیت کے جذبہ کی بیداری ہر اعتبار سے قابل مبارکباد ہے۔ اور اس میثاق عمل صالح پر آئندہ جو کچھ، درحقیقت جس حد تک بھی عمل ہو، عمل صالح کا عہد و میثاق نوجوانوں کے حق میں خود ایک "عمل صالح" ہے۔ مدرسوں، اسکولوں، تعلیم گاہوں کی فضا! معاذ اللہ جس درجہ اسلامیت کے، اخلاق کے، شرافت کے حق میں زہر ہے، کس کو اس کا تجربہ نہیں۔ اس فضا کو بدلنے کی کوشش، حقیقۃً وقت کا ایک اہم جہاد ہے۔ جرمنی میں ہٹلر نے اور اٹلی میں مسولینی نے آخر انھیں ذریعوں، ملک کے سارے نوجوانوں کی، اس سرے سے اُس سرے تک کایا پلٹ کردی، اور جن سے چوری کے اندیشے تھے، اُلٹے اُنھیں سے چوکیداری کا کام لینا شروع کردیا —— ہم کم ہمت اور خفتہ بخت آج اتنی سی ہمت سے بھی محروم ہیں!

تصویر اور تفسیر

صدق نمبر ۸ میں مولانا ابو الکلام کی تفسیر القرآن میں ایک تصویر درج ہونے پر نوٹ، ملک محمد الدین صاحب اڈیٹر "صوفی" کے حوالہ سے نکلا تھا۔ اب ملک صاحب اپنے دوسرے مراسلہ مورخہ ۱۱ ۔ جولائی میں لکھتے ہیں:—

"یکم جولائی کے صدق میں میری چٹھی کے حوالہ سے ترجمان القرآن جلد دوم، مترجمہ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد میں ذو القرنین کی تصویر کے متعلق جو نوٹ شائع ہوا ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ صاحب موصوف نے مجھے ۸ جولائی کو اطلاع دی ہے، کہ اُنھوں نے ترجمان القرآن کے ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور کو لکھ دیا ہے کہ وہ تصویر والا ورق کتاب کے تمام نسخوں سے نکال دیں۔"

اطلاع سے بڑی مسرت ہوئی۔ غلطی کا صدور، بڑے بڑوں سے ہوجاتا ہے، لیکن غلطی سے رجوع کرنا حقیقۃً بڑی ہی ہمت اور بڑے ہی ظرف والوں کا کام ہے۔ ورنہ آج تو ہر شخص، صاحب رائے اور صاحب اجتہاد ہے۔ اور غلطی سے رجوع کرنا اپنی توہین کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔ مولانا کی یہ جرأت قابل مبارکباد ہے اور اس دور میں ہم جیسے

تا اہوں کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ۔ تاریخوں کی جو صراحت، مراسلۂ بالا میں درج ہے، اُس سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ مولانا، صدق کے نوٹ سے قبل ہی رجوع فرما چکے تھے۔

حسنِ خاتمہ

سید حبیب شاہ صاحب اڈیٹر 'سیاست' کے قلم سے، سرمیاں فضل حسین مرحوم کی وفات و مرض الموت کے جو حالات شائع ہوئے ہیں، ان میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ان ایام میں چند مرتبہ میاں صاحب بے ہوش ہوئے، اور بدحواسی کی باتیں کرتے رہے ... جب ہوش میں آتے، تو سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ آخری شب کو دو بجے کے بعد ڈاکٹروں نے پھر مریض کو دیکھا اور غور کرنے لگے کہ مزید دوا دی جائے یا نہ۔ اس اثناء میں میاں صاحب نے کوئی دعا مانگی، منہ پر تین دفعہ ہاتھ پھیرا، اور کلمۂ شہادت پڑھ کر ہمیشہ کی نیند سو گئے۔"

مبارک ہے وہ 'کے سی ایس آئی'، اور 'کے سی آئی ای' جس کا خاتمہ 'یور ایکسلنسی' کی جگہ، الحمد للہ اور سبحان اللہ پر ہو! بھٹکا ہوا مسافر آخر راستہ پا ہی گیا، اور دنیا میں آنکھ کھولتے ہی لا الٰہ الا اللہ کی جو آواز کان میں پڑی تھی، اسی لوری نے آخری نیند بھی سلائی! 'مسلمان کی موت' تو وہ نعمت ہے، جس کی تمنا اُنھوں نے بھی کی ہے، جو 'زندگی' کافروں ہی کی سی گزارنا چاہتے تھے۔ غالب نے آخر اسی میں بھی کہہ ہی دیا ؎

حیف کافر مردن و آوخ مسلماں زیستن!

کہنا وہ مانگتا ہوں مسلمان کی زندگی اور کافر کی موت سے! ——— سرمحمد

مسلمان کی زندگی جیسی بھی کچھ ہوئی ہو، 'موت'، تو بہرحال مسلمان ہی کی سی آئی۔ فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ اور جو ساری عمر، عبادتوں اور مجاہدوں میں، زہد و تقویٰ میں گزار دیتے ہیں، اُن کی بھی آخری تمنا اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے!

موجودہ ورزشی کھیل

عبد القدوس صاحب نیر پرونیت علاقہ بہار سے لکھتے ہیں:—

"صدق نمبر ... میں مولانا ابوالسلام صاحب کا خطبۂ صحبہ شائع ہوا ہے؛ مولانا نے جزم و یقین کے ساتھ فٹ بال وغیرہ کھیلوں کو صحابۂ کرام اور غازیانِ اسلام ہی نہیں بلکہ خود ذاتِ اقدس رسولِ کریم صلعم کی تعلیم سپہگری اور شہسواری، نیزہ بازی کے بالکل مقابل کا درجہ دے کر ایک حد تک اس کی تلقین فرما دی ہے .... فرمائیے، کوئی بھی مماثلت ان لہو و لعب اور اس پاک تعلیم سے پائی جاتی ہے؟ یا یہ کہ یہ استدلال شرعاً نہ سہی، علمی نقطۂ نگاہ سے بھی کوئی درجہ رکھتا ہے؟"

مسئلہ کا دار و مدار لفظ لہو و لعب کے مفہوم پر ہے۔ لہو و لعب کا اطلاق اُن افعال پر ہوتا ہے، جو بے نتیجہ، تفریح، بلا غرضِ صحیح، خلافِ مقصدِ صحیح، اور غفلت کی غرض سے کیے جاتے ہوں، یا غفلت کے پیدا کرنے والے ہوں۔ ورزشی کھیلوں میں ایک غرضِ صحیح پیشِ نظر ہوتی ہے، اور وہ لازمی طور پر باعثِ غفلت نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں انھیں لہو و لعب کے تحت میں رکھنا مشکل ہے۔ کوئی خارجی امور خلافِ شریعت اُن میں شامل کرکے ان میں کراہت یا ممانعتِ شرعی پیدا کر دی جائے، تو اور بات ہے، ورنہ بجائے خود تو ان کے مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حدیثِ نبوی میں تیراندازی کی مشق کی ترغیب دی گئی ہے، اس سے علمائے محققین و راسخین نے بندوق چلانے کی مشق پر بھی استدلال کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیت واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل سے، فقہاء نے ہر قسم کی جنگی تیاریاں مراد لی ہیں، تاآنکہ دوسرے شرعی حکم سے متصادم نہ ہوں، یہی طرزِ استنباط مولانا نے بھی اختیار فرمایا ہے۔

جہاد کی دو آیتیں

نور عالم صاحب تحسین، ضلع گجرات (پنجاب) سے صدق کی خدماتِ دین، خصوصاً جلد ۱ نمبر ۳۵ کے نوٹ "نسخ آیاتِ قرآنی" سے متعلق بہت کچھ اظہارِ حسنِ ظن فرما کر لکھتے ہیں:—

يا ايها النبي حرض المؤمنين على القتال، ان يكن منكم عشرون صابرون يغلبوا مائتين، وان يكن منكم مائة يغلبوا الفا من الذين كفروا بانهم قوم لا يفقهون۔	اے پیغمبر! شوق دلایئے مومنین کو قتال (فی سبیل اللہ) کا، اور یہ بشارت دیجیے کہ اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے، تو غالب آجائیں گے دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص، تو غالب آجائیں گے ایک ہزار کافروں پر۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کچھ سمجھ نہیں رکھتے (دین کی)

یہ پہلی آیت تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ منکرینِ حق سے خوب بامردی، ثبات و بے جگری سے مقابلہ کرو، اور اپنی قلتِ تعداد پر نظر نہ کرو، امدادِ غیبی تمہارے ساتھ ہے، کافر بیچارہ، دین سے ناسمجھ، حقیقتِ جہاد سے ناآشنا، اس اصلی قوت سے، اور نتیجۃً امدادِ غیبی سے بھی، محروم ہے۔

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی، جب جہاد و قتال کا حکم ابھی بالکل تازہ تھا۔ اور مہاجرین و انصار کے قلوب جوش و اخلاص مندی سے لبریز تھے۔ رفتہ رفتہ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی، تو عین فطرتِ بشری کے مطابق، اعتماد بجائے اپنی حق پرستی اور نصرتِ غیبی کے، اپنی کثرتِ تعداد پر زیادہ ہونے لگا۔ اور پھر اگلے مہاجرین و انصار بھی کچھ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور کچھ ضعیف و ناتوان۔ چنانچہ اس کم ہمتی کے افسوسناک ثبوت بھی متعدد بار ملے، مثلاً جنگِ احد میں۔ اس اضمحلالِ عزم و ضعفِ اعتماد علی اللہ کے وقت دوسری آیت نازل ہوئی، کہ اچھا، اب دس گنی تعداد کے مقابلہ میں جمنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم نہیں، اب اس قدر کافی ہے کہ اپنے سے دونے کے مقابلہ پر تو قطعاً جم جایا کرو۔ اتنی جرأت و ہمت تو مومن میں بہرحال رہنی ہی چاہیے۔

الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا، فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين، وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله	اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں سستی (یا ہمت کی کمی) ہے، سو اب یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اگر ہوں تم میں سو آدمی ثابت قدم رہنے والے تو غالب آجائیں گے دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں سے

واللہ مع الصابرین۔	ہزار پر تو غالب آجائیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے۔ اور صابر کی قید اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں)

مفسرین نے تصریح کر دی ہے، کہ یہاں صیغہ گو خبر کا استعمال ہوا ہے، لیکن مراد خبر نہیں، بلکہ انشاء ہے، یعنی امر یا حکم۔ کافروں کے مقابلے میں وقت قتال، فرار حرام ہے، اور قرار و قیام واجب۔ مفسرین نے اسے بھی صاف کر دیا ہے، کہ انشاء کو صیغۂ خبر میں بیان کرنے سے مقصود تاکید و مبالغہ ہوتا ہے۔ یہیں سے ایک ممکن شبہہ کا بھی دفعیہ ہوا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مومنین کے غلبہ اور کافروں کی مغلوبیت کو بعض اوقات میں مشاہدہ کے خلاف بتائے، تو اول تو وعدہ کے صادق آنے میں مومنین کے "صابرین" ہونے کی قید لگی ہوئی ہے، جہاں "صبر" مفقود، وہاں وعدۂ نصرت و غلبہ بھی مفقود۔ پھر دوسری قید "باذن اللہ" کی اس سے بھی بڑھ کر موجود۔ اللہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے، اور کون جان سکتا ہے کہ فلاں موقع پر کس حکمت و مصلحت سے اذن الٰہی نہ ہوا۔ پھر یہ سارے جوابات تو اس وقت کے لیے ہیں جب آیت کی حیثیت "وعدہ" یا "خبر" کی مانی جائے، اور یہاں اسی سے انکار ہے۔ یہ تو وعدہ نہیں، حکم ہے، کفار کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا حکم۔ بعینہ جیسے حرمتِ شراب کا حکم، حرمتِ سود کا حکم۔ اور احکام کے باب میں، احتمالِ صدق و کذب کے معنی کیا؟

حضرت شاہ عبد القادر دہلوی اپنے فوائد میں لکھتے ہیں:—

"اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہ حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے۔ لیکن اگر زیادہ سے زیادہ پر حملہ کریں، تو بڑا اجر ہے۔"

(بقیہ صفحہ ۱۰)

فاروق اعظمؓ نے شجرۃ الرضوان جیسے متبرک شجرہ کو کٹوا دیا کہ کہیں اس سے صورت پرستی کی بنیاد نہ پڑ جائے۔ اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور انبیاء کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر لعنت کی کہ وہی صورت پرستی یا صنم پرستی کی اساس ہے اور حقیقت سے بُعد کا نشان ہے۔

غرض صورت پسندی، تصویر دوستی، تصویر سازی، تصویر بازی، اسلامی مقاصد کے منافی اور اس کے بنیادی مقصد رجوع الی اللہ و سیر الی اللہ کی راہ میں ایک عظیم الشان رکاوٹ ہے، اس لیے کم از کم مسلم قوم کا اپنی رجعت پسندانہ ذہنیت کو چھوڑ کر صورت پرستانہ جذبات پیدا کر لینا بلا شبہہ قلب ماہیت اور قلب موضوع ہے۔

حق تعالیٰ توفیق دے کہ ہم صحیح اسلامی جذبات کا احترام کریں اور کم سے کم ایسی پگڈنڈی سے کترا کر چلنے کی سعی کریں جو اسلامی شاہراہ سے دور لے جا رہی ہو اور منزل مقصود کو بعید سے بعید بنا رہی ہو۔

تجارت اور صحافت

(از "کشاف")

جب کسی سنیما کا مالک جریدہ نگاروں کو دعوت تماشا دیتا ہے اور کوئی خاص فلم دکھا کر چائے کی ایک پیالی پلاتا ہے، یا جب کوئی مصنف یا مؤلف اپنی کتاب کا ایک نسخہ ایڈیٹر کی خدمت میں "بغرض ریویو" ارسال کرتا ہے، یا جب کوئی طبیب اپنی بنائی ہوئی کسی دوا کی شیشی دفتر اخبار میں ہدیۃً بھیجتا ہے، تو "ریویو" اور "تنقید" کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ اس قسم کی تجارتوں میں سے کسی تجارت کو نفع بخشنے والا کوئی مضمون لکھ کر شائع کیا جائے۔ "تنقید" یا "ریویو" کے اصلی معنی مہمان نوازی اور چائے کی پیالی میں غرق ہو جانے کے ہیں! —— کم سے کم توقع کی جاتی ہے کہ ایسا ہوگا ......

جہاں تک سنیما اور اُن کے تماشوں کا تعلق ہے "فری پاس" کا تو میں ذکر نہیں کرتا، یہ معاملہ ذاتی ہے —— لیکن اُن تمام اصحاب سے ضرور مخاطب ہونا چاہتا ہوں جو ایک بُرے فلم کو اچھا کہکر "کمپنی" کی آمدنی میں اضافہ کا باعث بنتے ہوں۔ اسی طرح اُن تجارت پیشہ مالکان سنیما سے جو اپنے —— تماشوں کی خوبی کی سند جریدہ نگاروں سے حاصل کرتے ہیں، یہ کہنا ہے کہ اخباروں کی رائے کو اس قدر سستے داموں خریدنے کا طریقہ کتنا ہی نفع بخش ہو مگر قابل اعتراض ہے ......

بعض حالات میں اس تصدیق و سند کا تعلق صرف چائے کی پیالی ہی سے نہیں ہوتا بلکہ اخبار کے اشتہاری کالموں کی آمدنی سے بھی ہوتا ہے! کسی فلم کی تعریف کر دینا یا کسی کتاب پر اچھا "ریویو" لکھ دینا صیغۂ اشتہارات کے منیجر کے نفع بخش —— مصالح کا معاون ہے! "چائے کی پیالی" بہانہ ہوتی ہے اور مستقل اشتہار کا "کنٹریکٹ" کا عملی شکریہ —— وہ پیشگی یہ امید ریویو —— اور یہ بعد کو بہ سبیل اظہار تشکر —— اس طرح گویا اخبار نویس بھی تماشوں اور تھیٹروں اور سینماؤں اور کتب فروشوں کی آمدنی میں —— روپیہ میں ایک پائی کے —— حصہ دار ہو جاتے ہیں!!

یہ چیز یورپ کی صحافت میں بھی کسی حد تک موجود ہے مگر وہاں کی قیمتیں اونچی اور سودا گراں ہوتا ہے! اس مفلس ملک میں معاملہ دس، بیس روپیہ کا ہوتا ہے اور اُن خوش حال ملکوں میں دس بیس ہزار کا! —— یہ غریب ایمان اور رائے فروخت کرتے ہیں تو اس کی قیمت بھی زیادہ نہیں مانگ سکتے۔ اس لیے کہ ہمارے بازار کا بھاؤ گرا ہوا ہے!! (پیام)

خط و کتابت

کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں منیجر

سورۂ بقرہ - رکوع ۱۴

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۶ ، و ما قبل)

(از عبد الماجد)

۱۱۳ وقالت الیھود لیست النصاریٰ علی شیئ، وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شیئ، وھم یتلون الکتب، کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم فاللہ یحکم بینھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں، حالانکہ وہ پڑھتے ہیں کتاب (آسمانی)۔ اور اسی طرح وہ (لوگ بھی جو محض) بے علم ہیں، اُنھیں کا سا قول کہنے لگے سو اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن، جس باب میں وہ جھگڑتے رہتے تھے۔

۱۱۴- ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا، اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین۔ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو روکے اس سے کہ ان میں اُسکا نام لیا جائے، اور کوشش کرے انکی بربادی کی، یہ لوگ! اس لائق ہی نہیں کہ ان میں داخل ہوں، بجز اسکے کہ ڈرتے ہوئے۔ ان لوگوں کو دنیا میں رسوائی ہے، اور انکو آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

۵۱ یعنی نصاریٰ کا مذہب۔

۵۲ خود مسیح سے متعلق یہود، معاصرین مسیح کہتے تھے:-

"یہ تو موسیٰ کے شاگرد ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ کے ساتھ کلام کیا ہے، مگر اس شخص کو نہیں جانتے کہ کہاں کا ہے" (یوحنا - ۹ : ۲۹)

۵۳ یعنی یہود کا مذہب۔

۵۴ "اے بھائیو تمہیں معلوم ہو کہ اسی [یعنی مسیح] کے وسیلہ سے تمکو گناہوں کی معافی کی خبر دی جاتی ہے۔ اور موسیٰ کی شریعت کے باعث جن باتوں سے تم بری نہیں ہو سکتے تھے، اُن سب سے ہر ایک ایمان لانے والا اسکے باعث بری ہوتا ہے"

(اعمال، ۱۳ : ۳۸)

"گو ہم پیدائش سے یہودی ہیں اور گنہگار غیر قوموں میں سے نہیں، تاہم یہ جان کر کہ آدمی شریعت [یعنی شریعت موسوی] کے اعمال سے نہیں، بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے، خود بھی مسیح یسوع پر ایمان لائے تاکہ ہم مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہریں نہ کہ شریعت [یعنی شریعت موسوی] کے اعمال سے۔ کیونکہ شریعت [یعنی شریعت موسوی کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہریگا ..... کیونکہ اگر شریعت [موسوی] کے وسیلہ سے ملتی، تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا" (گلتیون - ۲ : ۱۶، ۲۱)

یہود و نصاریٰ کی باہمی تفسیق و تکفیر کا تذکرہ، تاریخ کلیسا کی ہر کتاب میں ملیگا۔ گبن کی تاریخ زوال روما میں بھی کچھ ذکر ہے۔ (باب ۱۵)

۵۵ یعنی فریقین۔

۵۶ توریت کا الہامی ہونا نصاریٰ کو بھی مسلم ہے اور اس طرح یہ کتاب آسمانی دونوں میں مشترک ہے۔ اس پر بھی فریقین اسکی تفسیر و تعبیر پر متفق نہیں، اور ایک دوسرے کی تکذیب ہی کر رہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے، تاریخ مسیحیت کے بیان میں ہے:-

"خالص اخلاق، اور ہمسایہ کے ساتھ محبت کی تعلیم مسیحیت نے یہودیت ہی سے لی تھی۔ ... اس نے آغاز سے ہی اعلان کرنا پڑا کہ اس کا مقصد یہودیت ہی کی تکمیل کرنا اور اب اُسے غیر ضروری بتانا تھا۔ اپنے دعوے کا ثبوت دینے کی کوشش اس نے بائبل ہی سے کی، جو یہودیت ہی کی اصل کتاب ہے ... اس امر نے کہ فریقین اسناد، ایک ہی کتاب، بائبل سے کر رہے تھے دائرہ بحث تنگ اور سخت ہو گیا" (جلد ۴، ص ۵۹)

نیز

"جدید مذہب ... نے دعویٰ کیا کہ وہ یہودیت کے مشن کی تکمیل کے لیے آیا ہے، اور اپنے دعوے کے ثبوت کی کوشش اُس نے بائبل ہی سے کی، یعنی وہی کتاب جو یہودیت کا ماخذ و مبنیٰ ہے" (جلد ۷، ص ۶۳)

۵۷ (کتب آسمانی سے) یعنی مشرکین عرب۔

۵۸ یعنی یہ کہ دونوں ہی ناحق پر ہیں، دونوں میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔

۵۹ فیصلہ سے مراد عملی و حسی فیصلہ ہے، جیسا کہ کائنات بڑے سے بڑے کافر کو بھی ہوکر رہے گا، ورنہ جہاں تک دلائل شواہد کا تعلق ہے، کفر و ایمان کے درمیان فیصلۂ خداوندی تو اسی دنیا میں ہو چکا ہے۔

۶۰ مسجد، جیسے لفظی معنی، جائے سجدہ کے ہیں، مسلمانوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ ایک تازہ ترین مسیحی مصنفہ اپنا مشاہدہ مسجد سے متعلق لکھتی ہے:-

"مسجدیں، وہ عبادتگاہیں ہیں، جنکا ظاہر شاندار ترین اور باطن پاکیزہ ترین ہوتا ہے۔ عبادت ان میں صرف اُس خدائے واحد کی ہوتی ہے، جسکے داعی موسیٰ بھی ہو کر آئے تھے، اور عیسیٰ بھی اور محمد بھی، جو سب اسکے بھیجے ہوئے انبیا تھے۔" (فیس آف مدر انڈیا، ۲۲۵ - مطبوعہ ہیمشن ۱۹۳۵ء)

۶۱ جیسا کہ مشرکین مکہ نے حرم کعبہ میں ذکر و عبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روکا تھا۔

۶۲ اور اُس کی عبادت کی جائے۔

۶۳ (اور جو لوگ بھی انھیں مشرکین کے جیسے ہوں)

۶۴ (مسلمانوں کے رعب و دبدبہ سے)

۶۵ دنیا کی اس ذلت کا مشاہدہ چند ہی روز بعد سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سب کے سب اعدائے اسلام جزیرۃ العرب کے اندر، اور اُس کی سرحدوں پر، دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے۔ اور قرآن مجید کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔

۱۱۵- وللّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ ان اللّٰہ واسع علیم

اور اللہ (ہی) کا ہے مشرق و مغرب۔ سو تم جدھر بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے۔ یقیناً اللہ (ہر شے پر) وسعت رکھنے والا، علم رکھنے والا ہے۔

۱۱۶- وقالوا اتخذ اللّٰہ ولدا سبحنہ بل لہ ما فی السموات والارض کل لہ قانتون

اور کہتے ہیں کہ خدا نے بنا رکھا ہے ایک بیٹا، وہ پاک ذات ہے! البتہ اُسی کی مِلک ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب اُسی کے حکم بردار ہیں۔

۱۱۷- بدیع السموات والارض واذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون۔

نو ایجاد ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ جب کسی کام کا حکم کرتا ہے، تو بس اتنا ہی فرماتا ہے اُسکو (کہ) ہو جا۔ بس وہ ہو جاتا ہے

۱۱۸- وقال الذین لا یعلمون لولا یکلمنا اللّٰہ او تاتینا آیۃ، کذلک قال الذین من قبلہم مثل قولہم تشابہت قلوبہم، قد بینا الآیت لقوم یوقنون

اور جو علم نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں، کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا، یا آ جائے ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہہ چکے ہیں جو لوگ ان سے قبل تھے انھیں کا سا کہنا۔ ان کے قلوب ایک دوسرے کے سے ہیں۔ بیشک ہم نے صاف کر دی ہیں نشانیاں اُن لوگوں کے لیے، جو یقین رکھتے ہیں

---

۲۱۶ بحیثیت خالق بھی اور بحیثیت مالک بھی۔

۲۱۷ مشرق کی جہت میں کوئی خاص تقدس نہیں، جیسا کہ مسیحیوں اور آفتاب پرستوں کا خیال ہے۔

۲۱۸ اور نہ مغرب ہی میں کوئی خاص تقدس ہے۔ جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے اسے، مشرق یا خطۂ حیات کے برعکس، خطۂ موت سمجھا ہے۔ (ملاحظہ ہو ٹائلر کی کتاب "پریمٹو کلچر" جلد ۲۔ صفحہ ۴۲۳۔ ٹائلر کی کتاب میں ہے:-

"جسکو بپتسمہ دیا جاتا تھا، اُسکا چہرہ، بپتسمہ کے وقت مغرب کی سمت کر دیا جاتا تھا کہ شیطان پر لعنت بھیجے، اس حال میں کہ اپنے ہاتھ اُس کی طرف پھیلائے ہو، یا اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارتا جائے، اور شیطان پر تین تین بار تھوکتا جائے۔ پروفیسر یادری میرال نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے "جب کوئی بپتسمہ خانہ کے کمرہ میں قدم رکھتا تو اُسے حکم یہ ملتا کہ مغرب کی طرف منہ کرکے شیطان پر لعنت بھیجے۔ لیکن یہ سمت مغرب کی قید کیوں؟ یہ قید اس لیے تھی کہ غروب آفتاب اسی سمت ہوتا ہے، اور ظلمت اسی طرف سے پھیلتی ہے، اور شیطان خود ظلماتی ہستی ہے، اور ظلمت ہی میں رہتا ہے۔ پس مغرب کی طرف رُخ کرنے کے معنی ہی یہ تھے کہ اُس تاریک ظلماتی ہستی پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔" (جلد ۲، صفحہ ۴۲۵)

۲۱۹ اے خدائے واحد کے پرستارو اور شرک و شائبۂ شرک سے بیزار مسلمانو!

۲۲۰ نماز، دعا، و عبادت کی غرض سے۔

۲۲۱ 'وجہ' کے لفظی معنی رُخ یا چہرہ کے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کے رخ سے مراد، خود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ اسلیے کہ وہ تو شکل و تمثیل کی ہر قسم سے منزہ و بالاتر ہے۔ آیت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں، وہ تو ہر طرف اور سب کہیں ہے، جدھر بھی منہ کرو، اُسی کو پاؤ گے۔ اُس سے خالی کون جہت، کون مکان ہے؟ اس سے مقصود ایک مسیحی اور مشرکانہ جہالت کی اصلاح ہے، جس کا نام "شرق رُخی" ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ایڈیشن میں ہے:-

"عراق اور مصر اور قدیم شمالی امریکہ میں عمارات کے شرق رویہ ہونے کا دستور بہت قدیم سے چلا آتا ہے..... شمالی یورپ میں بھی یہی دستور قائم تھا..... یونانی مندر بھی کثرت سے طلوع کرنے والے آفتاب کی طرف رخ کرکے تعمیر ہوتے تھے روما میں جو قدیم ترین مسیحی گرجے ہیں، انکی عمارتیں بھی اس قاعدہ سے بنی ہیں، کہ پادری..... جب مجمع کو مخاطب کرکے کھڑا ہوا، تو اُسکا چہرہ مشرق اور طلوع ہونیوالے آفتاب ہی کی طرف رہے..... قرین قیاس یہ ہے کہ عمارتوں کے اس شرق رُخی کی بنیاد مسیحیت سے بھی قدیم تر عقیدہ پر رہی ہے۔" (جلد ۱۶ - صفحہ ۸۹۵)

۲۲۲ ہر جہت اللہ ہی کی مملوک ہے۔ حق تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں۔ وہ خود ہی سب جہات کو اپنی وسعت میں لیے ہوئے، اور سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

۲۲۳ وہ اپنے علم کامل کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کر دے۔ اس تعیین قبلہ میں کسی خاص جہت کے تقدس کو اصلا دخل نہیں۔

۲۲۴ بعض اہل باطل، خصوصاً مسیحی، یا کلیسائے مسیح۔

۲۲۵ یہ قول چونکہ مشرکین کا ہے، اس لیے ترجمہ میں بجائے اسلامی اصطلاح 'اللہ' کے عام لفظ 'خدا' رکھا گیا۔

۲۲۶ الفاظ قرآنی پر غور ہو، یہ نہیں فرمایا گیا کہ "خدا کے ہے ایک بیٹا" بلکہ یہ کہ اُس نے 'بنا رکھا ہے' یا 'لے رکھا ہے' ایک بیٹا۔ اتخذ ولدا۔ قرآن پاک کے اشارات و تلمیحات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے صدہا مقامات کی طرح یہاں بھی اہل باطل کے عقائد و خیالات سے گہری واقفیت لازمی ہے۔ مسیحیوں کا ایک زبردست فرقہ "تبنیتی" گزرا ہے، جسکا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح، خدا کے فرزند صُلبی نہیں، بلکہ متبنّٰی تھے۔ قرآن مجید یہاں اسی عقیدہ کا کرہا ہے۔ کیتھولک ڈکشنری میں ہے کہ اس فرقہ کے نزدیک

"مسیح اپنی انسانی حیثیت سے، خدا کے محض فرزند متبنّٰی تھے کالیڈو کے پادری الی پنڈس، اور آرگی کے پادری فلکس اس عقیدہ کے علمبردار ہوئے ہیں۔ ۷۸۵ء نے پھر اور ۷۹۴ء میں پاپا ایڈرین اول نے اسے گمراہی قرار دیا۔ بارہویں صدی میں ابیلارڈ نے پھر اس عقیدہ کی تجدید کی، اسکی تحریک تبنیت جدید کو ۱۱۷۷ء میں پاپا الگزنڈر سوم نے باطل ٹھیرایا۔" (صفحہ ۱۳)

اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ہے،

"سپرڈ آنٹ ہر اس کے عقیدہ میں ... مسیح ایک پاکیزہ

۱۱۹ انا ارسلنک بالحق بشیراً ونذیراً ولا تسئل عن اصحاب الجحیم

یقیناً ہم نے آپ کو سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر بھیجا ہے) اور آپ سے پوچھ نہ ہوگی اہل دوزخ کی بابت۔

۱۲۰- ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم، قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ، ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم

اور ہرگز خوش نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ، جب تک آپ پیرو نہ ہو جائیں اُنکے مذہب کے۔ کہہ دیجیے، کہ یقیناً اللہ کی بتلائی ہوئی راہ ہی (اصل) راہ ہے۔ اور اگر آپ پیروی کرنے لگیں انکی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو آپ کو پہونچ چکا ہے، تو آپ کا کوئی اللہ سے (بچانے والا) نہ یار نکلے گا نہ مددگار۔

مالک من اللہ من ولی ولا نصیر

۱۲۱- الذین اتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ، اولئک یؤمنون بہ، ومن یکفر بہ فاولئک ھم الخٰسرون

وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی (اور) اسکو پڑھتے ہیں، جس طرح حق ہے اُسکے پڑھنے کا، یہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے، اور جو لوگ نہ مانیں گے تو یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے

انسان تھے، جنکا انتخاب خدا نے کیا۔ (خداوندی) کا اُنھیں اتصال ہوا۔ یہ امر الٰہی سے وہ فرزندی حق کے لیے مستحق کرلیے گئے۔ (جلد اول، صفحہ ۱۱۳)

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع چہارم میں ہے:-

"۱۸۵ء میں تھیوڈوٹس بازنطینی کی سرکردگی میں بعض اس حقیقت کے قائل لوگوں نے روما میں ایک مستقل مذہب قائم کرنا چاہا، اس کا دعویٰ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے جن پر بپتسمہ ہی کے وقت روح القدس نے اپنا القاء شروع کر دیا تھا، اس لیے وہ تقدس کے اس مرتبۂ کمال پر پہونچ گئے کہ خدا نے اُنھیں متبنیٰ کرکے شرف خدائی کر لیا۔" (جلد اول، صفحہ ۱۰)

شلہ یہ فرزندی کا عقیدہ، مسیحی عقیدۂ الوہیت کا جزو لاینفک ہے، چنانچہ "رسولوں کا مذہب" کے نام سے انکا جو عقیدہ، سرکاری اور باضابطہ طور پر شائع ہے، اس کی ابتدائی دو دفعات کے الفاظ یہ ہیں:-

"میں ایمان رکھتا ہوں، خدا، قادر مطلق باپ، خالق آسمان و زمین پر، اور یسوع مسیح اُسکے اکلوتے فرزند اور ہمارے آقا پر۔"

اور کیتھولک ڈکشنری میں "فرزند خدا" کے تحت میں ہے:

"وہ تثلیث مقدس کا اقنوم دوم۔ یسوع مسیح تھا۔ ... خدا کا فرزند تثلیث مقدس کا اقنوم دوم ہے۔ وہ باپ کا اکلوتا اور ابدی فرزند ہے، وہ باپ کے ساتھ جوہر میں متحد ہے۔" (صفحہ ۹۱۲)

شلہ معاذ اللہ! عقیدۂ الوہیت کے ساتھ ایسے گندے خیالات کا اجتماع!

شلہ مخلوق اور خالق کے درمیان صحیح رشتہ صرف ملک کا ہے، نہ کہ فرزندی وغیرہ خرافات کا۔

شلہ یعنی اُسکی جمیع مخلوقات۔ ان میں سے خواہ کوئی ذی مرتبہ ہو خواہ پست و حقیر۔

شلہ خواہ ارادۃً خواہ اضطراراً، ہر حال اُسکی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان ساری قیود و تعلقات سے ارفع ہے جو اہل شرک نے گڑھ رکھے ہیں۔ اسکا رشتہ مخلوق کے ساتھ بس وہی ہے جو مالک کا مملوک کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ صرف خالق و مالک ہی نہیں بلکہ ہر وقت کا مالک بھی وہی ہے۔

شلہ الابداع انشاء صنعۃ بلا احتذاء واقتداء ..... واذا استعمل فی اللہ تعالیٰ فھو ایجاد الشئ بغیر آلۃ ولا مادۃ ولا زمان ولا مکان ولیس ذلک الا للہ والبدیع یقال (مفردات القرآن راغب)

مرے سے نیست کو ہست کرنیوالا، عدم محض سے وجود میں لانیوالا، بغیر کسی نمونہ کی پیروی یا بغیر کسی مادہ آلہ وغیرہ کی شرکت کے۔ یہ وہ صفت ہے جو حق تعالیٰ کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں، جیسے روح اور مادہ، دونوں قدیم اور غیر حادث چیزیں محض ترتیب دینے والا۔

شلہ ہر مخلوق سے سابق و مقدم۔ تمام صفات کمالیہ کی طرح اسکے لیے تقدم زمانی بھی ثابت ہے۔

شلہ محض اپنے ارادہ سے، وہ کسی شریک مددگار یا ساز و سامان کا محتاج نہیں۔

شلہ "اسکو" یعنی اس شے کو جو علم الٰہی میں موجود ہے لیکن خارج میں ابھی اسکا وجود نہیں۔

شلہ یعنی عدم محض سے وجود میں آجاتی ہے۔ نیست سے ہست ہو جاتی ہے۔ شلہ مثلاً وجود میں آجاتا ہے۔ عمل تخلیق میں بجز ارادۂ الٰہی کے اور کوئی شے شریک نہیں۔ شلہ کتب سماوی کا، یعنی مشرکین عرب۔ شلہ بلا واسطہ، براہ راست بلا وسطہ نبی و رسول۔

شلہ (آپ کی صداقت کا) جیسے فرمائشی معجزات (یہ) ہیں، آیت جسکے لفظی معنی نشانات ہیں یہاں بھی معجزہ ہے، معجزہ سے مراد عموماً عام سمجھا ہوا وہ واقعہ ہے جو اکثر بلا اسباب ظاہری طور پر ظہور پذیر ہو۔ شلہ اپنے اپنے زمانے کے پیمبروں سے

شلہ عہد رسالت سے قریب ترین زمانہ پیمبروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ انکے زمانہ کے "فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کیلیے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا" (متی ۱۶: ۱) "فقیہوں نے ان سے کہا اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں" (متی ۱۲: ۳۸) شلہ بدبصیرتی اور حق ناشناسی میں۔ انجیل میں ہے: "اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان انکو نہ دیا جائیگا۔" (متی ۱۲: ۳۹) "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کسکو تمہارے باپ دادا نے نہیں ستایا" (اعمال ۷: ۵۱) شلہ تم ایمانداروں کیلیے واسطے کے طلبگار رہو، یہاں نشان پر نشان بصیغۂ جمع نازل ہو چکے ہیں۔ اور سب سے بڑا معجزہ، ابدی کلام الٰہی کے، خود رسول کی سیرت مقدسہ ہے جس کا ہر جزء معجزہ ہے۔

شلہ نفع حاصل کرنے کیلیے صرف دیدۂ بصیرت درکار ہے، ورنہ بقول شاعر

در دل ہر کس کہ از دانش مزہ ست
روئے و آواز پیمبر معجزہ ست

شلہ (اے ہمارے پیمبر) شلہ یعنی دین حق لیکر اور سارے عالم کیلیے داعی بنا کر۔ شلہ مومنین مطیعین کے حق میں۔ شلہ سرکشوں، منکروں، کافروں کے حق میں۔ شلہ (پس) آپ اپنے حد سے زیادہ فکر نہ کیجیے۔ ان کے انجام کی طرف سے اپنے کو تشویش و غم میں نہ ڈالیے۔ رسول اکرم کی فرط شفقت سے کفار اور یہود کا کفر پر اصرار اور انکا خسران، آپ کو سخت ملول رکھتا ہے۔ آپ ان کے پیچھے کیوں اپنے کو ہلکان کر رہے ہیں۔ شلہ خواہ آپ انکے حق میں کتنی ہی بات ترک کردیں۔ شلہ خواہ آپ انکی کتنی ہی دلجوئی فرماتے رہیں۔ شلہ یعنی اپنے مذہب سے کبھی دست بردار نہ ہوں گے۔ شلہ یعنی طریق اسلام۔ شلہ (حق و صواب کی) اور اسی پر عقلی و نقلی دلائل کا اجتماع ہے۔ شلہ راہ دیتے ہیں ... الکتاب اور (شرائع جنھیں) شلہ علم سے مراد علم قطعی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات و احکام بدیہی ہیں۔ مفسرین نے ... سے استدلال کیا ہے ... یہود و نصاریٰ ... حاصل کیا جائے ... اس سے ... آپ پہلے انبیاء کی ... اتباع دین افضل ... اور ... باطل ... مروجہ شرائع ...

عہ اور آپ کیلیے اتباع باطل یا باطل مروجہ کی اتباع ناممکن ہے اسلیے کہ آپ سرتاسر حق ہیں ... یہود و نصاریٰ سے حصول رضا کی کوئی صورت ہی نہیں ... یعنی اپنی کتاب ... شروع ...

آتش عشق سینما

(از ابو الخیر مولوی محمد خیر اللہ صاحب خیر سنوسی القادری (دکن))

عیش و تنعم، لہو و لعب اور کھیل تماشے جن کو ہم نے اعلیٰ تہذیب و تمدن کا نام دے رکھا ہے اور جو ہماری مزعومہ ترقی کے اجزاء ہے دلچسپ اور وجہ سیر و تفریح ہیں اُن کو الٰہی اصطلاح میں "بطر معیشت" کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم اس نام سے متعارف کراتے ہوئے اسے کو ہلاکت کا مترادف قرار دیتا ہے۔ وَکَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا۔ پھر اس ترقی تمدن کے کرشمے آئے دن اپنی کارگزاریوں کے نظارے جو اخبارات میں دکھایا کرتے ہیں ——— کہ اس سال موٹروں نے اتنے بے گناہوں کو کچل دیا، اور فلاں ایجاد کی نذر اتنی جانیں ہو کے رہیں وغیرہ، کیا یہ صورت اہلاک قرآن حکیم کے ارشاد بطر معیشت کا نتیجہ اور موجودہ دور میں آیہ پاک کی مجسم تفسیر نہیں ہے؟ کیا وہ اعلیٰ تمدن جن کے نیوش و برکات بنی ہیں؟ جنہوں نے ایطالیہ سے گیاس کے گولوں کی شکل میں اُڑ کر حبشہ پر برس کر دنیا کو اپنی تباہ کن ترقی کا ایک نظارہ ..... دکھا دیا؟ ہاں ہماری ترقی کی یہ صورت گذشتہ اور بطر معیشت کا نتیجہ تباہی ہے اور ہوگا۔ ذرا ارشاد ہو، ان گذشتہ تمدنوں کا کہیں پتہ بھی ہے؟ جسے آپ کی تاریخ شاندار طریقہ پر گنواتی اور سنواتی رہتی ہے۔ وہ تہذیب بھی اپنے دور ماضیہ میں ایسی ہی اور اتنی ہی معزز و ممتاز رہی ہوگی جیسی اور آپ کی پیش نظر یہ موجودہ تہذیب ہے کہ اپنی انتہا کو پہونچنے کے بعد اور اپنا وقت آنے پر اسی طرح مٹ کر رہی کہ گویا اس نے کبھی جنم ہی نہ لیا تھا۔ ہَلْ تُحِسُّ مِنْھُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَھُمْ رِکْزًا۔

واضح باد کہ وہ مہلت تو ضرور دیتا ہے اُس کی گرفت متین ہوتی ہے۔ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ۔ پھر یاد رہے جب وہ مواخذہ پر آتا ہے تو اُس کی گرفت بڑی ہی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۔ اُس کی مار سے اُسی کی پناہ کہ وہ دفعۃً پڑتی ہے اور سنبھلنے نہیں دیتی۔ ہم اپنے کرتوتوں سے غافل ہیں تو کیا وہ بھی غافل ہو سکتا ہے۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

عزیزو! موتی محل کا یہ واقعہ جانگزا اور حادثہ روح فرسا اگر قیامت صغریٰ ہے تو پھر اُس آنے والی قیامت کا کیا حال ہوگا۔ یوں وہ ہماری نظروں سے دور ہے مگر اس عالم الغیب والشہادۃ کی نظر میں وہ ہم سے بہت قریب آ لگی ہے۔ اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰہُ قَرِیْبًا۔

بزرگو! یہ اور ایسے بہت سے حادثات آئے دن ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں اور ہم کچھ دیر کے لیے ان سے متاثر ہو کر انھیں قیامت صغریٰ سے موسوم کر دیا کرتے ہیں۔ ان کے اس طرح واقع ہونے کی ضرورت سیاست الٰہیہ اس واسطے محسوس فرمایا کرتی ہے کہ سونے والے ایک دفعہ بیدار اور غافل ہوشیار ہو جائیں اور یہ سمجھے رہیں کہ پردہ کوئی ان کی خبر لینے والا بھی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا تھا وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ۔

واضح ہو کہ ہم اس آنے والے بڑے عذاب (قیامت) سے پہلے ایک چھوٹے عذاب کا بھی مزہ چکھا کر رہیں گے۔ تاکہ یہ لوگ (اپنی غفلت و سرکشی سے باز آ جائیں اور ہماری درگاہ میں) رجوع ہو جائیں۔ غرض دنیا میں فیشن و تہذیب کے پرستاروں نے جب اپنے طرز زندگی کو شعار بندگی کی حد سے متجاوز کر دیا اور ترقی تمدن کا نام لے کر خطرات کو دعوت دی۔ قدرت کو ناراض کیا اور قید و بند مذہب سے آزاد ہو کر مست و مگن ہو گئے ہیں تو سنت اللہ نے اُنکی گوشمالی کی اور عبرت آفریں سبق دیا ہے۔

قرآنی تاریخ اور الٰہی اخبار ایسے صدہا واقعات کو آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور قدرت کا انتظام سیاسی حوادث عالم کے ایسے نقشے دکھا دکھا کر ہماری سبق آموزی اور عبرت پذیری کا سامان کرتا اور ہمارے کان کھولتا جا رہا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ بیدار ہو کر اپنی خبر نہیں لیتے۔

اس حادثہ فاجعہ سے بچی ہوئی بہو اور مردو! یاد رہے کہ آپ کو اس نے نہیں مارا بلکہ آپ کو ہم کو بیدار کرنے کے واسطے دوسروں کو مارا ہے۔ اور اس کا ہوشربا و عافیت سوز نظارہ ہم کو دکھا کر نصیحت آمیز موقع ہم کو عطا فرمایا ہے۔ ہماری عبرت کے واسطے ہمارے نہیں دوسروں کے گھر آ جاتے ہیں۔ کیا اس کا شکرانہ یہی ہوگا کہ ہم پھر ایسے حوادث میں خود کو مبتلا کر کے اسی طرح دوسروں کے لیے عبرت بن جائیں؟ اور اس موتی محل ٹاکیز سینما کے سبب، خوفناک اور حواس سوز نظارے کی کوئی مثال پھر حیدرآباد کی آنکھیں دیکھ لیں؟ (اعاذنا اللہ منہا)

کیا عبرت و بصیرت اسی کا نام ہوگا کہ چند احتیاطی تدابیر کو اختیار کر کے ہم آئندہ ممکنہ خطرات کے مقابلہ کے لیے پھر جری بن جائیں؟ کیا اسکے خلاف وہ خیر الماکرین کوئی اور انتقامی تجویز نہیں فرما سکتا ہے؟ جب ہم کو اس بلا سے ہمارے پروردگار نے بچا لیا ہے اور ہماری آنچ اوروں پر ٹل گئی ہے تو اسکا نتیجہ "السعید من وعظ بغیرہ" کیا اگر ہمیں ہوشیار نہ ہونا چاہیے؟

ارشاد ظل سبحانی اور نصائح سایۂ یزدانی (ادام اللہ) کو دیکھیے اور غور کیجیے تو واضح ہوگا کہ اس کا ایک ایک لفظ نصیحتوں کا ایک ایک دفتر ہے۔ اس سینما کے جنون کا باعث بلائے آسمانی اور مخرب اخلاق ہونا کیسی واضح حقیقت ہے۔ کیا یہ ہمارے دین و دنیا کے حامی و نگہبان (ادام اللہ و ابقاہ) کا ارشاد ہمایوں ہندو مسلمانوں کے لیے گذشتہ را استغفار و آئندہ را احتیاط کا ایک کھلا ہوا سبق نہیں ہے؟

اس سلسلہ میں علیا حضرۃ ملکۂ دکن (ادام اللہ) کے ہدایات جو مخدرات کے لیے صادر ہوئے ہیں لازم ہے کہ ہماری شریف بہو بیٹیاں انکو آنکھوں پر اپنی نظروں کے سامنے رکھ کر لیں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو شائستہ بناتی جائیں۔

شرفا کی بہو بیٹیوں کا روزانہ گلی کوچوں میں کھیل تماشوں کے لیے مارے مارے پھرنا۔ پھر اس سے معزز گھرانوں کی وقعت کا گھٹ جانا، پھر ان نازیبا افعال کا خود مستورات ملک دکن کے لیے سبکی کا باعث ہونا۔ پھر ہماری زندگی کی اصلاح کے مد نظر یہ تقلید کہ شرق بھی مغرب کے خصائل و عادات کی پیروی نہیں کر سکتا۔ اچھے امور کی پیروی کا بنظر استحسان دیکھا جانا۔ اندھی تقلید کے برعکس نتائج

کی وضاحت - واقعہ زیر بحث کا موجب عبرت آیندہ ہونا - ہمارے متجاہل کے لیے یہ گوشمالی کہ آیندہ پھر یہ باعث مضحکہ نہ بن جائے - ان نصائح و مواعظ میں ہمارے ہی سود و بہبود کا مضمر ہونا وغیرہ وغیرہ کونسی بات ہے جس پر سر تسلیم خم کرنے کے بغیر کوئی چارہ ہوسکے -

بعض خدا فراموش ذہنیتیں اس حادثہ سے عبرت کے سوال ہی کو غیر متعلق کرکے اس کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کی سعی فرمارہی ہونگی - کیا وہ ایسے عافیت سوز نظاروں کو پھر برائی العین دیکھنے کی متمنی ہیں؟ کیا ایسی جرأت آفرینیاں قدرت کے انتقامی جذبات کی خدمت میں کسی مزید بڑی بلا کی دعوت کا رقعہ نہ بن جائیں گی؟ کوئی مسلمان کلام ربانی کے اس نقشہ کو موتی محل کے نقشہ سے مطابق کرکے غیرت و عبرت کا سبق لے - اَفَاَمِنَ اَہلُ القُریٰ اَن یَّاتِیَہُم بَاسُنَا ضُحیً وَّہُم یَلعَبُونَ - کیا (دنیا کی) بستیوں میں بسنے والے اس سے نڈر اور بے خوف ہوگئے ہیں کہ وہ کھیل تماشوں میں (دن دہاڑے) جب مصروف ہوں تو عذاب الٰہی اُن پر آپڑے - (اعراف)

یہ جو کہا گیا تھا کہ یحشرون یوم عراۃ یعنی میدان حشر میں انسانوں کا عریاں اجتماع ہوگا اور عالم نفسی نفسی میں یہ عریانی کسی کو محسوس نہ ہوسکے گی تو بعض سننے والوں کو حیرت میں مبتلا ہونا پڑا ہوگا مگر آج موتی محل کے اس حادثہ نے کیا اسی مسئلہ کو حل کرکے نہیں دکھا دیا؟ میدان حشر کی قیامت خیزیوں کو اس واقعہ زیر بحث سے بھلا کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ تاہم مصیبت کی ماری عورتوں نے جسم کی ساڑیوں سے سراسیمگی میں رسیوں کا کام لیکر اور لگی آگ سے بچنے کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے ساڑیوں کو تار تار کرکے مصیبت میں غیر محسوس عریانی کے امکان کا ثبوت نہیں پیش کیا؟

واقعات و مشاہدات کے مدنظر اور فطرت انسانیہ کے لحاظ سے قومی تعمیر و تخریب کی ذمہ داری زیادہ تر قوم کے بڑے طبقوں پر عائد ہوتی ہے - غریب طبقہ اکثر انکے زیر اثر تابع اور مقلد ہوتا چلا آیا ہے - بڑے طبقے ہی کی نظیریں اور مثالیں ہوتی ہیں جو چھوٹے طبقہ کی رہنما اور دلیل راہ بنتی جاتی ہیں - چنانچہ جب قدرت اپنی سیاسی عزت سے آمادہ انتقام ہوتی ہے تو وہ بڑے طبقہ ہی کی جانب مخاطب ہوکر اپنے احکام کی تعمیل کا مطالبہ کرتی ہے جب وہ طبقہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا تو اس طرح اپنی حجت کو ختم کرکے پھر خبر لیتی اور صفایا کرکے چھوڑتی ہے - وَاِذَا اَرَدنَا اَن نُّہلِکَ قَریَۃً اَمَرنَا مُترَفِیہَا - الخ

(رہبر دکن)

رعایتی قیمتیں

خیام	قیمت اصلی	قیمت رعایتی عہ	ایوان تمدن	قیمت اصلی سہ	رعایتی ۸ر
بہادر شاہ ظفر	،، عمر	،، عمر	سوویٹی اردو	۱۴ر	،، ۱۲ر
دلچسپ افسانے مجلد	۱۲ر		شمیم و بہرام	۱۲ر	،، ۸ر
طوفان تبسم	۱۴ر	،، ۱۲ر	تاریخ السلف		،، ۱۲ر
محشرستان	۱۴ر	،، ۱۲ر	مبادی علم انسانی		،، عمر
پتہ - محمد نقی خاں			دریاباد - بارہ بنکی		

تصویر

(از خامہ جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(بسلسلہ صدق ۱)

آج عریاں تصاویر کو سامنے رکھکر شہوانی جذبات اُسی طرح مشتعل کیے جاتے ہیں جس طرح کسی اصلی صورت کے سامنے ہوسکتے تھے - بڑی بڑی شخصیتوں کے مجسمے صرف بازاروں کے چوک ہی میں نصب نہیں بلکہ دلوں کی گہرائیوں میں اس درجہ گڑ چکے ہیں کہ ان کی کسی ادنیٰ توہین پر اُسی طرح ازالہ حیثیت کے مقدمات چلائے جاتے ہیں جس طرح اُس اصل شخصیت کے بارے میں آخر لارنس کے بت کا مقدمہ دنیا کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا ہے وکٹوریہ کے بت کی توہین پر تحقیقاتی پولیس کا مقرر کیا جانا اسی دور صورت پرستی کی تاریخ میں محفوظ ہے حالانکہ اصل کا آج کوئی پتہ نشان بھی نہیں - یہ تمام معاملات صرف مصنوعی پیکروں کے ساتھ اسی شدومد سے کیے جارہے ہیں جس طرح قدرتی مجسموں کے ساتھ کیے جاتے - حتیٰ کہ ان تصویری جذبات نے فلم سازی کا ایک مستقل فن پیدا کردیا - اس کے خزانوں کا ایک مستقل حصہ وقف ہے اور سینما کی تماشہ گاہیں اب تمدن کا ایک نہایت ہی خوشگوار اضافہ سمجھی جارہی ہیں - آدمیوں سے وہ سبق نہیں لیا جاتا جو سینما کی متحرک تصویروں سے لیا جارہا ہے - نمائش و سطح پرستی کی آخری انتہائی حد ہے کہ آج کا انسان گویا خود بھی اپنے نزدیک اس لیے باطل محض ہوگیا کہ شغل کے لیے خود اُسی کی خودساختہ صورت اُس کے سامنے موجود ہے -

غرض حب و بغض، رغبت و نفرت، عشق و محبت اور خرید و فروخت کے تمام وہ معاملات جو ایک سطح پسند انسان کی اصلی اور قدرتی صورت سے قائم کرتا، آج سطح کی بھی نقلی اور فرضی سطح و صورت کے ساتھ جوڑ رہا ہے - کیا یہ صورت پسندی کی انتہا نہیں؟ اور جب ایسا ہے تو کیا یہ حقیقت سے بے خبری اور بیگانگی کی بھی انتہا نہیں؟ اور پھر ایسی قوم کے حق میں جو حقائق سے بیگانہ بن کر محض صورتوں اور صورتوں کی بھی نقالی میں اُلجھ کر رہ جائے، عقل و دانش کیا فیصلہ کرے گی -

بہرحال قوموں کے ان دونوں طبقات میں تصویر نے اپنی طبعی رفتار کے ماتحت اصل کو پردۂ نسیان میں چھپا کر زبردستی خود اس کی جگہ سنبھال لی - اور اس طرح دونوں جگہ اُس نے توحید مطلب کی جڑیں اُکھاڑ کر شرک کی بنیادوں کو مستحکم کردیا - متدین اقوام میں شرک عبادت پیدا کردیا - اور متمدن اقوام میں شرک عادت پر یہ شرک بھی اس تصویر پسندی کا درجۂ اولیں ہے - صورت پسندی کی آخری منزل یہ ہے کہ نمائشی صورتیں ہی حقائق کی جگہ سنبھال کر بالاستقلال خود ہی مقصودیت کی شان پیدا کرلیں - چنانچہ مذہبی اقوام کے سامنے ہی مستقل حاجت روا

بن کر قبلۂ قلوب ہو گئے اور متمدن قوموں کے سامنے فوٹو اور تصویریں ہی مستقل محبوب و مطلوب بن گئیں۔

آج کوئی ڈیزائن، کوئی نمونہ مقبول نہیں جس میں تصویر کا دخل نہ ہو۔ کوئی رسالہ جاذبِ نظر نہیں جب تک چند تصویریں اور خصوصاً عریاں تصاویر سے مزین نہ ہو۔ گویا ادبی رسالوں کی [illegible] سے علوے مضامین کے رنگین تصاویر قرار پا گئی ہے [illegible] کہ لوگوں کی جیبوں سے پیسے کھینچ سکے [illegible] محبوبیت کی بنا پر [illegible] کشش ضرور [illegible] کو [illegible] دے سکے اور دکانوں کی رونق [illegible] وقت اپنے ارزاق کے لیے خرید سکے۔ [illegible] تصویر [illegible] سے ہٹا کر بدولت اہل [illegible] فروغ پاتے [illegible] کی [illegible] کر دیتی ہے۔

[illegible] انسان کتم غیب سے نکل کر عالمِ شہود میں اسی لیے آیا تھا کہ [illegible] کشش ہو کر غیب کے قلبی مشاہدہ [illegible] مصورات [illegible] ہر صورت سے اعراض کر کے حقیقت کی طرف جائے [illegible] اس کا لگاؤ فانی کے بجائے باقی سے ہو اور اس طرح وہ خود بھی باقی بن جائے اور اُسے اپنی اصل سے وابستگی رہے۔ اور [illegible] ان تصاویر کی بدولت ایسا گمراہی میں گرفتار رہا کہ [illegible] ہر مرتبہ سے کنارہ کش ہو کر اس نے محسوسات ہی کو اپنا قبلۂ نظر بنا لیا۔ یہاں تک کہ [illegible] سے اعراض کر کے [illegible] چیزوں میں جا پھنسا اور اپنی اصل سے منقطع ہو کر خود بھی بے اصل بن گیا۔ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر اگر بارگاہ حق کے حقیقت شناس اور [illegible] حقیقت پرست قلوب صورتوں سے بے لگاؤ اور تصویروں سے متنفر ہوں تو کونسی جائے تعجب ہے؟ ملائکہ جیسے [illegible] بارگاہ حق تصویر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟

لا یدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب [illegible] (بخاری و مسلم)	جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اُس میں ملائکہ نہیں داخل ہوتے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حقیقت رس بارگاہ [illegible] کا ان رسوم و نقوش کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن [illegible] فی بیتہ شیئاً فیہ تصاویر الا نقضہ (بخاری)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ایسی شے جس میں تصویر ہو بلا توڑے نہیں چھوڑتے تھے۔

حق تعالیٰ شانہ [illegible] تصویر سازوں کے ساتھ کیا طریق عمل اختیار [illegible]

اشد الناس عذاباً یوم القیٰمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ [illegible] المصورون (بخاری و مسلم)	یوم قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ لوگ ہوں گے جو خدا کی تخلیق میں اپنے کو اس جیسا بنانا چاہتے ہیں یعنی مصور وغیرہ۔

یہ تو صورت گروں کے [illegible] کے متعلق ارشادات شرعیہ تھے لیکن حقائق کی تصویریں خود ہمارے [illegible] نہیں ہیں [illegible]

انہیں مستقلاً مرکزِ التفات نہ بنائیں۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ (جو کہ تم میں غیب کی چیزیں ہیں)

اور یہ سب کچھ اس لیے کہ انسان بلا شرکت غیرے اصلی وجود اور اپنی کائنات کی اصل الاصول کی فکر و دھیان میں رہے اور جب ہی ممکن تھا کہ صورتوں سے اپنی حسی آنکھ بند کر کے فہم و فراست اور قلوب کی آنکھ کھولے تاکہ غیبی وجود اس کے مشاہدہ میں آ سکے۔

پس اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ نکلا کہ صورتوں کی تصویریں [illegible] قابل التفات اور تشتت کی چیزیں ہیں۔ اصل صورتیں کچھ نہ کچھ واقعیت رکھتی ہیں۔ لیکن پھر بھی تم کائنات کی اس حسی [illegible] خوشنمائی سے یکسو ہو کر اس کی حقیقی خوبی کی توجہات کا مرکز بناؤ۔ بلکہ پھر ان حقائق سے بھی قطع نظر کر کے اس حقیقۃ الحقائق تک پہنچنے کی سعی کرو جو تمام کمالات و جمالات کا سرچشمہ اور حقیقی خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت نے شہود سے ہٹا کر غیوب کی طرف انسان کو بڑھانا چاہا۔ اجسام سے ہٹا کر حقائق کی طرف اور بالآخر مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف لانا چاہا ہے۔ جو بغیر صورتوں سے قطع تعلق کیے ہوئے دشوار و ناممکن تھا۔ پس کہاں اسلام کی یہ حقیقت رسانی و حق نمائی کہ بطون در بطون اور غیب در غیب کی طرف بڑھا کر انسان کو حقیقت سے ملا دیا۔ اور کہاں انسانی تخیل کی گمراہی کہ نمائش در نمائش اور نمود در نمود کی طرف دھکیل کر انسان کو حق و حقیقت سے بعید و بیگانہ محض کر دیا۔ حقیقۃ الحقائق سے جدا کر کے جزوی حقائق پر اور اُن سے بھی ہٹا کر صور و اشکال پر اور پھر اُن سے بھی ہٹا کر تصویری خد و خال پر لا کھڑا کیا۔

پس وہاں اگر اصل الاصول تک پہنچ جانے کی وجہ سے توحید در توحید حاصل ہوتی تھی تو یہاں غیر حق کی طرف بڑھے چلے جانے سے شرک در شرک پیدا ہو گیا۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ تصویر اشتراک کی جڑ ہے اور صورت پسندیاں انسان کی توحید کے بجائے خود باقی نہیں رہ سکتیں تو ایک بجا اور مطابق واقعات دعویٰ ہوگا۔ اس لیے اگر توحید مطلقاً تصویر کا دشمن اور اس سے متنفر ہو تو اُس کا ایک قدرتی اور فطری جذبہ ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام جیسے کامل موحدین نے انسان کو انہماک صور و اشکال سے دور ہی دور رکھنا چاہا ہے۔ (۱) تصویر حیوانات کو حرام کیا۔ (۲) ملائکہ کی نفرت اس سے ظاہر کی۔ (۳) خود اپنا بغض اس سے بتلایا (۴) فن تصویر سازی اور مصور پر لعنت کی۔ (۵) تصویر بنائے جانے پر اُسکے مٹا دینے کی تعلیم دی۔ اور اسی لیے اہل حقیقت نے تصویر پسندوں اور صورت دوستوں کو ایسے نقصان سے بچانے کی سعی کی ہے۔ جہاں اُنکے گرفتار صورت ہو کر بعید از حقیقت ہو جانے کا احتمال بھی تھا۔

سالک [illegible] ابتداءِ سیر الی اللہ میں بہ نیت مخالفت باطنی صور و اشکال کا بھی مشاہدہ کرتا ہے تو [illegible] ان صورتوں سے بھی اُسکے جی التفات بنانے کی [illegible] نقوش کی رنگینیوں میں پھنس کر [illegible] حقیقت سے [illegible]

(باقی صفحہ ۴ کالم [illegible])

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر کیجیے۔
مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۱۰ | لکھنؤ- ۱۲- جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

"نواب ملکہ جہاں کے سازو سامانِ عیش و عشرت کا کیا کہنا- صرف بیس سیر موگرا، موتیا، بیلا اُن کی مسہری پر بچھایا جاتا تھا- پھولوں کے زیور اسکے علاوہ صرف ہوتے تھا- چاندی کے تار اور مقیش چاندی کے پھول جو زیوروں میں خرچ ہوتے تھے، اور صبح وہ سب اسی زیور مہترانی اور فراش لیکر کئی روپیہ کی چاندی بیچ لیتے تھے چار مالی اسی خدمت پر نوکر تھے کہ پھول لائیں اور زیور گوندھیں.... پچاس ساٹھ پیش خدمتیں تھیں، جو بیگم صاحبہ کا منھ دھلانے اور چوکی پر لوٹا رکھنے پر لازم تھیں- سیکڑوں باری بردار تھیں، جنکا کام یہ تھا کہ دو دو گھنٹے پنکھا جھلتی تھیں، اور باری بدلا کرتی تھیں اور چپی کرتی تھیں- پہرہ والیاں تھیں، جو رات کو بندوق کندھے پر رکھے ہوئے پہرہ دیتی تھیں، اور حکم حیدر پکارا کرتی تھیں- مغلانیاں انکے علاوہ تھیں، جو دن رات نئی پوشاکیں تیار کیا کرتی تھیں" (ایک مضمون نگار)

یہ نام کی 'ملکہ جہاں'، سارے جہان کی کیا معنی، سارے ہندستان کی بھی ملکہ نہ تھیں- صرف ایک معمولی صوبہ اودھ کی بیگم تھیں- مذکور اُن زمانہ یہاں کی بھی نہیں، صرف بادشاہ بیگم تھیں- یعنی شاہ اودھ کے متعدد محلات میں سے ایک محل! اور اودھ بھی اپنے اوج کمال کے زمانے کا نہیں، نہ آصف الدولہ کے وقت کا نہیں، اس کے بہت بعد کا جب زوال اچھا خاصا شروع ہو چکا تھا- انکے کروفر کا منظر آپنے دیکھ لیا؟

کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام جنات اور دیو زادوں پر بھی حاکم تھے، اور انکی حکومت کا سکہ زمین اور سمندر ہی نہیں، ہوا تک پر رواں تھا- اس پر بھی یہ عیش اور سامانِ عیش، انکے محلات مبارک الگ رہے، خود اُن تک کے حصہ میں نہ آیا- اس طرز زندگی کا جو نتیجہ نکلا، وہ بھی بالکل ظاہر و واضح ہے- اودھ کی سلطنت کا اسکے بعد کیا حشر ہوا؟ کے دن اسکے بعد سلطنت باقی رہی؟ جتنے دن رہی بھی، ہمت کے، شجاعت کے، ملک گیری کے، جہانداری کے کوئی سے بھی کارنامے اپنی یادگار چھوڑ گئی؟ کوئی مشہور مدبر، کوئی نامور جنرل، پیدا کر سکی؟ پھولوں کی سیج پر کروٹیں لینے والی ملکہ کی اولاد کو، اہل خاندان کو آج معمولی خوشحالی بھی نصیب ہے؟

سلطنتِ اودھ کا مذہب شیعی تھا- ملکہ جہاں کا نازِ خاتونِ جنت کی کنیزی پر تھا- عقیدہ اور عمل کے درمیان کوئی مناسبت آپ پاتے ہیں؟ رسولِ خدا کی بیٹی، ملکہ جہاں کی ملکہ کی سیج پر بھی ۲۰-۲۰ سیر کے ڈھیر تازہ پھولوں کے رہا کرتے تھے؟ وہاں سرے سے سیج یا مسہری کے قسم کی کوئی چیز تھی بھی؟ حقیقت کے اعتبار سے، ملکہ جہاں آپ تو تھیں، جنہوں نے نرم اور گداز بستروں کی تو شاید صورت بھی نہ دیکھی ہو، اپنے ہاتھ سے پانی بھرا، مشکیزے اٹھائے، چولھا جلایا، آگ پھونکی، آٹا گوندھا۔

روٹی پکائی اچکی پیسی، گھر کو جھاڑا جارا! وہ جو صرف نام کی ملکہ جہاں تھیں؟ دنیا کے دلوں پر حکومت ان کی ہے یا انکی؟ عقیدت کے پھول آج بیشمار و بےحساب کس کے مزار پر، کس کے نام پاک پر، چڑھ رہے ہیں؟ سرداری و سرداری اسوقت بھی کس کو حاصل رہی، اور آج بھی کس کو حاصل ہے؟ —— کاش، اتنی موٹی بات، ایسی کھلی ہوئی حقیقت بھی ساری بہنوں اور بیویوں کی سمجھ میں آگئی ہوتی!

اپنے مشاغل

محترم معاصر ہمارا ہند، لکھنؤ سے :-

"اس ملک کے ہندوؤں نے خواہ وہ پہلے سیاسی مسلک کے یا کسی قوم کے معتقد ہوں، ایک بات قطعی طور پر طے کرلی ہے۔ وہ یہ کہ اپنا قومی نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندو تہذیب و تمدن، کلچر، ادب، زبان غرض سب کو دوبارہ قائم کیا جائے، ہندو ہندوستان کا بول بالا ہو۔ پنڈت، ہندو مہاسبھائی، آریہ سماجی اور سناتن دھرمی، مہاسبھائی اور کانگریسی، جمہوری اور آزاد، ملازم سرکار اور غیر ملازم سبھی اس میں متفق ہیں، اور قوم کا ہر فرد اور ہر کارکن اپنے اپنے انداز سے اسی منزل مقصود کی طرف برابر بڑھتا چلا جارہا ہے"

اور پھر دردمندی سے سوال اٹھاتے ہیں، کہ انکے مقابلہ میں مسلمانوں کا نصب العین کیا ہے؟ اسی دردمندی سے جواب دیتا ہے، کہ

"علماء نے یہ طے کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کا مشغلہ جاری رکھیں گے، اور عام تعلیم یافتہ سب سے پہلے نوکری، اور انکے ممتاز افراد کونسلوں کی ممبری اور پھر سکے تو کسی نہ کسی طور سے وزارت کے حصول کی کوشش میں لگے رہینگے۔ اس سے آگے بڑھکر، نہ کوئی قومی نصب العین ہے اور نہ کوئی مطمح نظر"

اس بیان میں کچھ بھی مبالغہ ہے؟ کاش ہم میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر یہ سوچتا، کہ مسلمانوں پر اسوقت شدید ترین ظلم کرنیوالے کون ہیں؟ خود مسلمان ہی یا کوئی اور؟

ذات پات یورپ میں

جرمنی سے اس نئے قانون کی اطلاع آئی ہے، کہ آئندہ سے کوئی جرمن لڑکی، ایرانی، مصری، اور عراقی نسل کے کسی مرد سے شادی نہیں کرسکتی!

"یہ" برادری" اور "غیر برادری"، "کفو" اور "غیر کفو" کے جھگڑے تو جب تک غریب ہندی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ پھر یہ کیا ہوا، کہ جرمنی، بہ ایں تعلیم و تہذیب، بہ ایں سائنس، بہ ایں تمدن، ان سے چند قدم نہیں، میلوں اور کوسوں آگے نکل گیا! اور صاف اعلان کردیا، کہ فلاں فلاں نسل سے رشتہ جوڑنا، بیاہ کرنا حرام!

کیا اسلام نے بھی کسی نسل سے، کسی قوم سے، کسی خاص سرزمین والوں سے، رشتۂ ازدواج ممنوع کیا ہے؟ اس نے ممانعت تو صرف مشرکوں ہی کا نام لیکر کی ہے۔ یعنی جو ان سے جنکے عقیدے سے گمراہی کے ہیں۔۔

کہ وہ فلاں اولاد فلاں اور فلاں کی ہیں! یہ ہے ہمارے اس کی "تنگ نظری"، اور انکے اس کی "آزاد خیالی"! ذات پات کی یہ تفریقیں، کہ فلاں کی اولاد کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، انکے ہاتھ کا پانی نہ پیو، انکے ہاں شادی بیاہ نہ کرو، تو خاص مشرک قوموں کی خصوصیات ہیں، اب وہ مشرک قومیں چاہے ہندوستان کی ہوں یا جرمنی کی!

"وحشیانہ" سزائیں

امریکہ کے قانون میں، دو چار سال پہلے ہی سے، اور جرمنی میں اب تازہ خبر آئی ہے کہ جرم اغواء کی سزا، سزائے موت قرار پائی ہے! "سزائے موت" اور اس زمانہ میں! متمدن دنیا کی تو یہ رہی تھی، کہ سزائے موت تمامتر ایک وحشیانہ اور بےمعنی سزا ہے، اور کوششیں سرگرم مسلسل اس کی جاری تھیں، کہ جرم قتل کی بھی سزا، سزائے موت نہ رہنے پائے، چہ جائیکہ قتل نہیں، اغواء کی سزا بھی موت قرار پاجائے! —— اغواء کی اصطلاح وہاں، ہمارے ہاں سے مختلف ہے۔ ہمارے ہاں تو اس لفظ کے جو معنی ہیں، سب کو معلوم ہیں، جرمنی اور امریکہ میں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی لڑکے یا لڑکی کو اس لیے غائب کردیا جائے، کہ اس کی رہائی کی خاطر اس کے والدین سے دھمکیاں دیدیکر روپیہ حاصل کیا جائے۔ گویا "زر فدیہ" سزا غصب ہیں اغواء بھی استحصال بالجبر ہی کی ایک صورت ہے۔ ——

بہرحال، اصطلاح کے معنی جو کچھ بھی ہوں، یورپ اور امریکہ کو بڑے بڑے تلخ تجربوں کے بعد کرنا یہ پڑا، کہ قتل انسانی کے علاوہ بھی کسی جرم کی سزا، سزائے موت رکھنی پڑی۔ تعزیرات اسلامی پر اب بھی یہ اعتراض "عقل" کی روشنی میں قائم رہے گا، کہ اس نے اپنے ضابطہ میں قصاص قتل و سزائے رجم کی دفعات کیوں رکھی ہیں؟

ماضی و حال

مہاراجہ گائکوار، بڑودہ نے یورپ میں ایک کانفرنس، مذاہب عالم کی منعقد کرائی۔ صدر بھی خود ہی تھے، اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا :-

"قدیم ہندوتاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں ایک عالمگیر مذہب کا خیال موجود تھا۔ اور اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ اخلاقی زندگی اچھی ہو، عالمگیر برادری اور اخوت اور دوسروں کی بھلائی اور خیرخواہی کا جذبہ پیدا ہو"

یہ تو صاف تصدیق ہوئی کان الناس امۃ واحدۃ کی (اس قرآنی بیان کی، کہ شروع شروع یہ اختلاف مذاہب نہ تھا، سب کا دین ایک تھا)۔ اسکے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ

"اس زمانہ کے ہندو حکمراں انھیں اصولوں کی پابندی پر زور دیا کرتے تھے، اور اپنے ملک میں بسنے والے مختلف العقائد لوگوں کو اسی کی تلقین کیا کرتے تھے"

اسکے معنی یہ ہوئے کہ ویدک تہذیب کے وقت، ہندوستان میں ایسے راجہ مہاراجہ بھی بستے تھے، جو کلمہ توحید سے چڑھا نہیں کرتے تھے، جنکے ہاں مذہبی تعصبات کو دخل نہ تھا، اور جنہیں "شدھی" اور "سنگھٹن" تحریکوں کی سرپرستی کی عزت نہ علانیہ حاصل تھی نہ خفیہ ——

۔۔۔ اگر صحیح ہے، تو ہمارا جیو ہاور، از راہ کرم، مزید تحقیق و تفتیش گوارا فرما کر اُس اصلی کے نمونے "حال" میں بھی دریافت فرما سکتے ہیں؟

طلوعِ اُمید "آج ہم میں سے جو کوئی مسیح کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، اُسے سب سے پہلے تو یہ چاہیے کہ بحث و مناظرہ سے بچے ...... انکے یہاں کے علماء اور پڑھے لکھوں کا تو ذکر ہی نہیں، مسلمانوں کے عوام تک کے لیے مباحثہ کرنا ایسا ہی ہے، جیسے کھانا کھانا ...... ہم گو حق پر ہیں، لیکن یہ اعتراف کر لینا چاہیے، کہ اکثر معاملات میں بحث و مناظرہ کے وقت مسلمان ہی غالب رہے گا" (صفحہ ۲۳۴ و صفحہ ۲۳۵ - رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء)

امریکہ میں ایک مشہور و معروف پادری زویمر صاحب رہتے ہیں، اور وہ اسیحیت میں اسوقت چوٹی کے جو چند شدید ترین دشمنان اسلام ہیں، ان میں سے ہیں۔ ... پروفیسر ... گویا ... شاید آپ ہی کا نام ہے، اور وہ جو دوگرامی ہے۔ پہلے ... (عربی) و تبلیغ تثلیث ... اب ... امریکہ ... رسالہ نکال رہے ہیں۔ اسی رسالہ میں یہ مشورہ ... پیشہ ... ایک دوسرے پادری صاحب ... رہے ہیں! ارشاد ہو رہا ہے: کہ ... مسلمانوں کو ہموار کرنے کی ... ہیں، اگر ... بحث و مناظرہ کے قریب بھی نہ جاؤ! .... یہ مشورہ

... علاوالدین ... اور ... تبلیغ ... چلا رہے ہیں ... زویمر کی ... ہیں ... حق ... ہندوستان میں ... اُس کے ساتھ ... بلکہ کہنا چاہیے کہ پوری صدی ... پروپیگنڈا کی پوری بے حقیقتی اور بے اثری خود ان پادریوں ... واضح ہو کر رہی! کاش اب بھی یہ حقیقت دل نشین ... ہو جائے!

نام کا پھیر "بنگال کے سربرآوردہ ہندوؤں نے اب وزیر ہند کے پاس ایک عرضداشت بھیجی ہے، جس میں فرقہ وارانہ فیصلہ مسترد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ انھوں نے رعیت پسندانہ ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ اس "دست بستہ گزارش" میں بنگالی ہندوؤں کی محکومی کا رونا رویا ہے، مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے کہ انھیں زیادہ نشستیں دی گئی ہیں، جو ہندوؤں کو واپس ملنی چاہییں، اور چونکہ ہندو اقلیت ہیں، اس لیے انھیں نسبتہً زیادہ نشستیں دی جائیں۔ یہی نہیں، بلکہ تعلیم، تمدن، دولت، پبلک خدمت، تجارت، وغیرہ امور میں فوقیت کے باعث وہ مجلس آئین ساز بنگال کی ... صد نشستیں حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ انکی عرضداشت کے مطالعہ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے"

یہ بیان کیپیٹل ... روزنامہ کا تھا۔ "سٹیٹسمین" (۱۸ جولائی) کا بیان ہے کہ یہ عرضداشت، جس پر لکھوکھا دستخط کرائے گئے ہیں، تیار کی ہوئی لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک بنگالی پروفیسر ڈاکٹر ... کی ہے! اور اسٹیٹسمین کی یہ روایت بھی ہے کہ آپ کا یہ کارنامہ کوئی پہلا نہیں، تین سال قبل ہندو مہاسبھا کی طرف سے مجلس اقوام کے حضور میں بھی ایک اسی قسم کا محضر پیش کر چکے ہیں، گویا کام اُسوقت بھی رہے .... یہاں اصل مسئلہ کے ... سے بحث نہیں، سوال صرف اتنا ہے کہ ... مکرجی، بنرجی، چٹرجی، کے بجائے اگر کسی ... کا یا نیم سرکاری یونیورسٹی کے کسی پروفیسر صدیقی، زبیری، قریشی کا ہوتا، تو اُس غریب کا کیا حشر اب تک ہو چکا ہوتا؟ ہندو پریس، انگریزی اور دیسی، سب میں ... شور پرشور ... پچکے ہوتے، کونسل میں اُنکے متعلق سوالات پر سوالات کتنے ہو چکے ہوتے ... احتجاج پر احتجاج کتنے بلند ہو چکے ہوتے۔

(بقیہ صفحہ ۲)

جب اُس ضلع کے اول تعلقہ دار (ڈپٹی کمشنر) سے وہاں کے مسلمانوں کی حالت دریافت کی گئی تو معلوم ہوا کہ شادی، بیاہ، عید اور ... کے موقعہ پر خاصی رقم خرچ کر دیتے ہیں۔ اُن کاموں پر خرچ کرنے کے لیے ... ہیں، البتہ مسجد کے لیے چندہ نہیں دے سکتے۔ اسکے مقابلہ میں اپنے اکابر دین کے افلاس کی حالت دیکھیے۔ امام غزالی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں مجبور ... میں شریک نہیں ہو سکے ... معلوم ہوا کہ جسم پر کپڑے نہیں ... حاضر نہیں ہو ... ایسے ہی ... بار بار ... غرض ... تکلیف ... قابل ہوئے ... علماء دین سے ایک ... کی حالت تھی کہ بھوک سے بیتاب ہو کر نانبائی کی دکان پر جا کر بیٹھ جاتے تھے کہ شاید کھانے کی خوشبو ہی سے کچھ تسکین حاصل ہو۔

غرض افلاس یا قلت تعداد کسی کام سے مانع نہیں مسلمانوں کی اصلی کمزوری "عزم و ہمت" کی کمی ہے۔ یہ محض نفس کا دھوکا ہے کہ ہم اس وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے کہ مفلس ہیں یا تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اگر ہم تعلیم میں پیچھے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ آج کی تاریخ تک ہم نے وہ اہمیت نہیں دی جس کے حاصل کرنے کے لیے ہر تکلیف برداشت کر سکیں۔ عزم کے لیے صحت و توانائی بھی لازم نہیں، دل کی قوت چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے، آپکے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت نحیف و کمزور گویا پوست و استخوان تھے۔ آپ کی انگلیوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی نظر آتی تھیں، مگر آپ کا عزم پتھر اور فولاد سے زیادہ مضبوط تھا۔ یہ آپ ہی کے عزم کا نتیجہ تھا کہ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور اُسکا فتنہ فرو ہوا۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ ہماری نسل جیسی بڑھتی جاتی ہے عزم و ہمت میں کمزوری ہوتی جاتی ہے۔ آپ میں جوش بہت ہے لیکن عزم کم ہے۔ اور یہ عزم کی کمی قوت ایمان کی کمزوری سے پیدا ہوئی ہے۔

نئی کتابیں

(۱) دی ہولی قرآن (انگریزی) از جناب عبداللہ یوسف علی صاحب
(۲) پارہ ۱۳ و ۱۴۔ حجم فی پارہ ۷۶ صفحہ۔ قیمت فی پارہ عہ۔ پتہ:
شیخ محمد اشرف صاحب، تاجر کتب، کشمیری بازار۔ لاہور۔

قرآن کریم کے اس مشہور ترجمہ، تفسیر کے پارے، بحمد اللہ پوری مستعدی کے ساتھ نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ خصوصیات وہی ہیں، جن کا اظہار ان صفحات میں بارہا کیا جا چکا ہے۔ فاضل مولف و شارح پر (مترجم، بغیر کسی معنی میں بھی کہنا دشوار ہے) ادبیت کا جو مذاق غالب ہے، اور ذوق مخاطبین کی رعایت جس حد تک مطلوب ہے، اس کا ایک نمونہ یہ بھی ہے، کہ پارہ ۱۳ میں سورۂ یوسف کی تفسیر کے بعد اچھی خاصی تفصیل سے جامی کی یوسف زلیخا کے مطالب کو دہرایا ہے۔ حالانکہ مذہبی حیثیت سے یہ کتاب جس مرتبہ کی ہے، ظاہر ہے۔ (کاش، ملا جامی کے نام نامی کا انتساب اس کتاب کے ساتھ نہ ہوا ہوتا!) امید ہے کہ جن حضرات نے اب تک اس انگریزی شرح کی خریداری فرمائی ہے، آئندہ بھی اپنی قدر شناسی کو جاری رکھیں گے۔ اور جو خالص انگریزی خواں جیسے ہیں، ان کے ہاتھوں تک اسے ضرور پہونچاتے رہیں گے۔ غیر مسلموں کا حلقہ، جہاں مطالب قرآنی پہونچانے کی ضرورت اہم و اشد ہے، اس قدر وسیع ہے، کہ جتنی راہیں بھی اس منزل تک کے لیے اختیار کی جائیں، سب ان شاء اللہ مفید ہی ہونگی۔

(۳) جیوگرافیکل ہسٹری آف دی قرآن۔ (انگریزی) از پروفیسر مظفر الدین ندوی، ایم اے۔ جلد اول۔ ۱۶۱ صفحات۔ مجلد۔ قیمت عہ، پتہ، گریٹ ایسٹرن لائبریری۔ ۱۰ کالج اسکوائر۔ کلکتہ۔

موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کو دنیا کے سامنے پیش کرتے وقت ایک شدید و اہم ضرورت اس کی پیدا ہو گئی ہے، کہ اصل مسائل دین سے قطع نظر، تاریخ اقوام، و جغرافیہ ممالک وغیرہ کے جو مباحث ضمناً قرآن مجید کے اندر آ گئے ہیں، انھیں علمی حیثیت سے پوری طرح صاف و مبرہن کر کے پیش کیا جائے۔ مثلاً یہ کہ قوم عاد اور قوم ثمود کہاں آباد تھیں؟ کس زمانہ میں تھیں؟ فرعون سے، مصر کا کونسا بادشاہ مراد ہے؟ ہامان سے کون سی تاریخی شخصیت مراد ہے؟ طوفان نوح کس خطۂ زمین پر کس زمانہ میں آیا تھا؟ عہد ابراہیمی میں شرک کی کون سی صورتیں رائج تھیں؟ ابراہیم علیہ السلام کا وطن کہاں تھا؟ لوط علیہ السلام ہجرت کر کے کہاں تشریف لے گئے؟ اس طرح کے دو چار نہیں، بچاسوں اور سیکڑوں مسائل ہیں۔

قدیم علماء اس ضرورت سے بے خبر۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو ادھر توجہ نہیں۔ لے دے کے، ایک ندوی عالم مولانا سید سلیمان ایسے نکلے، جنھوں نے آج سے کوئی ۲۰ سال قبل، ارض القرآن کے نام سے دو جلدوں میں، ایک کتاب اس موضوع پر شائع فرمائی۔ اب ضرورت اسکی تھی، کہ اول تو اسے انگریزی میں منتقل کیا جائے، دوسرے اس بیس سال کے عرصہ میں تحقیق و تفتیش کی جو مزید ترقیاں ہوئیں، انھیں بھی کھپا یا جائے۔ غیب سے جو مرد بالآخر اس کار عظیم کے لیے منتخب ہوا، وہ بھی ندوی ہی ہے، یعنی مولوی سید مظفر الدین ایم اے، لکچرر، اسلامیہ کالج کلکتہ۔ جن کے نام سے صدق کے ناظرین ناواقف نہیں۔ انکی ایک اور انگریزی کتاب، مسلم تھاٹ، پر ریویو صدق میں ہو چکا ہے۔

زیر نظر کتاب، ارض القرآن کا ترجمہ نہیں، بلکہ فاضل مصنف نے صرف اتنا کیا ہے (اور یہی کرنا بھی چاہیے تھا) کہ اُسے سامنے رکھ کر اُسکے مطالب کو اپنے طرز پر انگریزی میں منتقل کرتے گئے ہیں، اور جا بجا ماخذوں سے لیکر اچھا خاصہ اضافہ بھی کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ترتیب میں بھی ارض القرآن کی پابندی نہیں کی ہے۔ چار صفحوں کے دیباچہ کے بعد فہرست مضامین ہے، اور پھر کوئی ۲۵ صفحہ کا مفصل مقدمہ جسکا بیشتر حصہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور مسٹر فلبی کی کتاب ربع الخالی سے منقول ہے۔ اسکے بعد باب اول، جغرافیۂ عرب پر ہے، ص۹۵ سے باب دوم شروع ہوتا ہے، جو اقوام مذکورۂ قرآن پر ہے، اور جس میں عرب بادیہ، عرب عادیہ، جرہم، ثمود، وغیرہ کا اجمالی، اور قوم عاد کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ ص۱۲۱ سے باب سوم کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ بھی اقوام مذکورۂ قرآن ہی پر ہے، اور اس کے تحت میں عاد ثانیہ، ثمود، بنو جرہم، طسم و جدیس، اہل مدین، و بنو لحیان کے تذکرے ہیں۔ اور یہ جلد اسی مقام پر پہونچ کر ختم ہو گئی ہے۔ آخر میں انگریزی کتابوں کے عام قاعدہ کے مطابق، فہرست اسماء ہے، اور اسکے بعد کتابوں کی فہرست۔ شروع میں نقشہ خانہ کعبہ کا ہے، اور جا بجا چار نقشے ہیں۔

کتاب کی اہمیت اور حیثیت افادی کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، پروف کی تصحیح میں کہیں کہیں اس لیے غلطیاں رہ گئی ہیں، جو آنکھوں کو بہت بدنما معلوم ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں مطالب بھی مزید بسط و تفصیل کے محتاج تھے۔ اردو کی بات اور تھی۔ اب جب کتاب انگریزی میں ہے، تو ظاہر ہے کہ معتقدین و موافقین سے کہیں بڑھ کر منکرین و مخالفین کی نظر سے گزرےگی۔ ان کی تشفی و اطمینان کے لیے، متعدد مباحث ایسے ہیں، جنھیں زیادہ مدلل ہونا تھا۔ آخر میں جو انگریزی کتابوں کی فہرست دی ہے، وہ بھی ناقص رہ گئی ہے۔ ان کوتاہیوں کے باوجود، انگریزی میں اسلام کے سواد اعظم کی طرف سے، اپنی نوعیت کی یہ پہلی کوشش ہے، اسی لیے ہر طرح مستحق حوصلہ افزائی کی ہے۔ ابھی جلد دوم و سوم شائع ہونا باقی ہیں۔ خدا کرے وہ جلد پریس سے باہر آئیں، اور اس جلد کی بہ نسبت بھی ہر اعتبار سے مکمل و مدلل ہوں۔

مکان کا خود تعمیر کرانا مشکل ہے۔ تعمیر شدہ بہتر سے بہتر مکان میں بھی نقائص نکال دینا آسان ہے ——— اس قاعدہ کے مطابق، توجہ و التفات کے قابل، کتاب کی کوتاہیوں سے کہیں زیادہ اسکے محاسن ہیں۔ اور دیکھنا اسی طرف چاہیے۔

(۴) میسیج آف اسلام (انگریزی) از اے، کے، عثمان درانی۔ ایڈیٹر ٹروتھ، ضخامت ۸۰ صفحے۔ قیمت ۸ر پتہ، منیجر ٹروتھ، مغل پورہ، لاہور۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریک کے اثر سے اچھوتوں کو مخاطب کر کے مسلمانوں نے اچھے اچھے رسالے اور مضامین لکھے ہیں، انگریزی میں انکا

کم آیا ہے، اور لاہوری قادیانیوں کو الگ کر دینے کے بعد، پھر تو یہ عنصر بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ بعض بہترین چیزیں تو انگریزی کے حصہ میں بھی آچکی ہیں، اور اس منتخب فہرست میں ایک نمبر زیر نظر رسالہ کا بھی ہے۔ مصنف میں پہلی بات تو یہ ہے کہ خوش قسمتی سے وہ انگریزی بہت خوب لکھتے ہیں، اور کہنا انھیں جو کچھ بھی ہوا کہتے اُسے سنجیدہ انداز میں ہیں۔ مخاطب پر ہمیشہ اثر تو اسی کا پڑتا ہے۔ پھر معنوی حیثیت سے بھی اس رسالہ میں جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ ہے بہت مدلل، اور اچھوتوں کے لیے ہر طرح قابل غور اور نتیجہ بخش۔ رسالہ میں پہلے اسلام کے اعتقادی و عملی اجزاء کی تشریح کرکے دکھایا ہے، کہ قابل قبول مذہب اگر ہو سکتا ہے، تو وہی ایک۔ پھر ہندو مذہب، سکھ مذہب، مسیحی مذہب، بودھ مذہب پر تبصرہ کرکے بتایا ہے کہ اچھوتوں کے دکھ کا علاج ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں۔ دعوت اسلام بہت پُرزور طریق پر پیش کرکے ثابت کیا ہے، کہ اچھوتوں کا نفع اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلیں۔

یہ ضرور نہیں، کہ ضمناً بھی جتنی باتیں مصنف کے قلم سے نکلی ہیں، سب سے اتفاق ہی کیا جا سکے۔ یہ بھی ہے، کہ کہیں کہیں اظہار خیال میں ذرا زیادہ سختی آگئی ہے، لیکن بحیثیت مجموعی رسالہ اس قابل ہے کہ انگریزی خواں اچھوتوں اور دوسرے غیر مسلموں کے درمیان بھی) اس کی اشاعت خوب کثرت سے کی جائے، اور ہمارے امراء صدہا کی نہیں، ہزارہا کی تعداد میں اسے، اُن قوموں کے درمیان تقسیم کرائیں، کہ یہ تبلیغ دین کی راہ میں ایک اعلیٰ قدم ہوگا۔ غیر مسلموں کے علاوہ، خود مسلم انگریزی خواں طبقے میں بھی اس کا مطالعہ نفع سے خالی نہ ہوگا۔

(۵) **ہز ہولی نس** (انگریزی) از "نیلکس" - ۲۶۸ صفحے قیمت ۸ر، پتہ، اسلامک لٹریچر پبلشنگ ہاؤس۔ کشمیری بازار۔ لاہور۔

ردّ قادیانیت میں اب تک انگریزی میں برائے نام ہی لکھا گیا۔ قادیانی گروہ نے خود اپنا پروپیگنڈا تو انگریزی میں خوب زور شور سے کیا، لیکن اس کی تردید میں انگریزی میں جو کچھ کہا گیا، وہ نہ کہنے کے برابر ہے۔ "ہز ہولی نس" (جس کا ترجمہ "تقدس مآب" یا "تقدس پناہ" ہو سکتا ہے) ردّ قادیانیت میں کہنا چاہیے، کہ پہلی اہم و سنجیدہ انگریزی تصنیف ہے۔ مصنف نے اپنی شخصیت کو راز میں رکھا ہے، لیکن انکا قلم یقیناً کوئی کہنہ مشق قلم معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں دیباچہ مولانا ظفر علی خاں صاحب "زمیندار" کے قلم سے ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہیں اُنکے کام کی چیز ہے۔ کاغذ، چھپائی، جلد بندی، وغیرہ ظاہری لوازم حسن طبع بالکل انگریزی کتابوں کے معیار کے مطابق ہیں۔ اور اسکی داد ناشر (اسلامک لٹریچر پبلشنگ ہاؤس، لاہور) کو پوری طرح ملنی چاہیے۔

(۶) **ہمارے نبی کے صحابہ** - از مولوی اعجاز الحق قدوسی صاحب، تقطیع کتب درسی۔ ۱۲۰ صفحات۔ قیمت ۸ر، پتہ دفتر رسالہ ترجمان القرآن، نظام شاہی روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

صحابہ کرامؓ کے حالات میں اردو میں اب ماشاء اللہ کافی تعداد میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، بعض کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ مدارس درس میں کام آسکیں۔ یہ کتاب بھی اسی غرض سے لکھی گئی ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ طرز تحریر مصنف سرکار کا دربار سے بہت ملا جلا اور ظاہری شکل بھی اُسی سے ملتی ہوئی۔ شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی، اور مدیر ترجمان القرآن، وغیرہم کے مختصر تعارف نامے درج ہیں، جو مضامین کتاب کے استناد کے لیے بالکل کافی ہیں۔ اس میں صحابہ کی الگ الگ سوانح عمریاں نہیں، بلکہ توحید، عبادات، اخلاق و معاشرت، کے ابواب قرار دے کر انکے تحت ان عنوانات میں صحابہ کے کارنامے بیان کر دیے گئے ہیں۔ بعض حیثیتوں سے یہی طریقہ زیادہ مفید و موثر بھی ہے۔

(۷) **گردش ایام** - از حکیم شرافت حسین صاحب - ۹۲ صفحے قیمت ۶ر مصنف کے پاس سے، یا بتوسط شیخ اقبال علی صاحب ایڈوکیٹ، بھوپال ہاؤس، گھسیاری منڈی، لکھنؤ - ملے گی۔

اُلٹ پلٹ کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک اصلاحی افسانہ ہے۔ شادی بیاہ کی تباہ کن اولوالعزمیوں اور قرضہ اور سود کی لائی ہوئی بربادیوں سے بچنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ مصنف کی دلسوزی اور اخلاص مقصد تو ہر سطر سے نمایاں ہے۔ شروع میں ۱۲ صفحہ کا دیباچہ مولوی ابوالحسن علی صاحب استاد دارالعلوم ندوہ کے قلم سے، بجائے خود قابل دید ہے۔ اصلاحی تحریکات کے ہمدردوں کو چاہیے کہ ایسے رسالہ کو گھر گھر پھیلائیں، گھر کی بیویوں کو دکھائیں، یا پڑھ کر سنائیں۔ ان شاء اللہ ضرور مفید اثر پڑے گا۔

(۸) **قومی زبان** - از مولوی یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی۔ ۴۴ صفحے قیمت ۸ر مصنف کے پاس سے، ورنگل کالج۔ ورنگل، دکن، سے ملے گی۔

ہندوستان کی مشترکہ قومی زبان کے مسئلہ پر مدلل بحث ہے۔ اُردو زبان کی حمایت، محض جذبات سے نہیں، دلائل سے کی گئی ہے، اور اُردو رسم الخط کی خوبیوں کو علمی و فنی حیثیت سے روشن کیا گیا ہے رسالہ وقت کی ان ضروری بحثوں میں دلچسپی لینے والوں کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ گو قیمت ۸ر شاید اتنے حجم کے لیے زائد خیال کی جائے۔

رسید کتب

۱- **الزہرات** - (عربی) ضخامت - ۱۰۸ صفحے - قیمت ۸ر دیوان شعر - از مولانا عبد الرحمٰن کاشغری ... مصنف کے پاس سے شبلی ہوسٹل، ندوہ، لکھنؤ سے ملے گا۔

۲- **مغلظات مرزا** - قیمت ۵ر
۳- **ماتم شیعہ** قیمت ۱ر
از مولوی حافظ نور محمد خاں صاحب، مبلغ و مناظر مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ دونوں رسالے مصنف ہی سے ملیں گے۔

۴- **خاکساری فتنہ** - از پیرزادہ محمد اسحٰق صاحب قاسمی - ۵۶ صفحے قیمت ۱ر پتہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ گلی دروازہ امرتسر۔ مشرقی، صاحب "تذکرہ" کی رد میں بیان مع فتاوی علماء۔

اخبارات و رسائل

۱- **عصمت** - (راشد الخیری نمبر) مرتبہ رازق الخیری صاحب بی اے ۲۷۲ صفحات - قیمت ڈیڑھ روپیہ - پتہ، دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی۔

دہلی کے مولانا راشد الخیری کو آج اردو کی دنیا میں کون نہیں جانتا۔ انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے۔ عصمت کا یہ نمبر مرحوم کے صاحبزادے نے مرحوم کی یاد میں نکالا ہے، اور یادگار نمبر کا حق ادا کر دیا ہے۔ اول تو ضخامت خود ایک ضخیم کتاب کے برابر، پھر مضامین ایک دو نہیں، متعدد ایسے جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ بہترین حصہ خود مولانا کے صاحبزادہ اور عصمت کے موجودہ ایڈیٹر کے قلم سے نکلا ہے، درد و گداز، حسرت و یاس، سلاست و شستگی سب کچھ اس میں موجود ہے۔ پڑھے جائیے اور پڑھتے جائیے، مطمئن رہیے کہ دل اکتانے کا نہیں۔ ... فہرست ... صاحب، مولوی محمد ظفر صاحب، ڈاکٹر نصیر الدین صاحب، پریم چند صاحب، تاجور ... صاحب کے مضامین سب اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں۔ بے محل صرف ایک مضمون ... درج ہو گیا ہے، صفحہ ۱۹۹ تا صفحہ ۲۰۰۔ لکھنے والے نے خود ناقد مرحوم سے کہیں زیادہ خود اپنی شخصیت کا "تذکرہ" اشتہار شائع کیا ہے۔

ایسا کم ہوتا ہے (خصوصاً مسلمانوں میں) کہ کسی باکمال شخص کو اپنا جانشین اور بہرہ ور اپنی اولاد میں میسر آ جائے۔ راشد الخیری مرحوم اس حیثیت سے بھی خوش نصیب تھے کہ اولاد سعید پائی اور دونوں فرزند ایسے چھوڑے، جو انکے کام کو ان شاء اللہ انھیں کے طریق پر جاری رکھ سکیں گے۔

(۲) **معیار** — بانکی پور۔ ۱۱۲ صفحے۔ ایڈیٹر قاضی عبد الودود۔ قیمت سالانہ للعہ

انجمن ترقی اردو (شاخ پٹنہ) کا ماہوار رسالہ ہے۔ صرف ایک ہی نمبر (مارچ نمبر) دیکھنے میں آیا ہے۔ خالص ادبی رسالہ ہے۔ لیکن 'ادبی' کے لفظ سے ذہن "ادب لطیف" کے نمونوں اور فلم ایکٹرسوں کی نیم برہنہ تصویروں، اور لفظی فحاشیوں کی جانب ہرگز منتقل نہ ہونا چاہیے۔ یہ ان ساری گندگیوں سے پاک، سنجیدہ، ٹھوس اور خالص علمی نقطۂ نظر سے ادب کی خدمت کرنے والا رسالہ ہے۔ معیار بہت بلند ہے۔ اس لیے قدرۃً تمام کے کام کا نہیں، صرف خواص ادب کے کام کا ہے، اور انھیں کے التفات و توجہ کا پورا مستحق۔ ہر رسالہ آخر بازار کا رخ کہاں تک دیکھے، کچھ چیزیں تو آخر "اہل نظر" کے لیے بھی ہونی چاہییں، یا شروع سے آخر تک سب تماشائیوں ہی کی خاطر؟

(۳) **ہمدرد صحت** (دہلی) عورت نمبر ... ضخامت ۲۲۴ صفحے۔ ایڈیٹر حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی۔ قیمت سالانہ: عہ

نسخوں کے اعتبار سے تو فیصلہ صرف اہل فن ہی کر سکتے ہیں۔ البتہ ہم عامیوں کے نقطۂ نظر سے، رسالہ ہمدرد صحت طبی رسالوں میں اس وقت اب بہترین رسالہ ہے۔ سال کا ہر نمبر یوں ہی مفید، دلچسپ، پرمغز ہوتا ہے، اور پھر کمال یہ کرتا ہے کہ ہر تھوڑے وقفے کے بعد کوئی خاص نمبر نکال دیتا ہے۔ چنانچہ اطفال نمبر کے بعد یہ عورت نمبر ہے، اور عورت کے متعلق ہر قسم کے قابل قدر معلومات سے لبریز۔ عورت کی ساخت، اعضا کے متعلق بھی، عورت کے امراض سے متعلق بھی۔ اطبائے حاذقین کی رائے جو کچھ بھی ہو، لیکن غیر طبیبوں کے حق میں تو ایسا رسالہ یقیناً ایک نعمت ہے اور قیمت کی ارزانی تو معنویت کی بلندی کے ساتھ، حیرت انگیز ہے۔

(۴) **الجمعیۃ** — (دہلی) نگراں مولانا نور الدین بہاری۔ ایڈیٹر ابو البیان، ابو البیان ادیبی صاحب۔ چندہ سالانہ ...

جمعیۃ العلمائے ہند (دہلی) کا سہ روزہ ترجمان، نئے انتظامات کے ماتحت بہت سی توقعات کے ساتھ از سر نو جاری ہوا ہے۔ خدا کرے یہ توقعات پوری ہو کر رہیں۔ درمیانی دور میں جو بے اعتدالیاں [illegible] ان سے تو نئے اخبار کا دامن ابھی بحمد اللہ پاک ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ معیار اور بلند ہو۔ اور رکاکت و ابتذال کا تو سایہ بھی ایسی باوقعت جماعت کے ترجمان پر نہ پڑنا چاہیے۔ پیش نظر نمبر، نمبر ۱۲ ہے۔ اس میں ... درسوج، روز مباحثے اور ... کے ماتحت جو عبارتیں درج ہیں، کیا ... صاحب کے خیال میں جمعیۃ العلماء کے شایان شان ہیں؟ صرف اگرچہ تمام تر حق و صداقت ہی کی ہو، لب و لہجہ کی متانت سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔

(۵) **فلاح** — مرزاپور۔ یوپی۔ ہفتہ وار۔ ایڈیٹر قاضی بشیر احمد صاحب لکھنوی۔ چندہ سالانہ عار

مذہبی رنگ کا اخبار ہے۔ ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ کلام رباعی بندی درج ہوتا رہتا ہے۔ ابھی گیارہ نمبر نکلے ہیں۔ بعض اداریہ مقالات معلوم ہوتا ہے کسی مذہبی رسالہ کے لیے لکھے گئے ہیں۔ مرزاپور جیسے مقام سے اچھا اخبار نکالنے کی کوشش ہے بڑی ہمت کا کام۔

مسلمان اور افلاس

(ایک مدرسہ کے تقسیم انعام کے موقع پر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی تقریر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک آپ کے واسطے شمع ہدایت ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جس کے متعلق حضور نے رہنمائی نہیں فرمائی۔ آپ کے افلاس کی یہ حالت تھی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ صحابہؓ پر یہ وقت گزرا ہے کہ بھوک کی حالت میں جنگل کی جڑی بوٹی کھاتے تھے مگر اس پر بھی انھوں نے دنیا کا تختہ الٹ دیا۔ اور باطل پر حق کو غالب کیا۔ کیا آپ خدا کے یہاں یہ کہکر چھوٹ جائیں گے کہ ہم مفلس تھے اس لیے دین کی خدمت نہیں کر سکے۔

اگر کسی موقع پر ہیڈ ماسٹر صاحب آپ سے کسی نادار طالب علم کی مالی امداد کے لیے اپیل کرتے ہیں تو آپ تنگدستی کا عذر کر کے پہلو تہی کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد ہی پندرہویں شعبان کی بابرکت و مبارک رات میں بہت سا روپیہ آتشبازی میں پھونک دیتے ہیں۔ سارے ہندوستان میں اس مبارک رات میں اتنا روپیہ ضائع کیا جاتا ہے جس سے کئی ہائی اسکول چل سکتے ہیں۔ کیا اسی کا نام افلاس ہے؟

اسی سلسلہ میں آپ نے قیام حیدرآباد کے زمانہ کا ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک جگہ کے مسلمانوں نے یہ درخواست دی کہ یہاں کے مسلمانوں کو نماز کا بہت شوق ہے۔ انکے لیے سرکار ایک مسجد بنا دے، جس میں حجرہ بھی ہو، حمام بھی ہو۔ اس پر دریافت کیا گیا کہ جو مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے بیتاب ہیں وہ خود کس قدر چندہ دے سکتے ہیں؟ جواب ملا کہ مسلمان بہت مفلس ہیں۔

(باقی بر صفحہ ۳ کالم ۲)

فصل الخطاب

(از مولانا عبداللہ شاہ صاحب قادری - حیدرآباد دکن)
(سلسلہ صدق نمبر ۶)

اصل حقیقت

دین - ایمان - اسلام - فطرت اللہ - مذہب حنیف کی حقیقت، اصلی معنی لغوی کے لحاظ سے بلا لحاظ اصطلاح کیا ہے؟ میں سابقہ مضامین میں اس پر بہت کچھ لکھ چکا ہوں مگر یہاں مختصر طور پر اس کا اعادہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دین یہ لفظ عربی زبان میں معاملہ کرنے یا کسی کے حکم پر مطیع و منقاد ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ پھر اس میں توسیع کرکے دوسرے معنی بھی لیے جاتے ہیں اسی لحاظ سے خدا کے حکم پر سر جھکانے اور اس کے حسب مرضی اس کے یا اسکی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے کا نام دین ہے۔ باقی جتنے احکام دین ہیں وہ سب اسی دین کو قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لیے ہیں ان کے بغیر دین قائم نہیں رہ ہو سکتا اور نہ دین کے بغیر یہ اعمال کام آ سکتے۔

ایمان اسلام عربی زبان میں اسکا استعمال ہمیشہ یا تو صاحب امن و سلم "یعنے صلح" ہونے کے معنی میں ہوتا ہے یا کسی کی مرضی اور حکم پر اذعان و تسلیم کرنے کے معنی میں۔ قرآن و حدیث میں بھی تقریباً ان الفاظ کے یہی معنی ملحوظ ہیں۔ یعنی مخلوق خدا کے ساتھ صلح و آشتی اور امن و امان کے ساتھ اور خدا کے حکم پر اذعان و انقیاد اُس کی مرضی پر تسلیم و رضا کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا نام ایمان و اسلام ہے۔

فطرت اللہ انسان کی وہ جبلی و طبعی کیفیت و جذبات جو ماحول و گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہونے کی صورت میں اُس کے قلب میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ یہ بھی چونکہ یہی ہوتے ہیں کہ اپنے خداوند پروردگار خالق سے دلی محبت کریں اور اسکی مرضی معلوم ہو تو اُسکے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور زندگی خوشحالی و امن و امان، صلح و چین سے بسر کریں۔ لہذا اسکا مآل و مرجع بھی وہی ہے جو ایمان، اسلام، و دین کا ہے۔

مذہب حنیف حنیف کے معنی عربی زبان میں مائل کے آتے ہیں، یعنی سب سے منہ موڑ کر ایک ہی خدائے خالق کائنات کا ہو رہنا۔ یعنی اُسی ایک معبود کی رضا جوئی و انقیاد و اطاعت اور اس کے مقابل میں سب سے بے رخی و بیزاری۔ اس کا بھی حاصل وہی نکلا جو پہلے الفاظ کا ہے۔

اسلام دین قدیم ہے

قرآن شریف کا ارشاد ہے کہ ساری انبیا کا دین یہی اسلام تھا اور عقلاً بھی بالکل یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ دنیا کے جس حصے میں کوئی منجانب اللہ ہادی و رہنما گزرا ہو (اور حسب ارشاد قرآنی وہ ضرور گزرا ہے۔ ما من امۃ الا خلا فیہا نذیر) تو ضرور ہے کہ وہ خدائے خالق کے ساتھ عبودیت و بندگی کا اور مخلوق خدا کے ساتھ امن و امان، صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کا ہی راستہ بتایا ہوگا یعنی یہ کہ مخلوق اور خالق کے ساتھ بہترین تعلق و معاملہ کیسا کیا جائے اور بہترین معاملہ جسے عقل سلیم فطرۃً و جبلۃً پسند کرتی ہے وہی ہے جو اوپر گزرا۔ لہذا واضح ہوا کہ سب مذاہب کی اصل اسلام ہی ہے اور سب مقبولان خدا "انبیا" کا راستہ وہی۔ بنابریں یہ نتیجہ نکلے گا کہ سارے مذاہب و ادیان کی اصل حقیقت ایک ہی مذہب و دین ہے اور سارے امم و اقوام و ملل و نحل سب ایک ہی قوم ہیں۔ دین کے مفہوم کلی و مدلول عمومی و مطلق کے لحاظ سے تو بس ایک ہی بات ہے اور بس۔

اختلاف امم و ادیان

اس اختلاف کی اصل بات ایک چیز ہے جس کو کھینچ تان کر بڑا طویل و عریض بنا لیا گیا وہ یہ ہے کہ یہ مفہوم کلی، دین اور اسلام کا جن جزئیات اعمال و اقوال و عقائد کے ضمن میں ہو کر متحقق ہوا کرتا ہے انھیں کو اصل دین و مذہب سمجھ لیا گیا۔ اگرچہ تعبیر مقاصد میں مجازاً ہر زبان کے اندر ایسے استعمالات کثرت سے ملتے ہیں، مگر حقیقت کی رو سے یہ ایک فاش غلط فہمی ہے۔ اسی عالمگیر غلط فہمی میں تمام دنیا پھنسی رہی اور اب تک پھنسی ہوئی ہے۔

اختلاف تعلیمات انبیا

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت انبیا علیہم السلام کی تعلیمات بھی مختلف تھیں۔ اسکا جواب یہی ہے کہ دین تو سب کا ایک تھا اور اسی لحاظ سے سب کی تعلیمات بھی درحقیقت ایک ہی تھیں مگر انبیا چونکہ تمام دنیا کی مختلف قوموں میں مختلف سرزمینوں میں پیدا ہوتے رہے ہر قوم کے طرز معیشت میں ہر مرز و بوم کی مقامی و ملکی مقتضیات کے رو سے اختلافات ضرور تھا۔ انبیا کو ان کی خاص خاص عادات و حالات کی اصلاح کے لیے یقیناً خاص خاص احکام خدا سنانے پڑتے تھے جن کی اُس ملک و قوم کے لیے سخت ضرورت تھی۔ ان خاص خاص ضرورتوں پر خاص احکام کا انزال "جو اُس وقت دین" و "دیانت" کے مظاہر سے، مظاہر دین تھے"۔ ان اقوام کو ایک بڑے شبہ میں ڈال دیا اور انھیں ظروف و مظاہر کو وہ اصل دین سمجھنے لگے چنانچہ اس کا نتیجہ جو نکلنا تھا نکلا کہ ان خاص خاص اقوام کے خاص خاص احکام" درا صل جو انکی ضروریات پر مبنی تھے اور جنھیں یہ اصلی دین کی روح سمجھے ہوئے تھے" جب دوسری قوموں میں مل سکے تو وہ مخالف دین سمجھ لیے گئے اور کافر متصور ہوئے۔ قالت الیہود لیست النصاریٰ علی شیء وقالت النصاریٰ لیست الیہود علی شیء وہم یتلون الکتاب۔ یعنی یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی ٹھیک دین پر قائم نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کا دین کوئی دین نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں کتاب مقدس پڑھ رہے ہیں [illegible]

[illegible] قرآن کتاب مقدس تو یہ بتا رہی ہے کہ اصلی دین کیا ہے اور دیندار کیسے کہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ دین اسی کو سمجھ رہے ہیں جسے [illegible] ویشنوں [illegible] سمجھ دیا ہے۔ حالانکہ وہ ایسے جزئیاتی [illegible] نہیں ہے اگر یہی جزئیات [illegible] پیدا ہوتے تو [illegible] جزئیات [illegible] اصل دین [illegible] کافر [illegible] اُنھیں [illegible]

[illegible]

[illegible] رسول کا [illegible] اس بات [illegible]

[illegible]

[illegible] اُدا [illegible] تراث [illegible] [illegible] [illegible] اُنکے فرز [illegible] نتیجہ یہ ہوا تھا کہ جو ہوا کہ "دین خدا" کا کامل و مکمل و بہترین [illegible] دین [illegible] خاتم النبیین اور سید المرسلین کے ذریعہ [illegible] کا معنوی رخ جو حضرت عیسیٰ کے ذریعہ بھیجا گیا۔ [illegible] کی نظر میں ٹھہرا ایک زندیق و کفر" حضرت عیسیٰ کو جو روحانی عجیب حیرت [illegible] کے ساتھ پیدا کیا گیا وہ معمولی عقل کے لیے [illegible] باعث تصدیق ہو سکتا تھا مگر ظالموں نے ان عجائب و غرائب [illegible] البشریت دیکھنے کے باوجود نہ فقط انکی تکذیب کی بلکہ ماتوں نے کفر کا فتویٰ دیکر ایک کافر (حسب اقرار یہود) رومی سلطنت کے ہاتھوں اُنھیں (بزعم خود) سولی دلا دی۔ اور بڑے اطمینان و سرور سے یہ سمجھ کر بیٹھ رہے کہ گویا انھوں نے "دین" کی کوئی بڑی ہی خدمت ادا کی۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس تھا۔ وہی سخت ترین معاندان "دین" تھے اور حضرت عیسیٰ انسان کی سچائی تعلیم لائے تھے جو اسلامی تصوف کی صورت میں تھی۔ جب سب اُنھوں نے اسے مجسم [illegible] انسان کو جو خاص انبیا کی

سرکشیوں کی وجہ سے اس حالت مخصوصہ و ممتازہ کے ساتھ بھیجا گیا تھا تاکہ یہ ختم حجت ہو سکے کہ اگر [illegible] سر سے [illegible] اُنھوں نے مارا تھا، پیٹا تھا، ایذائیں دی تھیں، بالآخر بد ترین بے رحمانہ شکلوں سے قتل کیا تھا تو خیر کیا تھا، اپنے نبی کے ساتھ تو یہ کام نہ کریں گے جو مسیح روحانی ہے اور جس کے قدم قدم پر خوارق و معجزہ کا ظہور تھا۔ اُس کی پیدائش اُس کا نشو و نما، اُس کی شیر خوارگی، بچپن، جوانی، کھانا پینا، نشست و برخاست، سونا جاگنا غرضکہ ہر حالت یہ پتہ دے رہی تھی کہ وہ ایک برگزیدہ خاص روحانی انسان تھے جو پہلے نبیوں سے سوا اور بالکل ممتاز۔ مگر "دین" سے غفلت، معنی و مغز سے بیزاری و روگردانی نے یہ مزہ دکھایا کہ ایسے انسان کا روح اللہ، کلمۃ اللہ [illegible] وہ بزعم خود سولی دلانے پہنچے۔ ان [illegible] سب [illegible] یہ نہ جانا کہ بھلا وہ نفخہ جبریل جو صورت بشری میں [illegible] وہ کس طرح [illegible] چڑھتا اور مر سکتا تھا جبکہ جبریل [illegible] روح مقدس ہے [illegible] کے گھوڑے کے پیر تلے کی مٹی بھی قاذورات کے بنے گوسالہ کو [illegible] اس طرح [illegible] تھا ہو سکتا ہے اور ایک نئی زندگی بخشی [illegible] نفخہ جبریل (روح القدس) مرتا کس طرح [illegible] وہ جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔ [illegible] کو بھی شبہ رہ گیا کہ جو پکڑا گیا اور جو سولی دیا گیا وہ مسیح ہی تھا کیونکہ اللہ تھا (نعوذ باللہ) [illegible]

[illegible] ظاہر پرستان احبار و رہبان سے اس نظر کرتے کہ [illegible] ظاہر پرست [illegible] بے معنی تھے [illegible] ذکر [illegible] چاہیئے [illegible] ہے جو قرآن و حدیث کی [illegible] کی طرح [illegible] اور رسول دیے جانے کے قائل ہو [illegible] قرآن کے [illegible] شبہ لہم [illegible] کہ دعویٰ [illegible] مسیحیت [illegible] ہیں مسیح ہونے کا۔ سبحان اللہ کیا خدا کی شان ہے [illegible] خود [illegible] اس کے [illegible] اقوال کو بتاتا ہے۔

یہ [illegible] دیکھنے کے قابل ہے کہ خود مثیل مسیح عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ ہے مگر اصل مسیح کی نسبت اعتقاد کیا ہے؟ نعوذ باللہ وہ ایک معمولی انسان تھا۔ وہ ایک کمزور انسان تھا۔ اُس میں کوئی خوبی ہی نہ تھی۔ وہ عمل الترب کا عامل تھا۔ وہ شعبدہ باز تھا وہ حیلہ ساز تھا۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب سوال یہ ہوگا کہ جب اصلی حالت اصلی مسیح کی، جس کی تعریف قرآن میں بہت کچھ بڑھ چڑھ کر بیان کی گئی تھی یہی تھی، تو اُس کے مثیل صاحب کی حالت اب کیوں دریافت کی جائے، اس مثیل مسیح کی نوعیت مسیحیت میں کیوں شبہ کیا جائے۔ (باقی)

خط و کتابت

کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کیجیے۔

موتی محل کی آتشیں قربانیاں

(از جناب ہوش بلگرامی)

رات بھیگتی جا رہی ہے، نیم خواب آنکھیں غافل ہونے کے لیے بند ہوتی جا رہی ہیں، مگر "ہمارا یہ دکھڑا" بات میں بات پیدا کر کے طویل ہوتا جا رہا ہے اس لیے گریز کی طرف مائل ہوتا ہوں۔ تاکہ صبح ہونے سے پہلے وہ دردناک اور غم انگیز کہانی بھی سنا دوں جسکو "کالج کی لڑکی" نے شعلوں کی زبان سے ادا کیا اور جنکی چنگاریوں نے [illegible] میں وہ آگ بھڑکائی، جس نے اُن کے نازک جسموں کو بھی خاکستر کر دیا۔ اس لیے اب سینما کی اُس لعنت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنے گوناگوں رعنائیوں اور دلآویزیوں کی وجہ سے چودھویں صدی کی اختراعِ نافعہ شمار کیا جاتا ہے لیکن جسکے وجود نے ہمارے اور ہماری پردہ نشین عورتوں، لڑکیوں کے اخلاق و عادات کو تباہ کر دیا ہے۔ اُن کی شرم و حیا کو دور کر دیا ہے [illegible] تیز ترشیق و طویل پردے پر تھرکنے والی کٹھ پتلیاں چند ہی روز میں اس قدر ترقی کر جائیں گی کہ طلسم ہوش ربا کی تمام افسوں گری اور عیاری کی ہیولی بھری داستانوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ کبھی تخت سلیمانی ہوا کے دوش پر اڑتا نظر آئے گا، کبھی آئینۂ سکندری کی حیرانیاں نگاہوں پر چھا جائیں گی اور کبھی وہ بزم صہبا بھی ہوگی جہاں یہ [illegible] پکار رہی ہوگی کہ

جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

غرض سائنس کی یہ افسوں گرانہ اختراع، عقلِ انسانی کی یہ کارنامہ، نوعِ انسانی کے بے پایاں ارتقا کا یہ شاہکار دنیا میں ایسا انقلاب پیدا کر دے گا جس میں ہماری عقلیں گم ہو کر رہ جائیں گی، ہمارے ہوش بیگانہ رہیں گے اور ہمارے حواس معطل ہو جائیں گے۔ لیکن اب یہ نتیجہ اس قدر پیدا ہو چکا ہے کہ ہمیں زمانوں کی کسوٹی کے ساتھ اس حق پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس اختراع طلسمی نے ہم کو کیا دیا، اخلاقی نشو و نما میں کیا مدد ملی۔ علمی و عقلی طور پر ہم جیسے سطحی بینوں کو کیا فائدہ پہنچا؟

ہمارا اگلا قصہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سینما کی یہ کامیابی اور ہمہ گیری ربع صدی کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ پہلے خاموشی میں حرکت پیدا کی گئی بعد آخر متحرک تصویروں میں تکلم بھی پیدا کر دیا گیا۔ اگرچہ اس حالت کو ابھی زیادہ مدت نہیں گزری ہے پھر بھی اس قلیل وقفہ میں اسکے حسن قبول کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ تھوڑی سی زحمت کریں اور ساہوکاروں اور بنکروں کے کھاتوں کا جائزہ لیں تو یہ شاہد عادل آپ کو بتائیں گے کہ سینما کی ہنگامہ آرائیوں میں ہمارے پہننے کے کپڑے، مفلس جیب کا ابھار اور بیویوں کے زیور تک اس "خونخوار رنگ دیو" کی نذر ہو چکے ہیں۔ خیر اگر زر و مال ہماری طاقتوں کی نذر ہو جائے تو اس قدر رنج کا موقع نہیں ہے، غم تو اسکا ہے کہ ان کا روانہ بوڑھیاں، ادھیڑ عورتیں، اور جوان لڑکیاں اس متحرک پردہ پر اپنی بصیرت و بصارت قربان کرنے کے لیے بیتاب نظر آتی ہیں اور وہاں سے اگر مخرب [illegible] دیکھ دیکھ کر اپنے عادات و اطوار میں انقلاب پیدا کرتی ہیں [illegible]

حرکات سے لطف اندوز ہوتی ہیں، تنہائی کے اختلاط ابتدائی کو پردہ میں کھلم کھلا دیکھتی ہیں، اور "کالج کی لڑکی" سے تازہ ادا کی بیزاری تعلیم حاصل کر کے گھروں کو واپس ہوتی ہیں اور نیند کے نہ آنے سے چھپر پلنگ پر بے چین کروٹیں اس طرح بدلتی ہیں کہ کسی [illegible] محل نشیں لیلیٰ کی یاد میں تڑپتے [illegible] اور کوئی کسی [illegible] نامراد کی [illegible] افسوس مل مل کر رہ جاتی ہے۔ مشرق اور مشرق میں بالخصوص ہندوستانی زندگی سادگی، نیکی، شرم و حیا، اور اخلاق و انسانیت کے لحاظ سے بے ہمہ [illegible] سمجھی جاتی رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے یہاں کی عورتوں کے وہ پاکیزہ اخلاق اور شوہر پرستی کے وہ حقیقی جذبات ہیں جن پر یورپ کی بھی آزاد و تعلیم یافتہ عورتیں رشک کرتی تھیں لیکن جب سے شیطان کا یہ "بیسویں صدی کا تحفہ" سینما کی شکل میں نمودار ہوا ہے ہمارا ملک اپنے خصائص سے بھی محروم ہوتا جا رہا ہے۔ ترشی ہوئی زلفوں اور نیم عریاں جسموں کی دلچسپ [illegible] نہیں۔ اب سینما نے [illegible] عملی صورت پیش کر کے گھر گھر والیوں کی نقاب بھی اُتروا دی۔ غرض سینما نے ہماری [illegible] ہی کو زوال نہیں دیا بلکہ ہماری انسانیت و اخلاق، تہذیب و شرافت، نیکی و نیکوکاری کے [illegible] کو بھی [illegible] ملا دیا۔ اور اسکے عوض میں ہمیں بے حیائی، بے شرمی، دریدہ دہنی، شوخ کلامی، عشوہ گری اور بے حجابانہ نظریں جو ہماری تہذیبی خصوصیات کا وہ مخالفانہ عکس ہیں کہ اس پر ہم جتنا بھی ماتم کریں کم ہے۔

بچوں کو دیکھیے تو اپنی ماؤں سے بھی [illegible] آمادہ۔ ماؤں کے شوق کا اگر آپ مطالعہ کیجیے تو وہ شہر کی ان کمزوریوں سے بے نیاز وہ تو سینما کا کوئی تماشہ دیکھے بغیر بناؤ سنگار کو [illegible] بھی نہ لگائیں گی اور پروگرام کی تبدیلی کا انتظار تو اُن واجبات میں سے ہے جنکا ترک کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا ہماری بہنوں اور بھائیوں نے اس پر کسی وقت غور کیا ہے کہ سینما کے پردہ پر وہ کثرت سے حیا سوز مناظر دیکھتے رہتے ہیں۔ ہر ڈراما کا مرکزی خیال کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کہ ایک غیر مرد اور عورت کا معاشقہ طویل! اور پھر اس عورت کا کبھی اپنے عاشق کے سینے سے بے محابا لپٹ جانا، اس کی گود میں مچل مچل کر ہیجانی کیفیات کا پیدا کرنا کیا جنسی خیالات کے لیے آگ پر بارود نہیں ہے، خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑکتے ہوئے سینے سے پوچھیے تو اس کی ہلچل آپ کی [illegible] کو بتا دے گی۔ جب آپ خود ان شرمناک مناظر میں مستغرق ہیں اور اس رنگین محفل میں اپنی بیویوں کو معصوم بچوں کو شرکت کی اجازت دینے میں تامل نہیں کرتے تو آپ اُن سے کیا توقع کر سکتے ہیں۔ پھر اگر اُن سے کوئی لغزش ہو جائے تو آپ کے احتساب کی معقولیت کی کون تائید کرے گا کیونکہ یہ انجام ہے اُس آغاز کا جسے خود آپ نے پسند کیا تھا، یہ خمیازہ ہے اُس ادنیٰ حماقت کا جسے آپ نے اپنی جیب خالی کر کے دعوت دی تھی۔ موتی محل کی آتشزدگی انھیں پہلے غلطیوں کا ایسا المناک اور غم انگیز نتیجہ ہے جس پر زخم خوردہ خاندان ہمیشہ روئیں گے اور [illegible] یاد رکھیگا کہ صنف نازک کی [illegible] جانیں کس مجبوری [illegible] عاقبت اندیشانہ

شوق نے ضائع کیں، کیسی عبرتناک اور سبق آموز موتیں ہوئیں۔ واقعات تو کانوں نے یہ سنے ہیں کہ مرنے والیوں کے جنون شوق نے موت کو خود دعوت دی۔ ماؤں کے سمجھانے کا انھوں نے احترام نہ کیا، ساسوں کی نصیحت کو انھوں نے قبول نہ کیا، کیونکہ سنیما کا عذاب اُن پر شیطان کی طرح مسلط تھا، وہ کب باز آسکتی تھیں۔ آئیں اور زبردستی آئیں ماؤں اور ساسوں کی عقلی بیچارگی کا مضحکہ کرتی ہوئی آئیں، اور خود جل بھن کر دوسروں کو ایک مستقل درس دے گئیں۔ یہ موتیں سنیما کے شیدائیوں کے لیے ایک سبق ہیں اس کا کہ یہ ہمارے ملک کے لیے خدا کی لعنت ہے۔

آپ نے دیکھا کہ پلک جھپکاتے ہی ہوا کا رُخ کیسا بدل گیا تقدیر کا پانسہ کیسا پلٹ گیا۔ جو محل قہقہوں سے گونج رہا تھا، وہاں شعلوں کے آتشیں طمانچوں نے کس کس کو خاک کا ڈھیر بنا دیا، اور کیسی کیسی معصوم روحوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ ہماری ہمدردیاں اُنکے ساتھ ہیں جن کے گھر تباہ ہو گئے۔ ہمارے قلب اُنکے لیے بےچین ہیں جن ماؤں کے بچے اُن کے آغوش خالی کر گئے اور ہم اُنکے لیے بھی مضطرب ہیں جو باپ اپنے بچوں کی دائمی جدائی سے زندہ درگور ہوگئے۔ اور ہم اُنکے دل کی تڑپ بھی محسوس کرتے ہیں، جو شوہر اپنی رفیقۂ حیات کی رفاقت ابدی سے عقدِ ثانی کے مستحق ہوگئے۔ کون دردمند ہے جو ان غمزدوں کا شریک نہ ہوگا لیکن کیا یہ "از ماست کہ بر ماست" کے مصداق نہیں ہے۔ اس "کالج کی لڑکی" نے جو ستم ڈھائے ہیں اُن پر انسانیت اور شرافت نفس ہمیشہ خون کے آنسو بہائے گی اور متعدد گھروں کی تباہیوں سے جدید نسلوں کا بڑا حصہ قوم کی پیشانی کا ایک نہ مٹنے والا داغ بنجائے گا۔ کاش ہماری نگاہیں دیکھ سکتیں کہ اس تباہی پر شیطان فاتحانہ انداز میں کھڑا ہوا اُن چتاؤں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا جس میں "کالج کی لڑکی" نے آگ لگادی تھی۔

میں جانتا ہوں کہ ظاہر بیں نگاہیں اس حادثہ کی عقلی توجیہ کر کے اپنے ضمیر کو اطمینان دلانے کی کوشش کریں گی۔ کوئی کہے گا کہ "فارٹ سرکٹ" کی وجہ سے ایک اتفاقی بات پیش آگئی یا "ساولائڈ" کے فلم نے آگ پکڑلی اور لکڑی کی عمارت ہونے کی وجہ سے آگ پھیل گئی۔ مگر اس سطح بیں اس پر بھی تو غور کریں، کہ قدرت کا پوشیدہ ہاتھ ہمیں خواب سے جگانے اور بُرائیوں سے بچانے میں کبھی نہیں تھکتا۔ قدرت بےخبر انسانوں کو بتانا چاہتی تھی کہ ہم عہد حاضر کی جس طلسمی اختراع کو اپنے نقطۂ نظر سے نہ جانے کیا سمجھتے ہیں۔ اسکے اندر بےشمار فتنے دبے ہوئے ہیں اسکے سوا یہ بھی کچھ کم حیرت کے قابل نہیں ہے کہ لمبی لمبی مونچھوں پر تاؤ دینے والے مرد سہمی ہوئی عورتوں کی زندگی کو نہ بچا سکے۔ انھوں نے معصوم بچوں کو جلتا دیکھا اور اُنکے قلب کی رگیں ٹوٹ نہ گئیں، انھوں نے بیکس عورتوں کی فغان و نالہ کی سنی اور اُنکا جگر خون نہ ہوا۔ یہ کیسے ہوتا جبکہ قدرت کے ہیبت و جلال نے انکے حواس سلب کر لیے تھے، ان کی قوت فکر و عمل مفلوج کر دی تھی اور انکے دعوے مردانگی کو زیر و زبر کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مشیت تو یہ تھی کہ دُنیا اس عبرتناک انجام کو دیکھے، اس قیامت صغریٰ کا ماتم کرے اور اس سے اپنی عقل کی کوتاہی اور اپنے ذوق کی ہوسناکی کا راز سمجھے اور آیندہ کے لیے اپنے آئین حیات پر غور کرنے کی بصیرت حاصل کر سکے، ورنہ یقین کیجیے کہ خدا کا عذاب کسی تدبیر کا منت کش نہیں ہوتا، جب تک کہ خود وہی اسے پناہ نہ دے۔

دنیا کا اصول ہے کہ ہر واقعہ خواہ کتنا ہی سراپا عبرت ہو تھوڑے دنوں کے بعد کمزور حافظوں سے محو ہو جاتا ہے۔ موتی محل کا یہ انجام بھی اہل دنیا اپنی دوسری غفلتوں کی طرح سے بھلا کر رہیں گے اور ممکن ہے کہ ان تفریحات میں اس سے بھی بڑھ کر تباہی پیدا ہو جائے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر حقیقت ہی رہیگی اور وہ معصوم روحیں جو گناہ کی اس قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ گئیں ہوا کی بسیط لہروں میں اپنی مرگِ ناگہانی کی داستان ابد تک سناتی رہیں گی۔

آپ کے سامنے تو آپ کے بادشاہ کی سیرت ہے، ایسی سیرت جسے زمانہ ماہ و سال کی صدیوں کی گردش کے بعد مرتب کرتا ہے، وہ کونسی تفریح ہے، وہ کونسا تماشہ ہے اور وہ کونسا مشغلۂ عیش و راحت ہے جو حضرت بندگان عالی کے ادنیٰ اشارہ پر آستان بوسی کے لیے موجود نہ ہو جائے لیکن بعض خاص مواقع سے قطع نظر کیا آپ نے اپنے بادشاہ کو ایسے لہو و لعب پر توجہ فرماتے دیکھا ہے۔ ایسے لغو مشغلوں کی سرپرستی کرتے ہوئے پایا ہے؟ حضرت اقدس و اعلیٰ کبھی کبھی تقریبوں میں گانا سماعت فرما لیتے ہیں مگر اتنی ہی دیر جتنی دیر ایک دیرو عاقل اپنے قیمتی وقت کو اس تفریحی مشغلہ میں صرف کرنا پسند کرتا ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں اور اسی پر میرا ایمان ہے کہ حضرت جہاں پناہی کی بصیرت افروز زندگی کی موجودگی میں آپ کو دوسروں کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہی نہیں۔ حیات انسانی کا یہ ایک مسلمہ آئین ہے کہ بُرائی یا اچھائی کا سبق پہلے اپنے گھر سے لیا جاتا ہے۔ پھر جب ایک ایسی عدیم المثال ہستی ہماری قسمتوں سے ہم کو مل گئی ہو تو دوسروں کا سہارا کیوں لیا جائے۔ غیروں کی ناسی کیوں کی جائے؟

(رہبر دکن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر کیجئے

مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

جلد ۲ | لکھنؤ - ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۱۳

سچی باتیں

کانگریس کی دنیا میں، مدراس کے راج گوپال آچاریہ کا جو نام ہے، اُس سے کون ناواقف ہے؟ گویا ایک چھوٹے پیمانہ پر خود "مہاتما گاندھی"! صوبہ میں ایک میونسپلٹی کے صدر کا انتخاب درپیش ہوا۔ انھوں نے باقاعدہ ایک کانگریسی ممبر کا نام پیش کر دیا۔ عین انتخاب کے وقت ڈاکٹر راجن نے ایک دوسرے کانگریسی کو آگے بڑھا دیا، اور وہی، اُن نامزد شدہ ممبر کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے! —— آگے بڑھنے سے قبل تصور اسکا کر لیجیے، کہ آپ کی قوم کے کسی چوٹی کے لیڈر کے ساتھ یہ "بدتمیزی" کی گئی ہوتی، تو مجرم کی کیا گت بن کر رہتی! کوئی دقیقہ فضیحتوں اور رسوائیوں کا اُٹھا رہتا؟ بے ایمان وہ بنتا، غدار وہ کہلاتا، اور قوم فروشی تو اس کی مسلّم ہو کر رہتی۔ اور پھر معاملہ یہیں پر ختم ہو کر تھوڑے ہی رہتا۔ دوسرا فریق "اپنی حریت" عمل کو حق بجانب ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھتا؟ ایک طرف سے اشتہار چھپتے، تو دوسری طرف سے پتھر برستے! پوسٹر پر پوسٹر، کارٹون پر کارٹون۔ ایک کہتا کہ تو بے ایمان، تیری ساتوں پشتیں بے ایمان! دوسرا بولتا، اپنا شجرۂ نسب تو دیکھ، شریفوں میں بیٹھنے چلا ہے! ذات پوچھے، پات پوچھے، حسب و نسب پوچھے، چال چلن پوچھے، نیت اور طینت پوچھے، ہجو پر ہجو۔ نظم میں بھی، نثر میں بھی، حلق سے بھی، قلم سے بھی۔ ستائی گئے وہ وہ مظاہرے ہوتے، کہ شرافت آنکھیں نیچی کر لیتی، اور متانت منہ پھیر پھیر لیتی!

بیان کیا ہوا؟ اِدھر راجگوپال جی بجائے اس کے اقتدار خود ہی چپکے سے علیحدہ ہو گئے۔ صوبہ کی کانگریس سے استعفا داخل کر دیا، اور بیان اس مضمون کا شائع کر دیا کہ ڈاکٹر راجن ایک مخلص اور ایثار مجسم قومی کارکن ہیں۔ سچے پرانے کانگریسی ہیں، کانگریس کی خاطر جیل جا چکے ہیں، جب اُن تک سے نظم و ضابطہ کی پابندی نہ ہو سکے، تو معلوم ہوتا ہے، خود میرے اندر کوئی بڑی خرابی موجود ہے، اس لیے میں خدمت سے ہٹا جاتا ہوں —— اُدھر جواب میں ڈاکٹر راجن کا بیان نکلا، کہ کہاں میں اور کہاں راج گوپال جی۔ وہ میرے اور ساری قوم کے مخدوم و محترم ہیں۔ اُن کی رہنمائی و سرپرستی کانگریس کے لیے بہت ضروری ہے۔ میں نے جو کچھ کیا، اپنی بصیرت و دیانت کے مطابق کانگریس ہی کے نفع و خیر خواہی کے لیے کیا۔ میرا طرز عمل اگر غلط رہا، تو میں اسمبلی کی ممبری سے استعفا دیے دیتا ہوں!

اور پھر یہ مثال کیا کوئی انوکھی اور نادر ہے؟ ابھی کل کی بات ہے، کہ جواہر لال جی کی آپ بیتی شائع ہوئی، تو مرہٹی پارٹیوں کے ذکر کی ضمن میں اس کے بعض فقرے مرہٹی لیڈروں کو بہت ہی کھٹکے، اور سی۔ ان۔ کیلکر اُن سے بُری طرح اُلجھ پڑے۔ بحث کا سلسلہ دنوں نہیں ہفتوں جاری رہا، جوش کے ساتھ، زور کے ساتھ، بلند آوازی کے ساتھ، سرگرمی کے ساتھ۔ لیکن کسی نے کسی کی زبان سے ایک دوسرے کے باب میں، وہ فقرے بھی سُنے، جو گویا ہمارا آپ کا روزمرہ ہے، اور آئے دن کا، صبح و شام کا ایک شغلہ! —— آخر آپ بھی تو اسی ملک میں، اسی سرزمین پر بستے ہیں، اور دیکھتے ہیں، کہ آپ کی کتابیں بھی کچھ ایسی ہی فضیحتوں سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن دنیا، ظاہر ہے کہ کتبخانوں میں جا جا کر، الماریوں سے آپکے

وہاں کی کتابیں نکال نکال کر نہیں پڑھیگی، وہ تو بیرت آپ کو پڑھےگی، آپ کو دیکھے گی، آپ کو جانے گی، آپ کو پہچانے گی!

قانون اسلام ۔ صوبۂ متحدہ کے جیلخانہ کی سالانہ رپورٹ، ہر سال شایع ہوتی رہتی ہے۔ ابکی بھی شایع ہوئی، اور پائنیر کے صفحات میں اس کا خلاصہ آیا ہے۔ انسپکٹر جنرل بہادر اپنے صوبہ کے جیل خانوں کی کثرت آبادی سے متفکر ہیں۔ کہ اس حیثیت سے سارے ملک میں نمبر اول اسی صوبہ کا ہے۔ یہاں کی جیلی آبادی کا روزانہ اوسط ۱۹۲۵۰ ہے۔ نمبر دوم پر پنجاب ہے، لیکن اس سے بہت پیچھے، یعنی وہاں کی زندانی آبادی کا روزانہ اوسط ۲۱۹۰۰ ہے۔ جیل کی رونق و آبادی پر حکام جیل کا متردد ہونا بالکل قدرتی ہے۔ اور اس کثرت آبادی کے اسباب پر لنظر کرنا بھی اسی قدر قدرتی ہے۔ اس سلسلہ میں قابل غور، رپورٹ کا خیال حسب ذیل ہے:-

اب اکثر ماہرین تعزیرات کا اتفاق ہوگیا ہے، کہ جیل جانے والوں کی تعداد بڑھ جانے کا ایک خاص ذریعہ یہ ہے کہ سزائیں خفیف خفیف دی جائیں۔ صرف چند ماہ کے لیے جیل کی ہوا کھا آنے سے طبیعت اسکی طرف سے بھاگتی نہیں، اور اسی کی طرف دوڑتی ہے!

خدا کی شان! یورپ کے ماہرین جرائم و تعزیرات کو یہ خیال اب جا کر پیدا ہوا، حالانکہ کل تک سارا زور اسی پر دیا جا رہا تھا، کہ سزائیں ہلکی سی ہلکی ہونی چاہیے۔ سزا میں زیادتی تو درشتی شقاوت قلب کی دلیل، اور قرون وحشت کی یادگار ہے! —— اسلام کا فلسفہ تعزیر اس کے بالکل برعکس، ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اثبات جرم کے قواعد سخت سے سخت رکھے جائیں، شہادت کا معیار بلند سے بلند رکھا جائے، بغیر پختہ ثبوت کے سزا کسی کو کبھی نہ دی جائے۔ لیکن ان سب آسانیوں، نرمیوں، اور سہولتوں کے بعد، جب جرم ثابت ہو جائے، ملزم جب مجرم ثابت ہوکر رہے، تو پھر مروت و رعایت بے محل ہے، سزا پوری ہونی چاہیے، ایسی، کہ دوسروں کے لیے عبرت کا کام دے سکے، نہ یہ کہ دوسرے اس سے محض تمسخر کرتے رہیں۔ چور کے اگر ایک دفعہ ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، تو پھر مدتوں کسی کو چوری کی جرأت رہ جائیگی؟ حرام کار کو ایک بار، مجمع کے سامنے سزا سے رجم مل جائے، پھر دیکھنے والے کبھی تصور میں بھی اس جانب اقدام کر سکیں گے؟ سوال محض قیاس آرائی کا نہیں، مشاہدہ کا، تجربہ کا ہے۔ جن ملکوں میں، کسی زمانہ میں اسلامی تعزیرات جاری رہیں، وہاں جرائم کی کھیتی کبھی سرسبز ہونے پائی؟ جن ملکوں میں آج بھی قطع ید کی سزا جاری ہے، سرقہ کی وارداتیں ہونے پاتی ہیں؟

'ترقی' اور 'روشن خیالی' کا یہ عجیب و غریب دور ہے، کہ پہلے خود ہی تو اسلام کے اصول سے، عقائد سے، قوانین سے، شعائر سے، انکار، اور اس شد و مد سے انکار ہوتا ہے، کہ دشمن تو دشمن، خود دوستوں تک کی گردنیں شرم سے جھک جھک جاتی ہیں، اور اسکے بعد، دس سال، بیس سال، پچاس سال، سو سال، کے تجربوں کے بعد، ہار کر، اور تھک کر، عاجز و درماندہ ہوکر، آخر پھر اسی کی پناہ میں آنا پڑتا ہے! —— مبارک ہیں وہ نظریں جو آغاز ہی سے انجام کا اندازہ کر لیں!

ایک محفوظ نعش ذیل کی خبر عبد المجید صاحب، محرر الکز اہرا پوڑہ کے قلم سے، روزنامہ ہند (۱۹ اگست) میں شایع ہوئی ہے:-

"موضع ہنسر شریعت ضلع پٹنہ میں یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک قبر پر سے بنے ہوئے چار سال گزر چکے تھے، ایک ہاتھی کا پاؤں پڑ گیا۔ قبر میں شگاف ہوگیا، اور دیکھا گیا کہ اندر لاش اپنے کفن میں ٹھیک ویسی ہی موجود ہے، جیسی دفن کے وقت تھی۔ کفن بھی ذرا خراب نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے پوری قبر کھود دی، اور یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ قبر مولوی صدیق صاحب مرحوم کی ہے، جنھیں ان کی زندگی میں لوگ معمولی آدمی سمجھتے تھے"

خبر اگر صحیح ہے، تو بہت سے مسلمانوں کے انشراح قلب کا باعث ہوگی۔ ایمان ایسے ہی موقعوں پر تازہ ہو جاتا ہے۔ آخری سطر میں یہ جو درج ہے کہ مرحوم، محض ایک معمولی آدمی سمجھے جاتے تھے، یعنی کوئی نمایاں علامت بزرگی کی نہیں رکھتے تھے، سو اس پر حیرت نہ کرنی چاہیے۔ مسلمان، تو معمولی سا معمولی بھی، اپنے اندر ایک درجہ بزرگی اور مقبولیت کا رکھتا ہے، بشرطیکہ مسلسل نافرمانیوں سے اس مرتبہ کو ضائع نہ کردیا جائے۔ بجز ان بد پرہیزیوں سے بچنے اور عام فرائض انجام دیتے رہنے کے، کسی خاص اور غیر معمولی ریاضت کی ضرورت ہی نہیں۔ جوانی کا زمانہ تو خود ہی قوت آفریں ہوتا ہے، قوت و صحت قائم رکھنے کے لیے بہت زائد ورزش کی ضرورت نہیں، معمولی ورزش کے بعد، اصل شے بد احتیاطیوں سے بچنا ہے۔ اسلام کا حال بھی جوانی کا سا ہے۔ کسی درجہ میں ولایت تو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو بھی حاصل رہتی ہے، بشرطیکہ اسے خود اپنے ہاتھوں غارت کرکے نہ رکھ دیا جائے۔

کام کی رفتار ۱۔ بحمد اللہ، مسودۂ اول، بارہ پاروں تک ختم ہو چکا۔ 'مسودۂ اول' کی قید ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔ یعنی مسودہ ابھی نظر ثانی و ترمیم کے وقت، بہت کچھ وقت لیگا، کام کو ختم شدہ ابھی نہ سمجھنا چاہیے۔ لیکن بہر حال کسی معنی میں تو منزل پوری ہوئی۔

۲۔ شملہ میں جن صاحب نے پارۂ اول کو بطور نمونہ، طبع کرا دینے کا وعدہ فرمایا تھا، اُنکے ہاں سے کوئی اطلاع ان سطور کی تحریر کے وقت تک نہیں آئی۔

۳۔ جون سے اب تک جن حضرات کی امداد قبول کی گئی، انکی فہرست حسب ذیل ہے:-

۱۵ جون،	ایک عہدہ دار (حیدرآباد دکن)	صہ
۸۔ اگست۔	ایک مشہور قومی کارکن (میسور)	عشہ
۱۰۔ اگست۔	ایک عہدہ دار (سیتاپور)	عشہ

"فصل الخطاب" اس عنوان سے مولانا عبد اللہ شاہ صاحب حیدری،۔

کا جو مضمون یکم اگست کے صدق میں شایع ہوا ہے اُس پر انگریزی پیغام صلح (لاہور) نے ایک نہایت تیز اور پُر جوش مقالہ ۱۸- اگست کے پرچہ میں تحریر فرمایا ہے، کہ اس میں مسیح کے متعلق "مافوق البشریت" تسلیم کرکے عقیدہ کفریہ و شرکیہ کی تبلیغ کی گئی ہے، وقس علیٰ ہذا۔

دینی حمیت و حرارت کا یہ مظاہرہ قابل داد ہے۔ لیکن جریدۂ مذکور کی خدمت میں عرض ہے، کہ صاحب مضمون کا یہ مضمون آج سے نہیں، کئی سال سے مسلسل نکل رہا ہے۔ اُسکے متعلق صحیح رائے صرف ایک نمبر کے مطالعہ سے قائم نہیں ہو سکتی۔ بیسیوں بلکہ پچاسوں نمبروں میں سے کم از کم چند نمبر تو ملاحظہ فرما لینے ضروری ہیں، ورنہ سارے سلسلۂ کلام کو چھوڑ کر درمیان سے گرفت کر لینے پر، تو کسی بڑے سے بڑے محتاط عالم کی عبارتیں بھی، تو نے تکفیر کی زد سے نہیں بچ سکتیں۔ سچ میں جتنے نمبر نکل چکے ہیں، انکی فراہمی تو ذرا دشوار ہے، لیکن اِدھر صدق میں جتنے نمبر نکلے ہیں، وہ بآسانی، ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کی خدمت میں بھیجے جا سکتے ہیں، اگر وہ طلب فرمائیں۔

صاحب مضمون خدا کے فضل سے، شریعت و طریقت کے عالم، اور ایک مرتاض بزرگ ہیں۔ دجال و مسیح کے مسئلہ پر اُنھوں نے سالہا سال غور و مطالعہ کیا ہے، اور وہ ایک ماہر کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس باب میں انکے خاص نظریات ہیں، بعض مسائل میں عام علماء سے متفق، بعض میں منفرد۔ سچ میں ابتداء ہی بصراحت عرض کر دیا گیا تھا، کہ ان مضامین کی اشاعت سے تمامتر اُنکی تائید مقصود نہیں، بلکہ صرف یہ کہ اہل علم کے سامنے ایک صاحب علم کے سنجیدہ افکار پیش ہوں۔ غلطیاں ماہرین فن سے بھی ہوتی ہیں، اور رد و قدح کی گنجایش بہرصورت باقی رہتی ہے۔ اسکے قبل صاحب موصوف کی تردید میں، سچ میں، اسلامی ہند کے ایک ممتاز ترین عالم شریعت و طریقت کی تحریر شایع ہو چکی ہے۔

ہماری بہنیں

"مسلمان لڑکیوں کو ڈراموں میں بہت کم حصہ لینا چاہیے۔ سطحی نظر میں یہ ایک کھیل ہے، اور کوئی خاص بُرائی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن عادی ہو جانے پر اور پبلک میں ایکٹنگ کرنے سے قدرتی طور پر حیا کا مادہ کم ہو جاتا ہے، یہی حالت رقص و سرود کی ہے۔ یہ چیزیں فنون لطیفہ کا جزو ہیں، لیکن عام ہو جانے پر کیرکٹر پر نہایت مہلک اثر ڈالتی ہیں۔ لبند پایہ خیالات کے بیخ رکا دٹ بنتی ہیں، اور افراد اور قوم کے تنزل کا باعث ہوتی ہیں۔ ملت اسلامیہ چونکہ حکومت کے کنگروں سے گرکر ملک کی دولت کو بھی کھو بیٹھی ہے، وہ افلاس اور مصائب میں گرفتار رہ کر اب اُٹھنے کی کوشش کر رہی ہے، اس لیے اسکو کھیل کود اور تفریحی مشغلے راس نہیں آئیں گے۔"

(رسالہ طلوع اسلام، لاہور۔ بابت اگست ۳۵ء)۔

اقتباس ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان خاتون کے مضمون "تربیت نسواں" سے ہے، جو نہ صرف ایم اے اور ایم، او، ایل ہیں۔ بلکہ انسپکٹرس آف اسکولس کے اعلیٰ عہدہ پر سرافراز، اور تعلیم کے باب میں ماہر فن و صاحب تجربہ ہیں۔ کاش یہ آوازیں ہماری بہنوں اور بیٹیوں تک پہونچتیں، اور بھائیوں اور بیٹوں تک بھی، قبل اسکے کہ مرض، علاج کے حدود سے باہر ہو جائے!

یورپ، اسلام کے نقش قدم پر

"ہٹلر کے اقتدار میں جب زمام حکومت آئی، تو اس نے دیکھا کہ معاشی فضا نہایت درجہ ناموافق ہے، اور ۸۰ لاکھ بے روزگاروں کے روزگار کا انتظام کرنا ہے۔ یہ انتظام اُس نے یوں کیا، کہ عورتوں کو تمام سرکاری محکموں سے، اسپتالوں و دیگر اسکولوں تک سے برطرف کر دیا۔ اور قانون یہ نافذ ہو گیا کہ ۲۵ سال سے کم عمر کی کسی عورت کو کوئی سرکاری ملازمت نہ ملے، اور اس سے اوپر عمر کی عورتوں کو بھی ملازمت نہیں مل سکتی، اگر انکے شوہر برسر روزگار ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ہزارہا لیڈی ڈاکٹروں کو محض عورت ہونے کی بنا پر پریکٹس چھوڑ دینی پڑی۔ اسپتالوں اور کارخانوں سے بھی وہ نکالی گئیں۔ ۔ ۔ ۔

۲۵ سال تک جرمن خواتین پوری آزادی کے ساتھ یونیورسٹیوں میں (تعلیم کے لیے) اور تمام پیشوں میں داخل ہوتی رہیں۔ ۱۹۳۳ء سے قانون یہ پاس ہو گیا، کہ میٹرک پاس کرنے کے بعد صرف دس فی صدی عورتیں یونیورسٹی میں جگہ پا سکتی ہیں۔ ۔ ۔ نازی جرمنی میں ہر ممکن کوشش آبادی کے بڑھانے کی ہو رہی ہے۔ نیشنل سوشلزم کے فلسفہ میں افزایش نسل یہی نہیں کہ نکاح کا اہم ترین مقصد ہے، بلکہ لازمی ہے۔ ۔ ۔

اسقاط حمل دواؤں اور آلات کی فروخت و اشاعت سب قانوناً ممنوع قرار پا گئی ہے، اور اسقاط حمل پر سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔"

یہ اطلاعیں اور خبریں محض سرسری نظر سے دیکھ کر ردی میں ڈال دینے کے قابل نہیں۔ انکے اندر شریعت اسلامی کی حقانیت و صداقت کی کیسی زبردست تائید موجود ہے۔ ایک زمانہ تھا ہے، کہ یورپ میں شور برپا ہوتا ہے، کہ عورتوں پر سختی اور پابندی بربریت ہے، جہالت ہے، شقاوت ہے، عورت اور مرد بالکل مساوی ہیں۔ یہ سنتے ہی عورت، میدان میں نکل، ہر ہر شعبۂ عمل میں مرد کے دوش بدوش نظر آنے لگتی ہے، اور توالد و تناسل، خلاف فیشن قرار پا جاتے ہیں۔ چند ہی روز بعد زمانہ پھر کروٹ لیتا ہے، اور خود وہی یورپ بہت کچھ کھونے اور بہت کچھ سیکھ جانے کے بعد کہنے لگتا ہے، کہ عورت کا اصلی مقام، وہی خانگی زندگی ہے، اور یہاں بنا اُس کی بے عزتی اور تکلیف کی چیز نہیں، عین عزت و احترام، اور لطف و راحت کی چیز ہے۔ اسلام نے عورت کا جو درجہ مقرر کیا ہے، اُس کی آزادی کے جو حدود قرار دیے ہیں، سائنٹیفک دنیا، تجربوں کے بعد، بالآخر اُس سے کتنا قریب آ جاتی ہے، اور عقل کو بالآخر نقل کی اتباع کس کس طرح قبول کرنی پڑتی ہے!

مشکلاتِ راہ

(از عبدالماجد)

قرآن پاک کا ترجمہ اگر اردو میں کرنا ہوتا، تو خیر کوئی ایسی بہت بڑی بات نہ ہوتی۔ ترجمہ کی زبان اپنی مادری۔ کسی درجہ میں تو بہرحال اپنے قابو کی۔ یہ دھڑکا تو نہیں کہ جو کچھ اپنی سمجھ میں آگیا ہے، وہ بھی ادا ہو پاتا ہے یا نہیں، اور زبان کو قدم قدم پر لکنت کا سامنا! ترجمہ کے عنصر ترکیبی دو ہی ہوتے ہیں۔ ایک اصل کا خود صحیح سمجھنا، دوسرے اُسے صحیح ادا کرنا۔ اگر اس دوسرے جزو کی طرف سے کسی حد تک بھی اطمینان ہو جائے، تو یہ نعمت کچھ تھوڑی ہے؟

پھر اردو زبان خود بھی اپنی ساخت اور ترکیبوں کے لحاظ سے، تامتر بیگانہ نہیں۔ بلکہ الفاظ کا اچھا خاصہ ذخیرہ تو دونوں میں مشترک۔ انکے ترجمہ کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ اصطلاحی اور غیر اصطلاحی، صدہا لفظ ایسے ہیں، کہ بے تکلف قرآن سے ترجمۂ قرآن میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ اللہ، رسول، نبی، وحی، جنت، جہنم، حور، جن، انسان، عذاب، عقاب، غیب، ریب، عبید، نبوت، رزق، رحمت، مغفرت، اسلام، ایمان، شیطان، مومن، مسلم، مخلص، کفر، نفاق، کافر، دعوت، ربا، رزق، منافق، شرک، مشرک، آخرت، قیامت، حشر، قبلہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، رسالت، دعا، زنا، جہاد، بشر، انسان، خیر، شر، عرش، کرسی، توبہ، نعمت، دنیا، دین، موت، حیات، تقوےٰ، ضرب، قتل، قتال، کتاب، حساب، نفل، صبر، شکر، صابر، شاکر، احسان، مال، زینت، غضب، قلب، قصاص، لعنت، امام، درجہ، بلا، موعظت، خشیت، مودّت، رب، علم، علیم، حلیم، حکمت، حکیم، عدو، ظلم، طعن، حاسد، عدو، قوت، طاقت، قوی، خلق، امر، خالق، قادر، قدیر، ظلم، ظالم، انتقام، غفور، حسد، حق، باطل، نور، روح، نفس، امت، مالک، عدل، عمل، اعمال، آیت، سورت، قول، قوم، فتنہ، فساد، رحیم، کریم، مہاجرین، انصار، اتنے لفظ تو بلا تلاش از خود زبان قلم پر آگئے۔ تلاش کے بعد تو فہرست خدا جانے کتنی طویل ہو جائے!

اس پر بھی کلام الٰہی، کلام الٰہی ہی ہے۔ کسی بندہ کی کیا مجال، کہ مکمل ترجمانی کا دعوے کر سکے۔ اردو میں اب تک جتنے ترجمے ہوئے ہیں، سب مترجمین کی مادری زبان اردو ہی تھی، اور بعض مترجمین تو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے مرتبۂ امامت رکھتے تھے۔ لیکن دو باتین ترجمے، جو درحقیقت چوٹی کے ترجمے ہیں، وہ بھی اصل سے کس قدر بُعد رکھتے ہیں، اور بلحاظ ترجمانی کس قدر ناقص و ناکمل! قصور ان فاضل وتبحر مترجمین کا نہیں، انکی بشریت کا ہے۔ بندۂ محدود، جب نامحدود کے کلام کا مفہوم اپنی زبان میں بیان کرنا چاہے گا تو ہر کوشش وکاوش کے باوجود، لازماً بہت سے پہلو نظر انداز ہو کر رہیں گے ——— قرآن پاک کی عبارت کے بے نظیر اور معجز ہونے پر سب متفق ہیں، حیرت ہے کسی نے یہ

: لکھا، کہ قرآن اس لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے، کہ جب اسکا ترجمہ کرنا چاہیے تو پوری طرح، اور جیسا کہ اسکا حق ہے، کسی سے بن نہ پڑے!

یہ حال جب ان سہولتوں کے باوجود اردو ترجمہ کا ہے، تو انگریزی ترجمہ کی دشواریوں کا کیا پوچھنا۔ ایک تو مترجم کے لیے خود دونوں زبانیں اجنبی، لیکن اس شخصی سوال سے قطع نظر، انگریزی زبان کے الفاظ کی ساخت، جملوں کی ترکیب، طرز ادا، کوئی شے بھی عربی سے مناسبت نہیں رکھتی۔ جو صنعتیں عربی میں لازمۂ بلاغت سمجھی جاتی ہیں، انھیں بعینہٖ اگر عربی میں منتقل کر دیا جائے، تو انگریزی مذاق کے اعتبار سے مضحکہ بن جائیں۔ اسی لیے عربی کی آسان کتابوں کا بھی انگریزی ترجمہ آسان نہیں۔ چہ جائیکہ قرآن مجید، جو اپنے احکام وقوانین کے لحاظ سے، بطور ایک ہدایت اور دستور اساسی کے، گو نہایت صاف اور سلجھی ہوئی کتاب ہے، لیکن اپنے نکاتِ بلاغت کے لحاظ سے، ترجمہ پذیر ہونے کے اعتبار سے، حقیقۃً دقیق و نازک بھی ہے۔ چند دشواریاں محض تمثیلاً عرض ہیں:—

(۱) کلام پاک میں، اسم فاعل بکثرت آئے ہیں، اور وہ بھی بصیغۂ جمع۔ مفلحون، مجرمین، فائزون، راشدون، فسقون، منتظرون، تائبون، وغیرہا۔ انگریزی میں، ان میں سے بیشتر کے ترجمے بصیغۂ اسم فاعل ممکن نہیں۔ صرف بصورتِ صفت ہو سکتے ہیں۔ اور صفت کی جمع آتی نہیں۔ اس لیے اس سے چارہ نہیں، کہ انھیں بحیثیت صفات صیغۂ واحد ہی میں لایا جائے، اور معنی جمع کے لیے صرف سیاق کلام پر اعتماد کیا جائے۔

(۲) قرآن پاک میں، حروف تاکید، متعدد آئے ہیں۔ اِنَّ، اَنَّ، قد، لقد، بلٰی، وغیرہا۔ انگریزی میں ہر ایک کے مقابل الگ الگ لفظ ملنے ذرا مشکل ہیں۔ عموماً انگریزی مترجمین نے یہی کیا ہے، کہ ایک لفظ کو عربی کے کئی کئی لفظوں کے مقابل رکھا ہے۔

(۳) پھر اکثر دو دو تاکیدیں ایک ہی جگہ جمع ہو کر آئی ہیں۔ اِنّی لغفّار، (اِنَّ اور لَ کا اجتماع) ان اللہ لعفو غفور (اجتماع مذکور)۔ یہ دقت اردو مترجمین کو بھی محسوس ہوئی ہے، اور اسکا حل انھوں نے یہ نکالا ہے، کہ ایک تاکید کو حذف کر دیا، بلکہ اکثر تو دونوں کو! انگریزی مترجم کے لیے یہ دشواری اردو والوں سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

(۴) سب سے بڑی دشواری، مضارع کے ترجمہ میں آکر پڑتی ہے۔ عربی میں اس میں مفہوم حال و استقبال دونوں کا شامل رہتا ہے۔ اس دوہرے مفہوم کو ایک لفظ سے ادا کرنے کی کوئی صورت جس طرح اردو میں نہیں، انگریزی میں بھی نہیں۔ مجبوراً یہ کرنا پڑتا ہے کہ سیاق سے صرف ایک مفہوم متعین کر کے، اُسی کے ادا کرنے پر قناعت کرنی ہوتی ہے۔

(۵) قرآن پاک میں محذوفات ومقدرات کثرت سے ہیں۔ کہیں حرف شرط، (لو، لولا، وغیرہ) مذکور ہیں، لیکن جواب مذکور نہیں، اور کہیں دوسرے قسم کے محذوفات ہیں۔ ایسے کل موقعوں پر مترجم کو بلحاظ سیاق عبارت اپنی طرف سے پوری کرنی پڑیگی اور نہ دوسری زبان میں عبارت بے معنی نظر آئے گی۔

(۶) متعدد مقامات ایسے ہیں، جہاں جملہ کی ابتدا صیغۂ واحد سے ہوئی ہے

(مثلاً من آمن باللہ والیوم الآخر) لیکن جہاں خبر کلی ہے، وہاں فعل اور ضمیر دونوں صیغۂ جمع کے ہیں (مثلاً فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون) یہاں اتنا تصرف کیے بغیر انگریزی مترجم کو چارہ نہیں، کہ صیغۂ جمع وہ شروع ہی سے رکھے۔

(۷) بعض ترکیبیں ویسی ہیں، جو عربی ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، اُردو میں بھی انھیں منتقل کرنا دشوار ہے، اور انگریزی میں تو دشوار تر۔ مثلاً المغضوب علیہم۔ تمام مترجمین نے اس کا صرف مفہوم ادا کر دیا ہے۔ ترکیب کوئی برقرار نہ رکھ سکا۔ ایسے کل مقامات پر انگریزی مترجم کو اصل ترکیبوں اور صیغوں کو چھوڑنا ہوگا۔ اسی قبیل سے یہ ترکیبیں بھی ہیں، اولئک ہم المتقون۔ اولئک ہم المفلحون۔ اکثر مترجمین یہاں اولئک کا ترجمہ حذف کر رہے ہیں۔ یا مثلاً انہم ہم المفسدون، یہاں بھی اکثر نے انہم کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔ یا مثلاً بل اللہ ہو الرزاق یہاں ہو کا ترجمہ سب نے چھوڑ دیا ہے۔

(۸) ایک دقت وہاں پیش آتی ہے، جہاں ایک لفظ کے دو معنی محتمل ہیں، مثلاً یستفتحون یا شرذمہ، یا یہ جون - وقس علی ہذا۔ یا ایک ضمیر کے دو مرجع محتمل ہوں، جسکی مثالیں بہت کثرت سے ملتی ہیں۔ یہاں مترجم اس پر مجبور رہے گا کہ اپنے اجتہاد سے ایک معنی، یا ایک مرجع متعین کر کے ترجمہ میں اُسی کو ادا کرے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ حاشیہ میں دوسرے احتمالات کا بھی تذکرہ کر دے۔

(۹) عربی میں کثرت سے افعال ایسے ہیں جنکے مقابل کوئی مفرد فعل انگریزی میں موجود نہیں۔ مجبوراً انکا ترجمہ بجائے ایک لفظ کے ایک فقرہ سے کرنا پڑتا ہے۔ اور صیغہ، ترکیب، وغیرہ میں تبدیلی لازمی ہو جاتی ہے۔

(۱۰) ایک عام اور موٹے مفہوم کے باریک فرق کو ادا کرنے کے لیے کلام پاک میں الگ الگ لفظ آئے ہیں مثلاً ایک عام مفہوم ڈرنے کا ہے، اسکے لیے کہیں خوف آیا ہے، کہیں تقویٰ، کہیں خشیت، کہیں رہبت۔ انگریزی میں ان چار کے مقابل کل دو ہی لفظ مستعمل ہیں۔

(۱۱) کہیں اسکے برعکس یہ صورت ہے (اور یہ صورت بہت عام ہے) بالکل مختلف مفہوموں کے ادا کرنے کو ایک ہی لفظ آیا ہے۔ اور دوسری زبانوں میں اتنا جامع اور مختلف پہلوؤں پر حاوی کوئی لفظ موجود نہیں۔ اب مترجم اگر اس ایک عربی لفظ کے مقابل ترجمہ میں ایک لانے کا التزام کرلے، تو ترجمہ غلط در غلط ہو کر رہے گا۔ مثلاً ایک لفظ اذن ہے، قرآن میں اذن اللہ کہیں تو اجازت، مشیت، یا رخصت کے معنی میں آیا ہے، اور کہیں علم کے، اور کہیں توفیق و ہدایت کے۔ یا لفظ حق ہے، کہیں اسکا استعمال باطل کے مقابلہ میں ہے، اور کہیں لہو و لعب کے مقابلہ میں۔ دونوں مفہوم بالکل الگ ہیں۔ عزیز کہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی میں آیا ہے، عزیز ذو انتقام، اور کہیں کتاب الٰہی کی صفت کے طور پر، اور کہیں دشوار کے مترادف، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اس طرح کے بیسیوں دوسرے الفاظ میں آیت، سلطان، ضلال، کفر، مولیٰ، الذین اتقوا، وقس علی ہذا۔ جہاں ہر موقع کے لیے ایک جداگانہ لفظ ترجمہ میں لانا لازمی ہے۔

دشواریوں کی یہ چند سرسری مثالیں محض بطور نمونہ پیش

کی گئیں۔ اور یہ صورت جب محض ترجمہ کے باب میں ہے، تو شرح و تفسیر کے بارے میں کیا عرض کیا جائے!

مدت ہوئی کسی کتاب میں (غالباً سیوطیؒ کی اتقان فی علوم القرآن تھی) نظر سے گزرا تھا، کہ تفسیر پر قلم وہ اُٹھائے، جو حدیث، فقہ، لغت، معانی، بیان، صرف و نحو وغیرہ فلاں فلاں پندرہ علوم کا عالم ہو۔ اُسوقت دل نے بڑی بے رغبتی سے یہ مضمون پڑھا تھا، اور کہا یہ تھا، کہ یہ کیسی زبردستی ہے، یہ لوگ خواہ مخواہ قیدیں اور شرطیں لگا لگا کر ایک صاف اور سادہ کتاب کو چیستاں بنائے دیتے ہیں! ——— آج سالہا سال کے بعد، اُس لکھنے والے کی قدر ہوئی ہے، اور ذاتی تجربہ کی بہت سی ٹھوکروں اور لغزشوں کے بعد، جی یہ کہتا ہے، کہ "پندرہ علوم" والی شرط میں زیادتی ذرا سی بھی نہیں۔ اگر ہے، تو کمی ہے۔ یہ شرط تو نویں دسویں صدی کے مفسرین کے لیے کافی تھی، جب تفسیر صرف مسلمانوں کے واسطے لکھی جاتی تھی، لیکن اب جو چودھویں صدی ہجری کے لیے، جب شرح و تفسیر کے مخاطبین مسلموں سے بڑھکر اگر نہیں، تو مسلموں کے برابر ہی غیر مسلم بھی ہوں، یہ "پندرہ علوم" سراسر ناکافی ہیں۔ ترجمہ اسوقت کے شارح کے لیے سب سے بڑی ضرورت اسکی ہے کہ اسکی نظر اُن مذاہب پر تفصیل کے ساتھ ہو، جنکا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے، یعنی مسیحیت اور یہودیت۔ قرآن میں انکے عقائد اور انکی تاریخ دونوں کے تذکرے کثرت سے آئے ہیں۔ مسیحیوں نے اسلام کی تنقیص میں صدہا کتابیں لکھ ڈالی ہیں، اور یہود نے بھی۔ مسیحیوں کی ان کتابوں میں کلام مجید کے بیانات سے صاف صاف انکار موجود ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں۔ عیسائی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ قرآن سے ضمناً یہ نکلتا ہے کہ نصاریٰ کی تثلیث کا ایک جزو حضرت مریمؑ ہیں۔ مسیحی اس سے بہ شدومد انکاری ہیں۔ یہود کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ سے حضرت عزیرؑ کی ابنیت کا رشتہ جوڑ رکھا ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ ہم پر افترا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت مسیحؑ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ مخالفین ایک شبہہ دھوکہ میں مبتلا کر دیے گئے (ولکن شبہ لہم) یہود و نصاریٰ دونوں اس جزو کے منکر ہیں۔ یہود کہتے ہیں مسیحؑ ایک معمولی مجرم کی طرح سولی پا گئے۔ مسیحی کہتے ہیں کہ وفات اُن کی سولی ہی پر ہوئی۔ البتہ وفات کے تین روز بعد وہ بطور معجزہ زندہ ہوگئے۔ اب شارح قرآن کا فرض ہے کہ اُسکی نظر ان سارے اعتراضات پر ہو، اور خود ان مذاہب کی کتب مقدسہ پر۔ قرآن نے مسیحیوں کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے، کہ خدا نے مسیحؑ کو بیٹا بنا لیا (اتخذ اللہ ولداً) یہ "بنا لینے" (اتخذ ولد) کے کیا معنی ہیں؟ مسیحیوں کے اندر خود بہت سے فرقے ہیں، ایک دوسرے کے مخالف حد یہ ہے کہ انجیل تک کی تفسیر ایک کی اور ہے، اور پروٹسٹنٹ کی اور۔ علی ہذا یہود کے اندر بھی بہت کچھ اختلافات ہیں۔ محتاط شارح کو ان سب سے باخبر رہنا پڑیگا۔

لیکن کلام مجید میں تنہا انھیں دو کا ذکر نہیں۔ اجمالاً اور ضمناً بہت سے مذاہب بالکل آگئے ہیں، البتہ اُنکے ناموں کی تصریح نہیں۔ یہ جو آیا ہے کہ اللہ نے نور و ظلمت کو بنایا ہے، یا یہ کہ دو خدا نہ قرار دو۔ یہ سب زرتشتیوں

ا مجوس کی تردید میں ہے، جو نور (خیر) و ظلمت (شر) کے الگ الگ خدا مانتے ہیں۔ یا مثلاً یہ جو بار بار آیا ہے کہ اللہ ہی ہے، جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اور آفتاب و ماہتاب کو، وہی ہوا چلاتا ہے، اور پانی برساتا ہے۔ اس قسم کی ساری آیتیں اُن مذاہب شرکیہ کی تردید میں ہیں، جن کے ہاں سورج دیوتا، اور چندرماں دیوتا، اور ہوا، اور پانی، اور آگ، اور آسمان کے الگ الگ دیوتا مانے گئے ہیں۔ ہندوستان کی قومیں سب اسی قسم کے مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہیں، اُن سب کی بہت مفصل تردید آیات قرآنی میں موجود ہے۔ یا مثلاً یہ جو آیا ہے کہ خدا بندوں سے بہت ہی قریب ہے، رگ گلو سے بھی قریب ہے۔ ہر وقت ساتھ رہتا ہے، خواہ تم کہیں بھی ہو۔ یہ سارے مضامین مصر، یونان، روم وغیرہ کی اُن مشرک قوموں کی تردید میں ہیں، جو اپنے خداؤں کو اپنے سے بہت دُور اور بے تعلق پہاڑوں یا آسمانوں کی بلندیوں پر بیٹھا ہوا سمجھتے تھے، اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو بندوں کے معاملات کی نہ کچھ خبر ہے، نہ ان سے سروکار۔ یا مثلاً یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو نیستی سے ہست کیا ہے، جو اس میں اُن مشرک فرقوں کی تردید آگئی ہے، جن کے نزدیک خدا نام ہے محض ایک صانع کا، جس نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا، بلکہ انھیں قدیم سے پاکر ان میں صرف ترتیب پیدا کردی۔ یا مثلاً یہ جو ارشاد ہوا ہے، کہ رعد، حمد الٰہی کی تسبیح پڑھتا ہے، اور دوسرے ملائکہ بھی اللہ کی عظمت جلال سے۔ سو اس میں اُن بہت سے مذاہب شرکیہ کی تردید آگئی، جو بادل اور بارش کا ایک مستقل دیوتا، اندر یا دوسرے ناموں سے مانتے ہیں۔ آیت میں بتادیا گیا ہے، کہ رعد، خدا یا دیوتا الگ رہا، خدا کی محض ایک معمولی مخلوق ہے، خوفِ خدا سے حمد و تسبیح میں لگی ہوئی، دوسری بیشمار مخلوقات کی طرح۔ غرض اسی طرح جتنی زیادہ نظر مذاہب غیر پر ہوگی، کلام الٰہی کے مضامین زیادہ روشن ہوتے جائیں گے۔

مذاہب عالم کے بعد، مطالعہ تاریخ عالم کا رہنا چاہیے۔ خصوصاً اُن قوموں کی تاریخ، جن کا ذکر صراحۃً قرآن میں آچکا ہے۔ مثلاً تاریخ مصر، تاریخ فلسطین و شام، تاریخ بابل و عراق، تاریخ یمن، تاریخ حجاز، وغیرہا۔ یورپ کے اعتراضات کی بڑی زد آج تاریخی ہی حیثیت سے آکر پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کس ملک کس قوم کے تھے؟ کون سا زمانہ تھا؟ تاریخی ثبوت آپ کے وجود شخصی کا ہے بھی؟ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مالک مصر کون تھا؟ عزیز مصر کس عہدہ دار کا نام ہوتا تھا؟ اُسکے کیا فرائض تھے؟ خود آپ کے زمانہ میں کہاں کہاں پڑا تھا؟ حضرت موسیٰؑ کا معاصر فرعون کون تھا؟ یہ ایک تھا، یا دو فرعون ہوئے تھے؟ ان سے متعلق تاریخ کیا کہتی ہے؟ قوم عاد و ثمود کے تاریخی آثار آج کہیں موجود ہیں؟ بنی اسرائیل کا ذکر جو اس کثرت سے قرآن مجید میں آیا ہے، ان کی تاریخ عالم میں کیا حیثیت ہے؟ قرآن نے انھیں سارے عالم سے افضل قرار دیا ہے (فضلتکم علی العالمین) یہ افضلیت کس معنی میں تھی؟ موجودہ زمانہ میں تاریخ قدیم کا ایک اہم عنصر اثریات (ارکیالوجی) ہیں۔ اوراق تاریخی کے ساتھ ساتھ، مصر، عراق، فلسطین وغیرہ کی اثری تحقیقات و اکتشافات کا پیش نظر ہونا بھی ضروری ہے۔

تاریخ اور علم الآثار سے ملی ہوئی چیز، جغرافیہ مع اپنے متعلقات (طبقات الارض وغیرہ) ہے۔ حضرت نوحؑ کس سرزمین پر تھے؟ طوفان خاص اُسی خطہ پر آیا، یا روئے زمین پر؟ حضرت ابراہیمؑ ہجرت کرکے کہاں سے کہاں گئے؟ بابل کا نام قرآن میں آتا ہے، موجودہ جغرافیہ میں اس کا کیا نام ہے؟ سمندر کے کنارے جو شہر آباد تھا (قریۃ التی کانت حاضرۃ البحر) اور وہاں کے یہود، نافرمانی کی سزا میں مسخ کردیے گئے تھے، مفسرین نے اس مقام کا نام ایلہ لکھا ہے۔ یہ شہر کہاں تھا؟ کس سمندر کے ساحل پر تھا؟ موجودہ نقشہ میں اسے کیا کہتے ہیں؟ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آتا ہے، سلسلۂ تعبیر خواب بادشاہ، کہ قحط سالیوں کے بعد پھر ایک سال ایسا آئیگا جب لوگوں پر بارش ہوگی (عام فیہ یغاث الناس) اس پر جرمن "مستشرق" نولڈیکی کا اعتراض ہے کہ مصر میں بارش ہوتی ہی کہاں ہے، ورنہ وہاں کی خوشحالی و سرسبزی کو بارش سے کوئی تعلق ہے۔ اس اعتراض کی کیا حقیقت ہے؟ عاد و ثمود کی اُجڑی ہوئی بستیاں کہاں ہیں؟ قوم لوطؑ کا بحر لوط (بحر مُردہ) سے کیا تعلق ہے؟ بنی اسرائیل کے واقعہ عبور "بحر" سے کیا مراد ہے؟ عبور کس مقام پر ہوا تھا؟ اسی طرح کے بیسیوں سوالات کا حل جغرافیہ پر موقوف ہے۔

پھر ایک اور اہم شے مختلف اقوام کے قوانین سے واقفیت ہے۔ عرب جاہلیت میں شادی بیاہ کے کیا طریقے تھے؟ عورت کی کیا حیثیت تھی؟ تعدد ازدواج، نکاح، اور طلاق کو مسیحی، یہودی، اور رومی قانون نے کس نظر سے دیکھا ہے؟ برادران یوسفؑ، بنی یامین کی فرضی چوری کے وقت اپنے ہاں کا قانون یہ بیان کرتے ہیں، کہ چور کی شخصی آزادی سلب کرلی جاتی ہے۔ یہ قانون ظاہر ہے کہ توریت سے بہت قبل کا ہے۔ اس پر تاریخ سے کیا روشنی پڑتی ہے؟ مصر کے قانون میں چوری کی سزا کیا تھی؟ شریعت اسلامی نے قتل کے معاوضہ میں خوں بہا (دیت) کی جو اجازت دی ہے، یہ موجودہ متمدن اقوام کے نقطہ نظر سے بالکل الگ ہے۔ اسکی بنیاد کن اصول پر ہے؟ شریعت اسلامی میں قتل محض فوجداری کا جرم ہے، یا دیوانی کا بھی؟ جرائم و تعزیرات میں شریعت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ عورتوں اور غلاموں کے حقوق، ہندو قانون، رومی قانون، یونانی قانون، یہودی قانون، اور مسیحی قانون میں کیا تھے؟ اور اسلام نے کیا مقرر کیے؟ حضرت مسیحؑ پر جو مقدمہ چلا، اور سزا کا حکم سنایا گیا، یہ یہودی اور رومی قوانین کے مطابق کہاں تک تھا، اور واقعیۃً قوانین کے لحاظ سے "بغیر الحق" کہاں تک؟ جنگ سے متعلق اسلامی قانون کا، یورپ کے موجودہ قانون سے موازنہ و مقابلہ۔ وقس علی ہذا۔

قرآن پاک میں محاربات اسلامی کا ذکر بھی بکثرت ہے، اور رسول اللہ صلعم اپنی روحانیت کبریٰ کے کمالات سے قطع نظر، سالار عسکر اور فوجی جنرل بھی بہترین تھے۔ ضرورت ہے کہ بدر، احد، حنین وغیرہ کے غزوات پر عسکری حیثیت سے بھی نظر کی جائے، کہ ترتیب صفوف سے متعلق قرآن کی کیا تعلیم ہے؟ غنیم سے مقابلہ و مقاتلہ کے باب میں کیا کیا قوانین قرآن سے مستنبط ہوتے ہیں؟ اسلحہ بندی، لشکر کشی، فوجی نقل و حرکت، اقدام، دفاع، تعاقب وغیرہ کے باب میں کیا کیا ہدایات قرآن سے ملتی ہیں؟ جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں قرآن نے صراحت کے ساتھ ذکر گھوڑوں کا کیا ہے۔ اس سے اشارہ سوار فوج کی اہمیت کا نکلتا ہے۔ سوار فوج

کی اہمیت تاریخ میں کیا رہی ہے، اور آج بھی کیا ہے؟ مفتوحہ کردہ زر و جواہر دنیا میں جاہ و حشم، شان و شوکت کا مترادف ہے۔ حقیقۃً اہل عرب کی ایک حربی اصطلاح ہے، غزوات نبوی میں اسکا درجہ کیا رہا ہے؟ مال غنیمت کا فلاں حصہ، قرآن نے "اللہ اور رسول" کو دلایا ہے، آج اس میں حکومت وقت (سلطنت) کا کتنا حصہ ہوتا ہے؟

آخر میں کہیں کہیں ضرورت معاشی (اکونامک) اور حیاتی (بایولاجیکل) تحقیقات کی بھی پڑیگی۔ مثلاً عورت کا درجہ معاشی زندگی میں اتنے تجربات کے بعد کیا قرار پایا ہے، اور اسلام نے شروع ہی اسکا کتنا لحاظ کر لیا؟ تقسیم ترکہ کا، اور عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، راہگیروں کے لیے حصہ نکالنے کا اقتصادی حیثیت سے کیا درجہ ہے؟ یورپ نے عورت اور مرد کی مساوات مطلقہ کا دعویٰ کیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ مرد کو ایک گونہ فضیلت ہے (للرجال علیهن درجة) حیاتیات کے محققین کا فیصلہ کس کے حق میں ہے؟ یورپ نے جو تعدد ازدواج کو ناجائز و روک دیا ہے۔ اسکے نتائج معاشی، معاشرتی، عضویاتی حیثیت سے کیا کیا نکل رہے ہیں؟ قرآن نے پہلے نسل انسانی کی وحدت کا دعویٰ کیا ہے (خلقکم من نفس واحدة) اس پر ماہرین علم الاقوام و علم الانسان کی کیا شہادتیں ہیں؟ وقس علیٰ ہذا۔

مفسر و شارح جدید کے فرائض کی یہ مکمل فہرست ہرگز نہیں، اور نہ تمام حیثیتوں سے مکمل تفسیر کسی انسان کے بس کی بات ہے۔ یہ تو چند اہم ترین عنوانات ہیں، جو اسوقت خیال میں آگئے۔ اللہ جسکو جتنی توفیق دے اسکے ظرف و مرتبہ کے لحاظ سے وہی بہت ہے، اس سے زیادہ کا حوصلہ کوئی کس منہ سے کرے! قدیم مفسرین، اس میں شبہ نہیں کہ بہت ساری دشواریاں حل کر گئے، لیکن اب جو سفر درپیش ہے، اس کی منزلیں کچھ نئی سی ہیں۔ مسافر کی رہبری اور دستگیری تمام تر اسی کے ہاتھ میں ہے جسکا کلام ہے۔

فصل الخطاب

(سلسلہ صدق نمبر ۱)

(از مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب قادری حیدرآباد دکن)

آمدم برسر مطلب

خیر اسے جانے دیجیے۔ بات یہ کہی جا رہی تھی کہ یہود کی ظاہر پرستی اور بے مغزی نے یہ رنگ دکھایا تھا کہ انکے یہاں "دین" محض انہیں جزئیات فقہی و عقائدی کا نام تھا جو احکام و عقائد یا شریعت کہلاتے ہیں اور بس۔ لہذا وہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو جو تصوف کی جان تھی، ٹھکرا نہ دیتے تو کیا کرتے۔ ظاہر ہے کہ ایک تنگ اور خود بین مقلد یا خشک ملا کو پُر مغز رمزی صوفیانہ تعلیم کیسے پسند آسکتی تھی۔ مگر بڑا غضب تو یہ ہوا کہ حضور اقدس شاہ دربار حق صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور بتائی ہوئی تعلیم کا بھی ان بے ایمانوں نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس میں نہ تو وہ نری قشر فانہ تعلیم تھی جسے وہ بوجہ اپنی ظاہر پرستی کے جان نہ سکتے اور نہ اس میں محض وہ رموز و اشارات والی تعلیم ہی تھی جسکے سمجھنے سمجھانے کے لیے عرفانی و روحانی و معنوی اذواق و مواجید کی ضرورت پڑتی ہے۔

قرآنی تعلیم

بلکہ خدا کی اس آخری کتاب نے جو سب سے آخری نبی ختم المرسلین کو دی گئی، اپنی انتہائی فصاحت و بلاغت کی وجہ وہ طریقہ تعلیم اختیار کیا جو جامع و مانع و کامل و مکمل تھا جو گزشتہ انبیاء و مصلحین کے ساری تعلیمات صادقہ کو بھی حاوی تھا اور آئندہ عقول بشریہ کے ترقی یافتہ نظریات حقہ کو بھی شامل تھا۔ نیز اس میں جس طرح عارفین کے لیے ذخیرۂ معارف و اسرار موجود تھا اسی طرح احکام ظاہری و سیاسی و تمدنی، انفرادی و اجتماعی کا بھی کافی مواد تھا۔ وہ اس آئینۂ فطرت میں توریت کے ان احکام و قوانین و شرائع کی صورت بھی دیکھ سکتے تھے۔ جسکے وہ مالوف و مانوس تھے اور وہ حقائق فطرت انسانیہ و لطائف معارف الہیہ و نوامیس اسرار کائنات ملک و ملکوت کا بھی چہرہ دیکھ سکتے تھے۔ جو زبور وغیرہ دیگر کتب الہامیہ میں موجود تھا خصوصاً انجیل و رسائل حواریین میں بطور خاص مذکور تھا۔ خصوصاً ان آئندہ ترقیات انسانی و کمالات بشری و حوادث حیات انسانی کی پیشینگوئیوں کو جو انکی کتب مقدسہ میں مذکور تھیں نہایت عمدہ پیرایہ میں اس آئینۂ فطرت انسانی میں دیکھ سکتے تھے۔ غرضکہ کسی الہامی کتاب منزل من اللہ کی سچائی کے لیے جتنی باتوں کی ضرورت تھی وہ سب اس کتاب پاک میں بہترین، بلیغ و فصیح صورتوں میں نظر آسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر یہود کو دل سے اس بات کا اقرار تھا کہ یہی وہ نبی آخر الزماں ہیں جو موعود تھے۔ اور یہی کتاب "قرآن" وہ آخری کتاب ہے جو اس نبی آخر الزماں کے ساتھ آنے والی تھی۔ مگر افسوس کہ ایک چیز اور محض ایک چیز کا فقدان انکے اس طرح لعنتی بننے کا باعث بنا۔

فقدان دین

وہ کیا چیز تھی۔ محض "دین" کا فقدان اور بس۔ کیونکہ دین تو یہ تھا کہ خدا سے کچھ معاملہ کریں۔ یعنی اپنی زندگی کے اطوار و شئون کو خدا سے لین دین کا معاملہ قرار دیں۔ تن من دھن اس کی مرضی پوری کرنے کے لیے قربان کر دیں۔ یہ ہو "دین"۔ اور اس کی عنایات اور مہر و رضامندی دنیا میں بھی اور بعد از مرگ بھی اس سے حاصل کریں تاکہ وہ کبھی خفا نہ ہو اور عذاب نہ کرے یعنی بلا غضب و ناراضی و عذاب کے ایسی زندگی ملے یہاں بھی اور وہاں بھی، دنیوی زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی۔ جو ایک سکھ چین والی، امن و امان والی، خوشحال و خوشگوار، پُر مسرت و کامیاب و آرام دہ زندگی ہو۔ یہ ہو "لین"۔ ظاہر ہے کہ "دین" سے غرض یہی دین لین ہے اور بس۔

(باقی)

محمد علیؒ اور تحریک ہجرت

(از عبد الماجد)

[دو تین سال ہوئے، جس زمانہ میں سچ کی اشاعت ملتوی تھی، اور صدق جاری ہوا نہ تھا، سر تھیوڈر ماریسن کے ایک مضمون پر ذیل کا مراسلہ روزنامہ ملت (دہلی) میں شایع کرانا پڑا تھا۔ کوئی افسانہ کیسا ہی فرضی ہو، جب بار بار دہرایا جاتا ہے، تو معتقد کی نگاہ میں ایک مسلّم تاریخی حقیقت بن جاتا ہے۔ حال میں ایک اسلامی معاصر کے کالموں میں پھر اسی افسانہ کی بازگشت نظر پڑی، اس لیے مراسلہ مذکور، خفیف لفظی تغیر کے بعد صدق میں شایع کیا جا رہا ہے]

اڈیٹر صاحب ملت۔ السلام علیکم

آپ کے روزنامہ میں سر تھیوڈر ماریسن کے ایک مبسوط مضمون کا ترجمہ مسلسل نکل رہا ہے۔ ماریسن صاحب مدتوں علیگڈھ میں، مسلمانوں کے ملازم رہ چکے ہیں، اور مسلمانوں کے ہمدرد مشہور رہے ہیں۔ لیکن اسلامی سیاسیات پر انکے قلم سے جو کچھ نکلا ہے، حسب توقع، خالص برطانوی امپیریلزم کے نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے۔

سارے مضمون کے مغالطوں اور غلط بیانیوں کی مفصل تردید کی نہ ماجت نہ مہلت۔ اسوقت صرف ایک مسئلہ کو تمثیلاً پیش کرنا ہے، اور وہ بھی مختصر لفظوں میں۔ ۹ر اپریل کے پرچہ میں سر موصوف فرماتے ہیں:—

"مولانا محمد علی مرحوم، انگلستان ایک وفد لیکر آئے، اور انھوں نے مسٹر ایچ، اے، ایل، فشر کے سامنے، جو وزیر ہند کی نیابت کر رہے تھے، یہ تشریح کی ..... مگر مولانا محمد علی کو خالی ہاتھ ہندوستان واپس آنا پڑا، اور وہاں سے واپسی پر انھوں نے اور انکے بھائی مولانا شوکت علی نے اپنے ہم مذہبوں کو یہ تلقین شروع کردی، کہ حکومت نے اسلامی شریعت کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا ہے، اور اس لیے ہندوستان اب دار الحرب ہے، اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑکر ایسے ممالک میں ہجرت کر جائیں جہاں اسلام کی حرمت و عزت اب تک قائم ہے۔ اس آواز پر لبیک کہنے میں ہزاروں سیدھے سادے مسلمان تحریک ہجرت میں شریک ہوگئے"

اسکے آگے ان بدنصیب مہاجرین کے مصائب کی تفصیل ہے۔ اور پشاور اور کابل کے درمیان، بوڑھوں اور بچوں اور عورتوں کی قبریں بن جانے کا دردناک تذکرہ ہے۔ گویا علی برادران کی سیاہ فرد جرائم کا ایک اہم عنوان یہ بھی ہے، کہ انھوں نے بے سمجھے بوجھے ہزارہا مسلمانوں کو بے خانماں اور طرح طرح کے ناقابل بیان شدائد میں مبتلا کرادیا!

یہ الزام، حکومت کے ایجنٹوں کی زبان پر پہلی بار نہیں آیا ہے۔ لندن یونیورسٹی کے ایک نامور "مستشرق" پروفیسر گب ہیں، آپ نے "ماہرین فن" کے قلم کا ایک مجموعۂ مضامین "بوذر اسلام" (Whither Islam) کے نام سے، سال دو سال اُدھر شایع فرمایا تھا، اس کے صفحات میں بھی یہی مضمون شدومد سے دہرایا گیا ہے، گو علی برادران کے نام کی تصریح نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۰ء کی تحریک ہجرت کے سلسلہ میں جو کچھ بھی بے عنوانیاں پیش آئیں، انکی ذمہ داری علی برادران، خصوصاً مولانا محمد علیؒ پر ڈال دینا بالکل ایسا ہی ہے، جیسے سر مائیکل اوڈوائر کے معروف مظالم متعلق پنجاب کو سر تھیوڈر ماریسن سے منسوب کردیا جائے! ماریسن صاحب تو علیگڈھ کے پرنسپل رہ چکے ہیں، اور انکی تاریخ دانی مشہور ہے۔ کیا انھیں یاد نہیں رہا، کہ ہجرت کا زور ۲۰ء میں، جون، جولائی، اور اگست کے مہینوں میں رہا، جب محمد علی غریب، تحریک کی رہنمائی کرنا الگ رہا، ہندوستان سے اور اپنے وطن سے، ہزارہا میل دور، عین سر ماریسن کے وطن میں موجود، اور اپنے ہیں، انکے ہموطنوں کے سامنے تبلیغ حق کا آخری فریضہ ادا کر رہا تھا، — ہندوستان کی سرزمین کو تو وہ مہینوں قبل، غالباً فروری میں چھوڑ چکا تھا!

محمد علی کی ذات الگ رہی، محمد علی جس کمیٹی کے روح رواں تھے، یعنی مرکزی خلافت کمیٹی، خود اُسکا بھی کوئی تعلق، تحریک ہجرت سے، اگست ۲۰ء تک مطلق نہ تھا، اور تحریک تمامتر دوسرے ہاتھوں میں رہی! — سرکاری "ما لفاسمہ" "انڈیا ۱۹۲۰ء میں" بہت کچھ جھوٹ کے باوجود، اتنا سچ بھی تحریر ہے، کہ تحریک ہجرت کا آغاز صوبۂ سندھ سے ہوا اور تحریک صوبۂ سرحدی میں، حیرت انگیز سرعت کے ساتھ "مقامی ملاؤں کے اثر سے" پھیلی: (ص ۵۲ کتاب مذکور)

بے نوا خانماں مہاجرین کے جوش ہمدردی میں، کاش سر ماریسن کو برطانوی شرافت کا وہ یادگار واقعہ یاد آجاتا، جو مہذب و شائستہ گورے سپاہیوں کے ہاتھوں، کچا گڑھی ریلوے اسٹیشن پر پیش آیا تھا! ایک بدمست گورا، شراب کے نشہ میں (اور شاید حکومت کے نشہ میں بھی) جھومتا ہوا، زنانہ درجہ میں گھسا، اُسے دیکھکر ایک غریب مہاجر حبیب اللہ، عورتوں کی عزت و آبرو بچانے کو آگے بڑھا، اور اسی جرم کی پاداش میں وہیں کھلے خزانے، دلیر و شجاع، فوجی گوروں کی ایک پوری جماعت کے ہاتھ سے شہید ہوکر رہا — جن حضرات کے پاس "ینگ انڈیا" بابت ۱۹۲۰ء کی فائل موجود ہو، وہ جولائی اور اگست کے پرچوں میں خود گاندھی جی کی تحریریں اسی موضوع پر نیز چشمدید گواہوں کی بامنابطہ شہادتیں، ملاحظہ فرمائیں۔

مرکزی خلافت کمیٹی نے تحریک ہجرت کا کام اپنے ہاتھ میں لینا، ۱۸ اگست کے جلسہ میں منظور کیا۔ کارروائی پوری باقاعدگی اور نظم کے ساتھ کرنے کو مولانا شوکت علی نے سب سے پہلے سفیر افغانستان متعینہ دہلی سے معاملات طے کرلینا ضروری خیال کیے۔ چنانچہ سفیر صاحب سے مراسلت ۱۷ اگست کو شروع کی۔ ۶-۷ ہفتے گزر گئے، اور محض مناطبہ کی مراسلت ہی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ تحریک ترک موالات، اپنی پوری تفصیل کے ساتھ بروئے کار آگئی، اور مشاغل خلافت کمیٹی، تحریک ہجرت نہیں، بلکہ ترک موالات کی جانب انہماک، جوش و قوت کے ساتھ متوجہ ہوگئی — مولانا محمد علیؒ اسوقت تک بھی ہندوستان نہیں آئے تھے۔ وہ تو کہیں شروع اکتوبر میں ہندوستان پہنچے ہیں! اگست اور جولائی، اور جون کے واقعات کا، ہفتوں اور مہینوں پیشتر کے گزرے ہوئے واقعات کا، ذمہ دار اُس مرحوم کو قرار دینا، یورپ ہی کے "مورخین محققین" کا کارنامہ ہوسکتا ہے

اسلام غیر اسلامی ماحول میں

(بسلسلۂ صدق ص۸)

(از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد)

قرآن تمھارے سامنے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں تمھارے سامنے ہیں۔ ابتدا سے لیکر آج تک کے علمبرداران اسلام کی زندگیاں تمھارے سامنے ہیں۔ کیا ان سب میں تم کو یہی تعلیم ملتی ہے کہ ہوا جدھر اُڑائے اُدھر اُڑ جاؤ اور پانی جدھر بہائے اُدھر بہہ جاؤ؟ اور زمانہ جو رنگ اختیار کرے اُسی میں رنگ جاؤ؟ اگر مدعا یہی ہوتا تو کسی کتاب کے نزول اور کسی نبی کی بعثت کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہوا کی موجیں تمھاری ہدایت کے لیے اور حیات دنیا کا بہاؤ تمھاری رہنمائی کے لیے اور زمانہ کی نیرنگیاں تمھیں گرگٹ کی روش سکھانے کے لیے کافی تھیں۔ ایسی ناپاک تعلیم کے لیے خدا نے کوئی کتاب نہیں بھیجی اور نہ کوئی نبی مبعوث کیا۔ اُس ذات حق کی طرف سے جو پیغام اور جو پیغامبر بھی آیا ہے اسی لیے آیا ہے کہ دنیا جن راستوں پر چل رہی ہے اُن سب کو چھوڑ کر ایک راستہ مقرر کرے، اور اس کے خلاف جتنے راستے ہوں اُن کو مٹائے اور دنیا کو اُن سے ہٹانے کی کوشش کرے، اور ایمان داروں کی ایک ایسی جماعت بنائے جو نہ صرف خود اُس سیدھے راستہ پر چلیں بلکہ دنیا کو بھی اُس کی طرف کھینچ لانے کی کوشش جاری رکھیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین نے ہمیشہ اسی غرض کے لیے جہاد کیا ہے۔ اس جہاد میں اذیتیں اُٹھائی ہیں، نقصان برداشت کیے ہیں، جانیں دی ہیں۔ اور کبھی اُن میں کسی نے مصائب کے خوف یا منافع کے لالچ سے رفتار زمانہ کو اپنا مقتدا نہیں بنایا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یا گروہ ہدایت آسمانی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں نقصان اور مشکلات اور خطرات دیکھتا ہے اور اُن سے خوف زدہ ہو کر کسی ایسے رستے پر جانا چاہتا ہے جس پر چلنے والے اُسکو خوشحال اور کامیاب اور سربلند نظر آتے ہیں، تو وہ شوق سے اپنے پسندیدہ راستے پر جائے۔ مگر وہ بزدل اور حریص اپنے نفس کو اور دنیا کو یہ دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے کہ وہ خدا کی کتاب اور اُسکے نبی کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر بھی اُسکا پیرو ہے۔ نافرمانی خود ایک بڑا جرم ہے، اس پر جھوٹ اور فریب اور منافقت کا اضافہ کر کے آخر کیا فائدہ اُٹھانا مقصود ہے؟

یہ خیال کہ زندگی کا دریا جس رُخ پر بہہ گیا ہے اُس سے وہ پھیرا نہیں جا سکتا، عقلاً بھی غلط ہے، اور تجربہ اور مشاہدہ بھی اسکے خلاف گواہی دیتا ہے۔ دنیا میں ایک نہیں سیکڑوں انقلاب ہوئے ہیں، اور ہر انقلاب نے اس دریا کے رُخ کو بدلا ہے۔ اس کی سب سے بڑی نمایاں مثال خود اسلام ہی موجود ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو زندگی کا یہ دریا کس رُخ پر بہہ رہا تھا؟ کیا تمام دنیا پر شرک و کفر کا غلبہ نہ تھا؟ کیا استبداد اور ظلم کی حکومت نہ تھی؟ کیا انسانیت کے طبقات کی ظالمانہ تقسیم نے داغدار نہ بنا رکھا تھا؟ کیا اخلاق پر فواحش، معاشرت پر نفس پرستی، معیشت پر سرمایہ داری، اور قانون پر بے اعتدالی کا تسلط نہ تھا؟ مگر ایک تن واحد نے اُٹھ کر تمام دنیا کو چیلنج دے دیا۔ اُن غلط خیالات اور غلط طریقوں کو رد کر دیا جو اُس وقت دنیا میں رائج تھے۔ اُن سب کے مقابلہ میں اپنا ایک عقیدہ اور اپنا ایک طریقہ پیش کیا، اور چند سال کی مختصر مدت میں اپنی تبلیغ اور جہاد سے دنیا کے رُخ کو پھیر کر اور زمانہ کے رنگ کو بدل کر چھوڑا۔

تازہ ترین مثال اشتراکی تحریک کی ہے۔ انیسویں صدی میں سرمایہ داری کا تسلط اپنی انتہا کو پہونچ چکا تھا۔ کوئی بُزدل مرعوب دماغ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جو نظام ایسی ہولناک سیاسی اور جنگی قوت کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے، اُسکو اُلٹ دینا بھی ممکن ہے۔ مگر انہیں حالات میں ایک شخص کارل مارکس اُٹھا اور اُس نے اشتراکیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ حکومتوں نے اُس کی مخالفت کی۔ وطن سے نکالا گیا۔ ملک ملک کی خاک چھانتا پھرا۔ تنگدستی اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر مرنے سے پہلے اشتراکیوں کی ایک طاقتور جماعت پیدا کر گیا جس نے ۷۰ سال کے اندر نہ صرف روس کی سب سے زیادہ خوفناک طاقت کو اُلٹ کر رکھدیا، بلکہ تمام دنیا میں سرمایہ داری کی جڑیں ہلا دیں، اور اپنا ایک معاشی و تمدنی نظریہ اس قوت کے ساتھ پیش کیا کہ آج دنیا میں اُس کے متبعین کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے، اور ان ممالک کے قوانین بھی اُس سے متاثر ہو رہے ہیں جن پر سرمایہ داری کی حکومت گہری جڑوں کے ساتھ جمی ہوئی ہے۔

مگر انقلاب یا ارتقاء ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے، اور قوت ڈھل جانے کا نام نہیں ڈھال دینے کا نام ہے۔ مُڑ جانے کو قوت نہیں کہتے، موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصد حیات، کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں، جن کو دنیا میں محض آسایش اور سہولت ہی مطلوب ہو، جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ میں دب جانے والے ہوں، ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔ تاریخ بنانا صرف بہادر مردوں کا کام ہے۔ انہی نے اپنے جہاد اور اپنی قربانیوں سے زندگی کے دریا کا رُخ پھیر دیا ہے، دنیا کے خیالات بدلے ہیں، مناہج عمل میں انقلاب برپا کیا ہے، اور زمانہ کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے زمانہ کو خود اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

پس یہ نہ کہو کہ دنیا جس راستہ پر جا رہی ہے اُس سے پھیری ہی نہیں جا سکتی، اور زمانہ کی جو روش ہے اُس کی اتباع کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ مجبوری کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے بجائے تم کو خود اپنی کمزوری کا سچا اعتراف کرنا چاہیے۔ اور جب تم اسکا اعتراف کر لوگے تو تم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ کمزور کے لیے دنیا میں نہ کوئی مذہب رہ سکتا ہے نہ کوئی اصول اور نہ کوئی ضابطہ۔ اُسکو تو ہر زور آور سے دبنا پڑیگا۔ ہر طاقت کے آگے جھکنا پڑیگا۔ ہر قوی اثر سے متاثر ہونا پڑے گا۔ وہ کبھی اپنے کسی اصول اور کسی ضابطہ کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب اُس کے لیے اپنے اصول بدلتا چلا جائے تو دراصل کوئی مذہب ہی نہ رہے گا۔

یہ بھی ایک دھوکا ہے کہ اسلام کی قیود تمھاری خوشحالی اور معاشی ترقی میں مانع ہیں۔ آخر تم اسلام کی کس قید کی پابندی کر رہے ہو؟ کونسی قید ہے جس سے تم آزاد نہیں ہوئے اور کونسی حد ہے جس کو تم نے نہیں توڑا؟ تم کو جو چیزیں تباہ کر رہی ہیں اُن میں سے کس کی اجازت اسلام نے

تم کو دی ہے؟ تم تباہ ہو رہے ہو اپنی فضول خرچیوں سے، بے شبہ کروڑوں روپیہ سالانہ کا وہ تمہاری جیبوں سے ساہوکاروں کے خزانے میں جا رہا ہے اور کروڑوں روپئے کی جائدادیں تمہارے قبضہ سے نکلی چلی جا رہی ہیں! کیا اسلام نے تم کو اس کی اجازت دی تھی؟ تم کو خود تمہاری اپنی بُری عادتیں تباہ کر رہی ہیں؟ اس مفلسی کی حالت میں بھی سنیما اور کھیل تماشے تمہاری آبادی سے بھرے رہتے ہیں۔ تم میں سے ہر شخص لباس اور زینت و آرائش کے سامانوں پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔ تمہاری جیبوں سے ہر مہینے لکھو کھا روپیہ بیہودہ رسموں اور نمائشی افعال اور عدالتی اشتغال میں صرف ہو جایا کرتا ہے۔ ان میں سے کس کو اسلام نے تمہارے لیے حلال کیا ہے؟ سب سے بڑی چیز جس نے تم کو تباہ کر دیا ہے وہ ادائے زکوٰۃ میں غفلت اور آپس کی معاونت سے بے پروائی ہے۔ کیا اسلام نے یہ چیز تم پر فرض نہ کی تھی؟ پس حقیقت یہ ہے کہ تمہاری معیشت کی بربادی اسلامی قیود کی پابندی کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان سے آزادی کا نتیجہ ہے۔ رہی ایک سود کی پابندی، تو وہ بھی کہاں قائم ہے؟ کم از کم ۹۵ فیصدی مسلمان بغیر کسی حقیقی مجبوری کے سود پر قرض لیتے ہیں۔ کیا اسلامی احکام کی پابندی اسی کا نام ہے؟ مالدار مسلمانوں میں سے بھی ایک بہت بڑا حصہ کسی نہ کسی شکل میں سود کھا ہی رہا ہے، باقاعدہ ساہوکاری نہ کی تو کیا ہوا۔ بنک اور بیمہ اور سرکاری بانڈس اور پراویڈنٹ فنڈس کا سود تو اکثر و بیشتر مالدار مسلمان کھاتے ہیں۔ پھر وہ حرمت سود کی قید کہاں ہے جس پر تم اپنی معاشی خستہ حالی کا الزام رکھتے ہو؟

عجیب تر لطف استدلال یہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت اور قومی طاقت کا مدار دولتمندی پر ہے اور دولتمندی کا مدار معاشی ترقی و خوشحالی کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر ہے اور ان سب کا مدار سود کے جواز پر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ابھی تک یہی خبر نہیں کہ عزت اور طاقت کا مدار دراصل ہے کس چیز پر۔ محض دولت ہرگز وہ چیز نہیں ہے جو کسی قوم کو معزز اور طاقتور بناتی ہو۔ تمہارا ایک ایک شخص اگر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جائے مگر تم میں کیرکٹر کی قوت نہ ہو تو یقین رکھو کہ دنیا میں تمہاری کوئی عزت نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر تم میں درحقیقت اسلامی سیرت موجود ہو، تم صادق اور امین ہو، لالچ اور خوف سے پاک ہو، اپنے اصول میں سخت اور اپنے معاملات میں کھرے ہو، حق کو حق اور فرض کو فرض سمجھنے والے ہو، حرام و حلال کی تمیز ہر حال میں ملحوظ رکھنے والے ہو اور تم میں اتنی اخلاقی قوت موجود ہو کہ کسی نقصان کا خوف اور کسی فائدہ کی طمع تم کو راستی سے نہ ہٹا سکے، اور کسی قیمت پر تمہارا ایمان نہ خریدا جا سکے، تو دنیا میں تمہاری ساکھ قائم ہو جائیگی، دلوں میں تمہاری عزت بیٹھ جائیگی۔ تمہاری بات کا وزن لکھ پتی کی پوری دولت سے زیادہ ہوگا۔ تم جھونپڑیوں میں رہ کر اور پیوند لگے کپڑے پہن کر بھی دولت سراؤں میں رہنے والوں سے زیادہ احترام کی نظر سے دیکھے جاؤ گے۔ اور تمہاری قوم کو ایسی طاقت حاصل ہوگی جس کو کبھی نیچا نہیں دکھایا جا سکتا۔ عہد صحابہ کے مسلمان کس قدر مفلس تھے۔ جھونپڑیوں اور قبیلوں کے خیموں میں رہنے والے، تمدن کی شان و شوکت سے ناآشنا۔ نہ اچھے لباس درست، نہ غذا درست، نہ ہتھیار درست، نہ سواریاں شاندار۔ مگر نہ جو ساکھ اور ساکھ دنیا میں تھی وہ نہ اموی عہد میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی نہ عباسی عہد میں اور نہ بعد کے کسی عہد میں۔ ان کے پاس دولت نہ تھی مگر کیرکٹر کی طاقت تھی جس نے دنیا میں اپنی عزت و عظمت کا سکہ جما دیا تھا۔ بعد والوں کے پاس دولت آئی، حکومت آئی، تمدن کی شان و شوکت آئی، مگر کوئی چیز بھی کیرکٹر کی کمزوری کا بدل نہ فراہم کر سکی۔

تم نے تاریخ اسلام کا سبق تو فراموش ہی کر دیا ہے، مگر دنیا کی جس قوم کی تاریخ چاہو اٹھا کر دیکھ لو۔ تم کو ایک مثال بھی ایسی نہ ملیگی کہ کسی قوم نے محض سہولت پسندی اور آرام طلبی اور منفعت پرستی سے عزت اور طاقت حاصل کی ہو۔ تم کسی ایسی قوم کو معزز اور سربلند نہ پاؤ گے جو کسی اصول اور کسی ڈسپلن کی پابند نہ ہو، جو کسی بڑے مقصد کے لیے تنگی اور مشقت اور سختی برداشت نہ کر سکتی ہو، اور اپنے اصول و مقاصد کے لیے نہ صرف اپنے نفس کی خواہشات کو بلکہ خود اپنے نفس کو بھی قربان کر دینے کا جذبہ نہ رکھتی ہو۔ یہ ڈسپلن اور اصول کی پابندی اور بڑے مقاصد کے لیے راحت و آسائش اور منافع کی قربانی کسی نہ کسی رنگ میں تم کو ہر جگہ نظر آئیگی۔ اسلام میں اس کا رنگ کچھ اور ہے اور دوسری ترقی یافتہ قوموں میں کچھ اور۔ یہاں سے نکل کر کسی اور نظام تمدن میں جاؤ گے تو وہاں بھی تم کو اپنی رنگ میں نہ سہی دوسرے رنگ میں ایک نہ ایک ضابطہ کا پابند ہونا پڑیگا۔ ایک نہ ایک ڈسپلن کی گرفت برداشت کرنی ہی ہوگی۔ چند مخصوص اصولوں کے شکنجے میں بہرحال تم جکڑے جاؤ گے۔ اور تم سے کسی مقصد اور کسی اصول کی خاطر قربانی کا مطالبہ ضرور کیا جائیگا۔ اگر اسکا حوصلہ تم میں نہیں ہے، اگر تم صرف تن آسانی اور کشادگی اور منفعت ہی کے متوالے ہو اور کسی سختی، کسی تنگی اور کسی کراہت کو گوارا کرنے کی طاقت تم میں نہیں ہے تو اسلام کی قید سے نکل کر جہاں چاہو جا کر دیکھ لو۔ کہیں تم کو عزت کا مقام نہ ملیگا، اور کسی جگہ طاقت کا خزانہ تم نہ پا سکو گے۔ قرآن نے اس قاعدہ کلیہ کو صرف چار لفظوں میں بیان کیا ہے اور وہ چار لفظ ایسے ہیں جن کی صداقت پر پوری تاریخ عالم گواہ ہے۔ ان مع العسر یسراً۔ یسر کا دامن ہر حال میں عسر کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس میں عسر کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں وہ کبھی یسر سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بابت میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجئے "مہتمم صدق لکھنؤ"

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۴ | لکھنؤ - ۲۳ - جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ - ستمبر ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

کلکتہ سے خبر آئی، اور خبر آئے عرصہ ہو چکا، کہ فلاں امیر کبیر مارواڑی تاجر نے ——— اور کون مارواڑی تاجر امیر کبیر نہیں ہوتا! ——— اعلان کیا ہے، کہ جو کوئی انھیں اُن کی بیماری سے اچھا کر دے، اُسے وہ ۲۰ ہزار کی رقم نذر کریں گے! اللہ اکبر! ایک مارواڑی تاجر اور ۲۰ ہزار کا نذرانہ! ایسے یقین آئے! روپیہ سے ان حضرات کو جس درجہ محبت ہوتی ہے، وہ کس پر روشن نہیں؟ ہو نہ ہو، بیماری کوئی ایسی ہی سخت اور مہلک ہوگی، جب ہی تو سیٹھ صاحب ان شاہ خرچیوں پر آ گئے۔ دق، سل، ذیابیطس، استسقاء، آخر کیا؟ یہ کچھ بھی نہیں، بیماری صرف یہ کہ سیٹھ صاحب کو نیند کسی طرح نہیں آتی۔ جو صاحب اپنی کسی دوا یا تدبیر سے سیٹھ صاحب کو سُلا دیں، بس یہ ۲۰ ہزار اُنکے حصہ کے ہو گئے!

———

زبانوں پر جواب آئے گا کہ یہ بیچاری بھی کوئی بلا یوں ہی بھاری ہے، ہم آپ آخر روز سوتے ہی ہیں، ادھر بستر پر گئے، اُدھر سو گئے۔ یہ آخر مصیبت ہی ایسی کون ہے، جسکے پیچھے یوں ہزاروں اُٹھائے جا رہے ہیں؟ ——— یہ جواب اُسی وقت تک زبان پر ہے، جب تک اپنی صحت درست ہے، اور نیند اپنے وقت سے آتی چلی جاتی ہے نعمت کی قدر زوالِ نعمت پر ہوتی ہے۔ جوانی کا لطف اُس سے پوچھیے جسکی جوانی ختم ہو چکی۔ سُہاگ کیا چیز ہوتی ہے، اس کی قدر بیوہ کے دل سے پوچھیے۔ بصارت کی قدر اُس اندھے سے پوچھیے، جس کی آنکھوں میں اپنی پوری طرح اُتر آیا ہو۔ نیند بھی کتنی اہم کتنی عظیم چیز ہوتی ہے، اسکا حال اُس سے پوچھیے جس کی نیند اُڑ چکی ہو۔ اُس مارواڑی غریب سے پوچھیے، جس نے سینے پر پتھر رکھ کر اتنی بڑی رقم کا اشتہار دے ڈالا۔ بیچارہ کی جان پر خدا جانے کیا کیا گزر رہی ہوگی، جب جا کر یہ اعلان کیا ہوگا! جان کی قیمت، ہر جاندار رکھنے والے کے لیے بہرحال ہر مال سے زائد ہوتی ہے، اور اس کا اندازہ اُس وقت ہوتا ہے، جب خود جان پر آ کر بنتی ہو۔

———

نیند کی قدر ابھی ہمیں کہاں؟ ابھی تو شوق ہوادار کمروں کا ہے، برقی پنکھوں کا ہے، کھلے ہوئے صحن اور چمن کا ہے، مسہریوں کا ہے مسہریوں کے پردوں کا ہے، تکیوں کا ہے، نرم اور گداز بستروں کا ہے ———

قدرت کے کس انعام عام کی قدر ہے؟ قدر بھوک کی کب ہے؟ ہوس تو لذیذ سے لذیذ کھانوں کی ہے۔ حلوے ہوں، مربّے ہوں، بریانی ہو، نفیس ڈائننگ روم ہوں، اعلیٰ قسم کی پلیٹیں ہوں، جگمگاتے ہوئے برتن اور چمچے ہوں۔ کبھی اللہ میاں سے یہ دعا کرنے کی بھی توفیق ہوتی ہے، کہ بھوک کی نعمت عطا ہو! پیاس کی قدر کب ہمارے دل میں آئی ہے؟ دل تو اس میں اٹکا ہوا ہے، کہ برف ہو، شربت ہوں، "ولایتی پانی" ہوں، صراحیاں ہوں، گلاس ہوں، سچی پیاس کی نعمت کو نعمت ہم سمجھتے ہی کس دن ہیں؟ کیا خدا کی شان ہے، کہ جو نعمتیں، خاص و عام ہر شخص کے لیے عام ہیں، یہ نیند جو اگر نہ آئے تو زندگی حرام ہو جائے، یہ بھوک، جو اگر نہ لگے، تو بڑے سے بڑے مزیدار کھانے بھی بے مزہ۔ یہ پیاس جو اگر نہ لگے، تو دنیا کی لذتیں ہیچ۔ یہ ہوا، اگر ذرا دیر کے لیے بھی رک جائے تو انسان دم گھٹ کر مر جائے۔ یہ دھوپ، جو اگر غائب ہو جائے، تو ساری دنیا ٹھٹھر کر رہ جائے۔ قدرت کی یہ ساری نعمتیں، جو بڑے اور چھوٹے، اچھے اور بُرے، سب ہی کے لیے عام ہیں، ان کی طرف دھیان ہی کس کا جاتا ہے؟ کون ان کی قدر کرتا ہے؟ کون ان نعمتوں کو نعمت سمجھتا ہے؟ ——— غفلتوں کا

پردہ وہ گہرا پڑا ہوا ہے، کہ کھلی ہوئی حقیقتیں بھی نگاہ سے غائب ہو کر رہ گئی ہیں!

تحریک "خاکسار"

ضلع بیڑ (دکن) سے ایک صاحب نے ہفتہ وار اخبار الاصلاح (اچھرہ، پنجاب) کے پرچوں کا ایک انبار ارسال فرماکر فرمائش کی ہے کہ تحریک "خاکسار" پر مدیر صدق اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس سارے دفتر کے مطالعہ کی فرصت تو کہاں نکلتی، البتہ جریدۂ مذکور کا ایک خاص اور ضخیم نمبر جو "قول فیصل" کے نام سے موسوم ہے، اور جس کے اندر حسب تصریح سرورق "خاکسار تحریک کے غرض و مقصد کی مکمل تشریح، اور اعتراضات کا حتمی جواب" ہے، اسے پڑھ لیا گیا، اور جستہ جستہ نظر الاصلاح کے متفرق پرچوں پر بھی کر لی گئی۔

تحریک کے بانی عنایت اللہ خاں مشرقی رہے ہیں، جن کی ضخیم کتاب تذکرہ ۱۲-۱۴ سال ہوئے شائع ہوئی تھی۔ جمعیۃ العلماء دہلی نے اسی وقت اس پر فتوائے تکفیر دیا تھا۔ معارف میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے، اور روزنامہ زمیندار میں ایک ایم اے کے قلم سے اس کے ملحدانہ مضامین پر مفصل تبصرے نکلے تھے۔ روایت یہ سننے میں آئی تھی، کہ مصنف نے اب ان خیالات سے رجوع کر لیا ہے۔ لیکن ان تازہ تحریروں میں کوئی علامت، ان عقائد سے رجوع کرنے کی نظر نہ آئی، بلکہ عموماً انہیں خیالات و عقائد پر اصرار ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی صفائی، مشرقی صاحب کے موجودہ طرز عمل سے متعلق پیش کرنی مشکل ہے۔ اور مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتوائے تکفیر ابھی حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

تحریک خاکسار کے جو مقاصد درج کیے ہیں، وہ بجائے خود بُرے نہیں، لیکن الاصلاح کے مضامین کی روح ان سے مختلف ہے۔ بات بات پر علمائے اسلام کے خلاف بدزبانی، قدم قدم پر طنز و سب و شتم، بعض باتیں یقیناً کام کی بھی لکھی ہیں، لیکن بڑا حصہ ذرہ تمسخر۔ آیات قرآنی جو پیش کی کی ہیں، ان سے ثبوت فہم قرآن کا نہیں، نافہمی یا کج فہمی ہی کا ملتا ہے۔ کہیں کہیں عریانی و فحش بیانی، اور کہیں کہیں انداز بیان ایسا گندہ کہ گویا اس وقت چرکین کی روح بول رہی ہے۔ اور علماء سے مخاطبت کے وقت تو یہ معلوم ہونے لگتا ہے، کہ کوئی سنجیدہ مصنف ہاتھ میں قلم لے کر نہیں بیٹھا ہے، بلکہ دیہات میں بڑے تھانہ دار صاحب "تحقیق" کے لیے آگئے ہیں۔ ایک طرف مجرموں اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ گاؤں کے شرفاء بھی اپنی عزت و آبرو کے لیے سہمے کھڑے ہیں، اور دوسری طرف "داروغہ جی" ہیں، کہ غصہ میں بھرے ہوئے اور بپھرے ہوئے، شریف و رذیل، خطاوار و بے خطا، سب پر یکساں مغلظات کا مینہ برسا رہے ہیں!

کسی کلمہ گو پر حکم کفر لگا دینا، بے شک بڑی ہی ذمہ داری اور جسارت کا کام لیکن اس میں شبہہ نہیں، کہ اسلام کی جو تصویر ان صفحات میں پیش کی گئی ہے وہ مسخ شدہ اسلام کی ہے، جس کے ڈانڈے الحاد و ارتداد کی سرحد سے مل کر رہتے ہیں۔ بعض صحیح و مفید اجزاء کے وجود سے انکار قطعاً نہیں، لیکن ایسے عرق گلاب کو لیکر کیا کیجیے، جس میں پیشاب کے قطرے بھی ملے ہوئے ہوں! مشرقی صاحب کی نیت ممکن ہے، دل سوزی سے، اسلام و اہل اسلام کی خواہی ہی کی ہو، لیکن سوال ان کی نیت کا نہیں (نیت کا سوال تو صرف عالم الغیب کے سامنے ہوگا) سوال ان کی مطبوعہ تحریروں کے اثرات و نتائج کا ہے اور اس لحاظ سے ان کی تحریروں کا ضرر، اس کے نفع سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔ اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا - مطلق نفع سے تو شراب خواری و قمار بازی تک خالی نہیں!

قول فیصل کے آخر میں "علامہ" مشرقی کے سوانح حیات درج ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی "خوش فہمی" مذہب ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ ییل یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ٹارے نے آپ کے تذکرہ پر کئی ماہ تک لکچر دیے ہیں ——— یہ بالکل اسی درجہ کی بات ہے، کہ کسی آیت قرآنی کی کوئی تفسیر یہ کہکر پیش کی جائے کہ یہ تفسیر ابو لہب سے منقول ہے! یہ امریکی بزرگوار تو ان چند مشاہیر وقت میں ہیں، جو اپنی زندگی عداوت اسلام کے جہنم زار میں جلنے کے لیے وقف فرما چکے ہیں۔ اور اس فن میں شاید گسکر ڈ مارگولیس کے سوا اس وقت اپنا کوئی ہمسر و نظیر نہ رکھتے ہوں! مشرقی صاحب میں قوت عمل زبردست معلوم ہوتی ہے کاش یہ قوت، بجائے خانہ جنگی میں ضایع ہونے کے، صحیح و مفید اسلامی خدمات میں صرف ہوتی! "اصلاح بذریعہ سب و شتم" اصلاح کا نیا طریقہ ہے!

مسلم یونیورسٹی اور اخبارات

مسلم یونیورسٹی کی مجلس انتظامی نے ایک تجویز یہ منظور کی ہے، کہ بعض اخبارات کی معاندانہ روش کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کے مسئلہ پر غور کیا جائے۔ اس پر بعض مسلم معاصرین کو یہ بدگمانی ہوئی کہ اشارہ انہی کی طرف ہے، اور یہ سمجھ کر عجیب عجیب دھمکیاں انہوں نے یونیورسٹی کے کارکنوں کو اپنے کالموں میں دی ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ معاصرین، روئے سخن اپنی جانب کیوں سمجھے، اور ان کا ذہن بعض کھلے ہوئے غیر مسلم معاند معاصرین کی طرف کیوں نہ منتقل ہوا، مثلاً ہندوستان ٹائمس ——— کیا اس کی کوئی نظیر موجود ہے، کہ کسی ذمہ دار مسلمان اخبار نے ہندو یونیورسٹی کے اندرونی معاملات و انتظامات پر اس درجہ اپنی توجہ مبذول فرمائی ہو، جس طرح بعض غیر مسلم اخبارات، مسلم یونیورسٹی پر کرم فرماتے رہتے ہیں؟ "مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں" اس مصرعہ کے پڑھنے کے بھی موقعے ہوتے ہیں۔

اپنی کوتاہیاں

صدق کے ایک قدیم کرم فرمانے اجمیر سے، مدیر صدق کے ایک قدیم اور صدق کے جدید کرم فرمانے الہ آباد سے، اور ایک تیسرے صاحب نے ہوشنگ آباد سے، اپنے اپنے عنایت ناموں میں تحریر فرمایا ہے، کہ صدق کی طباعت نہایت درجہ ناقص ہے، کٹے ہوئے حروف اور اڑے ہوئے الفاظ سخت تکلیف دہ ہیں، خدا کے لیے اس کا انتظام کرو۔

شکایتیں واجبی نہیں، واجبی سے بہت کم ہیں۔ حیرت اس امر پر ہے، کہ شکایت نامے اتنے کم ابھی کیوں موصول ہوئے۔ جو حضرات ابتک صبر سے کام لیے ہوئے ہیں، اور خدا جانے کس درجہ کے تحمل اور عالی ظرفی کے مالک ہیں، ان کا جواب میں، مدیر کے پاس بجز معذرت اور ندامت اور اپنی بے بسی کے اظہار کے اور کچھ نہیں۔ پرچہ نمبر ۱۲ کی چھپائی تو علی الخصوص اس درجہ مسخ ہو کر رہی، کہ اس پر معذرت کے لیے کوئی لفظ کافی نہیں ہو سکتے۔

اور یہ پرچہ جب چھپ کر آیا، تو بجز اشتہار پڑھنے کے چارہ نہ تھا۔ خریدار صاحبان کو تو بس اسی کی شکایت ہوگی، کہ جو قیمت وہ ادا کرتے ہیں، اسکے لائق سودا انھیں نہیں ملا۔ لیکن اُس لکھنے والے غریب کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی جس کی تحریر کا سارا اثر ہی اس "حسنِ طباعت" کی نذر ہو کر رہ جاتا! ———
مدیر کی بدخلقی کا علم بیرونی حضرات کو نہیں۔ عجب نہیں، کہ دفتر اور پریس کے عملے نے اس سے انتقام لینے کی یہی تدبیر سوچی ہو، کہ پرچہ کو پڑھنے کے قابل ہی نہ رکھا جائے! اور بیچارہ ناکردہ گناہ خریداروں کی شدید حق تلفی کا پہلو اگر شامل نہ ہوتا، تو یہ صورت انتقام تو شاید نا جائز و نامناسب بھی نہیں!

بیعت

نورالدین احمد صاحب رائے بریلی سے دریافت کرتے ہیں:—
"بیعت ہونا کس قدر ضروری ہے؟ فرض، واجب، سنت مؤکدہ یا سنت؟ اور کیا بغیر مرید ہوئے مدارج عالیہ شرعی یا فرائض وغیرہ کا تکملہ نہ ہوسکے گا؟"

جواب کا دارومدار لفظ بیعت کے مفہوم پر ہے۔ ایک شے ہے حقیقتِ بیعت، اور ایک ہے صورتِ بیعت۔ آج کل عموماً لفظ بیعت سے یہی دوسری شق صورتِ بیعت مراد ہوتی ہے، اور اسی کو اصل حقیقت یا اسکے مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حقیقتِ بیعت سے مراد ہے، احکامِ شریعت کی تعمیل کا پختہ عہد و عزم، یہ عین مقصود و مطلوب ہے۔ اس عہد کو استوار کرنے اور تازہ رکھنے کے لیے، کوئی زندہ نمونہ جتنا بہتر سے بہتر میسر آسکے، خوش قسمتی ہے۔ اپنے عیوب پر مطلع ہونے کے لیے ایک مرشد کامل کی رہنمائی، تجربہ ہے کہ ایک حد تک ناگزیر ہوتی ہے۔ اخلاقی و روحانی امراض کے علاج کے لیے ایک مصلح محقق اسی طرح ضروری ہوتا ہے، جس طرح جسمانی امراض کے علاج کے لیے طبیب حاذق۔ اور محض کلیاتِ طب کی ورق گردانی، ایک عامی مریض کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ جزئیات کا انطباق خود ایک مستقل فن ہے جسکے لیے مہارتِ کاملہ کی ضرورت ہے۔ یہ تو ہوئی حقیقتِ بیعت۔ باقی رہی صورتِ بیعت، سو اگر اسے محض ایک علامت کے درجہ میں رکھا جائے، تو مضائقہ نہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اسی کو عین مقصود سمجھ لیا گیا ہے، اور یہ دلوں میں بیٹھ گیا ہے، کہ کسی بزرگ کے ہاتھ میں ——— اور بزرگی کے معیار بھی خدا جانے کیا کیا گڑھ لیے گئے ہیں ——— بس ایک بار اپنا ہاتھ دیدیا، نجات و تکمیل ایمان و عرفان کے لیے کافی ہے۔ یہ نافہمی و نادانی اسی درجہ کی ہے، جیسے کوئی مریض، کسی طبیب حاذق کی محض شکل دیکھ آیا کرے، اور دُور سے نبض دکھائے، نہ اُس سے اپنا حال کہے، نہ نسخہ لکھوائے (دوا پینا اور نسخہ پر عمل کرنا تو الگ رہا)۔

لطفِ بے محل

"امریکی مشن کے ڈاکٹروں کے لیے نجد میں داخل ہونا کوئی نئی بات نہیں رہی۔ سب سے پہلے ۱۹۱۸ء میں ڈاکٹر ہیریسن کی طلبی سلطان کے حکم سے شہزادے کے علاج کے لیے ہوئی۔ اُس وقت سے اب تک ڈاکٹر ڈیم چھ طبی دَورے نجد اور حساء کے علاقوں میں کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر اشام ابھی نجد و حجاز کے طبی دَورے سے، سلطانی علاقے میں تین مہینے رہ کر واپس آئے ہیں۔ دو برس ہوئے کہ پہلے پہل ایک لیڈی ڈاکٹر اور ایک نرس کی، ہمارے مرد ڈاکٹروں کے ہمراہ طلبی ہوئی۔ اور اگلی سال (۱۹۳۵ء میں) طبی جماعت کے ہمراہ ایک غیر طبی مشنری، اور اُس کے فرزند ہیں۔ یہ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے، کہ سلطان کو اب اجنبیوں اور انکے داخلے سے ہراس نہیں ہے۔ ..... ریاض میں ہر پہر کو ڈھائی سو مریض روزانہ آتے رہتے ہیں .... ریاض، ہائل، وغیرہ میں کل ملا کر ۲۲۵۶۶ مریضوں کا علاج کیا گیا۔"

اقتباسات بحرین (خلیج فارس) کے ایک امریکی مشنری کے ایک مفصل مضمون کے ہیں، جو مشہور دشمن اسلام زویمر کے انگریزی رسالہ مسلم ورلڈ (اپریل ۱۹۳۶ء) میں شائع ہوا ہے، ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۸۔ باقی مضمون میں سلطان ابن سعود کی فیاضی و مہمان نوازی اور مشنریوں کے کارناموں کا بیان ہے، اور خاتمہ ان امید و آرزو پر ہوا ہے:—

"شہر روم ایک دن میں نہیں تعمیر ہوا تھا۔ نجد کی بھی کایا پلٹ ایک رات میں نہیں ہو سکتی۔ لوگ اپنے مذہب اور اپنی معاشرت کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ لیکن پچھلے چند سال سے اگر کوئی سبق حاصل ہو سکتا ہے، تو آیندہ پچیس سال اہلِ عرب جدید کو دیکھیں گے۔"

یہ وہی سلطان نجد اور اخوان نجد ہیں، جن کی حمیت، غیرت، حرارت و عصبیت کے قصے ہم آپ سنتے رہے ہیں؟ اس بے محل رواداری، فیاضی اور مہمان نوازی سے متعلق، سلطان کے دشمنوں اور مخالفوں کی نہیں، دوستوں اور موافقوں کی کیا رائے ہے؟ قدم جب نجد میں جم گئے، تو حجاز کے پہونچنے میں کیا دیر لگتی ہے! ——— سانپوں کو دودھ پلا پلا کر پرورش کرنا، اور بھیڑیے اور چیتے کو گوشت کھلا کھلا کر پالنا، کس آئین حکمت و دانش کے موافق ہے؟

اسلام و مسیحیت

افریقہ میں مسیحیت کے پیشہ ور منظم اور سرمایہ والے مبلغین کو مفلس اور غیر منظم ہاتھوں سے اشاعت اسلام کے مقابلہ میں جو دشواریاں پیش آرہی ہیں، انھیں اجمالاً ایک مشنری کی زبان سے سنیے:—

(۱) "اسلام جہاں پہونچتا ہے، معلوم ہوتا ہے وہاں کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ بخلاف اسکے مسیحیت، معلوم ہوتا ہے مغربی جہانگیریت کی علمبردار ہے۔

(۲) دوسری چیز اسلام کی سادگی ہے۔ اسلام نام ہے کلمہ پڑھ دینے، اور چند سادہ عبادات کا۔ بخلاف اسکے ہم لوگوں نے مسیح کے پیغام کو طرح طرح کی اصطلاحی پیچیدگیوں سے لبریز کر رکھا ہے۔

(۳) تیسری چیز اسلام کا "یسر" یا اسکی سہلیت ہے۔ مسیحیت اسکے برعکس روزمرہ کی زندگی کے ایک ناقابل عمل مذہب ہو کر رہ گئی ہے۔"

یہ ملخص ہے، ایک مضمون کے آخری حصہ کا، جو ایک مسیحی مشنری کے قلم سے مسیحی رسالہ مسلم ورلڈ میں شائع ہوا ہے۔ ص ۲۹ تا ص ۳۲ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۶ء۔ ——— مضمون نگار نے اے لکھا جس نسبت سے بھی ہو، اسلام... [illegible]

سورۂ بقرہ، رکوع ۱۶

(سلسلۂ صدق - ۱۳۱ و ماقبل)

(از عبد الماجد)

۱۳۰ ومن یرغب عن ملة	اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے
ابراہیم الا من سفہ	مگر وہی جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا
نفسہ ولقد اصطفینٰہ	ہو۔ اور ضرور ہم نے انکو منتخب کیا دنیا میں
فی الدنیا وانہ فی	اور یقیناً وہ آخرت میں (زمرۂ) صالحین
الآخرة لمن الصالحین	میں ہوں گے
اذ قال لہ ربہ اسلم	(یاد کرو وہ وقت) جب انکے پروردگار
قال اسلمت	نے اُنسے کہا، حکم بردار ہو جاؤ، بولے
لرب العالمین	حکم بردار ہو گیا میں سارے جہانوں کے پروردگار کا۔
ووصٰی بہا ابراہیم	اور اسی کی ہدایت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو
بنیہ ویعقوب یا	اور یعقوب بھی، کہ اے میرے بیٹو، اللہ نے
بنی ان اللہ اصطفٰی	منتخب فرما لیا ہے تمھارے لیے اس دین کو، سو ہرگز
لکم الدین فلا تموتن	جان نہ دینا بجز اس (حال) کے کہ تم حکم بردار ہو
الا وانتم مسلمون	

۴۵۱ دوسرا مذہب ابراہیمی ہے کیا؟ وہی دین توحید، جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے۔ اور جسے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب، باوجود دعوائے اتباعِ ابراہیمؑ چھوڑے ہوئے ہیں۔

۴۵۲ طریق ابراہیمؑ کا ذکر توریت میں ان الفاظ میں ہے:—

"میری سنو، اے لوگو، تم جو صداقت کی پیروی کرتے ہو، اور خداوند کے جویاں ہو، اُس چٹان پر جس سے تم کاٹے گئے ہو، اور اُس گڑھے کے سوراخ پر جہاں سے تم کھودے گئے ہو، نظر کرو، اپنے باپ ابرہام پر، اور سرہ پر جو تمھیں جنی، نگاہ کرو، کہ جب میں نے اسے بلایا، وہ اکیلا تھا، پر اس کو برکت دی اور بہت بنایا" (یسعیاہ ۵۱: ۱-۲)

اور انجیل میں ہے:—

"ابراہیم خدا پر ایمان لایا اور یہ اسکے لیے راستبازی گنا گیا۔ پس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں۔ اور کتاب مقدس نے پیشتر سے یہ جان کر کہ خدا غیر قوموں کو ایمان سے راستباز ٹھہرائے گا، پہلے ہی سے ابراہیم کو یہ خوشخبری سنا دی، کہ تیرے باعث ساری قومیں برکت پائیں گی۔ پس جو ایمان والے ہیں وہ ایماندار ابراہیم کے ساتھ برکت پاتے ہیں۔" (گلتیون ۳: ۶-۹)

یہاں مخاطب اہل کتاب ہیں۔ انھیں سے خطاب ہے کہ تم مدعی تو طریق ابراہیمؑ کی پیروی کے ہو، لیکن اُسی کو چھوڑے ہوئے ہو اور وہی عین اسلام ہے۔

۴۵۳ (اسی ایمان کے صلہ میں، اسی توحید پرستی کے انعام میں) توریت میں ہے:

"خداوند کا کلام رؤیا میں ابرام پر اُترا، اور کہا کہ اے ابرام تو مت ڈر، میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں" (پیدائش ۱۵: ۱)

اور انجیل میں ہے:—

"ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اسکے لیے راستبازی گنا گیا" (رومیون ۴: ۳)

"ابراہیم خدا پر ایمان لایا اور یہ اسکے لیے راستبازی گنا گیا" (گلتیوں ۳: ۶)

۴۵۴ (شرف رسالت و نبوت کے لیے) یہود کی قدیم ترین تاریخ جوزیفس میں ہے: "وہ تقدس میں بے نظیر تھے، اور خدا کے اِن اُنکے تقویٰ کے مناسب درجہ ملا" (حصہ اول۔ باب ۱۷۔ فقرہ ۱)

۴۵۵ (جنکے لیے بہترین انعامات اور اعلیٰ ترین سرفرازیاں ہیں)

۴۵۶ عربی میں لفظ اسلم ہے، جسکا ترجمہ "اسلام لے آؤ" بھی ہے۔

۴۵۷ (دل و جان سے) یہاں بھی دوسرا ترجمہ "اسلام لایا میں" ہو سکتا ہے۔

۴۵۸ رب اور عالمین پر حواشی، سورۂ فاتحہ میں گزر چکے۔

۴۵۹ مرتبہ نبوت پر سرفرازی اسی واقعہ اور اس مکالمہ کے بعد ہوئی ہے۔ توریت میں ہے:—

"جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اُس سے کہا کہ میں خدا ے قادر ہوں۔ تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو .... تب ابرام منہ کے بل گرا اور خدا اُس سے ہم کلام ہو کر بولا" الخ (پیدائش ۱۷: ۱-۳)

۴۶۰ (دین توحید پر قائم رہنے)

۴۶۱ عربی کے لفظ 'وصیت' اردو کے 'وصیت' کے مترادف نہیں، جسمیں بستر مرگ کا تصور لازمی ہے۔ عربی میں وصّاہ بکذا کے معنی آتے ہیں اسے اسکا حکم دیا، اس سے یہ کرنے کو کہا گیا (لین، مد القاموس) خود کلام مجید میں آتا ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم اسکے معنی ہیں یفرض علیکم تمھارے اوپر فرض کیا جاتا ہے (قاموس و تاج العروس)

۴۶۲ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:—

"ابراہیم، اپنے تمام بیٹوں، پوتوں کو حکم دے گئے، کہ ایمان و تقویٰ کی راہ پر قائم رہیں، اور سحر، شرک، اور ہر قسم کی معصیت سے کنارہ کش رہیں۔" (جلد اول، صفحہ ۸۶)

اور ملمین کی تاریخ یہود میں ہے:—

"ابراہیم اور کسی شے میں اپنے اہل عصر و اہل وطن سے افضل نہ تھے، بجز اپنے دین خالص کے .... ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے خدائے واحد کی پرستش کی .... اور یہی وہ ترکۂ عظیم ہے، جو وہ اپنی اولاد کے لیے چھوڑ گئے" (جلد اول، صفحہ ۱۲)

۴۶۳ (بن اسحٰق بن ابراہیم) اسرائیل انھیں کا دوسرا نام ہے، اور انگریزی بائبل میں انھیں جیکب کہا گیا ہے۔ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔

۴۶۴ یعنی اسی دین توحید کو۔

۴۶۵ حکم بردار کے بجائے دوسرا ترجمہ 'مسلمان' ہو سکتا ہے۔ اہل کتاب کو بار بار سمجھایا جا رہا ہے کہ جس دین اسلام کو تم نیا دین سمجھے ہوئے ہو یہ نیا نہیں، یہ تو عین وہی طریق ہے ابراہیم و یعقوب و دیگر انبیاء قدیم کا۔

۱۳۳ ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الٰہک و الٰہ اٰبآئک ابرٰہیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰہا واحدا، و نحن لہ مسلمون	کیا تم[116] موجود تھے[117] جب قریب آئی یعقوب کی موت۔ جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا، کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟[118] بولے کہ ہم عبادت کرینگے آپ کے معبود کی،[119] اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحٰق[120] کے معبود کی (یعنی) معبود واحد۔ اور ہم تو اسی کے حکم بردار ہیں[121]۔
۱۳۴ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت و لکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون۔	وہ ایک جماعت[122] ہے جو گزر چکی[123]، اسکے کام آئیگا[124] اُسکا کیا ہوا، اور تمہارے کام آئیگا[125] تمہارا کیا ہوا۔ اور وہ جو کچھ کرتے رہتے تھے اُس کی پوچھ تم سے نہ ہوگی[126]۔

۱۱۶ (اے اہل کتاب)

۱۱۷ جو آج دین قدیم کے باب میں مسلمانوں سے اسقدر نزاع کررہے ہو۔

۱۱۸ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔

"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو تین احکام دیے:

(۱) ایک یہ کہ بت پرستی نہ کرنا۔

(۲) دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی بے حرمتی نہ کرنا

(۳) تیسرے یہ کہ کوئی کافر یہودی جنازہ کو ہاتھ نہ لگانے پائے:

(جلد ۷، صفحہ ۲۲۰)

۱۱۹ روایات یہود میں ہے کہ

"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا ... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں بھی کوئی کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اسکے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا سُن لے اسرائیل۔ اے ہمارے باپ۔ ہمارا خدا وہی خدا ہے وہ معلم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی عقیدہ اُسی ایک خدا پر ہے، اُسی طرح ہم سب کا بھی دلی عقیدہ اُسی ایک خدا پر ہے"۔ (گنز برگ، جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۱)

۱۲۰ (ابن ابراہیمؑ) یہ بھی ایک پیغمبر برحق تھے۔ انکے بستر مرگ کا منظر روایات یہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔

"جب اسحٰق نے دیکھا کہ اُس کا وقت موعود آپہونچا، تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بُلایا۔ اور آخری وصیتیں کرکے انھیں برکت دی۔ اور کہا "میں تمھیں واسطہ دیتا ہوں خدائے تبارک وتعالیٰ کا جو علی وعظیم و قیوم و عزیز ہے، اور آسمان و زمین کا اور انکے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے، کہ تم اُسی کا خوف رکھنا، اور اُسی کی عبادت کرنا"۔ (گنز برگ، جلد اول، صفحہ ۴۱۶)

۱۲۱ دوسرا ترجمہ "ہم مسلم ہیں اُسی کے"۔

۱۲۲ یعنی یہی مذکورہ بالا انبیاء کرام، جو یہود کے اجداد میں تھے۔

۱۲۳ (اور انکے اعمال بھی انھیں کے ساتھ گزر چکے۔ موجودہ نسل یہود کو اُن کے اعمال سے کیا نفع ہو سکتا ہے؟)

۱۲۴ آخرت میں

۱۲۵ آخرت میں

۱۲۶ آبائی مفاخرت اور نسلی عظمت کا عقیدہ، یہود کے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکا تھا۔ اور یہ بات دل میں جمی ہوئی تھی کہ ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ جیسے محبوبان الٰہی کی اولاد کو غم ہی کیا ہو سکتا ہے۔ عمل جیسے بھی کچھ ہوں، ان حضرات کی "نسبت" بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کے ہاں ایک اصطلاح "گناہ آبائی" کی ہے، یعنی آدمؑ سے جو معصیت سرزد ہوئی تھی، وہ نسل آدم میں سلسلہ بسلسلہ چلی آرہی ہے۔ یہود نے اسکے مقابلہ میں ایک اصطلاح "نجات آبائی" کی گڑھ لی تھی جس کی تشریح، جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں ملتی ہے:۔

"خدائے تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بطور اپنے انعام کے باپ کے حسنات کو اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے"۔

(جلد ۱۲، صفحہ ۴۲۱)

قرآن مجید ان سارے مزعومات کی بیخ کنی کررہا ہے۔

۱۲۷ (اے حاضر الوقت یہودیو!)

۱۲۸ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں، یہود کے ایک عجیب و غریب عقیدہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔ ......

"بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۶۰)

گویا انتقال ثواب [اوپر اور نیچے] دونوں طرف سے ہوتا رہیگا۔ اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔

"کتاب استثناء (توریت) ۵: ۹ و ۱۰ کی یہ قدیم تعلیم کہ باپوں کے گناہ کا انتقام اولاد سے لیا جائیگا، قوم و قبیلہ کی اہمیت دکھاتے دکھاتے، آخر دور یہودیت میں بڑی مبالغہ آمیز حد تک پہونچ گئی تھی۔ اور افراد یہود کی امیدیں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہوگئی تھیں۔ "ہم ابراہیم کی اولاد ہیں"۔ (جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۸۳۔ طبع یازدہم)

اور ارٹن نے اپنی کتاب مذہب اسرائیل میں صراحت کے ساتھ دکھایا ہے، کہ یہود کے ہاں نجات کا سوال افراد سے متعلق تھا ہی نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ نجات یہود کو من حیث القوم ہوگی۔ (صفحہ ۱۲۴)

۱۲۹ یہ قول یہود کا تھا، جنکا یہ عقیدہ انجیل تک میں منقول چلا آتا ہے، کہ

"نجات یہودیوں میں سے ہے" (یوحنا، ۴: ۲۲)

اور ڈکشنری آف دی بائبل میں کتب یہود کے حوالہ سے ہے کہ

"یہود کو حیات ابدی میں اپنی شرکت کا اعتماد حد سے زیادہ ہو گیا تھا۔ سمجھتے یہ تھے، کہ چند مخصوص مستثنیات کو چھوڑ کر، باقی سب بنی اسرائیل اسکے حصہ دار ہوں گے" (جلد ۲۔ صفحہ ۶۰۶)

۱۳۰ یہ قول مسیحیوں کا تھا۔ انکا عقیدہ، انجیل میں یوں درج ہے:۔

"خداوند یسوع پر ایمان لا، تو تو اور تیرا گھرانا نجات پائیگا" (اعمال ۱۶: ۳۱)

۱۳۵ وقالوا کونوا ہودًا او نصٰریٰ تہتدوا، قل بل ملۃ ابرٰہیم حنیفا، وما کان من المشرکین۔

اور (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ نہیں، بلکہ مذہب ابراہیم کا جو سیدھی راہ والے، اور وہ نہ تھے مشرکین میں سے۔

۱۳۶ قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابرٰہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربہم لا نفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون۔

کہہ دو، ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا ہم پر، اور جو اُتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر، اور اُس پر جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، اور جو دیا گیا (دوسرے) انبیاء کو، اُنکے پروردگار کی طرف سے، اور ہم اُن میں سے کسی ایک میں (بھی) تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک) کے فرمانبردار ہیں۔

اور اسا طین مسیحیت نے اس اجمال کی شرح یوں کی ہے :۔

"اُس یوم عظیم میں، جبکہ قہر الٰہی آسمان سے ہر بدکار پر نازل ہو رہا ہوگا، امن وعافیت یہیں ہو سکے گی" (ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۴ صفحہ ۳۶۶)

"پطرس حواری کے ہاتھ میں آسمانی بادشاہت کی کنجیاں دیدی گئیں، اور وعدہ کر لیا گیا کہ جو کلیسا ان کا قائم کیا ہوا ہوگا اُس پر جہنم کے دروازے بند رہیں گے" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ اتھکس جلد ۳ ۔ صفحہ ۶۲۷)

۳۱ــه (دنیا میں، اور اس طرح نجات پاؤ آخرت میں)

۳۲ــه (اے پیغمبر انکے جواب میں کل امت اسلامیہ کی طرف سے)

۳۳ــه (ہم نے پایا) "ہم" سے مراد امت اسلامیہ ہے۔

۳۴ــه (اُس کی اصلی اور غیر محرف شکل میں) ۔ یہود اور مسیحی مسلمانوں کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ نجات منظور ہو تو ہماری طرف آؤ۔ اس سنئے مذہب میں کیا رکھا ہے؟ مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی ملتی ہے، کہ تمھارے ہاں بجز تحریفات کے اور کیا ہے۔ رہا ہمارا مذہب سو وہ نیا تو بالکل نہیں، وہ تو وہی ابراہیم علیہ السلام کا قدیم دین توحید ہے، اور ہم اُسی کی اصلی اور غیر محرف شکل سے تمسک کیے ہوئے ہیں۔

۳۵ــه بعض مفسرین نے 'حنیفا' کو 'ملت' کی صفت قرار دیا ہے، اور اکثر نے ابراہیمؑ کی۔ مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ ابراہیمؑ کی حنیفیت سے متعلق یہود کی قدیم تاریخ جوزیفس میں ہے :۔

"وہ تقدس کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، اور خدا نے انکے تقویٰ کے لائق ہی اُنھیں مرتبہ عطا فرمایا" (حصہ اول، باب ۷، نقرۂ اولیٰ)

"ابراہیم کا مذہب تنزیہ و تشبیہ کا جامع تھا ... خدائے واحد قدیم صاحب عرش، عبادت کے لیے درمیانی واسطہ سے بے نیاز، قادر مطلق اور محیط کل، مومنین کی براہ راست رسائی کے اندر، یہ ہے خدائے ابراہیمی" (انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم)

"انکی مذہبی زندگی کا خاصۂ امتیازی انکی توحید پرستی، اور جو شرک آباء و اجداد سے چلا آرہا تھا اُسکا ترک تھا" (ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۱، صفحہ ۱۶)

جوزیفس میں ہے :۔

"آپ ہی نے سب سے پہلے اس عقیدہ کی تبلیغ کی، کہ معبود واحد ہے خالق کائنات" (حصہ اول۔ باب ۷ نقرۂ اولیٰ)

"ابراہیم کے آباء و اجداد جو قبیلۂ عراق میں شرک میں مبتلا تھے، ابراہیم کا خدا وہی تھا، جو موسیٰ اور انبیاء کا خدا تھا" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد اول، صفحہ ۶۰، طبع چہاردہم)

۳۶ــه (اے مسلمانو!)

۳۷ــه (بواسطہ ہمارے پیغمبر کے)

۳۸ــه یہود کو (اور انکے تتبع میں مسیحیوں کو بھی) اس نام سے ضد تھی، اس لیے یہ نام خاص طور پر لایا گیا۔

۴۰ــه اسحٰق کے نام کو نہ چھوڑنا، اسلام کے طریق عدل و اعتدال کی دلیل روشن ہے۔

۴۱ــه 'سبط' کے معنی 'قبیلہ' کے ہیں، یہاں مراد وہ بارہ گروہ ہیں، جو اولاد یعقوب میں ہوگئے تھے، اور ان میں انبیاء برابر مبعوث ہوتے رہے۔

۴۲ــه (خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانے میں ہوئے ہوں)۔ اسلام کے "نئے مذہب" ہونے کی یہ ایک بار پھر تردید کی جا رہی ہے۔

۴۳ــه (بحیثیت نبوت، یعنی یہ کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں) (عالمگیر مذہب یہ ہو سکتا ہے، جو ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے سچے انبیاء کو مان رہا ہے، یا وہ مذہب، جو ہدایت آسمانی کو، فلاں قوم، فلاں نسل، فلاں ملک کے ساتھ مخصوص و مقید کیے ہوئے ہیں؟

۴۵ــه یا "اُسی کے مسلم ہیں" تعلیمات اسلامی کا نچوڑ یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ ایک عیسائی انگریز مورخ، فنلے، رومی تاریخ کے سلسلے میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتا ہے :۔

"توحید باری ... اسکے ساتھ تمام دینی، انتظامی، عدالتی، اور عسکری اختیارات کا اجتماع ایک خلیفۂ ارضی کے ہاتھ میں تھے، اسکے بعد مسلمانوں کو بجا طور پر یہ حق پہونچتا تھا کہ وہ اپنے کو امت توحید کے نام سے نامزد کریں، اور اس لقب پر فخر کریں" (یونان، رومیوں کے عہد میں۔ صفحہ ۲۵۲)

فصل الخطاب

(سلسلہ صدق ۲۷ کیم ستمبر ۱۹۲۶ء)

(از مولانا عبد اللہ شاہ قادری صاحب - حیدرآباد دکن)

اب رہی یہ بات کہ وہ مرضی خداوندی کیا ہے جسے پورا کرنے کے لیے تن من دھن کی قربانی اور دین کرنا ہے - تو جواب یہ ہے کہ ہر نبی کی زبانی خدا کی یہ مرضی معلوم ہو چکی ہے کہ ایک تو خدا کی توحید ہے یعنی وہ پروردگار جس سے یہ لین دین کیا جا رہا ہے وہ محض ایک ہی ہے - دوسرا کوئی ایسا موجود ہی نہیں جس کی ناراضی سے برائی کا خوف ہو اور جس کی رضامندی سے ہر قسم کی بہبودیوں اور خوشحالیوں کی امید و یقین (۲) دوسرے یہ کہ دنیا و مافیہا کہ ساری چیزیں سب انسان ہی کے لیے بنائی اور پیدا کی گئی ہیں - ان سے اپنی زندگی کے لیے فائدہ اٹھایا جاوے یہ سمجھ کر کہ یہ سب ہمارے ہی لیے ہیں اور ہم ہمہ اسکے لیے - (۳) تیسرے یہ کہ زمین میں فساد و شرارت نہ کریں اور کسی جاندار کو بلا اجازت کوئی ایذا و تکلیف نہ پہونچائیں - اس طرح کہ سب بنی نوع انسان مل کر ایک خدا کا کنبہ ہوں اور خدا سب کا واحد مربی و سرپرست - جیسے ایک شفیق باپ کی آل اولاد گھر پر اُس کے روبرو رہتے ہیں تو سب مل کر اسکے دسترخوان سے ہر قسم کی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں - اُسکے املاک و مال و متاع سے یکساں فائدہ اُٹھاتے ہیں - سب اُس سے خوش و خرم ہیں اور وہ اُن سے خوش و شادماں نہ یہ اُسکے سامنے موجودگی کی وجہ سے کسی قسم کی شرارت باہمی کرسکتے ہیں اور نہ ایذا دہی و فساد کا کوئی کام - اس جس وقت یہ گھر کا بڑا مربی او سرپرست مر جاتا ہے یا کہیں غائب ہو جاتا ہے تو پھر ان میں اتفاق و اتحاد رہنے نہیں پاتا اور شرارتیں اور ایذا رسانیاں شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ اسی لیے ہر دین نے یہ منوا دیا ہے کہ اس کنبہ کا (بنی نوع انسان) کا سرپرست و مربی ایک خدا ہے وحدہٗ لاشریک ہے - وہ ہر وقت ہر آن موجود و روبرو ہے - غیاب و غفلت کا وہاں کوئی شائبہ تک نہیں - خلاف عدل و انصاف کا وہاں کوئی تصور تک نہیں - ہر چیز جزو و کل پر اُس کا بے نہایت اقتدار مسلم ہے - اُسے نہ کسی سے فائدہ کی امید اور نہ نقصان وہی کا ڈر کہ بیجا رورعایت کا خیال آئے اسکی فاتح ورزی و عدول حکمی کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ بربادی و تباہی دارین ہو - یہی وہ "دین قدیم" ہے جو تمام نبیوں کی تعلیم میں متفقہ طور پر پایا جاتا ہے اور جسے حضور اقدس سید المرسلین و خاتم النبیین کے ذریعہ کامل ترین صورت میں پیش کیا گیا ہے - سب کو حکم دیا گیا تھا ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ - "دین" کو تمام دنیا میں قائم کرو اور اس "دین" میں فرقہ وارانہ اختلاف نہ کرو تاکہ اصل مقصد نہ فوت ہو جائے - ایسا نہ ہو مغز اُڑ جائے اور بھوسی اُڑ جائے -

اقامت دین و عدم تفرق

اصل آیت سورۂ شوریٰ رکوع دوم میں اس طرح ہے :-

۱	شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوہم الیہ	شروع و مقرر کیا تمہارے (امت محمدیہ کے) لیے دین وہی جسکی وصیت نوح کو جو سب سے پہلے تشریعی نبی ہیں) اور جسکی وحی تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور جسکی وصیت ہم نے ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ کو کی تھی یہ کہ تم سب مل کر اجتماعی طور پر "دین" قائم کرو اور باہمی فرقہ داری نہ کرو - مشرکین و کفار پر وہ بات بڑی شاق گزر رہی ہے جسکی طرف آپ بلا رہے ہیں۔

پھر اس تفرق و اختلاف فرقہ وارانہ کی وجہ یوں ارشاد ہوئی ہے :-

۲	وما تفرقوا الا من بعد ما جاءہم العلم بغیاً بینہم	اور یہ تفرق و اختلاف جو پیدا کر لیا سو علم آنے کے بعد پیدا کر لیا محض شرارت و نفسانیت (حب جاہ و حب دنیا) کی وجہ سے -

سورۂ آل عمران میں فرمایا

۳	وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءہم العلم بغیاً بینہم	اور نہیں اختلاف کیا اُن لوگوں نے جو کتاب الٰہی دیے گئے مگر بعد علم آنے کے محض شرارت سے

اور سورۂ لم یکن میں فرمایا :

۴	وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتہم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفاً	اور نہیں گروہ گروہ بنگئے وہ لوگ جو کتاب الٰہی دیے گئے تھے مگر بعد اسکے کہ اُنکے پاس دلیل روشن آچکی تھی - یعنی خدا کے پیغمبر جو بالکل درست صحیفے پڑھا کرتے تھے -

سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیت کے بعد ارشاد ہوا کہ

۵	وان الذین اورثوا الکتاب من بعدہم لفی شک منہ	اور یقیناً وہ لوگ جو کتاب آسمانی کے وارث بنائے گئے اُن متفرقین اولین کے بعد وہ ابتک اسکی نسبت شک میں ہیں -

سورۂ روم رکوع چہارم میں ارشاد ہوتا ہے

۶	بل اتبع الذین ظلموا اہواءہم بغیر علم فمن یہدی من اضل اللہ وما لہم من ناصرین - فاقم وجہک للدین حنیفاً فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیہم فرحون -	بلکہ ظالموں نے اپنی خواہشات اور من مانی باتوں کی پیروی کی بغیر کسی علم کی روشنی کے - جنھیں خدا گمراہ کرے اُنھیں راہ کون بتائے - اُنکے کوئی مددگار تو ہیں نہیں - لہذا آپ اے نبی سب سے بے رُخ ہو کر "دین" ہی کی طرف لو لگائے رکھیے ہاں دیکھنا یہی وہ فطرت ایزدی ہے جس پر تمام انسانوں کو پیدا کیا - خدا کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی یہی ہے درست اور صحیح "دین" لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے - تم سب اُسی خدا کی طرف رجوع کرتے ہو اور اُسی کے

غضب سے ڈرتے رہو اور نماز باجماعت ادا کرتے رہو اور ان مشرکین میں سے نہ بنجاؤ جنھوں نے اپنے "دین" کی مختلف صورتیں گڑھ لیں اور فرقہ فرقہ اور گروہ گروہ بن گئے اس طرح کہ ہر پارٹی اپنے خیالات اور اعمال ہی پر نازاں و شاداں ہے۔

سورہ مومنون پ۱۸ رکوع ۴ میں یوں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

یا ایہا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم۔ وان ہٰذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرہم بینہم زبرا کل حزب بما لدیہم فرحون فذرہم فی غمرتہم حتی حین	اے پیغمبرو! ستھری خوشگوار چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کرو میں خوب جانتا ہوں اور یہاں کھلتا ہے تمہاری ملت ایک ہی اور بالکل الگ ہے اور میں تمہارا واحد مستقل پروردگار ہوں لہٰذا مجھ سے ہی ڈرنا۔ مگر قوموں نے اس کی خلاف ورزی کی اور (یہ نہ مانا) بس اپنے امر دین کو پارہ پارہ الگ الگ کر لیا اس طرح کہ ہر جماعت اپنی اپنی من مانی باتوں پر خوش خوش ہے لہٰذا اے محمد صلعم انھیں اُن کی اپنی اندھا دھند میں ایک مدت تک چھوڑ رکھیے۔

(باقی)

تصانیف مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر صدق

مذہبی

۱۔ تصوف اسلام۔ خالص اسلامی تصوف کا بیان۔ قدمائے صوفیہ کے حالات و تعلیمات۔ طبع ثانی با اضافہ کثیر ۲۴۲ صفحے۔ قیمت عہر

۲۔ فیہ ما فیہ (فارسی) ملفوظات مولانائے رومؒ۔ مع دیباچہ و مقدمہ وغیرہ۔ ۲۴۰ صفحے۔ قیمت ؏

۳۔ سفر حجاز۔ عازمین حج کے لیے بہترین رہنما۔ نقشی، تاریخی، ادبی ہر حیثیت کا جامع۔ دیباچہ از مولانا سید سلیمان ندوی ۴۲۱ صفحے قیمت ؏

فلسفیانہ

۴۔ فلسفۂ جذبات۔ مشہور و معروف کتاب۔ طبع ثالث با اضافہ کثیر۔ حجم ۲۲۰۔ قیمت ؏

۵۔ مبادی فلسفہ۔ حصہ اول۔ یا فلسفہ کی پہلی کتاب حجم ۱۸۵ صفحے قیمت عہ

۶۔ مبادی فلسفہ۔ حصہ دوم۔ یا فلسفہ کی دوسری کتاب حجم ۱۵۱ صفحے قیمت عہر

۷۔ ترجمہ مکالمات برکلے مع دیباچہ و مقدمہ وغیرہ ۱۴۸ صفحے عہر

ادبی

۸۔ مثنوی بحر المحبت۔ (مصحفی) مع تبصرہ و مقدمہ وغیرہ ۸۶ صفحے ۸ر

ملنے کا پتہ:- منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ (یو۔پی)

(بقیہ صفحہ ۹)

اصول اور حقیقی اعتقادات، اور غیر متبدل قوانین لیجیے۔ انکی اصلی اسپرٹ دلوں میں اُتاریے اور اُن کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجیے۔ اس غرض کے لیے آپ کو بنا بنایا نصاب کہیں نہ ملے گا۔ ہر چیز از سر نو بنانی ہوگی۔ قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ انکے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہییں جو قرآن اور سنت کے مغز کو پا چکے ہیں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دینگی۔ آپ کو معاشیات کی تعلیم میں اسلامی نظم معیشت کے اصول، قانون کی تعلیم میں اسلامی قانون کے مبادی فلسفہ کی تعلیم میں حکمت اسلامیہ کے نظریات، تاریخ کی تعلیم میں اسلامی فلسفہ تاریخ کے حقایق اور اسی طرح ہر علم و فن کی تعلیم میں اسلامی عنصر کو ایک غالب اور حکمراں عنصر کی حیثیت سے داخل کرنا ہوگا۔ آپ کے تعلیمی اسٹاف میں جو ملاحدہ اور منفرنجین بھر گئے ہیں ان کو رخصت کیجیے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو چکی ہے جو علوم جدیدہ میں بصیرت رکھنے کے ساتھ دل و دماغ اور نظر و فکر کے اعتبار سے پورے مسلمان ہیں۔ ان بکھرے ہوئے جواہر کو جمع کیجیے تاکہ وہ جدید آلات سے اسلامی نقشہ پر ایک تعمیر بنائیں۔

آپ کہیںگے کہ انگریز ایسی تعمیر کی اجازت نہ دے گا۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر آپ اُس سے پوچھیے کہ تو پورے مسلمان اور پورے کمیونسٹ میں سے کس کو زیادہ پسند کرتا ہے؟ ان دونوں میں سے ایک کو بہر حال تجھے قبول کرنا ہوگا۔ سنہ ۱۹۰۶ء کا "اینگلو محمڈن" مسلمان اب زیادہ مدت تک نہیں پایا جا سکتا۔ اب اگر تو مسلمانوں کی نئی نسلوں کو پورا کمیونسٹ دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی قدیم دشمنی پر جما رہ۔ نتیجہ خود تیرے سامنے آ جائے گا۔ اور اگر یہ منظور نہیں تو نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام ہندوستان میں کمیونزم کی بڑھتی ہوئی وبا کا مقابلہ صحیح النسب سانڈوں اور ریڈیو کے دیہاتی پروگرام سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس وبا کو صرف ایک طاقت روک سکتی ہے اور وہ اسلام کی طاقت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲)

پاتا یا کچھ تماشا کھنڈ جاویں (متوجہ ہوں) اسکی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاویں کھڑا۔ تو کہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سودے سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

سورہ جمعہ کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب خدا کی آواز ہم تک پہنچے تو پھر پوری قوت کے ساتھ سب سے بے نیاز ہو کر ہمیں اُس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔ اور جمعہ کی تقریب اس کی ہر ہفتہ عملی تربیت ہے اپنے نصب العین سے اسی وابستگی ہی دین کی قوت اور استحکام ملت کا باعث ہے۔ ہر جمعہ بیشتر مقامات میں سورۂ جمعہ نماز جمعہ میں لازماً تلاوت کی جاتی ہے لیکن کتنی بار ہمیں ان معانی اور مطالب پر غور کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ خطبات جمعہ میں بھی اس کی توضیح اور تشریح نہیں ہوتی کہ کچھ آنکھ کھلے۔ بعض حضرات کے نزدیک خطبۂ جمعہ تو صرف ایک منتر ہے جسے پڑھ دیا جائے تفہیم و تذکیر کو اس سے کیا تعلق؟ اصلی جمعہ تو انکا ہے جو سورۂ جمعہ کی ان ہدایتوں، حقیقتوں اور نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوا۔

(مراسلہ)

عرس اجمیر

عرس حضرت خواجہ غریب نوازؒ (اجمیر) پر جہاں بہت سے اور خرافات ہوتے ہیں وہاں ایک ایسی کھلی اور خطرناک بدعنوانی بھی نظر آتی ہے جس سے ایک غیور مسلمان کے دل کو جو صدمہ پہونچتا ہے وہ بیان سے باہر۔ درگاہ شریف کے سامنے ایک بازار ہے جو درگاہ بازار ہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بازار دُور تک چلا گیا ہے۔ عرس کے زمانہ میں یہ ایک اچھی خاصی نمائش گاہ بن جاتا ہے۔ دن میں جو رونق ہوتی ہے وہ تو مسلم ہے۔ رات میں اس کی رونق دوبالا ہوجاتی ہے۔ بجلی کی روشنی اور گیس کے ہنڈوں کے باعث ایک بقعۂ نور بنجاتا ہے اور تمام رات وہ چہل پہل رہتی ہے کہ مغرب کے کسی بڑے شہر کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ ہجوم کی وہ کثرت کہ کھوے سے کھوا چھلے۔ اگر یہ چہل پہل ہی رہتی تو بھی ایک طور پر ٹھیک تھا۔ مگر افسوس یہاں ایک اور قسم کی نمائش بھی ہوتی ہے۔ اور وہ بے حیائی کی ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایسے متبرک مقام پر یہ نمائش کیسی؟ سنیے بازار میں دورویہ کھڑکے ہیں جن میں وہ عصمت فروش طبقہ جس کو طوائف کے نام سے پکارا جاتا ہے متمکن ہوتا ہے۔ شام ہوئی، انھوں نے اپنا سنگار کیا اور کھڑکیوں میں آن کر جلوہ افروز ہوگئیں۔ ...... غرض اوپر عصمت فروشی کی دوکان ہے تو نیچے (بازار میں) اُسکے خریدار۔ ہجوم میں سے دیکھو نظر اوپر کو۔ کوئی منچلا لاٹ پھینک رہا ہے تو دوسرا آوازے کس رہا ہے۔ کچھ لوگ اوپر جا رہے ہیں تو کچھ نیچے آرہے ہیں۔

آہ! غضب کی بیحیائی ہے! خدا کا خوف تو رہا ایک طرف نہ کسی کی شرم نہ کسی سے حیا! افسوس یہ وہی فرزندان اسلام ہیں جن کو بیحیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکات سے روکا گیا ہے۔ اسکو بھی جانے دیجیے۔ ذرا یہ تو دیکھیے کہ یہ سب کچھ ہو کہاں رہا ہے؟ شہر سے باہر یا کسی پوشیدہ جگہ پر؟ نہیں۔ بلکہ عین شہر کے وسط میں اور ٹھیک مزار اقدس سے صرف چند قدموں کے فاصلے پر۔ اُس اللہ کے فرمانبردار بندہ کے مرقد کے سامنے جو کہ تن تنہا بے یار و مددگار نونہال اسلام کی ایک قلم لیکر سنجر سے چلا اور کفرستان کے مرکز اور وہ بھی کہاں پرتھی راج کی راجدھانی میں آن کر لگاتا ہے۔ دن رات خون کو پسینہ کرکے اس ننھے پودے کو سینچتا ہے۔ ادھر مخالف کے تند جھونکے آتے ہیں اور اس پودے کو جڑ سے اُکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں مگر سب رائگاں۔ نصرت الٰہی کارفرما ہوتی ہے۔ اور وہ پودا رفتہ رفتہ ایک ایسے تناور درخت کی شکل اختیار کرلیتا ہے کہ اسکی شاخیں تمام ہندوستان میں پھیل جاتی ہیں۔ باغبان کا دل اسکو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتا ہے۔ اُدھر باغ کا مالک اُس سے کہتا ہے کہ تو اپنا کام کرچکا، آ، اب تو میرے پاس آ۔ میں تجھ سے خوش اور تو مجھ سے راضی۔ باغبان رخصت ہوئی جاتا ہے۔ اور اپنے مالک سے جا ملا۔ درخت باقی رہ گیا۔ آہ! اُسے کیا خبر تھی کہ اُسی کے لگائے ہوئے درخت سے ایسے کیڑے پیدا ہونگے جو اسکی بنیادیں کھوکھلی کردیں گے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ وہ کیڑے کون ہیں؟ سنیے، وہ ہم اور آپ ہیں جادۂ مستقیم کو مدت ہوئی چھوڑ چکے اور اب ضلالت اور گمراہی کے بیابان میں بھٹک رہے ہیں۔ اس درخت (اسلام) اور اسکے باغبانوں کے نیک ناموں کو خاک میں ملا رہے ہیں کہ جنھوں نے اپنے خون سے اسکی آبیاری کی تھی۔

فیاض الرحمٰن - اجمیر

مسلم یونیورسٹی اور اسلامیات

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد)

جدید تعلیم و تہذیب کے مزاج اور اسکی طبیعت پر غور کرنے سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت کے بالکل منافی ہے۔ اگر ہم اُسکو بجنسہ لیکر اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو انکو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھو دیں گے۔ آپ انکو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلہ کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے۔ آپ انکو وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ انکو تاریخ، سیاسیات، معاشیات، قانون اور تمام علوم عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اپنے اصول سے لیکر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات اور اصول عمران سے یکسر مختلف ہے۔ آپ انکی تربیت تمام تر ایسے تہذیب کے زیر اثر کرتے ہیں جو اپنی روح [illegible] اور اپنے مناہج کے اعتبار سے کلیۃً اسلامی تہذیب کی ضد واقع ہوئی ہے۔ اس کے بعد کس بنا پر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی نظر اسلامی نظر ہوگی؟ انکی سیرت اسلامی سیرت ہوگی؟ انکی زندگی اسلامی زندگی ہوگی؟ قدیم طرز پر قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم اس نئی تعلیم کے ساتھ بے جوڑ ہے۔ اس قسم کے عمل تعلیم سے کوئی نتیجہ خاطر خواہ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے فرنگی انجینیر کے پرانے بازو [illegible] کے لیے لگادیے جائیں۔ مگر ان بازوؤں سے فرنگی انجینیر قیامت تک اسلامی انجینیر نہ بنے گا۔

اگر فی الواقع علیگڈھ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلے مغربی علوم و فنون کی تعلیم پر نظر ثانی کیجیے۔ ان علوم کو جوں کا توں لینا ہی درست نہیں ہے۔ طالبعلموں کی لوح سادہ پر اس نوع کی تعلیم کا نقش اس طرح مرتسم ہوتا ہے کہ وہ ہر مغربی چیز پر ایمان لاتے چلے جاتے ہیں تنقید کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر پیدا ہوتی بھی ہے تو فی ہزار ایک طالب علم میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال کے گہرے مطالعہ سے جبکہ وہ زندگی کے آخری مرحلوں میں پہونچ جاتا ہے اور کسی عملی کام کے قابل نہیں رہتا۔ اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہیے۔ تمام مغربی علوم کو طلبہ کے سامنے تنقید کے ساتھ پیش کیجیے اور یہ تنقید خالص اسلامی نظر سے ہو۔ تاکہ وہ ہر ہر قدم پر انکے ناقص اجزاء کو چھوڑتے جائیں اور صرف کارآمد حصوں کو لیتے جائیں۔

اسکے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے بلکہ ان میں سے بھی متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کرکے اسلام کے دائمی

عقل و نقل

(از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن)

حال میں ہماری نظر سے ایک تحریر گزری جو ایک مسلم جماعت کی طرف سے شایع ہوئی ہے۔ یہ جماعت اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مذہب سے منحرف بھی نہیں، بلکہ اپنی دانست میں بڑی مذہبی خدمت انجام دے رہی ہے۔ مذہبی اصلاحات کے نام سے جن امور کی وہ تبلیغ کرتی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر سال بقرعید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی سے روکا جاتا ہے۔ اور ان کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ جو روپیہ وہ جانوروں کو ذبح کرنے پر صرف کرتے ہیں اُسے قومی اداروں کی اعانت، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش اور بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے میں صرف کریں۔ اس تبلیغ پر کسی مسلمان نے اعتراض کیا جسکی پوری عبارت ہم تک نہیں پہونچی ہے۔ مگر اس اعتراض کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

"سوائے نقل و تقلید کے آج تک کسی صاحب نے قربانی کے عقلی و تجربی فوائد پر روشنی نہیں ڈالی ..... اگر کوئی صاحب سب سے پہلے ہم کو اپنے عقیدۂ قربانی کے عقلی پہلو سے آگاہ فرمائیں تو وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہوں گے"

یہ تحریر نمونہ ہے اُن لوگوں کی دماغی حالت کا جو اپنے آپ کو "تعلیم یافتہ" کہتے ہیں۔ ایک طرف "عقلیت" کا اسقدر زبردست دعویٰ ہے، اور دوسری طرف "غیر عقلیت" کا ایسا شدید مظاہرہ ہے۔ صرف یہی دو فقرے جو قلم مبارک سے نکلے ہیں، اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ آپ نے اپنی صحیح حیثیت ہی متعین نہیں کی۔ اگر آپ مسلم کی حیثیت سے بول رہے ہیں تو آپ کو سب سے پہلے "نقل" کے آگے سر جھکانا چاہیے، پھر عقلی حجت کا مطالبہ کرنے کا آپ کو حق ہوگا، اور وہ بھی شرطِ اطاعت کے طور پر نہیں بلکہ محض اطمینانِ قلب کے لیے۔ اور اگر آپ اطاعت سے پہلے حجت عقلی کے طالب ہیں اور یہ شرطِ اطاعت ہے تو آپ کو "مسلم" کی حیثیت سے بولنے کا حق ہی نہیں۔ اس نوع کے طالب حجت کو پہلے ایک غیر مسلم کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے، پھر اسکو یہ حق تو حاصل ہوگا کہ جس مسئلہ پر چاہے اعتراض کرے مگر یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے کسی امر دینی میں مفتیِ اسلام بن کر فتوے صادر کرے۔

آپ ایک ہی وقت میں ان دونوں متضاد حیثیتوں کو اختیار کرتے ہیں، اور ایک حیثیت کے بھی عقلی لوازم پورے نہیں کرتے۔ ایک طرف آپ نہ صرف مسلم، بلکہ مفتیِ اسلام بنتے ہیں، دوسری طرف آپ کا حال یہ ہے کہ "نقل" کو آپ ہیچ سمجھتے ہیں۔ حکم کا "حکم" ہونا آپ پر نقل کے ذریعہ سے ثابت کیا جاتا ہے مگر آپ اُسکی اطاعت سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ شرط پیش فرماتے ہیں کہ پہلے اس حکم کے عقلی و تجربی فوائد پر روشنی ڈالیے۔ بالفاظِ دیگر آپ کسی حکم کو محض حکم خدا و رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں مانیں گے بلکہ اس کے عقلی و تجربی فوائد کی بنا پر مانیں گے۔ اگر ایسے فوائد معلوم نہ ہو سکیں یا آپ کے معیار پر وہ "فوائد" ثابت نہ ہوں تو آپ حکم کو رد کر دیں گے بلکہ اُسکے خلاف پروپیگنڈا بھی کریں گے، اسکو "بے محل" "بے معنی" "فضول بلکہ مضر" اور "مسرفانہ رسم" قرار دینگے۔ کونسی عقل ہے جو اس متناقض طرزِ عمل اور متضاد حیثیات کے اختلاط کو جائز رکھتی ہے۔

حجت عقلی کا مطالبہ بجا و درست، مگر پہلے یہ تو ثابت کیجیے کہ آپ ذوی العقول میں سے ہیں۔ "عقلی" و "تجربی" فائدہ کسی ایک مخصوص اور متعین چیز کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک نسبتی و اضافی چیز ہے۔ ایک شخص کی عقل ایک چیز کو مفید سمجھتی ہے، دوسرے کی عقل اس کے خلاف حکم لگاتی ہے، تیسرا شخص اس میں کسی نوع کا فائدہ تسلیم کرتا ہے مگر اُسکو اہمیت نہیں دیتا، اور ایک دوسری چیز کو اُس سے زیادہ مفید ٹھہراتا ہے۔ تجربی فوائد میں اس سے بھی زیادہ اختلاف کی گنجایش ہے۔ فائدہ کے متعلق ہر شخص کا نظریہ الگ ہے۔ اور اسی نظریہ کے لحاظ سے وہ اپنے یا دوسروں کے تجربات کو مرتب کرکے مفید یا غیر مفید ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ ایک شخص نفع عاجل کا طالب ہے اور صرف ضررِ عاجل کو قابلِ حذر سمجھتا ہے۔ اسکا انتخاب ایسے شخص کے انتخاب سے یقیناً مختلف ہوگا جسکی نظر آجل پر ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں ایک نوع کا فائدہ اور دوسری نوع کی مضرت ہے۔ ایک شخص کے ان کو اس لیے اختیار کرتا ہے کہ وہ فوائد کی خاطر مضرت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ دوسرا شخص ان سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ اُس کی رائے میں انکی مضرت انکے فائدہ سے زیادہ ہے۔ پھر عقلی اور تجربی فوائد میں بھی بسا اوقات تخالف پایا جاتا ہے۔ ایک چیز تجربی حیثیت سے مضر ہے، مگر عقل فیصلہ کرتی ہے کہ کسی بڑے عقلی فائدہ کے لیے اس مضرت کو برداشت کرنا چاہیے۔ ایک دوسری چیز ہے جو تجربی حیثیت سے مفید ہے مگر عقل یہ فتوے دیتی ہے کہ کسی عقلی مضرت سے بچنے کے لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایسے اختلافات کی موجودگی میں کسی چیز کے "عقلی" و "تجربی" فوائد پر کوئی ایسی روشنی ڈالنی ممکن نہیں جس سے تمام لوگ اسکے مفید ہونے پر متفق ہو جائیں اور انکار کی گنجایش ہی باقی نہ رہے۔ محض ایک قربانی پر کیا موقوف ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اور اوامر و نواہیِ شریعت میں سے کونسی چیز ایسی ہے جسکے عقلی و تجربی فوائد پر ایسی روشنی ڈالدی گئی ہو کہ وہ کالشمس فی النہار نظر آنے لگے ہوں، اور تمام لوگوں نے انکو تسلیم کرکے ان کی پابندی اختیار کر لی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو آج ایک شخص بھی دنیا میں تارکِ صوم و صلوٰۃ اور منکرِ حج و زکوٰۃ نہ ہوتا۔ اسی لیے اسلام نے اپنے احکام کو ہر شخص کی عقل و تجربہ کے نتیجہ پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ ایمان اور اطاعت کو اساس بنایا ہے۔ مسلم، عقلی و تجربی فوائد پر ایمان نہیں لاتا بلکہ خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہے۔ اُسکا مذہب یہ نہیں ہے کہ کسی چیز کا فائدہ عقل و تجربہ سے ثابت ہو جائے تب وہ اُسکو قبول کرے اور کسی چیز کی مضرت عقلی و تجربی حیثیت سے مبرہن ہو جائے تب وہ اُس سے اجتناب کرے بلکہ اسکا مذہب یہ ہے کہ جو حکم خدا اور رسول سے ثابت ہو جائے وہ قابلِ اتباع ہے اور جو حکم ثابت نہ ہو وہ قابلِ اتباع نہیں ہے۔

پس یہاں اصلی سوال یہی ہے کہ آپ کا ایمان عقل و تجربہ پر ہے یا خدا اور رسول پر؟ اگر پہلی بات ہے تو آپ کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں۔ پھر آپ کو مسلمان بنکر گفتگو کرنے اور مسلمانوں کو "ایک غیر ذی زرع کی نام نہاد سنت" سے اجتناب کا مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟ اور اگر دوسری بات ہے تو مدارِ بحث عقلی و تجربی نہ ہونے چاہییں بلکہ یہ سوال ہونا چاہیے کہ آیا قربانی محض ایک رسم ہے جس کو مسلمانوں نے گھڑ لیا ہے یا ایک عبادت ہے جسکو اللہ نے پسند فرمایا اور اللہ کے رسول نے اپنی امت میں جاری کیا؟

جمعہ کی حقیقت

اُستاد مخدوم مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے بسلسلۂ درس تفسیر سورۂ جمعہ جو اشارات فرمائے تھے، اُنھیں مختصراً اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔

غلام دستگیر رشید ایم اے (عثمانیہ) لکچرر نظام کالج۔

اس پاک سورۃ کا بغور مطالعہ فرمائیے تو یہ امر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس میں زیادہ تر نبوت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف تحیۃ والسلام) کی اہمیت اور اسکے ساتھ امت کی نوعیت کا ذکر ہے۔ حضور کے فداکاروں کی شان اور اسلام کے بدترین دشمن (یہودیہ) کی خرافات اور بے ایمانیوں کی توضیح ہے۔

اس سورۃ میں پہلے اس راز کو منکشف فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں ہر چیز اور وسیع زمین و آسمان میں ہر ذرہ اپنے اپنے محل پر نہایت کامل و بیحد مفید اور تسبیح حق (ہر قسم کے نقص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے) میں مصروف ہے۔ کیونکہ پروردگار کی پاکی (سبوحیت) اسی کی مقتضی ہے۔ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض (اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں) ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

جس کی ذات عالی کو ہر ذرہ کی تسبیح شایان شان ہے اس کی چار خاص صفتیں ملک، قدوس، عزت (غلبہ) اور حکمت اس سلسلہ میں مذکور ہیں۔ الملک القدوس العزیز الحکیم (وہ بادشاہ، پاک ذات، زبردست (و) حکمت والا ہے)

جب کائنات میں ہر مخلوق اپنے صحیح مقام پر اپنی اپنی حقیقت کے مطابق تسبیح خالق میں مصروف ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے ان صفات مذکورہ بالا کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان کو بھی ضلال مبین میں نہ رہنے دیا جائے۔ اس لیے عموماً ہر نبوت کی اور خصوصاً خاتم نبوت (محمدیہ) کی بعثت ہوئی۔ گویا یہ صفات حق بعثت نبوت محمدیہ کے اسباب و علل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں اسم ذات اللہ موصوف بہ چہار صفات مذکورہ کے بجائے ضمیر ہو مستعمل ہوئی ہے۔ یہ اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ "اُمیین" میں رسول (اس ذات نے مبعوث فرمایا ہے) جس کی تسبیح کائنات کا ہر ذرہ کرتا ہے اور جو ملک، قدوس، اور عزیز حکیم ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم (وہی ہے جس نے اُٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا)

لفظ "امیین" کے ایک تو عام اور مشہور معنی ہیں اور اسکے دوسرے معنی بھی آتے ہیں۔ عربی زبان میں اُم سے مرکز اور سرچشمہ مراد ہوتا ہے۔ مکہ معظمہ کو اسی سبب سے اُم القریٰ کہتے تھے کہ وہ مرکزی شہر تھا۔ بڑی وجہ مرکزیت کی کعبہ شریف ہے۔ جغرافی حیثیت سے بھی وہ انسانی بستیوں کا مرکز ہے۔ وہاں کے رہنے والے "امیین" (مرکزی بستی والے) کہلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک مرکزی نبی ہیں، اس لیے حضور کی بعثت "امیین" جیسے مرکزی قوم میں ہوئی۔

اس کے بعد منصب نبوت کے اہم اجزا کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو اللہ کی آیات سناتے ہیں، اپنی تربیت سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ کتاب و حکمت، حقائق شریعت و اسرار دین کی تعلیم دیتے ہیں۔ یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۵ (پڑھتا ان پاس اسکی آیتیں اور انکو سنوارتا اور سکھاتا ہے کتاب اور عقلمندی۔

اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ظہور نبوت محمدیہ سے پہلے وہ "ضلالت مبین" کھلی گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا تھے، نہ شخصی حقوق کا احساس تھا، نہ خاندانی اور قومی حقوق کا پاس تھا۔ نہ خدا سے ربط صحیح نہ مخلوق کی حقیقت سے آگاہ، نہ آغاز کائنات سے واقف نہ اسکے انجام سے باخبر۔ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (اور وہ اس سے پہلے پڑے تھے صریح بھلاوے میں)

گمراہی سے نجات پانی اور نبوت کے سارے فیوض سے مستفید ہونا یہ صرف حضور ہی کے عہد کے لوگوں تک ممکن نہیں، بلکہ پچھلی آنے والی نسلیں آدم کی اولاد سے بہتیری ایسی ہیں جو ابھی سرچشمۂ ہدایت سے پیوستہ نہیں ہوئی ہیں مستقبل میں اس گروہ میں شریک ہوں گی۔ نبوت کی بعثت بلحاظ وسعت اور وسعت غایۂ حق اور حکمت یزدانی کی کھلی دلیل ہے۔ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم (اور ایک اور اُن کے واسطے ان ہی میں سے جو ابھی نہیں ملے اُن میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب سے زیادہ شرعی ہدایات و قوانین یہودیوں کو دیے گئے تھے۔ عیسیٰ نے بھی توراۃ ہی کے قوانین شرعی پر عمل کرنے کی ہدایت اپنے پیرووں کو کی تھی اس لیے نبوت محمدیہ سے سب سے زیادہ رشک و حسد یہودیوں کو تھا۔ انھیں شاید یہ خطرہ ہو کہ امامت کی آن اور وجاہت اب انکے ہاتھوں سے جاتی رہے گی۔ حالانکہ نبوت کبھی بھی کسی کی میراث نہ قرار پائی۔ واللہ کا ایک فضل عظیم تھا جسے چاہا اُسے صاحب فضل عظیم نے عطا فرمایا۔

چونکہ اب نبوت محمدیہ کے بدترین دشمنوں (یہودیوں) کے نقائص کا کسی قدر تفصیلی ذکر ہونے والا ہے اس لیے سب سے پہلے اس حقیقت اور کلیہ کو واضح کر دیا۔ جسکے ادراک صحیح کے نہ ہونے سے یہ فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم (یہ بڑائی اللہ کی ہے۔ دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے)

یہودی جماعت کو اسلام سے بیشتر نہایت عظیم الشان ہدایت نامہ (توراۃ) دیا گیا تھا۔ لیکن چلتے چلتے ان کا ربط اس ہدایت نامہ سے بگڑ گیا۔ ظاہر میں اسکے بڑے عالم اور فاضل لیکن تقویٰ اور دیانت کے ساتھ معنی کہنے کے معاملہ میں حد درجے گزرے ہوئے قلب، توراۃ کے سچے عقیدوں سے عاری، اعمال میں احکام توراۃ کا اثر مفقود۔ توراۃ کا حق ادا کرنا تو درکنار اُلٹے معنی میں تحریف، کھلی آیتوں کی تاویل کے پیرایہ میں تکذیب، خصوصاً حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو آیتیں تھیں انکی تاویل و تکذیب میں بڑا زور صرف کرتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی مثال "چارپائے بر او کتابے چند" کی سی ہے بلکہ حق کو جھٹلانے کے باعث اس سے زیادہ بری مثال کے مستحق ہیں۔ مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا، بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ (کہاوت اُنکی جن پر لادی توریت پھر نہ اُٹھائی اُنھوں نے جیسے کہاوت گدھے کی پیٹھ پر لیے چلتا ہے کتابیں، بری کہاوت ہے اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلائیں اللہ کی باتیں)

جب کسی قوم کو کھلی ہدایت توراۃ جیسی روشن کتاب بدیہ سے دیجائے اور پھر وہ اُسکے ساتھ یہ معاملہ رکھے تو خدا کے قانون جزا و سزا کے مطابق

دوسرے سے محروم کیے جانے کی مستحق ہے۔ واللہ لا یہدی القوم الظٰلمین ہ (اور اللہ بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں دیتا)۔ اس مقام پر مسلمانوں کو چونکنا چاہیے کہ قرآن مجید کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہے؟

اب یہودیوں کے ایمان اور عمل کا یہ حال ہے، ادھر دعوے اپنے خاص مراتب کا، زعم ولایت کا، جزا کی ساری نعمتوں کا اپنے کو صرف مدعی ملکہ حق قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس کو آخرت کا یقین ہے اور جس کی زندگی میں سچائی ہے موت کا تصور ان کے لیے خوش آئند ہوتا ہے۔ آخرت کی بہار اسکے پیش نظر ہوتی ہے لیکن جھوٹے کے دل میں جھٹلانے والے کے قلب میں یقین ایمان... تمنا کی یہ مسرت کہاں، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ قل یا ایہا الذین ہادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین (تو کہہ اے یہود ہونے والو اگر تم دعوے کرتے ہو کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں سے سوا تو تمنا کرو مرنے کی اگر تم سچے ہو)

حقیقت حال یہ ہے کہ اپنے کرتوت اور اعمال کے توشے کے سبب کبھی یہود موت کی متمنی اور آرزومند نہ ہونگے اور اللہ تعالیٰ تو ان ظالموں کے ظلم و زیادتی سے خوب واقف ہے انکے دل کا حال اس پر خوب کھلا ہوا ہے۔ ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیہم واللہ علیم بالظٰلمین (اور کبھی تمنا نہ کرینگے موت کی بواسطے اس کے کہ آگے بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں گنہگار)

اچھا تو اب یہ موت کے خواب و خیال ہی سے سہمے ہوئے ہیں۔ اپنی نجات اور آخرت میں محبوبیت کے باطل زعم میں مبتلا ہوگئے ہیں لیکن موت تو ایک ایسی قوت ہے کہ لاکھوں یہود اس سے بھاگیں لیکن کبھی موت کے ہاتھوں چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ نہ صرف یہ کہ انھیں موت آن گھیرے گی بلکہ ہر موت کے بعد ایک ایسی ذات کے حضور میں پیش کیے جائیں گے جو سب چھپے کھلے کی جاننے والی ہے۔ پھر عالم کل انھیں کے سارے کیے دھرے کے بارے میں جتانے والا ہے۔ قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ثم تردون الٰی عالم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون (تو کہہ موت وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملنی ہے۔ پھر پھیرے جاؤگے اس چھپا اور کھلا جاننے والے کے پاس پھر جتا دے گا تم کو جو کرتے تھے)

یہودیوں کے عقائد کا حال اور اعمال کا حال واضح کردیا گیا۔ انکے ظاہر کی نوعیت اور باطن کی حقیقت بیان میں آگئی۔ ظاہر ہے کہ حامل تورات جماعت سے اب ہدایت اور امامت دین کی توقع باقی نہ رہی۔ ان سے اس امامت عالمی کا مسئلہ بھی سراسر مایوسی ہے۔ کتاب تک نذر تحریف ہوچکی۔ اب ہدایت کا سرچشمہ اور حقیقت کا ہادی کہیں ہوسکتا ہے تو وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور انھیں کے دین وابستگی ہے۔ جسکا نام جمعہ ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکر اللہ وذروا البیع (اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا)

جمعہ اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے جیسے کہ اسلام کا متعلق امتیاز اسکا مرکز مشہود ام القریٰ کا کعبہ ہے۔ یہودی ان دو باتوں سے خاص طور پر ناراض تھے کیونکہ تحویل قبلہ اور ہفتہ کی عبادت کے خاص دن کی تبدیلی انکے رسم و ریت کے خلاف تھی۔

فاسعوا ..... البیع میں حکم امتیازی اور ترجیح کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جب دنیوی منفعت اور دینی مفاد میں ٹکراؤ ہو تو کمال ایمان اور منصب اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے مفاد کو ترجیح دے نہ کہ ابن الوقت بن جائے۔ اور دین فروشی کرکے دنیا کے پیچھے لگا رہے۔ ہر ہفتہ اذان جمعہ سنتے ہی کاروبار چھوڑ چھاڑ کر مسجدوں کی طرف ذکر الٰہی کے لیے لپکنا یہ اس نصب العین کی عملی تربیت ہے۔

بعض بد اندیش مستشرقین (مثلاً کارل بکر وغیرہ) نے اسلام کو اپنی اصل میں ایک سیاسی عقیدہ اور ایک معاشی مقصد ظاہر کیا ہے کاش یہ دشمن اسلام، قرآن مجید کی ان کھلی کھلی آیات ہی کو دیکھتے کہ ان پر یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا کہ اسلام کا اصل مقصد قیام ذکر اللہ ہے جو ساری اصلاح انسانیت کی جان ہے۔ اسلام کا خاص مشن اقوام کو سیاسی اور معاشی جال میں پھنسانا نہیں ہے۔ مغرب کے بعض متعصب اہل قلم نے اپنی ہی عینک سے اسلام کو دیکھا ہے۔

دین (سعی ذکر اللہ) اور دنیا (بیع) کا یہی برمحل امتیاز انسان کے لیے بہتر ہے اگر وہ صاحب علم اہل فہم ہے۔ ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے) لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ رہبانیت اور ترک دنیا کا مسلک اختیار کیا جائے۔ بلکہ جب ان فرائض سے فراغت ہوگئی تو پھر زمین میں لوگ پھیل جائیں اور خوب خوب معاش کے اور زینت حیات کے سامان تلاش کریں۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ (پھر جب تمام ہوچکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا)

لیکن دنیوی مصروفیت خدا سے بالکلیہ آپ کو غافل نہ کردے۔ مومن کے دل میں ہر وقت خدا کا دھیان بنا رہے، چاہے کسی کام میں مصروف ہو۔ یہ ذکر اور یہ یاد آپ کے معاملات میں بھی سیدھے راستے پر قائم رکھنے کی امداد کو دل بیار و دست بکار کے مصداق ہونا چاہیے۔ ایمانی نقطۂ نظر کے مطابق اگر انسان معاش کے ظاہری اسباب کی تلاش کے ساتھ ساتھ متوجہ بحق ہے تو بہ و استغفار کرے ذکر الٰہی کثیر کرے تو فلاح و بہبود کے زیادہ دروازے خدا کی طرف سے کھلیں گے۔ موجودہ معاشی بے چینی میں اس طریق پر عمل سے دل کی تسکین اور حصول علاج کی ایک خاص صورت ہوجائے۔ خودکشی اور نامرادانہ مایوسی کی موجودہ فضا میں تبدیلی ہوجائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (اور اللہ کو خوب یاد کرو شاید تمہارا بھلا ہو)

زندگی کے تین رخ ہیں ایک دین اور ذکر الٰہی اور نبوت سے صحیح ربط رکھنے کا خاص مقصد یافت عرفان حق ہے۔ دوسرا رخ معاشی زندگانی ہے لفظ تجارت میں اسی کا اشارہ ہے۔ تیسرا لہو کہ اس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے، نہ دین کا کوئی نفع ہے۔ بدنصیبی و محرومی کی صورت یہ ہے کہ انسان تجارت اور لہو کی طرف اس طرح توجہ کرے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق منقطع ہوجائے۔ کیونکہ خدا کے دین اور رسالت مع تجارت اور لہو دونوں سے زیادہ قیمتی ہیں اور خدا کی وہ ذات ہے کہ وہی منافع اور معاشی برکات اسی کے دست قدرت میں ہیں اور وہی اصل بہتر رزق دینے والا ہے۔ واذا راوا تجارۃ او لہوا انفضوا الیہا وترکوک قائما قل ما عند اللہ خیر من اللہو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین (اور جب دیکھیں ...

عبدالحسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق رشید آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت براہ راست ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے
"مہتمم صدق لکھنؤ"

صدق

| نمبر ۱۰ | لکھنؤ - ۲۳ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ - اکتوبر ۱۹۳۶ء | جلد ۲ |

سچی باتیں

کچھ کم، دو ہزار سال اُدھر کی بات ہے، فلسطین کی سرزمین پر، یروشلم کے شہر میں، اسرائیلیوں کی نسل میں ایک اللہ کا بندہ، جوان عمر و جوان ہمت، ظاہر ہوا۔ جس نے اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کو حق و صداقت کا پیام سنایا اور توحید و ایمان کی طرف بلایا۔ پیام حق، خود یہود، اُسکے، اُس کی جان کے، دشمن ہوگئے، اور یہ چاہا کہ کچھ بھی ہو جائے، اسے زندہ نہ چھوڑا جائے۔ حاکم اُس وقت غیر قوم، غیر مذہب کے لوگ تھے۔ روم کے رہنے والے اور بت کی، دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرنے والے۔ انکی زبان بھی الگ، لباس بھی الگ، عقیدہ بھی الگ، معاشرت بھی الگ۔ اُن سے جا کر فریاد اُنکی وہ لکھا، مجرم، آپ کا بھی کچھ کم مجرم نہیں، ہمارے دین کے لحاظ سے اگر مجرم ہے تو آپ کے قانون میں بھی باغی، اسے سولی چڑھا دیجئے، کہ آپ کو دونوں کو امن نصیب ہو۔

رومی حکومت کو از خود بھلا اسکی کیا پڑی تھی لیکن دباؤ پہ پڑا کہ اگر فوراً توجہ نہ کی گئی تو اس کا ۔۔۔ بعد میں شورش دور جائے گی، اور بلوے اور بغاوتیں آئے دن کے لیے شروع ہو جائیں گی۔ حاکم پونتس پائلیٹ کچھ مجبور سا ہو گیا۔ اپنے اجلاس میں مقدمہ برائے نام کرا کے، جھٹ سولی کا حکم سنا دیا، اور اپنے خیال میں سولی دے بھی دی —— دو ہزار سال قبل کا یہ باغی اور مجرم، آج مسلمانان عالم کی نظر میں، اللہ کا ایک سچا اور برگزیدہ نبی ہے اور کروڑہا عیسائیوں

کی نگاہ میں، خدا، اور خدا کا بیٹا! —— رومی مجسٹریٹ کے فیصلے پر زمانہ کی عدالت نے جو فیصلہ صادر کیا، وہ ہمارے، آپ کے، سب کے سامنے ہے!

کہتے ہیں، تاریخ کی عادت اپنے کو دہرانے کی ہے۔ آج اُسی سرزمین پر پھر ایک معرکۂ خونیں پیش ہے۔ ایک فریق اب بھی، یہود ہی ہیں۔ حکومت اب بھی غیر ہی ہے، جسکا مذہب بھی، مسلمان اور یہود دونوں سے الگ ہے، زبان بھی الگ، معاشرت بھی الگ، قانون بھی الگ۔ مقدمہ اب بھی اسی غیر کی عدالت میں پیش ہے، فیصلہ اب بھی اسی غیر کے ہاتھ میں ہے، روم کی مہذب و متمدن حکومت نے اُس وقت بھی فیصلہ، یہود سے دب کر، اور ڈر کر ہی کیا تھا۔ برطانوی مدبرین اب بھی ٹھیک اسی طرح یہود کا دباؤ مانتے چلے جا رہے ہیں۔ حق و انصاف سے اُسوقت بھی بحث نہ تھی، آج بھی رنگ کچھ ویسا ہی نظر آرہا ہے۔ مصلحت اندیشیوں کی پرستش اُس وقت بھی تھی، آج بھی سرگوشیاں اُسی قسم کی ہو رہی ہیں۔ گوشۂ چشم اُس وقت بھی ظالم و مشتاق القاب، یہود کی جانب رہا، آج بھی کچھ وہی منظر سامنے رہا ہے۔ مزارے صلیب ایک، آج نہ سہی، پر سنگینیں اور گولیاں تو آج بھی بیگناہوں کے خون سے رنگین ہونے کو ویسی ہی مستعد نظر آرہی ہیں۔ روم کے ایک غلط فیصلہ پر دنیا آج دو ہزار سال سے روتی اور ماتم کرتی چلی آرہی ہے، برطانیہ بھی کیا اپنا نام تاریخ میں اسی حیثیت سے چھوڑ جانا چاہتا ہے؟

کلام کی پُرفتار

ترجمہ و حواشی کلام مجید کا پہلا مسودہ، جب تک

بحمداللہ پندرہ پارہ تک پہونچ گیا۔ اب ارادہ ہے کہ تحشیہ کا کام اسی منزل پہ روک کر، بقیہ پندرہ پاروں کا محض ترجمہ شروع کردیا جائے۔ ترجمہ گو بجائے خود بھی بہت دشوار ہے، پھر بھی حواشی کے مقابلہ میں وقت بہت کم لیتا ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ درمیان میں نہ پیش آگئی تو ان شاء اللہ محض ترجمہ کا کام سات آٹھ مہینے میں پورا ہو سکتا ہے۔ اسکے خاتمہ پر ان پندرہ پاروں کے حواشی شروع ہونگے، اور پھر اسکے بعد سارے کام پر اول سے آخر تک نظر ثانی۔ یہ سچ ہے کہ تجربہ جوں جوں زیادہ ہوتا جاتا ہے، بعض امور میں سہولتیں زیادہ ہوتی جارہی ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے، کہ اسی نسبت سے کام کی دشواری اور اپنے عجز ودرماندگی کا انکشاف بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ہر روز جو نئی نئی دشواریاں پیش آتی رہتی ہیں، اگر ان سب کا تذکرہ کیا جائے، تو سارا پرچہ اسی کی نذر ہو جائے۔ بہرحال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ کسی طرح کام اس منزل تک پہونچا تو۔

شملہ میں جو کرمفرما پارۂ اول کو، بہ طور نمونہ، طبع کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے، بیچارہ مشکلات وموانع پر قابو نہ پا سکے۔ خیر، اللہ کو منظور ہوا، تو کوئی دوسرا انتظام از سر نو کیا جائے گا۔

امدادی رقوم کے سلسلہ میں بلگام (علاقہ بمبئی) سے ۱۰ ستمبر کو ایک صاحب کی رقم، عہ، وصول ہوئی، اور قبول کرلی گئی۔

نیرنگ صاحب کا مذہب

ایک گمنام اور بےپتہ خط، انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا، مدیر صدق کو موصول ہوا ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ

"براہ کرم اپنے اخبار صدق میں لکھیے، کہ جناب غلام بھیک صاحب نیرنگ کا مذہب کیا ہے؟ مسلمان ہیں یا قادیانی؟ ہم لوگ کچھ روپیہ انکے تبلیغ فنڈ میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ کا اخبار صدق ہے، اور آپ کو ہم صادق جانتے ہیں، اور آپ کی بات پر اعتبار رکھتے ہیں۔
آپ صدق میں لکھیے، کہ غلام بھیک صاحب کے اصل معتقدات کیا ہیں۔"

جواب میں عرض ہے کہ نیرنگ صاحب ماشاء اللہ بڑے پختہ اور صاحب ہمت دوسروں کو مسلمان بنانے والے مسلمان ہیں۔ وہ اور انکی انجمن تبلیغ بہت سے تبلیغ کے کام میں سرگرمی واخلاص کے ساتھ مشغول ہے، ان جیسے شخص سے متعلق تو یہ سوال پیدا ہی نہ ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال جب پیدا ہو چکا تو اطمینان رکھیے کہ انکے باب میں کوئی بدگمانی صحیح نہیں۔ آپ انکی انجمن کی جو خدمت کرنا چاہیں، شوق سے فرمائیے۔

ترکی اور سینما

ترکیہ سے، جدید اور تجدد دوست ترکیہ سے، بالآخر ایک نئے قانون کے پاس ہونے کی خبر آگئی، کہ سینما کے لیے ایک "سنسر بورڈ" قائم ہوگا، اور

"ایسے غیر ملکی فلم جو ترکی میں دکھائے جانے والے ہوں، اگر ان میں کسی مشرقی قوم یا کسی یورپی نوآبادی والوں کا مذاق اڑایا جائے یا مغربی اقوام کا مذکورہ صدر اقوام کے ساتھ بیجا سلوک کرنا دکھایا جائے یا آداب واخلاق کے لیے مضرت رساں ہوں یا کوئی بات فوج سے متعلق ہو یا کوئی بات ایسی پیش کی جائے جس سے بغاوت یا عام نظم ونسق میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے فلم ہرگز نہ دکھائے جائیں۔"

غنیمت ہے کہ تجدد وتفرنج کے چند ہی سال کے تجربہ کے بعد ترکی کو ہوش آنے لگا، اور یہ حقیقت منکشف ہونے لگی ہے، کہ آخرت سے قطع نظر، دنیا کا بھی امن وراحت اس میں نہیں، کہ اپنے کو تمام تر فرنگی قوموں کے سانچے میں ڈھال لیا جائے ——— ابھی تو خیر بیداری صرف اسی حد تک پہونچی ہے، کہ جس منظر سے "مشرقیت" کی توہین ہوتی ہو، وہ نہ دکھایا جائے۔ زیادہ بیداری کا ثبوت اُس وقت ان شاء اللہ ملیگا، جب مشرق میں، مذہب کے خلاف ہر تماشہ کی پوری بندش ہو کر رہیگی۔

مدرسہ شرعیہ مدینۂ منورہ

مدرسۂ شرعیہ، مدینہ منورہ کا ذکر خیر، مدیر صدق کے "سفر حجاز" میں، نیز سچ کے صفحات میں بارہا، اور صدق کے صفحات میں بھی دو ایک بار آچکا ہے۔ بانی ومہتمم مدرسہ، مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مد ظلہ اپنے ایک تازہ گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مدرسۂ شرعیہ، جس کی عمر کے چودہ برس پورے ہو کر اب پندرہویں برس میں اپنی بساط وحیثیت کے مطابق دینی واسلامی خدمت انجام دیجارہی ہے، اسکا موسس ومہتمم نفس اپنے عجز ونااہلیت کی بنا پر جملہ امور کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بھروسہ پر چھوڑ کر صرف ظاہری سطحی کاروبار میں مصروف رہتا ہے، اگر قربان جائیے اُس مسبب الاسباب کے کہ اسکے فضل وکرم سے اگر شمال میں ایک انجمن معین مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کے نام سے لکھنؤ میں قائم ہو کر اپنے فرض منصبی کو پوری طرح انجام دے رہی ہے، تو دوسری طرف جنوب میں بھی ایک مجلس خدام مدرسۂ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کے نام سے بلدۂ حیدرآباد دکن میں قائم ہوگئی ہے کہ وہ بھی برابر ماہوار رقم امداد مدرسہ جمع کرکے ارسال کرتی رہتی ہے۔ ناچیز مہتمم سے بجز اس کے کہ حضرات معاونین کے لیے جناب باری میں اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے خلوصانہ دعا کرے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

جو حضرات ارض پاک کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں، انکے لیے مدرسۂ مذکور کی اعانت، ایک بہترین موقع ہے۔ اب حج کا موسم شروع ہو رہا ہے، رقوم امدادی، معتبر حاجیوں کے ذریعہ سے بھیجی جا سکتی ہے، ورنہ لکھنؤ اور حیدرآباد کی انجمن ومجالس کے ذریعہ سے۔ دہلی، سہارنپور، دیوبند، مرادآباد، وغیرہ میں بھی اس کا انتظام پیشتر ہی سے موجود ہے۔

تحریک مدح صحابہؓ

حافظ صابر علی صاحب ڈکٹیٹر تحریک مدح صحابہؓ نے اخبارات کے لیے ایک بیان دیا ہے، جس میں آپ نے بتایا ہے کہ ...... سنیوں کی یہ جدوجہد اہل تشیع کے خلاف نہیں، اور نہ انکا کوئی سوال ہے۔ سوال اور احتجاج صرف حکومت سے ہے، جو ایک طرف جملہ مذاہب کی آزادی کا اعلان کرتی ہے اور دوسری طرف پابندیاں عائد کرتی ہے۔ آپ نے سُنی عوام سے اپیل کی، کہ اہل تشیع کی طرف سے سنیوں کے اقتصادی بائیکاٹ کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، یا ہو رہی ہیں، اُن سے وہ مشتعل نہ ہوں، اور نہ کوئی جوابی کارروائی کریں۔ اس بائیکاٹ میں

مقتدر اہل تشیع غالباً شریک بھی نہیں۔ اس کے علاوہ ہر جمعہ کو کسی نوٹس یا اطلاع یا ڈھنڈورہ کے بغیر پُرامن طریقہ پر ٹیلہ کی مسجد میں جمع ہوجایا کریں، اور راستہ میں کوئی ایسا تذکرہ نہ کریں، جس سے کسی قسم کی فتنہ پردازی کا امکان ہو۔"

باہر کے جو حضرات اب تک نیک نیتی سے یہ سمجھے ہوئے تھے، کہ یہ تحریک، شیعہ سنیوں کا کوئی مقامی جھگڑا، اور بعض سنی مولویوں کا اُٹھایا ہوا ہے، انکی پوری تشفی، امید ہے کہ اس ذمہ دارانہ بیان سے ہوجائیگی۔ غلط فہمی کی وجہ تو پہلے بھی نہ تھی، اور اب تو امید ہے کہ بالکل ہی رفع ہوکر رہے گی۔

—— ایک اعتراض، بعض حلقوں کی طرف سے عجیب و غریب یہ دیکھنے میں آیا، کہ مدح صحابہؓ کے جلوس خود ایک بدعت ہیں، اس لیے حکومت نے اچھا ہی کیا، جو انھیں بند کردیا۔ اس دلیل کے مقدمات دو ہیں، ایک یہ کہ گورنمنٹ کو، ہر بدعت کو روک دینے کا حق ہے، دوسرے یہ کہ مدح صحابہؓ بدعت ہے۔ اور یہ دونوں مقدمات تمامتر باطل ہیں۔

بالفرض مدح صحابہؓ بدعت ہو بھی، جب بھی کسی غیر اسلامی حکومت کو اسکے بند کردینے کا کیا حق حاصل ہے؟ تعزیہ داری اور مراسم محرم کے سلسلہ میں کیا کچھ 'بدعات' نہیں ہوتیں، با ایں ہمہ کسی ذمہ دار سنی نے انکے مجرم قرار دینے کا حکومت سے کیا مطالبہ کیا ہے؟ دوسرا جزو یعنے مدح صحابہؓ کو بدعت قرار دینا، اس سے بھی عجیب تر ہے۔ کیا اس حقیقت کا اعلان بدعت ہے کہ ابوبکرؓ خلیفۂ رسول تھے؟ صاحب رسولؐ تھے؟ صدیق تھے؟ کیا اس واقعہ کا اظہار دین میں نئی بات نکالنا ہے، کہ عمرؓ خلیفۂ رسول تھے، خادم رسول تھے؟ فاروق تھے؟ اگر ایسی کھلی ہوئی حقیقتوں کا اعلان و اظہار بدعت ہے، تو پھر یہ تصنیف و تالیف، اور تحریر و تقریر، اور اخبار نویسی اور انجمن سازی کے جتنے بھی ہنگامے گرم ہیں، سب کے سب کہیں بڑھ کر بدعت ہیں۔

حقیقت جنگ

لائڈ جارج بہادر کے نام نامی سے کون ناواقف ہے؟ جنگ عظیم کے زمانہ میں اتحادیوں نے جن چند دیوتاؤں کی پوجا جی بھر کر کی، اُن میں سے ایک آپ بھی تھے۔ اب حال میں آپ نے اپنی یادداشتیں جنگ سے متعلق شائع کی ہیں، جو روزنامہ ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) میں بھی ہفتہ وار برابر نکلتی رہتی ہیں، جنگ کے حقائق و اسرار کا رازدار اُن سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ کتاب کا سب سے آخری پیراگراف اس قابل ہے کہ دوست دشمن سب اسے پڑھیں، اور اپنے اپنے فہم و بصیرت کے لحاظ سے سبق حاصل کریں:—

"جرمنی کی سرداری کی باگ، اگر اس وقت کہیں بجائے بسمارک اور مولٹکی کے جانشینوں کے، جو اپنے ان پیش روؤں سے تدبر میں بھی کہیں کمتر تھے اور قوت حرب میں بھی، خود انھیں لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی، تو یہ معرکۂ عظیم جو جمہوریت اور حربی خودمختاری کے درمیان پیش آیا، اسکا نتیجہ، انسانی اندازہ تو یہی ہے کہ بہت مختلف نکلتا۔ جرمنی کی غلطیوں نے ہمیں اپنی غلطیوں کے خمیازہ سے بچالیا۔

لیکن جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں، کہ حق و انصاف کا فیصلہ جنگ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، وہ خوب جان لیں، کہ نتیجہ کا دارومدار اس پر نہیں ہوتا کہ فریقین میں سے حق بجانب کون ہے، بلکہ اس پر ہے کہ بہتر جنگ کون کرسکتا ہے۔ یہی سبق تاریخ کا ہے اور جنگ عظیم اسی سبق کا اعادہ ہے۔"

اچھوت اور مسلمان

پرویز صاحب (شملہ و نئی دہلی) کے جلوے سچ کی آخری جلدوں میں بارہا نظر آچکے ہیں۔ انکی ایک تازہ تقریر کا اقتباس:—

"ہوا صرف یہ کہ رات کا وقت تھا۔ محلہ کے ایک مکان سے چیخ و پکار کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ فلاں ہندو بھائی کے لڑکے کو ہیضہ ہوگیا ہے۔ کسی کے پاس امرت دھارا تھا وہ لیکر دوڑا، کسی کے پاس کلوروڈین تھی، وہ اُسے اُٹھا بھاگا۔ ایک مسلمان ہمسایہ کے پاس تریاق ہیضہ کی شیشی تھی، وہ بھی لے گیا۔ آپ تصور میں لائیے کہ امرت دھارا والے کا بھی شکریہ ادا کیا جائے، کلوروڈین والے کو بھی دھن باد کہا جائے۔ لیکن اس تریاق والے مسلمان کو ہمارے مریض سے تمھیں کیا واسطہ۔ یہ ہمارے اپنے گھر کا معاملہ ہے، تم کیوں خواہ مخواہ کود پڑے۔ میرے ایک بھائی نے کہا ہے کہ تم نے اس کی قوم کا درد اسٹیج پر کھینچ لایا۔ اچھوت اگر اس کی قوم کے فرد ہیں، تو میرے خدا کے بھی تو بندے ہیں۔" (رسالہ طلوع اسلام، لاہور، بابت ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۰)

ایک بہت ہی پُرلطف جواب ہے، ہندو پریس کے اس شور و غل کا کہ اچھوتوں کی تبدیل مذہب کی تحریک ایک اندرونی تحریک ہے جس میں مسلمانوں کی مداخلت، مداخلت بیجا ہے۔ لیکن حقیقۃً یہ جواب بھی ذرا ہلکا ہی ہے۔ گرفت اس سے بڑھ کر، ہندو پریس کے اصل دعوے پر کرنی چاہیے۔ یہ عجیب قسم کی 'اندرونیت' ہے، کہ ایک فریق آپ کی جماعت ہی سے تو نکلا جارہا ہے، اور آپ یہی کہتے جارہے ہیں، کہ یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے! —— ایک شخص تڑپ تڑپ کر فریاد کررہا ہے، جب لوگ دوڑ کر دوڑتے ہیں، تو سانپ صاحب فرماتے ہیں، کہ میں بھی تو اسی گھر کے اندر رہتا ہوں، یہ تو ایک ہی مکان کے اندر کے مکینوں کا باہمی معاملہ ہے، باہر والے مدد کرنے والے کون!

دو قابل قدر رسالے

الفرقان (بریلی) علماء دیوبند کے خیالات کا ترجمان اپنے رنگ میں اچھا نکل رہا ہے۔ تازہ نمبر میں لکھتا ہے:

"امت مسلمہ اس وقت جن فتنوں میں مبتلا ہے، اُن میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ مغربی تہذیب اور مغربی الحاد کا ہے، جس میں ہماری قوم کے نونہال بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان بہے چلے جارہے ہیں ...... میرے محدود علم میں دو شخص اس مغربی وبا کے بہترین معالج ہیں، اور میرے نزدیک حق تعالیٰ نے انکو اس منصب حکمت سے نوازا ہے ...... دوسرے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد ہیں ...... جو اصلاحی مقالات ...... اور 'ترجمان' میں

شایع ہوتے ہیں وہ اس لایق ہوتے ہیں کہ دور حاضر کا ہر مسلمان انکا مطالعہ کرے"

صاحب ترجمان القرآن سے متعلق ان سطور میں جو کچھ لکھا گیا وہ بالکل حق ہے، باقی کیسے دوسرے شخص کا ذکر چونکہ تاثرات ذرا حسن ظن کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے نظر انداز کر دیا گیا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ صاحب ترجمان کے کارنامے آخر کار بقیۃ علماء پر بھی بار پانے لگے اور ایک حضرت الجمعیۃ نے انکے مضامین کی اشاعت شروع کر دی ہے تو

اب دوسری حضرت الفرقان نے بھی اس طرف قدم اٹھایا ہے ــــــ مطبوعہ مضامین کی دوبارہ اشاعت عند العلوم بلا صداقت کے ہاں بقدر معیوب کیوں قرار پا گئی ہے۔ چیز اگر اچھی ہے تو ایک نہیں دس بار اس کی اشاعت ہو سکتی ہے۔ رغذہ نقل میں آخر اس قدر شرم کی کیا بات ہے؟

ــــ اسی سلسلہ میں ایک خوشخبری یہ ہے کہ لکھنو سے ایک ماہی گریجویٹ کی ادارت میں جو رسالہ طلوع اسلام کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے گو اسکا موضوع اور دائرہ نظر ترجمان سے کم ہے۔ لیکن جہاں تک دینی و مذہبی خودداری کا تعلق ہے جہاں تک پالسی کی پختگی اور غیر اسلام سے عدم مرعوبیت کا تعلق ہے، الحمد للہ وہ بھی پیچھے نہیں اور سب سے مقدم شے یہی ہے۔ کاش ہمارے خود پرست علماء کرام بھی اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ گئے ہوتے!

دین فطرت

ٹورنٹو یونیورسٹی کے وزیر تعلیم کی خاتون المیڈی برکس ٹنڈہ خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، اور صوبہ کونسل کی ممبر، انکے قلم سے رسالہ نوفیشنہ سنچری (الہ آباد) کے ستمبر نمبر میں ایک مضمون اس موضوع پر نکلا ہے کہ ہندوؤں کے قانون میں طلاق کا جواز ضرور ہونا چاہیے" اور

"جدید تبدیلیوں اور جدید نفسیت نے قانون طلاق کو ناگزیر بنا دیا ہے"

اور پنڈت جواہر لال نہرو ابھی چندروز ہوئے اس ضرورت سے متعلق جو کچھ فرما چکے ہیں، وہ تنہا نہیں ناظرین کے حافظہ میں تازہ ہوگا ـــــ زیادہ نہیں، ابھی چند ہی سال ادھر کی بات ہے، کہ جن چیزوں کو ہوا بنا بنا کر اسلام سے ڈرایا، بھڑکایا، بھڑکایا جاتا تھا ان میں ایک اہم چیز اسی قانون طلاق کا تھا، کہ دیکھو (نعوذ باللہ) عرب کے اس وحشیانہ قانون نے عقد نکاح جیسے مقدس رشتہ کا توڑنا بعض صورتوں میں جائز کر دیا! اور اب وہی منکرین ہیں یورپ والے ہوں تو، اور ہندو والے ہوں تو، کہ ٹھیک اسی کی طلب میں اپنے اپنے حلقوں اور دائروں سے باہر نکلے پڑتے ہیں!

(بقیہ صفحہ ۱۰)

اس مدرسہ میں اس قسم کی تعلیم کا بہت کافی انتظام اسوقت ہے اور روپیہ کی کچھ افراط کر دی جاسکے تو کارکن و منتظمین مدرسہ ایسے مخلص اور قابل ہیں کہ بہت آسانی سے وہ علوم جدیدہ کو شعبہ علوم عالیہ کے نصاب میں بھی داخل کر سکتے ہیں اور یہ مدرسہ ایک جامعہ کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ٦)

افغانیوں کی طرح دیا کا ہے یہ علاق ملّا کو انکے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے انکی روایات چھین لو آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو

ملک شام کی عظمت سے آپ واقف ہیں؟ دوسرے پیمبروں کو چھوڑیے۔ مسیح کو تو یورپ پیمبر نہیں، خدا کا اکلوتا بیٹا (نعوذ باللہ) تسلیم کرتا ہے مسیح کا وطن یہی تھا۔ مگر جب سے یورپ کے مسیحیوں کے قدم یہاں پہنچے ہیں تہذیب و تمدن کی تمام "برکتیں" کا غازیہ تو دور ہونے رکات، یعنی بے حیائی اور بدچلنی۔ اور کھلے خزانہ قماربازی اور بدمستی۔ حضرت شاعر اس منظر کو دیکھتا ہے، اور دیکھ دیکھ آسمان کی طرف دلگیر رہ جاتا ہے

فرنگیوں کو عطا خاک سوریا نے کیا نبی وعفت و غمخواری و کم آزاری
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے مے و قمار و ہجوم زنان بازاری

(ص ۱۵۱)

بعض بعض شعر، بعض شعروں کے مصرعے، بعض مصرعوں کے ٹکڑے، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دماغ کی نہیں الہام کی پیداوار ہیں۔ اور اقبال کا کمال یہ ہے کہ اس مقام پر پہونچ کر بھی سنبھلے ہوئے، اور خودی کا سرشتہ ہاتھ سے چھوڑ، بیخود نہیں ہونے پاتے

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

(ص ۱۰۰)

اس ایک مصرعہ کے آئینہ میں، ہمارے کتنے ادیبوں کتنے، فسانہ نویسوں، کتنے شاعروں کی پوری شکل دکھادی:

تمدن فرنگ کا عطر، دو لفظوں میں۔ اس سے بہتر اس سے صحیح تر، جامع تر، اس سے مؤثر تر، آج تک تو کسی نے پیش کیا نہیں، کہ

مرد بیکار و زن تہی آغوش! (ص ۹۰)

شرح میں، دفتر کے دفتر، چاہیے لکھتے جائیے۔

ص ۳ ہم یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ یہاں صنعت و حرفت کے سکھانے کا بھی ایک چھوٹے پیمانہ پر اسوقت انتظام ہے۔

شوال ۱۳۵۲ھ سے آخر رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ تک اسکی آمدنی ۲۳ ہزار ۴ سو ۳٦ روپیہ ۱۲ آنہ ۲ پائی ہوئی اور کل خرچ ۲۱ ہزار ۸ سو ۹۲ روپیہ ۱۳ آنہ ۹ پائی گویا آیندہ سال کے لیے مدرسہ کے پاس کل ایک ہزار ۵ سو ۴۳ روپیہ ۱۴ آنہ ۵ پائی رہ گئے ہیں۔ اور یہ ایک افسوسناک حالت ہے کہ چندۂ دوامی سے یہ مدرسہ تقریباً محروم ہے۔ فہرست چندہ دہندگان میں صرف ۳۰ نام ایسے ہیں جن میں سے ایک سر نظامت جنگ بہادر کا نام بھی ہے جن کے چندے دوامی ہیں اور جن سے کل سالانہ آمدنی ۲ ہزار ۸ سو ۸۲ روپیہ ۵ آنہ ۹ پائی حاصل ہوتی ہے۔ مگر ۲۳ ہزار سے زائد مستقل خرچ رکھنے والے اور عرب کی باطنی و ظاہری اصلاح کا عزم بلند رکھنے والے اس مدرسہ کے لیے یہ مستقل آمدنی کس قدر کم ہے!!! کیا مختلف ممالک اسلامیہ کے اوقاف قدیمہ یا جدیدہ سے اس مدرسہ کو ترقی دینے کی غرض سے ۲،۲ لاکھ سالانہ کی مستقل آمدنی کا انتظام ناممکن ہے؟ بالکل نہیں۔ بہت آسان ہے، صرف اہل ثروت کی ہمت اور اس مدرسہ کی اہمیت دانی اور ضرورت و وقت شناسی چاہیے۔ (رہبر دکن)

ضرب کلیم

(از عبد الماجد)

اقبال، مسلمانوں کی قوم کے حکیم، اقبال کا سن جوں جوں پختگی کی طرف بڑھتا جاتا ہے، حکمت و شاعری، پختہ سے پختہ تر ہوتی جا رہی ہے ——— خام تو کبھی بھی نہ تھی۔ شاعری سے مراد رسمی غزل گوئی اور قافیہ پیمائی نہیں۔ مراد وہ شاعری ہے جو رومیؒ کی تھی، سنائیؒ کی تھی۔ وہ شاعری نہیں، جو حق سے ہٹاتی، بہکاتی ہے۔ وہ شاعری ہے جو حق کی طرف بلاتی، لاتی ہے۔

اقبال کا پیام ساری دنیا کے لیے ہے، دنیائے اسلام کے لیے خصوصاً۔ قرآن کی بھی مخاطب ساری نوع انسانی ہے، لیکن حقیقۃً فائدہ اٹھانے والے صرف مومنین ہیں۔ اقبال اپنا دردِ دل سناتا تو سب ہی کو چاہتے ہیں، جو پہلے سے اقبال کے فدائی، اقبال کے رسول کی سن چکے ہیں۔ ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کچھ فارسی میں کہہ چکے ہیں، بہت کچھ اردو میں کہہ رہے ہیں "تازہ ترین افادہ کا نام" "ضرب کلیم" ہے۔ زبان اردو۔ ضخامت ۲۰۸ صفحات۔ طباعت، صفائی وروشن، قیمت درج نہیں، جو کچھ بھی ہو، بہرحال کتاب کی معنویت کے اعتبار سے کمتر ہی ہوگی۔ ——— عصائے موسیٰؑ کی قیمت کا اندازہ کوئی صاحب یوں بھی فرمائیں گے، کہ اتنے فٹ لمبی اور اتنے انچ موٹی، جنگل کی لکڑی کا مول تول بازار میں کیا ہے؟

ملنے کا پتہ، دفتر "تاودع اسلام" سیکلوڈ روڈ، لاہور۔

بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ امت میں کس زمانہ کے لوگ بہتر ہوں گے۔ جواب میں سرور و سردار کی زبان سے ارشاد ہوا، کہ میری امت کی شال تو بارش کے قطروں کی سی ہے نہیں کہا جا سکتا کہ اگلے قطرے بہتر رہے یا پچھلے ——— اقبال کا کلام بھی مسلسل باران رحمت سے کم نہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا، کہ بہتر کسے کہیے، اور کسے نہ کہیے۔ اور اگر کسی کو اعلیٰ و بلند ٹھہرا بھی لیجیے، تو اس کے مقابل آخر ادنیٰ و پست کسے ٹھہرائیے! جب جو کلام سامنے آگیا، دل نے کہا، یہی خوب اور خوب تر۔ جب کسی دوسرے کلام پر نظر پڑی، تو اب قوتِ فیصلہ مغلوب، نگاہِ انتخاب حیران! ——— یہ اور بات ہے کہ انتخاب کی حیثیتیں ہی شروع سے مختلف ٹھہرا لیجیے، اور اس لحاظ سے فیصلہ کر دیجیے، کہ شوخی و برجستگی فلاں میں زیادہ ہے، عمق معنی فلاں پڑھا ہوا ہے، درد و گداز میں فلاں کا نمبر اول ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

ضرب کلیم کا وصف امتیازی، حکیمانہ ژرف نگاہی ہے۔ ہر عنوان دقت نظر کا ایک مرقع، ہر صفحہ نکتہ سنجیوں کا ایک گلدستہ، بات وہی ایک ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی، بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال قبل کی، بات کہنے کے ڈھنگ نئے نئے، اور عنوانات جدا جدا۔ بات میں کشش ایک تو ہر فطرت سلیم والے کے لیے ذاتی موجود، اور پھر کہنے والے کی زبان میں موہنی۔ کتاب قدرۃً دلچسپ اس قدر ہو گئی، کہ ایک بار شروع کر کے ختم کرنے کو جی چاہے، اور پڑھتے پڑھتے جب آخری صفحہ پر پہنچیے، تو دل میں یہ حسرت رہ جائے، کہ محفل برخاست اتنی جلد کیوں ہو گئی! وہی رونے گل کے سیر ہو کر نہ دیکھنے اور موسم بہار کے ختم ہو جانے کا پرانا دکھڑا!

گھر کے بھید، گھر کے بھیدی سے بڑھ کر کس کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں تکدہ آذری پر تیشہ ابراہیمی سے بڑھ کر کس کی ضرب پڑ سکتی ہے۔ طلسم افرنگ کو توڑنے کے لیے افسوں خوان اقبال سے بڑھ کر کون ملے گا ———

اسی طلسم کدہ کا پروردہ، اسی میکدہ کا سرشار ہے

رفتے محو تگ و دو بودہ ام　　راز دانِ دانش تو بودہ ام

باغباں امتحانم کردہ اند　　محرم ایں گلستانم کردہ اند

مرتے با لالہ رویاں ساختم　　عشق با مرغولہ مویاں باختم

کوئی صفحہ کہیں سے کھول لیجیے۔ ایک ہی چمن کی گلکاریاں نظر آئیں گی۔

قوت اگر بے دینوں کے ہاتھ میں ہے تو دنیا کو نمونۂ جہنم بنا دینے کے لیے کافی ہے ——— قوت اگر حق پرستوں کے ہاتھ میں ہے، تو جنت کی رہبر ہے

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں　　سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک

اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے　　عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

لا دیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر　　ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق!

(ص ۲۲)

شیخ مجدد کا فتویٰ ہے کہ اب جہاد بالسیف کو منسوخ سمجھو، اب تو صرف قلم کافی ہے۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ جہاد سیفی کی منسوخی کے اعلان کا ڈھلا سوقت کے مسلمانوں کے سامنے کیا محل ہے:

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں؟

ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بیخبر! (ص ۲۲)

اور ہاں سے دل پکڑ لیتے ہیں

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جسکا دل　　کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر!

اب تو

تعلیم اسکو چاہیے ترکِ جہاد کی　　دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر؛

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے　　یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر!

اب دوسرے مصرعہ یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر کو کرر پڑھے بغیر اس سے لطف لیے بغیر، آگے بڑھ جانا ظلم ہے۔ ظلم شاعر پر نہیں، خود پڑھنے والے کے ذوق سلیم پر۔

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے　　مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات　　اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر!

جس لفظی طلسم بندی کا نام یونان نے کبھی اور یورپ نے آج بھی، فلسفہ رکھا ہے، کہتے ہیں، کہ وہ نوجوانوں کے دلوں میں، مذہب کی بنیاد ہلا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت کوئی اسکے دل سے پوچھے، جو خود ان گلیوں کی خوب خاک چھانے پڑا ہو۔ شاعر آج تو سہی، چند سال ادھر تو آخر جوان تھا، اور انھیں ڈگریوں اور امتحانوں اور پروفیسروں کی بھول بھلیاں میں ٹھوکریں کھا چکا ہے

معلوم ہیں مجھکو ترے احوال کہ میں بھی　　مدت ہوئی گزرا تھا اسی راہگذر سے

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا　　غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

! مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار　　جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے!

(ص ۳۵)

ہنگامہ برپا ہے، کہ مسلمان زمانہ کا ساتھ نہیں دیتے، اسی لیے برباد ہوتے جاتے ہیں۔ مٹے جاتے ہیں۔ حکیم امت کہتا ہے کہ نادانو، ذرا ہوش درست کرکے زبان کھولو، مومن کو تم نے سمجھا کیا ہے۔ زمانہ کے آگے سجدۂ پرستش میں گر پڑنا یہ تو کافروں کا شعار رہے، مومن کا کام زمانہ کے ساتھ چلنا نہیں، اُسے اپنے ساتھ چلاتا ہے۔ زمانہ کا محکوم بننے کے لیے نہیں، اُس پر حاکم بننے کے لیے آیا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے،
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!
(ص ۳۹)

مومن کو ذریتِ خاک سے بننے والے، خاک کے پتلوں نے سمجھا کہاں ہے؟

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن
(ص ۱۵)

اور تمدن اسلامی، سو اس کی حقیقت ہر قسم کی جوگیانہ زندگی اور ہر قسم کے اور نشاط تعیش پسندیوں سے کہیں مختلف اور بالاتر ہے ؎

نہ اسمیں عصر رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اسمیں عہد کہن کے فسانہ و افسوں
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسم افلاطوں
عناصر اسکے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسن طبیعت عرب کا سوز دروں
(ص ۲۵)

غلامی کی حالت میں گرفتار رہ کر، غلامی پر قانع رہ کر، 'نبوت' کی تبلیغ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے۔ صاحب الہام، اگر خود آزاد ہے، تو دیکھتے دیکھتے انقلاب پیدا کر دیتا ہے ؎

اس مرد خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتگر اقوام ہے وہ صورت چنگیز!
(ص ۹۹)

اب "خود آگاہ" اور "خدا مست" کی ترکیبیں کہیں حکیم مومن خاں دہلوی کے قلم سے نکلی ہوتیں، تو آج اُن کی شہرت میں، انکی نیکنامی میں، اُن کے کمال فن میں اور چار چاند لگ گئے ہوتے۔ اقبال غریب 'پنجابی' اور 'سیالکوٹی' ہو کر ایسی قسمت کہاں سے لا سکتا ہے۔ یہی ترکیبیں آج خدا جانے کیسے کیسے 'نقادانِ فن' کو ہفتوں اور مہینوں دعوت تمسخر دیتی رہیں گی۔

محمد علیؒ کہا کرتے تھے، خدا نے تو انسان کو پیدا کیا تھا، یہ حضرت انسان ہیں، جنھوں نے 'اقوام' کو پیدا کر لیا۔ اقبال کا کہنا ہے، کہ بصیرت ہو تو سوچو، کہاں مکہ کا پیغام، اور کہاں جنیوا کا اقدام! ؎

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل، حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکہ نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم!
(ص ۵۵)

سید مرحوم فرمایا کرتے تھے۔ ۔۔ بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہو۔ ۔۔۔ اطاعت و پابندی بہر تو طرے سے بڑے ملحد بڑے سے بڑے منکر کو بھی کرنی ہی

پڑتی ہے۔ اسکے بغیر اس دنیا میں ایک لمحہ ایک آن کے لیے بھی چارہ نہیں۔ سوال صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ پابندی کس کی کرنی منظور ہے؟ احکام تشریعی کی یا احکام تکوینی کی؟ 'پابندی تقدیر' کہ 'پابندی احکام'؟ جواب، ترجمان حقیقت کی زبان سے سنیے، اور داد، دل ہی دل میں، جتنی دیر تک چاہیے، دیتے رہیے ؎

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اسکا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند!
(ص ۹۲)

اپنے اِن اسکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں جس قسم کے نصاب رائج ہیں، جو جذبات ان درسگاہوں میں بیدار کیے جاتے ہیں، 'اعلیٰ تعلیم' کے نام سے جس قسم کا تصور ذہنیتوں میں جما دیا گیا ہے، ان سب کا جائزہ لے کر، اقبال کی حقیقت نگاری پر نظر کیجیے ؎

اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

....

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات
محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورتگری و علم نباتات
(ص ۱۰۶)

تہذیب جدید کا ایک خاص مظہر رقص ہے۔ رقص آپ کے ہاں ارباب 'نشاط' والا نہیں، مردانہ اور زنانہ 'طائفوں والا نہیں'، بھانڈوں اور بیسواؤں والا نہیں، بلکہ وہ ناچ، جس میں 'صاحب' اور 'میم صاحب' مل کر، غیروں کے جسم سے جسم ملا ملا کر، اور میم صاحبہ نیم برہنہ، طرح طرح تھرکتے ہیں، مٹکتے ہیں۔ اور جب تھکنے لگتے ہیں، تو جھلکتے ہوئے نیجا سے "تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اقبال اس منظر کو دیکھ، اپنے ہم قوموں سے کہتے ہیں ؎

چھوڑ یورپ کے لیے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللّٰہی
صلہ اُس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اِس رقص کا درویشی و شاہنشاہی - (ص ۱۳۵)

اکبرؒ نے کہا تھا، کہ انگلوں کی تلوار تو جسم ہی کو کاٹ کر رہتی ہے، یہ کمال جدید حربہ، تعلیم کا ہے، کہ قالب وہی رہے، اور روح کچھ سے کچھ ہو جائے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اقبال نے اسی راز کو ایک لارڈ صاحب (لُرد) کی زبان سے فاش کیا ہے ؎

اک لُرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اسکی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بہتر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر
(ص ۱۵۶)

اقبال کو آپ نے انھوں ہی کی زبان سے یہ بارہا سنا ہوگا، کہ ایک 'سرکاری' آدمی ہیں، عہدہ کے حریص، خطاب کے بھوکے۔ اب ذرا اس حکومت کے آدمی کی زبان سے "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام"

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیر کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اُس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

ایک تاریخی عقدہ

(از مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

جو تاریخی عقدہ پروفیسر بیکر نے اس مضمون میں حل کرنے کی کوشش کی ہے اور جس کے لیے انکے مقالہ کا ایک بڑا حصہ صرف ہو گیا ہے وہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے بلکہ صدیوں سے مستشرقین کے سامنے ایک لاینحل معمہ کی صورت میں ہے۔ یعنی عربوں کی وہ فتوحات جو اسلام لانے کے ساتھ ہی انکو حاصل ہوئیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بارہ برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ روئے زمین کے ۳۶ ہزار شہر اور قلعے انکے قبضہ میں آ گئے اور وہاں کے اندر اندر اطراف افریقہ کے تپتے ہوئے میدانوں اور اندلس کی برفانی چوٹیوں اور سمرقند و بخارا اور ادھر چین کی سرحد سندھ، افغانستان اور ترکستان سے گذر کر حدود چین تک انکے پرچم لہرانے لگے۔

یہ محیر العقول فتوحات جو عرب جیسی ناخواندہ اور گمنام قوم کو دنیا کی سب سے متمدن اور زبردست سلطنتوں ایران اور روم وغیرہ پر حاصل ہوئیں اور نہایت سرعت کے ساتھ حاصل ہوئیں ان کا اصل سبب کیا تھا۔

اصول تاریخ کے مطابق قوموں کا عروج یا زوال خود ان کی نفسیاتی ذہنیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لیے ان فتوحات کا حقیقی حل ہم کو خود اہل عرب کے طبائع میں تلاش کرنا چاہیے اور وہ سوا اس ذہنی انقلاب کے جو اسلام لانے سے ان میں پیدا ہو گیا تھا اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

(۱) اسلام نے ان میں اللہ کی ذات پر مستحکم ایمان اور پختہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا جسکی بنا پر وہ اس کی راہ میں جان، مال، اولاد سب کچھ نثار کر دینے کو اپنی لازوال سعادت سمجھتے تھے۔

(۲) اسلام نے ان میں وحدت پیدا کر دی تھی جسکی بدولت وہی جنگجو عرب جن کو باہمی خونریزی نے فنا کے ساحل پر پہنچا رکھا تھا۔ ایک متحدہ مرکزی حکومت کی حفاظت کے لیے سرفروشی کرنے لگے۔ اللہ کے اس احسان عظیم کا ذکر قرآن میں ان لفظوں میں ہے۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن اللہ الف بینهم انہ عزیز حکیم۔ اے رسول! اگر تو زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتا تو بھی انکے دلوں کو جوڑ نہ سکتا تھا۔ مگر اللہ نے انکے دلوں کو متحد کر دیا۔ بیشک وہ زبردست ہے اور حکمت کا مالک۔

(۳) اسلام نے ان میں ایسی اخلاقی خوبیاں پیدا کر دی تھیں جو صفحات تاریخ پر ثبت ہیں اور جنکا بڑے سے بڑے متعصب نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ان صفات کو لے کر وہ دنیا کے سامنے نکلے۔ ایسی حالت میں کون ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ جو قومیں ان سے ٹکرائیں پاش پاش ہو گئیں۔

لیکن یہ حل جو اصولاً صحیح اور بدیہی ہے۔ مستشرقین کو تسلیم نہیں۔ اسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس سے دین اسلام کی حقانیت اور عظمت ثابت ہوتی ہے جسکو وہ اپنے حاشیہ خیال میں بھی لانا نہیں چاہتے اسلیے اسکو "موہوم" اور بے بنیاد قرار دے کر اس داخلی سبب کو یکسر انھوں نے نظر انداز کر دیا اور اسکا کوئی خارجی سبب تلاش کرنے کی ناکام کوشش شروع کی۔

نہایت کد و کاوش کے بعد عربوں کے اس سریع اور غیر معمولی عروج کو مستشرقین نے معاشی اسباب پر مبنی قرار دیا۔ لیکن ان معاشی اسباب میں فوری ہیجان اور ہمہ گیر جوش کا باعث کیا تھا؟ جب یہ سوال درپیش آیا تو اس کی توجیہ میں مختلف نظریے پیش کیے گئے۔ آخر میں ادھر کچھ زمانہ ہوا اطالیہ کے مستشرق پرنس کائتانی نے اپنا نظریہ "ہجرت" کا پیش کیا جس کے انکشاف کی بدولت وہ مستشرقین کی صف اول میں شمار ہونے لگے۔

پروفیسر بیکر کائتانی کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں اس نظریہ سے بالکل متفق ہوں اس لیے کہ اس کا ثبوت تاریخی واقعات سے ہوتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صدیوں پہلے سے عرب میں ایک ہیجانی کیفیت رونما تھی۔ جنوبی قبائل شمال میں آ آ کر آباد ہو رہے تھے۔ ریگستانی قبائل متمدن ممالک پر چھوٹے چھوٹے حملے کرتے رہتے تھے اور غالباً یہ صحیح ہے کہ عرب میں اسوقت سے کبھی امن ہوئی ہی نہیں جبکہ پہلی جماعت نے اس ملک سے ہجرت کی۔ ہمیں اس ملک کی تدریجی معاشی تنزل کی تاریخی شہادت ملتی ہے جس میں پانی کے آہستہ آہستہ کم ہونے کا خاص طور پر ذکر ہے اور جیسا کہ قدیم مصنفین اور قدیم عمارات سے معلوم ہوتا ہے یہ تنزل صدیوں سے ہو رہا تھا۔"

اس عبارت میں غالباً اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے جو مآرب کا بند ٹوٹ جانے سے سیلاب زدہ علاقوں سے یمنی قبائل نکل کر عرب کے مختلف حصوں میں جا جا کر آباد ہو گئے تھے۔ پروفیسر بیکر نے تدریجی معاشی تنزل کا ذکر جو کیا ہے کہ رفتہ رفتہ پانی کے کم ہونے کا تاریخی ثبوت ملتا ہے اس کی نسبت ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثبوت صرف اسی سیلاب سے متعلق ہے جس نے بہت سی زرعی زمینوں کو بنجر کر ڈالا تھا۔ قرآن کریم میں بھی سورۂ سبا میں اہل سبا پر اس عذاب کے بھیجنے کا ذکر ہے فارسلنا علیهم سیل العرم وبدلناهم بجنتیهم جنتین ذواتی اکل خمط واثل وشیء من سدر قلیل۔ ذلک جزیناهم بما کفروا۔ اور ہم نے انکے اوپر زور کا سیلاب بھیجا۔ اور انکے دونوں باغوں کے بدلے انکو دو باغ ایسے دیدیے جن میں کسیلے پھل اور جھاؤ اور کچھ تھوڑے سے بیر کے درخت تھے۔ یہ بدلہ ہم نے انکی ناشکری پر دیا تھا۔

ورنہ آج سے ہزارہا سال پہلے عرب جیسی امی قوم کے "قدیم مصنفین" کی تاریخی شہادتوں سے آہستہ آہستہ وہاں پانی کے کم ہونے اور تدریجی معاشی تنزل کا پتہ لگانا قطعاً ناممکن ہے۔ بلکہ آج یمن میں سلطنت کے موجود ہوتے ہوئے بھی وہاں کے لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہماری زمین کی قوت پیداوار گھٹ رہی ہے یا بڑھ رہی ہے اور ہمارے ملک کا پانی زیادہ ہو رہا ہے یا کم۔

کائتانی کے نظریہ کی بنیاد ایک عیسائی یوحنا دمشقی کے مناظرہ پر ہے جو اس نے امیر معاویہ کے دربار میں کیا تھا۔ اور جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ اسکی صرف ایک ہی نقل ہے جو پرنس مذکور کو برٹش میوزیم سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس میں یوحنا نے عربوں کے ناگہانی اقدام کی علت ان کی [illegible] بتلائی ہے اور یہ بھی کہ اسلام عیسائیت کا ایک شعبہ ہے۔

اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ اس نظریہ کی کوئی حقیقت بھی ہے [illegible]

دلیلہ وہ قابل اعتماد صورت یہ ہے کہ ان فتوحات کی نوعیت دیکھی جائے اور پھر فاتحین کی ذہنی کیفیت کا مطالعہ کیا جائے۔ اسکے لیے سب سے پہلے جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن خطوط کو دیکھتے ہیں جو قرب وجوار کے امراء و روسا اور فرماں رواؤں اور حکمرانوں کے نام لکھے گئے تھے تو ان میں نمایاں چیز صاف نمایاں ہے وہ صرف اسلام کی تبلیغ ہے اور بس۔ قیصر کے نام جو خط بھیجا گیا تھا اسکا پہلا فقرہ یہ تھا "اسلم تسلم" (اسلام لاؤ محفوظ ہوگے۔ ملک یمن کے مقام عمان کے رئیس جیفر اور اس کے بھائی عباد کے نام جو نامہ نبوی سنہ ۸ھ میں بھیجا گیا تھا اس میں بھی یہی تصریح تھی:۔

"اگر اسلام لاؤگے تو تمہیں وہاں کے والی رہوگے اور انکار کروگے تو حکومت جاتی رہے گی"

اسی طرح سے جملہ خطوط جو دربار رسالتؐ سے بھیجے گئے تھے اور جو کتب سیر میں محفوظ ہیں ان میں سوائے تبلیغ دین کے کوئی شائبہ معاشی غرض کا ہم نہیں پاتے۔ اب ان فاتحین کی حالت دیکھنی چاہیے جنکے ہاتھوں سے یہ فتوحات ہوئیں۔

یوحنا دمشقی کی روایت جس کے اوپر کایتانی کے نظریہ کی بنیاد ہے کم از کم سنہ ۲۱ھ قرار دی جاسکتی ہے لیکن اس سے بہت پہلے سنہ ۱۴ھ میں جنگ قادسیہ کے موقع پر جب حضرت نعمانؓ بن مقرن دعوت اسلام کی سفارت لیکر شہنشاہ ایران یزدگرد کے دربار میں گئے تھے تو اس سے صاف صاف فرمایا تھا کہ

"اگر تم اسلام لاؤگے تو ہم اللہ کی کتاب تمہارے حوالے کردینگے جسکے مطابق چلو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے"

سنہ ۲۰ھ میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے والی مصر مقوقس کے پاس اس کی درخواست پر حضرت عبادہؓ بن صامت کو چند صحابہ کے ہمراہ گفتگوے مصالحت کے لیے بھیجا اور مقوقس نے اُن سے کہا کہ:۔

"تم یہاں پڑے ہوے مصیبتیں اٹھا رہے ہو۔ میں تمہاری حالت پر ترس کھاتا ہوں اور تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ صلح کرلو۔ تم لوگوں میں سے ہر ایک کو دو دو دینار، امیر کو ایک سو اور خلیفہ کو ایک ہزار دیدونگا۔ اسکو لیکر اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ"

یہی معاشی تنزل اور قحط زدگی کا نظریہ تھا جسکے جواب میں حضرت عبادہؓ نے فرمایا کہ

"مخالفین سے ہماری لڑائی کسی دنیاوی جاہ و جلال کی غرض سے نہیں ہے بلکہ محض اعلاے کلمۂ حق کے لیے ہے۔ اللہ نے ہمارے اوپر جہاد کو فرض کیا ہے اور اس میں جو غنیمت ملے اس کو حلال فرمایا ہے۔ ہمارے پاس خواہ سیم و زر کے ڈھیر ہوں خواہ ایک درہم بھی نہ ہو ہم کو اس کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ روٹی کا ایک ٹکڑا جو بھوک کو روکدے اور تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا ہمارے لیے کافی ہے۔ جو کچھ اس سے فاضل ہوتا ہے اُس کو ہم اللہ کی راہ میں صرف کردیتے ہیں۔ ہم دنیاوی آسایش کے خواہاں نہیں ہیں۔ راحت کی جگہ آخرت ہے"

اس قسم کے سیکڑوں بیانات سے جو اُن فاتحین کے تاریخوں میں ثبت ہیں وہ حقیقی روح صاف نمایاں ہو جاتی ہے جس کو لیکر وہ جنگ و جہاد کے لیے نکلے تھے اس لیے "نظریۂ ہجرت" کی کوئی علت سوائے اسکے نہیں ہوسکتی کہ مستشرقین نے مغربی اقوام کی موجودہ فتوحات و استعماریت کو پیش نظر رکھکر جن کا اصلی محرک اور سبب اول سوائے ہجرت کے اور اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی زمینیں ان کے اوپر تنگ ہوگئی تھیں۔ عربوں کے عروج کا بھی اندازہ لگایا ہے ورنہ آغاز عہد اسلام میں نہ اہل عرب پر انکی زمین تنگ تھی نہ کوئی غیر معمولی شدت معیشت میں رونما ہوئی تھی اور نہ ان کی تاریخوں سے کوئی شائبہ اسکا معلوم ہوتا ہے۔

پروفیسر بکر لکھتے ہیں:۔

"ریاست نے اپنے سیاسی اغراض کے لیے عربی قومی ہجرت سے جو اس کے قیام سے پہلے ہی شروع ہوچکی تھی، فائدہ اٹھایا۔ ان لوگوں کی سیرت کا مطالعہ کیجیے جنھوں نے عربی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص فطرتاً فاتح اور حکمراں تھے۔ دین کا اثر ان پر بہت کم ہوا تھا اور دین سے انکو سروکار تھا تو اتنا کہ اپنے اغراض کے لیے اسکو استعمال کرنا جانتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ یا انکی جیسی طبیعت رکھنے والے اور دینی مسائل میں غور و فکر کرنے والے افراد نے اس توسیع سلطنت میں کوئی حصہ نہیں لیا"

عربی ہجرت جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ سیلاب کے باعث یمنی قبائل آ آکر اطراف عرب میں آباد ہوگئے تھے ایک وقتی اور ہنگامی چیز تھی جس کی ابتدا اور انتہا دونوں ساتھ ہی ساتھ تھیں۔ اسکو قطعاً قومی ہجرت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کے بعد سے آغاز اسلام تک سوائے خانہ بدوش قبائل کے اور کسی ہجرت کا نشان ملتا ہے۔ ایسلیے یہ قول حقیقت سے نہایت بعید ہے کہ عرب میں کوئی تدریجی ہجرت تھی جس سے عربی ریاست نے فائدہ اُٹھایا۔

رہا یہ امر کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ فطرتاً فاتح و حکمراں تھے یا کسی بالاتر اثر نے ان کو فاتح اور حکمراں بنایا تھا۔ ان کی سیرتوں کی کتابوں کے مطالعے سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسکو بھی خوبی اتفاق کہیے کہ یہ دونوں حضرات ایک ہی ساتھ اور ایک ہی وقت نبوت کے آخر عہد سنہ ۸ھ میں اسلام لائے۔ اُس وقت تک یہ دونوں ہمیشہ مسلمانوں سے مغلوب ہی رہے حضرت خالد سوائے اسکے کہ جنگ احد میں درۂ کوہ سے تیراندازوں کے ہٹ جانے کی وجہ سے سواروں کا دستہ لیکر پس پشت سے آپڑے تھے اور کبھی کوئی نمایاں کام مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ کرسکے بلکہ اُحد میں بھی ہاری ہوئی بازی پھر مسلمانوں ہی نے قائم کرلی۔ اور عمرو بن العاص تو جنگ احزاب میں قریش کی ناکامی کو دیکھ کر عرب چھوڑ کر حبشہ میں چلے گئے تھے اور نتیجہ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

غور کرنے کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام لانے کے بعد سوائے اسلام کے اور کونسی چیز تھی جس نے ان کی طبیعتوں میں ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ پروفیسر بکر بھی انکو فطرتی فاتح اور حکمراں قرار دینے لگے۔ اسکے خیال میں یہ دونوں شخصیتیں وہ ہیں جنھوں نے عربی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ حضرات اس کے ارکان ضرور ہیں مگر رومیوں کے ساتھ عربوں کا فیصلہ کن معرکہ یرموک میں ہوا اور ایرانیوں کے ساتھ قادسیہ میں جن کے بعد یہ دونوں قومیں عربوں کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکیں۔ اور ان دونوں کے سرکردہ حضرت ابو عبیدہؓ اور سعد بن وقاصؓ تھے جو اُن دس اشخاص میں داخل ہیں جن کا، قبہ اسلام میں سب سے فائق مانا گیا ہے۔ یعنی عشرہ مبشرہ۔ اس لیے پروفیسر بیکر کا یہ خیال کہ عبداللہ ابن عمرؓ جیسے دینی طبیعت رکھنے والے لوگوں نے توسیع سلطنت میں حصہ نہیں لیا دراصل دین کے اس عیسوی تصور کا نتیجہ ہے جس میں امیروں کو آسمانی بادشاہت میں داخلہ نہیں ملتا۔ لیکن اسلام سرتاسر اس کے خلاف صدا ہے اور اس کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ ساری عبادتوں سے افضل ہے قرآن کریم میں ہے:-

الذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم اعظم درجۃ عند اللہ۔ واولئک ہم الفائزون۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اُن کا درجہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر ہے اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

پروفیسر بیکر لکھتے ہیں:-

"بعض مستثنےٰ افراد سے قطع نظر عام طور پر عربوں نے مفتوحہ اقوام کو تبلیغ دین کی ہی نہیں"

یہ بھی دراصل وہی زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔ دورِ حاضر میں مسیحی دعاۃ کی جماعتیں جس نوعیت سے ایشیائی ممالک میں تبلیغ کر رہی ہیں۔ وہ ایک فن اور پیشہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے لیے حق اور باطل یکساں ہے۔ اسلامی تبلیغ کی صورت میں یہ نہیں ہے بلکہ اسکا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دین فطرت ہے اور ہر حق پسند انسان خود بخود اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اس لیے اسکی تبلیغ صرف یہ ہے کہ اس کی طرف آنے کے لیے بنی نوع انسان کے راستہ میں جو رکاوٹیں ہوں انکو دور کر دیا جائے۔

عربوں کے دونوں پہلوؤں پر دو عظیم الشان قومیں یعنی ایران اور مشرقی روم جو اسلام کو فنا کرنے پر تیار بیٹھی تھیں۔ ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز نے تو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا فرمان بھی جاری کیا تھا اور روم کی پشت پناہی سے غسانی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے جس کے خطرہ سے اہل مدینہ راتوں کو چونک چونک پڑتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں مزاحمتوں کا مٹانا اور اسلام کے لیے بنی نوع کے واسطے راستہ صاف کرنا ہی اسلامی اصول کے مطابق عین تبلیغ تھی تاکہ اقوام عالم اس نور مبین اور خالص حق کو دیکھ سکیں اور یہی عربوں نے کیا۔ دراصل اسلام کو پیشہ ور مبلغوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر مسلم جو اسلام پر عمل کرتا ہے دنیا کے سامنے اس کا مبلغ اور مشاہد ہے۔ اس نقطہ نظر سے عربوں کی کل لڑائیاں اور کسرویت اور قیصریت شکنی کے لیے جنگ، جہاد جس کی نسبت پروفیسر بیکر لکھتے ہیں کہ

"آخرکار ہم کو یقین آ ہی گیا کہ عربی سلطنت کے بانیوں نے اپنے دین کی تبلیغ نہیں کی بلکہ عربوں کی دنیاوی طاقت کو پھیلایا"

اسلام کی حقیقی اور عظیم ترین تبلیغ تھی۔ پروفیسر موصوف اپنے غلط نظریہ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں

"یہ بات کہ عربوں کو اشاعت دین کی بہت کم توقع تھی اور انھوں نے اس کے لیے بہت کم کوشش کی اس سے ظاہر ہے کہ جب لوگ کثرت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اُن کو اپنا سارا نظام مالیات و معاشیات بدلنا پڑا"

واقعہ صرف یہ ہے کہ جب خراسان اور سندھ میں کثرت اشاعت اسلام کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی کم ہوگئی تو وزیر خزانہ کی طرف سے امیر سمرقند کے نام یہ ہدایت نامہ پہونچا کہ لوگ جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر رہے ہیں لہٰذا تم دیکھو کہ جو ختنہ کرائے، قرآن پڑھے اور شرعی فرائض کا پابند ہو اُسی کا جزیہ معاف کرو اور باقیوں سے وصول کرو۔

یہ ہے وہ "مالی اور معاشی نظام کی تبدیلی" جو بقول پروفیسر بیکر مسلمانوں کو اشاعت اسلام کی وجہ سے کرنی پڑی حالانکہ یہ فرمان اصول اسلام کے خلاف تھا خود ابو صیداء نے جو اس دیار میں اسلام کے مبلغ تھے اس کی مخالفت کی اور اس جھگڑے نے اس قدر طول کھینچا کہ خلیفہ کی طرف سے وزارت پر عتاب نازل ہوا۔ اور آخرکار نصر بن سیار امیر خراسان کو نو مسلموں کے جزیہ کی رقم بلا کسی شرط کے معاف کرنی پڑی۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ فرمان جو اسلام کے خلاف تھا جسکی اسی وقت مسلمانوں نے مخالفت کی اور جسکو خلیفۂ اسلام نے یہ کہکر کہ ہم مبلغ ہیں نہ کہ محصل باطل ٹھہرا دیا، کیا وہی مسلمانوں کے اوپر بحث میں مبنی کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ سارے مالی و معاشی نظام کی تبدیلی ہے؟

رہا خالص عربی حکومت کا تخیل کہ عہد بنی امیہ میں عرب اپنے آپ کو ایک حکمراں جماعت تصور کرنے لگے تھے تو اس میں ہم پروفیسر بیکر کے ساتھ متفق ہیں کہ اسکی تعمیر ہی میں خرابی کی ایک صورت مضمر تھی۔ کیونکہ اسلامی اصول کے مطابق مسلمان اقوام میں مساوات ہے۔ نہ کوئی حاکم ہے نہ کوئی محکوم۔ عربوں نے اس عہد میں اس اصول کو توڑ دیا۔ اس لیے اقوام مسلمہ میں سب سے پہلے وہی قعر ذلت میں گرے۔ اور خود عربی خلیفہ معتصم کے قلم سے آخری عرب تک کا نام بھی فوجی دفتر سے کاٹ دیا۔ اور وہ اپنے جزیرہ نما میں اسی طرح محدود کر دیے گئے جس طرح اسلام سے پہلے تھے۔

پروفیسر بیکر کا خیال ہے کہ اسلام کی یکرنگی دینی تہذیب کے وجود کا واحد سبب نہیں ہے کہ مشرق میں دین اسلام پھیل گیا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"دین محمدی نے یکرنگ اسلامی تہذیب نہیں پیدا کی۔ بلکہ عباسی سلطنت کی یکرنگ تہذیب نے جو بالکل دوسرے اسباب کا نتیجہ تھی، ایسی حالت پیدا کی جس میں اسلام کی اشاعت ممکن ہوئی"

اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ تحصیل جزیہ اور تبلیغ اسلام میں تصادم تھا اور عباسی عہد میں عجمی مسلم اقوام کے ہاتھوں میں زمام اختیار آ جانے کی وجہ سے یہ تصادم جاتا رہا۔ اس لیے یکرنگ عباسی تہذیب کی بدولت اسلام کی تبلیغ ممکن ہوگئی۔ لیکن جیسا میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ یہ تصادم عہد اموی کی ایک اتفاقی غلطی تھی۔ ورنہ خود بنی امیہ کے زمانہ میں اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی نسبتاً اس قدر عہد عباسی میں نہیں ہو سکتی یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ دین اور تہذیب دو الگ الگ چیزیں ہیں تہذیب قومی بلکہ مقامی شے ہے جس میں ماحول کے تغیر سے تبدیلیاں ہوتی

سکتی ہیں۔ اور دین وہ ناقابل ترمیم اصول ہیں جو قلوب و اعمال کی اصلاح کرتے ہیں۔ مسلم اقوام کی یکرنگ تہذیب کی بنیاد و تعمیر پورے طور پر نہیں بلکہ انکے ناقابل ترمیم مشترکہ عقائد و اعمال ہی پر ہو سکتی ہے جو ہر قسم کی مقامی اور جنگامی تہذیب و تمدن سے بالاتر ہیں اور ہر تہذیب و تمدن کو اسلامی بنا سکتے ہیں۔

عہد عباسی اور اسکے بعد عالم اسلامی کے تمام اسلامی کارنامے باوجود تنوع کے سب اسلام ہی کی پیداوار ہیں۔ جس طرح ایک تناور درخت مع اپنے تنہ اور شاخوں اور برگ و بار کے ماہر نباتات کے نگاہ میں ایک چھوٹے سے تخم میں نظر آتا ہے اسی طرح ایک صحیح النظر مورخ بغداد، قرطبہ، قاہرہ اور بخارا کے کتب خانوں کے عظیم الشان علمی ذخائر کو اسلام کے اس پہلے ہی پیغام میں دیکھتا ہے جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر عرش سے نازل ہوا تھا اور جس میں قلم کی عظمت ظاہر کردی گئی تھی (اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم) پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے۔

آخر میں پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں:-

"اسلام کے ارتقا کو سمجھنا اس قدر آسان نہیں ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اسلام کو عربی تہذیب کے تصور کی مدد سے سمجھنا چاہتے ہیں وہ بھی اس عقدہ کے صحیح حل سے بہت دور ہیں۔ رہے وہ لوگ جو قرآن اور سیرت محمدی کو موجودہ اسلام کے سمجھنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں ان کا تو بس خدا ہی حافظ ہے"

کاش ہمارے اور مستشرقین کے درمیان بھی اصول موضوعہ بسلسلہ بحث پہلے از طے کرلیے جاتے تاکہ اس قسم کے تاریخی عقدوں کے حل میں اس قدر اختلافات نہ ہو سکتے جتنے کہ اب ہیں۔ نہ صرف موجودہ اسلام بلکہ قدیم اسلام کو بھی مستشرقین جس صورت سے پیش کرتے ہیں وہ ہمارے نقطہ نظر سے اس سے بھی زیادہ مسخ شدہ ہے جتنی کہ کلیسائی مبلغوں کے بیانات میں تھی۔ پھر انکے لیے تعصب اور جہالت کا عذر بھی کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہاں تو علم کا بھی دعویٰ ہے اور بے تعصبی کا بھی۔

(ناتمام)

مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ

اس مدرسہ کا سارا کاروبار چندوں پر چل رہا ہے اور بعض اہل خیر نے اس کے لیے کچھ مستقل آمدنیوں کی صورت بھی پیدا کردی ہے تاہم اسکی روز افزوں ہر دلعزیزی کو پیش نظر رکھتے اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان اس کی طرف اپنا دست امداد بڑھائیں اور اجر آخرت حاصل کریں۔ تمام دنیا کے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہے کہ وہ اسلام کے اس پہلے گہوارے میں پھر وہی مرکزیت پیدا کردیں جو آج سے ۱۳۰۰ برس قبل حاصل تھی اور اسی مرکزیت سے بیدا کر تو اسے جتنے بھی عناصر ہو سکتے ہیں ان سب میں وہاں کا ایک ایسا مدرسہ سب سے بڑا عنصر ہو سکتا ہے جو علوم دینیہ کی تعلیم بہت اعلیٰ پیمانہ پر دے سکتا ہو۔ دنیا کے مسلمان اگر تھوڑی توجہ کریں تو اس مدرسہ کو یہ مرکزیت حاصل ہو سکتی ہے.......

سرزمین حجاز کی اس گئی گزری حالت کی اصلاح کا ایک بہترین ذریعہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی موجودہ جہالت کو دور کردیا جائے اور بعض علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ انھیں تاریخ میں علوم جدیدہ سے بھی روشناس کیا جائے (دیکھیے)

"مسیحی مساوات"

کیرالہ مسلم مشن کے اہتمام سے ریاست ٹراونکور میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ مسٹر اسمٰعیل سیٹھ صدر جلسہ کی تقریر اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ پچیس اچھوت لیڈروں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ ان لیڈروں میں مسٹر کے، پی، پدمنابھان آسن جو ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر ہیں مسٹر کے، پی گوندن آسن جو ایک خاص اصلاحی تحریک کی روح رواں ہیں مسٹر ایس کو چو کرشنا، بانگر اور ایس سنتھالوچی ان ہوخاندان کے دولتمند ارکان ہیں، حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسکے ساتھ ہی جنوبی ہند میں قبول اسلام کے انفرادی واقعات رونما ہونے لگے۔

حلقہ کے لاٹ پادری نے محسوس کیا کہ ان کے پاس دولت ہے، پیچھے سرکاری حمایت ہے، مگر اچھوت محض اسلام کی عملی "مساوات" سے متاثر ہو کر مسلمان ہو رہے ہیں۔ اس لیے ترچناپلی کے بڑے کلیسا کی جانب سے یہ فرمان نافذ کردیا گیا ہے کہ جہاں تک ہندوستانی گرجا گھروں کا تعلق ہے اچھوت مساوات کے مستحق ہیں۔

اس فرمان کے نفاذ کا یہ اثر ہوا کہ اونچے طبقہ کے عیسائی عوام برہم ہوگئے۔ ترچناپلی میں رومن کیتھلک عیسائی پیرو کا ایک بڑی اجتماع سینٹ فرانکس چرچ میں "اے ارتھاسوامی" کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مسٹر جی پوردسوامی پلاڈر وائس پریسیڈنٹ چرچ کمیٹی نے احتجاجی تقریر کی اور کہا کہ لاٹ پادری نے جلد بازی سے کام لیا ہے، سابق لاٹ پادری نے کبھی ایسا نہیں کیا، بلکہ ذات پات کی تمیز روا رکھی۔ مسٹر ٹی گرد سوامی نے کہا کہ ہم اپنے حقوق کے لیے لاٹ پادری سے جنگ کریں گے۔ مسٹر ایس، آر سوامی نے کہا کہ یہ فرمان مساوات کی نہیں فساد کی جڑ ہے۔ مسٹر ایم، ساوری ماتھو پلائی نے کہا کہ لاٹ پادری صاحب یورپین اور انگلو انڈین کے لیے علیحدہ علیحدہ نشست معین کرکے امتیاز روا رکھتے ہیں، لیکن ہم کالے ہندوستانیوں سے کہتے ہیں کہ اچھوتوں کے ساتھ بیٹھو، ہم نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے، کیونکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اچھوتوں کی اصلاح کا شور مچانے والے، اچھوتوں سے ملنا درکنار انکو اپنے دروازہ کے سامنے دیکھنا گوارا نہ کریں گے"

یہ حالات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسیحیت قبول کرنے کے بعد اچھوتوں کو مساوات حاصل ہوگی۔ اس موقع پر تو "گرجے" اور "کلسے" کا سوال بھی نہیں تھا بلکہ لاٹ پادری نے اپنی فیاضی سے صرف "ہندوستانی گرجا گھروں" میں یہ اجازت دی تھی کہ سب کالے کالے برابر ہیں" اور انھیں باہم حق مساوات حاصل ہے۔ لیکن "اونچی ذات کے کالے" اس پر راضی نہیں ہوئے کہ "نیچی ذات کے کالے" گرجا میں انکے ساتھ بیٹھ کر خدا کی عبادت کریں۔ اونچی ذات والے کالوں کی یہ ذہنیت تمسیرے و حشتہ اور غرور و نخوت کا جسکا اثر ابھی تک انکے رگ و ریشہ میں موجود ہے اور اس حد تک موجود ہے کہ وہ نماز چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں مگر یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ غریب اچھوت انکے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بھی شریک عبادت ہو سکیں۔ جب اچھوتوں کی ذلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے ہم وطن کالوں کے ساتھ بیٹھ کر عبادت نہیں کر سکتے تو کیا گوروں تک انکی رسائی ممکن ہے؟ (دکن سرکار)

شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرتضیٰ آباد بیس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ ہٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُہُمْ ۔۔۔ (اور یہی بات ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے)

ایڈیٹر - عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجئے

مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۱۸ | لکھنؤ - ۴ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۱ - اکتوبر ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

مسجدیں، اور "جمعہ مسجدیں" آپ نے بہت سی دیکھی ہوں گی، بڑی بھی، خوبصورت بھی، شاندار بھی۔ ایک "جمعہ مسجد" حال میں دیکھنے میں آئی، ان سب سے بڑھکر عجیب و غریب، قابل دید۔ کہیں بہت دور نہیں، خاص لکھنؤ میں۔ لکھنؤ میں بھی کسی ویرانے اور گوشے میں نہیں، بلکہ ایک لحاظ سے، آباد ترین حصہ میں، مین جنکشن اسٹیشن پر! —— اسٹیشن کے باہر نہیں، احاطۂ اسٹیشن (یارڈ) کے اندر، مشرق کی سمت میں، پلیٹ فارموں سے چند گز کے فاصلہ پر، فیض آباد لائن اور پرتاب گڈھ لائن، اور سلطانپور لائن کی پٹریوں کے درمیان، ایک گھنا درخت ہے، جسکے سایہ میں کوئی بزرگ محو خواب ہیں، انکی تربت کے آگے ایک مربع میدان، وہی پٹریوں کے جال میں گھرا ہوا، پڑا ہے۔ بس وہیں جمعہ کے دن، دوپہر کو، ریلوے حکام کی اجازت سے، ریلوے ورکشاپ کے ملازمین، اور اسٹیشن والے جمع ہو جاتے ہیں، اور گھنٹہ سوا گھنٹہ، وضو اور اذان اور خطبہ اور قیام اور رکوع اور سجدہ میں گزار دیتے ہیں —— ایسی عجیب و غریب "جمعہ مسجد" جس کی نہ بنیاد کبھی پڑی، نہ دیوار کبھی بلند ہوئی، نہ چھت کبھی پٹی، نہ گنبد نہ مینار، نہ در، نہ محراب، کسی آنکھ نے کبھی دیکھی ہوگی، کسی کان نے کبھی سُنی ہوگی!

اسٹیشنوں کا مجمع، اور پھر لکھنؤ جیسے بڑے جنکشن کا مجمع! سننے سے زیادہ خود سوچنے سے کام لیجیے۔ گاڑیاں گھڑگھڑاتی ہوئی آتی ہیں، اور جاتی ہیں۔ انجن دھوئیں چھوڑتے ہوئے، گزرتے ہیں، اور گزرتے رہتے ہیں، غضب ہوتا ہے کہ پنجاب میل، کلکتہ سے پشاور جانے والا، اپنی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ، نمازیوں سے بالکل متصل، کتراتا ہوا نکلا چلا جاتا ہے۔ دنیا، دنیا کی پوری دلچسپیوں اور ہنگامہ سے بے پروا، مسافروں کی چپقلش سے دور، سودے والوں کی غل پکار سے الگ، قلیوں کے بوجھ سے علحدہ، اللہ کے بندے، دو چار سو کی تعداد میں ایسے بھی ہیں، کہ آٹھ دس صفوں میں جمے ہوئے، اپنے اللہ کی یاد میں لگے ہوئے، کھڑے ہیں اور بیٹھے ہیں، جھک رہے ہیں اور گر رہے ہیں —— منظر کیسا اثر ہی، سننے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے! ادھر اسٹیشن کی پُرشوکت، لاکھوں کی لاگت کی، اور بیسیوں برجیوں والی، لق و دق عمارت، ادھر حمید پور ریلوے اور صعتیں۔ ایک طرف یہ منیار م اور دردیاں، دوسری طرف کچھ گھٹنے ٹیکی ہوئی پیشانیاں۔ ادھر دربار یزید کا جاہ و جلال، ادھر کاشانۂ علیؓ کا فقر و فاقہ و مسکنت!

مسلمانوں کی قوم بھی، دنیا کی آبادی میں، شاید کچھ ایسا ہی موقف رکھتی ہے۔ دنیا میں افراط و طغیان کے طوفان آتے ہیں، اور گزر جاتے ہیں۔ تمدن کی موجیں بڑھ بڑھ کر تھپیڑے مارتی ہیں، اور پھر خود ہی گرکر فنا ہو جاتی ہیں۔ کوئی کسی خیمۂ آذری کا شکار۔ کسی کا دل کسی صنم خانہ میں اٹکا رہے، کسی کا قدم کسی میکدہ کی طرف لڑکھڑا رہے، مومن کا کام ہے نہ اس سارے زمانہ کی چڑھائی میں، اپنے جادۂ مستقیم پر استوار، توحید کا نشہ دور دور دوسروں کے لیے منارۂ ہدایت بنا رہے، اور سراپا رحمت۔

ایک واقعۂ خودکشی

جناب اشفعت اللہ ... سیلونی (ممالک متوسط) سے لکھتے ہیں:—

ایک مدت تک شخص مرض سرطان (کینسر) میں مبتلا رہے۔ بہترین شفاخانوں میں دوا، عمل جراحی، ہر قسم کا علاج ایک عرصہ تک کراتے رہے۔ بالآخر معالجوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ مرض اب لاعلاج ہے۔ مریض کی تکلیف جیسا کہ ہم اکثر دن کا چشمدید ہے، نہ صرف مریض کے لیے ناقابل برداشت تھی، بلکہ پڑوسیوں کے لیے بھی ایک دائمی عذاب بن گئی تھی۔ الغرض ایک سال تک کرب و بلا میں مبتلا رہ کر رشتۂ ضبط کو اپنے ہاتھ سے دیکر مریض نے خودکشی کرلی۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کا اقدام شرعی نقطۂ نظر سے حرام موت پر منتج ہوگا یا کیا؟

عام قاعدہ کے اعتبار سے تو خودکشی بہرحال حرام ہی ہے۔ البتہ آپ کے پیش کردہ مریض صاحب ممکن ہے شدت کرب سے ہوش و حواس میں نہ رہے ہوں۔ یہ اضطرار کی صورت فرض کرکے انھیں معذور ٹھہرانے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ باقی اصل فیصلہ ایسے معاملات میں تو عالم الغیب ہی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ جہاں ایک عامی سے دریافت فرمایا گیا ہے، وہاں علماء محققین سے بھی استفسار کرایا جائے۔

مسیحی تبلیغ کے اعداد

زمیندار کے ایک مراسلہ نگار نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری سے لیکر اعداد ذیل ہندوستان میں مسیحیوں اور مسیحیت سے متعلق شائع کیے ہیں:-

کل مسیحی	۶۲,۹۶,۷۶۳
کل م: شالی مسیحی	۵۹,۹۰,۲۳۴
کل تبلیغی مشن	۲۷۷
کل مبلغین	۶۲۱۳
مرد	۱۱۲۳
شادی شدہ عورتیں	۱۴۵۰
غیر بیاہی عورتیں	۳۶۳۴
بائبل کے تراجم	۳۰ زبانوں میں
تبلیغی اداروں کے مصارف ماہانہ	۶۰,۳۰,۰۰۰ (ساٹھ لاکھ ۳۰ ہزار)
سالانہ	۷,۲۳,۶۰,۰۰۰ (۷ کرور ۲۳ لاکھ ۶۰ ہزار)

اس ساز و سامان کے بعد، ایک نظر اپنے اس کی بے سروسامانی پر بھی کر جائیے اور اس کے بعد فارسی کا مشہور مصرعہ ببیں تفاوت رہ الخ بارہا آپ نے سنا اور پڑھا ہوگا۔ کیا ہرج ہے اگر ایک بار پھر اسی کو دہرا لیجیے!

عبداللہ گاندھی اور انکی والدہ

گاندھی جی کے صاحبزادہ، سابق ہیرالال، اور موجودہ عبداللہ، اس ہفتہ رات کے وقت شارع عام پر نشہ کی حالت میں پائے گئے (نشہ غالباً شراب کا تھا، یا دھوکے میں شاید مٹھائی کہا جائے گا، یہ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے) پولیس نے پکڑا، عدالت نے ایک روپیہ جرمانہ کیا۔ ایک ہندو اخباری ایجنسی نے واقعہ کو ملک کے طول و عرض میں مشتہر کردیا ——— گویا نہ کوئی مسلمان کبھی شراب پی کر نکلتا ہے، نہ کسی پر مقدمہ چلتا ہے ——— خیر، یہ خبر تو جیسی تھی، تھی ہی۔ اس پر عبداللہ صاحب کی والدہ ماجدہ نے اپنے صاحبزادہ کے نام ایک طویل مکتوب تحریر فرمادیا۔ جسکے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اسے شفقت نامہ کہا جائے، یا عتاب نامہ۔ بہرحال وہ کچھ بھی ہو، سوال صرف اسقدر ہے کہ اس پندنامہ کو براہ راست صاحبزادہ کے نام، ڈاک سے بھیج دینے کے بعد، آخر اخبارات میں کیوں شائع فرمادیا گیا؟ کیا خطوط اسی طرح روانہ کیے جاتے ہیں، کہ مکتوب الیہ کو پہونچیں، یا نہ پہونچیں، لیکن اس کی نظر سے گزرنے کے قبل، دنیا کی نظر سے ضرور گزر جائیں؟ ——— اس کی انتہا کا تقاضا اب تک تو یہ سنا تھا، کہ لڑکے کے ہر واقعی عیب کو بھی چھپا ڈالا جائے، نہ یہ کہ نصیحت اور فضیحت میں کوئی فرق ہی نہ باقی رہنے دیا جائے!

صاحب کی باخبری

"مشرق کے جاننے والے ایک مسافر، مسٹر ڈیسمنڈ ینگ ہیں، جو اخبار پانیر کی اڈیٹری کے عہدہ پر واپس جارہے ہیں۔ یہ اخبار اب کلکتہ سے شائع ہوتا ہے .... ڈیسمنڈ ینگ کی حالت کلکتہ میں بڑی دلچسپ ہے۔"

(سنڈے ٹائمس، لندن، ۱۳ ستمبر ۳۶ء)

یہ لندن کے ایک مشہور و معزز ہفتہ وار کے ایک طویل نوٹ کا اقتباس ہے۔ نوٹ، ینگ صاحب اڈیٹر پانیر کی شخصیت پر ہے، جو آجکل رخصت پر لندن گئے ہوئے تھے۔ پانیر ہندوستان کا کوئی گمنام و غیر معروف اخبار نہیں، ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ پہلے الہ آباد سے نکلتا تھا، اب کئی سال سے لکھنؤ سے نکل رہا ہے۔ اتنے مشہور روزنامہ کے متعلق، لندن کے باخبر اخبار نویس کا بیان ہے (اور بیان بھی مکرر، پھر ضمناً نہیں، وہ نوٹ تو مستقلاً اڈیٹر پانیر ہی کے تعارف پر ہے) کہ وہ لکھنؤ کے بجائے کلکتہ سے نکل رہا ہے! گویا چھ سو میل کا فاصلہ ہضم کر جانا، اور صوبہ متحدہ سے چھلانگ مارکر، بہار اور اڑیسہ کو پھاند کر، بنگال جا پہونچنا کوئی بات ہی نہیں! اس سے نصف درجہ کی غلطی بھی کسی ہندوستانی اخبار سے ہوگئی ہوتی، تو صاحب کے ہاں اس پر کتنے قہقہے بلند ہوتے، اور ہندوستانی صحافت کتنے دنوں تک ہدف مضحکہ بنی رہتی!

اپنوں کی دشمنی

جنگ عظیم پر لارڈ جارج ہارڈ کا مسلسل مضمون، ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) میں نکل رہا ہے۔ سلسلہ کی قسط ۲۲ پرچہ مورخہ ۱۱ ستمبر ۳۶ء میں لکھتے ہیں، کہ جب فلسطین میں انگریزی جنرل الن بی نے کمان ہاتھ میں لی ہے، تو اسوقت فریقین کی فوجی قوت کا تناسب حسب ذیل تھا:

	سوار	پیادے	توپ خانہ
انگریزی	۱۲,۰۰۰	۵۷,۰۰۰	۵۴۰
ترکی	۳,۰۰۰	۲۶,۰۰۰	۳۷۰

اس کا نتیجہ جو ہونا تھا، وہ تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ترکوں کو شکست حقیقۃً انگریزی فوج کی قوت اور عسکری غلبہ کی بنا پر نہیں ہوئی، بلکہ خود فاتح نے، ترکوں کے جرمن سردار جنرل لیمان سینڈرس کا جو بیان نقل کیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ بنا غیروں کی نہیں، اپنوں ہی کی عنایت کارفرمائی تھی! جنرل مذکور لکھتے ہیں:-

"چند ہفتوں کے اندر اپنی فوج میں غداری کے واقعات خوفناک

حد تک پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ آٹھویں سپاہ میں، ۱۵ اگست اور ۱۴ ستمبر کے درمیان انکی تعداد گیارہ تک جا پہونچی! یہ غدار سپاہی جب کبھی پکڑے گئے، تو ان کا عذر ہمیشہ یہی ہوتا کہ نہ کھانا پیٹ بھرنے کو مل رہا ہے، نہ پیر میں جوتے اور موزے ہیں، اور کپڑوں کی جگہ جسم پر چیتھڑے ہیں "

جو اپنا دشمن آپ بن جائے؟ دنیا میں کسی کی دوستی اسکو بچا سکتی ہے؟

...یہ حال مسلمان کا آج کہاں نہیں ہے؟ وہ چاہے میدان رزم ہو یا ایوان بزم۔

اردو کے ایک نامور افسانہ نویس

ایک زمانہ تھا کہ اردو میں ہندو شاعروں اور نثر نویسوں کی کمی نہ تھی۔ دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار، جوالا پرشاد برق، نوبت رائے نظر کی نظم ونثر کو مسلمان شاعروں اور افسانہ نگاروں کے مقابلہ میں رکھ دیجیے، مبصروں اور باریک بینوں کو بھی فرق نہ نظر آئیگا۔ اس دور کی ایک یادگار منشی پریم چند باقی تھے (یہ انکا اصلی نام نہیں، قلمی نام تھا) افسوس ہے کہ پچھلے ہفتہ میں وہ بھی ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ وہ اپنے رنگ میں افسانہ نگاری کے بادشاہ تھے۔ اور ہندوؤں میں تو خیر کیا، مسلمانوں میں بھی انکے رنگ میں، کوئی ان کی ٹکر کا نہ تھا۔ اردو میں انکے چھوٹے چھوٹے افسانوں کی تعداد تو پچاسوں سے اوپر ہوگی، مستقل کتابیں بھی متعدد اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ظرافت، تخئیل، حسنِ انشاء کے جملہ لوازم انکے ہاں موجود تھے، اور سب بڑھکر داد دینے کی چیز یہ کہ انھوں نے دکھلا دیا، کہ ناول نگاری، بازاری رسوائیوں اور شہدپن کے اچھالنے کا نام نہیں، بغیر ان گندہ جذبات کی آمیزش کے بھی، قصہ کو بیحد دلچسپ و موثر بنایا جا سکتا ہے۔ انکے اکثر افسانے، بوڑھے جوان، لڑکے، مرد، عورت، سب کے پڑھنے کے لایق، ہر قسم کی گندگی سے پاک۔ شرافت، خاکساری، فراخدلی، خاص جوہر تھے، نہ صرف انکے قلم کے، بلکہ انکے قلب کے بھی۔ ہندوستانی اکاڈمی کے جلسوں میں بارہا انکا ساتھ رہا، ہمیشہ انھیں ایک پیکر شرافت وسنجیدگی ہی پایا۔ نہ کسی معاملہ میں آگے بڑھنے کی خواہش، نہ ذوق نمود ونمایش، اور اس دور میں یہ اوصاف کوئی معمولی اوصاف ہیں؟ مدیر صدق نے ایک بار، انکے بعض افسانوں سے متاثر ہو کر، ان سے صاف صاف کہدیا، کہ آپ جب اسلام سے اتنا قریب آ گئے ہیں، تو مسلمان ہو کیوں نہیں جاتے؟ اسے انھوں نے بخندہ پیشانی سُنا، جواب میں صرف اتنا کہا، کہ ہندو اور مسلمان محض نام ہیں، اصل حقیقت تو ایک ہی ہے۔ خدا کرے اصل حقیقت، انکے دل میں بھی پوری طرح اتر گئی ہو۔ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے سرگرم اور مخلص حامی تھے۔ اپنی قوم تک کو اس دھن میں بعض دفعہ ناراض کر لیتے۔ بہرحال اردو زبان جب تک زندہ ہے، انکے افسانہ حیات کو بھی بھلانا آسان نہ ہوگا، اور آج تعزیت جتنی انکے عزیزوں سے کرنی ہے، اس سے بڑھکر اردو ادب سے کرنی چاہیے!

جامعہ عثمانیہ کی ایک کامیابی

دکن ٹائمس (مدراس) میں خبر شایع ہوئی ہے، کہ بنگلور میں، میسور یونیورسٹی اور بعض دوسری یونیورسٹیوں کے طلباء کا مقابلہ، انگریزی تقریر میں ہوا۔ ثالثین کی جماعت میں دو انگریز بھی تھے۔ بولنے والے کُل ۱۶ تھے۔ مقابلہ کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ثالثوں کے متفقہ فیصلہ سے اوّل انعام، عثمانیہ یونیورسٹی (دکن) کے ایک طالب العلم کو ملا۔ ثالثوں نے تعریف اس کی سب سے زائد کی۔ اور انکے علاوہ بھی، عثمانیہ ہی کے دو اور طلبہ کو بہت داد ملی —— یہ اس یونیورسٹی کے تعلیمی نتایج ہیں، جہاں آلۂ تعلیم، انگریزی نہیں، اردو ہے! کسی مزید تحشیہ کی ضرورت باقی ہے؟

اسقاطِ حمل کی بلا

" چند ہفتوں قبل سوویٹ روس کے اخبارات میں ایک مجوزہ قانون کا خلاصہ شایع ہوا ہے جس میں مرقوم ہے کہ اسقاط حمل، جو مشہور روسی انقلاب کے بعد سے حکومتی ہسپتالوں میں قانوناً جائز و روا رکھا گیا تھا اب قانوناً ممنوع ہے۔ صرف ایک صورت اسکے جواز کی ہوسکتی ہے۔ جبکہ حاملہ عورت کی زندگی معرض خطر میں ہو جائے۔ قانون ہذا کی رو سے حکومت کی امداد ان عورتوں کو دی جائیگی جنکے سات بچے ہوں .....

ان عورتوں کی مخالفت کے پیش نظر روسی اخبارات نے انکے عائد کردہ اعتراضات کا معقول جواب دیا۔ اخبارات میں گزشتہ سال کے اعداد وشمار پیش کیے گئے جن سے واضح ہو رہا تھا کہ اسقاط حمل کے قانونی جواز کی صورت میں اموات کی تعداد روز بروز ترقی پذیر تھی۔ علاوہ ازیں طبی اسناد کی اشاعت سے واضح کیا گیا کہ اسقاط حمل کی صورت میں آپریشن کے مابعد اثرات حد درجہ مضر صحت ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ کسی نہ کسی صورت میں عورت کی لمبی زندگی کے لیے باعث خطرہ بن جاتے ہیں

ان حالات وواقعات کے پیش نظر گزشتہ ۲۷ جون کو حکومت نے اعلان کیا کہ مسودۂ مذکور فوراً قانونی صورت اختیار کر لیگا اور اس میں حالات حاضرہ کی نازک حالی کے مدنظر کسی قسم کی ترمیم نہ کی جائیگی۔ مخالفت ومعاندت کا لحاظ کیے بغیر اسقاط حمل کی مخالفت عام پر سختی سے عمل کیا جانے لگا البتہ اسے جائز ایک صورت میں رکھا گیا جبکہ متعلقہ اشخاص موروثی و لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہوں"

بلا، اپنی اس وبائی شکل میں روس ہی سے نازل ہوئی تھی شکر ہے کہ اب روس کو بھی ہوش آ چلا۔ جرمنی اور اٹلی پہلے ہی لعنت بھیج چکے ہیں۔ دیکھیے، ہمارے ملک میں کب تک یہ بیداری پہونچتی ہے۔

بنیادِ تمدن

(از عبد الماجد)

فرنگستان کے موجودہ سیاسی مفکرین میں ایک ممتاز نام آکسفرڈ کے جوزف ٹوئینبی کا ہے۔ اجتماعی و تمدنی مباحث پر متعدد تصانیف کے مصنف ہیں۔ اور قوم و نسل کے علمی مسائل پر ایک ماہر خصوصی سمجھے جاتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس (ادیان و اخلاقیات کی دائرۃ المعارف) کی ضخیم و مستند مجلدات میں عنوان "نسل" (Race) پر مبسوط مقالہ انھیں کے قلم سے ہے۔ مقالہ کے اندر ہر صاحب فکر کے لیے بہت سی سبق آموزیاں موجود ہیں۔

وہ کہتے ہیں، کہ قرون وسطیٰ میں جب رومی یا لاطینی کلیسا نے مسیحیت کی منادی شروع کی، تو عالم انسانیت کو کُل دو حصوں میں تقسیم کیا۔ مسیحی و غیر مسیحی۔ مسیحی تو وہ جو فی الواقع اور فی الحال مسیحی ہیں، اور غیر مسیحیوں کی تعبیر اُس نے یوں کی، کہ بالفعل نہ سہی، بالقوۃ تو یہ بھی مسیحی ہیں۔ یعنی گو اس وقت منکر ہیں، لیکن صلاحیت تو بہرحال ان سب میں قبول مسیحیت کی موجود ہے، اور تبلیغ کے اثر سے انکا مسیحی ہو جانا دائرۂ امکان میں ہے۔ انکے اور مسیحیوں کے درمیان کوئی ابدی تفریق قائم نہیں، کوئی دائمی و لازوال حجاب نہیں۔ چنانچہ جو جو قومیں مسیحیت قبول کرتی گئیں، اپنے پیش رو مسیحیوں کے معاشرتی و اعتقادی زندگی اختیار کرتی گئیں، انکے اور قدیم مسیحیوں کے درمیان کوئی اور فرق کسی قسم کا قائم نہ ہوا۔

دن گزرتے ہوتے اصلاح کلیسا کا زمانہ آیا۔ قدیم کیتھولک مذہب، اور پاپائے روم کے خلاف بغاوت شروع ہوئی، اور مارٹن لوتھر کے اثر سے پروٹسٹنٹ مذہب پیدا ہوا۔ اب اہل یورپ کے فتوحات کا رقبہ وسیع ہوا، اور بحری ترقیوں کی بنا پر ایسی نئی نئی قوموں سے سابقہ پڑنا شروع ہوا، جو اپنی شکل و شمائل میں یورپ اور مغربی ایشیا کے باشندوں سے بالکل مختلف تھیں۔ انکی جلد کا رنگ، یورپ والوں کے رنگ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ انکے تمدن و معاشرت کے ناپنے کے لیے کوئی پیمانہ ہی یورپ میں نہ تھا۔ آب و ہوا انکے ملکوں کی یورپ کے ممالک سے بالکل مختلف تھی۔ یہ نیا تجربہ یورپ والوں کے لیے ایسا ہی تھا جیسا اہل یونان کو اول اول اہل مصر سے سابقہ پڑنے پر پیش آیا تھا۔ لیکن یورپ کے دماغ نے اس سے جو اثر قبول کیا، وہ اس سے بالکل مختلف رہا، جو اہل یونان کے دماغ نے اپنے زمانہ میں قبول کیا تھا۔

یونانیوں نے استدلال یوں کیا تھا، کہ باشندوں میں اگر اس قدر اختلاف ہے، تو خود ان ملکوں میں بھی تو اسی قدر اختلاف موجود ہے، اور اس لیے انسان کے ظواہر کا یہ سارا اختلاف نتیجہ ہے اختلاف احوال کا، ورنہ حقیقت انسانی ہر جگہ یکساں رہے۔ جوں جوں احوال میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں، اسی نسبت سے خواص بشری میں تغیر ہوتا رہتا ہے، اور شدید سے شدید اختلافات کے عقب میں بہرحال ایک وحدت کا وجود ہے۔ اہل یورپ پر اسکے برعکس اپنے نئے سابقہ والوں کی اجنبیت کا دھاکا ایسا بیٹھا، کہ اس کھلی ہوئی توجیہ، یعنی اختلاف احوال کی طرف انکا ذہن ہی نہ منتقل ہوا، نہ اس امر کی طرف کہ تمدن و معاشرت کے اختلاف کا ہر بڑے سے بڑا استقرار بھی بہرحال تدریج ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس ظواہر کے اختلافات سے وہ ایسا متحیر و مبہوت ہوئے کہ عوارض کو اصل قرار دے لیا، اور ظواہر کو حقیقت کی جگہ پر رکھدیا۔ انکے ذہن میں صورت استدلال یوں آئی، کہ یہ تو ممکن ہے، حبشی، مسیحی مذہب قبول کرلے، لباس اور معاشرت بھی یورپی اختیار کرلے، لیکن اپنے رنگ کو کیا کریگا، یہ تو بہرحال اسکے اختیار کی چیز نہیں۔ گورا، زندگی بھر گورا ہی رہے گا، اور کالا مدۃ العمر کالا۔

یہ اختلاف رنگ کی اہمیت یورپین دماغ پر اس درجہ مسلط ہوئی کہ اس کا مطلق کوئی حل اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور رنگ کو گویا مستقل نوعی اختلاف کی بنیاد قرار دیکر اُس نے انسانیت کی تقسیم مہذب و غیر مہذب دو حصوں میں کردی۔ اپنے نظریہ کے مطابق، دنیا کی آبادی مسیحی و غیر مسیحی میں تقسیم نہ رہی، بلکہ اب دو صنفیں، گوری قوموں اور کالی قوموں کی قرار پاگئیں جن میں سے ایک کے لیے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اپنے ارادہ سے، اپنے اختیار سے کام لے کر، دوسری میں داخل ہو سکے۔ اس تقسیم کے بعد، خود یورپ کی ذہنیت بھی غیر متاثر نہ رہی۔ اور جس طرح یونانیوں کے اس نظریہ کے بعد، کہ مصریوں کا مختلف تمدن، مختلف احوال کا نتیجہ ہے، خود یونانیوں میں قومی عصبیت ہلکی پڑگئی تھی اور اسکی جگہ نرمی، فراخ دلی، اور رواداری زیادہ پیدا ہوگئی تھی، اسی طرح یورپ کی ذہنیت پر، اس گوری اور کالی انسانیت کی ناقابل انفصال و ناقابل التیام تفریق کا اثر یہ پڑا، کہ اُس کی قومی اور نسلی عصبیت اور زیادہ گہری ہوگئی، اور غیر یورپی قوموں سے اختلاط کا امکان ہی جاتا رہا۔

یہاں تک مقالہ نگار کے مطالب اپنی زبان میں ادا کردیے گئے، آگے جو کچھ آرہا ہے، اس کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے، کہ عبارت بھی حتی الامکان مقالہ نگار کی قائم رہے۔ ترجمہ لفظی اب بھی نہ ہوگا، لیکن بہرحال ترجمہ ہوگا:۔

"مسیحی دنیا ایک زمانہ میں اپنے اندر جو اندرونی اتحاد، اور بیرونی قوت جاذبہ رکھتی تھی، اسکا صحیح اندازہ موجودہ اسلامی دنیا سے موجودہ اسلامی دنیا سے موازنہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ (اسلام، مسیحیت ہی کی ایک ادنیٰ درجہ کی نقل ہے، اور نشو و نما بھی جسکا بہت دیر میں ہوا) مغربی افریقہ ہو یا ہندوستان، مسیحی مبلغ سے بڑھ کر برابر عملی کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مبلغ، نومسلموں کو حقیقۃً اپنے ملت میں شامل کرلیتا ہے، معاشرت میں اُن سے برابری کا برتاؤ کرتا ہے، اور اپنی لڑکیوں کو انھیں بیاہ دیتا ہے۔ اس کے برعکس یورپی مبلغ، اسی تفریق رنگ کی بنا پر، "دیسی" مسیحیوں سے ویسا ہی اجنبی و بیگانہ رہتا ہے، جیسا کہ غیر مسیحی کا فردوں سے، اور اسکے لیے زیادہ سے زیادہ ایک "دیسی" کلیسا کا انتظام کر سکتا ہے، یورپی آبادی سے بالکل خارج:"

یہ آخری خط کشیدہ فقرے مہاتما جی نے ڈاکٹر امبدکار اور دوسرے اچھوتوں کی نظر سے بھی کبھی گزرے ہیں، جو اپنی پستی اور ذلت کا احساس کرکے ایک نئے دین کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہیں۔ یاد رہے، کہ ابتدائی غیر خط کشیدہ فقروں کی طرح، یہ عبارت ایک یورپی مسیحی کے قلم سے ہے، جسکا رشتہ اسلام کے ساتھ دوستی کا نہیں، دشمنی کا ہے۔

اب آگے جو کچھ ہے، وہ مسلمانوں کے خوش ہونے کے لیے نہیں، عبرت و

قرآن اور وطن

(از ڈاکٹر میاں تصدق حسین خالد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا)

.... قوم کی تعریف کیا ہے؟ اسکا جامع و مانع جواب آج تک مرتب نہیں ہو سکا۔ البتہ اسکا تصور پیش کرنے کے لیے ان عناصر ترکیبی سے بحث کی جاتی ہے جو کسی جماعت کی حیات اجتماعیہ میں مشترک ہوں۔ ان عناصر میں بالعموم تمدن، معاشرت، کلچر ایک طرف اور رنگ، نسل، زبان، ملک وغیرہ کے اشتراک کو دوسری طرف قومیت کا اساس سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن ان عناصر اور انکے اشتراک کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے۔ اسکے نزدیک اس وحدت تخیل اس اشتراک ذہنیت کا نام صرف ایک بات ہے یعنی ایمان۔ اور جو ذہنیت و تخیل اس وحدت کے خلاف ہے اسے وہ کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ بد قسمتی سے غیر مسلم طبقہ میں لفظ کافر کے لفظ سے بڑے کریہہ معنی لیے جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق نفرت و حقارت کے جذبات اپنے اندر مضمر رکھتا ہے حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ ہر وہ شخص جو اس خاص قسم کا تخیل اپنے دل میں رکھے جو قرآن نے قائم کیا ہے۔ مومن کہلائے گا۔ اور جو شخص اس تخیل سے جداگانہ تخیل رکھے وہ غیر مومن یعنی کافر کے نام سے منسوب ہوگا۔ لہذا قرآن کریم کے اصول کے مطابق دنیا میں دو ہی قومیں ہو سکتی ہیں۔ مومن اور کافر۔ چنانچہ ایسے دو انسان کا رنگ۔ نسل۔ زبان۔ ملک۔ معاشرت۔ ایک دوسرے سے الگ مختلف و متباین ہوں۔ اس وحدت تخیل کی بنا پر جسے ایمان کہا گیا ہے ایک ہی قوم کے فرد کہلائیں گے اور اس کے برعکس ایسے دو انسان جو دو دوسری قسم کا تخیل رکھتے ہوں اس قوم سے جداگانہ دوسری قوم سے متعلق ہونگے۔ خواہ انکا رنگ۔ زبان۔ ملک وغیرہ پہلے دو انسانوں سے مشترک ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں "قوم" کا لفظ ان ہی معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ قوم الظالمین سے مراد نوع انسانی کے تمام وہ افراد ہیں جن کی ذہنیت میں ظلم کا تخیل مشترک ہے۔ خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ کے رہنے والے ہوں۔ قوم الفاسقین میں وہ تمام فاسق شامل ہیں جو تخیل فسق میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں خواہ ایک افریقہ کا باشندہ ہو اور دوسرا قلب شام کا۔ (قوم نوح، قوم لوط وغیرہ سے بھی وہی لوگ مراد ہیں جو ان حضرت انبیاء کرام کے متعلق ایک مخصوص ذہنیت رکھنے میں مشترک تھے۔ سارے قرآن کریم میں دیکھیے کہیں دو مختلف تخیل رکھنے والے افراد کو ایک قوم کے افراد نہیں کہا گیا۔ وحدت تخیل کی بنا زبان۔ رنگ۔ نسل۔ ملک۔ معاشرت وغیرہ میں سے کسی کے اشتراک پر نہیں۔

موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمانان ہندوستان میں دو بڑی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک تو وہ جن کا مسلک یہ ہے کہ ہندوستان کو سیاسی آزادی کے حصول کے لیے جو ہندو اور مسلمان کا مشترکہ نصب العین ہے اور جس کے ساتھ بلا کسی شرائط و قیود کے قلبی اتحاد پیدا کر لینا چاہیے۔ سیاسی مسلک میں ان پر کلیۃً اعتماد ہو سکے۔ کسی قسم کے میثاق و وفاق کی ضرورت نہیں۔ حقوق کا تحفظ یا حصول سے انتفاع کا تناسب یہ سب مسائل بعد کے ہیں جو حصول مقصد پر خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس جماعت کو عام طور پر قوم پرست یا نیشنلسٹ کہا جاتا ہے۔

دوسری جماعت ایسی ہے جسکا مسلک یہ ہے کہ چونکہ ہمارے اور ہندوؤں کے عناصر تخیلی بالکل مختلف ہیں اس لیے ہم اور وہ محض ایک ملک میں بسنے کی بنا پر ایک قوم نہیں ہو سکتے جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے لہذا ہر چند کہ ہمارا اور انکا اشتراک عمل ضروری ہے لیکن ہمیں اس بات کا کامل اطمینان کر لینا چاہیے کہ حصول مقاصد کے بعد ہمارے حقوق اور عناصر تخیلی کا تحفظ ٹھیک ٹھیک ہوگا۔ اس اطمینان کے لیے کسی معاہدہ یا کسی میثاق کی از بس ضرورت ہے۔ اور وہ معاہدہ یا میثاق ایسے کھلے کھلے اور واضح الفاظ میں ہونا چاہیے کہ جس سے اس بات کی ضمانت ہو جائے کہ ہمارے وہ عناصر تخیل جن پر مستقل طور پر ہماری قوم کی عمارت کھڑی ہے۔ تا ابد محفوظ ہوں گے۔ لہذا وہ دلی بھروسہ اور قلبی اعتماد کے بجائے کہ جن پر اتحاد کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے ایک ایسا سمجھوتا چاہتے ہیں جو دلی اطمینان پیدا کر دے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ ہمارا غیر قوم سے ہمارا اتحاد نہیں بلکہ وفاق ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں ہی کے ہیں اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کا فیصلہ اس باب میں کیا ہے۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ اس قسم کے اتحاد کے لیے جو شرائط و قیود کی سطح سے بلند ہے باہمی قلبی تولی اور دوستداری کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے دوست کے لیے جس پر اعتماد کیا جا سکے جو وقت پر کارساز بن سکے قرآن کریم نے ولی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمٰت الی النور و الذین کفروا اولیاؤہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمٰت اولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون (۲۵۷)	اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ انکو وہ تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوستدار طاغوت ہیں اور وہ انھیں نور سے نکال کر ظلمات کی طرف لیجاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن کریم نے ذہن انسانی میں ولی کے متعلق جو ایقان پیدا کرنا چاہا ہے وہ سب سے مقدم یہی ہے کہ ہر اعتماد کے قابل صرف اسکی ذات ہے۔ اس ذات کے خلاف جتنا قدر مادی قوتیں ہیں وہ انھیں طاغوتی قوتیں قرار دیتا ہے۔ باقی رہا یہ عالم اسباب سو اس میں اعتماد اور بھروسہ کے قابل بھی اسکو سمجھا جائیگا جسکو ایسا سمجھنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بار بار اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ تمہارے ولی (دوست) صرف مسلمان ہو سکتے ہیں۔ یعنی اس قلبی اعتماد و توثیق کے لیے اس وحدت تخیل کا ہونا ضروری ہے جسے ایمان کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:—

"اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں"

عبداللہ گاندھی اور ہندو جرائد

عبداللہ گاندھی نے فرض کیجیے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا جو اخلاق کی نظر میں معیوب ہے تو کیا اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسکی تشہیر کی جائے۔ اخبارات میں مقالات پر مقالات لکھے جائیں اور اس جرم کے لیے اسلام کو مورد مطاعن بنایا جائے؟ عبداللہ گاندھی حال ہی میں مسلمان ہوا ہے۔ اسکو موقع دو کہ اسلام کو سمجھے اور اسکے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اسلام کو سمجھے بغیر عمل کا کوئی قدم بھی اٹھائے گا اس میں کبھی ہمواری نہ ہوگی بلکہ اسلام کے بغیر جو قدم بھی اٹھے گا اس میں لغزش ہوگی اور ہر وقت یہ اندیشہ رہیگا کہ کہیں قدم پھسل کر ہلاکت کے عمیق غار میں نہ جا پڑے اور منزل مقصود کو پہنچنے سے اسکا کام تمام ہو جائے۔

ہندو اخبارات کی ذہنیت ملاحظہ فرمائیے کہ مدراس کے واقعہ شراب نوشی کو کس قدر اچھالا گیا ہے! فرض کیجیے کہ یہ واقعہ درست ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ عبداللہ گاندھی نے دانستہ مے نوشی کا ارتکاب کیا ہے تو کیا ہندو اخبارات کا یہ بھی فرض ہے کہ اسکی تشہیر کر کے تمام مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سبیل نکالیں اور اس جرم کو جس کا ارتکاب وہ ہندو دھرم میں مدت العمر کرتا رہا اس طرح اچھالیں کہ گویا الغرض ہیرالال کو اسلام کی گود میں معصوم بچہ کی طرح دیا تھا مگر اسلام قبول کرتے ہی وہ شراب نوش بھی بن گیا، بد چلن بھی ہو گیا اور آوارگی میں تمام بازاری انسانوں پر سبقت لے گیا! اگر اس کی شراب نوشی ہندوؤں کے نزدیک ایسی ہی قابل نفرت ہے جسکا اب اظہار کیا جا رہا ہے تو اسلام قبول کرنے سے پہلے کی تاریک زندگی پر کیوں ہندو اخبارات نے روشنی نہیں ڈالی اور کیوں اسکے جرائم کو چھپانے کی کوشش کرتے رہے؟ کیا اخلاص اور ہمدردی کے جذبات صرف اُسی وقت کے لیے تھے؟ اور کیا ہندو سوسائٹی کا اخلاقی معیار اسی وقت بلند ہونے کے لیے رہ گیا تھا؟ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم عبداللہ گاندھی کی شراب نوشی کو ہلکا کر کے دکھائیں کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ بہت بڑا گناہ، سنگین جرم اور اسلامی تہذیب کے لیے سخت مہلک ہے جس کی اجازت نہ کسی مسلم فقیر کو دی جا سکتی ہے اور نہ ہفت اقلیم کے کسی بادشاہ اور امیر الامراء کو۔ فرض کیجیے اگر عبداللہ گاندھی نے اس جرم کا ارتکاب کیا تو وہ یقیناً اسلام کی نظر میں گناہگار ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اسکی روح پر ابھی اسلام کا رنگ نہیں چڑھا اور اسلام کی اخلاقی قوت سے اسکا ضمیر نا آشنا رہا۔

ہندو اخبارات کی زہر پاشیوں کے ساتھ ہماری نظر عبداللہ گاندھی کے ایک بیان پر پڑی جس میں موصوف نے واقعہ مدراس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انکے بعض ہندو دوستوں نے دھوکا دیکر نشہ آور مٹھائی کھلا دی۔ جسکے بعد کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ میری حالت کیا ہوئی اور مجھ پر کیا گزری۔ ہمارے خیال میں مسٹر عبداللہ گاندھی کا یہ عذر قابل پذیرائی ہو سکتا ہے کیونکہ آجکل ہندو صاحبان انکو بدنام کرنے کا بیڑہ اٹھا چکے ہیں اور ممکن ہے کہ اس دھوکہ دہی میں کسی دوست کا یہی جذبہ کارفرما ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

معاصر ہندوستان ٹائمز میں محترمہ کستوری بائی گاندھی (والدہ محترمہ عبداللہ گاندھی) کا ایک مکتوب مفتوح شائع ہوا ہے جو محترمہ نے اپنے فرزند کے نام لکھا ہے۔ ہمیں اس مکتوب کی سپرٹ اور گہرے جذبات سے پوری ہمدردی ہے اور بلا شبہ چند باتوں کا ذکر مکتوب اس قابل ہے کہ ہندو مسلمان اور خود عبداللہ گاندھی اسکو غور سے پڑھیں اور مذہب کے تبادلہ کو شناخت کر کے اپنے حسن عمل اور نیک روا داری کا ثبوت تیار کریں۔ لیکن ایک چیز اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ یہ کہ ہیرالال گاندھی اگر ایسے ہی تھے جیسا کہ مکتوب میں ظاہر کیا گیا ہے تو محترمہ کستوری بائی کو ساری عمر کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت کہاں پیش آئی؟ ہیرالال گاندھی اگر برے ہیں تو انکی برائیاں پرانی اور قدیم ہیں مگر ہم نے کبھی محترمہ کا کوئی مکتوب ان کے نام اخبارات میں نہیں دیکھا۔ آخر اسلام قبول کرنے کے بعد اور اس محبت و ہمدردی کو اس قدر جوش کیوں آیا کہ وہ ایک مکتوب مفتوح کی شکل میں وقف عام ہو گیا؟ (زا گیہ)

سینما کے احسانات

شیخ افتخار رسول صاحب بی اے (آنرز) حال ہی میں آپ نے ہندوستانی فلموں کے نقائص پر ایک مضمون لکھا ہے۔ جس میں آپ نے ہندوستانی فلموں کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستانی فلمیں صرف حسن و عشق کی قیاسی تصویریں ہیں۔ نہ ان میں حسن ہوتا ہے نہ کوئی مفید پہلو اور نہ اخلاقی سبق۔ ہندوستانی فلموں میں حسن و عشق کا جس طرح مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ ہماری فطری حیا داری کے لیے سم قاتل ہے۔"

اسی مضمون میں دوسری جگہ آپ لکھتے ہیں کہ "ذرا غور فرمائیے بچوں کے دماغوں پر عشق و محبت کے افسانوں کو دیکھ کر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ اور ان تلخ حقیقتوں کو قبل از وقت پا لینے سے ان کے ناپختہ جذبات اور بچے دماغ کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اس پر طرہ یہ کہ لفظ محبت کے غلط استعمال نے صرف بچوں ہی کو نہیں بلکہ جوانوں کو بھی بدترین قسم کی حیوانیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔" آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ "اگر بازاری لوگ یوں ہی من مانی تصویریں دوسرے لوگوں کے اخلاق بگاڑنے کے لیے آزاد رہے تو ہندوستان کے متوسط الحال لوگوں کے اخلاق و کردار پر جو ہندوستانی قومیت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں بہت برا اثر پڑیگا۔ مردوں کے ساتھ اُن کی عورتیں اور انکے بچے بھی سینما دیکھتے ہیں اور بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اول تو عورتوں اور بچوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ وہ ہر منظر سے بہت جلد اثر قبول کرتے ہیں۔ دوسرے جو منظر شوق سے دیکھا جائے یا جس بات کو ذوق و شوق سے سنا جائے اُس کا اثر دماغ میں دیر تک رہتا ہے۔"

شیخ صاحب اس خرابی کو دور کرنے کے لیے تجویز کرتے ہیں کہ تعلیمی فلموں کے حقوق صرف اس صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں کہ عاشقانہ فلم صرف عمر رسیدہ آدمیوں کے لیے مخصوص کر دیے جائیں۔ بچوں اور نو عمر نوجوانوں کو وہاں جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ محکمہ تعلیم کے ماتحت ایک مرکزی ایجوکیشنل فلم سوسائٹی قائم کی جائے۔ جو اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم کے علاوہ فلم کمپنیوں

کو تعلیمی، تاریخی، جغرافی، صنعتی، اقتصادی، اور معاشرتی فلمیں بنانے پر مجبور کرے۔

شیخ صاحب کا بیان ہے کہ جذباتی فلم سوسائٹی کے نونہالوں کو تعلیم دیتے ہیں - جس کا اندازہ جاپان کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ سال میٹروپولیٹن پولیس بورڈ نے مختلف جرائم کے تحت میں ۷۵۹۲ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو گرفتار کیا - جن میں ۲۵۵۸ پر چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے کا الزام عائد تھا - عمر کے اعتبار سے اس تعداد کی تقسیم حسب ذیل ہے:-

عمر	لڑکے	لڑکیاں
۱۲ برس سے کم	۲۳۸	۵۸
۱۸ برس سے کم	۲۱۴۵	۲۰۸
۲۰ برس سے کم	۱۶۴۷	۱۳۵
کل	۴۱۳۰	۴۲۸

چوری کے بعد خیانت کرنے والوں کی تعداد، اور اسی طرح علی الترتیب ٹھگنے والوں، فریب دینے والوں اور جوا کھیلنے والوں کی تعداد ہے - ۲۰ لڑکیاں خیانت کی مجرم اور ۹ لڑکیاں جوا کھیلنے کی مجرم تھیں۔ اٹھارہ لڑکوں اور پانچ لڑکیوں نے آگ لگائی تھی - جب ان جرائم کے ارتکاب کا سبب پوچھا گیا تو ۱۰۰۲ نوجوانوں نے یہ جواب دیا کہ انھوں نے جذبات سے متاثر ہو کر ایسا کیا - ۵۰۰ نے اس لیے چوری کی کہ انھیں چیزوں کی ضرورت تھی - تقریباً ۵۰۰ لڑکوں کا جواب یہ تھا کہ انکو سینما دیکھنے کے لیے رقم کی ضرورت تھی - تقریباً ۵۰۰ کا مقصد یہ تھا کہ ہوٹلوں میں جا کر کھائیں پئیں اور مزے اڑائیں مجرم لڑکیوں میں سے ۳۰ لڑکیاں بے باپ کی اور ۸۰ لڑکیاں بے ماں کی تھیں تقریباً ۳ ہزار نوجوان مجرم تجارتی کارخانوں یا دکانوں میں اسسٹنٹ یا منیجر تھے اور ۳۰۵ طلبا یا طالبات تھے - (مدینہ)

ندوۃ العلما پر سیلاب کا اثر

[عنوان بالا سے ذیل کی اپیل، حکیم ڈاکٹر عبد العلی صاحب (ناظم ندوہ) مولانا سید سلیمان صاحب (معتمد تعلیم) منشی احتشام علی صاحب (معتمد مال) شفاء الملک حکیم عبد الحکیم صاحب (رکن انتظامی) شمس العلماء نواب علی حسن خاں صاحب (رکن انتظامی)، اور دوسرے معزز ارکان انتظامی کے دستخطوں سے وصول ہوئی ہے، اور ندوہ کے تمام ہوا خواہوں کے لیے قابل توجہ ہے - صدق]

عرصہ ہوا رانی قمر زمانی بیگم مرحومہ نے ایک بڑی جائداد ندوۃ العلما کے لیے وقف کر دی تھی - پانچ برس تک اسکا مقدمہ چلتا رہا اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اس میں کامیابی ہوئی مگر ابھی تک پوری جائداد پر قبضہ نہیں ملا ہے - صرف سات مواضعات پر قبضہ ہوا ہے - پوری جائداد پر قبضہ ہونے میں تعویق ہو رہی ہے - مقدمہ کے دوران میں اخراجات بہت کرنے پڑے اسکی وجہ سے پانچ سال کے دوران میں اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تنخواہیں وقت پر ادا نہ کی جا سکیں اور رفتہ رفتہ چار چار ماہ کی تنخواہیں چڑھ گئیں - جنکے مطالبات ادا کرنے تھے انکا بھی قرض بڑھ گیا - پار سال سات گاؤں پر قبضہ ملا تو بعض مدوں کا روپیہ ادا کیا گیا اور کم تنخواہ کے ملازمین کی تنخواہیں بیباق کی گئیں - توقع تھی کہ امسال دیگر ملازمین کی تنخواہوں کا بھی ایک اور حصہ بیباق کر دیا جائیگا مگر حالات ایسے پیش آئے کہ بجائے بقایا ادا کیا جاتا موجودہ تنخواہیں ادا کرنا بھی دشوار ہو گیا ہے - ملازمین اب اتنے قرضدار ہو چکے ہیں کہ اگر گزشتہ تنخواہیں بیباق نہ کی گئیں تو کم از کم موجودہ تنخواہیں ماہ بماہ دینا ضروری ہے ورنہ وہ کسی طرح گزر نہیں کر سکتے -

جو غیر معمولی حالات پیش آ گئے ہیں وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں - سیلاب سے امسال صوبجات متحدہ کو جو نقصان پہونچا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں - ندوۃ العلما کے باغات اور عمارتیں گومتی کے کنارے واقع ہیں اور ندوۃ العلما کے مواضعات ضلع بہرائچ میں واقع ہیں - ڈپٹی کمشنر بہرائچ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع بہرائچ میں بارش کی شدت سے فصلیں بالکل تباہ ہو چکی ہیں اور اس فصل میں اتنا وصول ہونا بھی مشکل ہے جس سے اخراجات دیہی اور مالگزاری ادا ہو سکے - عام نقصان کے علاوہ خاص نقصان یہ پہونچا ہے کہ ندوۃ العلما کا ایک بڑا گاؤں گھاگھرا کے سیلاب میں بہ گیا ہے یہ نقصان ناقابل تلافی ہے - مواضعات کے علاوہ خود ندوہ کی تمام عمارتوں کو بارش سے نقصان پہونچا ہے اور بڑی مرمت کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے - پاخانے اور غسلخانے سیلاب میں ڈوب کر گر گئے ہیں - باورچی خانہ اور دار الطعام کے اندر بھی سیلاب پہونچ گیا تھا - انکا فرش جا بجا دھنس گیا ہے اور دیواریں گر گئی ہیں - باغ بھی آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ تھا - اسکا یہ حال ہے کہ پپیتے کا باغ جو غرق ہو گیا تھا اس میں ایک درخت بھی باقی نہیں رہ گیا ہے - امرود کا باغ بھی ڈوب گیا تھا صرف ٹہنیاں کھلی ہوئی تھیں - سنترہ کے باغ میں بھی پانی آ گیا تھا اور بہت سے درخت ضائع ہو گئے ہیں - ان باغوں کی فصلیں بھی نہیں فروخت ہو سکتیں - حالات یہ تھے کہ گورنمنٹ نے اپنی ماہوار امداد میں بھی تخفیف کر دی ہے - امسال کے بجٹ میں آمد و خرچ بمشکل برابر ہوا تھا، ریزرو فنڈ بھی موجود نہیں ہے بلکہ اسکے بجائے قرض ہے جو کچھ ریزرو فنڈ ہے وہ آپ حضرات کی ہمت اور توفیق خداوندی ہے - اگر آپ حضرات نے ہمت فرمائی تو اللہ تعالی کی توفیق اور مدد شامل حال ہو گی اور ہر مشکل آسان ہو جائے گی - ورنہ اس کام کو جاری رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے - سیلاب سے جو نقصانات ہو چکے ہیں اور مقدمہ کی وجہ سے جو زیر باری ہو چکی ہے اس کے لیے دس ہزار روپیہ کی فوری ضرورت ہے - بزرگان قوم اگر توجہ فرمائیں تو یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے -

براہ کرم خود بھی امداد فرمائیں اور اپنے احباب سے بھی امداد دلائیں - اور بارگاہ خداوندی سے اجر حاصل فرمائیں -

خط و کتابت

مسلم یونیورسٹی کی ایک گریجویٹ خاتون

(از خان بہادر مولوی سید عبدالباقی صاحب ایم اے سابق محاسب یونیورسٹی)

شروع ۱۹۲۴ء میں اطلاع پہونچی کہ ایک مسلمان لیڈی بی اے کے امتحان میں پرائیوٹ طور پر شریک ہوگی۔ خبر کی صحت اُسوقت ہوئی جب انکی فیس امتحان بذریعہ منی آرڈر رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کے پاس پہونچی یہ بھی معلوم ہوا کہ لیڈی صاحبہ پردہ کی سخت پابند ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ چند ہفتہ امتحان سے قبل آنا چاہتی ہیں تاکہ خانگی دھندوں سے علٰحدہ رہکر تیاری امتحان میں اپنا وقت صرف کریں۔ رجسٹرار اور دیگر کارکنان یونیورسٹی ایک گونہ پریشان تھے کہ انکے قیام کا کہاں بندوبست کریں۔ گرلس کالج یا بورڈنگ ہوس میں قیام کے واسطے راضی نہ ہوئیں۔

مجھے جب اطلاع ملی تو میں نے اپنی اہلیہ سے تذکرہ کیا وہ اور میری تینوں لڑکیاں راضی ہوگئیں کہ ہم اپنا ایک مکان خالی کردیں گے وہ اطمینان سے قیام پذیر ہوکر امتحان کی تیاری کریں۔ جب خاتون ممدوحہ کو اطلاع دی گئی تو وہ بھی اس انتظام سے بہت خوش ہوئیں۔ چنانچہ وقت مقررہ پر وہ حیدرآباد سے تشریف لائیں۔ انکے ہمراہ انکے شوہر اور تین بچے تھے۔ جن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ بڑی لڑکی کی عمر ساڑھے چار برس کی تھی۔ اس سے چھوٹی تین برس کی تھی۔ لڑکے کی عمر غالباً دو برس کی ہوگی۔ بچوں کی خدمت کے واسطے حیدرآباد کی رہنے والی ایک ملازمہ بھی ساتھ تھیں اور شاید دو نفر ملازم ہمراہ تھے۔

.....

بچوں کو ماں باپ سے اور خصوصاً اپنی والدہ سے حددرجہ کا اُنس تھا۔ ایک منٹ کو بھی علٰحدگی گوارا نہ تھی۔ بچوں کے والد بہت چاہتے تھے کہ بچے ماں سے علٰحدہ رہکر انکے پاس رہیں مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر بھاگ کر ماں کے پاس چلے جاتے تھے اور پڑھنے میں حارج ہوتے تھے۔ چندروز یہ کیفیت دیکھ کر میری لڑکیوں نے مشورہ دیا کہ آیا بچوں کو لیکر میرے مکان میں آجایا کریں۔ یہاں میری پوتی اختر فاطمہ سلمہا اُسوقت میں ۷ برس کی تھی۔ انکے ساتھ کھیلنے میں مشغول رہیں۔ چنانچہ پانچ چھ روز میں انکی وحشت دور ہوگئی اور آیا کی نگرانی میں بچے زیادہ دیر تک میرے مکان میں رہنے لگے۔

لیڈی صاحبہ کو فراغت سے تیاری امتحان کا مل گیا۔ آخرکار امتحان کی تاریخ آ پہونچی۔ گرلس کالج میں امتحان میں نشست کا انتظام تھا۔ دس بجے سے امتحان شروع ہونے والا تھا۔ ایک بند گاڑی میں لیڈی صاحبہ تشریف لے گئیں۔ انکے ہمراہ سب بچے تھے۔ ایک دوسری گاڑی میں انکے شوہر صاحب اور آیا گئی تھیں۔ جب خاتون صاحبہ امتحان کے کمرے میں تشریف لے گئیں تو بچوں نے رونا دھونا شروع کیا طرح طرح کے پھل اور کھلونے ساتھ تھے مگر بچے ماں کو یاد کرکر روتے چلاتے تھے۔ آخر بڑی مشکل سے ایک بجے کے قریب لیڈی صاحبہ امتحان کے کمرے سے برآمد ہوئیں اور بچوں نے رونا دھونا موقوف کیا۔ بچوں کے ہمراہ قیام گاہ پر واپس آئیں۔

دوسرے روز سے میری اہلیہ نے یہ بندوبست کیا کہ ایک ..... گاڑی میں بچوں اور آیاؤں کو اپنی لڑکیوں اور پوتی کے ہمراہ قلعہ کی طرف سیر کرنے بھیجا اور گاڑی قریب ایک بجے کے واپس آتی اس وقت تک بچوں کی والدہ بھی امتحان سے فارغ ہوکر واپس آجاتی تھیں۔ یہ انتظام اُسوقت تک جاری رہا جب تک امتحان ختم نہ ہوگیا۔ بعد ختم امتحان حیدرآباد بچوں اور شوہر اور ملازمین کے واپس تشریف لے گئیں۔ جب نتیجہ امتحان بی اے کا شایع ہوا تو لیڈی صاحبہ سکنڈ ڈویزن میں پاس تھیں۔

انکے شوہر صاحب سے دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ لیڈی صاحبہ نے ایف اے حیدرآباد سے نہایت نیکنامی کے ساتھ پاس کیا تھا۔ عقد سے قبل انکے والد صاحب نے انکی تعلیم کی طرف بے حد توجہ کی تھی۔ ایک ایرانی سے حیدرآباد میں فارسی پڑھی تھی شعروشاعری کی بھی مشق تھی اور فارسی میں مثل اہل ایران کے گفتگو کرسکتی تھیں اور حیدرآباد کے بعض اخبارات میں انکے مضامین بھی وقتاً فوقتاً نکلتے رہتے تھے ......

شادی کے بعد بچوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے بڑھکر لطف یہ رہا کہ ادھر بی اے کا نتیجہ پہونچا جس میں وہ کامیاب تھیں اُدھر انکے ایک اور بچہ پیدا ہوا۔ علم کی پیاس اب بھی نہ بجھی۔ اسی دوران میں ایم اے کے امتحان کی تیاری کرتی رہیں اور ۱۹۲۸ء میں مسلم یونیورسٹی کے امتحان میں شامل ہوئیں اور فارسی میں سکنڈ ڈویزن میں ایم اے پاس کیا۔ اس مرتبہ امتحان کے قریب زمانہ میں تشریف لائی تھیں اور گریجویٹ ہونے پر جو بچہ پیدا ہوا تھا اُسکو ہمراہ لائی تھیں جس کی عمر تقریباً چار برس کی تھی .....

شوق صادق ہونا چاہیے۔ پردہ میں رہکر بھی اچھی طرح تعلیم ہوسکتی ہے۔

(کانفرنس گزٹ)

(بقیہ صفحہ ۷)

"نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اُن لوگوں پر اللہ ضرور رحمت کرے گا۔ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

(۹ : ۷۱)

دوسری جگہ ہے

"تمہارے دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایماندار لوگ ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اُن میں خشوع ہوتا ہے۔"

(۵ : ۵۵)

(باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق۔ مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ جانا تو یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔
ٹیلیفون نمبر ۲۹۱

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر کیجئے
مہتمم صدق لکھنؤ

[illegible]

نمبر ۲۰ | لکھنؤ۔ ۲۵۔ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱۔ نومبر ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

محمد علیؒ، خلافت و ترکِ موالات کے دورِ شباب والے محمد علیؒ، آپ کہتے ہیں، کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے اور محبوب لیڈر تھے۔ بہتر ہے۔ اب فرض کیجیے، کہ گورنمنٹ نے، لارڈ ریڈنگ نے، جس نے انھیں جیل بھیجوایا، کال کوٹھڑی میں بند کرایا، کہیں یہ اشتہار دیدیا ہوتا، کہ جو کوئی محمد علی کو قتل کر ڈالیگا، سر کاٹ کرلے آئیگا، اُسے دس ہزار نقد انعام ملیگا، یا ایک سلیم گاؤں نہ طو، جاگیر مل جائیگا، تو اپنے دل کو ٹٹول کر، اور اپنے گرد و پیش کا خوب جائزہ لیکر فرمائیے، کہ کتنے ہم میں ایسے ہیں، جو اس لالچ میں نہ آجاتے؟ یہ منظر دکھیے، نہ بھسل پڑتے؟ ہندو اور عیسائی، پارسی اور سکھ نہیں، خاص الخاص مسلمان! ایک دو، دس بیس نہیں، سیکڑوں اور سیکڑوں ہی مسلمان ہی ایسے نکل آتے، جو ذوق و شوق سے آگے بڑھ کر انعام حاصل کرتے! —— محمد علی کا نام محض بطور مثال لے دیا گیا، آپ جس قومی لیڈر، جس عالمِ دین، جس شیخِ طریقت کا نام جی چاہے، اسکے بجائے رکھ دیکھیے —— جس قوم کی زندگی یہ ہو، کوئی حق ہے اُسے زندہ رہنے کا، سنبھلنے کا، پنپنے کا؟

آج اگر گورنمنٹ یہ اعلان کردے، کہ سرکاری عہدے اور مرتبے اور منصب اور خطابات صرف انھیں لوگوں کو ملیں گے، جو اپنی اپنی بیویوں اپنی اپنی بہنوں، اپنی اپنی بیٹیوں، کو سربازار بے نقاب و بے حجاب لائیں گے، غیر مردوں کے ساتھ انھیں رقص کرنے دیں گے، بیحیائی کے کلبوں کا انھیں ممبر بنائیں گے۔ تو ایک بار پھر دل تھام کر، ارشاد ہو، کہ ہم میں سے کتنے اس امتحان میں ثابت قدم رہیں گے؟ کتنے اس آزمائش میں پورے اُتریں گے؟ "رذیلوں" اور "کمینوں" کا ذکر نہیں، بڑے بڑے اونچی ناک والے شریفوں میں، بڑے بڑے عالی نسب شیوخ اور سادات میں، کتنے ایسے نکلیں گے، جو ڈپٹی کلکٹری کے مقابلہ میں، اکسائز انسپکٹری کے مقابلہ میں، خان بہادری کے مقابلہ میں، ڈسٹرکٹ ججی کے مقابلہ میں، خان بہادری کے مقابلہ میں، آنریری مجسٹریٹی کے مقابلہ میں، اپنی ماؤں اور بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کی عزت و ناموس کا خیال رکھیں گے؟ سوال اگر دس بیس کا، خال خال کا ہوتا، تو رونا کاہے کا تھا؟ پھسل پڑنے والے تو سیکڑوں اور ہزاروں ہی نہیں، ہزارہا ہزار ہوں گے؟ اور پھر اسکے بعد زبانوں پر شکوہ یہ رہے گا، کہ ہم پر نکبت ہے، ادبار ہے، ہم فلاکت زدہ ہیں، ہم مظلوم ہیں!

یہ مظالم ہم پر کسی بیرونی دشمن کی طرف سے ہو رہے ہیں؟ یہ کون ہیں! ہمارے پیچھے ڈال رہا ہے؟ یہ جبر ہم پر کون کر رہا ہے؟ انگریز، ہندو، کوئی بھی غیر! یا ہم خود ہی؟ —— جب خود ذاتی سے ہمیں اس درجہ نفرت ہو جائے، جب مسلمان کہلا کر، اسلام کے اعمال سے، اسلام کے تخیل سے اس درجہ بُعد، اس درجہ بیگانگی ہو جائے، تو کوئی حق ہمیں شکوہ و شکایت کا، نالہ و فریاد کا، باقی رہ جاتا ہے؟

عمل کا اپنے یہ حال ہے جب تو ذکر عصیان غیر کیسا
عدو کی قسمت گڑ بھی جانے، تو اپنی قسمت ہی کیا بنے گی!

کام کی رفتار

پندرہ پاروں تک حواشی کا مسودۂ اول کے بعد، تفسیر کا کام رک گیا، اور اب محض ترجمہ ہو رہا ہے۔ قدرۃً یہ کام ہلکا ہے، اور نسبۃً کم وقت لے رہا ہے۔ چنانچہ ان سطور کی تحریر کے وقت تک اٹھارویں پارہ کا ترجمہ ختم ہو چکا ہے —— قلم برداشتہ مسودۂ اول کی قید یہاں بھی لگی ہوئی ہے —— رفتار اس سے بھی تیز رکھنی ممکن تھی۔ لیکن مطالعہ و تلاش کا وقت جو کچھ بھی ملتا ہے اسی زمانہ میں نکالنا پڑتا ہے ورنہ جب تفسیری حواشی کا کام شروع ہو جاتا ہے، تو سارا وقت لکھنے کی مشغولیت میں گھر جاتا ہے، اور پڑھنے کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی — بغیر کسی رفیق کار کی اعانت کے، یہ صورت حال ناگزیر بھی ہے، اور لاعلاج بھی۔

کتابیں بھی، پچھلے چند ماہ میں برابر آتی رہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (دائرۃ المعارف ادیان و اخلاقیات) ۱۳ مجلدات تک نہایت مبسوط، مفصل و کارآمد کتاب ہے۔ فی جلد ضخامت تقریباً نوسو صفحے، اور قیمت فی جلد تقریباً ۲۶ روپیہ۔ چار مجلدات اس کے عرصہ ہوا آگئے تھے، سات مجلدات اس طرف موصول ہوئے۔ آخر کی دو جلدیں ابھی باقی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید اڈیشن کے ۲۴ مجلدات موصول ہوئے عرصہ ہو گیا۔ انکی قیمت (۴۸۰ روپیہ) کی قسط وار ادائی کا سلسلہ جاری تھا، ان شاء اللہ اسی ماہ نومبر میں آخری قسط ادا کر دی جائے گی۔ لین کا مبسوط عربی انگریزی لغت (مدالقاموس) آٹھ ضخیم و عریض مجلدات ہیں، اسوقت گویا ناپید تھا بڑی تلاش کے بعد اب پتہ چلا ہے، اور آرڈر دیا بھی جا چکا ہے، ۱۶ پونڈ قیمت ٹھہری ہے (پونڈ کی موجودہ شرح تقریباً ۱۳½ روپیہ فی پونڈ ہے) اُمید ہے دو ہی ایک ہفتوں میں پارسل آجائے۔ اور بھی بہت سی کتابیں آنے کو ہیں۔ جس خدائے قادر و توانا نے اب تک انتظام رکھا ہے، وہی آیندہ بھی کوئی صورت نکالتا رہے گا۔

موجودہ رفتار قائم رہی، تو امید ہے کہ وسط دسمبر تک بیسویں پارہ کا ترجمہ ختم ہو جائے، اور پھر ان شاء اللہ مارچ تک سارے قرآن مجید کا۔ اسکے بعد آخر کے پندرہ پاروں کے تحشیہ کا کام شروع ہوگا، اور وہی بہت وقت لے گا۔ اللہ پاک اس مشکل کو بھی آسان کرے۔

دماغی مرعوبیت

"مادیات کی طرح معنویات و روحانیات بھی ایک خاص نظام پر قائم ہیں .... یہی نظام و ضابطہ جس پر کائنات کی تمام مادیات و معنویات قائم ہیں، قرآن مجید کی اصطلاح میں سنۃ اللہ ہے، اور قرآن نے صاف فرما دیا ہے کہ سنۃ اللہ میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا..... قرآن کریم کی جملہ تعلیمات اپنے نشا میں قوانین فطرت یعنی سنۃ اللہ کے ہم آہنگ ہیں، اگر وہ ایسی نہ ہوں تو پھر تعلیمات الٰہی بھی قرار نہیں پا سکتیں"

خوشی کی بات ہے کہ تجدد و اصلاح کے بعض علمبردار اب سب و شتم کا طریقہ چھوڑ کر سنجیدگی کی طرف آنے لگے ہیں۔ اور اگر اس پر قائم رہ گئے، تو کشفِ حقیقت ہو جانا کچھ بھی دشوار نہیں۔ دعوے اقتباس بالا میں حسب ذیل کیے گئے ہیں:-

(۱) مادی کائنات، معنویات و روحانیت کی طرح، ایک نظام و ضابطہ پر قائم ہے۔

(۲) اس نظام کا نام سنۃ اللہ ہے۔

(۳) اور سنۃ اللہ میں حسب تصریح قرآن، تبدیلی ہو نہیں سکتی۔

(۴) اس لیے قرآن کی تعلیمات کو بھی اسی سنۃ اللہ کے معیار پر جانچ پرکھ کر قبول کرنا چاہیے۔

اب استدلال قوی یا ضعیف جیسا کچھ بھی ہے، بہرحال واضح روشن ہو گیا۔ دعوے اول مسلّم۔ لیکن دعوے دوم و سوم میں اول تو اسکا کیا ثبوت ہے، کہ قرآن نے سنۃ اللہ اسی نظام مادی کو کہا ہے؟ اور پھر اگر اسے مان بھی لیا جائے، تو نتیجہ تو صرف یہ نکلے گا، کہ کوئی تبدیلی سنۃ اللہ کے **خلاف** اور اُسکے **معارض** نہیں ہو سکتی، نہ یہ کہ سرے سے معارض نہیں ہو سکتی، نہ یہ کہ سرے سے کوئی تبدیلی ہی نہ ہو۔ تبدیلیاں تو سنت اللہ کے مطابق، اور اس کے ماتحت اور اندر، ہر لحظہ ہر آن ہوا کرتی ہیں، کائنات نام ہی انھیں تبدیلیوں کے مجموعہ کا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کیجیے۔ اصلی اور حقیقی سوال یہ ہے کہ قرآن کو اس نظام مادی پر پیش کرنا چاہیے، یا اسکے برعکس اس نظام مادی کو قرآن پر؟ اسلام اور غیر اسلام کی حدِ فاصل یہی ہے۔ معیارِ حقیقی و قطعی ایک مومن کے لیے کیا ہے؟ قرآن یا غیر قرآن؟ اگر قرآن ہی کے قطعی ہونے میں تشکک ہے، تو یہ ایک علٰحدہ بحث ہے، اور پہلے قرآن ہی کے قطعی ہونے کی بابت تشفی حاصل کر لینی چاہیے۔ لیکن اگر اس باب میں تشفی ہو چکی ہے، تو پھر یہ دعوی کہ قرآن کو غیر قرآن پر پیش کیا جائے، بے دینی ہو یا نہ ہو، لیکن بے دانشی تو کھلی ہوئی ہے —— اور پھر آخر اس کی کیا ذمہ داری ہے، کہ جسے زید، عمر، بکر، سنۃ اللہ سمجھ رہے ہیں، وہی سنۃ اللہ حقیقۃً اللہ ہے بھی؟ جب 'اصل' یوں بے ثبات نکلی، تو اس 'فرع' میں جان کیا باقی رہ جاتی ہے کہ

"مثلاً قرآن کے مالی احکام کو لیجیے، ان احکام کا منشا یہ ہے کہ قوم میں اقتصادی مساوات پیدا کر دی جائے، یعنی سرمایہ اور جائداد تقسیم ہو کر تمام افراد قوم کی خوشحالی کا سبب بنجائے۔ اب فرض کیجیے کہ انسانی سوسائٹی اس حد تک ترقی کر چکی ہے کہ سوشلزم کو تسلیم کرنے لگی ہے، قرآن کی روشنی میں ہم بے تامل کہ دیں گے، کہ سوشلزم کے اصول نافذ کر دیے جائیں، کیونکہ قرآن کا منشا پورے کرنے والے ہیں"

اس پر سوالات حسب ذیل پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) تعمیل کے لیے احکامِ قرآن ہیں، یا اُن احکام سے الگ، کوئی

نئی چیز "منشائے احکام" ؟

(۲) اس 'منشا' کے تعیین کرنے کا حق کس کو حاصل ہے ؟

(۳) اس پر کوئی دلیل، کہ اس منشائے قرآنی کی صحیح تشریح "سرمایہ کی تمام افراد میں تقسیم" ہے ؟

(۴) اس پر کوئی دلیل، کہ قرآنی احکام کا منشا، اقتصادی مساوات پیدا کرنا ہے ؟

(۵) اگر کبھی یہ مفروضہ حقیقت بن بھی گیا، کہ دنیا سوشلزم کو تسلیم کرنے لگی، تو کیا دنیا کا تسلیم کر لینا، دلیل اسکی حقانیت کی بن جائیگا؟ کیا دنیا نے ہمیشہ اور آج بھی مذاہب شرکیہ ہی کو نہیں تسلیم کیا ہے ؟

(۶) سوشلزم کی صحت تسلیم کرکے بھی، سوشلزم کی تشریح قرآن کی روشنی میں کی جائے گی، یا قرآن کے احکام مالی و معاشی کی تفسیر، فلاں فلاں سوشلسٹ کی رائے کے ماتحت کی جائے گی ؟

خدمت "زبان" کا ایک جلسہ

حامیان اُردو کی ایک اہم کانفرنس حال میں ایک مشہور مقام پر اردو کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ جلسہ کے پروگرام کی دفعات ملاحظہ ہوں :-

۲۴- اکتوبر	½ ۱ بجے دن	لنچ مہمانان کانفرنس
	۳ بجے دن	اجلاس کانفرنس
	½ ۵ بجے شام	چائے مہمانان کانفرنس
	۶ بجے شام	استقبال ارکان اُردو کانفرنس
	۷ بجے شام	ہماری زبان (مقالہ) از پنڈت کیفی صاحب دہلوی۔
	½ ۸ بجے شام	ڈنر مہمانان کانفرنس
۲۵- اکتوبر	۱ بجے دن	لنچ مہمانان کانفرنس
	½ ۲ بجے دن	اجلاس کانفرنس
	۵ بجے شام	چائے مہمانان کانفرنس
	½ ۶ بجے شام	افتتاح انجمن تاریخ اسلام
	۸ بجے شام	ڈنر مہمانان کانفرنس

گویا کانفرنس کی ابتدا بھی لنچ سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی ڈنر ہی پر ہوتی ہے! اور پروگرام کی کل ۱۱ دفعات میں سے ۶ تو یقیناً کھانے اور چائے ہی سے متعلق ہیں، اور عجب نہیں کہ "استقبال" کے سلسلہ میں بھی کھانے پینے ہی کا مشغلہ ہو! ——— خدمت "زبان" کے ایسے "لذیذ" جلسے دوسری قوموں کو کیوں نصیب ہونے لگے!

موحدوں کی بت پرستی

بنارس، ۲۵- اکتوبر کی خبر ہے :-

"آج سہ پہر کو ایک بڑے مجمع کے سامنے گاندھی جی نے بھارت ماتا کے مندر کے افتتاح کی رسم انجام دی۔ کارروائی کا آغاز بھارت ماتا کے حضور میں پرارتھنا سے ہوا۔ مسٹر سری پرکاش نے مالوی جی وغیرہ کے پیامات ہمدردی سنائے۔ ڈاکٹر بھگوان داس نے اپنے استقبالیہ خطبہ میں کہا کہ تمام مذاہب کی اصل اور بنیاد ایک ہی ہے۔ اور یہ بھارت ماتا کا مندر ایسا ہوگا، جس میں ہر مذہب کا شخص، اپنے عقیدہ پر قائم رہ کر آکر عبادت کر سکتا ہے۔ خان عبدالغفار خاں نے کہا کہ افسوس ہے لوگ مذہب کے اصل مغز تک نہیں پہونچے۔ اسلام کے قرن اول میں مسجد میں ہر مذہب کے لوگ آکر عبادت کر سکتے تھے۔ گاندھی جی نے اپنی اختتامی تقریر میں دعا کی، کہ یہ جگہ ایسی ہو، جہاں ہر ایک مذہب و ملت کا شخص آسکے، اور اپنے عقائد کو نظر انداز کرکے اور ہندوستان سے عقیدت کا اظہار کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ اس مندر کے اندر کوئی مورتی یا بت نہیں ہے۔ صرف ہندوستان کا ایک نقشہ ہے جو سنگ مرمر پر بنا ہوا ہے"

لیجیے، ہندوستان کی بیشمار دیویوں میں ایک اور دیوی کا اضافہ ہوا، اور جنھیں ناز اپنی توحید پر تھا، انھوں نے ہنسی خوشی اسی آستانہ پر جھکنا شروع کر دیا۔ اناللہ۔ مسلمان لیڈروں میں تمام صرف خان عبدالغفار خاں کا نظر آتا ہے، خان موصوف جس دولت اخلاص و ایثار کے مالک ہیں، کاش اسی قدر واقف اپنی شریعت سے بھی ہوتے! رواداری کے یہ معنی ہرگز نہیں، کہ اپنے اس کے اصول سے بھی دست بردار ی کر لی جائے۔ گاندھی جی نے یہ خوب فرمایا کہ اس مندر میں کوئی بت نہیں، لیکن ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ہندوستان کا نقشہ، وہ بھی پتھر کا بنا ہوا موجود ہے۔ یہ بت نہیں تو اور کیا ہے؟ کچھ ہی روز میں اسکی بھی پرستش شروع ہو جائے گی، لوگ آئیں گے، اسے چومیں گے، آنکھوں سے لگائیں گے، اسکے آگے ماتھے ٹیکیں گے، اسکے حضور میں عقیدت کے ساتھ کھڑے ہونگے، اسکے آگے بھجن گائیں گے، اسپر چڑھاوے چڑھائیں گے، اور اس سے منتیں مرادیں مانگنی شروع کر دیں گے ——— بت پرستی کی تاریخ ہر ملک اور ہر قوم میں کیساں رہی ہے ——— اور اس شرک صریح میں، ظالم یہ دہری، وہ بھی شریک ہونگے، جنھیں بتایا یہ گیا تھا، کہ نہ کوئی دیوی ہے نہ دیوتا، نہ کوئی چھوٹا خدا ہے، اور نہ کوئی قومی و نسلی معبود! ——— اور پھر افتتاح کے لیے عین دسہرہ کی تاریخ کا انتخاب! درگا مائی کی پوجا کا دن، شگون اور ساعت سعد کے لحاظ سے، ہندی شرک میں مبارک ترین دن!

"شکوۂ بے محل"

اقبال کا 'شکوہ'، تو مدت ہوئی سننے میں آچکا، اقبال سے شکوہ ابھی حال میں سننے میں آیا ہے ؎

اے ہند کی شاعری کے سردار　　اے جلوہ نمائے گنج اسرار
اے "بانگ درا" سنانے والے　　سوتے ہوؤں کو جگانے والے
"اسرار خودی" سکھانے والے　　سیدھا رستہ بتانے والے

اس ساری تمہید و "تشبیب" کے بعد "گریز" یوں ہے ؎

جب ہوش میں آنے ہو کے بےکیف　　خود سو گئے آپ حیف صد حیف
دکھلا کر لعنت غلامی　　خود ہو گیا وقف نیک نامی
خود ذلہ ربا ہے غیر کیوں ہے　　کیوں بھا گئی تجھکو سر بلندی
یہ دُھن ہے کہ خوش رہے حکومت　　مل جائے خطاب یا وزارت

ایک اہم تاریخی بحث

مسیلمہ کی حاضری دربار نبوت میں

(از مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی)

[گورداسپور (پنجاب) میں ایک مقدمہ سرکار بنام فیض الحسن میں حال میں، مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ امیر جماعت احمدیہ (قادیانی) کی شہادت ہوئی۔ اس میں موصوف نے کہا کہ "محض ارتداد یا دعویٰ نبوت کی وجہ سے کوئی شخص واجب القتل نہیں، اور اسکا ثبوت یہ بھی ہے کہ مسیلمہ کذاب جو یقیناً نبوت باطلہ کا مدعی تھا، خود رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ نے نہ اسکے قتل کا حکم نہ کوئی اور سزا دی" (پیغام صلح ۔ ۱۹۔ اکتوبر ۳۶ء) اسکے بعد شہادت مولانا احمد علی صاحب مشہور ناظم انجمن خدام الدین کی ہوئی۔ موصوف نے کہا کہ "آنحضرت صلعم کے وقت میں مسیلمہ کذاب نے دعوئے نبوت کیا تھا۔ مسیلمہ کذاب خود نبی کریم کے سامنے نہیں گیا، بلکہ تنہا مرتد ہو گیا تھا" (ایضاً) اس پر مولوی محمد علی صاحب کا ایک مضمون، علاوہ اخبار کے، اشتہاری صورت میں بھی خوب شائع ہوا ہے کہ مولانا کا یہ عدالتی بیان بہت ہی قابل افسوس ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہی نہیں ہوا۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ صاف الفاظ مذکور ہیں۔ ..... اس سے ثابت ہے کہ نہ صرف مسیلمہ مدینہ میں آیا بلکہ رسول اللہ صلعم خود اسکے پاس گئے، اور اس سے گفتگو کی، مگر کسی سزا کا حکم نہ اس وقت دیا نہ بعد میں" (ایضاً) اس پر مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اعظمگڈھ مصنف سیر الصحابہ نے تحقیق واقعہ کے لیے، مقالۂ ذیل، مدیر صدق کی فرمائش پر، صدق کے لیے عنایت فرمایا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے اس نمبر میں بجائے مقالۂ ادارت کے اسی کو جگہ دی جاتی ہے۔ صدق]

قبلۂ معظم السلام علیکم

آپ کا مرسلہ اشتہار پہنچا۔ اس میں ارتداد کے بعد مسیلمہ کذاب کے آنحضرت صلعم سے ملنے کے ثبوت میں صحیحین کی جو روایت پیش کی گئی ہے اسکی نفس صحت سے انکار نہیں، لیکن اسکا محل بالکل غلط ہے، اس لیے اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بھی درست نہیں، جیسا کہ آیندہ سطور سے معلوم ہوگا کہ یہ روایت ارتداد سے پہلے کے واقعہ سے متعلق ہے۔ اس روایت کے پیش کرنے والے نے یا عمداً دوسری روایات سے اغماض کیا ہے یا اس سلسلہ کے اور واقعات اور روایات پر اسکی نظر نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسیلمہ ایک سے زیادہ بار مدینہ آیا، اور ہر آمد میں مختلف واقعات پیش آئے جن کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ہے۔ صحیحین کی روایت ان مختلف واقعات کے صرف ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ پھر اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے اس "ملاقات کے وقت" مسیلمہ کا ارتداد ثابت ہوتا ہو۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الكذاب على عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل يقول ان جعل لی محمد الامر بعده تبعته و قدمها فی بشر کثیر من قومه فاقبل الیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعه ثابت بن قیس بن شماس وفی ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطعة جرید حتی وقف علی مسیلمة فی اصحابه فقال لو سألتنی هذه القطعة ما اعطیتکها ولن تعد و امر اللہ فیك ولئن ادبرت لیعقرنك اللہ وانی لاراك الذی اریت فیه ما اریت وهذا ثابت بن قیس یجیبك عنی۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آیا اور کہنے لگا اگر محمد اپنے بعد امر (حکومت[1]) میرے متعلق کر دیں تو میں انکی پابندی کر دونگا۔ وہ اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ آنحضرت صلعم اس کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے مسیلمہ اور اسکے ساتھیوں کے پاس ٹھہر کر فرمایا اگر تم مجھ سے یہ ٹکڑا بھی مانگو تو میں تم کو نہیں دینے کا، اور تمھارے بارے میں خدا کا حکم تجاوز نہیں کر سکتا، اور اگر تم حق سے پھرے تو خدا تم کو ہلاک کر دیگا، مجھے اس بارے میں جو دکھایا گیا ہے وہ میں تم کو دکھا دوں گا۔ یہ ثابت بن قیس میری جانب سے تم کو جواب دیں گے۔

یہ روایت بخاری میں دو مقاموں پر ہے۔ ایک کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ میں دوسرے علامات النبوۃ فی الاسلام میں، اور مسلم میں کتاب الرؤیا میں۔ اس میں بخاری کی روایت سے خفیف لفظی تغیر ہے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ممکن ہے اور کسی مقام پر بھی ہو۔

یہ روایت جیسا کہ اسکے الفاظ سے ظاہر ہے نہایت مجمل ہے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ مسیلمہ کی کس آمد کا واقعہ ہے، پہلی یا دوسری۔ اس سے صرف مدینہ آنے اور آنحضرت صلعم سے مل کر ایک درخواست پیش کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر اسکے کسی لفظ سے "ارتداد" کا ثبوت نہیں ملتا، اس لیے کہ تنہا آنحضرت صلعم کے بعد حکومت اسلام میں آپ کی قائم مقامی خواہش ارتداد

---

[1] امر کے معنی کی وضاحت میں بعض لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ اس سے وہ نبوت مراد لیکر اسی وقت مسیلمہ کو ارتداد کا مورد قرار دیدیتے ہیں۔ حالانکہ امر سے مراد اسلام کی دنیاوی حکومت ہے۔ حافظ ابن حجر نے (ان جعل لی محمد الامر بعده) کی تشریح میں لکھتے ہیں ای الخلافة (فتح الباری ج ۸ ص ۔۔) پھر رسول اللہ صلعم کے نام مسیلمہ کے خط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت میں شرکت چاہتا تھا۔ چنانچہ اسکے الفاظ یہ ہیں کہ "میں آپ کے ساتھ امر میں شریک کیا گیا ہوں نصف میرا حق ہے اور نصف قریش کا" (زرقانی ج ۸ ص ۲۵) ظاہر ہے کہ نبوت میں تو تنصیف ہو نہیں سکتی۔ تقسیم و تجزیہ تو حکومت ہی میں ہو سکتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا یہ جواب دیا کہ ان الارض للہ یورثها من یشاء۔ زمین خدا کی ہے، اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا وارث بناتا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ارضی حکومت کا خواہاں تھا۔

کے لیے کافی نہیں ہے یا آنحضرت صلعم نے اُسکے ارتداد کا تصور نہیں فرمایا آپ نے اسکے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ صرف افہام و تفہیم اور اس خیال خام سے باز رکھنے کے لیے۔ اس کی تفصیلات آئندہ آتی ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے مسیلمہ کے وفات کے ساتھ سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں اُن سے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور اس سلسلہ کی تمام کڑیاں سامنے آجاتی ہیں۔

سیرت میں ہم کو سب سے پہلے ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت سے یہ واقعہ ملتا ہے۔ ابن ہشام نے اس باب میں دو روایتیں نقل کی ہیں"

"ایک یہ ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد جس میں مسیلمہ بن حبیب حنفی تھا، رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسکا قیام بنت الحارث [illegible] بنت حارث کے گھر میں تھا۔ بعض علمائے مدینہ کا بیان ہے کہ بنی حنیفہ اسکو (مسیلمہ) کپڑوں میں چھپائے ہوئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے۔ آپ اُسوقت اپنے اصحاب کے ساتھ تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ جسکے سرے پر پتے تھے۔ جب وہ رسول اللہ صلعم کے پاس پہونچے تو اس نے آپ سے گفتگو کی اور آپ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ چھڑی مانگو تو بھی میں تم کو نہیں دونگا" (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ [illegible])

یہ روایت قریب قریب وہی ہے جو بخاری اور مسلم میں ہے صرف فرق اتنا ہے کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ مسیلمہ کے پاس تشریف لےگئے اور اس میں یہ ہے کہ مسیلمہ آپ کے پاس لایا گیا تھا۔

ابن ہشام کی دوسری روایت جو بنی حنیفہ کے ایک شیخ کا بیان ہے یہ ہے:

"بنی حنیفہ کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو اس نے مسیلمہ کو اپنی قیام گاہ پر چھوڑ دیا اور قبول اسلام کے بعد اُن لوگوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے اپنے ایک ساتھی کو اپنے قیام گاہ پر جہاں ہماری سواریاں وغیرہ ہیں اسکی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے بنی حنیفہ کے اور افراد کو جو کچھ عطا فرمایا تھا وہ مسیلمہ کو بھی دیے جانے کا حکم دیا۔ اور اُن سے فرمایا کہ تمھارا ساتھی تمھارے مال اور اسباب وغیرہ کی حفاظت کرنے کی وجہ سے بُرے[1] مقام پر نہیں ہے۔ یہ لوگ اسے لیکر مسیلمہ کے پاس آئے، جب یمامہ پہونچے تو مسیلمہ مرتد ہوگیا اور نبوت کا مدعی بن گیا، اور اُن لوگوں سے کہا کہ میں حکومت میں اس شخص کے ساتھ شریک کیا گیا ہوں، اسکا ثبوت یہ ہے کہ جب تم لوگوں نے اس شخص سے میرا تذکرہ کیا تھا تو اس نے میرے متعلق کہا تھا کہ وہ بُرے مقام پر نہیں ہے یہ اسی لیے کہا تھا کہ اُنکو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ میں حکومت میں اُسکے ساتھ شریک کیا گیا ہوں۔ اسکے بعد مسیلمہ قرآن کی طرح مسجع عبارتیں بنانے لگا" (سیرۃ ابن ہشام ج ۲۔ ص ۲۶۳، ۳۶۲)

یہ روایت اوپر کی روایتوں سے مختلف ہے۔ اس میں آنحضرت صلعم مسیلمہ کی کسی گفتگو کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس سے آنحضرت صلعم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی اور آپ نے غائبانہ اسکی تعریف فرمائی اور اُسے حصہ مرحمت فرمایا۔ اور وہ بغیر ملے ہوئے واپس آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور آمد کا واقعہ ہے۔ ابن سعد کے بیان سے بھی اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔ انکی روایت یہ ہے۔

"بنی حنیفہ کا وفد جس میں دس سے اوپر آدمی تھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرائے گئے صبح و شام گوشت روٹی، دودھ اور گھی وغیرہ سے بدل بدل کر ان کی ضیافت ہوتی تھی۔ یہ لوگ مسجد میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حق کی شہادت دی مسیلمہ کو اپنی قیامگاہ پر چھوڑ دیا تھا جن دنوں تک یہ لوگ مقیم رہے برابر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اس درمیان میں وفد کے ایک رکن رحال بن عنفوہ ابی بن کعب سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے جب یہ لوگ اپنے وطن واپس ہونے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جماعت میں ایک اور شخص مسیلمہ بھی ہے جس کو ہم نے اپنی سواریوں اور اپنے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اسکو بھی پانچ اوقیہ چاندی دیے جانے کا حکم دیا۔ اور اُن لوگوں سے فرمایا کہ تمھارا ساتھی تم لوگوں کے سامان کی حفاظت کر رہا ہے اس لیے بُرے مقام پر نہیں ہے۔ واپسی کے بعد ان لوگوں نے مسیلمہ سے اسکو نقل کیا اس نے کہا انکو معلوم ہوگیا ہے کہ اُسکے بعد حکومت میرے متعلق ہوگی۔ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو ایک برتن میں وضو کا بچا ہوا پانی عنایت فرمایا تھا۔ مسیلمہ نے ساتھیوں سے کہا وطن پہونچ کر اپنے گرجوں کو توڑ کر اسکی جگہ یہ پانی چھڑک کر مسجد بنانا۔ اُسکے اس مشورہ پر لوگوں نے عمل کیا اور طلق بن علی مسجد کے موذن مقرر ہوئے۔ انکی اذان کی آواز سن کر گرجے کے راہب نے کہا کہ یہ حق کا کلمہ اور حق کی آواز ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ہمیشہ کے لیے اس سرزمین کو خیرباد کہہ دیا۔"

اس روایت کے بعد ایک علیحدہ ٹکڑا ہے کہ مسیلمہ نے نبوت کا دعوٰی کیا اور رحال بن عنفوہ نے شہادت دی کہ رسول اللہ نے اسکو حکومت میں شریک کیا ہے۔ اسکی وجہ سے لوگ فتنہ میں پڑگئے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول۔ ص ۵۵، ۵۶)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے مختلف ہے جسکو صحیحین میں نقل کیا ہے۔ اور اس سے اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت تک مسیلمہ اسلام پر قائم تھا [illegible]

[illegible]

---

[1] بُرے مقام پر ہونا [illegible] آنحضرت صلعم کے شرف زیارت سے مشرف [illegible] جانب سے اس کی معذرت کردی۔

[illegible]

قریب قریب وہی ہیں جو ابن ہشام نے نقل کی ہیں۔ اسکے علاوہ ایک اور تیسری روایت ہے جس سے بعض مزید واقعات پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے:—

مسیلمہ دعوئے نبوت کے بعد بھی جو سنہ ۱۰ھ میں کیا تھا اور اس میں نماز کو ساقط اور شراب و زنا کو جائز قرار دیا تھا وہ زبان سے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتا رہا اور آپ کو خط میں لکھا کہ "میں امر (حکومت اسلام) میں آپ کے ساتھ شریک کیا گیا ہوں اس میں نصف میرا حق ہے اور نصف قریش کا" یہ خط دو قاصدوں کے ساتھ آنحضرت صلعم کے پاس بھجوا دیا۔ آپ نے خط پڑھ کر قاصدوں سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا وہی جو مسیلمہ نے کہا ہے اور اس کا کلمہ پڑھا۔ آپ نے فرمایا اگر قاصد قتل کیے جاتے ہوتے تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ اور مسیلمہ کو یہ جواب لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد زمین خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت متقیوں کے لیے ہے۔" (زرقانی - ج ۴ ص ۲۵)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زبانی گفتگو کے بعد مسیلمہ نے حکومت اسلام میں شرکت کے لیے خط بھی لکھا تھا جو اس سلسلہ میں اسکی آخری کوشش تھی۔

ان روایات کے بعد حافظ ابن حجر اور امام نووی کے بیانات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے۔ حافظ ابن حجر اگرچہ ابن اسحاق کی روایت کے انقطاع کی وجہ سے اسکے مقابلہ میں بخاری کی روایت کو زیادہ صحیح اور مستند مانتے ہیں پھر بھی انھوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، اور تطبیق کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی توجیہ یہ ہے:—

"ممکن ہے مسیلمہ دو مرتبہ مدینہ آیا ہو، پہلی مرتبہ محض معمولی رکن اور پیرو کی حیثیت سے رئیس الوفد کوئی دوسرا شخص رہا ہو، اس مرتبہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے اپنے قیام گاہ پر ٹھہرا رہا ہو۔ اور دوسری مرتبہ رئیس الوفد کی حیثیت سے آیا ہو، اس مرتبہ آنحضرت صلعم سے گفتگو کی۔" (فتح الباری - ج ۸ - ص ۷۰)

مسلم کی حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلعم مسیلمہ کے پاس اسکی اور اسکی قوم کی تالیف، انکے اسلام کی امید اور احکام خداوندی کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے، قاضی (عیاض) کا بیان ہے کہ ممکن ہے آپ اس لیے مسیلمہ کے پاس تشریف لے گئے ہوں کہ وہ اپنے وطن سے آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا، اس لیے اخلاقاً آپ خود اسکے پاس تشریف لے گئے، مسیلمہ اسوقت تک اسلام ظاہر کرتا تھا، کفر و ارتداد کا ظہور اس کے بعد ہوا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسیلمہ خود رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔" (نووی - ج ۱۵ ص ۳۳ مطبوعہ مصر)

ان تمام روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ دو مرتبہ مدینے آیا اور تیسری مرتبہ خط لکھا۔ اور دونوں مرتبہ مختلف واقعات پیش آئے، کسی راوی نے ایک واقعہ نقل کر دیا، کسی نے دوسرا، کسی نے دونوں کے کچھ کچھ واقعات ملا دیے ہیں۔

پہلی مرتبہ وہ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آیا جب وہ لوگ قبول اسلام کے لیے آئے تھے۔ اس مرتبہ وہ اپنے قیام گاہ پر ٹھہر کر ساز و سامان کی حفاظت کرتا رہا اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا لیکن اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اسی آمد میں آنحضرت صلعم نے اسکو پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی تھی اور اپنے پاس اسکے نہ آنے کی معذرت میں ارشاد فرمایا کہ وہ بُرے ٹھکانے نہیں ہے۔ مسیلمہ بنی حنیفہ کا رئیس اعظم تھا اور اپنی عظمت و شان کی وجہ سے "رحمان الیمامہ" کہلاتا تھا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۰) اس لیے اسکے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلعم اسکو حکومت اسلام میں اپنا شریک بنا لیں یا اپنے بعد اپنا جانشین بنا جائیں۔ لیکن اس خیال کا اظہار اس نے یمامہ آنے کے بعد کیا۔ اور دوسری مرتبہ اسی خیال کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کرنے کیلیے مدینے گیا۔ آنحضرت صلعم نے اسے سن کر فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ کھجور کی چھڑی بھی مانگو تو میں تم کو نہیں دے سکتا۔ بخاری اور مسلم نے اسی واقعہ کو نقل کیا ہے جو دوسری آمد کا ہے جس میں وہ مرتد نہیں ہوا تھا بلکہ زبان سے برابر آنحضرت صلعم کی نبوت کا اقرار کرتا جا رہا تھا۔ اور یہ اقرار جیسا کہ مواہب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، دعوائے نبوت کے بعد تک قائم رہا اس لیے آپ نے اسکے ارتداد کا فیصلہ نہیں فرمایا۔

اس بحث کے بعد اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آیا حکومت اسلام میں شرکت کی خواہش یا آنحضرت صلعم کے بعد آپ کی جانشینی کا خیال ارتداد کے لیے کافی ہے یا نہیں۔ گو یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے پھر بھی تو ان واقعات کی روشنی میں دیکھ لینا چاہیے۔

آنحضرت صلعم کے طریقۂ تبلیغ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اسکو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ نومسلموں اور مائل بہ اسلام اشخاص کو آخری درجہ تک اسلام پر قائم رکھنے کی کوشش فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ قابل تساہل امور میں رواداری اور چشم پوشی تک فرما جاتے تھے۔ خصوصاً رؤسائے قبائل کے ساتھ جنکے کفر و اسلام کا پورے قبیلہ پر اثر پڑتا تھا اور بھی نرمی برتتے تھے۔ فتح مکہ کے مولفۃ القلوب مسلمانوں میں بہتیرے ایسے تھے جنھوں نے محض خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن اس علم کے باوجود رسول اللہ صلعم انکو اسلام پر قائم رکھنے اور انکے دل میں اسلام راسخ کرنے کے لیے ان کی کیسی کیسی خاطر فرماتے تھے۔ ان میں بعض بڑے بڑے دشمنان اسلام تھے، لیکن انکے ساتھ بھی آپ نے لطف و کرم کا برتاؤ فرمایا کہ شاید اسی ذریعہ سے کچھ بندگان خدا معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز خم کر لیں۔

مسیلمہ بھی اپنے قبیلہ کا رئیس اعظم تھا اس لیے رسول اللہ صلعم اسکو کم از کم اسکے ظاہری اسلام پر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے اسکے حکومت میں شرکت کی خواہش کے اظہار کے باوجود اسکے ساتھ کوئی سختی نہیں برتی اور نہ اس کو دائرۂ اسلام سے خارج فرمایا بلکہ اس کے فاسد خیالات کو دور کرنے کے لیے خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور ہر طرح سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر اس کی قسمت میں شقاوت مقدر ہو چکی تھی اسلیے

— وہ اپنے سودائے خام سے باز نہ آیا اور بالآخر مدعی نبوت بن گیا۔ **لیکن آنحضرت صلعم سے ملاقات کے وقت وہ مرتد نہ تھا۔**

صدق – سیرت ابن ہشام کے الفاظ تو اس باب میں بالکل ہی صاف و واضح ہیں۔

فلما انتھوا الی الیمامہ ارتد عدو اللہ وتنبا ... احل لھم الخمر والزنا ووضع عنھم الصلوٰۃ۔

جب یہ قافلہ والے جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگئے تھے اور انھیں کے ہمراہ مسیلمہ بھی تھا، یمامہ واپس پہونچے، تو اسوقت یہ دشمنِ خدا مرتد ہوگیا، اور دعوے نبوت کر بیٹھا ... اور شراب، حرامکاری کو جائز کردیا، اور نماز منسوخ کردی۔

اس میں تو صراحت موجود ہے کہ ارتداد، دعوے نبوت، وترمیم شریعت کے سارے واقعات، وفد مدینہ سے واپسی کے بعد کے ہیں، نہ کہ قبل کے۔ اور اب کسی قیاس و استنباط کی حاجت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ راوی اس لحاظ سے، جس نے عدالت میں یہ کہا، کہ مسیلمہ بحیثیت مرتد و مدعی نبوت، خدمت مبارک میں کبھی حاضر نہیں ہوا، اُس نے صحیح کہا۔

اصل تاریخی مسئلہ تو یہاں ختم ہوگیا۔ باقی انھیں روایات پر غور کرنے سے یہ بھی نکلتا ہے (جیسا کہ خود مقالہ نگار نے اشارہ کیا ہے) کہ مسیلمہ دل سے اسلام پہلے بھی نہیں لایا تھا۔ بلکہ اظہار اسلام کو اپنے مقصد یعنی حصول حکومت کے لیے ایک آلہ بنائے ہوئے تھا۔ جب اس مقصد میں ناکام رہا، تو علانیہ مرتد ہوکر دعوے نبوت کرنے لگا۔

بقیہ صفحہ ۲

یہ سارا شکوہ، اگر کسی فرضی اور خیالی اقبال سے ہے، تو اس حسن تخیل میں مضائقہ نہیں، لیکن اگر اس اقبال سے ہے جسکے قلم سے جاوید نامہ اور بال جبریل اور ضرب کلیم، اور مسافر، ایک پر ایک، فارسی اور اُردو دتصنیفیں نکلتی چلی آرہی ہیں، تو حیرت ہے کہ انکے مضامین اور معترض صاحب کی سخن فہمی کے درمیان وجہ مطابقت کیا اور کیونکر پیدا کی جائے! فرنگی تمدن، فرنگی سیاسیات، فرنگی تخیلات کے خلاف، اقبال کے موجودہ پُرزور اور مسلسل اعلان جنگ کے بعد، خصوصاً یہ فرمانا کہ اقبال کو "مغرب نے بھا گئی ہے" یا اقبال کو حکومت کی خوشنودی کی دُھن، یا خطاب و وزارت کی ہوس ہے، شاعرانہ نازک خیالی کا وہ بلند مقام ہے، کہ ہم عامیوں کے دماغ کی رسائی کبھی وہاں تک نہیں ہوسکتی!

"پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"

پس چہ کے مضامین مرتب ہوکر روانہ ہو رہے تھے کہ اقبال کی تازہ مثنوی، اسی عنوان سے موصول ہوئی۔ اسی کے ساتھ مثنوی مسافر بھی دوبارہ طبع ہوئی ہے۔ جلد نفیس اور لیکچ دار۔ قیمت عہ۔ ناشر: دفتر رسالہ طلوع اسلام - میکلوڈ روڈ - لاہور۔ تفصیلی تعارف ان شاء اللہ اپنے وقت سے ہوگا۔ ص ۶۵ پر ایک نعتیہ شعر پر نظر پڑگئی۔ اسے نقل کیے بغیر رہنا، ناظرین پر ظلم کرنا ہے ؎

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفےٰ نایاب وارزاں بولہب!

(بقیہ صفحہ ۹)

ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لیے ہوئے غرار ہے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں۔ پنجاب کی ڈاکٹر کو دیکھیے اور برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا اندازہ کیجیے یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔

داڑھی اور ملتِ اسلامیہ

(افادہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مد ظلہ شیخ الحدیث دیوبند)

[میرٹھ کالج کے ایک نوجوان طالب علم نے مولانا کی خدمت میں لکھا کہ میں اگرچہ داڑھی رکھائے ہوئے ہوں، لیکن ساتھ والے مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ مقابلہ کے امتحانات میں ممتحن صاحبان پر بھی داڑھی کا اثر اچھا نہیں پڑتا۔ اسلام میں داڑھی کی شرعی حیثیت ہے کیا؟ مولانا نے جواب میں جو گرامی نامہ تحریر فرمایا، وہ ابتدائی حصہ حذف کرکے بعد مبصر استقلال کی وساطت سے درج ذیل ہے۔ صدق]

جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی حفاظت نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی جتی کہ اُسکا نام ونشان تک باقی نہ رہا اسی ہندوستان میں یونانی آئے، سنتھین آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتاری آئے، ترک آئے، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں۔ آج اُن میں سے کیا کوئی ملت یا قوم متمیز ہے۔ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ تبلائی جا سکتی ہے۔ سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہو گئے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا۔ دھوتی، چوٹی، ساڑھی، رسم ورواج وغیرہ میں اُنھیں کے تابع ہو گئے اس لیے انکی ہستی مٹ گئی۔ باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے اور کسی کی قومی ہستی جس سے اُسکی امتیازی شان ہو باقی نہیں۔ ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم قائم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں۔ چینی قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے انکو مضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوا دیا، معیشت اور زبان بدلوا دی مگر مردوں کی چوٹی نہ بدلی گئی۔ بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجود و ممتاز ملت ہیں۔ سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی سر اور داڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا آج انکی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔ انگریز سولھویں صدی کے آخر میں آیا تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے مگر اُس نے اپنا یونیفارم، کوٹ پتلون، ہیٹ، نکٹائی، اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اسکو نیٹیوں کروڑہا انسان اپنے میں مضم نہ کر سکا۔ اس کی قوم اور ملت علیحدہ ہے۔ اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے۔ مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے کہ جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اُسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنیوالی قومیں مضم ہو کر اپنا نام و نشان مٹا گئیں آج بجز تاریخی صفحات کے اُنکا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے نہ صرف یہی کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا۔ چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کیا کہ پاجامہ، کرتا، عبا، قبا، عمامہ، دستار محفوظ رکھا بلکہ مذہب۔ اسماء رجال ونساء۔ تہذیب وکلچر، رسم ورواج، زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا۔ اسلیے انکی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اسکی مراعات رہیں گی، رہیں گے اور جب چھوڑیں گے مٹ جائیں گے۔

ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اُسکا کلچر، اُسکا مذہب، اُس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک واقوام میں پھیل جائے۔ آریہ قوم کی تاریخ پڑھو، کلدانیا کے کارنامے دیکھو، کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو، عربوں اور مسلمانوں کے اُولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں۔ زبانِ عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی۔ عراق، سیریہ، فلسطین، مصر، سوڈان، الجیریا، ٹونس، مراکش، فارس، صحرا، لیبیا، سنیگال، ترت وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا، نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم ورواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اُسی کلچر، اُسی تہذیب، اُسی زبان کو اپنی چیز سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عبرانی خاندان، ترکی برادریاں، بڑی بڑی ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کی سب منضم ہو گئی ہیں اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا کچھ علم بھی ہے تو وہ بھی خواب وخیال ہے۔ سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھیے۔ یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے۔ کنیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزیلینڈ، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کرکے اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب، اپنا مذہب، اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے۔ جو لوگ اُسکے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے وہ بھی اُس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں اور یہ ہی ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ ہندو قوم اسی سبب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جسکو تاریخ کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی آج اُس کی اشاعت کی پُرزور کوشش کر رہی ہے اسکا لٹریچر بڑھا رہا ہے فی صدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو ناقابل فہم بنا دیتا ہے خود اُس کی قوم اُن الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اُسکا مذہبی طبقہ تو تقریباً اسّی نوے فیصدی الفاظ سنسکرت اور بھاشا کے بولتا ہے مگر بات یہ ہے کہ اسکی قوم اُسکو نظرِ استحسان ہی دیکھتی ہے۔ بڑے بڑے گروکل اور ودیا پیٹھ اس مردہ زبان کو زندہ کرنے کے لیے جاری کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا بولنے والا موجود نہیں ہے اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک زبان نہ تھی۔ وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ تمام ہندوستان میں اسکے قدیم رسم خط کو جاری کیا جائے حالانکہ وہ نہایت ناقص رسم خط ہے۔ وہ اپنی انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوٹے۔ اس کا

ایم- ایل- سی- ایم- ایل- اے- اسمبلی کا پریسیڈنٹ اس کی قوم کا جج- ڈپٹی کلکٹر وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہنکر برسر اجلاس آتا ہے- حالانکہ دھوتی میں پاجامہ سے بدرجہا زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا سردی اور گرمی سے بھی پوری حفاظت نہیں ہوتی باوجود ان سب امور کے- پاجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا چوٹی سر پر رکھنا جنیو لگانا ضروری سمجھتا ہے- یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟ گرونانک اور اس کے اتباع نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں تو بال کا منڈانا داڑھی کا کترانا یا منڈانا، لوہے کے کڑے پہننا، کرپان رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا- آج اس شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے اس کو ہر طرح طرح کی تکالیف سہتی ہے گر بالوں کا کتروانا یا منڈانا قبول نہیں کرتی- اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے- تو اس کی اصلی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اُتر جائے گی۔

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور جب ہی باقی رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لیے خصوصیات، وضع قطع میں تہذیب و کلچر میں بود و باش میں، زبان اور شکل پر قائم کر لے اس لیے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق، اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیاویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے- خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے اور انکے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو انکے لیے جان لڑا دے- بیشک وہ خصوصیات اور یونیفارم خدا کے ذریعہ تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز اور علیحدہ ہو جائے اور انکی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہو سکے چنانچہ یہی راز من تشبہ بقوم فہو منہم- کا ہے- جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آجاتا ہے- اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کے لیے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا- کہیں فرمایا جاتا ہے (ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے (فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس) او کما قال- اسی بنا پر ازار اور پاجامے میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل کبر سے تمیز ہو جائے- اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز اور علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے اور ان امور کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے- اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مردوں اور مردوں کو علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے- اور عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت کو لعنت کی گئی- انھیں امور میں سے ختنہ جاری کرنا بھی ہے اور انھیں امور میں سے مونچھ کا منڈانا اور کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا بھی ہے- صحیح بخاری اور مسلم میں ہے خالفوا المشرکین و فروا اللحی واحفوا الشوارب صلہ ص ۲۲۶ مسلم- جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس صفحہ ۸۷۵ بخاری- من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا (احمدی- ترمذی- نسائی) ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امر ان کے مخصوص یونیفارم میں داخل تھا بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کا جو کہ انکے یونیفارم کے خلاف ہو حکم کیا جائے نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا داڑھی بڑھانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اُس زمانہ میں عرب کے اس رواج کی وجہ سے ہے جو کہ اس پر جاری تھا کہ داڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے غلط ہے بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا۔

جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا اس لیے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو انکے خلاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو- اسی طرح حدیث عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والسواک الخ (ابو داؤد ص وغیرہ) بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی نے خاص خاص مقربین اور ندیموں (انبیاء و مرسلین علیہم السلام) کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا ہے- کیونکہ فطرت انھیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے لفظ فطرت کے (من سنن المرسلین) یا اسکے ہم معنی موجود ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے اور پھر دوسری قومیں اسکے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے ہیں (جو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں) اس لیے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

(۲) علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آقا کا سا رنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت سیرت فیشن، کلچر وغیرہ بنالے- اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے- ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہی رہا ہے- اور یہی قوم ہر ملک میں پایا جاتا ہے- آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے- واقعات کو دیکھیے- اس بنا پر بھی جو انکے خصوصی شعار اور فیشن میں ہم کو انسے انتہائی متنفر ہونا چاہیے خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈ اسٹون فیشن ہو خواہ وہ فرنچ ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے متعلق ہو یا تہذیب و عادات سے- ہر جگہ اور ہر حال میں یہ ہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور بری- بالخصوص جو چیزیں ان کی خصوصی اور شعار ہو جائیں اس لیے ہماری جد وجہد اس میں ہونی چاہیے کہ ہم غلامان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرزن و ہارڈنگ، و فرانس، و امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمین یا ایک فس کے ملازمین کے لئے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے- سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں بھرتی ہوتے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں- کوئی انکو

(باقی)

مراسلہ

جناب مکرم - السلام علیکم - ندوہ سے جناب کو جو تعلق ہے اسکے بعد کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں - ہندوستان میں یہی وہ درسگاہ ہے جہاں دینی و دنیوی علوم کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے اور طلبہ کو ایک طرف قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تاریخ وسیر کا درس دیا جاتا ہے تو دوسری طرف انھیں انگریزی زبان، سائنس، فلسفۂ جدید، معاشیات، سیاسیات، جغرافیہ اور حساب کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ دین و مذہب سے واقفیت کے ساتھ جدید ضروریات سے بھی واقف ہو جائیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کر سکیں۔

دارالعلوم کے اس عظیم الشان کام کے علاوہ پچھلے تین سال سے ندوہ نے چند اور اہم شعبے قائم کیے ہیں۔

(۱) اب تک ابتدائی تعلیم کی کوئی ایسی درسگاہ نہ تھی جہاں ندوہ کے اصول پر چھوٹے بچوں کو تعلیم دی جاتی - جس کی وجہ سے بڑی دشواری پیش آتی تھی لیکن تین چار سال سے ندوہ کے احاطہ میں ایک مکتب قائم کر دیا گیا ہے جہاں چھوٹے بچوں کو بالکل ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔

(۲) اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن زمانہ کے جدید انقلابات و تغیرات کے بنا پر ضرورت ہے کہ اس بارے میں بھی پرانے اسلوب کے ساتھ جدید ذرائع سے بھی مدد لی جائے۔ اس خیال کے ماتحت ندوہ نے تبلیغ و اشاعت کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا تھا۔ پچھلے چند برسوں سے اچھوت اور پست اقوام کی جانب بھی خصوصیت سے توجہ کی جا رہی ہے۔ اور الحمدللہ خاطرخواہ کامیابی ہو رہی ہے۔ اب یہ لوگ اپنے بچوں کو ندوہ کے سپرد کر رہے ہیں لیکن ان لڑکوں کے قیام وطعام اور لباس وضروریات کی فراہمی کافی سرمایہ کے بغیر دشوار ہے۔

(۳) تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اس کی بھی ضرورت ہے کہ نومسلموں کے لیے ایک ایسی قیام گاہ موجود ہو جہاں قبول اسلام کے بعد انھیں کچھ دن رکھ کر اسلامی آداب و معاشرت کی تعلیم دی جا سکے اور کسب معاش کی ایسی صورتیں پیدا کی جائیں کہ وہ آیندہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔

(۴) اب تک کاروباری طبقوں کے مناسب اور ضروری دینی تعلیم کا کوئی ایسا انتظام نہ تھا کہ وہ تین چار سال کی مدت میں اسے حاصل کر سکیں اس غرض سے گزشتہ سال "درجۂ دینیات" کے نام سے ایک مزید شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں صرف چار سال میں عربی زبان، قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ، تاریخ، اور حساب وجغرافیہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور طالب علم اس قابل ہو جاتا ہے کہ براہ راست عربی اور دینی مسائل کا مطالعہ کر سکے۔

ان انتظامات کے بعد مصارف بہت بڑھ گئے ہیں لیکن موجودہ کساد بازاری اور سامان دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کسی بڑے چندہ کی یکمشت ادائیگی میں پیش آتی ہیں یہ طریقہ زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ ہر معین سے مستقل ماہ بماہ کم سے کم جو رقم وہ بغیر کسی بار کے دے سکیں وصول کی جائے - اس لیے دینے والے پر کوئی بار نہ ہوگا اور ندوہ کو آسانی سے ایک مستقل رقم حاصل ہو جائے گی - امید کہ آنجناب مرسلہ فارموں کی خانہ پری فرما کر اس نیک کام میں ضرور حصہ لیں گے۔ آنجناب کی کوشش سے چند ایسے اہل خیر کا پیدا ہو جانا مشکل نہیں ہے۔

جملہ خط وکتابت حسب ذیل پتہ پر کی جائے:-

حافظ محمد عمران خاں ندوی - ناظم معین الندوہ
دارالعلوم - شبلی ہوسٹل - مسعود منزل لکھنؤ

جامعہ ملیہ میں توسیعی خطبات

اس تعلیمی سال میں جامعہ کے شعبہ دینیات نے مندرجہ ذیل توسیعی خطبات کا انتظام کیا ہے:-

۱- مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور "عقیدۂ قرآن"
۲- مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور "امثال القرآن"
۳- مولانا غلام مرشد صاحب پرنسپل اشاعت اسلام کالج لاہور "اسلام اور دولت کی تقسیم"
۴- مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی "حدیث"
۵- مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری "اسلام اور موجودہ مدنی مسائل"

تاریخ کی اطلاع بعد میں دی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَا نَقِمُوا مِنْهُمْ... (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے "منیجر صدق لکھنؤ"

ٹیلیفون نمبر ۱۴۹

صدق

نمبر ۲۴ | لکھنؤ- ۱۵- شوال المکرم ۱۳۵۵ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۳۷ء | جلد ۲

سچی باتیں

مشہور مجاہد، مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی کے تازہ ترین سیرت نگار کا سوال:-

"جب آپ اس قدر شجاع، ایسے مدبر، اور اتنے صحیح الفکر و صائب الرائے تھے، اور اکثر میدانوں میں آپ کو فتوحات بھی حاصل ہوئیں، تو پھر انجام کار آپ کو شکست کیوں ہوئی؟"

جواب بھی اُسی قلم سے سنیے:-

"فی الحقیقت شاہ شہیدؒ کے اندر وہ تمام چیزیں موجود تھیں، جو ایک لائق قائد اور کامیاب جنرل کے اندر ہونی چاہئیں۔ لیکن ... آپ کے ساتھ کام کرنے والی جماعت میں اکثر لوگ وہی تھے جن کے اندر اگرچہ مذہبی جوش تھا، مگر انکے دماغوں کو سیاست اور معاملہ فہمی کا حصہ بہت کم ملا تھا۔ جہاں کسی شخص کے ہاں غیر شرعی رسم ہوتے دیکھی، بس معمولی انتباہ کے بعد اُسکے گھر کو آگ لگادی۔ جہاں ٹخنے کے نیچے کسی کا تہبند دیکھا اور ٹخنہ اُڑادیا۔ ... ناعاقبت اندیش عمال کے اس بیجا تشدد و ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاقے کے علاقے متنفر ہوگئے، اور مجاہدین کے خلاف سازشیں ہونے لگیں"۔

یہ ذکر آج سے سو برس قبل کا تھا۔ اس سو برس کے بعد اب کیا حال ہے؟ مولوی صاحبان کی ذہنیت میں کچھ فرق آیا؟ ہاں کھونے ہوئے تو کون سیکھتا ہے، لیکن ان حضرات نے سب کچھ کھودینے کے بعد بھی کچھ سیکھا؟ وہی خانہ جنگی کا ذوق، وہی ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر کا شوق، وہی اپنے بیگانوں کو اپنانے کے، اپنوں کو بیگانہ بنالینے کے دیکھنا، وہی اصول کو بھول جانا، اور ادنیٰ ادنیٰ جزئیات پر معرکہ آرائی کی گرم بازاری- یہ بھی مسیحیت اور الحاد کے سیکڑوں ہزاروں اعتراضات کے مقابلہ میں کیسے جسمی مصلحتیں ہوئیں، ایک مسلمان کی اتفاقی اور ادنیٰ لغزش ہو زبان کی روانی اور قلم کی رفتار، مارگولیس اور تولڈیکی، قرآن پاک میں جتنی چاہیں، نعوذباللہ تاریخی، جغرافی، ادبی، کلامی، غلطیاں نکال کر رکھدیں، توریت اور انجیل، سیرت پاک جس جس طرح چاہیں، مسخ کر ڈالیں، "مستشرقین" کی فوج کی فوج، جس جس پہلو سے چاہے، اسلام پر، عقائد اسلام پر، شعائر اسلام پر، حملہ آور ہوتی رہے۔ انکے مقابلہ کے لیے صرف ایک فرد ——— سید سلیمان ندوی نکلے، اپنی ساری زندگی اسی مقصد کے لیے وقف کردی، اور ہزارہا ہزار صفحے لکھ کر ڈال دیے۔ باقی تمام حضرات ——— باتمکین تمام اپنے مقدس حجروں میں زاویہ نشیں رہے۔ لیکن اسی ایک مرد میدان سے اگر ہزارہا ہزار صفحات میں دو چار، دس پانچ، جگہ لغزش ہو جائے، تو بس دیکھیے کس مسرت، کس جوش، اور کس مردانگی کے ساتھ اسکی تجہیل اور تفضیح اور تکفیر پر پمفلٹ نکل رہے ہیں، رسالے شایع ہو رہے ہیں، فتووں پر مُہریں لگ رہی ہیں! ——— گویا سلف سے لیکر آج تک کوئی ایک صاحب قلم ایسے بھی ہوے ہیں، جنکی تحقیقات میں اول سے آخر تک کہیں حرف رکھنے کی گنجایش ہی نہ ہو!

غالب نے کہا تھا ؎

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار

رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

ہمارے ان حضرات کی اصطلاح میں پیمانۂ صہبا سے مراد ہے کسی عالم

اورخادم دین کی تصنیفات ہیں! کس خوشی کے ساتھ ایک مسلمان کو نا مسلمان ثابت کرنے کے لیے چلتا ہے! گویا کوئی موٹا شکار ہاتھ آگیا!

یہ تدبیریں، تشدد بیجا، اور جزئیات میں غلو کا انجام آپ اُسوقت بھی دیکھ چکے، جب خلوص و ولولۂ جہاد کی افراط تھی۔ اب جبکہ یہ جنس بھی گراں ہو چکی ہے، اس تنگ نظری کے جو نتائج نکلنے والے ہیں اور نکل رہے ہیں، کس کی نظر سے مخفی ہیں؟

وقت کی فتنہ سامانیاں

ایک نوجوان گریجویٹ، جو انشاءاللہ صاحب اُ بھی ہیں اور دیندار بھی، اپنے ایک خط میں، وقت کی بعض دلچسپ تحریکات، اور "روشن خیالیوں" کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"ابھی ابھی ایک تراشہ دیکھ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں نوجوانوں کی ایک جماعت، جو وطنیت، اشتراکیت اور ادب اور آرٹ کے ذریعہ اسلام سے بغاوت کرنا چاہتی ہے، اُسکے لیے موقع نہایت اچھا ہے۔ فضا سازگار ہے۔ ہندوؤں کا روپیہ ہمت افزائی کے لیے موجود ہے۔ آزادی اور غریبوں کی امداد کے پردے میں اباحیت اور لادینیت کی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔ کہیں "ترقی پسند مصنفین" ہیں، کہیں "شعرائے انقلاب"، کہیں "قومی" درسگاہیں! غرض عجیب عجیب آفتوں کا سامنا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ گذشتہ ۱۶ سال میں ہندوستان سیاسی، اجتماعی، ذہنی، مذہبی، ہر لحاظ سے روبہ تنزل ہے۔ یہ کیوں ہے؟ میں نے سوچا تو بہت، مگر دماغ کام نہیں کرتا"۔

اسباب کی مفصل بحث تو بہت طویل ہے، اور پیچیدہ بھی۔ لیکن تعبیر سے تو غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہو۔ اور زیادہ افسوس اسکا ہے، کہ جس طبقہ کو ان فتنوں کا احساس ہونا چاہیے تھا، یعنی طبقۂ علماء کو، اُسی کو احساس نہیں۔ بیداری پھر اگر ہے، تو اُسی "روشن خیالی" اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں ہے، جہاں سے یہ فتنے اُٹھ رہے ہیں۔ قدرت کی وہی پرانی کارسازی، کہ جہاں درد پیدا کیا، وہیں دوا بھی موجود کردی!

عورت کی آزادی

مذہب کے ایک دوست نہیں، دشمن، اور مغربیت سے بیزار نہیں، فرنگیت کے شیدائی، ایک رسالہ کا اقتباس:-

"عورت کے حسن وجمال کا سودا سب سے اچھا اسوقت سنیما کی دُنیا میں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں کی مسابقت میں اُسے جتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، اُسکا اندازہ ہر شخص نہیں کرسکتا۔ کچھ زمانہ قبل تک عورت کے حسن کا بڑا معیار، اُسکے جسم کی سخافت تھا۔ اس نزاکت یا "دُبلاپن" کے حاصل کرنے کے لیے عورت کو مسلسل فاقے کرنے پڑتے تھے۔ درتمام دنیا کی غذائیں ترک کرکے صرف چند مختصر غذاؤں پر زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ہالی وُوڈ میں کام کرنے والی بعض عورتوں کی غذا صرف یہ تھی۔ صبح کو نصف لیموں کا رس۔ دوپہر کو چند چمچے ساگودانہ۔ رات کو پھر وہی افشردہ لیموں۔ کیا ممکن تھا کہ وہ روٹی کا ایک ٹکڑا کھالیں یا ٹماٹو اور لذیذ غذائیں چکھ سکیں۔ لیکن اب یہ حالت باقی نہیں رہی ہے، اور انکو چند کیلوگرام اپنا جسم بڑھانے کی اجازت دیگئی ہے، جس سے وہ بجائے نصف لیموں کے پورے لیموں کا افشردہ پی سکتی ہیں، اور کبھی کبھی روٹی کا کوئی ٹکڑا بھی انھیں نصیب ہو جاتا ہے.....

پہلے فراخ پیشانی لوازم حسن میں داخل تھی، لیکن اب اسکی تنگی کو پسند کیا جاتا ہے، اور اسی لیے بالوں کی آرائش اس طرح کی جاتی ہے کہ پیشانی فراخ معدوم ہوجائے۔ پھر یہ ذوق صرف سنیما تک محدود نہیں ہے، بلکہ اونچی سوسائٹی میں بھی پایا جاتا ہے، اور اس طرح اب یورپ کی عورت صرف ایک ایسی صنعت رہ گئی ہے، جسے مرد کی ہر نگاہ کے ساتھ بدلتا رہنا چاہیے"۔

یہی ہے یورپ کی وہ "آزاد عورت" جسکا ڈھنڈورہ مشرق بھر میں پٹ رہا ہے! اس "آزادی" کی حقیقت کوئی خود یورپ کی عورت ہی سے پوچھے!

شرمناک اعداد

ایک ممتاز ڈاکٹر، آئی ایم ایس، اور لفٹنٹ کرنل نے طلبۂ بمبئی کے ایک جلسہ میں بیان کیا، کہ صوبۂ بمبئی کے طلبہ کی آبادی میں تقریباً ۱۵ فی صدی، شرمناک جنسی امراض میں مبتلا ہیں، اور اس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں! (امرت بازار پتر کا، سہ روزہ، ۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

ڈاکٹر نے ان اعداد پر جو ماتم انگیز تبصرہ کیا ہے، اُسکا نقل کرنا یقیناً غیر ضروری ہے۔ ہر دل رکھنے والے کے دل پر خود اس خبر سے جو کچھ گزر کر رہیگی، اس پر اضافہ کون سا تبصرہ کر سکتا ہے؟

لاہوری جماعت

پنجاب سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان لکھتے ہیں:-

"پیغام صلح اکثر ملاحظہ سے گزرتا ہوگا۔ "قادیانی مذہب" کی اشاعت پر یہ لوگ نہایت چراغ پا ہیں۔ ڈاکٹر... نے مولانا سید سلیمان صاحب کو جی بھر کر کوسا۔ ... قول پروفیسر الیاس برنی، قادیانیت کا مطالبہ یہ ہے کہ اول تمام انبیاءؑ کے کمالات کو مرزا صاحب کی ذات میں تلاش کیا جائے۔ پھر مرزا صاحب کے تمام نقائص انبیاءؑ کی طرف منسوب کر دیے جائیں۔ اس لاہوری طائفہ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اسلام کی کچھ "خدمت" کی ہے اگرچہ مجھے اس میں بھی تامل ہے! لیکن پروفیسر الیاس برنی کے الفاظ میں یہ کیوں ضروری ہے کہ اس "خدمت" کے اعتراف کے ساتھ ناموریت کا سارا طومار خرافات بھی صحیح تسلیم کیا جائے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ بلی خرید لیے اگر اونٹ اسکے ساتھ ضرور لینا پڑیگا۔

ان لوگوں کی ذہنیت بالکل وہی ہے، جو ہندو قوم کی

جب تک آپ انکی تعریف کرتے رہیں اور انکی قیادت اور رہنمائی کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں، آپ کو شاباشی دیجائیگی، لیکن ادھر آپ نے ذرا سا اختلاف کیا، اور اُدھر فتویٰ ملا، کہ آپ ٹوڈی ہیں، حکومت پرست ہیں۔ اسی طرح لاہوری احمدی کہہ اُٹھے گا کہ آپ ہیں کیسے از "علماءِ سوء"۔ گویا دنیا بھر کی صداقت اسوقت جماعت احمدیۂ لاہور کے حصہ میں آئی ہے اور مرزا صاحب ہیں کہ سارا اسلام سمٹ کر انکی ذات میں جمع ہوگیا ہے۔ میری رائے میں آپ، یا دوسرے اکابر قوم کی طرف سے دو چار تعریفی کلمات جو انکے حق میں نکل گئے ہیں، اُن سے ہزار دس لاکھوں آدمی گمراہ ہوئے ہیں۔ پنجاب میں یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، جو مسلمانوں کو کھائے جا رہا ہے۔

سطور بالا میں اصل خیال بڑی دردمندی کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اسلام میں عدل کی بڑی تاکید آئی ہے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ تکرار ہے کہ دشمنوں کے حق میں بھی انصاف کی بات کہو۔ اور خود قرآن نے عمل بھی اسی پر کیا ہے۔ یعنی جہاں یہود و نصارٰی و تمام اہل کتاب کے معائب کھول کر رکھ دیے ہیں، وہاں انکی خوبیوں سے بھی انکار کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ اسی لیے آج بھی طریقہ ہمارا یہی رہنا چاہیے۔ آریہ سماج کو اسلام سے جو شدید دشمنی ہے، ظاہر و واضح ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آریہ سماج نے مورتی پوجا کو مٹا کر ایک اسلامی خدمت انجام دی، تو انصاف اور حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔ یہ مثال انتہائی تھی، اب اسی کو ہلکا کرکے جماعت لاہور پر منطبق کرلیا جائے۔ اشاعت قرآن وغیرہ کے سلسلہ میں جو مفید خدمات اس نے انجام دی ہیں، وہ اپنے اندازہ اور اپنے درجہ و مرتبہ کے مطابق، کل بھی قابل داد تھیں، اور آج بھی قابل داد ہیں۔ لیکن ظاہر ہے اسکے یہ معنی تو کسی طرح نہیں ہوسکتے کہ ساتھ ہی ساتھ انکی گمراہیوں کو بھی تسلیم کرلیا جائے۔ ایک کلمہ گو ہمارے ساتھ توحید میں شریک ہے۔ بہت، اگر اس کے ساتھ بدعقیدہ ہوجاتا ہے، ایک یہودی ہمارے ساتھ توحید اور نفس نظریۂ رسالت میں ہمارا ہم عقیدہ ہے لیکن اسی کے بعد الگ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح لاہوری جماعت جن جن مسائل میں ہماری ہم عقیدہ ہے، اسکی شرکت باعث مسرت ہے، باقی جہاں سے "احمدیت" کے حدود شروع ہوتے ہیں، نہ کسی ذمہ دار مسلمان کو اس سے ہمدردی ہے، اور نہ کسی نے اس حیثیت سے اسکی داد دی ہے۔ دھوبی اور اونٹ والی تشبیہ ماشاء اللہ نہ صرف دلچسپ ہے، بلکہ آئینۂ حقیقت بھی۔

حاصل تعلیم

امرت بازار پتریکا (۶ دسمبر ۳۵ء) کا وقائع نگار الہ آباد لکھتا ہے، کہ حال میں شہر کی پولیس میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے ایک ایم اے کانسٹبلی کے عہدہ پر بارہ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر مقرر ہوئے ہیں۔ میٹرک اور ایف اے، اور بی اے، تو اسکے قبل بھی پولیس میں اسی عہدے پر بھرتی ہو چکے تھے، اب ایم اے کی بھی باری آگئی —

پیٹ تو دہائی ہے کہ فاقہ کشی کی حالت میں کانسٹبلی تو پھر معزز عہدہ ہے، چار اور پانچ روپیہ کی چوکیداری بھی غنیمت معلوم ہوگی۔ عبرت کے قابل ہم لوگوں کا حال ہے، کہ بے سوچے سمجھے، بغیر آگے پیچھے غور کیے، اپنے لڑکوں کو اسکولوں اور کالجوں کی بھٹی میں جھونکتے چلے جا رہے ہیں۔ عربی مدرسوں سے متعلق تو اب تک یہ طعن تھا، کہ ان میں پڑھنے والے بجز مسجدوں میں موذنی کے اور کس خدمت کے لایق ہو کر نکلیں گے، لیکن طعن سے نہیں، دردمندی سے عرض ہے، کہ اسکولوں میں فوج در فوج داخل ہونے والے، بجز چوکیداری کے، اور کس منصب جلیلہ کے اہل بنکر نکل رہے ہیں؟

نکاح اور تجرد

عبدالرزاق خاں صاحب فیض آبادی ایجنٹ اخبار [illegible] تحریر فرماتے ہیں:-

"... صاحب [illegible] ہفتہ وار ... یکم اپریل ۳۵ء میں 'میری بہن' [illegible] جو اقتباس یہ لکھتے ہیں، وہ [illegible] میں فرماتے ہیں: "میرا یا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آدمی کو حتی الامکان شادی نہیں کرنی چاہئے۔ بظاہر یہ بات بہت عجیب معلوم ہوگی۔ کہا جائے گا، ہمیشہ سے آدمی شادی بیاہ کرتے آئے ہیں۔ سچ ہے، لیکن خدارا یہ بھی تو سوچیے کہ ہمیشہ سے مصیبتوں میں بھی گرفتار ہوتے چلے آئے ہیں، اور آدمی کی مصیبتیں زیادہ تر اسی سے پیدا ہوئی ہیں، جسے آپ شادی کہتے ہیں۔ تجرد کی پاکیزہ زندگی سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں۔ یہی زندگی انسانیت کو کمال پر پہونچا سکتی اور روح کو ترقی دے سکتی ہے۔ لیکن اگر شادی کرنے پر آدمی مجبور ہی ہوجائے، اگر بدبختی اسے اس آفت سے پھنسائے بغیر نہ چھوڑے، تو پھر اُسے چاہیے کہ کم سے کم اولاد پیدا ہونے دے۔ اولاد بذات خود فتنہ یعنی خدا کی طرف سے بندے کی آزمائش ہے۔ اور عقلمند وہی ہے جو آزمائش سے بچا اور بھاگتا ہے۔" ... صاحب کے اس مضمون پر ضرور اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیے"۔

اقتباس بالا میں دعوے حسب ذیل کیے گئے ہیں:-

۱- شادی انسان کے لیے بدترین لعنت ہے۔
۲- تجرد، بہترین نعمت ہے، ترقی روح و تکمیل انسانیت کا ذریعہ۔
۳- اگر بدبختی سے انسان شادی کی مصیبت میں گرفتار ہو ہی جائے تو اولاد کم از کم پیدا کرے۔
۴- اولاد کی کثرت، سخت ناپسندیدہ ہے۔ اور اولاد انسان کے حق میں "فتنہ" ہے۔
۵- عقلمند وہ ہے جو آزمائش سے بچے اور بھاگے۔

ان میں سے دعوے اول و دوم کو تو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں — تجرد، مسیحی راہبوں اور ہندو جوگیوں کے عقیدہ میں کیا کچھ بھی نعمت ہو، اسلام میں (بجز استثنائی حالات کے) اسکے لیے کوئی گنجایش نہیں۔ اسلام تو ان جاہلی تخیلات کے مٹانے ہی کے لیے آیا تھا۔

احادیث تو فضائل نکاح سے بھری پڑی ہیں، باقی خود کلام مجید (فانکحوا۔ بہ صیغۂ امر) کس کثرت سے لاتا ہے۔ اور نکاح اور متعلقات نکاح کے مسائل کتنی جزوی تفصیلات کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ انبیاء سابقین کے ذکر کے ساتھ بہ کثرت انکے "اہل" کا بھی ذکر ہے۔ بعض (مثلاً حضرت موسیٰؑ) کے نکاح کی تفصیل درج ہے۔ اور حضور انورؐ کی ازواج مطہرات سے جس جس طرح خطاب و التفات ہے، اس سے تو کوئی بھی ناواقف نہیں کہا جا سکتا۔ بات صاف ہی موٹی ہے۔ اس کی مطلق ضرورت نہیں کہ تمام آیات و احادیث متعلقہ نقل بھی کیے جائیں۔

نمبر (۴)، و نمبر (۵) بھی اسلام کی نہیں، امریکہ اور یورپ (خصوصاً روس) کی تحریک "منع حمل" کی صدائے بازگشت ہیں۔ اولاد کی تو کلام مجید نے حضرات انبیاء کی زبان سے بار بار نقل کیا ہے، اور وعدۂ ولادت کو انبیاء کے حق میں بھی بشارت و نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں جہاں مومنین صادقین کی علامتیں گنائی ہیں، ایک علامت یہ بھی بتائی ہے، کہ وہ لوگ اس کی بھی دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اولاد و ازواج سے سکھ اور چین نصیب رہے، والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین۔ حضرت یعقوبؑ پیغمبر کی "بارہ" اولادوں کا حال کسے نہیں معلوم۔ حدیث میں تو تاکید ہے، کہ نکاح کرو ہی ایسی عورت سے، جس سے زیادہ اولاد ہونے کی امید ہو۔ رہا اولاد کے لیے قرآن مجید میں "فتنہ" کا لفظ آنا۔ سو یہ لفظ تو فرشتوں کے حق میں بھی آیا ہے، کیا خدانخواستہ اس سے انکا مبغوض ہونا مراد ہوگا؟ عربی کے اس "فتنہ" کا مفہوم، اردو کے "فتنہ" کے بالکل مختلف ہے۔ مراد محض آزمائش، و امتحان، معیار، کسوٹی ہے، نہ کہ فساد، افساد، و شیطنت۔

پانچواں دعوےٰ ہے کہ عقلمند وہ ہے جو آزمائش سے بچے اور بھاگے۔ "عقلمندی" کا یہ معیار یقیناً "اوریجنل" (اچھوتا) ہے۔ اور اسکا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ سب سے زیادہ عقلمند جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والے راہب اور جوگی قرار پائیں، وہ جو ہر میدان سے بھاگ کر رہے۔ اور عقل سے سب سے زیادہ بعید، وہ مجاہدین حق ٹھیریں، جو ہر دور میں قتل و قتال، دار و رسن، قید و بند کی آزمائشوں کی طرف لپکتے رہے۔

دارالعلوم ندوہ

حکیم ڈاکٹر عبد العلی صاحب، ایم، بی، بی ایس اپنے ایک گشتی مراسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:—

"دارالعلوم ندوہ پر تقریباً ڈیڑھ ہزار ماہوار صرف ہو رہا ہے، چالیس سے زائد طلبہ کے قیام و طعام کی کفالت ندوۃ العلماء کرتا ہے۔ اور ہندوستان سے باہر ملک کے طلبہ یہاں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ترکستان، سماترا، چین، مالدیپ، حجاز، عمان، نیپال کے طلبہ آجکل مصروف تعلیم ہیں..... رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ..... "عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے، جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کے رہنے والے، یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں لوگوں کو بھلائی سکھلانے والے پر درود بھیجتی ہیں"۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے یہ فضائل حاصل کریں اور آپ کو قیامت تک ان بیشمار اللہ کے بندوں کے اعمال کا ثواب ملتا رہے، جنھیں آپ کی عالم اولاد کے ذریعہ سے ہدایت ہوگی تو اپنی اولاد کو اس دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے کو بھیجیے۔ اگر بدقسمتی سے آپ نے کسی بچہ کی دینی تعلیم نہیں دلائی ہے، تو اسکا کفارہ اس طرح کیجیے کہ غریب مسلمان بچوں کو تعلیم دینے کے لیے کچھ ماہوار امداد مقرر فرمائیے، یا یکمشت عطا یا مرحمت فرمائیے، انکی تعلیم سے بھی اتنا ہی ثواب قیامت تک ملیگا۔ اگر آپ صاحب نصاب ہیں، تو زکوٰۃ نکالیے، اور وہ روپیہ غریب مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے ندوۃ العلماء بھیجیے"۔

سورۂ بقرہ رکوع ۲۲

بہ سلسلۂ صدق ۲۱ وماقبل

(از عبد الماجد)

۱- لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیٖن، واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر - اور مال دے اس کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں - اور نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

وفی الرقاب، واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ، والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا، والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس، اولٰئک الذین صدقوا، واولٰئک ھم المتقون

اور وہ اشخاص جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں، اور وہ کہ ثابت قدم رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں - یہی وہ لوگ ہیں، جو سچے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں، جو متقی ہیں

لہ (جیسا کہ گمراہ قومیں سمجھ رہی ہیں) آیت کا یہ ٹکڑا تمام تر گمراہ مشرک قوموں کے رد میں ہے۔

لہ (حالت نماز میں۔ وقت عبادت) اسلام سے قبل دنیا میں سمت پرستی رائج تھی۔ سورج چونکہ مشرق سے نکلتا ہے، اور سورج بہت سی قوموں کا دیوتا ہوا ہے، اسلیے ان مشرک قوموں میں سمت مشرق خود ہی مقدس ہوگئی تھی، اور مشرق کی طرف رخ کرنا بجائے خود ایک عبادت تھی۔ عیسائیوں نے جہاں آفتاب پرست مشرک رومیوں سے اور بہت سی چیزوں کو لیکر اپنے مذہب کا جزو بنا لیا، اس مشرق پرستی کو بھی لے لیا۔ چنانچہ آج تک، عیسائی جہاں کہیں بھی ہیں، مشرق ہی کی طرف رخ کرکے عبادت کرتے ہیں، اور انکے گرجے مشرق رویہ ہوتے ہیں۔ اسلام نے پہلی بار اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگائی، اور کہا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی عبادت نہیں۔ بلکہ عبادت یہ ہے، جسکی تفصیل آیت میں آگے آتی ہے۔ اگلے مفسرین کو آیت کے اس جزو کی تاویل میں جو دشواری پیش آئی ہے، وہ صرف اس لیے کہ انکی نظر مذاہب غیر کے اس گمراہانہ عقیدہ پر نہ تھی۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت نہیں مقرر کی ہے، اس نے تو صرف خانۂ کعبہ کو مرکزی حیثیت دی ہے، جو کہیں سے مشرق میں واقع ہے، اور کہیں سے مغرب میں، کہیں سے شمال میں اور کہیں سے جنوب میں۔

تہ کیتھلک ڈکشنری میں ہے:—

"نماز میں مشرق کی طرف رخ کرنے کا دستور ایک مشرکانہ دستور تھا، جسے قدیم مسیحیوں نے اختیار کرکے اسے ایک نئے معنی پہنا دیے، اس بنا پر کہ انسان کا ابتدائی وطن مشرق ہی ہے، اور مسیح کی دنیوی زندگی مشرق ہی میں بسر ہوئی، اور قیامت کے دن لوگوں کے فیصلہ کے وقت بھی انکا ظہور مشرق ہی سے ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے بلند وکشادہ مقامات میں اپنے گرجے نور آفتاب کے رخ پر بنالے اور اپنے مُردوں کے پیر مشرق کی طرف کرکے دفن کرنے شروع کردیے" (صفحہ ۳۰۶)

زیر حوالے رکوع ۱۴ میں آیت نمبر ۱۵ وجہ اللہ کے تحت میں گزر چکے

سکہ مشرق پرستی سے تو کم، لیکن پھر بھی عام و وسیع مغرب پرستی کی دنیا بھی رہی ہے۔ سمت مغرب، غروب آفتاب پر قیاس کرکے، بہت سی مشرک قوموں کے نزدیک موت کا وطن ہے۔ (ٹائلر کی کتاب "تہذیب ابتدائی" جلد ۲ صفحہ ۴۲۲) مسیحیوں کے اس مغرب کا جو مرتبہ ہے، اسکے باب میں بھی حوالہ رکوع ۱۴ - آیت وللہ المشرق والمغرب کے تحت میں درج ہو چکا ہے۔

ھہ مشرک قوموں کی گمراہی کے رد کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصل عبادت اصل نیکی یہ ہے، جسکی تفصیل آگے آتی ہے، اور اس میں سب سے پہلے عقائد کو لیا ہے۔

لہ وتردید ہے دہریت کی۔ مادیت ودہریت اور لاادریت، وغیرہ جیسے ہر وہ عقلی و دینی مسلک جس میں توحید باری کا پوری طرح اقرار نہیں، اسے "بر" حقیقی نیکی سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ بودھ مذہب اور جین مذہب میں بھی کہا جاتا ہے کہ توحید باری موجود نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ بھی اسی حکم میں آتے ہیں۔

شہ بہت سی گمراہ قومیں ایسی بھی ہوئی ہیں، جنھوں نے خدا کو مانکر بھی آخرت سے انکار کیا ہے۔ خود یہود صدیوں تک خدا پرستی کے مدعی رہے، لیکن عالم آخرت سے بحث نہ رکھا۔ اس میں رد آگیا کل منکرین آخرت کا، خواہ وہ جزا سزا اسی دنیا میں قومی واجتماعی حیثیت سے سمجھتے ہوں، یا افراد کے لیے بقاعدۂ تناسخ۔

شہ فرشتوں پر ایمان کے معنی ہیں کہ اللہ کے ان نورانی فاصدوں اور مقرب بندوں کا وجود تسلیم کیا جائے، جو بجائے خود انسانوں ہی کی طرح محض بے بس و بے اختیار ہیں۔ اس میں رد آگیا تمام دیوتا پرست اور دیوی پرست قوموں کا۔ دیویاں اور دیوتا، فرشتوں ہی کے مسخ شدہ مترادفات ہیں۔

ؔہ کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی تمامتر اسلامی ہی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو اور بھی بیگانہ ہیں، خود "اہل کتاب" یعنی یہود و نصاریٰ بھی اس اصطلاح کے مطابق کتاب آسمانی کے قائل نہیں۔ انکے یہاں کتاب کے معنی صرف اس قدر ہیں، کہ خدا نے بعض اشخاص کو ہدایت کے لیے منتخب کیا اور انکے قلوب میں کچھ مضامین بطور الہام، القا کردیے بعد کو ان لوگوں نے وہ مضامین اپنے الفاظ میں مرتب کرکے اپنے شاگردوں کو زبانی سنا دیے۔ لکھے ان پیمبروں نے بھی نہیں۔ چہ جائیکہ بعینہ

۲۔ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ۔ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ، فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذالک تخفیف من ربکم ورحمۃ

اے وہ لوگو، جو ایمان لاچکے ہو، تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے باب میں۔ آزاد آزاد کے بدلہ میں اور غلام غلام کے بدلہ میں اور عورت عورت کے بدلہ میں۔ ہاں جس کو اُسکے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہوجائے، تو معقول طور پر مطالبہ کرنا ہے اور خوبی کے ساتھ

فمن اعتدیٰ بعد ذالک فلہ عذاب الیم۔

اُسکے پاس پہنچا دینا ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت ہے۔ پھر جو شخص اسکے بعد زیادتی کرے گا، اسکے لیے عذاب ہے دردناک۔

۳۔ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔

اور قصاص تمہارے لیے زندگی ہے، اے اہل فہم! تاکہ تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ

الفاظ کا، بصورت وحی محفوظہ خارج از امکان خطا، نازل ہونا۔

ہ۱۰ یہ رد ہے اوتار پرستی کا۔ پیمبر کے ٹھیک مقابل، مشرکانہ تخیل اوتار کا ہے۔ اوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی قالب اختیار کرکے (یہ بھی ضرور نہیں کہ قالب انسان ہی کا ہو، چارپایہ، مچھلی، حشرات الارض، کوئی سا بھی مخلوق ہو) دنیا میں آجاتا ہے۔ پیمبر اسکے برعکس بشر محض ہوتا ہے۔ بجز وحی کے اور کسی حیثیت سے بھی عام انسانوں سے ممتاز نہیں ہوتا۔

ہ۱۱ تصحیح عقائد کے بعد اب تصحیح اعمال شروع ہوتی ہے۔ اور اعمال میں ابتدا، معاملات سے ہوئی ہے۔

ہ۱۲ "اُس" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ مال کا خرچ کرنا مطلقاً کوئی صفت کی بات نہیں۔ محمود صرف وہ خرچ ہے جو "اللہ کی محبت میں" اللہ کی رضاجوئی کے لیے کیا جائے۔

ہ۱۳ یہ ہے اسلام کا نظام معاشیات۔ ہر شخص اگر درجہ بدرجہ، اپنے تمام بعید و قریب کے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ، جود وعطا کا پابند ہوجائے، تو قوم میں افلاس، بے معاشی، تنگدستی کا وجود کہیں باقی رہ سکتا ہے؟

ہ۱۴ (قیدیوں اور غلاموں کی) "گردن چھڑانے" سے محاورہ میں مراد آزاد کرانا ہوتی ہے۔

ہ۱۵ (اوقات متعینہ پر، اور حسب قواعد شرعیہ)

ہ۱۶ عقائد، معاملات، عبادات کے بعد اب اخلاق کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

ہ۱۷ اعداء دین کے مقابلہ میں۔

ہ۱۸ یعنی کمالات حقیقی کے ساتھ موصوف ہیں۔

ہ۱۹ پادری وہیری صاحب وہ ہیں، جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں دہا ہزارہا صفحات سیاہ کیے ہیں۔ سیل کے انگریزی ترجمہ قرآن پر تفسیر کا اضافہ آپ ہی نے کیا ہے۔ اس آیت پر پہونچکر لکھتے ہیں:۔

"یہ قرآن کی لبند ترین آیتوں میں سے ہے ...... خدا پر ایمان اور انسان کے ساتھ حسن سلوک کو اس میں واضح طور پر مذہب کا اصلی جوہر بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد و اعمال کا آگیا۔"

خیر، اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ قرآن مجید میں کچھ آیات تو بہرحال "بلند" ہیں۔ پادری صاحب سے اتنے اعتراف کی بھی کسے توقع تھی؟

ہ۲۰ (بہ حالت حکومت، یعنی جب تم باقاعدہ قوت نفاذ رکھتے ہو)

ہ۲۱ قصاص، انتقام کا مترادف نہیں، بلکہ ایک منظم، مہذب، وآراستہ شکل کا نام ہے۔ ایک قانونی حق ہے۔ اسکے اجرا کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل وعقد پر ہے۔ یہ نہیں، کہ فرداً فرداً ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق دوسرے سے "قصاص" لینا شروع کردے۔

ہ۲۲ شریعت موسوی کے احکام قتل کے باب میں ملاحظہ ہوں:۔

"اور وہ جو انسان کو مارڈالیگا، سو وہ مارڈالا جائیگا"

(احبار، ۲۴: ۱۷)

"وہ جو انسان کو مارڈالے، جان سے مارا جائے"

(" " ۲۱)

ہ۲۳ دنیا کے عموماً ہر قانون میں قتل عمد کی سزا قتل ہی ہے۔ البتہ خود "قتل عمد" کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اسلامی قانون میں "قتل عمد وہ ہے، کہ ارادہ کرکے کسی کو کسی آہنی سلاح سے یا ایسی چیز سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے، قتل کیا جائے۔ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے جرم میں خاص ہے۔" (مولانا تھانوی)

ہ۲۴ فقہ حنفی میں

"ایسے قتل میں جیسا آزاد آدمی آزاد کے عوض میں قتل کیا جاتا ہے، ایسا ہی غلام کے عوض میں بھی۔ اور جسطرح عورت کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے، اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے" (مولانا تھانوی)

ہ۲۵ (قاتلوں میں سے)

ہ۲۶ فریق ثانی، فریق مستغیث کی طرف سے۔

ہ۲۷ "کچھ" یعنی سزا کا کچھ حصہ معاف ہوجائے۔ تمامتر نہیں۔ مطلب یہ کہ مقتول کے اعزہ و ورثہ اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ کچھ اور سزا دے کر اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

ہ۲۸ موجودہ فرنگی قانون کی بنیاد تمامتر مشرک رومیوں کے قانون پر ہے۔ اور اُنکے ہاں قتل تمامتر ایک فوجداری کا جرم تھا، جسے دیوانی سے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ اسلام نے فطرت بشری اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں کو کہیں زیادہ پیش نظر رکھ کر اپنے اصول قانون میں یہ رکھا کہ قتل محض فوجداری ہی کا نہیں، بلکہ دیوانی کا بھی جرم قرار دیا۔ یعنی محض یہی نہیں، کہ یہ جرم، حکومت اور ہیئت اجتماعیہ کے خلاف ہے، بلکہ فرد پر شخصی حیثیت سے بھی حملہ ہے، اور جب یہ ہے، تو

۴	کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔	تم پر فرض کیا جاتا ہے، کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو، تو والدین اور اقارب کے لیے معقول طور پر کچھ وصیت کر جانے، ضروری ہے، انکے لیے جنھیں خوف خدا ہے۔
۵	فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم	پھر جو شخص اسکو تبدیل کر دیگا اسکے سُن لینے کے بعد، سو اسکا گناہ انھیں پر ہوگا، جو اسے تبدیل کریں گے۔ بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا۔
۶	فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینہم فلا اثم علیہ، ان اللہ غفور رحیم۔	ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کے متعلق کسی بے عنوانی یا جرم کا علم ہوا ہو، پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا

مقتول کے اعزہ کو اختیار ہونا چاہیے، کہ وہ چاہیں، تو پوری سزا حکومت کے ہاتھ سے دلائیں، اور چاہیں تو مالی معاوضہ لیکر، آخری سزا سے دست بردار ہو جائیں — اسی معاوضہ کو اصطلاح میں 'دیت' یا "خوں بہا" کہتے ہیں۔

۲۹ (مدعی کے ذمہ)

۳۰ یعنی مقصود محض فریق ثانی کو تنگ کرنا نہ ہو۔

۳۱ (رقم خوں بہا کا)

۳۲ (مدعا علیہ یا ملزم کے ذمہ)

۳۳ (یعنی مدعی کو تنگ اور پریشان کیے بغیر)

۳۴ انکے، یعنی مدعی کے۔

۳۵ (زر مطلوبہ کا، خونبہا کا)

۳۶ یعنی حسب اختیار، زر دیت قبول کر لینے کا قانون۔

۳۷ قصاص کی سختی کے ساتھ دیت کی نرمی کی آمیزش اُسی قانون کا کام ہو سکتا ہے، جو حکیم مطلق کی طرف سے ہو۔

۳۸ یعنی حدود سے متجاوز ہو جائے گا، مثلاً قتل کا جھوٹا دعویٰ کر دے، یا ایک دفعہ معاف کر چکنے کے بعد، پھر سزائے قتل دلانے کے درپے ہو جائے، وقس علیٰ ہذا۔

۳۹ (آخرت میں)

۴۰ یعنی اس قانون کے اندر، تمہارے تحفظ کا، تمہاری بقائے قومی کا سامان رکھ دیا گیا ہے۔ یہ قانون عدل نہ موجود ہو، تو جو غالب و زبردست ہیں، وہ ضعیفوں اور زیر دستوں پر خدا جانے کیسے کیسے ستم ڈھا کر رہیں!

۴۱ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے؟ "تاکہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے) پرہیز کرو۔"

۴۲ یہ احکام قبل نزول احکام توریث کے ہیں، اسلیے اب ناقابل عمل ہیں۔ آیت توریث میں حق تعالیٰ نے غایت لطف و کرم سے سب حقداروں کے حصے خود ہی متعین کر دیے ہیں۔ اسلیے اب عمل انھیں احکام پر ہوگا۔

۴۳ (اپنے مال کے کل ایک ثلث میں سے)

۴۴ (اُس وصیت کو)

۴۵ یعنی حق تلفی کا

۴۶ نہ کہ حکام پر، جو گواہوں کے دھوکے میں آکر احکام صادر کریں۔

۴۷ (اور وہ سن رہا ہے کہ گواہ کس کس طرح اپنے بیان میں جعلسازی سے کام لے رہا ہے۔)

۴۸ (اور وہ جانتا ہے، کہ حاکم یا ثالث ایسے موقع پر غلط فیصلہ میں کیسا معذور و بے بس ہوتا ہے)

۴۹ (بہ سلسلۂ وصیت)

۵۰ = نادانستہ غلطی یا بے مناسبگی۔

۵۱ = دانستہ و ارادی نافرمانی۔

۵۲ (ورثا میں احتمال یا وقوع نزاع کی بنا پر)

۵۳ (گو وہ مصالحت، مضمون وصیت کے خلاف ہو)

۵۴ (اس ظاہری تبدیل وصیت میں)

۵۵ (گناہوں سے)

۵۶ (گناہ گاروں پر) اللہ تو گناہ گاروں تک کے حق میں غفور رحیم ہے، پھر یہ شخص تو گناہ گار بھی نہیں، بلکہ سعی اصلاح میں مطیع حکم ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱)

اسلام کے داعی اوّل کی تعلیم اور عمل کا جو حال تھا وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپ نے نسل و جنس کے غرور و تنگ نظری کو عصبیت جاہلیت سے تعبیر کیا۔ اور بار بار اعلان کر دیا کہ لیس منا من دعا الی العصبیۃ۔ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ۔ لیس منا من مات علی العصبیۃ یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے، وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی اٹھائے — حجۃ الوداع یعنی اس حج کے موقع پر جو آپؐ کی زندگی کا آخری حج تھا۔ آخری خطبۂ وصیت دیتے ہوئے فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء آدم (صحیحین) لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب (رواہ الجماعۃ) آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ اب نہ کسی عرب کو عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ فضیلت اسی کے لیے ہے جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہو۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور اس لیے سب ایک ہی صف میں اور ایک ہی درجے کے ہیں — (منقول)

فصل الخطاب

(از مولانا سید عبد اللہ شاہ قادری صاحب - حیدرآباد دکن)

(سلسلہ صدق نمبر ۲۲)

علامہ فخر رازی تفسیر کبیر میں (دیکھو ج ۲، ص ۳۹۰) ارشاد ربانی
شرع لکم ما وصّی بہ نوحا الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

واقول یجب ان یکون المراد من ہذا الدین شیئا مغائرا للتکالیف والاحکام وذالک لانہا مختلفۃ متفاوتۃ قال تعالی لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا فیجب ان یکون المراد منہ الامور التی لا تختلف باختلاف الشرائع وہی الایمان باللہ والملئکۃ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والایمان یوجب الاعراض عن الدنیا والاقبال علی الآخرۃ والسعی فی مکارم الاخلاق والاحتراز عن رذائل الاحوال۔

میں کہتا ہوں واجب ہے کہ مراد اس دین سے (شرع لکم من الدین) ایسی چیز ہو جو ہر مذہب کے تکالیف و احکام کے سوا ہے یہ اس لیے کہ یہ تکالیف و احکام مختلف رہتے ہیں اور متفاوت ارشاد الٰہی ہے کہ "تم (قوموں) میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک ایک طریقہ و شریعت (مجموعہ احکام و تکالیف) مقرر کیا ہے" لہٰذا واجب ہے کہ مراد اس (دین) سے وہ امور ہوں جو اختلاف شرائع سے مختلف نہیں ہوتے اور وہ یہ ہیں خدا کا یقین، فرشتوں کا یقین، کتب آسمانی کا یقین، پیغمبران خدا کا یقین، آخرت کی زندگی کا یقین۔ اور یہ ایمان دنیا پرستی سے روگرداں اور آخرت پر ہمہ تن متوجہ اور عمدہ اخلاق و عادات کا ساعی اور کمینہ اور بد خصائل سے محترز بناتا ہے۔

نجات و فلاح

یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوشحال اور خوشگوار زندگی کا واحد ذریعہ

"دین" ہے

وہی دین، جس کی اقامت کی وصیت سب نبیوں کو ہوئی اور جسے بالآخر عالمگیر طور پر عملی جامہ پہنانے کی خدمت ملت بیضاء و قوم اسلامی کے سپرد ہوئی۔ وہ دین کیا ہے؟

اجتماعی ایمان بالغیب و عمل صالح

اس ایمان بالغیب اور عمل صالح کی تعریف اس قدر سادہ اور مختصر ہے جس ہم کو کلامی و جدلی و خلافی موشگافیوں کی مطلق ضرورت ہی نہیں اور جو قرآن پاک میں کافی و شافی طور پر بار بار دہرائی گئی ہے اور واضح کر دی گئی۔ چنانچہ قرآن پاک سے ملت بیضا کا جو عقیدہ اور عمل واضح ہوتا ہے یا

یا یوں کہو کہ جو اصول اعتقادی اور فروع احکامی معلوم ہوتے ہیں اور جو موجب نجات و فلاح دارین ہونے کی حیثیت سے کافی و وافی تبلائے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

اعتقادیات

ایمان بالغیب وایمان بالانبیاء وکتب اللہ	الذین یؤمنون بالغیب الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک	جو عالم غیب سے تعلق رکھنے والی چیزوں پر ہیں (اے نبی) جو تمہاری کتاب منزل (قرآن) اور تمہارے سے پہلی کتب منزلہ پر یقین رکھتے ہیں۔
ایمان باللہ و بالملائکہ	کل آمن باللہ و ملٰئکتہ وکتبہ و رسلہ۔	پیغمبر اور مسلمان سب کے سب اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اسکی منزل کتابوں اور اسکے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر یقین رکھتے ہیں۔
ایمان بتقدیر خیر و شر	قل کل من عند اللہ	کہدیجئے پیغمبر کہ سب خیر و شر اللہ ہی کی جانب سے ہے۔
ایمان آخرت بالیوم الآخر	وبالآخرۃ ہم یوقنون	اور بعد مرگ آنیوالی زندگی پر وہ (مسلمان) یقین رکھتے ہیں۔

یہی وہ اعتقادیات سادہ و عالمگیر ہیں کہ فطرت انسانی انھیں ہر جگہ تسلیم کرتی رہی ہے لہٰذا کسی نبی و مرسل نے (یعنی وہ مصلحین خلق جو خدا کی جانب سے الہام و وحی پا کر اٹھتے ہیں) کبھی ان امور میں اختلاف نہ کیا۔ ہاں عبارات و الفاظ کا فرق رہا جو ناگزیر چیز ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ اعتقادیات کس قدر سیدھے سادے واقع ہوئے ہیں۔ یہ کسقدر مختصر ہیں۔ قرآن پاک میں محض ان ہی مختصر اعتقادات کو مع عمل صالح کے باعث نجات دارین قرار دیا ہے۔ جب تک کوئی موانع نہ پیش آئیں ان امور کا ایقان و اذعان، اعمال صالحہ

نتائج ایمان و ایقان اعمال صالحہ ہی ہیں

ہی کا موجب ہوتا ہے اور ہر قسم کے شر و فساد و بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں سے روکتا ہے۔ یہ گویا ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جب کبھی اعمال صالحہ کا ایمان سے تخلف ہوتا ہے سو وہ ایمان میں خلل و خرابی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایمان کما ینبغی پایا جائے اور اعمال صالحہ نہ پائے جائیں۔ شاذ شاذ حالتوں کا اعتبار نہیں۔ النادر کالمعدوم (؟) المحذورات قاعدۂ کلیہ ہے یہی سبب ہے کہ علماء سلف و سلفی الاعتقاد علماء کا یہ نظریہ مشہور و معروف ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں۔ ان بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ ایمان سے اعمال کا تخلف و تاخر جائز سمجھنا ارجاء ہے، اور ارجاء گمراہی اور ضلال ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ ان لوگوں کو مرجیہ اور فرقہ ضالہ مخالف اہل سنت و جماعت جانتے ہیں۔ چنانچہ محض اسی وجہ سے علامہ ابن حزم ظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں اور حضرت محبوب سبحانی قطب جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں فرقۂ مرجیہ میں حنفیوں کو بھی داخل کر دیا ہے۔ اشعریت جب شافعیوں سے نکل کر حنفیوں میں بھی آگئی* اور

---

* میرا خطاب عام فرقہائے اسلام سے ہے لہٰذا میرا اصل استدلال قرآن پاک ہی سے ہے جسے سب کتاب اللہ ماننے پر متفق ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی کی تفسیر سے محض تائید مقصود ہے نہ کہ استدلال۔ اسکے ماسوا میں اپنے ہر نظریہ اور ہر خیال میں عام طور پر کتاب اللہ و حدیث سے ہی استدلال کرتا ہوں۔ کتب علماء سے نقل میری عادت نہیں۔ الا ماشاء اللہ

* تاریخ کامل ص ۳۸ ج ۱۰ - کان ہوای ابو الحسین القاضی دابوہ ای ابو جعفر السمنانی من القائلین فی مذہب الاشعری ولا بیہ تصانیف کثیرۃ ہذا ما یسطریف [illegible]

۳ اور اہل سنت اشعریت سے مخصوص ہوگئے علامہ ابن حزم نے نہ یہی حضرت محبوب سبحانی نے ۔ تو مزدریہ قول باعث حیرانی و پریشانی ہوگیا۔ کیونکہ بہت سارے قادری المشرب و جیلانی النسب اگر آج حنفی ہی حنفی ہو گئے ہیں۔ اب تاویلیں ہونے لگیں۔ کسی نے کہدیا کہ یہ کتاب ہی حضرت کی نہیں۔ کسی نے کہدیا کہ مرجیہ دو قسم ہیں ایک مرجیہ شر ایک مرجیہ خیر۔ حالانکہ یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ علامہ ابن حزم سلفی الاعتقاد آدمی ہیں اگرچہ انکے زبان و قلم کرخت و سخت مزدور ہیں۔ علی ہذا سب کو معلوم ہے کہ حضرت سیدنا الشیخ الجیلانی مذہب حنبلی و شافعی دونوں پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور اکثر حنابلہ کا سلفی الاعتقاد ہونا مسلم و مشہور ہے۔ اور سلفی اعتقاد میں بلحاظ قرآن و حدیث کی رو سے ایمان میں تمام اعمال داخل ہیں چنانچہ سب محدثین اسی اعتقاد کے رہے ہیں۔ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی کتاب صحیح البخاری پڑھنے والا اچھی طرح جانتا ہے۔ یہاں مجھے اسکی بحث منظور نہیں۔ اشعریت و سلفیت کی تطبیق پر میں پہلے لکھ چکا ہوں اور اسے نزاع لفظی کہہ آیا ہوں۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ ایمان بالغیب اور عمل صالح دونوں میں اس قدر قریبی تعلق و اشتراک ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر صحیح معنوں میں متحقق ہی نہیں ہو سکتا الا ماشاء اللہ اور ان دونوں کا مجموعی متحقق دین ہے۔ گویا دین اگر ایک کلی ہے تو ایمان جنس ہے اور عمل صالح فصل۔ ان دونوں کے امتزاج سے دین کی حد تام پیدا ہوتی ہے جو معرفت دین و ماہیت دین ہے۔

اب رہا قرآنی دین کا حصہ عمل صالح

تو ربوبیت رب کے ساتھ تعلق و معاملہ عبودیت عبد نیز خلق (جو کنبہ خدا ہی) کے ساتھ بہترین برتاؤ برادرانہ و ہمدردانہ کا نام عمل صالح ہے جسکی تعبیر عربی زبان کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ ہر وہ عمل یا قول و فعل جو انسان کی انسانیت کے لائق و سزاوار ہے۔ صالح کے معنی شائستہ و سزاوار کے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے یعنی تمدن و شہری اجتماعی زندگی انسان کی فطری خواہش ہے۔ لہذا باہمی الفت و اتحاد و اتفاق و یگانگت، یکجہتی و ہمدردی و ہمنوائی و موانست و مساوات و مواخات و مواساۃ و غمخواری ایک مطلوب شرعی و مقصود دینی چیز ہے۔ اور یہ پیدا ہوتی ہے کچھ ذہنیت صالحہ سے اور کچھ عملیت صالحہ سے۔

ذہنیت صالحہ وہی ایمان بالغیب ہے جو بار بار مذکور ہوا جسکا جزو اعظم و مقصود اہم توحید ہے۔ جسکا مقصد یہ ہے کہ وہ طاقت مافوق العقل جو خلاق عالم ہو اور محض اسی سے نفع کی امید و ضرر کا خوف صحیح و واقعی طور پر وابستہ ہو اور جسکی خوشنودی باعث خوشی و خوشحالی اور جسکی ناراضی باعث صدگونہ آفت و بربادی ہونے کا اذعان قلبی ہو۔ جب تک اس طاقت کے ایک ہی ہونے کا یقین اجتماعی طور پر بالاتفاق نہ ہوگا تب تک اسکی ماننے والی مخلوق میں بھی موانست اتحاد و مواسات نہیں پائی جائیگی۔ وحد[illegible]ع و مطاع جب تک متحقق بیقین نہ ہوگی تب تک مطیع و تابع افراد کی وحدت و یگانگت ہم آہنگی و ہمنوائی متحقق نہ ہو سکے گی۔ (باقی)

(بقیہ صفحہ ۱)

نہیں۔ جسم لمبائی، چوڑائی اور موٹائی رکھتا ہے اور جگہ گھیرتا ہے۔ برخلاف اس کے ذہن اور اس کی کیفیتیں مکان کی قید سے بے نیاز ہیں۔ خیال کو آپ نہیں کہہ سکتے کہ کسی خاص جگہ رکھا ہوا ہے۔ آپ مادی حیثیت میں خیال کا تصور نہیں کر سکتے۔ مادیین کہتے ہیں کہ خیال دماغی ذرات کی حرکت کا نام ہے۔ لیکن کیا خیال کرتے وقت آپ مادی ذرات کی حرکت محسوس کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو کچھ آپ محسوس کرتے ہیں وہ خیال ہے اور محض خیال۔ جسم سے اسکو دور کی بھی مشابہت نہیں۔ خیال کا آپ کچھ بھی کیجیے خیال ہی رہے گا۔ خیال کو حرکت ٹھہرانا ذہن کو مادی قرار دینا اس سے زیادہ بے معنی ہے جتنا یہ کہنا کہ درحقیقت لوہا لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ سوائے اسکے کیا کہا جا سکتا ہے کہ میرا مشاہدہ اسکی تکذیب کرتا ہے۔

یہاں تک تو تجربہ اور مشاہدہ کی شہادت ہوئی۔ اب مادیت کے استدلال کا رد اور اسکے دلائل کا الزامی جواب باقی رہ جاتا ہے۔ مادیت کی ساری بنیاد ذہن اور مادہ کے درمیان علت و معلول کے تعلق پر قائم ہے۔ یعنی عقل کی رو سے اور اصول مادیت قوت کی رو سے دو مختلف چیزوں میں یہ تعلق ہو نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ مادہ اور ذہن میں یہ تعلق ہے اس لیے دونوں ایک ہیں۔ یعنی ذہن بھی مادی ہے۔ اول تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا مادہ اور ذہن علت و معلول کا تعلق اتنا یقینی اور ناقابل شک ہے کہ اس کی بنا پر دوسری بدیہی حقیقت سے انکار کر دیا جائے۔ میرا جواب نفی میں ہے۔

مادیت اور اسکی حقیقت

(از جناب ظفر احمد صاحب ایم اے، لکچرر فلسفہ، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

عام لوگوں اور اکثر فلاسفہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ روح اور مادہ دو مختلف بلکہ متضاد حقیقتیں ہیں۔ لیکن مادیت اس دوئی سے انکار کرتی ہے۔ اسکے نزدیک جس طرح مادہ کی حرکت سے مختلف چیزیں ظہور میں آتی ہیں اسی طرح دماغی ذرات کی حرکت سے شعور، خیال، ارادہ، احساس۔ غرض تمام ذہنی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان دعاوی کی تائید میں مادیت کی طرف سے حسب ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں:۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ذہنی کیفیتوں اور جسمانی تبدیلیوں میں گہرا تعلق ہے۔ مثال کے طور پر جذبہ کو لیجیے۔ جذبہ ایک ذہنی چیز ہے۔ لیکن کسی جذبہ کے طاری ہونے کے وقت جسمانی نظام میں ایک اختلال ایک ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔ آپ جذبہ کو اس ہیجان جسمی سے کبھی جدا نہیں کر سکتے۔ اگر آپ تمام جسمانی علامتوں کو دور کرنے پر قادر ہو جائیں تو یقین کیجیے کہ آپ جذبہ کو دور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی طرح علم تشریح الاعضاء کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی ذہنی زندگی اور اعصابی نظام ارتقاء میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک جانور کے دماغ اور ایک مہذب انسان کے دماغ کی اندرونی ساخت میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ یہی فرق دونوں کے ذہنوں کے تفاوت کی کنجی ہے۔

ان شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ ذہن اور جسم، روح اور مادہ ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چیز میرے جسم سے مس ہوتی ہے تو اسکا علم مجھے ہوتا ہے۔ جب میں ارادہ کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کو جنبش دوں تو میرا ہاتھ میرے ارادہ کی تعمیل کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم اور ذہن میں علت و معلول کا تعلق یقینی ہے۔ لیکن یہ تعلق دو متضاد چیزوں میں ہو نہیں سکتا۔ علت اور معلول کو ایک ہی قسم کا ہونا چاہیے۔ اس لیے روح اور جسم کی اصلیت ایک ہی ہے یعنی مادہ۔

اصول مداومت قوت جو موجودہ سائنس کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے اسی دعوے کو اور زیادہ روشن اور یقینی طریقہ سے ثابت کر دیتا ہے۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں قوت کی مقدار ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ نہ کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ۔ یہ تبدیلیاں جو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں اسی قوت کی تقسیم کے فرق کی بنا پر ہیں۔ اس قوت کے ظہور کا نام حرکت ہے۔

یہ ممکن ہے کہ حرکت ایک چیز سے دوسری چیز میں چلی جائے یا ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لے۔ یا اجتماعی حرکت متفرق حصوں میں بٹ جائے یا عمل سے استعداد میں تبدیل ہو جائے گر ضائع کبھی نہیں ہو سکتی۔ نہ نئی قوت پیدا ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ ایک متحرک گیند دوسری گیند سے ٹکراتی ہے۔ اب دوسری گیند میں بھی حرکت آ جاتی ہے۔ لیکن جتنی حرکت اس میں آئی اتنی ہی پہلی میں کم ہو گئی۔ اب فرض کیجیے یہ گیند ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ مگر ٹکڑے اپنی جگہ پر متحرک ہیں۔ گویا کل حرکت جو گیند میں یکجا موجود تھی اب متفرق حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد یہ ٹکڑے ساکن ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انکی حرکت فنا ہوگئی۔ حرکت اب بھی اتنی ہی ہے لیکن عملی شکل سے استعداد میں تبدیل ہو گئی۔

اب اس اصول کو موجودہ بحث پر منطبق کیجیے۔ یہ بات تو تجربہ سے ثابت ہے کہ ذہن اور جسم لازمی ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہوا میں کچھ لہریں پیدا ہوتی ہیں جو کان کے اعصاب پر اثر ڈالتی ہیں۔ یہ اثر حرکت کی شکل میں دماغ کے اندرونی مرکز تک پہونچتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آواز محسوس ہوتی ہے۔ اس ذہنی احساس کا سبب کیا ہے ظاہر ہے وہی اعصابی حرکت جو ہوا کی لہروں سے پیدا ہوئی۔ گویا اعصابی حرکت مادی دنیا سے ذہنی دنیا میں چلی گئی جہاں اس نے احساس کی شکل اختیار کر لی۔ اب اگر ذہنی دنیا مادی دنیا سے بالکل مختلف ہے تب جو حرکت ذہن میں پہونچی ہے وہ مادی دنیا سے تو خارج ہو ہی گئی یعنی کچھ مادی حرکت کم ہو گئی لیکن یہ اصول مداومت قوت کے منافی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ مادی حرکت میں کمی نہیں آئی۔ حرکت جو ذہن میں چلی گئی وہ بھی مادی دنیا ہی میں موجود ہے۔ یعنی ذہن بھی مادہ ہی کی ایک شکل ہے۔

اب اس کے برعکس دوسری مثال لیجیے۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ اپنے سیدھے ہاتھ کو جنبش دوں۔ فوراً میرا سیدھا ہاتھ اٹھتا ہے۔ کوئی جسمانی سبب میرے ہاتھ اٹھنے کا تو نظر نہیں آتا۔ خیال آتے ہی یا ارادہ کرتے ہی ہاتھ اٹھنے کے یہ معنی ہیں کہ میرا خیال یا ارادہ ہاتھ کی حرکت کا باعث ہوا۔ یعنی ذہن سے مادی دنیا میں کچھ حرکت آگئی جو پہلے موجود نہیں تھی۔ یہ بھی اصول مداومت قوت کی رو سے ناممکن ہے۔ اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ذہن اور مادہ میں کوئی فرق نہیں اور خیال بھی مادی حرکت کا دوسرا نام ہے۔

ان دلائل سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر کے آغاز عالم کے مسئلہ پر غور کیجیے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جمادات کی دنیا پہلے سے موجود تھی۔ اسکے بعد ذہن یا شعور کا وجود ظاہر ہوا۔ اس لیے یقینی شعور مادہ ہی سے پیدا ہوا اور مادہ ہی کا جزو ہے کیونکہ عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ کوئی چیز آپ سے آپ عدم سے وجود میں آ جائے۔

یہ تھا مادیت کا نظریہ اور اسکے مختصر دلائل۔ اس نظریہ سے جو عملی مادیت پیدا ہوئی اور جو اسکے اثرات اخلاق و مذہب پر ہوئے انکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کس حد تک مادیت اپنے دعوے میں حق بجانب ہے۔

مادیت کے خلاف سب سے پہلی دلیل تو ہمارا وجدان ہے۔ مشاہدہ [illegible] بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ ذہن اور مادہ دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ یہ اتنی کھلی ہوئی بات ہے جو کسی دوسری دلیل کی محتاج

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

اسلام اور قومیت

(از مولانا ابوالکلام آزاد)

چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو دنیا کے قدم "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا اور عرب کی آبادی قبیلوں کا مجموعہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی نسلی جنسیت کے دائرہ کے اندر محدود تھا۔ اس سے باہر کی کوئی وسعت قبول نہیں کرتا تھا۔ ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و غرور نسل انسانی کی تحقیر و تذلیل باہم گر غلبہ و تسلط کے جسقدر مہلک جذبات پیدا ہو جایا کرتے ہیں وہ سب کے سب اس شدت و قوت کے ساتھ ان کے خمیر میں سرایت کر چکے تھے کہ شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں اسکی نظیر مل سکے۔ ان میں کا ہر فرد اپنے قبیلہ کے انتساب سے بڑھ کر دنیا کی عظمت و کبریائی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں جانیں آن کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں تاکہ قبیلہ کے شرف و غرور کو صدمہ نہ پہونچے یہ معاملہ اس درجہ معلوم و مسلم ہے کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ حماسہ میں آج بھی اسکے اشعار پڑھتے ہیں تو جذبات نسل و نسب کی شدت و حرارت سے دل و دماغ تنور کی طرح گرم ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کسی قوم کی شاعری ان جذبات میں عرب جاہلیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عرب میں۔ قبیلہ۔ خاندان۔ نسل ارسکان کی اس حد تک کے اعتقاد اور اسکے غلو کو "عصبیت" سے تعبیر کرتے تھے۔ اس عصبیت کی پہلی بنیاد عربیت پر تھی۔ یعنی غیر عرب کے مقابلہ میں عرب کی فضیلت اور اسکے بعد عربیت میں بھی ہر قبیلہ اپنے نسلی امتیاز کے غرور سے سرگرداں تھا۔

عرب سے باہر بھی دنیا کا تمام آباد حصہ قبیلہ اور وطن سے زیادہ وسیع دائرہ کوئی نہیں رکھتا تھا۔ رومی تمدن نے رومن قومیت کی بنیادیں استوار کر دی تھیں لیکن اسکی بنیاد بھی نسل اور وطن ہی پر تھی۔ سسلی کے حاکم نے جب اس رومانی کو گرفتار کر کے درّہ سے پٹوایا تھا تو وہ اسکی ہر ضرب پر چیختا تھا "میں رومانی ہوں" مشہور خطیب سیسرو نے اس حاکم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "ایک رومانی ورم کے وسط میں لیا جاتا ہے اور درّے سے پیٹا جاتا ہے۔ وہ نہ تو درد و اذیت کی شکایت کرتا ہے، نہ روتا دھوتا ہے۔ صرف اس جملہ کی تکرار کرتا ہے کہ میں رومانی ہوں! اے مجلس قضاۃ! اس مظلوم کو یقین تھا کہ میں اپنے آپ کو رومانی کہکر ساری تکلیفوں اور بے عزتیوں سے بچا لے سکتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ رومانی ہونا کسی انسان کے لیے حفاظت اور شرف کی سب سے بڑی ضمانت تھی۔ یہ سیسرو کی قانونی تقریروں میں سب سے زیادہ فصیح تقریر تسلیم کی گئی ہے۔ سیسرو نے صرف اس پر زور دیا کہ وہ رومانی تھا یہ نہیں کہا کہ انسان تھا۔ اسے انسانیت کا نہیں رومانیت کا استغراق تھا۔

لیکن اسلام ان منزلوں میں نہ رک سکا۔ اس نے اُن تمام رشتوں اور رستوں کی بنیادوں سے انکار کر دیا جو انسان کے علم و نظر کی کوتاہیوں نے بنا رکھے تھے۔ وہ نسل۔ وطن۔ جنس۔ رنگ۔ زبان۔ کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم نہ کر سکا۔ اس نے انسان کو صرف ایک ہی رشتے کی دعوت دی۔ انسانیت اور انسانی برادری کے فطری رشتہ کی۔

یا ایہا الناس! انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ ان اللہ علیم خبیر۔ (۴۹ : ۱۳)

(ترجمہ) اے مجمع انسانی! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ پھر ایسا کیا کہ تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دیدی۔ بہت سے گروہوں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لیے ہوا کہ ایک گروہ سے دوسرا [illegible] باقی رہی یہ بات کہ انسان کے شرف و عزت کا معیار کیا ہے [illegible] طرح طرح کی گروہ کی پابندیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی [illegible] اللہ کے حضور وہی سب سے زیادہ عزیت ہے جو سب سے زیادہ اپنے کاموں میں شریعت ہے!"

اس آیت کی ساری روح "لتعارفوا" کے لفظ میں ہے۔ اس لفظ نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ انسان کے گروہوں اور جماعتوں کے جتنے بھی حلقے بنے ہیں خواہ وہ نسل کی بنا پر بنے ہوں خواہ وطن وجنس کی بنا پر انکی ساری قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ باہم دگر پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اثر نہیں رکھتے۔ تمام کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کے لیے ضروری تھا کہ مختلف حصوں اور گروہوں میں منقسم ہو جائے۔ اور جب منقسم ہو گئی تو ناگزیر ہوا کہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے پہچاننے کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ تعارف پیدا ہو جائے۔ یہ تمام حلقے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ یہ افریقی ہے۔ یہ عربی ہے۔ یہ آرین ہے۔ یہ منگولین ہے۔ اس طرح ہر جماعت کی پہچان ہو جاتی ہے۔ لیکن اس تقسیم میں نہ تو کوئی امتیاز ہے۔ نہ یہ کوئی تقسیم ہے۔ حقیقی امتیاز صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ انسان کی سعی و عمل کا امتیاز ہے۔

اب تمام انسانی نسل ایک سطح اور ایک صف میں کھڑی ہو گئی۔ حقیقت کسی کو بلندی نہیں دیتی۔ مگر اسکو جو اپنے عمل سے شرف و رفعت کا استحقاق ثابت کر دے۔

جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

رشتۂ انسانیت کی وحدۃ و اخوۃ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ خلقنا کم من ذکر و انثی تمام نوع انسانی ایک ہی نسل ایک ہی خاندان ایک ہی گھرانہ ہے۔ پس جب فی الحقیقت نہ تو نسل میں امتیاز ہوا کہ نسل ایک ہی ہے اور نہ وطن میں تفریق ہوئی کہ وطن بھی سب کا ایک ہی کرۂ ارض ہے تو پھر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو۔ کیوں ایک ہی خاندان ایک ہی گھرانہ کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں۔

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں انکے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اشارہ ہے منجملہ ان قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدت کا اعلان کرتی ہیں وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مجمع انسانی کی اصل وحدت تھی تفرقہ و گمراہی درنصرت الٰہی سے دوری کا یہ نتیجہ ہے۔ وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا۔ و لولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینہم فیما فیہ یختلفون (۱۰ : ۱۹)

ایک شیعہ عالم کی دعوت اتحاد

(ایرانی شیعی فاضل مرزا عبدالکریم زنجانی کے ایک مقالہ کا اقتباس)

شیعہ اور سنیوں کے مابین جہاں حقیقی اختلافات کی شاید ہی کوئی بات پائی جاتی ہو وہاں بہت سے اہم اور بنیادی اصول ہیں جن میں تمام اسلامی فرقے متحد ہیں۔

شیعہ اور سنیوں کے دو عظیم الشان گروہوں کو عام طور پر اسلام کے وجود کی ایک پرانی بیماری سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اگر ہم دونوں خیالات کے ضروری اور بنیادی اصولوں کو علمی طور پر اور خلوص دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہونچ جائیں کہ صرف ایک اہم سیاسی اختلاف ایسا ہے جو دونوں گروہوں میں پایا جاتا ہے اور وہ امامت یا خلافت کے نظریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک سیاسی اختلاف ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ سنی ایک سیاسی نظریہ کو مانتے ہیں اور شیعہ دوسرے نظریہ پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن جہاں اتحاد کا پہلو آتا ہے وہاں مذہب و شریعت کے تمام مبادیات، دنیا اور آخرت، اور تمدنی اقتصادیات کے تمام اصولوں میں دونوں متحد ہیں۔ صرف مذہبی اصولوں کے تمام معاملات میں ایک ذات یکتا اپنے آپ کو محدود کرنے کے لیے سات شرائط اسلام کو تمام دنیا ہی کافی ہے۔ تمام شیعہ اور سنی (۱) اللہ تعالیٰ (۲) ملائکہ (۳) کتب (۴) انبیاء (۵) یوم آخرت (۶) تقدیر۔ یعنی یہ کہ نیکی اور بدی کا اندازہ عالم الغیب خدا کے علم میں ہے اور (۷) یوم آخرت یا زندگی بعد موت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان کے ان بنیادی اصولوں کے علاوہ شیعہ اور سنی دونوں پانچ ارکان اسلام کو بھی مانتے ہیں، جو عملی دنیا میں انکی مذہبی قومیت کی مشترک بنیاد ہیں۔ وہ ارکان حسب ذیل ہیں (۱) کلمۂ توحید (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج۔

عملی طور پر دیکھا جائے تو نماز باجماعت، تمام قوم کا ایک ماہ کے روزے رکھنا، نماز جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے عالمگیر تہوار اور مکہ کا سب کے لیے مشترک قبلہ ہونا جس کی طرف مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کے لیے منہ کرتے ہیں، زندہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے آخری اور اسوۂ حسنہ رکھنے والے نبی کی زندگی بخش شخصیت یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو اسلام کی وحدت و عالمگیریت کے بنیادی اصول کہنا چاہیے۔ ان مبادیات ایمان کے مقابلہ میں وہ سیاسی اختلافات جو نظریہ خلافت سے تعلق رکھتے اور شیعہ و سنی میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے شیعہ اور سنیوں سے وحدت اسلامی کے لیے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں۔ میں سب سے درخواست کرتا ہوں کہ بھول جانے اور معاف کر دینے کی اسپرٹ اپنے اندر پیدا کریں۔ آپ کو چاہیے کہ عالمگیر ہمدردی اپنے اندر پیدا کریں، اپنے نقطۂ نظر کو وسیع کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے رواداری اور اعتدال کا طریقہ اختیار کریں۔ مہربانی فرما کر سب قسم کے بحث و مباحثے، رنج و عناد کو عزت و وقار کے ساتھ ختم کر دیں۔ آپ امامت کے سوال پر تیرہ صدیوں تک جھگڑتے رہے ہیں لیکن اس جھگڑے سے کچھ بھی آپ نے حاصل نہ کیا بلکہ اس میں مذہب، آزادی، ملک، طاقت، حکومت۔ غرض دین اور دنیا سب چیزوں کو ہم نے کھو دیا ہے۔ میں کبھی نہیں کہوں گا کہ شیعہ سنی ہو جائیں یا سنی شیعہ بن جائیں۔ میں مانتا ہوں کہ اختلاف رائے کی کچھ نہ کچھ گنجائش ہونی چاہیے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے ماتحت چھوٹے چھوٹے اختلافات بے شک رکھیں لیکن ایسے معاملات میں جو اسلامی اصولوں اور آپ کے ملک و مذہب کی حفاظت اور بہبودی سے تعلق رکھتے ہیں آپ سب کو ایک جسم و جان ہو جانا چاہیے۔ یہ میری نصیحت ہے اور میں کامل ایمانداری کے ساتھ یہ مشورہ آپ کو دیتا ہوں۔

پہلے میں شیعوں سے کہتا ہوں کہ بھائیو! آپ مناسب حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس نمونہ سے آپ بہت دور نکل گئے ہیں جو آپ کے امام حضرت علی علیہ السلام نے قائم کیا تھا۔ حضرت علی خلافت کے دعویدار تھے لیکن وحدت اسلام کو برقرار رکھنے کی زبردست ضرورت کے متعلق انکا نہایت پختہ اور بے نظیر اعلان ہمارے پاس موجود ہے۔ تمام اختلافات اسلام کی حمایت میں ہونا چاہییں نہ کہ اسکے خلاف۔ نہج البلاغت میں امام الارواح حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "میں نے عظیم الشان ملکی اور مذہبی معاملات کے سلجھانے میں پہلے تین خلیفوں ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کا ساتھ خلوص نیت اور کامل اتحاد قلبی سے دیا۔ یہاں تک کہ جب وہ بیٹھے میں بیٹھ گیا۔ جب وہ کھڑے ہوئے میں کھڑا ہوا۔ اور جب وہ چل پڑے میں بھی چل پڑا۔ جب انھوں نے مجھ سے مدد چاہی میں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ انکو مشورہ دینے میں میں نے تامل نہیں کیا۔ نہیں بلکہ میں دارالخلافہ مدینہ میں انکی غیر حاضری میں انکی نیابت کرتا رہا۔" یہ اعلیٰ درجہ کی وحدت اور اتحاد عمل ہے جو حضرت امام کے ہر سچے محب اور پیرو کو اپنے دل میں پیدا کرنا چاہیے۔ اور مجلسی و معاشرتی زندگی میں عمل میں لانا چاہیے۔

اپنے سنی بھائیوں سے میں یہ کہوں گا کہ آپ کو اسلام کی سلطنتیں اور ادارے تعمیر کرنے کا فخر ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ان مباحثات میں مشغول ہو جائیں جو وسعت نظر اور اعلیٰ خیالات رکھنے والے مدبرین سے کوسوں دور ہیں؟ بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے وحدت اسلام کی تکمیل اور اسکے برقرار رکھنے میں آپ کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ فرقہ واری اور مذہبی جتھے بندی مسلمانوں کے لیے لعنت ہیں۔ یہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے سے کسی طرح کم نہیں۔ یہ آپ کے سیاسی وجود کے لیے ایک مہلک بیماری ہے۔ یا تو آپ اسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیں ورنہ ان مخالف اسلام حملوں کا شکار بننے کے لیے تیار ہو جائیں جو مغرب اور روس کی طرف سے آرہے ہیں۔

مراسلہ

مکرم بندہ عالیجناب مدیر محترم اخبار "صدق" زاد عنایۃ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ؛ - گزارش آنکہ جناب مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی اپنے اخبار ہفتہ وار "ہند" مجریہ ۱۸ ستمبر ۳۷ء صفحہ ۳ کے افتتاحیہ میں "ہماری دعائیں اور عبادتیں" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ

ما "مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ طرح طرح کی عبادتیں انجام دیتے ہیں۔ مسجدوں میں گڑگڑا کے، گڑگڑا گڑگڑا کے دعائیں اور مناجاتیں کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں دنیا و آخرت کی کامرانیوں اور سرفرازیوں سے شاد کر دے! صدیوں سے مسلمانوں کا یہی دستور چلا آتا ہے، مگر صدیوں سے ہو کیا رہا ہے؟ کیا مسلمانوں کی عبادتیں اور دعائیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتی ہیں؟ کیا در اجابت انکے لیے کھلتا ہے؟ آخرت کا معاملہ، غیب سے تعلق رکھتا ہے، جس کا علم، اللہ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن دنیا کا معاملہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ سب دیکھ رہے ہیں کہ اپنی دنیا کی بھلائی اور ترقی کے لیے مسلمانوں کی کوئی ایک دعا بھی صدیوں سے قبول ہو نہیں رہی ہے - اگر ہماری عبادتیں قبول ہوتیں تو دعائیں بھی قبول ہوتیں۔ دعاؤں کا مقبول نہ ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ہماری عبادتیں بھی مقبول نہیں ہو رہی ہیں"۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

ما۔ "ہماری عبادتیں اور دعائیں اسی لیے مقبول نہیں ہو رہی ہیں کہ ہم نے اپنی مطلوبہ مرادوں کے لیے وہ وسائل اختیار نہیں کیے جن پر اُنکا حصول موقوف ہے، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی بڑی اور بلند مراد ہے بھی نہیں۔ آخر بتایا جائے کہ ہندوستان کے مسلمان چاہتے کیا ہیں؟ وہ کون مقصد ہے جسے اُنھوں نے اپنے سامنے رکھا ہے؟ سیاسی اقتدار کی انھیں طلب نہیں، حکومت حاصل کرنے کی انھیں فکر نہیں۔ جب حالت یہ ہے تو پھر خدا اس دعا کو کیونکر قبول فرمائے اللھم انصر المسلمین واقھر الکافرین (خدایا مسلمانوں کی پشت پناہی کر اور کافروں کو غارت کر دے) کوئی بتائے تو کہ آخر وہ کون مہم ہے جسکے لیے ہم خدا سے پشت پناہی کی دعا کرتے ہیں؟ ہم پانچوں وقت نمازوں میں گڑگڑا کے کہتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین (اہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں) مگر کس کام میں مدد چاہتے ہیں؟ کس مہم کے لیے ہمیں مدد الٰہی کی طلب ہے؟ ظاہر کوئی کام کوئی مہم بھی ہمارے سامنے نہیں ہے۔ پھر یہ دعا ہوئی یا مذاق؟ اگر خدا ایسے بے عملوں اور نفس کے پجاریوں کی دعائیں قبول نہیں کرتا تو تعجب کیوں کیا جائے"

ناممدوح کی مثال ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :-

مسلہ "خود تو فرمائیے کہ ایک آدمی سڑک پر بیٹھا ہے اور آپ سے کہہ رہا ہے کہ مجھے پہونچا دیجیے۔ آپ ضرور اُس سے سوال کرینگے کہ بھائی تمھیں جانا کہاں ہے؟ مگر وہ خود نہیں جانتا کہ کہاں جانا ہے۔ ایسی صورت میں بتائیے آپ اسکی کیونکر مدد کر سکینگے؟

(۱) مولانا سے محترم! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کے لیے کبھی دعا نہیں مانگی تھی؟ حضرت فاطمہ زہراؓ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی بی بی کلثومؓ تھیں۔ آج تک تاریخ اسلام میں ہے کہ جناب حضرت حسن علیہ السلام زہر سے شہید ہوے حضرت امام حسین علیہ السلام دشت کربلا میں بھوکے پیاسے مع جوان جوان بیٹوں اور عزیز و اقارب کے شہید ہوے۔ بی بی کلثومؓ کی چار شادیاں ہوئیں تو کیا جناب سردار مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا بی بی فاطمہؓ نے ان لوگوں کے لیے کبھی دعا نہیں مانگی کہ یہ دنیا میں بہتر حالت سے رہیں۔ بی بی کلثومؓ کو شوہر کے مرنے سے رنج نہیں ہوتا تھا؟ وہ انکی زندگی کی دعا نہیں مانگتی تھیں؟ ضرور مانگتی ہونگی اور یقین ہے کہ گڑگڑا کر دعا مانگتے رہے ہونگے۔ تو پھر جب انکی دعا قبول نہ ہوئی تو کیا نعوذ باللہ انکی عبادت بھی قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ اسلام کی اصل یہی لوگ ہیں۔ براہ کرم جواب دلنشیں عنایت فرمائیے کیونکہ یہاں لوگوں میں طرح طرح کی غلط فہمی پھیل رہی ہے۔ یہ افتتاحیہ بجائے تعمیر کے تخریب کا کام کر رہا ہے۔ کم علموں اور جاہلوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ کھلم کھلا کہتے ہیں کہ ایک مسلمان وہ بھی مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی کے قلم سے کیسے نکلا۔ یا تو ہم لوگوں کی اتنی سمجھ نہیں کہ مولانا موصوف کا نصب العین کیا ہے؟——

(۲) مسلمان نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں اس لیے، کہ یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے، نہ کہ بقول مولانا صاحب مطلب کے حصول مقصد۔

(۳) مثال جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "آدمی سڑک پر بیٹھا ہے اور آپ سے کہہ رہا ہے کہ مجھے پہونچا دیجیے۔ آپ ضرور اُس سے سوال کرینگے کہ بھائی تمھیں جانا کہاں ہے؟ مگر وہ خود نہیں جانتا کہ کہاں جانا ہے۔ ایسی صورت میں بتائیے آپ اُسکی کیونکر مدد کر سکیں گے؟" یہ مجذوب کی بڑ کے سوا کچھ نہیں۔ ہر شخص اتنا ضرور جانتا ہے کہ اُسے کہاں جانا ہے۔ آپ ہی سوال کرتے ہیں آپ ہی جواب دیتے ہیں۔ ہر شخص کے دل کی بات کس طرح مولانا ممدوح کو معلوم ہوگئی۔ کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے؟

براہ کرم آنجناب جریدۂ "صدق" کی کسی قریبی اشاعت میں اس غلط فہمی کو رفع فرما کر عند اللہ و عند الناس ماجور فرما دیں زیادہ والسلام۔

احقر الناس

عبد الرزاق خاں نظامی فیض آبادی ایجنٹ اخبارات رنگون (برما)

خط و کتابت

کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجیے - منیجر

(مراسلہ)

تشکرِ تعزیت

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسنے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اسنے اللہ کا شکریہ ادا نہیں کیا)

میری مرحومہ رفیقۂ حیات کے انتقال پر ملال پر بہت سے احباب اور بزرگوں نے تعزیت اور اظہار ہمدردی کے لیے بہت سے تار اور خطوط بھیجے جنکا عدد و شمار بہت زیادہ اور غیر معمولی تھا۔ مجھ پر ان حضرات کا احسان ہے اور رنج و غم کے لیے اُن سب کا شکریہ الگ الگ علیحدہ ادا کرنا میری طاقت سے بالکل باہر تھا۔ اس لیے بمجبوری بذریعہ پریس اس فریضہ کو ادا کرتا اور اپنے احباب اور بزرگوں کے مسامع عالیہ تک پہونچانا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس جانکداز مصیبت میں جن حضرات نے میرے رنج والم میں شرکت فرماکر اظہار ہمدردی فرمایا ہے اور جن عنایت فرما حضرات نے قرآن پڑھکر مرحومہ کے لیے ایصال ثواب کی جدوجہد میں بھی حصہ لیا ہے اور جن حضرات نے خیرخواہانہ انداز میں مجھ کو صبر و شکر کی تلقین فرمائی ہے ان سب حضرات کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور بارگاہ الٰہی میں نہایت اخلاص سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان سب بزرگوں کو دونوں جہان میں جزائے خیر اور ثواب جزیل سے نوازے۔ آمین۔ اسی طرح میں اُن حضرات کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مرحومہ کی بیماری کے زمانہ میں دہلی وغیرہ میں کسی قسم کی اعانت فرمائی تھی یا تیمارداری میں حصہ لیا تھا اور بالخصوص اُن بزرگان قوم کا بہت ہی زیادہ شکرگزار ہوں جنھوں نے اپنی طبی امداد وقتاً فوقتاً محض انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کی بنا پر کرم فرمایا تھا۔ میری قدرت اور قوت ان تمام احباب و اکابر کے فرائض تشکر سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان ہمدردیوں کے صلہ میں ان کو اجر دے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

(ننگ اسلاف) حسین احمد غفرلہٗ

خطبۂ صدارت فلسطین کانفرنس

(از جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ مدظلہٗ)

(بقیۂ اشاعت گزشتہ)

الہ آباد کے مسلمان الہ آباد کے مسلمان ہندوستان بھر کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس راہ میں پہلا قدم اُٹھایا۔ مفتی محمد امین الحسینی کے خطوط ہندوستان کے علماء اور زعماء کے نام پے در پے آئے کہ فلسطین کے اس جہاد میں ہندوستان کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے مگر سیاسی سردمہری کی اس آب و ہوا میں ہر تحریک منجمد ہوکر رہ گئی۔ ایسی حالت میں الہ آباد ہی کے مسلمان تھے جو ہمت کرکے اُٹھے اور راکھ کے نیچے کی دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دیکر اس قابل کیا کہ وہ آج آپ کے سامنے شعلہ بن کر نمودار ہوئی۔

ہندوستان کی جدوجہد الہ آباد کی تحریک نے اُٹھ کر رفتہ رفتہ ملک کے دوسرے گوشوں میں ہلچل پیدا کردی اور آج وہ دن ہے کہ برطانی ہند کا پایۂ تخت اسکے حصار میں ہے لیکن ابھی تک جذبات کے ہیجان کا وہ منظر نہیں۔ جسکے دیکھنے کی آنکھیں ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۶ء تک عادی ہوچکی ہیں۔ تمام دنیائے اسلام میں اسلام کی سب سے بڑی آبادی ہے۔ اس لیے اسکی ذمہ داری بھی سب سے بڑی ہے۔ گذشتہ مہینوں میں فلسطین کے متعلق جو کانفرنسیں ہوئیں وہ تمہید کار کے اصول پر تھیں۔ ضرورت ہے کہ اب مقصد کا بھی آغاز ہو۔

وائسرائے کی خدمت میں وفد اور اُنکا جواب یہ ظاہر ہے کہ حکومت کے ارکان کے سامنے عرض و معروض کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے اور آئندہ بھی رہیگا۔ اس لیے مسلمانوں نے اس وفد کے سامنے جو فلسطین کے متعلق مسلمانوں کے خیالات و جذبات کے لیے ہز اکسیلنسی وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ وائسرائے نے جو جوابی تقریر فرمائی اُس سے ہم آزردہ نہیں ہوئے۔ وہی تھی جو ایسے وفود کے جواب میں ہمیشہ دہرائی گئی ہے اور جسکی فرسودگی بار بار کی تکرار سے اپنا اثر کھوچکی ہے۔ تاہم آج کل کے زمانے میں سیاسی کاموں کی جو رسمی رفتار ہے اسکی پہلی منزل اس قسم کے طریقوں سے شروع ہوتی ہے۔ اب ہم کو سوچنا ہے کہ اس منزل سے ہم کس طرح آگے بڑھیں۔ اہل فلسطین نے گو عارضی طور سے ترک سوالات کا التواء کیا ہے لیکن حالات بتارہے ہیں کہ یہ تحریک ابھی اور شدت اختیار کریگی اور اس میں ہندوستان کو دور آنا پڑے گا۔

آیندہ کا پروگرام جیسا کہ عراق کے تازہ واقعات ادھر اشارہ کررہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہوگیا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارا کام اب شروع ہوا ہے۔ اب آیندہ ہمارے کام کا خاکہ کیا ہوگا؟ اسکے متعلق حسب ذیل سرسری خاکہ ذہن میں آتا ہے:

(۱) فلسطین کے مظلوموں کیلیے ہندوستان اور وقت کی ضرورت کے شایان شان چندہ فراہم کیا جائے۔

(۲) فلسطین کے واقعات اور گزشتہ و حالی مسائل سے پبلک کو باخبر اور اس کے سارے مواد کو یکجا ایک رسالہ میں شائع کیا جائے۔

(۳) فلسطین میں جو واقعات و حوادث پہلے پیش آئے یا آیندہ پیش آئیں ہمارے اخبارات انکو خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور سے شائع کریں۔

(۴) ملک کے ہر گوشہ میں مسائل فلسطین کیلیے جلسے اور فلسطین کے مطالب مسلمانوں کی پوری تائید کی جائے۔

(۵) غرض ہم کو پورے ہندوستان کی فضا کو فلسطین کی آواز سے اسقدر پُرشور بنادینا چاہیے کہ در و دیوار سے مظلوم و شہید فلسطین کے نعرے اور نعرے ہمدردی دینے لگیں۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے: مہتمم صدق لکھنؤ

ایڈیٹر: - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

صدق

قیمت فی پرچہ ۱/

سالانہ عہ
ششماہی ۵ر
بیرون ہند سے للعہ

رجسٹرڈ نمبر ل ۲۴۲

ٹیلیفون نمبر ۴۹

نمبر ۲۸ | لکھنؤ - ۲۸ - ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ - فروری ۱۹۳۷ء | جلد ۲

سچی باتیں

آپ سے کوئی یہ روایت بیان کرتا، کہ ایک جگہ آگ لگی اور اسکی لمبائی ساڑھے تین میل تک پھیل گئی، تو آپ یقین کرتے؟ آگ لگتی ہے، تو ایک مکان، دو چار مکانوں میں، دس بیس مکانوں میں سہی! یہ تین ساڑھے تین میل کا طول کیا معنی؟ راوی نے بھی مبالغہ کی حد کردی۔ کوئی قیاس میں آنے والی بات ہے!

اور پھر جب یہ معلوم ہو، کہ اس طول کے ساتھ عرض بھی نصف میل کا تھا، جب تو آپ روایت کو یقیناً افسانہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تین تین میل تک لمبان میں، اور چار چار فرلانگ تک چوڑان میں آگ لگتی چلی جائے، یہ بھی بھلا کوئی بات ہے!

اس پر راوی جب یہ کڑی بھی ملا دے، کہ ابھی تو آپ نے صرف طول و عرض کو سنا، بلندی بھی اس آتشیں دیوار کی تین سو فٹ تھی، جب تو آپ بے ساختہ یہ کہہ اٹھیں گے، کہ کسی افیونی نے پینک میں گڑھی خوب۔ ایسی داستانیں، تو بس کچھ طلسم ہوشربا اور پرستان خیال والوں ہی کو زیب دے سکتی تھیں!

لیکن یقین فرمایئے، کہ روایت، افسانہ نہیں، واقعہ ہے۔ افریقہ کے کسی خشک جنگل کا نہیں، نئی دنیا کی تر و تازہ سطح آب کا! مئی اور جون کے موسم میں نہیں، عین جنوری کی برفباریوں کے عین وسط میں! ۲۵ - جنوری کا چلا ہوا، رویٹر کا تار، امریکہ کی ایک ریاست سے ہے:-

"کل صبح اسٹینڈرڈ آئل کمپنی کے اس کارخانہ میں آگ لگ گئی، جہاں تیل صاف کیا جاتا تھا۔ مالی نقصان کا اندازہ ۳۰ لاکھ ڈالر ہے۔ یہ ہولناک آتش زدگی سیلاب زدہ آبادی کے لیے قیامت بالائے قیامت بن گئی۔ یہ آگ لگی اس طرح کہ بجلی کا ایک بہت زیادہ قوت سے بھرا ہوا تار، سیلاب کی اس دھار پر جا پڑا، جسکی سطح پر پٹرول تیر رہا تھا۔ اس طرح جو آگ لگی، وہ ساڑھے تین میل کے طول میں پھیل گئی، اسکی چوڑائی نصف میل تھی۔ آگ کے شعلے تین سو فٹ سے زیادہ بلندی تک لپک رہے تھے۔ ایک علاقہ کی پوری سڑک تباہ ہوگئی، اور شہر کے صنعتی علاقہ کی چار بڑی اور بیس چھوٹی عمارتیں بھسم ہوگئیں۔ پٹرول کی ٹنکیاں سیلاب کی دھار پر بہ رہی تھیں۔ ۔۔۔ کارخانہ میں پچاس پچاس ہزار ٹن تیل کی جو ٹنکیاں تھیں، صرف انکی قیمت کا اندازہ ۵ لاکھ ڈالر ہے۔ پولیس کے علاوہ پانچ سو رضا کار آگ بجھانے میں مدد دینے آئے۔ پھر شہر کے جیل سے تلو قیدی آئے، اور انھوں نے بھی آگ بجھانے میں مدد دی۔ آگ کا مقابلہ کرنے والوں نے پانی میں گھس گھس کر آگ بجھائی۔"

"اس ترقی" کے دَور سے قبل، اس پیمانہ کی مصیبتیں کس کے تجربہ میں آئی تھیں؟ "پٹرول" کی ٹنکیوں کے دَور سے قبل، آگ کا یہ رقبہ کن آنکھوں نے دیکھا تھا؟ "بجلی کی قوت وار نار" کے دَور سے قبل، آتشیں سمندر کی سوہیں کن کانوں نے سُنی تھیں؟ —— سائنس کی جو برکتیں جنگ کے زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگی، اُنکا تو خیال ہی خیال ہے! امن کے زمانہ میں جو برکتیں زمین سے اُبل رہی ہیں، انکا مشاہدہ ہو رہا ہے! ہلاکت کی یہ ارزانیاں اس سے پہلے کبھی کسی دَور میں کیوں ہوئی ہونگی۔

حُسنِ ظن کی انتہا

ٹائمس آف انڈیا کے ایک اڈیٹوریل نوٹ کا اقتباس:—

"پروفیسر لنڈیمن نے جو جنگ کے زمانہ میں ایک فوجی ہال کے ڈائرکٹر رہ چکے ہیں، حال میں گیس کے حملہ کے خطرہ کی طرف توجہ دلائی ہے ..... رائی کی گیس پورے پورے علاقوں کو دوسرے مقامات سے بالکل منقطع کرسکتی ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ چالیس ٹن رائی کی گیس، پانچ میل کے قطر کے رقبے پر پوری طرح چھا سکتا ہے۔ اسکے علاوہ گلا گھونٹ دینے والی دوسری گیسیں بھی ہیں، مثلاً کلورین اور فوسجین ..... یہ امر بھی مشتبہ ہے، کہ اگر ہوا سے بیماریوں کے جراثیم برسا دیے گئے، تو گیس کے نقاب انکے مقابلہ میں آیا سپر بن سکیں گے؟ لیکن ایسی بربریت کا ارتکاب، اگر قابلِ عمل ہو بھی، جب بھی ذرا قیاس سے دُور ہے"۔ (۱۵- جنوری ۱۹۳۷ء)

زہریلی گیس اور جراثیم برسا دینے والی بارش کی ایجاد کرنے والے دماغوں سے یہ توقع رکھنی، کہ وقت و موقع آجانے پر، اُنکے دل اس وحشت و بربریت اور بہیمیت کے مظاہرہ سے رُک جائیں گے، حُسنِ ظن کو بھی عجیب غریب حدود تک وسعت دیدینا ہے!

تحریکِ خلافت کی یاد

"..... جمہوریۂ ترکیہ نے ایک سے زائد بار اعلان کردیا کہ اُسے دوسرے ممالک کی مسلم آبادی سے کوئی تعلق نہیں۔ حکومتِ ترکیہ کی طرف سے یہ جو بے رُخی ظاہر ہوئی، اُس نے تحریک "پان اسلامزم" کو سخت صدمہ پہونچا دیا، اس لیے کہ انیسویں صدی میں جو لوگ اتحادِ اسلامی کے لیے کوشش کر رہے تھے، اُنکے پیشِ نظر ترکی ہی بطور نقطۂ مرکزیت کے تھا۔ پان اسلامی تحریک کی آخری جائے پناہ ہندوستان تھا۔ یہاں تحریکِ خلافت کی بنیاد اکتوبر ۱۹۱۹ء میں پڑی، اس دعوے کے ساتھ کہ تحفظِ اقتدارِ خلافت کے لیے ضروری ہے کہ اُمت کی حفاظت کے لیے زمینی علاقوں پر خلیفہ کا قبضہ بدستور قائم رہے، نیز یہ کہ مقاماتِ مقدسہ کی تولیت اُسی کے ہاتھ میں رہنا چاہیے۔ لیکن اکتوبر ۱۹۲۳ء میں، ترکیہ کے اعلانِ جمہوریت نے، اور مارچ ۱۹۲۴ء

الغائے خلافت نے، ہندوستانی مسلمانوں کو ایک نیا پروگرام اختیار کرنے پر مجبور کردیا، اور مرکزی خلافت کمیٹی نے مئی ۱۹۲۴ء میں اپنے اجلاس بمبئی میں یہ قرارداد منظور کی، کہ آیندہ سے اسکی کوشش رہیگی، کہ مختلف ممالکِ اسلامی کے درمیان روابطِ دوستانہ کو ترقی ہوتی رہے، اور شریعتِ اسلامی کے مطابق مسئلۂ خلافت کے حل کرنے کے لیے یادداشت جاری رہے"۔

اقتباس انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے، جو انگریزی زبان کی کتبِ جامع میں بہترین و مستند ترین سمجھی جاتی ہے! تازہ ترین ایڈیشن سے ہے جلد ۱۷، ص ۱۸۵ و ۱۸۶۔ نقل سے مقصود صرف یہ دکھانا ہے، کہ اسلام کا سب سے بڑا حریف، ابھی چند ہی سال قبل "پان اسلامزم" کو، اور تحریکِ خلافت کو کس طرح خوف و اندیشہ کی نظروں سے دیکھ رہا تھا، اور ان تحریکوں کے ختم ہو جانے سے کیسا چین اور اطمینان نصیب ہوگیا! مصطفیٰ کمال پاشا کے اور سارے کمالات مل کر بھی اس ایک جرمِ الغائے خلافت، کا کفارہ کرسکتے ہیں؟

دینِ فطرت کی کشش

ٹائمس لٹریری سپلمنٹ (۱۴- نومبر ۱۹۳۶ء) اور سنڈے ٹائمس (۲۲- نومبر ۱۹۳۶ء) میں ایک کتاب Desert Encounter کے تبصروں سے فرنگستان کے ایک اور مرحوم مسلمان کا حال معلوم ہوا ہے۔ کتاب ڈینش زبان سے انگریزی میں ہلگا ہولبک نے ترجمہ کی ہے، اور مقدمہ جے۔ ایچ۔ ڈرائبرگ کے قلم سے ہے۔ ناشر لندن کی ہیرپ کمپنی ہے، قیمت ۹ شلنگ۔

مصنف کے نام کا اصلی تلفظ تو معلوم نہیں، انگریزی حروف میں لکھا ہوا یوں ہے Knud Holmboe انگریزی تلفظ پر قیاس کرکے نوڈ ہولمبو پڑھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۰۲ء میں ڈنمارک کے ملک میں، مسیحی خاندان میں پیدا ہوئے۔ سیاحی اور جغرافی تحقیق کا شوق شروع سے تھا۔ پہلے اپنے ملک میں گھومے پھرے، پھر مراکو پہنچے۔ یہاں سابقہ مسلمانوں سے پڑا۔ مسلمانوں کا طرزِ معاشرت اچھا معلوم ہوا۔ رفتہ رفتہ مذہبِ اسلام کی صداقت گھر کرنے لگی۔ آبائی مذہب سے دل ہٹا، اور ایک سال کے غور و تامل کے بعد ۱۹۲۵ء میں ۲۳ سال کی عمر میں، اسلام قبول کرلیا۔ (فضل الرحمٰن انصاری صاحب کی انگریزی کتاب "نیو مسلم ورلڈ ان دی میکنگ" کے ص ۱۰۱ پر تاریخِ قبولِ اسلام ۱۹۲۹ء دی ہوئی ہے) اسلامی نام علی احمد رکھا گیا۔ (کتاب مذکور) اپنے ملک کے اخبارات میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے مراقش، طرابلس وغیرہ کی جنگوں میں لڑے۔ ۱۹۳۱ء میں حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ صحرائے افریقہ میں قدم قدم پر اطالیہ کا زور۔ راہ میں کسی نے شہید کرڈالا۔ انا للہ۔ —— یہ اسلام کی فطری کشش نہیں تو اور کیا ہے، جو ایسے دور دراز علاقوں میں، بالکل مخالف اسلام ماحول میں، بغیر کسی ادنیٰ مادی ترغیب کے، بیگانوں کے دلوں میں اسلام کی محبت اُتار دیتی ہے؟

- گروہ میں داخل ہوتا جاتا ہے، بہرحال مبارک ہے، اور اس لحاظ سے یہ تالیف بھی پسندیدہ ہے۔ لیکن یہ بھی ہر نئے پڑھنے لکھنے والے کو سوچ لینا چاہیے کہ اب جب تک کوئی خاص امتیاز اس تحریر کے اندر نہ ہو، اس عظیم الشان ذخیرہ پر خواہ مخواہ اضافہ کی ضرورت کیا ہے؟

کتاب لڑکوں کی تعلیم کی غرض سے لکھی گئی ہے، اس لیے خط بہت روشن، صاف، اور روشن، صاف، اور واضح رکھا گیا ہے، اور ہر چھوٹے چھوٹے سبق کے خاتمہ پر اسکا خلاصہ بھی درج ہے، اور سوالات مشق بھی۔ لیکن فہرست مضامین کہیں درج نہیں، جو ان سب سے زیادہ ضروری تھی۔ بعض فروگذاشتیں قابل مواخذہ ہیں۔ مثلاً صلہ پر سورۂ فاتحہ کے آخر میں "ولا الضالین" کا ترجمہ غائب ہے، اور مغضوب علیہم کے ترجمہ میں "آپ کا" کا اضافہ ہے۔ صلہ پر "بے پروا" کی جگہ "لاپرواہ" چھپا ہے۔ کتابت کی غلطیاں بھی تکلیف دہ حد تک ہیں، مثلاً صد پر، حفیظ جالندھری کے بجائے "حنیظ جالندھری" صہ پر، حاشیہ میں رحمت کا بادل کے بجائے "رحمت کا بال"۔ صہ پر محمد رسول اللہ کے بجائے "محمد الرسول اللہ"!

کہیں کہیں دنوں یا تاریخوں کی غلطی ہے، مثلاً "وقوف عرفات کے بعد باقی حج کے ارکان سے فراغت پاکر اور دس روز مکہ معظمہ میں قیام فرماکر ۱۶ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئے"۔ (صہ ۱۱۶)

وقوف عرفات ۹ کو ہوتا ہے۔ اسکے بعد اگر قیام دس روز اور رہا، تو ظاہر ہے کہ روانگی کی تاریخ ۱۶ صحیح نہیں ہو سکتی۔

کہیں کہیں عقائد میں بھی ایسی چیز نظر آتی ہے، جو کم از کم دیوبند کی جانب منسوب کتاب میں تو نہ ہونا چاہیے تھی۔ مثلاً صہ ۱۲۳ پر یہ عبارت:۔

"خدا کے ان نیک بندوں کو رسول، نبی، پیغمبر، رشی، منی، ریفارمر کے نام سے پکارتے ہیں اور اصلاح خلق کیلیے جو قانون یا حکم انکے ذریعہ سے دنیا والوں کے پاس آئے، اسکو کتاب اللہ (اللہ کی کتاب) یا وحی کہتے ہیں"۔

"وحی" اور "کتاب اللہ" کو مترادف قرار دینے سے قطع نظر کیجیے۔ جو لوگ "نیچریت" کے لیے بدنام ہیں، اتنی جسارت تو ان غریبوں نے بھی شاید ہی کی ہو کہ پیغمبر کو "رشی"، "منی" اور "ریفارمر" کے درجہ پر اتار لائیں، اور "ریفارمر" کو "صاحب وحی" یا "صاحب کتاب" بتانے لگیں!

اسی طرح صہ ۱۵۸ پر "وحی" و "الہام" کو جو مترادف قرار دیا ہے، کیا اکابر دیوبند اس سے متفق ہیں؟ علی ہذا دنیوی حکام، اور انبیاء و رسل کی مماثلت پر بار بار زور دینا، اور کمشنروں، کلکٹروں کی مثالیں دیکر صراحۃً یہ لکھنا کہ "ٹھیک اسی طرح" (صہ) انبیا و رسل ہوتے ہیں، یا اسکا ذکر کر کے کہ بادشاہ، کارگزار افسر کو اپنے پاس خاص سواری بھیجکر بلاتا ہے، زور دیکر لکھنا کہ واقعہ معراج "اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح" (صہ ۱۶۲) ہوا ہے، کوئی بہت صحیح یا بہت مناسب طرز تعبیر نہیں۔

صہ ۱۳۵ سے آخر تک "آنحضرت صلعم غیروں کی نظر میں" کے زیر عنوان جو اقوال جمع کردیے گئے ہیں، ان میں بھی متعدد فروگذاشتیں اور اسقام ہیں،

خدا کرے آیندہ اڈیشن ہر طرح پاک و صاف ہو کر نکلے۔

۵۔ غالب۔ از جناب چودھری غلام رسول صاحب مہر بی۔ اے صفحات ۱۴+۱۶+۳۰۹ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ مع تصویر غالب۔ قیمت غیر مجلد ۳ے، مجلد ہے و للعہ، پتہ: شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب، لاہور۔

ادبی کتابوں پر طویل تبصرے، صدق کے موضوع سے خارج ہیں، اور نہ اب اتنی فرصت ہی، کہ ادبی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جا سکے۔ لیکن بعض کتابوں میں کشش کچھ اس بلا کی ہوتی ہے، کہ کسی درجہ میں تو اپنی طرف متوجہ کر ہی لیتی ہیں۔ غالب کے نام سے کون سا اردو خواں واقف نہیں؟ وہی اردو کا نامی گرامی شاعر۔ اور مہر صاحب 'انقلاب' کو بھی غیر معروف کون کہہ سکتا ہے؟ ——— "انقلاب" سے ذہن جواہرلال اور ماسکو اور اسٹالین اور کمیونزم کی طرف نہ منتقل ہو، وہ "انقلاب" نہیں، جو کبھی، زمانہ مستقبل میں برپا ہوگا، اور ابھی اسکے صرف "شاعر" پیدا ہوئے ہیں، بلکہ وہ "انقلاب" جو ہر چوبیس گھنٹے لاہور کی سرزمین پر آج بھی برپا ہوتا رہتا ہے۔

پورا مطالعہ تو کیا ہو سکتا، جا بجا چھچلتی ہوئی نظر پڑی، اور غلہ کے چند دانوں سے پوری ڈھیری کا اندازہ ہوگیا! غالب پر اردو میں اب تک اچھا خاصا ذخیرہ تیار ہو چکا ہے، لیکن ضرورت پھر بھی باقی تھی، اور وہ اس کتاب سے پوری ہوئی ہے۔ روزناموں کے اڈیٹروں کی زندگی، مصروف ترین زندگی ہوتی ہے۔ ان بیچاروں کو رات دن تار برقیوں کے ترجمے، اور اقتباسوں سے اتنی فرصت کہاں، کہ ادبیات کا خیال بھی کر سکیں۔ لیکن صحافت پنجاب کے مہر عالمتاب "صاحب انقلاب" کا یہ کمال ہے کہ اپنی بیماری کے زمانہ میں اتنی ضخیم کتاب کے لکھ ڈالنے کا وقت نکال لیا! اور پھر اسکی تیاری میں جتنا ہزارہا صفحات کی الٹ پلٹ کی ضرورت پڑی، اسکا ذکر ہی نہیں! ——— کتاب، مغز کے لحاظ سے پست ہوتی، جب بھی ان حالات میں قابل قدر تھی۔ لیکن وہ پست نہیں، بلند ہے، ایسی بلند، کہ اسکا مصنف اگر کسی یونیورسٹی کے سامنے اسے بطور "مقالۂ تحقیقی" پیش کر دیتا، تو ڈگری تو کہیں گئی نہیں تھی۔

غالب کی سیرت، غالب کے حالات، غالب کے سوانح حیات، ساری چیزیں، مصنف نے کمال یہ کیا ہے، کہ غالب ہی کی تحریروں سے، غالب ہی کے رقعات سے، تصانیف سے، اشعار سے، چن چن کر جمع کی ہیں، اس سلیقہ کے ساتھ کہ تالیف پر تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔ اور ان ریزہ چینیوں میں جو تعب برداشت کرنا پڑا ہوگا، وہ ظاہر ہے ——— خود استاد غالب کی زبان کا تو پوچھنا ہی کیا، جہاں جو فقرہ ہے حسن بیان کی جان لطف انشا کی کان، باقی مہر صاحب بھی کچھ ایسے بیٹھے نہیں۔ خوب خوب پیوند کاری کی ہے، اور گلدستہ ایسا سج سجا کر رکھ دیا ہے، کہ پتی پتی خوش رنگ بھی، اور خوشبو سے دماغ کو معطر کر دینے والی بھی! ——— ادبیات کا ذوق رکھنے والوں نے اگر قدر دانی کا ہاتھ بڑھایا، تو ناشر کا نقصان ہوا نہ ہو، محرومی خود انکی یقینی ہے۔

ایک کسر رہ گئی ہے، کہ فہرست مضامین مجمل ہے۔ خوب مفصل چاہیے تھی یا پھر آخر میں انڈکس موجود ہوتی۔ ایک جگہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ذکر

منظر آگیا ہے:—

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بڑی محققانہ کتاب ہے، لیکن غالب کے متعلق اسکی تحقیق کا سرمایہ بھی صد درجہ مضحکہ خیز نظر آیا" (ص۱۳)

مہر صاحب کا یہ حسن ظن صرف اس توجیہ پر قابل عفو ہے، کہ اُنھوں نے اسکے دیگر مقالات قابلِ غور و توجہ پڑھے نہیں۔ ورنہ مضمون 'غالب' ہی کی طرح اگر اسکے دوسرے مقالات کی بھی اُنھوں نے گردید کی ہوتی، تو ممکن نہ تھا کہ "بڑی محققانہ" کا سرٹیفکیٹ انکے قلم سے نکلتا۔

ادبی حیثیت سے قطع نظر، تاریخی حیثیت سے بھی کتاب، کتبخانوں میں جگہ پانے کے قابل ہے۔ ایک غالب کے ضمن میں اُس دور کے اسلامی ہند کی، کہنا چاہیے، کہ معاشرتی، مجلسی اور سیاسی تاریخ خاصی جامعیت کے ساتھ سمٹ آئی ہے۔ مثلاً کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:—

"اُس زمانہ میں غلہ بہت گراں ہوگیا تھا، غالب اس گرانی کی کیفیت ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں:

غلہ گراں ہے، موت ارزاں ہے، میوہ کے مول اناج
بکتا ہے، ماش کی دال ڈیڑھ سیر، باجرہ ۲ سیر، گیہوں
تیرہ سیر، چنے سولہ سیر، گھی ڈیڑھ سیر، ترکاری مہنگی۔

ذرا اپنے زمانہ کی حالت کو سامنے رکھکر اس گرانی کا اندازہ فرمائیے غالب ان نرخوں کی بنا پر جو ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کی ارزانی کے نرخ ہیں، فرماتے ہیں کہ میوہ کے مول اناج بکتا ہے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ انکے بعد ایسا دور آنیوالا ہے جس میں گرانی کے یہ نرخ انتہائی کشائش کے مقابلہ میں بھی ارزاں ہوں گے"۔

اس سے ظاہر ہے، کہ کتاب کا مطالعہ محض لطف کی خاطر نہیں، بلکہ نفع و حصول معلومات کی غرض سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سالک صاحب کی بدذاقت یہاں بھی نہ چھوٹی انکے قلم کا دیباچہ گو مختصر ہے، لیکن دلچسپ۔ کتابت روشن، چھپائی صاف، کاغذ اچھا۔ غرض، باطن کے ساتھ ظاہر بھی خوش آیند۔

۶۔ **سبیل الرشاد**۔ از حاجی عبدالمجید صدیقی۔ ۲۰۰ صفحے۔ سائز ۲۷×۱۸/۸ قیمت ۸ر پتہ، سکرٹری انجمن مسلمانان پنجاب، نیپیئر اسٹریٹ صدر بازار۔ کراچی۔

حج کے سفرنامے، اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ، ہر قسم کے عرصہ سے لکھے جا رہے ہیں، سبیل الرشاد کا شمار بھی اچھی کتابوں میں ہے۔ شروع سے آخر تک ہر چیز، تفصیل اور حتی الامکان تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مسائلِ شرعیہ، ضروریات سفر ہر پہلو کی تفصیلات موجود ہیں۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ اور مصنف نے چونکہ سفر پچھلے ہی سال (۱۹۳۶ء) میں کیا ہے اسلیے معلومات تازہ بھی ہیں۔ صرف دو تین چیزیں نظر کو کھٹکیں۔ ایک یہ کہ بلا ضرورت، انسانی تصویروں کا اندراج ایک دینی کتاب کے لائق نہ تھا۔ دوسرے، مصنف نے جابجا اپنی نفل عبادتوں کا ذکر کیا ہے۔ "آج ایک منزل قرآن شریف کی پڑھی"۔ "آج آٹھ پارے بے تکان پڑھ گیا" وغیرہ۔ اس کا اظہار مناسب نہ تھا۔ تیسرے، بعض نعتیہ اشعار میں مضامین خلاف احتیاط آگئے ہیں۔ لیکن، ان چیزوں کا اثر کتاب کی حیثیت افادی پر مطلق نہیں پڑتا اور شائقین کو بلا لحاظ ان فروگذاشتوں کے اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے

اتنی ضخیم کتاب کی قیمت صرف ۸ر حیرت انگیز حد تک کم ہے۔

۷۔ **صراط المستقیم**۔ از عبدالمجید خاں صاحب واچ اینڈ وانڈ فیبر چھوٹی تقطیع۔ ضخامت ۱۴۴ صفحے۔ قیمت۔ از مصنف سے ٹ/۱ اسٹیشن منزل سرلے (ضلع بنارس) کے پتہ پر ملیگی۔

یہ بھی "رہبرِ حجاج" ہے، اور عازمانِ حج کے لیے فی الجملہ مفید۔ بعض ابواب ایسے ہیں جن سے زائرینِ عراق و سیاحان ایران و ٹرکی و مصر وغیرہ کو بھی مدد ملجائیگی۔ لیکن ظاہر ہے تمام مسائل و ضروریات کی تفصیل اتنی ضخامت میں نہیں آسکتی۔ بعض غیر ضروری اندراجات نے جگہ اور بھی گھیر لی ہے۔ کہیں کہیں اغلاط طبعی سے عبارت بے معنی ہوگئی ہے۔ مثلاً ص۹۵ پر عنوان "شرائط ادبیت حج" ادبیت کے معنی سمجھ میں نہ آسکے ترتیب مضامین بھی نظرثانی کی محتاج ہے۔

اخبارات و رسائل

۱۔ **مسلم یونیورسٹی گزٹ علیگڑھ**۔ ہفتہ وار (اردو و انگریزی) ایڈیٹر وائس چانسلر۔ نائب ایڈیٹر چودھری حیم علی ہاشمی بی اے چندہ سالانہ للعمر، علیگڈھ رنسٹیٹیوٹ گزٹ کے بند ہونے پر یہ اسکا جانشین ہوا ہے، اور ابھی اسکا صرف پہلا نمبر مورخہ ۸۔ جنوری موصول ہوا ہے۔ ہاشمی صاحب اردو کے مشاق و تجربہ کار اخبار نویس ہیں، امید ہے انکے ہاتھ میں آکر پرچہ ترقی کرتا رہیگا۔ حصہ انگریزی کی حیثیت ابھی تو محض "گزٹ" ہی کی ہے۔ یعنے نتائج امتحانات سے بھرا ہوا ہے۔ حصہ اردو میں بعض مضامین عام دلچسپی بھی ہیں۔ خبروں کا عنوان 'کوائف جامعہ' رکھا گیا ہے، لیکن جب پرچے کے نام میں یونیورسٹی ہے، اور ہر جگہ یہی لفظ آئیگا، تو خبروں کے لیے 'جامعہ' مناسب نہیں۔ محض 'جامعہ' سے ذہن قدرۃً جامعہ ملیہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جو پرچہ مسلم یونیورسٹی جیسے جلیل القدر ادارہ کا ترجمان ہو، اسکی بقا و ترقی میں کوئی دقت نہ ہونی چاہیے۔

۲۔ **مسجد**۔ (ہفتہ وار) ایڈیٹر سید سرور شاہ گیلانی جامی چندہ سالانہ عہ پتہ، دفتر تنظیم مساجد، مصری شاہ، لاہور۔ یہ انجمن تنظیم مساجد کا ترجمان ہے مقصد نام سے ظاہر ہے، مساجد میں تنظیم پیدا کرنا، اور اس مقصد سے کون متفق نہ ہوگا پیش نظر نمبر ۱۰ ہے۔ اس میں علاوہ اس مخصوص مقصد کے عام نفع و دلچسپی کے مضامین بھی ہیں۔ لیکن صفحہ ۸ پر جو مضمون "علماء مغرب در قرآن" کے زیر عنوان درج ہے اس میں متعدد غلطیاں ہیں۔ سرورق پر تصویر مولانا محمد علی کی (بحیثیت ایں موتمر خلافت ۱۹۲۰ء) درج ہے، اور آخری صفحہ پر مجاہدین عرب کی روانگی کی۔ مسجد کی زینت تو اسکی سادگی ہی سے ہوتی ہے۔ اس کاغذی مسجد میں تصویروں کا آویزاں ہونا (خواہ وہ کتنے ہی بڑے مجاہد یا مجاہدین کی ہوں) کچھ بھلا نہ معلوم ہوا۔ پرچے نے اگر دینی سنجیدہ روش کو قائم رکھا، اور اسکی توقع ہر جامعی ایڈیٹر سے رکھنی چاہیے، تو مفید خدمات کا وسیع میدان آگے کھلا ہے۔

۳۔ **ہمدرد جامعہ** (ماہوار) از ناظم حلقہ ہمدردان جامعہ۔ چندہ سالانہ عہ پتہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، قرول باغ دہلی۔ جامعہ ملیہ اپنے رنگ کا واحد مفید تعلیمی ادارہ ہے۔ یہ اسکے حلقہ ہمدردان کا ترجمان حال میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ سنجیدہ بھی، مفید بھی، اور دلچسپ بھی۔ اب تک تین نمبر نکلے ہیں، ہر نمبر پہلے نمبر سے کچھ بہتر ہی ہے۔ ۳ کاغذ، طبع و کتابت کے لحاظ سے بھی دیدہ زیب۔ صرف جامعہ ہی سے نہیں، بلکہ نفس تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے بھی اسے ان شاء اللہ پسند کرینگے۔ نمبر ۳ میں ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ کی تقریر جو درج ہوئی ہے، وہ سب کے پڑھنے کے قابل ہے۔

فصل الخطاب

(از مولانا سید عبداللہ شاہ قادری صاحب حیدرآباد دکن)

(سلسلہ صدق نمبر ۲۵)

(ادیان و مذاہب کا اختلاف موجودہ زیادہ تر اعتقادیات ہی پر مبنی ہے)

اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جس چیز نے تفرق و اختلاف مذاہب و ادیان کی بناڈالی وہ زیادہ تر درحقیقت اعتقادیات ہی کا اختلاف تھا - اس اختلاف کا باعث وہ تعبیرات و تشریحات مختلفہ ہیں جو ہر مذہب و ملت کے اہل علم نے اُس متن اعتقادیات فطریہ پر جو مذکور ہو اور جو ملل وادیان الہامیہ کا متفق علیہ تھا اپنے حاشیے چڑھا چڑھا کر پیدا کردیے - ظاہر ہے کہ حاشیے چڑھانے والے بعض اوقات اصل متن کے مقصود کو ہی بگاڑ دیتے ہیں - اس بارے میں بھی یہی ہوا کہ اصل مقصود خداوندی جو ان فطری سیدھے سادے عقائد کی وحدت سے تمام انسانوں میں بھی ایک عام وحدت و وفاق پیدا کرنا تھا - وہ ان تشریحات و تعبیرات مختلفہ سے بالکل فوت ہوگیا

قرآن پاک بمقام مدح مومنین یومنون بالغیب فرماتا ہے جسکا مطلب یہی ہے کہ اُن چند عقائد کا تہ دل سے یقین کرلیا جائے اور بس - اُن کی تہ میں جانے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ اُمور غیبیہ ہیں جو عالم غیب، عالم ارواح، عالم معانی، عالم بالا کے حقائق و خصائص پر مبنی ہیں جن کی کنہ تک عام ادراک عقول انسانی کا نہیں پہونچ سکتا - کیونکہ وہ اُس عالم اجسام، عالم شہادت، ناسوت سے بالکل برعکس اور سوا ہیں جن سے عقول انسانی عامہ مانوس و مالوف ہوتے ہیں - انکو توبس وہی حضرات جان سکتے ہیں جن کے قلوب تزکیہ عالم بالا سے مانوس ہوچکے ہیں - محسوسات مشار الیہا سے ان کی نظر اُٹھ جاتی ہے لہذا اس عالم لاتحس ولاتشار الیہ کی غیر مرئی اور غیر محسوس مگر نہایت ہی زبردست اور فعال طاقتیں انکے ہاں محسوس و مرئی کی طرح ہوجاتی ہیں - یہ ہیں اُس بالاتر درجہ احسان کے لوگ جو ارشاد نبوی میں جو جبرئیل ہی سے خطاب کرتے فرمایا گیا ان تعبد ربک کانک تراہ یعنی تو اپنے پروردگار کی ایسی بندگی و اطاعت کر جیسے کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے - یہ ہے درجہ دین کا سب سے اونچا یعنی درجہ احسان اعلیٰ جو انبیاء کا ہے پھر انکی اتباع کا ہے صدیقین و علماء ربانیین کا اس سے نیچے والا درجہ احسان یہ ہے کہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک اگر تو ایسا نہیں کہ اسے دیکھ رہا ہو تو یہی سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے - یہ ہے درجہ مہاجرین و متقین کا - یہ درجے معرفت نفس سے ہوتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ انہی لوگوں کا مقولہ ہے - ارشاد الٰہی ہے سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق - ہم انھیں اپنی نشانیاں کائنات عالم اور خود انکی ذاتوں (نفسوں) میں دکھائیں گے یہاں تک کہ واضح ہو جائے گا انکو کہ وہی بس حق ہے - باقی خیریت -

قرآن کے متشابہات

قرآن پاک نے علانیہ تصریح فرمادی ہے کہ اُس میں دو قسم کی باتیں موجود ہیں - ایک محکمات دوسرے متشابہات - محکمات وہ ہیں جنکا مطلب واضح ہوسکتا ہے - یعنی ایک عربی داں جو عربی زبان کے انداز بیان سے واقف ہو وہ اُن کے مطالب معلوم کرسکتا ہے - اور متشابہات وہ چیزیں ہیں جو اس عربی دانی کے باوجود بھی انکے مطالب وحقائق تک رسائی ناممکن ہے کیونکہ وہ علم زبان سے متعلق نہیں ہیں بلکہ علم جنان سے متعلق ہیں جو قلبی و روحانی علم اور ملکہ ہے - اسی واسطے ارشاد ربانی ہوا کہ لایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون* فی العلم یعنی ان امور غیبیہ کی حقیقت و تاویل در اصل خدا ہی کو معلوم ہے یا کچھ انبیاء، وعلماء ربانیین و صدیقین کو

الراسخون فی العلم

علم سے مراد کتب الہامیہ میں وہ علم تو نہیں جنھیں اصطلاح میں علم کہا جاتا ہے یعنی علوم رسمیہ زبان عربی وغیرہ - بلکہ علم سے مراد وہی علم الانفس والآفاق ہوتا ہے جو موجب معرفت رب ہو - لہذا الراسخون فی العلم سے بھی مراد وہی ربانی لوگ ہیں جو علوم رسمیہ پر ہی مکتفی نہیں بلکہ علوم روحانیہ کے بھی ماہر ہوتے ہیں ... اور معارف واسرار روحانیہ ہیں جو ایمان کی تعریف میں مذکور ہیں یعنی ذات و صفات باری تعالیٰ - ملائکہ - رسل - وانبیا کی رسالت و نبوت کی حقیقت - کتب الہامیہ کے کتب اللہ ہونے کی حقیقت - الیوم الآخر کی حقائق - تقدیر کی حقیقت - بین الجبر والقدر کی حقیقت - ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی حقیقت عربی زبان دانی یا علوم رسمیہ سے واضح نہیں ہوسکتی - لہذا علماء رسوم کا ان الجھنوں کے سلجھانے میں لگجانا بجز اسکے کہ خود اپنے کو ان الجھنوں میں الجھا دینے کے اور کیا ہے - حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان امور مذکورہ کی بحثوں میں پڑنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سخت منع فرماتے اور غضبناک ہو جاتے تھے - اس سے اس قدر سختی سے منع کیا گیا کہ صاف صاف یوں فرمادیا گیا

ماضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل (ترمذی، ابن ماجہ، احمد، حاکم)	کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر اسی وقت جبکہ وہ جدل دی گئی

* جن لوگوں نے متشابہات کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کو اصلا معلوم ہی نہیں ہوسکتے تو وہ لا الہ الا اللہ ہی پر وقف کرتے ہیں - جو یہ تعریف نہیں کرتے وہ الا اللہ پر والراسخون فی العلم کو عطف کرتے ہیں - محققین کے نزدیک یہی حق ہے - ✲ (اسکا حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

یعنی آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ جدل گمراہی کا موجب ہے حدیث کا شان ورود بتلا رہا ہے کہ یہ جدل انھیں امور غیبیہ مثل قضا و قدر وغیرہ پر بیجا بحث کرنے کا نام ہے۔

نیز صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے

ہجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فسمع اصوات الرجلین اختلفا فی آیۃ فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف فی وجہہ الغضب فقال انما ہلک من کان قبلکم باختلافہم فی کتاب اللہ۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸)

دوپہر کو ایک دن حاضر خدمت میں ہوا آپ نے دو شخصوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ مسجد میں باہر نکلے ہم پر اس حالت میں کہ رخ مبارک غضب آلود تھا۔ فرمایا تم سے پہلے کی قومیں جو برباد ہوئیں سو اس کتاب اللہ میں اختلاف وجدال کی وجہ سے ہوئیں۔

نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

فی تفسیر قولہ تعالیٰ فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ قال ہم اہل الجدل الذین عناہم اللہ بقولہ۔

تفسیر میں ارشاد الٰہی "لیکن وہ لوگ جنکے دل میں کجی ہے سو وہ ان آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جنکے معنی غیر ظاہر مشتبہ ہوتے ہیں" کہ یہ لوگ اصحاب الجدل ہیں جنکو خدا نے اپنے قول میں مراد لیا ہے

یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عائشہؓ جس واقعہ پر اس حدیث کو پیش کیا وہ قتل عثمانؓ وغیرہ فتنوں کے سرغنہ باغی و خوارج تھے جنھوں نے پہلے پہل جدل وضلالت کا بیج بویا اور جو راست تمام

عن ابی ہریرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجہہ حتی کانما فقئت فی وجنتیہ حب الرمان فقال ابہذا امرتم ام بہذا ارسلت الیکم انما ہلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ہذا الامر عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیہ۔ ترمذی و ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

ابوہریرہ کہتے ہیں آنحضرتؐ باہر مسجد میں نکلے اور ہم جھگڑ رہے تھے قضاء و قدر کے بارے میں۔ آپ غصہ ہو گئے یہاں تک کہ رخ مبارک سرخ ہو گیا یہانتک کہ گویا آپ کے مبارک رخساروں میں انار دانے نچوڑ دیے گئے تھے۔ فرمایا کہ کیا تم کو اسی کا حکم ہے یا کیا تمہارے طرف میں یہی دیکر بھیجا گیا ہوں۔ پہلے کی قومیں جو ہلاک ہوئیں تو اسی وقت جبکہ وہ اس امر میں جھگڑنے لگے۔ تم کو قسم دیتا ہوں قسم دیتا ہوں کہ اس بارے میں جھگڑا نہ کرنا۔

(مشکوٰۃ ص ۲۲)

دنیا کو ایک واحد دین الٰہی کی لڑی میں پرونے کو نکلی تھی اور اس طرح آسمانی بادشاہت (حسب بشارت انجیل) کو تمام کرۂ ارضیہ میں اس سرے سے اس سرے تک قائم کرنے کی ذمہ دار بنائی گئی تھی کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الخ اسی کو اس جدل وخلاف نے ایسا پارہ پارہ کر دیا کہ جیسے قیمہ کرنے کی مشین۔ گویا ہوں گوشت کو چشم زدن میں قیمہ بنا دیتی ہے۔

ثم ان اول ما ظہر فی الاسلام (الزیغ واتباع المتشابہات للفتنۃ) من الخوارج حتی جاء عن ابن عباس انہ فسر بہم الآیۃ (ترجمہ) پھر یہ محکم پر عمل چھوڑ کر فتنہ برپا کرنے کے لیے متشابہات کے پیچھے پڑ جانا شروع پہلے پہل جو اسلام میں ظاہر ہوا تو خوارج سے (باغیوں سے) ظاہر ہوا۔ اصطلاح سلف میں خوارج باغیوں کو کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر انھیں خوارج سے کی ہے اور انھیں کو اسکا مصداق ٹھہرایا ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ ص ۱۵۹ ج (۸))

(بقیہ صفحہ ۳)

اسی ایمان داری کی وجہ سے میرے مداحوں، قدردانوں اور گاہکوں کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا گیا اور اسی ایمانداری کا ثمرہ ہے کہ آج میں دنیا کا متمول ترین آدمی ہوں۔

راک فیلر کی کہانی سنائی جا چکی ہے۔ اب ہم مسلمانوں سے سننا چاہتے ہیں کہ وہ کیا ہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں؟ کس طرح بننا چاہتے ہیں؟

راک فیلر کے بیان میں نام صرف راک فیلر کا ہے، ورنہ راک فیلر جن اصول پر کام کرتا ہے وہ راک فیلر کے نہیں ہیں۔ وہ اصول حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ماتم ہے کہ مسلمانوں کی دولت تھی اور راک فیلر لے گیا۔ اور ہم لوگ جو اس دولت کے حافظ و وارث تھے، محروم ہیں (ایاز)

انتخابات اور خواتین ہند

...عورتوں کے لیے مجالس مقننہ میں چند نشستیں بھی مقرر کردی گئی ہیں اور انکے ایک حصہ کو حق رائے دہی بھی دیدیا گیا ہے!! خبریں سنا رہی ہیں کہ پنجاب میں اس حق کا عورتیں خوب استعمال کر رہی ہیں۔ جہاں انتخابات شروع ہوگئے ہیں! "رنگ محل" لاہور کو خواتین کی رائے شماری کا مرکز قرار دیا گیا تھا، پردہ دار خواتین کا لحاظ تھا، افسر رائے شماری بھی ایک خاتون ہی تھی، وہاں کا انتظام بھی عورتوں ہی کے ہاتھوں میں تھا اور برقع پوش خواتین بھی خوب جوش کے ساتھ اس نعمت غیر مترقبہ آزادی نسواں سے بہرہ حاصل کر رہی تھیں مگر شاید اس یقین کی بنا پر کہ انتخابات بغیر جھگڑوں اور سر پھٹول کے ہو نہیں سکتے

"پولیس (جو مردوں پر مشتمل تھی) حفاظت کے لیے مقامات رائے دہی کے باہر تھی"

اور آخر یہ یقین متشکل ہو کر سامنے آیا:

"رنگ محل کے مقام رائے دہی حریف امیدواروں کے حامیوں میں ایک شدید جھگڑے کا منظر رہا، ایک دوسرے کو کوسا کیا (!) برقعے چاک کردیے گئے (!!) حتیٰ کہ گھونسہ بازی ہوئی (!!!)"

پولیس طلب کی گئی اور گو پولیس سینیر سپرنٹنڈنٹ اور نائب کمشنر کے ساتھ مقام واردات پر پہونچ گئی تھی مگر اس کے پہونچنے سے قبل ہی جھگڑا ختم ہوگیا تھا، شاید کوسنے باقی نہ رہے تھے۔ برقعے جتنے پھٹنے تھے پھٹ چکے تھے، اور گھونسہ بازی کی مشق کے نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ شل ہو چکے تھے اس لیے پولیس کو کوئی کارروائی نہ کرنی پڑی لیکن ان پردہ داروں کو اپنے پھٹے برقعوں اور شاید سنچے ہوئے چہروں کے ساتھ سینیر سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی کمشنر نائب کے سامنے تو ضرور ہونا پڑا ہوگا!!!

ان حریت یافتہ خواتین پنجاب کے حریت پسند اور روشن خیال اعزا نے چونکہ ان تمام واقعات کو برداشت کرلیا اور اسی میں قومی ترقی پائی ہے اس لیے ہمیں اس پر کوئی تنقید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ سارا واقعہ ارباب فکر و نظر کو یہ دعوت دے رہا ہے کہ کیا فی الحقیقۃ آزادی و ترقی کے لیے عورتوں کا حق رائے دہی حاصل کرنا، مقننہ میں جانا اور معاملات ملکیہ پر غیر محرم مردوں کے پاس بیٹھے ہوئے زلفوں کی طرح سلجھے ہوئے خیالات کا اظہار کرنا، گھر کو طاق میں... رکھ دینا، بچوں کو آیاؤں اور بیروں کے حوالے کردینا بہت ضروری ہے؟

اگر ہم یہ کہیں کہ اسکی بالکل ضرورت نہیں ہے، تو وہ ترقی خواہ جو یورپ کے مقلد ہیں اور اپنے عقل و ادراک کو اس کی عظمت مادی کے چوکھٹ پر اوندھے منہ گرا چکے ہیں، یہی کہیں گے کہ ہم قدامت پرست ہیں، اور نوجوان نسلیں ہماری بات نہ سنیں، لیکن ہم انھیں اور اپنی نوجوان نسلوں کو قدامت کی طرف نہیں، فہم و فراست کی طرف بلاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اگر اپنی قدیمی روایات کی پرستش گناہ عظیم ہے تو یہ کہاں کا ثواب موفور ہے کہ اپنے آپ کو ہم یورپ کی ایسی خرافات کا پابند کرلیں جسکی تائید عقل نہیں کرتی۔ اور جس کی پابندی سیکڑوں عیوب کے دروازے کھول دیتی ہے، ......

ایک بزرگ جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے اور جو قوم کی ترقی کا بڑا درد اپنے دل میں رکھتے تھے، ایک عیسائی تبلیغی کتاب کا ذکر کرتے تھے جسکی عیسائی مشنریوں کو بہت ہی چھپا کر تعلیم دیجاتی ہے۔ آپ کے ہاتھ یہ کتاب بہت ہی عجیب و غریب طریقہ سے لگی تھی جسکا ذکر یہاں فضول ہے۔ آپ نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اس میں یہ حیرت انگیز ہدایت آپ نے پڑھی تھی کہ غیر نصرانیوں کو نصرانی حکومتوں کے زیر حمایت رکھنے کی بہترین تدبیر اگر وہ نصرانی نہ ہوں، یہ ہے کہ انکے قومی اخلاق و عادات بگاڑ دیے جائیں۔ آپ نے اس کتاب میں خاص طور پر ایسی ہدایتیں پڑھی تھیں جو مسلمانوں کے بارے میں کی گئی تھیں۔ مصنف نے صاف طور پر بتایا تھا کہ مسلمانوں سے دنیا کی موجودہ نصرانی سیادت کو بڑا خطرہ ہے اور انکے اخلاق بگاڑنے کی ایسی کوششیں ہونی چاہییں جن کو وہ فی الحقیقت اپنی ترقی یا ترقی کا باعث سمجھیں اور پھر اسکی جہاں اور تدبیریں بتائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مسلم خواتین کو بے پردہ کردیا جائے اور مخلوط تمدن کا دلدادہ! (رہبر دکن)

مراسلہ "نارجلستان"

نارجلستان میں نخلستان بطحا کا سماں

دیکھنا ہے گر ان آنکھوں سے تو مالا بار چل

(ظفر علیخاں)

ضلع ملیبار کی ۱۱ لاکھ مسلم آبادی کی قومی زبان "اردو" بنانے کیلیے مسلسل چھ سال سے "انجمن اصلاح اللسان" اپنی انتھک "عملی خدمات" انجام دیتی چلی آتی ہے۔ الحمد للہ انجمن بالا کی مساعی جمیلہ کی بدولت یہاں بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں میں اردو کا ذوق پیدا ہو چلا ہے۔ اس اٹھتے ہوئے ذوق و شوق میں اضافہ کی خاطر ایک ماہانہ اردو رسالہ بنام "نارجلستان" عنقریب شایع کرنے کا حتمی ارادہ دامنگیر ہوا ہے۔ یہ رسالہ سرزمین ملیبار کا اولیں اردو رسالہ ہوگا جسمیں مذہبی، تاریخی اور ادبی مضامین شایع ہوا کرینگے۔ ادب میں نظم و نثر اور اصلاحی افسانے ہونگے۔ حجم ۲۸ صفحے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ ہوگا۔ ادارت کا فرض مولوی سید ہارون صاحب ندوی حیدرآبادی انجام دیں گے۔ امید کہ دلدادگان ادب اردو مصداق "گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے" گیسوئے اردو کے سنوارنے کی طرف ہر حیثیت سے اپنی اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ محترم نثر نگار و شعرائے کرام سے مخلصانہ استدعا ہے کہ اس نوخیز اولیں اردو رسالہ کی قلمی اعانت فرما کے ادب پروری کا روشن ثبوت بہم پہونچائیں اور "تاریخ ادب اردو" میں ایک نئے باب کا اضافہ۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام مہتمم رسالہ نارجلستان عبدالکریم سیٹھ اختر تلیچری (ضلع ملیبار) (نوٹ) خط کا پتہ انگریزی زبان میں ہو

خادم ادب عبدالکریم سیٹھ اختر

گندہ لٹریچر

نشر و اشاعت کے ذرایع جس قدر زیادہ وسیع ہوتے گئے اُنکی خوبیاں اور برائیاں بھی اُسی قدر زیادہ ہوتی گئیں - طباعت کی آسانیوں نے ہر قسم کے لٹریچر کی اشاعت کو ہزار گنا زیادہ کر دیا ہے اور مذاق سلیم اور بدمذاقی دونوں کے لیے اتنا وسیع میدان پیدا ہوگیا ہے کہ بدمذاقی گرفت سے باہر ہو چلی ہے - گندہ اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت کے بہت سے طریقے رائج ہوگئے ہیں اور باوجود سخت نگرانی کے یہ گندگی بدمذاق لوگوں کے لیے بہت سہل الحصول ہوگئی ہے - سب سے پہلے تو جریدہ نگاری اور اخبار نویسی ہی کے میدان کو دیکھیے بمشکل چند ہی اخبار ایسے ہیں جنکے صفحات پر آپ اخلاقی جرائم کی خبریں اور اس قسم کے "عدالتی مقدمات" کی روئدادیں نہ دیکھتے ہوں، ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ جس میں جنسی یا اخلاقی خطاکاری کا کوئی پہلو ہو - خبروں کے کالم میں نمایاں نظر آئے گا - کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا، حسن و عشق کے سلسلہ میں کسی جرم کا ارتکاب ہوا - کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ فرار ہوگئی، ناجائز جنسی تعلقات کا کوئی شاخسانہ پیدا ہوا، غرضکہ تمام ایسی خبریں جنکے پڑھنے سے کسی شخص کا کوئی نفع نہیں صرف اس لیے شایع کی جاتی ہیں کہ وہ انسانیت کے ادنیٰ اور گندہ جذبات کو تسکین بخشتی ہیں - جس طرح اخبار نویسی کا جدید فن ہم نے یورپ سے سیکھا اُسی طرح اور اُسی زمانے کے ساتھ ساتھ یہ بدمذاقی بھی ہماری جریدہ نگاری میں پیدا ہوئی -

جنسی بدمذاقی کی اشاعت کا دوسرا طریقہ کتابوں کے ذریعہ سے ہے - جس طرح یورپ کے کتب فروش اس قسم کی اشاعتوں سے گراں قدر مالی منافع حاصل کرتے ہیں - ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی اب یہ کاروبار جاری ہے - لیکن اسکے دو طریقے ہیں خفیہ اور علانیہ - خفیہ طور پر صرف وہ کتابیں فروخت کی جاتی ہیں جنکی بے شرمی و بے حیائی میں قانونی گرفت سے بچنے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا - وہ سرتاپا بدترین جنسی جذبات کا آئینہ ہوتی ہیں اور صرف انہی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں - لیکن جو کتابیں علانیہ فروخت ہوتی ہیں اُن میں قانونی گرفت سے بچنے کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی کتابیں یا تو طبی تصانیف کے طور پر شایع ہوتی ہیں، یا علمی پہلو اختیار کرکے جسمانی صحت، ورزش، ترقیِ نسل، نوجوانوں کی جنسی تربیت، اور اسی قسم کے بہت سے پردوں میں پیش کی جاتی ہیں - اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ قانون کی دسترس سے باہر رہتی ہیں - جنسی جذبات کو متحرک کرنے والی تصاویر ان کتابوں میں "علمی حیثیت سے" شامل کی جاتی ہیں، لیکن کم سواد لوگ ان تصویروں کی خاطر اُن کتابوں کو بلاتکلف خرید کر سکتے ہیں - یہ اخلاقی مفسدہ روز بروز ہمارے ملک میں پھیلتا جاتا ہے -

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مخرب اخلاق برہنہ تصویریں اور فوٹوگراف خاص طور پر بعض مغربی ممالک سے منگائی جاتی ہیں اور باوجود سخت ترین نگرانی کے انکی ناجائز درآمد بند نہیں کی جا سکتی - جس طرح کوکین یا افیون کی ناجائز درآمد کے خفیہ طریقے اختیار کرلیے گئے ہیں اسی طرح اس قسم کی تصاویر اور لٹریچر بھی آسانی باہر سے لایا جاتا ہے اور اسکا انسداد کوکین اور افیون کی درآمد کے انسداد سے بھی زیادہ مشکل ہے -

سوال یہ ہے کہ آخر کیوں ہمارے ملک میں اس قسم کی اشاعتوں کا کاروبار نفع بخش اور کامیاب ہے؟ صرف اس لیے کہ خود ہماری اخلاقی سطح بہت پست ہوگئی ہے - وہ لوگ بھی جو شب و روز اسلیے اخلاقی اصولوں کا پرچار کرتے رہتے ہیں، جو مدعیانہ طور پر دوسروں کی بداخلاقی پر تبصرہ کیا کرتے ہیں، خود اپنے نفس کے اندرونی جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے ......

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسانوں میں کچھ نہ کچھ اخلاقی اور جنسی کمزوریاں ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور کسی قوم کے مصلحین کو کوئی ایسا منتر یاد نہیں جو تمام انسانوں کو فرشتہ بنا دے! لیکن اخلاق عامہ کا ایک عام معیار تو ہر قوم میں ہوتا ہے اور وہی اُس کی شرافت کا معیار ہوتا ہے مگر اس مختصر انتشار میں جس میں ہندوستانی اقوام کے دماغی اور ذہنی قویٰ مبتلا ہیں بجائے اسکے کہ اخلاق عامہ کا معیار بلند ہو وہ ہر روز گرتا جاتا ہے - اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری قدیم اخلاقی زندگی پر عہد جدید کے وہ اصول حاوی ہو رہے ہیں جن سے ہماری حقیقی فطرت کبھی مانوس نہ تھی! (پیام)

انجمن حمایت اسلام رنگون کے زیر اہتمام جلسہ

انجمن مذکور الصدر کے زیر اہتمام یوم محمد علیؒ منانے کی غرض سے ایک عام جلسہ مولانا محمد علی نائٹ اسکول واقع مارگن اسٹریٹ سنی گاؤں میں زیر صدارت عالیجناب مولانا عبداللہ مصری صاحب منعقد ہوا - مولانا موصوف نے کرسی صدارت پر تشریف لاکر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی - مولانا کی تقریر کے خاتمہ جناب حکیم محمد احسن صاحب خلیق امروہوی صدر جمعیۃ العلما صوبہ برما نے مولانا مرحوم کے سوانح حیات پر جامع تقریر فرمائی - بعد کو جناب سید ظہور شاہ صاحب اڈیٹر روزنامہ شیر رنگون نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس سے سامعین کے قلوب گرما گئے - آخر میں جناب ماسٹر سید بخش احمد صاحب مستقل صدر انجمن حمایت اسلام سنی گاؤں رنگون نے صدر جلسہ - بزرگان ملت - اور حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا - اور محمد علی نائٹ اسکول (جو کہ برما میں مولانا مرحوم کی واحد یادگار ہے) کے متعلق زبردست اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی - آپ نے حاضرین سے پُر درد الفاظ میں اپیل کی کہ محمد علی نائٹ اسکول کی عمارت کو جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہونچایا جائے - چنانچہ بعض حضرات نے فوراً عطیہ جات سے امداد فرمائی -

(مدینہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ ورکس میں چھپواکر دفتر صدق - مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اس کو سچ مانا، تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت براہ راست ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے:- "مہتمم صدق لکھنؤ"

قیمت فی پرچہ ۲ر
[illegible]

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی NATIONAL MUSLIM UNIVERSITY DELHI

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

جلد ۲	۱۹-۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ مارچ و یکم اپریل ۱۹۳۷ء لکھنؤ	نمبر ۳۲-۳۳

سچی باتیں

صوبۂ پنجاب کے ضلع راولپنڈی میں ایک تحصیل کہوٹہ ہے۔ پنجاب ہی کے ایک انگریزی معاصر کی روایت ہے، کہ اسکی آبادی ایک لاکھ ۴۵ ہزار ہے، زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ اور قرضہ کی گرانباری کی میزان ایک اور نصف لاکھ تک پہونچ چکی ہے! ——— یہ اعداد آپ نے صرف ایک صوبہ کے ایک ضلع کی ایک تحصیل سے متعلق سُنے۔ اور معلوم ہے کہ ہندوستان میں صوبہ ایک نہیں، بہت سے ہیں۔ ہر ہر صوبہ میں اضلاع بھی بہت سے ہیں۔ اور ہر ہر ضلع میں تحصیلیں کتنی کتنی ہو سکے، تو اسی پیمانہ کو پیش نظر رکھ کر، کُل صوبوں کے کُل اضلاع کی کُل تحصیلوں کی مسلم آبادی کی قرضداری کا حساب، اپنے دل میں لگائیے! اور پھر اگر دل میں طاقت باقی ہو، تو اپنے شہر کے مشاہدات کی بناء پر، یہ تخمینہ بھی لگا لیجیے، کہنیا کی، تھیٹر کی، ناچ رنگ کی، تاڑی خانوں کی، شراب خانوں کی سرپرستی میں کتنی دولت، سارے ملک میں، ہر سال آپ کی اس فلاکت زدہ قوم کی جیب سے نکل کر جارہی ہے!

یہ قرض، سود و سودخوری" برکتوں سے، کس کس طرح بڑھتا اور پھیلتا رہتا ہے، اسکے بھی کچھ نمونے سی معاصر کی زبان سے سُن لیجیے:-

ایک مسلمان نے ایک گدھا ایک سکھ سے اُدھار خریدا۔ قیمت چھ روپیہ قرار پائی تھی۔ اس چھ روپیہ کے عوض میں وہ چھ سو ادا کرچکا ہے اور دو سو کا مطالبہ پھر بھی باقی ہے!

ایک اور مسلمان نے، ایک سکھ سے ۱۲ من گیہوں قرض لیے تھے عوض میں ۲۶ من ۱۰ سیر گیہوں وہ دے چکا ہے، لیکن مدعی کی طرف سے مطالبہ ابھی ۱۷ ہزار نقد کا ہے!!

ایک مسلمان نے کسی سے کسی زمانہ میں ۵ سیر جوار قرض لی تھی، وہ صاحب فوت ہوگئے۔ اُنکے صاحبزادہ بھی گذر گئے، اب تین پوتے ہیں۔ مدیون کہتا ہے کہ میں ۲۲ ہزار کی رقم ادا کرچکا ہوں۔ دائن کا بیان ہے کہ مطالبہ اب بھی بیباق نہیں ہوا ہے!!

یہ اعداد سمجھ میں آنے والے ہیں؟ لیکن سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، بہرحال ہیں یہ واقعات ہی! اور یہ حال جب پنجاب کا ہے، جہاں مسلمان ماشاء اللہ قوت و اقتدار رکھتے ہیں، تو اس خطہ پر ہمارے اُن خزاں رسیدہ علاقوں کا اندازہ لگائیے، جہاں مسلمانوں کا ضعف، پستی، اقلیت، افلاس، بالکل عیاں ہے!

سودخواروں کی اسی سفاکانہ ذہنیت کا، فوری علاج بالمثل، سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) نہیں، تو اور کیا ہے؟ — جواہرلال اگر آج سوشلزم کے علمبردار نظر آرہے ہیں، تو بالکل واجبی ہے۔ ہر شریف قلب پر، ان مناظر اور ان مشاہدات کے بعد یہی اثر پڑنا ہی چاہیے کہ مہاجنی کا قلع قمع کردو۔ ساہوکاروں کے بہی کھاتوں کو دیا سلائی دکھادو۔ لیکن یہ بعض مسلمان نوجوانوں کو کیا سوجھی ہے، کہ بے سوچے سمجھے، اندھا دھند، خود بھی "سرمایہ داری" کی مخالفت کا جھنڈا ہاتھ میں لے رہے ہیں؟ سرمایہ داری، آپ کے ہاں ہے ہی کہاں؟ اسلام تو پہلے ہی دن اسے مٹا چکا۔ سرمایہ داری کا آپ دوسروں سے ترک دلوائیے، دوسروں کو بتلائیے، کہ ہمارے ہاں یہ نعمت اوّل دن سے موجود ہے، غیروں کو ہاتھ پکڑ کر پکڑ کر اپنے ہاں کا راستہ دکھلائیے، نہ یہ کہ اندھوں کی تقلید میں آپ خود بھی اپنی آنکھیں

کش کش کر بند کریں، اور اندھیرے میں ٹٹولنا شروع کریں! ——— دوا مریضوں کو پلائی جاتی ہے، نہ کہ تندرستوں کو۔ آج یہ عجب دل لگی ہو رہی ہے، کہ سوشلزم کی تبلیغ اُنکے درمیان کی جا رہی ہے، جو خود ہی سود کو حرام مطلق کیے ہوسے ہیں، اور جنکی زندگی کی بنیاد ہی سود خواری پر، اور انسانیت کا خون چوس چوس کر پنپنے پر ہے، وہ صاف بچے جا رہے ہیں! "اُلٹے بانس بریلی کو" اس سے بڑھ کر اور کیا بے محل ہونگے!

شرک اور اسلام

ڈاکٹر سر برجیندر ناتھ سیل، بنگالی ہندوؤں میں ایک ممتاز فلسفی اور علوم مغربی کے ایک مشہور و معروف فاضل ہیں، کالجوں کے پرنسپل، اور میسور یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں۔ حال میں کلکتہ میں ہندوؤں کے ایک مشہور مذہبی پیشوا سوامی رام کرشن پرم ہنس کی صد سالہ برسی منائی گئی۔ اس پر ڈاکٹر موصوف نے سوامی جی کے تذکرہ میں فرمایا:—

"وہ بچپن ہی سے کرشن لیلا اور بھجن گانے کے بڑے شوقین تھے اپنے بڑے بھائی کی وفات پر کلکتہ کے قریب، کالی جی کے مندر کے پجاری مقرر ہوئے، کالی مائی کی زیارت کی تمنا میں اس درجہ بیتاب تھے، کہ ارادہ یہ کر لیا، کہ اگر مائی جی نے درشن نہ دیا، تو خودکشی کر لینگے، اس نیم دیوانگی کے بعد درشن ہوئے۔ اسکے بعد ریاضات شاقہ شروع کر دیں، ایک ہاتھ میں سونا لیتے اور ایک میں مٹی۔ اور وہ ان الفاظ کا ورد رکھتے، کہ سونا مٹی ہے، اور مٹی سونا ہے۔ نفس کی ساری خواہشات کو مٹا ڈالا، ہر عورت کو اپنی ماتا سمجھنے لگے۔ ایک نوجوان حسین خاتون، تنتر (سادھن) کی تعلیم کے لیے مل گئیں۔ انکے آغوش میں لیٹ کر یہ کالی مائی کا مراقبہ کرتے رہتے۔ وہ برہمچارنی تھیں، پوجا کے وقت گوشت اور شراب کا استعمال رکھتی تھیں۔ یہ انکی پوجا ایک برہنہ دیوی کی حیثیت سے کرتے رہتے تھے۔ تمام خواہشات نفسانی انکے اندر مُردہ ہو کر رہ گئی تھیں۔

(ملخصاً، امرت بازار پتریکا۔ کلکتہ، ۱۷ مارچ ۳۶ء)

یہ گویا ہندو مذہب کا بلند ترین فلسفہ ہے۔ جذبات بشری کو فنا کر دینا، سونے اور مٹی کو ایک سمجھ لینا، خیال اور توجہ کی یکسوئی کو انتہائی عبادت قرار دینا، نامحرم نوجوان عورتوں سے، انکی بے پردہ ہیئت میں، اپنا جسم ملا کر رکھنا اور پھر متاثر نہ ہونا، خدا کا مظہر دیویوں دیوتاؤں کو تسلیم کرنا، یہ انکے دین اور اُنکے تصوف کے آخری کمالات ہیں! ہزاروں لاکھوں بھولے بھالے مسلمان ہیں، کہ ہندو، بدھ اور مسیحی پروپیگنڈا سے متاثر و مغلوب ہو خود بھی انھیں کو اعلیٰ کمالات سمجھنے لگے ہیں! ——— اسلام کا راستہ ان سب سے کتنا الگ، کتنا سیدھا اور صاف، اور کتنا آسان اور قابل عمل ہے۔ عقیدہ یہ کہ جلی و خفی ہر شرک و شائبۂ شرک کو چھوڑ کر، صرف ایک خدا کو مانیے۔ اور عمل یہ کہ اُسکے احکام کی اتباع کیے جائیے ——— ہمارے جن بھائی ہندوؤں کے دماغوں میں توحید جیسی کھلی ہوئی بات نہیں آتی۔ اُنھیں کوئی کیسے سمجھائے، کہ وہ بیچارے کتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں!

دروغ کا فروغ

انگلستان کے ایک مشہور صاحب قلم "مسٹر ... " ڈیلی ٹیلیگراف کے نام سے اعلیٰ مقالات شایع کرتے رہتے ہیں۔ حال میں "سنڈے ڈیلی ٹیلیگراف" کے صفحات میں سچائی کے عنوان پر مضمون لکھا ہے۔ شروع ہی میں فرماتے ہیں:—

"مشہور یہ ہے کہ جنگ میں جو سب سے پہلے مجروح ہو کر گرتا ہے، وہ سچ ہوتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ہے تو صحیح، لیکن اس میں ایک پہلو جھوٹ کا بھی نکلتا ہے، یعنی اس سے مترشح یہ ہوتا ہے کہ گویا حالت جنگ سے قبل سچ صحیح و سالم ہوتا ہے!... یہ ٹھیک ہے کہ دوران جنگ میں اس کے پرزہ پرزہ اُڑجاتے ہیں، لیکن حالت امن و صلح ہی میں کب اُسے عروج حاصل رہتا ہے؟"

اسکے آگے، متمدن دنیا کے عام مشاغل، عدالتی مقدمات، پارلیمنٹ کی تقریروں وغیرہ کو مثال میں پیش کیا ہے۔ اور یہ لکھ کر "سچ کو زوال میرے دیکھتے دیکھتے کتنا ہو گیا ہے"۔ سوال یہ کیا ہے، کہ جھوٹ کی جو گرم بازاری آج ہے، کیا ہمیشہ سے ایسی ہی رہی ہے؟ ——— سوال ایک فرنگی اہل قلم کے ایک ممتاز رُکن کی طرف سے پیش ہوا ہے، جواب کی ہمت کوئی تاریک خیال مشرقی کہاں سے لا سکتا ہے۔

فرعی نہیں، بنیادی

"ہمیں اُن چند ناکامیوں کے اسباب کی تحقیق کرنی چاہیے، جو پیش آئیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب پھر انتخابات کا موقع آئیگا، تو ہم ملک کے دیہاتی حلقوں میں سے کسی مسلمان نشست کو ہاتھ سے نہ جانے دینگے.... مجھے افسوس ہے کہ مناسب اور کافی کوشش نہیں کی گئی۔ مسلمان کام کرنیوالوں کی ہمیں زیادہ تعداد میں ضرورت ہے"۔

(تقریر پنڈت جواہرلال نہرو، صدر کانگریس)

بعد کی اطلاع ہے، کہ جواہرلال جی نے لکھنؤ میں مسلمانوں کے ایک جلسہ میں اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ مسلمان کانگریسیوں کی ناکامی پر توجہ فرمائی، اور وعدہ فرمایا، کہ الٰہ آباد میں ایک مستقل کمیٹی اسکے اسباب کی تحقیق کے لیے قائم کرینگے ——— صبح کے بھولے ہوئے ساز کو شام کو گھر یاد آجانا اسی کو کہتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ توجہ اب جا کر ہوئی تو۔ اور ابھی اس "فرقہ وارانہ" مسئلہ کے چھڑنے پر یہ جواب نہ ملا کہ یہ کوئی بنیادی نہیں، محض فرعی مسئلہ ہے۔

ایک فرمایش کی عدم تعمیل

ایک صاحب، ایک دور دراز مقام سے مدیر کے نام تحریر فرماتے ہیں:—

"احقر نے اِس مقام پر تقریباً ۱۷-۱۸ سال سے ایک انجمن اسلامیہ، اصلاح مسلمانان کے لیے قائم کی... اب تقریباً پندرہ روز ہوئے ایک انجمن موسوم بہ ... قائم کی ہے۔ یہ انجمن صرف پبلک کی امداد پر چلیگی، اور مسلمانوں کی عام تعلیم اور

اسلام کی جو حقیقی خدمت انجام دیگی، اسوقت ابتدائی حالت میں سرمایہ اسکا قطعی غیر موجود ہے۔ جناب سے متوقع ہوں کہ کم از کم ایک سال یا چھ ماہ کے لیے اخبار صدق کو انجمن ہذا کے نام جاری فرما کر ممنون فرمایا جائیگا۔ ہم کو آپ کے مضامین سے بڑی الفت دگرویدگی ہے۔ امید ہے کہ اس درخواست کو رد نہ فرمایا جائیگا“

یہ مکتوب اپنی نوعیت میں پہلا نہیں۔ وقتاً فوقتاً برابر اسی مضمون کے مکتوبات وصول ہوتے رہتے ہیں، اور ہر مرتبہ مدیر کی ندامت کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ مکتوب نگار حضرات کا اخلاص مسلم، مگر کاش یہ سمجھ لیتے، کہ جس طرح اُن کی انجمنیں معذور اور بے بس ہیں اسی طرح کی معذوری اور بے بسی سے اخبارات کے دفاتر کب محفوظ و مستثنیٰ ہیں! ایسے ارشادات کی تعمیل کی صورت آخر ممکن کیونکر ہے؟

کام کی رفتار

مارچ کے مہینہ میں، بحمد للہ، حسب توقع تفسیر ترجمہ قرآن مجید کا مسودہ ختم ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ محض پہلا مسودہ ہے، نظر ثانی کے وقت، ترمیم کا بہت زیادہ محتاج۔ لیکن بہر حال جوں توں ایک شکل ہو تو گئی۔ اس منزل تک پہونچنے پر خدائے پاک کا شکر جس قدر بھی ادا کیا جائے، کم ہے۔ بجز اُسکی توفیق و عنایت کے ظاہری اسباب تو ہرگز اس منزل تک پہونچانے والے نہ تھے۔

اب سولھویں پارہ سے حواشی تفسیری کا کام شروع ہوا ہے۔ اور وقت بہت زیادہ لینے والا یہی کام ہے۔ بعض وقت ایک ایک آیت، بلکہ ایک ایک لفظ سے متعلق مطالعہ کرنے اور معلومات حاصل کرنے میں پورا پورا دن لگ جاتا ہے، اور کبھی کبھی اس سے بھی زائد۔ ایک دن میں ایک رکوع سے زائد تو کبھی بھی نہیں ہو پاتا۔ سولھویں پارہ کے شروع ہی میں ذکر ذو القرنین اور سد یاجوج و ماجوج کا آجاتا ہے۔ مفسرین قدیم کے اقوال تو ایک حد تک پیشتر سے پیش نظر تھے، باقی جدید معلومات کے لیے خدا معلوم کتنے نقشے دیکھنے پڑے، اور مختلف ملکوں کی تاریخوں کی کتنی ورق گردانی کرنی پڑی۔ موٹے اندازہ میں یہ حواشی کا کام کم از کم ڈیڑھ سال کی مدت لیگا۔ ناظرین کرام اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

نمونہ پارۂ اول کی جو کاپیاں روانہ ہوئی تھیں، انکے باب میں یہ ذکر آچکا ہے، کہ دو صاحبوں نے اپنے مفصل مشورہ لکھ بھیجے۔ اب اسی قسم کی عنایت ایک تیسرے صاحب کی طرف سے بھی ہوئی ہے۔ خدائے پاک ان سب کو جزائے خیر دیگا۔

فیشن کی ترقیاں

برطانیہ کی خواتین نے اس پندرہ سال کی مدت میں، فیشن میں کہاں تک ترقیاں کی ہیں، اور اب اُنکے مصارف اس باب میں کہاں سے کہاں تک پہونچ گئے ہیں، اسکا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہوگا، جو بورڈ آف ٹریڈ، لندن کے ایک ماہرفن کا تیار کیا ہوا ہے:۔

	۱۹۲۱ء میں	۱۹۳۶ء میں
چہرہ کے پوڈر پر	۳۰ فی صدی	۹۵ فی صدی
چہرہ اور ہونٹوں پر ملنے والے رنگ پر	۶ ”	۳۵ ”
سر کے بالوں کے گھونگھروں پر	½ فی صدی	۹۰ فی صدی
چہرہ کے نک سک درست کرنے پر	½۱ ”	۱۵ ”
خوشبوؤں پر	۱۰ ”	۷۵ ”

(سنڈے اسٹینڈرڈ - ۷ مارچ ۱۹۳۶ء)

اعداد، بجز آخری کے، صرف چہرہ اور سر کی زیبایش سے متعلق ہیں۔ ظاہر ہے، کہ لباس پر، متعلقاتِ لباس پر، اور جسم کے دوسرے حصوں کے حسن و زیبایش پر جو کچھ صرف ہو رہا ہوگا، اسکا شمار اس سے بدرجہا زائد ہوگا —— ہندوستان یہ ایں افلاس و تہیدستی، میم صاحب کی نقالی کرنے چلا ہے، تو کھلی ہوئی بات ہے، کہ تہذیب کی ان ساری وادیوں اور گھاٹیوں سے، اور ترقی کے ان سارے مرحلوں سے گزرنا لازمی ہے۔

اختلاف اور شرافت

”مجھ سے روئی کا حال پوچھیے۔ کھیتی کسانی کی بات چیت کیجیے۔ ہر سوال کا جواب خوشی سے دونگا، کیونکہ ان چیزوں کو جانتا ہوں۔ باقی اگر سیاسی مسائل پر گفتگو کرنی ہے، تو مہربانی کرکے صدر کانگریس کے پاس الہ آباد تشریف لے جائیے۔ وہ ملک بھر کا دورہ کر رہے ہیں، اور تازہ ترین معلومات رکھتے ہیں“

یہ الفاظ گاندھی جی نے، سی، پی کے گارڈن، سیوگاؤں میں (شہر وار دھا سے ۶ میل اور بمبئی سے ۴۰۰ میل دور) نیویارک ٹائمس میگزین کے نامہ نگار سے کہے —— آپ بھی اپنی قوم کے کسی بڑے یا چھوٹے لیڈر سے واقف ہیں، کہ ان سے مسائل حاضرہ پر رائے دریافت کی جائے، اور وہ انکسار کے ساتھ کسی دوسرے کا حوالہ دیکر، خود یوں معذرت کرلیں؟

پیچھا آسانی سے چھوٹنے والا نہ تھا۔ سوال ہوا،

”اچھا یہ تو فرمائیے، کہ اخبارات میں آپ کی زبان سے آپ کے اور نہرو کے درمیان شدید اختلاف کا جو شکوہ شایع ہوا ہے، اُس کی کیا حقیقت ہے“؟

”شکوہ“! آواز میں اب انکسار کا ضعف نہ تھا، ناگواری کا زور تھا۔ ”یوں کہیے، کہ میری جانب منسوب کرکے تو یہ الفاظ تک چھپ چکے ہیں، کہ ”میری زندگی بھر کے کام کو حکومت برطانیہ بھی اپنے زور و قوت کے باوجود جتنا برباد نہ کرسکی، اُتنا نہرو جی کی پالیسی نے برباد کر دیا ہے“۔ میں سخت الفاظ کا عادی نہیں ہوں، لیکن اس موقع پر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام تر جھوٹ ہے۔ میں نے نہ یہ کہا، نہ اسکے قریب قریب کچھ کہا۔ اور کہتا کیسے، جب میرے دل میں یہ خیالات نہ تھے۔ جواہرلال اور میں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے درمیان بعض مسائل میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ میرے انکے کوئی مخالفت ہے، محض جھوٹ ہے۔ جب وہ ملک میں دورہ کرنے نکل جاتے ہیں، جب بھی ہفتہ میں کم از کم دو دو بار مجھے لکھتے رہتے ہیں۔ جواہرلال کی بابت یہ کہنا کہ وہ روسی

کیمونزم کی حمایت کر رہے ہیں، اُنکے حق میں ظلم ہے۔ روسی کیمونزم کو تو وہ روس کے حق میں پوری طرح مفید نہیں سمجھتے، اور ہندوستان میں تو وہ اسی کے قائل نہیں کہ وہ چل بھی سکے گی"

وقس علیٰ ہذا۔

آپ بھی اپنی قوم میں، ملک کے، صوبہ کے، ضلع کے، کسی لیڈر سے واقف ہیں؟ جو اپنے کسی ہمسر کا ذکر اس فراخ دلی سے، اس شفقت و محبت سے، اس شرافت سے کریں، خصوصاً جبکہ دونوں میں کسی حد تک اختلاف بھی ہو؟

نقالوں کا لباس

"مغربی تمدن کے قدم ہندوستان میں پہلی بار، کہنا چاہیے کہ ۱۸۳۲ء میں آئے۔ اس وقت اس تمدن کے نمائندے انگریز پادری، انگریز تاجر، اور انگریز حکام تھے۔ اس تمدن کے اثرات فوراً نمایاں نہیں ہوئے، زور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہوا۔ اب انگریز حکام کے قدم جم چلے تھے، اور عوام تک پہنچنے کے لیے ضرورت تھی، کہ ہندوستانیوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو حکام وقت کی زبان سکھا کر ادنیٰ عہدوں پر مقرر کیا جائے۔ یوں انگریزی تعلیم کی بنیاد پڑی۔ اسکا نقشہ عجب خواب آور ثابت ہوا۔ ہندوستان نے انگریز کی ریس کرنا شروع کر دی، یہاں تک کہ وضع ولباس میں بھی۔ اور یہ خواہش آج تک زندہ ہے۔ لباس کی یہ نقالی قوم کی خودداری کے حق میں مہلک ثابت ہو کر رہی۔ عوام اور غریب غربا اس لباس کی شکل سے ہیبت کھاتے ہیں، اور خود اپنے ہم قوموں کو اس میں ملبوس دیکھ کر ان سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ آج ہر نوجوان کا فرض ہے کہ اس ضائع شدہ خودداری کو پھر واپس لائے۔"

مغربی ہند کے بھولا بھائی دیسائی، کانگریس کے مشہور لیڈر ہیں۔ یہ انکی ایک تازہ تقریر کا ملخص ہے۔ انکی قوم کے نوجوان تو یوں بھی ایک حد تک، اپنی گم شدہ خودداری کو واپس لا چکے ہیں، سوال فرزندان توحید کی بابت ہے، اور صرف نوجوانوں سے نہیں، بوڑھوں، بچوں، جوانوں، سب سے ہے۔ یہاں تو اب تک وہی پرانی حماقت سوار ہے، کہ عزت، 'صاحب' کے علوم و فنون کی تحصیل میں ہو یا نہ ہو، لیکن وضع ولباس میں، بات چیت میں، چال ڈھال میں، 'صاحب' ہی نقالی کرنے میں ہے! —— حیف ہے کہ مشرکین تک میں غیرت و حمیت پیدا ہو جائے، اور مسلمان کہلانے والے کا خون، جوں کا توں ٹھنڈا رہے!

حق کی عالمگیری

کلکتہ میں ایوان مذاہب (پارلیمنٹ آف ریلیجنس) کے صدر نے جو تقریر کی تھی، اسکے بعض اجزاء پر مختصر تبصرہ ان صفحات میں نکل چکا ہے۔ اب ایک صاحب نے ٹیگور کی پوری تقریر اور سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کی تائیدی تقریر کے تراشے ارسال فرما کر لکھا ہے، کہ ان پر صدق میں کچھ لکھا جائے۔ ٹیگور صاحب کی تقریر کا ماحصل ہے:-

" جب کوئی مذہب اپنے کو عالمگیر کرنا چاہتا ہے، تو اس میں جبر و اکراہ لازمی طور پر شامل ہو جاتا ہے، اور وہ ملوکیت یا جہانگیریت کی ایک قسم بن جاتا ہے"

اس پر کیا لکھا جائے؟ خیال نیا نہیں ہے، مشرکین ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں، کہ ہر ہر ملک کے لیے، ہر ہر قبیلہ کے لیے، ہر ہر بستی و آبادی کے لیے دیوتا الگ الگ، وہیں کے مناسب حال ہونے چاہییں، یہ سارے دیوتاؤں کو توڑ پھوڑ کر، عبادت و پرستش کے مختلف طریقوں کو مٹا کر، صرف ایک خدا، ایک کلمہ، ایک مذہب کی پکار کے معنی کیا ہیں! اجعل الآلهة الٰها واحدا، ان هذا لشئ عجاب، عرب کے بڑے بڑے شاعر اور ادیب قرآن کے لانیوالے کو دیکھ دیکھ کر کہتے تھے، کہ یہ شخص کیا غضب کر رہا ہے، سارے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ چھاڑ، بس ایک ہی طرف سب کو چلانے چلا جا رہا ہے! کیسی اَن ہونی بات کی طرف بلا رہا ہے! ہند کے شاعر نے بھی وہی بات کہ دی، جو عرب کے شاعر چودہ سو برس پہلے کہ چکے تھے —— وحی الٰہی کی روشنی سے دوری اور نور ایمان سے مہجوری، ان نتائج کے سوا اور کدھر لے جا سکتی ہے؟ شخصی حیثیت سے کوئی (شاعر ٹیگور کی طرح) کیسا ہی ذہین و صاحب فہم ہو، لیکن بغیر ایمان کے اتنی موٹی بات بھی اُسکی سمجھ میں نہیں آسکتی، کہ حقیقت جب ایک ہے (اور اسکا ادراک وحی ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے) تو جو شے بھی اُس سے ٹکرائیگی، بہر حال باطل ہی ہوگی، اور باطل اور حق ایک مرتبہ پر نہیں رکھے جا سکتے۔ عالمگیری تو حق کا قدرتی حق ہے۔

خلقت ملائکہ

سورۂ بقرہ، رکوع ۴ کے حواشی تفسیری بسلسلۂ ابلیس و سجدۂ آدم، صدق میں پڑھ کر، ضلع الٰہ آباد سے ایک کرمفرما تحریر فرماتے ہیں:—

" آپ نے حاشیہ ۱۲۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا، جِن تھا۔ جیسا کہ سورۂ کہف آیت ۵۰ میں بتصریح ارشاد ہوا ہے۔ جن نوری نہیں، ناری مخلوق ہوتے ہیں" میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ سورۂ کہف آیت ۵۰ کے بموجب اور سورۂ رحمٰن کے بموجب، جن نار سے بنے ہوئے ہیں، لیکن آپ کے ارشاد سے مترشح ہوتا ہے، کہ فرشتے نوری ہیں، تو اسکی کیا دلیل آپ کے پاس ہے۔ کوئی آیت قرآنی یا حدیث صحیح پیش فرما کر مجھے مطمئن فرمائیں"

جن کی خلقت میں تو کوئی گفتگو ہی نہیں، کہ وہ نار سے ہے، اسکی صراحت تو قرآن مجید میں موجود ہی ہے۔ سوال صرف ملائکہ کی بابت رہ جاتا ہے، کہ انکی خلقت کس چیز سے ہے۔ سو حدیث میں تو اسکی بھی تصریح موجود ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلقت الملٰئکۃ من نور وخلقت الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم۔	رسول اللہ صلعم نے فرمایا، کہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں، اور جنات آگ کے شعلہ سے پیدا کیے گئے ہیں، اور آدم اُس چیز سے پیدا کیے گئے، جو تمھیں بتائی جا چکی ہے۔

حدیث، صحیح مسلم کی ہے (کتاب الزہد۔ باب احادیث متفرقہ) سو حدیث سے تو سند مل ہی گئی۔ قرآن مجید میں صراحت موجود نہیں۔ لیکن ملائکہ کے جو خصوصیات بیان ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ انکا کام محض تعمیل ارشادات خداوندی ہے، اُن سے معصیت سرزد نہیں ہو سکتی، وہ احکام تشریعی و تکوینی کے لیے وسائط ہیں، وغیرہ، اُن سے بنیاد بھی یہی نکلتی ہے [illegible]

[illegible]

قربانی

(از: عبد الماجد)

(آج کا ایک پرانا مضمون، نظر ثانی کے بعد)

فرنگستان کے بڑے بڑے تجربہ کار عالموں اور بڑی سوجھ بوجھ رکھنے والے حکیموں نے، بڑے سوچ بچار اور دیکھ بھال کے بعد یہ رائے ظاہر کی، کہ دنیا کی سب قدرتی چیزوں کے درمیان ایک طرح کی جنگ یا کشمکش ہر وقت جاری رہتی ہے۔ ہر ذرہ، دوڑ میں دوسرے ذروں سے آگے نکل جانا چاہتا ہے۔ ہر بڑا جاندار، چھوٹے جاندار کو نگل جاتا ہے۔ ہر طاقتور رہنے سے، کمزور کو پیچھے ڈالتا ہے۔ دنیا کی اس رفتار کو انکی اصطلاح میں کشمکش حیات، کارزار زندگی، یا تنازع للبقا کہتے ہیں۔ اور انکا قول ہے کہ دنیا میں جو کچھ رونق و ترقی نظر آتی ہے وہ اسی کشمکش، اسی مقابلہ اور اسی تنازع کا نتیجہ ہے۔ جو چیز زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہے، وہ دوسروں پر غالب آکر خود باقی رہ جاتی ہے، اور دوسروں کو فنا کر دیتی ہے۔ بس اگر ہم دنیا میں اور ترقی چاہتے ہیں تو چاہیے کہ اسی قاعدہ کی پیروی کریں، اور اپنے کو مضبوط و طاقتور بنائیں، تاکہ دوسروں پر قابو اور غلبہ پاسکیں۔

یہ بات اس حد تک تو بالکل درست ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں مادی ذروں سے بنی ہیں، سب ایک دوسرے کی دشمن اور گویا ایک دوسرے کی تاک اور گھات میں لگی ہوئی ہیں۔ آگ برف کو پگھلا دیتی ہے، پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ مٹی پانی کو خشک کر دیتی ہے۔ پانی مٹی کو گھلا دیتا ہے۔ مرغی کینچوے کو نگل جاتی ہے، بلی مرغی کی تاک میں لگی رہتی ہے، کتا بلی کی گھات میں رہتا ہے۔ شیر اور بھیڑیے کتے سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اس حد تک فرنگی عالموں کی بات درست ہے، لیکن انسان محض مادی ذرات کے مجموعہ کا تو نام نہیں ہے۔ اور اسی واسطے انکا یہ کہنا کہ انسان کو بھی اپنی ترقی و کامیابی کے لیے ۔۔ مقابلہ و کشمکش کی راہ اختیار کرنا چاہیے، ماننے کے قابل نہیں۔ انکو دھوکا یہ ہوا، کہ انسان کو بھی محض ایک مادی جسم سمجھ بیٹھے اور ادھر دھیان نہ گیا، کہ دنیا میں مادی جسموں کے علاوہ بھی کچھ اور موجود ہے، جسکی زندگی اور جسکی پرورش کے قاعدے، یہ ضروری نہیں کہ وہی ہوں، جو مادی جسموں کے ہوتے ہیں۔

انسان کی ترکیب میں محض مادہ ہی شامل نہیں، بلکہ ایک شے اسکے علاوہ بھی ہے، جسے روح کہتے ہیں۔ اور جس طرح ایک عالم مادیات کا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک مستقل عالم روحانیات کا بھی ہے۔ اور جس طرح جسم کے بڑھنے اور پلنے، تندرست اور بیمار ہونے، پھیلنے اور سمٹنے کے کچھ اصول اور قاعدے ہیں۔ عالم جسم میں ترقی کا دار و مدار، کشمکش پر اور مقابلہ پر، اور فرد کی قوت خودی پر ہے۔ عالم روح میں اسکے بالکل برعکس، عروج کا دار و مدار خدمت پر اور طاعت پر، اور فرد کی قوت ایثار پر ہے۔ جسم بقا پر حریص ہے، روح فنا کی عاشق ہے۔ جسم کو "آج" عزیز ہے، روح "کل" کے پرستاروں میں ہے۔ جسم کو شہرت و ناموری کی ہوس رہتی ہے، روح گمنامی و بے نشانی کی بھوکی ہوتی ہے۔

صحتِ جسم از معموریِ تن ÷ صحتِ جان از خرابیِ بدن

جسم کو لذت، قبضہ و تسخیر میں ملتی ہے، روح کو لذت ترک و تفویض میں آتی ہے۔ ارتقاء جسم کا مدار کار "تنازع للبقاء" ہے۔ ارتقاء روح کا مدار کار "اتحاد للبقاء"۔

مغرب نے مادہ کی آغوش میں آنکھیں کھول کر، جسم کی فضا میں پرورش پاکر، ارتقاء کا آخری مرتبہ "عقل" کو قرار دیا، مشرق نے، ایمان کے احوال میں نمو پاکر، روح کی تربیت سے فیض اٹھاکر، ارتقاء کی آخری منزل "وحی" کو تسلیم کیا۔ "عقل و دانش" کے بہترین ثمرات، ڈیکارٹ اور ڈارون، کینٹ اور برگساں کے نظریات کی شکل میں نمودار ہوئے۔ "وحی و الہام" کی آخری معراج، ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر محمد رسول اللہ تک کے پیامات کی صورت میں موجود ہے۔ عقل کی تعلیم ہے، کہ جو کچھ بھی ہے، سب "اپنا" ہے، وحی کی ہدایت ہے کہ جو کچھ ہے، سب "اس" کا ہے، یہاں تک کہ انسان خود بھی اپنا نہیں ہے۔ ایک کے سامنے صرف "عاجلہ" ہے، یعنی "آج"۔ دوسرے کے پیش نظر صرف "آخرۃ" ہے یعنی "کل"۔ ایک کو دھن اسی کی ہے کہ تنخواہ میں وصول کتنا ہوا۔ دوسرے کو فکر لگی ہے، کہ میراث میں کیا صرف ہوا۔

غرض جسم و روح کی راہیں، ایک نہیں، دو ہیں۔ دونوں بالکل جداگانہ، اور دونوں کے قانون اور ضابطے ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف۔ اسلام نے ایک ایسی چیز بتائی جس پر انسان اگر چلے تو روح، جسم پر غلبہ حاصل کر سکتی ہے، اور رفتہ رفتہ جسم پر روح کی تمام خصوصیات طاری ہو سکتی ہیں۔ عبادات، طاعت، خدمت، قناعت، صبر، تحمل، شکر، سخاوت، ایثار وغیرہ، سب روح ہی کے خواص و صفات ہیں۔ اسلام نے ایسے قاعدے مقرر کر دیے ہیں کہ انسان اگر عمر بھر تک اپنے کو انکا پابند رکھے، تو رفتہ رفتہ اسکا جسم، روح کے حکم میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور وہ تمام سرمستیاں اور لذتیں، وہ تمام رنگینیاں اور لطافتیں، جن سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت، وہ اپنی مادی کثافتوں اور آلائشوں کے باعث نہیں رکھتا، سب اسکی ہو جاتی ہیں۔ "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" میں اشارہ اسی مقام و منزل کی جانب ہے، اور اسکی پیدائش سے مقصود بدرجۂ غایت حاصل ہو سکتا ہے۔

اس درجہ تک پہونچنے، اور ارتقاء ہستی کے آخری اور انتہائی مراتب طے کرنے کا، انسان کے پاس ایک، اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ جسے شریعت کی زبان میں عبدیت، عبودیت، یا عبادت سے تعبیر کرتے ہیں، "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" اور عام فہم نام "قربانی" ہے۔ انسان کے وجود میں آنے کی غرض و غایت ہی یہ ہے، کہ اپنے کو مٹاتا رہے، تاآنکہ مٹتے مٹتے وہ نہ مٹنے والی ہستی کے ظل عاطفت میں آجائے۔

با وجودت ز من آواز نیاید کہ منم

فانی ہو کر باقی بن جائے

تکلیف و اذیت، "ایثار" میں ہے۔ راحت و سرور، استیثار میں ہے۔ انسان کی خودی، روز بروز جسم کی سطح سے بلند تر اور برتر ہوتی

کی جاتی ہے۔ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل۔ "قربانی" اسے روبمرکز اسکی اصل سے مانوس اور مرکز سے قریب کرتی جاتی ہے۔ ویصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل۔ بدی مرکز سے ربط توڑتی ہے، قربانی مرکز سے ربط جوڑتی ہے۔ خودی راستہ ہے فصل کا، تفرقہ کا، حسرت و حرمان کا، قربانی راستہ ہے وصل کا، رجوع الی الاصل کا، مسرت و رضوان کا۔ اسلام کی ایک تعریف یوں بھی ہوسکتی ہے، کہ وہ نام ہے قربانیوں کے ایک باقاعدہ و مرتب نظام کا۔ مسلمان کا کام ہر اس شے کی قربانی ہے جسے وہ اپنی سمجھ سکتا ہے۔ مال و جائداد کی قربانی، دوستیوں کی قربانی، محبتوں کی قربانی، نام و جاہ کی قربانی، وقت کی قربانی، خواہشات کی قربانی، اور پھر آخر میں جان کی قربانی۔ ان ساری قربانیوں کے لیے بندۂ مسلم کو ہر لحظہ و ہر آن تیار رہنا چاہیے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ اسکی ہر شے خدا کی ہے، وہ خود خدا کا ہے۔ اور اسلام کے معنی خدا کی راہ میں گردن رکھدینے، یعنی اپنے تئیں قربانی کے لیے پیش کر دینے کے ہیں۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

نیکی اور نیک صفتی میں کمال حاصل کرنے، پاکیزگی و پاکیزہ سرشتی کے اعلیٰ مقام تک پہونچنے کا کوئی ذریعہ بجز اسکے نہیں کہ اپنی ہر عزیز، مرغوب و محبوب شے کو اُس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کیا جائے۔

ہر چہ داری خرج کن در راہ او لن تنالوا البر حتی تنفقوا

یہی ایثار، یہی خود فنائی، یہی قربانی، جسکا تعلق جسم اور اعضاء ظاہر سے ہے، وہ شے ہے، جو قلب میں صفائی، پرہیزگاری اور خداترسی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ اور یہی تقویٰ ترقی کرتے کرتے، روح کی کیفیت تصدیق و تسلیم کو، جو صرف محسوس ہو سکتی ہے، لیکن لفظ و بیان میں نہیں آسکتی، جسم و قلب سب پر حاوی و محیط کردیتی ہے۔ اسکے بعد انسان کے لیے روحانیت کے علو و عروج کے انتہائی نقطہ پر پہونچ جانا کوئی بات ہی نہیں رہتی۔ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری۔ کلام بلاغت نظام کی ترتیب و تدریج ملاحظہ ہو۔ سب سے پہلی منزل

فاما من اعطی	عطاء قربانی کی ہے جو سرتاسر جسمانی و مادی ہے۔ اسکے بعد دوسری منزل
واتقی	تقویٰ کی ہے، جو قلب کا فعل ہے۔ تیسری منزل
وصدق بالحسنی	روح کی تصدیق و تسلیم کی ہے اسکے بعد
فسنیسرہ للیسری	پھر کوئی درمیانی منزل نہیں، صرف منزل مقصود ہی رہ جاتی ہے۔

اور اسکے مقابل جس نے اس قربانی میں

واما من بخل	بخل کیا
واستغنی	اسکی طبیعت میں خلاف مقتضائے عبدیت، بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے، جو
وکذب بالحسنی	آخر کار جحود و انکار و تکذیب پر ختم ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ
فسنیسرہ للعسری	شقاوت کے عمیق غار میں گرنا اور دائمی خسران و بدنصیبی ہے۔

قرآن پاک نے کس وضاحت و حسن ترتیب کے ساتھ اثباتاً و نفیاً دونوں طرح، ارتقاء انسانی کے منازل و مراتب بیان فرما دیے!

غرض نظام روحانی کی بنیاد اول تمامتر قربانی ہی ہے۔ اسلام میں قربانی کی دعوت اپنے پیرووں کے لیے ہر گھڑی ہے۔ لیکن اسکی تاکید ہے، کہ سال میں ایک مرتبہ اس کے تمام کلمہ گو، جو مختلف آبادیوں میں پھیلے ہوئے ہیں، بشرط استطاعت، اُس مقام پر جمع ہو جایا کریں، جہاں اُنکے ایک بہترین پیشوا و سردار، اور اللہ کے ایک بڑے ہی اچھے اور پیارے بندے نے اشارۂ غیب پاکر اپنے نور نظر تک کو قربانی کے لیے لٹا دیا تھا، اور اپنے نزدیک تو اُسکے حلق پر چھری پھیر ہی دی تھی۔ جمع ہوں، اور اس اہم اور نہ بھولنے والے واقعۂ قربانی کی یاد منائیں، اپنی پاک اور محنت کی کمائی سے خریدے ہوئے اچھے اور پاک جانوروں کو اپنے ہاتھ سے قربان کریں۔ اور جو لوگ اس مرکز تک نہیں پہونچ سکتے، وہ اپنے ہی مقام پر اس مقدس رسم کو ادا کریں۔

رسم کی محض ظاہری پابندی، قربانی کا ادنیٰ درجہ اور نظام اسلام کا اقل مطالبہ ہے۔ بڑی اور اونچی قربانی یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن کو، رسم کے ساتھ اُسکی غایت کو بھی مستحضر رکھا جائے، اسکی روح کو پژمردہ و مضمحل نہ ہونے دیا جائے۔ اور نظر اسکے معنی و مفہوم پر جمی رہے۔ ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی نو تاریخوں کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ ان روزوں سے ایک کھلا ہوا مقصود یہ بھی ہے کہ دل میں خشیت و انابت، طبیعت میں سوز و گداز، اور نیت میں خلوص زیادہ پیدا ہو جائے۔ اور پھر تمامی قربانی، اگر دو رکعت نماز واجب، پورے شرائط اور پابندیوں کے ساتھ ایمان والوں کی بڑی جماعت میں شامل ہو کر پڑھ لی جائے، تو پھر صدق نیت میں کیا شبہہ رہ جائے؟

خلیلؑ و ذبیحؑ کے وقت سے لیکر آج تک عید الاضحیٰ بیشمار بار آچکی، اور ہر سال آتی رہیگی۔ اگر ہم اپنے اندر، سال میں ایک بار بھی قربانی کا ذوق و ولولہ پیدا کر لیا کریں، اور ذبح عظیم کی حقیقت سے اپنے زنگ خوردہ دلوں پر جِلا کرا لیا کریں، تو ہماری زندگی صحیح معنی میں مُسلم کی زندگی کسی حد تک تو ہو سکتی ہے۔ اور جس نے انا اول المسلمین کہا تھا، اُس آفتاب روحانیت سے کچھ مناسبت تو ہم ذرات خاک بر حال پیدا ہی کر سکتے ہیں۔

بھی موجود ہے۔ رسالہ، فرقۂ شیعہ کے رد میں نہیں، نہ مستفتی نے اُنکے عقائد سے تعرض کیا ہے۔ مستفتی کی غرض، صرف گروہ اہل سنت کی اصلاح تھی، اور دیباچہ میں بھی اسکی تصریح موجود ہے۔

۴۔ **خطبۂ صدارت اُردو ہفتہ، علیگڈھ** ۔ از پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم، اے۔ ۱۶ صفحے ۔ ۱۸ × ۲۲ ۔ خود مصنف سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ پر، بلا قیمت ۱ کے ٹکٹ پر مل جائیگا۔

مسلم یونیورسٹی میں ہفتۂ اُردو، یا اُردو ہفتہ، دو سال سے، ماہ فروری میں منایا جا رہا ہے۔ یہ اُسی کا خطبۂ صدارت ہے۔ صدر بزم، ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ خطبہ صدارت بھی انکے دلچسپ طرز انشا میں ہے۔ بزم کے مناسب حال بھی، اور صدر مجلس کے شایان شان بھی۔

بازار میں اُردو کا سب سے زیادہ "ترقی یافتہ" طرز تحریر "شبابیات" یا "ادب لطیف" سمجھا جاتا تھا، لیکن اب اس سے بھی جدید تر چیز "انقلابیات" وجود میں آگئی ہے۔ اسکی ایک جھلک، اُردو کے اس دیرینہ خادم کی عینک سے ملاحظہ فرما لیجیے:۔

"اس شبابیات کی لعنت میں ہم ابھی مبتلا ہی تھے، اور اُردو ادب کے آنسو بھی ابھی خشک نہ ہوئے تھے، کہ ایک دوسری بلا ہم پر مسلط ہو گئی .... یعنی "بیباکیات"۔ یہ لفظ آپ کے لیے نیا ہو گا۔ میں نے بھی آج ہی سنا ہے ... کمیونزم کام ہے اُس بیباکی کا، جس سے آپ حفظ مراتب کی جب چاہیں پگڑی اُچھال سکیں ..... اب بجائے ہجر و وصال، کنگھی چوٹی، اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کے انقلاب، خون، آگ، عورت کی چادر، انسانیت کا کفن، سرمایہ، مزدور، کدال پھاوڑا، آندھی، طوفان، محل جھونپڑے، کوہ آتش فشاں، وغیرہ ہمارے شعر و ادب میں راہ پا گئے ہیں۔ .... بیباکیات کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ آپ نے کتنی بار سرمایہ و مزدور کا نام لیا، عورت کی بیباکیاں یا کمزوریاں گنائیں، مذہب و اخلاق کو صلواتیں سنائیں، نظام معاشرت کو گردن زدنی قرار دیا۔ انقلاب کی دعوت دی، مالداروں کو دھمکایا، شریفوں کی پگڑیاں اُچھالیں ... اور سب سے آخر میں خیر و شر کی قدر و قیمت کو منقلب کرنے کا نام آرٹ اور آزادی رکھ دیا" (صفحہ ۱۲)

بھی دلچسپ اور سبق آموز انداز، رسالہ کا شروع سے آخر تک ہے۔

(۵) **نظام عمل** ۔ از مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی۔ ضخامت ۲۶۵ صفحے۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶۔ قیمت عہ، مصنف سے، مولوی محلہ، بدایوں کے پتہ پر ملیگی۔

عقائد و مسائل فقہیہ پر ایک جامع تالیف ہے۔ اشاعت سے قبل، لیکن طباعت کے بعد، مدیر صدق کے پاس تقریظ کے لیے وصول ہوئی تھی۔ وہی تقریظ درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"کتاب "نظام عمل" کے مولف بدایوں کے ایک مشہور، اور قدیم صاحب علم و صاحب طریق خاندان کے رکن ہیں، اور خود بھی ماشاء اللہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز، قومی اور ملی خدمات میں تو عرصہ دراز سے منہمک تھے، اب بعض مشاہیر قوم کی فرمایش پر ایک ایسی جامع تالیف پیش کرنے کیلیے قلم اُٹھایا ہے جو آیات و احادیث کی روشنی میں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو۔ اور یہ الزام بھی رفع ہو جائے کہ علماے امت جو مواد پیش کرتے ہیں، وہ یا تو اس درجہ مغلق ہوتا ہے جسے سمجھنا دشوار ہو اور یا کام کی باتیں کم ہوتی زائد" (صفحہ ۵)

ظاہر ہے کہ ایسے موضوع کے مبارک و محمود ہونے سے کس کو اتفاق نہ ہو گا۔ موقع ہوتا تو ترتیب کتاب نیز بعض مسائل کے سلسلہ میں جناب مولف سے کچھ عرض کرنے کی گنجایش تھی ——— اور کس تصنیفی کوشش میں اسکی گنجایش نہیں ہوتی۔ لیکن اب طبع کتاب کے بعد بہر حال اسکا موقع نہیں۔ حیرت اس پر ہوتی ہے اور داد اس پہلو سے دینے کو جی چاہتا ہے کہ اتنی شدید قومی و ملی مصروفیتوں کے باوجود موصوف اتنی ضخیم و مفصل کتاب تیار کرنے کیلیے وقت کیونکر نکال سکے۔ خداے تعالیٰ ان کوششوں کو قبول دربار کرے اور دین کی راہ میں بہتر سے بہتر خدمتوں، دراعلیٰ سے اعلیٰ کارگزاریوں کی توفیق سے انھیں سرفراز فرمائے"۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا حسین احمد صاحب اور بہت سے حضرات کی تقریظیں شامل ہیں۔

اسلامی صحائف

اسلامی احساسات کے مردہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود غرضی اور جہالت کی شدت نے ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے کہ حیات اسلامی اپنے حقیقی رنگوں میں نہ تو دینی اور تعلیمی اداروں میں نظر آتی ہے اور نہ ہی مدعیان تہذیب اخلاق کی صحافت نگاری میں۔ یہ صحیح ہے کہ غیر اسلامی رسالے اور اخبارات بھی اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں مگر ہمارا روے سخن اس جماعت کی طرف ہے جسکے ساتھ اصلاح قوم کی بہترین توقعات وابستہ ہیں۔ یعنی اخباروں اور رسالوں کے مالک و ادارات علمی کے فرض شناس ایڈیٹر۔ ہر اخبار نے تفنن طبع اور بذلہ سنجی کے کالم مختلف عنوانات کے تحت کھولکر ایک بُری ذہنیت اور بدمذاقی پیدا کر دی ہے۔ ان کالموں میں ادبی لطائف اور علمی تلمیحات کی بجاے ایسی فحش اور ہزل بیانی سے کام لیا جاتا ہے کہ ایک شریف آدمی ایسے اخبارات و رسائل کو اپنی بہو بیٹیوں کی نظروں سے بچاکر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے یا نذر آتش کر دینا مناسب سمجھتا ہے۔ اس اخلاقی بربادی کے ساتھ ساتھ فحش اشتہاروں کی اشاعت اور توہم پرستی کی امداد از حد قابل افسوس ہے۔ جہاں بڑے بڑے مضامین قومی تنزل اور اخلاقی بربادی کے ماتم کیلیے وقف ہوتے ہیں وہیں .... گولیوں، طلاؤں اور لیپوں کی نہایت مذموم الفاظ میں تشہیر بھی ہوتی ہے۔ رملیوں، نجومیوں، عاملوں، تسخیر ہمزاد و جنات کے اشتہار بھی شایع کیے جاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ خدایا یہی وہ قابل فخر ہستیاں ہیں، جو قومی نوحے چند صفحوں میں منقد رہ، اور تڑپ تڑپ لکھ کر قوم کو قعر ذلت سے نکالنے کے فکر مند نظر آتے ہیں، مگر مخرب اخلاق اشتہار بازی سے خواہ وہ حسن و عشق کے نظاروں کی تصویر سے متعلق ہوں خواہ بڑی ... کی تحیلیوں اور ... کو ... کے تدسونہر لانے کے ٹملوں اور تعویذوں کے متعلق ہوں، روپیہ کمانے اور باطل طریقوں سے طلب مال کیلیے بیتاب دکھائی دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے کوئی اسلامی اخبار اور رسالہ اس سے بچا ہوا نظر نہیں آتا۔ الا ماشاء اللہ۔ ممتاز رسالے جو اس بلیدگی

(باقی)

حضرت مسیح ابن مریم علیہا السلام

کے متعلق

غلط فہمیاں - قرآنی نقطۂ نظر سے

(از جناب مولانا "عبداللہ" قادری صاحب - حیدر آباد دکن)

قرآن پاک سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح کی عجیب و غریب شخصیت کے متعلق دو عظیم الشان فرقوں کو سخت ٹھوکریں لگی ہیں - ایک افراط میں گرفتار رہے دوسرا تفریط میں - محض قرآن پاک ہی وہ کتاب مقدس ہے جسنے ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا اور انکی اصلی صورت دنیا پر واضح کر دی -

نصاریٰ نے انکے عجیب و غریب روحانی حالات سے سخت ٹھوکر کھائی اور انھیں خدا بنا دیا - بیٹا، باپ، روح القدس کے اقانیم ثلثہ کی ایجاد کی - اسکا بانی خواہ سینٹ پال (پولوس) ہو یا کوئی اور، مگر حقیقت یہ ہے جیسا کہ قرآن پاک نے انھیں ولا الضالین سے تعبیر فرمایا - انھوں نے حضرت عیسیٰ کو مانا تو سہی مگر انکی حقیقت انکی تعلیمات کا مغز سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی اور گم کردہ راہ ہو گئے - یہ انکے حق میں افراط ہے -

دوسری طرف کمبخت مغضوب خدا یہودیوں نے انکی نسبت انتہائی تفریط سے کام لیا - وہ انھیں خدا اور ابن اللہ تو رہا ایک طرف معمولی نبی یا مرد صالح کبھی نہ سمجھا - اور نہ اب تک سمجھتے ہیں - ان پر اور انکی والدۂ صدیقہ پر وہ وہ اتہامات لگائے کہ الاماں الاماں - بخلاف اسکے مسلمان اپنی کتاب و سنت کے نصوص کی وجہ سے حضرت مسیح کی نسبت وہی عقیدہ رکھتا ہے جسکے وہ حقیقۃً مستحق تھے اور جو واقعی انکے شایان شان ہے یعنی یہ کہ وہ روح من اللہ و کلمۃ اللہ اور نفخۂ جبرئیل اور مؤید بروح القدس تھے - وہ کسی باپ، مثلاً یوسف نجار وغیرہ کے بیٹے نہ تھے - انکی بشریت کا تعلق محض انکی ماں کی طرف سے ہے، باپ کی طرف سے نہیں - اسی واسطے اس ایک طرفہ بشریت کی وجہ سے وہ ملکوتیت اور بشریت دونوں کے حامل تھے - اگرچہ یہ بشریت ماں کی طرف سے ہونے کی وجہ کمزور تھی اور ملکوتیت غالب - چنانچہ یہ غلبۂ ملکوتیت کا ظہور اسوقت اچھی طرح ہو جاتا تھا جبکہ اظہار معجزات وغیرہا کے وقت اسکی ضرورت ہوتی تھی - اسی واسطے ان سے احیاء موتیٰ و ابراء اکمہ و ابرص وغیرہ خوارق کا ظہور ہوتا تھا جو لوازمات روحانیت و غلبۂ روحانیت ہیں - خصوصاً انکی گرفتاری کے وقت یہ مادۂ روحانیت اس قدر غالب ہو گیا کہ بشریت کے احکام مغلوب اور روحانیت غالبہ میں مندمج ہو رہے - یہی وجہ ہے کہ حسب روایات اسلامی وہ ایک روحانی مخلوق کی طرح نظر سے غائب اور آسمان پر اٹھا لیے گئے - اور انکی شبیہ کسی دوسرے پر پڑ گئی جسے یہود ملعونین نے بزعم خود مسیح سمجھکر سولی دلوادی - خدا فرماتا ہے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم - اس نص قرآنی سے بڑھکر مسلم کے ہاں نہ تو کوئی انجیل ہی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی روایت تاریخی خواہ وہ موثق سے موثق تر ہی کیوں نہ ہو -

عیسائیوں کی غلط فہمی

جس طرح مسلمانوں میں ایک یہودی عبداللہ بن سبا نامی نے حضرت سیدنا علی علیہ السلام کے متعلقہ احادیث فضائل مجیبہ کی آڑ لیکر، مسلمانوں کو مشرک بنا ڈالنے کی تجویز کی تھی کہ خدا و رسول کو پس پشت ڈال کر حضرت علی علیہ السلام ہی کو خدا و رسول بنالیں اور ایک حد تک وہ اپنی سعی میں کامیاب بھی ہو گیا تھا - اسی طرح ایک یہودی نے حضرت عیسیٰ کے اصل مذہب کو شرک و کفر سے بدل ڈالنے کے لیے یہ شاخسانہ اقانیم ثلثہ کا قائم کر دیا اور ان نصوص کتب عہد عتیق و عہد جدید سے پناہ لی جو بظاہر اس کے مؤید معلوم ہوتے تھے حالانکہ وہ استعارہ و تمثیل کے پیرایہ میں تھے جیسا کہ کتب الہامیہ سابقہ کی عادت ہے خصوصاً حضرت عیسیٰ کے ارشادات جو اناجیل میں مرقوم ہیں جو اسلامی صوفیانہ معارف واسرار کے ہمرنگ ہیں ان کو حقیقت پر محمول کرایا گیا جیسے کہ بیسیوں ارشادات قرآن و حدیث کو جو وحدۃ الوجود وغیرہ مسائل عرفانیہ و حقائق کونیہ پر مشتمل ہیں اچھی طرح نہ سمجھ کر اور انکے موضع و محل میں تبدیل و تحریف کرکے الحاد و زندقہ کی ایک عظیم عمارت کھڑی کر دی گئی - جو آج تک بھی باوجود صوفیائے کرام و عارفین کی واضح تصریحات کے جوں کی توں قائم ہے - چنانچہ ایک سرتاج متکلمین صوفیائے کرام کا شعر ہے کہ ؎

العبد عبد وان ترقی
والرب رب وان تنزل

یعنی صوفی کامل و عارف فاضل اپنے مدارج سلوک طے کرتے ہوئے قرب و معیت کے خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ پر پہونچ جائے مگر وہ عبد ہی رہیگا رب نہیں بن سکتا - اور وجود حقیقی خواہ تنزلات کے کتنے ہی نچلے درجہ پر پہونچ جاوے وہ رب کا رب ہی رہیگا عبد نہ بنے گا - صحیح بخاری کی حدیث (متعلقہ درجۂ قرب نوافل باصطلاح صوفیہ) میں صاف تصریح ہے کہ

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتے احبہ فاذا احببتہ کنت عینہ التی یبصر بہا وسمعہ الذی یسمع بہ الخ	بندہ میرا تقرب (بذریعہ عبادات زائد عن الفرض) حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں - سو جب وہ میرا محبوب ہو گیا تو میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے - الی آخرہ -

یہ فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہو کر جب درجۂ بقاء باللہ اسے حاصل ہو جاتا ہے تو کیا کوئی اسے خدا سمجھتا ہے - کیا اس کی حقیقت یعنے عبودیت جاتی رہے گی؟

حدید محمی یعنی تپتا ہوا لوہا خواہ کیسا ہی نورانی و روشن ہو جائے وہ خواہ کوئلہ سے کتنی ہی زیادہ حرارت و صفت احراق پیدا کرلے غرضکہ وہ خواہ کیسے ہی آگ کی تمام صفات و تجلیات اپنے اندر پیدا کرلے

کیا وہ اسوقت میں بھی اپنی حقیقت یعنی حدیدیت اور لوہے پن سے خارج ہو جائیگا - کیا کوئی عاقل ایسا سمجھ سکتا ہے؟ عاقل تو یہی سمجھے گا اور سمجھائیگا کہ لوہا اپنی اصلیت و حقیقت پر اس نورانیت کی حالت میں بھی ویسا ہی قائم ہے جیسے پہلے تھا - ہاں فقط اتنا ہوا جو ہونا فطرۃً وطبیعۃً لازم ہے کہ وہ اپنے ہمنشیں و مجاور کی صفتیں اپنے اندر پیدا کر لی ہیں - اور اسی کے حکم میں ہو گیا ہے - مغلوب اپنے غالب کے حکم میں ہمیشہ ہو جایا کرتا ہے مگر اس سے اسکی قلب ماہیت نہیں ہوتی - فلسفۂ طبیعیہ کی سیکڑوں مثالیں موجود اور روزمرہ مشاہد و محسوس ہیں۔

زمینی سیکڑوں ادے نار کی مجاورت واتصال سے مغلوب ہوکر اپنے مرکز ثقل سے الگ ہو جاتے اور نار کے ہمراہ علو کی راہ لیتے ہیں - کیا اس صورت میں انکی ماہیت ارضیہ حقیقت و ماہیت ناری منقلب ہو جاتی ہے؟

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

وایدناہ بروح القدس

(اور ہم نے مسیح کو قوت و طاقت دی روح القدس سے)

بات فقط اتنی ہی تھی کہ مقصود خداوندی بنی اسرائیل سے امانت الٰہیہ کو بنی اسمٰعیل میں منتقل کرنا تھا اور ان پر حجت قائم کرنا تھا (جیسا کہ اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کہا میں یہود پر حجت ختم کرنے آیا ہوں) چنانچہ یہ حجت اس طرح قائم کر دی کہ اخیر سلسلہ اسرائیلی میں ایک ایسا نبی پیدا کر دیا جو اپنی فوق البشریت روحانی خوارق وعادات سے صاف پہچانا جاتا تھا - اسکی صداقت میں کسی عقل سلیم کو شک وشبہہ کی گنجائش نہ تھی - مگر برا ہو تقلید جامد کا، سرکشی وہٹ دھرمی کا پوست پرستی وظاہر پرستی کا، تعصب و حب جاہ کا، کہ اس نے ان ملعونوں سے اس عجیب وغریب روحانیت آمود ہستی کا بھی انکار کرا دیا اور اسکی پُر اسرار و پُر معارف ارشادات کو سمجھنے نہ دیا - بلکہ کفر تک کے فتوے لگا کر انکے بزعم خود سولی دلوا دی -

مگر نفخۂ جبرئیلی مؤید بروح القدس، اور "کلمۃ من اللہ و روح منہ" جسکے صفات ہوں ایسا بشر سولی کیا دیا جاتا جبکہ ان سے بدرجہا کم درجہ کی روحانیت والے لوگ اولیاء اللہ، "اولیاء اللہ بھی نہیں بلکہ جادوگر سفلی روحانیتوں والے بھی" ایسے وقتوں میں اپنا بھیس بدل لے سکتے ہیں یا نظروں سے غائب ہو سکتے یا بند حجروں سے نکل سکتے ہیں - چنانچہ سب علماء قائل ہیں "محدثین بھی اور مفسرین بھی" کہ حضرت عیسیٰ کی شبیہ انکے ایک شاگرد پر پڑ گئی - اور یہ کمبخت اسی کو سولی دلوا دے - اور کلمۃ من اللہ و روح من اللہ صفات والا بشر جسکی بشریت تابع روحانیت ہو چکی تھی، وہ جیتے جی آسمان پر اٹھا لیا گیا وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم - وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ -

چونکہ ان ملعونین کی نیت تو قتل وصلب مسیح کی تھی ہی اور اپنے زعم فاسد میں انکو وہ سولی بھی دے چکے تھے - لہذا غضب خداوندی ابھر آیا اور امانت الٰہیہ خلافت رحمانیہ و نبوت الٰہیہ ان سے ہمیشہ کے لیے چھن گئی اور عرب بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو گئی - اور تقریباً ساڑھے پانچسو سال کے بعد حضور رحمۃ للعالمینؐ کو بھیجا گیا اور ذات پاک کو مجمع الا بحر تمام ہمہ رہائے نبوت و کمالات روحانیہ وجسمانیہ کا جامع بنا کر [illegible] اور وہ کتاب مقدس عطا کی گئی جسکے اندر نہ فقط تمام انبیا اور خصوصاً حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات شرعیہ و احکام ظاہری مع اضافات مکمل صورت میں آ گئے بلکہ وہ سارے معارف و اسرار روحانیہ معنویہ بھی جو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں پائے جاتے ہیں - لہذا یہ تعلیم دین محمدی فطرت ربانی کی آئینہ ہے اور اس کی کامل و مکمل ترجمان - جب ہم اسکے مقابل میں موسیٰؑ عیسیٰؑ وغیرہما انبیاءؑ کی تعلیمات کو رکھ کر دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے کہ ساری الہامی تعلیمات سابقہ ابنسبۃ و بالاضافۃ ناقص تھیں - کسی میں ظاہری احکام ہی پر زور تھا، جیسے توریت وغیرہ اور کسی میں باطنی روحانی تعلیمات ہی کو پیش نظر رکھا گیا تھا - جیسے انجیل - یہ ظاہر ہے کہ فطرت انسانی کا مقتضا دونوں کا اجتماع ہے - کیونکہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے - روح و جسم - لہذا اسکا ایک ظاہر بھی ہے اور ایک باطن بھی - جب تک دونوں قسم کی ترقیات و اصلاحات حاصل ہوں تب تک انسان کی انسانیت کامل و مکمل نہیں کہلائی جا سکتی - لہذا "دین خدا" کی اصلی غرض اسی انسانیت کامل و مکمل کا پیدا کرنا ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت عالم و عالمیان اور خاتم انبیاء اسی لیے فرمایا گیا کہ دین الٰہی سے جو غرض اصلی تھی وہ حضورؐ کی تعلیمات وطرز عمل سے صاف واضح وکامل ہو چکی - اب سرے سے کسی نبی کی مطلقاً ضرورت ہی نہیں رہی - اور رہتی کیسے، جبکہ انسانیت کامل کے دونوں شقوں اور دونوں رخوں کی پوری پوری توضیح کر دی گئی - نہ فقط علمی وتعلیمی طور پر، بلکہ عملی طور پر بھی بدرجۂ اتم - چنانچہ آں حضور صلعم کی زندگی اور انکے سچے جانشینوں کی زندگی ہر ایک عقل سلیم کو پُرزور طور پر بتا رہی ہے کہ روح اور جسد کے مقتضیات ارتقا کو بہترین اعتدالی شکل میں کس طرح نباہا جا سکتا ہے - اور اس ترازوے فطرت کے دونوں پلڑے کس طرح متوازن رکھے جا سکتے ہیں کہ نہ یہ اس پر غالب ہو اور نہ وہ اس پر - اگر دنیا بھر میں آدم سے لیکر اس دم تک کوئی انسان اس فطرت الٰہی کی میزان کے دونوں پلڑوں کو بہترین کامل طور پر متوازن رکھ کر عملی طور پر بنا سکا ہے تو وہ فقط حضور رحمۃ للعالمینؐ کی ذات مبارک ہے - جنہ نہ فقط اپنی ذات سے یہ اجتماعی صورت دکھا دی بلکہ اپنے سچے خادموں کی ایک جماعت کثیر میں بھی ایسی زندگی پیدا کر دی - علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل - خواہ حدیثی اصطلاح کے رو سے صحیح ہو یا نہ ہو مگر اسکا مفہوم ومعنی تو یقیناً صحیح ہے - کون نہیں جانتا کہ اس امت محمدیہ میں سیکڑوں ہزاروں ایسے افراد پیدا ہو چکے جو حضور محمد رسول اللہ کی سچی اتباع و حلقہ بگوشی

ــــــــــــ

۱؎ تفسیر ابن کثیر۔ ع۵ اور نہیں قتل کیا انھوں نے مسیح کو اور نہ سولی دی لیکن انکی نظروں میں اشتباہ ہو گیا - یہ ملعون ان (مسیح) کو قتل نہیں کر سکے بلکہ خدا نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا۔

سے ان ہی انبیاء علیہم السلام کی ولایتوں کو حاصل کیا اور انہیں کی طرح معجزات نہ سہی کرامات دکھائے گئے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان تمام گوناگوں انبیا کی نبوتوں اور انکی ولایتوں کی جامع تھی لہذا آپ کے سچے خادموں اور آپ کی ظاہری و باطنی دونوں طرح کی اتباع کرنیوالوں والوں میں یہ ساری نبوتوں کے متعلقہ ولایتیں حسب حوصلہ منتقل ہو گئیں جیسے آفتاب کی شعاعیں جو کئی ایک رنگوں کے جامع ہیں مختلف پھولوں کو حسب حوصلہ مختلف رنگوں کے حامل بنا دیتی ہیں۔

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

کمال انسانی اور ایک غلط گمانی

اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کمال انسانی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان مافوق البشریت روحانیت کا حامل ہو جائے اس لیے کہ اگر بالفرض کوئی فرشتہ ہی بنجائے تو کیا ہوا؟ محض ایک رخی ناقص تصویر ہوئی۔ اگر خدائے پاک کو بھی ناقص تصویر پسند خاطر ہوتی تو آدم کو کیوں پیدا کیا جاتا۔ اور پھر فرشتوں کو سجدۂ آدم کا کیوں حکم ہوتا۔ فرشتوں کا وجود تو بیشمار موجود ہی ہے۔

میرے خیال میں ایک سچے مسلم کو (بشرطیکہ وہ دوسرے اولیات سے متاثر نہ ہو) ایک یہ قصۂ آدم ہی کافی ہے جسکا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا گیا ہے۔ کیا یہ قصۂ سجود ملائکہ لآدم 'بانگ دہل' نہیں جتلا رہا ہے کہ انسانیت کا کمال محض روحانی کمال میں منحصر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ملائکہ جن سے بڑھ کر روحانیت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی آدم کو سجدہ کرنے کے لیے مامور نہ ہوتے اور مامور بھی اس زور و شور کے ساتھ کہ جو سجدہ نہ کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ اور مطرود و ملعون بنجائے جیسا کہ ابلیس۔

گمراہ عیسائی

اگر عیسائیوں کو سچے معارف و اسرار انسانیہ کا کچھ بھی علم ہوتا خواہ مسلمان عارفین کا عشر عشیر ہی سہی تو وہ ہرگز ہرگز حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا یا ابن اللہ نہ کہتے اس لیے کہ حضرت عیسی حسب تعلیم قرآنی زیادہ سے زیادہ ایسی ہستی مانے جائیں گے جنکی بشریت پر ملکوتیت غالب تھی وہ کلمۃ خدا تھے جو انسانی شکل میں نمودار ہوے وہ محض روح القدس کی پھونک ہونے کی وجہ سے روح من اللہ بھی تھے۔ اور اسی لیے انکی بشریت جو محض ان کی طرف سے آئی تھی بہت کمزور تھی اور روحانیت و ملکوتیت کا جذبہ غالب تھا۔ اور اسی لیے مافوق البشری خوارق عادات ان سے بہت سرزد ہوا کرتے تھے۔ مگر یہ سب کچھ تسلیم کرلینے کے بعد یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ خدا یا ابن اللہ کیسے ہو جا سکتے ہیں۔ جبکہ خود روح القدس و دیگر ملائکہ بھی خدا کے بندے ہی ہو سکتے ہیں نہ خدا اور بنات خدا تو پھر حضرت عیسی جو محض روح القدس کی تائید و تقویت یا نفخہ تھے یا انکا نفخہ، خدا و ابن اللہ کیوں بنجائیں۔ یہ کون عقل سلیم گوارا کرے گی کہ روح القدس جو خود سراپا روح ہی روح ہو اور جو حضرت مریم میں نفخ روح اللہ و کلمۃ اللہ کیا گیا وہ خود تو خدا نہ ہو مگر خدا ہو وہ جو اگرچہ بجائے باپ کے اسی روح القدس کا نفخہ سہی مگر ماں کی طرف سے تو یقیناً بالکل بشریت کا حامل تھا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عیسی کو ایک ایسا انسان و بشر بنایا گیا تھا جس پر روح القدس والی روحانیت مافوق البشریت کا غلبہ تھا۔ اُن کی حقیقت و سرشت ہی بین البشریت والروحانیت بنائی گئی تھی۔ اور یہ محض اس لیے ہوا تھا کہ یہود پر حجت ختم ہولے اور اُنکے یہاں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں انجیل ہی کے موافق اُنکے وہ خوارق عادات مذکور ہیں جو انکے پہلے نبیوں سے ثابت نہیں مگر اسکے باوجود قرآن و انجیل سے ثابت ہے کہ ان یہودی ظالموں نے اس عام بشریت سے ماوراء مافوق روحانیت رکھنے والے اور ایسے عجیب و غریب مظاہرات اعجاز دکھانے والے انسان کی بھی آخر ناقدری اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اس نبی کو کافر و ملحد ٹھہرا اور کفر کا فتوی دیکر ایک رومی کافر حاکم سے بلا وجہ سولی دلوانے کے لیے چیخ پکار کی اور بزعم خود زبردستی بلا وجہ ایسے مقدس نبی کو سولی دلوادی۔

مسلمانوں میں سے بعض یہودی منش حضرات

آج المسیح الدجال (نجات دہندۂ فرہبی) کے عہد میں جو فضائے تمدنی و سیاسی زہرآلود پھیلی ہوئی ہے اُسکے سیکڑوں "برکات" میں سے ایک برکت یہ نازل ہوئی کہ کسی یہودی کے بنائے ہوئے نام نہاد مذہب مسیحی کی تبشیر و تبلیغ سرعت ظہور میں آگئی۔ جسکے باعث مسلمانوں میں بھی اسکی تردید کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ مجادلہ و مناظرہ کی عادت ہے کہ وہ بعض غیر معتدل طبائع میں زائد از ضرورت تشدد و نفرت فریق مقابل سے پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی جذبہ میں بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو دیانۃً و مذہباً ناجائز ہوتی ہیں۔

مثلاً شیعہ کی تردید میں میرزا حیرت مرحوم کی ذہنیت والے اس قدر افراط کر جاتے ہیں کہ حقائق واقعیہ سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انکار شہادت سیدنا الامام حسین علیہ و علی آبائہ الصلوۃ والسلام۔ انکار فضائل سیدنا علی و اولاد علی علیہم السلام۔ انکار فضائل ہی نہیں، بلکہ توہین و تحقیر تک نوبت پہنچتی ہے۔ حالانکہ یہ خطرناک افراط و تفریط ہے۔ اسی طرح تا وہابی ذہنیت، جوش جذبۂ تردید تثلیث میں اس قدر بڑھ گئی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تنقیص شان بلکہ بہتان تک نوبت ہو گئی۔ بلکہ انکار بعض نصوص قرآنی کے باعث اصولاً کفر و ارتداد کی صورت پیدا ہو گئی۔

(باقی آئندہ)

خط و کتابت

ترسیل زر کے اوقات میں نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

پردہ

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر "ترجمان القرآن")

پردہ کا مسئلہ بھی سود کے مسئلہ کی طرح ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قریب قریب نصف صدی سے چھڑا ہوا ہے، لیکن جس طرح سود کی بحث کا آغاز ایک بنیادی غلطی کے ساتھ ہوا تھا، اسی طرح پردہ کی بحث کا آغاز بھی ایک بنیادی غلطی کے ساتھ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب میں بھی تجدد پسند مسلمانوں کے لیے اسلامی احکام کی علت اور ان کے مقاصد کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم ان احکام کی تفصیلات پر بحث کریں، اس بنیادی غلطی کو دور کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ذہن اس مسئلہ کو ایک صحیح نقطۂ نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کیلیے مستعد ہو جائیں۔

تاریخی پس منظر

اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کی ملک گیری کا سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا، اور مسلمان ابھی نیم خفتہ و نیم بیدار ہی تھے کہ دیکھتے دیکھتے یہ طوفان مشرق سے لیکر مغرب تک تمام دنیائے اسلام پر چھا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر تک پہنچتے پہنچتے بیشتر اسلامی قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں۔ اور جو غلام نہ ہوئی تھیں وہ بھی مغلوب و مرعوب ضرور ہو گئی تھیں۔ جب اس انقلاب کی تکمیل ہو چکی تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئیں۔ وہ قومی غرور جو صدہا برس سے جہانبانی اور کشورکشائی کے میدان میں سربلند رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، دفعۃً خاک میں مل گیا، اور اس شرابی کی طرح جس کا نشہ کسی طاقت اور دشمن کی پیہم ضربات نے اتار دیا ہو، انھوں نے اپنی شکست اور فرنگیوں کی فتح کے اسباب پر غور کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی دماغ درست نہیں ہوا تھا۔ گو نشہ اتر گیا تھا، مگر عقل کا توازن ابھی تک بگڑا ہوا تھا۔ ایک طرف ذلت کا شدید احساس تھا جو اس حالت کو بدل دینے پر اصرار کر رہا تھا۔ دوسری طرف صدیوں کی آرام طلبی اور سہولت پسندی تھی جو تبدیل حالت کا سب سے آسان اور سب سے زیادہ قریب کا راستہ ڈھونڈھنا چاہتی تھی۔ تیسری طرف سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی زنگ خوردہ قوتیں تھیں جن سے کام لینے کی عادت سالہا سال سے چھوٹی ہوئی تھی۔ چوتھی جانب مرعوبیت اور دہشت زدگی تھی جو ہر شکست خوردہ غلام قوم میں فطرۃً پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب چیزوں نے مل کر اصلاح پسند مسلمانوں کو بہت سی عقلی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے اکثر تو اپنی پستی اور یورپ کی ترقی کے حقیقی اسباب سمجھ ہی نہ سکے اور جنھوں نے انکو سمجھا، اُن میں اتنی ہمت اور مجاہدانہ اسپرٹ نہ تھی کہ ترقی کے دشوار گزار راستوں کو اختیار کرتے۔ مرعوبیت اس پر مستزاد تھی جس میں دونوں گروہ برابر کے شریک تھے۔ اس بگڑی ہوئی ذہنیت کے ساتھ ترقی کا سہل ترین راستہ جو انکو نظر آیا وہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اُتار لیں اور اس آئینہ کی طرح بن جائیں جسکے اندر باغ و بہار کے مناظر تو سب کے سب موجود ہوں مگر درحقیقت نہ باغ ہو نہ بہار۔

ذہنی غلامی

یہی ہیجانی کیفیت کا زمانہ تھا۔ جس میں مغربی لباس، مغربی معاشرت، مغربی آداب و اطوار حتیٰ کہ چال ڈھال اور بول چال تک میں مغربی طریقوں کی نقل اُتاری گئی، اسلامی سوسائٹی کو مغربی سانچوں میں ڈھالنے کی کوششیں کی گئیں۔ الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کو فیشن کے طور پر بغیر سمجھے بوجھے قبول کیا گیا۔ ہر وہ پختہ یا خام تخیل جو مغرب سے آیا، اُس پر ایمان بالغیب لانا اور اپنی مجلسوں میں اسکو موضوع بحث بنانا روشن خیالی کا لازمہ سمجھا گیا۔ شراب، جُوا، لاٹری، ریس، تھیٹر، رقص و سرود اور مغربی تہذیب کے دوسرے ثمرات کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ معاشرت، تمدن، اخلاق، معیشت، سیاست، قانون، حتیٰ کہ مذہب کے متعلق بھی جتنے مغربی نظریات یا عملیات تھے انکو کسی تنقید اور کسی فہم و تدبر کے بغیر اس طرح تسلیم کر لیا گیا کہ گویا وہ آسمان سے اُتری ہوئی وحی ہیں جن پر آمنّا و صدّقنا کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسلامی تاریخ کے واقعات، اور اسلامی شریعت کے احکام، اور قرآن و حدیث کے بیانات میں سے جس جس چیز کو اسلام کے پرانے دشمنوں نے نفرت یا اعتراض کی نگاہ سے دیکھا اُس پر مسلمانوں کو بھی شرم آنے لگی، اور اُنھوں نے کوشش کی کہ اس داغ کو کسی طرح دھو ڈالیں۔ انھوں نے جہاد پر اعتراض کیا، انھوں نے عرض کیا کہ حضور بھلا ہم کہاں اور جہاد کہاں؟ انھوں نے غلامی پر اعتراض کیا۔ انھوں نے کہا کہ غلامی تو ہمارے ہاں بالکل ہی ناجائز ہے۔ انھوں نے تعدد ازواج پر اعتراض کیا، انھوں نے قرآن کی ایک آیت پر خط نسخ پھیر ڈالا۔ انھوں نے کہا کہ عورت اور مرد میں کامل مساوات ہونی چاہیے، انھوں نے عرض کیا کہ یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ انھوں نے تو ابین نکاح و طلاق پر اعتراضات کیے، یہاں سب میں ترمیم کر دینے پر تُل گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ سود کی حرمت معاشی اصول کے بالکل خلاف ہے، انھوں نے کہا کہ ہمارے ہاں تو صرف سود در سود حرام ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ اسلام آرٹ کا دشمن ہے، انھوں نے کہا کہ اسلام ہمیشہ سے ناچ گانے اور مصوری و بت تراشی کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔

مسئلہ حجاب کی ابتدا

اسلام کی تاریخ میں یہ دور سب سے زیادہ شرمناک ہے۔ اور یہی دور ہے جس میں پردہ کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ اگر سوال محض اسقدر ہوتا کہ اسلام میں عورت کے لیے آزادی کی کیا حد مقرر کی گئی ہے، تو جواب کچھ بھی مشکل نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ جو اختلاف اس باب میں پایا جاتا ہے وہ محض اس حد تک ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ کوئی اہم اختلاف نہیں ہے۔ لیکن دراصل یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ مسلمانوں میں یہ مسئلہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ یورپ نے "حرم" اور پردہ و نقاب کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اپنے لٹریچر میں اس کی نہایت گھناؤنی اور مضحکہ انگیز تصویریں کھینچیں، اور اسلام کے عیوب کی فہرست میں عورتوں کی "قید" کو نمایاں جگہ دی۔ اب کیونکر ممکن تھا کہ مسلمانوں کو حسب دستور

اس چیز پر بھی شرم نہ آتی تھی۔ انھوں نے جو کچھ جہاد اور غلامی اور تعدد ازدواج اور سود اور ایسے ہی دوسرے مسائل میں کیا تھا وہی اس مسئلہ میں بھی کیا۔ قرآن اور حدیث اور اجتہادات ائمہ کی ورق گردانی محض اس غرض سے کی گئی کہ وہاں اس "بدنما داغ" کو دھونے کے لیے کچھ سامان ملتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض ائمہ نے ہاتھ اور منہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ عورت میدان جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لیے بھی جا سکتی ہے۔ مسجدوں میں نماز کے لیے جانے اور علم سیکھنے اور درس دینے کی بھی گنجائش پائی گئی۔ بس اتنا مواد کافی تھا۔ دعویٰ کر دیا گیا کہ اسلام نے عورت کو پوری آزادی عطا کی ہے۔ پردہ محض ایک جاہلانہ رسم ہے جسکو تنگ نظر اور تاریک خیال مسلمانوں نے قرون اولیٰ کے بہت بعد اختیار کیا ہے۔ قرآن اور حدیث پردہ کے احکام سے خالی ہیں۔ ان میں تو صرف شرم و حیا کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، کوئی ایسا ضابطہ نہیں بنایا گیا جو عورت کی نقل و حرکت پر کوئی قید عائد کرتا ہو۔

اصل محرکات

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں جب وہ کوئی مسلک اختیار کرتا ہے تو عموماً اسکے انتخاب کی ابتدا ایک جذباتی غیر عقلی رجحان سے ہوتی ہے۔ اور اسکے بعد وہ اپنے اس رجحان کو معقول ثابت کرنے کے لیے عقل و استدلال سے مدد لیتا ہے۔ پردہ کے معاملہ میں ایسی ہی صورت پیش آئی ہے۔ اس کی ابتدا کسی عقلی یا شرعی ضرورت کے احساس سے نہیں ہوئی، بلکہ اس رجحان سے ہوئی ہے جو ایک غالب قوم کے خوشنما تمدن سے متاثر ہونے اور اسلامی تمدن کے خلاف اس قوم کے پروپیگنڈہ سے مرعوب ہو جانے کا نتیجہ ہے۔

ہمارے اصلاح طلب حضرات کی ذہنی کیفیت سے آپ اوپر روشناس ہو چکے ہیں۔ اس ذہنیت کے ساتھ جب انھوں نے فرنگی عورتوں کی زینت و آرایش اور ان کی آزادانہ نقل و حرکت اور فرنگی معاشرت میں ان کی سرگرمیوں کو دیکھا تو اضطراری طور پر انکے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری عورتیں بھی اسی روش پر چلیں تاکہ ہمارا تمدن بھی فرنگی تمدن کا ہمسر ہو جائے۔ پھر وہ "آزادی نسواں" اور "تعلیم اناث" اور "مساوات مرد و زن" کے ان جدید نظریات سے بھی متاثر ہوئے جو طاقتور استدلالی زبان اور شاندار طباعت کے ساتھ بارش کی طرح مسلسل انپر برس رہے تھے۔ اس لٹریچر کی زبردست طاقت نے انکی قوت تنقید کو ماؤف کر دیا۔ اور انکے وجدان میں یہ بات اتر گئی کہ ان نظریات پر ایمان بالغیب لانا اور تحریر و تقریر میں انکی وکالت کرنا اور (بقید جرأت و ہمت) عملی زندگی میں بھی ان کو رائج کر دینا ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو روشن خیال کہلانا پسند کرتا ہو اور "دقیانوسیت" کے بدترین الزام سے بچنا چاہتا ہو۔ اس پر مزید وہ جذبۂ شرم و ندامت تھی جو پردہ و نقاب کے خلاف یورپ کے پروپیگنڈا سے پیدا ہوا تھا۔

انیسویں صدی کے آخری زمانہ میں آزادیٔ نسواں کی جو تحریک مسلمانوں میں پیدا ہوئی اس کے اصلی محرک یہی جذبات و رجحانات ہیں۔ بعض لوگوں کے شعور ذہن میں یہ جذبات چھپے ہوئے تھے اور انکو خود بھی معلوم نہ تھا کہ دراصل کیا چیز انھیں اس تحریک کی طرف لیے جا رہی ہے۔ یہ لوگ خود اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا تھے۔ دوسری طرف بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کو خود اپنے ان جذبات کا بخوبی احساس تھا مگر انھیں اپنے اصلی جذبات کو ظاہر کرتے شرم آتی تھی۔ یہ خود تو دھوکے میں نہ تھے لیکن انھوں نے دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ بہر حال دونوں گروہوں نے کام ایک ہی کیا اور وہ یہ تھا کہ اپنی تحریک کے اصل محرکات کو چھپا کر اس کو ایک جذباتی تحریک کے بجائے ایک عقلی تحریک بنانے کی کوشش کی۔ عورتوں کی صحت، ان کے عقلی و علمی ارتقا، ان کے علمی و عقلی ارتقا، انکے فطری اور پیدائشی حقوق، انکے معاشی استقلال، مردوں کے ظلم و استبداد سے انکی رہائی، اور قوم کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے انکی ترقی پر پورے تمدن کی ترقی کا انحصار، اور ایسے ہی دوسرے حیلے جو براہ راست یورپ سے درآمد ہوئے تھے اس تحریک کی تائید میں پیش کیے گئے، تاکہ مسلمان دھوکے میں مبتلا ہو جائیں، اور ان پر یہ حقیقت نہ کھل سکے کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس پر یورپ کی عورت چل رہی ہے، اور نظام معاشرت میں ان طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اسوقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں۔

سب سے بڑا فریب

لیکن سب سے زیادہ شدید اور قبیح فریب جو اس سلسلہ میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرکے اس تحریک کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ دونوں کے مقاصد اور تنظیم معاشرت کے اصولوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔ اسلام کا اصل مقصد جیسا کہ ہم آگے، انسان کی شہوانی قوت (sex energy) کو اخلاقی ڈسپلن میں لا کر اس طرح منضبط کرنا ہے کہ وہ آوارگی عمل اور ہیجانی جذبات میں ضائع ہونے کے بجائے ایک پاکیزہ اور صالح تمدن کی تعمیر میں صرف ہو۔ برعکس اسکے مغربی تمدن کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے معاملات اور ذمہ داریوں میں عورت اور مرد کو یکساں شریک کیا جائے اور جنسی میلان کو ایسے فنون اور مشاغل میں استعمال کیا جائے جن سے کشمکش حیات کی تلخیاں لطف اور لذت میں تبدیل ہو جائیں۔ مقاصد کے اس اختلاف کا لازمی نتیجہ تنظیم معاشرت کے طریقوں میں بھی اسلام اور مغربی تمدن کے درمیان اصولی اختلاف ہے۔ اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دائرہ عمل بڑی حد تک الگ کر دیے گئے ہیں۔ دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے اور ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نظم و ضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مغربی تمدن کے پیش نظر جو مقصد ہے اسکا طبعی اقتضا یہ ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان سے وہ تمام حجابات اٹھا دیے جائیں جو انکے آزادانہ اختلاط اور تعامل میں مانع ہوں اور

انکو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے دیتے ہوں۔

اب ہر صاحب عقل انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ جو لوگ ایک طرف مغربی تمدن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی نظم معاشرت کے قوانین کو اپنے لیے حجت بناتے ہیں وہ کس قدر سخت فریب میں مبتلا ہیں یا دوسروں کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اسلامی معاشرت میں تو عورت کے لیے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ حسب ضرورت ہاتھ اور منہ کھول سکے اور اپنی حاجات کے لیے گھر سے باہر نکل سکے مگر یہ لوگ اس آخری حد کو اپنے سفر کا نقطۂ آغاز بناتے ہیں، اور ان منازل کی طرف پیشقدمی کرتے ہیں جہاں حیا اور شرم بالائے طاق رکھدی جاتی ہے، ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت ہاتھ ننگے ہوئے سر اور شانوں تک کھلی ہوئی باہنیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جسم کے باقیماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے جن سے ہر جاذب نظر چیز دیکھی جا سکتی ہے۔ پھر ان لباسوں اور آرائشوں کے ساتھ محرموں کے سامنے نہیں بلکہ دوستوں کی محفلوں میں بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو لایا جاتا ہے اور انکو غیروں کے ساتھ ہنسنے بولنے اور کھیلنے میں وہ آزادی بخشی جاتی ہے جو مسلمان عورت اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی نہیں برت سکتی۔ گھر سے نکلنے کی جو اجازت محض ضرورت کی قید اور کامل ستر پوشی اور حیاداری کی شرط کے ساتھ دی گئی تھی اُسکو جاذب ساڑیوں اور نیم عریاں بازووں، اور بے باک نگاہوں کے ساتھ سڑکوں پر پھرنے، پارکوں میں ٹہلنے، ہوٹلوں کے چکر لگانے اور سینماؤں کی سیر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو خانہ داری کے ماسوا زندگی کے دوسرے امور میں حصہ لینے کی جو مقید اور مشروط آزادی اسلام میں دی گئی تھی اسکو حجت بنایا جاتا ہے اس غرض کے لیے کہ مسلمان عورتیں بھی فرنگی عورتوں کی طرح حیات منزلی اور اس کی ذمہ داریوں کو طلاق دے کر سیاسی، معاشی اور تمدنی سرگرمیوں میں حصہ لیں، اور عمل کے ہر میدان میں مردوں کے ساتھ دوڑ دھوپ شروع کر دیں۔ اس طرح اُس پورے نظام معاشرت کو جو اسلام نے قائم کیا ہے بیخ و بُن سے اُکھاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسکی جگہ ایک دوسرا نظام معاشرت اختیار کیا جاتا ہے جو اپنے اصول اور مقاصد میں اسلامی نظام معاشرت کی بالکل ضد ہے، اور پھر اس فعل کی تائید میں استدلال کیا جاتا ہے قرآن و حدیث سے اور یقین دلایا جاتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اسلامی قانون ہی کی پیروی میں کر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی دجل و تلبیس اور مکر و نفاق کی مثال دنیا میں کوئی اور ہو سکتی ہے۔

مغربی معاشرت کے اصول

مغربی نظم معاشرت جسکی پیروی یہ لوگ کرنا چاہتے ہیں، اس کی بنیاد تین قاعدوں پر ہے۔

۱- عورتوں اور مردوں کی مساوات
۲- عورتوں کا معاشی استقلال
۳- دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

ان تین بنیادوں پر معاشرت کو از سر نو منظم کرنے کا تخیل اگرچہ انقلاب فرانس کے اٹھارویں صدی کے وسط میں پیدا ہوا تھا مگر عملاً یہ تنظیم انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی۔ جیسا کہ اس قسم کی تمام غیر متوازن اور غیر معتدل تنظیمات کا قاعدہ ہے، اس نئی تنظیم سے بھی ابتدا میں بہت خوشگوار نتائج ظاہر ہوئے۔ عورتوں میں اعلیٰ تعلیم پھیلی، سوسائٹی میں ان کا مرتبہ جسکو مسیحیت نے بہت گرا دیا تھا بلند ہوا۔ بہت سے معاشرتی و تمدنی حقوق جو اُن سے سلب کر لیے گئے اُن کو حاصل ہو گئے۔ انھوں نے گھروں کو سنوارا۔ معاشرت میں نفاست پیدا کی۔ رفاہ عام کے بہت سے مفید کام انجام دیے۔ صحت عامہ کی ترقی، بچوں کی تعلیم و تربیت، بیماروں کی خدمت اور سوسائٹی کے بدنصیب طبقوں کو پستی کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش میں انکا حصہ ناقابل انکار ہے۔

لیکن اسکے بعد انسانی فطرت کے مقتضیات جن کی طرف سے ابتدا میں آنکھیں بند کر لی گئی تھیں، اپنے طبعی نتائج کے ساتھ رفتہ رفتہ ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد عورتوں نے سیاست اور معیشت کے وسیع تر میدانوں میں قدم رکھا، اور اُس خانداری کی طرف پیشقدمی شروع کی جسکو بیداری اناث اور حریت نسواں کے بہت خوشنما ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب اس دور کا آغاز ہوا جس میں انتخابات کی جد و جہد، دفتروں اور کارخانوں کی ملازمتیں، تجارت، صنعت و حرفت اور آزاد پیشوں میں مردوں کے ساتھ مسابقت، کھیلوں اور ورزشوں کی دوڑ دھوپ، سوسائٹی کے تفریحی مشاغل میں ایک عنصر لطیف کی حیثیت سے شرکت، کلب اور اسٹیج اور رقص و سرود کی سرگرمیاں عورت کی زندگی کے اہم تر اجزاء بن گئیں، اور گھر کی تنظیم، حیات ازدواجی کی ذمہ داریاں، بچوں کی تربیت اور خاندان کی خدمت اس کے لائحۂ عمل سے خارج ہوتی چلی گئیں، یہاں تک کہ ان امور سے اس کی دلچسپی کم ہوتے ہوتے نفرت و استکراہ کی حد تک پہونچ گئی۔ اس دور کو محض ایک اتفاقی دور نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ طبعی نتیجہ ہے ان اساسی قاعدوں کا جن پر معاشرت کے اس جدید نظم کی بنا رکھی گئی ہے۔ آپ خواہ اسکا ارادہ کریں یا نہ کریں بہرحال یہ دور ہر اُس تنظیم میں آئیگا جو ان بنیادوں پر قائم ہو۔

اصول مذکورہ کے نتائج

عملی زندگی میں مذکورۂ بالا اصول ثلثہ کو نافذ کرنے کے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:-

۱- معاشی، سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں میں عورت کے انہماک نے اسکو ان وظائف کی بجا آوری سے غافل کر دیا ہے جو فطرت نے اسکے سپرد کر دیے ہیں اور جنکی بجا آوری پر نہ صرف تمدن کے بقا بلکہ نوع انسانی کے بقا کا انحصار ہے۔ عورت کی ذمہ داریوں اور دلچسپیوں کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے اتنا ہی عائلی زندگی (family life) سے اُس کا استکراہ اور ازدواجی ذمہ داریوں سے اسکا نفور اور افزائش نسل سے اسکا انحراف بھی بڑھتا جاتا ہے۔ خاندان جو دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے منتشر ہو رہا ہے۔ نکاح کا رشتہ جو تمدن کی خدمت میں مرد اور عورت کے تعاون کی صحیح صورت ہے کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ گھر جو کبھی سکون اور راحت کی جنت تھے، دوزخ بنتے جا رہے ہیں اور نسلوں کی افزائش کو برتھ کنٹرول اور اسقاط حمل اور قتل اولاد کے ذریعہ سے

روکا جا رہا ہے۔

۲۔ عورت کے معاشی استقلال (Economic independence) نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے، اب اس نئے قاعدے سے بدل گیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں، اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ایسا ربط باقی نہیں رہا جو انکو ایکدوسرے سے وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو، اور محض شہوانی خواہشات کو پورا کرنا کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی خاطر وہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق کی گرہ میں باندھنے اور ایک گھر بنانے پر آمادہ ہوں۔ جو عورت آزادی کے ساتھ اپنی روٹی آپ مہیا کرتی ہے اور اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اور اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ اپنی شہوانی خواہش کے لیے ایک شوہر کی بیوی بننے اور اپنے اوپر بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کرلینے اور ایک خاندان کی ذمہ داریوں کا بار سنبھالنے کے لیے کیوں مجبور ہو، درانحالیکہ وہ اپنی اس خواہش کی تسکین کے لیے دوسرے آسان طریقے بھی اختیار کرسکتی ہے جن میں کسی قسم کی ذمہ داریاں اس پر عائد نہیں ہوتیں۔ آزاد شہوت رانی اب کوئی معیوب فعل نہیں رہا۔ دنیا ایسی عورت کو ([illegible]) کے قابل فخر نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کام میں اگر کوئی خطرہ ہے تو صرف حرامی بچہ کی پیدائش کا ہے، سو اس سے بچنے کے لیے برتھ کنٹرول کے ذرائع موجود ہیں۔ ان ذرائع کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اسکو ساقط کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسقاط میں بھی کامیابی نہ ہو تو بچے کو خاموشی کے ساتھ قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر جذبۂ مادری نے (جو ابھی بالکل فنا نہیں ہوا ہے) بچے کو ہلاک کرنے سے بھی روک دیا تو حرامی بچے کی ماں بن جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اب 'کنواری ماں' کی حمایت میں اتنا پروپگنڈا ہو چکا ہے کہ سوسائٹی اسکو کچھ زیادہ نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتی۔

یہ وہ چیز ہے جس نے مغربی معاشرت کی جڑیں ہلا دی ہیں۔ آج ہر ملک میں لاکھوں جوان عورتیں تجرد پسند ہیں جن کی زندگیاں آزاد شہوت رانی میں بسر ہو رہی ہیں۔ ان سے بہت زیادہ تعداد ان عورتوں کی ہے جو فطری میلان کے اثر سے شادیاں کرتی ہیں مگر چونکہ اب بجز شہوانی تعلق کے مرد اور عورت کے درمیان کوئی احتیاجی ربط باقی نہیں رہا ہے، نہ شوہر اپنی خانگی راحت کے لیے بیوی کا محتاج ہے اور نہ بیوی اپنی بسر اوقات کے لیے شوہر کی محتاج، اس لیے مناکحت کے رشتہ میں اب کوئی پائداری نہیں رہی۔ میاں اور بیوی جو ایک دوسرے سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہیں، آپس کے تعلقات میں کسی مراعات باہمی اور مدارات (Compromise) کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایک ادنیٰ وجہ اختلاف انکو ایکدوسرے سے جدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نکاحوں کا انجام طلاق یا تفریق پر ہوتا ہے۔ منع حمل اور اسقاط اور قتل اولاد کی کثرت اور حرامی بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بھی بڑی حد تک اسی سبب کی رہین منت ہے۔ زنا اور امراض خبیثہ کی ترقی میں بھی اسکا دخل کچھ کم نہیں۔

۳۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمایش، عریانی اور بے حیائی کو غیر معمولی ترقی دیدی ہے۔ جنسی میلان عورت اور مرد کی فطرت میں یکساں ودیعت کیا گیا ہے اور دونوں صنفوں کے آزادانہ میل جول میں اسکا حد اعتدال سے بڑھ جانا یقینی ہے۔ ایسے ماحول میں ہر عورت اور ہر مرد میں فطرۃً یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ صنف مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنے۔ یہ چیز ابتدا میں محض زینت و آرایش کی حد تک تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اس نے عریانی کی صورت اختیار کرلی۔ عورتوں میں اپنے جسم کے پوشیدہ محاسن کو نمایاں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ لباس مختصر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسکو سینوں اور شانوں اور پنڈلیوں کے لیے مستقل طور پر جگہ خالی کردینی پڑی۔ مگر عورتوں کا شوق نمایش حسن اس حد پر بھی نہ ٹھہرا۔ غسل کے لباس میں برہنگی نے اس سے آگے قدم بڑھایا اور اسٹیج پر تو ایک ذرا سے حصہ جسم کے سوا پورا جسم برہنہ کر دیا گیا۔ عریانی کی نمایش نے "آرٹ" کی صورت اختیار کرلی۔ ادب کے نام سے بدترین قسم کا فحش لٹریچر شائع ہونے لگا۔ ننگی تصویریں بسر عام فروخت ہونے لگیں اور جنسی لٹریچر، جو کبھی صرف طبی معلومات کے لیے لکھا جاتا تھا، ہر جوان مرد اور جوان عورت کے ہاتھوں میں پہونچنے لگا۔ فواحش اور امراض خبیثہ کی کثرت سب سے بڑھ کر اسی چیز کی منت کش ہے۔ جو لوگ ہر طرف سے شہوانی محرکات میں گھرے ہوئے ہوں، جن پر ایک سخت ہیجان انگیز ماحول پوری طرح محیط ہو گیا، جنکے جذبات کو ہر آن ایک نئی تحریک اور ایک نئے اشتعال سے سابقہ پڑے، عریاں تصویریں، فحش لٹریچر، عشق و محبت کے فلم، ولولہ انگیز گانے، برانگیختہ کرنے والے ناچ، جنکے خون کو ہر وقت جوش میں لاتے رہیں۔ اور پھر جن کو آزادی کے ساتھ صنف مقابل سے ملنے کے مواقع بھی حاصل ہوں اور داعیات نفس کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، وہ فرشتے نہیں ہیں کہ قعر دریا میں رہ کر بھی دامن تر نہ ہونے دیں۔

امریکہ کی مثال

یہ محض قیاسات نہیں ہیں، واقعات ہیں، ناقابل انکار حقائق ہیں، یہاں اسکا موقع نہیں کہ شہادت میں ان تمام ممالک کے حالات پیش کیے جاسکیں جنھوں نے یہ طرز معاشرت اختیار کیا ہے۔ اختصار کو مدنظر رکھ کر ہم صرف امریکہ کو مثال میں پیش کرینگے۔ اگرچہ ایک غیر قوم کے عیوب بیان کرنا کوئی خوشگوار کام نہیں ہے، لیکن کسی طرز معاشرت کے اصولوں کی تنقید اسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ عملی زندگی میں ان اصولوں کو برتنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔

(باقی آیندہ)

قرآن مجید کے قدیم اُردو ترجمے

(مولوی عبدالحق صاحب بی اے، سکرٹری انجمن ترقی اُردو کا ایک طویل مضمون، قرآن مجید کے قدیم اُردو تراجم پر رسالہ اُردو میں شائع ہوا ہے، ذیل میں اس بصیرت افروز مضمون کا ایک بڑا حصہ نقل کیا جاتا ہے)

ہندوستان کے نامور محدث اور عالم شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے خاندان نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ انکا فیض سارے ملک کو پہونچا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں ۱۱۵۱ھ میں کیا جو بڑی خوبیوں کا ہے۔ اسکے فرزندوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ) اور مولانا شاہ عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ) نے اُردو زبان میں ترجمے کیے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ مقبول اور مشہور ہوا اور اب تک بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ٹھیٹ اُردو میں ہے اسکا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لیے ہندی یا اُردو کے ایسے برجستہ اور برمحل الفاظ ڈھونڈھ کے نکالے ہیں کہ اُن سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ ترجمہ کی زبان کے متعلق خود شاہ صاحب نے اپنے دیباچے میں صراحت فرما دی ہے:—

"اب کئی باتیں معلوم رکھیے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے۔ اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنے مفہوم نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو"

شاہ صاحب نے یہاں ریختہ اور ہندیِ متعارف میں جو فرق کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آجکل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں۔

یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ (مطابق ۱۷۹۱ء) میں ہوا۔ یہ سنہ بھی خود شاہ صاحب ہی کا بتایا ہوا ہے۔ وہ دیباچے میں فرماتے ہیں "اس کتاب کا نام موضح القرآن ہے اور یہی اسکی صفت ہے اور یہی اسکی تاریخ ہے"

شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے اُن میں سے کسی نے بھی اسکا سنہ نہیں لکھا۔ مولوی عبدالجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمہ کے ایسے الفاظ کی ایک فرہنگ شایع کی تھی جو آجکل استعمال میں نہیں آتے۔ اسکے دیباچے میں وہ اس ترجمہ کا سنہ ۱۲۲۲ھ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسکی صراحت نہیں کی کہ یہ سنہ اُنھوں نے کہاں سے تحقیق کیا۔ ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سنہ درست ہے۔ عام طور پر مصنفین نے اس خیال سے کہ شاہ عبدالقادر سے عمر میں بڑے تھے اُنکے ترجمے کو زمانہ کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی محض قیاس ہے اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بعد کا ہے۔

شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا تو ذکر کیا لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ نہیں کیا۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس وقت تک اُنھوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلامی پریس میں دو جلدوں میں شایع ہوا۔ پہلی جلد ۱۲۵۴ھ میں اور دوسری جلد اسکے دو برس بعد شایع ہوئی۔ اس ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متن قرآن کے نیچے اُردو ترجمہ نستعلیق ٹائپ میں ہے۔

یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اُردو زبان کے محاورے میں کھپے یا نہ کھپے انھیں کرنا ضرور ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اسقدر لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اس لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اُردو زبان کے روزمرے اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی اُنکے ترجمے میں ایجاز کی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔

ان دونوں ترجموں کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا:—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ رفیع الدین:— شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے۔

شاہ عبدالقادر:— شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اگرچہ شاہ عبدالقادر نے جملے میں فعل نہیں لکھا کیونکہ اصل عربی میں بھی نہیں اور شاہ رفیع الدین نے فعل کو ترجمے کی خاطر داخل کیا ہے تاہم شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ سلیس اور صاف اور فصیح ہے اور اصل عربی الفاظ کے زیادہ قریب ہے۔

اب پارہ الٓمٓ کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے دونوں ترجموں سے بالمقابل نقل کیے جاتے ہیں:—

شاہ رفیع الدین	شاہ عبدالقادر
یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے۔ راہ دکھاتی ہے واسطے پرہیزگاروں کے وہ لوگ کہ ایمان لاتے ساتھ غیب کے یعنی بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس چیز سے کہ دیا ہے ہم نے انکو خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اُس چیز کے جو اُتاری گئی ہے طرف تیرے اور جو اُتاری گئی ہے پہلے تجھسے اور ساتھ آخرت کے وے یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے برابر ہے اوپر انکے	اس کتاب میں کچھ شک نہیں، راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو، جو یقین کرتے ہیں بن دیکھا اور درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو یقین کرتے جو اُترا تجھ پر اور جو اُترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں، انھوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہونچے۔ وہ جو منکر ہوئے برابر ہے انکو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانیں گے۔ مُہر کر دی اللہ نے اُنکے دل پر اور اُنکے کان پر اور انکی آنکھوں پر ہے پردہ اور انکو بڑی مار ہے۔

کیا ڈرایا تو نے یا نہ ڈرایا تو نے انکو نہ ایمان لاویںگے. مہر کی ہے اللہ نے اوپر دلوں انکے کے اور اوپر کانوں انکے کے اور اوپر آنکھوں انکی کے پردہ ہے اور واسطے انکے عذاب ہے بڑا۔

دونوں ترجموں کے مقابلے سے شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ کی فوقیت ظاہر ہے۔ اول تو اس میں ایجاز ہے یعنی بلا وجہ کوئی لفظ اپنی طرف سے داخل نہیں کیا۔ دوسرے اُردو روزمرہ اور جملوں کی ساخت کا خیال رکھا ہے۔ تیسرے (جیسا کہ اُنھوں نے خود فرمایا ہے) ترجمہ ریختہ میں نہیں بلکہ "ہندی متعارف" یعنی ہندوستانی میں کیا ہے۔ ان وجوہ سے ترجمہ زیادہ سلیس اور صحیح ہے۔ مثلاً متقین کا ترجمہ بجائے پرہیزگاروں کے "ڈروالوں" کیا ہے۔ یقیمون الصلوٰۃ کا ترجمہ "درست کرتے ہیں نماز" کیا ہے۔ مفلحون کا ترجمہ "وہی مراد کو پہونچے" کیا گیا ہے شاہ رفیع الدین نے اسکا ترجمہ "چھٹکارا پانے والے" کیا ہے۔ اگرچہ یہ لفظ ہندی ہے لیکن شاہ عبد القادر کا ترجمہ زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہے اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ رہی جملوں کی ترکیب سو دونوں ترجمے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبد القادر نے اسکا زیادہ خیال رکھا ہے. شاہ عبد القادر کا ترجمہ دوسرے ترجمے کے مقابلہ میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔

اُسی زمانہ ([illegible]) میں ایک تفسیر مع ترجمہ لکھی گئی. جسکا نام تفسیر قرآنی موسومہ حقانی ہے۔ اسکا ذکر جناب احسن مارہروی نے اپنی تاریخ نثر اردو میں کیا ہے۔ اسکے مولف سید شاہ حقانی نبیرۂ شاہ برکت اللہ مارہروی ہیں۔ ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

نمونۂ ترجمہ آیت آخر سورہ بقر پارہ ۳ :-

"رنج میں نہ ڈالیگا خدا تعالیٰ کسی کو مگر موافق طاقت اسکی کے۔ اُس کو ہے جو عمل کیا اور اوپر اُسکے جو گناہ کیا۔ اے پروردگار میرے عذاب مت پکڑ تو مجھ پر، جو بھول جاؤں میں یا خطا کروں میں۔ اے پروردگار میرے اور بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ بھاری، جیسے بوجھ رکھا تو نے اوپر اُس گروہ کے کہ پہلے تھے مجھ سے اے پروردگار میرے اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو کہ نہ اُٹھا سکوں میں اور درگزر کر خطاؤں میری سے اور بخش تو گناہوں میرے کو اور رحم کر تو اوپر میرے، تو ہے خاوند میرا، پھر غالب کر تو مجھکو اوپر قوم کافروں کے۔[۱]

شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں قرآن پاک کے کئی ترجمے ہوئے۔ شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے بھی اُسی زمانے کے ہیں۔ ایک اور ترجمہ جو بادشاہ کے ایما سے ہوا، وہ دلی کے نامور طبیب حکیم محمد شریف خاں مرحوم کا کیا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ قلمی ہے۔ اسوقت حکیم محمد احمد خاں صاحب کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ اور مولانا ابو الکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اُسکی زیارت نصیب ہوئی۔ فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اُس سے اس ترجمہ کی کیفیت معلوم ہوگی۔ وہ عبارت یہ ہے :-

"للہ الحمد و المنۃ کہ ایں تفسیر سلامت تحریر حسب الامر ارفع اشرف اعلیٰ بادشاہ جمجاہ دیں پناہ .... السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان اسد المعارک والمغازی جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ، ذرۂ خاکسار بے مقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آں نمودہ بود، بمساعدت توفیق الٰہی و معاضدت اقبال شاہنشاہی در نیکوترین ازمنہ و بہترین اوان زینت و زیب اختتام پذیرفت .... الحمد للہ الذی بتوفیقہ تمت ہذا التفسیر یوم الجمعۃ فی التاسع من ذی القعدہ بید الحقیر محمد میر سالدین مفوض اللہ من فیض اللہ ...."

کیا افسوس ہے کہ اختتام کا دن اور تاریخ موجود ہے لیکن سنہ ندارد۔ حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمد احمد خاں صاحب کی زبانی معلوم ہوا ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا۔

حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں لیکن درحقیقت ترجمہ ہے۔ البتہ موقع سے کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمہ کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے جیسا کہ نمونہ سے معلوم ہوگا۔

اس کی زبان شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلہ میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اُردو زبان کی ترکیب کا نسبتہً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں کیا ہے

(باقی آیندہ)

[۱] تاریخ نثر اُردو۔ صفحہ ۸۲

پردہ موجودہ ماحول میں

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مدیر "ترجمان القرآن" حیدرآباد دکن)

...... پچھلے اوراق میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اسلامی نظم معاشرت کی حفاظت کے لیے شارع نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق، دوسرے تعزیری قوانین، تیسرے انسدادی تدابیر یعنی ستر و حجاب۔ یہ گویا تین ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ جن کے استحکام پر اس عمارت کا استحکام منحصر ہے اور جن کا انہدام در اصل اس پوری عمارت کا انہدام ہے۔ آئیے اب اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے کہ ان تینوں ستونوں کا آپ کے ہاں کیا حال ہے؟

پہلے اپنے اخلاقی ماحول کو لیجیے۔ آپ اس ملک میں رہتے ہیں جس کی بیشتر فیصدی آبادی غیر مسلم ہے، جس پر ایک غیر مسلم تہذیب آندھی اور طوفان کی طرح چھائی چلی جا رہی ہے۔ پلیگ اور ہیضہ کے جراثیم کی طرح غیر اسلامی اخلاق کے اصول اور غیر اسلامی تہذیب کے تخیلات تمام فضا میں پھیل گئے ہیں۔ آپ کی ہوا ان سے مسموم ہو چکی ہے، اس کی سمیت نے ہر طرف سے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ فحش اور بےحیائی کی جن باتوں کے خیال سے ابھی چند سال پہلے تک آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، اب وہ اس قدر معتاد ہو چکی ہیں کہ آپ انہیں روزمرہ کے معمولات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے بچے تک اخباروں اور رسالوں اور اشتہاروں میں فحش تصویریں دیکھ رہے ہیں۔ اور ان سے نہیں بچائے جا سکتے۔ آپ کے بوڑھے اور جوان اور بچے سب کے سب سینما دیکھ رہے ہیں جہاں عریانی اور بےحیائی اور شہوانی محبت سے زیادہ دلچسپ چیز اور کوئی نہیں۔ باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، مائیں اور بیٹیاں ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر علانیہ بوس و کنار، اختلاط و ملاعبت کے مناظر دیکھتے ہیں اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ انتہا درجہ کے گندے اور ہیجان انگیز گیت گھر گھر اور دوکان دوکان بج رہے ہیں اور کسی کے کان ان آوازوں سے محفوظ نہیں۔ ہندی اور فرنگی ہائی سوسائٹی کی خواتین نیم عریاں لباسوں کے ساتھ پھر رہی ہیں اور نگاہیں ان لباسوں کی اسقدر خوگر ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کی بےحیائی محسوس نہیں کرتا۔ اخلاق کے جو تصورات مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ پھیل رہے ہیں ان کی بدولت نکاح کو ایک فرسودہ رسم، زنا کو ایک تفریح، مرد و زن کے اختلاط کو ایک ناقابل اعتراض بلکہ مستحسن چیز، طلاق کو ایک کھیل، ازدواجی فرائض کو ایک ناقابل برداشت بندھن، توالد و تناسل کو ایک حماقت، شوہر کی اطاعت کو ایک نوع کی غلامی، بیوی بننے کو ایک مصیبت اور معشوق بننے کو ایک خیالی جنت سمجھا جا رہا ہے۔

پھر دیکھیے کہ اس ماحول کے اثرات آپ کی قوم پر کیا پڑ رہے ہیں کیا آپ کی سوسائٹی میں عفت بصر کا کہیں وجود ہے؟ کیا لاکھوں میں ایک آدمی بھی کہیں ایسا پایا جاتا ہے جو اجنبی عورتوں کے حسن سے آنکھیں سینکنے میں باک کرتا ہو؟ کیا علانیہ آنکھ اور زبان کی زنا نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا آپ کی عورتیں بھی تبرج جاہلیت اور اظہار زینت اور نمائش حسن سے پرہیز کر رہی ہیں؟ کیا آپ کے گھروں میں ٹھیک وہی لباس نہیں پہنے جا رہے ہیں جنکے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ نساءٌ کاسیات عاریات ممیلات مائلات؟ کیا آپ اپنی بہنوں اور بیٹیوں اور ماؤں کو وہ لباس پہنے نہیں دیکھ رہے ہیں، جنکو مسلمان عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں پہن سکتی؟ کیا آپ کی سوسائٹی میں فحش قصے اور عشق و محبت کے گندے واقعات بےتکلفی کے ساتھ کہے اور سنے نہیں جاتے؟ کیا آپ کی محفلوں میں لوگ خود اپنی بدکاری کے حالات بیان کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس کرتے ہیں؟ جب یہ حال ہے تو فرمائیے کہ طہارت اخلاق کا وہ پہلا اور سب سے زیادہ مستحکم ستون کہاں باقی رہا جس پر آپ کی قومی معاشرت کا ایوان تعمیر کیا گیا تھا؟ قومی غیرت تو اب اس حد تک مٹ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں صرف نامسلمانوں ہی کے نہیں کفار تک کے ناجائز تصرف میں آ رہی ہیں۔ انگریزی حکومت میں نہیں، اسلامی ریاستوں تک میں اس قسم کے واقعات علی رؤس الاشہاد پیش آ رہے ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں مگر انکے خون متحرک نہیں ہوتے۔ ایسے بےغیرت مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں جنکی اپنی بہنیں کسی متعدد غیر مسلم کے تصرف میں آئیں اور انھوں نے فخریہ اسکا اظہار کیا کہ ہم فلاں بڑے کافر کے برادر نسبتی ہیں۔ کیا اسکے بعد بھی بےحیائی اور اخلاقی انحطاط کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اب ذرا دوسرے ستون کا حال بھی دیکھیے۔ تمام ہندوستان سے اسلامی تعزیرات کا پورا قانون مٹ چکا ہے۔ زنا اور قذف کی حد نہ اسلامی ریاستوں میں جاری ہوتی ہے نہ برٹش انڈیا میں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ جو قانون اسوقت ملک میں رائج ہے وہ سرے سے زنا کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف بہو بیٹی کو کوئی شخص بہکا کر بدکار بنانا چاہے تو آپ کے پاس کوئی قانونی ذریعہ ایسا نہیں جس سے اس بیچاری کی عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی بالغ عورت پر اسکی رضامندی سے ناجائز تصرف کرلے تو آپ کسی قانونی ذریعہ سے اسکو سزا نہیں دلوا سکتے۔ اگر کوئی عورت علانیہ بدکاری پر اتر آئے تو آپ کے پاس کوئی قوت ایسی نہیں جس سے آپ اسکو روک سکیں۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم ٹھیراتا ہے مگر جو لوگ قانون پیشہ ہیں ان سے پوچھیے کہ زنا بالجبر کا اثبات کسقدر مشکل ہے۔ منکوحہ عورت کا اغوا بھی جرم ہے مگر تبدیل مذہب کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟ غور کیجیے! یہ دونوں ستون منہدم ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے نظم معاشرت کی پوری عمارت صرف ایک ستون پر قائم ہے۔ کیا آپ اسکو بھی مسمار کرنا چاہتے ہیں؟ ایک طرف پردہ کے وہ نقصانات ہیں جنکو اوپر گنایا گیا ہے دوسری طرف پردہ اٹھا دینے میں پوری قومی معاشرت کی تباہی ہے۔ دونوں کے درمیان موازنہ کیجیے۔ مصیبتیں دونوں ہیں اور ایک کو بہرحال قبول کرنا ہے۔ اب آپ خود اپنے دل سے فتوی طلب کیجیے کہ ان میں سے کون کمتر مصیبت ہے؟

ہندو قوم کی مثال نہ لائیے۔ انکا نظام معاشرت اسقدر سخت ہے کہ عورتوں کی ظاہری آزادی سے ابھی ایک زمانہ تک یہ نتائج رونما نہیں ہو سکتے

انکے ہاں عورت کو تمام حقوق سے محروم کر کے بالکل مرد کے ماتحت بنا دیا گیا ہے وہ ہندو معاشرت میں رہ کر مرد کے خلاف بغاوت کر ہی نہیں سکتی - مرد جب چاہے اسکی زندگی کو بالکل تباہ کر سکتا ہے - مسلمان عورت کا یہ حال نہیں - اسلام نے پردہ کی قید لگانے کے بعد اسکو تمام مدنی حقوق عطا کر دیے ہیں - اسکے اختیارات ہندو مذہب عورت سے بھی زیادہ ہیں - صرف اجتماعی زندگی کی اُن رکاوٹوں نے جنکو پردہ سے موسوم کیا جاتا ہے اسکو بے راہ روی سے بچا رکھا ہے - اگر ان رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے اور موجودہ تمدن مغربی کی ہوا اُسے لگ جائے تو اسکا قدم مغربی عورتوں سے بھی آگے ہوگا - وہ چند ہی سال کے اندر اسلامی نظام معاشرت کی تمام حدود کو توڑ کر رکھ دیگی اسلامی ممالک کی مثال بھی آپ پیش نہیں کر سکتے - آپ ترکی و ایران کا نام تو لیتے ہیں مگر آپ کے ہاں کوئی مصطفےٰ کمال اور کوئی رضا شاہ بھی ہے؟ وہاں طاقتور فولادی ہاتھ حکومت کر رہے ہیں جو ساری قوم کو اپنی مٹھی میں لیے ہوئے ہیں - وہ اگر غلط راستہ پر لیجانے کی قوت رکھتے ہیں تو اس راستہ سے پھیر لانے پر بھی ہر وقت قادر ہیں - انکے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں، سوچنے والے دماغ ہیں، عمل کرنیوالے ہاتھ ہیں - اول تو انکی حکومت میں عورتوں کی آزادی کے اتنے بڑے نتائج ظاہر ہی نہیں ہو سکتے جتنے ہندوستان میں ہو سکتے ہیں - پھر اگر کبھی انہوں نے کسی نتیجہ بد کو محسوس کیا، تو ان واحد میں وہ عورتوں کو اسی طرح گھروں میں ڈھکیل دینگے جس طرح ہٹلر اور مسولینی نے ڈھکیل دیا ہے - اور کسی کیا وہ انکے حکم سے سرتابی کی قوت نہ ہوگی - کیا آپ کی بے سری قوم میں بھی کوئی ایسا ہے؟ کیا آپ میں اتنی قوت ہے کہ اگر قومی معاشرت اور قومی اخلاق پر تباہی کا کوئی سیلاب امنڈ آیا تو اسکو روک سکیں؟ آپ تالاب کے بند کو جب چاہیں توڑ سکتے ہیں، مگر خطرہ کے وقت طوفان کا منہ پھیر دینے والا تو کوئی آپ میں نظر نہیں آتا -

پس اگر احوال زمانہ ہی پر فیصلہ کا انحصار ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال پردہ کی تخفیف کے نہیں اور زیادہ اہتمام کے مقتضی ہیں - کیونکہ ہماری قومی معاشرت کی حفاظت کرنیوالے دو ستون گر چکے ہیں، اور اب تمام دار و مدار صرف ایک ہی ستون پر ہے - تمدن اور معیشت اور سیاست کے مسائل آپ کو حل کرنے ہیں تو سر جوڑ کر بیٹھیے، غور کیجیے، اسلامی حدود کے اندر انکے حل کی دوسری صورتیں بھی نکل سکتی ہیں - مگر اس بچے کھچے ستون کو جو پہلے ہی کافی کمزور ہو چکا ہے، اور زیادہ کمزور نہ بنائیے - اسکو ہاتھ لگانے سے پہلے آپ کو کم از کم اتنی قوت پیدا کرنی چاہیے کہ اگر کوئی مسلمان عورت بے نقاب ہو تو جہاں اُسکو گھورنے کے لیے دو آنکھیں موجود ہوں وہیں ان آنکھوں کو نکال لینے کے لیے پچاس ہاتھ موجود

معذرت

چونکہ اس ماہ کا ہر پرچہ کسی نہ کسی قدر تاخیر سے نکلا اس لیے مزید تاخیر کے خوف سے یہ نمبر (۳۲ و ۳۳) یکجا شایع کر دیا گیا تاکہ آئندہ پرچہ وقت سے نکل سکے - امید کہ ناظرین معاف فرمائیں گے -

خاکسار مہتمم صدق لکھنؤ

(مراسلہ)

عقل اور مذہب

گزشتہ ماہ میں پروفیسر بینی پرشاد الہ آباد یونیورسٹی نے ایک لکچر عقل اور مذہب پر یونیورسٹی کے طلباء کے روبرو دیا جس میں فرمایا کہ عقل خود غرض ہے اور مذہب بے غرض - پروفیسر صاحب کا یہ لکچر ایک ایسی یونیورسٹی کیلیے جو مذہب سے دور اور مذہبی افراد سے خالی ہو حیرت و دلچسپی سے سنا گیا - مغربی تہذیب و تمدن نے کالج کے طلباء میں جو دہریت اور لامذہبیت پھیلائی ہے اُس کی مثال ایسے ہی گورنمنٹ کی خالص یونیورسٹیوں میں مل سکتی ہے - لیکن قابل پروفیسر صاحب کی تقریر نے طلباء کو کم از کم ایک مرتبہ غور و فکر کرنے کا موقع بخشا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ آجکل جبکہ ہر کالج کا لڑکا مذہب کے خلاف علم بغاوت لیے میدان عمل . . . . وقت بھی عقل خود غرضی سے پُر ہے اور مذہب یقیناً خود غرضی سے دور اور بہت دور ہے - پروفیسر صاحب نے اس غیر معمولی موضوع کو لیکر طلباء میں ایک جان پیدا کر دی اور اپنی طویل تقریر میں یہ ثابت کیا کہ عقل خود غرض ہے اور مذہب خود غرضی سے خالی ہے - یہ تقریر اگر ہندو یونیورسٹی بنارس یا مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں کی جاتی تو یہ اہمیت اور اثر نہ پیدا ہوتا - مجھے گورنمنٹ ہند کی یونیورسٹیوں کے پروفیسر صاحبان سے عرض کرنا ہے کہ وہ بھی اس نقش قدم پر گامزن ہو کر مذہب کی روح طلباء میں پیدا کریں اور لامذہبیت کے سیلاب سے انکو بچائیں - اس گئے گزرے زمانہ میں بھی کم از کم ہندوستان میں مذہب خود غرضی سے خالی ہی نہیں ہے بلکہ جان سے زیادہ عزیز اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بالاتر ہے - عام اصول ہے کہ جب انسان ماحول میں ایک نئی روش اختیار کرتا ہے اور وہ بھی بے غرضی اور نیک نیتی سے تو بلاشک وہ ہم خرما و ہم ثواب ہوتا ہے - وہ صحیح و مفید اور نیک مشورہ دیکر طلباء کی نظروں میں عزت و وقعت حاصل کرتا ہے -

(از خان حفاظت علی خاں - لکھنؤ)

غلطنامۂ صدق نمبر ۳۱

سبھی باتوں کے پہلے پیرا میں "صرف مایا" کے بجائے "صرف زایا" پڑھیے -
،، دوسرے ،، "خزانۂ قانون" ،، "خزانۂ قارون" ،،
ص۱۲، ک۲، س۲ "کر نیچ" ،، "یہ کر نیچ" ،،
ص۱۲، ک۱، س۲ آخرے "عبادت نہیں" ،، "عبادت کافی نہیں" ،،
ص۱۳، ک۱، س۱ آخرے "اشتہار بھی" ،، "اجزاء" ،،

یہ پانچ فاحش غلطیاں صرف بطور نمونہ عرض کی گئیں، ورنہ لکھائی اور چھپائی دونوں کے اعتبار سے پرچہ جس طرح مسخ ہو کر نکلا ہے، اُس کی تلافی کسی انسان کے بس کی بات تو ہے نہیں -

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ لکھنؤ میں چھپا کر کے دفتر صدق مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت اسی پتے پر کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
خطوط اس پتہ پر بھیجیے:-
مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

[illegible]

نمبر ۳۵ | لکھنؤ۔ ۹ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱۔ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

"آج امریکہ میں مذہب و اخلاق کے لیے سب سے بڑا خطرہ متحرک تصویروں کے تماشہ خانے ہیں۔ ان میں ہر ہفتہ کا اوسط حاضری ۷ کروڑ انسانوں کا رہتا ہے۔ اس میں ۲۱ سال سے کم عمر والے نوجوانوں کی تعداد، تقریباً ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ رہتی ہے۔ پردۂ سینما پر جو منظر دکھائے جاتے ہیں، وہ عموماً جرائم اور شہوانیات ہی سے متعلق ہوتے ہیں، اور اصول زندگی کا ایک ایسا غلط نقشہ پیش کرتے ہیں، جو روز بروز قوم کی پاکیزگی کو تباہ اور اخلاق کو گندہ کرتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کا علاج صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس پیشہ کی آمدنی پر ضرب لگے۔ یہ تماشا گر جبھی اپنے ہوش میں آسکتے ہیں، جب انھیں محسوس ہو جائے کہ سچی تہذیب و اخلاق کو پامال کرنیوالی گندہ تصویروں کی اپنگ بازار میں نہیں۔ بائیکاٹ سے بڑھکر کوئی ہتھیار ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ اور اسی سے ہمیں فوراً کام لینا چاہیے"

اقتباس، فلیڈلفیا (امریکہ) کے لاٹ پادری صاحب کے ایک مضمون کا ہے۔ گندگی، بیحیائی، فحش پسندی کی بھی ایک حد ہوتی ہے "نئی دُنیا" پرانی دُنیا کے اخلاقی معیار سے لاکھ گئی گزری سہی، لیکن آخر کہاں تک۔ عریانیاں دیکھتے دیکھتے آخر اسکی نظریں بھی نیچی ہوگئیں۔ سینما کے تماشا گروں سے بار بار استدعا کی، کہ خدا کے ڈر سے نہ سہی، دُنیا کی شرم سے سہی، کچھ تو اپنے اندر تہذیب و شرافت کا لحاظ کیجیے۔ کوئی اثر نہ ہوا۔ —— کسی دوکاندار کو آج تک آپنے دیکھا ہے، کہ اپنے چلتے ہوئے مال کو محض کسی راہ گیر کی خاطر یا مروت سے، اپنی دوکان سے اٹھا دے؟ —— آخرکار بائیکاٹ کا موثر و کارگر حربہ کام میں لانا ہی پڑا۔ معاً ایک زبردست انجمن "لیگ آف ڈیسنسی (انجمن تحفظ شرافت) کے نام سے، پوری تنظیم و قوت کے ساتھ، وجود میں آگئی۔ ہزارہا ہزار نوجوان ممبر لگئے۔ کام سرگرمی سے شروع ہوا۔ چند ہی روز میں خبریں آنی شروع ہوگئیں، کہ فلاں تماشہ گھر بند ہوگیا، فلاں کی آمدنی چوتھائی رہ گئی، فلاں سینما ہال سنسان پڑا رہا، فلاں پکچر پیلس کی آبادی ویرانے سے بدل گئی، غرض دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ! "ہالی وڈ" اب چونکا۔ اور بلا مقابلہ ہتھیار ڈالدیے۔ اور وعدے کیے کہ، انجمن تحفظ شرافت والوں کے مطالبات منظور، فلاں فلاں قسم کی فلمیں آئندہ ہرگز تیار نہ ہونگی، فلاں فلاں جو نیم تیار ہیں، روک دی جائیں گی، اور فلاں فلاں جو پہلے کی تیار شدہ ہیں، انکی نمائش آئندہ سے قطعاً بند!!

'عجب بیتی' ہوچکی، اب 'آپ بیتی' کے سلسلہ میں کیا ارشاد ہے؟ یہ درست کہ 'وہاں' کی اصلاح کے بعد، ایک حد تک خود بخود 'یہاں' کی بھی اصلاح ہو جائیگی۔ لیکن یہ بھی، درست، کہ پوری بلکہ کافی اصلاح یہاں کی ہو نہیں سکتی، جب تک یہاں والے خود اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں۔ مذہب کے جزئی اور جزئی در جزئی اختلافات کے لیے ہمارے یہاں، بیسیوں نہیں، پچاسوں دنگل قائم ہیں۔ سیاسی کمیٹیوں کی تعداد بھی، چشم بد دور کچھ کم نہیں۔

لیکن یہ تہذیب، اخلاق، شرافت، مذہب کی متحدہ ضرورت، جسکے اندر کوئی اختلاف ہے، نہ کسی نزاع وشقاق کی گنجایش، کیا اس کی طرف کسی کی توجہ کی ضرورت نہیں؟ ـــــ جماعت احرار، سنتے ہیں کہ اپنے رضا کاروں کا پہرہ گندے، اخلاق سوز، غیر شریفانہ تماشہ گاہوں کے راستہ میں بٹھادے، اور اس طرح اپنی قوم وملت کے ہزاروں نہیں، لاکھوں نوجوانوں کی عفت وشرافت کے تحفظ کا سامان کرکے ان کی زندگیاں سنوار دے؟ کیا یہ بھی کوئی ایسا مقصد ہے، جس میں کانگریس سے، مسلم لیگ سے، شیعوں سے، "وہابیوں سے" کسی سے بھی تصادم ـــــ کا اندیشہ ہے؟

ہفتۂ علیگڈھ

مارچ کا آخری ہفتہ، ہفتۂ علیگڈھ تھا۔ کانفرنس کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کی سب سے قدیم انجمن ہے۔ اور خدا جانے کتنے خوشگوار واقعات کی یاد اُسکے ساتھ وابستہ ہے۔ سرسید، سید محمود، محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد، حالی، شبلی، آفتاب احمد خاں، محمد علی، عمادالملک، اجمل خاں، سب ہی کی محبوب شخصیتیں، اسکے نام کے ساتھ چشم تصور کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اسی معزز ومحترم قومی انجمن کی پچاسویں سالگرہ تھی۔ نمائش اور بہت سے مفید اور دلچسپ جلسے۔ تعلیمی نمائش، ان سب کے علاوہ، جلسہ خود ایک قابل دید چیز تھی۔

سب جلسوں میں شرکت ممکن نہ ہوئی۔ صرف چند صحبتوں میں مختصر حاضری کا اتفاق ہوا۔ مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دیوبند کی تقریر صدارت، جلسۂ مدارس اسلامیہ۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا خطبۂ صدارت، شعبۂ تعلیم ثانوی، جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کا خطبۂ صدارت، شعبۂ تعلیم اعلیٰ، مولوی عبدالحق صاحب کا خطبۂ صدارت شعبۂ اردو، یہ ساری تقریریں اور خطبے، ان حضرات کے شایان شان تھے، علم وفضل اور ذوقِ ادب کے نمونے۔ اور کانفرنس نے اگر بجز ان تقریروں کے انتظام کردینے کے، اور کچھ نہ کیا ہوتا، جب بھی اسے ناکام نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چہ جائیکہ اُس نے اسکے علاوہ بھی بہت کچھ کیا۔ مولوی الیاس برنی صاحب ایم اے، صدر شعبۂ معاشیات واصلاح معاشرت، کا خطبہ خطبات کی عام سطح سے الگ، ایک عجیب وغریب چیز تھا۔ اسکے قبل خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ معاشیات کے خشک مضمون کو ...... اس قدر دلچسپ اور سبق آموز بنایا جاسکتا ہے۔ "قادیانی مذہب" کے اڈیشن پر اڈیشن تیار کرتے کرتے، انکا قلم عجائب نگاری پر ماشاء اللہ خوب مشاق ہوگیا ہے۔ انکا اڈریس اسی قابل تھا کہ مسلمانوں کے ہر ہر گھر تک اسکی آواز پہونچائی جائے۔

کسی بڑے قومی اجتماع کے محض کمزور پہلوؤں کو چُن لینا اور انھیں کو اپنے اخبارات میں نمایاں کرتے رہنا، خدا جانے قومی خدمت کے کس معیار کے مطابق ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے جلسہ میں ایسے پہلو بھی تھے، اور ایک نہیں متعدد۔ حیرت اس پر نہیں۔ حیرت اس پر ہے کہ علیگڈھ ہی کے بعض نوجوان نہیں، ماشاء اللہ سن رسیدہ، اولڈ بوائے اسکو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ ایک دردمند دل کے لیے یہ منظر کچھ کم قابل قدر تھا، کہ حسین احمد اور ذاکر حسین خاں، جو کل تک کالج اور کانفرنس دونوں کی عدالت میں باغی اور مجرم تھے، آج اپنے اپنے شعبوں کے صدر محترم کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیے جارہے تھے، اور اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ آزادی سے کررہے تھے! جو آنکھیں تنگدلی، منافست اور مناقشت کے منظر دیکھتے دیکھتے تھک چکی ہوں، اُنھیں فراخ دلی ویگانگت کے اس نظارہ کے بعد، جوش مسرت سے اتنی فرصت ہی کہاں تھی، کہ مور (طاؤس) کے پروں کو چھوڑ کر اُسکے پیروں کی طرف دیکھ بھی سکیں!

خودداری کا سبق

" استنبول۔ الاہرام راوی ہے کہ وزیر داخلہ نے حکم جاری کیا ہے کہ عام مقامات پر سوائے ترکی کے اور کوئی زبان نہ بولی جائے۔ بصورت خلاف ورزی ۵ گنی جرمانہ داخل کرنا ہوگا۔ اس قسم کا حکم اس سے قبل بروصہ، اور جنوبی اناطول میں نافذ ہوچکا ہے۔ اب حکومت کا ارادہ ہے کہ اس میں تعمیم کردے ..... حکومت کی غرض یہ ہے کہ اجنبی نفوذ کے سارے اثرات محو کردیے جائیں۔ کیونکہ اسوقت یہود، یونانی، ارمن وغیرہ ترکیہ میں مقیم ہیں، اور گفتگو میں اپنے الفاظ ترکی میں بھر رہے ہیں ...... حکم میں یہ بھی درج ہے کہ جو غیر ملکی ترکی میں رہتے ہیں، اگر وہ ترکی میں بولنے کے وقت کچھ الفاظ اپنی مادری زبان اور کچھ ترکی زبان کے ملاکر استعمال کریں، تو فوراً کوتوال ضابطہ کی کارروائی کرے گا۔"

کاش یہ حکم صرف 'زبان' تک محدود نہ رہتا، بلکہ لباس، وضع، وغیرہ ساری قومی عادتوں اور خصلتوں تک وسیع ہوجاتا۔ اجنبی اثر ونفوذ سے تحفظ کی ضرورت صرف زبان ہی کے لیے نہیں، اپنے تمدن، معاشرت، عقائد، اعمال، ہر شے کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہی ترکی ہے، جس نے مشرق میں سب سے پہلے اپنا رسم الخط بدلا ہے، اور عربی کے بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کرلیا ہے! ایک دن وہ تھا کہ مغربیت وفرنگیت کی رَو میں یوں بہا چلا جارہا تھا، ایک دن آج کا ہے کہ غیرت وخودداری کا احساس ہوا۔ یاد کیجیے کہ ہندوستان کا وہ زمانہ، آج سے نصف صدی پیشتر کا، جب قابلیت کی سب سے بڑی دلیل یہ سمجھی جاتی تھی کہ انگریزی تلفظ تو خیر، خود اردو کا تلفظ بھی بالکل "صاحب" لوگوں کے انداز کا ہوتا! ـــــ اور وہ دَور مٹا اب بھی کہاں ہے؟

یورپ، رفتہ رفتہ

" حکومت یونان نے ایک نیا قانون نافذ کیا ہے، کہ ہر مرد کے لیے لازمی ہے کہ ۲۵ سال کی عمر کے بعد شادی ضرور کرے۔ قانون کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی آبادی میں اضافہ ہو۔

بلغاریہ میں ایک نیا قانون نافذ کیا گیا ہے، جسکی رو سے ہر اُس عورت کو جسکے ہاں اولاد نہ ہو، ووٹ سے محروم کردیا گیا ہے۔"

— دونوں خبریں ایک دن کے اخبار میں شایع ہوئی ہیں، منع حمل کی جو غیر فطری وغیر طبعی تحریک یورپ میں شروع ہوئی تھی، اُس سے کتنی جلدی یورپ کو ہٹنا پڑا! ۱۹ اور جرمنی اور اٹلی کے جھنڈے کے نیچے، دیکھتے ہی دیکھتے یورپ کے کتنے چھوٹے چھوٹے ملک اور جمع ہونے لگے، سب اسی قدیم، مشرقی تخیل کی حمایت میں، کہ اولاد، اللہ کی بخشی ہوئی ایک نعمت ہے اور اور انسانیت کے لیے باعث فخر کوششیں، انقطاع نسل کی نہیں، افزائش نسل کی ہیں ——— اُدھر یورپ تو ہار کر اور تھک کر، پھر واپس آرہا ہے، اُدھر شاگرد رشید، ہندوستان ہے کہ اسکے ہاں ابھی اولاد کشی ہی دلیل ترقی و دستاویز روشن خیالی ہے!

تفسیر قرآن

ضلع الہ آباد، سے ایک مخلص، جو تفسیر قرآن مجید سے متعلق، خاص دلچسپی اور ایک خاص قسم کے خیالات بھی رکھتے ہیں، لکھتے ہیں :-

"سورۂ بنی اسرائیل میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، قل لو کان فی الارض ملٰئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السمآء ملکا رسولا - اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ فرشتے زمین پر مطمئن ہو کر چلنے کی قوت نہیں رکھتے - تو آپ نے پارہ اکم میں کیسے ارشاد فرمایا ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے۔ فرشتہ کا لفظ بعض مقامات پر نیک لوگوں کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے - اور بھی قرآن شریف میں دیگر مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ فرشتوں کا بھیجنا اُسی وقت ہوتا ہے جب مومنوں کے دلوں میں تقویت پہونچانا مقصود ہو اور کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈالنا"۔

بنی اسرائیل کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے، وہاں ذکر اُن گمراہ قوموں کا ہے، جو بشریت اور رسالت میں تضاد سمجھتے تھے، اور جنکے خیال میں انسان کا رسول ہونا ممکن نہ تھا، وہ کہتے تھے، کہ خدا کو ہماری ہدایت ہی کرنی تھی، تو کوئی فرشتہ بھیجا ہوتا - اُنکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے، کہ فرشتہ تم انسانوں کے لیے رسول بن کر کیونکر آتا، تمھیں ہدایت تو ایسی ہی ہستی سے ہو سکتی تھی، جو تمھاری ہم جنس ہو - ہاں اگر زمین بجائے انسانوں کے فرشتوں سے آباد ہوتی، جب البتہ فرشتہ رسول کی حیثیت سے آسکتا تھا - اس آیت اور اس سیاق عبارت کا سورۂ بقرکی آیت وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت سے کوئی تعلق سمجھ میں نہ آیا - بجز اسکے کہ لفظ "ملک" دونوں جگہ مشترک ہے، اور کسی طرح کا واسطہ دونوں آیتوں میں نظر نہیں آتا - "ملک" کا اطلاق، اگر کہیں نیک لوگوں پر ہوتا بھی ہو، تو یہ تو ضرور نہیں، کہ قصۂ ہاروت و ماروت میں بھی بلا ضرورت ہی معنی لیے جائیں - مجازی معنی تو صرف اُسوقت لیے جاتے ہیں، جب ظاہری اور اصلی معنی لینے میں کوئی دقت ہو - آخر میں یہ استدلال بھی سمجھ میں نہ آیا، کہ چونکہ قرآن مجید سے فرشتوں کا نزول فلاں فلاں موقع کے لیے ثابت ہے، اس لیے ہاروت و ماروت سے مراد فرشتے نہیں - قرآن مجید نے تو اُن خاص موقعوں کے علاوہ، اور خدا جانے کتنے مواقع پر فرشتوں سے کام لینا بیان کیا ہے، ملکہ اللہ کے اعمال تکوینی، جو حد و شمار سے خارج ہیں، کہنا چاہیے کہ تمامتر فرشتوں ہی کی وساطت سے انجام پاتے رہتے ہیں۔

اسی مراسلہ میں ہے :-

"ایک مخلصانہ مشورہ آپ کو اور دینا چاہتا ہوں - قرآن شریف کی تفسیر جہاں تک ممکن ہو قرآن شریف ہی کے لفظوں سے فرمایا کیجیے - یعنی تفسیر القرآن بالقرآن - آپ نے پارہ اکم میں ایک جگہ ظن کا ترجمہ علم سے کیا ہے مگر ان بعض الظن اثم کے بابت آپ کیا فرمائیں گے؟ آپ تفسیر القرآن بالقرآن کو مدنظر رکھیں، تو آپ کو دشواریاں کم پیش آئیں"

مشورہ کا شکریہ - لیکن تفسیر القرآن بالقرآن کے مشہور اصول کے مفہوم کا دائرہ اب تک ذہن میں احکام و قصص کے ساتھ محدود تھا - یعنی ایک حکم کہیں اگر مجمل ملتا ہے، تو اس کی تفصیل دوسری جگہ تلاش کر لی جائے - یا کوئی قصہ کسی جگہ اگر مختصر آیا ہے، تو کہیں اور بسط کے ساتھ مل جائیگا - علیٰ ہذا بعض مقامات کی مطلق عبارتیں، دوسرے مقامات کی مقید عبارتوں کی روشنی میں پڑھنے کے قابل ہیں - لیکن یہ کہ قرآن کے مفردات لغت کا حل بھی، اور وہ بھی جزم و وثوق کے ساتھ، قرآن ہی سے کیا جائے، یہ آج تک ذہن میں نہ تھا - قرآن میں ایک ایک لفظ تو خدا جانے کتنے کتنے معانی میں آیا ہے، اگر اسکا التزام کر لیا جائے، کہ جو لفظ کسی جگہ ایک خاص معنی میں آچکا ہے، اُس کے وہی معنی ہر جگہ لیے جائیں گے، تو تفسیر ایک مجموعۂ عجائب بنکر رہ جائیگی - ایک جگہ آتا ہے کہ ہم نے ہر پیمبر کو "ہدایت" کے لیے بھیجا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیمبر تم "ہدایت" نہیں کر سکتے، "ہدایت" تو صرف ہم کرتے ہیں! کہیں فرماتے ہیں کہ کافر بالآخر اپنے "مولیٰ" کے سامنے حاضر کیے جائیں گے، اور کہیں ارشاد کرتے ہیں، کہ کافروں کا کوئی "مولیٰ" نہیں! یہ دو مثالیں صرف بطور نمونہ عرض کر دی گئیں، اگر ایک لفظ کا ہر جگہ ایک ہی ترجمہ رہا، تو کتاب اللہ کیا ہوئی، نعوذ باللہ ایک مجموعۂ تناقضات ٹھہری! "ظن" کا لفظ بھی بہت سے معانی کا حامل ہے کہیں اسکے معنی محض شک کے ہیں، کہیں یقین کے، کہیں علم کے، کہیں بدگمانی کے، وقس علیٰ ہذا۔

اردو کی ہمہ گیری پرانے کاغذات کی اُلٹ پلٹ میں اتفاق سے پانیر مورخہ ۱۸ - اپریل ۱۹۳۶ء کا ایک تراشہ نظر پڑ گیا - اسکے وقائع نگار لندن کا مکتوب ہے - مکتوب نگار لکھتا ہے :-

"ہماری شہنشاہی میں جو کثرت سے زبانیں بولی جاتی ہیں، یہ ان لوگوں کے نفع کی چیز ہے، جو دوسری زبانوں میں مہارت نہیں رکھتے - جیسا کہ ایک خیر ملکی نے کیا تھا - انگریز ضرورت پڑجانے پر یہ زبان خوب جلدی سیکھ لیتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی اسی عادت کی بدولت ایک انگریز نے ایک کاروباری دقت سے نجات پائی - لندن میں ان سے اور ایک ڈچ (باشندہ ہالینڈ) سے ایک اہم کاروبار طے کرنے کے سلسلہ میں ملاقات کا وعدہ ہوا، دونوں ایک دوسرے کی زبان سے نا آشنا نکلے، اور ایک انگریز کو چونکہ یہ خیال تھا، کہ ڈچ کو انگریزی آتی ہوگی، اسلیے کسی ترجمان کا بھی انتظام نہ تھا

(دیکھیے صفحہ ۱۰ کالم ۱)

نئی کتابیں

(۱) **کنسیپٹ آف سوسائٹی اِن اسلام۔** (انگریزی) از ڈاکٹر سید عبد اللطیف، پی، ایچ، ڈی۔ ۴۰، صفحات۔ مجلد۔ قیمت غالباً عار، پتہ، حیدرآباد پرنٹنگ ورکس، حیدرآباد دکن۔

کتاب کے نام کا لفظی ترجمہ ہے "ہیئتِ اجتماعیہ کا تصور اسلام میں"۔ اُردو کا و رو میں "اسلام کا فلسفۂ معاشرت" کہیے۔ کتاب، مصنف کے دو مقالات کا مجموعہ ہے۔ پہلا مقالہ مفصل و مبسوط ہے، اور اُسکا عنوان یہی ہے۔ دوسرے نسبۃً مختصر مقالہ کا عنوان "اسلام میں دعائیں" ہیں۔ پہلا مقالہ قرآن پر مبنی ہے۔ بہ کثرت آیاتِ قرآنی مع ترجمہ، تشریح و تمہید پیش کی گئی ہیں۔ دوسرے مقالہ میں زیادہ تر حدیثی دعائیں، مع ترجمہ و تشریح درج ہیں۔

جس قسم کے مسائل آجکل انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے پیش نظر رہا کرتے ہیں، اُن میں سے اکثر کا ذکر مقالۂ اول میں آگیا ہے، ہر سوال کا جواب کسی نصِ قرآنی ہی سے دیا گیا ہے اور تبصرہ قرآن ہی کی رو سے کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی مختصر ضخامت میں بہت سے مسائل چھوٹ ہی گئے ہیں، اور تفصیلی نظر تو کسی ایک موضوع پر بھی نہیں ہوسکی ہے، پھر بھی جس جامعیت کے ساتھ مصنف نے گفتگو کرڈالی ہے، یہ انھیں کے قلم کا حصہ تھا۔ آیات کے ترجمے عموماً صحیح و قابلِ استناد ہیں، باقی رہی جابجا کلام کی گنجائش، سو یہ تو اُنکے ترجموں میں بھی لازمی طور پر پائی جاتی ہے، جنھوں نے اپنی عمرِ خاص اسی ترجمہ کے کام کے لیے وقف کردی ہیں۔ ۲۵۰ پر ایک حدیث کا ترجمہ البتہ نظرِ ثانی کا محتاج رہ گیا ہے، خصوصاً 'امر اللہ' میں لفظِ امر جسکے معنی یہاں حکم کے ہیں نہ کہ 'طریقہ' کے۔ مقالہ دوم میں ترجمہ ہی کا حصہ غالب ہے۔

مصنف کو انگریزی زبان، ادب پر خاص قدرت حاصل ہے (جامعہ عثمانیہ میں غالباً استاد بھی انگریزی ہی کے ہیں)۔ دلی خوشی کا مقام ہے، کہ اپنے اِس ملکہ سے انھوں نے دین و ملت کی خدمت کا موقع حاصل کیا۔ طرزِ انشا میں تو وہ انگریز ہیں، لیکن جہاں تک عقائد و تشریحِ مسائل کا تعلق ہے، وہ لندن یونیورسٹی کے پی، ایچ، ڈی نہیں، بلکہ ندوہ کے فاضل نظر آتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اصل عبارتیں، عربی خط میں، با اعراب درج ہیں، اور کتاب کی چھپائی، عربی اور انگریزی، دونوں، صحت و خوشنمائی دونوں کے اعتبار سے، ہندوستان کو دیکھتے ہوئے بہت اچھی ہے۔ مطالعہ انگریزی خواں طبقہ کو ان شاء اللہ ضرور مفید ہوگا۔ کاش مصنف ممدوح آئندہ کے لیے اپنا یہی نصب العین اسی قسم کی مفید، اور اس سے مفصل تر تصانیف رکھ لیتے۔ اسلام کو تو اسوقت اپنے ایک ایک مخلص خادم کی خدمات کی ضرورت ہے۔

(۲) **رسولِ صادق۔** از ہز ہائینس نواب سر صادق محمد خاں۔ والیِ ریاست بہاولپور، ۲۸۰ صفحے۔ بلاقیمت۔ پتہ، مرکزِ اشاعت سیرت، جالندھر (پنجاب)

سیرت نبوی پر، چھوٹی بڑی، ہر قسم کی کتابوں کا انبار روز بروز لگتا چلا جا رہا ہے، لیکن یہ مختصر رسالہ یقیناً بہتوں سے ممتاز اور قابلِ مطالعہ ہے۔ واقعاتِ سیرت سے متعلق کوئی خاص تحقیق، اور جہاں بین یقیناً اس صفحات میں نہیں، لیکن جانے ہوئے اور بار بار کے دہرائے ہوئے حالات کو، شستہ اور سنجیدہ عبارت میں جس بیچ و سلوبی کے ساتھ اس گلدستہ میں سجایا گیا ہے، وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ اور حیرت اس پر ہوتی ہے، کہ ایک والیِ ریاست کو، جسکا نام اس سے قبل بہ حیثیت مصنف سننے میں نہیں آیا تھا، ایسا سلیقۂ تصنیف حاصل کیسے ہوگیا!

فاضل مصنف، نتائج چھوٹے بڑے تمام واقعات سے نکالتے گئے ہیں، اور رسولؐ کی صداقت پر سیرتِ رسولؐ کے ایک ایک جزئیہ کو گواہ کرتے چلے گئے ہیں۔ نکاحِ خدیجہؓ کا واقعہ :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں سے آگاہ ہوکر خدیجہؓ نے نکاح کی درخواست کی۔ آپ کی عمر اسوقت ۲۵ سال کی تھی، خدیجہؓ بیوہ تھیں، اور انکی عمر ۴۰ سال۔ تاہم آپ کی بے نفسی اور اخلاقی فضیلت دیکھیے، کہ اپنے سے عمر میں بہت بڑی عورت اور بیوہ کی درخواست کو رد نہیں فرمایا، اور نکاح کرلیا"۔ (ص ۶)

دوسرا واقعہ، نصبِ سنگِ اسود کا :-

"عرب کے اختلافات اور جھگڑے معمولی نہیں ہوتے تھے، اسی رد و کد میں تلواریں کھنچ گئیں۔ جانبازی اور مرنے مارنے پر حلف ہوگئے۔ غرض پانچ دن تک یہی کشمکش جاری رہی۔ آخرکار ایک معمر بزرگ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص حرم میں سب سے پہلے دیکھا جائے، وہ ثالث ہو۔ گویا ثالث کا انتخاب بھی وہ خود نہ کرسکے، بلکہ اتفاق اور تقدیر پر چھوڑ دیا گیا۔ جب دوسرے دن صبح سویرے وہ جمع ہوکر موقع پر پہنچے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ کو حرم میں سب سے پہلے دیکھا۔ سب نے خوشی کے نعروں سے آپ کی امانت اور صداقت کا اظہار کیا۔ ناظرین! ایک طرف تو اس اعتماد کا اندازہ لگائیں، جو آپ پر قوم کو حاصل تھا، اور دوسری طرف بے لوث ہوکر انصاف، معاملہ فہمی، اور قوتِ فیصلہ کو دیکھیں۔ آپ نے حجرِ اسود کو ایک چادر پر رکھا، اور تمام قبیلوں میں سے ایک ایک سردار کو منتخب فرماکر کہا سب شریک ہوکر اُٹھالیں اور دیوارِ کعبہ تک پہنچا ئیں۔ وہاں لیجاکر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب فرمادیا، اور اس طرح اختلاف کی خلیج کو وسیع کرکے خوں ریز معرکوں تک نہیں پہنچنے دیا"۔ (ص ۸)

ان دو مثالوں سے پوری کتاب کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ، ہر شے خوشنما و دیدہ زیب۔ ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے رسالہ ایک مرقع حسن و خوبی ہی ہے۔

(۳) **زجر الطغیان واللعان عن سبّ معاویہ بن ابی سفیان** از مولوی حکیم شاہ محمد یوسف صاحب قلندر پوری۔ ضخامت ۴۰۸ + ۱۲ صفحے

۶۔ کتب علیکم القتال وہو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرہوا شیئاً وہو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وہو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

فرض کیا گیا ہے[۱] تم پر قتال[۲]، درانحالیکہ وہ گراں ہے[۳] تم کو۔ اور کیا عجب کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو، اور کیا عجب کہ تم کسی امر کو پسند کرتے ہو، اور وہ تمہارے حق میں خرابی[۴] ہو، اور اللہ علم رکھتے ہیں[۵]، اور تم علم نہیں رکھتے[۶]

...یہ وفضیر مارگولیس لکھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغول کار رکھنے کے لیے جہاد میں لگا دیا"! کیا کہنے ہیں اس تحقیق کے! کیا کہنے ہیں اس مورخانہ راستبازی کے!

[۵] (ظاہر و باطن ہر چیز کا) اس لیے اسکے احکام ہمیشہ بے شمار مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔

[۶] (کسی چیز کا بھی پورا) اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ بے چون وچرا تعمیل احکام کرلیا کرو۔

(بقیہ صفحہ ۷)

ہوا، پانی آگ کا تو روزمرہ مشاہدہ ہی ہے۔ فلسفہ جدیدہ اور طبعیات قدیمہ دونوں ہمزبان ہیں کہ ایک دوسرے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ غالب مغلوب کو اپنے زیر اثر کرلیتا ہے اور مغلوب غالب کا تابع ہوجاتا ہے۔ قلب ماہیت بیشک نہیں ہوتی مگر صورت میں تو بدلتی رہتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے

کہ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے دیکھتے سمجھتے ہوئے ہوئے پھر بھی بعض حضرات کو حضرت مسیح کے متعلق جنکا مؤید بروح القدس ہونا منصوص قطعی ہے یہ شبہہ ہو رہا ہے کہ وہ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے یعنی یوسف نجار کے صلب سے۔ وہ سب کے سامنے اپنی شبیہ دوسرے پر ڈال کر خود غائب نہ ہوئے بلکہ معمولی انسان کی طرح خود مصلوب ہوگئے۔ وہ آسمان پر اُٹھا نہ لیے گئے بلکہ تین روز تک قبر میں مردہ پڑے رہے، یا یہ کہ لے وہ صلیب سے نکال لیے گئے اور مرہم عیسیٰ لگاتے جاکر تندرست ہوگئے اور مرے آکر کشمیر میں۔ یہ سب تخیلات رکیکہ اور تاویلات کیوں ہو رہی ہیں؟ محض اس بات کی خاطر کہ یا تو یہ خلاف فطرت وعقل ہیں یا انکے قائل ہونے سے نصرانیوں کا بیڑا ازور ہو جائیگا اور بہت سارے مسلمانان سلطنت انگلشیہ نصرانی ہوجائیں گے۔ سبحان اللہ کیا بہترین بہانہ ہے۔ پرائی بدشگونی سے اپنی ناک کٹوانے کی مثل کیا ایسے ہی امور کے لیے بنائی گئی تھی؟

میں آپ کو ابھی عنقریب بتادوں گا کہ عقل وفطرت کیا چیز ہے، دونوں میں کیا نسبت ہے، اور نیز یہ کہ مسیحیت وتثلیث کی طرف رغبت کیوں ہو رہی ہے۔ کیا واقعی مذہب نصرانیت میں کچھ حقانیت کی کشش ہے یا خدانخواستہ کیا اسلامی تعلیم اسکا باعث بن رہی ہے یا درحقیقت کوئی چیز دین ومذہب کے سوا اسکی تشویق وترغیب کا کام کررہی ہے

بالفعل اس سوال کا جواب دیجیے کہ ہم جب روحانی وملکوتی تصرفات کے قائل ہیں حتیٰ کہ ارواح خبیثہ تک کے (جیسا کہ جادو میں ہوتا ہے) تصرفات کا مشاہدہ وتجربہ حاصل ہے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت مسیح بن مریم میں اگر روح القدس کے یہ تصرفات مافوق البشریہ ہوں تو کون محل تعجب ہے۔ اسکا مطلب تو یوں نکلا کہ شیاطین وجنات وارواح خبیثہ کے تصرفات تو صحیح اور قابل تسلیم ہی نہیں بلکہ یقینی اور مجرب ہوں، اور مسیح نہ ہوں تو کس کے؟ روح القدس کے، اور روح القدس کے صبیب مریم میں نفخ کیے کلمۃ اللہ کے، ایک ایسے انسان کے جسکی ماں تو بیشک بشر ہو مگر نہ ہو کوئی باپ بلکہ بمنزلہ باپ کے اگر کوئی ہو تو روحانیت عظمیٰ ہو جو نفخۂ جبرئیل سے شکم مادر میں آئی ہو، بریں عقل ودانش بباید گریست۔ اللہم اہد قومی فانہم لایعلمون۔ اللہ اللہ کیا کوئی مومن جو امور غیبیہ پر ایمان رکھتا ہو، کون امور غیبیہ؟ وہ جو عالم غیب وعالم روحانی سے تعلق رکھتے ہیں اور سراسر علم ودانش مادی کے ادراکات سے بالاتر ہیں؟ کیا یہ مومن اس بات کو تو مان سکتا ہے کہ سحر ہے اور تصرفات ارواح خبیثہ حق ہیں، شیاطین وجنات کا وجود حق ہے، اسکے تصرفات عجیب وغریب واقعی ہیں (خواہ اُنکا استعمال اور اُن سے استعانت شرک وکفر) لہذا اگر وہ نظروں سے غائب ہوجائیں اور اپنی شبہ دوسروں پر ڈالدیں تو یہ سب درست وواقعی ہو مگر جب مسیح ابن مریم جو خود ایک طرفہ نفخۂ روح القدس وملکوتی اور ایک طرفہ بشری ہوں، تصلیب کے وقت نظروں سے اوجھل ہوجائیں اور انکی شبیہ اُنکے کسی متعلق پر پڑجائے اور مصلوب بھی اس اشتباہ میں رہی ہو جائے اور وہ روح من اللہ وکلمۃ اللہ اُٹھا لیا جائے اور جہاں سے آیا تھا وہاں چلا جائے تو محل تعجب قرار دیا جائے اور یہ ہمارے جدید "مومن بھائی" مسیحیوں سے مرعوب ومدہوش ہوکر اسکا انکار کر بیٹھیں، ہزار قرآن پاک بیانگ دہل اعلان کرے کہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم۔ مگر یہ حضرات یہی فرماتے رہیں کہ نہیں نہیں، یقیناً مسیح سولی دیا گیا اور پھر سولی سے اُتار کر اُسے مرہم عیسیٰ لگاکر تندرست کیا گیا اور پھر کشمیر آکر اپنی موت مرا...... پھر مزا یہ کہ اس عقل ونقل بلکہ نص قرآنی کی موافقت میں اعتقاد رکھنے والا کہ مسیح مرے نہیں اور نہ سولی دیے گئے، کافر ہو، ملحد ہو، قرآن وحدیث کا منکر ہو اور منہ چڑانے کیا کیا ہو۔ مگر اس نص قرآنی وعقیدہ قدیمہ اسلامیہ کے خلاف بلکہ عقل ونقل دونوں کا علانیہ انکار کرنے والا ٹھہرے "پکا مومن"۔ واہ رے فتنہ المسیح الدجال تیرے کیا کہنے۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے تو نے علم اسلامی کی ذہنیت، فٹ بال سے زیادہ لکد کوب بنادی۔ اور پادریوں کا شاخسانہ کھڑا کردیا کہ وہ ایک برحق روحانیت ایزدی کو خدا بنادیں اور اسکا پرچار کریں اور ادھر ایسی تعلیم گاہیں خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں قائم کرادیں جو اصل روح اسلام کو "جو عقیدہ ایمان ہے اور روحانیات ہی پر جسکا دارومدار ہے" تحلیل کرسکیں اور کر رہی ہیں۔ ادھر مذہب کفر وشرک کی پرادلیع تبلیغ وتبشیر اور کالجوں یونیورسٹیوں اسکولوں ہائی اسکولوں کی الحاد وزندقہ پرور دہریت ساز تعلیم وتربیت (باقی)

اپنے فضل سے، اور اللہ جسکو چاہتے ہیں راہ راست بتا دیتے ہیں۔

۴- ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔

کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم کو ابھی اُن لوگوں کا سا کوئی اہم واقعہ نہیں پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اُن پر واقع ہوئی تنگی اور سختی، اور وہ (یعنی جنبش دی گئی) یہاں تک کہ پیغمبر اور جو ایمان والے اُنکے ہمراہ تھے، بول اُٹھے کہ کب ہوگی اللہ کی امداد۔ یاد رکھو، بیشک اللہ کی امداد قریب ہے۔

۵- یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، آپ کہہ دیجیے کہ جو مال تمہیں خرچ کرنا ہو، سو وہ حق ہے والدین کا اور قرابتداروں کا، اور یتیموں کا اور مسکینوں کا، اور مسافروں کا، اور جو بھی نیک کام کروگے، سو اللہ کو اسکا پورا علم ہے۔

(تاج العروس) اور یہاں یہی مراد ہے۔

۷۳۳ اس لیے مخالفین و معاندین کی سعی اضلال و اغواء سے خوف و ہراس نہ کرنا چاہیے۔

۷۳۴ (اے گروہ مومنین!) براہ راست مخاطب، عہد رسالت کے مومنین ہیں، خصوصاً مہاجرین مکہ۔

۷۳۵ (جو مشقت اور بغیر امتحان)

۷۳۶ یعنی امم سابقہ کے مومنین۔

۷۳۷ (مخالفین کے ہاتھوں)

۷۳۸ ان آزمائشوں کے تذکرہ سے صحف سابقہ لبریز ہیں:-

"چاندی کے لیے کٹھالی ہے اور سونے کے لیے بھٹی۔ پر خداوند دلوں کو تاتا ہے۔" (امثال ۱۷: ۳)

"صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں۔" (زبور ۳۴: ۱۹)

"ضرور ہے کہ ہم بہت مصیبتیں سہہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں۔" (اعمال ۱۴: ۲۲)

۷۳۹ (اُس زمانہ کے)

۷۴۰ (شدت غم و حزن سے بیقرار ہوکر)

۷۴۱ (موعود) انبیاء و مومنین سابقین کا یہ قول، بطور دعا و مناجات تھا، نہ بہ طور اعتراض و شکوہ۔ وعدہ یہ تھا، کہ نصرۃ الٰہی ہوگی، لیکن یہ تعیین نہ تھی کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد میں اپنے اجتہاد سے، اسکی ضرورت محسوس کرتے، یہ الحاح و زاری عرض کرتے، کہ یہی وقت تو دستگیری و نزول نصرت غیبی کا ہے۔

۷۴۲ یہ اُنکی درخواست کا جواب ملنا، مسلمانوں کو بھی اس میں ہمیشہ کے لیے بشارت و تسلی ہے۔ اور اس حقیقت کا بیان ہے، کہ نصرت الٰہی اپنے وقت پر آکر رہیگی ضرور۔ مجاہدہ سے گھبرانا اور بددل ہونا نہ چاہیے۔ مجاہدہ تو شرط داخلۂ جنت ہے، گو کیسا ہی قلیل و لطیف سہی۔ درجات کی تعیین حکیم مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اور پھر صحابہؓ سے بڑھ کر ترقی مدارج کا حریص کون ہو سکتا تھا؟ انھیں گویا ضمناً یہ بتا دیا گیا، کہ جب طلب ان مدارج عالیہ کی ہے، تو مجاہدات بھی اسی مناسبت سے بہرحال برداشت کرنے ہونگے۔

۷۴۳ مراد بعض مسلمان ہیں۔

۷۴۴ (اے پیغمبر!)

۷۴۵ (اور کن موقعوں پر)

۷۴۶ (حصول ثواب کے لیے)

۷۴۷ خیر کے معنی علاوہ بھلائی اور نیکی کے، مال کے بھی ہیں، اور یہاں یہی مراد ہے۔

۷۴۸ اپنے حسب حیثیت و ہمت)

۷۴۹ (بہ طریق تطوع)۔ جو زکوٰۃ فرض ہے، سوال اُسکی بابت نہ تھا۔ اُسکا حساب تو کھلا ہوا تھا۔

۷۵۰ مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع، اور انکی ترتیب کتنی حکیمانہ ہے۔ قریب اور دور کے سب حقدار، اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے آگئے۔

۷۵۱ خواہ وہ عبادت بدنی ہو یا مالی۔ کسی قسم کی بھی

۷۵۲ اور اس لیے اسکا اجر بھی پورا دلا کر رہیگا۔

۷۵۳ (اے مسلمانو!)

۷۵۴ (جب اسکے شرائط پائے جائیں) یہود و نصاریٰ دونوں کی کتاب مقدس کا ایک حکم اس باب میں ملاحظہ ہو:-

"رب الافواج یوں کہتا ہے، مجھکو یاد ہے جو کچھ کہ عمالیق نے بنی اسرائیل سے کیا، جبکہ وہ مصر سے نکل آئے، کہ وہ کیونکر انکی راہ پر گھات میں بیٹھا۔ سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ انکا ہے، ایک لخت ختم کر، اور اُن پر رحم مت کر، بلکہ مرد و عورت ننھے بچے اور شیرخوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔" (۱-سموئیل ۱۵: ۲)

۷۵۵ (طبعاً)۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا، آسان عموماً کسی کے لیے کبھی بھی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ان غریب مہاجرین مکہ کے لیے، جو تعداد میں، ساز و سامان میں، کسی اعتبار سے بھی اپنے پُرقوت حریفوں کے ہم مقابل نہ تھے۔ ایسی حالت میں اگر ان شکستہ دلوں کو حکم جنگ پاکر تھوڑی بہت طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو، تو یہ اُنکے مرتبۂ اخلاص ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

۷۵۶ جن کمزور، شکستہ بازو، قلیل التعداد مسلمانوں کو اس تفصیل و تاکید کے ساتھ آمادۂ جہاد کرنے کی ضرورت قرآن مجید کو پیش آرہی ہے، انکی بابت، اسلام اور مسلمانوں کے بہت مشہور و معروف کرم فرما

تقطیع ۲۰×۲۶ ۔ قیمت ۸ ، مصنف کے پاس سے، قلندرپور، ڈاک خانہ کھیرپور، ضلع اعظم گڈھ سے ملیگی۔

کئی سال کا ذکر ہے کہ آگرہ کاظمیہ کاکوری سے ایک کتاب حسن الانتخاب شایع ہوئی تھی، جسکا موضوع اگرچہ صرف "منقبت سیدنا ابوتراب" تھا، لیکن مناقب علیؓ کے ساتھ ساتھ، بلا ضرورت مثالب معاویہؓ کچھ اس طرح نمایاں ہوگئے تھے، کہ رد وقدح کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ صحیح ہیں جس زمانہ میں یہ ریویو نکلا تھا، خود اس پرچہ پر سوال وجواب سچ میں چھپتے رہتے، اور اخباری مضامین کے علاوہ، خدا جانے، پمفلٹ اور ضخیم تصانیف بھی کس تعداد میں بصورت سوال وجواب، وجواب الجواب شکل آئے۔ خیال تھا کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد، دلوں کا جوش وخروش نکل کر اب ٹھنڈا پڑگیا ہوگا۔ لیکن اس ضخیم کتاب کو دیکھکر معلوم ہوا، کہ آگ ابھی تک فرو نہیں ہوئی۔ کتاب "حسن الانتخاب" اور "دفع الحجاب" کا جواب ہے۔ افسوس ہے کہ پوری کتاب، یا اسکے بیشتر حصہ کے بھی مطالعہ کا وقت نہ نکل سکا۔ تاہم سرسری ورق گردانی سے اتنا اندازہ تو بہرحال ہوا کہ مصنف کو اپنے موضوع پر عبور حاصل ہے، اور انکی تحریر نامحرمی کی نہیں، ماہر فن کی تحریر ہے تلاش وتفحص، دل نظر میں عیاں ہے۔ لیکن بحث ومناظرہ کا سلسلہ جہاں بڑھا، ذاتی حملے اور باہمی سب وشتم شروع ہوجانے لازمی ہیں، اسکے بعد اصل بحث سے توجہ تو ہٹتی جاتی ہے، اور قیل وقال صرف اس امر پر رہ جاتی ہے، کہ حریف جاہل ہے، کودن ہے، مفتری ہے، مکار ہے۔ ناظرین کے طبقۂ عوام کو دلچسپی صرف اسی نمک مرچ سے باقی رہ جاتی ہے، اور اصل مسائل کی تحقیق رخصت ہوجاتی ہے ——— کاش اس خاص سلسلہ کی کتب فریقین اس کلیہ سے مستثنیٰ ہوتیں!

موضوع حق کے لیے صرف دو ایک سنجیدہ تحریروں کی ضرورت تھی اور وہ شروع میں نکل چکی ہیں۔ سنجیدہ طالبان حق کے لیے وہ بالکل کافی ہیں۔ اور جو سرے سے سمجھنا ہی نہیں چاہتے، انھیں دنیا میں کوئی سمجھا بھی سکتا ہے؟ نفس مسئلہ میں خفا واشتباہ کی کوئی وجہ اب باقی نہیں۔ اس لیے فریقین کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ اب خدا کے لیے اس سلسلہ کو ختم فرمایا جائے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی ذات اہل سنت کے ہاں کیسی ہی معزز ومکرم سہی، اسوقت زمانہ کے حملے تو انکے بھی آقا وسردارؐ کی ذات، اور انکے لائے اور پھیلائے ہوئے دین پر ہو رہے ہیں۔ اور خادم کے ناموس کی حفاظت کی فکر میں آقاؐ کے ناموس کے تحفظ سے غافل ہوجانا دلیل دوراندیشی نہیں۔

(۴) **خطبۂ صدارت شعبۂ معاشیات اصلاح معاشرت** ۔۔۔ علیگڈھ۔ از مولوی شاہ محمد الیاس برنی صاحب ۔۔۔ ۳۴ صفحے۔

جلسوں کے خطبات صدارت کی حیثیت عموماً صرف نمایشی ہوتی ہے، انکی ساری اہمیت، آغاز جلسہ تک، اور وہ بھی جلسہ گاہ کے حدود کے اندر محدود۔ ادھر حاضرین، جلسہ گاہ سے باہر نکلے، ادھر وہ آب وتاب سے چھپے ہوئے ایڈریس، ردی دان کی نذر ہونے لگے۔ بلکہ اسکی نوبت بھی کم ہی آتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ادھر صدر صاحب اپنے خیال میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہے ہیں، ادھر سامعین کچھ تو سوگئے، کچھ اونگھنے لگے، اور کچھ ایڈریس کے خاتمہ کے انتظار میں ایک ایک منٹ گننے لگے۔ اور پھر صاحب کی نوعیت بھی کیا؟ شعر وادب کی بزم آرائی نہیں، کوئی چٹپٹی سیاسی نہیں، کوئی جوش میں لانے والا مذہبی موضوع نہیں۔ مائیہ ناز "معاشیات" اور "اصلاح معاشرت"! خشک، اور خشک در خشک، موضوع اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا تھا؟ ——— قیاس سے فرمائی جو سنا یہ وہ شباب بھی تھا، لیکن تجربہ نے آنکھوں کو جو کچھ دکھایا وہ اسکے بالکل برعکس! نتیجہ یہ کہ ایڈریس پڑھیں، یا دیکھے آپ اسی طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح مشق کتابوں پر ہوتا رہتا ہے۔

سر سید نے علیگڈھ کو علیگڈھ جس طرح بنایا، اس سے اب تک سب واقف ہیں، لیکن یہی داستان ذرا برنی صاحب کی زبان سے سنیے:—

"سرسید علیہ الرحمہ کا یہ کارنامہ ہمیشہ ہمیشہ تاریخ ہند اور تاریخ اسلام میں یادگار رہیگا۔ ظاہری آثار تو آنکھوں کے سامنے موجود ہیں، لیکن اس کارنامہ کی باطنی قوت کیا تھی۔ ایک ملت کی محبت، قومی غیرت، دینی حمیت، اور اسکے لوازم ذاتی قربانی، ذاتی انہماک اور ذاتی انہماک اور ذاتی استقامت۔ اور یہ سب کرشمے ہیں حضرت عشق کے، جنکے دم سے یہ کارخانۂ کائنات بنی ہے۔ ازل سے لیکر ابد تک نشہ ہر کہیں انتہا نہیں۔ یہی عشق انسان کو جو نیت ۔۔۔ عشق نے معلوم اسکو ہمارے کہاں تک پہنچایا ہے۔ غور سے دیکھیے تو کائنات پر یہی بالنظر آتا ہے ۔۔۔ یہی لگن، یہی دھن، جب اعلیٰ رخ پر آتی ہے، تو ۔۔۔ کی کائنات ۔۔۔ کرانسانیت کے جوہر دکھاتی ہے۔ چنانچہ ۔۔۔ کے ماہر حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ کیا خوب فرماتے ہیں:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما" (ص ۲۰۳)

معاشیات کے خشک اعداد کے درمیان آپ کہیں بھی اس پیام روح کی توقع کرسکتے تھے؟ تو دوکانفرنس کی ضرورت وعدم ضرورت بحث سے یا ۔۔۔ طریقت کا ایک مشتاقِ تذکرہ ہے۔ حسب معمول، افراط وتفریط دونوں طرف ایک طرف اگر جمود وتعطل ہے، تو دوسری طرف دنیا پرستی اور فرسودگی کے جھگڑے۔ صحیح تشخیص وہ بڑی پیاری اور شگفتہ زبان میں، صدر بزم یہ لکھا ظاہر رہے ہیں:—

"اگر تعلیم کی انتہا ہوچکی، اگر بیداری کی انتہا ہوچکی، اگر زندگی کی انتہا ہوچکی۔۔۔ اگر واقعی ان کاموں کی انتہا ہوسکتی ہے، ممکن ہے کہ کانفرنس کا کام بھی ختم ہوگیا ہو یا ختم ہوسکے۔ لیکن اگر ابتدا کو انتہا سمجھ لیں، اگر پہلے قدم کو منزل سمجھ لیں، تو انجام معلوم۔ اگر قوم کو کام کرنا ہے، اور دوسری قوموں کی صف اعلیٰ جگہ پر کرنا ہے، تو مسلم یونیورسٹی کے علاوہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بھی ضرورت ہے، اور ضرورت رہیگی۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کانفرنس بھی ترقیات زمانہ کا ساتھ دے، اسلامی

دائرۂ عمل میں مطالبات ترقی کی سبیل و تکمیل کرے ... اگر کانفرنس قوم کی توجہ اور تائید حاصل کرنا چاہے، اور اسکو برقرار رکھنا چاہے تو لازم ہے کہ عملی پروگرام بنائے اور کارگزاری دکھائے اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا" (ص۵)

اب اصل مبحث پر آئیے - جی ڈرا ہوگا، کہ خدا معلوم کیسی کیسی سنلق، نا مانوس و سامعہ خراش اصطلاحیں سننے میں آئیں، لیکن ذرا ایک منٹ کے لیے کان لگائیے تو :-

"تمدن، معاش اور معاشرت انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو ان ہی جھمیلوں میں پڑکر انسان انسان بنتا ہے۔ بے تعلقی و گوشہ نشینی، رہبانیت و عبادت یہ بھی بڑے کام ہیں... روحانی ترقی کے پیغام ہیں۔ لیکن ان سے ملکوتی صفات ابھرتے ہیں، انسانی کمالات نمودار نہیں ہوتے.... رہبانیت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیوی حقوق و فرائض سے دل گھبرانے لگتا ہے، اور پرسکون عبادت کی محبوبیت جاگتی ہے، حالانکہ انسان کی دنیوی زندگی حقوق و فرائض سے عبارت ہے" (ص۹)

"ہر حق کا دوسرا رخ فرض ہوتا ہے، اور ہر فرض کا دوسرا رخ حق - یہ دونوں رخ گویا لازم و ملزوم ہیں حقوق و فرائض کے متعلق عہد جدید نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ قابل غور ہے - اول تو باہم حقوق و فرائض کے اثر و ثمرات چند روزہ زندگی تک محدود قرار دیے گئے جس سے انکی اہمیت میں لازماً تخفیف ہوگئی - دوسرے ان کی نگرانی بھی انسانی عدالتوں تک محدود کر دی گئی، جس سے گریز کی کافی گنجائش نکل آئی - تیسرے حقوق کے مطالبہ کو مقدم رکھا گیا، اور فرائض کی تعمیل کو موخر - جس سے لازماً کشمکش بڑھ گئی، حالانکہ اگر فرائض کی تعمیل کو مقدم کر دیا جاتا تو حقوق کی تعمیل خود بخود ہو جاتی، اور بہ طریق احسن ہو جاتی۔ چوتھے یہ کہ حقوق، قوی جماعتوں کے اجارے میں آگئے، اور فرائض کمزور جماعتوں کے گلے پڑے - حالانکہ فلاح تمدن کے واسطے تقسیم اسکے برعکس ہونی چاہیے، تاکہ تمدن میں صحیح توازن قائم رہے - موجودہ تمدن میں باہم اہتمام جو انتشار نمودار ہوا چاہتا ہے اسکا خاص سبب بھی حقوق و فرائض کی بے اعتدالی ہے، اور اگر اس خرابی کی اصلاح نہ ہوئی، تو تمدن کی بھی خیر نظر نہیں آتی" (ص۱۶)

صفحات کے صفحات، معاشرت، معیشت و معاشیات کے ایسے ہی مباحث کی تشریح و توضیح سے بھرے ہیں - زبان اتنی سلیس، صاف اور طرز بیان اتنا رواں اور شگفتہ (اور ادبیات کا چٹخارہ اس پر مستزاد) کہ خشک مضمون کا شبہہ بھی نہیں ہونے پاتا - یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر اکبر کا شعر نہیں پڑھ رہے ہیں تو گلستان سعدی کی چھوٹی چھوٹی حکایتوں سے دل بہلا رہے ہیں ___ مریض کے حلق کے نیچے دوا کی خوراک پر خوراک اترتی جارہی ہے، اور وہ اپنے نزدیک 'لذیذ حلوے کی قاشوں سے شغل کر رہا ہے!

خاتمہ کے قریب کا صرف ایک مقام، یوپی ٹیکسار کے ادنیٰ افسر کے بعد، ملاحظہ فرمائیے :-

"انسان کو جو ضروریات لاحق ہوتی ہیں، وہ اصولاً چار درجوں میں تقسیم کی جاتی ہیں - اول ضروریات حیات، جنکے بغیر زندگی دشوار ہے، مثلاً روشنی، ہوا، پانی، کھانا - دوم ضروریات کارگزاری، جنکے بغیر کام خوبی سے انجام پانا دشوار ہے، مثلاً محنت، قوت، تعلیم و تربیت - سوم ضروریات راحت، جو محنت کے بعد آرام پہونچائیں اور صحت و طبیعت کو درست رکھیں، مثلاً سیر و تفریح - چہارم ضروریات عیش، جن میں لذت نفس کی خاطر دولت اور وقت کو بے دریغ صرف کیا جائے... جن ممالک میں کاروبار کو عروج ہوا، لوگ صبح سے شام تک بڑے بڑے دفاتر، اور کارخانوں میں کام کریں، اور محنت سے معاش پیدا کریں، وہ جسمانی اور دماغی تکان رفع کرنے کے لیے اگر شام کو یا شب کو کھیل تماشے دیکھیں، تو انکے واسطے یہ مشغلے بڑی حد تک ضروریات راحت بلکہ ضروریات کارگزاری میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن جو لوگ تمام دن بیکاری میں بسر کریں، وہ دوسروں کی تقلید میں ان مشاغل کو اختیار کریں، تو کھلی عیش پرستی ہے، اسکو راحت یا کارگزاری سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا...... مثلاً موٹر کو لیجیے، ترقی یافتہ ممالک میں زندگی کی جو مصروفیت ہے اور رقبوں کی جو وسعت ہے اسکے مدنظر ضروریات زندگی میں بغیر تکلف ضروریات کارگزاری میں داخل ہے..... اسکے برعکس ہندوستان میں موٹر بیشتر عیش یا کم از کم راحت میں داخل ہے...... موٹر نشینی کی اکثر صورت یہ ہے، کہ جسم موٹر پر سوار، اور موٹر دل و دماغ پر سوار - عجب لطف ہے، عجب بے لطفی ہے - موٹر تو پھر بھی کار آمد ہے، مغربی زندگی کے جو دوسرے تکلفات رائج کیے جا رہے ہیں، وہ تو ہندوستانی زندگی میں سراسر بے محل ہیں" (ص۳۱-۳۲)

۳۴ صفحے کا یہ مختصر رسالہ، حقیقۃً علم و حکمت، تجربہ و نصیحت، حسن ادب و انشاء کی کان ہے - ضرورت ہے کہ اسے گھر گھر پہونچایا جائے - اور انگریزی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو سکے، تو سبحان اللہ! غالباً دفتر کا غرض ہے، یا خود مصنف مدظلہ نے سررشتہ ترجمہ و تالیف عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن سے ... مل جائے۔

تصحیح

صدق کے گزشتہ پرچہ میں نمبر غلط ہو گیا ہے - یعنی بجائے نمبر ۴۳ کے ۵۰ درج ہو گیا - ناظرین کرام گزشتہ پرچہ پر نمبر ۴۹ درج کرلیں - تاکہ شمار میں غلطی نہ ہو -

پردہ

(سلسلۂ صدق نمبر ۳۳ و ۳۴)

(از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، مدیر "ترجمان القرآن")

بچوں پر ماحول کے اثرات

جج بن لینڈسے Ben Lindsey جس کو ڈنور (Denver) کی عدالت جرائم اطفال (Juvenile Court) کا صدر ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نوجوانوں کی اخلاقی حالت سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا ہے، اپنی کتاب Revolt of Modern Youth میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں بچے قبل از وقت بالغ ہونے لگے ہیں اور بہت کچی عمر میں اُنکے اندر صنفی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں۔ ۳۱۲ لڑکیاں جنکے حالات کی تحقیق اُس نے کی اُس میں ۲۵۵ ایسی تھیں جو گیارہ اور تیرہ برس کے درمیان میں بالغ ہو چکی تھیں۔ اور اُنکے اندر ایسی صنفی خواہشات اور ایسے جسمانی مطالبات پائے جاتے تھے جو ایک ۱۸ برس اور اس سے بھی زیادہ عمر کی لڑکی میں ہونے چاہئیں[1]۔ ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر Edith Hooker اپنی کتاب (Laws of Sex) میں لکھتا ہے کہ نہایت مہذب اور دولتمند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ سات آٹھ برس کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق و محبت کے تعلقات رکھتی ہیں جنکے ساتھ بسا اوقات مباشرت بھی ہو جاتی ہے۔ اسکا بیان ہے:—

ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک شایستہ خاندان کی چشم و چراغ تھی خود اپنے بڑے بھائی اور اُسکے چند دوستوں سے ملوث ہوئی۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا اور جنکے گھر پاس پاس واقع تھے باہم شہوانی تعلقات میں وابستہ پائے گئے اور اُنھوں نے دوسرے ہم سن بچوں کو بھی اسکی ترغیب دی۔ ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس سال تھی۔ ایک اور واقعہ ایک ۹ سال کی بچی کا ہے، جو بظاہر بہت حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ اس بچی کو متعدد "عشاق" کی منظورِ نظر ہونے کا فخر حاصل تھا[2]۔

بالٹیمور (Baltimore) کے ایک ڈاکٹر کی رپورٹ ہے کہ ایک سال کے اندر اس شہر میں ایک ہزار سے زیادہ ایسے مقدمات پیش ہوئے جن میں بارہ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بالجبر [illegible] کی گئی تھی[3]۔

یہ پہلا ثمرہ ہے اس ہیجان انگیز ماحول کا جسمیں ہر طرف جذبات کو برانگیختہ کرنیوالے اسباب فراہم ہو گئے ہیں۔ امریکہ کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ ہماری آبادی کا اکثر و بیشتر حصہ آجکل جن حالات میں بسر کر رہا ہے وہ اسقدر غیر فطری ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کو دس پندرہ برس کی عمر ہی میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عشق رکھتے ہیں۔ اسکا نتیجہ نہایت افسوسناک ہے۔ اس قسم کی قبل از وقت صنفی دلچسپیوں سے بہت بُرے نتائج رونما ہو سکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں۔ انکا کم سے کم نتیجہ یہ ہے کہ نوعمر لڑکیاں اپنے دوستوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں یا کمسنی میں شادیاں کر لیتی ہیں اور اگر محبت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو خودکشی کر لیتی ہیں۔

تعلیم کا مرحلہ

اس طرح جن بچوں میں قبل از وقت صنفی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں اُنکے لیے پہلی تجربہ گاہ مدارس ہیں۔ مدرسے دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم اُن مدرسوں کی ہے جن میں ایک ہی صنف کے بچے داخل ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اُن مدرسوں کی جن میں تعلیم مخلوط ہے۔

پہلی قسم کے مدرسوں میں صحبت ہم جنس (homosexuality) اور خودکاری (masturbation) کی وبا پھیل رہی ہے، کیونکہ جن جذبات کو بچپن میں بھڑکایا جا چکا ہے اور جنکو مشتعل کرنے کے سامان فضا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں وہ اپنی تسکین کیلیے کوئی نہ کوئی صورت نکالنے پر مجبور ہیں۔ ڈاکٹر ہوکر لکھتا ہے کہ اس قسم کی تعلیم گاہوں، کالجوں، نرسوں کے ٹرینینگ سکولوں اور مذہبی مدرسوں میں ہمیشہ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ایک ہی صنف کے دو فرد آپس میں شہوانی تعلق رکھتے ہیں اور صنف مقابل سے انکی دلچسپی فنا ہو چکی ہے۔ ایک مرتبہ ایک مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر نے ۹۰ خاندانوں کو خفیہ طور پر اطلاع دی کہ اُنکے لڑکے اب مدرسہ میں نہیں رکھے جا سکتے۔ کیونکہ اُن میں "بد اخلاقی" کی ایک خوفناک حالت کا پتہ چلا ہے[4]۔ لاز آف سکس کے مصنف نے کثرت واقعات ایسے بیان کیے ہیں، جن میں لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ اور لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ملوث ہوئے۔ اور دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔ بعض دوسری کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحبت ہمجنس کی وبا کس کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔

اب دوسری قسم کے مدارس کو لیجیے جن میں لڑکیاں اور لڑکے ساتھ مل کر پڑھتے ہیں۔ یہاں اشتعال کے اسباب بھی موجود ہیں اور اُسکو تسکین دینے کے اسباب بھی۔ جس ہیجان جذبات کی ابتدا بچپن میں ہوئی تھی یہاں پہونچکر اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ بدترین قسم کا فحش لٹریچر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ عشقیہ افسانے، نام نہاد "آرٹ" کے رسالے، صنفی مسائل پر نہایت گندی کتابیں، اور برتھ کنٹرول کی معلومات فراہم کرنیوالے مضامین۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو عنفوان شباب میں مدرسوں اور کالجوں کے طالبین اور طالبات کیلیے سب سے زیادہ جاذب نظر ہوتی ہیں۔

---

[1] صفحہ ۸۲ تا ۸۶ [2] صفحہ ۳۲۸ [3] صفحہ ۱۷۷۔

[4] Laws of Sex p. 331 [5] Ibid. p. [illegible]

مشہور امریکن مصنف (Hendrick Van Loon) کہتا ہے کہ یہ لٹریچر جسکی سب سے زیادہ مانگ امریکن یونیورسٹیوں میں ہے گندگی، فحش اور بیہودگی کا بدترین مجموعہ ہے جو کسی زمانہ میں اس قدر آزادی کے ساتھ پبلک میں پیش نہیں کیا گیا۔ پھر دونوں صنفوں کے نوجوان آپس میں صنفیات پر نہایت آزادی اور بیباکی سے مباحثے کرتے ہیں اور اُسکے بعد عملی تجربات کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں مل کر (Petting Parties) کے لیے نکلتے ہیں جن میں شراب اور سگرٹ کا استعمال خوب آزادی سے ہوتا ہے اور ناچ رنگ کا پورا لطف اٹھایا جاتا ہے۔ لنڈسے کا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں اور بعد کے تعلیمی مدارج میں اوسط اس سے بہت زیادہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

"لڑکیاں خود اس چیز کے لیے اُن لڑکوں سے اصرار کرتی ہیں جنکے ساتھ وہ جاتی ہیں، اور اس قسم کے ہیجانات کی طلب میں ایک پُرفریب طریقہ سے وہ اتنی ہی دراز دست (Aggressive) ہوتی ہیں جتنے خود لڑکے ہوتے ہیں۔"

دوسری جگہ لکھتا ہے کہ:

"ہائی اسکول کا لڑکا بمقابلہ ہائی اسکول کی لڑکی کے اپنے جذبات کی شدت میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ عموماً لڑکی ہی پیشقدمی کرتی ہے، خواہ وہ کسی قسم کی ہو اور لڑکا اُسکے اشاروں پر ناچتا ہے۔"؎

تین زبردست محرکات

مدرسے اور کالج میں پھر بھی ایک قسم کا ڈسپلن ہوتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک آزادی عمل میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ نوجوان جب تعلیمگاہوں سے مشتعل جذبات، بگڑی ہوئی عادات اور ایک سراسر شہوانی ماحول میں پرورش کیا ہوا نظریۂ حیات لیکر زندگی کے وسیع تر میدان عمل میں قدم رکھتے ہیں، تو ان کی شورش تمام حدود و قیود سے آزاد ہو جاتی ہے۔ یہاں اُنکے جذبات کو بھڑکانے کے لیے ایک پورا آتشخانہ موجود ہوتا ہے اور ان بھڑکتے ہوئے جذبات کی تسکین کے لیے ہر قسم کا سامان بھی کسی وقت کے بغیر فراہم ہو جاتا ہے۔

ایک امریکن رسالہ میں ان اسباب کو، جنکی وجہ سے وہاں بداخلاقی کی غیر معمولی اشاعت ہو رہی ہے اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

"تین شیطانی قوتیں ہیں جنکی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھائی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم کی تخلیق کر رہی ہیں۔ فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بےشرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو اُنکے لباس میں اور بسا اوقات انکی برہنگی، اور سگرٹ کے روز افزوں استعمال، اور مردوں کے ساتھ اُنکے ہر قید و امتیاز سے ناآشنا اختلاط میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ہمارے ہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخرکار کامل تباہی ہے۔ اگر انکو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور اُن دوسری قوموں کی مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت انکی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ کی سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔"

تین اسباب جو تمدن و معاشرت کی پوری فضا پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہر اُس بالغ مرد اور جوان عورت کے جذبات میں ایک دائمی تحریک پیدا کرتے رہتے ہیں جسکے جسم میں تھوڑا سا بھی گرم خون موجود ہے، فواحش کی کثرت اس تحریک کا لازمی نتیجہ ہے۔

فواحش کی کثرت

جن عورتوں نے زناکاری کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے انکی تعداد کا کم سے کم اندازہ چار اور پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ یہ شیطان کی باضابطہ فوج ہے۔ مگر امریکہ کی رنڈی کو ہندوستان کی رنڈی پر قیاس نہ کیجیے۔ وہ خاندانی رنڈی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی عورت ہے جو کل تک کوئی آزاد پیشہ کرتی تھی، انگریزی صحبت میں خراب ہوگئی اور قحبہ خانہ میں آ بیٹھی۔ چند سال یہاں گزاریگی۔ پھر اس کام کو چھوڑ کر کسی دفتر یا کارخانہ میں ملازم ہو جائیگی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کی ۵۰ فیصدی رنڈیاں خانگی ملازموں (Domestic servants) میں سے بھرتی ہوئی ہیں اور باقی ۵۰ فیصدی اسپتالوں دفتروں اور دکانوں کی ملازمتیں چھوڑ کر آتی ہیں۔ عموماً پندرہ اور بیس سال کے درمیان یہ پیشہ شروع کیا جاتا ہے اور پچیس تیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ عورت جو کل تک رنڈی تھی قحبہ خانے سے منتقل ہو کر کسی دوسرے آزاد پیشہ میں چلی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں چار پانچ لاکھ رنڈیوں کی موجودگی درحقیقت کیا معنی رکھتی ہے۔

(باقی)

؎ Revolt of modern youth P. 55

وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کا بیان

(مرسلہ شعبۂ نشر و اشاعت مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ)

مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کچھ دنوں سے بعض احباب اور اخبارات میرے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں اور میرے ساتھ مسلم یونیورسٹی کو بھی مورد الزام بنا رہے ہیں جو اس ادارہ کے لیے سخت خطرہ کا باعث ہے۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیش نظر میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اصل واقعات پبلک کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ الزامات کا اثر اگر میری ذات پر ہوتا تو میں ان پر مطلق توجہ نہ کرتا اس لیے کہ انکی حقیقت مجھے بخوبی معلوم ہے۔

جتنی باتیں بعض لوگ مشہور کر رہے ہیں اور اخبارات میں شائع کر رہے ہیں اُن سب کا جواب دینا بے نتیجہ طوالت ہے اس لیے میں صرف ایک مسئلہ سے بحث کرونگا جسکے متعلق دانستہ یا نادانستہ انتہائی غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہے۔ یہ مسئلہ احمدیت یا قادیانیت سے متعلق ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات قابل لحاظ یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ضابطۂ قوانین [illegible] کی دفعہ ۱۹ کے بموجب یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم کا انتظام ہے اور اس کے لیے صرف دو فرقے تسلیم کیے گئے ہیں یعنی سنی اور شیعہ۔ چنانچہ ہر مسلمان طالبعلم کو انھیں دو میں سے ایک نصاب لینا پڑتا ہے۔ اور کوئی تیسرا نصاب نہ اسوقت موجود ہے اور نہ از روے ضابطۂ قوانین یونیورسٹی نیا قائم کیا جا سکتا ہے۔ صرف غیر مسلم طلباء ان دونوں مضامین سے مستثنیٰ ہیں اور انھیں اسکے بجاے تاریخ اسلام کا مضمون لینا پڑتا ہے[1]۔

دوسری بات یہ ہے کہ ضابطۂ قوانین کی دفعہ ۲۰ کے بموجب مجھے بحیثیت وائس چانسلر کے کوئی جدید عہدہ قائم کرنے یا تقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہر تقرر کے لیے پہلے شعبۂ متعلقہ کی تحریک اور پھر اکاڈیمک کونسل و اگزکٹیو کونسل کا فیصلہ اور اسٹینڈنگ فنانس کمیٹی کی منظوری ہوتی ہے۔ وائس چانسلر کے احاطۂ اختیارات سے یہ بالکل باہر ہے کہ وہ از خود کسی عہدہ پر کوئی تقرر کرے یا کوئی نیا عہدہ قائم کرسکے[2]۔

تیسری بات یہ ہے کہ یونیورسٹی کے مفاد و اغراض اور اسکی پالیسی اور دائرۂ عمل سے یہ بات بالکل خارج ہے کہ وہ کسی فرقہ کے مسلمان یا غیر مسلمان ہونے کا فیصلہ کرے اور بانی کالج علیہ الرحمہ کے وقت سے لیکر آج تک کبھی یہ ادارہ اس تصفیہ میں نہیں پڑا جو اُس سے بالکل غیر متعلق ہے۔ افسوس ہے کہ گزشتہ چند دنوں سے بعض لوگ یونیورسٹی میں اس تصفیہ کو پیدا کر کے اسکے مقاصد کو صدمہ پہونچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور

عجیب بات یہ ہے کہ پرانی باتیں جو نواب محسن الملک مرحوم کے زمانہ سے اتک ہوتی رہیں وہ اس پیرایہ میں پیش کی جاتی ہیں کہ گویا یہ سب میری زمانہ میں ہوئیں۔

ان تصریحات کے بعد اب میں اُن الزامات کو لیتا ہوں جو مجھ پر عائد کیے جاتے ہیں اور وہ صحیح واقعات پیش کرتا ہوں جن سے ان الزامات کا از سرتا پا بے بنیاد ہونا ثابت ہو جائے۔

سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ اس یونیورسٹی میں قادیانیوں کو داخل کرنے کا باعث میں ہوا۔ اور میری ہی کوشش سے قادیانی ارکین یونیورسٹی کورٹ کے ممبر منتخب ہوے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسوقت دو ارکین کورٹ[3] قادیانی عقائد کے ہیں اور یہ دونوں میرے وائس چانسلر منتخب ہونے کے بہت پہلے سے ممبر چلے آتے ہیں۔ اور آج سے پیشتر کبھی یہ اعتراض نہیں اٹھایا گیا کہ قادیانی فرقہ کے لوگ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر نہ ہوں۔ آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں کو سب سے پہلے ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال نے اپنی چانسلری کے زمانہ میں نامزد فرمایا تھا اور مرزا بشیر الدین محمود صاحب امام جماعت احمدیہ کو جماعت معطیین (ڈونرس) نے سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں کورٹ کا ممبر منتخب کیا تھا[4]۔ اسی وقت سے یہ دونوں حضرات کورٹ کے ممبر ہیں۔

دوسرا اعتراض طبیہ کالج کے تقررات کے بارے میں ہے۔ یہ کالج میرے وائس چانسلر منتخب ہونے سے بہت پہلے ۱۹۲۷ء میں قائم ہوا تھا۔ اور اسی وقت ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ بٹ اسکے پرنسپل مقرر ہوے تھے اس کالج کے عملے کے تقریباً تمام تقررات میرے زمانہ سے پیشتر ہو چکے تھے۔ صرف ایک ڈاکٹر کی عارضی جگہ پر تقرر میرے زمانہ میں ہوا ہے۔ تمام تقررات جیسا میں پیشتر بتا چکا ہوں یونیورسٹی کے ضوابط کے بموجب وہ جماعتیں کرتی ہیں جو اسکی مجاز بنائی گئی ہیں۔ اور وائس چانسلر کا دخل اس میں بہت کم رکھا گیا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ میں نے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خانصاحب کو کانوکیشن اڈریس دینے کے لیے مدعو کیا۔ کانوکیشن کے موقعہ پر اپنی تقریر میں میں نے واضح کر دیا تھا کہ اس موقعہ پر ہمیں رائٹ آنریبل ہز ہائینس سر آغا خاں کی موجودگی کی توقع تھی اور جب یہ معلوم ہوا کہ آپ امسال ہندوستان تشریف نہ لاسکیں گے اور محرم کی وجہ سے کانوکیشن کی تاریخ رویت ہلال سے قبل مقرر کرنے کی ضرورت ہوئی تو پرو وائس چانسلر صاحب کے مشورہ سے چند اصحاب سے اڈریس دینے کی استدعا کی گئی مگر اتنی قلیل مدت میں کوئی آمادہ نہ ہوسکا۔ آنریبل سر محمد ظفر اللہ خانصاحب سے بھی اسی سلسلہ میں گفتگو ہوئی تھی اور انھوں نے بھی قلت وقت کا عذر کیا۔

---

[1] یہ جواب اس اعتراض کا ہے کہ یونیورسٹی میں علاوہ شیعہ و سنی دینیات کے ایک تیسرا شعبہ قادیانی دینیات کا کھلنے والا ہے۔ (صدق)

[2] یہ جواب اس اعتراض کا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک ناظم (دین) قادیانی دینیات کا مقرر کرنے والے ہیں۔ (صدق)

[3] کل ارکان کورٹ کی تعداد کئی سو کی ہے۔ یہ ارکان مختلف حلقہا سے انتخاب سے دس سال کی مدت کے لیے انتخاب ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ ارکان کو چانسلر اپنی راے سے نامزد کرتے ہیں۔ (صدق)

[4] ڈونرس (معطیین) اپنے حلقے کے نمایندگان کا انتخاب خود ہی کرتے ہیں۔ عام ارکان کورٹ کو اسمیں کوئی دخل نہیں، بلکہ انکو خبر بھی نہیں ہونے پاتی، کہ کن کن اشخاص کا نام ڈونرس (معطیین) کے سامنے پیش ہے۔ (صدق)

کا نووکیشن ایڈریس دینے کے لیے یونیورسٹی کے ضوابط میں مذہب یا طریقہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے قبل کانوکیشن سر ہیگ، نواب سر مالکم ہیلی، مسٹر اوکڈن اور سرگرجا شنکر باجپئی جیسے معزز غیر مسلم معززات اوقات مختلف مسلم یونیورسٹی میں کانووکیشن ایڈریس دے چکے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی جو نام بمشورہ پرو وائس چانسلر صاحب تجویز ہوئے تھے اُن میں غیر مسلم شامل تھے۔ مگر مجوزہ اصحاب میں سے کوئی صاحب تنگی وقت کی وجہ سے تیار نہ ہو سکے۔

آخر میں یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں اس سے قبل جب کبھی کوئی فرقہ وارانہ قضیہ پیدا ہوا تو منتظمین نے ہمیشہ خوش اسلوبی کے ساتھ اُسے فرو کر دیا اور کوئی ناگواری باقی نہ رہنے پائی۔ چنانچہ ڈاکٹر ابراہیم صاحب نے جب ایک دعوت میں قادیانی تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا تو [illegible] نے جو اُسوقت پرو وائس چانسلر تھے اُن سے جواب طلب کیا اور ڈاکٹر موصوف نے تحریری اقرار کیا .... کہ وہ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کریں گے۔ اس اقرار کو اُسوقت کے منتظمین یونیورسٹی نے قبول کر لیا اور اسکے بعد سے ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب کی کوئی شکایت میرے گوش گزار نہیں ہوئی۔

مجھے امید ہے کہ ان تشریحات کے بعد وہ گمراہ کن غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی جو مسلم یونیورسٹی کے حق میں سخت مہلک ہیں اور اس ادارہ کی قدیم روایات اور مقررہ پالیسی کے سراسر منافی ہیں۔

(ڈاکٹر) **ضیاء الدین احمد** (ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی ایس سی، وغیرہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی)

صدق۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان ایک بڑی حد تک انکی ذمہ داری کو ہلکا کر دیتا ہے، لیکن اسے شائع بہت قبل ہونا چاہیے تھا۔ یہ طریقہ، یونیورسٹی کے حق میں مفید نہیں مضر ہے، کہ پہلے شکایات کو غیر اہم و ناقابل اعتناء سمجھا جائے، اور توجہ اُن پر صرف اُسوقت کی جائے، جب وہ قوم میں خوب اچھی طرح پھیل لیں، پچاسوں اخباری مضامین، پوسٹر، اشتہار، وغیرہ نکل لیں، اور ملک کی فضا احتجاجی جلسوں سے گونج لے۔ اتنے وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی ناخوشی کے تدارک کے لیے محض ایک اخباری بیان، ظاہر ہے، کہ کافی نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر صاحب اگر اجازت دیں تو اُنکی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ وائس چانسلری کا کام کسی دوسری مشغولیت (مثلاً اسمبلی کی ممبری) کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔ لازمی ہے کہ ہر طرف سے یکسو ہو کر پورا وقت صرف اسی کے لیے وقف رکھا جائے۔

(بقیہ صفحہ ۳)

جب ڈچ نے اُٹھ کر جانے کا ارادہ کیا، تو آخر میں انگریز کو خیال آیا کہ لاؤ، ہندوستانی زبان کی آزمائش کریں۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ ڈچ اس زبان کو سمجھ گیا، اور معاملت انجام پا گئی۔"

اُردو کی اس ہمہ گیری کا گمان تو خود اُردو کے بڑے سے بڑے ہوا خواہوں اور پرستاروں کو بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

مراسلہ

مدرسہ معارف القرآن اورنگ آباد گیا

مدرسہ معارف القرآن اورنگ آباد ضلع گیا کی طرف سے مدرسہ کے اغراض و مقاصد اور قرآن کے اہم مسائل کے بیان پر مشتمل ایک جزو کا ایک رسالہ مدرسہ معارف القرآن کے نام سے ذیحجہ کے موقع پر شائع کیا گیا تھا اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ اورنگ آباد اور اسکے اطراف میں مقیم غیر مسلموں اور احکام اسلام سے ناواقف مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے یہاں ایک اصلاحی و تبلیغی مدرسہ کا وجود بہت ضروری ہے جو زبان و قلم سے کفر و شرک کے مٹانے کی سعی کرے اور مسلمانوں میں اسلامی، روحانی اور ملی جوش عمل پیدا کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرے اور یہ سمجھایا گیا تھا کہ اسکے اہم مقاصد کے پیش نظر اس کی امداد کرنے والے مسلمانوں کو اس سے زیادہ ثواب کسی دوسرے کاموں میں نہیں مل سکتا۔ لیکن اس وقت مدرسہ کو سب سے زیادہ ضرورت کتابوں کی ہے۔ جب تک کتابیں نہ فراہم ہونگی مدرسہ اپنے مقاصد پورے کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اسوقت مدرسہ یہ چاہتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور والدین پر اسکی ذمہ داری کے شرعی و عقلی احکام ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے شائع کرے۔ لیکن جب تک تفسیر، حدیث، اور فقہ کی کتابیں مہیا نہ ہونگی نہ یہ رسالہ مرتب ہو سکتا ہے نہ دوسرے مفید رسالوں کی اشاعت سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ علم رکھنے والے تو ہر طرح خدمت دین کے لیے تیار رہیں لیکن مال و دولت والے اتنے بڑے مفید کام کے لیے حقیر سی رقمیں مدد پہونچانے میں بھی دریغ فرماتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس نقد روپئے ہی بھیجے جائیں اس وقت تو ہم کو سب سے زیادہ ضرورت کتابوں کی ہے۔ اہل خیر جو کچھ مدد فرمانا چاہیں اُس سے مجھے مطلع فرمائیں کہ وہ کل کتنی رقمیں امداد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان رقموں کے برابر انکے پاس کتابوں کے نام مع پتہ لکھ بھیجیں گے وہ اُن کتابوں کو خرید کر ناظم مدرسہ معارف القرآن اورنگ آباد گیا کے پتہ سے ارسال فرمائیں۔ اور اگر اس میں کچھ دقت سمجھیں تو نقد روپیہ ہی بھیجیں۔ مدرسہ کی طرف سے بذریعہ ڈاک ناظم کے دستخط سے اُسکی وصولی کی مطبوعہ رسید روانہ خدمت کی جائیگی جس پر مدرسہ کی مہر ہوگی ہمیں یقین ہے کہ اگر اصحاب خیر توجہ فرمائیں تو کچھ دشوار نہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں

(نوٹ) مدرسہ معارف القرآن کے نام سے جو رسالہ شائع ہوا ہے چونکہ وہ بہت مفید اور قابل دید ہے اور مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لیے جو صاحب دیکھنا چاہیں طلب فرمائیں۔ نیز اگر کچھ لوگوں کے نام مع پتہ لکھ بھیجیں تو مدرسہ غایت درجہ ممنون ہوگا۔

خاکسار

محمد ایوب عثمانی ناظم مدرسہ معارف القرآن
اورنگ آباد ضلع گیا

شوکت حسین پرنٹر نے حسن [illegible] پریس میں چھپوا کے دفتر صدق۔ مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بابت جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
خطوط اس پتہ پر بھیجیے :-
مہتمم صدق - لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۲۹۱

قیمت فی پرچہ ۱/

سالانہ عہ [illegible]

نمبر (۷) لکھنؤ - ۱۱ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱ - جون سنہ ۱۹۳۷ء جلد (۳)

سچی باتیں

شہر لندن میں دوپہر کے کھانے کا وقت ہے۔ کھانا چونکہ گھروں سے زیادہ ہوٹلوں میں کھایا جاتا ہے، اس لیے ہوٹلوں کے سامنے میں خوب ہجوم ہے۔ ایک مشہور مقام، لڈگیٹ ہل کے دامن میں ڈیلی اکسپریس کا وقایع نگار کھڑا ہو جاتا ہے، اور راہگیروں کی آنکھوں کا جائزہ لینے لگتا ہے۔ پانچ منٹ کے عرصہ میں،

۲۵۰ اشخاص گزرے۔ ان میں سے

۱۲۳ اشخاص (۷۵ مرد اور ۴۸ عورتوں) کی آنکھوں پر عینک تھی!

یعنی کہنا چاہیے، کہ تقریباً ۵۰ فی صدی آبادی عینک کی محتاج! بصارت کی ترقی، اب بھی آپ کو نظر نہ آئیگی؟ ——— ساتھ ہی لندن کے ماہر امراض چشم ڈاکٹر کا یہ قول بھی ملاحظہ ہو، کہ لندن کی آبادی میں ۲۵ فی صدی اسوقت بھی عینک کے محتاج ہیں، اور چند سال کے اندر یہ تعداد ۸۰ فیصدی تک پہونچ جائیگی!

تیز سے تیز، روشنیوں کی ایجاد کی برکت آپ نے ملاحظہ فرمالی؟

لندن کی اس 'شنید' کے مقابلہ میں کبھی 'دید' کیا ہے؟ آپ کے وطن کا، آپ کے شہر کا، آپ کے گھر کا حال کیا ہے؟ دفتروں میں، ہوسٹلوں میں، کالجوں میں، اسکولوں میں، عینک کے محتاجوں کی تعداد فی صدی کیا ہے؟ اور گھٹ رہی ہے یا برابر بڑھ ہی رہی ہے؟ کڑوے تیل کے چراغ اور فتیلہ سوز، اور موم بتی، اور [illegible] کا نوری کے دور میں بھی، اندھوں کی، اور آنکھوں کے مریضوں کی یہی تعداد تھی، جو گیس کے ہنڈوں، اور بجلی کے قمقموں کے عہد میں ہے؟ "آئی اسپتال" (شفا خانۂ امراض چشم) ہیں کہ ایک پر ایک، کھلتے چلے جاتے ہیں، اسوقت بھی انکی اتنی ضرورت اور اہمیت محسوس ہوئی تھی؟ بصارت والے اور بصیرت والے دونوں سمجھ کر جواب دیں! ——— اور پھر ایک آنکھ ہی پر کیا موقوف ہے۔ چشم بد دور، ریل نے اور سائیکل نے، اور موٹر نے اور ٹرام نے اور لاری نے، ٹانگوں میں قوت کیسے باقی رکھی ہے؟ آپ، اگر بیس میل اور تیس میل اور چالیس میل کا روزانہ، بے تکلف پیدل سفر کر سکتے تھے، تو تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ صاحبزادے، تین میل یا دو بھی بغیر سواری کے چل سکتے ہیں؟ شہری تو شہری، دیہاتی تک چلنا بھولتے جا رہے ہیں، اور زنانہ پن کا، اس نزاکت کا نام تہذیب کی ترقی ہے!

گرمیوں میں برف کے گلاس پر گلاس چڑھانے بغیر اور سردی میں چائے کی پیالیوں پر پیالیاں انڈیلنے کے بغیر، اب کتنے صاحب گزر کر سکتے ہیں؟ ذرا سی پیاس، ذرا سی گرمی سردی، برداشت کرنے کی قوت اب کتنوں میں باقی رہ گئی ہے؟ پھر اس مسلسل برف نوشی اور بے تحاشا چائے بازی کا اثر، جو اعصاب پر پڑتا ہے، اور جس طرح دل و دماغ، معدہ، سب کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں، اسکی بابت خود مغربی ڈاکٹروں کا، اور آپ کے ذاتی تجربات و مشاہدات

کا فتویٰ کیا ہے؟ —— لیکن سطح کی جگمگاہٹ اور ظاہر کی خوشنمائیوں کے آگے ان واقعی خوبیوں کی فکر کسے، اور پروا کسکو ہے؟

وہ کیا رہ دکھائی ہے پیر مرشد نے
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

کعبۂ روح و اخلاق کے گم ہو جانے سے تو شاید آپ کو بھی اتفاق ہو، لیکن سوچیے، کہ خود کلیسائے جسم و مادہ پر دسترس، اس مرشدِ تہذیب و تمدن کی رہنمائیوں سے کب حاصل ہو رہا ہے؟

"صاحب" نشہ میں

"لندن - دربار تاجپوشی کی رات میں، لندن میں تماشائیوں اور دیہاتیوں نے بیئر (شراب کی ایک قسم) اس کثرت سے پی، کہ اکثر شراب خانوں اور مکانوں میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اور دیواروں پر یہ نوٹس لگا دینے پڑے۔ کہ بیئر کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے"

یہ ہیں زندہ قوموں کے جشن، اور اسکا نام ہے مہذب و ترقی یافتہ قوموں کی زندہ دلی! وہیں کیا کوئی آپ کی مُردہ دل قوم ہے، کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلطان صلاح الدینؒ اور شہنشاہ اورنگ زیبؒ ہی کے وقت میں نہیں، بلکہ دہلی کے "رنگیلے" محمد شاہ، اور لکھنؤ کے "جانِ عالم" واجد علی شاہ کے جشن جلوس کے وقت دل کی مسرتیں اس آزادی سے نکال پاتی —— پست و درماندہ ہندوستان، ابھی تجھے ترقی کی کتنی منزلیں ترقی کرنی باقی ہیں!

اُردو حروفِ تہجی

"ذاتی طور پر میں مدت سے اس امر کی جد و جہد کر رہا ہوں کہ فارسی حروف میں لکھائی کے مسئلہ کو زیادہ آسان بنایا جائے .... ساہتیہ سمیلن، ہندی کے حروف کو زیادہ سادہ اور سہل کرنے میں مشغول ہے۔ اور کچھ حروف کی شکلیں بدلنا چاہتی ہے۔ کیا اس قسم کی چیز اُردو والے نہیں کر سکتے؟ ایک ہی قسم کی آواز کے حروف کے تعدد کو مٹا دیا جائے"

اقتباس، الہ آباد کے ایک مشہور ہندو لیڈر کے ایک کھلے خط کا ہے۔ گویا دعویٰ یہ ہے کہ اُردو تہجی میں ایک ہی آواز کے ادا کرنے کے لیے کئی کئی حروف موجود ہیں، اور یہ ایک نقص ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ وہ کون سے متعدد حروف اُردو تہجی میں ہیں، جو ایک ہی آواز کو ادا کرتے ہیں؟ کیا "ا" اور "ع"؟ کیا "ز" اور "ذ" اور "ض" اور "ظ"؟ کیا "س" اور "ث" اور "ص"؟ اگر اسکے علاوہ کچھ اور حروف ہوں، تو گزارش ہے کہ ان میں اتحادِ صوتی ہے کہاں؟ "ز" کا مخرج "ض" سے بالکل علیحدہ ہے، و علیٰ ہذا القیاس۔ جب انسان کا گلا، ان مختلف لیکن متمائز آوازوں کے ادا کرنے پر قادر ہے، تو کیا یہ اُردو تہجی کا کوئی جرم ہوا، کہ اس نے ان متمائز آوازوں کے اظہار کے لیے حروف بھی متمائز مقرر کر دیے؟ —— سننے میں تو یہ آیا تھا، کہ جو آوازیں دیوناگری خط میں ابتک ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں، مثلاً عربی کے "ق" (ہندی حرف "کا") پر قناعت کرلی جاتی تھی، یا حرف "غ" کے لیے (ہندی حرف "گ")، یا حرف "خ" انکے لیے بھی ابتک تنہا ہندی حرف "کھ"، سو ان ضروری انسانی آوازوں کے لیے حال ہی میں ہندی تہجی میں اضافے کیے گئے ہیں، تو کیا ہندی میں تو اس نقص کو یوں پورا کیا جائے، اور اُردو کو جو یہ دولت پہلے سے حاصل ہے اسکے سبب سے تہی کیا جانے لگے!

مذہب و سیاسیات

"حال ہی میں ہمارے ایک معاصر نے رسم الخط کے متعلق ہمارے خیالات کو سُن کر ارشاد فرمایا تھا کہ ہم مذہبی معلومات سے محروم ... قائم نہیں کر سکتے۔ حالانکہ رسم الخط کے مسئلہ کو مذہب اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ مسلمانوں کے جذبات سے اسکا ایک حد تک تعلق ہے، مگر ان جذبات کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ہندوستان کی اجتماعی زندگی کے مفاد میں سدِّ راہ ہوں"

اقتباس بالا میں جس معاصر کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس سے مراد صدق ہے، تو یہ اسکی صحیح ترجمانی نہیں، اور اس غلط فہمی کا رفع ہو جانا ضروری ہے۔ صدق کے نقطۂ نگاہ سے مسئلہ کی صحیح صورت حسب ذیل ہے:-

۱- اسلام، صرف الٰہیات کے چند عقائد کے مجموعہ کا نام نہیں۔ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ ("نظام" اور "مکمل" دونوں لفظ یاد رہیں) اور اس زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما۔ جتنے بھی آپ تمدنی یا اجتماعی مسائل کہتے ہیں، ان سب سے متعلق براہ راست یا بالواسطہ، ضرور کوئی ہدایت اسکے اندر موجود ہے۔

۲- ہندوستان کا مفاد، اسلامی مفاد کے ماتحت ہے، اُس پر حاکم نہیں۔ اگر کہیں ملکی مفاد اور ملّی مفاد میں تصادم نظر آئیگا، تو بلا تامل اول الذکر کو چھوڑ دیا جائیگا۔ ("جذبات" کو یا تو سرے سے نظر انداز کر دیجیے اور بجز دلائل عقلی کے دوران گفتگو میں کسی قسم کے بھی جذبہ کا شائبہ نہ آنے دیجیے۔ لیکن اگر جذبات "وطنی" کی رعایت آپ ہر حال کر رہے ہیں، تو جذبات "ملّی" کی رعایت اس سے کچھ کم کرنی ہوگی)

۳- زبان و رسم الخط کا مسئلہ ایک ملّی اہمیت بھی رکھتا ہے (لفظ "بھی" کو یاد رکھیے) اسکے یہ معنی ہرگز نہیں، کہ اس پر غور کرتے وقت، لسانی، صوتی دلائل سے قطع نظر کر لیا جائیگا۔ لیکن دوسری طرف اسکی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی، کہ مفادِ ملّی کے پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔

فاضل معاصر کو ان تینوں مقدمات میں سے جو بھی مقدمہ غلط یا مخدوش نظر آئے، اسپر بمسرت تمام اپنے ارشادات سے تنقید کر سکتا ہے۔

"ترقی" کا ایک قدم

"شملہ - ۸ جون - لاہور میں کلکتہ اور بمبئی کی بہ نسبت بادہ خواری زیادہ ہے۔ شملہ کے سرکاری

حلقوں میں اس قیاس پر بحث ہو رہی ہے۔ آنریبل سر سندر سنگھ مجیٹھیہ تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، کہ لاہور میں ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی کثرت کے باعث کالج کے طلبہ میں بادہ خواری ترقی پر ہے۔ معلوم ہوا ہے، کہ اس بدعت کو روکنے کے لیے تجویز یہ ہو رہا ہے کہ جن ہوٹلوں کو شراب فروشی کے لائسنس دیے گئے ہیں، انھیں منسوخ کر دیا جائے؛

خبر اگر صحیح ہے، تو [illegible] تعجب کی کیا بات ہے۔ کیا وزیر صاحب بیچارے کو خیال نہیں رہا [illegible] اور خود برطانیہ کا گیا ہے، اور اس ترقی تہذیب کی ان پود نگاہوں میں سالانہ کتنے گیلن شراب کھپ جاتی ہے؟ پھر اگر شاگرد بھی استادوں کی روش اختیار کرتا جا رہا ہے، تو اس میں حیرت یا ناخوشی کی بات کون سی ہے!

——— لاہور کے طلبہ، بجائے ملامت کے، مبارکباد کے مستحق ہیں، کہ ترقی کی دوڑ میں، گو وہ پہلے کلکتہ اور بمبئی سے بہت پیچھے، لیکن اتا فاتا ان دونوں سے آگے نکل گئے!

افراط و تفریط

الجمعیۃ کے جواب میں ہمعصر پائنیر کے ایک طویل افتتاحیہ کا اقتباس:-

"جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، کہ ہم سیاسیات سے علماء یا مولوی صاحبان کی علحدگی اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے دل میں مذہب کا احترام باقی نہیں، وہ اس ذرا سے نکتہ کو کیوں نہیں سمجھتے، کہ ہم مذہبی مسائل میں ان حضرات کے اقتدار کو جس قدر قبول کرتے ہیں، اس سے زیادہ سیاسی معاملات میں انکے اثر کو مفاد عامہ کے لیے مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ اس لیے نہیں، کہ ہم ان مذہبی جماعتوں کی عزت نہیں کرتے، بلکہ صرف اس لیے کہ سیاسی معاملات میں انکی معلومات اور تجربہ پر ہم بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ہم سے جب کوئی ایسے صاحب جدید آئین اور قانون حکومت ہند کی دفعات پر گفتگو شروع کرتے ہیں، تو ہمارا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ جناب نے اس قانون کی کتنی سطریں پڑھی ہیں، اور دنیا کے سیاسی آئین و دستور کے متعلق جناب کے معلومات کیا ہیں؟"

بات تو بالکل صاف اور سیدھی ہے، بشرطیکہ فریقین اپنے اپنے غلو کو برطرف رکھدیں۔ یہ بالکل درست کہ جو شخص فقیہ ہے، یہ ہرگز ضروری نہیں، کہ اسکی سیادت سیاسی مسائل میں بھی تسلیم کر لی جائے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کیونکر صحیح ہوگا کہ سیاسیات، مذہب سے آزاد و بےتعلق ہیں؟ 'مولویت' یا 'عالمیت' ظاہر ہے کوئی پیدائشی چیز تو ہے نہیں، جو شخص بھی چاہے کافی وقت اور محنت صرف کر کے علوم دین کا ماہر (اکسپرٹ) ہو سکتا ہے۔ اب غیر ماہرین کا کام صرف اتنا ہے، کہ ملکی و سیاسی مسائل کے مذہبی پہلو سے متعلق اُس مذہبی ماہر سے رائے دریافت کر لیں۔ یہی معنی ہیں سیاسیات کو مذہب کے تحت میں لانے کے۔ لیکن مولوی صاحبان کو بھی ہرگز یہ حق حاصل نہیں، کہ وہ محض مولوی یا عالم ہونے کی بنا پر، مسائل و معاملات کے سیاسی و اجتماعی پہلوؤں کے ماہر تسلیم کر لیے جائیں ——— عدالتوں میں فیصلہ مجسٹریٹ صادر کرتا ہے، لیکن ڈاکٹر کی شہادت بہ حیثیت ماہر فن لینے کے بعد۔ ماہر فن کی یہ "افراط" ہوگی، اگر وہ فیصلہ کا حق مجسٹریٹ سے چھین لینا چاہے، لیکن مجسٹریٹ کی بھی یہ "تفریط" ہوگی، اگر وہ ماہر فن کی شہادت اور رائے کی پوری وقعت کرنے اور اسے پورا وزن دینے کے بجائے، اس کی تحقیر و تضحیک شروع کر دے!

معجزۂ ایمان

اخبارات میں جلی عنوانات کے ساتھ ذیل کی خبر شائع ہوئی ہے:-

"جے پور، ۳۔ جون۔ ایک اطلاع مظہر ہے کہ اس جگہ جانزیل گیٹ کے قریب آتشزدگی کی ایک خوفناک واردات ہوگئی۔ آگ کامل دس گھنٹے تک شدت سے جاری رہی۔ جسکی وجہ سے تین سو مکانات جل کر راکھ ہوگئے، اور ایک عورت بھی جل مری۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آتشزدگی کا آغاز ایک جاگیردار کے مکان سے ہوا۔ جس نے قرب و جوار کے مکانات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اہل خانہ کو آگ نے اچانک آلیا۔ پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں وہ اپنا اسباب بھی نہ نکال سکے۔ آگ کی خوفناک زبانیں گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اور شعلے شہر پناہ پر پھیل گئے تھے [illegible] کہ آگ پر قابو پایا جاسکے۔ ۳۰۰ سے زائد مکانات بالکل جل گئے۔

ایک مسلمان عورت جو آگ کے شعلوں کو قریب آتے دیکھ کر سراسیمگی کی حالت میں باہر نکلی تھی۔ قرآن شریف کا ایک نسخہ نکالنے کے لیے، جو مکان کے اندر رہ گیا تھا، پھر اندر بھاگ گئی۔ لیکن جس وقت عورت قرآن شریف کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے باہر آرہی تھی، ایک جلتا ہوا چھپر اس پر آگرا، اور وہ شعلوں میں گھر گئی۔ جب آگ پر قابو پالیا گیا، تو اس کی لاش کو باہر لایا گیا۔ قرآن اب بھی اسکی بغل کے نیچے تھا۔ اگرچہ عورت کے کپڑے اور جسم بالکل جل چکا تھا لیکن قرآن شریف کے ایک ورق کو بھی گزند نہیں پہونچا تھا۔ سیکڑوں آدمیوں نے جو موقعہ پر موجود تھے اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔"

مسلم اخبارات میں اس واقعہ کو "قرآن کا معجزہ" قرار دیا ہے، لیکن اسکے لیے صحیح تر عنوان "ایمان کا معجزہ" ہے۔ اصل شے جو واقعہ کی جان ہے، اور ہم سب کے لیے قابل رشک، وہ اُس مرحومہ کی قوت ایمانی ہے، آخر وہ جلتی آگ میں دوبارہ کیوں گھسی؟ اپنے کسی عزیز بچہ کو بچانے کی خاطر؟ اپنے کسی مال و دولت کو بچانے کے لیے؟ نہیں، بلکہ صرف اُس کتاب کی حفاظت کے لیے، جو اُسکے عقیدہ میں ہر مال و اولاد سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ شہادت یوں بھی آگ کی موت پر مرتب ہو جاتی ہے، اور پھر جس نے اپنی جان، قرآن پر نثار کر دی۔ شہادت کا اصلی مرتبہ اُسے بھی نہ ملیگا، تو اور کس کو ملیگا؟ ——— علیگڑھ کے ایک مشہور اولڈ بوائے، میجر سعید محمد خاں بی، اے (خورجہ، ضلع بلند شہر) تو اس واقعہ کا اتنا

اثر پڑا ہے کہ انھوں نے اس کی یادگار میں مرحومہ کے مکان کے پاس ہی ایک مسجد اور مدرسۂ قرآن قائم کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، اور اسکے لیے حکام ریاست سے پورے سرگرمی سے مراسلت کر رہے ہیں۔

غلامی، آزادوں کی سرزمین پر پرانے ذخیرہ کی الٹ پلٹ میں ایک تراشہ، ڈیلی ہیرلڈ، لندن، مورخہ ۱۰۔ جولائی ۱۹۳۰ء کا نظر سے گزرا۔ اس میں، امریکہ (ریاست جارجیا) کے ایک اخبار جنرل رپورٹر (۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء) کے اشتہاری کالموں کا اقتباس ذیل درج ہے:-

ایک بھگوڑا کالا لڑکا

ایک کالا لڑکا، تقریباً ۱۳ سال کی عمر کا، اپنے مکان واقع اسپیلنش سے ۱۲ جنوری کو بھاگ گیا ہے۔ جس کسی کو ملجائے وہ براہ کرم مجھے مطلع کردیں، اور اُسے پکڑے رکھیں۔ میں انعام دونگا۔ کسی کو اسے اپنے کام میں لگانے کا حق نہیں۔"

اشتہار کا مضمون جیسا کچھ بھی ہے، یاد رکھنے کی بات اس سلسلہ میں صرف اسقدر ہے، کہ "بھگوڑے غلام" کا یہ اشتہار، غلام آباد افریقیہ یا ایشیا کے کسی حصہ میں نہیں، بلکہ امریکہ شریف میں شایع ہوا ہے! غلامی کے لیے بدنامی و رسوائی تو اب تک مشرق غریب کی قسمت میں تھی، اب کہ امریکہ شریف سے سند جواز مل گئی، کیا رسم غلامی ہماری آپ کی نظر میں ویسی ہی حقیر و شرمناک رہیگی؟

احیاء العلوم ضلع ناندیر (دکن) سے ایک صاحب مولانا شبلی کی الغزالی سے متعلق لکھتے ہیں، کہ مولانا نے اُسکے

"اخیر صفحہ پر لکھا ہے کہ احیاء العلوم میں امام صاحب نے احادیث نقل کرنے میں نہایت بے احتیاطی کی ہے، سیکڑوں ہزاروں حدیثیں موضوع اور ضعیف نقل کردی ہیں، جنکا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں۔ بزرگان سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں، اکثر بعید از عقل ہیں۔ مجاہدات پر ... بعض باتیں ایسی لکھ دی ہیں، جو اعتدال سے متجاوز ہیں۔ کیا مولانا شبلی نے یہ صحیح لکھا ہے؟ صدق میں تبصرہ فرمایئے۔"

الغزالی تو تمامتر امام غزالیؒ کے فضائل و کمالات میں ہے۔ البتہ آخر میں کتاب احیاء العلوم سے متعلق یہ رائیں بھی درج ہیں۔ امام موصوف کو اللہ تعالیٰ نے امت میں جو غیر معمولی شہرت و مقبولیت عطا فرمائی، اُسکے مقابلہ میں شدید مخالفین و ناقدین کا بھی ایک گروہ شروع سے موجود رہا ہے، اور یہ گروہ بھی اکابر سے بالکل خالی نہیں، مثلاً محدث ابن جوزیؒ۔ احیاء العلوم جس خاص موضوع پر ہے، یعنی تربیت اخلاق و صلاح نفس، اُسکے اندر وہ ایک بے مثل کتاب ہے۔ البتہ فن کے علاوہ دوسری چیزیں جو اُس میں آگئی ہیں، ان میں لغزشیں ہیں (اور کونسی بشری کوشش لغزشوں سے پاک ہوسکتی ہے؟) لیکن اس کی مثال ایسی ہے، جیسے طب کی ایک بہترین کتاب میں ادب و انشا کی غلطیاں رہ جائیں۔ نقل احادیث میں خصوصاً بے احتیاطی ہوگئی ہے، لیکن جب محدث کی تکمیل کرتا ہے، وہ احیاء کی طرف رُخ ہی کیوں کرے؟

لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس باب میں بھی خالی معترضین کی رائے غلو و مبالغہ سے خالی نہیں۔ موضوع حدیثیں تو بہت ہی کم نکلینگی، اور جو نکلیں گی بھی، اُن پر مدار استدلال نہیں۔ اس لیے چنداں مضر بھی نہیں۔ البتہ ضعیف احادیث زیادہ تعداد میں ملینگی۔ پھر بھی اتنی نہیں، جتنی مخالفین نے مشہور کر رکھی ہیں۔ ایک ماہر فن حدیث، زین الدین عراقی گزرے ہیں۔ انھوں نے احادیث [illegible] مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے، جسکا پورا نام "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" ہے۔ اس میں احادیث مندرجہ احیاء کی پوری تخریج کتب حدیث سے کی ہے، اور دکھا دیا ہے کہ اس باب میں امام سے جو بدگمانیاں کی گئی ہیں، وہ کس بڑی حد تک خود ہی بیجا ہیں۔ احیاء العلوم کا جو نسخہ مصر میں چار جلدوں میں طبع ہوا ہے، اس میں بطور ذیلی حاشیہ کے یہ کتاب پوری درج ہے، اور اسے دیکھ کر ہر شخص اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔ اہم ترین اعتراض احیاء پر یہی تھا، سو اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔ رہے باقی دو اعتراض، یعنی ایک یہ کہ بزرگان سلف کی حکایات بعید از قیاس ہیں، اور دوسرے یہ کہ بعض مجاہدے، اعتدال سے متجاوز ہیں، سو یہ دونوں چیزیں ذوقی و وجدانی ہیں۔ انکا کوئی خارجی معیار متعین نہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ وہی روایت جو ایک زمانہ کے لوگوں کے لیے مستبعد ہو، دوسرے زمانہ والوں کو، یا خود اُسی زمانہ کے بعض لوگوں کو بالکل قرین قیاس معلوم ہو۔ اور ایسا ہی اختلاف مذاق، زہد و ریاضت کے باب میں بھی ہے۔

(بقیہ حواشی صفحہ ۸)

بڑے بڑے حکماء عصر کرتے رہے، جو آگے چل کر سرتاسر احمقانہ ثابت ہوئے۔ قرآن حکیم بے دھڑک دعوائے مساوات مطلقہ و کاملہ کی تردید کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ گو بلحاظ حقوق مرد و عورت اللہ کی نظر میں یکساں ہیں یعنی جس طرح بیوی کے ذمہ شوہر کی طرف سے فرائض عائد کیے گئے ہیں، اسی طرح خدائی قانون میں شوہر کے ذمہ، بیوی کی طرف سے بھی فرائض ہیں۔ لیکن ترجیح، دونوں صنفوں میں، مرد ہی کو حاصل ہے۔ قرآنی لفظ "درجۃ" ملحوظ رہے۔ مرد کو فضیلت صرف "ایک درجہ" ہی کی کسی قدر حاصل ہے، نہ کہ کلیۃً۔ موجودہ ماہرین سائنس، جنھوں نے زن و مرد کے مسائل کی تفتیش، اور مرد و زن کی ساخت، وظائف اعضاء، وغیرہ کی تحقیق میں عمریں بسر کردی ہیں، وہ بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ دونوں صنفوں کے خصوصیات الگ الگ ہیں۔ اور بلحاظ قوت و تحمل مشقت و تعب، مرد کو عورت پر فضیلت ہے۔ ملاحظہ ہوں گیڈس کی کتاب "ارتقاء صنف" صفحہ ۱۵۸۔ اور ہیولاک ایلس کی کتاب "مرد و زن" صفحہ ۴۴۲۔

۵۵۵ اس لیے جو احکام چاہیں دے سکتے ہیں۔

۵۵۶ اس نے صرف وہی احکام دیئے ہیں جو قرین مصلحت و مناسب حال ہوتے ہیں۔

سورہ بقرہ، رکوع ۲۸

(از عبد الماجد)

(سلسلۂ صدق ۳۵ و ما قبل)

۱- ویسئلونک عن المحیض قل ہو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوہن حتی یطہرن فاذا تطہرن فاتوہن من حیث امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین -

اور لوگ آپ سے[۱] حیض کا حکم[۲] پوچھتے ہیں، کہدیجیے، کہ وہ ایک گندگی[۳] ہے، سو حیض میں تم عورتوں سے[۴] علٰحدہ رہا کرو[۵]، اور اُن سے قربت مت کیا کرو، جبتک وہ پاک نہ ہو جائیں[۶]، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں[۷] تو اُنکے پاس آؤ جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے[۸] بیشک اللہ محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے[۱۰] -

۱ (اے پیغمبر)

۲ یعنی اس کے دوران میں ہمبستری کا - قرآن ہدایت انسانی کی جامع کتاب ہے، "انجیل" موجودہ کی طرح محض "ملفوظات" کا مجموعہ نہیں۔ معاشرت و قانون کے تمام ضروری مسائل کا بیان اس میں ضروری تھا۔

۳ جیسا کہ عموماً دنیا میں ہر قوم، خصوصاً سامی قوموں میں مسلم رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو، رابرٹسن اسمتھ کی "مذہب سامئین" ص۴۴۷)

۴ (کے ساتھ ہمبستری کرنے)

۵ یہ علٰحدگی کا حکم صرف اسی عمل خاص میں ہے، نہ کہ عام معاشرت میں، جیسا کہ دوسری قوموں میں ہے - بعض قوموں میں عورتیں اُس زمانہ میں دوسروں کے ساتھ نہ کھا سکتی ہیں، نہ پی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں۔ بعض قوموں میں عورت کے ہاتھ کا کھانا اُس زمانہ میں پکایا ہوا ناپاک سمجھا جاتا ہے - بعض قوموں کے ہاں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو ایک خاص قسم کا میلا کچیلا لباس پہنا، گھر کے ایک الگ گوشہ میں، اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ (تفصیلات، ہیولاک ایلس کی کتاب "مرد و عورت" میں ملینگی، ص۲۴۷ ط ۱۰۵) شریعت اسلام میں اس قسم کی کوئی مخالفت موجود نہیں

۶ اسکے مقابلہ میں توریت کا قانون یہ تھا، کہ عورت، اس زمانہ میں، نہ صرف یہ کہ خود تمامتر ناپاک ہو جاتی ہے، بلکہ جو شخص یا جو چیز اُس سے چھو جائے، وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے، اور یہ ناپاکیوں کا سلسلہ متعدی ہوتا چلا جاتا ہے:-

"وہ سات دن جدا کی جاوے - جو کوئی اُسے چھوئے گا شام تک نجس رہیگا، اور وہ سب چیز جس پر وہ اپنی جدائی کے ایام میں سووے ناپاک ہے اور ہر ایک چیز جس پر وہ بیٹھے ناپاک ہے - اور جو کوئی اُسکے بستر کو چھوے، اپنے کپڑے دھوئے، اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے اور جو کوئی اُس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہو، چھووے، اپنے کپڑے دھووے اور پانی سے نہاوے اور شام تک ناپاک رہے۔ اور اگر کوئی چیز اُسکے بستر پر یا اور کسی دوسری چیز پر ہو جس پر وہ بیٹھی ہوئی ہے، اور اُسوقت کوئی اُس چیز کو چھووے، تو وہ شام تک ناپاک رہے۔ اور اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے، اور اس کی نجاست اُس پر ہو، تو وہ سات دن تک ناپاک رہیگا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئیگا ناپاک ہوگا" (احبار، ۱۵: ۱۹-۲۴)

یہ احکام تو توریت مروجہ کے ہیں - باقی فقہائے یہود اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے۔ اور ایسی ایسی قیود حائضہ پر لگا دیں، کہ گویا وہ ایک قسم کی بلا تھی۔ ان قیود کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلو پیڈیا، جلد ۱۰ ص۳۰۱۔ نیز ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۴۔ ص۸۲۷ -

۷ یعنے نجاست کا شائبہ نہ رہ جائے، اور وہ غسل کرلیں۔

۸ یعنے جائز و فطری طریق کے مطابق۔

۹ چنانچہ اُن لوگوں سے بھی، جن سے قوانین بالاکے باب میں کوئی اتفاقی خلاف ورزی ہو جائے، اور وہ فوراً توبہ کرلیں۔

۱۰ (اور گندہ حالت میں مواصلت سے محترز رہنا تو ایک دلیل ہے صفائی کی۔ صفائی کی تدرج عام ہے۔ اسکے تحت میں ظاہری صفائی پوری طرح آجاتی ہے۔ اسلام کی اس طہارت پسندی کے مقابلہ میں، بعض دوسرے مذاہب ہیں، جن میں صفائی کو نہیں، گندگی ہی کو قرب حق کا ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض مشرک قوموں اور فرقوں سے قطع نظر کرکے آبائے مسیحیت کے ہاں بھی کچھ اسی قسم کے عقیدوں پر عمل تھا۔ خود مسیحیوں کا بیان ہے کہ

"دَور خانقاہیت کے اکابر اور مقدسین کی سوانحعمریوں میں اس اصول کی مطابقت کہیں بھی نظر نہیں آتی، کہ صفائی، ایک زینہ ہے خدارسی کا، یہاں تک کہ اُن ممالک میں بھی، جہاں کی آب و ہوا میں غسل کا شمار لوازم زندگی میں ہے۔ جیروم نے راہبوں کو متنبہ کیا ہے کہ گرم پانی سے غسل زنانی کو کمزور کرتا ہے، اور اپنی شاگرد خاتون کے نام مکتوب میں، عورتوں کے لیے ہر قسم کے غسل کو ممنوع قرار

۲- نساؤکم حرث لکم، فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم، واتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ، وبشر المؤمنین -

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں[۱۱] سو آؤ اپنے کھیت میں[۱۲] جس طرف سے ہو کر چاہو[۱۳]، اور آئندہ کے واسطے کچھ کرتے رہو اپنے لیے[۱۴]، اور اللہ سے ڈرتے رہو[۱۵]، اور جانے رہو کہ بیشک تم اُس سے ملنے والے ہو[۱۶]، اور آپ[۱۷] ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے[۱۸]

۳۔ ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس، واللہ سمیع علیم

اور اللہ کو۱۲ اپنی قسموں کے ذریعہ سے اس بات میں حجاب نہ بناؤ، کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح درمیان خلق کے کام کرو۲۳، اور۲۴ اللہ سننے والا۲۵ ہے، جاننے والا ہے۔

۴۔ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم واللہ غفور حلیم

اللہ تم سے مواخذہ نہ کریگا تمھاری قسموں میں سے لایعنی قسم۲۶ پر لیکن مواخذہ کریگا اس پر جس پر تمھارے دلوں نے قصد کیا ہے۲۷۔ اور اللہ بخشنے والا ہے۲۸، بردبار ہے۲۹۔

دیا ہے۔ سینٹ آگسٹائن، سینٹ جیروم صرف ایک غسل کی اجازت دیتے ہیں!" (ڈکشنری آف کرسچین اینٹی کیوٹیز جلد ۲، صفحہ ۱۴۲۹)

اور لیکی کا بیان اس سے زیادہ دلچسپ وعبرت انگیز ہے:۔

"عقیدہ یہ قائم ہوگیا تھا، کہ جسم کی صفائی، روح کی گندگی کے مترادف ہے، اور جن مقدسین کا شمار اس زمانہ میں اکابر میں ہوتا تھا، وہ اوپر سے لیکر نیچے تک میل کچیل کی ایک گھناؤنی پوٹ ہوتے تھے۔ سینٹ اتھے نیشیس فخریہ بیان کرتے ہیں، کہ سینٹ انیٹونی اتنے بوڑھے ہوکر مرے، اور کبھی اپنے پیر نہ دھوئے!.... سینٹ ابراہام نے پورے پچاس برس تک نہ اپنا چہرہ دھویا نہ اپنے پیر.... ایک مشہور دوشیزہ سلویا کی عمر ساٹھ سال کی ہوچکی تھی، اور بجز ہاتھ کی انگلیوں کے اپنے جسم کے کسی حصہ کو اس نے نہ دھویا، حالانکہ اس سے تقاضا تک بھی ہوسے۔ سینٹ یوفریکیا، ایک سو تیس راہبات کی ایک جماعت میں شامل ہوئیں، جنھیں فخر تھا، کہ انھوں نے کبھی پیر نہیں دھوئے ہیں، اور جو غسل کے نام ہی سے کانپ اٹھتی تھیں"۔

(تاریخ اخلاق یورپ، جلد ۲ ص ۴۷)

۱۱ اور کھیت اس خطۂ زمین کا نام ہے جس میں تخم ریزی ہوتی ہے، اور جس میں نباتات کا نشوونما ہوتا ہے۔

۱۲ (اس تشبیہ کو پوری طرح سمجھ کر)

۱۳ یہ قید خوب ملحوظ رہے۔ داخلہ کھیت (موضع قبولِ تخم) ہی میں ہونا چاہیے، نہ کہ اس سے خارج کسی اور موضع ومحل میں۔

۱۴ لفظ انّیٰ کے معنی کے سمجھنے میں بعض گندہ فطرت لوگوں نے اپنی گندہ مذاقی کے عجیب عجیب مظاہرے کیے ہیں۔ حالانکہ لغت میں تصریح ہے کہ انّیٰ کے معنی "جب" (متیٰ) کے بھی ہیں۔

" " "جس طرح" (کیف) "

" " "جدھر" (این) "

ان میں سے پہلے دو معنوں پر تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اب لے دیکے صرف تیسرے معنی رہ جاتے ہیں، سو اگر وہی لیے جائیں، جب بھی ظاہر ہے کہ آزادی، سمت یا جہت سے متعلق دی گئی ہے، نہ کہ موضع تخم رانی کو چھوڑکر کسی دوسرے موضع یا محل سے متعلق۔

۱۵ (ان لذات میں مشغولیت کے وقت بھی یاد رہے کہ)

۱۶ از قبیلِ اعمال صالحہ۔

۱۷ (ہر حال میں)

۱۸ اس میں تعلیم ہے اس کی کہ مسلمان کو یادِ حق سے غافل کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی نہ ہونا چاہیے۔

۱۹ (اے پیغمبر)

۲۰ یہاں جو اہل ایمان مراد ہیں، انکے صفات اوپر ابھی بیان ہوچکے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرنیوالے، اللہ سے ڈرنے والے، اور جزا وسزا کا یقین رکھنے والے۔

۲۱ (کہ انکے لیے جنت میں بے حساب نعمتیں اور دوامی اجر موجود ہے)

۲۲ یعنی اللہ کے نام کو۔

۲۳ یعنی اللہ کی قسمیں کھا کھاکر یہ عہد نہ کرلو، کہ ہم فلاں فلاں نیکیوں سے، اور تقویٰ سے، اور اصلاح بین الخلق کی خدمت سے رُکے رہیں گے۔ ان چیزوں کا ترک، ظاہر ہے کہ ہر صورت میں بیہودہ ہے، پھر خصوصاً اللہ کے نام کو واسطہ بناکر! مگر عرب جاہلیت کا یہ بھی ایک دستور تھا۔

۲۴ (تمھارے اقوال کا) سو ہر بات سوچ سمجھ کر زبان سے نکالو۔

۲۵ (تمھاری نیات کا) سو اخلاص سے ہر وقت کام لیتے رہو۔

۲۶ مراد ان قسموں سے ہے، جو بے خیالی میں زبان سے نکل جاتی ہیں، اور جن میں جھوٹ کی آمیزش بلا قصد ہوجاتی ہے۔

۲۷ یعنی جن قسموں میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد ہو۔

۲۸ ایسا، کہ لایعنی قسموں پر مواخذہ کو معاف کردیا۔

۲۹ ایسا، کہ ارادی جھوٹی قسموں پر بھی فوراً سزا نہ دی، بلکہ سزا کو قیامت تک کے لیے ملتوی کر رکھا۔

۳۰ عرب کے بعض لوگ غصہ میں آکر قسم کھا بیٹھتے تھے، اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کرنے کی۔ اصطلاح میں اسکو ایلاء کہتے ہیں۔ یہاں اسکا ذکر ہے۔

۳۱ (کے پاس جانے کی)

۳۲ (رجوع کرلینے کی)

۳۳ عرب جاہلیت میں اس طرح کی قسم کھالینے کے بعد، شوہر بیوی کے نان ونفقہ اور ہر قسم کے حق سے دست بردار ہوجاتا تھا۔ اسلام نے نتائج پر غور کرنے کے لیے چار مہینے کا موقع دیا۔

۳۴ اس مدت کے اندر۔ تو نکاح باقی رہیگا)۔

۳۵ چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ، ایک خفیف کفارہ کے بعد معاف کردیگا۔

۳۶ چنانچہ شوہر جو اب ازسرنو ادائے حقوق پر متوجہ ہوگیا، اس پر رحمت نازل کریگا۔

۳۷ (اتنے دنوں کے غور وفکر کے بعد بھی)

۳۸ طلاق نام ہے تعلق زناشوئی کے باضابطہ کامل انقطاع کا۔ توریت میں اسکا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

۵- للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فآءو فان الله غفور رحیم

۶- وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں سے، اُنکے لیے مہلت ہے چار مہینے تک۔ سو اگر یہ لوگ رجوع کرلیں، تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

اور اگر پختہ ارادہ کرلیں، طلاق ہی کا، تو بے شک اللہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔

۷- والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء ولا یحل لهن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامهن ان کن یؤمن بالله والیوم الآخر وبعولتهن احق بردهن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة والله عزیز حکیم

اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں اپنے کو تین حیض تک۔ اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ پوشیدہ رکھیں اُسکو جو کچھ اللہ نے اُنکے رحم میں پیدا کیا ہے، اگر وہ عورتیں ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور ان عورتوں کے شوہر انکے واپس لے لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں

"اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اُس سے بیاہ کرے، اور بعد اُسکے ایسا ہو کہ وہ اسکی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اُس نے اُس میں کوئی پلیدبات پائی تو وہ اسکا طلاق نامہ لکھ کے اُسکے ہاتھ دے، اور اُسے گھر سے باہر کرے، اور جب وہ اسکے گھر سے نکل گئی تو جاکے دوسرے مرد کی ہو وے۔"

(استثناء ۲۴: ۱، ۲)

گویا طلاق پر نہ کوئی قید عائد ہے، نہ مرد پر اس باب میں کچھ ذمہ داریاں ہیں، مرد کا جب جی چاہے، بس ایک طلاقنامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔ یہود کی اس افراط کے مقابلہ میں مسیحیوں کی تفریط ملاحظہ ہو:—

"خلقت کے شروع سے اُس نے انھیں مرد اور عورت بنایا۔ اس سبب سے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہوکر اپنی بیوی کے ساتھ رہیگا، اور وہ اور اُسکی بیوی ایک جسم ہوں گے، پس وہ دو نہیں، بلکہ ایک جسم ہیں، اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے"..... جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑدے اور دوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑدے اور دوسرے سے بیاہ کرے، تو زنا کرتی ہے"۔ (مرقس۔ ۱۰: ۶-۱۲)

نیز پولوس کا یہ بیان، کہ

"جن کا بیاہ ہوگیا ہے، اُنکو میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے علٰحدہ نہ ہو" (۱-کرنتھیون ۷: ۱۰)

نتیجہ یہ ہے، کہ مسیحیت کے سوادِ اعظم یعنی فرقۂ کیتھولک کے نزدیک تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے

"جب ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان مقدس رسم نکاح ادا ہوچکی، اور ہمبستری بھی بطور زن وشو ہوچکی، تو بجز موت کے اور کوئی صورت انکے افتراق کی نہیں"۔ (کیتھولک ڈکشنری ص ۲۷۷)

فرقۂ پروٹسٹنٹ کے ہاں اجازت ہے، لیکن جرم حرامکاری کی بناپر۔ یہ حال اُن قوموں کا ہوا جنکی بنیاد آسمانی کتابوں پر تھی۔ رہیں مشرکوں کی مہذب و ترقی یافتہ قومیں، سو

"یونان میں، اور رومہ کے ابتدائی دور میں، مثل ہندوستان کے نکاح کا رشتہ نہایت استوار تھا، لیکن آگے چل کر طلاق ایک عام اور معمولی بات ہوگئی۔ ہومر کے زمانہ میں یونان میں طلاق کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا، لیکن بعد کو یہ روزمرہ ایک عام واقعہ بن گیا۔ ..... رومہ میں عہد جمہوریت کے خاتمہ پر، اور عہد ملوکیت کے دوران بھر، اعلےٰ طبقوں میں طلاق روز ہی ہوتی رہتی تھی۔ سیسرو کے عہد میں جتنی مشاہیر خواتین تھیں، شاید ہی اُن میں کوئی ایسی ہو، جنھیں کم از کم ایک بار طلاق نہ مل چکی ہو"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷، ص ۴۵۳-۴۵۴)

اقوام عالم کی یہ بے اعتدالیاں اور بے احتیاطیاں پیش نظر رہیں، جب قانون اسلام کے پیدا کیے ہوے توازن و اعتدال کی قدر ہوگی۔

۸۰۹ چنانچہ وہ شوہروں کی قسموں کو بھی سنتا ہے۔

۸۱۰ چنانچہ وہ انکے پختہ ارادوں کو بھی جانتا ہے، اور اُنکے مناسب حال حکم بتاتا ہے۔

۸۱۱ (جو آزاد ہوں، یعنی شرعی کنیزنہ ہوں، اور جن سے خلوت صحیحہ ہوچکی ہو) اب قیود طلاق کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یہ احکام صفات بالا سے متعلق ہیں، دوسری صفات کی عورتوں کے لیے دوسرے احکام بیان ہونگے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:—

"طلاق اور اُسکے نقصانات کا احساس، وہ ایک قوی سبب ہے، شوہر اور بیوی کو اپنے حدودِ مناسب کے اندر رکھنے کا، شوہر کو کبھی تو اس لیے رکنا اور دبنا پڑتا ہے کہ جو مہر وہ شروع میں دے چکا ہے، وہ اگر تفریق بلا وجہ معقول ہوئی، تو سوخت ہوجائیگا، اور کبھی بیوی کی ذات سے جو بیشی فوائد اُسے حاصل ہو رہے ہیں، وہ اُسے محتاط زندگی پر مجبور رکھتے ہیں" (جلد ۱۴، ص ۹۲۵)

گویا اس کا پورا اعتراف ہے، کہ طلاق کا وجود اصولی طور پر کچھ خاص قیود کے ساتھ، تامتر مفید ہے، اور یہی بات ایک اُمّی کے لائے ہوے قانون میں پوری طرح موجود ہے۔

۸۱۲ (دوسرے نکاح سے)

۸۱۳ یہ مدت اصطلاح شرع میں عدت کہلاتی ہے۔ اور عدت ایک خالص اسلامی اصطلاح ہے۔ دوسرے مذاہب واقوام اس درمیانی وقفہ کی مصلحتوں اور حکمتوں سے محروم ہیں۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ کی تفسیر میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی و شافعی میں اختلاف ہے، لیکن یہاں عام اسلامی قانون کے ذیل میں، اس خفیف اختلاف کی تصریح غیر ضروری ہے۔

۸۱۴ یعنے حمل خواہ حیض۔

وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ واللہ عزیز حکیم

بشرطیکہ قصد اصلاح رکھتے ہوں۔ اور عورتوں کے حقوق ہیں مثل انہیں حقوق کے جو عورتوں پر ہیں قاعدہ کے مطابق۔ اور مردوں کا درجہ انکے مقابلہ میں کچھ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ زبردست ہے، حکمت والے ہیں۔

اس لیے کہ یہ چھپانے کی کوشش خلل انداز ہوگی شمار ایام عدت میں۔ اور باعث ہوگی مصالح شرعیہ کے ضایع جانے کا۔ اس نتیجہ کو ایمان باللہ وایمان بالآخرۃ کے ساتھ جمع نہ ہونا چاہیئے۔
(یعنی تجدید نکاح)
(ایام عدت کے اندر ہم واپس پالینے کو رجعت کہتے ہیں، اور یہ رجعت کا حق، طلاق رجعی میں باقی رہتا ہے۔ آیت کے لفظ 'احق' (زیادہ حقدار) سے ترغیب بھی اسی طرف کی نکلتی ہے۔ گویا یہی طریقہ اصلی مرضی الٰہی ہے۔ اور طلاق کی اجازت، صرف بطور آخری علاج کے ہے۔ اور یہیں سے اس حدیث نبوی کی بھی تائید ہوتی ہے، جس میں طلاق کو ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے۔ (اس رجعت سے) نہ کہ قصد ایذاء ورنہ قانوناً نفاذ رجعت ہر صورت میں ہو جائیگا

(مردوں پر) "عورتوں کے حقوق" کا نام، عرب کے ایک امی کی زبان پر اسوقت لایا جا رہا ہے، جب دنیا کے بڑے بڑے اونچے مذہبوں کی تعلیم یہ تھی:-

"مصیبت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر صادر ہوئی تھی، اس لیے اسے شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا، اور شوہر اسکا حاکم ہے۔ شوہر اسکا مالک و آقا ہے، اور وہ اسکی مملوکہ ہے" (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۶ صفحہ [illegible])

دوسرے مذاہب کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ اور عربستان تو بیویاں، شوہروں کی وفات کے بعد، جائداد کی طرح بیٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اسلام کے ظہور سے قبل صدیوں تک، عیسائی ممالک میں،

"ایک تو یہودی نوشتے، اور پھر وہ رہبانیت مزاجی جسکا حاصل یہ تھا، کہ عورت ہی نے مرد کو اصل میں بہکایا۔ دونوں کا مجموعی اثر، عورت سے متعلق ان سخت کلامیوں میں ظاہر ہوتا ہے، جو بہت ہی بڑی افراط کے ساتھ آبائے کلیسا کی تحریروں میں ملتی ہیں.... عقیدہ یہ تھا کہ عورت 'دروازہ ہے جہنم کا، اور باعث ہے تمام آفات بشری کا۔' اسے اپنے کو ذلیل سمجھنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے" (لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ، جلد ۲ صفحہ [illegible])

'فضیلت' بلحاظ وجوب ہے۔ (مردوں کے) (شرعی)
یہ تردید ہے، جاہلی دعوے بلا دلیل کی، کہ مرد و عورت ہر حیثیت و اعتبار سے بالکل ہم درجہ ہیں۔ کسی دعوے کی محض وسعت یا کثرت تکرار ہرگز دلیل کی قائم مقامی نہیں کر سکتی۔ دنیا کے ہر دور میں خدا معلوم کتنے دعوے،

(بقیہ حواشی صفحہ ۹ پر ملاحظہ ہوں)

حضرت مسیح ابن مریم علیہا السلام کے متعلق غلط فہمیاں
قرآنی نقطۂ نظر سے

(سلسلۂ ماسبق)

(از مولانا سید عبداللہ "شاہ" صاحب قادری حیدرآباد دکن

حسب اعتقاد اسلامی مسیح و مہدی کا آنا محض اسی دجالی فتنہ کو مار دینے کے لیے موعود تھا مگر تاشاش زندہ دل پنجاب! تو مسیح مہدی پیدا کیا وہ آخر اسی فتنہ کا مارا ہوا نکلا جسکے مارنے کے لیے وہ آیا تھا اور جسکا دعویٰ منجملہ اور دعاوی کے یہ بھی تھا کہ وہ حسب حدیث رجل من فارس کا مصداق ہے جو ثریا تک اٹھ جانے والے ایمان کو پھر زمین پر لایا۔ لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجل من فارس (اگر ایمان آسمان ہشتم کے ثریا کے پاس بھی ہو تو ایک شخص پارسی الاصل اسے پالیگا) اسوقت ہم کو اس حدیث کے مصداق پر بحث منظور نہیں کہ آیا یہ حدیث مسیح قادیان پر بھی منطبق ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ جناب مرزا صاحب مرحوم نے اپنے آپ کو نسباً مغول سے بتایا ہے۔ یہ ایک تاریخی تماشا ہے کہ حضرت مغل النسل بھی ہوں اور پارسی النسل بھی۔ مغول تو تورانی ہیں اور پارسی ایرانی۔ اس کے ماسوا بہت سارے مفسرین قدماء تابعین و تبع تابعین کے یہاں مغول و اتراک قبائل یاجوج و ماجوج سے ہیں۔ اس عاجز نے اپنی بساط کے موافق مضمون یاجوج و ماجوج میں اس بات کے اثبات کی کوشش کی ہے کہ مغول و اتراک بہمہ انواع و اصناف، مصداق یاجوج یا حسب اصطلاح بائبل یعنی توریت و انجیل وغیرہ مصداق جوج ہیں۔ اور دیگر اقوام یورپ مصداق ماجوج۔ کیا یہ طرفہ تماشا نہیں کہ حضرت مسیح و مہدی موعود صاحب قبلہ اپنے ہی بیان کے موافق یاجوجی النسل ہیں اور قطع کرنے آئے ہیں کس کو۔ مسیح دجال کا اور یاجوج و ماجوج کا! حدیث خرافۃ یا ام عمرو - فیا عجبا من عجب۔

حالانکہ مذکورہ حدیث، اسکے مختلف طرق پر غور کرنے سے ان ایرانی النسل مسلمانوں کی پیشگوئی ثابت ہوتی ہے جو بڑے بڑے محدثین و علما و فضلاء و اولیا گزر چکے ہیں جنھوں نے حدیث و ارکان دیانت کی تلاش و تحقیق و جستجو میں وہ کوششیں نمایاں انجام دیں اور وہ کمائیں کہ تاریخ ہمیشہ انھیں ثریا کے پاس ہی کا درجہ دیگی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ اکثر یہی مروی ہیں کہ لنالہ رجال من ہؤلاء یعنی حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کو دکھا کر فرمایا کہ ایمان اگر اتنی دور بھی ہو جیسے ثریا جو آسمان ہشتم میں ہے تب بھی اسکی (سلمان فارسی) قوم اُسے وہاں بھی پہنچکر حاصل کرکے چھوڑیگی۔ چنانچہ واقعہ ایسا ہی ہوا کہ نہ حدیث ہی کی فقط بلکہ تمام علوم نقلیہ اسلامیہ کی خدمت کرنے والے اور اس آسمان کے درخشاں ستارے بننے والے اکثر و بیشتر پارس و ایران ہی کے تھے۔ بعد کی

بات ہے کہ قومیت متحدۂ اسلام میں آکر وہ عرب بن گئے تھے اور زبان میں لباس میں تمدن میں وہ اس مشترکہ قومیت اسلامیہ میں داخل ہوگئے تھے جو قومیت عربیہ تھی۔ اسی متحدہ عربی قومیت کو جو اُس وقت کے تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی متحدہ و مشترکہ قومیت عالمیہ تھی۔ یاجوج والے مغلی و ترکی قوموں نے سابقاً پارہ پارہ کیا تھا اور یاجوج والے حالیہ یورپین اقوام نے اسکے توڑنے اور چور چور رکھنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہوچکے اور ہو رہے ہیں۔ حالانکہ آج بڑے بڑے علما و فضلا و لیڈران قوم بھی اس سے یکسر غافل ہیں کہ یورپ اپنے پیشوائے سیاست برطانیہ کی قیادت میں آج ہر ملک کے مسلمانوں کو وہاں کی اصلی باشندوں کی قومیت میں جذب وضم کرنا چاہتا ہے اور اسی کے وسائل تدریجی اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اسکی نئی تہذیب و تمدن نے ہندوستانی مسلمانوں میں جدید مشترکہ ہندی قومیت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں۔ اور آخر کو انھیں پارلیمنٹ دے کر ہندی مشترکہ قومیت میں جذب کر ڈالنے کے وسائل بذریعہ لیڈرشپ وغیرہ اختیار کیے ہیں۔ جو ہماری راستہ پارلیمنٹ کے حصول کا ہے۔ ہند کے مسلمانوں کو آج آپ عام طور پر اس سے غافل ہی غافل پائیں گے مگر صفحات "صدق" پر یہ لکھے ہوئے الفاظ تیرہ کبیر ثابت ہونگے اور آئندہ تاریخ ہند کے صفحات پر ثبت ہو رہیں گے۔ ایران میں پارسی قومیت اور بلاد الروم "ایشیائے کوچک" میں ترکی قومیت جس کی ابتدا لاطینی حروف سے ہو چکی ہے، اور شام و فلسطین میں عبرانی و اسرائیلی قومیت اور عراق میں کُردی قومیت اور مصر و مغرب میں قبطی و بربری قومیت کے لیے کہیں آہستہ آہستہ اور کہیں تیز تیز قدم اُٹھائے جا رہے ہیں مگر دجل و خدع و مکر کی انتہا یہ ہے کہ ان قوموں کو اسکا شعور تک نہیں اور وہ خوشی خوشی اس رستہ پر قدم زن ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ نجات و ترقی کی راہ یہی ہے۔ کیا عالم اسلامی کی اس فریب خوردگی بصورت نجات و ترقی کے منظر عام و عالمگیر کو مع تفاصیل و فروعات کے دکھانے والا، المسیح الدجال سے بڑھ کر دریا بکوزہ فصیح ترین کوئی لفظ ہو سکتا ہے؟ جسکے معنی از روے لغت عربی کے محض یہی ہیں کہ "نجات دہندۂ مکار و مخادع" نطق انسانی میں تو اس سے بہتر کوئی لفظ اس دجل و فریب کو "جو بصورت نجات و ترقی اذہان عامہ میں جا بے گیر ہو چکا ہے" بتانے والا ممکن نہیں اُوتیت جوامع الکلم والے شاہد ربانی علیم ہی کا یہ حصہ ہے اور وہی محمد اس کا سزاوار۔

آمدم بر سر مطلب } میں کہ کیا رہا تھا اور نکل گیا کدھر کو۔ اس تطویل سے ناظرین کو ملال خاطر نہ ہو۔ طالب معافی ہوں۔ جذبات اندرونی سے مجبوری ہے۔ عبارتیں بیشک طویل ہونگی۔ طرز ادا غیر مہذب۔ مگر حضرات اتنی بات ضرور ہے کہ یہ خون جگر کی روشنائی سے لکھی ہوئی ہیں۔ امید یہی ہے کہ جناب بھی اسے اپنے دل و دماغ میں جگہ دینگے اور اس مظلوم قوم کو دعائے مغفرت و حسن خاتمہ سے کبھی کبھار یاد فرمائیں گے۔

خیر میں جو دکھڑا رو رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آج فتنۂ المسیح الدجال کا یہ عجیب و غریب جادو ہے کہ جو کوئی درد مند دل بھی اس فتنہ سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کے دفعیہ کی فکر کرتا ہے اور میدان عمل اصلاح میں اُترتا ہے تو پھر اسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اسکا رخ کعبہ سے نکل کر ترکستان ہی کی طرف ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے فقط ہندوستان ہی میں اسکی کئی مثالیں موجود ہیں۔ غیر مقلدیت اور وہابیت کی تحریک درد مندوں ہی کی اصلاحی پیداوار تھی غرض یہ تھی کہ قوم کو شرکیات و بدعیات کی دلدل سے نجات دلائی جائے مگر بعد کو وہ چل کر بے مغز استخوانی رہ گئی۔ تو قومیں اور تفسیق و تکفیر کے موجوں میں دریا برد ہوگئی۔ یقرءون من غیر قول البریۃ لا یجاوز ایمانہم حناجرہم یعنے کہینگے تو وہ بہترین بات مگر ایمان دہان جمع و خرچ رہ جائیگا، حلق کے نیچے نہ اُتریگا۔ مطلب یہ ہوا کہ صاحب دلی تھی اور تزکیۂ نفس کے ساتھ تو یہ سب کچھ مفید تھا اگر یہ نہیں تو پھر تکفیر و تفسیق کے مشرکانہ دکانداری فعل کے سوا اور کیا رہیگا۔ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم بھی سنتے ہیں کہ غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت پر روتے تھے۔ دل درد مند ضرور تھا مگر افسوس کہ اصلاح حال کی جو تجویز سوجھی تو وہی جسکا رُخ کعبہ کی طرف نہ تھا بلکہ لندن کی طرف ایمان کی طرف نہیں بلکہ مادہ پرستی و ظاہر پرستی کی طرف۔ دین داری کی طرف نہیں بلکہ دنیا پرستی و شکم پروری کی طرف۔ حالانکہ یہی اصل روح فتنۂ مسیح الدجال کی ہے۔ اور جو کچھ دیندار مومن رہے بھی تو مدرسہ نے نہیں بنایا بلکہ دیگر امور خارجیہ نے۔ علیٰ ہذا جناب مرزا صاحب قادیانی مرحوم کا حال ہے کہ وہ اسلام کا (جیسا کہ حسن ظن کا مقتضا بھی ہے) ایک درد مند دل ضرور رکھتے تھے پنجاب میں نصرانیت وارتداد کا زور شور انکے دل میں کانٹے بنکر چبھتا تھا۔ انکو اسکے دفعیہ کی جو تجویز سوجھی تو بس یہی کہ مسلمانوں کے لیے وہ مسیح و مہدی اور ہندوؤں کے لیے سری کرشن جی بنجائیں اور عیسائیوں اور آریوں سے مناظرہ اور خود یورپ میں تبلیغ اسلام کریں۔ غالباً انکے نزدیک بہت کچھ غور و فکر کے بعد اسلام کی جو راہ خلاص و نجات دکھائی دی بس وہ یہی تھی کہ جو انکے دل میں درد پیدا کر رہی تھی۔ یہی سبب ہے کہ مرزا صاحب کی مسیحیت و مہدویت و کرشنیت کی عمارت جس بنیاد پر قائم ہوئی وہ محض کاغذی جنگ تھی۔ یعنے آریوں عیسائیوں کے مقابلہ میں مناظرہ کی تصنیفات و رسالہ بازی اور یورپ میں تبلیغ اسلام کی کوششیں۔ اس حد تک انکی کوششیں ناشکور نہیں ہو سکتیں اور نہ اُن کی نیت پر حملہ کرنے کی ضرورت ہے مگر اُنھوں نے اپنی مسیحیت و مہدویت بنانے کے لیے المسیح الدجال کا مصداق ٹھیرایا پادریوں کو جنکے بغیر انکی مسیحیت ہو سکتی تھی جسکا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ خروج دجال سے کی تبلیغ عیسویت ہے اور المسیح المہدی کے ظہور موعود کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اس دجال سے بذریعہ مناظرہ بازی و رسالہ بازی کاغذی جنگ کریگا۔ خواہ اس سے نصرانیت کا قلع و قمع بھی ہو یا نہ ہو بلکہ پہلے سے زیادہ

مشاہدات مصر

(ہندوستان کی ایک محترم مسلمہ کے قلم سے)

مصر والوں کی معاشرتی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے - مرد تو ترکی ٹوپی پہننے کی وجہ سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ مسلمان ہے - نہایت اعلیٰ درجہ کے سوٹ پہنتے ہیں - اور ہر وقت ہر جگہ بوٹ پر پالش کرنے کے لیے دوکانیں لگی ہوئی ہیں - ایک معمولی آدمی اور اعلیٰ درجہ کے آدمی میں مطلق تمیز نہیں ہو سکتی - مگر عورتوں کی حالت بالکل ہی ابتر ہے - نئے فیشن کی عورتوں نے پردہ کو بالا ئے طاق رکھدیا ہے - اور پنڈلیوں تک بلکہ پنڈلیوں سے اونچا فراک پہن لیا ہے - جرابیں اور قیمتی اونچی ایڑی کی جوتیاں اور انگریزی ٹوپیاں پہن کر بازاروں میں جاتی ہیں - کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں - اور جو عورتیں پرانے نام لیوا ہیں وہ ہلکا سا سیاہ جارجیٹ کا نقاب اوڑھتی ہیں اور سیاہ کوٹ پہن کر باہر نکلتی ہیں، اُنکا کوٹ بھی پنڈلیوں ہی تک ہوتا ہے - البتہ تیسرے درجہ کی عورتیں ناک پر سونے کی ایک نلکی لگا لیتی ہیں اور رخساروں پر موٹی جالی کا نقاب ڈالتی ہیں - جس میں سے ہونٹوں کی اور رخساروں کی سرخی خوب جھلکتی نظر آتی ہے - یہ عورتیں دن رات، وقت بے وقت باہر پھرتی ہیں - چونکہ گھروں میں کھانا مفقود ہو گیا ہے اور ہفتہ ہفتہ دو دو ہفتے کی روٹیاں پانی لگاکر گرم کرکے کھائی جاتی ہیں وہ روٹیاں جو ہندوستان کا ایک غریب مزدور بھی کھانی پسند نہ کرے گا، زیتون کا اچار، پنیر، اور کباب وغیرہ جو بازار میں ہر وقت تیار ملتا ہے، اُنکا من بھاتا کھاجا ہے - گھر میں کچھ تھوڑا بہت پک جاتا ہے، ورنہ بازار ہی سے اکثر منگوایا جاتا ہے - چونکہ عورتوں کو پکانے کی مشغولیت نہیں ہے - اس لیے وہ باہر پھرنے کی عادی ہو گئی ہیں - مجھ سے اکثر سوال کیا گیا کہ ہندوستان کی عورت دن بھر گھر میں بیٹھی رہنے سے گھبراتی نہیں - میں نے جواب دیا کہ دن میں تین مرتبہ تازی روٹی اور تازہ سالن پکاکر اپنے بچوں اور شوہر کو ٹھنڈے دل سے کھلاتی ہے - اس غریب کو مہلت ہی کہاں ہے کہ وہ باہر جانے کے خیال کو دل میں بھی لائے - آپ لوگوں نے باورچی خانے کے جھگڑے قریباً ختم کر دیے ہیں، تیل کے چولھے پر شوربہ وغیرہ گرم کر لیا یا لخیہ (ایک قسم کا لیسدار ساگ) پکا پکا کر کھا لیا - ہندوستانی بیچارے پکا پکا اور کھا کھا کر ہی ختم ہو گئے ہیں -

مصر میں جا بجا "لوکندے" بنے ہوئے ہیں - بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں - جن میں میزیں کرسیاں رکھی ہوئی ہیں - ریڈیو بج رہے ہیں - ہر طبقے کے لوگ عصر کے وقت سے ہی یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں - ایک قسم کا کھیل شطرنج کے مانند ہے، ہر چھوٹا بڑا اُسی میں منہمک نظر آتا ہے - جب یہ گھروں میں نہیں جاتے اور ہوٹلوں میں دلچسپی ڈھونڈھتے ہیں، تو عورتیں بھی کوٹ پہن کر نکل کھڑی ہوتی ہیں اور ادھر اُدھر جاکر دل بہلا لیتی ہیں - بیچارے بچوں کی تربیت کا اللہ حافظ ہے - مربیانِ قوم اس حالت کی نزاکت کو محسوس کر رہے ہیں اور پریشان ہیں - جب یہ لوگ سنتے ہیں کہ ہندوستان کی تعلیم یافتہ عورت بھی تقلید مغرب کی خواہشمند نہیں، تو متعجب ہوتے ہیں - لوکندوں میں شراب بھی بیساختہ پی جاتی ہے - اور سخت افسوس سے میں نے دیکھا کہ شراب پینے کو لوگ بُرا بھی نہیں سمجھتے -

مصر میں اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل کی ایک بڑی نعمت عطا کی ہے تمام ملک کو نیل نے گلزار بنا رکھا ہے - میلوں تک نیل کے پانی سے کھیتوں اور باغوں کی وہ کثرت ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی - پھل ہیں وہ ارزاں - اناج ہے وہ کافی - اور روئی ہے تو وہ دنیا میں سب جگہ سے اعلیٰ پیدا ہوتی ہے - یہاں زمیندار فلاح کہلاتا ہے اور نہایت محنتی ہے - ان لوگوں تک ابھی فیشن اور مغربی تعلیم نہیں آئی یہی لوگ حج کرنے کے لیے بھی جاتے ہیں - اور یہی دیندار ہیں - شراب نہیں پیتے - اب ان لوگوں میں تعلیم پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے -

(انقلاب)

قتل و خون کی ترقی

عام طور پر خیال ہے کہ تہذیب کی ترقی کے ساتھ دنیا میں جدال و قتال کم ہوتا رہا ہے یا کم ہو جائے گا - لیکن ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے دو پروفیسر یورپ کی گزشتہ ڈھائی ہزار برس کی جنگوں کے اعداد و شمار جمع کرکے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں - کہ جوں جوں تہذیب میں ترقی ہوتی گئی ہے - جدال و قتال میں اضافہ ہوتا رہا ہے - یہ اعداد و شمار پانچ سو سال قبل مسیح سے لیکر ۱۹۲۵ء تک کی جنگوں پر مشتمل ہیں - اس مدت میں یونان - روما - وسطی یورپ - جرمنی - اٹلی - فرانس - برطانیہ - ہسپانیہ - بلجیم - ہالینڈ - اور روس میں کل نوسو دو جنگیں ہوئیں (لڑائیاں نہیں بلکہ جنگیں) ہر جنگ کا پانچ پہلوؤں سے مطالعہ کیا گیا - اول مدت جنگ دوم متحارب افواج کی تعداد سوم زخمیوں اور مُردوں کی تعداد - چہارم کتنے ملک شریک ہوئے - پنجم متحارب ملکوں کی آبادیوں کا کتنا حصہ جنگوں میں شریک ہوا - تمام اعداد و شمار کو جمع کرکے مذکورہ پروفیسر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ بارہویں صدی میں جنگوں کا تناسب ۲،۶۷۸ سے ترقی کرکے ۱۹۲۵ء میں ۱۳،۷۳،۵۹۸ پر پہنچ گیا ترقی کا نقشہ یہ ہے :-

صدی	تناسب
بارہویں صدی	۲،۶۷۸
تیرھویں صدی	۵،۰۳۳
چودھویں صدی	۱۳،۱۵۳
پندرہویں صدی	۳۱،۱۲۲
سولھویں صدی	۷۳،۲۹۶
سترہویں صدی	۵۱۹،۳۳
اٹھارویں صدی	۵۹۷،۵۰۲
انیسویں صدی	۳۸،۹۱۵
بیسویں صدی کا ربع اول	۱۳۷۳۵۹۸

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق مرشد آباد بلیس گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر — عبد الماجد

پتہ ۔ دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین ۔ مضامین کے بابت میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر بھیجیے :- مہتمم صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۳۹۱

نمبر ۱۱ | لکھنؤ ۔ ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ - اگست ۱۹۳۷ء | جلد ۳

سچی باتیں

"مسلمان اب کیا کریں"؟ سوال ہے، جو ہر زبان پر ہے — لیکن سوال ابھی ختم نہیں ہوا، مطالبہ بھی پوچھ لیا جاتا ہے، کہ مسلم لیگ میں شریک ہوں یا کانگریس میں"؟ گویا اب سوال اپنی مطلق صورت میں نہ رہا، بلکہ سائل نے خود اپنی طرف سے قید لگا دی، کہ راہیں تو صرف دو ہی ہیں، ایک راہ مسلم لیگ کی، دوسری کانگریس کی، اب مسلمان اپنے فلاح کے لیے ان دو میں سے کونسا راستہ اختیار کریں؟ علاج و تدبیر کا حصر ان دو ہی صورتوں میں رہ گیا ہے اصل میں سے انتخاب کس کا کیا جائے؟ ——— یہ ہے ذہنیت، پست و بلند ہمارے سارے طبقوں کی، اور یہ ہے محور فکر ہمارے بڑے بڑے دانشمند بچہ دانوں کا، اور بڑے بڑے دانشوروں کا!

لیکن یہ مسلم لیگ ہے کیا چیز؟ مقاصد کیا رکھتی ہے، اور یہ کن لوگوں کے ہاتھ میں ہے؟ مقاصد یہ ہیں، کہ مسلمانوں کا تناسب کم نہ ہو ملازمتوں میں گرنے نہ پائے، قانون ساز مجلسوں میں مسلم نمائندگی گھٹنے اور مٹنے نہ پائے، اور مسلم حقوق، غیر مسلم اکثریت کے ہاتھوں پامال نہ ہونے پائیں — اسکے لیڈر کبھی کبھی تقریریں کرلیا کرتے ہیں زیادہ تر انگریزی میں، اور صرف پڑھے لکھوں کے مجمع میں، اور کبھی کبھی منعقد کرکے تجویزیں پاس کر لیا کریں! ——— اسلامی نقطۂ نظر کی بس

یہی معراج کمال ہے؟ مسلمان کا نصب العین دنیا میں بس اسی قدر ہے، کہ کفر کی حکومت قاہرہ کے ماتحت رہنے اور جینے پر قانع ہو کر صرف چند جزوی مسائل میں کچھ رد و بدل کرلے؟ اور باقی زمانہ کی زد سے ہر طرح غافل و بے پروا ہو، ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا کرے؟ قرآن جس منزل کی طرف لے جانا چاہتا ہے، وہ اسی وضع کی مجلس ہے، دس بیس برس میں نہ سہی ہزار پانسو برس کی مدت میں بھی پہونچ سکتی ہے؟ رسول کریمؐ کا اُسوہ اسی محکومی کی زندگی پر قانع رہنے کی تعلیم دیتا ہے؟

پھر کیا بلا تامل کانگریس کے اکھاڑے میں کود پڑنا چاہیے؟ اور آزادی کامل کے نظر فریب تخیل میں مبتلا ہوکر "بھارت ماتا کی جے" ملقوم کی پوری قوت کے ساتھ پکارنے لگنا چاہیے؟ ——— کیا یہ اسلام کے نصب العین سے کسی درجہ میں بھی مطابق ہے؟ مسلم لیگ بھی اصل معیار سے لاکھ پست سہی لیکن بہرحال اُسے ایک لگاؤ تو اسلام کے ساتھ ہے، نام کا تعلق تو اسلام کے ساتھ ہے، "چند عہدے اور چند نشستیں" بہرحال اسلام کے نام لیواؤں کے ساتھ کچھ تو نسبت رکھتی ہیں، یہ تو نہیں، کہ اپنے اسلام پر فخر کرنا جرم ہو، اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنا ممنوع ہو، "دیوی" اور "دیوتا" کی پوجا کے آگے، دین کا اور آخرت کا نام لینا ہی ایک فرسودہ مضحکہ ہو! اور جن مجمعوں میں خدائے واحد کا نام لینا دلیل دقیانوسیت و تاریک خیالی ہو، وہاں فوجی گردنیں صرف ایک وقت بلند ہوں، جب وطن کے بُت کی پوجا شروع ہو جائے! شعار اسلام سب ایک ایک قابل مضحکہ، لیکن پرستش کی ایک چیز پر سر جھکانا عین عقلیت و روشن خیالی اس لیے کہ اُس دیوی کا نام "قومی جھنڈا" ہے! قومی

وطنی خدمت مسلمان نے شروع کی تھی، تو اسے خدمت دین کا ایک زینہ سمجھ کر، یا خدانخواستہ وطن کو کوئی مستقل دیوی دیوتا مان کر؟ اسلام اس قبیل کے سارے مشرکانہ اوہام و رسوم کی بیخکنی کرنے آیا تھا یا اور اس شجرِ شرک کی آبیاری کرنے؟ ——— اسلام کے، اور اس نصب العین کے درمیان، مصالحت و مطابقت کی کوئی صورت ممکن ہے؟

فہم سلیم کی بازگشت

"اتا ترک" مصطفےٰ کمال کی ایک تقریر کا اقتباس :—

"ہمارے نادان عرب بھائی جو سلطنت پرست یورپ کے دامِ تزویر میں گرفتار رہے، ہم کو لا مذہب کہتے ہیں اور جمعیت مذہبی سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن تقسیم فلسطین سے عرب کے سینے پر جو زخم ڈالا گیا ہے، اسکی بےچینی ہمارا دل محسوس کرتا ہے اتنا اسکندرونہ اور انطاکیہ کے عربوں کا دل محسوس نہیں کرتا۔ ہم دنیا کے عربوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ترک اپنے قبلۂ اول کو کبھی سلطنت یورپ کا بازیچہ نہیں بننے دینگے۔ اور اپنے پیغمبر کے اس فرمان کو کبھی نہ بھولیں گے کہ عرب میں صرف اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کو اس پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم اب تک اس وجہ سے خاموش تھے کہ ہم میں تاب مقاومت نہ تھی۔ لیکن اب ہم خدا کے فضل سے یہ اعلان کرنے کے قابل ہو گئے ہیں کہ اگر ارض مقدس پر دست درازی کی گئی تو ساری دنیائے اسلام بھڑک اٹھیگی اور ترک کبھی اس بات کے روادار نہ ہونگے، کہ اپنے قبلۂ اول کو اجانب کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں۔"

یہ ترجمہ خلافت میں ایک ترکی اخبار کے حوالہ سے نکلا ہے۔ یقین نہیں کہتا، کہ صحیح ہو۔ اگر صحیح ہے، تو

کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ !

کی تفسیر اس سے زیادہ صحیح اور کیا ہوگی؟ رسول اللہ صلعم کی وصیت اب یاد پڑی! دنیائے اسلام کی فکر اب پیدا ہوئی؟ حالانکہ وحدت اسلامی پر، عالم اسلام کی مرکزیت پر سب سے بڑی ضرب کاری، خلافت اسلامیہ توڑ کر، آپ ہی نے ۱۹۲۴ء میں لگائی تھی! ——— ایسی ضرب جسکی کوئی مثال تیرہ سو سال کی تاریخ میں تو ملتی نہیں! ——— خیر، غنیمت ہے کہ وطنیت کے ابتلاء میں اسلامیت کے جذبات اب بھی زندہ ہیں!

صحت اور روزہ

مسٹر دب ملر، نمائندہ یونائیٹڈ پریس کا مسولینی کے متعلق بیان :—

"... مسولینی کے نزدیک بیماری کا اصل علاج فاقہ ہے۔ اس نے کہا کہ میری طبیعت جہاں ذرا خراب ہوئی، اور بیماری کی آمد مجھے معلوم ہوئی، بس میں کم از کم ۲۴ گھنٹے کے لیے فاقہ کر لیتا ہوں۔ اور بالکل تندرست رہتا ہوں۔"

بیماری ہی قوم اور بیماری کے جو دانشمند افراد، روزہ کے نام سے دہشت کھاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ روزہ انھیں ضعیف و مضمحل، اور انکی جان کو ہلکان کر دیگا، یورپ کے اس صاحب عزم انسان کا تجربہ سن رہے ہیں؟ روحانی اسرار و اخلاقی مصالح سے قطع نظر کیجیے، محض طبی و جسمانی حیثیت سے بھی روزہ کوئی معمولی نعمت ہے؟

گاندھی جی کی دقیانوسیت

کانگریسی وزیروں اور کانگریسی ارکان اسمبلی و کونسل کے لیے گاندھی جی کا ایک درس ہدایت :—

"میں آپکے سامنے (معاشرت کی سادگی میں) ابوبکر و عمر کی مثالیں پیش کرونگا۔ رام اور کرشن عہد قبل تاریخ کے نام ہیں، اسلیے انکی مثالیں جانے دیجیے۔ پرتاپ اور سیواجی کی انتہائی سادگی بھی تاریخ کو مسلّم ہے، البتہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ حصول اقتدار کے بعد انھوں نے کیا کیا۔ لیکن خلیفہ ابوبکر و عمر کے باب میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ دنیا کی دولت انکے قدموں میں تھی۔ لیکن انھوں نے جیسی جفاکشی کی زندگی بسر کی، اسکی مثال صفحات تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ حضرت عمر کبھی یہ گوارا نہ تھا کہ دور دراز کے صوبوں میں انکے گورنر، موٹے آٹے اور موٹے کپڑے کے کچھ استعمال کریں۔"

گاندھی جی کی پیرانہ سالی پر رحم آتا ہے۔ ۱۹۳۷ء میں اب ملک و ہندوستان کا خواب دیکھے چلے جاتے ہیں، اور جواہرلال کے ہندوستان کو اپنا ہندوستان، اور محمد علی شوکت علی کا، اجمل خاں کا، اور اس کا ہندوستان سمجھے جا رہے ہیں، جو مزے اور اطمینان کے ساتھ اس بیسویں صدی کے سامنے ساتویں صدی کے نمونے پیش کر رہے ہیں! کیا وہ چاہتے ہیں، کہ دنیا پھر "قرونِ وسطیٰ" اور "قرونِ مظلمہ" کی طرف لوٹ جائے؟ انکی خرافتِ عقل کی انتہا ہے کہ، جو نام اب بڑے بڑے مذہبی مسلمان بھی کانگریس کے جلسوں میں زبان پر لانے کی ہمت نہیں کرتے، انھیں وہ غیر مسلم ہو کر بے تکلف پیش کر رہے ہیں! لینن اور ٹراٹسکی کی اور اسٹالن کی اور کارل مارکس کی، اور "حریتِ فکر" کی، اور "انقلاب زندہ باد" کی توہین اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے؟ ——— حیرت اس پر ہے کہ اس صدائے بےہنگام پر ایک شدید احتجاج کانگریس نے کیوں نہ کیا!

اصولوں کی بے اصولی

الٰہ آباد کے پاس یہ چار کا جو کام آل انڈیا اسپنرز ایسوسی ایشن سترہ سال سے کر رہی ہے، گاندھی جی نے اپنے پرچہ ہریجن میں ہر ہر صوبہ سے متعلق اسکے تازہ ترین اعداد حال میں شائع کیے ہیں۔

مسلمانوں سے متعلق خلاصہ حسب ذیل ہے :—

		کل	مسلمان
سوت کاتنے والے	ہندوستان میں	۸۴۰۵۲	۲۵۸۱۹
تھان بُننے والے	"	۶۰۴۲	۱۸۹۳
روئی دُھننے والے	"	۱۰۶۶	۷۲۵
میزان		۹۲۱۶۰	۲۸۴۳۶

گویا کل میں سے ایک تہائی سے زائد مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کا یہ تناسب

بھی اگرچہ توقع سے کم ہے، اور دوئی و مغنے کی حرکت تو تمامتر انھیں کے ذمہ ہیں ہونا چاہیے تھی، پھر بھی حالات موجودہ کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہے۔ روزنامہ اجمل (بمبئی) کے (جو کانگریسی مسلمان اخبارات میں سب سے زیادہ شریف اور سلجھا ہوا اخبار ہے) ایڈیٹر صاحب نے گاندھی کی ایک زبانی گفتگو کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے، کہ

"مشرقی بنگال کے دیہاتوں میں کئی کئی میل کے فاصلے سے غریب مسلمان کاشتکار مرد اور بہت سی عورتیں خاص کر غریب بیگمیں بیوہ ایمیں، ایسوسی ایشن کے کارکنوں کے پاس آتی ہیں، اُن سے روئی لے جاتی ہیں، اور اپنا کاتا ہوا سوت اُنکے ہاتھ مقررہ نرخ پر فروخت کر کے اپنا گزارہ کرتی ہیں"۔

مسلمان، جن امور میں کانگریس یا اُس کے متعلقات سے آسانی اشتراک عمل کر سکتے ہیں، اُن میں سے ایک، کھادی کی ترویج بھی ہے۔ جو اختلافات ہیں، اُنھیں مفید و مشترک امور کی راہ میں حائل نہ ہو جانا چاہیے۔

بوڑھے لیڈروں کی نوجوان لیڈری

جھانسی کے مشہور انتخاب اسمبلی کے سلسلہ میں جس میں کانگریس کو غیر معمولی اہتمام و کاوش کے بعد بھی ناکامی ہوئی، خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر لکھتے ہیں:-

"علاوہ اُن اسباب کے جو مسٹر رفیع الدین کی کامیابی کے ہیں .... ایک واقعہ ہم کو بند لکھنؤ سے آنیوالے اشخاص کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا شوکت علی صاحب نے جابجا جا کر لوگوں کو نصیحت کی کہ جو جلسہ کانگریس کے امیدوار کی تائید میں ہو، اُس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو، اور مسٹر نثار احمد کے ورکروں کی کوئی بات نہ سُنے، کیونکہ اُنکے جلسوں میں شریک ہونے سے یا اُنکے ورکروں کی بات سُننے سے اسلام خطرہ میں پڑ جائیگا۔ چنانچہ مولانا کی اس نصیحت کی وجہ سے لوگ بڑے بڑے جید علماء کی تقریریں سُننے کو نہ آئے"۔

سُننے میں اب تک تو یہ آرہا تھا، کہ خلافت والوں کا اب اثر ہی کیا باقی رہا ہے، اور شوکت علی غریب کو پوچھتا کون ہے۔ آج یہ علم مولوی بشیر الدین صاحب جیسے ثقہ بزرگ کی بالواسطہ شہادت سے ہوا، کہ شوکت علی کی لیڈری ابھی مُردہ .... نہیں ہوئی، زندہ ہے۔ چنانچہ محض اُنکے اتنا فرما دینے سے کہ فریق مقابل کے جلسوں میں شرکت نہ کرو، مسلمان "بڑے بڑے جید علماء کی تقریریں سُننے" سے انکار کر دیتے ہیں!

بوڑھے لیڈر کو، لیڈری کی نوجوانی مبارک ہو!

اصولوں کی بے اصولی!

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے اسم گرامی کے ساتھ کچھ روز سے لکھا جا رہا ہے "ممبران پارلیمنٹری بورڈ آف مسلم منسٹرز یعنی کانگریس نے مختلف صوبوں میں وزراء کی نگرانی کے لیے تین ممبروں کا جو بورڈ قائم کیا ہے، اُسکے ایک رکن مولانا بھی ہیں، اور مولانا کا کام مسلم وزراء کے انتخاب میں مشورہ دینا، اُنکے کام کی نگرانی کرنا وغیرہ ہے۔ سوال اس تقرر سے متعلق نہیں، مولانا کی اہلیت سے متعلق ماننا نہیں، سوال صرف اتنا ہے کہ "مسلم" وزراء کے لیے ایک "مسلم" ممبر کا تقرر، کانگریس کے موجودہ دور میں کیا معنی رکھتا ہے؟ مولانا اگر نگرانی فرما سکتے ہیں، تو مسلم و غیر مسلم سب ہی وزراء کی۔ یہ مخصوص مسلمانوں کے لیے ایک مسلمان کا تقرر، کیا اصلاً، وہی صاف و صریح "قابل صد نفرت و موجب ہزار لعنت" فرقہ واریت نہیں؟ چہ کفر از کعبہ الخ

راس مسعود مرحوم

ملک میں یہ خبر یقیناً حسرت و تاسف کے ساتھ سنی گئی ہوگی، کہ سر سید کے پوتے، اور جسٹس سید محمود کے اکلوتے لڑکے، سر سید راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر) نے، ۳۰۔ جولائی، جمعہ کو انتقال فرمایا۔ بلحاظ سن کہنا چاہیے کہ جوان ہی تھے، یعنی پچاس سال کے اندر ہی تھے۔ دیکھنے میں تنومند و شکیل، توانا و تندرست تھے، لیکن خانگی زندگی کے بعض غم کئی سال سے اندر ہی اندر گھلائے ہوئے رہے تھے، اور حیرت اس پر ہے کہ اب تک کیونکر چلے۔ ابتدائی تعلیم اور نشو و نما، ماریسن صاحب کی نگرانی و تربیت میں بالکل انگریزی ماحول میں ہوا، اور مدتوں قیام یورپ ہی میں رہا۔ لیکن اسکے باوجود دماغ مشرقی رہا، اور دل اسلامی۔ بیرسٹر تھے، لیکن بیرسٹری کبھی نہیں کی۔ ولایت سے لوٹتے ہی صوبہ بہار میں پہلے ہیڈ ماسٹر ہوئے، پھر کالج کے پروفیسر اسکے بعد کئی سال تک مملکت آصفیہ میں ڈائرکٹر (ناظم تعلیمات)۔ وہاں سے آئے تو موروثی عہدہ، علیگڈھ یونیورسٹی کی وائس چانسلری پر فائز ہوئے۔ خانگی زندگی کی تلخیوں میں یہاں کے افسوسناک حالات نے اور اضافہ کر دیا۔ آخر خود علیحدہ ہو گئے۔ اسوقت ریاست بھوپال میں وزیر تعلیمات تھے۔ بوڑھی والدہ ماجدہ، معذور و نابینا، صدمہ پر صدمہ، زخم پر زخم کے ذریعہ سے اپنے مراتب بڑھانے کے لیے زندہ رکھی گئی ہیں۔ دن جمعہ کا پایا۔ مغفرت کی یہی دلیل کافی ہے۔ تدفین مسلم یونیورسٹی کی مشہور و عظیم الشان مسجد کے بازو میں، سر سید کی تربت کے قریب ہوئی۔ موت اگر کسی معنی میں "بے وقت" کہی جا سکتی ہے، تو شاید ایسے ہی موقع پر کہنا صحیح ہو۔ تعزیت، مرحوم کے خاندان سے نہیں، غم نصیب قوم سے کرنا ہے۔ اللہ ہی نعم البدل نصیب کرے۔

نئی کتابیں

۱- **النبی الخاتم** - از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ صفحات ۱۷۱- قیمت ۸/ پتہ، مکتبۂ علمیہ - چار مینار حیدرآباد دکن۔
مولانا گیلانی کے قلم کا، سچ اور صدق کے ناظرین کا تعارف کرانا،

سورج کو چراغ سے دکھانا!

سیرت نبوی پر اردو میں، بڑی اور چھوٹی اور متوسط، ہر قسم کی کتابوں کا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ لیکن مولانا کا موضوع، سادہ واقعات سیرت کو جمع کر دینا نہیں، بلکہ ایک خاص انداز و ترتیب کے ساتھ ان پر تبصرہ کرنا ہے۔ وہ مورخ یا سوانح نویس نہیں، ایک مبلغ و حکیم، واعظ و علیم، واعظ و خطیب، ہیں، اور ہر ہر واقعہ سے عجیب عجیب باریک نتائج نکالتے، اور لطیف نکتے پیدا کرتے چلے گئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یقیناً یہ کتاب کسی دوسری کتاب کی حریف نہیں، اور نہ اس رنگ کا کوئی اور نمونہ اردو میں موجود ہے۔ اور پھر طرز انشا تو مصنف کا سب سے الگ، معلوم و مسلم ہی ہے۔ ذیل میں ایک مثال کی مدد سے اس حقیقت کو واضح صورت میں دیکھیے۔
ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب جیسے شفیق چچا کا سنہ وفات ایک ہی ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلعم کے کس قدر معین و معاون رہتے تھے، اور اس بنا پر انکا دنیا سے اٹھ جانا، اُس ہجوم اعداء کے زمانہ میں یقیناً ایک سخت حادثہ تھا۔ اس تاریخی واقعہ کا جلوہ اس آئینہ میں ملاحظہ ہو:-

"جنکو بار بار اپنی آنکھیں کھولنے کے لیے کہا جاتا تھا، بظاہر انکی تکذیب میں ابتری پیدا ہوئی، لیکن بباطن انکی تفتیش نے اس دعوے نے اور تندی پیدا کردی، اور اپنے انتہائی راہوں میں وہ ایسی باتیں سوچنے لگے، جسکے بعد پھر کچھ نہیں سوچا جاتا۔

وہ ادھر اپنے آخری منصوبے بنا رہے تھے کہ دستور کے ساتھ اس بندھی ہوئی دنیا میں اُن دو آدمیوں کا وقت ختم ہو گیا۔

جو جا بجا رہا، ہاتھ ان کے لیے یہ واقعہ کے اعتبار سے کچھ نہ ہوں، لیکن عام بشری قانون کے لحاظ سے ان کو بہت کچھ سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شک کرتے تھے کہنے کے تھت بھی دونوں تھام لیتے ہیں۔ ٹوٹنے کے وقت بھی یہی دونوں ڈھارس باندھ دیتے ہیں۔

الغرض حضرت ابوطالب بھی چل بسے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون، دنیا کی ایمان والیوں کی پیشوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنا کام پورا کرکے چھوڑ دیا۔ امتحان کے میدان میں تنہا چھوڑ دیا تاکہ تسلی کے الزام کا یہ شوشہ کٹ جائے، مٹ جائے، اور وہ کٹ گیا، مٹ گیا۔ لیکن امتحان دینے والا امتحان کے میدان میں اسی طرح ڈٹا ہوا تھا، اور اس

تمام حالات کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا، جو اس پر گزر رہے تھے، گزارے جا رہے تھے۔

لیکن کب تک؟ حبشہ والے حبشہ میں تھے، دنیا والے آخرت میں۔ مکہ والوں کے پاس امتحانی مدت کے دس سال سے زیادہ گزر چکے تھے۔ جانچ کی کون سی شکل تھی، جو باقی رہ گئی تھی بجز ایک منصوبہ کے جو آخری منصوبہ تھا۔" (صفحہ ۹۸)

علم و تحقیق کے ساتھ انداز بیان کا سلیقہ شاذ و نادر ہی کہیں جمع ہو پایا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ صاحب قلم، جسکے قلم کو یہ دونوں دولتیں ایک ہی وقت میں میسر آجائیں۔ ایک اقتباس اور ملاحظہ ہو۔ یہ ہجرت حبشہ کی تمہید ہے:

"چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں، جن میں وہ پناہ لیتی ہیں۔ اور سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں، جن میں وہ چھپ کر پیچھا کرنے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں۔ لیکن دعوے کے زور کو توڑنے کے لیے ستم کے جو پہاڑ جن غریبوں پر توڑے جا رہے تھے، اُنکے پاس تو وہ بھی نہ تھا۔ ان میں بڑی تعداد اُن غلاموں کی تھی، جنکا نہ اپنا گھر ہوتا ہے نہ در۔ یا ایسے تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جس پر سہارا دینے والے ہی سہاروں کے ختم کرنے کے درپے ہو جائیں، تو اب اسکے لیے پناہ کہاں ہے؟ اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ عرب کے اس خطہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین کسی اور جگہ اپنے سجدوں کے لیے جگہ پیدا کریں۔ اُف! کہ انکی پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین پر زمین کا اتنا ٹکڑا بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی پیشانی کو اپنے خدا کے آگے رکھ سکیں۔" (صفحہ ۶۴-۶۵)

کتاب کا بہت سا حصہ صفحات صدق میں النبی الخاتم ہی کے عنوان سے نکل بھی چکا ہے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن قریشی صاحب نے خطبۂ سیرت کی حیثیت سے شائع کیا تھا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے، جو ہر حیثیت سے مکمل ہو کر نکلا ہے۔ اغلاط طبع سے یہ بھی محفوظ نہیں، لیکن کتابت و طباعت روشن و خوشنما ہے۔

کتاب عوام کے کام کی نہیں۔ البتہ اہل نظر سے امید ہے کہ پوری قدر شناسی کا ثبوت دینگے۔ کتاب کا ابتدائی حصہ جسمیں بعثت محمدی کی پیشین گوئیاں، کتب سابقہ سے درج ہیں، جسقدر قابل قدر ہے، اسی قدر احتیاط سے پڑھنے کے قابل بھی ہے۔

(۲) **مقالات شبلی** (تاریخی و حصہ دوم) جلد ششم - از مولانا شبلی نعمانی مرحوم - صفحات ۲۴۰ - تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت درج نہیں۔ غالباً ۸ر ہو۔ پتہ دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

مولانا شبلی مرحوم کے مجموعۂ مضامین و مقالات کی طبع و اشاعت کا جو سلسلہ کئی سال سے قائم ہے، یہ اُس کی چھٹی جلد ہے۔ جلد اول مذہبی تھی، جلد دوم ادبی، جلد سوم تعلیمی، جلد چہارم تنقیدی، جلد پنجم تاریخی۔ اور تاریخی مضامین چونکہ بڑی کثرت سے تھے، اس لیے ایک جلد میں نہ سما سکے اور یہ جلد ششم بھی تاریخی ہی رکھنی پڑی۔ مولانا کے بعض تاریخی مضامین کی اپنے زمانہ میں بہت زیادہ شہرت رہی تھی، اور بعض ان میں سے مبسوط و فاضلانہ

ہیں۔ وہ اسی جلد کے حصہ میں پڑے ہیں، مثلاً تراجم (جو ... صفحوں پر آئے ہے) اور کتب خانۂ سکندریہ [illegible] کے علاوہ پانچ مضمون اور بھی ہیں:

۳۔ اسلامی کتب خانے
۴۔ اسلامی شفا خانے۔
۵۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر۔
۶۔ مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور ہندو بھائیوں کی [illegible]
۷۔ کیکاؤس اور بسلرن۔

مضامین سب اپنی اپنی جگہ پر دلچسپ ہیں۔ [illegible] مولانا کا قلم [illegible] کوئی ترتیب قائم نہیں [illegible] نقلی۔ جس مضمون کو [illegible] دور کا ہے۔

جیسا کہ کئی بار مولانا کی تصانیف کے تعارف و تبصرہ کی صفحوں میں ان صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے، جوشِ بیانی میں مولانا کے اس عقائد میں ذرا سستی آ جاتی ہے۔ اسکی مثال اس مجموعہ میں بھی جا بجا موجود ہیں، مثلاً رسول اللہ صلعم کے لیے باذن [illegible] الفاظ (ص ۲۳۳ آخری سطر) یا مثلاً اس قسم کے خیالات:

"قرن اول کے مسلمانوں نے جب موقع اور ضرورت ہوئی تو معاشرت اور تمدن کے متعلق بے تکلف غیر قوموں کے امور اور آئین اختیار کیے۔" (ص ...)

"اور دوں کا تو کیا ذکر ہے، خود شارع علیہ السلام نے غیر قوموں کی بہت سی باتیں پسند فرمائیں اور اختیار کیں۔" (ص ...)

یہ چیزیں بجائے خود غلط نہیں، لیکن [illegible] غلط فہمیوں کا سبب ہو [illegible] موقع پر دیدیے جائیں تو [illegible] اصلاح ہو سکتی ہے۔ [illegible] ہے، جو سلسلۂ مقالات کی تقریباً ہر جلد پر [illegible] دار المصنفین سے کرانی پڑی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے [illegible] نہیں آیا ہے۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی [illegible] اہلِ ذوق [illegible] سے کسی ذوق، لکھنے والے کو [illegible] سے خالی نہ رہے۔

(۳) **یادِ رفتگاں** ۔ از مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے [illegible] تقطیع ۱۲۰ صفحہ [illegible] جلد [illegible] پتہ: انجمن [illegible] الاسلام گوجرانوالہ (پنجاب)

[illegible] کی اکیسویں سالگرہ [illegible] کا ایک شہرت [illegible] اردو خوانوں میں بھی مشہور ہے۔ [illegible] ہوا تو انجمن رفیق الاسلام گوجرانوالہ (پنجاب) [illegible] کام دے سکتی ہیں۔ [illegible] جب سے [illegible] اسی سلسلہ کا پہلا رسالہ [illegible] اول حضرت [illegible]

ہو سکے تو بہتر ہے۔

نئے مطبوعات میں [illegible] ایک پیش [illegible] ... [illegible] مضمون یہ ہماری [illegible] سب کے لیے ہے۔ لڑکوں کے نوجوانوں [illegible] شامل رہنا چاہیے۔ شروع میں اگر فہرست مطالب [illegible] تو [illegible]

[illegible] کہ بڑی ضرورت [illegible] اور [illegible]

(۴) **فصل الخطاب** ۔ از جناب [illegible] شاہ خاں صاحب نجیب آبادی۔ ضخامت ۱۱۲ صفحہ تقطیع ۲۰×۲۶۔ قیمت مجلد ۱۰ر غیر مجلد ۸ر پتہ: مینجر صاحب رسالہ عبرت، نجیب آباد (یوپی)

رسالہ کا دوسرا اور تاریخی نام "اشاعت امیری اطاعت قرآن مجید کامل [illegible]" ہے۔ [illegible] رسالہ [illegible] میں تقسیم ہے [illegible] کی تاکید اگرچہ قرآن مجید میں [illegible] بلکہ صرف قرآن [illegible] کے تحت [illegible] ہے۔ مسلمان حقیقی صرف ذات حق ہے [illegible] کے مخالف [illegible] کی حیثیت سے [illegible] اس کی اطاعت [illegible] رسالہ کا [illegible] کلام [illegible] حقیقت ہے [illegible] تفسیر [illegible] کی گنجائش [illegible] مسائل [illegible] کے تعلق سے [illegible] کا کام [illegible] ایک عنوان [illegible] شرارت [illegible] کی یہ [illegible] ایک ایسا گروہ مسلمانوں میں پیدا ہوگیا "جنے بجائے [illegible]" نامی قرآن اور قرآن [illegible] اس نئے اسلام کی حقیقت [illegible] پیغمبر اسلام کو مسلمانوں [illegible] کرو [illegible] مسلمانوں کو اسلام ہی سے برگشتگی و بغاوت اختیار کرنے کی ترغیب [illegible] اور [illegible] آگے جو لکھا ہے [illegible] فتنہ کی نہایت صحیح تعبیر ہے۔

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] تنہا قرآن مجید [illegible]

[illegible] قرآن مجید [illegible]

من گھڑت باتوں کو حکم قرآنی کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرنا اور اپنی خواہشات ردیہ کو پورا کرنا چاہتے ہیں ۔ (ص ۱۰۳)

"مومن کا نصب العین دنیوی بادشاہت نہیں ہو سکتی ۔ مومن کا نصب العین اس سے بہت زیادہ بلند ہے ۔ جس شخص نے رضائے الٰہی اور خدمتِ خلق کا مراق کو فراموش کر کے صرف دنیوی بادشاہت ہی اپنا مقصود اصلی اور نصب العین قرار دے لیا، اس سے زیادہ بدبخت اور نامراد اور کون ہو سکتا ہے؟ دنیوی بادشاہت کا تعلق مشیت الٰہی سے ہے۔" (ص ۱۰۵)

صدق کی حقیر دانست میں دعوت کا یہی خلاصہ تمام تر یہی ہے ۔ مصنف فضل اللہ ماشاء اللہ ایک پرجوش و مخلص اہل قلم ہیں ۔ اگر وہ اپنے انھیں خیالات کی تبلیغ اسی سرگرمی سے فرماتے رہیں تو یہ ایک اہم خدمت دین ہوگی، اور انکی اخلاص مندی و جوش کی بنا پر توقع ہے کہ اسے حسن قبول بھی عطا ہو ۔

(۵) **اسلامی طب** ۔ از ابن مظہر قاضی معین الدین رہبر صاحب فاروقی ۲۰۷ صفحے ۔ مجلد ۔ قیمت درج نہیں ۔ پتہ ۔ حسن پنتا اوس، عابد شاپ، افضل گنج بازار ۔ حیدرآباد دکن ۔

طب کی وہ شاخ جسے عموماً طب یونانی کہا جاتا ہے، اپنی موجودہ صورت میں بڑی حد تک مسلمان سلاطین و امراء ہی کی سرپرستیوں کی ممنون کرم ہے ۔ زیر نظر کتاب اسی فن کی ایک مختصر لیکن دلچسپ داستان ہے حصہ اول میں جو ص ۹۵ تک آیا ہے، بیرون ہند کے قدیم ماہرین طب کے تذکرے ہیں، پھر ص ۹۵ سے ص ۱۲۵ تک "طب شمالی ہند میں" ہے ۔ آخری عنوان "طب دکن میں" ہے جو ص ۱۲۶ سے آخر کتاب ص ۲۰۷ تک چلا گیا ہے ۔

تفصیلی رائے تو کوئی صاحب فن ہی دے سکتا ہے، لیکن اس قدر کتاب کی سرسری ورق گردانی سے ایک عامی کو بھی نظر آجاتا ہے کہ کتاب بہت دلچسپ ہے ۔ اور مصنف کو باوجود نومشق ہونے کے اچھا خاصہ سلیقۂ تحریر حاصل ہے ۔ عبارت شگفتہ و متین ہے، اور ترتیب درست و مناسب ۔ دائرہ تلاش و تفحص بھی وسیع ہے ۔ کہیں کہیں کوئی لفظ محتاج تصحیح ہے مثلاً ص ۱۲ پر ایک آیت قرآنی کے لئے "جبروتی فرمان" یا ص ۳ پر حضرت آدم کے نام کے ساتھ "علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام" بغیر حاشیہ سے قبل واو عطف کے، لیکن اس قسم کی فروگذاشتیں تو اچھے پختہ قلم اہل قلم سے بھی ہوتی رہتی ہیں ۔ کتاب صرف طلبۂ طب کے لیے نہیں، بلکہ عام لوگوں کے بھی کام کی ہے ۔

(۶) **دعوت عمل** ۔ از مولانا محمد محفوظ الرحمٰن صاحب ۔ ۲۰۰ صفحے قیمت درج نہیں ۔ پتہ، ناظم انجمن تبلیغ الاسلام ۔ نگرام ضلع لکھنؤ ۔

اس میں دشمنی و دشمنان اسلام، خصوصاً آریہ سماجیوں کی دسیسہ کاریوں کی مفصل تاریخ، انکی اصلی تحریروں اور انکی عملی کارروائیوں کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے ۔ کتاب کا مطالعہ اول سے آخر تک عبرت انگیز ہے ۔ لیکن بعض تصریحات اتنی گندی اور نفرت انگیز ہیں، کہ انھیں پڑھ کر ہر مسلمان کا خون جوش کھا کر رہ جائیگا ۔ اگر ایسے اقتباسات ناگزیر ہی تھے، تو انکی تردید بھی مفصل و شافی درج کرنی لازم تھی، سرسری جوابات ہرگز نہیں ۔ ہر آٹھ پیپ اور جاسکتی تھی ۔ انجمن تبلیغ الاسلام نگرام کے مفید قابل قدر

و قابل حوصلہ افزائی خدمات کا ذکر ہے ۔ دردمند حضرات ضرور اس روداد کو منگا کر پڑھیں، لیکن کتاب ہر شخص کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیں ۔ بعض امراض کی تفصیلات صرف اطباء کے سننے کے قابل ہوتی ہیں، دوسرے مریضوں پر انھیں سن کر کوئی اچھا اثر نہیں پڑ سکتا، بجز اسکے کہ اور زیادہ بیمار ہو جائیں ۔

اخبارات و رسائل

۱ ۔ **صراط مستقیم** (ہفتہ وار) نگراں مولوی ابو محمد مصلح صاحب ۔ چندہ سالانہ ... ۔ پتہ، منیجر "صراط مستقیم" شاہی مسجد، لاہور

مصلح صاحب متحرک عالمگیر تحریک قرآن مجید حیدرآباد دکن کا نام وسیع شہرت حاصل کیے ہوئے ہے ۔ موصوف اب کچھ عرصے لاہور آگئے ہیں ۔ اور اس اخبار ستان سے اپنا پیام اس جدید ہفتہ واری کی وساطت سے سنانا شروع کیا ہے ۔ تین نمبر ابتک نظر سے گزرے ہیں ۔ تینوں میں وہی قرآنیت کا جذبہ غالب ہے ۔ یہاں تک کہ پہلے صفحہ پر واقعات حاضرہ پر جو تبصرہ ہوتا ہے، اسکا عنوان بھی "دنیا قرآنی نظر سے" ہوتا ہے ۔ مضامین میں کانگریس کے لیڈروں پر بھی مذہبی نقطۂ نظر سے تنقید کی جرأت رکھتا ہے ۔ خدا کرے ہم باسمیٰ ثابت ہو، اور اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم پر چلنا اور چلانا نصیب کرے ۔

۲ ۔ **ہمدرد صحت** (دہلی) عورت نمبر ۔ ضخامت ۲۲۸ صفحے مع تصاویر ۔ ایڈیٹر حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی ۔ قیمت باختلاف کاغذ ۱۲ / ۱۰ ۔ "ہمدرد صحت" دہلی اشتہار میں لکھا گیا ہے کہ اس نمبر کو "عورتوں کی چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا کہنا زیادہ موزوں ہے" عبارت گو اشتہاری ہے، لیکن حقیقت سے کچھ ایسی دور نہیں ۔ رسالہ گیارہ ابواب میں منقسم ہے ۔

باب اول عنوان جنسی امتیازات پر ہے ۔ اسکے تحت میں ایک ہی مضمون ہے ۔
باب (۲) الامراض والعلاج ۔ اسمیں بلحاظ امراض ۶ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں متعدد مضامین ہیں ۔
باب (۳) جدید مباحث کے زیر عنوان دو ڈاکٹروں کے مضامین ہیں ۔
باب (۴) مجربات امراض نسواں، بہت مفصل و جامع ہے ۔
باب (۵) حفظ صحت نسوانی پر مختلف طبی و ڈاکٹری مضامین کا مجموعہ ہے ۔
باب (۶) امراض نسواں اور ویدک ۔ ہندی طب کے نقطۂ نظر سے مختلف مسائل کا بیان ہے ۔
باب (۷) کا عنوان مقالات ہے ۔
باب (۸) قدیم تمدنوں میں عورت کی معاشرتی حالت ۔ تقریباً تمامتر ادارہ ہی کا نتیجۂ فکر و تلاش ہے ۔
باب (۹) مختلف ممالک میں عورت کی موجودہ حیثیت کے بیان میں ہے ۔
باب (۱۰) کا عنوان عورت جمالیاتی نقطۂ نظر سے ہے ۔
باب (۱۱) نقل کے عنوان سے نکلا ہی، مگر سبق آموز نکاہی قسم کا ہے ۔

خالص فنی مباحث پر رائے تو صرف اہل فن ہی دے سکتے ہیں لیکن اتنی ضخامت اور اتنے مفید معلومات کو اس رسالے نام قیمت پر وقف عام کر دینا بہر صورت ایک اعجوبہ ہے ۔ باب (۸) پڑھ کر حیرت ہوگئی کہ ایک مشغول و پیشہ ور طبیب اتنی تلاش کے لیے وقت کہاں سے نکال سکا ۔ اور پھر یہ سلیقۂ تحریر باوجود بے مشقی کے کہاں سے آگیا؟ البتہ انگریزی کتابوں سے اخذ مطالب کرنے میں کہیں کہیں نقطۂ نظر بھی انگریزی ہو گیا ہے ۔ حصۂ ویدک میں حفظ صحت نسوانی کے زیر عنوان مضمون اس قابل ہے کہ زیادہ سے زیادہ اشاعت پا سکے ۔ صرف عورتوں ہی میں نہیں بلکہ مردوں میں بھی ۔ البتہ دوسرے حصے میں ایک فاضل طبیب کے قلم سے جو مضمون ہے، وہ کہانی کے پیرایہ میں جو تبصرہ ...

پردہ

(از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب۔ مدیر ترجمان القرآن۔ حیدرآباد دکن)
(بسلسلۂ صدق یکم ۱۰ اگست ۳۶ء)

۴۔ فعل اپنی ذات میں قبول و انفعال پر ایک فضیلت رکھتا ہے۔ یہ فضیلت عزت کے معنی میں نہیں ہے کہ انفعال اس کے مقابلہ میں ذلیل ہو بلکہ یہ فضیلت دراصل غلبہ اور قوت اور اثر کے معنی میں ہے۔ جو شے کسی دوسری شے پر فعل کرتی ہے وہ اسی وجہ سے کرتی ہے کہ وہ اُس پر غالب ہے، اس کے مقابلہ میں طاقتور ہے اور اُس پر اثر کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ اور جو شے اُس کے فعل کو قبول کرتی ہے اور اُس سے منفعل ہوتی ہے اس کے قبول و انفعال کی وجہ یہی ہے کہ وہ مغلوب ہے، اس کے مقابلہ میں کمزور ہے اور متاثر ہونے کی استعداد رکھتی ہے۔ جس طرح وقوع فعل کے لیے فاعل اور منفعل دونوں کا وجود یکساں ضروری ہے اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ فاعل میں غالبیت اور منفعل میں مغلوبیت اور قبول اثر کی استعداد ہو۔ کیونکہ اگر دونوں قوت میں یکساں ہوں اور کسی کو کسی پر غلبہ حاصل نہ ہو تو ان میں سے کوئی کسی کا اثر قبول نہ کریگا اور سرے سے فعل واقع ہی نہ ہوگا۔ اگر کپڑے میں بھی وہی سختی ہو جو سوئی میں ہے تو سینے کا فعل پورا نہ ہوگا۔ اگر زمین میں وہ نرمی نہ ہو جسکی وجہ سے وہ کدال اور ہل کا غلبہ قبول کرتی ہے تو زراعت اور تعمیر ناممکن ہے۔ غرض دنیا میں جتنے افعال واقع ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہو سکتا اگر فاعل کے مقابلہ میں منفعل نہ ہو اور منفعل میں فاعل کے اثر سے مغلوب ہونے کی صلاحیت نہ ہو۔ پس زوجین میں سے زوج فاعل کی طبیعت کا اقتضا یہی ہے کہ اُس میں غلبہ اور شدت اور تحکم ہو۔ جسکو مردانگی و رجولیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ فعلی پُرزے کی حیثیت سے اپنی خدمت بجا لانے کے لیے اسکا ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اسکے برعکس زوج منفعل کی فطرت انفعالیہ کا یہی اقتضا ہے کہ اس میں نرمی اور نزاکت اور لطافت اور تاثر ہو۔ جسے انوثت یا نسائیت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ زوجیت کے انفعالی پہلو میں یہی صفات اسکو کامیاب بنا سکتی ہیں۔ جو لوگ اس راز کو نہیں جانتے وہ یا تو فاعل کی فضیلت ذاتی کو عزت کا ہم معنی سمجھ کر منفعل کو بالذات ذلیل قرار دے بیٹھتے ہیں، یا سرے سے اس فضیلت کا انکار کرکے منفعل میں بھی وہی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو فاعل میں ہونی چاہئیں۔ لیکن جس انجنیئر نے ان دونوں پُرزوں کو بنایا ہے وہ انکو مشین میں اس طور پر نصب کرتا ہے کہ عزت میں دونوں یکساں اور ترمیت و حفاظت میں دونوں برابر مگر فعل و انفعال کی طبیعت جس غالبیت و مغلوبیت کی مقتضی ہے وہی ان میں پیدا ہوتا کہ وہ تزویج کے منشا کو پورا کرسکیں نہ یہ کہ دونوں ایسے پتھر بن جائیں جو ٹکرا تو سکتے ہیں مگر آپس میں کوئی امتزاج اور ترکیب قبول نہیں کر سکتے۔

یہ وہ اصول ہیں جو زوجیت کے ابتدائی مفہوم ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ محض ایک مادی وجود ہونے کی حیثیت سے عورت اور مرد کا زوج زوج ہونا ہی اس کا مقتضی ہے کہ انکے تعلقات میں یہ اصول مرعی رکھے جائیں۔ چنانچہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ فاطر السمٰوات والارض نے جو قانون معاشرت بنایا ہے اُس میں ان تینوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔

انسان کی حیوانی فطرت اور اُسکے مقتضیات

اب ایک قدم آگے بڑھیے۔ عورت اور مرد کا وجود محض ایک مادی وجود ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک حیوانی وجود بھی ہے۔ اس حیثیت سے انکا زوج زوج ہونا کس چیز کا مقتضی ہے؟ قرآن کہتا ہے:—

جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیه (الشوریٰ)	اللہ نے تمہارے لیے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے بھی جوڑے بنائے اس طریقہ سے وہ تم کو روئے زمین پر پھیلاتا ہے
نساؤکم حرث لکم (البقرہ۔ ۲۸)	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔

پہلی آیت میں انسان اور حیوان دونوں کے جوڑے بنانے کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا مشترک مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ انکے زوجی تعلق سے تناسل کا سلسلہ جاری ہو۔ دوسری آیت میں عام حیوانات سے الگ کرکے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انواع حیوانات میں اس خاص نوع کے زوجین میں کھیتی اور کسان کا سا تعلق ہے۔ یہ ایک حیاتی حقیقت ہے اور حیاتیات کے نقطۂ نظر سے بہترین تشبیہ جو عورت اور مرد کو دیجا سکتی ہے وہ یہی ہے۔ ان دونوں آیتوں سے تین مزید اصول حاصل ہوتے ہیں:—

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کی طرح انسان کے جوڑے بھی اس مقصد کے لیے بنائے ہیں کہ انکے صنفی تعلق سے انسانی نسل جاری ہو۔ یہ انسان کی حیوانی فطرت کا مقتضا ہے جسکی رعایت ضروری ہے۔ خدا نے نوع انسانی کو اسلیے پیدا نہیں کیا ہے کہ اُسکے چند افراد زمین پر اپنے نفس کی پرورش کریں اور ختم ہو جائیں۔ بلکہ اُسکا ارادہ ایک اجل معین تک اس نوع کو باقی رکھنے کا ہے اور اس نے انسان کی حیوانی فطرت میں صنفی میلان اسی لیے رکھا ہے کہ اسکے زوجین باہم ملیں اور خدا کی زمین کو آباد رکھنے کیلیے اپنی نسل جاری کریں۔ پس جو قانون خدا کی طرف سے ہوگا وہ صنفی میلان کو کچلنے اور فنا کر دینے والا نہیں ہو سکتا۔ اس سے نفرت اور کلی اجتناب کی تعلیم دینے والا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس میں لازماً ایسی گنجائش رکھی جائے گی کہ انسان اپنی فطرت کے اس اقتضا کو پورا کرسکے۔

۲۔ عورت اور مرد کو کھیتی اور کسان سے تشبیہ دے کر یہ بتایا گیا ہے...

(باقی نمبر ۱۹ [illegible])

قطبی گوڑہ کا قبرستان

(از جناب ہوش بلگرامی۔ حیدرآباد دکن)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ کو اس قبرستان میں بھی سواری مبارک حضرت … بیگم صاحبہ مرحومہ (مبارک محل) کے مزار پر دعائے قبور پڑھنے کے لیے رونق افروز ہوئی تھی جو کہ آغا مرزا جنگ کی دختر تھیں۔ جن کی رحلت ۲ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ کو ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی شہزادی ہیں جو آپ اشارۂ قدرت سے … کو پہنچ چکی تھیں اور جنکی "نسبت" اعلیٰحضرت مدظلہ نے اپنی … جنابہ دادو النساء بیگم صاحبہ کے بڑے صاحبزادے "نواب رشید نواز جنگ" سے قرار دی ہے۔

خیر۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس قبرستان میں حضرت سید شاہ … سیف الحق صاحبؒ کی بھی درگاہ ہے۔ جنکا زمانہ … بتایا جاتا ہے انھیں سے اس قبرستان کی آبادی شروع ہوئی۔ یہیں بعض مشاہیر بھی سو رہے ہیں جس میں ڈاکٹر … جنگ مرحوم کی مغربی مذاقی ٹھنڈی سانسیں لے رہی ہے۔ یہیں مرزا ہادی خاں کوکب "مردم شماری" کر رہے ہیں۔ یہیں سید امیر حسن صاحب مرحوم تعلقدار "آیات بینات" کا جواب اپنے حقیقی بھائی (نواب محسن الملک مرحوم) کو سنا رہے ہیں۔ یہیں امجد صاحب مرحوم نوحہ خوانی کر رہے ہیں۔ یہیں فاطمہ بیگم صاحبہ مرحومہ (والدہ نواب زین یار جنگ) اپنی خانہ داری کی خوش سلیقگیوں کا درس لے رہی ہیں۔ اور نسوانی تہذیب کا بہترین نمونہ بنی ہوئی ہیں۔ یہیں سعیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ (اہلیہ سید علی صاحب بلگرامی) بھی اپنے تینوں فرزندوں کو سینے سے لگائے ہوئے سو رہی ہیں۔ یہیں نواب عماد الملک مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی (طیبہ بیگم صاحبہ اہلیہ نواب خدیو جنگ مرحوم) اسلامی شرم و حیا کے ساتھ نقاب پوش ہیں۔ اسی کی جانب شرق ایک چبوترہ پر نواب آغا یار جنگ کی اہلیہ محترمہ (والدہ سلطان یار جنگ) اور انکے چھوٹے بیٹے (برادر کوچک سلطان یار جنگ) اپنی ماں کے آغوش میں لیٹے ہوئے فردوسی افسانے سن رہے ہیں۔ غرضکہ کن کن کو گناؤں۔ نہ معلوم کون کون قبر کے گوشہ میں دنیا سے بے خبر پڑے ہیں۔ یوں تو ان میں سے ہر ایک کی زندگی اپنی اپنی جگہ اخلاق اور انسانیت سے بھرپور تھی لیکن طیبہ بیگم صاحبہ کے مزار پر نظر پڑتے ہی میری آنکھیں خود بخود جھک گئیں اور تصور کے عالم میں کیا دیکھتا ہوں کہ انکے گرد پردہ پوش مخدرات کا کافی مجمع ہے جنکے پاک جسموں پر نورانی لباس تھے اور جنکے باعصمت چہروں پر اسلامی نقاب پڑے ہوئے تھے۔ میں ایک لمحہ ذرا اسطرف ٹھہر گیا اور کسی قدر بلند آواز سے عرض کیا کہ میں نواب عماد الملک بلگرامی کی اکلوتی اور چہیتی صاحبزادی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اسپر آواز آئی کہ کیا سننا چاہتے ہو کہو۔ میں نے اپنی رقت کو ضبط کر کے عرض کیا کہ ہماری دنیا میں آپ کی زندگی سراسر خیر و برکت تھی اور یہ آپ ہی کی "طیب" زندگی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے … دنیا میں گویا زندگی گزار رہے ہیں اور ملک و ملت کے … خادم بنے ہوئے ہیں اور آپ کی بیٹیاں بھی اپنے اپنے شوہروں کی زندگیوں کو قابل رشک بنائے ہوئے ہیں لہذا میری یہ خواہش ہے کہ آپ کے ان پاکیزہ خیالات کو سنوں جنکے سایہ میں آپ کی "دنیا" گزری ہے اور جو اب آپ کے نسوانی طبقہ کی رہبری کر سکیں۔ کیونکہ عہد موجودہ میں تو خدا کی بیٹیاں "سینما" میں جا کر بھی کوئی سبق آیندہ کیلیے دے نہ سکیں … کے ریشمی … "ناچ" (یعنی غیرت و رقص) کرنا بند کر سکیں۔ بلکہ … شوہروں سے کرانے میں شرم و لحاظ نہیں کرتیں اور ہر قسم کے بناؤ سنگار میں صبح سے شام تک مصروف رہا کرتی ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ خانہ داری و پرورش اطفال چولہے میں جائے یا بھاڑ میں، انکی بلا جانے۔ بلکہ تفریح گاہوں میں بے تکلف "گھوڑا تکمن" سمجھ کر شتر بے مہار پھرتی رہتی ہیں۔ اور یہ ایسے "کمترین شوہراں" گو یہ سب کچھ بچشم خود دیکھتے ہیں تاہم مغربی تعلیم سے مرعوب ہو کر زبان سے اُف تک نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حالات آیندہ کیا نتائج پیدا کریں۔

ہم بیچاروں کے حق میں یہ قصہ سن کر وہ اس طرح گویا ہوئیں:—

"میں علم و عمل اور کاروبار حیات میں مرد کی شرکت کو برا نہیں سمجھتی اور شریفانہ آزادی کی بھی حامی ہوں۔ لیکن یہ جنبش حیات جہاں برکت کے سامان مہیا کرتی ہے۔ وہاں اسی میں ساتھ ساتھ تخریب بھی جھلک دکھاتی رہتی ہے اس لیے میری بہنوں کو یہ سمجھ کر میدان عمل میں قدم اٹھانا چاہیے کہ ہماری مشرقی دنیا کی توقع ایک ماں سے کیا پوری ہو سکتی ہے۔ اور ایک بہن کو وہ کن اخلاق و عادات سے متصف دیکھنا چاہتی ہے اور ایک بیٹی کی طرز معاشرت کیا ہونی چاہیے۔ کیونکہ انہیں کے حسن عمل پر دنیا کی تعمیر و تشکیل موقوف ہے۔ اور گو میں مرد کے "استبداد" سے بھی انکار نہیں کر سکتی، اور اسکے ساتھ یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ "ردعمل" بھی لابدی ہے لیکن چونکہ تعمیر و تخریب کی حدیں ملتی جلتی ہیں اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ مرد سے انتقام کے جوش میں خود عورت اپنی ہستی کا استیصال کر ڈالے اس لیے مشرقی عورت سے میری یہ توقع بیجا نہیں ہے کہ وہ اپنے اسلامی عادات و اطوار کو مغربی ہوا سے محفوظ رکھیگی۔ الحاصل مشرقی عورت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسکے لیے نمائشیں وغیرہ (یعنی لپ اسٹک سے آراستہ ہونا) ہرگز کوئی فخر کی بات نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے سامنے تو جناب خدیجہؓ جناب فاطمہؓ جناب زینبؓ کا اسوۂ نیک ہونا چاہیے۔ جنھوں نے بیٹی کی دی ہوئی "ہدایت ربانی" کے سامنے پہلے سر جھکایا تھا، جنھوں نے حسنینؑ جیسے امام عالی مقام کو ۳۲ دھاریں دودھ کی پلائی تھیں اور جنھوں نے اپنے بھائی اور ننھے ننھے معصوم بچوں کی قربانی پر سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔ خلاصہ اینکہ میں نے بھی "بی۔ اے" پاس کیا تھا میں بھی اپنی جنس لطیف کی بہتری چاہتی تھی۔ میں بھی کچھ علمی استعداد رکھتی تھی۔ لیکن مجھے اس پر فخر ہے کہ میرے چہرہ پر کسی نامحرم کی

کبھی نظر نہیں آئی۔ نہ "سیمی شاپنگ" کے لیے بازاروں میں ماری ماری پھری اور نہ "سینما" کے حیا سوز مناظر دیکھے۔ نہ کلب دیکھا، کبھی (اس سے مراد ہے چونکہ میرے شوہر ڈاکٹر تھے اس لیے دوسرے ڈاکٹروں سے مجھے پردہ کا نہیں پڑا، حالت بیماری "ٹمپریچر" ؟) "لیڈی ڈاکٹر" نے میری نبض تک نہ دیکھی۔ میری گود بھری، تو میں کیسی نہ تھا! بچوں کی تعلیم و تربیت بالکل گھر کی چار دیواری۔ برخلاف اسکے حیف ہے بیبے ملک پہ اور افسوس ہے ایسی ماؤں پر جو اپنے طبعی خصائل اور قومی فضائل کو بھول کر دوسروں کی تقلید میں فنا ہو جائیں اور بجائے اپنی قومی خیر و شر قائم رکھنے کے نئے دلائل انکو اپنی تہذیب کی تقلید کریں اور "الحیاء شعبة من الایمان" کے ارشاد نبوی کو بھول جائیں۔"

"کیا میری تعلیم یافتہ بہنیں مغربی عورتوں کے کردار سے ناواقف ہیں جو بیچاری اپنا محض زینت بنی رہتی ہیں۔ اور انکو اس امر سے سبق لینا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ وہ میں تکلیفات عالم کے تحت بنتی اور بگڑتی آئی ہیں۔ یہی کل تک تمہاری پرانی غیرت و تہذیب (جسے اب غلط طور پر فرسودہ اور دشمن زینت سمجھا جا رہا ہے) دنیا کے لیے کس قدر باعث تقلید تھی اگر آئندہ یہ نئی تہذیب جس پر تم مٹی جاتی ہو حرف غلط کی طرح ایک دن مٹ کر رہ جائیگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ شخص دوسرے کے سر پر سنگ کیا ماریگا جبکہ خود شیشہ کے مکان میں مقیم ہو؟"

"اور دیکھو کہ جب مشرق کی شاہراہیں کھل جائیگی تو اس دور کی تمام بے حیائیاں اور خرابیاں صفحات تاریخ میں کسلئے بند دن تعجب کی وجہ سورج کی اہل نظر اسلام کی تہذیب و طرز معیشت اور عہد جدید کی ایجاد و اختراعات کا مقابلہ کرنے بیٹھیں گی تو تہذیب و شائستگی کا یہ عہد جدید سیلاب مزید آنسوؤں کی طرح بہہ جائیگا اور تمہاری زندگی دوسروں کے حق میں سبق آموز کیا اسوقت مضحکہ خیز ثابت ہو جائیگی۔ جسپر کف افسوس ملنا ہوگا۔"

"میری بہنو! حیا تمہارا اصل زیور ہے۔ شرم تمہارا نقاب ہے اور عفت و عصمت تمہارا ہتھیار ہے اور اپنی شرافت و نجابت خاندانی کا پاس رکھنا اور یاد رکھنا کتنا خلاصۂ زندگی ہے۔ اسی پر جیو اور اسی کو ساتھ لیکر دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ تاکہ آئندہ نسلیں تمہارا نام نیکی کے ساتھ یاد رکھیں اور تمہارے نقش قدم پر چلیں۔"

بیگم صاحبہ مرحومہ کا یہ سلسلۂ گفتگو ابھی ختم ہونے کو تھا کہ میں یکایک اس خواب بیداری سے چونک پڑا۔ اور انکے پیغام نیک فرجام کو ایک فرض سمجھ کر انہی کی بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ کان دھر کے وہ سنیں اور اس پر عمل کریں۔ (رہبر دکن)

مسلم لیگ سے علیحدگی

مسلم لیگ کے چند منتخب شدہ ممبران اسمبلی نے مسلم لیگ سے استعفا دیکر کانگریس میں شرکت کرلی ہے۔ انکی اس تبدیلی پر ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے کیونکہ انسانی رائیں بدلتی رہتی ہیں۔

ہم کو عرض کرنا یہ ہے کہ پارلیمنٹری اصول یہ ہے کہ جب جماعتی حیثیت سے کوئی ممبر منتخب ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے اس جماعت سے استعفا دیتا ہے تو وہ اپنے حلقۂ انتخاب سے بھی استعفا دیدیا کرتا ہے اور دوبارہ انتخاب کراتا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسکا حلقۂ انتخاب بھی اسکے ساتھ ہے۔ اور اگر کوئی ممبر ایسا نہ کرے تو یقیناً اپنے حلقۂ انتخاب اور اپنے رائے دہندوں کے ساتھ وہ غداری کرتا ہے۔

اس لیے یو۔پی کے مسلم لیگ کے جو ارکان مسلم لیگ سے مستعفی ہوئے ہیں انکا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے حلقہ سے استعفا دیکر دوبارہ انتخاب کرائیں۔

ہم کانگریس کے ارکان محترم سے بھی عرض کرینگے کہ وہ ایسے ارکان کو کانگریس میں اسوقت تک شریک نہ کریں جب تک وہ اپنے حلقۂ انتخاب سے استعفا دے کر اسکے ٹکٹ پر کامیاب نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرینگے تو ممبروں کو وہ غداری کی ترغیب دینگے، جو کانگریس جیسی باوقار جماعت کی شان کے خلاف ہے۔ کانگریس کے وقار کیلئے دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ اسی طرح اگر اسکے منتخب ممبران نے علیحدگی کی تو وہ ان پر غداری کا الزام عائد نہیں کرسکتے۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ مسلم لیگ کے یہ ارکان جو آج استعفا دے کر کانگریس میں جا رہے ہیں ان کا حال یہ ہوگا، کہ جب کسی موقع پر کانگریس استعفا دینے کا حکم دیگی تو وہ کبھی استعفا نہیں دینگے اور کہینگے کہ ہم کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب نہیں ہوئے تھے۔ اسلیے ان خطرات کا سدباب پہلے ہی کردینا چاہیے۔

فتح اور اعداد

اسلام کے صدر اول میں پر نظر ڈالیے، اور دیکھیے کہ مسلمانوں نے کس بے سروسامانی کے عالم میں باطل کو شکستیں دی ہیں اور کس مختصر تعداد کے ساتھ اعدائے خدا کے مقابل پر غالب ہوئے۔ ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے صرف ایمان کی قوت سے کتنی عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ ورنہ دنیاوی اعتبار سے مسلمانوں کو شکست ہو جانی چاہیے تھی:-

نام جنگ	تعداد کافروں کی تعداد	فتحمند مجاہدوں کی تعداد
جنگ بدر ۲ھ	ایک ہزار (قریش)	۳۱۳
جنگ احد ۳ھ	۳ ہزار (قریش)	۷۰۰
جنگ خندق ۵ھ	۱۰ ہزار (یہود و مشرکین)	۳ ہزار
جنگ خیبر ۷ھ	۲۰ ہزار (یہود)	۱۴ سو
جنگ قادسیہ ۱۴ھ	ایک لاکھ (ایرانی)	۳۶ ہزار
فتح فحل ۱۳ھ	۵۰ ہزار (رومی عیسائی)	۳۱ ہزار
یرموک ۱۵ھ	۲ لاکھ ۴۰ ہزار (رومی عیسائی)	۴۰ ہزار
فتح قیساریہ ۱۹ھ	۸۰ ہزار (عیسائی)	۴۰ ہزار

(مدینہ)

بزمِ ہمدردانِ صدق

(از مہتمم صدق)

جناب ... احمد صاحب ... از بھوپال

"... جناب مہتمم صاحب صدق ... کیم جولائی ۱۹۳۶ء کا صدق ... معلوم نہیں کس وجہ سے سعدد تاخیر ہوئی۔ صدق کی مالی حالت کا حال پڑھ کر بیحد افسوس ہوا ... مسلمانوں کا ... دیکھیے ... نصیب ... سال ... فرمایا ہے ... ضرورت ... جاری ..."

... صاحب بھوپال

جناب سید مرتضیٰ علی صاحب۔ شاہ

"صدق کی ... اشاعت کیلئے ... آپ انتہائی ... کوشش ... تہذیب ... شناسا ... ست ہے مگر ... نے آخر کیا تصور ... ہے۔"

جناب ... سلطان صاحب ... حیدرآباد۔ دکن

"... صدق کے مضامین کے لحاظ سے ... ہمارے ... ذیل ... سالانہ ... چندہ ... آپ کی ... وصول ہونے پر ... کیا جاتا ہے۔"

محمد سلطان الدین صاحب حیدرآباد دکن

جناب مولوی عبد الحمید خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ اکولہ

سالانہ چندہ ارسال خدمت ہے۔ میرے خیال سے ... ختم نہیں ہوئی ... لیجیے۔ نیز میرے ... کے نام صدق وی پی کر دیجیے۔ ... پتہ یہ
سید آل نبی الدین صاحب ... آوند ... (برار)

جناب ... الدین صاحب۔ راولپنڈی ... نمبر ۱۶
"... ایک خریدار کا چندہ سال ... ہے۔ ... صدق کی مالی حالت کو بہتر بنا ... پتہ
شیخ ... احمد ... صاحب ... راولپنڈی"

جناب ... صاحب نمبر ۳۸۰ ۔ از حیدرآباد دکن
"مبلغ ... خدمت میں مرسل ہیں ... صدق ایک سال کیلیے جاری فرما کر مشکور فرمایئے۔"
جناب صدر مدرس صاحب مڈل اسکول (حیدرآباد دکن)

(بقیہ صفحہ ۷)

کہ انسانی زوجین کا تعلق دوسرے حیوانات کے زوجین سے مختلف ہو۔ انسانی حیثیت سے قطع نظر، حیوانی اعتبار سے بھی ان دونوں کی ترکیب جسمانی اس طور پر رکھی گئی ہے کہ انکے تعلق میں وہ پائداری ہونی چاہیے جو کسان اور اسکے کھیت میں ہوتی ہے جس طرح کھیتی میں کسان کا کام محض تخم ریزی کر دینا نہیں ہے بلکہ اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اسکو پانی دے، کھاد مہیا کرے اور اسکی حفاظت کرتا رہے اسی طرح عورت بھی وہ زمین نہیں ہے جس میں ایک جانور چلتے پھرتے کوئی بیج پھینک جائے اور وہ ایک خودرو درخت اگا دے بلکہ جیسے وہ بار آور ہوتی ہے تو درحقیقت اسکی محتاج ہوتی ہے کہ کسان انکی پرورش اور انکی نگہداشت کا بار سنبھالے۔

۳۔ انسان کے نوجوانوں میں جو صنفی کشش ہے وہ حیاتی اعتبار سے اسی نوع کی ہے جو دوسری انواع حیوانی میں پائی جاتی ہے ایک صنف کا ہر فرد صنف مقابل کے ہر فرد کی طرف حیوانی میلان رکھتا ہے اور تناسل کا زبردست داعیہ جو انکی سرشت میں رکھا گیا ہے۔ دونوں صنفوں کے ان تمام افراد کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتا ہے جن میں تناسل کی صلاحیت بالفعل موجود ہو۔ پس فاطر کائنات کا بنایا ہوا قانون، انسان کی حیوانی فطرت کے اس کمزور پہلو سے بے پروا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں صنفی انتشار (... promiscuity) کی طرف ایسا شدید میلان چھپا ہوا ہے جو تحفظ کی خاص تدابیر کے بغیر قابو میں نہیں رکھا جا سکتا اور اگر ایک مرتبہ اگر وہ بے قابو ہو جائے تو انسان کو پورا حیوان بلکہ حیوانات میں بھی سب سے ارذل بن جانے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات

فطرت انسانی اور اسکے مقتضیات

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، طبیعت حیوانیہ، خلقت انسانی کی تہ میں زمین اور بنیاد کے طور پر ہے، اور اسی زمین پر انسانیت کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ انسان کے جسم اور اسکی نوع کو باقی رکھنے کیلیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سے ہر ایک کی خواہش اور ہر ایک کے حصول کی استعداد بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھ دی ہے اور فطرت الٰہی کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان میں سے کسی خواہش کو پورا نہ ہونے دیا جائے یا ان استعدادات میں سے کسی استعداد کو فنا کر دیا جائے کیونکہ یہ سب چیزیں بھی بہرحال ضروری ہیں۔ اور انکے بغیر انسان اور اسکی نوع زندہ نہیں رہ سکتی۔ البتہ فطرت حق یہ چاہتی ہے کہ انسان اپنی ان خواہشات کو پورا کرنے اور ان استعدادات کو کام میں لانے میں حیوانی طریقہ نہ اختیار کرے بلکہ اسکی انسانی سرشت جن امور کی مقتضی ہے ان میں جن قانونی امور کی طلب رکھی گئی ہے انکے لحاظ سے اسکا طریقہ انسانی ہونا چاہیے (باقی)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق ... سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اسکو سچ مانا، تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

مضامین کے ارسال ... کے متعلق ... سے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے۔

مہتمم اخبار صدق- لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۳۲۱

نمبر ۱۴ | لکھنؤ ۴- رجب المرجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱- ستمبر ۱۹۳۷ء | جلد ۳

سچی باتیں

ٹھگوں کا نام بارہا سننے میں آیا ہوگا۔ سو سوا سو برس قبل ہندوستان میں ایک مستقل فرقہ، اور ٹھگی ایک مستقل پیشہ تھا۔ ہزارہا ہزار کی تعداد تھی۔ وطن کہنا چاہیے، کہ وسطی ہند اور کسی قدر جنوبی ہند تھا۔ یعنی وہ علاقہ جس میں اب ممالک متوسط کے اضلاع، اور سنٹرل انڈیا کی ریاستیں ہیں۔ دیکھنے میں اچھے خاصے خوش پوش، خوش لباس، شریف صورت لوگ ہوتے تھے، صرف نیچ ذات والے نہیں، اچھی، اونچی ذاتوں والے بھی، یہاں تک کہ برہمن بھی۔ ختم برسات پر اکتوبر کے مہینے میں اپنی مہم پر روانہ ہوتے۔ جابجا ٹولیوں میں تقسیم ہو ہوکر، مسافروں کی طرح ٹھہرتے، راہ میں جہاں کسی دولتمند مسافر کو پاجاتے، بس دوست بنکر اُسکے ساتھ ہولیے۔ اس وقت اچھے اور شریف رفیق سفر کا میسر آجانا ایک نعمت تھا۔ اور راہ میں جہاں کہیں جنگل بیہڑ پڑا، یا دریا کا کنارہ، بس وہیں اس غریب مسافر اور اس کی ساری ٹولی کا آناً فاناً خاتمہ کردیتے تھے۔ آلۂ ہلاکت کوئی تلوار بندوق نہ تھی۔ ہاتھ میں محض رومال ہوتا تھا۔ اسی رومال میں گرہ بندھی ہوتی تھی۔ مشاق ہاتھوں کی صفائی اس درجہ پہونچ جاتی تھی، کہ بجلی کی تیزی سے اُس رومال کا پھندا شکار کے گلے پر پڑتا، اور وہ فوراً تڑپ کر رہ جاتا۔ لاشیں وہیں ٹھکانے لگادی جاتیں، مال اسباب سب قبضے میں آجاتا۔

جتھا لامذہبوں کا نہ تھا۔ ٹھگ سب کے سب بڑے مذہبی ہوتے تھے۔ کالی مائی جنکا دوسرا نام درگا اور بھوانی بھی ہے، اُنکی دیوی تھی، معبود تھی۔ اسی کی پوجا ہوتی تھی۔ اور ٹھگی کا پیشہ گویا اسی کے حکم کی تعمیل تھی! کامیابی کی دعائیں اُسی سے مانگی جاتی تھیں۔ کامیابیاں جو ہوتی تھیں، گویا اُسی کی مہربانی کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ اور ہر کامیاب مہم کے بعد اسی کے مندر پر باقاعدہ چڑھاوے چڑھتے تھے! اور عقیدہ یہ تھا، کہ جب تک کالی مائی مہربان ہیں، کوئی بھی اُنکے پجاریوں کو نہ گرفتار کرسکتا ہے، نہ نقصان پہونچا سکتا ہے! ——— یہ فن شریف سالہا سال تک ہزارہا ہزار انسانوں کو موت سے ہم آغوش کرکے، ہزارہا سہاگنوں کو بیوہ، اور لڑکوں کو یتیم کرکے زندہ رہا۔ مقصود اسکی تاریخ بیان کرنی نہیں، یہاں کہنا صرف یہ ہے، کہ انسانی بھیڑیوں کے اس غول میں تنہا ہندو یا دوسرے مشرک ہی نہ تھے، خود آپ بھی، اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی خاصی تعداد میں شامل ہوگئے تھے!

شامل تھے نہیں، "شامل ہوگئے تھے"۔ وہی روپیہ کی طمع، پیٹ کی خاطر۔ کھلی ہوئی درندگی و شقاوت، کھلا ہوا شرک، یہ ایک طرف اور دوسری طرف محض نفع کی چاٹ، محض پیسہ کا لالچ۔ کتنوں نے ایمان چھوڑ چھوڑ، اس ننگ کو، اس سیاہ بختی کو گوارا کرلیا، اور بھیڑیے سے بھی بدتر بن گئے! زبان پر اب بھی دعوے اسلام تھا، لیکن روح کو قلب کو، محمد کے لائے ہوئے پاک و پاکیزہ دین سے کوئی علاقہ باقی رہ گیا تھا؟ ——— آپ ان ٹھگوں پر پڑھ رہے ہیں، لیکن سوچیے، کہ ہندی کی تاریخ، اور حال کے واقعات میں یہ مثال کیا بالکل تنہا اور اکیلی ہے؟ اسلام کے خلاف جتنی بھی تحریکیں، مختلف قالبوں میں، اور مختلف ناموں کے ساتھ، ہر دور میں، ہر ملک میں اُٹھیں، ان میں خود مسلمان، مسلمانوں کے گلے

پر پھندا مارنے میں، نعوذ باللہ اسلام کا گلا گھونٹ دینے میں، کب سنگھیوں سے، اور اللہ کے دشمنوں سے پیچھے رہے ہیں؟

قوم عاد، نئی روشنی میں

یورپ اور امریکہ میں، قدیم مشرقی ممالک مصر فلسطین، عراق، وغیرہ کی اثری وتاریخی تحقیق کے لیے متعدد باثر انجمنیں قائم ہیں۔ اور انھیں زیر تحقیق ملکوں میں، ایک علاقہ، جنوبی عرب کا بھی ہے۔ سالہا سال سے، بلکہ کہنا چاہیے کہ دو صدی قبل سے عرب میں بھی جابجا کھدائی کا کام، گو سست رفتاری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ حال میں بعض تازہ تحقیقات کے نتائج انگریزی سے ترجمہ ہوکر اردو اخبارات میں شایع ہوئے ہیں، ذیل میں بصورت درج کیے جاتے ہیں:—

"کاؤنٹ بیرن بروک کی سرکردگی میں امریکن اراکیا لوجیکل سوسائٹی کا جو وفد صحرائے عرب کے آثار قدیم کی تحقیقات کے لیے آیا تھا، اُس نے جبل عمان کے وادی میں اُس قدیم شہر کو دریافت کرلیا ہے جسکا ذکر آسمانی صحیفوں میں درج ہے اور جو قوم عاد کا دارالسلطنت سمجھا جاتا ہے۔ یہ وفد جب جبال عمان کی کافر قوم کے عادات وخصائل کی جانچ کے لیے آیا تو اسکو اُس طلسمی کنوئیں کا حال بتایا گیا جسکے اندر ایک دریچہ ہے۔ اس کنوئیں کا حال یہ ہے کہ اس کی گہرائی دو سو میٹر ہے۔ اور پانی کے نیچے ایک خوبصورت سنگی دریچہ بنا ہوا ہے۔ کاؤنٹ کے حسب الحکم دو غوطہ خور آہنی پوشاک پہن کر اپر میں کے ہمراہ اُس کنوئیں میں اُترے اور اس دریچہ کے اندر گئے تو انکو معلوم ہوا کہ یہ ایک عالیشان سنگ بستہ محل کی بالائی کھڑکی ہے جسکے اندر پہونچ کر شاہی محل کے وسیع کمرے اور دالان ملے جن میں خوبصورت سنگی دیرینجی برتن، کرسیاں، سہریاں اور دیگر اسباب خانہ داری جو پانی کی دست برد سے بچ گئے تھے نہایت بوسیدہ حالت میں نظر آئے۔ اسکے بعد دو مقام پر کھدائی کی گئی تو: عالی تیس سو میٹر سطح زمین کے نیچے کی اور عمارتیں اور ایک سڑک نکلی، جس پر سڑی گلی انسانی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں، اور مکانات کے اندر بھی انسانی ڈھانچے دریافت ہوئے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ وادی پہاڑی علاقہ میں واقع ہے لیکن کھدائی کے وقت سنگریزوں یا ریگ کے سوا کوئی بڑا پتھر حائل نہ ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست آندھی نے دفعتًا اس شہر کو پاٹ دیا اور جو سڑکوں پر چل رہے تھے یا جو گھروں میں بیٹھے تھے وہ دفعتًا اُس ریگ میں دب گئے۔ عربوں کا خیال ہے کہ یہ قوم عاد تھی جسکا ذکر قرآن شریف میں اس طرح ہے کہ وہ طوفان میں مرگئے۔

اس خیال کو اس سے اور بھی تقویت ہوتی ہے کہ بعض مکانوں کی بالائی منزل میں جو ڈھانچے ملے ہیں وہ کھڑے اور بیٹھے ہیں اور اندرونی نیچے کے حصوں میں جو ڈھانچے ملے ہیں وہ بستروں پر پڑے ہوئے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بالائی منزل کے لوگ اچانک ریگ کے طوفان میں دب گئے اور نچلی منزلوں کے لوگ دم گھٹ کر یا بھوکے مرگئے۔ ان لوگوں کا لباس بڑا دلچسپ ہے۔ انکو پر علی العموم قبا ہے اور اوپر ایک لمبا چغہ، جو پیروں تک ہے۔ سر پر دستار۔ اگرچہ کپڑے کی ساخت نہ معلوم ہوسکی۔ کیونکہ مرور زمانہ کی وجہ سے وہ مٹی ہوگیا ہے لیکن مٹی میں ابرک کی جیسی چمک سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی چمکدار کپڑا ہوگا۔

قرآن مجید میں قوم عاد کے تمدن کی بلندی، اور پھر اس سرکش قوم کی تباہی کا بیان متعدد مقامات پر اور بہ تفصیل ہے۔ اور ہماری "روشن خیالی" کا اب تک تقاضہ یہ رہا ہے، کہ اس قسم کے واقعات کی جتنی زاویے تاویل بھی بن پڑے، کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر، توڑ مروڑ کر، کرہی لی جائے۔ لیکن خدا کی شان، کہ جن حقائق سے آپنوں کو شرم آرہی ہے، انکی تصدیق وتوثیق، زور وشور سے، غیروں کی زبان سے ہورہی ہے! ویحق اللہ الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون——— جہل بہرحال جہل ہی ہے، خواہ اُس پر "روشن خیالی" کا روغن کتنا ہی پھیرا جائے؟

قمیص اور ازار

جرمنی میں نیا حکم نافذ ہوا ہے، کہ قمیص چھوٹی بنوائی جائے تاکہ اُس پر کپڑے کا اسراف نہ ہو۔ اور ساری قوم اس حکم پر بے چون وچرا عمل کرنے لگی۔ نہ کسی نے غصہ کے ساتھ احتجاج کیا، کہ افراد کے ذاتی معاملات میں پہننے اوڑھنے کے باب میں حکومت دخل دینے والی کون؟ اور نہ کسی نے اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ یہ کہکر کیا، کہ سبحان اللہ! اب تو سیت روطنیت، کپڑے کے گزوں اور گرہوں کے حساب سے ناپنے لگی!——— یہ شرف آپ ہی کی قوم کے ساتھ مخصوص ہے، کہ جرمنی کے بجائے شریعت اسلامی کا نام رکھ دیجیے، اور قمیص کے بجائے پاجامہ یا تہبند کے باب میں یہ حکم سنا دیجیے، کہ اسے ٹخنے سے اوپر رہنا چاہیے، پھر دیکھیے، غصہ کے اور مضحکہ کے، دونوں کے ہند کس طرح کھل کر رہتے ہیں، اور مولوی غریب کو کیا کچھ سننی پڑتی ہے!

انقلاب، یا انقلاب اسلامی

ناظم صاحب جمعیۃ العلماء کے تازہ بیان کا اقتباس ہے:—

"جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اسکے یوم تاسیس سے لے کر آج تک ایک ہی مسئلہ اہم رہا ہے اور وہ صرف ہندوستان میں نظام شرعی کا قیام ہے۔ چونکہ نظام شرعی کا قیام بدون انقلاب کے ناممکن العمل تھا۔ اسلیے ہم نے اس ملک کی

(باقی صفحہ ۶)

اکثریت کے ساتھ اشتراک عمل کیا، تاکہ ہونے والا انقلاب قریب ترین ہو جائے۔
ہم نے ہمیشہ اس امر کا صراحۃً اعلان کیا ہے کہ ہم ہر جنگ جو (؟) پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کریں گے، خواہ وہ کانگریس ہو یا سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی ہوں۔ فرض کیجیے۔ اگر کانگریس اپنے ہتھیار رکھ دے اور حکومت برطانیہ سے تعاون کرلے تو کیا ہم کانگریس کے ساتھ اُلجھے رہیں گے؟ نہیں۔ ہم کسی ایسی پارٹی کو تلاش کریں گے جو ہمارے حقیقی مقصد یعنی مکمل انقلاب کو ہم سے قریب کرنے والی ہو۔ ہماری کوشش تو یہی رہتی ہے اور ہم نے ہمیشہ اس قوت و طاقت کو ...... تلاش کی ہے جو بدون شرکت غیرے ہم کو منزل مقصود تک پہونچا دے۔ شرکت اور اشتراک عمل کی راہ تو انتہائی مجبوری، بے بسی اور بےکسی کی حالت میں اختیار کی گئی ہے۔"

اس حقیقت کا اعلان کہ جمعیۃ العلماء کے قیام کا اصلی مقصد، ہندوستان میں نظام شرعی کا قیام ہے، یقیناً باعث مسرت ہے، اور اس قابل ہے کہ اسکا اعادہ بار بار ہوتا رہے۔ لیکن اسکے آگے ناظم صاحب کا یہ ارشاد کہ "نظام شرعی کا قیام بدون انقلاب ناممکن ہی تھا" محتاج تشریح و توضیح ہے۔ "انقلاب" سے مراد کیا ہے؟ اصل مغالطہ تو اسی لفظ کے اندر پوشیدہ ہے۔ اگر محض سیاسی انقلاب مراد ہے، تو یہ تمامتر سطحیت ہے۔ ہاں اگر اسلامی معیار کے مطابق و ماتحت، افکار و اعمال میں انقلاب مقصود ہے، تو اس سے بہتر و بلند تر مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس انقلاب میں امداد کی توقع اُن لوگوں سے رکھنی، جو سرے سے مذہب ہی کے منکر ہیں، یا شرک کے اونچ مظاہر میں گرفتار ہیں، حسن ظن کے جائز حدود سے باہر نکل جانا ہے۔

ایک تاریخی "انکشاف"

"خلافت راشدہ کے بعد ہی خلافت ایک اسلامی امارت کی صورت میں منتقل ہوگئی تھی، وہ صرف ایک دنیوی بادشاہت تھی، اور اسکے ساتھ کوئی مذہبی منصب وابستہ نہ تھا۔ اور ۲۰۰ھ ہجری سے پہلے ہی خلیفۂ اسلام، جو درحقیقت محض ایک امیر ہوتا تھا، اپنے درباریوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن چکا تھا۔ ۶۵۶ھ میں بغداد کے آخری خلیفہ کے قتل اور بغداد کی بربادی کے بعد یہ کٹ پتلی بھی باقی نہ رہی تھی ...... اسکے بعد جنگ عظیم نے یہ حقیقت نمایاں کر دی کہ امارت اور خلافت دونوں کا لفافہ خالی ہے ...... مگر ہمارے ملک میں جن لوگوں کا زنگ آلود جمود، انقلاب کے نام سے گھبراتا ہے، اُنھوں نے مفروضہ خلافت کا ایک جنازہ تیار کرکے ماتم کرنا شروع کر دیا۔"

خیال نہ گزرے، کہ یہ اقتباس کسی عیسائی مورخ، کسی یہودی صحافی، یا کسی انگریز سیاسی کے قلم کا ہے۔ جی نہیں، ان غزنیوں کے طائر تحقیق کو یہ پرواز کہاں نصیب، کہ خلافت راشدہ کے چند سالہ دور کو چھوڑ کر باقی ساڑھے تیرہ سو سال کی خلافت غیر راشدہ کے وجود ہی سے سرے سے انکار کر دیا جائے! ہندوستان میں لارڈ ہارڈنگ نے، انگلستان میں لائڈ جارج نے، آکسفورڈ میں اسلام کے قدیم فرما مارگولیس نے، تحریک خلافت کی مخالفت میں ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں خوب خوب نکتہ آفرینیاں کیں، لیکن یہ استدلال کسی کو نہ سوجھا کہ خلافت کے نفس وجود ہی سے انکار کر دے، اور مسلمانوں سے کہدے، کہ تم جو ہزارہا کی تعداد میں جیل جا رہے ہو، اور لاکھوں کی تعداد میں اپنی قربانیاں پیش کر رہے ہو، تو محض ایک موہوم اور معدوم شے کی حمایت میں، جسکا وجود خارج میں سرے سے ہی نہیں!۔۔۔۔ انکشاف تاریخی کا شرف آپ ہی کے ایک ہم قوم کو حاصل ہے، جو آج "خلافت کی جھنڈیاں" اُڑاتے نہیں پھر رہے ہیں، بلکہ ماشاء اللہ خود ہی تجدد کے علمبردار بنے ہوئے ہیں!

یہ تاریخی تحقیق اگست ۱۹۴۳ء کی ہے، جب "کانگریس کی خلافت کمیٹی" کی ہستی صرف اتنی باقی رہ گئی ہے، کہ ہر روز اُس پر نئے نئے عنوان سے پھبتیاں کہی جائیں۔ لیکن قبل اسکے، ایک دور، رنگین دنیا پر گزر چکا ہے، جب تحریک خلافت کے سرِ زادی خادم "کا استقبال بھی تکبیر کے نعروں اور پھولوں کے ہار سے ہوتا تھا، جب محمد علی، اجمل خاں، اور انصاری کی حاشیہ نشینی اسی حقیر و ذلیل "خلافت" کے دامن سے وابستگی کی بدولت میسر آتی تھی، جب انہی کی خلافت کے سکرٹری کی حیثیت سے سیر یورپ ہوتی تھی، جب ہمدرد اور ہمدم اور جمہور اور صباح کے صدہا بلکہ شاید ہزارہا کالم اسی مسلک مجلس خلافت کی تائید و حمایت کے لیے وقف تھے، اور جب تاریخی حقائق کا اعلان یوں ہوتا تھا:۔

"خود ہندوستان کے اسلامی عہد میں کھلی ہوئی تاریخی شہادتیں موجود ہیں، کہ باوجود اُس جاہ و جلال کے جو مغلوں کو اور مغلوں سے پہلے دوسرے حکمراں خاندانوں کو حاصل تھا، مسئلہ خلافت کے سامنے ہندوستان کے بڑے سے بڑے تاجدار کا سر بے اختیار جھکتا تھا۔ بادشاہ، خلیفۂ اسلام کے مرسلہ خلعت و مراسلات کا استقبال کرنے شہر پناہ سے باہر نکل آتا تھا۔ حالانکہ نہ وہ سلطان ترکی کا ماتحت تھا، نہ اسکا ملک عثمانی سلطنت سے قریب تھا کہ حملہ کا اندیشہ ہو۔ اس راز کی کنجی یہی ہے کہ اسلام نے اخوت اسلامی کا وسیع دائرہ قائم کیا .... اس دائرہ کی حدود کو خلافت اسلامی کے نظام سے مستحکم کیا گیا .... خلافت اس نظام زندگی کا ایک غیر متزلزل ضابطہ ہے، جو تمام مختلف عناصر میں ربط باہمی قائم رکھتا ہے۔ دور جدید میں جب یورپ نے کبھی دوست بنکر کبھی دشمن بنکر خلیفۂ اسلام کی سلطنت کے اقتدار کو برباد کرنا شروع کیا، تو اُسی وقت تمام عالم اسلامی میں اتحاد اسلامی کے بڑے بڑے داعی پیدا ہوئے مثلاً ... [اور اس سلسلہ کے ثبوت میں مصر، ٹرکی، ایران، ٹیونس اور ترکستان کے چھوٹے بڑے بہت سے لیڈروں کے نام ہیں]"

نقش فرنگ۔ ص۲۵ و ص۲۶

کون لکھتا ہے، کہ اُردو کا روداں نویس، صدہا سال کی "کھلی ہوئی تاریخی شہادتوں" کی ہستی کو دم کے دم میں، نیستی میں، عدم محض میں، تبدیل نہیں کر سکتا؟ کس احمق کا خیال ہے، کہ لیلیٰ کے کاتب، اور مجنوں کے ڈائری نویس کے قلم میں

مساواتِ مرد و زن
(ایک بے بنیاد دعویٰ، تاریخ کی روشنی میں)

(از عبد الماجد)

نمبر (۲)

کلیوپیٹرا (دوسری صدی ق، م) کے عہد سے لیکر پیسیڈیا (پانچویں صدی ق، م) روم میں عورتوں کو جو آزادی حاصل رہی، وہ صرف دنیائے قدیم کے لیے ایک نئی بات تھی، بلکہ اُسکی نظیر اُس وقت تک تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں، کہ عورتوں کے اس اقتدار کا اثر مضر ہی پڑا۔ پبلک معاملات پر بھی، اور اُنکی قوم کی معاشری نشو و نما پر بھی۔ اور اُس وقت کے جن چند فلسفیوں، شاعروں اور مورخوں کو اسکا احساس ہو گیا، گو وہ اسکا ذکر محض ضمناً کرتے ہیں، اور بجائے ملامت کے گویا تسلیم و رضا کے لہجہ میں کرتے ہیں، تاہم انکا مفہوم واضح و روشن ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شہنشاہی کے زمانہ میں عورتوں کو جو غیر معمولی آزادی و اقتدار حاصل ہو گیا تھا، وہ گم ہو گیا، تا آنکہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (بیداری) نے "نسوانیت" کا صحیح مرتبہ از سرِ نو قائم کیا"۔ یہ کہنا گویا اس امر کا دعویٰ کرتا ہے، کہ عورت کی آزادی و اقتدار مفید چیزیں ہیں، جنھیں قرونِ وسطیٰ نے بیجا طور پر معطل کر دیا تھا —— لیکن جدید علم الانسان (انیتھرالوجی) اور زمانۂ قدیم میں نسوانی اقتدار کے اثرات کے مطالعہ سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی۔

وحشی انسان کے اجتماعات کی ترکیب ان دو قوانین قدرت پر مبنی رہتی ہے۔ ایک مرد و عورت کے وظیفۂ طبعی کا اختلاف۔ دوسرے یہ کہ کسی خاص مشقت و کاوش کے موقع پر اگر مرد، عارضی طور پر عورت سے بالکل علحدہ نہ رہے، تو اسے ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ دونوں قوانین کلی و ہمہ گیر ہیں، یا انسان کا ارتقاء مجلسی و معاشری ان قوانین کی فعلیت کو باطل کر دیتا ہے؟

جن لوگوں کا دعوےٰ ہے کہ یہ قوانین صرف وحشیوں کے لیے ہیں، اور مجلسی ترقیوں کے ساتھ انھیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے، انکے لیے قابلِ غور حقائق ذیل ہیں:—

(۱) اکیبیاڈس، ڈریس، مارک انٹونی، اور یونان و روما میں اس قسم کے تمام دوسرے مردوں کا ضعف و ناکامی، جنکی باگ عورتوں کے ہاتھ میں تھی، اور جو اہم ترین مجلسی فرائض کے موقع پر بھی ان سے الگ نہیں ہوتے تھے۔

(۲) نسوانی اقتدار کے دوش بدوش و ہم قدم، مجلسی اختلاط۔

(۳) قدیم حکومتوں کے تعمیری زمانوں میں، جبکہ انکی عظمت کی بنیاد پڑ رہی ہو مرد و عورت کے حلقوں کی تقسیم اور کامل علحدگی۔

نسوانی اقتدار کے ہم زمان مجلسی اختلاط کی یہ تو کوئی معقول توجیہ نہیں کہ عورت کی سرشت کی تلون مزاجی، عدم ذمہ داری، اور شہوت پرستی کو پیش کر دیا جائے۔ تاریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورت کو آزادی جب جب حاصل ہوئی ہے، تو اُس سے پہلے ملک میں بد اخلاقی، بد چلنی، بے انضباطی، پیدا ہو چکی ہے۔ آزادیٔ نسواں تو اسکے قبل نہیں، بلکہ اسکے بعد، یا ساتھ ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ تو اگر قدیم حکومتوں میں بد اخلاقی، بد چلنی، اور بے انضباطی کے اسباب کی تحقیق کرنی ہے، تو اس کا کھوج خود مردوں میں لگانا چاہیے۔ اور یہ سمجھنا چاہیے کہ مرد ہی کے ضعفِ ہمت و پستیٔ کردار سے یہ سب نتائج ظہور میں آتے ہیں۔

تو پھر، کیا اسکا ثبوت موجود ہے، کہ چوتھی صدی ق، م کے یونانی اور دوسری صدی ق، م کے رومی مردوں کی سیرت و ہمت میں وہ ضعف پیدا ہو گیا تھا، جسکا نتیجہ آگے چل کر حریتِ نسواں کی شکل میں ظاہر ہوا؟ بیشک محض ثبوت ہی نہیں، زبردست ثبوت اس امر کا موجود ہے۔ اور اہلِ سائنس اور اہلِ تاریخ دونوں، مثلاً ...... وغیرہم نے واقعات کا انبار اس امر کے ثبوت میں لگا دیا ہے، کہ قدیم حکومتوں میں لا مرکزیت، نسوانیت، اور انحطاط کے ظہور پذیر ہونے سے بہت قبل، مردوں کی سیرت و ہمت میں افسوسناک تغیرات پیدا ہو چکے تھے پس اگر یہ نتیجہ صحیح ہے، تو ان لوگوں کے خیال کی خود بخود تردید ہوئی جاتی ہے جو، جب یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے وقت، یونان و روم کے زمانہ کی حریتِ نسواں کی تجدید کا ذکر کرتے ہیں، تو اسے "نسائیت کے صحیح مرتبہ کے قیام" سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔

یہ یقین کرنے کے زبردست وجوہ موجود ہیں کہ قرونِ وسطیٰ میں بھی ایسے حالات جمع ہو گئے تھے، کہ جنکی بنا پر تحریکِ نسواں موجودہ مفہوم میں، بخوبی چل سکتی تھی، بشرطیکہ ساتھ ہی حالات مخالف موثر نہ ہوتے رہتے۔ چنانچہ یہ تو یقینی ہے، کہ جس طرح آج مختلف پیشوں میں اور تجارت اور صنعت و حرفت میں، مرد و زن کے درمیان آبادی کے تناسب سے کشمکش موجود ہے، اسی طرح اُس وقت بھی تھی۔ علیٰ ہذا مردوں اور عورتوں کی تعداد میں عدم تناسب، ہر شہر اور قصبہ میں جس طرح آج ہے، اُسی طرح ۱۳۰۰ء میں بھی تھا۔ اس کی شہادت نہ صرف مردوں کی بڑھی ہوئی شرح اموات سے، حال کی طرح ماضی میں بھی ملتی ہے، بلکہ عدم تناسب آبادی کی تحریری شہادت بھی قرونِ وسطیٰ سے متعلق مل جاتی ہے۔ بن بیاہی عمر عورتوں سے متعلق جرمنی، فرانس اور انگلستان میں خاص انتظامات ملتے ہیں، بلکہ ایسے اعداد تک پہونچ گئے ہیں، جن سے متعین طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں عورتوں کی آبادی اتنی تعداد میں مردوں سے زائد تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ، کہ کم از کم جرمنی اور انگلستان سے متعلق تو یقینی طور پر کارخانوں اور صنعتی کارگاہوں کے ایسے قواعد بھی مل گئے ہیں، جن میں صاف درج ہے کہ عورتوں کو دکانوں اور کارخانوں میں داخل نہ کیا جائیگا۔

ان قواعد کا نفاذ، کھلی ہوئی بات ہے کہ ضرورت ہی سے کچھ ہوا تھا، اور قواعد کی سختی خود اس امر کی دلیل ہے، کہ ضرورت شدید تھی

بتنا بلکہ عورتیں ہر جگہ "حاشیہ آزادی" حاصل کرنے لگی تھیں، اور مرد اہل حرفہ کے سبب تعداد گھٹ کر ہو گیا تھا۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں، بعض جرمن شہروں میں، شلیس وہنسٹائن اور [illegible] کے درمیان بیکار عورتیں تھیں۔ بعض شہروں میں آبادی کا تناسب حسب ذیل تھا:

مرد	۱۰۰۰
عورتیں	۱۲۰۰

قرون وسطیٰ میں یورپ میں تو تجرد کی کثرت تھی۔ انگلستان میں تو شادی [illegible] نہیں۔ فرنکفرٹ میں ان کی تعداد ۱۳۵۰ء اور ۱۴۹۰ء کے درمیان ۱۵ سے کم نہ تھی۔

غرض، عورتوں کی "بے روزگاری" جو ایک مریضانہ علامت ہے جس شدت و کثرت کے ساتھ آج ہے، قرون وسطیٰ میں بھی تھی۔ پھر کیا اس زمانہ میں، آج کی طرح کوئی مریضانہ تحریک نسواں بھی پیدا ہوئی ——— یعنی اس قسم کی تحریک نسواں جو سترہویں صدی اور اسکے بعد سے پیدا ہونے لگی، اور جسکے خصوصیات، مرد سے مخالفت، نکاح سے اعراض، اور وظیفۂ جنسیت کی بجا آوری سے انکار ہیں ——— تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عہد وسطیٰ، تقلید و جمود کا دور رہا۔ نظام کلیسا کا اقتدار عظیم زمانہ پر چھایا ہوا تھا۔ اس پیچیدہ نظام میں، ہر شعبۂ زندگی میں، مرد کی طرح عورت کی بھی ایک جگہ متعین تھی، اور اس حلقہ سے نکلنا، خصوصاً جبکہ اسکے سوا جنسی جنگ اور فریضۂ مادریت سے انکار کے ہوں، ممکن نہ تھا۔

پھر نشاۃ ثانیہ کے وقت کیا ہوا؟ یہ دور نشاۃ، حقیقتہً دور وسطیت کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اسکے علمبردار سب وہی تھے، جو عہد وسطیٰ سے کسی نہ کسی صورت میں باغی ہو چکے تھے۔ نشاۃ کے معنی ہی یہ تھے، کہ قدیم مشرکانہ عقائد و جذبات کو زندہ کر کے عہد وسطیٰ کے معاشرہ کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ ہوا، کہ تحریک اصلاح کنیسہ میں اس کا رخ پہلے تو صرف مذہب کے بانیوں، اور پھر ہر معاملہ میں، تقلید کے خلاف ہو گیا، اور ہر چیز کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی۔ جو جو ممالک تحریک اصلاح کنیسہ سے متاثر ہوتے گئے، ان میں تو مذہبی نظام سے مخالفت ہی ہی گئی، باقی [illegible] نے اس تحریک پر لبیک نہ کہا، وہاں بھی، اس تحریک کا اتنا اثر تو ضرور ہی پڑا، کہ تقلیدی بندشیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ خصوصاً قرون وسطیٰ کے قائم کیے ہوئے نظام معاشری کی۔ اس گھڑی سے ہر چیز متزلزل ہو گئی۔ رسم و رواج کی، اور چیزوں کی قدر و قیمت کی ترتیب جدید ہونے لگی۔ آزاد خیالی زندگی کے ہر شعبہ کا جز بننے لگی۔ تقلید کی جو جیب [illegible] دین ہی میں کٹ گئی، تو معمولی دنیوی مباحث سے تو بدرجہ اولیٰ رخصت ہو جانی چاہیے تھی۔ سیکڑوں ہزاروں نئی [illegible] کے لیے راہ کھل گئی۔ اور اب دیکھنا یہ رہ جاتا ہے کہ انہیں امکانات میں ایک نئی صورت یہ پیدا ہوئی کہ بن بیاہی یا شادی شدہ مگر ناشاد عورتوں کے دلوں میں جو بغض مدت سے چلا آرہا تھا، وہ کس طرح حریت و اقتدار نسوانی کی شکل میں ظاہر ہو۔

سترہویں صدی کی ابھی ابتدا ہی تھی۔ کہ فرانس میں تحریک حریت نسواں چل پڑی [illegible] بیشتر ہیکے تھا، دربار میں عورتوں کا اثر پہلے ہی سے قائم تھا، اور متعدد خواتین مثلاً ..... تو بار امارت کو بھی راہ پر لگا لیتیں۔ لیکن اب یہ جو جدید تحریک نسوانی شروع ہوئی اسکا تعلق شخصیتوں سے یا اتفاقی حالات پر نہ تھا۔ یہ فضا میں چھا گئی۔ اسکا ایک خاص فلسفہ تھا۔ خاص اصول تھے۔ ایک طرف تو فرنچ معاشرہ میں عورتیں روز بروز دلیر ہوتی جا رہی تھیں، اور دوسری طرف عورت کی حمایت اور اس کے فضائل میں ایک پورا ذخیرۂ ادب تیار ہوتا جا رہا تھا۔ سنہ ۱۶۰۰ء کے شروع ہی میں ایک کتاب نامہ [illegible] آئی، جو ہر [illegible] چیز کی فضیلت کے بیان پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد سے صدی کی کوئی دہائی نہ گزرتی ہوگی، کہ حمایت حقوق نسواں اور افضلیت نسواں کے موضوع پر کوئی نہ کوئی کتاب نہ نکلتی ہو۔ پھر یہ بات بھی نہ تھی کہ ان کتابوں کا لب و لہجہ کچھ کمزور یا دھیما ہو! اس راہ کے جو آئندہ امکانات تھے، انکی طرف سے کچھ اغماض برتا گیا ہو۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خود آج بھی جو زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، وہ سب کچھ خواہ صراحۃً خواہ ضمناً، اس ذخیرہ میں موجود ہے۔ یہ قول اس دور کے اہل قلم کے

۱۔ عورت میں اگر کچھ نقص ہے بھی تو اسکی ذمہ داری فطرت پر نہیں، بلکہ ناقص تعلیم پر ہے۔

۲۔ ذہن و دماغ نہ عورت ہے نہ مرد۔

۳۔ عورت کو مذہبی و دنیوی اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب کے حصول میں کوئی شے مانع نہیں ہو سکتی۔

۴۔ مرد و عورت بالکل مساوی ہیں، بلکہ سنہ ۱۶۴۳ء کے ایک مصنف کے یہ قول، عورت، شرافت میں، سیاست دانی میں، شجاعت میں، علم میں، نیکی میں، کفایت شعاری میں، مرد سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

۵۔ ایک اور مصنف کے یہ قول، عورتیں ہر لحاظ سے، مردوں سے افضل ہیں، اور دنیا کے بہترین کارنامے اب تک عورتوں ہی کے ہاتھ سے انجام پائے ہیں۔ "اے حقیر و ذلیل مرد! دیکھ، دیکھ کر قابیل کس طرح اپنے بھائی ہابیل کا خون کر کے رہا!"

یہ ایک ہلکا سا نمونہ ہے، سترہویں صدی کی عظیم الشان تحریک نسوانی کے علمی جزو کا، باقی گفتگوؤں کا جزو اسکے علاوہ تھا۔ اور پھر ساتھ ہی ساتھ عملی ...... کارکنوں کے کارنامے، جو اپنے مذہب کی اشاعت دربار سلطانی تک میں کر دینا چاہتے تھے۔

صدی میں سب سے پہلا مشہور [illegible] روم تھا، وہ اسی بغاوت نسوانی کا ثمرہ تھا۔ اور اسکے بعد، اسکے نمونہ پر [illegible] جو [illegible] روم میں بنے، اور جو وقت کی مجلسی زندگی کی جان سمجھے جاتے، وہ سب براہ راست یا بواسطہ اسی علت تحریک نسوانیت کے معلول تھے۔ بیگم [illegible] ڈی [illegible]، لووور میں، شاہ ہنری چہارم اور دربار کا دل

کے گندہ مذاق سے کچھ ایسا بیزار ہو ئیں کہ آخر ۱۶۲۰ء میں عہد کر لیا کہ آیندہ سے دربار شاہی میں نہ جاؤنگی اور اسکے دس ہی سال کے اندر اپنا خود ایک سلطنت ایک حلقہ، ایک ہوٹل میں قائم کر لیا۔ یہ عمارت قصر شاہی کے نام پر (Magasin du Louvre) کے مقابل قائم رہی، اور یہیں ۴۰ سال تک خصوصاً ۱۶۲۰ء اور ۱۶۶۰ء کے درمیان مشہور و معروف فرنچ معاشرہ کی تشکیل ہوتی رہی۔ بڑی بڑی امیرزادیاں جیسے نوابوں کی بیگمیں اسی ہوٹل میں رہنے لگے، اور یہی ایک بڑا ادبی مرکز بن گیا۔ شعرا و ادبا کے بڑے بڑے رسیا یہاں پہنچتے تھے، اور فن لطیف کی نازک خیالیاں اسی مرکز پر آ کر جمع ہوتی تھیں۔ کارنیل[1] نے اپنی شہرۂ آفاق تصانیف شاید پہلے اسی چار دیواری کے اندر سنائیں۔ اور شاید اسی بزم کے بیٹھنے والوں اور بیٹھنے والیوں نے مشورے اور اصلاحیں دیں۔ یہ بزم ایک طرف فن کی اور علم النفس کی، اور دوسری طرف پاکیزگی ذوق کی تربیت گاہ تھی۔ بلکہ یہیں وقت کی تہذیب اور آداب مجلس کی بھی کرنیں پھوٹتی تھیں، اور اسکا اندازہ ہوتا تھا، کہ زمانہ کے تبدیل شدہ مذاق میں علم مجلس کی کتنی اہمیت ہے۔

لیکن ان سب کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی تھی، کہ جو مجلس اس ہوٹل میں جمع ہوتا وہ صرف زبان و ادب ہی متعلق داد تحسین دینے پر اکتفا نہ کرتا، بلکہ حقوق نسواں کی بھی وکالت کرتا، اور اس عشق و محبت سے متعلق، مرد و عورت کے تعلقات سے متعلق، عورت کے مرتبہ سے متعلق، نئے نئے خیالات و نظریات پوری قوت سے ظاہر کرتا رہتا، جنکے بہت سے اجزاء یقیناً مریضانہ بھی ہوتے ——— اور اب عورت کے غیر شادی شدہ رہنے کے فوائد، "پاک محبت"، "آزادیٔ نسواں" اور فطری ازدواجی تعلق، سب محبوب و ممنوع گفتگو بن گئے۔ اور رفتہ رفتہ اس ہوٹل کے اجتماعات نے مختلف بیگمات کے ہاں کہیں "شنبہ" کی اور کہیں "سہ شنبہ" کی مستقل صحبتیں اختیار کر لیں۔ اس مذاق و خیال میں شدت و قوت بھی، مذہبی جنون کی طرح آ گئی، اور رفتہ رفتہ یہ خیالات شہر سے نکل کر دور دراز علاقوں تک پھیل گئے۔

نسوانیت کے اس فلسفۂ جدید کا سب سے گندہ جزو یہ تھا کہ ازدواج سے انکار کر دیا جائے، اور مرد کو حقیر سمجھا جائے اور مولیارؔ[2] جس نے اس مذہب کا خوب مضحکہ اڑایا، اس نے اپنا اصلی ہدف انہیں دیسکوں کو رکھا۔ مادموزیل دی ساوان، جو اس تحریک کی علمبردار تھیں، انکے ملفوظات اٹھا کر دیکھے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ازدواجی زندگی درمیان میں کوئی تحقیر بھی ملیگی اور زچگی کی تکلیفوں کے خلاف بغاوت بھی جو خود ایک لڑکی کے نام ہے، اس میں یہ ہی نہیں کہ وہ اولاد کی ولادت اور فہم پر ہلکے ہیں، بلکہ تاکید یہ ہے کہ والدہ کے زمانہ میں یعنی علاقہ پر دوسری حقیقت میں اپنے ہاتھ میں لیکر ساتھ ہی یہ سفر بھی قائم۔ مدعا یہ کہ بچہ سے بھی اپنے حاملہ ہونے

کی خبر دیتی ہے، تو اور بڑی عمر کی ان اپنے خطوط میں مادر پدر سے تماشا پرست بچی اب تحریک زبان تک محدود نہ رہی سکتی، بلکہ آنے جنبوں سے علم پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مشہور حسین امیرزادی نے اپنی شادی اپنے منگیتر کے ساتھ پورے بارہ برس تک ٹالی ——— اتنی طویل مدت کہ آج بھی فرانس میں اسکا مثل نہ ہو سکے ——— مالتھس کا مشہور عقیدہ ضبط حمل کے باب میں، زچگی اور حمل کے خلاف بغاوت کا ایک کھلا ہوا نتیجہ تھا چنانچہ کلیسا کی شدید روک تھام کے باوجود، ان سب طبقوں کی صدہا خواتین نے بالکل آج ہی کل کے ضبط حمل کے طریقوں پر عملدرآمد شروع کر دیا تھا۔

صدیوں کے آغاز ہی سے عورت کا مرتبہ و اعزاز فرنچ معاشرہ میں بڑھتا شروع ہو گیا تھا، اور برابر بڑھتا رہا۔ اور جب وہ زمانہ آیا، جب بیڈم دی ساوان، اپنی صاحبزادی کے نام مشہور مکتوبات لکھ رہی تھیں، تو اسوقت عورت کا غلبہ و تفوق دیکھ کر روما کی شہنشاہی کا سماں نظروں کے سامنے آ جاتا تھا۔ اور اگرچہ قدیم تحریک نسوانیت میں نمائش اور ظاہرداری کی بنا پر بہت کچھ زوال آ چکا تھا، بلکہ جو مضحکہ اسکے خلاف شروع ہوا تھا اس نے اسکا خاتمہ ہی کر دیا، تاہم عورت کا ایک ممتاز درجہ و مقام تو قائم ہی ہو چکا تھا۔ اور اس طرح ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اب دم باقی نہیں رہا؟ ——— ایک روزنامہ کے صفحات پر اعلان ہوا ہے کہ "نقش فرنگ" کا مصنف، مرحوم ہو چکا ہے۔ کیا اس غریب کی موت بے ہنگام کا نتیجہ یہ نکلا، کہ اسکی ساری تحقیقات زیر زمین دفن کر دی جائے۔ اور اس نے اگر دن کو دن کہا تھا تو اسکی مرحومیت کے ثبوت میں اب دن کو رات ٹھہرانا دلیل "تجدد" قرار دیا جائے؟

[1] فرانس کا مشہور ڈرامہ نویس ادیب۔ ۱۶۰۶ء تا ۱۶۸۴ء

[2] فرانس کا مشہور ادیب اور ڈرامہ نگار

پردہ

(از مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن)

(سلسلہ صدق نمبر)

اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود شرعی مقرر فرمائی ہیں تاکہ انسان کے افعال کو ایک ضابطہ کا پابند بنایا جائے۔ اور اسکے ساتھ یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر افراط و تفریط کی صورت میں ان حدود سے تجاوز کروگے تو اپنے آپ کو خود تباہ کرلوگے ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ

اب دیکھیے کہ صنفی معاملات میں قرآن مجید انسانی فطرت کی کن خصوصیات اور کن مقتضیات کی طرف اشارہ کرتا ہے:-

(۱) دونوں صنفوں کے درمیان جس قسم کا تعلق انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اسکی تشریح یہ ہے:-

خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (الروم: ۳)	اللہ نے تمہارے لیے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم انکے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان مودت اور رحمت رکھدی ہے۔
ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ (بقرہ: ۲۳)	وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم انکے لیے لباس ہو۔

اس سے پہلے جس آیت میں انسان اور حیوان دونوں کیلیے جوڑے بنانے کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا تھا، وہاں تخلیق زوجین کا مقصد صرف بقاے نسل بتایا گیا تھا۔ اب حیوان سے الگ کرکے انسان کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس میں زوجیت کا ایک بالاتر مقصد بھی ہے، اور وہ یہ کہ انکا تعلق محض شہوانی تعلق نہ ہو بلکہ محبت اور اُنس کا تعلق ہو، دل کا لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو۔ وہ ایک دوسرے کے رازدار اور شریک رنج و راحت ہوں، انکے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کا یہی تعلق انسانی تمدن کی عمارت کا سنگ بنیاد ہے جیسا کہ ہم بتفصیل بیان کرچکے ہیں۔ اسکے ساتھ لتسکنوا الیہا سے اس طرف بھی اشارہ کردیا ہے کہ عورت کی ذات میں مرد کے لیے سرمایۂ سکون و راحت ہے، اور عورت کی فطری خدمت یہی ہے کہ وہ اس جد و جہد اور ہنگامہ عمل کی مشقتوں بھری دنیا میں سکون و راحت کا ایک گوشہ مہیا کرے یہ انسان کی خانگی زندگی ہے جسکی اہمیت اور منفعتوں کی خاطر اہل مغرب نے نظر انداز کردیا ہے، حالانکہ تمدنی و عمرانی کے شعبوں میں جو اہمیت دوسرے دوسرے شعبوں کی ہے اور تمدنی زندگی کےلیے یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنے دوسرے شعبے ضروری ہیں۔

(۲) یہ صنفی تعلق صرف زوجین کی باہمی محبت ہی کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ اس امر کا بھی مقتضی ہے کہ اس تعلق سے جو اولاد ہو اسکے ساتھ بھی ایک گہرا روحانی تعلق ہو۔ فطرت الٰہی نے اسکیلیے انسان کی اور خصوصاً عورت کی جسمانی ساخت اور حمل و رضاعت کی طبیعی صورت ہی میں ایسا انتظام کیا ہے کہ اسکی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں اولاد کی محبت پیوست ہوجاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے

حملتہ امہ وھنا علیٰ وھن وفصالہ فی عامین (لقمٰن: ۲)	اس کی ماں نے اسکو جھٹکے پر جھٹکے اٹھاکر پیٹ میں رکھا پھر دو سال کے بعد وہ ماں کی چھاتی سے جدا ہوا۔
حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا (الاحقاف: ۲)	اسکی ماں نے اسکو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا تکلیف کے ساتھ جنا اور اسکے حمل اور دودھ چھڑائی میں تیس مہینے صرف ہوئے۔

ایسا ہی حال مرد کا ہے، اگرچہ اولاد کی محبت میں وہ عورت سے کمتر

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین (آل عمران: ۲)	لوگوں کے لیے خوش آیند ہے ان مرغوب چیزوں کی محبت جیسے عورتیں اور اولاد۔

یہی فطری محبت انسان اور انسان کے درمیان خونی مہری رشتہ قائم کرتی ہے ان رشتوں سے خاندان اور خاندانوں سے قبائل اور قومیں بنتی ہیں اور انکے تعلقات سے تمدن وجود میں آتا ہے۔

وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا (الفرقان: ۵)	اور وہ خدا ہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسکو نسب اور شادی بیاہ کا رشتہ بنایا۔
یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا (الحجرات: ۲)	لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے بنادیے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

پس ارحام اور انساب اور مصاہرت کے رشتے دراصل انسانی تمدن کے ابتدائی اور طبیعی مؤسسات ہیں اور ان مؤسسات کے قیام کا انحصار اس پر ہے کہ اولاد اپنے معلوم و معروف باپ سے ہو اور انساب محفوظ ہوں۔

(۳) انسان کی فطرت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اپنی محنتوں کے نتائج اور اپنی گاڑھی کمائی میں سے اگر کچھ چھوڑے تو اپنی اولاد اور اپنے ان عزیزوں کے لیے چھوڑے، جنکے ساتھ وہ تمام عمر خونی اور رحمی رشتوں میں بندھا رہا ہے۔

واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ (الانفال: ۱)	اور اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کی وراثت کے زیادہ حقدار ہیں
وما جعل ادعیاءکم ابناءکم (الاحزاب: ۱)	جنکو منہ بولا بیٹا بنالیتے ہو انکو خدا نے تمہارا بیٹا نہیں بنایا ہے۔

پس تقسیم میراث کے لیے بھی تحفظ انساب کی ضرورت ہے۔

(باقی آیندہ)

ایک خوفناک فتنہ

(۱)

واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک اشتراکی طالبعلم جو ایم۔ اے کلاس میں تعلیم پاتے ہیں اور جن کا نام مسٹر خلیق احمد نقوی ہے یونیورسٹی یونین کی نظامت کے انتخاب میں بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ چونکہ یونیورسٹی کے دستور کے مطابق امسال یہ عہدہ ایک مسلمان کے لیے مخصوص تھا اسلیے دوسرے امیدوار نے مسٹر نقوی کی امیدواری کے خلاف یہ اعتراض کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے وہ انتخاب میں بطور امیدوار کھڑے نہیں ہوسکتے۔ افسر انتخاب نے اعتراض کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مسٹر نقوی سے سوال کیا کہ آیا وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ مسٹر نقوی نے سوال کے جواب میں نہایت "جرأت" سے فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، اور نہ صرف مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ کسی مذہب کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

افسر انتخاب کے لیے یہ معاملہ چونکہ پیچیدہ تھا اس لیے انھوں نے یہ مقدمہ وائس چانسلر کے پاس بھیجدیا۔ وائس چانسلر نے کاغذ پر یہ دو جملے لکھدیے (۱) میں مسلمان ہوں (۲) میں مسلمان نہیں ہوں۔ اور مسٹر نقوی سے کہا کہ وہ ان جملوں میں سے کسی ایک جملہ کو کاٹ دیں۔ چنانچہ مسٹر نقوی نے پہلے جملہ کو کاٹ دیا اور یہ بتادیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس پر وائس چانسلر نے یہ فیصلہ کردیا کہ چونکہ مسٹر نقوی نے اپنے مسلمان ہونے سے انکار کردیا ہے اس لیے وہ انتخاب میں بطور امیدوار کھڑے نہیں ہوسکتے۔

اسلام کے انکار اور اقرار کا تعلق انسان کے ضمیر سے ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کو سچا مذہب نہیں سمجھتا اور وہ اس سے برملا اپنی بیزاری اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے تو اسلام اسکا راستہ روک کر کھڑا نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی کو زبردستی اسلام پر قائم رکھنا چاہتا ہے کیونکہ اسکی نظر میں مسلم وہ ہے جو پورے اذعان و یقین کے ساتھ، عقل سلیم کی رہنمائی میں اسکے آستانے پر سر جھکانے اور شک و تذبذب کو پاس تک نہ آنے دے۔ اس نے روحانی دنیا میں سب سے پہلے ضمیر کی آزادی کا اعلان کیا اور فرمایا لا اکراہ فی الدین دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ وہ لوگوں سے برملا کہتا ہے من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔ جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو انکار کرنا چاہے انکار کردے انا ہدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ ہم نے حق و باطل کے دونوں راستے دکھا دیے ہیں انسان کو اختیار ہے کہ وہ جونسا راستہ چاہے اختیار کرلے۔

اس لیے نقوی صاحب کا یہ کہنا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ نہ ہمارے لیے موجب حیرت ہے اور نہ غم و غصہ کا سبب! اگر وہ اسلام کے پیغام سے مطمئن نہیں ہیں تو ہمیں کیا غرض پڑی ہے کہ ان کو مسلمان ہی سمجھیں اور زبردستی انکے حلق میں وہ لقمہ اتارنا چاہیں جس کو وہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔ ہمیں تو ممنون ہونا چاہیے کہ اسلامی نام کی وجہ سے اور اسلامی برادری سے تعلق رکھنے کے باعث جو لوگ اب تک ان کو مسلمان سمجھتے ہیں اُن کو خود انھوں نے "میں مسلمان نہیں ہوں" کہکر غلط فہمیوں سے بچا لیا اور خود بھی نفاق کے اُس پردہ کو چاک کرڈالا جو مدتوں سے انکے چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔

اگر معاملہ کی نوعیت صرف اسی حد تک رہتی تو مسلم اخبارات کو اس پر توجہ کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ جہاں ہزاروں سعادت مند ہیں، جو خدا شناسی کی دولت حاصل کرنے کے لیے، اسلام کے آستانہ پر سرنگوں ہوتے ہیں وہاں بہت سے بدقسمت انسان برگشتہ ہوکر واپس بھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن جو چیز اسلام کے لیے ناقابل برداشت ہے وہ سر وزیر حسن سابق چیف جج اودھ ہائی کورٹ کا فیصلہ ہے جو انھوں نے اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا خون کرتے ہوئے صادر کیا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کریں کہ سر وزیر حسن صاحب نے ایک ایسے مسئلہ میں رائے زنی کرکے اسلامی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کی ہے جو اُن کی دسترس سے باہر اور ان کی دائرہ اہلیت سے قطعاً خارج تھا تو غالباً بیجا نہ ہوگا۔

مسٹر نقوی نے برملا کہا کہ "میں مسلمان نہیں ہوں" مگر بعض طلباء نے سر وزیر حسن کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کردیا۔ آپ کا فرض تھا کہ اس معاملے کو علماے اسلام اور عالمین شریعت کے لیے چھوڑ دیتے اور اظہار رائے سے احتراز فرماتے۔ کیونکہ کفر و اسلام کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ارباب شریعت اور عالمین کتاب و سنت ہی کرسکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے مداخلت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل رائے ظاہر فرمادی:۔

"انتخاب کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں محمڈن کی کوئی تعریف نہیں کی گئی ہے اور نہ انتخابات کے متعلق دوسرے قواعد میں یہ تعریف پائی جاتی ہے ہندوستانی عیسائیوں کی تعریف گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں موجود ہے اور اس تعریف کے اندر امیدوار کے عقیدہ کا حوالہ بھی ہے۔ ملاحظہ ہو حصہ اول ضمیمہ ۵ دفعہ ۲۶ اس لفظ محمڈن کی تفسیر اس طرح کرنی چاہیے اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو مسلم فرقہ کا رکن ہے اور اس کے انفرادی مذہبی عقائد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

آگے سر وزیر حسن صاحب نے لفظ محمڈن کی "تفسیر" کرتے ہوئے ایک عجیب استدلال فرمایا ہے

"اس مخصوص معاملہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر نقوی نے اپنا فرقہ وارانہ الحاق ختم نہیں کیا ہے۔ انکا یہ طرز عمل اس بات کے لیے کافی ہے کہ انھیں محمڈن قرار دیا جائے خواہ اُنکے ذاتی مذہبی خیالات کچھ ہی ہوں۔ یہ صورت اور بھی زیادہ قابل تسلیم ہے جبکہ شخص مذکور نے کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کیا ہو جسکے بعد خود بخود اس کا تعلق اس فرقہ سے منقطع ہو جاتا جس سے ابتداً وہ متعلق تھا اور اب بھی ہے۔ اس لیے میری رائے میں مسٹر نقوی کا یہ دعویٰ کہ وہ محمڈن فرقہ کے ایک فرد ہیں جائز تسلیم کرلیا جائے۔"

یہ وہ فیصلہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو اسکے سامنے سر جھکانے پر مجبور کردیا گیا تو پچاس سال کے اندر اندر اسلامیت نست و نابود ہوجائیگی اور اسلام

ایک سوسائٹی بنکر رہ جائیگا۔ یہ وہ خیال ہے جو چپکے ہی چپکے اور اندر ہی اندر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کردیگا۔ اور مسلمانوں کی اس قوت جامعہ کو فنا کردیگا۔ جس نے اب تک ان کو دنیا میں قائم اور باقی رکھا ہے اس خیال کی موجودگی میں شدھی اور ارتدادی جارحانہ تحریکات کی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب وہ مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ کوئی شخص خواہ مسلمان ہو یا نہ ہو، خدا اور رسول پر ایمان رکھے یا نہ رکھے، قرآن حکیم کو خدا کا کلام اور قانون تسلیم کرے یا نہ کرے وہ مسلمانوں سے کٹ نہیں .... تو یا ملت کا درجہ ہوگا اور اسلام کا نظام اجتماعی، نظام روحانی اور نظام اخلاقی ایک سوسائٹی میں تبدیل ہو جائیگا اور ایمان و عقیدہ کا معاملہ ثانوی حیثیت اختیار کرلیگا۔

مسٹر نقوی نے نہایت "جرأت" کے ساتھ افسر انتخاب اور وائس چانسلر کے سامنے یہ اعلان کیا ہے کہ "میں مسلمان نہیں ہوں" مگر سر وزیر حسن فرماتے ہیں کہ نہیں آپ ضرور مسلمان ہیں۔ کیونکہ مسلم (محمڈن) اسکو کہا جاتا ہے جو خواہ خدا اور رسول کو نہ مانے اور قرآن حکیم کو محمد رسول اللہ کا افترا سمجھتا ہو، سزا و جزا اور قانون مجازات کا منکر ہو، اسلامی اوامر و نواہی کو کذب و دروغ پر محمول کرتا ہو اور اسلام کے تمام روحانی کارخانہ کو خانہ ساز، مصنوعی اور (نعوذ باللہ) داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغی اختراع کا نتیجہ قرار دیتا ہو، مگر وہ مسلم فرقہ سے اپنا الحاق منقطع نہ کرے اور اسلام سے کھلی بغاوت کرنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلم فرقہ کا فرد ہی سمجھتا رہے۔ نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ مگر سر وزیر حسن صاحب ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں اور انکو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی ہیں کیونکہ انھوں نے مسلم فرقہ سے اپنا الحاق منقطع نہیں کیا ہے۔

کیا سر وزیر حسن صاحب ہمیں بتالیں گے کہ محمڈن یا مسلم کی یہ تعریف انکو کہاں سے معلوم ہوئی؟ ایک باغی کو اور ایک مستقل نظام سے سرتابی کرنے والے کو زبردستی مسلمان کہنے کا اختیار کیونکر کس طرح حاصل ہوا؟ اگر مسٹر نقوی "میں مسلمان نہیں ہوں" کا نعرہ لگانے کے باوجود اپنا الحاق مسلم فرقہ سے ختم نہیں کرتے اور زبردستی اس نظام میں شرکت کرنا چاہتے ہیں جو اسلام ہی کا وضع کردہ ہے تو یہ خود انکی دھینگا مشتی، بزدلی اور منافقت ہے۔ اگر وہ مسلمان نہیں ہیں تو انکا اولیں فرض یہ ہے کہ وہ اس نظام سے ہی الگ ہو جائیں، جس سے وہ بغاوت کر رہے ہیں۔

اگر آپ کسی انجمن یا کلب کے ممبر ہیں اور اسکی رکنیت کے صورت میں آپ کو تمغے، نشانات، خطابات اور پاس وغیرہ ملے ہیں اور ایک وقت ایسا آگیا کہ آپ کلب کی رکنیت سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اس سے بغاوت بھی شروع کر دیتے ہیں تو آپ کی دیانتداری کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ آپ کلب کو اپنا تمغہ، نشان، پاس وغیرہ واپس کردیں تاکہ آپ کی علیحدگی متحقق ہو جائے اور دوسرے لوگ انکی وجہ سے دھوکا نہ کھائیں۔ اگر آپ سپاہی ہیں لیکن کسی وقت آپ اپنے منصب سے علیحدگی پر مجبور ہو جاتے ہیں تو آپ کو اپنی لال پگڑی بھی واپس کرنی ہوگی، پیٹی اور وردی کو بھی جسم سے علیحدہ کرنا پڑیگا اور بندوق بھی پولیس کے دفتر میں داخل کرنی ہوگی۔ لیکن آپ ایسا نہیں کیجئے اور پولیس کے نظام سے بغاوت کرنے کے باوجود سر پر لال پگڑی رکھے ہوئے، کمر میں پیٹی باندھے ہوئے اور مخصوص لباس زیب تن کیے ہوئے پھرتے رہیں تو یہ قانون کی نظر میں سنگین جرم ہوگا اور اس طرح آپ جو دنیا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کبھی معاف نہ ہوگا۔ اگر مسٹر نقوی صاحب بقول خود مسلمان نہیں ہیں تو انکا فرض ہے کہ وہ اپنا اسلامی نام تبدیل کر دیں تاکہ دوسرے لوگ انکے نام سے دھوکا نہ کھائیں۔ مسلمانوں کے ساتھ وہ تعلقات قائم نہ رکھیں جو صرف ایک مسلم کی حیثیت سے قائم رکھے جا سکتے ہیں اور اس تہذیب سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جسکا سرچشمہ اسلام ہے تاکہ انکو شناخت کرنے میں کسی کو دھوکا نہ لگے اور اسلام سے ان کی بغاوت بالکل آشکارا ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور مسلمان نہ ہونے کے باوجود اپنے نام اپنی تہذیب اور اپنی جماعتی زندگی سے دوسروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو یہ انکی بزدلی اور اخلاقی کمزوری ہے جسکے لیے دنیا کے تمام مذاہب میں گنجائش نکل سکتی ہے مگر اسلام میں نہیں نکل سکتی۔

(الجمعیۃ)

خواتین مشرق

(از مسز حبیبی اختر- ضلع نلگنڈہ)

ہند ماتا کی گود ہمیشہ عصمت مآب بہو بیٹیوں سے بھری رہی اسکا سہاگ سدا ابھار ہا- پیاری ماں کی پیاری بیٹیوں نے کبھی ماں کی لاج پر آنچ نہ آنے دی- زمانہ کی سختی سہی لیکن آبرو پر بل نہ آنے دیا- زمانہ نے لاکھو کروٹیں بدلیں لیکن انھوں نے اپنے کو نہ بدلا- انکی زندگی کا ہر لمحہ سکھ شانتی کا درس دیتا تھا- انکی پیاری پیاری باتیں آب حیات کا کام کرتی تھیں- انکی آبرو کی ایک ادنیٰ جنبش ملک میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیتی- انکے معصوم دل سچی محبت سے لبریز تھے-

مختصر یہ کہ وہ "سندر رنگ" کی ملکہ تھیں، یوں تو ہر اچھی چیز دنیا کو مرغوب ہوتی ہے لیکن "ست رنگ" وہ انمول موتی ہے جسکی قیمت دنیا کا کوئی جوہری ادا نہیں کر سکتا- چند سال پہلے ہند ماتا کی بہو بیٹیاں اس انمول موتی کی مالک تھیں- انکی نورانی پیشانیوں پر عصمت و عفت- نسوانی شرم و حیا کا نور ایسا چمکتا جیسے کسوٹی پہ سونا- ہونٹوں پر پان کا لاکھا- مسّی کی دھڑی- مانگ میں صندل انکا سہاگ تھا- باغوں کی سیر بھی ہوتی تو مینا بازار سجائے جاتے- جہاں مرد کا پرتو بھی نہیں پڑتا- جھولے پڑتے- ساون کے گیت گائے جاتے- آنکھ مچولی ہوتی- سہیلیوں کی چھیڑ چھاڑ رہتی- لیکن کیا مجال کہ انکی آواز کو کوئی غیر مرد سن سکے- وہ شرم و حیا کی مجسم دیویاں تھیں- سلطانہ رضیہ اور نور جہاں سے ہر تعلیم یافتہ بہن واقف ہے- وہ جہاں بزم کی شمع تھیں تو رزم کی ہیروئن بھی- رزم میں جب قدم رکھا تو سورماؤں کے دل ہلا دیے- جب اپنی ہٹ پہ تل گئیں تو زمین و آسمان کی چولیں ہلا ڈالیں- صبر و شکر کا وہ درس دیا کہ جسکو کائنات کی ہر ذی روح ہستی کبھی بھلا نہیں سکتی- رب العالمین کی بندگی- ماں- باپ کی فرمانبرداری، ہمسایہ بہنوں کی خدمت کو اپنا فرض اولین سمجھتیں- صبح ہوئی تو نماز سے فارغ ہو کر..... اپنے سرتاج کا منہ کم چہرہ دیکھتیں، بناؤ سنگھار کرتیں تو سرتاج کی محبت کو بڑھانے کے لیے اور خدمت کرتیں تو پتی دیوتا کے من مندر میں جگہ پانے کے لیے —— یہ تھی انکی زندگی جسکا ہر پل ہمارے لیے درس عبرت ہے۔

"اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا"

ایک وہ دن تھا کہ زمانہ لاکھ انقلاب بدلے لیکن نسوانیت کی دنیا پر زوال نہ آیا- آج بزم کائنات کا رنگ ہی جدا ہے- نسوانیت کی دنیا برہم نظر آتی ہے- سات سمندر پار بی بی فرنگ کی بیٹیوں نے مشرقی حوا کی بیٹیوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے- وہ شوخیاں جو انکے لیے زیبا نہیں- وہ بے پردگی جو انکی نسوانی شرم و حیا کے مانع ہے- وہ غزال مغربی کی چوکڑیاں جس میں انکے نازک پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں- یہ بھولی انکی از حد تقلید کرنا چاہتی ہے- گرنے پر بھی سنبھلنے کی کوشش نہیں کرتی- ہمکو حالات کا غلام نہیں، بلکہ حالات کو اپنا غلام بنانا چاہیے- ہم اپنی زندگی کے مالک ہیں- جس روش پر چاہیں لیجا سکتے ہیں- ہم اس راہ کو اختیار کریں جسمیں ہماری نسوانی شرافت پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگے- دنیا والے ہم کو مجسم شرم سمجھیں ہمارے کردار کا ہر پہلو سماج کے اخلاق کا ضامن رہے- نسوانی زندگی کے فلسفہ کا یہی منشا ہے کہ "عورت" دنیا میں انسان کی تکمیل کے لیے پیدا کی گئی ہے- اسکے آغوش محبت میں ننھی جانوں کی پرورش ہوتی ہے یہی ننھی جانیں بڑھتی ہیں اور بڑھ کر پروان چڑھتی ہیں- جیسے ماحول میں یہ ننھی جانیں زندگی کے مدارج طے کرتی ہیں اگر وہ ماحول متعفن گندگی کے مرض متعدی کا شکار ہو جائے تو انکی زندگی کیا ہوگی- انکا ضمیر بے حس اور وہ خود فرعون بن جائیں گی-

آج میں موجودہ دور کے خد و خال پر غور کرتی ہوں تو عجب کیفیت طاری ہو جاتی ہے- اپنے ہم مشرب طبقہ پر نظر ڈالتی ہوں تو اداس ہو کر رہ جاتی ہوں- آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں- آہ جسکو زمانہ حسن و نزاکت کی معصوم دیویاں کہا کرتا تھا جسے شیشہ جیسی نازک چیز سے تشبیہ دیجاتی تھی وہ آج پتھر کیوں بن گئیں- شریعت کی مجسم تصویروں میں [illegible] کیوں نہ رہی- کوئی وجہ ضرور ہے- موجودہ زمانہ کی ترقی، دنیوی عمدگی کا شاہکار صحیح- لیکن نسوانی طبقہ کے لیے نہیں- یہ ہماری بھاری بھول کی زبردست بھول ہے جو وہ ایک ایسی ڈگر پر گامزن ہیں جسکی ہر منزل مجسم معصیت ہے- مشرقی بہنوں کی زندگی کو "حسینان مغرب" کا آئینہ [illegible] چاہیے- حسن و عشق کی پرستش- کیوپڈ دیوتا کی پوجا، پارک کی بے حجابانہ تفریح، لیل و نہار کی رنگینیاں، بے شرم مسائل، یہ سب "ان" کے لیے ہیں- ہم ان کاموں کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہیں- [illegible] کے ہاتھ ہے- فطرت نے اگر "حسینان مغرب" کو دماغ عطا کیا ہے تو ہم کو "دل" جیسی بیش بہا دولت- چاہیے کہ ہمارا قلب فطرت کا آئینہ دار بنا رہے نہ کہ غیر فطری حباب آسا تعیشات کا دلدادہ-

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا! .....

آج ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ پریشان کن ہے- فیشن اور فرمات نے ہمیں گھیر رکھا ہے- نہ وہ پہلا سا ہمارا سہاگ ہے اور نہ وہ سہاگنوں کی محفل- اب تو ننھی بالی بہنوں میں بھی وہ بات پیدا ہو گئی ہے جسکے سننے سے شرم آتی ہے-

(پیام)

رعایتی خریداروں کی تعداد پوری ہوگئی

پچھلے کسی صدق اشاعتوں میں اعلان کیا تھا کہ ایک صاحب غیر مسلم نے [illegible] کی رقم ادارہ "صدق" کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کی تھی کہ وہ غیر مسلم حضرات جو "صدق" پڑھنے کے خواہشمند ہوں اور اپنی ناداری کے باعث پورا چندہ ادا نہ کر سکتے ہوں انکے نام "صدق" نصف چندہ وصول ہونے پر جاری کر دیا جائے- چنانچہ اس سلسلہ میں اس کثرت سے درخواستیں وصول ہوئیں کہ پچیس خریداروں کی تعداد دو ہی ہفتوں کے اندر پوری ہوگئی اور درخواستوں کا سلسلہ بدستور قائم ہے- لہذا ان درخواست کنندگان کے ساتھ کہ جنکی تعمیل ارشاد میں ہم انکی درخواست کے دیر سے وصول ہونے کے باعث قاصر رہے ہیں انکی اس مایوسی میں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے غیر بزرگ نے بھی اسی مثال کی تقلید کی طرف توجہ کی تو سب سے پہلے انھیں کی درخواست کی طرف توجہ کی جائیگی- مہتمم صدق-لکھنؤ

شیخ شوکت حسین منیجر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق مرشد آباد بلیپ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

وإلذى جاء بالصدق وصدق به اولٰئك هم المتقون

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے آب جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق

مراسلت اس پتہ پر کیجائے:۔

مہتمم "صدق" لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۳۹۱

نمبر ۲۵ | لکھنؤ ۹ - ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۳۸ء | جلد ۳

سچی باتیں

لیڈر ہمارے صوبہ کا مشہور ومتاز انگریزی روزنامہ ہمارے ہندو برادران وطن کے ہاتھ میں ہے، اور مسلمان اُسکی روش سے کچھ زیادہ خوش و مطمئن کبھی نہیں۔ لیکن اسکے باوجود جب چاہئے، اسکے رجسٹر اٹھا کر دیکھیے، مشترین اور خریداران دونوں کی فہرست میں کتنی بڑی تعداد، اتناسب آبادی و انگریزی خوانی کے لحاظ سے کہیں بڑی تعداد، مسلمانوں کی ملیگی! لیڈر کا نام محض بطور مثال تھا۔ دہلی کے ہندوستان ٹائمس، اور مستقل کا ان کلکتہ کے امرت بازار پترکا، مدراس کے ہندو، غرض کسی کے بھی دفتر کا جائزہ جا کر لے لیجیے، کیفیت یکساں ملیگی! حالانکہ ان میں سے بعض کو مسلمان اپنا کھلا ہوا دشمن بھی سمجھتے اور سمجھتے ہیں! —— اسکے مقابلہ میں جو دو چار پرچے، روزانہ و ہفتہ وار، مسلمانوں کے ہاتھ میں انگریزی کے ہیں، انکی بھی فہرست خریداری و اشتہارات پر نظر کر لیجیے، کتنے نام آپ کو ہندو حضرات کے ملیں گے؟ موجودہ اخبارات کو بھی جانے دیجیے، کامریڈ مرحوم کو لیجیے، اور اُسکے اُس دور کو، جب مولانا محمد علیؒ کی شہرت، اور کانگریس میں انکی مقبولیت کا شباب باقی تھا، یعنی ۲۳ء-۱۹۲۴ء۔ اُسوقت بھی اُسکے خریدار اس سے کسی طرح بھی اشتراک عمل کرنیوالے ہندو، کتنے تھے؟ —— اس پر بھی ہندو پروپیگنڈہ ایسا ہے، اور ہم پروپیگنڈے کی ساحری سے مسحور ہو کر ہمنے خود بھی تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے، کہ "تنگ نظر" ہم ہیں، "متعصب" ہم ہیں اور سب سے بڑھکر "فرقہ پرست" ہم ہیں، اور دوسرے مجسمۂ آزادخیالی اور یکسر بے تعصبی ہیں!

علیگڈھ جا کر بچشم خود ملاحظہ فرما آئیے۔ مسلم یونیورسٹی کے حدود کے اندر کس کثرت سے ہاتھوں میں آپ کو ہندوستان، لیڈر وغیرہ کے پرچے نظر آئیں گے۔ (علیگڈھ کا نام بطور نمایاں ترین مثال کے دیا گیا، آپ اسکی جگہ سب اسلامی و نیم اسلامی اسکولوں، کالجوں، تعلیمی ادارہ کو چاہے فرض کر لیجیے) اور مسلمان نوجوان اور پختہ عمر دونوں، کس شدومد کے ساتھ اخبار کی دی ہوئی خبروں کو آیت و حدیث سمجھ رہے ہونگے۔ اخبار کے چھاپے ہوئے اور چھاپے ہوئے پیامور سے استنادپر، بڑی چھوٹی، ہر طرح کی رائے قائم کر رہے ہوں گے۔ اپنوں کو چھوڑیں گے، اپنوں سے بچھڑیں گے، انہیں "معتبر دستند" روایات کی بنا پر، اپنوں سے کھینچیں گے، اپنوں پر بگڑینگے، انہیں "موثق ومصدق" حکایات کی بنا پر! اسکے بعد ذرا ہندو یونیورسٹی بنارس کے احاطے میں کسی ہندو کالج میں، کسی ہندو ہوسٹل میں، کسی گروکل میں، کسی پاٹھ شالہ میں قدم رنجہ فرمائیے، اور تلاش فرمائیے، کہ آپ کے اخبارات کی ردی کا پتہ بھی موجود ہے؟ —— اگر آپ اپنے اخبارات کی سرپرستی کریں، تو یہ عین تنگ نظری ہے، جمود ہے، اور قابل صد ہزار تحقیر فرقہ پرستی ہے، لیکن اگر یہی چیز اغیار کریں، تو یہ خودداری کا قدرتی تقاضا، اور "نیشنلزم" کا فطری جذبہ ہے!

نیچ سے، ریاست سے، آج کس مسلمان کو اجتناب ہے؟ جمعیۃ العلماء نے، مجلسِ احرار نے، دیوبند نے، ندوہ نے، کس سیاسی یا تعلیمی ادارہ نے انکا بائیکاٹ کر رکھا ہے؟ ریل میں جب چاہیے، ذرا کوئی بڑا اسفر کرکے دیکھ لیجیے، کتنی لمبی لمبی ڈاڑھی والوں کے ہاتھ میں آپ کو اغیار کے روزنامے اور ہفتہ وار اور ماہنامے مل جائیں گے۔ اور اسکے مقابلہ میں کسی سر پر ٹوپیا رکھنے والے، اور پیشانی پر چندن لگانے والے کے ہاتھ میں آپ کو انگلی اخلاقی اخبار نہ سہی، الجمعیۃ یا انصاری بھی ملیگا؟ ان پرچوں کو بھی چھوڑیے، کیا یہ ہر حال اسلامی ہیں، ان بیچاروں کو دیکھیے، جو اپنی اسلامیت، ساری کی ساری، تجدد نوازی، روشن خیالی، سوشلزم، اور کمیونزم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا چکے ہیں، اور زبانِ حال سے کس درد کے ساتھ فریاد کرتے سنائی دیتے ہیں ؎

جلا نہ دل، نہ تیرگیِ شامِ غم گئی۔
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں!

حکیم الامت کے تازہ خطابات

سال نو کے تحفۂ خطابات سے کون واقف نہیں۔ یہ خبر کسے تھی، کہ سوشلسٹ سرکار کے تجدد و اجتہاد نے خطابات میں بھی انقلاب کی راہ نکال لی ہے! اسی سرکار کا ایک ہفتہ وار، پیر یا دوشنبہ کو نہیں، بلکہ ہر "سوموار" کو کلکتہ سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس کا تازہ شاہکار، ملاحظہ ہو:-

"جو شخص، تھانہ بھون کے **پیکرِ ہاروت و ماروت** کو ولی سمجھتا ہے، وہ سب ہی کچھ سمجھ سکتا ہے۔ صوفی.... صاحب تو بہر حال اللہ کے نیک بندے ہیں، لیکن تھانہ بھون کو قبلہ سمجھنے والا ہر **شعبدہ باز** کو ولی بلکہ نبی بھی سمجھ سکتا ہے۔" (مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ک ۳)

"شعبدہ باز" اور "پیکرِ ہاروت و ماروت"! بہت خوب، بہت خوب! یہ القاب اُسے مرحمت ہوئے ہیں، جس کی ساری عمر کی کمائی قرآن و سنت ہی کی خدمت و اشاعت ہے، اور جسکے تقوٰی و طہارت پر آج دیوبند، ندوۃ العلماء، اور جمعیۃ العلماء اور جمعیۃ احرار سب کا اتفاق ہے!———— دفتر کے دفتر لکھ گئے تھے مولوی احمد رضا خاں بریلوی مرحوم اس "وہابی" کی نسبت۔ کیا جانتے تھے بیچارے، کہ ایک ایسا استادِ فن پیدا ہوگا، جو ایک ہی گردشِ قلم میں اُنکی ساری محنتوں پر پانی پھیر دیگا، "شعبدہ باز" اور "پیکرِ ہاروت و ماروت"! نہ سوجھا ایسا چھوتا مضمون، بریلوی خاں صاحب مرحوم کو، عمر بھر نہ سوجھا! نہ ہوئی محفلِ مشاعرہ، ورنہ اس نادر و بے مثال مصرعہ "بے طرح" پر "مکرر ارشاد ہو" کا وہ ہنگامہ برپا ہوتا، کہ مشاعرہ کی چھت ہی شاید اُڑ جاتی!

خیر، ندرتِ فکر و خوش طرزی کی شاہکاری سے قطع نظر، بیان کی اپنی طلب کرکے گزارش یہ ہے کہ مولانا تھانوی غریب کا آخر قصور کیا تھا؟ یا کی ذنبٍ قُتِلَتْ؟ قصور، دار اگر تھا، تو مرید صدق، یا اُس سوموار کی زبان میں "دریابادی شیخ جی" کے جرم کی سزا، دریاباد سے چار سو میل کا سفر کرکے، تھانہ بھون کیسے پہونچ گئی؟ یا "حضرت اقدس" "ایس" اور "حضرت اعلیٰ لینن" اور "حضرت قبلہ استالین" کے دین کا یہی آئین ہے، کہ جرم کسی کا ہوتا ہے، اور سزا کسی کو ملتی ہے؟ اور [illegible]

کے حرمِ محترم کی شریعت میں عمل

تکجا می نماید کجا می زند

کے فلسفہ پر ہے؟

تاہل سے بیزاری

بعض سے پُرجوش رل کلیسائے انگلستان نے جن میں بعض مشاہیر، مثلاً... شامل ہیں، کنٹربری کے لاٹ پادری کے حضور میں محضر پیش کیا ہے، کہ کلیسا کے جادۂ روحانی کے لیے یہ ضروری ہے کہ پادریوں کی تعداد میں عنصرِ غالب مجردوں کا رہے۔ اس محضر میں لکھتے ہیں:-

"مسیحیت، حواریوں کے عہد سے جو کچھ بھی پھیلی ہے، شادی شدہ نہیں، بلکہ مجرد مبلغین کے ذریعہ سے پھیلی ہے، جو مسیح اور انجیل کی خاطر اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں، سب کو چھوڑ چکے تھے۔"

اس محضر اور اس تحریک کے جواب میں بھی بڑے لوگ کھڑے ہوئے ہیں۔" (لیڈر کے وقائع نگار لندن کا مراسلہ ۲۹ دسمبر ۱۹۵۳ء)

گویا ازدواجی زندگی کی پستی اور بہیمیت کا جو نظریہ پولوس نے حضرت مسیح کے چند ہی سال بعد قائم کرا دیا تھا، اور جسے بعد کو مقدسین کلیسا خوب فروغ دیتے رہے، اس بیسویں صدی میں بھی ایک بڑے مسیحی حلقہ میں بدستور مسلّم و مقبول ہے۔ اور ازدواج سے، جو تکمیل انسانیت کے لیے بمنزلۂ لازمہ کے ہے، وہ نفرت و وحشت، جو مشرک و گمراہ قوموں کے اثر سے پیدا ہوگئی تھی، ابتک دُور نہیں ہوئی ہے! اس ذہنیت کے لوگوں کی سمجھ میں اگر اسلام کے مسائلِ نکاح و تعددِ ازدواج، اور حور و جنت کے تصورات نہ آئیں، تو یہ غریب معذور ہیں۔ غضب اپنے ہاں کے نادانوں پر آتا ہے، کہ ان گمراہوں کی کم فہمی اور پست خیالی سے ایسا مرعوب ہوئے، کہ خود اپنے عقائد و احکام کے اندر تاویل پر تاویل اس بے دردی کے ساتھ شروع کردی کہ تاویل کے ڈانڈے تحریف سے مل گئے!

"ترقی کی برکتیں"

وارسا، ملک پولینڈ کا مشہور شہر ہے۔ وہاں سے ایک اخبار نکلتا ہے "ہماری زندگی" (آور لائف) نامی۔ یہ باقاعدہ ترجمان ہے وہاں کی جرائم پیشہ آبادی کا۔

(۱) اس میں جرائم، خصوصاً چوری اور ڈکیتی کے خاص خاص رموز و اسرار بتائے جاتے ہیں۔

(۲) اس کی مدیرہ، ایک خاتون ہیں، جو ڈکیتی میں ماہرِ فن کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۳) اسکی اشاعت تمام دنیائے متمدن میں ہے۔ چنانچہ علاوہ ملکی زبان کے، یہ جرمن، فرنچ، اور انگریزی زبانوں میں بھی شایع ہوتا ہے۔

(۴) پولیس کی گرفت اور سراغ رسی سے بچنے کے ہتکھنڈے خاص طور سے اس میں بیان ہوتے ہیں۔

(۵) اسکے خریداروں کی فہرست میں نام صرف مجرموں ہی کے نہیں، بلکہ شرفا و معززین کے بھی ہیں

پولیس نے حال میں چھاپہ مار کر جریدہ مذکور کے دفتر پر قبضہ کیا ہے اور دیر اطلاعیں

شایع کرائی ہیں - (ٹائمس آف انڈیا السٹریٹیڈ ویکلی بمبئی ۲۰ - نومبر ۱۹۳۲ء)

غریب ہندوستان! ابھی تو تہذیب و تمدن کی دوڑ میں کتنا پیچھے ہے، اور ترقی و تجدد کی راہ میں ابھی کتنی منزلیں بجھے طے کرنی ہیں!

محمد علیؒ کی یاد

پچھلے ہفتہ محمد علیؒ کے یوم وفات پر اکثر یادگار ہندوستان میں دھوم دھام سے منائی گئی، گو افسوس ہے کہ یہ جلسہ ایک ہی فریق، یعنی مسلم لیگ ہی کی طرف سے ہے - حالانکہ یہ موقع ایسا تھا کہ اس میں مسلمانوں کی دوسری جماعتیں بھی بہ آسانی شریک ہوسکتی تھیں - اس یوم کے لیے ایک اہم چیز، روزنامہ خلافت نے (جس کی ادارت اتفاق سے "سیرت محمد علی" کے مصنف کے ہاتھ میں ہے) یاد دلائی تھی - اُس نے کہا تھا:-

"ایصال ثواب تو سال کے ۳۶۵ دن میں ہر روز کیا جا سکتا ہے جلسے کسی دن بھی کیے جا سکتے ہیں ..... یوم محمد علیؒ کا اصلی مقصد مختصر الفاظ میں یہ ہونا چاہیے "سیاسیات محمد علی کا اعادہ اور اُن پر عمل"، ہندوستان کی موجودہ سیاسیات کی اصلی گرہ حضرت شہید ملت کے زمانہ کی الکہ اغبیت مقدس الفوری کی تیاری ہوئی ہے"

لیکن سیاسیات محمد علی سے بھی اہم تر محمد علی کی روح عمل تھی - محمد علی کی سیاسیات تابع و فرع تھی اُنکی روح کی، جو بمنزلہ اصل اور اساس کے تھی اور محرک تھی - وہ روح کیا تھی؟ اسے اُنکے کسی معتقد و پیرو کی زبان سے نہیں، اُنکے نکتہ چیں اور وقت کے سب سے بڑے "روشن خیال" کی زبان سے سنیئے:-

"محمد علی کی یہ عادت تھی، کہ کانگریس کی قرارداد میں بھی کسی نہ کسی عنوان سے خدا کا ذکر ضرور کر دیا کرتے تھے، مثلاً شکر کے طور پر یا دعا کے انداز میں - میں اس کے خلاف احتجاج کرتا تو وہ مجھ پر برس پڑتے، اور میری بے دینی پر مجھے خوب ڈانٹتے" (جواہرلال نہرو "میری کہانی" جلد اول، صفحہ ۲۰۱)

اصلی ضرورت اسی روح کے اعادہ کی ہے -

جرم آفریں تمدن

لیانز (فرانس) کی پولیس لیباریٹری (دار التجربہ) میں کام کیے ہوئے ایک صاحب مسٹر ہنری دوگس ہیں - اُنکی ایک کتاب "مجرمین جنکے ہم مستحق ہیں" کے عنوان سے حال میں شایع ہوئی ہے جس پر اسی دسمبر میں انگریزی اخبارات میں تبصرے نکلے ہیں - کتاب کا ماحصل ایک تبصرہ نگار کے لفظوں میں یہ ہے، کہ

"موجودہ جرائم ہمارے تمدن کا جزو لاینفک ہیں، اور جب تک تمدن کی نوعیت ہی سرے سے تبدیل ہوکر نہ رہے جرائم مٹ نہیں سکتے اس لیے کہ موجودہ تمدن کی بنیاد ہے کن چیزوں پر؟ صرف دو پر:-

(۱) ایک مقابلہ و مسابقہ

(۲) دوسرے خود غرضی

اور مجرم اِن اصول کا توڑنے والا نہیں، بلکہ انھیں اسی قانون پر عمل کرنے والا ہے -

پھر یہ بھی غلط ہے، کہ موجودہ قوانین میں مجرم کو جرم پیشگی سے کوئی نقصان جو پہنچتا ہے - وہ نقصان میں نہیں، نفع ہی میں رہتا ہے جیسا کہ فلاں فلاں مثالوں سے ظاہر ہے .....

محرک جرم اصل میں دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں، اور اسی لحاظ سے چور بھی دو قسموں کے ہوتے ہیں،

(۱) ایک چوری کرنے والے، حرص و طمع کی بنا پر -

(۲) دوسرے چوری کرنیوالے، بھوک اور ضرورت سے مجبور ہوکر -

حقیقی مجرم اور اصلی قانون شکن پہلے ہی طبقہ کے لوگ کہے جا سکتے ہیں - اور اسی طبقہ کی حوصلہ افزائی ہمارا موجودہ تمدن دل کھول کر کر رہا ہے"

عجب نظارہ ہے، عبرت انگیز بھی اور سبق آموز بھی، کہ ایک طرف تو جو "زندہ" سمجھے جاتے ہیں، وہ اپنی "زندگی" سے عاجز آ آکر! بار بار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!

اور دوسری طرف ہمارے علمبرداران ترقی و تہذیب دکان اور زعیمان انقلاب کا اصرار ہے کہ نجات و فلاح انھیں زندہ قوموں کی راہ اختیار کرنے انھیں کے نقش قدم پر چلنے وابستہ ہے!

دو مثالیں

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک اونچے درجہ کے مسلمان نام رکھنے والے طالب علم سے متعلق عرصہ ہوا خبر آئی تھی، کہ ایک انتخابی مقابلہ کے وقت، جسکے امیدوار کا مسلمان ہونا ضروری تھا، جب اُس سے یونیورسٹی کے افسر نے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ تو اس نے جواب نفی میں دیا، اور اس طرح عہدہ اور زینت دونوں سے دست برداری داخل کر دی - اسکے بعد دوسری خبر اسی یونیورسٹی کے ایک غیر مسلم طالب علم بچن سنگھ نام سے متعلق آئی کہ ایک انتخابی مقابلہ کے وقت، جسکے امیدوار کا مسلمان ہونا ضروری تھا، جب اُس سے مذہب کا سوال آیا، تو اُس نے کہدیا کہ میں تو مسلمان ہوں - کب اور کس کے سامنے مسلمان ہوئے؟ جواب ملا کہ آج، اور اپنے نفس کے سامنے! وائس چانسلر نے غلط بیانی کے جرم میں یونیورسٹی سے خارج کیا، اور پھر یہ حکم واپس لے لیا، وغیرہ - سارے واقعہ کو چھوڑیے، کام کی اور عجیب بات یہ ہے، جو ایک معاصر نے لکھی ہے کہ

"یہ دونوں مثالیں ہندو اور مسلمان کی ذہنیت کا صحیح نقشہ پیش کر رہی ہیں - ہندو کی قوم پرستی یہ ہے کہ اگر اسے مسلمان بھی بننا پڑے تو وہ بن جاتا ہے، مگر عہدہ یا ملازمت نہیں چھوڑتا، اور مسلمان کی قوم پرستی یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک خالی قوم پرست بنا رہتا ہے، اور اسکے لیے اگر اسلام اور عہدہ دونوں سے دست بردار ہونا پڑے تو وہ دست بردار ہو جاتا ہے"

دیہات کا تمدن

ٹائمس آف انڈیا السٹریٹیڈ (بمبئی) انگریزوں انگریزی ذوق والوں کا ہفتہ وار ہے - اپنی ایک قریبی اشاعت میں لکھتا ہے کہ

"ہندوستانی عورت کے جسم کی خوشنمائی اور سڈول پن پر اہل مغرب کی نگاہ ذرا کم ہی پڑتی ہے، خصوصاً جب وہ انھیں ساری میں ملبوس ہوکر چلتی ہے تو اُسکے چال کے حسن و جمال"

تو وہ لوگ لوٹ پوٹ ہو جاتی ہیں ... بعض کا خیال ہے کہ ہندوستان کا یہ زنانہ حسن نتیجہ ہے یہاں کی غذاؤں کا۔ بعض کے نزدیک یہاں کی آب و ہوا کا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ نتیجہ ہے اس مفید عادت کا کہ لڑکیاں شروع ہی سے کنوئیں سے پانی بھرنے اور پانی کے گھڑوں کو کمر اور سر پر لادنے کی خوگر بنا دی جاتی ہیں .... جسم کا سڈول پن اسی آخر الذکر عمل کا نتیجہ ہے، اور پچاس فٹ کی گہرائی سے پانی بھرنے سے جسم میں وہ رعنائی اور جلد کے رنگ روپ میں وہ تازگی آجاتی ہے، جو دنیا کے بہترین سنگار خانوں، وہ آرائشِ جمال کے کارخانوں میں جانے سے کبھی ممکن نہیں"۔

دیہاتی تمدن کی سادگی اور بے تکلفی کے سانچے میں ڈھالے جانے کے متمنی مغرب پسند، لیکن ... آکسفرڈ اور کیمبرج کی فضا میں تربیت دلانے والے "روشن خیال" حقائق کا یہ اعتراف سن رہے ہیں؟

اختلاف و اتفاق

ایک مراسلہ نگار سوال کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کے امیدوار جب پچھلے سال انتخاب عام کے وقت کھڑے ہوئے تھے، تو انکی تائید و حمایت تو علماء و جمعیۃ العلماء کے خود صدر کانگریس نے علانیہ کی تھی، حالانکہ اس وقت لیگ اور کانگریس کے مقاصد میں فرق نہیں تھا۔ تو اب جبکہ دونوں کے مقاصد سیاسی بالکل ایک ہو چکے ہیں، کانگریس کی طرف سے لیگ کی مخالفت کے معنی کیا ہیں؟

*

دونوں نے بلا وجہ کہہ تماشا کیا!

... معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی مخالف ہو اسکی ... اور جب ... موافق ہو جائے تو اسکی مخالفت شروع کر دو! ... مسلمانوں ... کے تنزل ...

اپنے مراسلہ نگاروں سے

... (لکھنؤ) آپ کا طویل مراسلہ جس میں آپ نے بعض علماء جمعیۃ العلماء و مجلس احرار کی تقریروں کے حوالے دیکر دکھایا ہے ... ان حضرات کی طرف سے ... موصول ہوا ... کے بجائے نفع کے نقصان کا زیادہ احتمال ہے ... اب صورت تو ہر فریق کو پورے ... کے ساتھ ... اس خانہ جنگی کو ختم کرانے کی چاہئے۔ ... پر ... مرض عالمگیر ہے، کس کس کو کہا جائے۔

آپ کا ذیل کا فقرہ ... سے لکھا ہوا ... اس قابل ہے کہ اشاعت پائے:

"سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ کانگریس نے علماء کو ... پر ... بالکل سامنے کر دیا ہے۔ جو بات اور اعتراض کانگریس کے متعلق کیا جائے وہ سب سے پہلے انکے سینے سہتے ہیں اور

مولانا محمد علیؒ کی یاد

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر ۴۔ جنوری ۱۹۳۸ء کو سات برس پورے ہو جائیں گے۔ مولانائے مرحوم ہندوستان ہی کے نہیں، بلکہ دنیائے اسلام و دنیائے مشرق کے نہایت جلیل القدر فرزند تھے۔ انکی ذات با برکات میں قدرت نے اتنے اوصاف و محاسن جمع کر دیے تھے جو عام طور پر کسی ایک ذات میں شاذ ہی جمع ہوتے ہیں۔ وہ علم و فضل کا پیکر یگانہ تھے۔ تحریر و تقریر دونوں کے بادشاہ تھے۔ انگریزی زبان پر انھیں ... قدرت تھی ... خود انگریزوں میں بہت کم ملیگی۔ انگریزی کی طرح اردو میں بھی انکا مخصوص انداز تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ میدانِ عمل کے شہسوار تھے اور حقیقی معنوں میں قائد و رہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ... علم و فضل کے ساتھ ... قوتِ عمل عطا کی تھی۔ جسکے عدیم النظیر جوہر مشکلات و موانع کے ہجوم میں زیادہ درخشاں ہو جاتے تھے۔

وہ سراپا عزم و ارادہ، ہمت، سراپا جوانمردی اور سراپا ایثار تھے۔ انھوں نے جس لمحہ سے اپنی ... زندگی کو قوم و ملک کی خدمت کیلئے وقف کیا، اس لمحہ سے پھر دم واپسیں تک دنیا کی کوئی چیز انھیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی ... بالکل ابتدائی دور میں انکی ... خدمت ... لیکن عزم و ایثار کا وہ ... بھی خوشی کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کیا اور ... پائے ثبات میں کوئی لرزش نہ پیدا ہوا۔ مولانائے مرحوم اگر چاہتے تو کسی خاص خدمت و شفقت ... دنیا کی بہترین ... انکے گرد پیش جمع ہو سکتی تھیں، لیکن انھوں نے ہر دنیاوی راحت کو ٹھکرا دیا ... اضطرار و مجبوری کے عالم میں نہیں، بلکہ اختیار و عزم کے ساتھ مرضیاتِ الٰہی کی ... خدمت خلق پر قربان کر دیا، اور جب تک انکے مقدس جسم میں زندگی اور ہوش کی آخری کرن باقی رہی، انھوں نے اپنے اختیار کردہ راستہ سے بال برابر بھی انحراف گوارا نہ کیا۔ حتیٰ کہ انکا آخری سانس بھی خدمت ہی کی ... میں پورا ہوا۔

ایسی یگانۂ روزگار ہستیاں دنیا میں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ دورِ حاضر

سب سے زیادہ جواب دینے کی فکر بعض کو ہوتی ہے۔

مسلم لیگ کے لوگوں کو گالیاں دینا بھی بعض کا فرض ہے

پھر گالیاں سننا بھی بعض کو پڑتی ہیں"

شیخ ..... صاحب (بارہ بنکی) لیگ اور کانگریس کے اساسی مبحث پر گفتگو ان صفحات میں آچکی ہے، اور آئندہ بھی کبھی کبھی حسب ضرورت و گنجائش آتی رہیگی۔ لیکن اس ضمن میں شخصیات پر جرح و تنقید اور جزئی تفصیلات میں جانے سے بالکل معذوری ہے۔

کا ہندوستان تو علم و عمل اور وسعت نظر و رسوخ عزم کے اس پیکر کی مثال کیا پیش کرے گا ساری دنیائے شرق میں بھی ایسی ہستیاں صدیوں میں صرف چند پیدا ہوتی ہیں۔ ہندوستان کے کسی قائد نے علم و عمل کے مختلف گوشوں میں اپنی خدمتگزاری کے ایسے گہرے نقوش نہیں چھوڑے جیسے کہ اولوالعزم محمد علی نے چھوڑے۔ افسوس کہ ہندوستان نے اب تک اس بلند منزلت شخصیت کی قدر نہ پہچانی۔ ہندوؤں سے تو یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ انکی فرقہ پرستانہ تنگ نظری، اغیار، مولانا سے مغفور کے ساتھ اظہار عقیدت کی اجازت دیتی۔ ۔۔۔۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان بھی اس مرحوم قائد کے ساتھ محبت و عقیدت کا حق بہ آئین شایان ادا نہ کر سکے .....

محمد علی کا جسم اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ لیکن جیتی روح عمل اسکی روح ایثار اور اس کی روح ہمت و جوانمردی رہتی دنیا تک موجود رہیگی۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس روح عمل اس روح ایثار اور اس روح ہمت و جوانمردی سے استفادہ کرے۔ اس مقدس ہستی کی سیرت سے خدمت ملک و ملت کا سبق لے۔ اور اس کے شروع کیے ہوئے کاموں کو پایۂ تکمیل پر پہونچانے میں مردود سے محمد علی اس دور کا نوایت مایل القدر انسان تھا۔ اس کی یاد ہر شخص کے لیے حیات تازہ کا پیغام ہے۔ اٹھو اور سب مل کر اس قدوسی سرچشمۂ عمل سے اپنے دلوں کی لب تشنگی کا مداوا کرو اٹھو اور سب مل کر "یوم محمد علی" مناؤ۔ (انقلاب)

(بقیہ صفحہ ۱۰)

میرے محترم! یہ زمانہ سر کاٹ کر حکومت کرنے کا نہیں ہے، نیز اب تو شخصی حکومت کے پیدا ہونے اور کامیاب ہونے کا امکان زیادہ نہیں رہا ہے۔ یہ زمانہ سروں کو گن کر ووٹوں کو شمار کر کے جمہوریت اور کثرت آراء پر فیصلہ کرنے کا ہے۔ سات کروڑ غیر مسلموں میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یعنی ایک نمایاں اقلیت کو زندہ رہنے اور بسر کرنے کا سوال ہے۔ ذرا غور سے کام لیجیے۔

صدق - مولانا کی جن عبارتوں کو زیر خط کر دیا گیا ہے انھیں ذرا خیال کر کے پڑھا جائے تو صاف نظر آ جائیگا کہ مولانا کا اصلی نقطۂ نظر لیگ کے قریب قریب وہی ہے، جس سے سمجھتے ہیں کہ اس اتحاد مسلک کے باوجود، یہ شدید خانہ جنگی برپا ہو جانا، بجز اُمت کی بدنصیبی کے، اور کس چیز پر محمول کیا جائے؟ اختلاف و شقاق تو صرف اُن لیگوں نے ڈالا جنھوں نے کانگریس کے ذمہ دارانہ پلیٹ فارم سے پکار پکار کر کہا کہ "کانگریس کے ہوتے ہوئے ملک میں کوئی دوسرا "فرقہ وارانہ" ادارہ زندہ نہیں رہنے دیا جا سکتا" لیگ کی اصل جنگ تو اس ذہنیت کے مقابلہ میں ہے، اور اس جنگ میں حقیقۃً لیگ اور جمعیۃ العلماء کو تو ایک ہونا چاہیے تھا۔

(بقیہ صفحہ ۷)

کہ مکہ کا کیا حال ہے؟ اصیل غفاری نے مکہ کا حال کچھ ایسے دردناک انداز میں ذکر کیا، کہ حضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور ارشاد فرمایا یا اصیل لا تحزنی ــــــ اے اصیل مجھے رنجیدہ نہ کرو

اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا اصلی وطن "دار الاسلام" ہے۔ قانون شرعی

کو دیکھو دار الاسلام کی حفاظت سے متعلق کس قدر شدید احکام موجود ہیں! اگر خدانخواستہ دار الاسلام پر کسی غیر مسلم کا استیلاء ہو جائے تو اس کا دفاع کس کس طرح واجب ہے؟

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام وطنی اُنس و محبت کا مخالف ہے؟ اسلام اُنس و محبت کا نہیں بلکہ وطنی عصبیت کا مخالف ہے، جو کہ درحقیقت امن عامہ کے لیے پیغام موت ہے! جو مسلمان آج محض وطنی نقطۂ نظر سے جنگ آزادی میں شریک ہیں کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اٹلی، جاپان، روس، جرمن اور انگلستان کے نقش قدم پر چلیں؟ کیا کل انکی بھی یہ خواہش ہوگی کہ ہندوستان کے مفاد کی خاطر اپنے سے کمزور حکومتوں کو تباہ و برباد کر دیں؟ اگر ایسا نہیں ہے، تو وہ آزادی کی جنگ کو مذہبی نظریہ کے ماتحت کیوں نہیں لڑتے ہیں؟ تاکہ وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ سرفراز و کامیاب ہوں، اور آزاد ہندوستان کمزور بادشاہوں کے لیے وبال جان بھی نہ بن جائے!

پنجاب کی خانہ جنگیاں

قرآن مجید کی حکیمانہ تعلیم ملاحظہ ہو:-

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ـــ اے مسلمانو آپس میں نزاع اور جھگڑا نہ کیا کرو ریحکم ـــــــ ورنہ تم پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائیگی۔

مذہبی کتاب کی حیثیت سے صرف ارشاد "لا تنازعوا" کافی تھا، لیکن اتنا کہنا ایک حکم کی شکل میں تھا۔ حکیم مطلق نے اس ضروری حکم کی مخالفت کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ تم اپنے مقصد میں پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔ ناممکن ہے کہ واقعات اس حکیمانہ تعلیم کی تردید کر سکیں۔ ہم حیران ہیں اور ہماری حیرت کی حد نہیں ہے کہ ان ناعاقبت اندیش اصحاب نے افراد اسلام کو اتنا عقل سے خالی کیوں سمجھ رکھا ہے کہ انکی ان حرکات قبیحہ کو جانچنے کا کسی کو سلیقہ ہی نہیں۔ مسجد کا نام رکھ کر ایک دوسرے کی توہین و تذلیل اتنی کرتے ہیں کہ کوئی کافر مومن کی اور مومن کافر کی بھی اتنی تذلیل نہ کرتا ہوگا کہنے کو تو کہتے ہیں کہ ہم مذہبی کام کر رہے ہیں۔ ہم کسی کے دل کا حال نہیں جانتے یہ تو علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے۔ ہاں ظاہری حالات پر حکم لگا سکتے ہیں کہ یہ منازعات شرعی تعلیم کی رو سے ہرگز جائز نہیں۔ حدیث میں بعض دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کی بھی آئی ہیں کہ آپ شماتت اعداء سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ہم ان مسلم جماعات سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کی اس لڑائی سے اغیار کو خوشی ہوتی ہے یا نہیں، جس سے پناہ مانگنے کا ارشاد حدیثوں میں وارد ہے؟

(اہلحدیث)

بیچارہ "ہندستان"!

لکھنؤ کا کانگریسی آرگن "ہندستان" اپنی تازہ اشاعت میں رقمطراز ہے:

"کانپور میں کیا رنگ مزدور تحریک پر سرمایہ داری اور شہنشاہیت نے ملکر دھشیانہ حملہ کر دیا۔ ملوں کے آدھے میل کے اندر رہنے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی اجازت ڈکٹی مہینوں سے تجدید ہو کی گئی تھی، اب ... حکم کو تین مہینے کے لیے اور بڑھا دیا گیا ہے!"

واضح رہے کہ کانپور صوبہ بنگال کا کوئی ضلع نہیں ہے جہاں سر ناظم الدین کے اشارہ ابرو سے یہ سب کچھ ہو رہا ہو، بلکہ یوپی کا ایک ضلع ہے، جہاں پنڈت پنتھ کا بینہ حکومت کر رہا ہے۔ امتناع جلوس اور جلسہ کے یہ احکام پنتھ جی کے ماتحت گورنمنٹ نظام کی پیداوار ہیں۔ اور ملاحظہ ہو:

"مزدور سبھا کے بزرگ لیڈر جنرل سکریٹری کا مرلیدھر دفعہ ۳۰۵ تعزیرات ہند کے ماتحت جیل میں ڈال دیئے گئے؛ کامریڈ سنتوش دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے جرم میں جیل بھیج دیئے گئے۔ جب آپ کچہری میں لائے گئے تو پولیس نے آپ کے ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈال دی تھیں!" یاد رہے یہ واقعہ کانپور کا ہے، صوبہ پنجاب کا کوئی ضلع نہیں، جہاں سر سکندر حیات کا سکہ چلتا ہو، بلکہ یوپی کا ہے جہاں کانگریسی وزارت قائم ہے۔ اس وقت بھی یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جس کے لیے یہ بدنام تھی ... کی حکومت بدنام تھی۔ ہندستان درد کا مزید سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے:-

"اس وقت تک تقریباً سو مزدور گرفتار ہو چکے ہیں۔ سنا جاتا ہے کہ ملوں کے بجز ایسا مزدوروں کو ... ہشت خیال کرتے ہیں، انکے نام لکھ کر پولیس کو بھیجدیتے ہیں، اور پھر انکی گرفتاری عمل میں آجاتی ہے۔ پولیس مزدوروں کے محلوں میں گشت کرتی ہے اور ایک عام دہشت انگیزی کا بازار گرم ہے"۔

اپنے ناظرین پھر یہ نقش کر لیجیے کہ پولیس کی یہ ستم رانیاں صوبہ سندھ کے کسی ضلع میں نہیں ہو رہی ہیں جہاں سر غلام حسین ہدایت اللہ اپنی رجعت پسندی کے سبب ہتھیار ڈال دیتے ہوں، بلکہ یہ یوپی میں ہو رہا ہے، جہاں کانگریسی حکومت ہے وہ کانگریس جسکے ایک وزیر نے اعلان کیا تھا کہ حکام ہمارے نوکر ہیں ہم آقا ہیں، انھیں ہمارا حکم ماننا پڑیگا! پھر یوپی کی پولیس کانپور کے مزدوروں پر یہ دراز دستیاں کس کے حکم سے کر رہی ہے؟ کیا مسٹر فضل حق کے؟ کیا سر سکندر کے؟ کیا سر غلام حسین کے؟ کیا مسٹر جناح کے؟ واقعات کا جواب نفی میں ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے پنتھ جی کے علم و اجازت سے ہو رہا ہے! پھر بھی ان کی کانگریسیت بے داغ ہے!

مرثیہ کا ایک بند اور ملاحظہ ہو! "سرمایہ دار مزدوروں کی تنظیم کو کچل ڈالنا چاہتے ہیں انکی ان حرکات میں کانپور کی امپیریلسٹ نوکر شاہی بھی شامل ہے، ان دونوں گروہوں کی مدد کرنے کے لیے مسلم لیگ کے ہمنوا بھی شامل ہیں"

مسلم لیگ کا ذکر بے موقع ہے کیا گیا ہے

جب کوئی فتنہ زمانہ میں نیا اٹھتا ہے

وہ اشارہ سے بتا دیتے ہیں تربت میری!

خیر مسلم لیگ تو سرکار پرست ہی ہے اسے جانے دیجیے کانپور کی امپیریلسٹ "نوکر شاہی" کا ذکر بھی چھوڑ دیے، سرمایہ داروں پر بھی تبرا بھیجیے۔ لیکن یہ تو فرمایئے پنڈت پنتھ کی منسٹری کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے؟ کیا پولیس مسٹر پنتھ کے اقتدار سے باہر ہے؟ یا وہ اتنے بامروت واقع ہوئے ہیں کہ پولیس والوں کو مشق ناز اور خون دو عالم کی اجازت دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے؟ یا یہ سب کچھ گورنر کے حکم سے ہو رہا ہے؟ اور پنت وزارت بالکل بے بس ہے؟ اگر یہ آخری صورت ہے تو اسکا بہترین علاج یہ ہے کہ یوپی کی کانگریسی وزارت مستعفی ہو جائے۔ وہ مزدوروں کی حفاظت و حمایت کے لیے طوائف کو سے ملامت کرنے کو تو تیار ... تب بھی سر کے بل گئی تھی، مزدوروں کو پھوارے اور نشانہ ستم بنانے کے لیے؟ اگر استعفا کی جرات نہیں ہوتی تو کم از کم پنجاب و بنگال کا ذکر چھوڑ دیجیے۔

فرمایا گیا ہے:- "مزدور کہتے ہیں کہ سرمایہ داروں کو اس بات کا حق نہ ہونا چاہیے کہ وہ جب جی چاہے انھیں نکال باہر کریں اور وہ اور انکے بال بچے بھوکوں مریں!"

اگر مزدوروں کے جائز مطالبات کو سرمایہ دار نہیں مانتے تو آپ انھیں ماننے پر مجبور کیوں نہیں کرتے؟ آپ تو کسی چیز کی سے محتاج نہیں ... اکثریت آپکی، قوت قانون سازی آپ کے دست مبارک میں۔ آپ ... کس چیز کے ہیں۔

محفل تیری ساقی تیرا ... صفت میخانہ تیرا

یہ تو مسلم لیگ والے ہیں جو اسمبلی میں ... نہیں سمجھتے ... مدار ہیں اور کہتے ہیں کہ ... میرا ... باقی تیرا۔ اب اگر آپ اپنے اقتدار سے کام نہیں لیتے تو یہ کس کا قصور ہے؟ اگر مزدوروں کی فاقہ کشی آپ نہیں دور کر سکتے تو آپ ہیں کس مرض کی دوا؟ ٹوڈیوں اور رجعت پسندوں نے اگر ایسا کرنے سے ہچکچاتے تو یہ انکی کمزوری ہے۔ لیکن آپ ہی مزدوروں کے غمخوار ہیں آپ ہی امراء و مزدور ... اب کوئی ... آپ ہی ... کیا وہ ... آپ کے ... تحفظ ... نہیں؟ کیا اسی لیے ... تحریک پر ... قسمیاں کھائی تھیں؟ ... آپکی حکومت میں بھی انھیں چین نہ ملے گا اسی لیے وہ آپ پر اپنی جان فدا کرتے تھے کہ آپ ہی انپر تیر اندازی کریں؟

وائے گر در پس امروز بود فردائے!

معلوم ہوتا ہے: کیا کانپور سے دفعہ ۱۴۴ جلد سے جلد واپس لیا جائیگی اور کیا مزدور رہا نہیں کیے جائیں گے؟ کیا مزدور لیڈروں کو تقریر کی آزادی ... ؟ کیا سرمایہ داروں کی سرکوبی نہیں ہوگی؟ کیا شہنشاہیت کے نوکر اپنی سازشوں سے روکے نہیں جائیں گے؟

"ہندستان" کے ڈائرکٹروں میں مسٹر پنتھ کا اسم گرامی بھی نظر آتا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ انکے کلاح وزارت تک تشریف لیجائیں، اور آپ سے ان سوالات کا جو جواب وہ عطا فرمائیں، سے "انٹرویو" کی صورت میں اپنے اخبار گہربار میں شائع کریں؟ یہ سابق وزراء کا عہد نہیں ہے جن سے ... ملنا ... سمجھا جاتا تھا، یہ تو بوریہ نشینوں کی وزارت ہے، جب چاہیے ... کیجیے۔ ... نہ اذن کی ضرورت نہ ... کا اندیشہ!

جو ... غیر کانگریسی وزارتوں پر ... کی طرح چلتی تھیں ہم دیکھ رہے تھا اسی قسم کی ... پر کانگریسی ... کو ... وہ ... ہو جاتی ہیں ...

مسلک "وطنیت"

(از مولوی محمد الیاس ندوی - نگرامی)

موجودہ عہد مذہب کے لیے کس قدر تباہ و آزمائش کا عہد ہے! لوگ ان چاہتے ہیں کہ مذہبی اصول و قوانین انکی عقل نارسا کے پابند ہو جائیں، انکے ہر "جرم بیجا" کو مذہب کے "دامن عفو" میں امان مل جائے۔ انکی ہر نفسانی خواہش کو مذہب کی تائید حاصل ہو اور اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو وہ مذہبی قیود سے بیزار اور اس سے آزاد ہیں ——— ہندوستان میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی ہے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ملک کی دوسری قومیں بھی اسکے ہمراہ ہیں جنکے پاس "وطنیت" کے علاوہ کوئی دوسری متاع نہیں ہے اس لیے انہوں نے اپنی قومی تحریک کی بنیاد "وطن پرستی" پر رکھی ہے، ہمارے مسلمان بھی اس "موجودہ تحریک" کو کچھ اس نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ان سے بھی ان دوستوں کی تقلید میں یہ اعلان کر دیا کہ ہماری وطنیت کی راہ میں جو چیز بھی حائل ہوگی اسے ہم ٹھکرا دینگے خواہ وہ مذہب ہی کیوں نہ ہو!

دعیان قومیت بتائیں کہ کیا مذہب اپنی عام دعوت انسانیت و محبت کو چند گز زمین کے عوض بیچ ڈالنے پر رضامند ہو سکتا ہے؟ اور وطن پرستی کے "تنگ نظریہ" کو زندگی کا نصب العین بنانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ مذہب کے نزدیک "وطن پرستی" اور "عصبیت وطنی" درحقیقت انسانی تخیل کا پست ترین مظاہرہ ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ ایک انسان باوجود اپنی تمام خوبیوں کے دوسرے انسان سے رحم و کرم اور اخلاص و محبت سے اس لیے محروم ہو سکتا ہے کہ وہ اسکا ہم وطن نہیں ہے - اور ایک انسان باوجود اپنے ظلم و عصیان کے دوسرے انسان کے لطف و محبت کا محض اس لیے مستحق ہے کہ وہ اس کا ہم وطن ہے! اس وطن پرستی کا لازمی نتیجہ فساد عالم اور تمام انسانی حقوق میں تنگ نظری ہے۔

"عصبیت وطن" کی تاریخ پر نظر ڈال جاؤ کبھی بھی اس نظریہ نے عام انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا؟ خود عرب کی تاریخ پر غور کرو ظہور دعوت اسلام کے وقت عربوں کے نسلی اور قومی تعصب کا کیا عالم تھا؟ انکی باہمی آویزش اور خانہ جنگیوں کی اصلی وجہ کیا عصبیت نسلی کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز تھی؟ دیوان حماسہ اسکا جیتا جاگتا شاہد عادل موجود ہے۔ ماضی کو چھوڑو، دور حاضر میں دیکھو، مسئلہ خلافت کو ختم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے کیا مسلمان اس کو بھول سکتے ہیں کہ خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے جہاں اور اسباب تھے وہاں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ دجالی حکومتوں کے عیاروں نے سادہ لوح عربوں کے اندر عصبیت وطن کا جذبہ پیدا کیا، اور انکو عربی حکومت کے قیام کا مشورہ دیا - اس چیز نے ترکوں کو اور پریشان کر دیا انجام کار خلافت کا عظیم الشان مرکز "وطنیت" پر قربان کر دیا گیا۔

آنے والی جنگ سے آج دنیا کانپ رہی ہے۔ اسکے روکنے کے لیے نت نئی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ لیکن کیا یہ جنگ رک جائیگی؟ "وطنیت" کا دیو اعظم دنیا کے طاقتور حکومتوں کو مجبور کر رہا ہے کہ اپنے وطن اور اہل وطن کی فلاح و بہبود کی خاطر، امن عالم کو تباہ کر دو، کمزور ممالک کو ختم کر دو، انکی آزادی سلب کر لو، دولت چھین لو، خون کی ندیاں بہا دو۔

اٹلی نے حبشہ کو ختم کر دیا! جاپان نے چین کو تباہ کر دیا! آخر اسکی وجہ؟ بس صرف یہی کہ اٹلی اور جاپان کے باشندے چین و حبش کی دولت سے نفع اٹھائیں، عیش و عشرت کریں، حبش و چین والوں کا جو بھی حشر ہو؟ فلسطین میں عربوں پر مظالم کا کیا راز ہے؟ کیا صرف یہ کہ جنگ عظیم میں برطانیہ نے یہود سے چند وعدے کر لیے تھے اب انکو ایفا کرنا ہے؟ اگر برطانیہ اسی طرح وفا شعار رہتا تو سارے جھگڑے کب کے ختم ہو چکے ہوتے! کیا ان مظالم کی تہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ برطانیہ سے کہیں ہندوستان کا راستہ نہ چھوٹ جائے؟ کہ پھر لندن والوں کا سارا ترک و احتشام ختم ہو جانے؟ ہندوستان کو اسی غرض کے لیے تحت غلام بنا لیا گیا؟ یہی نہ کہ انگلستان والے آرام کی زندگی بسر کریں، اچھا کپڑا پہنیں، پیٹ بھر روٹی کھائیں؟

"وطنیت" کے ان ظاہری و باطنی نتائج پر غور کرو، اور پھر انصاف کرو کہ اسلام کس طرح وطن پرستی کو زندگی کا نصب العین بنا سکتا ہے؟ کیا وطنیت کا دیو کبھی کسی مہذب لٹیروں میں شامل ہو جائے؟ اسلام نے تو صاف اعلان کر دیا

لیس منا من دعا الی العصبیۃ	وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی طرف دعوت دے
لیس منا من قاتل علی العصبیۃ	وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی وجہ سے جنگ کرے۔
(بخاری، مسلم)	

اس ساری گزارش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام نے وطن کو حقیر اور ذلیل سمجھا ہے اور اسکی محبت کو بری نظر سے دیکھا ہے وطن سے انس و محبت تو ایک طبیعی چیز ہے، عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں "ترک وطن" کی مصیبت برداشت کی دیکھو قرآن عظیم کس اندازسے انکا ذکر فرما رہا ہے

فالذین ہاجروا واخرجوا من دیارہم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنہم سیاٰتہم ولادخلنہم جنٰت تجری من تحتہا الانہار (آل عمران)	جن لوگوں نے میرے لیے اپنے وطن کو چھوڑا اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں دی گئیں اور جنہوں نے جنگ کی اور قتل کیے گئے میں انکے گناہوں سے درگزر کرونگا اور انکو ایسی جنتوں میں جگہ دونگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

خود ہمارے سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ مدینہ طیبہ میں جب آپ کے سامنے مکہ معظمہ کے حالات بیان کیے جاتے، وہاں کی زبوں حالی اور ویرانی کا ذکر ہوتا، تو حضور اس سے رنجیدہ ہوتے۔ حافظ سخاوی مقاصد حسنہ میں امام خطابی سے نقل فرماتے ہیں کہ اصیل غفاری مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں تھا، حضرت عائشہ صدیقہ نے اصیل سے دریافت فرمایا

ایک انتخابی اعلان

(ذیل میں جمعیۃ العلماء کے ایک عالم کا انتخابی اعلان درج کیا جاتا ہے، جو کانگریسی امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے۔ جس درجہ کی اسلامیت اس سے ظاہر ہو رہی ہے وہ قابل داد ہے۔ کانگریس میں نفس شرکت و عدم شرکت تو ایک غیر اہم جزئی مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل اور اہم شے یہی ہے کہ اسلامی ذہنیت کو مرعوب و مغلوب ہونے نہ دیا جائے۔ اعلان کے بعض حصے جو کارکنان مسلم لیگ کی نیتوں پر افسوسناک حملے تھے انھیں حذف کر دیا گیا ہے۔ — صدق)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ میرا خطاب اس گزارش میں اپنے ان محترم بزرگوں، دوستوں اور بھائیوں سے ہے جو تحصیل حسن پور اور امروہہ کے دیہات کے رہنے والے ہیں اور جن کو بحیثیت مسلمان رائے دینے کا حق حاصل ہے اور جن کے سامنے اس وقت یہ معاملہ درپیش ہے کہ وہ اپنی صحیح رائے کا استعمال کس شخص کے حق میں کریں، انکو یہ بھی جانچ کرنا ہے کہ جس شخص کو ہم رائے دیں اُس کی پہلی صفت یا اسکی پہلی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ ثابت قدم و مستقل ہو، اُسکے دل میں سوائے اللہ جل اسمہٗ کے کسی اور کا ڈر نہ ہو۔ مذہب و ملت اور ملک و وطن کی خدمت کا صحیح جذبہ رکھتا ہو۔ اس اصول کے ماتحت میں اپنے رائے دہندگان کو یہ بتلا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میری عمر کے سترہ سال علم دین کے حاصل کرنے میں گزرے۔ میں نے اس مدت میں بڑے بڑے صاحب کمال اصحاب کی خدمت میں رہ کر مذہب کی سچی تعلیم اور اسکی حقیقت کو پورے طور پر جاننے کی کوشش کی ہے۔ تحصیل علم کے بعد سے آج تک میں نے خدا کے فضل و کرم سے اگر ایک طرف اپنی قوت بازو سے اپنے اہل و عیال کی جائز و حلال کمائی سے خدمت کی ہے تو دوسری طرف معاش کی پوری مشغولیت کے باوجود مسلمانوں کی ہر مفید خدمت انجام دی۔ اسی دوران میں وہ وقت بھی آیا جبکہ مسلمانان ہند خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے لیے بے چین تھے اور میرے محترم شیخ ثانی پیر و مرشد حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ مع اپنے مخلص اور جانباز ہمراہیوں کے مالٹا کی جیل میں اسیر تھے۔ اُس وقت میں نے پورے غور و ... کے ساتھ اپنی زندگی کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ یہ وقت چونکہ اسلام کی سچی خدمت اور ہمارے امتحان کا ہے جس میں خداوند جل و علا کی قوت و طاقت کے سوا دنیا کی تمام قوتوں اور حکومتوں کو ٹھکرا دینا ایک مسلمان کا فرض ہے اس لیے میں نے اپنے آپ کو اس امتحان کے لیے پیش کیا اور اُس نازک دور میں موجودہ انگریزی راج کا خوف و خطر کیے بغیر علمائے ملت کی ہدایت کے مطابق اسلام کی خدمت انجام دی اور اسوقت سے برابر یہ محسوس کرتا رہا ہوں اور کرتا ہوں کہ جب تک ہندوستان کو مکمل آزادی حاصل نہیں ہوگی اُسوقت تک نہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اعزاز کے طریقہ سے زندگی گزارنے کا موقعہ میسر ہوگا اور نہ دوسری اسلامی حکومتیں اطمینان سے اپنے ممالک میں آرام و اطمینان سے اسلامی خدمت انجام دے سکیں گی۔ میرے اس عقیدہ میں برابر پختگی ہوتی رہی اور اسی کے ماتحت میں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہٗ اور حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کے ارشادات کے مطابق کانگریس میں شرکت کی اور آج تک اس میں شریک ہوں۔ جمعیۃ علماء ہند جو ہندوستان کے مشہور و مقتدر علماء کی جماعت ہے اس کا ہمیشہ سے خادم رہا ہوں اور انشاء اللہ رہوں گا۔ اسوقت بھی بزرگ اکابر علماء کی شفقت کی بدولت اس جمعیۃ کی جماعت عاملہ کا ممبر ہوں۔ جمعیۃ علماء اور کانگریس کی ہدایتوں کے مطابق اپنی بیس سالہ سیاسی زندگی میں تین مرتبہ بحمداللہ قید و بند کی بڑی آزمائشوں میں پڑ کر ثابت قدم رہا ہوں اور اب بھی اپنے قادر مطلق خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ ملک و مذہب کی خدمت کے سلسلہ میں شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

میری عمر بھر یہ آرزو رہی ہے کہ میں اپنے غریب اور مفلس بھائیوں کی جان و دل سے خدمت انجام دوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کانگریس کا یہ حکم ہے کہ ہندوستان کو مکمل آزاد کرایا جائے اور اس ملک کے کاشتکاروں، غریبوں، بیکاروں اور مزدوروں کے لیے آرام کے ساتھ باعزت زندگی گزارنے کے لیے پوری جد و جہد کی جائے۔ کانگریس یہ بھی چاہتی ہے کہ اس میں ہندوستان کا ہر فرد جسکا عقیدہ مکمل آزادی حاصل کرنا ہو شریک ہو جائے اور اسکے ساتھ وہ یہ بھی اعلان کرتی ہے کہ کانگریس کی حکومت جو حقیقۃً اس ملک میں رہنے والوں کی حکومت ہوگی اس میں ہر مذہب کے لیے تعلیم، تبلیغ اور عمل کی پوری آزادی ہوگی۔ اسکا یہ بھی اعلان ہے کہ کسی اقلیت کے قومی تمدن، تہذیب، رسم الخط اور کلچر میں تبدیلی نہیں کی جائیگی۔ میں ان تمام چیزوں پر عامل ہو کر کانگریس میں داخل ہوا ہوں اور مجھ کو پورا یقین ہے کہ میں جب تک کانگریس میں رہونگا مجھ کو یہ سب چیزیں اسوقت تک حاصل رہیں گی اور کانگریس میں شریک ہونے والی کوئی بھی اکثریت میرے اس عقیدہ کو نہ تبدیل کر سکتی ہے اور نہ مجھ کو اس عقیدہ پر رہتے ہوئے کانگریس سے نکال سکتی ہے۔ میں کانگریس کا ممبر رہتے ہوئے کانگریس سے نکال سکتی ہے۔ میں کانگریس کا ممبر رہتے ہوئے بھی تبلیغ اسلام کا کام انجام دے چکا ہوں، دوسرے مذاہب سے مناظرے بھی کیے انکے مذاہب کو عقلی اور شرعی دلائل سے غیر واقعی بھی ثابت کیا۔ مساجد، مدارس، خانقاہیں اور دیگر ضروریات شرعیہ کا بھی کماحقہٗ اہتمام رکھا، لیکن مجھ سے کبھی بھی کسی کانگریسی نے متذکرہ بالا امور پر اعتراض نہیں کیا کہ میں اپنے مذہب کی پوری پابندی کرتے ہوئے کانگریس کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جس دن سے کانگریس کا ممبر ہوا ہوں میرا قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹا اور مجھ کو کوئی طاقت میرے سیاسی عقیدہ سے نہ ہٹا سکی۔ میں اپنے مسلمان رائے دہندوں پر یہ بھی ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کانگریس خالص ملکی جماعت ہے اس میں جماعت ہے اس میں داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کا ہر ہندوستانی کو حق ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اُن مقدس برگزیدہ اور سیاست داں علماء کی جماعت ہے جو کانگریس کے پورے پروگرام کو خود بصیرت کے ساتھ ملاحظہ کرتی رہتی ہے اور اس امر کی تحقیق میں سرگرم رہتی ہے کہ کانگریس دانستہ یا نادانستہ طور پر مذہب اسلام پر تو کوئی حملہ نہیں کر رہی ہے اسکا یہ فرض ہے جو اُس نے ہمیشہ انجام دیا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت متنبہ کرے کہ وہ اپنے مذہب پر سختی کے ساتھ پابند رہیں اور پھر ملک کی آزادی کے لیے دوسرے بھائیوں کے

ساتھ مل کر ہر ممکن سعی سے دریغ نہ کریں۔ مقابلہ کے وقت قدم پیچھے نہ ہٹائیں، ملک کی آزادی کے واسطے اپنے سینے گولیوں کے لیے ہمیشہ سامنے رکھیں اور دوسرے وطنی بھائیوں کو دکھلا دیں کہ مسلمان آزادی حاصل کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

میرا یہ سیاسی اور مذہبی عقیدہ ہے کہ مذہب، شریعت، تمدن، تہذیب، ان سب کی حفاظت کے لیے جمعیۃ العلما کا وجود تمام مسلمانان ہند کے لیے کافی ہے۔ اس جماعت کی نگرانی میں رہتے ہوئے پھر اسکے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ تمام مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ملک کی آزادی میں جد و جہد کریں۔ اسی وجہ سے میرا یہ پختہ یقین ہے کہ ہندوستان سے دوسری فرقہ وارانہ جماعت خواہ وہ مسلم لیگ ہو یا ہندو مہا سبھا یا سکھ لیگ جو بھی ملک کے حصول آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہیں انکو فنا کر دیا جائے .....

...... میں اپنے بھائیوں سے آخر میں پھر خلاصہ کے طور پر عرض کرونگا کہ ایک طرف کانگریس تمام اقلیتوں کے بارے میں بار بار اس امر کا اعادہ کر چکی ہے کہ وہ انکے حقوق کے حفاظت کو اپنا فرض سمجھتی ہے اور نہایت وسعت نظر کے ساتھ یقین دلاتی ہے کہ ہر مذہب و ملت کی تعلیم، تبلیغ، عمل، تمدن و تہذیب، رسم الخط اور اس کے کلچر میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں کیجا سکتی۔

دوسری طرف جمعیۃ علمائے ہند جس میں آزمودہ مشاہیر علما، ربانی شریک ہیں جو کسی زمانہ میں بھی مذہب اسلام کے اصول تو درکنار کسی معمولی چیز کی ادائی میں بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتے، اس وقت وہ سب ملک کی آزادی کے لیے کانگریس میں شریک ہیں اور انہی کے حکم سے ہی کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا ہوں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کانگریس کی شرکت خلاف مذہب ہو۔ اسوقت ملک کی آزادی کے لیے کانگریس میں شرکت اور بھی ناگزیر ہے کہ دنیائے اسلام کی آزادی ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے۔ اگر آج ہندوستان آزاد ہو جائے تو کل انگریز فلسطین کے عربوں کے خون سے ہاتھ اٹھالے گا۔ مصر کی سیادت ختم ہو جائیگی۔ حجاز، شام اور عراق، غرضکہ جہاں کہیں انگریز مسلمانوں پر مسلط ہیں وہاں کے مسلمان آزادی کا سانس لینے لگیں گے۔

اس کے بعد اپنی نیت اور عمل کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لیے میں اپنے تمام رائے دہندوں کے سامنے خصوصاً اور مسلمانان عالم کے سامنے عموماً یہ عہد کرتا ہوں کہ میں ہر جگہ اسلام کی سچی خدمت انجام دونگا اور کسی طاقت سے بھی مرعوب نہ ہو کر اسلام کے احکام کے مطابق عمل کروں گا۔

والسلام۔

صدق کی سالانہ جلدیں

جلد اول بابت ۱۹۳۵ء	قیمت	[illegible]
جلد دوم بابت ۳۶ء	"	[illegible]

محصولڈاک ذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ مہتمم صاحب صدق۔ ا مرشد آباد بلس۔ گولہ گنج لکھنؤ

(مراسلہ)

معروضۂ درد دل

مخدوم و محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کا کون ایسا مضمون ہے کہ جو محققانہ و مدلل نہیں ہوتا۔ آپ نے "انقلاب" کے بعد "مذہب اور سیاست" ؟ کو اگر خلوص ذہن سے بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو کون الجھاؤ اور دشواری سمجھنے میں رہ جاتی ہے، لیکن جب کسی کو فرصت بھی ہو۔ اور سمجھنا بھی چاہے۔

آج ۱۰ - دسمبر کے صدق میں مولانا مناظر احسن صاحب کی تقریر "وقت کا تقاضا اور قرآن کی رہنمائی" دیکھ کر کیا اب بھی سب کو متحدہ راہ عمل اختیار رکھنے میں کوئی مانع ہے؟ ایک ہی رکوع میں حسب تسلسل آیات و ترتیب حکیمانہ سے احکام الٰہی رہبری کر رہے ہیں، کیا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سیاست داں، مدبر، عاقل و فاضل کے بس کی بات ہے؟ رہبران قوم اگر اب بھی نہ سنبھلیں تو کیا قوم کو موت کے گھاٹ پہنچا کر آرام نہ ہوگا؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب تو داغ سوزی کی ضرورت ہے نہ بحث و مباحثہ کی حاجت، یہ آیت قرآن، کھلے الفاظ ظاہر کر رہی ہیں کہ "سیاست نام ہے قوت کا، اور قوت پیدا ہے اجتماعیت کلی سے"۔ ہم بدقسمت ہندی مسلمانوں کا عام انتشار رہتے ہوئے بھی ہوتے ہوئے ہماری قسمت کا فیصلہ ہمارے ہی علما و قائدین و اکابرین ملت کے ہاتھ ہے۔ لیکن دیکھیے اسقدر واضح اور فیصلہ کن احکامات الٰہی کے مقابل شیطانی، اگر انگریز کے دھوکے سے ان خواص کو کب جھٹکا را نصیب ہوتا ہے۔

کیا حضرت مولانا حسین احمد صاحب، مولانا ابو الکلام صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، مولانا آزاد سبحانی صاحب، مولانا حسرت موہانی صاحب، مولانا ظفر علیخاں صاحب لاہوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت، مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت و مسلم اکابرین و قائدین ہم اخلاف رسول پر اب رحم کھا کر خدا کے واسطے کسی مقام معین پر جلد مجتمع ہو کر اتحاد اسلامیان ہند کی تکلیف پھر ایک بار گوارا فرمانے کی استدعا منظور فرمائیں گے۔

امید کہ میرے معروضات ذریعۂ صدق، اصحاب مذکور کی خدمت میں پہونچا دیے جائینگے تاکہ ہر ایک سے جداگانہ مراسلت نہ کرنا پڑے ورنہ بعد انتظار یہ بھی برداشت کرنے کیلیے تیار ہوں، بار بار ارادہ ہوتا ہے کہ بس اپنی دوکان بند کر کے ان سب کے سر ہو جاؤں، خواہ انجام کار موت ہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ ع۔ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید۔

علی امان۔ از بازار کیسر گنج - رائے بریلی

صدق - مراسلہ نگار کو اپنے حسن نیت کا اجر تو ان شاء اللہ مل ہی جائیگا لیکن انکا حسن ظن چودھویں صدی کے اکابر امت کے ساتھ عجیب و غریب ہے۔ اگر انکے مراسلے یا سفر کر لینے سے امت کے بگڑے ہوئے توام کے قابو میں آنے کی اور منتشر نظام کی درستی کی کوئی صورت ممکن ہوتی، تو اصلاح ابتک کب کی ہو چکی ہوتی۔

سہل سمجھی مری شفا تم نے، کی بس لے چارہ گر دوا تو نے،

مولانا حسین احمد صاحب کا نقطہ نظر

(مولانا کا مکتوب ذیل، جو شائع ہو چکا ہے، موصوف کے مسلک کی بڑی حد تک وضاحت کر دیتا ہے، اور اس لیے ہر فریق کے لیے قابل غور ہے
مدینہ)

.... کانگریس کے متعلق فرض کر دیا گیا ہے بلکہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ خالص مذہبی اور ہندو جماعت ہے اس لیے اس سے دور رکھنے کے لیے ہم کو کفار اور مشرکین سے موالات کی آیتیں بطور وعظ سنائی جاتی ہیں۔ آپ ہی بتلایئے کہ یہ دونوں نظریے یعنی اول یہ کہ وہ خالص مذہبی جماعت ہے اور دوم یہ کہ وہ ہندو جماعت ہے، صحیح ہیں یا نہیں۔ امر اول کے متعلق عرض ہے کہ وہ خالص سیاسی جماعت ہے مذہبی نہیں ہے۔ اس کی بنیادیں اور اصول پر غور فرمایئے۔ اگر موالات ایسی غیر مذہبی جماعت سے ممنوع ہے تو گاؤں اور یونین کا پنچایت۔ میونسپل بورڈ۔ لوکل بورڈ۔ کونسل۔ اسمبلی۔ ایجوکیشن بورڈ۔ شہر کی ملی بورڈ۔ ہندوستانی گورنمنٹ وغیرہ جن میں اکثریت اور اکلیت غیر مسلم کی ہوتی ہے اور سول سروس کے جتنے محکمات اور حکومت کے جتنے دوائر ہیں اور جن میں سراسر موالات غیر مسلمہ کی امداد ہوتی ہے اور انگریزی اقتدار کے تحفظ ہی نہیں بلکہ اسکے استحکام کو اور بڑھانے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے وہ سب کیوں جائز یا واجب یا حلال ہیں اور مسلمان ان میں کیوں بھیجے جاتے ہیں۔ اور آپ کیوں بلوں ہیں۔ بازاروں میں، اسٹیشنوں پر اور دوسرے مجالس میں جن میں اکثریت کفار کی ہوتی ہے، جاتے ہیں۔ اور آپ کیوں ان بورڈوں وغیرہ میں الکشن، روپیہ صرف کرنے اور تکالیف شاقہ کے بوجھ اٹھانے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور امر ثانی کی بابت عرض ہے کہ اگر کانگریس خالص ہندو جماعت ہے تو کیوں اسکے ممبر مسلمان، سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی، جینی، بودھ وغیرہ بنتے ہیں اور اس میں حصہ لیتے ہیں اور ہر ہندوستان کے باشندے کو اس میں ہر طرح حق دیا جاتا ہے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اور کیوں وہ اپنے بنیادی حقوق میں تمام مذاہب کو مذہبی آزادی دیتی ہے اور ہر اقلیت کو اسکے کلچر اور زبان وغیرہ کے متعلق کس طرح پر آزاد کرتی ہے۔ کیوں اس کی کرسی صدارت پر کبھی جناب طیب جی، کبھی ڈاکٹر انصاری، کبھی مولانا محمد علی، کبھی حکیم اجمل خاں وغیرہ پر اپنے ہوئے نظر آتے ہیں (دیکھیے نفنڈ انشل، نہرو رپورٹ، کانگریس کی مفصل تواریخ وغیرہ)

باقی رہا یہ امر کہ اس میں ہندو کثرت ہیں اور مسلمان تھوڑے ہیں، تو اس میں مسلمانوں کا قصور ہے یا کانگریس کا۔ حالانکہ اس نے اپنا دروازہ ہر باشندہ ہندوستان کے لیے کھول رکھا ہے! یہ کہنا کہ اس میں اکثریت ہندوؤں کی ہے، تو بتلایئے کہ اس دار الکفر ہندوستان کی کونسی مجلس علمی، دستکاری، تجارتی، اقتصادی، سیاسی وغیرہ تحریک ایسی ہے جس میں غیر مسلم کی اکثریت نہیں ہے اور جس میں اکثریت ہی کے قواعد پر عمل نہیں ہوتا۔ اور اکثریت ہی اپنی رائے نہیں چلاتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہندو متعصب ہے اور اکثریت کی بنا پر اپنی آراء کو منوا لیتا ہے تو بتلایئے کہ جسقدر لوکل بورڈیں اور اسمبلی ممبروں کے موجود ہونے بلکہ اکثریت پر قائم ہونے کی بنا پر کانگریس کیا اسوں دور اختلاف نہیں ہے۔ پھر اسکے کیا معنی ہیں کہ اوروں کو تو

ضروری معلوم ہوتا ہے ہیں وہ مسلم لیگ ہیں ا

پہلے مسلم لیگ نے ایک غلطی یہ کی تھی جب ہندوستانی اقوام میں سیاسی بیداری شروع ہوئی (یعنی ۱۹۰۶ء سے) اس وقت سے مسلمانوں کو علیحدہ رکھا وہ مسلمان جو کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے سیاسیات کا دیوتا اور مسلم تھا اور ہندو قوم اسکے سامنے سیاسیات میں طفل مکتب تھی (جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی رپورٹ میں انگریزوں نے تسلیم کیا ہے) آج وہ ہندو قوم کے سامنے طفل مکتب بھی نہیں مانا جاتا۔

دوسری غلطی آج کل کے لیڈر اور انکے ہمنوا علماء کر رہے ہیں۔ آج کانگریس سے جدا کرکے تمام مسلم قوم کو اچھوتوں سے بھی زیادہ ہندوستان میں ذلیل اور بے دین بنانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک معمولی غلطی نہیں ہے انتہائی خطرناک غلطی ہے جسکو کیجیے اور کرائیے۔ اس چند روز کے بعد خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔

مسلمانوں کی تنظیم کا سوال۔ تو یہ مسئلہ بجائے خود جیسا ہر حال میں لازم اور ضروری ہے۔ مگر اس اسپرٹ میں جو کہ مسلم لیگ کے اہل حل و عقد کرنا چاہتے ہیں کہ کانگریس کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا جائے اور ہر طرح سے مستعد ہو کر مخالفت ہر قسم کی کی جائے، انتہائی مضرت رساں اور تباہ کن ہے۔ کیوں نہ آپ کی منظم قوت کانگریس کے اندر داخل ہو کر جاری کر دی جائے جیسی کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں کی گئی۔ اگرچہ وہ بھی کامل نہ تھی۔ کانگریس کے ماتحت مشترکہ مفاد کی جدوجہد کی جائے اور مخصوص مفاد کی جدوجہد اپنی تنظیمی کارروائی سے اندر اور باہر عمل میں لائی جائے۔ جیسے کہ سکھ یا پارسی اور دوسری اقلیتیں کر رہی ہیں۔ اور باوجود اصول اور نہایت کم اقلیت ہونے کے کانگریس میں اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔

اپنے پرسنل لا مذہب کلچر اور دیگر حقوق کے معاہدہ کے متعلق عرض ہے کہ اگر حقہ انشل بنیادی حقوق کے تسلیم کردہ اور موجودہ یا کافی نہیں ہیں تو معاہدہ کا مطالبہ اپنی جگہ پر جائز اور صحیح ہے اور ہر جماعت اکثریت پر لازم ہے کہ وہ کلمہ کا مطالبہ کرے۔ مگر کیا کانگریس کے داخلہ کو اس پر موقوف کرنا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ مشترکہ مفاد کے لیے جدوجہد کرنا مسلمانوں پر مثل دیگر غیر مسلم اقوام ضروری نہ ہو اور انگریزی موجودہ اقتدار سے مسلمانوں کو اسقدر نقصان نہ پہنچتا ہو جتنا کہ غیر مسلم اقوام کو پہنچ رہا ہے اور اگر معاملہ اسکے خلاف ہے جیسا کہ واقعہ ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ معاہدہ کا ڈھونگ کس طرح ہمارے سیکولرسٹ اور انشل کا ذریعہ بن سکے گا۔ کیا اگر کانگریس نے معاہدہ سے انکار کر دیا تو مسلمانوں پر مشترکہ مفاد کے لیے جدوجہد کرنا اور حاصل کرنے پر سعی کرنا، انگریزی اقتدار کو جلا کرنا ضروری نہ رہ جائے گا؟ اور کیا مسلمان تنہا یا غیر مسلم ہندوستانی آبادی سے علیحدہ ہو کر برطانیہ سے آزادی حاصل کر سکیں گے؟ اور کیا مسلمانوں کو اس صورت میں ہندوستان میں انگریزوں کے دائمی غلامی رہنے کی جدوجہد کرنا جائز ہوگی؟ اور کیا مسلمان ایسا کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ اور کیا انگریز مسلمانوں کی خاطر ہندوستان میں اپنا عہد و اقتدار باقی رکھیں گے اور مسلم لیگ سے اور کیا یہ معاملہ مسلمانوں کے لیے منفعت بخش ہے اتفاق یہ بات کا باعث نہ بنے گا؟

(دیکھیے مضمون صفحہ ۲۵ کالم ۱ کا نقشہ)

شرکت مسعود پرنٹرز نے حسن ... پریس ... پرنٹ ... کے ... مسلم اسٹور دفتر ... لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آوے اور جسنے اسکو سچ مانا …

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور اشتہار کے متعلق خط و کتابت بنام مہتمم اخبار صدق

صدق

ٹیلیفون نمبر ۳۹۱

[illegible]

نمبر ۲۰ | لکھنؤ ۲۹ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق یکم فروری ۱۹۳۰ء | جلد ۳

سچی باتیں

"اے پروردگار! مجھے مسکین زندہ رکھ، مجھے مسکین اُٹھا، اور میرا حشر مسکینوں ہی کے ساتھ کر!"

جس نے یہ تمنا بار بار اپنے رب کے حضور میں پیش کی، جس نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر، اور گڑگڑا گڑگڑا کر یہ دعائیں اپنے مالک و مولیٰ سے مانگیں، جو عمر بھر مسکین ہی رہا اور اپنی مسکینیت پر فخر کرتا رہا، اسکے پیرودں کے سامنے آکر غریبوں اور ناداروں کی ہمدردی کا وعظ سنانا، اور اُن سے یہ کہنا کہ ہم تمھیں بے زروں کے ساتھ ہمدردی کا راستہ دکھلاتے ہیں، آپ خود ہی فرمائیں کہ

سورج کو چراغ سے دکھانا'

کا مصداق ہے یا نہیں؟ —— اور جس کی معیشت کا یہ حال ہو، کہ جب سارا ملک عرب زیرنگیں ہو جانے پر، حدود شام سے لیکر عدن تک اسلامی پرچم کے لہرا چکنے پر، بڑی سے بڑی غنیمتوں اور دولتوں کے ہاتھ آ چکنے پر، جب وہ دنیا سے اپنے مولا کے حضور میں رخصت ہو، تو حال یہ ہو، کہ

کپڑوں میں پیوند پر پیوند لگے ہوں،

زرہ تک ایک یہودی کے ہاں، چند سیر جَو کے عوض میں رہن ہو۔

اُسکی امت کے سامنے جب موٹروں پر سوار ہونے والوں کو، ملکوں میں سفر کرنے والوں کو، عالیشان عمارتوں میں رہنے والوں کو، سیکڑوں کا انکم ٹیکس دینے والوں کو، جب بطور غریب نوازی کے پایسز اور مفلس دوستی کے اوتار کے پیش کیا جائے، تو فرمائیے، کہ اسے بجز ستم ظریفی اور تمسخر کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟

كان رسول اللہ یبیت اللیالی | رسول خدا مسلسل کئی کئی رات

المتتابعة طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاء | تھے۔ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو رات کا کھانا نہیں میسر ہوتا تھا۔

ہے آج آپ کے بڑے سے بڑے بلند بانگ سوشلسٹ اور کمیونسٹ لیڈروں میں، جو خود مع اپنے بیوی بچوں کے کئی کئی راتیں بھوک سے تڑپ تڑپ کر گزارتا ہو؟

کان یخدم نفسہ | اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔

اور وہ کام کیا ہوتے تھے؟ جلسوں کے لیے رزولیوشن تیار کرنے نہیں، اخبارات کے لیے مقالات لکھنے نہیں، بلکہ

کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگاتے تھے،

گھر میں جھاڑو خود دیتے تھے،

بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے تھے،

بازار سے سودا خود خرید کر لاتے تھے،

پھٹا ہوا جوتہ خود گانٹھ لیتے تھے۔

معیار اور اونچا کیجیے۔ یہ تو خود اپنا کام کرنا ہوا۔ عادت مبارک دوسروں کا کام کر دینے کی تھی!

لا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین فیقضی لہ الحاجۃ | اس میں ذرا تکلف نہ تھا، کہ بیوہ کے، محتاج کے ساتھ چلے چلتے، اور انکا کام کرتے جاتے!

شارع عام پر! بازاروں میں! آبادی کے اندر! —— ہے کہیں آج مثل نظیر؟ الہ آباد، کلکتہ، اور بمبئی سے لیکر ماسکو تک نظر دوڑا جائیے!

——

یہ خوش عقیدگی کی گڑھی ہوئی کہانیاں ہیں؟ یا اسکے برعکس تاریخ کے، سیرت کے، مستند ترین واقعات ہیں؟ حدیث کے، سیر کے ذخیرے کے دفتر، ابواب الزہد کے، معیشۃ النبی کے، الترغیب فی الفقر کے، فضل الفقراء کے، معیشۃ اصحاب النبی کے، اور دوسرے دوسرے عنوانات کے ماتحت، اسی طرح کے صدہا واقعات و نظائر سے لبریز ہیں یا نہیں؟ انکے سنانے، بیان کرنے،

شایع کرنے، پھیلانے کا یہ وقت نہیں، تو کب آئیگا؟ جو اجنبی اور بیگانے ہیں، وہ تو خیر معذور ہیں۔ اور وہ جب اپنے خیال میں مسلمانوں کو پہلی بار غریب نوازی وغلس پروری کا درس سُنانا چاہتے ہیں، تو اس کا استقبال تو تبسم سے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جنکا کام دن رات حدیث وسیر میں مشغولی ہے، جو اپنی تقریروں اور تحریروں میں آج سے چند سال قبل بارہا مسلمانوں کو قرن اول کی طرف مراجعت کی دعوت دے چکے ہیں، اور جنکا زاد معاد ہی صاحب زاد المعاد کی تصانیف ہیں، جب وہ سب کچھ جان بوجھ کر بھی انجان بن جائیں، اور بیگانوں کی دعوت کو اس عقیدت وعظمت کے کانوں سے سنیں، کہ گویا اپنے خزانے میں بالکل خاک اُڑ رہی ہے، تو فرمائیے، دل کو کیونکر صبر آسکے، اور کیا کہکر اپنے کو تسکین دیجئے!

کام کی رفتار

خدا کے فضل سے پارہ ۲۰ ختم ہوگیا۔ اب صرف تین پاروں کا کام باقی رہ گیا۔ اگر خدانخواستہ کوئی انقطاع نہ آگیا، تو ان شاء اللہ آخر اپریل تک یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد مکمل ومفصل نظرثانی کا کام شروع ہوگا، جو سیاست خود مہتم بالشان، اور بہت وقت لینے والا ہے۔ ناظرین بخلوص دل دعا فرمائیں، کہ جس قادر وتوانا نے اب تک اتنی مشکلات آسان کردی ہیں، وہ آیندہ مزید سہولتیں پیدا کرتا رہے

خدائی فوج

زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کی تعداد آپ کو معلوم ہے، کتنی ہے؟ روئے زمین کی نہ سہی، اکیلے ہندوستان کے کیڑوں کی گنتی کا کچھ اندازہ ہے؟ سب کو جانے دیجئے، صرف اتنا ہی تبلا دیجیے، کہ ان کی قسمیں کتنی ہوں گی؟

حال میں جو انڈین سائنس کانگریس، کلکتہ میں منعقد ہوئی تھی، جواب اسکے شعبۂ حشریات کے صدر کی زبان سے سنیے:۔

ہندوستان میں کیڑوں کی صرف قسمیں یا انواع ۲۵ لاکھ ہیں!

سارے کرۂ ارض نہیں، پورا مشرق بھی نہیں، براعظم ایشیا بھی نہیں، جی نہیں، اُسکے صرف ایک ملک ہندوستان کا یہ ذکر ہے! اور یہ شمار افراد کا نہیں، صرف انواع کا! وما یعلم جنود ربک الا ہو کی تفسیر بیسویں صدی میں اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟

اور ان میں سے ماہرین فن ابتک صرف ۴۰ ہزار کا علم حاصل کرسکے ہیں! گویا جو بڑے بڑے علم والے ہیں، انکا علم بھی $\frac{1}{60}$، ساٹھ میں ایک تک محدود ہے!

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا کی تصدیق میں اب بھی شبہ باقی ہے؟

پھر اسکی بھی کچھ خبر بے خبر ومغرور انسان کو ہے، کہ ان ننھی وحقیر مخلوقات سے ہر سال مالی نقصان کتنا پہونچتا رہتا ہے؟ صدر محترم شعبۂ مذکور کے الفاظ میں، صرف ایک قسم کا کیڑا ایسا ہے، جو چمڑے کی تجارت کو ہر سال ۱۵ کروڑ روپیہ کا نقصان پہونچا دیتا ہے۔ اور ذخیرہ میں جو کیڑے لگ جاتے ہیں، وہ سالانہ نقصان ۴۰ کروڑ کا پہونچا کر رہتے ہیں! اور مجموعی نقصان کیڑوں کی ذات سے ہندوستان کو ۲۰ ارب روپیہ کا ہر سال ہوتا رہتا ہے! صدر محترم کے الفاظ میں، جو کسی محفل مشاعرہ کے نہیں، ایک خشک علمی شعبہ کے صدر ہیں:۔

"یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جتنا قدر بربادی ومالی نقصان کیڑوں نے پہونچایا ہے، اُتنی بربادی وہلاکت اب تک تاریخ عالم میں تمام لڑائیاں اور سیلاب اور زلزلے اور آتش زدگی اور قحط مل کر بھی نہیں برپا کرسکے ہیں۔ اور کیڑوں کے ذریعے بربادی برابر ترقی پر ہے۔ تمدن کی ترقی ایسے حالات پیدا کر رہی ہے، جو کیڑوں کی افزایش اور پھیلاؤ میں اور معین ہی ہوتی ہے"

"پشۂ نمرود" کی روایت، روایتی حیثیت سے جیسی بھی ہو، لیکن "خلاف عقل ومخالف درایت" اب بھی آپ اسے کہے جائیں گے؟

اُردو کی مقبولیت

"لندن ۲۰۔ جنوری۔ مسٹر سوبھاش چندر بوس نے ..... آج سہ پہر کو کیکسٹن ہال میں انڈیا لیگ کے سامنے تقریر کی ......

مسٹر بوس نے مشرق ومغرب کے امتیازات پر ایک بے تکلف خطبہ اُردو میں ارشاد فرمایا۔ حاضرین میں سیکڑوں سکھ مقیمان لندن اور ایسٹ انڈیا کے ہندو ومسلم ڈاکٹر تھے"

(رپورٹر۔ ٹائمس آف انڈیا۔ ۲۱۔ جنوری ۱۹۳۸ء)

تقریر، لکھنؤ یا دہلی، حیدرآباد یا لاہور میں نہیں، لندن میں ہوئی۔ مقرر اودھ اور آگرہ کے باشندہ نہیں، خالص بنگالی تھے۔ قوم کے مسلمان نہ تھے، کایستھ یا کشمیری پنڈت بھی نہ تھے (کہ لسانی حیثیت سے مسلمانوں کے "ہم زبان" کہے جاسکتے ہیں) سامعین میں ہر قوم کے لوگ تھے۔ اس پر بھی جو زبان مقرر نے بے تکلف بولی، اور جسے سننے والے بے تکلف سمجھ سکے، وہ نہ انگریزی تھی، نہ بنگالی، نہ ہندی، نہ ہندوستانی، بلکہ صاف اور بلا شائبۂ ریب والتباس اُردو! ـــــ وہی بدنام اُردو جسے کمبخت "فرقہ پرور" مسلمان، خواہ مخواہ ہندوستان کی مشترک وعام فہم زبان بتائے چلے جاتے ہیں!

ماضی اور حال

رسالہ پیام حق (بھاپیدا نزد ٹ فارم ضلع گورداسپور) کے جنوری نمبر میں ایک مضمون نگار لکھتے ہیں:۔

"۱۸۳۰ء میں تمام یوپی میں صرف ایک مسلمان ایسا تھا جس نے نصرانیت قبول کی تھی۔ یہ شخص کانپور کا باشندہ تھا اور پادری ہنری مارٹن نے اسے ۱۸۱۲ء میں بتسمہ دیا تھا۔ چونکہ کانپور میں اس پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا تھا، اس لیے مشنریوں نے اسے کلکتہ بھیج دیا۔ وہاں سے ۱۸۱۳ء میں اسے آگرہ منتقل کیا گیا۔ آج ۱۹۳۷ء میں یہ حالت ہے کہ پشاور، بنوں، اور کوہاٹ میں بھی گرجے بنے ہوئے ہیں، اور سرحد کے غیور پٹھان باقاعدہ ان میں بپتسمہ پاکر "آسمانی بادشاہت میں داخل ہوتے رہتے ہیں"۔ (ص ۱۲)

ایک صدی کی مدت میں آپ نے دیکھا، کہ دُنیا کہاں سے کہاں پہونچی، اور [illegible] سے کہاں پہونچے! ایک وقت وہ تھا، کہ "کرسٹان" ہو [illegible] بنا ہوا تھا پھر وہ زمانہ آیا، کہ فخر انگریزی تہذیب، انگریزی

سے دلچسپی رکھتا ہے، قابل مطالعہ ہے۔ مسلم لیگ کے ہمدردوں کے لیے تو اس لیے کہ انھیں بھی اپنے مخالف کی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہو سکے گا، مصنف کا طرز تحریر ایک قابل تقلید نمونہ ہے، فریقین کے گرم جوش حامیوں کے لیے، وہ ایک عملی سبق ہے اس حقیقت کا کہ سیاسی اداروں کی بڑی سی بڑی زبردست حمایت، ذاتی حملوں کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔

اخبارات و رسائل

۱۔ **پیام حق**۔ (ماہنامہ) ایڈیٹر سید محمد شاہ ایم، اے۔ ضخامت ۴۴ صفحے چندہ سالانہ ۳ء، پتہ: جلال پور فروٹ فارم، ضلع گوجرانوالہ۔

پیغام حق، کچھ عرصہ ہوا، لاہور سے نکلا تھا، چند پرچے نکل کر بند ہوگیا تھا۔ اب پھر نکلا ہے۔ اور ایک سجائے لاہور کے، دارالاسلام سے، جسکا تعارف صدق کے پچھلے نمبر میں کیا جا چکا ہے۔ مقاصد تمامتر اسلامی و اصلاحی ہیں۔ آخر میں حافظ ابن حجرؒ (صاحب فتح الباری) کے رسالہ منبہات کا ترجمہ حاشیہ المتن تنبیہات کے نام سے بہ اقساط نکل رہا ہے۔ ناظرین کم سے کم نمونہ کا نمبر، ہر ایک منگا کر ملاحظہ کریں۔

۲۔ **حقیقت** (سالگرہ نمبر) ایڈیٹر انیس احمد صاحب عباسی۔ ۲۴ صفحے۔ قیمت ۴ر تھ، دفتر روزنامہ حقیقت۔ نجلت نرائن روڈ۔ لکھنؤ۔

حقیقت، لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہے۔ یہ اسکا سالنامہ ہے، جو ادارہ نے بڑی کاوش، اہتمام، آب و تاب سے شائع کیا ہے۔ تصاویر بکثرت ہیں۔ مضامین کی تعداد بھی کچھ ان سے کم نہیں۔ لغت میں گو "حقیقت" اور "افسانہ" ایک دوسرے کی ضد ہوں، لیکن اس حقیقت کا غازی کے اندر آپ کو "اجتماع ضدین" نظر آئیگا۔ یعنی حقیقت کا دامن، بہت سے افسانوں کو (اور وہ بھی رنگ برنگ کے) اپنے اندر سمیٹے ہوئے۔ شروع میں ایک مضمون مدیر صدق کے قلم سے "حقیقت و صاحب حقیقت" کے عنوان سے ہے۔ جو لوگ، ادبی، سیاسی، اخباری ذوق رکھتے ہیں، امید ہے اس نمبر کے مطالعہ سے محظوظ ہوا کرینگے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

کے علماء اور بڑے بڑے لیڈر اس لفظ کو خود مسلمانوں پر استعمال کر رہے ہیں "نیشنلزم" یا "قوم پرستی" کا لفظ آج بے تکلف افتخار کے انداز میں بولا جا رہا ہے گویا یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان ایک قوم ہے، اور مسلمان، ہندو، عیسائی، وغیرہ اس قوم کے فرقے ہیں۔ "رجعت پسندی" اور "ٹوڈیت" کے الزامات اب خود مسلمانوں کی طرف سے مسلمانوں پر عائد کیے جانے لگے ہیں، اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آزادی کے اس جہاد مقدس میں کود پڑنے سے احتراز بلکہ اس میں ادنیٰ تامل بھی اگر کسی چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے تو وہ بس رجعت پسندی اور ٹوڈیٹ ہے، یا پھر بزدلی۔

اس طوفان کے شور و ہنگامہ سے دماغ اس درجہ متاثر ہو چکے ہیں کہ اب ان کو صبر و سکون کے ساتھ یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو مسلمان جیسی بہادر، عالی حوصلہ، حریت پسند اور جنگ آزما قوم کو برابر دس سال سے اس جنگ میں اپنے شایان شان حصہ لینے سے روک رہی ہے؟ اور وہ کیا چیز ہے جسکی وجہ سے اپنوں اور غیروں کے اتنے طعنے اور ایسے سخت الزامات سنتے اور سہنے کے باوجود اس قوم کے خون میں جوش نہیں آتا؟ اگر اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید مسلمانوں کا قصور ہو تو اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ شاید اس "جنگ آزادی" میں کوئی کھوٹ ہو، شاید یہ "شیران بیشہ حریت" اس جنس کے شیر نہ ہوں جن سے "اسد اللہ" میل کر سکتا ہے اور کرتا رہا ہے۔ شاید اس "آزادی کی فوج" میں وہ خصوصیات ہوں جنہیں دیکھ کر مسلمان کا ضمیر یہ فیصلہ کر رہا ہو کہ انکے ساتھ چل کر میں اپنی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکوں گا۔ کم از کم امکان تو دونوں صورتوں کا ہے۔ پھر آخر یہ پروپیگنڈہ کی طاقت اور ناسازگار حالات کی تمرانی نہیں تو اور کیا ہے جس کی بدولت رفتہ رفتہ دماغوں پر پہلی شق کا امکان جزم و یقین بنکر مسلط ہوتا جا رہا ہے اور دوسرے شق کے متعلق اب طوفان میں بہنے والی کشتی کے مسافروں اور کھیویوں میں سے کسی کو کبھی یہ یاد نہیں آتا کہ اسکا بھی کوئی امکان ہے۔

آج میں بہت ہی صاف الفاظ میں ان حضرات کو دوسرا پہلو دکھانا چاہتا ہوں۔ جس جنگ آزادی کو وہ اتنا مقدس سمجھ رہے ہیں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ درحقیقت کس نوعیت کی جنگ ہے۔ جس آزادی کی فوج کو وہ سمجھ رہے ہیں کہ راہ حق پر گامزن ہے، میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ دراصل کس راہ پر جا رہی ہے اور مسلمان قوم بحیثیت مسلمان ہونے کے چند قدم سے زیادہ اس راہ پر اس کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ جس طریقہ کار کو وہ بالکل صحیح طریقہ کار سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ خدا و رسول کے بتائے ہوئے طریق کار کے بالکل خلاف ہے۔

(باقی آئندہ)

مقدس "جنگ آزادی" کی حقیقت

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر "ترجمان القرآن")

غیر تو غیر، خود مسلمان بھی اب اس دھوکے میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں کہ درحقیقت ہمارا کوئی قومی مسئلہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ ایسا اہم نہیں کہ آزادیٔ وطن کے مسئلہ سے بڑھ کر ہم کو اس کی فکر ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کے اپنے آدمیوں کی زبانوں پر اب وہی باتیں آنے لگی ہیں جو کل تک غیر مسلم اخباروں اور لیڈروں کے زبان و قلم پر تھیں۔ یعنی مسلم مفاد کا نام لینا رجعت پسندی اور ٹوڈیت اور فرقہ پرستی ہے — یہ جادو عوام سے گزر کر علماء پر بھی چڑھ رہا ہے اور وہ لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں جنکا اصلی فرض یہ تھا کہ جانشینان رسول ہونے کی حیثیت سے اسکو صل کرنے کی کوشش کرتے۔

اب اگر ہماری قوم کے وہ چند ارباب فکر جو حقیقت کو سمجھتے ہیں اور سمجھانے کی بھی اہلیت رکھتے ہیں اور جنکا ذہن ابھی تک بیرونی اثرات سے آزاد ہے، مہر خاموشی نہ توڑیں گے اور صاف صاف حقیقت کو بیان نہ کر دیں گے، تو یقیناً زمانہ کی دو تین گردشیں بھی نہ گزرنے پائینگی کہ مسلمانوں کی پوری قوم فریب میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اب مسلمانوں کے مفاد کا نام لینا اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ اب غیروں ہی سے نہیں، خود اپنے بھائیوں سے بھی ایسے شخص کو گالیاں سننی پڑیں گی اور انسان کے لیے غیروں کی گالیوں سے بدرجہا زیادہ دل شکن اُن لوگوں کی گالیاں ہوتی ہیں جن کی بھلائی کے لیے وہ کام کرتا ہے لیکن خواہ نتائج کیسے ہی تلخ ہوں، جن لوگوں کو اپنی ذات کے مفاد سے بڑھ کر اپنی قوم کا مفاد عزیز ہے، انھیں ہر بُرے سے بُرے نتیجے کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے، اور کم از کم تذکیر کا فرض بجا لانے سے ہرگز منہ نہ موڑنا چاہیے۔

اس کو مسلمانوں کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو سب سے بڑھ کر اُنکے قومی مزاج کو سمجھنے والے اور اُنکے جذبات و داعیات کا صحیح حال جاننے والے، اور اُنکے قلب و روح کی سچی نمائندگی کرنے والے ہو سکتے تھے، اور جن سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اس قوم کی حقیقی مشکلات کو سمجھ کر کوئی کارگر تدبیر علاج تجویز کرینگے، آج وہ بھی زمانہ کے غالب اثرات کی رَو میں بہتے جا رہے ہیں، اور نادانستہ اُنکی زبانوں سے وہ باتیں نکل رہی ہیں جو کل تک زیادہ کھلے ہوئے الزامات کی صورت میں غیروں کی زبان سے نکلا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر میں اس تقریر کا اقتباس نقل کرتا ہوں جو ابھی حال میں مولانا سید سلیمان ندوی نے مدراس میں ارشاد فرمائی ہے۔ مولانا کے علم و فضل، اُن کی صداقت، اُنکے تفکر و تدبر کا جیسا معترف میں ہمیشہ سے تھا ویسا ہی آج بھی ہوں، اور خاص طور پر ان کی تقریر کا اقتباس نقل کرنے سے میرا مدعا ان کی ذاتِ گرامی پر کوئی حرف لانا نہیں ہے۔ بلکہ دراصل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وقت کے غالب خیالات نے ہمارے قوم کے اتنے بڑے صاحب تفکر و بالغ النظر عالم پر بھی کیا اثر کیا ہے — مولانا فرماتے ہیں

"اس وقت تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مسلمان اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے بیٹھ رہیں اور جب آزادی کی جنگ ختم ہو جائے تو وہ اپنے دروازے کھول کر باہر نکلیں اور گلیوں میں آزادی کی بھیک مانگتے پھریں۔ یا یہ کریں کہ اپنا کیمپ الگ لگائیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ آزادی کی فوج اپنی قوت بازو سے کب میدان جیتتی ہے اور مال غنیمت پر قبضہ کرتی ہے اُس وقت وہ آگے بڑھیں اور فاتح فوج سے مال غنیمت میں جھگڑا کریں۔ یا یہ کہ وہ آزادی کی فوج میں شامل ہو کر آزادی کے لیے ان کے دوش بدوش کھڑے ہو کر جنگ کریں اور اپنے لیے اپنی عظیم الشان قومیت کی پوزیشن کے مطابق اپنی کوششوں سے اپنی جگہ حاصل کریں۔"

("انصاری" مورخہ ۲۲ رمضان ۱۳۵۶ھ)

غور کیجیے یہ ارشاد گرامی کن مفروضات کا نتیجہ ہے "مسلمان جو کئی سال تک آزادی کی جنگ سے الگ رہے اور اب بھی ٹھٹکے ہوئے کھڑے ہیں اسکی وجہ کچھ اور نہیں، محض بُزدلی ہے۔ اور یہ قوم بُزدل ہونے کے ساتھ کمینہ بھی ہے۔ جب آزادی کی فوج کے سورما سپاہی — جو ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر غیر مسلم ہی ہیں — شیروں کی طرح شکار مار لینگے تو یہ جنگلی ذلیل جانوروں کی طرح حصہ لڑانے کی کوشش کریگی" — یہ ہے مسلمانوں کی وہ تصویر جو ان الفاظ سے ذہن سامع میں بنتی ہے۔ اسکے ساتھ غیر مسلموں کی عظمت و بزرگی کا ایک مرعوب کن نقشہ ذہن کے سامنے آتا ہے کہ گویا وہ شیران بیشۂ حریت ہیں جو تمام ہندوستان کے لیے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ پھر یہ "جنگ آزادی" کس قدر پاک، کیسی بے عیب اور کتنی بے لوث چیز فرض کر لی گئی ہے کہ اس پر کسی لوث کا شبہ کرنا تو گویا ممکن ہی نہیں۔ ایسی پاک جنگ ایسے مقدس جہاد میں حصہ لینے سے مسلمانوں کا احتراز

حکیم مشرق کا پیام

(یکم جنوری کو حضرت اقبال کا پیام ذیل ریڈیو پر نشر ہوا)

دورِ حاضر کو علوم عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقیات پر بہت بڑا فخر و ناز ہے اور یہ فخر و ناز بلا شبہ حق بجانب ہے۔ آج زمان و مکاں کی پہنائیاں سمٹ رہی ہیں۔ اور انسان قدرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور اس کے قویٰ فطرت کی تسخیر میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ لیکن ان تمام ترقیات کے باوجود اس زمانہ میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت۔ قومیت۔ اشتراکیت۔ فسطائیت اور نہ جانے اور کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ اور ان نقابوں کے نیچے دنیا بھر کے تمام گوشوں میں قدرِ حریت اور شرفِ انسانیت کی وہ مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد مدبرین کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سونپی گئی تھی۔ وہ خونریزی۔ سفاکی اور زبردست آزادی کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ اخلاق انسانی کے نوامیس عالیہ کی حفاظت کریں۔ انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کریں۔ انھوں نے ملوکیت و استعمار کے جوش میں لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا صرف اس لیے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔

انھوں نے کمزور قوموں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ان کے اخلاق۔ ان کے مذہب۔ ان کی معاشرتی روایات۔ ان کے ادب اور ان کے اموال پر دست تطاول دراز کیا۔ پھر ان کے درمیان تفرقہ انگیزی کرکے اُن بدبختوں کو خونریزی اور برادر کشی میں مصروف کر دیا۔ تاکہ وہ غلامی کی افیم سے مدہوش اور غافل رہیں اور استعمار کی جونک چپ چاپ اُن کا لہو پیتی رہے

جو سال گزر چکا ہے اسکو دیکھو اور آج نوروز کی خوشیوں کے درمیان بھی دنیا کے واقعات پر نظر ڈالو۔ حبش ہو یا فلسطین۔ ہسپانیہ ہو یا چین۔ اس خاکدانِ ارضی کے ہر گوشے میں ایک قیامت برپا ہے۔ لاکھوں انسان بے دریغ موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ سائنس کے تباہ کن آلات سے تمدن انسانی کے عظیم الشان آثار کو معدوم کیا جا رہا ہے۔ اور جو حکومتیں فی الحال آگ اور خون کے اس تماشہ میں عملاً شریک نہیں ہیں وہ اقتصادی میدان میں کمزوروں اور ضعیفوں کے خون کے آخری قطرات تک چوس رہی ہیں۔ غرض ایک ہنگامہ محشر ہے جس میں نفسی نفسی کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔

تمام دنیا کے مفکر دم بخود ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ کیا تہذیب و تمدن کے اس عروج اور انسانی ترقی کے اس کمال کا انجام یہی ہونا تھا کہ انسان ایک دوسرے کی جان و مال کے لاگو ہو کر اس کرۂ ارض پر زندگی کا قیام ناممکن بنا دیں؟ یاد رکھو انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔ جب تک تمام دنیا کی تعلیمی طاقتیں اپنی توجہ کو محض احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں گی یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہیگی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہسپانیہ کے باشندے ایک نسل۔ ایک زبان۔ ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی عقائد کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں اپنے تمدن کا نام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم و دائم نہیں ہے۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے۔ اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے۔ جو نسل۔ زبان۔ رنگ۔ اور قوم سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت۔ اس ناپاک قوم پرستی۔ اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو پاش پاش نہ کر دیا جائیگا، جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کا قائل نہ ہو جائیگا، جب تک جغرافیائی وطن اور نسل اور رنگ کا امتیاز نہ مٹ جائیگا، انسان اس دنیا میں فوز و کامرانی کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ اور اخوت اور مساوات کے شاندار الفاظ کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوں گے۔

آؤ۔ اس نئے سال کو اس دعا سے شروع کریں کہ خدائے بزرگ و برتر ارباب حکومت و اقتدار کو انسان بنائے اور انھیں انسانیت کی حفاظت کرنا سکھائے۔

قلب ماہیت

(از مولانا ظہور احمد صاحب (قاضی دیوبند) پیایہ و اردو اثر)

کارخانۂ عالم میں بہت ایسی جماعتیں اور ادارے ہوئے ہیں جن کی بنیاد کسی اور بات پر تھی اور غلط فہمی یا کسی دوسرے سبب سے ان کا انجام کچھ اور ہو گیا۔ آغاز میں جو مقصد تھا اس کی تبدیلی سے وہ بسا اوقات تماشا ہو کر بھی رہ گئے ہیں۔ مثلاً شاہان مغلیہ اپنے یا اپنے کسی اور متعلق کے لیے لاکھوں کی رقم صرف کرکے شاندار عظیم الشان مقبرے یادگار تعمیر کراتے تھے اور اس میں حجروں اور کمروں کا ایک طویل سلسلہ قائم کرتے تھے اور ان میں عموماً حوض اور مسجدیں بھی ہوتی تھیں تاکہ آنے جانے والے مسافر جنکے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہ ہو وہ آرام کے ساتھ وہاں قیام کریں۔ مگر انکے بعد یہ تفریح گاہیں اور گارڈن پارک بن گئے۔ خیرات خانے اور مقبرے نہ رہے۔ اسی طرح کانگریس ابتدا میں سرکار سے اپنے حقوق مانگنے والی ایک جماعت تھی۔ پھر ۱۹۱۹ء میں سرکار سے برسرپیکار ہو گئی اور اپنے مقصد میں عدم تعاون شامل کیا اور اسکو ذریعہ نجات و آزادی سمجھا۔ اور اب ۱۹۳۷ء میں سرکار سے تعاون کرکے حکومت کا ایک جزو بن گئی۔ سرکاری قانون نافذ کرانے والی سب سے زیادہ جو مقتدر جماعت ہے وہ اب کانگریس ہے۔ گویا بجائے باغی اور برسرپیکار ہونے کے اب سرکار کا دست راست ہے۔ جو اُسکے غداروں پر مثل دوسرے سرکار پرستوں کے نازاں ہے۔ کہتے ہیں کہ اسکی نیت بخیر ہے۔ لیکن ظاہر طرز عمل کے سامنے باطنی نیت کوئی چیز نہیں۔ اگر یہی ہو تو سرکار پرست حضرات کے ظاہری اعمال کو دیکھو۔ کانگریس کی طرح وہ بھی اپنی نیت بخیر ظاہر کرتے ہیں، پھر وہ ملکی اور قومی غدار کیوں؟ اور کانگریس ملکی و قومی خیر اخواہ کیوں؟ دونوں ایک ہی سمت چل رہے ہیں۔ جو الزام ایک پر عائد

ہوگا وہی دوسرے پر۔ اور اگر ایک اپنی حسن نیت کا عذر پیش کرکے قومی غداری کے داغ کو دھو سکتا ہے تو دوسرا بھی یہی عذر پیش کرکے اس کلنک کے ٹیکے کو اپنی پیشانی سے محو کرسکتا ہے۔ جب مقصد میں تبدیلی آگئی تو خواہ اسے مقبرہ ہی کہیے لیکن ہے وہ حقیقت کا رڈن پارک۔ نام وہی پہلا ہے لیکن مقصد اور کام بدل گیا۔ اسی طرح مسلم لیگ کی بنا حقوق طلبی پر رکھی گئی تھی۔ اس کے سوا اسکا کوئی مقصد نہ تھا۔ لیکن اب اسکے مقصد میں تبدیلی ہوگئی ہے اس نے اپنے نظام و پروگرام میں حریت و آزادی ملک کو بھی شامل کرلیا ہے۔ فرمائیے پہلی کانگریس اور موجودہ مسلم لیگ میں کیا فرق رہا۔ نام دونوں کے وہی ہیں لیکن مقصد اور کام دونوں کے بدل گئے۔ موجودہ کانگریس گزشتہ مسلم لیگ ہوگئی اور موجودہ مسلم لیگ گزشتہ کانگریس بن گئی۔

یہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ کے ارکان موجودہ کانگریس کی طرح سرکار سے تعاون کر رہے ہیں۔ لیکن وہ انکا نجی اور ذاتی معاملہ ہے۔ انکے پروگرام میں جو اب مرتب ہوا ہے اسکی کسی دفعہ میں تعاون کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن موجودہ کانگریس کے پروگرام میں تعاون اور سرکاری عہدے قبول کرنا داخل ہیں۔ پس مسلم لیگ کے ارکان بحیثیت مسلم لیگی ہونے کے تعاون نہیں کر رہے ہیں۔ یا وصف اس کے محض نام کی بنا پر کانگریس کو مجاہد جماعت قرار دیا جارہا ہے اور مسلم لیگ کو سرکار پرست۔ انکو خبر نہیں کہ مقبرہ کا رڈن پارک بن گیا ہے۔ وہ ابھی تک اس کو مقبرہ ہی سمجھ رہے ہیں۔

(عصر جدید۔)

میزان عدل

عنوان فوق کے ماتحت جناب نیاز فتحپوری نے مجریہ "نگار" میں سیاسیات پر تبصرہ کرتے ہوئے کانگریس اور جمعیۃ العلماء کی حمایت کی اور مسلم لیگ اور اس کے حامیوں کے خلاف زہر اُگلا اور لکھا :-

"ترازو کے ایک پلڑے میں الف .... کو رکھیے جو مسلم لیگ کے اجزائے ترکیبی ہیں، اور دوسری طرف مولانا .... کو رکھیے جن میں نہ کوئی خطاب یافتہ ہے نہ زمیندار نہ تعلقدار، اور خود فیصلہ کیجیے کہ غریبوں کا ساتھ دینے کی اہلیت کس میں زیادہ ہے۔ اُن میں جو غریبوں کو اب بھی لوٹ رہے ہیں یا اُن میں جو اپنا سب کچھ لٹا کر خود غریب ہوگئے؟"

اس پر معاصر "خلافت" بمبئی نے جو اقتباسیہ لکھا ہے اسکا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

"ان بزرگوں کے ایثار و اخلاص پر ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ لیکن جناب نے فیصلہ بڑی تعجیل سے کیا ہے۔ اس ترازو کو اپنی جگہ پر رہنے دیجیے۔ ایک ترازو اور لائیے، اور ایک پلڑے میں حسرت موہانی کو رکھیے جنھوں نے قوم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ ظفر علی خاں کو رکھیے۔ جس کی شاندار قربانیاں صفحۂ دہر سے کبھی محو نہیں ہوسکتیں۔ شوکت علی کو رکھیے جس کی قربانیوں، فداکاریوں، جاں نثاریوں اور اخلاصمندیوں کا پشتارہ اسکے جسم سے بھی کہیں زیادہ وزنی ہے۔ اور دوسرے پلڑے میں سیٹھ جی کو رکھیے۔ برلا کو رکھیے۔ سر وزیر حسن کو رکھیے۔ اُن کانگریسیو کو رکھیے جو بینکرس ہیں۔ مل اونرس ہیں۔ ریلوے اور انشورنس کمپنیز کے حصہ دار ہیں۔ سود خوار ہیں اور لاکھوں روپیہ کا روزگار دبا رکھتے رہتے ہیں! اور خود فیصلہ کیجیے کہ غریبوں کا ساتھ دینے کی اہلیت کس میں ہے؟ اُن میں جو غریبوں کو اب بھی لوٹ رہے ہیں! یا اُن میں جو اپنا سب کچھ لٹا کر خود غریب ہوگئے؟"

(زمیندار)

ہندوستان اور اردو زبان

ہندو کانگریسی اور مہاسبھائی دونوں دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان کی زبان ہندی ہونی چاہیے۔ کیونکہ سب سے زیادہ یہ زبان بولی اور لکھی جاتی ہے۔ مگر ذیل کے اعداد و شمار ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ ذیل میں ہندوستان کی مختلف زبانوں کے اخبارات و رسائل کی تعداد دی جاتی ہے :-

زبان	آبادی جو یہ زبان بولتی ہے	اخبارات و رسائل	روزانہ	ہفتہ وار
اندھرا	۲۶۱۷۶۴۱۱	۱۰۸	۲	۲۵
آسامی	۱۹۹۷۳۱۴	۱۰	۰	۲
بنگالی	۵۳۶۳۳۸۴۱	۳۳۸	۸	۲۲
گجراتی	۱۰۶۳۳۸۴۱	۲۴۱	۱۸	۶۵
گورمکھی	۱۵۷۲۵۱۹۳	۴۱	۳	۱۵
ہندی	(تعداد حاصل نہ ہوسکی)	۴۱۰	۳۰	۱۰۶
کناری	۶۱۱۹۶۱۰۳	۸۹	۱۱	۲۹
ملیالم	۹۱۰۱۴۳۰	۸۰	۳	۱۴
اڑیا	۱۰۹۲۸۷۵۹	۵۶	۴	۱۴
مرہٹی	۲۰۷۳۹۲۰۱	۱۵۴	۱۳	۶۸
سندھی	۳۹۹۶۷۰۴۲	۸۹	۱۱	۴۷
تامل	۲۰۱۷۷۵۹۴	۱۵۳	۱۰	۳۴
اردو	۸۰۰۰۰۰۰۰	۸۱۲	۵۷	۳۳۲

یعنی ملک میں سب سے زیادہ اخبار اور رسالے اردو زبان میں شائع ہوتے ہیں۔

(خلافت)

صدق کی سالانہ جلدیں

مسلم لیگ کا ایک جلسہ

(وقائع نگار "خلافت" کے قلم سے)

[صدق کا مشورہ ہے کہ آگے پڑھنے سے قبل ضرور، بلکہ نہ مقدور اتوالی المقال د دلا تنظر الی من قال کی یاد تازہ کر لی جائے۔ یعنی دیکھنے کی چیز یہ نہیں کہ کہنے والا کون ہے، بلکہ یہ ہے کہ باتیں کہی کیا ہیں]

بمبئی۔ ۱۳۔ جنوری۔ آج محمد علی روڈ پر مسلمانان بمبئی کا ایک اہم اجتماع منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد ۱۵ ہزار سے کم نہیں تھی۔ آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ سڑک تک پر لوگوں کا ٹھٹھ لگا ہوا تھا۔ آج کا اجتماع متعدد حیثیات سے تاریخی اجتماع کہا جا سکتا ہے۔

ٹھیک ½ ۹ بجے راجہ صاحب محمود آباد کھدر کے لباس میں ملبوس تشریف لائے۔ حاضرین نے اللہ اکبر کے فلک فرسا نعروں سے انکا خیر مقدم کیا۔ راجہ صاحب کے لیے صدر کے پاس نشست کا انتظام کیا گیا تھا لیکن راجہ صاحب نے غایت درجہ فروتنی اور انکسار سے کام لیا اور فرش زمین پر عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ راجہ صاحب سے بہت اصرار کیا گیا کہ وہ کرسی پر جلوہ افروز ہوں، لیکن وہ زمین ہی پر بیٹھے رہے۔ یہ رنگ دیکھ کر بہت سے معززین کرسیوں سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے، جن میں سر کریم ابراہیم بھی تھے۔

جلسہ کی کارروائی باقاعدہ شروع ہونے سے پہلے ایک خلافتی رضاکار نے ایک ولولہ انگیز نظم سنائی۔

ٹھیک ۱۰ بجے مسٹر محمد علی جناح صدر جلسہ تشریف لائے۔ حاضرین نے اللہ اکبر، محمد علی جینا زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے صدر محترم کو خوش آمدید کہا۔ قرأت کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے فرمایا۔

برادران ملت! یہ جلسہ مسلم لیگ بمبئی پریسیڈنسی کی طرف سے منعقد کیا گیا ہے تاکہ راجہ صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر انکے خیالات سنے جائیں۔ اور معلوم کیا جائے کہ یو۔ پی میں لیگ کیا کام کر رہی ہے۔ راجہ صاحب اگرچہ کم عمر ہیں لیکن فہم و خرد کے اعتبار سے بہت بڑے آدمی ہیں۔ انہی خیالات کا موصوف نے انگریزی میں بھی نمایندگان پریس کی آسانی کے لیے اظہار فرمایا۔

پھر راجہ صاحب محمود آباد صدر محترم کی درخواست پر پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔ انھوں نے کہا

جس وقت مسلم لیگ کی بنیاد ڈالنے کا خیال ہمارے قائد اعظم کے دل میں پیدا ہوا تو میں نے پہلا سفر دہلی کا کیا جس میں اسکے متعلق کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ مجھے شرکت کا حکم دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نہ قابلیت میں نہ دماغ میں نہ کسی دوسری قوت کے اعتبار سے لیگ کا کارآمد جزو ہو سکتا ہوں لیکن اپنے خاندان کی تاریخ دیکھ کر یہ ضرور شرم آتی تھی کہ حسب مقدرت میں اپنے ملک و ملت کے لیے ضرور کچھ کروں۔ اسی خیال کے ماتحت میں اپنے قائد اعظم سے ملا۔ میں نے کچھ مہلت چاہی، تاکہ میں اپنے متعلق رائے قائم کر سکوں۔ پھر مجھے لاہور میں بلایا گیا جہاں غور و فکر کر کے ہم لوگوں نے ایک معاہدہ کیا کہ جب تک زندہ رہیں لیگ سے وابستہ رہیں گے۔ اس معاہدہ کے بعد میں نے اپنے قائد اعظم سے کہا کہ ہم ہر طرح لیگ کی خدمت کے لیے تیار ہیں۔

لیکن اس وابستگی کے بعد ایک جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے ہم نوجوانوں کو اس میں زیادہ شریک کریں۔ ہم نے حتی الامکان لیگ میں نوجوانوں کو شریک کیا۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں تھا لیکن ہم انتخابات کے میدان میں کود پڑے اور ہمیں غیر معمولی کامیابی ہوئی ہماری آنکھ مخالفین کے سامنے نہیں جھپک سکی۔ ہم نے ۳۶ امیدوار کھڑے کیے تھے جن میں ۳۲ کامیاب ہوئے۔ انسان جب کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو کچھ نہیں تو غیب ہی اُس کی معین ہوتی ہیں۔

ہمارے اس کام کو بگاڑنے کے لیے کچھ شیعوں سے اور کچھ سنیوں نے طے کیا کہ ایک پالی ہو جائے۔ دانہ ڈال دیا اور بازی شروع ہو گئی۔ اس موقعہ پر جو موقعہ کے منتظر لیڈر تھے وہ میدان میں آ گئے۔ نواب اسمعیل خاں نے مجھے دہلی سے جہاں میں نزمس تبادلۂ آب و ہوا مقیم تھا بلایا۔ اور کہا ان حالات میں لکھنؤ کے اندر لیگ کا جلسہ نہ کیا جائے۔ لیکن ہم نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ لیگ کا جلسہ لکھنؤ ہی میں ہوگا اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ مسلمان ہی کریں گے۔

اسلام میں بہت سے معرکے ایسے گزرے ہیں جب دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اقلیتوں نے اکثریتوں کو منہ توڑ جواب دیا ہے، اس لیے کہ وہ برسر حق تھیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر لیگ فاقہ کش، بے بس، غریب اور فلاکت زدہ مسلمانوں کی نمایندہ نہ ہوتی تو آج اُسے یہ ہر دلعزیزی نہ حاصل ہوتی۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید!!

انھیں فاقہ کشوں کا تصدق ہے انہی خاک نشینوں کا تصدق ہے کہ آج لیگ میں چار چاند لگے ہوئے ہیں آپ کو تعجب ہوگا کہ ایک سرمایہ دار دولت میں لت پت رہنے والا آپ کے سامنے غریبوں کی تعریف کیوں کرتا ہے۔ میں نہیں کرتا۔ میرا مذہب مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں افلاس کا احترام کروں۔

تیرہ سو برس ہوئے جب اسلام کی صدا دولتمندوں کے مقابلہ میں ایک غریب ایک مزدور خدیجۃ الکبریٰ کے "کمبل" "بیچنے" (؟) ایک یتیم و بیسہارے نے لبند کی۔ وہ کامیاب ہوا۔ وہ غریب تھا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ فاقہ کشی کیا ہوتی ہے۔ غربت کیا ہوتی ہے۔ دنیا کی اکثریت غریب ہے اس لیے ایک غریب نبی بھی دنیا کی اکثریت کے لیے مبعوث کیا گیا۔

اسلام نے اعلان کر دیا تھا اور رسول نے بتا دیا تھا کہ ہم جہاد صرف مدافعت کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن سرمایہ داروں کی خود غرضیوں نے اسلام کو اس درجہ مسخ کر دیا کہ آج اسکی ضرورت ہے کہ ہم بتائیں اسلام کیا ہے۔ کاش ہم جانیں کہ اسوۂ حسنہ محمدیؐ کیا تھا؟ کتنے دولتمند ایسے ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ اگر پیغمبر سے فاقے ہو یا ں بیٹھی ہوں، نواسے بیٹھے ہوں اولاد بیٹھی ہو، اس حالت میں بھی اگر کوئی فقیر آ جائے تو اپنا کھانا اُسے دیدو۔ میں بتانا چاہتا ہوں اسلام سب سے بڑا اسلامی کریڈٹ (؟) لے کر آیا تھا۔ اگر کوئی چیز عملی ثابت ہو سکی تو وہ صرف اسلام کی تعلیم ہے۔ آج اسٹالن بھی مجبور ہے کہ اُسی راستہ کی جستجو کرے۔ تیرہ سو برس پہلے جو

سوشلزم اسلام کے نام سے روشناس ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر شخص خوش حال رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی بہت غریب رہ سکتا ہے نہ بہت زیادہ امیر۔

میں پھر اپنے اصل موضوع پر آتا ہوں۔ لیگ کا جلسہ ہوتا ہے اور پوری قوت کے ساتھ ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ شروع میں بعض لوگوں نے کہا جلسہ میں ۱۰۰ نشستوں کا انتظام کرنا چاہیے۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے پانچ ہزار پر اصرار کیا۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ لیکن جب لیگ کا جلسہ ہوا تو بفضلہ ایسا کامیاب ہوا کہ لکھنؤ کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ مخالفین نے مشہور کیا تھا کہ صدارتی خطبہ کے بعد لیگ کے پرزے اُڑا دئے جائیں گے لیکن ع

دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا!!

لیگ کا جلسہ اتنا کامیاب ہوا کہ چوتھے دن بھی جلسہ کرنا پڑا۔ اس اجلاس میں لیگ کا اقتصادی پروگرام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس پروگرام میں غربا کی فلاح کے لیے کوئی چیز چھوڑی نہیں گئی تھی۔ آپ پوچھیں گے تجویز کا کیا حشر ہوا، کہیں وہ غرق مئے ناب تو نہیں ہوگئی۔ میں کہوں گا ہرگز نہیں۔ متعدد دفعات پر لیگ خود عمل کر رہی ہے۔ باقی دفعات حکومت سے متعلق ہیں۔ اگر اُس نے ہماری نہ سنی تو پھر سورۂ فاتحہ پڑھنا پڑیگا۔ ہمارے پروگرام کی پہلی دفعہ سود بیلی کی ترویج تھی۔ اس پہلو پر توجہ کی گئی۔ عنقریب لکھنؤ میں ایک مسلم لیگ کا کھدر بھنڈار کھل جائے گا۔ خوش قسمتی سے ہمیں رفیق کار بعض بہت اچھے ملے۔ ایک تو عم محترم مولانا شوکت علی دوسرے جمال میاں، تیسرے علی بہادر حبیب اللہ۔ بلند شہر، امروہہ، اور سہارنپور میں جو کامیابی ہوئی وہ انھیں حضرات کی بدولت۔ ہماری اسوقت ۴۰ ضلعوں میں کمیٹیاں قائم ہوچکی ہیں!

ضرورت ہے کہ لیگ میں وہی لوگ شامل ہوں جنھیں کچھ لینا ہے۔ اس میں اگر خوش حال لوگ ہوں، تو غریب ان سے کہیں زیادہ ہوں۔ ہم نے اپنے دستور میں یہ طے کیا تھا کہ لیگ کا چندہ ۲ ر ہو۔ تاکہ غریب اور کم مایہ لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہوسکیں۔ ہم نے جو دستور بنایا ہے وہ بہت عام فہم اور سادہ ہے۔ ہر شخص اسے سمجھ سکتا ہے۔ آپ سے توقع ہے کہ آپ لیگ کو مردہ نہیں ہونے دیں گے۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے آپ کو اپنا حصہ بہرحال ادا کرنا ہے اور وہ بھی بحیثیت مسلمان کے۔ میں سمجھتا ہوں کہ

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ہمارا کوئی وطن نہیں ہے، اور ساری دُنیا ہمارا وطن ہے

جہاں ہم خشتِ خُم رکھدیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر پٹکدیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے! (ریاض)

یہ اصلیت ہے۔ شاعرانہ تخیل نہیں ہے۔ اسلام نے قوم فروشی اور ملت فروشی کے خلاف سب سے پہلے کامیاب احتجاج کیا۔ یہ تحریک خلافت کا تصدق تھا کہ آج آپ کو اصلاحات سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ اسلام نے وحدت کی تعلیم دی ہے۔ اس پر بہتر فرقے ہیں اور اگر کہیں ہزاروں مرید ہی دیوتا کی ضروانی پھیلتی تو نہ معلوم کتنے فرقے پیدا ہوجاتے

دنیا کی اقوام اس نقطہ کی طرف جا رہی ہیں، جہاں تصادم ضروری ہے۔ ہماری قوت اس وقت کے لیے جب ہمارے مذہب کو توہین کرد قوم کی ضرورت ہو، محفوظ رہنی چاہیے۔ یہ اصولی جنگ ہوگی۔ اس میں دیکھ بھال کے قدم رکھنا ہوگا۔ ہم وطنیت کے مخالف نہیں ہیں، لیکن اگر وطنیت اس طرح کی ہو کہ کعبہ پر گولہ باری ہو اور وہ ہمیں نہ جانے دے۔ ایسی وطنیت پر لعنت ہے۔ بیشک ہمارا وطن ہندوستان ہے لیکن ہم ان اسلامی ممالک کو بھی نہیں چھوڑ سکتے جو ہم سے ہر حال میں وابستہ ہے۔ جب کبھی بھی آپسے اتحاد ہوگا تو وہ سوشلسٹ پارٹی کے ساتھ ہوگا۔ یہ سیلاب ہر ملک میں جائیگا۔ ہندوستان میں بھی ضرور آئے گا۔ اگر ہم اس وقت اسکے لیے تیاری کریں، جفاکش بنیں، محنت کریں تو اس وقت اُسے سہہ جائیں گے۔ یہ میں اپنے فرقہ سے کہہ رہا ہوں۔ جنکے پاس دولت ہے۔ جو حقائق ہیں اُن سے انکار کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے میں جمہوری طاقت پیدا کیجیے تاکہ آپ کسی کے پاس مانگنے نہ جائیں بلکہ وہ جماعت خود آپ کے تعاون کی طالب ہوکر آپ کے پاس آئے۔

غریبوں کے پاس بیٹھنا، مسجدوں میں جانا لوگ عار سمجھتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ نماز میں جس پر پانچ بار درود پڑھتے ہیں، وہ کوئی نواب بہادر تھا، نہ بادشاہ تھا۔ اس لیے میں اسلام کو مزدوروں کا مذہب سمجھتا ہوں۔

مطبع شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق، مرشدآباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ سے شایع کیا

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون
(اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جنے اسکو سچ مانا، تو یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
چندہ - ... مع ... ہ
مضامین کے بارہ میں ...

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
خط وکتابت اس پتہ پر ہو۔
مہتمم صدق - لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۲۹۱

نمبر ۲۹۱ | لکھنؤ ۲۹ - ذیحجۃ الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۳۸ء | جلد ۳

سچی باتیں

پادری زویمر صاحب مسلمانوں کے خاص الخاص مہربانوں میں ہیں، اور آپ کی نگاہ کرم، اسلام کے حال پر آج سے نہیں، کوئی چالیس سال قبل سے برابر چلی آرہی ہے۔ ہندوستان کو بھی آپ بارہا سرفراز کرچکے ہیں، اور ضد اسلام کتنے ہزار ہا ہزار صفحے آپ اسلام پر سیاہ کرچکے ہیں، اپنی ایک چند سال قبل والی کتاب "سیاحت عالم اسلام" Across the world of Islam میں ایک جگہ فرماتے ہیں:-

"جولائی ۱۹۲۵ء میں ہم لوگ بیرا، علاقہ پر تگیز مشرقی افریقہ کی ایک مسجد میں پہونچے۔ ایک یمنی عرب قاہرہ کا تعلیم پایا ہوا حبشی لڑکوں کو قرآن پڑھا رہا تھا، میز پر ہندوستان کے، اور ترکی کے اور مصر کے اخبارات رکھے ہوئے تھے۔ اس چھوٹی سی مسجد میں ایک صندوقچی، "مجاہدین ریف" کی امداد کے لیے، جو مراقش میں فرانس سے نبرد آزما تھے، رکھی ہوئی تھی، اور اس پر لکھا ہوا تھا "بذریعہ خلافت کمیٹی بمبئی"! اسلام نے دنیا بھر میں یہ وحدت پیدا کردی ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اسے عالمگیری پایا جاتا ہے افریقہ میں اسلامی اُخوت کی اس عالمگیریت کو بڑی قوت اس سے پیدا ہوگئی ہے، کہ تحریر کا رسم الخط ایک ہے اور نماز وعبادت کی زبان ایک ہے۔ بچے خواہ فیض میں ہوں یا مکیلو میں، یا چونڈا میں، یا زنجبار میں، یا لاگوس میں، یا کیپ ٹاون میں، (کہیں بھی ہوں) انکے سامنے ایک ہی کتاب اور ایک ہی رسم الخط ملیگا ..... عربی حروف اور عربی زبان جزو ہیں اسلامی تہذیب کے، اور رواج افریقہ میں پھیل رہے ہیں" (صفحہ ۱۹۶)۔

زویمر، دوست کیا معنی، طرفدار بھی نہیں۔ اسلام کا جانی دشمن ہے۔ عمر کی عمر، اسی عداوت میں بسر کردی۔ مجبور ہوکر اعتراف کر رہا ہے، کہ اسلام جغرافی حدود کا پابند نہیں، مسلمان کا وطن ساری دنیا ہے، اسلام کا کلمہ گو نہ ہندی ہے نہ ترکی، نہ ایشیائی نہ افریقی۔ وہ عالمگیر برادری کا ایک فرد ہے۔ اس وحدت دین ووحدت کلمہ کو تقویت دینے کے لیے ایک مستقل وحدت تمدن، اور اس وحدت تمدن کے دو خاص آثار ومظاہر

(۱) وحدت لسان۔

(۲) وحدت کتابت۔

دشمن کی زبان سے آپنے سُن لیا، اور اسکے بین السطور میں پڑھ لیا، کہ آپ کی وحدت، کیسا کیسا دلوں کو تلملا رہی ہے، کیسی کچھ بے چینی اور اضطراب، اغیار کے کیمپ میں پیدا کیے ہوئے ہے، اور کیا کیا چالیں اور تدبیریں آپکی اس مرکزیت وتنظیم میں رخنہ ڈالنے کی، اس دیوار میں سوراخ کردینے کی اور آپ کے نظام وحدت کو پاش پاش کرڈالنے کی، کیجا رہی ہیں۔ کیجا چکی ہیں! یہاں تک کہ بیرونی حملوں سے مایوس ہو، "دانا دشمن" نے خود آپ کے اندر سے "نادان دوستوں" کی ایک بڑی جماعت کو اپنا لیا!

اور اب یہ صدائیں لگانے والے، اور آپ کے لشکر کے اندر غدر مچا دینے والے خود آپ ہی کے ہاں بڑے بڑے "روشن خیال" اور "متجدد نواز" اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، کہ نماز بے سمجھے بوجھے عربی میں ہونے کے کیا معنی؟ کیوں نہ بنگالی، بنگلہ زبان میں، اور لکھنؤ اور دہلی والے، اردو زبان میں، سب اپنی اپنی مادری زبان میں پڑھا کریں ــــــ اور یہ پرانا، فرسودہ رسم الخط! داہنے سے بائیں طرف حروف کی گھسٹ لیجانے کا نفرت انگیز طریقہ! ایکبارگی

جاری رہیگا! جبکہ ہٹلر اور مسولینی اور اسٹالن اور نہرو، سب یہی کہتے ہیں کہ "ترقی" کا راز قلم کو بائیں سے داہنے طرف حرکت دینے میں ہے!

اور سب سے بڑھکر، "ناقابل برداشت" اور "مہمل" یہ "خلافت اسلامیہ" کا دقیانوسی تخیل! یہ ترکی و ایران، مصر و ہندوستان کو ایک رشتہ میں پرونے کا خواب! جبکہ وقت کی پکار یہ ہے کہ بنگال کے مسلمانوں کا پنجاب کے کلمہ گوؤں سے کوئی تعلق نہ رہ جائے، اور دکن کے اہل ایمان کا رشتہ دہلی کے اہل قبلہ سے کٹ جائے! بلکہ شہر شہر، گاؤں گاؤں کے مسلمان دوسرے شہروں اور گاؤں کے مسلمانوں سے یکسر اجنبی بن جائیں، اور ایک ایک محلہ کے مسلمان دوسرے محلہ کے مسلمانوں سے بیگانہ محض ہو جائیں "تاآنکہ زمانۂ جاہلیت والا تشتت و انتشار پھر ایک بار لوٹ آئے!"

عمل صالح کا مرتبہ

"جدید سائنس سے مغرب نے کیا حاصل کیا؟"

سوال، برطانیہ کے ایک نامور مدبر و سیاسی مفکر لارڈ لوتھین نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے جلسہ میں کیا، اور جواب خود ہی دیا!

"دو چیزیں حاصل کیں۔ پہلی یہ کہ انسان کو فطرت اور قوائے فطرت پر غیرمعمولی قدرت حاصل ہوگئی۔ دوسری یہ کہ یونیورسٹی میں تعلیم پائے ہوئے گروہ کے قلب سے مذہب کی عظمت و وقعت رخصت ہوگئی"

پھر ارشاد فرمایا!

"آج دنیا پر جو بلائیں مسلط ہیں، اُن میں سے آدھی تو انھیں دو چیزوں کا نتیجہ ہیں۔ مہذب انسان سائنس کی بخشی ہوئی طاقتوں پر مفتوں ہو گیا، لیکن اسکے مقابل اپنے اخلاق کو سنوار نہ سکا، کہ ان نئی طاقتوں کو بجائے ہلاکت کے، انسانی خدمت کے کام میں لگاتا۔ ... مغرب میں تو سائنس و مذہب کے تصادم نے تشتت و انتشار پیدا کر دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان اس تصادم کا زور سنبھالنے کی کس حد تک صلاحیت رکھتا ہے اور ہندو مذہب اور اسلام روزانہ زندگی کے مسائل کا صحیح حل مہیا کرنے میں کہاں تک معین ہو سکینگے"

گویا ان دانایان مغرب کا کہنا یہ ہے کہ مذہب کے جزو معتقدات سے تو ہمیں بحث نہیں، عالم غیب اور حشر و معاد کے مسائل جو کچھ بھی ہوا کریں، ہمیں بحث تو جو روزانہ زندگی کے مسائل و مہمات سے ہے۔ اسلام نے انکا حل کیا پیش کیا ہے؟ جواب میں گزارش ہے کہ ایمان کے ساتھ ساتھ "عمل صالح" کی اہمیت سے جو قرآن مجید بھرا پڑا ہے، یہ آخر "روزانہ زندگی کے مسائل کے عملی حل" کے سوا اور ہے کیا؟ یہ تاکید کہ اپنے نظام معیشت کو سودی کاروبار سے گندہ نہ کرو، یہ فرمان کہ اپنی صحت اور اپنے اخلاق کو شراب کا ایک قطرہ بھی چھوکر برباد نہ کرو، یہ حکم کہ اپنے اندر اعلیٰ فوجی تنظیم نمازوں کو وقت معترہ پر، اور جماعت کے ساتھ باقاعدہ صف بندی کرکے ادا کرو، یہ ارشاد کہ مال جمع کرتے اور ڈھیر لگانے کے لیے نہیں، بلکہ ایک خاص مقدار میں قرابت کی خدمت میں خرچ کرنا فرض ہے، اور زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا بہتر ہے، یہ تعلیم کہ بیویوں کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک برتو، یہ تلقین کہ لڑکیوں کو حقیر نہ سمجھو اور انھیں بھی جائداد کا وارث کرو، یہ اصرار کہ جائداد ایک ہی سمت منتقل ہوتی نہ چلی جائے، بلکہ اتنے اتنے حصوں میں تقسیم ہوتی جائے، یہ اور اسی طرح کے بیسیوں، پچاسوں احکام اسی معیشت دنیوی سے متعلق، یہ سب اگر مسائل حیات کے حل اور سوالات زندگی کے جوابات نہیں، تو ہیں کیا؟ ——— یہ بدیہی حقیقت کسی مزید سوال و جواب کی محتاج کب ہے؟ ——— ہاں اگر لارڈ موصوف سوال یہ کریں، کہ لوگوں کو اسکے عمل پر اختیار پر کیسے مجبور کیا جائے؟ تو بیشک اسکا جواب کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

زہر اور تریاق

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اسلام اور سوشلزم میں مقابلہ کون کر رہا ہے؟ مقابلہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

ملک کے ایک معلوم و معروف مبلغ اشتراکیت نے کہا۔ لاحول کس چیز پر پڑھی گئی، اسے تو خدا پر چھوڑیے۔ متن کی شرح اُسی زبان سے سنیے:-

"ایک آدمی بھوک سے مر رہا ہے، اور آپ اُسکے لیے دال ڈھونڈتے ہیں۔ یہ لوگ پہونچ جاتے ہیں، اور غل مچا دیتے ہیں، خبردار دال نہ کھانا، کیونکہ پلاؤ دال سے زیادہ لذیذ ہے۔ مانا کہ پلاؤ دال سے زیادہ لذیذ ہے، مگر پہلے پلاؤ لاکر بھوکے کو دو پھر دال کی مذمت کرنا"

الحمد للہ، کہ خود سوشلزم کے مقابلہ میں اسلام کی افضلیت کا تو اعلان ہوا، ہر چند کہ اس افضلیت کی مقدار بس اتنی ہی ہے، جتنی دال کے مقابلہ میں پلاؤ کی! آپ کی "روشن خیالی" کے لیے تو یہ بھی بہت ہے، لیکن اسے کیا کیجیے، کہ ابھی "رجعت پسند" مسلمانوں کی جو دنیا کی دنیا آباد ہے، اُسکے عقیدہ میں مقابلہ دال اور پلاؤ کا نہیں، زہر اور تریاق کا ہے۔ اسلام دوا بھی ہے اور غذا بھی۔ تمامتر مفید اور تمامتر لذیذ۔ اسکے سوا، جو کچھ بھی ہے، باطل ہے، فریب ہے، ظلمت ہے، اور جس نظام کو بھی اسکے مقابلہ میں لایا جائیگا، خواہ کُلاً خواہ جزواً، وہ زہر ہی ہوگا، جبکا اپنے قصد و ارادہ سے چھونا بھی گناہ۔ چاہے اُس نظام کو سوشلزم کہکر پکاریے، کمیونزم کہیے، کیپٹل ازم کہیے، نازی ازم کہیے، فاسزم کہیے، نہرو ازم کہیے، جو چاہیے کہیے۔

آگے چلکر پھر حسب معمول جو راہوں پر پڑھنے والا رجز شروع ہو گیا ہے:-

"رجعت پسندوں کو اور سامراجی ایجنٹوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ اُنکے یہ بے معنی نعرے اور منافقانہ وعظ سوشلزم کے دھارے کو نہیں روک سکتے"

گویا دنیا میں نظام صرف دو ہیں۔ ایک سوشلزم اور کمیونزم کا، اور دوسرا امپیریلزم، کیپٹل ازم اور اسلام غریب، جو دونوں کو شیطانی تحریک سمجھے، دونوں پر یکساں لاحول پڑھتا ہے،

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اُسکو پر تیر قضا سمجھے!

اُسکا کامل و مکمل نظام سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتا! "پلاؤ" جسے آپ

قرار دے رہے ہیں، اُسکی تو دیگوں پر دیگیں بھری ہوئی آپ کے پاس رکھی ہیں۔ آپ خود ہی اُس کی طرف التفات نہ فرمائیں، اور ایک زہر کی منڈی آکر دوسرے زہر کی طرف ... ڈال کر پھینکیں، تو اسکا دُنیا میں کس کے پاس علاج ہے؟

ملک جاوا میں ارتداد

انگریزی کے ایک دشمن اسلام رسالہ میں، ایک رومن کیتھولک پادری کا مضمون، ممالک اسلامی میں تبلیغ مسیحیت پر نکلا ہے۔ تقریباً تمام ملکوں میں اپنی عملی ناکامیوں کی توجیہ پادری صاحب یوں فرماتے ہیں، کہ براہِ راست مسیحی بنا لینے سے بڑھ کر موثر طریقہ "زمین تیار کرنے کا" اور مسلمانوں کے اندر اسلام سے متعلق بدگمانی و بے اعتقادی پیدا کرنے کا ہے۔ اور اس میں کامیابی بشارتی سکولوں، اسپتالوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہو رہی ہے۔ لیکن حسرت تیسیوں کی اس روداد کے ساتھ ایک موقعہ مسرت کا بھی پادری صاحب کو مل جاتا ہے، اور وہ فرماتے ہیں:—

"جن جن ملکوں میں ہالوں کی تعداد بڑی ہے، اُن میں ایک جاوا بھی ایسا ہے، جہاں بہت سے لوگ ہم میں شامل ہوئے۔ یہ کام تقریباً تمام تر سکولوں ہی کے ذریعہ سے انجام کو پہونچا ہے۔ جتنے مسلمان کیتھولک ہوئے، ان میں سے ۸۰ فی صدی انہیں سکولوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ یعنی کہنا چاہیے کہ اسی صدی کی پیداوار ہیں ... ۱۹۲۵ء سے ... حال کے عرصہ میں ... ہزار مسلمان کیتھولک کلیسا میں شامل ہوچکے ہیں۔"

(... ۱۹۳۶ء، ص ۱۲۶)

... اس کے ... ہم سے کچھ شکایت صرف ایک گمراہی (کیتھولک مسیحیت) ... گرے ... گمراہوں کے اعداد کس کے پاس فراہم ہیں! حق تھا کہ قوالی تھی ... خالی پڑا ہوا ... اپنا ذل ہو جاتا ہے ہماری مجرمانہ غفلت، خدا جانے کی بھی آخر کوئی حد ہے! جہاں کی اسلامی آبادی ... کروڑ کی تعداد میں ہو ... اپنے بھائیوں کی غربت سے اس درجہ تغافل برتا جاسکے!

شعاعِ اُمید

لیکن تصویر کا بہت تسکین دینے والا الحمدللہ کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔ حافظ فضل الرحمٰن انصاری بی اے (علیگ) مدیر وہ انگریزی رسالہ "جینوئن اسلام" سنگاپور کا تعارف ان صفحات میں ہوچکا ہے۔ اپنے تازہ مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"سنگاپور ملایا کے صرف ہی کا نہیں، مشرقی ایشیا کا اہم ترین بندرگاہ ہے۔ ملایا کی آبادی تو تمام مسلمان ہے۔ اسکے علاوہ عرب اور ہندوستان کے مسلمان تاجروں کی بھی آبادی ہے۔ سنگاپور انیسویں صدی میں سلطان جوہور کے قبضہ سے نکل کر انگریزوں کے زیر نگیں آیا۔ اُسوقت تک یہاں کی ملایائی مسلمانوں اور عربوں کا مشغلہ تھی۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں حالات بالکل بدل گئے۔ اب حکومت انگریزوں کی ہے اور ثروت چینیوں کی۔ مسلمان سنگاپور ہی نہیں بلکہ مسلمانان ملایا پر بے حسی اور سخت جمود طاری ہے۔ جو کچھ اسلامی حرکت یہاں اب ہے، وہ سب مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی کی مساعی حسنہ کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے ۱۹۳۲ء میں سنگاپور میں آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی قائم فرمائی۔ موصوف کی تقریریں سُن کر اور ارکان سوسائٹی کی کوشش سے سدہا افراد اس قلیل عرصہ میں اسلام میں داخل ہوچکے ہیں، اور اس نومسلم جماعت میں انگریز، جرمن، چینی، اور ہندو سب اقوام کے لوگ شامل ہیں۔ اور متعدد ان میں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ مجھکو آئے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے لیکن میرے سامنے چار پانچ افراد نے سوسائٹی کے آفس میں آکر اسلام قبول کیا ہے ....

موصوف نے ... انگریزی تبلیغی رسالہ Genuine Islam جنوری ۱۹۳۶ء سے جاری فرمایا ہے۔ یہ رسالہ پورے ... آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے، اور پورے عالم اسلام میں ... اہل سنت و الجماعت کا واحد انگریزی تبلیغی رسالہ ہے۔ میں اگرچہ مختصر سب ... ہا ... کی نسبت رکھتا ہوں، لیکن انشاء اللہ العزیز میری ... ادارت میں ... رہیگا، میری خدمات اعزازی ہونگی، اور رسالہ سے جو کچھ نفع رہیگا، وہ اشاعت اسلام ہی پر خرچ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اہل اسلام اس رسالہ کی اشاعت میں پوری امداد بہم پہونچائیں، تاکہ ہم اسکے ذریعہ سے تمام مذاہب باطلہ ... کے خلاف پوری قوت سے جہاد کرسکیں۔"

جاوا اگر ... سے ... کہنا مسلم ہے، پھر بھی ایک گونہ اُسکا ... ہے، اور ... ملایا پر رکھتا ہے۔ رسالہ مذکور اور اُسکے فاضل ایڈیٹر کے مشن کی روشنی، ضرورت ہے کہ سب سے پہلے اسی پر پڑے، اور ان شاء اللہ ضرور پڑیگی۔ تحقیق کے صدہا مسلمان ناظرین میں سے اگر کسی صاحب کے تعلقات جاوا سے ہوں، تو وہ براہِ کرم وہاں کی موجودہ دینی فضا سے ضرور مطلع فرمائیں۔

تسبیح نباتات

سر جگدیش چندر بوس، جن کی وفات ابھی حال میں ہوئی ہے، اُنکا شمار، ہندوستان ہی کے نہیں، دُنیا کے مشاہیر سائنس میں تھا۔ وفات پر یورپ کے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ امرت بازار پتریکا (کلکتہ) ۲۰ دسمبر کے پرچہ میں لندن کے روزنامہ ڈیلی ٹیلیگراف کے نمبر میں نوٹ نقل ہوا ہے۔ اسکا ترجمہ حسب ذیل ہے:—

"اپنی وفات کے وقت وہ نباتات کے روحانی ردعمل کی تحقیقات میں مصروف تھے۔ اور اس عقیدہ میں وہ مسٹر گاندھی کی طرح پختہ تھے۔ دونوں میں دوستی ۱۹۱۵ء میں ہوگئی تھی جب مسٹر گاندھی نے اول بار سر جگدیش کے دارالتجربہ کا کلکتہ میں معائنہ کیا۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور مسٹر گاندھی نے حسب معمول پراتھنا کا ارادہ کیا۔ سر جگدیش بھی اپنے شاگردوں سمیت پراتھنا میں شریک ہوئے۔ اُسوقت ماہرسائنس نے حیرت سے دیکھا کہ تاڑ کے درخت کی حرکتیں جو بجلی کی سوئی پر منتقل کرتی جاتی ہے، اُن میں یہ نظر آرہا ہے کہ تاڑ کے درخت کی پتیاں

سورۃ البقرۃ، رکوع ۳۹

(سلسلہ صدق ۳۵ وما قبل)

(از عبد الماجد)

۱- یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْہًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ ہُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْہِدُوْا شَہِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّہَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىہُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىہُمَا الْاُخْرٰی وَلَا یَاْبَ الشُّہَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّہَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَہَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْہَا وَاَشْہِدُوْٓا اِذَا

اے ایمان والو، جب معاملہ کرنے لگو ادھار[۱] کا ایک میعاد معین تک[۲]، تو لکھ لیا کرو اسکو۔[۳] اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کا لکھنے والا لکھے انصاف کے ساتھ،[۴] اور لکھنے والا انکار نہ کرے لکھنے سے،[۵] جیسا کہ اللہ نے اُسکو سکھلا دیا ہے۔[۶] اُسکو چاہیے کہ لکھ دیا کرے۔ اور چاہیے کہ لکھوائے[۷] وہ شخص حق واجب ہو جسکے ذمہ،[۸] اور چاہیے کہ اللہ سے جو اُسکا پروردگار ہے ڈرتا رہے،[۹] اور اس میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے۔[۱۰] پھر حق واجب ہو جسکے ذمہ،[۱۱] اگر وہ خفیف العقل[۱۲] ہو یا ضعیف ہو،[۱۳] یا لکھا نہ سکتا ہو،[۱۴] تو چاہیے کہ لکھوا دے اُسکا کارکن[۱۵] ٹھیک ٹھیک۔[۱۶] اور دو شخصوں[۱۷] کو اپنے مردوں میں سے[۱۸] گواہ کر لیا کرو۔[۱۹] پھر اگر دونوں گواہ مرد نہ ہوں،[۲۰] تو ایک مرد اور دو عورتیں[۲۱] ایسے گواہوں میں سے جنکو تم پسند کرتے ہو،[۲۲] تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے کوئی ایک بھول جائے،[۲۳] تو ایک اُن میں سے دوسری کو یاد دلا دے۔[۲۴] اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں، جب وہ بلائے جائیں۔[۲۵] اور تم اُس کو، اسکی میعاد تک لکھنے سے اُکتایا نہ کرو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔[۲۶] یہ (لکھ لینا) انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا۔ اور زیادہ قریب ہے اسکے کہ تم شبہ میں نہ پڑو۔ الا یہ کہ کوئی

۱ ادھار (دَین) کی دو صورتیں ہیں۔ اور دونوں شرعاً جائز۔ ایک یہ کہ چیز ابھی خرید لی اور قیمت کے لیے یہ طے ہو گیا کہ فلاں مدت کے بعد دینگے۔ دوسری یہ کہ قیمت پیشگی دیدی، اور چیز کے لیے یہ طے پایا کہ فلاں مدت کے بعد لینگے۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔

۲ اس میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ معاملات قرض کی مدت بالکل متعین ہونا چاہیے۔ یہ بات مبہم اور گول نہ رہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ سردی کے زمانہ میں، برسات کے موسم میں۔ بجائے اس کے فلاں ماہ کی فلاں تاریخ ہونی چاہیے۔

۳ یعنی اس معاملہ کی دستاویز کو۔

۴ ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست، بغیر کسی فریق سے متاثر ہوئے۔

۵ مگر کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لے لینا بھی جائز ہے۔

۶ اللہ اللہ، معاملات باہمی کے سلسلہ میں شریعت نے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات کا کس درجہ اہتمام کر دیا ہے! اس کامل و مکمل نظام زندگی و ضابطہ حیات کے مقابلہ میں دوسری شریعتیں ... جنکے اندر ہوتے ہوتے مسائل بھی موجود نہیں!

۷ دستاویز کو

۸ قرار حق (... متصل ہے دستاویز کا) تحریر اُسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ حق [illegible]

۹ (خصوصاً دستاویز لکھا[illegible] ... اور یوں خوف خدا تو ہر حال رکھنا ہی چاہیے۔)

۱۰ یعنی جو حق جس مقدار [illegible] ... ہے اسی کے۔

۱۱ (کاتب دستاویز کو بتاتے اور لکھاتے وقت)

۱۲ اور یہی دستاویز لکھانے والا ہے)

۱۳ سفیہ سے مراد ضعیف العقل ہے، بالکل پاگل مراد نہیں۔

۱۴ مثلاً یہ کہ ابھی بلوغ کو نہ پہنچا ہو، یا اتنے سن کو پہنچ چکا ہو کہ ہوش ٹھکانے نہ رہے ہوں۔

۱۵ کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہے یا کسی اجنبی ملک کا باشندہ ہے۔

۱۶ (ایسی صورت میں اُس کی طرف سے)

۱۷ یعنی ولی شرعی، یا وکیل مختار، یا ترجمان۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں سے ملینگی۔

۱۸ معاملہ کی مزید پختگی کے لیے، علاوہ تحریر دستاویز کے

۱۹ (جو عاقل، بالغ، آزاد، اور دیندار ہوں)

۲۰ "اپنے مردوں میں سے" یعنی مسلمانوں میں سے۔ یہودی قانون میں ہے کہ "گواہ کے لیے اسرائیلی ہونا ضروری ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵، ص ۲۱۹)

۲۱ اور ثبوت کا ان گواہوں کی گواہی سے نہ کہ دستاویز۔

۲۲ یعنی دو مرد گواہی کے لیے میسر نہ آئیں۔

۲۳ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے۔
"گواہ کو مرد ہونا چاہیے نہ کہ عورت" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵، ص ۱۷۷)
"عورتوں کی گواہی نہ قبول کی جائے" (... کی آثار یہود، ص ۱۴۳)
"گواہ مرد ہی ہوں، نہ کہ عورتیں اور نابالغ" (ابوری سنن آلمور، ص ۲۲۶)
معض اور مذاہب میں عورت کا مرتبہ اور بھی فروتر رکھا گیا ہے۔

۲۴ یعنی جو تمہارے نزدیک معتبر ہوں

۲۵ شہادت کے کسی حصہ کو ... کسی ضروری جز کو

۲۶ ... طرح شہادت مکمل نہ ہو سکے) ... یہ کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے، اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں کیا گیا ہے، سو اسکا تعلق مشاہدہ و تجربہ سے ہے۔ مغرب کے مشہور محقق ... ت ہیولاک ایلس کہتے ہیں ...
تاریخ ... ہے ... سے پہونچا ... اسی قسم کے ... تو ... ث

اذا تبایعتم، ولا یضآر کاتب ولا شھید۔ وان تفعلوا فانہ فسوق بکم، واتقوا اللہ، ویعلمکم اللہ، واللہ بکل شیء علیم۔

سوداگری دست بدست ہو، جسکو تم باہم لیتے دیتے ہو تو تم پر اسکا کوئی الزام نہیں، کہ اسے نہ لکھو، اور گواہ کر لیا کرو جب خرید و فروخت کرتے ہو۔ اور تکلیف نہ دی جائے کسی کاتب کو اور نہ گواہ کو۔ اور اگر (ایسا) کروگے، تو یہ گناہ ہے تمہارے لیے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ تمہیں سکھلاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۲۔ وان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ، فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ، ولا تکتموا الشھادۃ، ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ، واللہ بما تعملون علیم۔

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ، سو رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دیدی جائیں۔ اور اگر تم میں سے ایک اعتبار کرتا ہو دوسرے کا، تو جسکا اعتبار کیا گیا ہے، اُسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت کا حق ادا کرے، اور ڈرتا رہے اللہ سے جو اسکا پروردگار ہے۔ اور مت چھپاؤ شہادت کو۔ اور جو شخص اسے چھپائیگا سو گنہگار ہوگا اسکا قلب۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

حیوانات میں عام ہے، عورت کی حالت میں اس حد تک داخل ہے کہ بہ قول لومبروزو اور فرارو کے، عورت کے لیے قریب قریب بمنزلہ ایک امر طبعی کے ہے ... اسی حقیقت کا اظہار زمانہ بعد سے طریقہ سے بہت سی قوموں کی کتابوں میں آتا ہے اور بعض ملکوں میں عورتوں کی قانونی شہادت مردوں سے کمتر درجہ میں رکھی گئی ہے۔"

(انگریزی ترجمہ [illegible] مرد و عورت، ص ۱۹۶)

۲۷ (گواہ بننے سے)

۲۸ کہ اس میں معاملات امت کی حفاظت اور دین کی خدمت ہے۔

۲۹ (یعنی معاملہ دین کو)

۳۰ (وہ معاملہ دین کا)

۳۱ (معاملہ دین سے متعلق)۔ صدائے آجکل بار بار اٹھ رہی ہے کہ اب زمانہ عقائد و معاد کے پرکھنے کا نہیں، اب تو دنیا یہ دیکھتی ہے کہ کس مذہب نے روزمرہ کے معاملات زندگی کے حل کرنے پر زور دیا ہے۔ یہ معیار صحیح ہے یا غلط، یہ الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ یہی معیار قائم کیے ہوئے ہیں، وہ خود غور کرلیں، کہ دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ معاملات زندگی کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے!

۳۲ جس میں قدرتاً احتمال نزاع و اختلاف کا کم ہوتا ہے۔

۳۳ اور ایسے معاملات کثرت سے ہر وقت ہوتے ہی رہتے ہیں، عموماً خفیف مقداروں میں۔

۳۴ ایسے مواقع پر کتابت دستاویز کے التزام سے حرج لازم آتا ہے۔ اس لیے شریعت نے اسے یہاں حذف کردیا۔ فقہاء نے اپنی نکتہ سنجی سے یہ نکتہ بھی یہیں سے نکالا ہے، کہ اگر کوئی معاملہ ہو تو دست بدست، لیکن حالات وہاں وہ نہ ہوں، جو عموماً تجارت حاضرہ میں ہوا کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ معاملہ بڑا ہو، اور آئندہ اختلاف و نزاع کا احتمال ہو، تو ایسے موقع پر ترک کتابت دستاویز کی علت مفقود ہونے سے اہتمام کتابت مطلوب ہوگا۔

(از افادات مفسر تھانوی مدظلہ)

۳۵ یعنی گواہی کرا لینا ایسے موقع پر بہتر ہوگی۔

۳۶ (اپنی طرف سے)

۳۷ یعنی اپنی مصلحت کی خاطر سے انھیں زحمت میں نہ ڈالا جائے۔

۳۸ مثلاً یہ کہ انھیں بلا اجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔

۳۹ (مثلاً یہ کہ باوجود ضرورت کے آمد و رفت کا خرچ انھیں نہ دیا جائے) جس طرح کاتبوں اور گواہوں کو حکم تھا کہ وہ پہلو تہی نہ کریں، اسی طرح اب فریقین کو حکم ہوتا ہے کہ وہ بھی کاتبوں اور گواہوں کی آسائش اور مصلحت کا لحاظ رکھا کریں۔

۴۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا، وہی کر رہے ہو)

۴۱ (چھوٹے بڑے تمام معاملات دنیوی میں)۔ سبحان اللہ، تقویٰ کی تاکید کن کن موقعوں پر کی ہے!

۴۲ (تمامتر حکمت کی باتیں)

۴۳ چنانچہ اپنے اسی علم کے مطابق مطیع و عاصی کے ساتھ معاملت کرتا۔

۴۴ (اور معاملہ دین کی ضرورت آپڑے)

۴۵ (کتابت دستاویز کے لیے)

۴۶ (ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ) — رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر اسلیے کردیا گیا کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آجانے کا احتمال زیادہ ہے۔

۴۷ (مدیون کی طرف سے)

۴۸ (صاحب حق کے)

۴۹ (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہ سمجھے)

۵۰ یعنی مدیون۔

۵۱ (پورا پورا)

۵۲ معاملات کے سلسلہ میں تقوائے الٰہی کی تاکید ایک پھر ملاحظہ ہو۔

۵۳ (ادائے شہادت کے وقت)

۵۴ (کلاً یا جزواً)۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے، اسلیے فقہاء نے اسپر اجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے، البتہ خرچ آمد و رفت و خوراک، بہ قدر واقعی، اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵۵ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات قانونی کے لیے، مثلاً نکاح، طلاق، مہر، وصیت وغیرہ، صرف معاملہ دین کے ساتھ مخصوص نہیں۔

۵۶ مثلاً اخفائے شہادت جو عصیان ہے، یا ادائے شہادت جو طاعت ہے۔

۵۷ (اور اپنے اس علم کامل کے مطابق سزا و جزا دے گا۔)

(بقیہ صفحہ ۱۰)

بخاری شریف میں حضرت خدیجہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان ہی میں ہے کہ آپ تو مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں آپ ہر وہ سکے لیے معاش لوٹتے ہیں اور نکمے ہوئے آدمی کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ایک موقع پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ ان آیات کے علاوہ اگر قرآن پاک کی آیات کا تفحص کیا جائے تو کثرت سے اس قسم کی آیات مل سکتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سرمایہ اسلیے پیدا کرنا چاہیے کہ اس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی اعزہ و اقربا اور ان سے بچے تو عام مسلمانوں بلکہ انسانی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ نہیں ہیں نے غلط کہا نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ عام انسانوں کی ایک مسلمان سرمایہ پیدا کرنے کے لیے جب محنت اور مزدوری کرتا ہے اسکو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسکے سرمایہ میں جہاں اسکا خود اپنا حق ہے اسکے اعزا کا بھی ہے اسکے پڑوسیوں دوستوں غریبوں اور محتاجوں کا بھی حق ہے اور اگر کسی انسان کے ذہن میں سرمایہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وقت یہ تخیل قائم ہو جائے تو ناممکن ہے کہ اس سے اُن مظالم کا صدور ہو جو عموماً سرمایہ داروں سے سرمایہ داری کے غرور و گھمنڈ میں ہوا کرتے ہیں بسورۂ نساء میں زیادہ وضاحت

صدق نوازوں کی خدمت میں

منیجر صاحب صدق نے صدق کی خریداری کا حسب ذیل نقشہ گزشتہ ششماہی کا بابت ارسال فرمایا ہے:—

اگست ۳۴ء میں		۱۷	خریدار بڑھے	لیکن	۹	گھٹ بھی گئے۔
ستمبر	”	۲۳	”	”	۶	”
اکتوبر	”	۱۳	”	”	۶	”
نومبر	”	۱۸	”	”	۵	”
دسمبر	”	۸	”	”	۱۰	”
جنوری	”	۷	”	”	۳	”

بطور میزان کل، ۸۶ بڑھے، لیکن ۴۳ گھٹے۔ گویا حقیقۃً اضافہ، بعض عنایت فرماؤں کی خاص کوشش سے، چھ مہینے کی طویل مدت میں کل ۴۳ خریداروں کا اضافہ ہوا، جو پرچہ کے نقصانات کی تلافی کے لیے بالکل ہی ناکافی ہے۔

پرچہ کے ماہوار مصارف کا نقشہ حسب ذیل ہے (صدق کے دفتر کی کوئی چیز صدق نوازوں سے "راز" نہیں ہے):—

کاغذ	...ہ	ماہانہ	
ٹکٹ اخبار	...ہ	”	
معاوضہ کاتب اور کلرک	...ہ	”	(یہ دونوں صدق کے کام کو اپنا کام سمجھکر خود ہی ایسا قلیل معاوضہ پر گزر کر رہے ہیں)
دفتر	...ہ	”	
چھپائی	...ہ	”	
ٹکٹ خطوط وغیرہ	...ہ	”	
	۱۳٦...ہ		

اس میں متعدد مدات مصارف مثلاً کرایہ مکان وغیرہ، منیجر صاحب نے خود ہی شامل نہیں کی ہیں۔ گویا کفایت و انتظام کی کوشش کے باوجود، سالانہ مصارف کی میزان کم از کم ۱۶۱۲ روپیہ ہوتی ہے جسکے لیے ضروری ہے کہ سالانہ پوری قیمت پہنچنے والے مستقل خریداروں کی تعداد ۴۰۸ ہو (جب کہیں جا کر آمدنی خرچ کے برابر ہو سکتی ہے نفع و تجارت کا تو خیال ہی دل میں نہ لائیے!) اور سنا لیا مستقل خریداروں کی تعداد ابھی اس سے بہت کم ہے! اور پھر ان میں کتنی تعداد شمار ایسے حضرات کا ہے جنکی خدمت میں پرچہ رعایتی قیمت پر یا بلا کسی قیمت کی ادائی جاری ہو رہا ہے!

منیجر صاحب، مدیر صدق سے دریافت کرتے ہیں کہ پرچہ تین سال کی مدت میں بھی اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکے اور بار بار زیر باری ہوتا چلا جائے، اسے آیندہ کب تک جاری رکھا جا سکتا ہے اور بچاؤ کی آخر عملی صورت کیا ہے؟ اور مدیر صدق انہیں جواب دینے سے قبل، صدق نواز ہمدردوں سے مشورہ کر لینا ضروری سمجھا۔

والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔ آپ نے دیکھا کہ اس آیت میں کس خوبی اور ترتیب کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ رشتہ دار یتیم مسکین قریبی پڑوسی دور کے پڑوسی اجنبی پڑوسی مسافر اور غلام ان سب کے ساتھ تم سب کو احسان کرنا چاہیے اور یہ سب ہمارے مال میں برابر کا حق رکھتے ہیں اور پھر اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو سرمایہ داری کے غرور میں اپنے سے کم حیثیت والوں کو حقیر و ذلیل جانتے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتے۔ فرماتے ہیں ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا یعنی، بیشک اللہ کو اترانے والا پسند نہیں آتا اور سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے اپنی بڑائیاں کرنے والا۔

تصریحات بالا سے یہ معلوم ہو گیا کہ انسانی حوائج کی تکمیل کے لیے سرمایہ پیدا کرنا چاہیے نہ کہ تن آسانی اور عشرت پسندی کے لیے۔

(محمد سید)

(بقیہ صفحہ ۳)

بند ہو رہی ہیں جس طرح پرانے وقت اُلو باندھے جاتے ہیں"

سائنس کی آنکھ نے اب جا کر اس منظر کی ایک دھندلی اور خفیف سی جھلک دیکھی جسکو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے پوری قوت و شان کے ساتھ بار بار والنجم والشجر یسجدان اور یا تمام مخلوق تسبیح و سجدہ کے الفاظ میں پکار کر سنایا جا چکا ہے!—— آہ ہماری قوم کے بدخیال!

چند لمحے اقبال کی خدمت میں

(مراسلۂ ذیل ایک نوجوان کے قلم سے، روزنامہ انقلاب لاہور میں شائع ہوا ہے)

.... جب سے "یوم اقبال" منانے کی تجویز شائع ہوئی تھی۔ ایک دیرینہ آرزو دل میں ایک خواہش سی اٹھی تھی کہ چند لمحے عالمگیر شہرت رکھنے والے اقبال کے حضور میں بیٹھ کر ان کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن کروں۔ چنانچہ میں نے اس خدمت میں جناب علامہ کی خدمت میں تحریری عریضہ بھیجا جس کا عنوان

کہ تیرے ہاں کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

ارسال کیا اور ان سے شرف باریابی بخشنے کے لیے درخواست کی۔ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی وساطت سے اجازت نامہ مل گیا اور میں مع اپنے ننھے ننھے بھائیوں کے جو تعداد میں پانچ تھے اور جن میں سب سے چھوٹے کی عمر تقریباً ۷ سال ہے، سیالکوٹ سے روانہ ہو کر لاہور پہونچا۔ میرے دو بڑے بھائی اور والد محترم بھی دہلی سے پہونچ کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور ۱۱ بجے دن کے قریب یہ ننھے ننھے بچوں کا وفد اپنے والد کی قیادت میں "جاوید منزل" تک پہونچا۔ جہاں مشرق کے شاعر اعظم کو جسکا قلب پیام حقیقت کی نیا ترین فضاؤں میں پرواز کرتا ہے "جاوید منزل" کے صحن میں ایک چارپائی پر دیکھا ..... ایک چارپائی پر صرف ایک دری اور تکیہ تھا۔ اور دنیا کی یہ عزیز ترین متاع سورج کی دھوپ میں بظاہر استراحت فرما لیکن کسی گہرے سوچ بچار میں مصروف نظر آئی ..... جناب ممدوح نے بکمال محبت و اپنے قریب بلایا۔ خود بھی اٹھکر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اپنے خلوص بھرے انداز میں ہم سب سے مصافحہ فرمایا۔ اور اپنے اردگرد دیگر سیدوں پر بٹھایا اور رقت آمیز لہجہ میں فرمایا اے بچو تم اب آئے جب دنیا اندھیری ہو چکی ہے میں تم کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکتا۔ آؤ بیٹھو۔ جب یہ سنتے ہی نورانی چہرۂ مبارک پر ایک نظر ڈالی تو آنکھیں پرنم تھیں اور فرما رہے تھے۔ میرا دل تم کو پاس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھ سے لیکر میرے چھوٹے بھائی تک ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہم کسی اپنے ہی خاندان کے ایک بزرگ کے اردگرد بیٹھے ہیں ہم تو سب محو حیرت تھے اور مبہوت بیٹھے۔ خود والد محترم نے ہماری ترجمانی کی اور خدمت عالی میں گزارش کی کہ عالی جاہ! یہ ننھے ننھے طالب علم مدت سے آپ کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ اپنے چند نصائح سے انکو مستفید فرمائیے اور انکے لیے دعائے خیر و برکت فرمائیے۔ اسپر جناب علامہ نے دھیمی دلکش رقت آمیز اور پرسوز آواز میں ہم سب بھائیوں کو مخاطب کر کے فرمایا!

"دیکھو اب تم ہی کو یہاں رہنا ہے۔ ہم تو مسافر ہیں۔ اور دیکھو مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے۔ تم اسکے ساتھ ساتھ نہ رہنا چاہئے لیکن اپنے دامن کو اس کے ارشادات سے آلودہ نہ ہونے دو جب اس گھر کو ہدایت کے قابل سمجھتا ہوں جب گھر سے ہر صبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آتی ہے۔ کلام مجید کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو بلکہ اسکو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور اس پر عمل بھی کرو۔"

اس دوران میں آپ پر ایک خاص رقت طاری تھی اور آواز بوجہ ضعف و نزلہ دھیمی ہو گئی۔ آپ نے پانی کا گھونٹ کئی مرتبہ پی کر فرمایا کہ

"تم ابھی بچے ہو، سمجھ نہ سکو گے کہ قرآن کریم کیونکر مسلمانوں کی جائے پناہ ہے۔ اسکے سمجھنے کے لیے وقت درکار ہے خدا کرے کہ تم ننھے ننھے جذبات کو خودی اور اولوالعزمی میں تبدیل کر سکو۔ دین و دنیا میں ترقی کرو۔ نماز و تلاوت قرآن شریف اپنا شعار بنا لو!"

اس ارشاد عالیہ کے دوران میں کئی بار آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ کے دل پر ایک رقت کا عالم طاری تھا۔ ہم سب کی آنکھیں بھی پرنم تھیں مجھ میں جو ہمارا ہی نہ تھا کہ اس عظیم الشان ہستی کو مخاطب کر سکوں جو باوجود اپنی عظمت کے محض اپنے سوز و گداز کے سہارے جی رہا ہے اور کسی طرح بھی کسی شاہی تجمل کا متمنی نہیں ہے۔ غالباً یہ شعر اسی جذبہ سے سرشار ہو کر رقم فرمایا ہے

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دیکر نہ لوں شان خداوندی

ہم نے حضرت کی علالت کے پیش نظر آپ کو زیادہ دیر تک تکلیف دینے کی جرأت نہ کی اور رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے پھر سب سے علیحدہ علیحدہ مصافحہ فرمایا۔ اور ہماری ہمت آگے بڑھی کہ ہم اپنے سے بعد پھر شرف قدمبوسی بخشنے کا وعدہ فرمایا۔

ایک "نیا یوم"

سنا ہے کہ لاہور کے بعض "خوش ذوق" بزرگوار جو اپنے آپ کو مذہباً سنی کہتے ہیں "ابوسفیان ڈے" منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ خدا جانے بنی امیہ میں سب سے پہلے ابوسفیان کو کیوں منتخب کیا گیا ہے کہ وہ آخری عمر میں مسلمان ہو گئے تھے یا اس لیے کہ وہ فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ میں پیش پیش رہے۔

بزرگوں کی یادگار منانا اچھا ہے لیکن سب سے پہلے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یادگاریں کیوں نہ منائی جائیں۔ بنو امیہ میں آپ کو بہت سی شخصیتیں ملیں گی کہ مسلمانوں کو انکی یادگار منانے کی دعوت دیجا سکتی ہے اور بنو امیہ میں سب سے پہلے حضرت عثمان کو کیوں منتخب کیا جائے۔ ہاں اگر اس حرکت سے شیعوں کو چڑانا اور سلامی فرقوں میں جدو جہد کا بازار گرم کرنا مقصود ہے تو دوسری بات ہے۔

جب کسی قوم کی بدبختی آتی ہے تو اس میں اسی قسم کے فتنے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ کوئی تین چار سال کا ذکر ہے کہ لکھنؤ کے شیعوں نے سنیوں کو چڑانے کے لیے یہ تحریک کی تھی کہ حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولو فیروز کی یادگار منائی جائے۔ حالانکہ ہر شخص جسے خدا نے تھوڑی بہت عقل دی ہے۔ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس شخص کے خنجر نے مسلمانوں کو بیحد نقصان پہونچایا ورنہ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دس پندرہ سال اور زندہ رہ جاتے تو آج زمین کا چپہ چپہ دنیائے اسلام سے آباد ہوتی۔

(احسان)

انجمن عربی، صوبہ متحدہ

جناب والا! السلام علیکم - میں انجمن عربی کی ہدایت کے بموجب آپ سے بذریعہ اس نیازنامہ کے بھیک مانگنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

آپ کے صاحبزادہ چھٹی جماعت پاس کرکے اس جولائی میں ساتویں جماعت میں داخل ہونیوالے ہیں - آپ کو یقیناً یہ فکر ہوگا کہ اگلی جماعت میں انکو کیا اختیاری مضمون دلایا جائے - میری انجمن نہایت ادب سے یہ عرض کرتی ہے کہ آپ انھیں عربی تعلیم دلاکر صاحبزادہ پر، بلکہ ہم پر، قوم پر، اسلام پر احسان فرمائیں اور ازراہ کرم مجھے مطلع فرمائیں کہ آپ نے اس التجا کو منظور فرمالیا ہے تاکہ انجمن آپ کی ممنون رہے۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ آپ انجمن پر احسان فرماکر ضمن روپیہ سالانہ دیکر اس انجمن کے رکن ہوجائیں - آپ کے نزدیک تین روپیہ سالانہ بڑی چیز نہیں ہے۔ مگر اس سے انجمن کے سیکڑوں کام نکل سکیں گے۔

اسی ضمن میں انجمن ہذا آپ کو یاد دلانے کی جرأت کرتی ہے کہ ایک زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف زندہ تھے، ہمارا یہ صوبہ تہذیب و علم اور ادبیات کا گہوارہ تھا۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ جس علم عربی کو جس پر ہمارے دین و دنیا کا انحصار رہے، خود اپنے ہاتھوں سے دھکیلے دیکر نکال رہے اور ٹھنڈی نیند سورہے ہیں - عربی سے ہماری مجرمانہ غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ جن سرکاری اسکولوں میں عربی پڑھائی جا سکتی ہے وہاں طالب علموں کے نہ ہونے کی وجہ سے اُستاد بھی تخفیف میں آگئے ہیں - بہت کم مقامی کالج ایسے ہیں کہ جہاں عربی پڑھائی جاتی ہے - اور اگر کوئی طالب علم عربی پڑھنا چاہتا ہے تو اسکو صاف جواب دے دیا جاتا ہے - یوں ایک طرف تو مسلمانوں کی علم و تہذیب کا جنازہ اُٹھایا جارہا ہے اور دوسری طرف مسلمان اساتذہ روزی سے محروم ہوگئے اور ہوتے جارہے ہیں۔

عربی کے مقابلہ میں سنسکرت روز افزوں ترقی کررہی ہے - میری انجمن کو سنسکرت سے کوئی حسد نہیں ہے، بلکہ وہ اسکی ترقی سے خوش ہے مگر اسکا رشک ضرور ہے کہ ایک مردہ زبان زندہ ہورہی ہے اور ایک زندہ زبان ہماری مجرمانہ غفلت سے مر رہی ہے۔

عربی طالب علموں کی تعداد ہر سال کم ہورہی ہے - نوبت یہاں تک پہونچی ہے کہ ہمارے اتنے بڑے نامور صوبہ میں اس سال ہائی اسکول میں صرف ۷۷ - اور انٹرمیڈیٹ میں کُل نو (ایک کم دس) طالب علم عربی لیکر امتحان میں بیٹھے ہیں تو اگلے سال یقیناً اس تعداد میں کمی آجائیگی - جیسی کہ اب تک برابر کمی آتی جارہی ہے۔

آپ یقیناً اسکو تسلیم کرینگے کہ عربی تعلیم کی یہ افسوسناک کیفیت ایسی ہے کہ ہر غیرتمند اور باحمیت مسلمان اسکو سُنکر کانپ اُٹھے اور شرم سے سر نہ اُٹھائے عربی کے خلاف جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ اس قدر غلط اور بے معنی ہیں کہ اگر ذرا بھی آپ غور فرمائیں تو اسکی تردید کرسکتے ہیں - مثلاً کہا جاتا ہے کہ :-

(۱) عربی نہایت سخت زبان ہے - براہ کرم اس پر تو غور فرمایئے کہ آپ اور آپ کے بچے دن رات اوسی سے زیادہ عربی بولتے ہیں - تو وہ کیا اتنی کٹھن ہوسکتی ہے جتنا اسکو ظاہر کیا جاتا ہے! عربی کے قواعد صرف و نحو اس قدر منضبط، صاف اور عقل سلیم کے موافق ہیں کہ بالکل اٹل ہیں اور بہت جلد یاد اور ذہن نشین ہوسکتے ہیں اور ذرسی توجہ سے بخوبی ذہن نشین ہوجاتے ہیں - باقی رہگئے اسکے لغات، یہ جیسا کہ ہر زبان کا قاعدہ ہے مزاولت پر منحصر ہے - کیا آپ اس سے انکار کرسکتے ہیں کہ عربی کے اکثر لغات آپ کی زبان کا جزو بنے ہوئے ہیں؟ ذرا سے غور سے آپ واضح ہوجائیگا کہ خود ہماری مادری زبان اُردو زبان عربی سے زیادہ مشکل ہے -

(۲) الف - عربی دنیا کے کام کی نہیں (ب) بازار میں اسکی مانگ نہیں (ج) پیٹ بھرنے کے لیے جو امتحانات دینے ہوتے ہیں اُن میں مددگار نہیں -

(الف) اسکی کوئی دلیل؟ اچھا دنیا کے کام کی نہ سہی، دین کے کام کی تو ہے، جسکے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتا -

(ب) کیا سائنس، فلسفہ، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ کی بازار میں مانگ زیادہ ہے؟ اگر نہیں تو وہ بھی آپ کیوں پڑھاتے ہیں

(ج) تمام امپیریل اور پراونشل مقابلہ کے امتحانوں میں عربی کے نمبر زیادہ ہیں اور اکثر حضرات اسی کی برکت سے بڑے بڑے عہدوں پر کامیاب ہیں -

انکے علاوہ اور جتنے اعتراضات ہیں اُنکی بھی کوئی بنیاد نہیں - اسی بنا پر میں بہت ادب سے زور کے ساتھ یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ بلا پس و پیش اور بے خوف و خطر اپنے صاحبزادہ کو عربی دلوا کر ہم سب پر احسان فرمادیں اور یقین رکھیں کہ اس میں آپ اور آپ کے صاحبزادہ کی دین و دنیا کی بہتری ہے -

کیا میں آپ کی منظوری کے جواب، بلکہ خوشخبری کا منتظر رہوں

والسلام!

نیازمند

محمد خلیل الرحمٰن

معتمد انجمن عربی صوبہ متحدہ - بیلی روڈ - الہ آباد

پیغام حق بنام سلطانِ وقت

(از مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

آج عروس البلاد "بغداد" کی زینت و آرائش کا کیا ٹھکانا؟ خلیفہ ہارون الرشید، تخت خلافت پر متمکن ہوئے ہیں۔ ہر مجلس، مجلس عشرت و طرب، ہر محفل، محفل عشرت و مسرت۔ ہر جا، نغمۂ عیش و نشاط، ہر سمت منظرِ فرحت و انبساط۔ کہیں علماء و زہاد کا مجمع، کہیں نامی گرامی شعراء کا اجتماع، انعام و اکرام کی بارش ہو رہی ہے۔ خزانۂ شاہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اعزاز و مناصب کی تقسیم ہو رہی ہے۔ لیکن کس قدر جائے تعجب ہے کہ حضرت سفیان ثوری، جن سے خلیفہ ہارون الرشید کو دلی عقیدت ہے، اس جشن مسرت میں شریک نہیں ہیں! خود ہارون الرشید کو بھی حیرت ہے، جس کا اظہار وہ اپنے خط میں اس طرح کرتا ہے۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندہ، ہارون امیر المومنین کی جانب سے اپنے دینی بھائی سفیان بن سعید الثوری کی طرف! میرے بھائی، آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے مجھکو بھی محض اللہ کے واسطے آپ سے محبت اور قلبی تعلق ہے۔ اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو اپنی محبت و اخلاص کے باعث خود حاضر خدمت ہوتا۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس موقع پر مجھے اس منصب جلیل کی مبارکباد نہ دی ہو۔ میں نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ہیں، گرانقدر عطایات اور عظیم الشان بخششوں کی وجہ سے میری آنکھوں کو نور، اور دل کو سرور حاصل ہو رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود آپ اب تک میرے پاس نہیں تشریف لائے؟ میں انتہائی شوق کی وجہ سے عریضہ خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں۔ اے ابو عبد اللہ، آپ کو مومن کی زیارت اور اس کی ملاقات کے فضائل بخوبی معلوم ہیں۔ لہذا یہ خط دیکھتے ہی تشریف لایئے، اور عجلت فرمایئے۔

ہارون الرشید نے عباد طالقانی کو یہ خط دیا، اور حکم دیا کہ اس خط کو حضرت سفیان ثوری کے پاس لے جائیں۔ عباد کہتے ہیں کہ میں خط لیکر کوفہ پہنچا، اور حضرت موصوف کی خدمت میں اسکو پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری نے خط کو اہل مجلس کے سامنے ڈالدیا، اور فرمایا کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے ہاتھ ایسی چیز میں لگاؤں جس میں ظالموں کا ہاتھ لگا ہو۔ حضرت کے حکم سے بعض اہل مجلس نے خط پڑھنا شروع کیا۔ پورا خط سننے کے بعد حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا کہ اسی خط کی پشت پر ظالم کو جواب لکھدو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد اللہ، خلیفہ کا معاملہ ہے اگر خط کا جواب اچھے اور صاف کاغذ پر دیا جائے تو مناسب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں! اسی خط کی پشت پر جواب لکھو، یہ کاغذ اگر کسب حلال سے ہے تو ہارون الرشید کو اس کا عوض ملے گا، [illegible] کے ساتھ تو [illegible] میرے یہاں کوئی چیز ایسی نہ رہے [illegible] ظالم کے ہاتھ نے مس کیا ہو، مبادا وہ ہمارے دین کو خراب کردے؟ عرض کیا گیا کہ جواب میں کیا تحریر کیا جائے؟ فرمایا کہ لکھو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندہ سفیان کی جانب سے، ہارون الرشید کی طرف، جو امیدوں اور آرزوؤں کے فریب میں مبتلا ہے، جس کی ایمانی حلاوت سلب کرلی گئی ہے، جو تلاوت قرآن کی لذت سے محروم ہے۔

میں تمہیں صاف صاف لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کا رشتہ توڑ دیا، میرے اور تمہارے تعلقات ختم ہوگئے۔ تم نے میرے نام جو خط بھیجا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تم بیجا اور غیر صحیح مصارف کر رہے ہو۔ گویا تم نے یہ لکھ کر اپنے اس فعل پر مجھ کو شاہد بنا لیا، اور [illegible] جن کے سامنے تمہارا خط پڑھا گیا ہے، وہ ہم لوگ کل اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں اس کی شہادت دیں گے!

اے ہارون، تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر حملہ کر دیا ہے؟ کیا تمہارے اس فعل سے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافرین راضی ہیں؟ کیا تمہارا یہ فعل اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ کیا بیوہ عورتیں اور یتیم بچے اس سے خوش ہیں؟ کیا تمہاری رعایا کو اس سے مسرت ہے؟

اے ہارون، اپنے ہاتھ کو روکو، کل اللہ کے یہاں جوابدہی کے لیے تیار رہو! یقین کرو کہ تم کو ایک عادل اور حکیم کے دربار میں کھڑا ہونا ہے؟ اپنے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ ایمان اور زہد کی حلاوت تم سے سلب کر لی گئی ہے، تلاوت قرآن کی لذت، اور صلحاء کی ہمنشینی کے شرف سے تم محروم ہوگئے ہو، اور تم نے اپنے لیے ظالم اور ظالموں کا سرگروہ بننا پسند کرلیا ہے!

اے ہارون، تم تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے حریر و دیبا کے استعمال میں مصروف ہو، دروازہ پر تم نے پردے ڈال رکھے ہیں، ظالم سپاہ تمہارے قصر معلی کے سامنے کھڑی رہتی ہے، یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور اسکا انصاف نہیں ہوتا ہے۔ دوسروں پر شراب کی حد جاری کرتے ہیں، لیکن خود شراب خوار ہیں، زانی کو سزا دیتے ہیں، لیکن خود زانی ہیں۔ چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں، لیکن خود چور ہیں۔ قاتل کو [illegible] موت کا حکم سناتے ہیں، لیکن خود قتل کرنے میں بیباک ہیں۔ کیا یہ احکام تم پر [illegible] اور تمہاری سپاہ پر، ضروری نہیں ہیں۔ قبل اسکے کہ وہ دوسروں پر جاری کیے جائیں؟

اے ہارون، اس دن تمہارا کیا حشر ہوگا جب پکارنے والا پکارے گا کہ ظالمین اور ان کے اعوان و انصار کو جمع کرو، پھر تم مع اپنے [illegible] بارگاہ ایزدی میں حاضر کیے جاؤ گے اور تم ان [illegible] امام ہوگے۔

اے ہارون، میری نصیحت پر عمل کرو، اپنی رعایا کے معاملہ [illegible] غور کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت [illegible] بارے میں [illegible] تھا؟

اے ہارون، جس طرح خلافت تم کو ملی ہے، اسی طرح [illegible] دوسرے کو ملے گی۔ دنیا کا یہی دستور ہے، بس کچھ لوگ [illegible]

(اس سلسلہ میں) اپنے لیے نفع آخرت کا سامان مہیا کر لیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہیں۔

اب تم آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا، اس لیے کہ میں جواب نہیں دوں گا۔

یہ خط محض خط ہی نہیں، بلکہ اعلائے کلمۃ الحق، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عملی نمونہ ہے۔ نیز ہماری نفس پرستی اور دنیا طلبی کے حق میں تازیانہ ہے۔ اب ذرا اس پیغام حق کی تاثیرات بھی دیکھتے چلیے!

عباد کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری کے نصیحت بھرے الفاظ کا ... میں خط لکر کو لے کے بازار میں آیا اور پکار کر کہا کہ کون ... جانب بھاگنے والا خریدار ہے؟ لوگ درہم و دینار لے کر ... نے کہا کہ درہم و دینار نہیں، ایک صوف کا جبہ چاہیے ... تم نے اپنا امیرانہ لباس ... اس جبہ کو پہنا، اور خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پہنچا ... پہلے تو دربانوں نے میرا مذاق اڑایا۔ پھر مجھے شرف باریابی حاصل ... ہارون نے ... مجھے اس شکل میں دیکھا تو کھڑا ہو گیا، اور پھر بیٹھ گیا، اپنا سر پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ افسوس میں نامراد ... اور ... ہو گیا۔ پھر اس نے خط پڑھنا شروع کیا، اور آنسو اس کے چہرہ پر جاری تھے۔

بعض مصاحبوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! سفیان نے آپ کے مقابلہ میں بڑی دلیری سے کام لیا ہے۔ ... انہیں قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا اے بندگان دنیا، سفیان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ... شخص بدبخت ہے تم جیسے جنتیں ہو۔ یقیناً سفیان ایک مرد مومن ہے۔

عباد کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اس روز سے معمول کر لیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد اس خط کو پڑھتا اور روتا ——— کہاں ہیں اب ایسے بادشاہ! اور کہاں ہیں اب ایسے ربانی عالم!

اسلام اور سرمایہ

(از مولوی سعید احمد صاحب ایم۔ اے۔ اکبر آبادی)

... یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح ہر چیز کے دو پہلو ہو سکتے ہیں اسی طرح سرمایہ کی بھی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔ اس سے جہاں تعمیر عالم کا ترقی، تمدن، اختراع، صنعت، حرفت اور توسیع آسائش جہاں کا کام لیا گیا ہے اسی طرح یہ دنیا کے لیے مصائب و آلام کا بھی سبب بنا رہا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس کے متعلق اپنا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے وہ ان دونوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے۔ یعنی یہ بتلایا گیا ہے کہ سرمایہ کسی انسان کا مقصود بالذات مطلوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسکو حوائج انسانی اور ضروریات تمدنی کی تکمیل کا آلہ یا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

شارع علیہ السلام نے فرمایا المال غاد و رائح۔ یعنی مال آنی اور جانی چیز ہے اور کسی عقلمند انسان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ آنی اور فانی سے دل لگائے۔ سرمایہ چونکہ انسان کو بالطبع مرغوب ہوتا ہے اور اسکی محبت و الفت عموماً لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے اسی لیے حضرت شارع علیہ السلام نے اکثر موقعوں پر اس سے بے رغبتی ظاہر فرمائی ہے تاکہ اس کے پیرووں پر یہ حقیقت روشن ہو جائے کہ سرمایہ فی حد ذاتہ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں فقر میرا فخر ہے۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں خدایا تو مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت دے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ غنیمت سے جو کچھ آتا تھا سب خرچ کر دیتے تھے اور اپنے پاس ایک وقت کے سوا اور کچھ نہ رکھتے تھے۔ آپ کا یہ عمل اس لیے ہوتا تھا کہ مسلمان اس بات کا یقین کر لیں کہ سرمایہ محض سرمایہ کے لیے مطلوب نہیں ہے اور وہ کوئی مقصود بالذات شے نہیں۔

مگر اشتراکیت والوں کی طرح یہ بھی نہیں فرمایا کہ سرمایہ قطعاً کوئی چیز نہیں ہے اور اس میں ملکیت سراسر لغو ہے اور باطل۔ بلکہ آپ نے سرمایہ کو حوائج انسانی کی تکمیل کا ایک آلہ جان کر اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور کسب حلال پر آپ نے لوگوں کو برانگیختہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کاد الفقر ان یکون کفرا۔ قریب ہے کہ فقر لوگوں کو کفر کی طرف مائل کر دے۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت۔ گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بے توجہی سے ان لوگوں کو ضائع کر دے جنکا خرچ اس پر واجب ہے۔ یعنی اہل و عیال کی معاش کے لیے جو کسب نہ کرے اور اس طرح انکو فقر و فاقہ کی مصیبت برداشت کرنے کے لیے چھوڑ دے۔

ایک دوسری حدیث میں فرما دیا ہے کہ سرمایہ ضرور پیدا کرنا چاہیے مگر صرف یہ جان کر کہ وہ حاجت روائی انسان کا ذریعہ ہے اور بس۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اسکا مال وہی ہے جو اس نے کھا لیا اور فنا کر دیا، اور جو پہن لیا اور اسکو بوسیدہ کر دیا یا کسی کو عطا کر دیا اور اس طرح اسکو خرچ کر دیا۔

اور فرمایا تم وراثت کی حرص کرتے ہو اور حالانکہ دودھ پلانے والا جانور اچھا ہوتا ہے بہ نسبت اس کے جو دودھ نہ دیتا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرمایہ حاصل کرنا چاہیے مگر صرف اس لیے کہ اس سے اپنے اور دوسروں کے کام نکالے جا سکیں گے اور انکی تمدنی مشکلات کو حل کیا جا سکیگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عامیانہ زندگی بسر کرنے کے باعث اپنی ضروریات کو بہت ہی مختصر کر لیا تھا اور شارع علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق وہ جانتے تھے کہ سرمایہ خود کوئی مقصود بالذات شے نہیں ہے، اس لیے دینار و درہم پیسے سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ... کو ایک مرتبہ مخاطب فرما کر آپ نے اس پر ... کر رہیں۔

قرآن پاک میں ایک ... لوگوں کی جو صفات بیان فرمائی گئی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے ... ومما رزقناهم ینفقون۔ ایک جگہ فرماتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے وانفقوا مما رزقناهم سرا وعلانیة۔ ایک آیت میں ہے وفی اموالهم حق للسائل والمحروم۔

مقدس جنگ آزادی کی حقیقت

(از مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی۔ مدیر ترجمان القرآن حیدرآباد دکن)

(۳)

آپ کو یاد ہوگا کہ محمد علی جیسا سچا مسلمان جب وطن پرستی کے اثرات سے ذرا متاثر ہوگیا تھا تو اُس نے کیا کہا تھا؟ اُس نے کہا تھا کہ اگر باہر سے کوئی مسلم قوم ہندوستان میں خالص اسلامی شرعی حکومت قائم کرنے کے لیے بھی حملہ کرے تو میں اُس سے لڑوں گا۔ یہ وطن پرستی کا ایک ذراسا غبار لگ جانے کا اثر تھا! اگر یہ رنگ زیادہ گہرا چڑھ جائے تو ایک شخص جسکا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہوگا، وطنی اغراض کی خاطر اللہ کے گھر پر گولہ باری کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائے گا جو اُسکے پیش رو نے انگریزی اغراض کے خاطر لگائی تھی، اسلیے کہ انگریز کی غلامی کرنے والے مسلمان کا دل نہیں ہلا تھا۔ پیٹ اسکو لڑنے کے لیے لیگیا تھا۔ مگر وطن پرست مسلمان کے اندر وہ ملامت کرنے والا ضمیر بھی باقی نہ رہیگا۔ وہ اعتقاد کی قوت کے ساتھ اس کام کو انجام دیگا۔ یہ وطن پرستانہ جنگ آزادی ممالک اسلامیہ کے لیے بھی مفید نہیں ہے۔ آٹھ کروڑ ہندی مسلمانوں کی طرح تیس کروڑ غیر ہندی مسلمانوں کی بھلائی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اندھوں کی طرح ہر اُس جنگ میں نہ کود پڑیں جس کا نام "جنگ آزادی" ہو اور دیوانوں کی طرح ہر اُس فوج کے ساتھ نکل چلیں جس کا نام "آزادی کی فوج" ہو، بلکہ ہوشمندی کے ساتھ یہ دیکھیں کہ یہ فوج جس چیز کے لیے لڑرہی ہے، وہ ہمارے قومی اغراض کے مطابق ہے یا نہیں۔

ایک اور بات جو تقریر یا تحریر میں نہیں بلکہ محض پرائیوٹ صحبتوں میں بہت مسلمانوں کو سنائی جاتی ہے اور بہت سے مسلمان اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں، یہ ہے کہ اس وقت جنگ جیسی کچھ بھی ہے اور جس طرح بھی ہورہی ہے ہونے دو، بعد میں ہم اور ہندو آپس میں نپٹ لیں گے ـــــ یہ کہنے کے بعد مسلمانوں کو حیات بعد الحریت میں فتح وظفر کے امکانات بڑے امید افزا طریقہ سے سنائے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ مشرک ہندوؤں میں اتنا بل بوتا کہاں کہ توحید پرست مسلمانوں کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں، میدان بہرحال تمھارے ہاتھ ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ تمھاری پشت پر خیبر سے لیکر مراکش تک کے مسلمان ہیں، بھلا وہ تمھیں شکست کھانے دیں گے؟ یہ اور ایسی ہی خدا جانے کتنی فضولیات بیان کی جاتی ہیں، جنکو سن کر بیچارے سادہ لوح مسلمان تو جنگ آزادی کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر جنکو خدا نے کچھ بصیرت عطا فرمائی ہے اور جو ہندوستان کے موجودہ حالات سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ عجیب اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ جس قوم کی سیاسی پالیسی

ایسی خام خیالیوں اور طفل تسلیوں پر مبنی ہو جائے تو اسکا کیا حشر ہوگا؟

اس غلط خیال کی اصلاح کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ جنگ آزادی کسی خونریز انقلابی تحریک کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک تدریجی انقلاب کی شکل میں ہے، اس لیے یہ تخیل ہی سراسر لغو ہے کہ انگریزی سلطنت کا خاتمہ ہونے کے بعد آپ کو آپس میں نپٹنے کا موقع ملیگا۔ خونریز انقلابی تحریک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کامیاب ہوتی ہے تو یکایک قصر سلطنت مسمار ہو جاتا ہے، تمام ملک میں انارکی اور بےنظمی پھیل جاتی ہے، اور پھر نئے سرے سے ایک نظام حکومت وجود میں آنا شروع ہوتا ہے۔ ایسی صورت اگر ہو تو یہ کہنا معقول ہے کہ پہلے اس قصر کو گرالو، پھر دوسرا قصر بنانے وقت قوت آزمائی کریں گے۔ جو غالب رہیگا اسی کی مرضی کے مطابق قصر تعمیر ہوگا لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ یہاں اس انقلابی تحریک کے دباؤ سے پرانا قصر آہستہ آہستہ منہدم شدہ بنیادوں پر اٹھتا جارہا ہے۔ پرانے قصر کا انہدام جس وقت مکمل ہوگا اسی وقت نئے قصر کی تعمیر بھی آپ سے آپ مکمل ہو جائیگی۔ اس امر میں اگر پہلے کسی شبہ کی گنجائش تھی بھی تو وہ اب نہیں رہی، کیونکہ "آزادی کی فوج" کے سپہ سالاروں نے اپنی حکمت عملی مرتب کرلی ہے، جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خونریز انقلاب نہیں چاہتے۔ نہ کہ ایسا انقلاب جس میں پرانی حکومت کا کامل انہدام اور بالکلیہ عدم تعاون کیا جائے ... منہدم ہو چکے اسکے بعد اپنی مرضی کے مطابق نیا نظام حکومت قائم کیا جائے۔ پس جب صورت حال یہ ہے تو بعد میں نپٹنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ کو نپٹنا ہے تو اسی جنگ آزادی کے دوران میں نپٹ لینا چاہیے اور آج ہی سے اس کے لیے مستعد رہنا چاہیے ... اگر آپ اسی خیال خام میں نپٹنے کے سوال کو "بعد" کے لیے ملتوی کرتے رہے تو وہ "بعد" کبھی آپ کے لیے نہ آئیگا جب آپ کو نپٹنے کا موقع ملے۔ حکومت کے اندر ایک حکومت آہستہ آہستہ بنتی رہیگی، ایک دارالکفر کی جگہ دوسرا دارالکفر آہستہ آہستہ پیدا ہوتا رہیگا، یہاں تک کہ پہلے دارالکفر کے ختم ہوتے ہی دوسرے دارالکفر کی گرفت اسی طرح ہندوستان پر قائم ہو جائے گی جس طرح پہلے دارالکفر کی تھی، پھر اس کی شکل بدلنا اتنی ہی مشکل ہوگا جتنا آج ... دارالکفر کی شکل بدلنا مشکل ہو رہا ہے۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ "آزادی کی فوج" میں بلا تامل شرکت کا مشورہ کیسے غلط اور بےاصل دلائل پر مبنی ہے۔

اس کے بعد ہم پھر اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی لشکر آزادی کا لشکر آزادی ہونے کی بنا پر ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ مسلمان پر ... کا مشورہ کیسے غلط اور بےاصل دلائل پر مبنی ہے۔

اسکے بعد ہم پھر اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی لشکر آزادی محض لشکر آزادی ہونے کی بنا پر ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ مسلمان پر اسکی شرکت فرض ہو جائے۔ مسلمان کو یہ حق پہونچتا ہے، بلکہ عقلی و دینی دونوں حیثیتوں سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ... قومی مفاد پر یکساں نظر رکھے اور کسی لشکر آزادی کے ساتھ تعاون کرنے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ جس آزادی کے لیے وہ جنگ کر رہا ہے اس میں مسلمان کے لیے

۱؎ مولانا سے متعلق یہ روایت انکی نظربندی کے زمانہ میں اخبارات میں شایع ضرور ہوئی تھی، لیکن بعد کو اسکی تصدیق کبھی نہ خود مولانا کی زبان سے ہوئی، نہ کسی اور ذریعہ سے۔ مولانا سے متعلق غلط روایات جس کثرت سے شایع ہوتی رہتی تھیں انکے لحاظ سے یہ ذرا بھی بعید نہیں کہ یہ روایت بھی تمامتر "موضوع" ہو، اور اس کے "ضعیف" ہونے میں تو کلام نہیں۔ (صدق)

بھی آزادی ہے یا نہیں۔

مسلمان کی آزادی، اسلامی اغراض، قومی مفاد۔ یہ مبہم الفاظ جو میں استعمال کر رہا ہوں، انکی تشریح اس سے پہلے ان صفحات میں کر چکا ہوں، مگر آگے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی تفہیم کے لیے ضرورت ہے کہ یہاں پھر صاف و صریح الفاظ میں بیان کر دیا جائے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔

مسلمان کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اس نقصان کی تلافی کا موقع مل جائے جو انگریزی حکومت کے تسلط سے انکی تہذیب اور قومیت کو پہونچا ہے۔ آزاد ہندوستان کی حکومت میں مسلمانوں کو اتنا اقتدار حاصل ہو کہ وہ خالص اسلامی اصولوں پر اپنے نظام اجتماعی کو از سر نو مرتب کر سکیں۔ قوانین شرعی کو اپنی قوم کے افراد پر نافذ کر سکیں، [illegible] اسلامی سے انحرافات اور غیر اسلامی خیالات و طریقوں کی [illegible] روک سکیں۔ تعلیم کے اس نظام سے جو سراسر مخالف اسلام ہے [illegible] مسلمانوں کو [illegible] بنایا جا رہا ہے نجات حاصل [illegible] اپنے [illegible] مطابق اپنی قوم کی تعلیم کا انتظام کر سکیں۔

مسلمانوں کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان کے نظام حکومت میں دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کو بھی اپنا اختیار تمیزی حاصل کرنے کا پورا موقع حاصل ہو، تاکہ خارجی و داخلی معاملات میں قانون سازی اور اس کے نفاذ میں، نظم مملکت اور اسکے مختلف شعبوں میں ہندوستان کی حکومت کبھی کوئی ایسی پالیسی اور طریق کار اختیار نہ کر سکے جو مسلم قوم کے اصول تہذیب کے خلاف ہو یا جس سے مسلمانوں کو من حیث القوم نقصان پہنچتا ہو یا جس سے بیرون ہند کی کسی مسلم قوم کا مفاد متاثر ہوتا ہو۔

مسلمان کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان کے باشندوں کو ترقی کے جتنے وسائل حاصل ہوں ان سے فائدہ اٹھانے میں مسلمان بھی سب کے ساتھ برابر کا شریک ہو، اور کوئی طاقت اسکے ساتھ امتیازی سلوک کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

یہ کم سے کم مرتبہ ہے آزادی مسلم کا۔ مسلمان آزادی وطن کا خواہشمند صرف اسی لیے ہے اور اسی لیے ہو سکتا ہے کہ وطن میں اسکو کم از کم اتنی آزادی حاصل ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کو آزادی وطن سے کسی قسم کی دلچسپی ہو۔ اس میں مسلمان کی کوئی خصوصیت نہیں۔ دنیا کی کسی قوم یا جماعت سے بھی آپ یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ کسی ایسی جنگ آزادی وطن میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو گی جس میں اسے اپنے قومی یا جماعتی مفاد حاصل ہونے کی امید نہ ہو۔ پھر اگر کہیں کوئی تحریک آزادی علانیہ ایسے طریقوں پر چلائی جائے جو کسی قوم کے مفاد بلکہ اس کے قومی وجود ہی کو نقصان پہونچانے والے ہوں۔ اور اس پر بھی کوئی شخص اس قوم سے یہ توقع رکھے کہ وہ ایسی تحریک میں جوق در جوق شریک ہو گی تو ایسے شخص کو مشورہ دیا جائیگا کہ کسی دماغی ہسپتال کی طرف رجوع کرے۔ ہر قوم میں ایسے افراد تو آپ کو ضرور مل جائیں گے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنے اوپر ایسی غیر فطری حالت طاری کر لیتے ہوں کہ آزادی وطن کے لیے خود اپنی قوم کے مفاد کو قربان کر دینا ان کو گوارا ہو۔ اور ایسے افراد بھی آپ کو ملیں گے جن کو دن کی روشنی میں بھی ایک ظاہر چیز نظر نہ آتی ہو، اور وہ [illegible] آزادی کے پیچھے چلے جائیں مگر پوری قوم کی قوم نہ دیوانی ہو سکتی ہے اور نہ اپنے خلاف مفاد حرکات کر سکتی ہے، اس لیے ایسی قوم آپ کو کہیں نہیں مل سکتی۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ آزادی کی جنگ جس کا امام کانگریس ہے، کس طرف جا رہی ہے۔ اور جس سمت یہ جا رہی ہے کیا اسی سمت پر چل کر مسلمان کبھی اپنے اس مقصد پر پہونچ سکتے ہیں جس کی تشریح ہم نے اوپر کی ہے، نیز یہ کہ مسلمان کے متعلق جو پالیسی کانگریس نے اختیار کی ہے وہ کس نوعیت کی ہے، اس سے مسلمانوں پر کیا اثرات مترتب ہو رہے ہیں اور آیندہ کیا نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔

ان امور کی تحقیق کے سلسلے میں اپنی بحث کی ابتدا پنڈت جواہرلال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری سے کرونگا، اس لیے کہ جواہرلال ہی اس پالیسی کے مصنف ہیں جس پر کانگریس اس وقت مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کر رہی ہے اور انہیں کی ہدایت و رہنمائی میں مسلم عوام سے ربط قائم کرنے کا جدید طریقہ اختیار کیا گیا ہے، لہذا ان سے بہتر کوئی شخص ہم کو نہیں بتا سکتا کہ اس پالیسی کی تہ میں دراصل کون سے محرکات کام کر رہے ہیں اور کیا مقاصد پیش نظر ہیں۔ علاوہ بریں جواہرلال وہ شخص ہے جس سے توقع کی جاتی ہے کہ کانگریس میں گاندھی کی جگہ وہی لیگا، اور اب بھی گاندھی کے بعد وہی کانگریس میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے۔ لہذا ہم یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ تحریک آزادی وطن کی جو منزل مقصود اس کے پیش نظر ہے، اسی کی طرف وہ بالآخر کانگریسی نظام کو کھینچ لے جائے گا۔

اہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج۔ مرشد آباد بلڈنگ [illegible] لکھنؤ سے [illegible] کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
خطوط اس پتہ پر آنا چاہئیں:-
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۳۰ | لکھنؤ - ۸ - محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱ - مارچ ۱۹۳۸ء | جلد ۳

سچی باتیں

اگر آپ کا ایمان ہی، خدانخواستہ، قرآن مجید پر نہیں ہے، جب تو آگے پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائیں۔ لیکن اگر آپ قرآن کو، لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً، خدا کا کلام مانتے ہیں، تو گزارش ہے کہ اس کتاب کے اندر، فوز و فلاح کے قاعدے، ترقی وبہتری کے قانون بھی کہیں درج ہیں؟ یا آپ کا یہ کامل ومکمل ہدایت نامہ ایسی موٹی باتوں سے بھی خالی ہے؟ ــــ قرآن میں آگے بڑھ کر بیسیوں جگہ جہاں انکی شرطیں بیان کی گئی ہیں، انھیں جانے دیجیے، شروع ہی قرآن میں، سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع کو لیجیے، اس میں فلاح پانیوالوں (مفلحون) کے کچھ صفات، اور انکی شناختیں بیان کردی ہیں یا نہیں؟ اگر کردی ہیں، تو وہ کیا کیا ہیں؟ بیان کچھ بہت پیچیدہ ودقیق، غامض وعمیق، عام فہم بشری سے بالاتر ہے، یا صاف صاف سیدھی پہچان بتلا دی ہے؟

پہلی بات یہ ہے یا نہیں، کہ ان لوگوں کا ایمان غیب پر ہونا چاہیے، علاوہ اس مادی دنیا کے جسے ہم آپ حواس ظاہری سے محسوس کرتے ہیں، ایک دوسرے عالم پر بھی ہونا چاہیے؟ اب جو لوگ دوسرے عالم، روحانیات کے قائل ہی نہیں، جنھیں اپنی مادیت پر فخر ہے، اور جن کے نزدیک وحی وملائکہ کے لفظ بے معنی ہیں، ایسوں کے لیے کوئی جگہ فلاح پانے والے طبقہ میں ہے؟

پھر یہ ارشاد ہوا ہے یا نہیں، کہ اس اعتقاد کے بعد، اعمال میں وہ لوگ نماز کو پابندی وقت وشرائط کے ساتھ ادا کرتے ہوں، اور جو کچھ انھیں ملا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہوں یعنی جو دوسرے نماز زکوٰۃ

کا منکر ہی ہے، اسکا کوئی تعلق اہل فلاح سے باقی رہ سکتا ہے؟

اسکے بعد یہ ہے یا نہیں، کہ انکا ایمان محمد عربی کے لائے ہوئے پیام، اور اسکے قبل کے تمام پیامات پر ہونا چاہیے؟ اب جو لوگ نہ وحی کے قائل ہیں اور نہ سلسلۂ رسل وانبیاء کے، الگ آسمانی کتابوں کے تخیل کو قابل مضحکہ، اور ان چیزوں میں پڑنا وقت کا ضائع کرنا سمجھتے ہیں، انکے لیے کوئی گنجائش فلاح یاب جماعت میں باقی رہ جاتی ہے؟

اور سب سے آخری وصف یہ کہ انکا ایمان، آخرت پر ضرور ہو، ان کا عقیدہ یہ ضرور ہو کہ اس آج کا ایک کل بھی طلوع ہونے والا ہے جو ہماری زندگی کے اعمال کی جزا سزا ملیگی۔ اب جو لوگ عقیدۂ قیامت کو وہم وضعیف الاعتقادی سے زیادہ درجہ نہ دیتے ہوں، اور آخرت میں جزا وسزا کا ماننا اپنی روشن خیالی کے منافی سمجھ رہے ہوں، انکے لیے کوئی حصہ فلاح پانے والوں کی یاد شمار میں رہ جاتا ہے؟ ــــ سب سے آخر میں تاکیدی فقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ بس یہی لوگ تو فلاح پانے والے!

کیا یہ مفہوم بھی کوئی نزاعی ہے؟ اس تفسیر میں بھی کوئی اختلافات سنی شیعہ کا، مقلد غیر مقلد کا، دیوبندی بریلوی کا ہے؟ جب یہ نہیں، بلکہ یہ کھلے ہوئے معنی سب کو تسلیم ہیں، تو اب خود اپنے اوپر غور کر لیجیے، اور اپنے اعمال کا جائزہ لے ڈالیے کہ فوز وفلاح، کامیابی وکامرانی کی طلب میں آپ کس طرف لپک رہے ہیں، کن گروہوں کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں؟ کن عقائد، کن خیالات، کن اعمال کے لوگوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں؟ ان بیچاروں کو تو فلاح کی ہوا تک نہیں لگ سکتی۔ راہ فلاح کی کنجی تو ہمارے ہاتھ میں تھی! آہ، کہ ہم اسی طرف سے غافل ہو، ہمارے اچھے اچھے رہنما وپیشوا اوپنی، زیر دمروں تک، انکے

پیچھے ہولیے ہیں، جو خود بے بصر ہیں، اور جو نور کی جگہ طرح طرح کی ظلمتوں میں خود ہی بھٹک رہے ہیں! کیا حال ہو عمر فاروقؓ اور علی مرتضیٰ کی روحوں کا، اگر آج انھیں کسی طریقہ سے علم ہوسکے، کہ اُنکے ہم مذہب، کروروں کی تعداد میں، آج غیر اسلامی حکومت کے غلام بنے ہوئے ہیں، اور اُن میں سے جو نکلنا بھی چاہتے ہیں، وہ بیزار کفر سے نہیں، بلکہ کفر کے ایک جال سے نکل کر، جنسی خوشی کفر ہی کے دوسرے جال میں کو پھنسنے کے لیے بیتاب ہو رہے ہیں!

"فنا فی الاکثریت"

ضلع الہ آباد سے ایک کرمفرما لکھتے ہیں:-

"ہری پورہ کانگریس کا حال آپ نے بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے فرمایا کہ ہم لوگ گائے کی پرستش کرتے ہیں۔ کھادی کی نمائش میں ایک بہت بڑا بُت بناکر رکھا گیا۔ اور کانگریس کے احاطہ میں کھانے کا انتظام صرف "وشنو بھوجن" کا کیا گیا، کسی مسلمان کی دوکان نہیں قائم کی گئی، کہ وہاں مسلمانوں کو انڈے یا بکری ہی کا گوشت مل سکتا۔ آپ اس پر صدق میں کوئی شذرہ ضرور لکھیے"۔

یہ مراسلہ علیگڈھ کے ایک پڑھے ہوئے کا تھا۔ دوسرا مکتوب دیوبند کے ایک ممتاز عالم کا ملاحظہ ہو، جو شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ و مسترشدین میں ہیں:-

"کانگریس نے عجل پرستی (گو سالہ پرستی) کا عام اعلان بھی کردیا، گایوں کی نمائش کی گئی، روح کانگریس نے اپنی زندگی کا نصب العین گئو رکھشا قرار دینے کا اشتہار بھی دیدیا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء ربانیین کو کیا ہوگیا ہے کہ ایک بت پرستوں کی جماعت کو توحیدیوں کی مشترکہ مجلس قرار دے رہے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ عزت و کامیابی اس کے ذریعہ سے حاصل کریں گے، حالانکہ کذٰلک کے قانون کلی کے تحت میں ملکوت السموات والارض کے مالک نے اعلان کردیا ہے، ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیٰوۃ الدنیا، وکذٰلک نجزی المفترین۔ اتخاذ عجل یا گئو پرستی جس مجلس کا نصب العین ہو، کیا قرآن کریم کی اس نص قطعی کے بعد اُنکی عزت و کامیابی کی کبھی بھی امید کی جاسکتی ہے؟ ہزارہا سال سے یہ ذلت کی ماریاں دنیا میں کھارہے ہیں، اور کذٰلک کے کلی قاعدہ کے تحت کھاتے رہیں گے۔ مجھے تو اس اعلان و نمائش کے بعد اس ایمان و یقین پر اپنے کو مجبور کرنا پڑا کہ اس جماعت نے اپنی ذلت و رسوائی کا اعلان کردیا۔ اور اب انکی اور انکے حامیوں کی قسمت میں اسکے سوا کچھ نہیں ہے۔ صدق میں جو گرفت "وہاں شرک یہاں الحاد" کے عنوان سے کی گئی ہے، اس نے میری اس بدگمانی کی توثیق کردی، جو ان بت پرست ملاحدہ کے متعلق رکھتا ہوں۔ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین"۔

دونوں مراسلے، بعض جزئیات کے لحاظ سے اگرچہ تصحیح طلب ہیں، لیکن اصل مفروضہ مضمون کے اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔ کانگریس کی عام فضا، کھلی ہوئی بات ہے کہ بالکل ہندوانی تھی، اور اس پر ہمارے علماء کی خاموشی آئینہ جس قدر حیرت انگیز ہے، اُسی قدر عبرت انگیز بھی۔ اکثریت کا رعب دلوں پر، اور ذہنوں پر، بعینہٖ اُسی

پوری طرح چھاگیا ہے، اور طالوت کے لشکریوں کی طرح زبانِ حال پر تو یقیناً آگیا ہے کہ ہم میں اتنی سکت کہاں کہ جالوت اور اُس کے زبردست لشکر کا مقابلہ کرسکیں، لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ!

سرسید اور اُنکے رفقاء بھی مسلمانوں کے بڑے خیرخواہ و مخلص تھے۔ قوم کی پستی دیکھی، کمیں نہ گئی، بے تاب ہوکر حکم دیدیا، کہ اپنے کلمہ اور قبلہ کو تو محفوظ رکھو، باقی وضع ولباس، فکر و خیال، سب میں انگریز بن جاؤ۔ ۵۰ سال بعد پھر تاریخ اپنے کو دوہرا رہی ہے۔ اچھے اچھے دینی رہبروں اور سرداروں کو عافیت اسی میں نظر آرہی ہے، کہ قوم ساری کی ساری، کلمہ و قبلہ کو محفوظ رکھ کر

باقی وضع ولباس، فکر و خیال، سب میں انگریز بنجاؤ۔ ۵۰ سال بعد تاریخ پھر اپنے کو دوہرا رہی ہے۔ اچھے اچھے دینی رہبروں اور سرداروں کی عافیت اسی میں نظر آرہی ہے، کہ قوم، ساری کی ساری، قبلہ و کعبہ کو محفوظ رکھے ہوئے، اکثریت میں محفوظ رکھے ہوئے، اکثریت میں جذب ہوجائے! ـــــ فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی الشیخ کی اصطلاحیں اب تک سے سنتے چلے آئے ہیں، یہ اب نئی اصطلاح "فنا فی الاکثریت" کا اضافہ ہوا ہی!

ہلاکتِ پیشہ نجومی

خبر شایع ہوئی ہے :-

"ناسک۔ ۲۰ فروری۔ مجسٹریٹ کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے ایک مُردہ آدمی کے لڑکے نے ایک نجومی کے خلاف کہا کہ اس نجومی نے میرے باپ سے ۱۰ نومبر میں ایک دن کہا کہ آج سے پورے تیس دن کے بعد تم مرجاؤ گے۔ بس اسی دن سے میرے باپ نے دنیوی معاملات میں دلچسپی لینا اور سونا ترک کردیا۔ پچیسویں دن سے انکی حالت خراب ہوگئی۔ تین دن کے بعد وہ بیہوش ہوگئے۔ اور پورے تیس دن کے بعد اس جہان سے کوچ کرگیا۔ ڈاکٹر نے لاش کے معائنہ کے بعد بیان دیا کہ موت صدمہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ نجومی نے اپنے بیان میں کہا کہ پیشگوئی کرنا تو میرا پیشہ ہی ہے، اور میں ابھی تک ان ہر خبر پوچھنے والے کو سنادیا کرتا ہوں"۔

مجسٹریٹ نے جو کچھ فیصلہ کیا ہو، اُسے چھوڑیے۔ سبق حاصل کرنے کے قابل نفس واقعہ ہے۔ فن کہانت، نجوم وغیرہ کو شریعت نے جو حرام قرار دیا ہے، اُسکے بیشمار مصالح میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے، کہ ہولناک خبر کا اثر، اضطراری طور پر قلب پر پڑ جاتا ہے۔ اور موت کی خبر سنکر، انسان، کہنا چاہیے کہ موت کے ڈر کے مارے اپ ہی مر جاتا ہے۔ یہ واقعہ نادر نہیں، ایسے واقعات برابر ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے لکھنؤ میں سید جالب مرحوم (مشہور ایڈیٹر ہمدم وغیرہ) کی افسوسناک وفات کا واقعہ اسی سے ملتا جلتا پیش آیا تھا۔ جس دن سے ایک بنگالی منجم نے قربِ موت کی خبر بیان کردی، اُسی وقت سے مرحوم پر افسردگی چھاگئی، اور کچھ ہی روز بعد، ملک و ملت کو ایک قابل و ممتاز شخصیت سے محروم ہوجانا پڑا۔ شریعت اسلامی کی حکومت آج قائم ہوتی تو ایسے مستقبل بینوں، جرائم پیشہ قرار پاتے، اور ان پیشہ ور غیب دانوں کو کھلے منہ دوں پھرنے، اور گلی گلی صدا لگاکر انسانی زندگی پر ڈاکہ ڈالنے کی آزادی ایک دن کے لیے بھی نہ ملتی۔

جاہلیت کی صدائے بازگشت

"... پیٹے میں ہم ہندوؤں کو ہرا بھی سکتے ہیں، گو اقتصادی لڑائی میں اُن سے جیت نہیں سکتے۔
... آج ہندو چاہیں اپنا بائیکاٹ کردیں تو بڑی مشکل ہو جائے"۔

یہ سوشلزم کے دلیر و بیخوف مبلغ نے اپنے جریدہ "فردوس" میں "خوفناک دھوکا" کے عنوان کے تحت بیان فرمایا۔ اور چونکہ مسلمان ابھی تک کتاب و سنت کی پرانی لکیر پیٹے چلے جارہے ہیں، انکے متن میں پوری شان جلالی کے ساتھ پیشگوئی کردی کہ

"ہندو سے تنظیم تنظیم چلّایا کرو۔ تنظیم قیامت تک ممکن نہ ہوگی۔ اور تم اپنی غفلت، جہالت، اور اندھے جذبات کے سمندر میں جلد ہی اس طرح غرق ہو جاؤگے گویا دنیا میں کبھی تھے ہی نہیں"۔

پھر آخر کیا ہو؟ ہو یہ کہ

"ہر ہر پیشہ کے مسلمان اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ، اگرچہ وہ کوئی ہوں"

(کیا خوب بلیغ ہے یہ فقرہ کہ "اگرچہ وہ کوئی ہوں" یعنی مشرک، ملحد، ہندو، عیسائی، یہودی، پارسی، "اگرچہ وہ کوئی ہوں" کے ساتھ)

"ایکا کریں، اور پیشہ کے لحاظ سے الگ الگ جماعتیں اور یونینیں بنائیں، کارخانہ کے مزدوروں کی یونین الگ ہو، گاڑی والوں کی الگ ہو، بیڑی بنانے والوں کی الگ ہو، دوکانوں میں ملازموں کی الگ ہو، اسی طرح ہر ہر پیشہ کے مسلمان اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ مل کر ملک بھر میں جماعتوں اور یونینوں کا جال پھیلادیں، اور یہ تمام یونینیں ایک مرکزی یونین کے ماتحت ہوں۔ اس مرکزی یونین میں تمام ماتحت یونینوں کے نمائندے شریک ہوں گے، اور انھیں کے فیصلوں پر سب کو چلنا پڑے گا"۔

گویا جہاں اسلام کے خدا کا حکم یہ تھا، کہ ذات پات کی ہر تفریق کو مٹاکر، امارت و افلاس کے ہر فرق کو دباکر ساری فرماں بردار آبادی کو ایک رشتۂ اسلامیت میں متحد کردیا جائے، وہاں اس خدائی تنظیم کو توڑ کر، آسمانِ ماسکو سے نازل شدہ وحی کے مطابق، اب پھر ایام جاہلیت کی طرح، بیشمار قبیلوں اور ٹولیوں میں انسانیت تقسیم ہوگی، اور ذات پات کی نئی نئی صورتیں اب "یونین" کے نام سے جنم لینے لگینگی! اور نوع انسان کی ایک ایک ٹکڑی، دوسری ٹکڑی سے، درندوں کی طرح اس پر لڑیگی، کہ فلاں کے پاس گوشت کی اتنی بوٹیاں، اور چاندی کی اتنی ٹکیاں کیوں ہیں! —— اللہ عزوجل، کے نعرے کے مقابلہ میں، اس ساڑھے تیرہ سو سال کے اندر اس بیباکی و بلند آہنگی کے ساتھ ہُبل کی جے کیوں پکاری گئی ہوگی!

معاندوں کا اعتراف

"مجھے تو اپنی جگہ پر یقین کامل ہے کہ اب وقت آگیا ہے، کہ کم از کم بعض مشنری حلقوں میں سے تو تبلیغ کا شعبہ سرے سے نکال دیا جائے، اور اسے بہت ہی محدود کردیا جائے۔ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا تو خیال ہی کلیسائے مسیحی کو چھوڑ دینا چاہیے"۔

[شروع سے] "اب تک مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش تو برابر اور بالکل

... اسلام آج بھی آتی ہے"۔ (مسلم ورلڈ، نیویارک، جنوری ۴۶ء ص ۱۱)

یہ اقتباسات ہیں ایک مشہور مبلغ مسیحیت ڈاکٹر ہائٹ کے ایک مقالہ کے، جو مشہور دشمن اسلام پادری زویمر امریکی کے رسالہ میں بغرض جواب نقل ہو رہے ہیں۔ اور خود پادری زویمر کی ایک تقریر کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"خیال تو کیجیے عالم اسلامی کے لق و دق رقبہ کا! خیال تو کیجیے، کہ وہ رقبہ روز بروز پھیلتا ہی جارہا ہے! خاص شہر لندن میں مسجد اسی سال تعمیر ہوئی ہے، نظام حیدرآباد کے صرف سے"۔

"خیال میں رکھیے اس تلخ حقیقت کو کہ دنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے شکست دی ہے مسیحیت کو، جو غالب رہا ہے مسیحیت پر۔ یہ بات نہ کبھی بودھ مذہب کو نصیب ہوئی نہ ہندو مذہب کو"!

"اسلام ہی ایسا ہے جس نے مٹادیا اُن رقبوں کو جو کبھی عیسائی تھے، جس نے مٹادیا اُن پادری خانوں اور گرجاؤں کو جو صدیوں تک تثلیثی خدا کی حمد میں بھجن گاتے رہے"۔

"[غضب ہے کہ] بیت لحم میں، جو مسیح کا مولد ہے، وہاں تو دن میں پانچ پانچ مرتبہ مسلمانوں کی نماز کی اذان ہوتی رہے، اور مکہ میں جو محمدؐ کا مولد ہے، وہاں آج تک مسیح کے نام کی منادی نہ ہو سکی!" (اسلامک ریویو، لندن، جنوری ۳۸ء، بحوالہ لائٹ آف فیتھ، یکم ستمبر ۳۷ء)

یہ اعترافات اُن لوگوں کی زبان سے ہیں، جن کی طویل زندگیوں کا ایک ایک لمحہ عداوت کے لیے وقف ہے! لیظہرہ علی الدین کلہ، واللہ متم نورہ کی عملی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟ —— کاش ان بے بصیرتوں کی آنکھیں اب بھی کھلتیں، اور یہ حقیقت انھیں نظر آجاتی، کہ جس دین کی ترقی و وسعت پر وہ اتنا پیچ و تاب کھا رہے ہیں، وہ تو عین وہی دین ہے، جو مسیح علیہ السلام کا تھا۔ اور قرآن، مسیح کی لائی ہوئی کتاب کا منکر و مخالف نہیں، عین مصدق و مکمل ہے۔

توفیق حق

صاحب ترجمان القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مجوزہ دارالاسلام کا حال صدق میں پڑھ کر ایک باخبر بزرگ حیدرآباد سے لکھتے ہیں:-

"مودودی صاحب کے ساتھ حق تعالیٰ کی غیبی امداد شریک ہے۔ انکو جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری کے لیے متعدد بار بعض ذمہ داروں نے مدعو کیا۔ میں خدا کا شکر بجا لایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اہل ایمان کے دیکھنے کی سعادت نصیب کی، جنھوں نے صاف انکار کردیا، باوجودیکہ ہر قسم کے دنیوی اسباب سے وہ منقطع تھے، خصوصاً جس وقت انھوں نے انکار کیا تھا، اُسوقت اُنکے رسالہ کے پچیس پرچے حکومت میں خریدے جاتے تھے۔ آئندہ انکی خریداری سے بھی انکار کردیا گیا تھا۔ لیکن جس انشراح قلب کے ساتھ انھوں نے جواب دیا، اُسی سے مجھے یقین ہوگیا کہ انکی نصرت کا وقت آگیا ہے۔ صدق میں اس خیال کی تصدیق و تفصیل

نفوس سے گزریں تو یہی بیان والذین آمنوا معھم کذالک حقا علینا ننج المومنین۔ کی تفسیر سامنے آگئی۔ اسی نے اسلام کے عصری مسائل سے متعلق انکا سفینہ کھول دیا ہے۔ انکا قلم غیبی قوتوں کی اعانت سے چل رہا ہے۔ صاحب ترجمان القرآن کی صدا اور قوت فکر و نظر کا حال تو عرصہ سے روشن تھا، باطن کی قوت ایمانی کے اندازہ کے لیے یہ واقعہ بالا بالکل کافی ہے۔ توفیق خداوندی ہی کا کام ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

دشمن کی خوشی

ڈاکٹر وائٹ کے دعوے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ اسلام کا ایک ٹھوس نظام ہے اور اس لیے وہ کہتے ہیں کہ مسیحیوں کا مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرنا لاحاصل ہے .... لیکن ڈاکٹر وائٹ جس چیز کو مستحکم نظام سے تعبیر کر رہے ہیں وہ تو خود ہی شدید گرد باری کا شکار ہو رہا ہے، صرف مسیحیت ہی کی طرف سے نہیں، بلکہ مغربی سائنس، سیاسیات، تہذیب، و فلسفہ کے اثر سے بھی۔ جو دیواریں لڑکھڑا رہی ہیں، ان پر مسیحیت کی طرف دھاوا کرنے کا یہی تو وقت ہے ... مشرق میں تعلیم جس برق رفتاری سے پھیلتی جا رہی ہے، اسی نسبت سے انجیل کی منادی کا راستہ کھلتا جا رہا ہے۔"

(مسلم ورلڈ، جنوری ۳۸ء صفحہ ۶۶)

آپ نے دیکھا کہ معاندین اسلام اپنی امیدوں اور آرزوؤں کے قلعے کن کن بنیادوں پر تیار کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں کہ تیرہ سو برس تک مسیحیت، اسلام کے مقابلہ میں ناکام رہی تو کیا ہوا، اب تو زمانہ ہمارے موافق ہے، مسلمانوں کی جو مستحکم دیواریں تھیں اب ان میں خود ہی رخنے پڑ چکے ہیں۔ آپس میں تفرقے پیدا ہو چکے ہیں، وحدت اسلامیہ باقی نہیں رہی ہے، اور مغربی علوم و فنون، سارے کے سارے، اسلام کی روح کے منافی، اور اسکی جڑ اندر ہی اندر کھوکھلی کر ڈالنے والے ہیں، اور یہ گو بجائے خود مسیحیت کے بھی شدید دشمن ہوں، لیکن چونکہ اسلام کے مخالف ہیں، اس لیے مسیحیت اپنی اور اسلام کی آویزش کے وقت ان کو اپنا حلیف تو سمجھ ہی سکتی ہے! ——— ہمارے سادہ دل نادان دوست، مسلمانوں میں فرنگی ذہنیت کی ترویج و اشاعت کو مسلمانوں کی عین ترقی سمجھنے والے، ان آوازوں کو بھی سن رہے ہیں؟

بے عملوں کا عمل

گورکھپور سے خبر آئی ہے کہ

"بقرعید کے موقع پر جب قربان گاؤ کے باب میں سرکاری مداخلت کی گئی، تو مسلم لیگ نے باضابطہ قانون شکنی کی، اور جتھے بنا بنا کر اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ چنانچہ رضاکار سیکڑوں کی تعداد میں گرفتار ہوئے۔

ان اسیروں میں چار ڈکٹیٹر بھی تھے۔ ان میں سے دو اسمبلی کے ممبر ہیں، ایک میونسپل کمشنر، ایک تاجر۔

اسیروں نے پورے ضبط و نظم کا ثبوت دیا۔ حوالات کی ہر سختی کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔

مسلم لیگ کی فرد جرم کا اب تک سب سے بڑا اور ہولناک عنوان یہی تھا، کہ یہ لوگ بے عمل ہیں ——— مسلک و مقاصد کو چھوڑ کر اشخاص کی تنقید میں پڑ جانا بھی

کیا خوب معیار تحقیق ہے! ——— اور عمل فرہنگ جدید میں مترادف ہے حکومت سے مقابلہ کرنے اور جیل جانے کے۔ خدا معلوم اس اقدام عمل کے بعد ایک کا جرم کچھ ہلکا ہوا، یا جوں کا توں قائم رہا؟

اذان کانگرس نگر میں

یہ پرچہ مرتب ہو چکا تھا، کہ بمبئی کے روزانہ انجام میں سطور ذیل ایک لاہوری معاصر کے جواب کے ضمن میں نظر پڑیں:-

"وٹھل نگر کے ارد گرد دو دو میل کے حلقہ میں تو کیا مجلس استقبالیہ کے صدر دفتر سے بمشکل دو سو گز کے فاصلہ پر ایک سے زائد اسلامی ہوٹلیں موجود تھیں اور ان میں گوشت، مچھلی، انڈا، غرض ہر قسم کی لحمی غذائیں ہر وقت اور بافراط میسر ہوتی تھیں۔ اور ان سے نہ صرف کانگریس میں شریک ہونے والے مسلمان بلکہ بہت سے غیر مسلم اور ہندو بھی مستفید ہوتے رہتے تھے ....

کیا ہم اپنے معاصر کی معلومات میں مزید اضافے کے لیے یہ بھی بتا دیں کہ .... وٹھل نگر کی اسی 'ہندوانہ فضا' میں جسکا وہ شاکی ہے، خاص سبجکٹس کمیٹی کے پنڈال میں شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے مغرب کے وقت اذان دی۔ اور مسلمانوں کی ایک خاصی بڑی جماعت نے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے متعدد مسلمان ممبروں اور بہت سے مسلم مندوبین (ڈیلیگیٹس) پر مشتمل تھی، آپکی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ہمارے معاصر کو مطمئن رہنا چاہیے کہ مسلمان ابھی اللہ کے فضل سے اتنے کمزور نہیں ہیں کہ دنیا کی کسی چیز کی خاطر بھی شعائر اسلامی کو خیرباد کہدیں۔"

یہ اطلاعیں جو بہت تاخیر سے شائع ہوئیں، یقیناً بہت خوش کن ہیں۔ آخر میں جو امید افزا سطریں معزز معاصر نے عام مسلمانوں سے متعلق لکھی ہیں، وہ خود اسکے حق میں اور اسکے جیسے ہم خیالوں کے باب میں تو بحمد اللہ صحیح ہیں، کاش اسکی ساری جماعت کے حق میں بھی صحیح کہی جا سکتیں!

صدق کی سالانہ جلدیں

صدق کے مضامین اس قدر دلکش اور اسکا طرز انشا اتنا نادر و دلچسپ ہے کہ اسکے مضامین پرانے ہو جانے پر بھی ہر وقت نیا لطف دیتے ہیں۔ دو جلدیں تیار ہیں:-

جلد اول بابت ۱۹۳۶ء قیمت ۳/

جلد دوم بابت ۱۹۳۷ء " ۳/

محصول ذمہ خریدار

شائقین جلد طلب فرمالیں۔

مہتمم صدق۔ لکھنؤ

نئی کتابیں

(۱) **ترجمان القرآن** - پارۂ اول - ۹۲ صفحے - تقطیع ۲۲×۱۸ قیمت ۴ر
(۲) " پارۂ دوم - ۹۶ صفحے - تقطیع ۲۲×۱۸ قیمت ۴ر
(۳) " پارۂ سوم - ۱۰۳ " " " ۴ر
(۴) " پارۂ چہارم - ۱۰۲ " " " ۴ر
(۵) " پارۂ پنجم - ۱۰۷ " تقطیع خورد ۴ر

از مولانا عبد الحق عباسی صاحب پتہ: منیجر صاحب مکتبہ علمیہ متوسط مدرسۃ البنات - جالندھر شہر (پنجاب)

قرآن مجید کی خدمت کے بھی کتنے مختلف اور طریقے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ قرآن کا اردو ترجمہ بالکل تحت اللفظ ہونا چاہیے کہ اس سے بچوں کو قرآن فہمی کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائیگی اور کچھ عرصہ کوشش کے بعد وہ براہ راست مطالب قرآنی کے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ مسلک خواہ تمامتر صحیح نہ ہو، لیکن بہرحال ایک سنجیدہ رائے ہے۔ اور جالندھر کے مشہور مدرسۃ البنات کے مخلص سکریٹری مولانا عبد الحق عباسی نے اسی خیال کو قوت سے عمل میں لانا شروع کر دیا ہے، چنانچہ چار ابتدائی پارے اور ایک آخری پارہ کا ترجمہ اسی اسلوب پر آپ کے قلم سے نکل کر شائع ہو چکا ہے۔

تحت اللفظ کے التزام کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ من ہی نہیں، نہ معنی کی صحت اس پابندی کے بعد باقی رہ سکتی ہے، نہ عبارت کی سلاست قائم رہ سکتی ہے، خصوصاً جبکہ حواشی بالکل نہ ہوں۔ لیکن فاضل مترجم کی اعلاقمند نے اس ناممکن کو ایک خاص حد تک ممکن بنا دیا ہے۔ نفس ترجمہ کے لفظی رکھنے تک غنیمت تھا، لیکن حواشی خدا معلوم کس مصلحت سے بکقلم ترک کر دیے گئے ہیں۔ عربی اور اردو کی ترکیبوں میں اور دونوں زبانوں کے اسلوب بیان میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ سیکڑوں چیزیں ایسی ہیں، جن میں منتہی عربی خواں کو مطلق دقت نہیں ہوتی، لیکن اردو میں وہ بالکل نامانوس بلکہ چیستاں بن جاتی ہیں۔ انکے کھولنے کے لیے مختصر حواشی لازمی تھے۔ سب سے بڑا مرحلہ ضمیروں کا ہے۔ قرآن مجید میں ضمیر واحد مخاطب سے کہیں تو مراد رسول اللہ صلعم کی ذات ہوتی ہے اور کہیں پر ناظر قرآن، اور کہیں کوئی خاص و معین شخص۔ محض ترجمہ، بلا حاشیہ، یہاں فرق کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہی حال ضمیر غائب کا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کا محض ترجمہ تو اس قدر ہوتا ہے کہ "وہ لوگ کہ دی ہے ہم نے انکو کتاب، پہچانتے ہیں اسکو جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو"۔ اب اس ترجمہ سے کچھ بھی نہیں کھلتا، کہ کس کو پہچانتے ہیں؟ اور ضمیر "اس" کا مرجع کیا ہے؟ اس طرح کے مقامات ایک دو نہیں ہر ہر پارہ میں بیسیوں ہیں۔

مترجم نے ہر ہر لفظ کو ترجمہ کر آخری سطریں، از سر نو، اسکے نیچے کا بامحاورہ ترجمہ بھی دیا ہے، لیکن اس سے بھی دشواری پوری طرح رفع نہیں ہوتی۔ بلکہ کتاب کا جو طرز کتابت ہے اس سے تو اندیشہ ہے کہ مبتدیوں اور

نو آموزوں کی الجھن کہیں اور نہ بڑھ جائے ... [illegible] ... اور ان کا ... [illegible] ... کا مطالعہ ان نئے اسلوب سے ... [illegible] ... کلام کی چیز آگئی۔

(۶) **فتح المقتدر** (تفسیر سورۂ ...) ۹۰ صفحے ... ر
(۷) **الناموس المفصل** (تفسیر سورۂ مزمل) ۹۹ صفحے " ۲ر
(۸) **نور الحق** (تفسیر سورۂ علق) ... صفحے " ...ر
(۹) **بارقۃ الحق** (ضمیمہ تفسیر سورۂ علق) ... صفحے

از مولانا ... الحق صاحب استاد اورینٹل کالج، لاہور۔ پتہ منیجر صاحب مکتبہ علمیہ - قریب مدرسۃ البنات جالندھر شہر

مولانا عبید اللہ سندھی (جو اس وقت تک عالم ہجرت میں حجاز میں ہیں) تفسیر قرآن کے باب میں ایک مذاق خاص رکھتے تھے، اور اس مذاق کے اندر انھیں مرتبۂ امامت حاصل تھا۔ پیش نظر تینوں سورتوں کی تفسیریں اسی انداز پر اور اسی مذاق کے ماتحت لکھی گئی ہیں۔ تبلیغی نقطۂ نظر سب پر غالب ہے، اور تبلیغ ہی کے اندر جہاد بھی آگیا ہے۔ ان تینوں سورتوں کے انتخاب اور انکے باہمی تعلق کا ذکر مصنف کے الفاظ میں سنیے:—

"سورۂ اقرأ میں ضرورت تبلیغ اور اسکی اہمیت پر بحث تھی۔ سورۂ مزمل میں حکم تھا کہ منصب تبلیغ پر فائز ہونے سے پیشتر پیام الٰہی (قرآن) کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا از بس ضروری ہے۔ بنا بریں داعی فریضۂ تبلیغ کی خاطر قرآن کے طویل مطالعہ کی ضرورت پر بحث کی گئی۔ اس کے ساتھ اس راہ میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ سورۂ مدثر میں حکم ہے کہ خود سمجھ لینے کے بعد اٹھ کر دوسروں کو سمجھانا لازم ہے۔ اس حیثیت سے یہ تینوں سورتیں دراصل مسئلۂ تبلیغ کے اہم ترین شعبوں کی تشریح، اور ایک ہی سلسلہ کی منضبط کڑیاں ہیں" (فتح المقتدر)

لیکن فاضل مصنف نے یہ نہیں کیا ہے، کہ قرآن کی ہر سورت، بلکہ ہر آیت کو زبردستی کتاب الجہاد بنا دیا ہو (جیسی بعض معاصرین کے ان مضامین موجود ہیں) بلکہ تفسیر کو تفسیر ہی رکھا ہے۔ اور اصل تفسیر کے علاوہ، جو نکات و لطائف انکے ذہن میں آتے ہیں، انھیں علیحدہ دستانیز کرتے گئے ہیں۔ بلکہ ما بجا الاعتبار والتاویل کا عنوان ہی مستقل قرار دے دیا ہے اور یہ طریقہ بالکل درست و مناسب ہے۔

یہ کتابیں چند سال قبل کی تصنیف ہیں، مسائل حاضرہ کی جانب اشارات جابجا موجود ہیں، بلکہ کہیں کہیں تصریحات بھی۔ اور اسلیے قدرۃً بیان، عام لوگوں کے اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں ہونے پایا ہے کہ ان تذکروں سے دین و عقائد کی اہمیت کچھ گھٹ جائے (جیسا کہ بدقسمتی سے بعض معاصرین کی تصریحات میں ہوا ہے) بلکہ اس کے برعکس مصنف کی نکتہ رس نگاہ نے ان حالات سے دین و اعتقاد کی اور تقویت ہی کا کام لیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مدثر کے شروع ہی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:—

"دنیا میں بسا اوقات مادی طاقتوں کے استعمال سے بھی

انقلاب نہ ہوتے تھے، مگر روحانی طاقت سے پیدا کیا ہوا انقلاب بھی ہمیشہ مفید ثابت ہوا ہے۔ اہل دانش و خرد نے اس کی بار بار تعریف کی ہے۔ روحانی انقلاب کا سرِرشتہ صرف خدا تعالیٰ کی برتری کا اعتقاد رکھنے اور کرنے سے وابستہ ہے۔ آپ آنحضرت صلعم کی سیرت کو دیکھیں گے کہ ہر موقع پر خدا تعالیٰ کی لازوال عظمت سے استمداد ہو رہا ہے، اور اسی پر اعتماد کرنے کی تلقین ہو رہی ہے۔

بر دو دو مکی انقلابی تحریکات میں ایک ہندوستانی زعیم بھرے مجمع میں مسلمانوں کو تلقین کر سکتا ہے کہ ایک سال کے لیے مسجدیں بند کر دو، نمازیں چھوڑ دو، اور ہمہ تن انقلاب برپا کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔ برخلاف اس کے ان تحریکات کے مشہور غیر مسلم زعیم ہر موقع پر کہتا جاتا ہے "مجھے خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی رحمت عامہ پر بھروسہ ہے، تم بھی اسی پر اعتماد کرو!" (صفحہ ۱۲)

تینوں تفسیریں اپنے رنگ میں مفید، عالمانہ اور قابل قدر ہیں۔

(۱۰) **تفسیر سورۂ کافرون** - از مولانا حمید الدین فراہی۔ اردو ترجمہ از مولوی امین احسن صاحب - ۴۸ صفحے - ہدیہ ۳ر۔ پتہ: منیجر دائرہ حمیدیہ سرائے میر۔ ضلع اعظم گڈھ -

مولانا فراہی ترجمان القرآن کے افادات عالیہ کی یہ تازہ ترین قسط ہے۔ جو اردو میں موزوں ترین ہاتھوں سے منتقل ہوئی ہے۔ مولانا تفسیر میں اپنے جس اجتہادی اور مخصوص رنگ کے لیے مشہور تھے، وہ اس سورت میں بھی شروع سے آخر تک نمایاں ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ سورہ رواداری و مصالحت کی تلقین میں ہے، اور عوام اس پر استدلال سورہ کی آخری آیۃ لکم دینکم ولی دین سے کرتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنا اپنا دین مبارک ہے! مفسر نے اس کے بالکل برعکس، یہ دکھایا ہے، اور اپنے مخصوص دلنشین و فاضلانہ انداز میں اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ سورہ کا نزول اعلان قطع تعلق، براءۃ، اور آغاز جنگ کے اعلان میں ہے۔ اور گویا پیغمبر کی طرف سے منکرین کے لیے پیام ہے، کہ ہمارا تمہارا معاملہ آخری حد تک پہونچ چکا۔ اب صلح کی کوئی صورت نہیں۔ قدرت کے تازیانۂ انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

"آخری آیت لکم دینکم ولی دین خاتمہ کا ایک جامع کلمہ ہے جس نے اپنے اندر اوپر کی تمام باتیں سمیٹ لی ہیں۔ لکم دینکم۔ لا اعبد ما تعبدون: لا انا عابد ما عبدتم کے قائم مقام ہے اور ولی دین، ولا انتم عابدون ما اعبد کے برابر ہے۔ اور چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے، اس لیے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تینوں زمانوں پر حاوی ہو گیا۔ اختصار و ایجاز نے اسکو ایک ضرب المثل اور کلمہ باقیہ کی شکل میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا" (صفحہ ۲۷)

"ہجرت کا ترجمہ ظالموں نے 'فرار' سے کیا ہے اور جاہل، سادہ مسیحیوں نے انگریزی میں فرار کو بار بار اس طرح دہرایا ہے کہ سادہ دل مسلمان بھی بے تکلف اسی لفظ کو استعمال کرنے لگے ہیں! مفسر رحمۃ اللہ علیہ کے آئینہ میں اصل حقیقت کا جلوہ ملاحظہ ہو:-

"ہجرت درحقیقت تمام کفار، مشرکین اور یہود سے جنگ تھی، اس دن ایک نئی امت ظہور میں آ گئی۔ اور آنحضرت صلعم کو ایک مستقر اور ایک چھوٹی سی جماعت تائید و رفاقت کے لیے حاصل ہو گئی یعنی ایک حد تک وہ شرائط پورے ہو گئے، جن کے بغیر جنگ ناجائز ہے۔ لیکن اسکے باوجود بھی آنحضرت صلعم مکہ میں مقیم رہے، اور اعداء کی تمام ایذا رسانیاں جھیلتے رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اسوقت ہجرت کی شرط پوری ہو گئی، اور قوموں کا انبیاء کے ساتھ ہمیشہ جو معاملہ رہا ہے وہ ظاہر ہو گیا۔ فصل اول و دوم میں پڑھ چکے ہو کہ نبی کو صبر اور تحمل شدائد کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ معاملہ بالکل آخری حد کو پہونچ جائے، اسوقت پیغمبر ہجرت فرماتا ہے۔ ہجرت فرار یا بھاگنا نہیں ہے۔ پہلے براءت کا اعلان کرتا ہے، اپنے شیرازہ کو جمع کرتا ہے، خدا کے بھروسہ پر پوری طرح مطمئن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت متعین ہو جاتا ہے، وہ اس طرح بے خوف و خطر روانہ ہو جاتا ہے گویا دنیا کی کوئی قوت اسے گزند نہیں پہنچا سکتی ..... تو معلوم ہوا کہ نبیا کا اپنی قوم کو چھوڑ کر چلا جانا فرار نہیں ہے، بلکہ ہجرت و براءت تمام انبیاء کی سنت رہی ہے" (صفحہ ۴۳-۴۴)

رسالہ اگرچہ حجم و ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہے، لیکن اسی طرح کے علوم و حقائق سے بھرا ہے، اور اہل علم صاحبان ذوق کے لیے ایک نادر درج پر ۔ ۔ مخصوص۔ اور ۳ر کی قیمت میں تو بالکل مفت ہی ہے۔

(۱۱) **رجحانات فکر و تحریک اشتراکی** (انگریزی) از الیاس احمد صاحب ایم۔ اے، لکچرر الہ آباد یونیورسٹی۔ ضخامت ۴۲۱ صفحے۔ قیمت للعہ پتہ: منیجر انڈین پریس، الہ آباد۔

یہ کتاب جسکا انگریزی نام ٹرنڈز ان سوشلسٹک تھاٹ اینڈ موومنٹ Trends in Socialistic Thought and Movement ہے، دراصل الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کے ایک ممتاز لکچرر کا ہے جو بعد نظرثانی کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

علاوہ بہت مفصل ضمیمہ جات کے، جو کتاب کا نصف آخر گھیرے ہوئے ہیں نفس کتاب، ایک مقدمہ اور دس فصلوں میں منقسم ہے۔ ابتدائی حصوں میں اشتراکیت کی قدیم تاریخ اجمالاً آ گئی ہے۔ اسکے بعد فصل چہارم میں کارل مارکس (متوفی ۱۸۸۳ء) کے خیالات درج ہیں، جسکے وقت سے کہنا چاہیے کہ اشتراکیت علمی حیثیت سے منضبط ہوئی ہے۔ اور فصل پنجم میں مارکس کے وقت سے جنگ عظیم کے زمانہ تک فلسفۂ اشتراکیت کے تغیرات اور اتار چڑھاؤ کا بیان ہے۔ یہی فصل سب سے زیادہ مفصل ہے، اور لینن وغیرہ کے نظریات سب اس میں آ گئے ہیں۔ چھٹی فصل اس بیان میں ہے کہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں اشتراکیت اور اشتراکیوں پر، جو یورپ کے متحارب ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے، کیا گزری۔ ساتویں فصل میں ۱۹۱۸ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک کی سرگزشت اشتراکیت درج ہے۔ آخر میں فصل

مفصل و مبسوط، ہندوستان میں اشتراکیت کے زیر عنوان اردو میں مفصل اسلام واشتراکیت پر ۲۰ صفحوں کا ایک ضمیمہ ہے، جو سب کے سب مستند کار آمد ہیں۔ خصوصاً حکومت سوویٹ کا جو آئین ۱۹۱۸ء میں تھا، اور جو اٹھارہ سال کے عملی تجربہ کے بعد ۱۹۳۶ء میں تیار ہوا، اُنکا موازنہ۔

مصنف سیاسیات کے معلم ہیں، اس لیے اپنے فن میں تو قدرۃً انہیں ماہر ہونا ہی چاہیے۔ ص۸۵ سے ص۱۰۲ تک "نہرو وازم" پر تبصرہ جس دقتِ نظر سے اُنھوں نے کیا ہے، اُسکا اندازہ صرف کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ البتہ جو بات خاص طور پر یہاں ذکر کرنے کی ہے (اور صدق کے صفحات کو اسی سے اصلی تعلق ہے) وہ مصنف کی اسلامیت ہے۔ فن کی کتاب میں بھی، مسائلِ فن کی تشریح کے وقت بھی، وہ اپنے کو مسلمان کہلانے شرماتے نہیں، اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور اشتراکیت پر تنقید صرف ماہرِ فن ہی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ علانیہ بطور ایک مسلمان کے بھی کرتے ہیں۔ اور اشتراکیت کی ہر طرح تعبیر کو اسلام سے بہت دور پاتے ہیں۔

شروع کے حصوں میں زیادہ اور کہیں کہیں بعد کو بھی مصطلحاتِ فن کی کثرت سے عبارت عام فہم نہیں رہی ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ بات نہیں پائی جاتی، بلکہ فنی اعتبار سے کتاب دلچسپ ہے۔ اور اس کی عبارت انگریزی کی اوسط درجہ کی استعداد رکھنے والوں کیلیے پوری طرح قابلِ فہم ہے۔ ایسے تمام حضرات کو سیاسی و مذہبی، دونوں اعتباروں سے کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ ضرورت اس کی ہے کہ مصنف خود یا اُنکے کوئی شاگرد رشید، کتاب کے مطالب کو اُردو میں بھی لے آئیں۔ کتاب گو دیکھنے میں مختصر سی ہے، لیکن مصنف نے اپنے حدود کے اندر، علم و مذہب دونوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔

(۱۲) سلطنت آف ڈکلائن (انگریزی) از عبد الرشید انور بٹ صاحب، ایم اے، ایل ایل بی۔ ۲۰۷ صفحے۔ قیمت عہ، پتہ، اُردو اکاڈیمی، لوہاری گیٹ لاہور۔

ہمارے وقتِ زوال ہے۔ مسلمانوں کے قومی زوال و انحطاط پر تبصرہ ایک نوجوان ایم اے ال ال بی کے قلم سے ہے۔ شروع میں چند سطریں بطور تعارف، مشہور نو مسلم لیو پولڈ ویس محمد اسد (مترجم انگریزی صحیح بخاری) کے قلم سے ہیں۔ اسکے بعد مصطفٰے کمال "اتاترک" کی تصویر ہے، جسکا تعلق مطالب کتاب سے واضح نہیں ہوتا۔

کتاب کا بیشتر حصہ تاریخی ہے۔ سلاطین بنی امیہ، خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر کا تذکرہ تفصیل سے ہے، اور آخر میں دورِ جدید کے عالم اسلامی پر ایک سرسری تبصرہ ہے۔ لیکن کتاب کے ان دونوں حصوں کے ربط کو اور واضح کرنے کی ضرورت تھی۔ کتاب کا مقصد، مصنف نے نوجوان طبقہ میں صحیح دینی حرکات پیدا کرنا بتلایا ہے، اور انکے خلوص نیت میں شک کرنے کی ذرا بھی وجہ نہیں۔ لیکن تصنیف کو موثر و مفید بنانے کے لیے محض خوش نیتی کافی نہیں۔ فن تحریر خود مستقل مشاقی چاہتا ہے۔ کہیں کہیں آیاتِ قرآنی غلط چھپ گئی ہیں، مثلاً مقدمہ کے ص۱۵ پر بجائے جاہدوا فی سبیل اللہ کے "واجتھدوا فی سبیل اللہ"۔ بعض جگہ مطالب تشنۂ تحقیق رہ گئے ہیں، مثلاً ص۱۲۲ پر تحریک سرسید کے ذکر میں۔ تحریکاتِ حاضرہ سے علیحدگی کا الزام، کہیں کہیں مصنف کے خلاف ارادہ، مسلمانوں پر آگیا ہے، مثلاً ص۱۲۶ کے خاتمہ پر (دیکھیے سے چار سطریں قبل)۔

مصنف کی حمیت دینی، سنجیدگی اور اخلاص مندی بہرحال قابلِ داد اور مستحقِ حوصلہ افزائی ہے۔

رسائل

(۱) ترجمان القرآن (اشاعتِ خاص) ایڈیٹر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی۔ ضخامت ۱۳۶ صفحات۔ قیمت ۸ر، پتہ: دار الاسلام نزد پٹھان کوٹ (پنجاب)

رسالہ ترجمان القرآن ناظرین صدق کے لیے کسی جدید تعارف کا محتاج نہیں۔ اسکی یہ اشاعتِ خاص جو بابت ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ ہے، درحقیقت صاحب ترجمان کے اُن مقالات کا مجموعہ، بعد نظر ثانی و اضافہ ہے، جو موصوف نے موجودہ سیاسی کشمکش اور مسلمانوں پر اپنے رسالہ میں محرم سے رجب تک شایع فرمائے تھے۔ ان میں سے ہر مقالہ بجائے خود معرکہ کا اور قابلِ دید تھا۔ اور پھر اب جب یہ جوابِ شبہات، اضافۂ مطالب اور مقدمۂ جدید کے ساتھ یکجائی صورت میں نکلے ہیں، تو قدرۃً انکی قدر و قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

مقدمہ کی عبارت ذیل، سمجھنا چاہیے کہ سارے مطالب کتاب کی کنجی ہے:-

"اس تمام بحث میں میرے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جو اول بھی مسلمان ہیں اور آخر بھی مسلمان ہیں اور مسلمان کے سوا کچھ نہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو صرف ہندوستانی ہیں یا پہلے ہندوستانی اور پھر سب کچھ ہیں تو اُن سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ وہ ایک جہاز کے مسافر ہیں اور میں دوسرے جہاز کا مسافر ہوں۔ اُنکی منزلِ مقصود دوسری ہے اور میری منزلِ مقصود دوسری۔ انکو صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے سیاسی آزادی اور معاشی استقلال درکار ہے، عام اس سے کہ مسلمان رہیں یا نہ رہیں۔ اور مجھے وہ آزادی درکار ہے جسکے ذریعہ سے میں اپنی زوال پذیر اسلامی طاقت کو سنبھال لوں، اپنی زندگی کے مسائل کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے حل کروں اور ہندوستان میں مسلم قوم کو پھر سے ایک خود مختار قوم دیکھوں۔ انکے لیے ہندوستان کا سیاسی و معاشی استقلال بجائے خود ایک مقصد ہے، اور میرے لیے وہ حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ ہے، جو اگر حصولِ مقصد میں مددگار نہ ہو تو مجھے بجائے خود اس مقصد سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پس میرے اور انکے درمیان مقصدی اختلاف ہے۔ اس لیے ان سے بحث کرنا تو میرے نزدیک محض تضیع وقت ہے۔ البتہ جو لوگ اس مقصد میں مجھ سے متفق ہیں، میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان تمام مضامین کو غور سے ملاحظہ فرمائیں، جو کچھ حق پائیں اُسے قبول کریں۔ اور جس چیز میں غلطی پائیں اُسکا غلط ہونا دلیل و حجت سے ثابت کریں تاکہ میں بھی اپنے خیالات کی اصلاح کر سکوں۔" (ص۵-۶)

ص۱۰۵ تک اصل مضامین آئے ہیں۔ اسکے بعد آخر کتاب تک شبہات اور انکے جوابات ہیں۔ رسالہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان گھرانے میں پہنچایا جائے، اور کوئی لکھا پڑھا مسلمان، سوچنے سمجھنے والا کلمہ گو اسکی آواز سے محروم نہ رہے۔ خداوند تعالیٰ نے صاحب ترجمان کے سینہ کو حکمت ایمانی کے لیے کھول دیا ہے اور اُنکے دل و دماغ کو مسائلِ حاضرہ کے صحیح حل سے معمور کر دیا ہے۔ وہ وقت کے حکیم ہیں، اور امت کے مصلح۔ رسالہ کے اس خاص نمبر کا مطالعہ کرنا خود اپنی خدمت کرنا

(بقیہ ملاحظہ ہو ...)

اسلام اور اجتماعی زندگی

(ترجمہ تلخیص از مولوی حکیم عبد القوی صاحب دریابادی)

ذیل میں لندن کے ایک ہندو سالسٹر مسٹر آر اے نہرا کے فاضلانہ مقالہ کا ملخص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے - موصوف نے یہ مقالہ اسلامک سوسائٹی کے جلسہ میں پڑھا تھا -

تین اسباب ہیں جن کی بنا پر ایک ہندو اس بحث پر تقریر کر رہا ہے - سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ میں اگرچہ ہندو پیدا ہوا، لیکن بچپن سے ہمیشہ مسلمان ہمسایوں اور دوستوں میں رہا - کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ہندو مسلمان الگ الگ نہیں رہتے - دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندو مذہب اپنے پیرووں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ دوسرے مذاہب کو بُرا کہیں یا نظر حقارت سے دیکھیں - رواداری اور غیر ضرر رسانی ہندو دھرم کے اساسی اصول ہیں - تیسرا سبب یہ ہے کہ میں نے مذہب اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اور پندرہ سال سے اسلامی قانون کی پریکٹس کر رہا ہوں -

میں اپنے موضوع کو ذیل کے تین عنوانات میں تقسیم کروں گا - (۱) کاروباری اخلاق (۲) عام اخلاق (۳) صنفی اخلاق - میں ہر عنوان میں امکانی اختصار برتوں گا کیونکہ ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے بیانات کی توضیحی مثالیں بھی دینی ہیں جو مجھے اپنے چند سال کے پیشہ کے تجربات میں ملی ہیں -

میں یہ بات صاف صاف کہنا چاہتا ہوں، کہ میرا موضوع تقریر، اخلاق کا وہ اصلی معیار ہے، جس کی حضرت محمدؐ کی عظیم المرتبت ہستی نے بنا ڈالی اور تبلیغ کی، اور جس پر انھوں نے اور اُنکے سچے پیرووں نے عمل فرمایا - یہ معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ عہد حاضر کا ہر وہ مرد یا عورت جو مادیت کے سیلاب میں غرق ہے، اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں دقت محسوس کریگا -

سب سے پہلے کاروباری اخلاق کو لیجیے - ہر شخص جانتا ہے کہ روے زمین پر اسلام ہی وہ اکیلا مذہب ہے جو سود کو حرام قرار دیتا ہے - اگر آپ اس مفید ترین و اعلیٰ اصول کی تحلیل کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ اقتصادی نظام، جس کا دار و مدار سُود پر ہے، سراسر غلط ہے - روپیہ ایک جاندار چیز نہیں - وہ دوگنا چوگنا نہیں ہوتا - ایک پونڈ خواہ وہ چاندی کا ہو یا سونے کا، جہاں کہیں اور جس زمانہ میں بھی ہوگا، کسی طرح بھی وہ دو پونڈ میں مبدل نہیں ہو سکتا - وہ ہمیشہ ایک ہی پونڈ رہے گا، خواہ وہ کسی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو، یا کاشتکار کے ہاتھ میں، ہو یا فوجی جنرل کے ہاتھ میں ہو، ڈائرکٹر کے ہاتھ میں ہو یا کاشتکار کے ہاتھ میں - یہی وجہ ہے کہ شارع اسلامؐ نے اپنے متبعین کو سود کے لینے اور دینے سے منع فرما دیا -

حرص کی ایجاد کردہ چیزوں میں سود، بنی نوع انسان پر بے رحمی کی بد ترین شکل ہے، جسکا ارتکاب مادیت سے مغلوب اور روحانیت سے بے بہرہ مخلوق، احمقانہ پندار کے ساتھ کرتی رہتی ہے - سود کے لین دین کے نتائج بہت دور رس، اور سوسائٹی کے سکون داخلی کو بُری طرح تہ و بالا کرنے والے ہوتے ہیں - عہد حاضر کے قوانین کی روسے ۴۸ فیصدی تک سود لیا روا ہے - شاید آپ حضرات میں سے بعض اس بات سے ناواقف ہوں کہ انگلستان میں ایک سود خوار ۴۸ فیصدی تک سود قانوناً لے سکتا ہے - اسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص آج سو پونڈ قرض لیتا ہے تو سال بھر بعد اُسے ۱۴۸ پونڈ دینے ہونگے، اور دو سال گزر جانے پر زر اصل سے تقریباً دوگنی رقم دینی پڑیگی - اس مہاجنی سود کی بدولت خدا معلوم کتنے خاندان تباہ ہو چکے ہیں - میں نے خود ایسے واقعات دیکھے ہیں جن میں ان سود خواروں ہی کی وجہ سے تباہی آئی - جب کوئی شخص ان سود خواروں کے چنگل میں جا پڑتا ہے تو شرح سود کی زیادتی کی بدولت شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص حریص ساہوکار کے پنجہ سے صحیح و سالم نکل سکے - موجودہ زمانہ کے ماہرین اقتصادیات سود کے کاروبار کی تعریف میں رطب اللسان ہیں - آخر کیوں؟ محض اس لیے کہ سود کے اصول کی وجہ سے اُنکے ہاتھ وہ رقم زیادہ لگ جاتی ہے، جو اُنکی نہیں - یہ سودی کاروبار بہت ہی مہیب پیمانہ پر جاری ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ حرص اور خود غرضی، اپنی انتہائی خوفناک شکل میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں، اور اقوام عالم ایک قعر عظیم کے کنارے آگئی ہیں اور ہر وقت اپنے ہاتھوں پیدا کی ہوئی تباہی میں جا گرنے کے لیے تیار ہیں - (مکان بنانے والی) تعمیری ایجنسیں، بنک اور بیمہ کمپنیاں سطحی اعتبار سے مضبوط معلوم ہونے کے باعث، بہت ہی مفید اور ضروری ادارے سمجھی جاتی ہیں - اب میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کرونگا جو میرے جیسے پیشہ والوں کو، اپنے پیشہ کے سلسلہ میں پیش آتی ہے - ایک شخص نے ایک مکان بارہ سو پونڈ میں خریدا - اور یہ طے پایا کہ وہ ماہ بماہ آٹھ پونڈ کی قسطیں ادا کریگا - ان آٹھ پاؤنڈوں میں نصف سے زیادہ رقم پہلے دس سال کے سود کی رقم ہے - وہ شخص سات سال تک یہ قسطیں کسی نہ کسی طرح ادا کرتا رہا - آٹھویں سال وہ بیمار پڑا، اور ساتھ ہی سے اپنے کاروبار میں خسارہ ہوا، اور وہ تین ماہ تک قسطیں ادا نہ کر سکا - تعمیری انجمن، جو سود خواری کی ایک معزز شیطانی شکل ہے، ہر ماہ اُس پر تاوان عائد کرتی رہی - میں اُس غریب گمراہ ایماندار، خریدار کا مشیر قانون تھا - وہ بیچارہ قسطیں ہی ادا کرنے سے قاصر تھا، اور یہ تاوان کا بار

قانوناً یہ تاوان لگانے والے سود خوار حق بجانب تھا - انجام کار، انجمن نے اپنے مشیران قانون کو اُس خریدار پر مقدمہ دائر کرنے کی ہدایت کی - میں نے انکے پاس جا کر مہلت استدعا کی، اور اس ایماندار خریدار کی تفصیلی صورت حال بیان کی - انھوں نے یہ جواب دیا کہ "ہمیں افسوس ہے - لیکن کیا کیا جائے، قاعدہ کی پابندی لازمی ہے - اور ڈائرکٹران بجز اسکے اور کچھ نہیں کر سکتے کہ واجب الادا قسطوں کی وصولی کا سلسلہ جاری رکھیں" - اسکے بعد انھوں نے مقدمہ دائر کیا اور بالآخر اُس مکان کا قبضہ حاصل کرکے اُس شخص کو مع اسکے گھر والوں کے اُس مکان سے جس میں اُنکے سات برس گزرے تھے، نکال باہر کیا - یہ ساری کارروائی ازروے قانون جائز تھی، اور بعض لوگ کہینگے کہ یہی مناسب تھی -

لیکن کیا انسانیت اسی کا نام تھا؟ اگر سود کا اصول نہ ہوتا تو یہ شخص زر اصل آسانی سے ادا کر چکا ہوتا، اور کمپنی اتنی بے رحمی نہ کر سکتی۔ کیونکہ ایسی صورت میں کمپنی کو نہ کوئی ضرورت محسوس ہوتی اور نہ طمع دامنگیر ہوتی کہ وہ شخص مذکور بدبخت کو نکال کر اس مکان پر قبضہ کریں اور اس مکان کو پھر کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالیں جو باقاعدہ اصل و سود ادا کرتا رہے۔ اسلام کے قانون کے مطابق ایک تاجر اپنے ہم پیشہ تاجر یا دوست کو روپیہ قرض دیتا ہے اور مقروض اس رقم کو بصد شکریہ اور احسانمندی کے ساتھ واپس کرتا ہے۔ خیال تو کیجیے کہ یہ اصول کتنا زیادہ مبنی بر انسانیت ہے، اور سود نہ لینے سے اسکے اعلیٰ اور شریفانہ اصول میں کتنی خالص ہمدردی و محبت مجلس پنہاں ہے۔ کوئی شخص بھی اس روپیہ کو سود پر چلا کر اپنی حرص میں اضافہ نہیں کرتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کاروباری معاملات میں انسانیت برتی جائیگی، خود غرضی میں کمی ہوگی اور اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زندگی کے جھگڑے گھٹیں گے اور روزمرہ کی اور کاروباری زندگی میں زیادہ اطمینان قلب نصیب ہوگا۔ میں عہد حاضر کے سود خوار اداروں کی شقاوت اور خارج از انسانیت کارروائیوں کی سیکڑوں مثالیں دے سکتا ہوں۔ اسلام کے متعلق بہت سے لوگ عجیب عجیب نظریے رکھتے ہیں، اور بہت کم ایسے ہیں جو اسلام کی اس اصلی اور بے آمیز شکل کا مطالعہ کرتے ہیں، جو اسکے منیف داعی والے اور محض زمانی پیرووں کی آمیزشوں سے پاک ہے۔

کاروباری اخلاق کے بعد ہم "صنفی اخلاقیات" کے موضوع کو لیتے ہیں۔ آپ میں سے بعض نے سنا ہوگا کہ اسلامی قانون میں ایک اصول "خلوت صحیحہ" کا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اخلاق کا بلند ترین اصول ہے جو انسانوں کے لیے انکے ان ذاتی تعلقات کے بارے میں وہ صنف مقابل سے رکھتے ہیں، واجب العمل بتایا گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے فائدہ کے لیے، جو اس اصول سے ناواقف ہیں، اسکی تعریف بیان کر دوں۔ اس عظیم الشان شارع (اسلام) کے زمانہ میں گو کہ علم برق کا اتنا چرچا نہ تھا لیکن وہ انسانی زندگی میں علحدگی کی ضرورت اور علاقی سے بخوبی واقف تھے۔ سائنس کی اصطلاح میں یہی، انسانوں میں، یہی صنفی تعلق "برقی رو" ہی کا نام ہے۔

جس طرح انسانی زندگی کے تسلسل کے لیے، صنفی تعلق ضروری ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی ضروری ہے کہ وہ قاعدہ و اصول بھی عمل میں لائے جائیں جنکے ذریعہ انسانیت کا بہترین طریق پر تحفظ ہو سکے، اور اسکا قیام بلا کسی شی کے تباہ و برباد ہوئے، رہ سکے۔ انسان لازمی طور سے ایک پیکر اخلاق ہے۔ آپ نے یہ کہاوت سنی ہوگی کہ "اگر دولت چلی گئی تو کچھ بھی نہ گیا، اگر تندرستی چلی گئی تو کچھ چلا گیا، اور اگر اخلاق چلا گیا تو سب کچھ چلا گیا"۔ ایک انسان بغیر اسکے اخلاق کے ایک درندہ سے بدتر، اور ایک سانپ سے زیادہ نقصان پہونچانے والا ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت محمدؐ کی عظیم الشان ہستی نے اعلیٰ اخلاق کے تحفظ کا اعلیٰ ترین اصول (خلوت صحیحہ کی صورت میں) بیان فرمایا۔ اسلامی قانون میں خلوت صحیحہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک مرد اور عورت، جو ایک دوسرے کے غیر محرم تھے، کسی جگہ اکیلے اس حال میں پائے گئے کہ وہ تنہا ہیں، اور انھیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں، تو قانون کے

ظاہری اعتبار سے وہ مرتکب جرم ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے گو کہ نیم قانونی الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن مطلب کی خاصی توضیح ہو گئی ہے۔ اب میں اسی برقی رو کی مثال کو پھر بیان کرتا ہوں۔ جو لوگ علم برق کے اصول سے ناواقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ برقی رو، مثبت اور منفی دو قسم کی ہوتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں باہم ملنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور بیتاب رہتی ہیں، اور جب تک ان دونوں کے مابین خاصا فاصلہ رہتا ہے یا دونوں کو علحدہ رکھنے والی کوئی چیز موجود ہوتی ہے، اس وقت تک یہ دونوں قسم کی رو، اپنے اپنے حال میں دوڑتی رہتی ہیں، لیکن جوں ہی علحدہ رکھنے والی چیز ہٹا دی جاتی ہے، یا باہمی فاصلہ ایک خاص حد تک کم کر دیا جاتا ہے، (تو دونوں مل جاتی ہیں اور) شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر چاہے ساری دنیا اکٹھا بیٹھ کر شعلہ نہ اٹھنے کی دعا کرے تو اس سے کچھ حاصل نہیں۔ ہر چیز کے قانون اور اصول مقرر ہیں، قانون توڑے گئے تو اسکا انجام بھی بھگتنا پڑیگا۔ انسانی اور اخلاقی دنیا بھی اٹل قوانین سے اسی طرح جکڑی ہوئی ہے جس طرح جسمانی دنیا۔ بنا بریں خلوت صحیحہ ہی کا اعلیٰ اصول مرد اور عورت کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین اخلاق کو قائم رکھیں۔ یہی وہ اصول ہے جسکے مطابق یورپ میں لوگ نوجوانوں کو علحدہ رکھنے کے لیے "محافظ عورتیں" رکھتے ہیں۔ اسلام ان لوگوں کی ہرگز ہمت افزائی نہیں کرتا جو اچھے اصولوں کو قدیم اور دقیانوسی کہکر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے مانا کہ بہت سے مسلمان سچے مسلمان نہیں اور اسلام کے اعلیٰ معیار کے عامل نہیں، لیکن میرا مقصد تو صرف یہ جتانا ہے کہ اسلام میں ایک ایسا معیار موجود ہے۔ کون شخص ہے، جو دنیا میں بد اخلاقی کے سیلاب کی روز افزوں زیادتی سے، جسکا نتیجہ دنیا کے تیزی کے ساتھ زوال کی صورت میں نکل رہا ہے بے خبر ہے؟ وہ دن کچھ دور نہیں، جبکہ ایسے، باوجود اسکے کہ ہم دنیا میں اہم و معزز حیثیت رکھتے ہیں، ان لوگوں کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا جو اخلاق کے اعلیٰ اصول نہیں برتتے۔

موجودہ زمانہ کا رواج ہے کہ نوجوان مرد و عورت کھلے بندوں پھرتے رہتے ہیں اور جب چاہے بلا کسی پابندی کے باہم ملتے رہتے ہیں۔ یہ رواج دنیا کی موجودہ غیر اطمینان بخش حالت کا ذمہ دار ہے۔ مسرت گھٹ رہی ہے۔ میں نے انگلستان میں اپنی نو سالہ پریکٹس کے دوران میں بہت سے ازدواجی مقدموں میں پیروی کی ہے جنمیں فریقین زیادہ تر انگریز تھے۔ اس لیے میں بیان کر سکتا ہوں کہ ان زوجین کی زندگی جو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر عامل نہیں ہوتے، کتنی ناخوشگوار ہوتی ہے۔ بعض بعض مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب اور اسکے اعلیٰ معیار کو بھلا کر اپنے سر مصیبت مول لی ہے۔ افراد کی، اور انکے توسط سے اقوام اور دنیا کی صحت اور مسرت کا دارومدار، اخلاق کے اس اچھے اور عمدہ معیار پر ہے جو کاروباری زندگی اور عائلی زندگی دونوں میں برتا جائے۔ اسلام اس معیار کو ہم پہونچاتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت اسلام اور زیادہ پھیلے گا، اور دوسرے مذاہب سے وسیع تر اسکی اشاعت ہوگی۔

اب میں چند لفظ عام اخلاق کے متعلق کہوں گا - اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر قسم کی نشہ آور چیزیں شراب وغیرہ کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی دنیا خصوصاً نئی دنیا جان چکی ہے کہ روزمرہ کی عام زندگی کی بہتری اسی میں ہے کہ شراب جیسی بری چیز سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ امریکہ میں حکومت کی طرف سے امتناعی قانون نافذ ہو چکا ہے اور اسکے نتائج بہت اطمینان بخش نکلے ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والے کو کسی حال میں اور کسی رسم کے موقع پر شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔ شراب کی خرابیاں بحیثیت مجموعی اتنی زیادہ مشہور و معروف ہیں کہ انکی تفصیل کی حاجت نہیں۔ ہر سال انکی بدولت کتنے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں کتنے بھلے اور ہونہار اشخاص شروع ہی میں اپنے مفید کارنامہ ہائے حیات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں عیش پسندی کو بھی سختی کے ساتھ قابل تحقیر سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنی دیواروں پر پالکیں اور تصویریں لٹکائے۔ زندگی کی سادگی اسکا اعلیٰ ترین مقصد رکھا گیا ہے۔ یہ عیش پسندی ہی ہے جو لوگوں میں تفرقہ ڈالتی اور امیروں کو خود غرض اور غریبوں اور غیر مستطیعوں سے بے پروا بناتی ہے۔ جو کچھ مغرب میں ہو رہا ہے اس پر نظر ڈالیے۔ وہاں یہ ممکن ہے کہ ایک دولت سے لدا پھندا امیر لندن کے مشرقی حصہ میں ایک غریب بھائی رکھتا ہو۔ مغربی حصہ لندن کے تمام تھیٹر، سینما اور ریسٹورنٹ ہر روز بھرے رہتے ہیں۔ ورا مشکل یہ لکھوکھا آدمیوں کو کھانا اور ضروری کپڑا میسر نہیں ہوتا۔ اور یہ صورت حال طبعی اور صحیح سمجھی جاتی ہے۔ افسوس، محض ذاتی مفاد کے لیے انسانی ہستیاں کتنی بری طرح انصاف اور راستی کے معیار کو توڑتی مروڑتی ہیں۔

(اسلامک ریویو)

کانگریس اور اردو

زبان اردو کے متعلق کانگریس کا مسلک واضح ہے اور وہ ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ذمہ دار کانگریسی اصحاب اس مسلمہ اصول کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ لکھنؤ اور بنارس کی سودیشی نمائشوں میں اردو کے ساتھ جو ظلم روا رکھا گیا اس کے پیش نظر کانگریسیوں کی نگاہیں عتاب جانچ چکی ہیں۔ پھر اب ہری پورہ کے اجلاس کانگریس کے سلسلہ میں استقبالیہ کمیٹی نے غریب اردو کی جان پر جو خنجر چلائے ہیں اسکا حال وہی لوگ اچھی طرح بتا سکتے ہیں جنھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ افسوسناک منظر دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہری پورہ کے ماحول میں ہو کر یہ سوچنا بہت دشوار ہے کہ ہندوستان میں کوئی زبان اردو بھی ہے۔ جلسہ کا غذات، چٹھیاں، منسب، اشتہار وغیرہ ہندی اور گجراتی زبان میں نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ نمائشی اشیاء پر جو نام لکھے گئے ہیں وہ بھی صرف گجراتی اور ہندی میں ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسٹر سبھاش چندر بوس نے جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا ہے اسکی زبان بھی وہ ہندوستانی نہیں ہے جسکو انھوں نے اپنے خطبہ میں ایک مشترک زبان قرار دیا ہے۔ اسکے خطبہ کی زبان سنسکرت ملی ہوئی بھاشا کہی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں وٹھل نگر میں سیٹھ جمنا لال بجاج نے اس مسئلہ پر جو تقریر ارشاد فرمائی ہے اس میں صاف صاف مسلمانان کو یا

ہے کہ ہندی ہندوستان کی ... تمام شکایات کانگریسی رہنماؤں اور بالخصوص ان مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جنکو کانگریس میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ اگر بہت جلد ان شکایات کا ازالہ نہ کیا گیا تو پھر کس طرح یقین دلایا جا سکے گا کہ کانگریس اقلیتوں کے متعلق جو کچھ کہتی ہے اسے کرتی بھی ہے۔"

(مدینہ)

محمد علیؒ کا فارمولا

لیگ کے حلقہ میں یہ رائے زور پکڑ رہی ہے کہ کانفرنس اتحاد ۱۹۲۴ء کا فارمولا جسے ذبیحہ گاؤ کے بارے میں مرحوم مولانا محمد علی اور مسٹر سری نواس آئنگر اسوقت کے صدر کانگریس نے مرتب کیا تھا اسے کانگریسی حکومتیں اب نافذ کریں۔ اس فیصلہ کو مدراس کانگریس ۱۹۲۷ء نے منظور کیا تھا مگر ہندوؤں نے اسکی عزت نہیں رکھی۔ اب جبکہ کانگریس باختیار ہے، اسکا قومی و اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس معاہدہ کو نافذ کرے۔

اتحاد کانفرنس نے گائے اور باجہ کا جو فارمولا وضع کیا تھا وہ بہت ہی سہل ہے۔ یعنی یہ کہ دونوں، ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کریں مگر دونوں ایک دوسرے کے شہری حقوق کو تسلیم کریں۔ فارمولا یہ ہے:

"ہندوؤں کو مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کا حق حاصل ہوگا مگر انھیں اپنے مسلمان بھائیوں کو غیر ضروری تکلیف دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کا حق بلا قید مقام و وقت حاصل ہوگا۔ مگر اپنے ہندو ہمسایوں کو غیر ضروری تکلیف پہونچانے سے انھیں احتراز کرنا چاہیے۔"

یہ فارمولا ہندوستان کے تین بہترین دماغوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا جو تینوں کانگریس کے سابق صدر تھے۔ یعنی مولانا محمد علی مرحوم۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم۔ اور مسٹر سری نواس آئنگر۔

کیا کانگریس اپنے معاہدہ کی عزت کریگی اور اپنے الفاظ پر قائم رہیگی؟

(بقیہ صفحہ ۷)

اور میرِ ظاہری، اندرونی اعتبار سے بھی یہ نمبر نہایت ارزاں ہے، یعنی جن مضامین کے لیے چھ سات نمبر تین ساڑھے تین روپیہ میں خریدنے پڑتے، وہ اس ایک نمبر میں، ۸ر میں ملے جا رہے ہیں!

(۴) زمانہ (پریم چند نمبر) ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم صاحب بی اے، ضخامت ۲۵۰ صفحے قیمت عمر - پتہ: مینیجر صاحب رسالہ زمانہ، کانپور۔

زمانہ اردو کے قدیم اور مشہور رسالوں میں ہے۔ اپنی خدمت زبان اور سنجیدگی کیلیے ممتاز ہے۔ منشی "پریم چند" جو آگے چلکر اردو کے ایک باکمال افسانہ نگار ثابت ہوئے، انکی شہرت کی ابتدا اسی کے صفحات سے ہوئی۔ اسلیے قدرۃً زمانہ پر انکا حق بھی سب سے زیادہ تھا۔ صاحب زمانہ نے انکی یادگار میں اتنا ضخیم نمبر نکالکر نہ صرف دوستی و رفاقت، بلکہ ادبی قدرشناسی کا حق ادا کر دیا۔ مجموعہ میں منشی صاحب کے ذاتی سوانح سے متعلق معلومات - اور کمالات فن پر تبصرہ، سب ہی کچھ موجود ہے۔ ایک مضمون مدیر صدق کے قلم سے بھی ہے۔

(باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو
مہتمم اخبار صدق - لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

قیمت فی پرچہ ۱/
سالانہ عہ
ششماہی ۶ر
بیرون ہند سالانہ للعہ

نمبر ۳۲ | لکھنؤ - ۳۰ - محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۳۸ء | جلد ۳

سچی باتیں

سرمایہ داری، آپ کہتے ہیں، دنیا کے لیے لعنت ہے - قبول - اور اس لعنت کو جلد سے جلد پاک کرنا چاہیے، منظور - لیکن اس ملعون سرمایہ داری کی حقیقت ہے کیا؟ "سرمایہ" کی تعریف ماہرین فن نے یہ کی ہے، کہ وہ اُس دولت کو کہتے ہیں، جس سے مزید دولت حاصل کی جائے، اور جو نظام اس پر مبنی ہوتا ہے، اُسی کا نام نظام سرمایہ داری ہے - سرمایہ داری کے جتنے نمونے اور منظر آپ کو مختلف قوموں اور ملکوں میں نظر آرہے ہیں، امریکہ میں، برطانیہ میں، فرانس میں، جرمنی میں، جاپان میں، اطالیہ میں، اور خود ہندوستان میں، خواہ وہ بینکوں کے ذریعہ سے ہوں، یا تجارتی کمپنیوں کے، مہاجنی کوٹھیوں کے واسطہ سے ہوں، یا دلالوں کے، سرکاری قرضوں کے نام سے ہوں یا ڈاکخانہ کے تمسکات کے، سب میں، اور سب کہیں، یہ چیز مشترک ہے یا نہیں، کہ دولت، دولت کو بڑھا رہی ہے، اور روپیہ روپیہ کو کما رہا ہے؟ نام جو کچھ بھی ادل بدل کر رکھے جائیں، قالب جتنے بھی ہیر پھیر کر اختیار کیے جائیں، سب کی روح، سب کا خلاصہ، سب کا نچوڑ، آخر میں یہی دکھائی دیگا، کہ روپیہ بطور آزمایش کے لیے نہیں، بلکہ بطور مستقل مذہبِ تجارت چل رہا ہے۔

اسی روپیہ کی تجارت کا، روپیہ کے کرایہ پر چلانے کا، ایک نام، مختصر سا، آپ کی زبان میں کیا ہے؟ سود، بیاج، یا ربوٰ ہے! ناموں کے الٹ پلٹ، اور قالبوں کے اختلاف پر نہ جائیے۔ اندر اور باطن کی حقیقت پر نظر کیجیے تو ہر جگہ یہی پائیے گا، کہ اس جسم نما جان اگر ہے تو سود ہی کے کاروبار سے۔ اور نظام سرمایہ داری کی یہ ساری سربفلک عمارت جو کھڑی نظر آرہی ہے، اسکا آخری اور اصلی سہارا یہی سودی لین دین ہے - جہاں سود نہیں، وہاں سرمایہ داری نہیں، اور جہاں سود، وہیں نظام سرمایہ داری موجود! —— لیکن اس کھلی ہوئی حقیقت کے ہوتے آپ نے کہیں کوئی آواز، سودخواری کے خلاف بھی اُٹھتے سُنی ہے؟ سرمایہ داروں کی مہاجنوں کی زبان سے نہ سہی، بڑے سے بڑے سوشلسٹ کی زبان سے بھی سُنی ہے؟ "ترقی پسند ٹولہ" سے نہ سہی، "دھل گرم" سے بھی سنی ہے؟ کانگریس کے سابق صدر نے دو برس تک ملک کے گوشہ گوشہ کو "انقلاب زندہ باد" اور "سرمایہ داری برباد" کے نعروں سے ہلا ڈالا، اور جدید صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں خطابت کے دریا بہا دیے - کہیں یہ بھی فرمایا، کہ اُس دیو کو اگر زیر کرنا ہے، تو ضرب کاری اُسکی رگِ جاں پر لگانی چاہیے؟ کانگریس کو بھی چھوڑیے، خاص انکی سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹی کو بھی آپ نے کبھی کہا رتے سنا ہے "سودخواری مردہ باد" "مہاجنی برباد"؟

گلہ ناواقفوں سے نہیں، شکایت کا موقع اُن سے نہیں جو خود ہی بصیرت سے محروم ہیں - سوال اُن سے ہے جنکے پاس قرآن کا علم تھا، جنکے کان میں حدیث رسول کی آوازیں گونج رہی تھیں - کیا انکی خاموشی سے بھی درگزر ہوسکے گا؟ انکی زبانوں پر مُہر سکوت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائیگا —— آج ممکن ہے اپنی کمزوری اور بے ہمتی کی بناپر کوئی ان سے مواخذہ و مطالبہ نہ کرسکے، لیکن "کل" کے لیے بھی، وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں کوئی پروانۂ امن و معافی مل گیا ہے؟ ——

دوستو اور عزیزو، تم نے انقلابی نعرے آج سیکھے ہیں، اور وہ بھی دوسروں کی تقلید میں۔ دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے زبردست "انقلاب" جو تاقیامت ہمہ کے لیے آنا ممکن تھا، وہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہی آچکا اور اس نے یہ حقیقت پکار پکار کر بتلا دی ہے کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں، دنیا کی معیشت میں اگر فلاح مطلوب ہے، تو اعتقادی غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ عملی حیثیت سے منجملہ اور چیزوں کے،

سود لینا چھوڑ دو،

سود دینا بند کر دو،

سودی کاروبار کا بیک قلم خاتمہ کرو۔

یہ ہے حقیقی انقلاب۔ بغیر اس پروگرام کے اپنائے، ہر نعرۂ انقلاب اگر فریب نہیں، تو خود فریبی کی ایک مثال!

گناہ کا چکر

ڈاکٹر نیمالوف، روس جدید کے، ایک ماہر فن بیالوجسٹ (محقق حیاتیات) ہیں۔ آج سے چند سال قبل، ۱۹۳۲ء میں انکی کتاب "بایولاجیکل ٹریجڈی آف دی ویمن" (عورت کا حیاتیاتی حزنیہ) کے نام سے شائع ہوئی۔ آپ یہاں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"ماسکو کے اخبار پراودا میں جو بصیرت افروز مقالات مس سیمینڈنگ کے قلم سے شائع ہوئے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنسی معاملات میں ہماری حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ اور یہ واقعہ ہے درستہ، صرف ہمارے نوجوانوں ہی کے حق میں نہیں بلکہ ... پختہ عمر والوں کے حق میں بھی، جنکا تعلق خوشحال طبقہ کی نسل سے نہیں۔ صاف صاف بات یہ ہے کہ تمام مزدوروں (ورکرز) میں شہوانی طوائف الملوکی (سکسول انارکی) کی علامات پائی جا رہی ہیں۔ یہ صورت حال بہت ہی اہم ہے، جو سوشلسٹ نظام کو خطرہ میں ڈالے دے رہی ہے، اور اسکا مقابلہ ہر ممکن صورت سے کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس محاذ پر مقابلہ ہے بہت دشوار۔ میں شہوانی بے ہودگیوں کی ہزاروں مثالیں بیان کر سکتا ہوں، صرف بے علموں کے حلقہ میں نہیں، بلکہ مزدور طبقہ (ورکنگ کلاس) کے اعلیٰ اور فہیم ترین صفوں میں۔ اس صورت حال کے اسباب بہت سے ہیں، ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ سابق تعلقات پسلسل برائے نام رہ گئے اب یہاں کوئی متعین اور صحیح فلسفہ زندگی سامنے موجود نہیں" (صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳)

سوشلزم کو ہر درد کی دوا سمجھنے والے، حقایق کا اعتراف، اپنے ہی ایک ذی علم بھائی کی زبان سے سن رہے ہیں؟ سرمایہ داری مانا کہ ہر عیب، ہر اخلاقی گندگی کی کان ہے، لیکن نجات، اس سے نکل کر سوشلزم کے دامن میں چھپ جانے سے کب ملتی ہے؟ سوویٹ روس سے بڑھکر منظم و مرتب سوشلزم دنیا کے کس خطہ میں ملیگی، یہ حال وہاں کا ہے! ---- اور پھر خرابی محض عملی نہیں، اصلاً اعتقادی ہے۔ اقتباس کی آخری سطر پر ایک بار پھر غور ہو۔ سوشلسٹ ڈاکٹر کہتا ہے، احتیاط سکھانے والے صحیح اصول ہی سرے سے موجود نہیں! عفت و عصمت کی اخلاقی تعلیم ہی سرے سے غائب ہے۔ اور یہ اخلاقی تربیت، دلوں کی گہرائی میں، آپ خود، فطرت بشری کے تجربات کے بعد بتائیے کہ بجز دین و مذہب کے اور کون اُتار سکتا ہے؟

شقاوت کی تصویریں

پرانے کاغذات کی اُلٹ پلٹ میں ایک تراشہ، ٹائمس آف انڈیا (۲۶ نومبر ۳۶ء) کا نکل آیا۔ تار ۲۲ نومبر کا چلا ہوا، صوبہ بہار کی چھتری سبھا کے جلسہ سے متعلق ہے۔ رزولیوشن کا مضمون، اضلاع مونگیر و بھاگلپور میں، راجپوت قوم میں رسم دخترکشی کی مذمت ہے۔ دونوں ضلعوں کے دو راجپوت مقرروں نے اپنی تقریروں میں کہا کہ

"اس ظالمانہ رسم کو، جو دونوں ضلعوں میں عام ہو چکی ہے، فوراً مٹنا چاہیے۔ غضب یہ ہے کہ ظلم کرنے کی خود عورتیں اپنے ہاتھ سے اس ظلم کو سرانجام دیتی ہیں۔ لڑکی جہاں پیدا ہوئی، ماں نہ اُسے دودھ پلا سکتی ہے، نہ نہلا دُھلا سکتی ہے۔ اس پر بھی وہ جیتی رہی، تو گھر کی کوئی بڑی بوڑھی اُس کے منہ میں تمباکو رکھ اُسکا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ اس ظلم و قہر کی روک تھام کی کوششیں دس سال سے برابر ہو رہی ہیں، لیکن اب تک خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو پائی ہے۔ اور چونکہ جرم کی مرتکب، گھر کے اندر بیٹھنے والی عورتیں ہوتی ہیں، اسلیے قانون کی دسترس بھی پوری طرح نہیں ہو پاتا۔"

قرآن مجید اور اسکی تفسیروں میں جب جاہلیت عرب کی دخترکشی کے تذکرے آتے ہیں، تو دل کو حیرت ہو کر رہ جاتی ہے، کہ بھلا ماں باپ ایسے بھی کیا بے رحم ہو جاتے ہونگے! کیا اُنکے دل بالکل پتھر کے ٹکڑے ہی ہوتے ہونگے؟ لیکن اب یہ واقعات تو تیرہ چودہ سو برس پہلے کے نہیں، آج کے ہیں، اور ہزاروں میل دور کے نہیں، اسی سرزمین اور اسی دیس کے! ---- ہا! جن پر قرآن اور اسلام کا سایہ نہیں پڑا، وہ آج بھی شقاوت سے کسقدر قریب اور نورانیت و رحمت سے کتنے دور اور بیگانے ہیں! ان محروموں اور بیچاروں کو ہاتھ پکڑ کر شفاخانۂ اسلام تک پہونچا دینا کس کے بس کی بات ہے!

مسلمان سیاسیات ہند میں

الہ آباد کے مشہور انگریزی روزنامہ لیڈر کے چیف ایڈیٹر ڈاکٹر چنتامنی کی شخصیت مشہور و معروف ہے۔ کوئی دو سال ہوئے اندھرا یونیورسٹی (احاطۂ مدراس) کے سامنے سیاسیات ہند کی پنجاہ سالہ تاریخ پر، چار لکچر، پرمعلومات، دلچسپ، دیے۔ جو اب کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں۔ یہاں مصنف کے سیاسی خیالات پر بحث و گفتگو مقصود نہیں۔ کتاب سے متعلق صرف دو واقعات کا مختصراً اظہار کر دینا ہے۔

۱- عنوان "پریس" (اخبارات) کے تحت میں علاوہ گاندھی جی کے تین اخبارات کے، حسب ذیل پرچوں کا تعارف کرایا گیا ہے:-

موصوفہ	مدراس کے	۶	پرچے	
"	بمبئی کے	۵	"	
"	بنگال کے	۴	"	
"	پنجاب کے	۳	"	
"	دہلی کے	۲	"	
"	بہار کے	۲	"	
"	سی پی کے	۲	"	

۳۰ اخباروں کی اس فہرست میں (جس میں روزنامے بھی ہیں اور ہفتہ وار بھی، زندہ پرچے بھی اور سابق کے بھی، علاوہ انگریزی کے، مرہٹی، گجراتی وغیرہ کے بھی) آپ کے سننے کے قابل یہ چیز ہے کہ اس میں زمیندار، الہلال، وغیرہ کا ذکر تو خیر کیا ہوتا، ہمدرد، بلکہ کامریڈ تک کا نام نہیں آنے پایا!

۲ - ایک عنوان مشاہیر ملک سے متعلق ہے۔ اس میں گاندھی جی کے مناقب تقریباً ۵ صفحہ میں آئے ہیں۔ اُسکے بعد اس میں ذکر آتا ہے سر شیو سوامی آئر، مسٹر سرینواس شاستری، مسز رائیڈو، ڈاکٹر پرنجپے، مسٹر وٹھل بھائی پٹیل، آنجہانی مسٹر سی۔ آر۔ داس آنجہانی، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہرلال نہرو، سر تیج بہادر سپرو، مسٹر ہردے ناتھ کنزرو، ٹیگور، بابو راجندر پرشاد، مسٹر سچدانند سنہا کا - اور اور متعدد مشاہیر کا، کسی کا دو تین سطروں میں، اور کسی کا بیس پچیس سطروں میں - اور جس میں نکتہ چینی سے کہیں زیادہ جوہر شناسی کا اظہار کیا گیا ہے - اس بھری اور سجی ہوئی محفل میں ایک لمحہ کے لیے، آپ کے ہاں کے بھی مشاہیر لائے گئے ہیں، انکی جھلک کل یوں نظر آتی ہے :-

"دونوں مشہور بھائیوں علی امام اور حسن امام کا انتقال اسی زمانہ میں ہوا۔ اپنے زمانہ میں اچھا کام کر گئے۔ کانگرسی لیڈروں میں دو اور قابل ذکر نام، ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ہیں، دونوں صدر کانگرس رہ چکے ہیں، آخرالذکر اردو کے دلکش مقرر ہیں۔ علی برادران کی جگہ متعین کرنا مشکل ہے۔ مسٹر محمد علی قابل تر تھے۔ مولانا شوکت علی کی شخصیت شاید زیادہ زبردست ہے۔ سر محمد شفیع پنجاب کے سب سے مشہور قومی آدمی تھے" (ص۱۵۲)

مسلمانوں کا یہ کل درجہ ہے، آپ کے انصاری اور ابوالکلام اور سب سے بڑھ کر آپ کے محمد علی کا، آپ کی ہمسایہ قوم کی میزان عدل میں! ایسی حالت میں حیرت صرف اس پر ہے، کہ بطور استثنا، مسٹر جناح کے تعارف کے لیے ص۱۵۰ پر آٹھ سطروں کا ایک مستقل پیراگراف الگ کیسے نکالا جا سکا!

ذاتیات کی پستی

"یہاں نہ اقبال کی تاجاری مونچھیں ہیں، نہ گلیڈسٹونی پتلون، نہ فرنگیانہ حلیم کشی ہے نہ فلسفیانہ قلندری۔ نہ عجمی رہبانیت۔ ... اقبال کی زندگی تو عیش کے ساتھ گزر گئی، مولانا کو اب بھی چند گھنٹوں کا آرام میسر نہیں" (الجمعیۃ، ۱۳، محرم، ص۲ ک۳)

سب کو معلوم ہے کہ اسلامی ہند کی دو جیتا نہ قابل فخر شخصیتوں کے درمیان ایک خاص مسئلہ (نظریۂ وطنیت و ملیت) پر بحث چھڑی ہوئی ہے، اور آیات قرآنی کے بعد کتب لغت کے حوالے پیش ہو رہے ہیں۔ یہ کسے خبر تھی، کہ استدلال کے کسی پہلو کو بھی تقویت اقبال کی تاجاری مونچھوں اور گلیڈسٹونی پتلون اور فرنگیانہ حلیم کشی سے پہونچ سکے گی! اور وہ بھی کہاں؟ کسی عامیانہ وغیرہ ذمہ دارانہ پرچے میں نہیں، بلکہ جمعیۃ العلماء کے واحد ترجمان میں!

——— خدا معلوم ہماری قوم کو، اصول و مسائل کو چھوڑ کر، شخصیتوں کو ٹکرانے، اور اپنے ہاں کے بڑے سے بڑے شخص کو بھی بے تکلف مورد طعن و طنز بنا لینے میں کس بلا کی لذت محسوس ہوتی ہے، کہ جسے دیکھیے، سب یہی راستہ اختیار کر لیتے ہیں! اور جن سے توقع ہوتی ہے، کہ راہ دوسروں کو دکھائیں گے، خود بھٹکتے نظر آنے لگتے ہیں! گویا جب تک شکل و صورت پر، وضع و لباس پر، ذاتی عادات و اطوار پر، حسب و نسب پر، دل کھول کر حملے نہ ہولیں، جذبات کو تسکین ہی نہیں ہوتی!

اصلی سوال

مولانا حسین احمد صاحب کی ایک تازہ سیاسی تقریر جو کئی سال اودھر نہیں، اسی سال کے اسی مہینہ مارچ میں، سلہٹ میں ہوئی، اس کا اقتباس :-

"مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے جس پر چل کر وہ ملکی اور غیر ملکی تسلط سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ یعنی کانگریس کی شرکت اگر مسلمان کانگریس میں جوق در جوق اور فوج در فوج شریک ہو گئے تو وہ داخلی اور خارجی مظالم سے نجات پا جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور فلاح کے لیے اگر کوئی جماعت مشترکہ طور پر قربانی کر سکتی ہے تو وہ صرف کانگریس ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ جب تک ہندوستان پر آفتاب آزادی طلوع نہ ہو جائے اُس وقت تک فرقہ وارانہ انتخاب کی حمایت میں آواز نہ اٹھائی جائے۔ کیونکہ اس سے خود مسلمانوں کو نقصان برداشت کرنا پڑیگا.....

ہمیں اپنا مذہب دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اور ہم وطن کی آزادی صرف اس لیے چاہتے ہیں کہ ہمارا مذہب جو نوع انسانی کا مکمل نظام ہے آزاد ہو جائے اور اسکو سربلند ہونے کا موقعہ ملے - اگر وطن آزاد ہو جائے اور مذہب اور عقیدہ کو نقصان پہونچنے لگے تو ہمیں ایسی آزادی سے کوئی فائدہ نہیں - میں دیانتداری سے یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ کانگریس میں شریک ہو کر مسلمان ایک طرف تو اجنبی قوت سے آزادی حاصل کر سکیں گے اور دوسری طرف اپنے حقوق کو غیر مذاہب کی دست برد سے بچا لیں گے" (انجمن - ۷، مارچ)

کانگریس اور شرکت کانگریس کے باب میں مولانا نے جو کچھ فرمایا، اسپر رائے اور اجتہاد سے، جس میں گفتگو کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن دین و

سیاست کے تعلق پر، مذہب و وطن کے درجہ پر، جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ رائے واجتہاد نہیں، مولانا کا ایمان اور عقیدہ ہے ۔ کلام کا یہ جزو، متشابہات تو کیا نہیں، محکمات میں ہے ۔ اور اسی سے ظاہر ہے کہ انکے نقطۂ اور جدید وطنی اور اشتراکی نقطۂ نظر میں آسمان و زمین کا فرق ہے ۔ مولانا کہتے ہیں، اور یہی ہر مسلمان کہتا ہے، یہی اقبال بھی کہتے ہیں، کہ وطن کو اس لیے عزیز رکھو، کہ مذہب عزیز ہے ۔ گویا اصل، دین ہے، اور وطن محض شاخ و فرع ۔ تحریک خلافت و ترک موالات کے دور تک ہر مسلمان کانگریسی کا، خلافتی کا، ترک موالات کا بعینہٖ یہی نصب العین، یہی عقیدہ تھا ۔ جدید "وطنیت" اسی عقیدہ کی مخالف ہے ۔ اس کی پکار ہے کہ "وطن کو وطن کی خاطر عزیز رکھو، مقصود اسی دنیوی آزادی کو بناؤ"! اصلی نزاع یہیں سے شروع ہوتی ہے ۔ مسلمان کے نزدیک یہ وطن پرستی، اور زمین پرستی، یہی نہیں، کہ حب دنیا کی بدترین شکل ہے، بلکہ صاف شرک کی ایک صورت ہے، اور اہل توحید اب تک جتنی بدعتوں کے مٹانے پر زور دیا کیے، ان سب بدعتوں سے بڑھ کر بدعت ہے ۔

خدا کی دین

مولانا محمد علیؒ کے کامریڈ (مرحوم) کے دور اول سے جو لوگ واقف ہیں، نواب نظامت جنگ بہادر کے نام سے بھی ناواقف نہیں ہو سکتے ۔ کتنی بلند پایہ انگریزی نظمیں موصوف کے قلم سے اس میں نکلتی رہی ہیں ۔ مسلمانوں میں انگریزی زبان کے شاعر اب بھی کون ہیں، اور اس وقت آج سے ۲۵ سال قبل تو اور بھی کوئی نہ تھا ۔ ہندوستانی الگ رہے، نظامت جنگ کی نظموں پر بعض اونچے درجہ کے انگریزوں کو ان سطور کے راقم نے خود وجد کرتے دیکھا، اور دل کھول کر داد دیتے سنا ہے ۔ ایک زمانہ وہ تھا، کہ خیالات، انگریزیت، اور انگریزی مذاق میں یوں غرق تھے ۔ ایک زمانہ آج ہے، کہ موصوف ان شاء اللہ نہ صرف حاجی ہو چکے ہیں، بلکہ دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے ہوئے ہیں، اور انکی خالص مذہبی نظم فارسی زبان میں، رہبر دکن کے ایک تازہ پرچہ میں پیش نظر ہے ! اس وقت کوئی تصور بھی کر سکتا تھا کہ خالص مغربیت پر مشرقیت و دینداری یوں غالب آ جائیگی ! اسی کا نام خدا کی دین ہے ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ بیسیوں، پچاسوں اور سیکڑوں مثالیں جہاں آج ارتداد خفی و جلی کی مل رہی ہیں، کیا خدا کی شان ہے کہ وہیں اس کے برعکس ایسی ایسی ہمت افزا نظیریں بھی نظر آ جاتی ہیں !

(بقیہ صفحہ ۸)

استقیک وانت رب العالمین قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقہ اما انک لو سقیتہ لوجدت ذلک عندی[1]	تو خدا فرمائیگا کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا تو تم نے اسے نہیں کھلایا کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو اسے تم میرے پاس پاتے ۔

[1] مسلم شریف ۔

اے انسان میں نے تم سے پانی پلانے کے لیے کہا تو تم نے مجھے پانی نہیں پلایا ! تو انسان کہے گا اے خدا میں آپ کو کیسے پانی پلاتا آپ تو سارے عالم کے پروردگار ہیں تو خدا فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا لیکن تم نے اسے نہیں پلایا ! اگر پلاتے تو اسے میرے پاس پاتے ۔

ایک دوسری حدیث ہے

مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی (مسلم شریف)	مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی مثال ایک جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی جوڑ میں بھی کوئی شکایت ہوتی ہے تو سارا جسم درد و کرب سے بلبلا اٹھتا ہے ۔

ان حدیثوں سے واضح ہے کہ مذہب اسلام میں حقوق العباد کا کیا درجہ ہے ؟ اب ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام کے مجرب اور کامیاب نظام کے ہوتے ہوئے دوسرے نظام کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ گوارا بھی کریں لیکن اس صورت میں کیا مذہب و سیاست کو الگ الگ نہ ماننا پڑے گا ؟ ضرور ایسا ہوگا ۔ یہیں پر معاملہ ختم نہ ہوگا بلکہ اس نظام کے ساتھ وہ تمام کی تمام برکات نزول اجلال فرمائیں گی جو مہذب روس میں موجود ہیں، وہ تاریخ دور نہیں ہے جبکہ خود برادران اسلام بھی مذہب کا نام استکراہ سے لینگے ایسا ہونا بعید نہیں ہے بلکہ یقینی ہے ۔ ہندوستان میں اس کا بیج بلا تفریق مذہب و دین پڑ چکا ہے اگر فوراً اس کا سدباب نہ کیا گیا تو پھر سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑیگا ۔ کیوں نہیں مسلمان سرمایہ داری کا علاج اسی طریقہ پر کرتے جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل [illegible] جا چکا ہے یہ اشارات ہیں ۔ اگر ضرورت سمجھی تو کسی دوسری صحبت میں تفصیلیں بھی پیش کیجائینگی ۔

صدق ۔ تفصیل کی ضرورت یقینی ہے ۔

صدق کی سالانہ جلدیں

صدق کے مضامین اس قدر دلکش اور اسکا طرز انشا اتنا نادر و دلچسپ ہے کہ اس کے مضامین پرانے ہونے پر بھی ہر وقت نیا لطف دیتے ہیں ۔ دو جلدیں تیار ہیں ۔ شائقین جلد طلب فرمائیں

جلد اول بابت ۱۹۳۶ء قیمت ۔/۵ر

جلد دوم بابت ۱۹۳۷ء قیمت ۔/۵ر

(محصول ذمہ خریدار)

دفتر صدق لکھنؤ سے طلب فرمایئے

ہمارا رسم الخط

(اُردو، ہندی، لاطینی پر ایک تحقیقی نظر)

(۲)

اُردو رسم الخط اگرچہ فارسی رسم الخط سے لیکر بنایا گیا لیکن اسے بعینہٖ فارسی کا رسم الخط نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر نسبت اصل ہی کی طرف منظور رہے تو ہندی رسم الخط کو بھی سنسکرت بلکہ اور قدیم سامری رسم الخط کہا کیجیے کیونکہ تاریخ کا وسیع علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ناگری میں اپنا اس سے زیادہ نہیں جتنا اُردو رسم الخط میں اپنا اُردو کا حصہ ہے۔

جب اُردو کے لیے فارسی رسم الخط میں تغیر و تبدل کیا جا رہا تھا تو اُسوقت کے لوگوں نے بعینہٖ ان ہی خیالات کے ماتحت جو سنجیدہ مصلحین کے سامنے ہیں اس کام کو شروع کیا تھا۔ اور فارسی رسم الخط میں ضروری تغیرات کے بعد اسکی صلاحیت پیدا کر دی کہ ہماری زبان کے تمام مروجہ الفاظ اور ان دوسری زبانوں کے الفاظ کو جن سے ہمیں اپنے فرہنگ کی تکمیل کے لیے الفاظ لینے پڑتے ہیں نہایت آسانی کے ساتھ ادا کر سکے ہمیں اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ پچھلی صدیوں کے ہندوستانیوں کی یہ تجویز کس قدر کامیاب رہی اگر واقعۃً وہ کامیاب رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی نادانی اور کج فہمی سے یہ صدیوں کا سرمایہ اور ہندوؤں اور مسلمانوں اور کسی حد تک انگریزوں کا بھی ان قرنوں کا نتیجۂ عمل برباد کر دیں۔ اگر ہم نے اپنی نادانی سے کوئی انقلاب خط میں کر دیا تو اب تک کا سارا کارنامہ آیندہ نسلوں کے لیے سرمایۂ ادب نہیں بلکہ آثارِ قدیمہ کے نشانات ہو جائیں گے۔ اور کتابیں کتنی قیمتی کیوں نہ ہوں عجائب خانوں میں جگہ پائینگی۔

فرض کیجیے کہ ان آوازوں کے لیے کچھ نقوش وضع کر لیے گئے جبھی تو کسی رسم الخط میں جو آسانیاں مدنظر رکھی جاتی ہیں وہ صرف نقوش اور آواز کی مطابقت ہی تو نہیں ہوتی بلکہ رسم الخط میں اور کئی چیزیں غور طلب ہوتی ہیں اور ایک رسم الخط پر کئی حیثیتوں سے غور کیا جاتا ہے۔

تعلیم کی آسانیوں کے اعتبار سے۔

طباعت کی سہولت کے اعتبار سے

جگہ، محنت اور وقت کے اعتبار سے

ضرورت ہے کہ ہم اُردو اور ناگری دونوں رسم الخط پر ان تمام حیثیات سے غور کریں۔ پھر دیکھیں کون سا رسم الخط ہماری زبان اور ہمارے ملک کے لیے مفید، آسان اور کارآمد ثابت ہوتا ہے ورنہ ضد اور بالکل ہٹ میں پڑ کر ہم اپنے ملک کو نقصان پہونچانے کے سوا کیا پائیں گے۔ آج ہندی رسالوں کی جو روش ہے وہ اگر ایک نسل تک جاری رہی تو یقین فرمائیں کہ انگریزی زبان اور خط کو ہندوستان میں ضروری بنانے میں ان کا سب سے بڑا حصہ ہوگا۔ اور دو صوبوں نہیں بلکہ ایک ہی شہر کے دو آدمیوں میں خط و کتابت کے لیے انگریزی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ کیونکہ وہاں زبان جو ان رسالوں کے ذریعہ سے پیدا کی جا رہی ہے وہ ہندوستان کی عمومی زبان انشاء اللہ کبھی نہ ہو سکے گی۔ اور اُردو سے دشمنی جو ہمسیلن کے حصیلوں نے پیدا کی ہے وہ رسم الخط کو عوام سے چھڑانے میں اگر کامیاب ہو گئی ہے تو بتائیے کہ ایک شہر کے دو آدمی انگریزی کے سوا کس خط و زبان میں مراسلت کریں گے۔

دُنیا میں اگر زندہ رہنا ہے اور زندوں کی طرح اپنی زبان و قلم سے کام لینا ہے تو ٹھنڈے دل سے بغیر ضد اور غصہ کی آمیزش کے سوچیے اور غور فرمائیے کہ ہٹ اور تنگ ظرفی سے تعصب اور کینہ سے بلند و بالا رہ کر سوچیے کہ اس قسم کی تحریکیں اور کوششیں بالہٹ اور نقصان دہ ضد سے زیادہ کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟

اُردو اور ناگری دونوں خطوں پر مختلف حیثیتوں سے غور فرمائیے تفصیل بڑی فرصت اور وسعت چاہتی ہے اس لیے صرف بعض حیثیتوں سے اور وہ بھی بہت غیر تفصیلی طور پر اس صحبت میں کچھ عرض کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے ان میں بہت ہی تھوڑے نمونے پیش کیے گئے ہیں اس سے زیادہ کے لیے نہ تو مجھے فرصت تھی اور نہ گنجایش۔

آواز و حروف

سب سے پہلے نقوش اور آوازوں کی مطابقت کیجیے۔ لاطینی رسم الخط کا تو کوئی سوال ہی نہیں کہ وہ ہماری زبان کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ ناگری رسم الخط کو لیجیے۔ یہ رسم الخط بھی باوجود ترمیم و اضافہ کے ہماری زبان کی تمام آوازوں کو ادا نہیں کر سکتا۔ بلاشبہہ یہ تلسی داس جی کی رامائن اور عبدالرحیم خانخاناں کی ست سئی کی آوازیں کسی حد تک ادا کر سکتا ہے مگر سوچیے تو آج ہندوستان کی وہی زبان ہے جو اُسوقت تھی؟ آج اس باغ میں کیتکی اور کسم کے پھولوں کے ساتھ گلاب اور یاسمن، بلکہ کہیں کہیں ولایتی کروٹن بھی موجود ہیں۔ انھیں نکال کر الگ پھینک دینے کا خیال نادانی ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں ضرورت اور حالات کے مطابق دوسری زبانوں کے الفاظ ملتے رہتے ہیں۔ کوئی زبان اُنھیں یکدم نکال نہیں سکتی۔ ترکی میں، پچھلے بارسوں میں عربی و فارسی الفاظ کے نکال دینے کی بڑی کوشش کی گئی، ہزاروں اسکے اپنے ہو کر باقی رہ گئے۔ کوئی ترکی اخبار پڑھ کر دیکھ لیجیے، سیکڑوں الفاظ دوسری زبانوں کے ملیں گے۔ عربی جس پر دوسری زبانوں کا اثر نسبتاً کم پڑا ہے، فارسی اور دوسری زبانوں کے بیسیوں الفاظ اپنے ذخیرۂ لغات میں رکھتی ہے۔ غرضکہ اُردو سے بھی وہ اجنبی الفاظ جو اب اجنبی نہیں رہے بلکہ اسکے اپنے ہو چکے ہیں نکالے نہیں جا سکتے تو ضرورت ہے ایسے رسم الخط کی جو اُن تمام آوازوں کو جو اندرونی و بیرونی الفاظ کے اس مجموعہ کے لیے ملک میں رائج ہیں آسانی سے ادا کر سکے۔ اس ضرورت کے لیے ناگری رسم الخط کافی نہیں ہے۔

ناگری میں ۳۷ حروف صحیح و نیم ۱۶ حروف علت سوَر اور ۱۶ ماترائیں یعنی اعراب ہوتے ہیں۔ یہ کُل ۶۹ نقوش ہوئے۔ ان پر پانچ اُن حروف کا اضافہ کیجیے جو خ۔ ز، ژ۔ ف۔ ق۔ کی آوازوں کے لیے نقطے لگا کر بنائے گئے ہیں۔ کُل ۷۴ حروف تہجی ہوئے۔ اور اس اتنے بڑے مجموعہ

یں ل ۔ ہ ۔ اور ن ۔ ہ کی مرکب آواز کے لیے کونسی ترکیب ہے ۔ مثلاً لفظ ننھا اور لفظ کولھو میں ل کے ساتھ ہ کی اور ن کے ساتھ ہ کی مرکب آواز پیدا ہوتی ہے ۔ ناگری میں باوجود اس قدر کثیر حروف تہجی کے اسکے لیے کوئی سامان نہیں ہے ۔ آج کل جس طرح لکھتے ہیں وہ چیز و ... کا پرشاد شرما کی ڈکشنری ہندی شبد ... تمام ہجات سے نقل کرتا ہوں کولھو [illegible] اور ننھا [illegible] لیکن ان سے جو آواز پیدا ہونا چاہیے وہ کول ہو اور نن ہا ہے مرکب آواز نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اس لغت میں [illegible] ہندی میں دو ترکیب [illegible] یعنی بستر کے لیے دو ٹکڑے استعمال کیے گئے ہیں ۔ اصل میں ناگری حروف کے ٹکڑے صرف ان حروف کے ساکن ہونے کو بتانے ہیں مرکب آوازوں کے لیے الگ الگ حروف ہوتے ہیں جیسے کہ [illegible] گہ [illegible] وغیرہ ۔ مگر لام اور نون کے اس طرح سے مرکب آواز کے لیے کوئی حرف موجود نہیں ہے ۔

اسی طرح دکھاؤ، بلاؤ، یعنی اردو میں جو آواز ہمزہ اور واؤ سے ادا کی جاتی ہے اسکے لیے ناگری کا کوئی نقش موجود نہیں ہے ۔ ہمزہ اور واؤ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ یقیناً الف اور واؤ کے مرکب سے مختلف ہے لیکن ناگری رسم الخط میں کوئی سبیل اسکے ادا کرنے کی موجود نہیں یا دکھو یا دکھاؤ لکھنا پڑیگا ۔

س ۔ ص ۔ ث کی آوازیں اردو میں اگرچہ مختلف نہیں ہیں مگر ان میں معانی کے اعتبار سے بڑا فرق ہے ۔ اگر اس فرق کو ختم کرکے ناگری حرف [illegible] سے کام لیا گیا تو ہم اثیر اور اسیر کے باہمی فرق معانی سے محروم ہو جائیں گے ۔ اردو رسم الخط میں ض ۔ ث ۔ ص وغیرہ کے موجود ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے ابتداء سے اب تک بڑی آسانیاں رہی ہیں اور ہمارے فرہنگ میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں سے اس آسانی کے ساتھ منتقل ہوگئے کہ آج ہر اردو داں جو فارسی یا عربی سے بالکل ناواقف ہو وہ بھی ان الفاظ کی وجہ سے اپنے خیالات خوبصورت سلیس اور سلجھی ہوئی عبارت میں ادا کرنے پر قادر ہے ۔ بظاہر اگرچہ یہ ہم آواز حروف غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں مگر معانی کی وسعت اور الفاظ کی فراوانی کا جو صلہ ہمیں انکی وجہ سے ملتا ہے وہ رسم الخط میں ان حروف کے بوجھ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے ۔

یہ اردو زبان میں انوکھا عیب نہیں ہے بلکہ دنیا کی زبانوں میں اکثر و بیشتر یہ چیز پائی جاتی ہے ۔ ہمارے ایک فاضل انشا پرداز نے ابھی کچھ دن ہوئے لکھا تھا کہ وہ اب تک بعض الفاظ کی املا صحیح نہیں لکھ سکتے اور ص کی جگہ س لکھدیتے ہیں ۔ لیکن انکو شاید یاد نہیں رہا کہ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں الفاظ کے لیے مخصوص املا ہوا کرتی ہے ۔ انگریزی میں تو یہ بہت زیادہ ہے کہیں Ch کی آواز دیتا ہے اور کہیں K ۔ جیسے Char Tune ۔ ناگری میں بھی یہ بات اردو سے کچھ زیادہ پائی جاتی ہے [illegible] وغیرہ حروف ایک دوسرے کی جگہ نہیں استعمال کیے جا سکتے اور جیسے صندوق کے بجائے سندوق اردو میں غلط سمجھا جاتا ہے ناگری میں بھی [illegible] کے بجائے [illegible] غلط سمجھا جائیگا اور انگریزی میں بھی [illegible] کے بجائے [illegible] غلط سمجھا جائیگا ۔

(باقی)

کانگریسی اپنوں کی نظر میں

وقائع نگار "مدینہ" کے مشاہدات ۔

(سلسلۂ نمبر گذشتہ)

پنڈت جواہر لال نہرو نے زبان کے مسئلہ پر جو ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے اس میں یہ کہا ہے کہ شمالی ہندوستان میں عمومیت کے ساتھ جو زبان بولی جاتی ہے وہی ہندوستانی ہے خواہ اسے ہندی کہا جائے یا اردو ۔ مسٹر سوبھاش چندر بوس نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :—

"ہندی اور اردو کے درمیان جو فرق بتلایا جاتا ہے وہ اصلی نہیں بناوٹی ہے اور مصنوعی ۔ ہماری مشترکہ قومی زبان وہی ہے جو ملک کے ایک وسیع حصہ میں عموماً بولی جاتی ہے ۔ چاہے اسے اردو رسم الخط میں لکھا جائے یا دیوناگری رسم الخط میں"

لیکن ان تمام توضیحات کے باوجود آج کانگریس کے بیشتر رہنماؤں کی ذہنیت یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے حتی الامکان ہر اس لفظ کو چن چن کر نکال پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے عربی یا فارسی ہو پھر چاہے وہ روزمرہ کی عام گفتگو میں کتنا ہی عمومیت کے ساتھ استعمال کیوں نہ ہوتا ہو لیکن ان کی قومیت کا تقاضہ یہی ہوگا کہ اسکے بجائے کوئی سنسکرت کا لفظ بولیں ۔ چاہے انکی ذات کے سوا اور کوئی بھی اسے نہ سمجھ سکے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کانگریس کے پلیٹ فارم نہ صرف تمام تقریریں اسی جناتی زبان کو استعمال کیا جاتا ہے اور تحریری و زبانی تلقین کے ذریعہ اسی زبان کو ملک میں عام کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے ۔ مثال کے طور پر ہم ذیل میں اس قسم کے چند الفاظ کو درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ برادران وطن کی مسموم ذہنیت اس اصول سے کس قدر منحرف ہوتی جا رہی ہے جو زبان کے بارے میں خود انھیں کا پیش کردہ ہے ۔

آدھنک	بمعنے	ضروری
سوتنترتا	"	آزادی
پرانت	"	صوبہ
سبھتا	"	تہذیب
اُنتی	"	ترقی
شکشا	"	تعلیم
سدھانت	"	اصول
گھوشنا	"	اعلان
مت بھید	"	اختلافات
پرستاؤ	"	تجویز
سنشودھن	"	ترمیم
گرہن	"	منظور وغیرہ وغیرہ

ہم اپنے برادران وطن کو ایمان داری نیت کا واسطہ دیکر پوچھتے ہیں کہ

سوشلزم اور قانون الٰہی

(از مولوی داؤد اکبر صاحب - اصلاحی - مدرسۃ الاصلاح - سرائمیر)

بہت سے مسلم صاحبِ قلم حضرات نے مستقل طور پر سوشلزم کا پرچار اپنا مشن قرار دے لیا ہے اور اسی کو موجودہ فضا میں وہ ہندوستان کی نجات کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ یہیں تک بس نہیں کرتے بلکہ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ سوشلزم عین فطرت انسانی ہے اور عین مذہب اسلام ہے۔ چنانچہ ایک ذمہ دار بزرگوار تحریر فرماتے ہیں

"اسوقت دنیا میں دو سوال درپیش ہیں ایک سرمایہ داری کا اور دوسرا سوشلزم کا۔ سرمایہ داری اہل ثروت کے جاہ و حشم کو برقرار رکھتی ہے اور سوشلزم غربت دفع کرکے عام خوشحالی پیدا کرتا ہے۔ یہی فطرت انسانی اور تقاضائے بشریت ہے۔ مسلمانوں کا کلچر سوشلزم کو فوراً قبول کرلیتا ہے۔ اگر اس میں مسلمان اب تک پیچھے رہے تو ان عناصر کا قصور ہے جو انکے اندر پیدا ہوگئے ہیں"[1]

مندرجۂ بالا اقتباس سے حسب ذیل باتیں مترشح ہوتی ہیں

(۱) سوشلزم عین فطرت انسانی ہے

(۲) مسلمانوں کا کلچر اصول اشتراکیت کے ہم آہنگ ہے

(۳) مسلمانوں میں اشتراکیت کے عام عدم مقبولیت کی وجہ عناصر فاسدہ کا وجود ہے۔

یہ اقتباس ہم نے بغرض تردید ہی نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس سے مقصود محض مسلمانوں کا اس تحریک سے تاثر دکھلانا ہے۔ ورنہ اصل مقصود مسئلۂ اشتراکیت پر بحث و نظر ہے۔ اس لیے کہ اکثر حضرات نے بلا سوچے سمجھے اسے مسلمانوں کے لیے آب زلال ٹھیرالیا ہے۔ حالانکہ ان کا فرض تھا کہ اسے خوب الٹ پلٹ کر دیکھ لیتے کہ کہیں ان کی جماعت کے لیے یہ سم قاتل تو نہیں؟ زیادہ واضح لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ قرآن و سنت سے سوشلزم کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر تائید ہوتی ہو تو اسکے قبول کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہونا چاہیے، لیکن اگر اسکی تائید حاصل نہ ہو تو متفقہ طور سے اس کا قلع قمع کردینا چاہیے اور اسی کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں ہر طرح کی قومی و سماجی بیماریوں کا نسخہ موجود ہے۔

آغاز بحث سے پہلے مناسب ہوگا کہ سوشلزم کا مفہوم واضح کردوں تاکہ متعلقات بحث کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

سوشلزم کا مفہوم

سوشلزم یا اشتراکیت کا یہ مفہوم ہے کہ موجودہ مالکوں سے کل زمین اور اصل چھین کر کل قوم کی مشترک ملک قرار دی جائے اور ہر شخص صرف اجرت کما کر زندگی بسر کرے۔ بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا خاتمہ اس تحریک کے اصل الاصول میں ہے۔ اصول معاشیات میں ہے

"حاصل کلام یہ کہ انفرادی املاک کا طریقہ بند کرکے کل زمین اور اصل سرکاری ملک قرار دینا نیز تنظیم کا کام گورنمنٹ کے سپرد کرنا گویا زمینداروں، اصل داروں اور آجروں کے گروہ کو توڑتا۔ لگان سود اور منافع سرکاری تصرف میں دیدینا اور عوام کے لیے سوائے محنت و اجرت کے کوئی ذریعۂ معاش باقی نہ چھوڑنا اور تاکہ جدید نظام برقرار رہ سکے، کمائی سے تامین حیات اپنی اور اپنے کنبہ کی پرورش کرنا لیکن نہ اسکو بطور ورثہ پسماندوں میں منتقل کرسکنا نہ اس سے بطور عامل پیدائش کوئی کام لے سکنا یہ الفاظ مختصر کمائی کو محض دولت ناقابل انتقال قرار دے یہ سب تجاویز سوشلزم کی پیش کردہ ہیں"[2]

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ نظریۂ اشتراکیت میں دو پہلو ہیں ایک پہلو تو تخریبی ہے اور دوسرا تعمیری۔ یعنی ایک طرف تو وہ سرمایہ داری (انفرادی ملکیت) کے نظام کو ختم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اسکے بجائے ایک ایسا نظام جمہوری جاری کرنا چاہتی ہے جو متفقہ مساعی اور مشترکہ اقتدار پر مبنی ہو۔

بظاہر تو نظام اشتراکیت بہت ہی درست اور قرین عقل و قیاس معلوم ہوتا ہے اور جن دُور رس ذہنوں کی یہ پیداوار ہے وہ قابل مبارکباد ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ عہد نزول قرآن یا عہد رسالت میں بھی تو سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ تو پھر سرمایہ داری کے قلع قمع کرنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتراکیت کا نظام کیوں نہیں جاری فرمایا؟ حالانکہ اسوقت بظاہر اس کی سخت ضرورت معلوم ہوتی تھی تو ضرور ہے کہ اسکی کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔

سوشلزم خلاف فطرت ہے

اگر سوشلزم یا اشتراکیت فطرت انسانی کے مطابق ہوتی تو اسلام اس نظام کو ضرور اختیار کرتا۔ اس لیے کہ اسکا دعویٰ ہے کہ وہ عین فطرت انسانی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰) روم)	پس سیدھا کرو اپنے چہرہ کو دین کے لیے اس حالت میں کہ وہ بالکل ٹھیک ہے خدا کی فطرت ہے جس پر کہ اسنے پیدا کیا ہے لوگوں کو، خدا کے اس نظام تخلیق میں تغیر نہیں، یہی ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

مذکورہ بالا آیت کے اس ٹکڑے "لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" سے واضح ہے کہ مذہب اسلام عین فطرت ہے۔ حدیث شریف میں بھی اسکی تشریح وارد ہے۔ تو ضرور ہے کہ اگر سوشلزم انسانی فطرت

---

[1] روزانہ ہند - کلکتہ - ۱۲ مارچ ۱۹۳۸ء

[2] اصول معاشیات مطبعہ عثمانیہ - حیدرآباد - صفحہ ۲۶۶)

کے مطابق ہوتا تو یہی نظام شارع علیہ السلام نے بھی جاری فرمایا ہوتا۔ عقلاً بھی اشتراکیت کا غیر فطری ہونا سمجھ میں آتا ہے وہ اس طرح کہ یہ عام قانون فطرت ہے کہ دوسروں کی خاطر جد و جہد کرکے دولت حاصل کرنا ایک عاجنی استثنا و ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے انفرادی ملکیت توڑنے اور اندوختہ کو بطور اصل عمل پیدائش میں لگانے سے روکنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کاروباری دنیا میں تنزل ہو اور معاشی زوال ظہور میں آئے اس لیے کہ جب اندوختہ سے نہ تو تجارت کی جا سکیگی اور نہ وہ ورثہ بن سکے گا تو پھر لوگ کیوں پس انداز کرینگے۔ محض اتنی محنت کریں گے کہ اسکی اجرت سے ضروریات پوری ہو جائیں۔ نہ تو ان میں اسکا شوق ہو سکے گا کہ زیادہ سے زیادہ جائداد بنا لیں کہ انکی اولاد آرام سے زندگی گزارے اور نہ وہ کسی چیز کو کار خیر میں وقف کر سکتے ہیں اور نہ انکے پاس اتنی دولت ہی ہو سکتی ہے کہ اس سے کوئی دینی خدمت انجام دے سکیں۔ الغرض نظام اشتراکی غیر فطری ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب پر بھی اثر انداز ہوگا۔ روس میں آج کیا ہو رہا ہے؟ کیا لامذہبیت کا دور دورہ نہیں ہے؟ مزید ستم یہ کہ اس بغاوت کے باوجود بھی یہ نظام قریب قریب ناکام ہو چکا ہے۔

سوشلزم اور اسلام میں بنیادی فرق

جو لوگ قرآن پاک میں تدبر کرتے ہیں اُن سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مذہب نے اصلی کامیابی کل کی کامیابی قرار دی ہے۔ آج کی تمام کی تمام کامیابیاں اور سربلندیاں اسی سدرۃ المنتہیٰ کی زینہ ہیں۔ خانقت یا راست سب کی غایت کل ہی کی زندگی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون، وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعہدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ہو الفوز العظیم۔ (۱۱۱ - توبہ)	بیشک خدا نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور اُنکے مال خرید لیے ہیں کہ اُنکے بدلے اُنکو جنت دیگا یہ لوگ جان و مال کی پروا نہ کرکے خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس قتل کرتے ہیں اور کام آتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں۔ خدا سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنیوالا کون ہو سکتا ہے۔ پس اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشی مناؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے

مذکورۂ بالا آیت سے واضح ہے کہ مذہب کی نظر میں سب سے زیادہ عظیم الشان چیز کل کی کامیابی و سرفرازی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مذہب اسلام نے لوگوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کا کوئی نظام ہی نہیں بنایا۔ ہاں اس نے یہ تو نہیں کہا کہ لوگوں کی جائدادیں چھین لو، بلکہ انفرادی ملکیت باقی رکھ کر بھی اس نے ایسا نظام قائم کر دیا کہ اس کی برکت سے تمام لوگ مالا مال ہو گئے یہاں تک کہ کوئی سائل ملتا ہی نہ تھا۔ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر اسلام نے کونسا جادو پڑھا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات نے انکے اندر وہ روح پھونکدی تھی کہ آپ سے جاں نثاران اسلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی جائدادوں میں نصف کا مالک بنا دیا۔ مہاجرین و انصار کی مواخاۃ اس سلسلہ کی

نہایت روشن کڑی ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اتفاق و ایثار پر چند موثر نصیحتیں کر دی ہوں بلکہ ایک ایسا مرکز بھی قائم کیا جس سے ایک طرف تو حقوق الٰہی کی نشر و تبلیغ ہوئی اور دوسری طرف حقوق العباد کا بھی نہایت وسیع پیمانہ پر انتظام ہوا۔ یہی مرکز جب مسلمانوں سے کھو دیا تو انکا اجتماعی و معاشرتی نظام درہم برہم ہوگیا۔

چونکہ حقوق العباد کا فریضہ بہت ہی اہم ہے اس لیے شریعت نے اسکے لیے دو قسم کے اصول وضع کیے۔ ایک تو قانونی جو اصطلاح قرآن و سنت میں زکوٰۃ کے نام سے معروف ہے اور جسکا تعلق قومی بیت المال سے ہے اور دوسرا اخلاقی ہے جو ہر مسلم کی زندگی سے ہمہ تن تعلق رکھتا ہے وہ احسان و ہمدردی کا عام اخلاقی قانون ہے جسکی رو سے ہر مسلم کا فرض ہے کہ اپنے بھائی کے درد دکھ میں شریک ہو، خواہ وہ کہیں کا باشندہ ہو، کسی نسل کا ہو، کالا ہو، یا گورا ہو۔ صحابہؓ کی مقدس زندگیاں ان دونوں دولتوں سے مالا مال تھیں۔ یعنی ایک طرف تو وہ سالانہ ٹیکس ادا کرتے تھے اور دوسری طرف ہمہ تن ایک بھائی دوسرے بھائی کے لیے جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار رہتا۔ اسکی اہمیت کا تھوڑا بہت اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر حقوق اللہ کا ذکر حقوق العباد سے موخر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

وہدیناہ النجدین فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیماً ذا مقربۃ او مسکیناً ذا متربۃ ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ (۱۰ - ۱۷ - بلد)	اور اسکو دو راستے دکھا دیے پھر بھی وہ گھاٹی میں نہیں گھسا۔ تمھیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے، گردن چھڑانا یا بھوک کے دن تیمیم رشتہ دار خاک نشین کو کھانا کھلانا پھر ہو گیا اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور اُنھوں نے باہم ایک دوسرے کو وصیت کی صبر و مواساۃ کی۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اخلاقی قانون کی رعایت کتنی ضروری ہے، چنانچہ ایمان کو اس کے بعد ذکر کیا ہے۔ حدیث قدسی ملاحظہ ہو۔

عن ابی ہریرۃؓ ان اللہ یقول یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال یارب کیف اعودک وانت رب العالمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما علمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ یا ابن آدم استطعمتک فلم تطعمنی قال یارب کیف اطعمک وانت رب العالمین قال اما علمت انہ استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہ اما علمت انک لو اطعمتہ لوجدت ذلک عندی یا ابن آدم استسقیتک فلم تسقنی قال یارب کیف	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا اے آدم کے بیٹے (انسان) میں بیمار پڑا پس تو نے میری عیادت نہیں کی تو وہ کہے گا اے بار الٰہا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا آپ تو ساری دنیا کے پروردگار ہیں، خدا فرمائیگا کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا پس تم نے اُس کی عیادت نہ کی، تمھیں یقین ہونا چاہیے کہ اگر تم اسکی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے اے انسان میں نے تم سے کھانا مانگا، پس تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تو وہ کہیگا کہ اے بار الٰہا میں آپ کو کیسے کھلاتا آپ تو سارے جہان کے پالنے والے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

سورۂ آل عمرانؔ رکوع (۱)

مدنی - ۲۰ - رکوع - ۲۰۰ آیات

(سلسلۂ صدق ملاحظہ و اقبل)

از عبدالماجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — شروع ساتھ نام اللہ کے، نہایت رحم والا، بڑا مہربان

۱- الٓمّٓ — الف - لام - میم

۲- اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم — اللہ کہ اُسکے سوا کوئی خدا نہیں۔ زندہ ہے، اور سب کا سنبھالنے والا ہے۔

۳- نزّل علیک الکتٰب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ وانزل التورٰیۃ والانجیل من قبل ہدًی للناس وانزل الفرقان ان الذین کفروا بآیات اللہ لہم عذاب شدید، واللہ عزیز ذو انتقام۔ — (اُس نے) نازل کی ہے تجھ پر کتاب، ساتھ سچائی کے، تصدیق کرنے والی انکی جو اس سے پہلے آچکی ہیں۔ اور (اس نے) اُتارا تھا توریت و انجیل کو (اسکے) قبل، لوگوں کی ہدایت کے واسطے، اور (اُسنے) اُتارا فرقان۔ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں سے، اُنکے لیے ہے عذاب سخت۔ اور اللہ ہے زبردست، بدلہ لینے والا۔

۴- ان اللہ لا یخفٰی علیہ شیء فی الارض ولا فی السماء — یقیناً اللہ (ایسا) ہے کہ نہیں چھپتی ہے اُس سے (کوئی) چیز، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

۵- ہو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء، لا الہ الا ہو العزیز الحکیم — وہ ایسا ہے کہ تمہاری صورت بناتا ہے رحموں کے اندر، جس طرح چاہتا ہے، کوئی خدا بجز اُسکے (نہیں)، وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

۶- ہو الذی انزل علیک الکتٰب منہ آیات محکمات ہن — وہ ایسا ہے کہ اُتاری اُس نے تجھ پر کتاب، اُس میں آیتیں ہیں محکم، اور

۱ه جنوبی عرب میں ایک علاقہ نجران کا ہے۔ عہد نبوت میں یہاں عیسائی آباد تھے۔ سنہ ۹ھ میں انکے چودہ مشاہیر، بصورت وفد، رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دوران گفتگو میں مسیحی عقیدۂ تثلیث و ابنیت کی لغویت ان لوگوں پر پوری طرح واضح کردی۔ سورہ میں جا بجا اسی طرف اشارات ہیں۔

۲ه اللہ اور رحمٰن اور رحیم، پر مفصل حواشی آغاز سورۂ فاتحہ میں گزر چکے۔ اسلام کی اس توحیدی بسم اللہ کے مقابلہ میں مسیحیت کی [illegible] ملاحظہ ہو:—

"شروع ساتھ نام باپ اور بیٹے اور روح القدس کے۔"

۳ه حاشیہ آغاز سورۂ بقر میں گزر چکا۔

۴ه نہ بحیثیت اقنوم نہ اور کسی حیثیت سے۔ اُس ایک خدا کا شریک نہ کوئی ذات میں ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ بعض ایسے مذہب بھی ہوئے ہیں، جو معبود برحق تو ایک ہی خدائے اعظم کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی وجود اور بھی چھوٹے چھوٹے خداؤں کا تسلیم کرتے ہیں۔ آیت میں اس کی تردید آگئی ہے، علاوہ مسیحیت کے ان تمام ادیان باطلۂ شرکیہ کی۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ سورہ بقر کی آیت ۲۰۰ پر۔

۵ه زندۂ جاوید ہے، جس پر فنا و موت طاری ہونے کا کبھی امکان ہی نہیں۔ برخلاف مسیحیوں کے خدا کے، جسے صلیب پر موت آگئی، اور بخلاف بعض مشرک قوموں کے اُن خداؤں کے جو ہر سال آغاز موسم بہار میں مرتے اور نئے سر سے جیتے رہتے ہیں۔ اور بخلاف اُن مشرک و ملحد قوموں کے خداؤں کے، جو ایک قالب میں مر کر، پھر کچھ روز بعد دوسرے قالب میں نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ جامع لفظ "حی" نے ان سب خرافات سے خدائے اسلام کو منزہ بتا دیا۔

۶ه جو بذات خود قائم اور ساری مخلوقات کو سنبھالے ہوئے ہے، نہ یہ کہ وہ خود کسی اور کے سہارے کا محتاج ہو۔ اس میں رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا، کہ جس طرح بیٹا، بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں، اُسی طرح باپ، بغیر بیٹے کے، تنہا خدا نہیں"! (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد [illegible] صفحہ ۵۳۶) نیز رد ہے اُن مشرک قوموں پر، جو خدا کو کسی اور موجود سے پیدا شدہ مانتے ہیں۔

۷ه (لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً) یہاں لفظ 'نزّل' ہے جسکا مصدر تنزیل ہے، جو قرآن مجید کے لیے بکثرت آیا ہے، بخلاف 'انزل' کے، جسکا مصدر 'انزال' ہے، جو سارے قرآن میں، بجز ایک موقع کے، دوسری کتب آسمانی کے لیے آیا ہے۔

۸ه (اے ہمارے پیغمبر!)

۹ه یعنی قرآن۔

۱۰ه یہاں لفظ 'حق' ہے، جسکے اندر حکمت، مضبوطی، دلائل سب کا مفہوم آگیا۔

۱۱ه یعنی اُن کتب آسمانی کی۔

۱۲ه واضح ہے کہ قرآن تصدیق کرتا ہے "توریت" کی، کہ اُس مجموعۂ صحف کی جسے آج [illegible] کتاب بتا رہے ہیں، جسکا ہر صحیفہ کسی نہ کسی کی جانب منسوب ہے، اور جسکے کسی ایک صحیفہ کے بھی لفظاً منزل من اللہ ہونے کا مدعی کوئی یہودی نہیں! ملاحظہ ہو حاشیہ زیر آیت [illegible] سورۃ البقر۔

۱۳ه یہ انجیل، جس کی تصدیق قرآن کرتا ہے، وہ کتاب ہے، جو نازل ہوئی تھی حضرت مسیحؑ پر، نہ کہ حضرت مسیحؑ سے متعلق گمنام و بے نشان، مختلف لوگوں کی جمع کی ہوئی، روایات و حکایات جنھیں آج عیسائی عہد جدید کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اور جسکے متعلق، خود اُنھیں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مجموعہ

"حواریوں کے عہد میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہو گیا"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۳، صفحہ ۵۱۳، طبع چہاردہم)

اس تصریح سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ موجودہ [illegible]

أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

اور یہی اصل مدار ہیں کتاب کا [۲۹]، اور دوسری (آیتیں) متشابہ ہیں [۳۰]۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ اُسکے [۳۱] اُس حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے [۳۲]، شورش ڈھونڈھنے کی غرض سے [۳۳]، اور اُسکا (غلط) مطلب ڈھونڈھنے کی غرض سے [۳۴]، درانحالیکہ نہیں جانتا کوئی مطلب (صحیح) ان کا بجز اللہ کے۔ اور جو لوگ پختہ [۳۵] ہیں علم میں [۳۶]، وہ کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہم اس پر [۳۷]، (وہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے [۳۸]، اور نصیحت قبول کرتے ہیں، وہی لوگ اہل عقل ہیں [۳۹]۔

۸ - رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ

اے ہمارے [۴۱] پروردگار کج نہ کر ہمارے دلوں کو بعد اسکے کہ تو ہمیں راہ دکھا چکا [۴۲]، اور عطا کر ہمکو اپنے پاس سے رحمت [۴۳]، یقیناً تو بڑا عطا کرنیوالا ہے [۴۴]۔

۹ - رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ

اے ہمارے پروردگار، یقیناً تو (تمام) آدمیوں کو جمع کرنے والا ہے [۴۵] اُس دن، جس میں ذرا شک نہیں [۴۶]، یقیناً اللہ خلاف نہیں کرتے وعدہ کو [۴۷]۔

۱۲ عہد موسیٰ اور عہد عیسیٰ میں، انکی امتوں کے لیے۔

۱۳ فرقان کے لفظی معنی تو حق کو باطل سے ممتاز و جدا کرنے والی چیز کے ہیں۔ یہاں اہل لغت و اہل تفسیر نے مختلف معنی لکھے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے۔ اور بعض کے خیال میں کل کتب آسمانی، اور بعض کی رائے میں معجزات و دلائل نبوت، جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہے ہیں۔

۱۶ (باوجود تبلیغ کے) آیات سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں، اور نشانیاں یعنی شواہد و دلائل توحید بھی۔

۱۷ آخرت میں یقیناً اور دنیا میں احتمالاً۔

۱۸ ہر سزا پر قادر، اور سب سے بالادست و قوی تر۔ مسیحیوں اور مشرکوں کا خدا نہیں، کہ انسانی قالب اختیار کرکے طرح طرح کی کمزوریوں کا شکار بن جائے، یہاں تک کہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر سولی پر بھی لٹک جائے!

۱۹ رحیم ہونے کے ساتھ ہی عادل بھی ہے اور صفت عدالت کا ظہور مجرموں کے مقابلہ میں سزا و انتقام ہی سے ہو سکتا ہے۔ جن مذاہب نے خدا کو صرف رحیم ہی مانا ہے، انکا خدا ناقص ہے۔

۲۰ علاوہ مذاہب شرکیہ کے، بعض نادان حکما، یونان کا بھی یہ عقیدہ رہا ہے، کہ خدا کا علم صرف کلی ہے، جو ایک صورت علم ناقص کی ہے۔ اسلام نے علی الاعلان بتایا کہ علم باری ہر حیثیت سے کامل، اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی ہے۔ آسمان و زمین کا نام اس لیے لیا گیا، کہ علم انسانی کی وسعت تو انھیں حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً عیسائیوں سے بھی خطاب ہو گیا کہ تم جو مسیح کو خدا مانتے ہو، تو بتاؤ، انکا علم کامل کہاں تھا؟

۲۱ (اے انسانو!) ۲۲ (تمہاری ماؤں کے)

۲۳ خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے، غرض ہر طرح جس طرح اُسکا علم کامل، محیط کل، و غیر محدود ہے، اُسی طرح اُسکی قدرت تخلیق غیر محدود و نامتناہی ہے۔ انسان کو اس کی حد بندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔

۲۴ وہ جو چاہے کرے۔ ۲۵ ہر طریق تخلیق و پیدائش پر قادر ہے۔

۲۶ جو صورت جہاں قرین حکمت و مصلحت ہوتی ہے، وہاں اختیار کرتا ہے۔

۲۷ (اے پیغمبر!)

۲۸ جن کے اندر کسی قسم کا اشتباہ و اشکال نہیں۔

۲۹ یہاں یہ اصول بیان کردیا گیا، کہ متشابہات کو محکمات پر پیش کرنا چاہیے محکمات بطور معیار رکھے ہیں۔

۳۰ جسکے مختلف معنی، اور مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔

۳۱ (اور محکمات سے قطع نظر کرلیتے ہیں)

۳۲ (عقائد و احکام دین میں)

۳۳ تاکہ اُس سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں۔

۳۴ (پھر وہ جسکو بتلانا چاہیں، قرآن ہی سے یا رسول کے ذریعہ سے صراحۃً یا اشارۃً بتلا دیں)

۳۵ (اور صاحب فہم سلیم)

۳۶ علم میں یعنی علم دین میں)

۳۷ پس متشابہات کے جو کچھ بھی معنی ہوں، حق ہیں)

۳۸ یعنی سارا قرآن، خواہ اس کے معنی ظاہر ہوں، اور خواہ معنی میں خفا ہو۔

۳۹ (اور اس لیے اس میں باہم تضاد و تخالف ہو نہیں ہو سکتا۔ سارے کا سارا عین حق ہے)

۴۰ اور عقل و فہم سے دین کے باب میں کام لیا کرتے ہیں۔

۴۱ یہاں سے دعا ہے راسخون فی العلم، علم دین میں پختہ کاروں کی زبان سے، جو اپنے رسوخ و پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے، بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے ہی رہتے ہیں۔

۴۲ (یہ خلاف یہود و نصاریٰ کے، کہ کتاب پاکر بھی گمراہ ہو گئے۔)

۴۳ یعنی اسی صراط مستقیم پر قائم رکھ)

۴۴ (اس لیے اس درخواست کا منظور کرلینا تیرے لیے کیا مشکل ہے)

۴۵ (حساب کے لیے میدان حشر میں)

۴۶ مومنین کی یہ دعائیں، خوف آخرت سے ہیں، کسی دنیوی مادی غرض سے نہیں۔

۴۷ اس لیے قیامت کا آنا برحق، اور بندوں کو اسکی یاد اور اسکا اہتمام ضروری۔ یہاں سے رد ہو گیا ان مشرک قوموں کا، جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا وعدہ کرکے بھول بھی جاتا ہے، یا اُس وعدہ کا پورا کرنا اُسے خلاف مصلحت نظر آتا ہے!

شمالی ہندوستان میں عموماً جو زبان بولی جاتی ہے کیا اُس میں گھوشن، سدھانت، اُنتی، سوتنترتا، اور آتنک جیسے الفاظ مستعمل ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ کیا ہے کہ نہ صرف غیر ذمہ دار افراد کی زبان سے بلکہ سوبھاش چندر بوس، سردار پٹیل، جے رام داس، دولت رام، اچاریہ کرپلانی، جمنا لال بجاج، اور شریمتی ستیہ وتی، جیسے ذمہ دار اربابِ کار کی زبان سے بھی یہی الفاظ ادا ہوتے ہیں؟

مسلمانوں سے الگ تھلگ رہنے کا یہی وہ زہریلا رجحان ہے، جو آجکل ہماری سیاسی فضا کے تکدر کا اصلی سبب بنا ہوا ہے۔ پھر یہ رجحان صرف غیر تعلیم یافتہ عوام یا تعصبوں اور لگاؤوں کے جاہلوں میں نہیں پایا جاتا بلکہ یہ بہت زیادہ تر ان لوگوں پر سوار ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ قیادت و رہنمائی کی ذمہ دار حیثیتوں کے مالک بھی سمجھے جاتے ہیں۔ بعض اہل الرائے حضرات کا یہ خیال ہے کہ

"اگر آج ہندو مسلمانوں کے درمیان مذہب کا قدم نہ ہو تو یہ گتھی نہایت آسانی سے سلجھ سکتی ہے۔ کیونکہ اُسوقت نہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ مسلمان گائے کا گوشت کھاتا ہے اور ملیچھ ہے، نہ مسلمان یہ کہے گا کہ ہندو سنکھ بجاتا ہے اور کافر ہے۔"

لیکن اگر آپ آجکل کے سیاسی رہنماؤں کا جائزہ لیں گے تو آپ کو نظر آئیگا کہ مسلمانوں سے الگ تھلگ رہنے کی یہ مسموم فضا اُن افراد میں شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے جو خود کو سوشلسٹ کہتے ہیں اور دن رات خدا اور مذہب پر تبرا بھیجتے رہتے ہیں۔ اور [illegible] یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں قدیم ہندو تہذیب و [illegible] دیکھنے کے آرزومند ہیں [illegible] چکے ہیں کہ گزشتہ بارہ سو سال کے اُس [illegible] ہندوستان کی تاریخ کے ساتھ جڑا ہوا نظر آتا ہے [illegible] دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی یہ خواہش نہایت احمقانہ اور [illegible] طفلانہ ہے وہ نہ تو اُن [illegible] کو مٹا سکیں گے [illegible] جو ہندو مسلمانوں کی باہمی معاشرت سے ہندوستان میں پیدا ہو چکے ہیں اور نہ آئندہ میل جول [illegible] کو روک دینا انکے بس کی بات ہے۔

الغرض اسوقت ہندو مسلمانوں کے درمیان جو امور مابہ النزاع ہیں اُنکی اصلی وجہ درحقیقت یہ [illegible] اور کچھ نہیں ہے بلکہ وہ ہندوؤں کی وہ ذہنیت ہے جو مسلمانوں کے حد اقل [illegible] ہندوستانی قومیت کا جزو سمجھنے سے انکار کرتی ہے اور انکی ہر چیز کو "غیر ہندوستانی" یا "غیر قومی" کے لفظ سے تعبیر کرکے اُسے اپنانے کو قوم پروری کے منافی سمجھتی ہے۔ جب تک اس ذہنیت کی اصلاح نہ ہوگی تحفظ اقلیت کی لاکھوں تجویزیں بھی ہندو مسلمانوں کو ایک محاذ پر مجتمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گی۔

زیادہ واضح لفظوں میں ہماری گزارش کا مطلب یہ ہے کہ ہندو رہنما اُردو زبان کو مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قومی زبانوں میں سے ایک زبان سمجھیں۔ علیٰ ہذا القیاس مسلمانوں کے اُس مخصوص فن تعمیر کو جسے "مغل فن تعمیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے، موسیقی کے اُن تغیرات کو جو مسلمانوں کے ساتھ میل جول کر رہنے سے پیدا ہوئے ہیں، رہنے سہنے کے اُس انداز جو مسلمانوں کی معاشرت سے اثر پذیر ہو کر بنا ہے، تاریخ ہند کے اُن ہیروؤں کو جو مسلمانوں کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں، زبان و ادب کی اُن خصوصیتوں کو جو ہندو مسلمانوں کے امتزاج سے پیدا ہوئی ہیں ——— غرضکہ اس قسم کی تمام چیزوں کو جو ان دونوں فرقوں کے طویل ربط و ضبط سے معرض وجود میں آئی ہیں صرف مسلمانوں سے تعلق رکھنے والی چیزیں نہ سمجھیں بلکہ اُنھیں ہندوستانی قومیت کا جزو قرار دے کر اُن سے بھی اسی طرح محبت کریں جس طرح وہ قدیم ہندوستان سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے کرتے ہیں اور ان کی ترقی اور نشوونما میں حصہ لینا بھی اپنا قومی فریضہ سمجھیں۔

لیکن آج تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ہندو اُردو کی حمایت میں ایک آدھ جملہ کہہ دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اُس نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔ اکبر کی تعریف میں اگر دو ایک جملے لکھ دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کے سر پر احسان کا ایک چھپر رکھ دیا۔ تاج محل کے فن تعمیر یا عہد مغلیہ کے فن تصویر کشی کی مدح سرائی میں جب کبھی رطب اللسان ہوتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا سلوک کیا۔ حالانکہ اُسے یہ سمجھنا چاہیے کہ آج یہ چیزیں خود اُس کی بھی اُتنی ہی ہیں جتنی مسلمانوں کی، یہ چیزیں فرقہ وارانہ نہیں ہیں، بلکہ قومی ہیں، لیکن اگر انکو فرقہ وارانہ سمجھا گیا اور من حیث القوم ہر ہندوستانی نے ان کی حفاظت کو ضروری نہ سمجھا تو قدرۃً ان چیزوں کے فنا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جسکے بعد مسلمانوں کی حیثیت ہندوستان کے قومی وفاق میں بالکل بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ پس اگر کانگریس درحقیقت دیانتداری کے ساتھ ہندو مسلم نزاع کو دور کرنا چاہتی ہے تو اُسے چاہیے کہ

(۱) بیسیوں ہندو رہنماؤں میں مسلمانوں سے الگ تھلگ رہنے کی جو ذہنیت پیدا ہو رہی ہے اُسے دور کرے۔

(۲) گاندھی جی اور اُنکے پرستاروں کے مذہبی اور روحانی "جوش و خروش" کو کانگریس میں اُجاگر نہ ہونے دے۔

(۳) گئو سیوا جیسی تحریکوں پر کانگریس کے پنڈال سے کوئی آواز بلند نہ ہونے دے۔

(۴) کانگریس کے پلیٹ فارم سے وہی ہندوستانی زبان بولی جائے جو عموماً شمالی ہند میں مستعمل ہے۔ خواہ مخواہ سنسکرت کی جناتی الفاظ کی بھرمار نہ کی جائے۔

(۵) کانگریس کے ہر مظاہرہ، اجتماع، نمائش اور تصنیف و تالیف وغیرہ میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن وغیرہ کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا جا سکے۔

(مدینہ)

(۳) کانگریس کی زبان "ہندستان" (لکھنؤ) کا تبصرہ۔

شہر سے پچاس میل کے فاصلہ پر، ریلوے اسٹیشن سے گیارہ میل دور تاپتی کے کنارے ایک میدان میں تین میل لمبا ایک شہر وٹھل نگر کے نام سے آباد ہوا اور ایک ہفتہ کی چہل پہل کے بعد دنیا کے پردہ سے اُٹھ گیا۔ بجلی کی روشنی، پانی کے نل، پکی سڑک، سبزہ اور پھول، بڑے بڑے پھاٹک تصویروں سے آراستہ، جھنڈوں کے لیے بنائے گئے، اور پھر اکھاڑ دیئے گئے۔

دو سال سے کانگریس کا سالانہ گاؤں میں ہوتا ہے۔ کاش ہمارے دیہات میں دھلی نگر کا ہزارواں حصہ بھی رونق اور چہل پہل ہوتی۔ اگر دیہات میں کانگریس کا اجلاس اس لیے ہوتا ہے کہ شہروں میں رہنے والے سیاسی کارکن دیہات والوں کے حالات، انکی مصیبتوں اور انکی زندگی سے واقف ہوں تو یہ بات تو وہ کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں اگر اسکا مقصد یہ ہے کہ دیہات والے شہروں کی زندگی اور چہل پہل کی ایک جھلک دیکھ لیں تو اس میں تھوڑی سی کامیابی ضرور ہوئی۔ کسانوں کی اچھی خاصی تعداد اس جگمگاتے ہوئے نگر میں آئی اور تہذیب کے کرشموں کو حیرت سے دیکھ کر اپنے بھونڈے، گندے اور اندھیرے گاؤں کو لوٹ جاتی۔ لیکن یہ بات تو اس سے اچھی طرح ادا ہو سکتی تھی اگر کانگریس کا اجلاس بجائے اس نقلی شہر کے کسی اصلی شہر میں یا اسکے قریب کیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تماشہ پر ساڑھے سات لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ اس غریب ملک کو آزاد کرانے اور غریبی سے نجات دلانے والی جماعت اپنے سالانہ اجلاس پر اتنی بڑی رقم خرچ کرے، تعجب کی بات ہے۔ پھر یہ بھی نہیں ہوا کہ اس رقم کا بڑا حصہ دیہات والوں کو ملتا۔ یہ شہر والوں کا لگایا ہوا روپیہ شہر والوں ہی کی جیب میں واپس چلا گیا۔ مجلس استقبالیہ کو آمدنی خوب ہوئی اور ممکن ہے کہ حساب لگانے پر معلوم ہو کہ منافع بھی ہوا۔ لیکن کیا کانگریس اپنا اجلاس اس لیے کرتی ہے کہ اسکو مالی نفع ہو؟ یہ تو سیاسی تحریک نہیں ہوئی، تجارتی کاروبار ہو گیا۔

بزم ہمدردان صدق

اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ سچائی کی شمع فروزاں کو گل کرنے کے لیے ہر طرف سے باد مخالف چل رہی ہے کچھ بندگان خدا ایسے بھی ہیں جو اسکو جاگزیں رکھنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے حضرات ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ موجود رہیں گے۔

ذیل میں ان اصحاب کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے صدق کی گزشتہ اپیل پر توجہ فرمائی اور اپنے حلقۂ احباب میں صدق کے لیے نئے خریدار مہیا کیے ہیں۔

جناب مولوی غضنفر علی صاحب	حیدرآباد	ایک خریدار
جناب منشی محی الدین صاحب	سہارنپور	دو خریدار
جناب مولوی عبد الحمید صاحب	بھٹکل	دو خریدار
جناب مولوی محمد مرتضی علی صاحب	دہلی	ایک خریدار

فجزاہم اللہ خیر الجزاء

اگر اسی طرح دوسرے شائقین صدق بھی توجہ فرمائیں تو انشاء اللہ صدق کو مالی دشواریوں کا سامنا نہ ہو۔

خاکسار، مہتمم صدق

سرمایہ شکن سرمایہ دار

ہمارے اشتراکی نوجوان زبان سے سوشلزم کا گیت گاتے ہیں مگر عملاً ان میں اور سرمایہ داروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انکی دلچسپ زندگی کا اگر مطالعہ کرنا ہو تو انکے لیڈروں کے بنگلوں اور کمروں کا جائزہ لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ بجلی کی روشنی میں، بجلی کے پنکھوں اور نفیس صوفوں پر بیٹھ کر اور نرم نرم گدوں پر لیٹ کر اشتراکی لٹریچر کا مطالعہ فرما رہے ہیں اور باہر نکل کر اشتراکیت پر پرجوش اور مالکیت شکن تقریریں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اشتراکی ہیں اور ہندوستان کو بھی اشتراکی بنا کر چھوڑیں گے! کتنا بڑا دھوکا ہے اور کتنا کھلا فریب ہے۔ جس شخص کی پوری زندگی سرمایہ دارانہ ہو اور جو موٹر اور ریل میں فرسٹ کلاس کے سوا سفر نہ کرتا ہو اور نہ کبھی کسی مزدور کو اپنی موٹر میں بٹھانے کا روادار ہو وہ اشتراکیت کا حامی بنا پھرتا ہے۔ اور جس سرمایہ داری کی وہ مذمت کرتا ہے، اپنے بنگلے کے اندر اسی کی گود میں پرورش پاتا ہے! کیا یہی اشتراکیت اور مساوات ہے؟ کیا اسی طریقہ سے دنیا کے مزدوروں اور کسانوں کو سرمایہ داری کے خلاف کھڑا کیا جا سکتا ہے؟

(انصاری)

تصانیف جناب مدیر صدق

مذہبی

تصوف اسلام۔ خالص اسلامی تصوف کا بیان، قدمائے صوفیہ کے حالات و تعلیمات۔ طبع ثانی۔ باضافۂ کثیر۔ قیمت [illegible]

فیہ ما فیہ (فارسی) ملفوظات مولانائے رومی۔ مع تبصرہ و دیباچہ و مقدمہ۔ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت [illegible]

سفر حجاز۔ عازمین حج کے لیے بہترین رہنما، نقشی، تاریخی، ادبی، ہر حیثیت کا جامع۔ دیباچہ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ حجم ۲۴۱ صفحے۔ قیمت [illegible]

فلسفیانہ

فلسفہ جذبات۔ مشہور و معروف کتاب۔ طبع ثالث، باضافۂ کثیر۔ حجم ۲۳۰ صفحے۔ قیمت [illegible]

مبادی فلسفہ (حصہ اول) یا فلسفہ کی پہلی کتاب ۱۸۵ صفحے عمر

مبادی فلسفہ (حصہ دوم) یا فلسفہ کی دوسری کتاب ۱۸۵ صفحے عہ

ترجمہ مکالمات برکلے۔ مع دیباچہ و مقدمہ وغیرہ ۱۴۰ صفحے عمر

ادبی

مثنوی بحر المحبت (مصحفی) مع تبصرہ و مقدمہ وغیرہ ۸۶ صفحے ۸ر

ملنے کا پتہ

منیجر دار المصنفین۔ اعظم گڑھ

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر صدق۔ مرشد آباد گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ: - دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے
ہر انگریزی مہینے کی پہلی اور پندرہویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۴ | لکھنؤ - ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۹ء | جلد ۴

سچی باتیں

مدتوں پیشتر، سرزمین شام پر، دریائے یردن کے کنارے، اہل حق و اہل باطل کے درمیان معرکہ درپیش ہے۔ اہل حق، حسب دستور، مظلوم۔ اہل باطل، حسب معمول ظالم۔ اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی اور غنیم کی کثرت افواج اور ساز و سامان دیکھ، مظلوم گھبرا اُٹھے، اور دل و دماغ کی مرعوبیت زبان پر یہ فقرہ لائی،

لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ | آج ہم میں اتنی سکت کہاں، کہ جالوت اور اُسکے لشکر جرار سے مقابلہ کر سکیں!

سردار نے کہا کہ دیکھو، ہمت نہ ہار، یہی وقت امتحان کا ہے۔ صبر و ضبط، ثبات و استقامت کی آزمائش کی یہی گھڑی ہے۔ پیاس کی شدت میں یہ نہ کر بیٹھنا، کہ بہتے ہوئے دریا کو دیکھ سب اُسی پر ٹوٹ پڑو، اور لگو پیٹ بھر بھر کر پانی پینے۔ ہاں ایک آدھ چلو پی لینے میں، بقدر ضرورت شدید، مضائقہ نہیں ——— حکم یہ تھا، حکم کی تعمیل کرنے والے، بس چند ہی ہمت والے جوان نکلے، اور معرکہ انہی نے جیتے!

قصہ، افسانہ نہیں، حالات حاضرہ کی ہو بہو تصویر ہے۔ ملت اسلامیہ کے سامنے آج بھی مہیب و دیوپیکر جالوت، مع اپنے بے گنتی لشکر اور بے حساب ساز و سامان کے کھڑا ہوا ہے۔ دل اس فکر و فن سے مرعوب، دماغ اس قوت، عظمت، شان و شوکت، زیب و زینت کے آگے مفلوج، معاشیات، سیاسیات اور آرٹ کی اصطلاحوں کے آگے ہتھیار ڈالے ہوئے۔ لڑنے کی قوت، مقابلہ کی سکت کس میں؟ زیادہ سے زیادہ زبانوں پر یہی آواز، کہ "جہاں تک ممکن ہو، حالات کا ساتھ دو، اپنے کو زمانہ کے مطابق بناؤ"۔ اور "حالات" یا "زمانہ" سے ہمیشہ مراد، روس کا یا انگلستان کا یا خود امریکہ کا نقشہ زندگی! ——— جالوت اور لشکر جالوت ہی کسی عنوان کے ساتھ! ——— جاہ و منصب کا، عہدوں اور وزارتوں کا، ترقیوں کا، کامیابیوں کا، بہتا ہوا دریا، اُسی طرف، اور اُسے خوب چھک کر پینے کی ہوس ہر دل میں۔ ہر زبان اسی پیاس میں باہر نکلی ہوئی۔ متاع الدنیا قلیل کی صدائے غیبی آج بھی کانوں میں آ رہی ہے کہ "خبردار، ان ظاہری لذتوں اور نمائشی راحتوں پر نہ جھک پڑنا، تمہارا اپنا نصب العین زندگی جو موجود ہے، اس کی آن میں سرمو فرق نہ آنے دینا۔ اس سراب سے تعلق اگر رکھو، تو محض اقل قلیل، بقدر ضرورت ——— اس آواز پر کان دھرتا کون ہے؟

جالوت نے کہا، پردہ توڑو۔ ہم نے عرض کیا "ہماری لڑکیاں حاضر ہیں"۔ آواز آئی کہ سنیما کے ذریعہ سے ترقی حاصل کرو۔ ہم بڑھ کر بولے کہ "ہمارے لڑکے ہیں کس دن کے واسطے"؟ حکم ہوا بینک کھولو۔ ہم نے کہا "یہ حرمت سود ہی کا ڈھکوسلا تو ہماری ترقی میں حائل رہا ہے"۔ ارشاد ہوا، کہ پوجا وطن کی کرو۔ جواب میں ہم نے گزارش کی، کہ "اس کی حریف اسلامیت ہی تو ہم کو تباہ کیے ہوئے ہے" ——— اقبال نے رجز خوانی کی،

لیکن جب مصطفوی خود ہی بولہبی میں بکا ہوا ہو، اور ایک ایک کرکے شیوۂ بوجہلی اختیار کرتا جا رہا ہو، تو بُت کو خاک میں ملانے والا کہاں سے پیدا ہوگا! زمین کے نمک ہم خود تھے، لیکن جب نمک ہی اپنا نمکین کھو دے تو اُسے کس چیز سے نمکین کیا جا سکتا ہے؟

نماز غیروں کی نظر میں

"میں نے جہاں تک دیکھا ہے"

ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جدید قسم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی مذہبی عبادات و احکام کے پابند ہیں۔ ہندوؤں کی بابت ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں مذہبی پابندی مٹ گئی ہے، اور شخص شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ یہ اچھا ہو یا بُرا ہو، بہرحال واقعہ یہی ہے۔ لیکن مسلمانوں کو تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ اُن کے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ، جہاں کہیں بھی ہوں، ادھر نماز کا وقت آیا، اور اُدھر وہ جانماز بچھا، جھٹ مصروف ہو گئے...... روزانہ پانچ وقت کی عبادت الگ رہی، ہندوؤں میں ایک وقت کی بھی عبادت، پانچ دنوں میں ایک بار بھی، پانچ طبقوں میں کون کرتا ہے؟

یہ اور اسی طرح کی اور باتیں، مدراس کے وزیر اعظم، مشہور و معروف، مسٹر راج گوپال آچاریہ نے حال میں اپنی ایک تقریر میں فرمائیں اور مسلمانوں کی پابندی مذہب کی بار بار داد دی (روزنامہ ہندو مدراس، ۲۹ مئی ۱۹۳۹ء) اور اس کے بعد فرمایا:-

"ان حالات کے بعد میں یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہوں کہ اسلام میں کوئی بات ایسی ضرور ہے جس نے مسلمانوں میں یہ پابندی لازمی کر دی ہے، اور یہ شئے ایسی ہے جو دوسرے مذاہب میں شاذ ہی ملتی ہے [illegible]۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اسلام میں ضرور کوئی ایسی خصوصیت ہے جس نے جدید تعلیم سے تصادم کے باوجود عبادات الٰہی کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔ اب اس کی ذمہ داری چاہے اس کی عبادات کی سادگی پر ہو، چاہے مسلمانوں کی وہ فکر و تعلیم ہو جس کا رد کرنا ہندوؤں کے لیے [illegible] اور چاہے کچھ اور ہو، بہرحال وہ ہے کوئی اچھی ہی چیز۔"

نماز اور اسلامیت سے غافل رہنے والے، ہمارے تعلیم یافتہ اور جدید نوجوان مسلمان، ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم کی زبان سے یہ الفاظ سن رہے ہیں؟

خوشگوار اُمیدیں

"میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن ہندوؤں کی بڑی تعداد کا ایک فرد ہوں جو پیغمبر اسلام کو فرستادگانِ الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔" (تقریر آنریبل مسٹر راج گوپال آچاریہ، وزیر اعظم مدراس۔ بہ دکن ٹائمز مدراس ۲۹ مئی ۳۹ء)

اگر ہندوؤں کا یہی عقیدہ ہے تو پھر آخر مسلمانوں سے انھیں وجہ نزاع ہی کیا باقی رہ جاتی ہے؟ کاش اسی عقیدہ کے ماننے والے سب ہندو یا زیادہ تر ہندو ہوتے!

اس کے بعد یوم النبی کی تقریب میں، دوران تقریر میں، وزیر اعظم موصوف نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:-

"آپ لوگ قدرۃً انھیں سرور انبیاء مانتے ہیں، لیکن مجھے ہندوؤں کی بڑی تعداد کی طرف سے، جنکی نمائندگی میں کر رہا ہوں، کہنے دیجیے، کہ ہندو بھی اُن پیغمبر کا جنکی تقریب ولادت آج ہم سب منا رہے ہیں، شمار خدا کے فرستادگانِ اعظم کے کرتے ہیں۔"

مدت دراز ہوئی، مدیر صدق کے خیال میں یہ بات آئی تھی، کہ اگر ہمارے ہندو بھائی صرف اتنا کریں، کہ ہمارے پیغمبر کی عزت و احترام کرنا سیکھ لیں، تو ہم اُنکی خاطر سے اپنے متاع عزیز گئو رکھشا انھیں واپس کر دینے کو تیار ہو جائیں، اور ذبح بقر کے قدرتی حق سے دستبردار ہو جائیں۔ سالہا سال کے بعد وہ بات ایک نامور ہندو کی زبان سے نکلی۔ آگے چل کر پھر وزیر موصوف نے فرمایا:-

"ہم اگر احترام کرنا سیکھ لیں گے، تو اس سے احترام باہمی کو ترقی ہوگی۔ اگر ہندو، اپنے نقطۂ نظر، طرز عمل اور مطالعہ سے پیغمبر اور اسلام کا ادب کرنے لگیں، تو یہ بالکل یقینی ہے کہ مسلمان بھی ہندوؤں کی محبوب چیزوں کا لحاظ کرنے لگیں گے۔"

اگر ہندو واقعۃً ایسی ہی فراخ دلی کا ثبوت دینے لگیں، تو یہ روز روز کے بلوے اور ہنگامے اور خونی مناظر افسانۂ پارینہ بن جائیں۔

گلشن تہذیب کی بہاریں

مرکز تہذیب، امریکہ کے مرکزی شہر نیویارک کی نفاستوں، نزاکتوں، اور آرٹ نوازیوں سے کون ناواقف ہے؟ ۱۹۳۸ء میں، تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس مہذب شہر میں،

"۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکوں اور لڑکیوں میں امراض جنسی کے مریضوں کی تعداد ۲۳۸۳ ہے!"

(سیکسولوجی، نیویارک، اپریل ۱۹۳۹ء)

تعداد کل مریضوں کی نہیں، صرف ۱۶ برس کے کم والوں اور کم والیوں کی! اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ تحفظ امراض کے آلات ایک ایک کے ہاتھ میں، اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسپتال قدم قدم پر کھلے ہوئے! ایک ادارہ، جو اس شہر میں "بن بیاہی ماؤں" کی امداد کے لیے قائم ہے، اسکا بیان ایک خاص ہائی اسکول سے متعلق، جو کمسنوں ہی کے لیے ہے، یہ ہے، کہ وہاں سے اوسطاً ہر ماہ، دو لڑکیاں، ادارۂ مذکور میں داخل ہوتی رہتی ہیں! (ایضاً)

ان "بن بیاہی ماؤں" سے جنکے سن ۱۹ سال سے کم ہیں، ۹۹ - ۱۰۰ بچے پچھلے سال اس رجسٹر ہوئے ہیں! (ایضاً) —— یہ تعداد، تمام آلات منع حمل کے باوجود!

— اور نیویارک نیوز راوی ہے، "شہر کی "بن بیاہی ماؤں" میں ۷ فیصدی ایسی ہیں، جو ۱۶ سال سے کم عمر کی ہیں" (ایضاً)

اور اسی پر ہمارے "روشن خیالوں" کا یہ پُرشور مطالبہ ہے، کہ جو کچھ

بڑوں چھوٹوں سب کو کرنا چاہیے۔ اگر بدقسمتی سے ہمیں سیاسی مسائل میں ہمارا آپ سے اختلاف رہے، یا آپکے طریق کار سے علٰحدگی اختیار کرنی پڑتی ہے، تو اس سے ہم نرجو اخلاقی پہلو ہے، اُس میں ہم اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں اور اپنے لیے باعث فخر، کہ ہم ہمیشہ آپ کو دورِ حاضرہ کی عظیم ترین ہستی کی حیثیت سے سلام کرتے اور آپکی خدمت میں با ادب و احترام اپنا پیامِ نیاز پیش کرتے ہیں"۔

یہ جو کچھ لکھا گیا، بجائے خود صحیح ہے یا نہیں، اس سے یہاں بحث نہیں۔ یہاں مقصود صرف یہ دکھانا اور دکھانا ہے کہ یہ تبصرہ گاندھی جی کے ایک مخالف، یعنی سیاسی حریف کے قلم سے نکلا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اعتراف ان کی عظمت و بزرگی کا، انکے کسی معتقد کے قلم سے بھی ممکن ہے؟ ایک آپ کی جماعت تو یہ ہے، جسکا یہ معیار تنقید اور یہ انداز اختلاف رائے ہے، اور ایک آپ ہیں کہ اگر کسی سے کسی سیاسی مسئلہ سے اختلاف ہوا، اور وہ دوسرا آپ کی ذات، پھر تو سب دشمن بن کر رہے۔ کوئی اگر مسلم لیگی ہوا تو جمہور کا "آپکے نزدیک ایمان فروش اور رضاکار"۔ کوئی اگر آپکی جماعت میں داخل ہے تو ہر مسلم لیگی اس کی نظر میں ملت فروش، غدار، "جمعیۃ العلمائی"، "احراری"، "منافق" وغیرہ گویا سب کے سب مستقل فرقے کا مستقل مذاہب بن گئے ہیں، جن کے ہاں پہلا سبق دوسروں سے بغض و نفرت ہی کا ملتا ہے۔ ادب، احترام، تہذیب، شرافت، وضعداری تو آخر دنیا میں کوئی چیز ہیں!

ایک دعوت نامہ کا جواب

۲۲-مئی کو خلافت کمیٹی بمبئی کی طرف سے تار مدیر صدق کو موصول ہوا، کہ ۲۷ر کو جلسہ کانفرنس میں شرکت کرو۔ جواب میں جو معذرت نامہ گیا، اس کی نقل مخالفت سے لیکر درج ذیل ہے:-

"... عرس جتنے چاہیے، منا لیجیے، فاتحہ خوانی جتنی چاہیے، کرتے رہیے، باقی خلافت کمیٹی اب کہاں؟ روح، محمد علیؒ کے ساتھ نکل گئی۔ جسم، شوکت علیؒ کے ساتھ دفن ہوا۔ آخری چرکا عرفان مرحوم نے لگایا، اب باقی ہی کیا ہے؟

ایک ایک کرکے سب کے سب تنکے
ہوے برباد آشیانے کے!

جوہر مغفور کا یہ شعر آپ کے حق میں کتنا سچا، کیسا الہامی ہے!

آفرین ہے آپ کی ہمت پر کہ زمین مخالف، آسمان مخالف، اپنے سب کے سب پرائے بن چکے، اور آپ ہیں کہ جو جھنڈا اول دن اٹھایا تھا، اُسے ––– ہاتھ کٹ چکے تو کیا ہوا ––– دانتوں سے پکڑے ہوے ہیں!

میں گوشہ نشیں یوں بھی حاضری سے معذور ہی رہتا، اور اب تو

سے ایک عذر قوی "ہاتھ" آگیا ہے۔ عصر کا وضو کر کے بیچ سے کھڑا ہوا اُتر رہا تھا کہ بیچ اُلٹ گئی۔ بائیں کلائی کی ہڈی دو جگہ سے اکھڑ گئی ——— جو خستہ جگر پہلے ہی سے تھا، "سر دست" خستہ دست بھی بنا دیا گیا! اس وقت تکلیف مالا یطاق۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا حبیب اللہ کا قانون ہے، تو خالقِ "اللہ کے کیوں عذر معقول نہ ٹھہرے؟

دعا گوئی کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ یہ نعمت کیا تھوڑی ہے کہ آپ لوگوں کے دم سے نام تو خادمیت کا قائم ہے۔ محبوب کا نام کچھ کم محبوب ہوتا ہے! مولانا نے مثنوی میں لکھا ہے کہ مجنوں فراقِ لیلیٰ میں لیلیٰ کا نام ہی ریت پر لکھا کرتا تھا

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم خاطرِ خود را تسلی می کنم

اس تسلی خاطر کی قدر کسی دل والے سے پوچھیے۔ گل کی تازگی و شادابی موسمِ خزاں میں کہاں، لیکن آپ بہر حال اسی گل رُتہ کی کشید کیے ہوئے عرق گلاب ہیں! والسلام۔

ایک مسلمان کی موت

(اخبارات میں ماتم انھیں کا چھپتا ہے، جو کسی خاص شہرت کے مالک ہوتے ہیں لیکن صدق گمناموں اور بے نشانوں کا پرچہ ہے۔ مضائقہ نہیں اگر وہ ناموروں کے ساتھ کبھی گمناموں کی بھی تعزیت کرلے۔

۸- ربیع الثانی، ۲۹ مئی کی شام کو عین نماز مغرب کے وقت، مدیر صدق کے ایک عزیز ترین رفیق مولوی معین الزماں دریابادی نے انتقال کیا۔ ہموطن تو تھے ہی، کہنا چاہیے کہ ہم محلہ بھی تھے۔ مکان کوئی ایک فرلانگ کے فاصلہ پر۔ ۱۶-۱۷ سال سے روزمرہ کے ملنے والے۔ خوش نویس تھے۔ بیسیوں مسودے انھیں کے ہاتھ کے، صاف کیے ہوئے دفتر صدق میں چھپنے کے لیے پہنچتے تھے۔ بیرونی حضرات سے خط و کتابت کا کام بھی زیادہ تر انھیں سے متعلق تھا۔ اور یہ سارا کام محض بلا معاوضہ۔ قصبہ کے سرکاری اسکول میں مدرس تھے، اور مدرسہ میں اسلامیت انھیں کے دم سے قائم تھی۔ ابھی بالکل جوان عمر تھے۔ اور بظاہر توانا و مضبوط۔ بواسیر وغیرہ میں گرفتار ہوئے، اور حالت تیزی کے ساتھ گرنے لگی لیکن اتنے جلد خاتمہ کا گمان تک نہ تھا۔ یوم وفات، ۱۰ بجے دن سے سوء تنفس پیدا ہوا۔ ۴½ بجے سہ پہر کو میں دیکھنے گیا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے شروع ہو چکے تھے، گفتگو پر قدرت مشکل ہی سے تھی۔ میں نے آب زمزم پیش کیا کہ اسے دوا کے ساتھ دیا جائے۔ بہت خوش ہوئے، لفظ ان شاء اللہ بار بار کہا۔ (شکر خدا، اور ان شاء اللہ کہنے کے عادی بھی بہت تھے)۔ کلمہ شہادت کا تلفظ میرے سامنے کیا، پھر کہا کہ حسن خاتمہ کی دعا کرو۔ آخر میں کہا "میرے خطا قصور معاف کریں"۔ نماز کے لیے تیمم کیا، حالانکہ وقت وہ تھا جب قصد نماز و نیت نماز خود قائم مقام نماز ہو جاتا ہے۔ ۶ بجے کے بعد معلوم ہوا کہ آنکھ کی پتلیوں اور زبان، دونوں کی حرکتیں بند ہو چکی ہیں۔ دوبارہ گیا۔ اب قبلہ رُخ لٹائے گئے۔ اور عین جس وقت نماز مغرب کی تکبیر بلند ہو رہی تھی دعوت رب پر لبیک کہی (یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی)۔ زندگی بھر اذان دینے کے بڑے شایق رہے، موت بھی عین اقامت تکبیر کے وقت آئی۔ جنازہ ایک بجے شب کو اُٹھا۔ اس وقت بھی مجمع اچھا خاصا تھا۔ آفتاب زندگی، عین غروب آفتاب کے وقت غروب ہوا، اور قبر میں منہ اس وقت چھپایا، جب نویں تاریخ کا چاند چھپ رہا تھا! غمزدہ ماں کے علاوہ، سوگوار بیوہ، اور تین چار چھوٹے بچے چھوڑ گئے ہیں۔ اللھم اغفرہ وارحمہ۔ ناظرین سے دعائے مغفرت کی استدعا

نئی کتابیں

(۱) **فاتحۂ تفسیر نظام القرآن** (عربی) از مولانا عبد الحمید فراہیؒ۔ ضخامت ۶۴ صفحے۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت درج نہیں۔ پتہ: مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر۔ ضلع اعظم گڈھ۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیروں کے اُردو ترجموں کا ذکر ان صفحات میں بار ہا آچکا ہے۔ پیش نظر عربی رسالہ مولانا کی اصل تصنیف ہے۔ سرائے میر والے خوب کام کر رہے ہیں، کہ مولانا کی کتاب پر کتاب چھاپتے چلے جاتے ہیں۔ مولانا خوش قسمت ہیں کہ ایسے شاگرد چھوڑ گئے۔ اُستاد کے کلام کی اشاعت، زندگی سے کہیں بڑھ کر اب بعد وفات ہو رہی ہے۔

یہ کتاب سورۂ فاتحہ کی تفسیر بھی ہے، اور مصنف کی ساری تفسیر قرآن کے لیے گویا مقدمہ بھی ہے۔ شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے دو صفحات، عربی میں، بطور تمہید و تقریب ہیں۔ اسکے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اور سترہ مختلف عنوانات کے ماتحت، شان نزول، ماخذ خبری، ماخذ لسانی، کیفیت نزول، تاویل قرآن بالحدیث وغیرہ پر گفتگو ہے۔ ص۳۵ سے آیۂ بسم اللہ کی تفسیر شروع ہو کر چھ صفحوں پر ختم ہوتی ہے، پھر ص۴۲ سے آخر تک سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔

کسی عربی تصنیف پر تبصرہ اُردو کے صدق میں آسان نہیں، اور پھر

قلوب الذین اتبعوہ رأفۃً و رحمۃً۔

آیت سوم، مالک یوم الدین، مرتبۂ موسیٰؑ کی یاد دلاتی ہے، اس لیے کہ کمال صفت عدل و قیام عدل و قانون مجازات شریعت موسوی کے خصائص ہیں۔

آیت چہارم، ایاک نعبد و ایاک نستعین، حضرت داؤدؑ کی یاد دلانے والی ہے، کہ وہی بنی اسرائیل میں سب سے بڑے اور قوی اقتدار والے ملک ہوئے ہیں۔

آیت پنجم اہدنا الصراط المستقیم خبر دے رہی ہے منزلت ابراہیمؑ سے، کہ وہ رئیس الموحدین تھے اور توحید ہی صراط مستقیم ہے۔ (ص۵۲-۵۴)

آیت ششم، صراط الذین انعمت علیہم میں اشارہ ہے مرتبہ نوحؑ کی جانب، کہ وہی سب سے بڑے منعم علیہ تھے، اور انھیں کی نسل سام پر سب سے زیادہ انعامات الٰہی رہے ہیں۔

آیت ہفتم، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین متعلق ہے تو ریت یہود و نصاریٰ سے۔ (ص۵۵-۵۸)

کتاب عام ناظرین کے کام کی نہیں، البتہ جن صاحب علم حضرات کو نکات و لطائف و اسرار قرآنی سے ذوق ہے، وہ چاہے مصنف کے نظریات و اجتہادات سے متفق نہ ہوں، تاہم مطالعۂ تصنیف سے محظوظ تو ان شاء اللہ ضرور ہونگے۔

(۲) **اقبالس ایجوکیشنل فلاسفی** (انگریزی) از خواجہ غلام السیدین، بی اے، ایم، ای، ڈی۔ ضخامت ۲۰۲ صفحے۔ قیمت عار، پتہ، شیخ محمد اشرف، تاجر کتب، کشمیری دروازہ، لاہور۔

اقبالؒ کی زندگی ہی میں ان پر کتابیں، اور انکے کلام کی شرحیں لکھی جانی شروع ہو چکی تھیں، اور وفات کے بعد سے تو یہ سلسلہ خوب پھیل کر رہا ہے۔ رطب و یابس، اعلیٰ و ادنیٰ، خدا معلوم کتنے سفینے و رسائل اقبال و اقبالیات پر اتنک نکل چکے ہیں، اور ہر شخص اپنے اپنے معیار سے اقبال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور اُردو کے علاوہ یہ سلسلہ انگریزی تک وسیع ہو چکا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی کی ایک تازہ و خوشگوار قسط ہے۔

عنوان کتاب کو اُردو میں لکھئے "اقبال کا فلسفۂ تعلیم"۔ علاوہ مقدمہ کے کتاب کے دو حصے ہیں۔ ایک کا عنوان ہے "تعلیم خودی" اور دوسرے کا "تعلیم اور اسلامی فلسفۂ معیشت"۔ ان میں سے جزو اول سات ابواب میں تقسیم ہے، تصور خودی، ارتقا، خودی وغیرہ۔ اور جزو دوم کے بھی تحت میں دو ابواب ہیں۔ اور ان میں سے ہر عنوان کے تحت میں، اقبال کے فلسفۂ حیات کی شرح و ترجمانی، انکے کلام کے حوالوں کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔ خواجہ غلام السیدین، ہماری قوم کے ایک مشہور ماہر تعلیم ہیں، جنکا کام ہی معلمین کو تعلیم دینا ہے، اس لیے قدرۃً انھوں نے اقبال کے کلام کو بھی "تعلیمی" ہی نقطۂ نظر سے دیکھا، ورنہ حقیقۃً انکی کتاب کلام اقبال کے عام مقدمہ و تبصرہ کا کام دے رہی ہے۔ اور جنکو اقبال کا اُردو و فارسی کلام سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے، انکے حق میں تو

لفظ بہ لفظ کسی انگریزی خط کا ترجمہ معلوم ہو رہا ہے۔ (سوالیہ جملہ، اور وہ بھی ان شستہ الفاظ کے ساتھ، صاف انگریزی کا چربہ ہے)۔ لیکن ایسی مثالیں بس خال خال ہیں۔

شروع میں ایک عنوان ہے "اردو کتابت کی تاریخ" لفظ "کتابت" کا یہ محل استعمال محل نظر ہے۔ کتابت کے بجائے تو "خط و کتابت" ہونا چاہیے تھا اور یا "مکاتبت"۔

ان جزئیات سے قطع نظر کرکے، رسالہ خاصہ دلچسپ بھی ہے اور مفید ہے۔

رسائل و اخبارات

(۱) **مدینہ** (بجنور) جوبلی نمبر۔ ضخامت ۱۴۲ صفحات

مدینہ (بجنور) یو۔پی کا مشہور اخبار ہے۔ اپنی ظاہری و معنوی خصوصیات، اور اپنی دیرینہ خدمات کی بنا پر اردو صحافت میں اپنے لیے ایک خاص مقام محفوظ کر چکا ہے۔ اپنی ۲۵ سالہ خدمات کی یادگار منانے کو اس نے اپنے شایان شان، آب و تاب سے یہ جوبلی نمبر شائع کیا ہے۔ سرورق نقرئی نمبر کی مناسبت سے نقرئی اور خوشنما۔ نقشے اور تصاویر، خانہ کعبہ اور باب مدینہ منورہ سے لے کر مسجد و کتب خانہ دار المصنفین تک، متعدد۔ سب سے آخر میں "نقشہ مد و جزر فتوحات اسلام" جو خاص طور پر قابل قدر ہے۔

نظمیں ہر رنگ اور ہر سطح کی، کوئی ۲۸ کی تعداد میں۔ بعض بہتر اور قابل داد، اور بعض ایسی کہ ہم جیسے مغز تک ذہن کی رسائی دشوار (مثلاً نظم زیر عنوان "شادی")۔ مضامین چھوٹے بڑے سب ملا کر ۵۰ کی تعداد میں، سر تیج بہادر سپرو کا مضمون "اردو زبان ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا نتیجہ" انکی ہر تحریر کی طرح دلچسپ و قابل مطالعہ۔ صوبہ کے وزیر تعلیم جناب سمپورنانند کا مضمون "ہندوستان کی قومی زبان" پر، اور اس پر ادارتی تبصرہ، دونوں پڑھنے کے قابل ہیں۔ باقی مضامین میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابو الحسن علی ندوی، ذکریا فیاضی صاحب ایم اے، پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق، محمد ہاشم قدوائی کے مقالات خصوصیت کے ساتھ جاذب توجہ ہیں۔ اڈیٹوریل میں، جہاں مسلم لیگ وغیرہ پر تنقید کی گئی ہے، وہ حصہ بھی سنجیدگی سے لکھا گیا ہے اور پڑھنے والوں کو دعوت فکر ہی دے رہا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اس نمبر کی ترتیب بنا ہی ایک خاص حسن ذوق و خوش سلیقگی کا ثبوت بہم پہنچا رہی ہے۔

(۲) **الامان**۔ (دہلی) شہید ملت نمبر ضخامت ۴۶ صفحہ قیمت ۴؍

الامان (دہلی) مولانا مظہر الدین مرحوم کے خیالات اور پالیسی کا ترجمان، اور اپنی خصوصیات کے لیے مشہور ہے۔ یہ نمبر مرحوم کی یادگار میں نکلا ہے۔ اور اس لیے قدرۃً مضامین زیادہ تر مرحوم ہی کی ذات و صفات سے متعلق ہیں۔ تصویریں بھی بکثرت ہیں، مشاہیر قوم و اکابر مسلم لیگ کے علاوہ، خود مرحوم کی مختلف حالتوں کی، اور واقعہ قتل کی مختلف ہیئتوں کی۔

(۳) **انقلاب** (لاہور) سالگرہ نمبر۔ ضخامت ۱۱۲ صفحے

مہر و سالک کے "انقلاب" سے کون واقف نہیں؟ یہ اسی مشہور روزنامہ کا سالنامہ ہے۔ ترتیب مضامین محنت و تلاش سے کی گئی ہے۔ گو طباعت اس پایہ کی نہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا مضمون عربوں کی دریافت امریکہ پر، کسی قدر پرانا ہو جانے پر بھی نیا ہے۔ م۔ ر۔ تصدق کا ایک مضمون "سرمایہ اردو میں قابل قدر اضافہ" کے عنوان سے ڈاکٹر مولوی عبد الحق کے جدید انگریزی اردو ڈکشنری پر ہے۔ "قرآن حکیم اور علم الآفاق" "امراء نقیبی اور اسکا حسرتناک انجام" "ملفوظات اقبال" "مغلیہ سلطنت کی شام غریباں" "غالب کا ایک شعر اور علامہ اقبال کی شرح" وغیرہ متعدد مضامین ادبی و علمی دلچسپیوں کے ہیں۔ تصویریں اور اشتہارات تو ہر سالنامہ کا جزو لاینفک ہیں، ان سے نجات کہاں مل سکتی ہے۔

(۴) **ہماری زبان** (پندرہ روزہ) اڈیٹر سید ریاض الحسن صاحب۔ ۶ صفحے۔ قیمت عہ سالانہ۔ پتہ، دفتر انجمن ترقی اردو۔ نئی دہلی۔

یہ اخبار انجمن ترقی اردو کا ہے۔ اور انجمن کی خدمات ادب و زبان سے جو لوگ واقف ہیں، وہ خود بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ پرچہ کیسا ہوگا۔ پرچہ کی زبان صاف ستھری۔ خیالات سلجھے ہوئے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ سب عمدہ۔ ان سطور کی تحریر تک چار نمبر دیکھنے میں آسکے۔ ہر نمبر دلچسپ ہے۔ جن حضرات کے دل میں خدمت زبان و ادب کا ولولہ ہو، یا جو انجمن ترقی اردو کے مرکز اور اسکی شاخوں کی کارروائیوں سے باخبر رہنا چاہتے ہیں، ان سب سے اسکے مطالعہ کی بہ اطمینان سفارش کی جا سکتی ہے۔ عہ کے معاوضہ میں پیسے ۴۸ مل جاتا، اسکا بالکل مفت ہاتھ آ جانا ہے۔

ایسی کتاب کا وجود میں آجانا ایک نعمت ہے۔ ناشر کتاب شیخ محمد اشرف اس سے کہیں اعلیٰ تر خدمات نشر و اشاعت انجام دے چکے ہیں (مثلاً عبد اللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کی طبع و اشاعت) انکے دار الاشاعت سے ایسی کتاب کا نکلنا کوئی نئی بات نہیں۔

(۳) **الرِّق فی الاسلام**، حصۂ اول۔ از مولوی سعید احمد صاحب ایم اے ضخامت ۲۰۲ صفحات، تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت ۱۲؎ پتہ، ندوۃ المصنفین قرول باغ، دہلی۔

ندوۃ المصنفین کے نام سے ایک دینی ادارہ کچھ عرصہ سے دہلی میں قائم ہوا ہے، اور اپنے ماہوار رسالہ برہان کے ذریعہ سے بحیثیت مجموعی، مفید و سنجیدہ خدمت انجام دے رہا ہے۔ الرق فی الاسلام، جسکا عنوان تحتانی "اسلام میں غلامی کی حقیقت" ہے، ادارۂ مذکور کی طرف سے، اور رسالۂ مذکور کے مدیر کے قلم سے شایع ہوئی ہے۔

اہل فرنگ کا تسلط جس دن سے اہل ہند کے دل و دماغ پر قائم ہوا، اسوقت سے جو چند اعتراضات، بار بار اسلام اور مسلمانوں پر ہو رہے ہیں، اُن میں سے ایک مسئلہ غلامی ہے، اور ہمارے "متکلمین" نے بھی حسب معمول نفس الزام کو قبول کرکے کوشش صرف یہ دکھانے کی ہے، کہ جرم اتنا سنگین نہیں ہے۔ امیر علی، سرسید، چراغ علی، محمد علی لاہوری وغیرہم سب اسی قسم کے وکیل ہیں، کہ اپنے موکل کے جرم کا اقبال تو مقدمہ کر لیتے ہیں اور اسکے بعد درخواست صرف اسکی کرتے ہیں کہ حاکم عدالت سزا ہلکی دے، اور مجرم کی مجبوریوں کا لحاظ کرلے۔

ضرورت تھی، کہ اس ذہنی مرعوبیت سے آزاد ہوکر پوری جرأت و بے خوفی سے، نفس مسئلہ کی تحقیق کی جائے۔ زیر نظر کتاب اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ صرف حصۂ اول ہے، اور اس میں مباحث ذیل ملینگے:— مقدمہ، غلامی پر ایک تاریخی نظر، غلامی کا ذکر قرآن مجید میں، وسائل حریت: آزادی، غلام کے حقوق، اسلام اور مسیحیت کا فرق، بعض اعتراضات اور اُنکے جوابات، یورپ کی اجتماعی غلامی، منکرین رقیت کے دلائل پر ایک نظر، خلاصۂ بحث، اور پھر ان میں سے ہر باب کے ماتحت بہت سے ذیلی عنوانات ہیں۔ دوسرے حصہ میں غلامان اسلام کے سوانح حالات اور اُنکے مرتبہ عظمت وغیرہ پر بحث ہوگی۔

ترتیب ابواب و مباحث میں اگرچہ نظر ثانی کی گنجایش ہے، مثلاً ص۹۲ پر جو استدلال احادیث سے کیا گیا ہے، اسے اس باب میں نہ ہونا چاہیے تھا۔ جو استدلال قرآنی کے لیے مخصوص ہے، اور جا بجا اگرچہ اسی ذہنیت کا اظہار رہ گیا ہے، جو کتاب کی اصل روح کے منافی ہے، مثلاً ص۴۲ پر سید امیر علی کے قول سے استشہاد یا ص۵۸ پر یہ الفاظ:—

"غلامی کا رواج عرب اور دوسرے ملکوں کی معاشرت و مدنیت کا ایسا اہم جزو بنا ہوا تھا کہ اگر اس زمانہ میں آنحضرت صلعم اسکو بالکل ختم کرنا بھی چاہتے تو نہ کر سکتے تھے"۔

یہ طرز ادا صرف مولوی چراغ علی وغیرہ کو زیب دیتا ہے، پیغمبر اعظم کی شان میں مصنف جیسے پختہ ایمان مسلم کے قلم سے ایسے الفاظ حیرت انگیز ہیں۔ لیکن بس اس قسم کی معدودے چند مثالوں کو چھوڑ کر باقی کتاب صحیح اصول پر، صحیح مسائل اسلامی کی تشریح، عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کرتی ہوئی ملیگی۔ انداز تحریر متین، سلیس، و دلنشیں ہے۔

(۴) **سیرت سید احمد شہید**۔ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ۴۶۴ قیمت ۳؎ پتہ، کتاب خانہ۔ محمد علی لین۔ لکھنؤ

مولانا محمد اسمٰعیلؒ دہلوی کے شیخ، حضرت سید احمد رائے بریلوی کا شمار نامورین میں ہے، لیکن نام کے علاوہ، اُنکے کارناموں سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ جواں عمر و جواں ہمت صاحب قلم مولانا ابو الحسن علی ندوی قابل مبارکباد ہیں، کہ انھوں نے تمام اردو خوانوں کے لیے پڑھنے کے قابل، ایک کتاب اسی موضوع پر تیار کر دی۔ متن کے بعد کتاب چار ابواب میں تقسیم ہے۔ باب اول میں حالات ولادت سے حج تک ہیں۔ باب دوم میں سوانح، حج سے شہادت تک، باب سوم، مراتب تجدید، امامت و تزکیہ پر ہے، اور اس میں زیادہ تر اقتباس "صراط مستقیم" کا ہے۔ باب چہارم، حضرت کے خلفاء اور مریدین اور اُنکے کارناموں پر ہے۔ شروع میں "مسافر اسلام ہندوستان کے غمکدہ میں" کا تمہیدی مضمون، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلم سے بجائے خود قابل ملاحظہ ہے۔

"تعارف" مدیر صدق کے قلم سے ہے، اور حسب ذیل ہے:—

"حضرت سید احمدؒ رائے بریلوی، پچھلی صدی ہجری کے اکابر و مشاہیر میں گزرے ہیں، جنکی یاد مسجدوں اور خانقاہوں کی دنیا الگ رہی، لندن اور آکسفرڈ اور کیمبرج کی دنیا کے حافظہ سے بھی محو نہیں ہوئی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" انکے تذکرہ سے مزین، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ذکر انکا موجود، "انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس" میں کارنامے انکے مذکور۔ یہ الگ بات ہے کہ دوست اُنھیں عقیدت کی آنکھوں کے اندر جگہ دیتے ہیں، اور دشمن کی نگاہ میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ لیکن نظریں اس شہید پر بہر حال پڑتی ہی رہیں ؎

اک خونچکاں کفن میں کروروں بناؤ ہیں

پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی!

—— جسکا نام ملائکہ ربانی کے نورانی رجسٹروں میں درج ہو، اُسے تذکروں اور چرچوں سے اگر خاکیوں کے سینے اور آدم زادوں کے سفینے معمور ہوں، تو اُس پر حیرت ہی کیوں کیجیے!

سید صاحبؒ کے سوانح و حالات، کرامات و کمالات میں ضمناً و مستقلاً اسوقت تک متعدد کتابیں موجود تھیں، لیکن اکثر نے سید صاحب کو ایک مخصوص محدود دینی نقطۂ نظر سے دیکھا ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من

وز درون من نجست اسرار من

ضرورت اسکی تھی کہ کوئی سیرت ملک کی عام زبان میں، سلجھے ہوئے انداز سے، ایسی لکھی جائے، جو ایک طرف آپکی ساری حیثیات کی جامع ہو، اور جس میں عام پسند خوارق و عجائب سے زیادہ لحاظ واقعہ

کی صحت و استناد کا، اور آپ کی تعلیمات اور آپ کی تحریک کے اصل مقاصد کا ہو۔

شکر ہے کہ یہ سعادت سو برس سے زائد عرصہ گزر چکنے کے بعد اسی خانوادہ کے ایک ہونہار و صاحب بصیرت جواں ہمت اہل قلم کے نصیب میں آئی۔ ساتھ میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک سچی بڑی سوانح عمری میں ہونا چاہیے لیکن زور بیان صرف شوق خواہی پر نہیں ختم ہو گیا ہے۔ علوم شریعت، مسائل طریقت، مباحث سیاست، سب اپنی اپنی جگہ پر حسن ترتیب و خوش اسلوبی کے ساتھ اس محفل میں سجتے ہوئے نظر آئیں گے۔ زبان صاف، سلیس، شیریں۔ بیان میں نہ اتنا اختصار ہے کہ پڑھنے والے کا شوق بھڑک اٹھے، نہ اتنی طوالت کہ مطالعہ کرنے والے کی ہمت جواب دے نکلے۔ پھر سید صاحبؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھ ساتھ ان کے اور سارے رفقاء نامدار کے بھی انفاس بابرکات گویا پھر جلوہ‌فرما ... خدمت دین کے آفتاب و ماہتاب کے ہو میں ستارے ... بھی ہر درجہ ... سامنے رہتے ہیں۔

کم از کم ایک سبق تو کتاب سے اول سے آخر تک عالم دنیا کے بوڑھے اور جوان، خاص و عام سب ہی کے پڑھنے کا ہے، اور وہ سبق نظم و اطاعت کا ہے۔ اگر اندرونی نظم درست نہیں ... اور قیادت انتظام و تدبیر کی رو جسم میں دوڑی ہوئی نہیں ہے تو ... سے زیادہ ایثار و اخلاص اور بڑے سے بڑا جوش و ولولہ بھی اس عالم اسباب میں بیکار ہی ہو کر رہتا ہے۔ اگر یہی ایک سبق پڑھنے والے حاصل کر لینگے، تو بہت کچھ حاصل کر لینگے۔

مشک کی مدح و توصیف عطار کی زبان سے، مشک کی قدر و قیمت بڑھاتی نہیں، اور گھٹا دیتی ہے۔ عطار بہا جاتا ہے، مشک سامنے ہے۔ بے تکلف مشام جاں کو معطر فرمائیں۔

حرارت ایمان رکھنے والے کے لیے کتاب ایک تحفہ قابل قدر ہے۔

(۵) **من کی بتیا** - از لطیف النساء بیگم صاحبہ بی اے - ۸۰ صفحے تقطیع خورد مجلد۔ قیمت ۸ ر، پتہ: ادارہ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن۔

"حریت" نسواں اور تجدد کے اس دور میں اہم ضرورت تھی، کہ خود طبقۂ خواتین کی صاحب فہم ہستیاں اپنے طبقہ کی اصلاح کے لیے قلم ہاتھ میں لیں، اور معاشرت و معیشت کی گوناگوں منزلوں میں راہ ہدایت دکھائیں۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ چھوٹی سی کتاب اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ مصنفہ دکن کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی صف اول میں ہیں، اور تربیت و تعلیم کا بھی تجربہ رکھتی ہیں۔ کتاب ۱۶ چھوٹے چھوٹے عنوانات میں تقسیم ہے۔ گھر، سواری، خورونوش، لباس، چندے، علاج معالجہ، سیر و تفریح، فیشن وغیرہ۔ اور ان کے اندر باتوں باتوں میں وہ سب کچھ سنا دیا گیا، جسکی ضرورت موجودہ مسلم عورت کو ہے۔

سنیما کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اس کا نمونہ دیکھتے چلیے۔

"دس بجے رات کو جب کہ کائنات کا پتہ پتہ سو جاتا ہے، گھر لو بیویوں کا سنیما گھر جانا شرافت کی نظر میں معیوب ہے۔ پھر دو بجے رات کو واپس آنا، اور گھر والوں کے لیے رحمت کے بجائے زحمت بن کر نازل ہونا اخلاقی ستم ہے۔ نیند نہ ملنے سے طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ سینہ جلتا ہے۔ سر میں چکر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح پریشان اور نڈھال ہو کر ہم گھر پہونچتے ہیں۔ نیند بھر سو نہیں سکتے۔ صبح اٹھتے ہیں، تو سر بھاری، ہاتھ پاؤں گلے ہوئے، جی نڈھال، طبیعت ست، زرد رو اور درد سر خریدن۔

خصوصاً عشقیہ اور مخرب اخلاق تصویروں میں جانا اتنا ہی برا ہے جتنا کہ بری سوسائٹی میں رہنا ..... پیسہ کا خرابہ، صحت کا نقصان، آرام میں خلل اور اخلاق کا ستم ....

لیکن آجکل حسن و عشق کی داستانیں اور راز و نیاز کے عریاں مظاہرے ہر فلم کی جان ہیں۔ نام تماشائی انھیں کی خاطر، سنیما گھروں میں کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں ..... خاص کر ہمارے نوخیز طبقہ کے لیے ایسی تصویریں سم قاتل ہوتی ہیں۔ ان رنگا رنگیوں کی جانب کون سا منچلوں بھرا دل ہوگا کہ جو راغب نہ ہو۔ رفتہ رفتہ یہی دلچسپی شوق اور تمنائیں بدل جاتی ہے ..... پردہ والی بیویوں کی صحت اور بینائی سنیما بینی سے خاص کر متاثر ہوتی ہے۔ باہر کا مجمع اس شدت سے سگار نوشی کرتا ہے کہ دھواں بلند ہو ہو کر جب دوسری منزل میں آتا ہے، تو ساری فضا کو دھواں دھار کر دیتا ہے۔ بیٹھنے والوں کی آنکھیں جلنے لگتی ہیں اور دم گھٹنے لگتا ہے"

(صفحہ ۱۰)

اور اسی پر کتاب کے سارے مضامین کو قیاس کر لیا جائے۔ زبان و انشاء کے معیار سے کتاب پر جا بجا نظر ثانی کی گنجائش باقی رہ گئی ہے، لیکن معنوی خوبیاں اتنی ہیں، کہ ان ادبی فروگذاشتوں کی طرف التفات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ کتاب اصلاحی نقطۂ نظر سے اس قابل ہے کہ اسے ہر شریف گھرانے میں ہونا چاہیے، اور نو تعلیم یافتہ لڑکیوں میں تو اسکی اشاعت خوب اچھی طرح ہونی چاہیے۔ محترم مصنفہ نے اگر خدانخواستہ اس سلسلہ کو آگے نہ بڑھایا، اور اپنی کوششوں کو اسی مختصر رسالہ پر ختم کر دیا، تو وہ اپنے، اور اپنی قوم دونوں کے حق میں انصاف سے نہیں، ظلم سے کام لینگی۔

(۶) **انشائے سلمیٰ** یا رقعات نسواں۔ از ولی احمد خاں صاحب ایم اے، صفحات ۶۴ صفحے۔ قیمت ۶ ر، پتہ، دفتر رسالہ عصمت، کوچہ چیلاں - دہلی۔

لڑکیوں کی انشاء پر اب تک متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں "انشائے سلمیٰ" اس فہرست میں تازہ ترین اضافہ ہے۔ اس میں ۸۰ خط بطور نمونہ درج ہیں۔ خطوط عموماً صحیح، سلیس و رواں ہے۔ البتہ بعض محاورات جا بجا کھٹکے، مثلاً بجائے یاد آنے کے "یاد ہونا" (صفحہ ۲ و ۳۳) عبارت میں بھی کہیں کہیں انگریزیت کی جھلک آگئی ہے مثلاً صفحہ ۲۹ پر ... صفحہ ۴۷ :-

"میری عزیز سائرہ۔ کیا تم مہربانی سے اس ہفتہ کی ... کی شام کو میرے مکان پر میرے ساتھ کھانا کھا کر مجھے مسرور کرو ..."

خیالات کا اثر قسمت پر[له]

(از ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی ایچ ڈی - استاد فلسفہ، جامعہ عثمانیہ)

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ　　مابقی تو استخوان و ریشۂ
گر گلست اندیشۂ تو گلشنی　　ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی (رومی)

خیالات ہی سے مقاصد و غایات کا تعین ہوتا ہے، مقاصد کردار، افعال و اعمال میں ظہور پذیر ہوتے ہیں؛ افعال ہی کی تکرار سے عادت قائم ہوتی ہے؛ عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت تشکیل پاتی ہے، اور سیرت ہی ہماری قسمت کا تعین کرتی ہے، جیسی سیرت ویسی قسمت، لہذا جیسے خیالات ویسی ہی کائنات! "انا عند ظن عبدی بی"۔

یہ قانون ذہن کے دائرہ میں وہی صداقت و اہمیت رکھتا ہے جو قانون تجاذب دائرہ فطرت میں، یعنی یقینی و قطعی ہے۔ جب سیرت و قسمت کی تشکیل و تعیین میں خیالات ہی کارفرما ہیں، تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لیے اپنے خیالات کی اصلاح کرنا نہایت اہم فریضہ ہے۔ قوم سازی اور فرد کی روح کی تکمیل درستی خیال پر منحصر ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے بیجا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر میں یہاں اپنے چند خیالات کا اظہار کروں۔

مقاصد و غایات کا دائرہ ذہن انسانی ہے۔ انسان کا کوئی فعل مصلحت و غایت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب مقاصد کا تعین غور و فکر سوچ بچار پر منحصر ہے۔ غور و فکر ہی کائنات کی سب سے زیادہ عظیم الشان قوت ہے اور یہی ان دنوں انسان میں سب سے زیادہ غیر تربیت یافتہ قوت ہے۔ اس کی تربیت ہی کے متعلق مجھے یہاں کچھ کہنا ہے۔

فرض کیجیے کہ آپ کو ایک باغ لگانا ہے۔ یہاں آپ کو چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا، جن کو باغبانی کے قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ دریافت کرنی ہے کہ باغ لگایا کہاں جائے، پھر اس جگہ کو مسطح اور خس و خاشاک سے پاک کرنا چاہیے۔ یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے۔ پھر آپ کو پھولوں یا ترکاریوں کے بیج کا انتخاب کرنا چاہیے، اور اس عمدگی سے تیار کی ہوئی زمین میں انہیں بونا چاہیے، ہمیں اس امر کا بھی خیال رہے کہ بیج عمدہ ہیں، ناقص نہیں۔ پھر موسم گرما میں ان بیجوں کو پانی دینا پڑتا ہے تاکہ شدت تمازت انہیں جلا نہ ڈالے۔ اب ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے کہ وقت مقررہ گزر جائے اور بالآخر کونپل نمودار ہو جائے! اگر بے صبری سے ہم بیجوں کو کھود کر دیکھنا چاہیں کہ یہ بڑھ رہے ہیں یا نہیں تو پھر

ان بیجوں کو نشو و نما کا موقع نہیں ملیگا۔ بعض دفعہ ہمیں کچھ زیادہ دن انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن اگر ہم نے زمین کو خس و خاشاک سے اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجوں کے انتخاب میں غلطی نہیں کی، آبیاری کی ہے، تو ہمیں یقین ہے کہ ایک دن زندگی دامن زمین چیر کر پودوں کی شکل میں جلوہ افروز ہوگی! اسی زمانہ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ باد و باراں، آفتاب و حرارت، بیجوں کے نشو و نما کے لیے ضروری ہیں، طوفان تک انہیں نقصان نہیں پہونچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں، ساری کائنات اور کائنات کی ساری قوتیں ان کے ساتھ اشتراک عمل کر رہی ہیں!

فرض کرو کہ انتظار کی مدت بخیر و خوبی گزر گئی، اور یکبارگی بیجوں نے خوش رنگ و دلفریب لالہ و یاسمن کی شکل اختیار کی، فطرت کا یہ بہت لیکن مانوس معجزہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش ہوا۔ شروع ہی سے ہم جانتے ہیں اور یہ علم مرتبۂ یقین تک پہونچا ہے، کہ جس پھول کا بیج ہم نے بویا ہے وہی پھول والا پودا رونما ہوتا ہے، اور ہزارہا بارہیوں کے ساتھ اپنے اندر ان تمام چیزوں کا اعادہ کرتا ہے جو اس پودے میں پائی جاتی ہیں جس کا یہ بیج ہے! کیا اس بیج کو اصلی پھول کی نہ بھولنے والی صورت" یاد" رہتی ہے؟

پھول کی غایت تخلیق سے تو ہم واقف نہیں لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ یہ ہمارے دل کا سرور، آنکھوں کا نور ہے، عرب کے کسی شاعر کی زبان میں ہم اسکو "زینت قلبی" نور بصری، جلاء حزنی، ذاہب ہمّی" کہہ سکتے ہیں!

باغبانی کے یہ قواعد تو آپ سب جانتے ہیں، کوئی بات نہیں، لیکن میری دانست میں نئی بات جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بالکل ہی ان قوانین و قواعد کے استعمال و پابندی سے آپ دنیا کی تمام حسین و خوشگوار چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جو زندگی کہ بیج میں مستور ہے وہی ہم میں سے ہر ایک میں موجود ہے، ان چیزوں کے حصول کے لیے ہمیں زندگی کی ویسی ہی خدمت کرنی پڑتی ہے جیسی کہ ان پھولوں کے بیجوں کی ہم نے کی تھی۔

دلفریب پھولوں کے لیے پہلے خارجی (عالم اکبر) میں باغ لگایا تھا، شادمانی و مسرت کے حصول کے لیے آپ کو باطن (عالم اصغر) میں باغ کے لیے زمین تیار کرنی ہے۔ شاید آپ کو علم نہیں......
.... کہ اسکا محل و قوع ٹھیک کہاں ہے؟ یہ باغ آپ و اپنے "میدان فکر" میں لگانا ہے۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے ہاں ایک عظیم الشان "میدان فکر" موجود ہے جس کی وسعت کو ارض و سما نہیں پا سکتے۔ صرف ہمارا دل ہی اسکو سما سکتا ہے! افسوس ہے کہ یہ میدان خس و خاشاک سے پٹا پڑا ہے۔ یا جانتے ہو کہ یہ خس و خاشاک ہے کیا؟ وہی سلبی خیالات جن کو مختصراً "غلط" اور "بد" خیالات کہنا کافی ہے۔ واقعات دراصل کا اصرار رکھنے کہ

له مقالہ جو حیدرآباد ریڈیکل کانفرنس کے اجلاس میں سنایا گیا تھا، اور اپنا مضمون نگار نگار نے صدق کو عنایت کیا ہے۔ (صدق)

یہی ہماری تمام مصائب و آفات کا سرچشمہ ہیں۔ ان سے ذہن کو پاک و صاف کرنا چاہیے۔ اس راز کو سمجھنے کے لیے اس نفسیاتی قانون پر غور کرو جس کا ہم نے ابتدا ہی میں ذکر کیا ہے۔ خیالات ہی سے ہم زندگی کے مقاصد کا تعین کرتے ہیں۔ اب یہ مقاصد ہی محرک بن کر ہمیں عمل پر آمادہ کرتے ہیں۔ اعمال کی تکرار عادات راسخہ کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اور سیرت سوائے ان عادات راسخہ کے مجموعہ تنظیم کے کوئی اور چیز نہیں، اور ہماری سیرت ہی ہماری قسمت کا دوسرا نام ہے! سلبی خیالات فاسد مقاصد کا تعین کرتے ہیں، ان ہی سے تو شر کا صدور ہوتا ہے، شر کا ارتکاب عادت بن کر سیرت بد کی تشکیل کرتا ہے۔ اب میکانکی طور پر شر ہی کا صدور ہونے لگتا ہے اور شر کے نتائج و ثمرات سے ہم سب واقف ہیں۔ درد و رنج، غم و الم، حزن و یاس!

میدان فکر کا سلبی خیالات کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہونا ضروری ہے اور "نیک خیالات" کی "تخم ریزی" لازمی۔ سلبی خیالات کو دور کرنے کا طریقہ ان سے جنگ کرنا نہیں! ان کا زور مردافگن ہوتا ہے۔

جب ہم ان سے مقابلہ کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے۔ آب حیات (یا چشمۂ حیات) کا بہاؤ توجہ کی طرف ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ہم کسی گناہ یا شر کی جانب توجہ کریں (اسکے استیصال ہی کی خاطر سہی) تو زندگی کی تمام قوتیں اسی جانب رخ کرتی ہیں، اس طرح اس کی طاقت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہمیں بے خوابی کا مرض ہے تو ہم جس قدر اسکے متعلق فکر کرینگے اور اسکو دور کرنا چاہیں گے، بالفاظ دیگر اس کا مقابلہ کرینگے، اسی قدر یہ تکلیف زیادہ ہوتی جائیگی۔ اسکے برخلاف اگر ہم اسکو بالکل بھول جائیں گے تو ہم ٹھنڈی نیند سو جائینگے۔ اسی طرح شر کے مقابلے سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور توجہ سے اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

"شر" کا مقابلہ "خیر" سے کرنا چاہیے۔ "ظلمت" کا مقابلہ "نور" سے۔ ظلمت کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہیے۔ ظلمت کا مقابلہ ظلمت سے کرنا "ظلمات فوق ظلمات" کا مصداق بنتا ہے۔ اگر تمہیں نفرت کو دور کرنا ہو، تو محبت کا تصور کرو، خوف کو دور کرنا ہو تو شجاعت و ہمت پر نظر جماؤ، خود غرضی کے بجائے ایثار نفس کا خیال رکھو۔ اسی طرح تمہیں غصہ کی بجائے حلم، بیماری کی بجائے صحت، کج خلقی کی بجائے خوش خلقی، شکایت کی بجائے صبر و شکر، خلق کی جبہ سائی کے بجائے رازق مطلق کا خیال اپنے ذہن میں جمانا چاہیے۔ تمہارا معروض فکر جو ہوگا رفتہ رفتہ وہی تم بھی بنجاؤگے یہی معنی ہیں جامی سامی کے اس شعر کے ؎

گر در دلِ تو گل گزرد گل باشی
ور بلبل بیقرار بلبل باشی!!

اسی فکر کے ایک دوسرے اعتبار پر غور کرو۔ دنیا میں وہی چیز بری ہے جسکو ہم برا سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اسکو برا نہ سمجھیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے جسم کو آزار پہونچائے لیکن وہ ہمارے قلب کو چھو نہیں سکتی۔ "یاد رکھو دنیا کی ہر چیز کی قیمت رائے پر منحصر ہے اور رائے تمہارے اختیار میں ہے۔ جب چاہو رائے کو ترک کردو، پھر اس ملاح کی طرح جسنے اپنے جہاز کو خطرناک سمندری پہاڑیوں سے بچا نکالا ہو، تمہیں ہر طرف سکون نظر آئیگا! اگر تم اپنی رائے کو ترک کردو تو پھر یہ شکایت باقی نہ رہیگی کہ اسے مجھے نقصان پہونچا۔ اس شکایت کو ترک کردو کہ مجھے نقصان پہونچا تو نقصان خود باقی نہ رہیگا"۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ "عقلمند آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کسی خوش قسمتی کا محتاج نہیں"۔

خیالات کا اثر ماحول پر ناقابل انکار ہے۔ خیالات کی تنگی و وسعت انسان کی روح کو سخت جسمانی تکلیف میں بھی مطمئن اور قوی رکھ سکتی ہے۔ ارادہ نتیجہ ہے توجہ کا یعنی خیال و فکر کا۔ جن خیالات کا اظہار انسان عمل میں کرنا چاہتا ہے ان ہی پر توجہ کو مرکوز کرتا ہے، ان ہی کو ذہن میں دوہراتا ہے، "الاپتا" ہے، ان ہی سے اسکے ذہن کی فضا مملو ہوتی ہے اور یہی خیالات عالم آثار میں عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ خیال حقیقت ہے عمل اسکا ظہور ہے۔ اسی لیے تو ولیم جیمس نے کہا تھا کہ "زندگی کا سارا ڈراما ایک ذہنی ڈراما ہے، ساری مشکل ذہنی مشکل ہے"۔ یہ قول صدق محض ہے!

میدان فکر کو خس و خاشاک سے پاک کرکے نیک خیالات کی تخم ریزی کرو۔ جس طرح باغبانی کے وقت بیجوں کے انتخاب میں احتیاط کی تھی اسی طرح یہاں بھی خیالات کے انتخاب میں نہایت حزم و احتیاط ضروری ہے، اور جس طرح بیج کو پودے کی شکل میں نمایاں ہوتے کچھ عرصہ لگا تھا اور تمہیں انتظار کرنا پڑا تھا اسی طرح خیالات کو عمل میں ظاہر ہوتے بعض دفعہ دیر لگتی ہے، تمہیں پست ہمت نہ ہونا چاہیے اور نہ رنجیدہ! اگر تم نے اپنا کام قاعدے کے موافق کیا ہے، خس و خاشاک کو صاف کیا ہے، نیک خیالات کے بونے میں احتیاط برتی ہے تو شادمانی و مسرت، طمانیت و بردِ قلبی، سرور و کیف وہ گلہائے شاداب ہیں جو نتیجہ کے طور پر تمہیں حاصل ہوں گے۔

ان حقائق سے واقف ہونے کی وجہ سے عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی دشمن نہیں، اگر اس کا کوئی دشمن ہے تو خود اسکا نفس ہے: "اعدی عدوک الذی بین جنبیک"۔ اس لیے وہ نہ کسی پر ملامت کرتا ہے اور نہ کسی کی مذمت؛ برد قلبی کے ساتھ محاسبہ نفس کرتا ہے، صبر و سکون کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کرتا، بلکہ کسی مزید فرض میں مبتلا ہونے سے عذر کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات پر نظر رکھتا ہے اور اپنے افعال کو بے عیب بناتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اعمال نتیجہ ہے اسی کا، قسمت نتیجہ ہے خیالات کا!!

کامل گوید جہاں تمام واہل ست ناقص گوید کہ کوتہ است سہل است
شطرنج جہاں، عرصہ جہاں، رخت ہمہ این بردن و باختن ز علم و جہل است

(دستگابی استرآبادی)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن [illegible] پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج - مرشد آباد پیلس - لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ جانا تو یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خطوط اس پتہ پر آنا چاہییں :-
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے
عبدالماجد
دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی

صدق

نمبر ۵ | لکھنؤ - ۱۱- ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۳۸ء | جلد ۴

سچی باتیں

اہمیت کارخانۂ قدرت میں بڑھ چڑھ کر کس کی ہے؟ افراد کی یا نوع کی؟ اشخاص، نسل کے لیے ہیں یا نسل اشخاص کے لیے؟ مقصود ان میں کون ہے، اور واسطہ کون؟ زید، عمر، بکر، تو روز ہی فنا ہوتے رہتے ہیں، لیکن نسل آدم جوں کی توں چلی آرہی ہے۔ اشخاص ہر لمحہ و ہر آن اُٹھتے رہتے ہیں، لیکن نوع انسانی کا سلسلہ خدا جانے کب سے قائم ہے اور کب تک قائم رہیگا۔ سو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اشخاص و افراد، ذریعہ و واسطہ ہیں، اور مقصود نوع و نسل ہے۔ اور جب یہ حقیقت دلنشیں ہوگئی، تو یہ بھی لازم آیا، کہ جو افعال، بقائے نسل کے سلسلہ کے ہیں، اہمیت بھی اُنھیں کی سب سے زائد، اور وہی اور اُنھیں کی انجام دہی کی سب سے بڑی ہے، جبکے آگے ساری شخصی ذمہ داریاں ہیچ۔

اب ایک نظر اس پر بھی کرنا چاہیے، کہ اس اہم ترین ذمہ داری، فریضۂ بقائے نسل، کا بیشتر حصہ قدرت نے ڈال رکھا ہے عورت کے یا مرد کے، ماں کے یا باپ کے؟ سوال کے ممکن جواب دو نہیں، صرف ایک ہے۔ بلوغ شروع ہوتے ہی، سال کے بارہوں مہینے، اور ہر مہینہ میں گنتی کے دن قدرت کی طرف سے زبردست یاددہانی، اس آنے والی خدمت سے متعلق کس کی ہوتی رہتی ہے؟ ہر نئی خدمت کے لیے پورے نو نو مہینے کسکی زندگی دوہری بسر ہوتی ہے؟ اور پھر ہر مرتبہ، قدرت کی طرف سے آئے ہوئے

نئے مہمان کی مہمانداری میں، ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو برس، کس کی زندگی کے نذر ہوتے رہتے ہیں؟ گویا ہر نئے فریضۂ نسل کے سلسلہ میں کم از کم ڈھائی برس کی مدت! اور قدرت نے اگر کہیں، آٹھ مرتبہ اس اہم ترین نوعی خدمت پر مامور کردیا، تو اس حساب سے، کوئی بیس برس کی مدت، اوسطاً ۱۶ سال سے ۳۶ سال کی عمر تک ۔۔۔۔ کس کی زندگی کے کٹ جاتے ہیں؟ اور مردوں کو اسکے مقابل کچھ بھی جھیلنا پڑتا ہے؟ دنیا کے کسی باپ کو بھی اس کی طرح، یا اس کا عشر عشیر، ماں کی طرح، مرمر کر جینا ہوتا ہے؟ جب بڑوں کے باپ پر بھی وہ بپتا گزرتی ہے، جو دو دو بچوں کی ماں پر گزر جاتی ہے؟

یہ شاعرانہ رنگینیاں، اور خطیبانہ انشاپردازیاں ہیں، یا ٹھوس طبعی حقیقتیں؟ "ظالم" شوہروں کی ایجاد کی ہوئی شقاوتیں، یا قدرت کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریاں؟ ۔۔۔ پھر جس صنف پر قدرت نے خود اس قدر بوجھ ڈال رکھا ہو، کہ مرد اُسکے تصور ہی سے لرز جاتا ہے، اور جسکے قویٰ کی ترکیب، آلات جسم کی تنظیم، نظم زندگی کی ترتیب، سب اِسی مقصد کے ماتحت و مطابق ہو، اُسے میدان مقابلہ میں، ہلکے پھلکے مرد کے صف بہ صف اُتار دینا، اس صنف پر شدید ظلم کرنا ہے یا نہیں؟ یہ عورت کے ساتھ دوستی ہوئی یا دشمنی؟ عورت کا خیرخواہ کون ہے؟ وہ جو اسے اس طرح ساری کشمکش سے بچانا چاہتا ہے، یا وہ جو اُسے اس میں دھکیلنا چاہتا ہے؟ نام اس ظلم کا عورت کی آزادی، مساوات، آزادی، رکھ دیجیے، یا اس سے بھی بڑھ کر کچھ اور، سوال ناموں کی اُلٹ پلٹ کا نہیں، اصل حقیقت کا ہے۔

وعوکا اس سے نہ ہو کہ عورت، فلاں فلاں وقت، فلاں فلاں کاموں میں، اس میدان میں کود دی۔ اور جیت کر رہی۔ جیت کی سطح کو نہیں، عمق کو دیکھیے۔ ٹٹول اس کی کیجیے، کہ جیت کس قیمت پر حاصل ہوئی! سودا گراں کتنا پڑا۔ خدا کی اس بھولی مخلوق نے نادان دوستوں اور زیرک دشمنوں کے کہے میں آکر عزت کی، عزت نفس کی، صحت جسمانی کی، کیسی کیسی بھاری قربانیاں پیش کر دیں!

شریعت اسلامی اور جدید قانون مزارعین

جناب تہور علی انصاری صاحب وکیل، گونڈا سے لکھتے ہیں:-

"جدید قانون مزارعین کا مسودہ شایع ہو چکا ہے۔ جہاں تک اودھ کا تعلق ہے، موجودہ قانون میں ایک حد تک دفعہ ۴۸ کی روسے تقسیم ترکہ شریعت اسلام کے مطابق ہوتی تھی، مگر جدید مسودہ کی دفعہ ۳۱ کی روسے وہ بھی منسوخ کی جا رہی ہے۔ مسودہ ایک مسلم وزیر کے دستخط کے ساتھ شایع ہوا ہے، اور کانگریسی اکثریت سے اندیشہ ہے کہ قانون بن کر رہے گا۔ کیا جناب صدق میں مضامین لکھ کر قوم کو اس خطرہ سے محفوظ کرنے کی سعی کریں گے، اور مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا ابو الکلام آزاد صاحب کو متوجہ کریں گے کہ اپنے اثر کو کانگریسی حلقوں میں کام میں لا کر مسلمان کاشتکاروں کے لیے اسلامی تقسیم ترکہ کے قاعدہ کو قائم رکھنے کی کوشش فرمائیں۔ مسلم لیگ اقلیت میں ہے، حکومت اس کی کب سنتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کانگریسی مسلمان اس مسئلہ پر کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ ایک مسلمان وزیر کے متعلق تو معلوم ہی ہو گیا۔ خدا نہ کرے کہ سب ہی ایسے ہوں۔ مجوزہ دفعہ ۳۱ کی انگریزی عبارت بقدر ضرورت نقل کرتا ہوں......" یہ بھی عرض ہے کہ دفعہ ۳۲ و ۳۳ میں عورتوں کے ترکہ کا قانون ہے۔ دفعہ ۳۲ خالص ہندو طریقہ پر مبنی ہے، اور دفعہ ۳۳ میں بھی اسلامی قاعدہ نہیں ہے۔"

مراسلہ درج کر دیا گیا، اور پرچہ نشان لگا کر دونوں بزرگوں کی خدمت میں بھیج دیا جائیگا۔ اس سے زیادہ صدق کے بس میں اور کچھ نہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ مسلم لیگ اقلیت میں ہے، حکومت کب اس کی سنتی ہے؟ یہ صحیح ہے، لیکن اقلیت بھی اگر منظم و پُر قوت ہو، تو ممکن نہیں کہ اس کی بات ٹالی جا سکے۔ اصلی رونا تو اپنی کمزوری کا ہے۔ اور یہ کام تو مسلم لیگ سے بھی کہیں بڑھ کر جمعیۃ العلماء کے کرنے کا تھا۔ بہرحال اگر علاوہ صدق کے اور بھی مسلمان روزنامے اور سہ روزے اور ہفتہ وار اس مسئلہ کو متفقہ طور پر اٹھائیں، اور لیگ اور جمعیۃ استقامت دکھاویں، تو اثر ہونا اب بھی ممکن ہے۔ اور صوبہ کے کم از کم ایک وزیر کی اسلامیت سے تو بہت کچھ توقع قائم کی جا سکتی ہے۔

کلمۂ حق زبان تجدد سے

"کلمۂ حق صرف آدھا بیان کیا جاتا ہے"

تجدد کے علمبردار نے جھنجلا کر کہا ——— جھنجلا کر مسلمانوں کی اس جہالت پر جو عورت کے "اسلامی فرائض پر ظلم اور زبان سے دریا بہا دیتی ہے" اور منشا اس ادھورے کلمۂ حق کی تکمیل کے لیے قرآن مجید کی تین آیتیں بلا ترجمہ و تشریح (اشد ہی احتیاط!) "تلاوت" کر دیں! آیتیں ملاحظہ ہوں:

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن	مردوں کے لیے پورا حصہ ہے اس کا جو کچھ وہ کمائیں (بصورت مال یا بہ لحاظ اعمال) اور عورتوں کے لیے پورا حصہ ہے اس کا جو کچھ وہ کمائیں (بصورت مال یا بلحاظ اعمال)

گویا اب تک کسی بدنصیب کا عقیدہ یہ تھا، کہ عورتوں کو پورا حصہ نہ اُن کے ثواب اُخروی کا ملے گا، نہ مال دنیوی کا!

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض	اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی دوست اور مددگار ہیں۔

گویا اب تک کوئی شامت زدہ اس پر اَڑا ہوا تھا کہ مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں!

هن لباس لكم وانتم لباس لهن۔	عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ لباس اور تم ان کے لیے بمنزلہ لباس ہو۔

گویا سارھے تیرہ سو برس سے دنیا کے مسلمانوں پر یہ غلط فہمی مسلط چلی آتی تھی، کہ میاں بیوی کا چولی دامن کا ساتھ کیسا، بُعد المشرقین ان کے درمیان رہنا چاہیے!

سنتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے مقابلہ میں، جنگ صفین میں، شامیوں کی فوج نے قرآن اپنے نیزوں پر باندھ لیے تھے۔ گویا امیر المومنینؓ قرآن کے مقابلہ میں شمشیر زنی کرنے آئے تھے! ——— کون کہتا ہے کہ یہ خداداد طباعی اور ذہن کی حیرت انگیز رسائی متقدمین پر ختم ہو گئی!

نفی اثبات، بیسویں صدی میں

"شریعت حقہ کے "حاملین" کہاں ہیں جو دنیا کو مرد کے متعلق عورت کے فرائض گنایا اور جتایا کرتے ہیں، لیکن عورت کے متعلق مرد کی بجرمانہ بے پروائیوں کا تذکرہ کبھی زبان پر نہیں لاتے! جن زبانوں پر کلام اللہ کی تمام آیتیں اور حدیث کے تمام مطالب رواں ہوتے ہیں، اُن زبانوں سے ہم ان بے انصافیوں کے متعلق بھی کبھی کبھی دو حرف سننا چاہتے ہیں جو عورت کے حق میں روا رکھی جاتی ہیں۔ "ازالۂ اوہام" اور "تا طل" اور "آمین بالجہر" اور فرض و مباح و مستحب کی بحثوں پر مقالے اور رسالے لکھنے والے بزرگوں سے ہم یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ کبھی ایک حرف اُس "صنف نازک" کی مظلومیت کے متعلق بھی تحریر فرمائیں گے جو ہماری سماج میں ظالمانہ زندگی بسر کر رہی ہے!!"

نماز کا طبی اور ورزشی پہلو

(ترجمہ از حکیم عبد القوی دریابادی)

نماز کا افتتاح تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے۔ یہ اس کی پہلی حرکت ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کا خیال اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس سے کانوں میں زیادہ سننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور ساعد و بازو کے عضلات کی ورزش ہو جاتی ہے۔ تکبیر کے بعد الفاظ کی جو قرأت کی جاتی ہے، خصوصاً یہ ... ان سے اعضائے تنفس کو بڑی مدد ملتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے۔ رکوع اور قیام کی حرکات سے معدہ میں قوت پہنچتی، ہضم غذا میں مدد ملتی، اور گردوں کی صفائی ہوتی ہے۔ معدہ کے عضلات کے ساتھ اس سے پشت اور شانے کے عضلات کو بھی مدد ملتی ہے۔ اگر یہ ورزش کی جاتی رہے تو مرد کی زندگی زیادہ قیمتی ہوتی اور عورت کی کے لیے زچگی دشوار ہو جاتی ہے۔ سجدہ پر اگر ہم غور کریں، تو اسے سارے بدن خصوصاً معدہ، بازو اور گردن کی ورزش کے لیے اور زیادہ سود مند پائیں گے۔ آخری رکن نماز کا سلام پھیرنے کا ہے۔ اس سے گردن کے عضلات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مقصد نہیں کہ نماز محض انھیں منافع کے لیے پڑھی جائے۔ نماز ایک لازمی چیز ہے اور ورزش سے کہیں بڑھ کر ہے، اور ان مصالح خداوندی کی حامل ہے جو ہمارے عقلوں سے بالا ہیں۔ بہت سے نفسی بیماریوں کے مریض، نماز پڑھنے کے باعث صحت یاب ہو گئے ہیں۔ مزید برآں، نماز انسان میں یکسوئی و مرکزیت توجہ کو بڑھا دیتی ہے، اور انسان کو ساری دنیاوی فکروں سے چھڑا کر خدا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔ اس سے روح، اعصاب، دماغ اور پورے جسم کو سکون ملتا ہے۔ اور یہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے لابد اساس کے ہے، خصوصاً علم علاج، سیاسیات، اجتماعیات و اقتصادیات کے لیے۔

اسلام ہر زمانہ کے لیے موزوں ہے۔ اس لیے کہ تمدن اس کا ایک جزو اور اسی سے مشتق ہے۔ اگر اسلام سے کسی وقت تمدن الگ ہو جائے تو اس بات کو عارضی سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ وہ بہت جلد واپس آ جائے گا۔

(اسلام ورلڈ - امریکہ - بابت اپریل ۳۸ء
بحوالہ الارشاد دمشق)

صدق کی سالانہ جلدیں

جلد اول بابت ۳۵ء قیمت ... }
جلد دوم ” ۳۶ء ” ... } علاوہ محصول
جلد سوم ” ۳۷ء ” ... }

دفتر صدق سے طلب فرمائیے

عورت اور مرد کی غیر مساویانہ حیثیت

(سلسلۂ تفسیر سورۃ النساء - از حضرت مولانا ابو الکلام صاحب)

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا من اموالہم فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ، والتی تخافون نشوزہن فعظوہن واہجروہن فی المضاجع واضربوہن فان اطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلاً، ان اللہ کان علیاً کبیراً۔

مرد عورتوں کے سربراہ اور کارفرما ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (خاص خاص باتوں میں) فضیلت دی ہے نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال (جو انکی محنت سے جمع ہوتا ہے عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں، پس جو نیک عورتیں ہیں ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اللہ کی حفاظت سے (جو انھیں حاصل ہو جاتی ہے) پوشیدگی اور غیبت میں بھی (شوہروں کے حقوق و مفاد کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن بیویوں سے انھیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو یہ نہیں کرنا چاہیے کہ فوراً دل برداشتہ ہو کر قطع تعلق کر لو بلکہ) چاہیے انھیں (پہلے نرمی و محبت سے) سمجھاؤ، پھر خوابگاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو انھیں) (بغیر نقصان پہونچانے کی غرض، بطور تنبیہ کے) مارو پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو (سختی سے درگزر کرو، ایسا کرو) کہ الزام دینے کے لیے راہیں ڈھونڈھو (یاد رکھو) اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا موجود ہے۔

نزول قرآن سے پہلے دنیا کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ وجود انسان کا کمال ظہور صرف مردوں ہی کی جنس میں ہوا ہے عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتی۔ وہ صرف اس لیے بنائی گئی ہیں کہ مردوں کی کامجوئیوں کا ذریعہ ہوں اور انکی چاکری و پرستاری میں فنا ہو جائیں۔

قرآن تاریخ عالم کی سب سے پرانی آواز ہے جو اس اعتقاد کے خلاف بلند ہوئی۔ وہ کہتا ہے، خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں یکساں طور پر اپنی ہستی اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانۂ معیشت کے لیے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔ انسان کی معاشری زندگی کے لیے یہ دو مساوی عنصر ہیں جو اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی پیدا کریں۔

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی ہی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔ مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ اسی لیے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انھیں کے لیے ہو گیا۔

(ترجمان القرآن - جلد اول)

(باقی آئندہ)

انقلاب کا رُخ

(۲)

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی - ایڈیٹر ترجمان القرآن)

مسلمانوں کو اپنے نام "مسلم" پر بڑا فخر ہے - خدا کا رکھا ہوا نام، اور وہ نام جس سے بڑھ کر عزت و افتخار کا نام آج تک دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ مگر ڈاکٹر سید محمود صاحب کے نزدیک اس علیحدہ نام سے مسلمانوں کو موسوم ہونا قابلِ اعتراض ہے - ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی، اور اس قسم کے دوسرے تمام اسماء اُن لوگوں کے نزدیک محو ہو جانے چاہییں، اور صرف ایک نام "ہندی" تمام باشندگانِ ہند کے لیے استعمال ہونا چاہیے تاکہ جداگانہ قومیت کا احساس ہی باقی نہ رہے - فرماتے ہیں: -

"لفظ "ہندی" کو زبان کے لیے نہیں، بلکہ اہلِ ہند کے لیے اختیار کرنا چاہیے - دنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں لوگ مختلف مذاہب سے شناخت کیے جاتے ہیں - صرف اس کا اظہار ہی ہماری داغی کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس براعظم کی علیحدہ علیحدہ "مذہبی اقوام" ہیں - اسی لیے اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب ایک مشترک نام اختیار کر لیں "

"ہم علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں" یہ گویا ہمارے دامن پر ایک شرمناک دھبہ ہے جسے مٹا دینے کی ضرورت ہے! وہ داغی کیفیت ہی لائقِ صد شرم و ندامت ہے جسکے تحت دنیا کے اس اکیلے ملک ہندوستان و درخشان کے باشندے مختلف مذاہب سے شناخت کیے جاتے ہیں!! یہ ثابت ہو جاتا کہ ہم اس براعظم کی علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں، گویا اس بات کا ثابت ہو جانا ہے کہ ہم دورِ وحشت کی یادگار ہیں! اور اس تلخ حقیقت کو شیرینی یا کم از کم زہرِ شیریں سے بدل دینے کے لیے اب ناگزیر ہے کہ ہم اُن ناموں کو مٹا ڈالیں جو "علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام" ہونے کے احساس کو زندہ رکھتے ہیں ——— یہ ہیں اُس زعیم قوم کے خیالات جسکو مولانا ابوالکلام آزاد نے صوبۂ بہار کی وزارت میں ۸۴ لاکھ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے منتخب فرمایا ہے[۱]، اور جو بجنور کی انتخابی مہم میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ دوش بدوش کام کرتا نظر آتا ہے - سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ حکیم میں کہ اصل محرومی آنکھوں کا بصارت سے محروم ہو جانا نہیں ہے بلکہ ان دلوں کا بصیرت سے محروم ہو جانا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ فانّہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

جو لوگ جناح کی فرنگیت اور بے دینی پر بڑھ کر اعتراض کرتے ہیں اُنکے جوشِ دینداری دیکھ کر ہماری زبان سے بے اختیار مرحبا نکلتی ہے - مگر جب اسی لمحہ میں وہ ان خیالات کی تبلیغ کرنے والوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کے باوجود جناح پر طعن کرتے ہوئے انھیں شرم بھی نہیں آتی تو ہم حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ یا رب! یہ کیا تماشا ہے؟ یہ دینداری ہے یا سیاسی دھڑے بندی اور عصبیتِ جاہلیت؟ جناح فرنگی اور بے دین سہی مگر کونوا عباد اللہ اخوانا کی آواز تو بلند کر رہا ہے - اُسکو مطعون کیا جاتا ہے محض اس بنا پر کہ نہ اُسکی صورت اسلامی ہے، نہ سیرت اسلامی - مگر یہاں سیرت و صورت دونوں غیر اسلامی ہیں مگر اُنکے ساتھ عہد الہند کی جا رہی ہے کہ تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بین الکفار والمشرکین یہاں عَود الی الجاہلیۃ الاولیٰ کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور سیاسی اغراض کے لیے ملتِ ابراہیمی کا نام تک مٹا دینے کی فکر ہے - اسکے باوجود آزادیٔ ہند کے ان داعیوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کیا جاتا ہے اور ان کا اعتبار مسلمانوں میں قائم کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تاکہ یہ انگریزی اقتدار کی جڑ کھود دینے سے پہلے محمد رسول اللہ کے نخل آرزو کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں!۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یہ تو صرف ایک نظیر تھی، کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ بس یہ ایک ہی نظیر ہے -

آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے حال ہی میں ایک مستقل شعبۂ اسلامیات قائم کیا ہے جس کے کارکن مسلمان ہیں، اور نشر و اشاعت کے آلۂ کار سب کے سب مسلمان اخبارات ہیں - مسلمانوں کے لیے کانگرس نے جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اُنکی فہرست میں اس شعبۂ اسلامیات کے قیام کو بھی ایک نمایاں جگہ دی جاتی ہے - چنانچہ جمعیۃ العلماء کا واحد ترجمان "الجمعیۃ" اس خدمتِ جلیلہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: -

"دورِ جدید میں مسلمانوں نے شکایت کی کہ کانگرس عام مسلمانوں سے ربط نہیں رکھتی - اسلامی جرائد نے اس شکایت کو پیش کیا - پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی معقولیت کو تسلیم کیا اور محض مسلمانوں کی فلاح و سہولت کار کے لیے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ماتحت اسلامیات کا ایک مستقل شعبہ کھول دیا " -

(الجمعیۃ - مورخہ ۵ - رمضان ۱۳۵۶ھ)

بیچارے ناواقف عوام جب ان الفاظ کو دیکھیں گے تو کہیں گے

---

[۱] اس موقعہ پر مولانا ابوالکلام کے تذکرہ میں ان علماء و مشائخ کے حالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے، جنھوں نے دورِ اکبری میں سیاسی اغراض پر دین کی قربانی بڑھانے والوں کے ساتھ مداہنت برتی تھی - ان لوگوں کے متعلق مولانا نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ انشاءاللہ ازدیادِ بصیرت کے موجب ہوں گے۔

۲۵ فکیف اذا جمعنٰھم لیوم لا ریب فیہ، ووفیت کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون۔

سو کیا حال ہوگا[۱۸]، جب ہم جمع کرینگے انکو اُس دن، جس میں ذرا شک نہیں[۱۹]۔ اور پورا بدلہ دیا جائیگا ہر شخص کو اسکا جو کچھ اس نے کیا ہے[۲۰]، اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائیگا[۲۱]۔

۲۶ قل اللّٰھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشآء، وتنزع الملک ممن تشآء، وتعز من تشاء وتذل من تشآء، بیدک الخیر، انک علٰی کل شیء قدیر۔

کہیے[۲۲]، کہ اے اللہ مالک (سارے) ملک[۲۳] کا، تو دیدیتا ہے ملک جس کو چاہتا ہے اور لے لیتا ہے ملک جس سے تو چاہتا ہے[۲۴]۔ اور تو پست کر دیتا ہے جسے تو چاہتا ہے[۲۵]۔ تیرے (ہی) ہاتھ میں ہے بھلائی[۲۶]۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے[۲۷]۔

۲۷ تولج الیل فی النہار وتولج النہار فی الیل، وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی، وترزق من تشآء بغیر حساب۔

تو داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں[۲۸] اور تو داخل کر دیتا ہے دن کو رات میں[۲۹]، اور تو نکالتا ہے جاندار کو بیجان سے[۳۰]، اور تو نکالتا ہے بیجان کو جاندار سے[۳۱]۔ اور تو رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بے حساب[۳۲]۔

۲۸ لا یتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین، ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقٰۃ، ویحذرکم اللہ نفسہ، والی اللہ المصیر۔

نہ بنائیں مومنین کافروں کو دوست[۳۳]، مومنین کے علاوہ[۳۴]۔ اور جو ایسا کریگا، وہ اللہ کے ساتھ[۳۵] کسی شمار میں نہیں[۳۶]، مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کوئی اندیشہ رکھتے ہو[۳۷]، اور اللہ تم کو خبردار کرتا ہے اپنی ذات سے[۳۸]۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے[۳۹]۔

مزید حوالہ بائبل سے، سورۂ بقر کے مختلف حواشی میں گزر چکے ہیں، خصوصاً رکوع ۶۰۷ میں۔ مورخ گبن کے الفاظ ہیں،

"اپنے شہنشاہ حقیقی کے خلاف بغاوت انکی عام عادت تھی۔ جب ہوتا ہو دوسری قوموں کے بتوں کو لاکر ہیود اسکے معبد میں لاکر بٹھا دیتے، اور پھر اُس عجیب و غریب رسم کی پیروی کرنے لگتے، جو وسط عرب، یا فینیقیہ کے شہروں میں کہیں بھی پائی جاتی"۔ (رومن امپائر۔ جلد ۲۔ ص۔)

۱۳؎ یعنی یہ سرکشی و عدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ

۱۴؎ اس پر حوالے، پارۂ اول میں اسی آیت کے حواشی میں گزر چکے "گنے چنے دنوں" سے مراد ۴۰ روز کی وہ مدت ہے جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی

۱۵؎ (عقائد کے باب میں) یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے طرح طرح کے عقائد باطل و خرافات کا ایک مجموعہ گڑھ رکھا تھا، مثلاً ایک یہی کہ اسرائیلی پر آتش دوزخ حرام ہے (بجز مستثنیٰ صورتوں کے) یا یہ کہ ابراہیمؑ و یعقوبؑ کی شفاعتیں، اپنی اولاد، یعنی بنی اسرائیل کے حق میں کام آجائیگی۔

۱۶؎ (نجات کے باب میں) چنانچہ یہ بلا ایمان و عمل اپنی مغفرت کا عقیدہ جمائے بیٹھے ہیں۔

۱۸؎ (ان شامت زدوں کا)۔ مقصود اس طرز استفہام سے عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔

۱۹؎ یعنی یوم قیامت۔

۲۰؎ ازروے حسنات و سیئات۔

۲۱؎ یعنی نہ کسی کو سزا بے جرم، یا زیادہ از جرم مل جائے۔

۲۲؎ یعنی اے ہمارے پیغمبر، آپ یوں دعا مانگتے رہیں ——

۲۳؎ یعنی سارے جہان کا۔ لفظ 'مالک' سے یاد دلانا یہ مقصود ہے کہ سارے مالکانہ تصرفات کا حق و اختیار اُسی کو حاصل ہے۔

۲۴؎ بادشاہی دینا اور بادشاہی لے لینا تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور نفس بادشاہت میں تقدس ذرا سا بھی موجود نہیں۔ اس میں رد ہے ان مشرک قوموں پر، جو خود بادشاہی کو الوہیت یا نیم الوہیت کا درجہ دیے ہوئے ہیں۔ مصر قدیم میں فرعون کی پرستش، ہندوستان میں مہاراجوں کی پرستش، جاپان موجودہ میں میکاڈو کی پرستش، سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ بادشاہی بھی، اسلام نے بتایا کہ دنیا کی تمام نعمتوں کی طرح محض ایک، خدائی تصرف ہے، اور بادشاہ بھی بالکل ایسا ہی بندہ ہوتا ہے، جیسے دوسرے انسان۔

۲۵؎ (افراد و اقوام میں)

۲۶؎ (اپنی حکمت مطلقہ کے مطابق) پس جس قوم کے جس فرد کو تو چاہے، مرتبۂ نبوت پر سرافراز کر دے، دوسروں کا اس میں اجارہ کیا؟

۲۷؎ (اُس فرد یا قوم کے پاداش عمل میں)۔ مرتبۂ نبوت سے کوئی فرد تو (نعوذ باللہ) معزول ہوتا نہیں۔ البتہ اس نعمت سے محرومی اقوام کے حصہ میں آسکتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرافراز رہنے کے بعد بالآخر اس سے معزول کر دیے گئے، اور یہ نعمت بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہو گئی۔

۲۸؎ (ہر قسم و مرتبہ کی)۔ وجود ایجابی صرف خیر کا ہے، اس لیے ذکر اسکا کیا گیا۔ اسکے مقابل کی چیز شر محض ایک سلبی حقیقت ہے

۲۹؎ پس یہود اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نبوت پر بجائے انکے اسمٰعیلی گھرانے کے شریف ترین و معزز ترین رکن سرافراز کیا گیا۔

۳۰؎ (محض اپنی قدرت و اختیار سے)

۳۱؎ جاہل مشرک قوموں نے 'دن' اور 'رات' کو بھی معبود قرار دیا ہے۔ آیت میں تردید اس قسم کے خرافات کی بھی آگئی۔

۳۲؎ مثلاً پرندہ کو انڈے سے۔ ۳۳؎ مثلاً انڈے کو پرندے سے۔

۳۴؎ پس وہ اگر ضعفاء کو بڑی بڑی سلطنتیں بخش دے تو اس پر تعجب کیا ہے؟

۳۵؎ (ظاہراً و باطناً) ۳۶؎ یعنی نہ مومنین کو چھوڑ کر، اور نہ مومنین کے شمول میں۔ دوستی کا تعلق علاقۂ قلب سے ہے۔ اور منکروں کے ساتھ رشتۂ قلب جوڑنا، تشخص قومی و ملی کے بالکل منافی ہے۔

۳۷؎ (دوستی رکھنے میں

۹- قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوه یعلمه الله ویعلم ما فی السموات وما فی الارض والله علی کل شیء قدیر۔

کہہ دیجیے کہ تم (خواہ) پوشیدہ رکھو اسے جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے، یا ظاہر کرو اسکو، اللہ جانتا ہے اسکو[۴۰] اور جانتا ہے اُسکو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے[۴۱] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۴۲]

۱۰- یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بینها وبینه امدا بعیدا ویحذرکم الله نفسه والله رؤف بالعباد

جس دن[۴۳] پائیگا ہر شخص[۴۴] اپنے ہر نیک کام کو سامنے لایا ہوا، اور اپنے ہر بُرے کام کو (بھی)[۴۹] اس بات کی تمنا کریگا کہ کاش اُس (شخص) کے اور اس (دن) کے درمیان مسافت بعید ہوتی! اور خبردار کرتا ہے تم کو اپنی ذات سے[۵۰] اور اللہ نہایت مہربان ہے بندوں پر[۵۱]۔

---

۳۸ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے ساتھ مقبول و معتبر نہیں۔

۳۹ (ضرر کا اپنے متعلق)۔ بس دفع ضرر کے لیے اُس حد تک ظاہری تعلقات دوستانہ کی اجازت ہے۔ "کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں۔ موالات یعنی دوستی۔ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی۔ مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں، اور مدارات تین حالتوں میں درست ہے، ایک دفع ضرر کے واسطے، دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لیے۔ اور اپنی مصلحت مال یا جاہ کے لیے درست نہیں۔ اور جبکہ ضرر دینی کا خوف ہو، تو بدرجہ اولیٰ یہ اختلاط حرام ہوگا اور مواسات اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے، اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز۔" (افادات مفسر تھانوی مدظلہٗ۔ ملخصًا) یہ بھی لحاظ رہے کہ آیت میں ذکر "اندیشہ" کا ہے، محض توہم کا نہیں۔

۴۰ کہ قابل عظمت، و صاحب اقتدار فی الحقیقت صرف وہی ہے۔

۴۱ سو پروا اُسی کی خوشنودی کی، اور تعمیل اُسی کے احکام کی کرو۔

۴۲ (اے ہمارے پیغمبر!) ۴۳ سو باز رہو اُسکے احکام کی ظاہری و باطنی ہر مخالفت سے۔

۴۴ اُسکا علم ہر طرح کامل و محیط ہے، ناقص و محدود نہیں، جیسا کہ یونانیوں اور بعض مشرک قوموں نے گمان کیا ہے۔

۴۵ جب علم کے ساتھ اس کی قدرت بھی کامل ہے، تو اُس کی سزا سے بھی ڈرتے ہی رہنا چاہیے۔ ۴۶ یعنی قیامت کے دن۔ ۴۷ اپنے مواجہہ میں۔

۴۸ اللہ کے حضور میں۔

۴۹ (کہ اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) جب یہ حسرت اُنکے دلوں میں پیدا ہوگی، جنکے پاس مجموعہ ہے اعمال خیر و شر کا، تو جس کے پاس شر ہی شر ہو، اُس کی حسرتوں کا کیا پوچھنا!

۵۰ کہ قابل عظمت و صاحب اقتدار فی الحقیقت صرف وہی ہے۔

۵۱ سو یہ بار بار کی تنبیہ و تخویف بھی اسی شفقت و رحمت کا نتیجہ ہے، کہ کاش بندے اب بھی ہلاکت کی راہ سے باز رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳)

تھے، آخر ضبط نہ کرسکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے، کہ خدا کیلیے مجھے اسوقت چھوڑ دو لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لونگا۔ سلمیٰ نے انکار کیا، یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے، اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔ ..... ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں۔ انھوں نے فوراً اصطبل میں جاکر سعد کے گھوڑے پر جسکا نام بلقا تھا، زین کسا۔ اور نیزہ ہاتھ میں لیکر میدان جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے، صف کی صف اُلٹ دی تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے، اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانہ میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانہ میں آکر خود بیڑیاں پہن لیں سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعدؓ سے بیان کیے سعدؓ نے اُسی وقت انکو رہا کردیا اور کہا، خدا کی قسم جو شخص مسلمانوں پر یوں نثار ہو، میں اُسکو سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا خدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔" (الفاروق، حصہ اول، ص۹۹)

بیان، مینوشی کے ایک مجرم کا ہے ——— شرابی اور گنہگار عہد صحابہ میں بھی ہوتے تھے ——— مسلمانوں پر لشکر کفر کی یورش دیکھ ضبط نہ کرسکا، خود جلتی آگ میں کود پڑا۔ پھر آج اگر شعائر دین اور تہذیب اسلامی کو خطرہ میں دیکھ سیکڑوں ہزاروں کمزور عقیدوں والے اور بدعمل مسلمان خدمت اسلام کے لیے میدان میں آگئے ہیں، تو آپ اُنکے خلوص کی طرف سے یہ کہہ کہہ کر کیوں بدگمان ہو رہے ہیں، کہ ان میں فلاں تو داڑھی مُنڈاتا ہے، اور فلاں سوٹ پہنتا ہے؟ عجب کیا ہے کہ انکے قبول توبہ کا وقت آگیا ہو، اور انھیں اصلاح اسی جذبہ اخلاص کے واسطہ سے نصیب ہو جائے!

(بقیہ صفحہ ۷)

سلسلۂ تفسیر سورۂ بقر

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ۔ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ٹھیک اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک خاص درجہ حاصل ہے۔

سورۂ نساء میں اس خاص درجہ کی تشریح کردی ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء (۳۸) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک باعتبار حقوق مرد اور عورت ایک سطح پر ہیں، دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر امتیاز نہیں، البتہ ایک خاص درجہ ہے جو صرف مرد کے لیے ہے اس میں عورت اس کی ہمدرجہ نہیں۔

یہ درجہ کونسا ہے؟ قرآن کہتا ہے منزلی حقوق کا درجہ ہے یعنی خاندان کے نظام کے حقوق کا درجہ۔ وہ حقیقی حقوق میں دونوں کو مساوی درجہ دیتا ہے لیکن منزلی حقوق میں مرد کے امتیازی درجہ کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے خاندان کا نظام امن و درستگی کے ساتھ چل نہیں سکتا اگر کوئی ایک وجود اس کا مقوم یعنی قائم رکھنے والا نہ ہو۔ یہ وجود کون ہو سکتا ہے؟ مرد یا عورت؟ قرآن کہتا ہے مرد۔ بس اتنا ہی امتیاز مرد کو عورت پر حاصل ہے ...... دنیا نے آج تک زیادہ سے

گویا ہندوستان میں دورِ تجدد کے طلوع سے قبل (اور اس طلوع کو ابھی دن ہی کتنے گزرے ہیں) ظالم مَردوں میں سے کسی کو بھی اپنی ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں اور بیویوں کی حق تلفیوں کا خیال تک نہ آیا، اور مولویوں کے دل تو بالکل پتھر ہی ہو کر رہ گئے تھے، جب تک تجدد کا پیام ہر روز شائع نہ ہونے لگے (اور اس پیام کی ابھی عمر ہی کتنی ہے) سب کی زبانیں گونگی رہیں! یہ ہے خلاصہ اُن مقالاتِ عالیہ کا، جو پروپیگنڈا کی فسوں سازیوں کے نت نئے عنوان سے، ادیبانہ شان سے، خطیبانہ آن سے، ایک کے بعد ایک شائع ہو رہے ہیں! —— گویا اس پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں، حمایتِ نسواں و وکالتِ حقوقِ نسواں میں جتنی بھی کوششیں ہوئیں، حالی اور نذیر احمد نے جو کچھ کہا اور لکھا، دہلی کے راشد الخیری مرحوم اپنی ساری عمر جس موضوع کی نذر کر گئے، اور ایک پورا کتبخانہ کا کتبخانہ تیار کر گئے، گورکھپور کے مولوی احسان اللہ عباسی مرحوم جو صدہا صفحات لکھ گئے، لاہور کے مولوی ممتاز علی مرحوم جو کچھ چھوڑ گئے، تھانہ بھون کے مولانا اشرف علی مدظلہ اپنی بیسیوں مواعظ اور تصانیف میں ادائے حقوق کی جو زبردست تاکید کرتے چلے آئے ہیں، لاہور، جالندھر، لکھنؤ وغیرہ کی جو درسگاہیں اور انجمنیں جو کام کرتی چلی آ رہی ہیں (یہ چند نام محض بطور نمونہ ہیں، کوئی فہرست تیار نہیں ہو رہی ہے) یہ سب کچھ تجدد کی چشمِ تحقیق میں

ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!

کا مصداق! —— "نفی اثبات" صوفیہ کے ہاں ایک پرانی اصطلاح صدیوں سے چلی آ رہی ہے، کون جانتا تھا، کہ تجدد اپنے دور میں، اس پرانے لغت کے جدید معنی پیدا کر دیگا۔ اتنے "دل آویز"، اور "رومان" سے لبریز!

تاریکیوں میں روشنی

"اس بحث کو ہم عنقریب اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرینگے کہ عورت کی جائز آزادی کا صحیح مفہوم باعتبار قرآن مجید و حدیث شریف کیا ہے" (پیام)

کیسا خوش آیند ہوگا اُس صبح کا طلوع، جب پیام کے صفحات ہونگے اور قرآن مجید کی آیات! مدیر پیام کا نمائندہ تجدد خامہ ہوگا، اور احادیث نبوی کی تشریحات! وہ مبارک دن کسی طرح آئے تو، جب بجائے اس قسم کی بحث و دلائل کے کہ چونکہ "روشن خیال" ترکوں نے لاطینی رسم الخط کا جُوا اپنی گردن پر رکھ لیا ہے، اس لیے مسلمانانِ ہند بھی اپنے قومی و ملی رسم تحریر سے دست بردار ہو جائیں، یا چونکہ [illegible] فرنگی عورت کو گھر سے باہر لے آئی ہے، اس لیے مسلمان خاتون کو بھی آزاد ہو جانا چاہیے، پیام کے ادارتی کالموں کی زینت قال اللہ و قال الرسول سے ہونے لگے۔ لیکن اب تک جو نمونے معاصر نادر نے قرآنی استدلال کے پیش کیے ہیں، وہ تو بجائے شوق و اشتیاق بڑھانے کے کچھ اس درجہ افسردگی ہی سی پیدا کر رہے ہیں، اور بار بار بے ساختہ غالب کے کلام کی داد دے رہے ہیں

ہے کیا جو کس کے باندھیے، میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں؟

غصبِ حقوق کا جواز

"جب سیاسی سوال اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، تو قانونی حقوق کو ایک لمحہ کے لیے بھی پوچھتا کون ہے"؟

یہ یورپ کے کسی ڈکٹیٹر (آمر) نے نہیں، صوبہ متحدہ کے وزیر صیغۂ قانون و عدالت نے، اسی مئی کے مہینہ میں، صوبہ کی کونسل میں، زمینداروں کے مطالبۂ حقوق کے جواب میں فرمایا! زمینداروں اور کاشتکاروں کے جھگڑے کو چھوڑیے، یہاں زمینداروں کے اس مطالبہ سے بحث نہیں، کہ مالک آراضی ہم ہی ہیں۔ یہاں کہنا صرف اس قدر ہے کہ قانونی مطالبات کے استرداد میں، حق و انصاف کے استغاثوں کے جواب میں، وزیر قانون کی زبان سے "سیاسی پہلو کی اہمیت" کا یہ ہمہ گیر نکتہ خوب نکل آیا! کون ہے اب جو حبشہ کے پیس ڈالنے میں اٹلی کو، اور چین کے کمزور حصوں کے چبا ڈالنے میں جاپان کو جابر و غاصب کہنے کی جرأت کر سکے؟

زمینداری عہد فاروقی میں

"ایک عجیب غلط فہمی عام ہو گئی ہے۔ لوگوں کو معلوم نہیں کہ جس اقتصادی صورت حال کا نام آج کل سرمایہ داری ہے، وہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کے کسی ملک میں پہلی موجود نہ تھی۔ عرب میں تو اسکا تصور بھی نہیں ہو سکا تھا" (ہند، ہفتہ وار ۳۰ مئی)

خدا معلوم زمینداری، اشتراکیت کی تعریفِ سرمایہ داری میں داخل ہے! نہیں۔ اگر نہیں، تو خیر، لیکن اگر ہے، تو آج کے سوشلسٹ اور کل کے مذہبی بزرگوار، مولانا شبلی مرحوم کی اس تصریح کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں:—

"جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقدار تھے، اور جنکو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی، اور اُنکے جو اختیارات و حقوق تھے، سب بحال رکھے"

(الفاروق - حصہ دوم صفحہ ۳۶)

مرزبان کے معنی لغت فارسی میں بھی زمیندار و مالکِ زمین کے ملتے ہیں:—

"مرزبان ... حاکم و سر سرحد و صاحب طرف و والی، و نیز بمعنی زمیندار باشد، و نگہدارندہ و نگہبان را نیز گویند۔" (برہان قاطع)

بد عملوں کا عمل

کتاب الخراج (قاضی ابو یوسفؒ) کے حوالہ سے مولانا شبلی مرحوم جنگ قادسیہ (محرم ۱۴ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں:—

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا، ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے، اور جنکو شراب پینے کے جرم میں سعدؓ نے قید کر دیا تھا۔ قید خانہ کے دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے، اور شجاعت کے جوش میں [illegible] بے خود ہوئے جاتے [illegible]

سورۂ آل عمران، رکوع (۳)

(سلسلۂ صدق — ماقبل)

(از عبد الماجد)

۱۔ ان الذین یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یأمرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم	بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو عدل کی تعلیم دیتے ہیں، سو انکو خبر سنا دیجیے ایک عذاب دردناک کی۔
۲۔ اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ وما لھم من ناصرین	یہ لوگ وہ ہیں جنکے اعمال غارت ہوگئے دنیا میں اور آخرت میں، اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا۔
۳۔ الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون۔	کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنھیں حصہ دیا گیا کتاب (الٰہی) کا، (اور) انھیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ انکے درمیان فیصلہ کردے، سو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے بے رخی کرتے ہوئے۔
۴۔ ذلک بانھم قالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات وغرھم فی دینھم ما کانوا یفترون۔	یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو (دوزخ کی) آگ چھوئیگی بھی نہیں بجز چند گنے ہوئے دنوں کے، جو کچھ یہ تراشتے رہے ہیں اس نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

لہ یعنی کسی کتاب سے [illegible]

لہ [illegible] قتل ناحق و انصاف کے خلاف تو ہے ہی، خود قاتلوں کے قوانین و ضابطہ کے بھی خلاف ہوتا ہے۔ انبیاء کے قتل ناحق پر مفصل حاشیے سورہ بقرہ رکوع [illegible] میں گذر چکے۔

لہ (اخلاق و معاملات میں)۔ یہ اشارہ بھی زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ بائبل کی کتاب عاموس میں ہے:۔

"[illegible] اسرائیل کے اس شخص کو جو [illegible] تمہاری بات کہتا ہوا [illegible] کو [illegible] ... وہ اس کا [illegible] [illegible] سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے" (باب ۵۔ آیت ۱۰)

لہ ایسے مجرموں کی سزا [illegible] سے متعلق حضرت داؤد کی کتاب زبور میں ہے:۔

"وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے، اور ہرے سبزے کی طرح مرجھا جائیں گے ... بدکار کاٹ ڈالے جائیں گے ... تھوڑی ہی مدت ہے کہ [illegible] نہ ہوگا تو غور کرے گا [illegible] معدوم ہوگی اور وہ نہ ہوگا [illegible] کے برخلاف [illegible] [illegible] ہے اور [illegible] [illegible] ہے۔ خداوند اس پر [illegible] کیونکہ [illegible] کا دن آتا ہے۔ شریروں نے تلوار [illegible] اور [illegible] تاکہ [illegible] اور محتاج کو گرادیں [illegible] تلوار [illegible] [illegible] میں [illegible] ... مفسدوں [illegible] جو صادق کا ہے [illegible] سے شریروں کے [illegible] شریروں [illegible] ٹوٹ جائینگے ... جو شریر [illegible] دشمن [illegible] [illegible] فنا ہوجائیں گے۔ وہ دھوئیں کے مانند جاتے رہیں گے۔"
(باب ۳۷۔ آیت ۱۔ ۲۰)

ھہ جنھیں یہ لوگ اپنے نزدیک وہ اعمال حسنہ سمجھتے ہیں۔

لہ [illegible] اس وقت [illegible] عذاب سے انھیں چھڑا سکے یا اس سے [illegible] ہی کرادے۔

شہ (اے پیغمبر!)

ھہ مراد یہود ہیں۔

لہ کتاب الٰہی یہاں اپنے کلی و عمومی مفہوم میں ہے، جسکا ایک جزء توریت ہے۔

ناہ [illegible] عموم [illegible] کتاب اللہ کا دوسرا جز قرآن ہے، اور وہی یہاں مراد [illegible]

لہ (مذہبی اختلافات کے باب میں)

لہ یعنی وہ فریق جو اسلام میں نہیں آیا، ہمیشہ مخالفت اسلام پر مصر رہا۔

لہ اور حق سے بے [illegible] [illegible] [illegible] یہود و نیز بنی اسرائیل کے لیے کوئی نئی بات نہیں، انکی [illegible] خود انکی شکایات سے بھری پڑی ہے۔ ایک آدھ اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔ یوشع نبی کی کتاب میں ہے:۔

"[illegible] ان پر کہ مجھ سے برگشتگی کریں، اور جو دیکھو انھوں نے اگرچہ کہ حق تعالیٰ کی طرف پھریں، پر کسی نے چاہا کہ [illegible] زندگی دیوے" (باب ۱۱۔ آیت ۷)

اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے:۔

"تیرے معبود کہاں ہیں جنھیں تو نے اپنے لیے بنایا؟ وہ اٹھیں اگر تیری مصیبت کے وقت تجھے بچا سکیں، کیونکہ اے یہوداہ جتنے تیرے شہر ہیں اتنے تیرے معبود ہیں۔ تم کاہے کو مجھ سے [illegible] تم سب مجھ سے پھر گئے ہو، خداوند کہتا ہے، میں نے تمہارے لڑکوں کو عبث مارا پیٹا ہے ... تربیت پذیر نہ ہوئے۔ تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کے مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے" (باب ۲۔ آیات ۲۹۔ ۳۰)

کہ کیسی مہربان ہے یہ کانگریس! اس نے آج تک کوئی شعبہ ہندویات و سکھیات و پارسیات نہیں کھولا، مگر ہماری "دلدہی" اسکو یہاں تک منظور ہے کہ خاص ہمارے لیے ایک شعبۂ اسلامیات کھول دیا۔

اب ذرا اس شعبہ کی کارگزاری ملاحظہ ہو:—

ڈاکٹر محمد اشرف صاحب (معتمد شعبۂ اسلامیات) کا ایک مضمون الجمعیۃ ہی میں ۱۸۔ رجب سنہ ۵۶ھ کی اشاعت میں درج ہوا ہے، اور ادارے کی جانب سے اسپر کوئی تردیدی نوٹ یا اختلافی اشارہ تک نہیں ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:—

"ہندوستان میں سیاسی اور اقتصادی حالات اس درجہ ترقی کر گئے ہیں اور فضا کا تقاضہ اس درجہ شدید اور انقلاب انگیز ہے کہ رجعت پسندوں اور سامراج پرستوں کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ علانیہ کانگریس یا آزادی کی جد و جہد کی مخالفت کریں۔ اس لیے ملک کو پیچھے لے جانے والی طاقتیں اور سامراج کی حامی جماعتیں کسی تعصب کی آڑ لیتی ہیں۔ گزشتہ سات آٹھ سال میں جب کبھی سیاسی یا سماجی ترقی کے لیے قدم بڑھایا گیا، ہندو مسلم سوال ضرور چھیڑ دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ابتدائی تعلیم کے متعلق کانگریسیوں نے صوبۂ متحدہ کی کونسل میں ایک زمانہ میں سوال چھیڑا تو رجعت پسند مسلمانوں نے فوراً مذہبی تعلیم و تربیت کا سوال پیدا کر دیا اور ڈاکٹر ضیاء الدین اور دوسرے لوگ اس موقعہ پر کونسل چھوڑ کر چل دیے۔ ساردا ایکٹ کے خلاف جو ہندو اور مسلمان قدامت پسندوں نے ہنگامہ کیا وہ سب کو معلوم ہے ...... ترقی پسندی کی طرح رجعت پسندی بھی ہماری پبلک زندگی کے ہر پہلو پر محاذ قائم کرنا چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بوسیدہ دستور خود فنا نہیں ہوتا۔ بڑھتی ہوئی سماجی قوتیں جد و جہد کے بعد اُسے معزول کر دیتی ہیں۔"

غور فرمایئے مسلمان بچوں کے لیے تعلیم کی کسی اسکیم میں مذہبی تعلیم و تربیت کا مطالبہ کرنا رجعت پسندی ہے، سامراج کی حمایت ہے، ملک کو پیچھے لے جانے والی طاقتوں کا کام ہے۔ فضا کا انقلاب انگیز تقاضا اب یہ ہے کہ اس "بوسیدہ" چیز کو بڑھتی ہوئی سیاسی قوتیں جد و جہد کے بعد معزول کر دیں۔ اور یہ ساردا ایکٹ کا تذکرہ اس سلسلہ میں کتنا برمحل آیا ہے۔ اگرچہ اس "ترقی پسند" قانون کی مخالفت "الجمعیۃ" نے اُس وقت کی تھی جب اس کا ایڈیٹر ایک "رجعت پسند" شخص تھا۔ مگر اس رجعت پسندی میں خود جناب مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب اور تمام ارکان جمعیۃ علماء ہند (یعنی اُس وقت جو حضرات فضا کے شدید انقلاب انگیز تقاضوں سے متاثر ہو کر ترقی پسند بن گئے ہیں) اُسکے ہمنوا تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب یہ بحث شروع کرتے ہیں کہ کانگریس کی شرکت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تہذیب اور روایات کا سوال جو اُٹھایا جا رہا ہے، یہ دراصل ترقی پسند اور انحطاط پذیر قوتوں کی کشمکش کا ایک عکس ہے۔ "ترقی پسند" اور "انحطاط پذیر" ان دو اصطلاحوں کا مفہوم جواہرلال اور اسکے "شعبۂ اسلامیات" کی لغت میں جو کچھ ہے اس کی تشریح میں بعد میں عرض کرونگا۔ یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ "ترقی پسند" قوتیں اسلامی تہذیب کے سوال کو کس نظر سے دیکھتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:—

"یہ صحیح ہے کہ مسلمان ایک مخصوص تہذیب کے مالک رہے ہیں، باوجود اختلافات اور تنوع کے اُن میں ایک قسم کی یکرنگت اور یکسانیت پائی گئی ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مسلمانوں کی زبان تھی یا تمدن کے مظاہر ایک سے تھے لیکن تاریخی طور پر کسی حد تک یہ صحیح ہے کہ مسلمان حکمران طبقہ کے رجحانات ایک سمت کی طرف دکھائی پڑتے ہیں۔ لوگ اسلامی تہذیب پر بحث کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس تمدن اور تہذیب نے ایک خاص ماحول میں تربیت پائی تھی اور بہرصورت مسلمانوں کی حکمران حیثیت سے وابستہ تھی، جو لوگ بے صبری کے ساتھ اسلامی تہذیب کی خصوصیات گناتے وقت یہ حدیث سناتے ہیں کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ وہ اکثر یہ واقعہ بھول جاتے ہیں کہ یہ حدیث یا اس قسم کے دوسرے اقوال اس زمانہ کے سماجی حالات کا عکس ہیں۔ جب انسانوں کی تقسیم حاکم اور محکوم راعی اور رعیت میں ہوتی تھی اور مسلمان من حیث القوم حکمران تھے ......

البتہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا مفہوم اس درجہ محدود نہ تھا جیسا آجکل ہو گیا ہے۔ آج اسلامی تہذیب کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اگر مسلمان بجائے کلاہ اور عمامہ کے گاندھی ٹوپی پہننے لگتے ہیں یا ہندی رسم الخط کے پرچار کے لیے دو چار ہندو اکٹھے کھڑے ہوتے ہیں ایک خاص قسم کا لباس اگر نہ پہنیے یا اگر فصیح و بلیغ اُردو نہ بولیے تو آپ کا تمدنی حیثیت سے بھی مسلمان رہنا مشکل ہوتا ہے واقعہ یہ ہے کہ معیاری اور ٹکسالی مسلمان صرف وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو دہلی اور لکھنؤ کی فضا میں پلے اور بڑھے ہیں (چاہے وہ کایستھ یا کشمیری برہمن ہی کیوں نہ ہوں) یا پھر دیوبند اور فرنگی محل کا لباس پہننے والے اور علماء کی وضع کے پابند لوگ۔"

دیکھا آپ نے "ترقی پسندوں" کے علم و فضل اور انکی دانش و بینش کا مرتبہ کس قدر بلند ہے! انکے ارشادات جب ہم پڑھتے ہیں تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی آواز کو ایک ریکارڈ میں بھروا دیا ہے اور وہی ریکارڈ جگہ جگہ بجتا پھر رہا ہے۔ اپنے شیخ طریقت پنڈت جواہرلال کی طرح یہ لوگ بھی اسلامی تہذیب و تمدن ہی سے نابلد

نہیں ہیں بلکہ نفس تہذیب و تمدن کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں اگر وہ ناآشنا نہیں ہیں تو عمداً غلط بحث کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہ تہذیب نام رکھتے ہیں تمدنی مظاہر کا، حکمران طبقہ کے آداب و اطوار کا، لباس کی وضعوں اور کھانوں اور مٹھائیوں کا اور ذرائع مادی کے وسائل کا۔ پھر ان تمدنی مظاہر میں گردش ایام کے ساتھ جو تغیرات رونما ہوتے ہیں ان کے درمیان یہ کوئی امتیاز نہیں کرتے کہ کون سے تغیرات ایک تہذیب کے زیر اثر رونما ہو۔

اس سطح پر چند تغیرات دیکھ کر یہ اپنی تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو تاریخ کے دوران میں ہمارا تمدن بارہا بدل چکا ہے اور جب تمدن بدلا ہے تو گویا تہذیب بدل گئی ہے لہذا اسلامی تہذیب و تمدن کسی متعین حقیقت کا نام نہیں ہے جس طرح پہلے تم بہت سے تغیرات قبول کر چکے ہو اسی طرح اب بھی ان تغیرات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہو جو آجکل تقاضائے فضا کے انقلاب انگیز حالات یا بالفاظ دیگر جواہرلال اور ان کی امت کے رجحانات کر رہے ہیں —— حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ علانیہ ایسی صریح جاہلانہ باتیں لکھنے اور شائع کرنے کی جرأت کیسے کرتے ہیں۔ کیا انھوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ سارا ہندوستان بس جہلاء ہی سے آباد ہے اور یہاں کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں رہتا؟

اگرچہ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے مگر میں عام ناظرین کی ضرورت کے لیے بطور جملۂ معترضہ صرف اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ در اصل تہذیب اس طریق فکر، اس نظریۂ حیات اور اس معیار امتیاز و انتخاب کا نام ہے جو انسانوں کی کسی معتدبہ جماعت کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور جسکے زیر اثر وہ جماعت دنیا میں زندگی بسر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے کسی خاص طریقہ کو اختیار کرتی ہے۔ اور تمدن اس خاص طرز زندگی کا نام ہے جو اسی تہذیب کے اصول و قواعد کے مطابق اختیار کیا جائے۔ ہم جس چیز کو اسلامی تہذیب کہتے ہیں وہ لکھنؤ اور دلی کی فصیح و بلیغ اردو اور دیوبند و فرنگی محل کے علماء کا لباس نہیں ہے بلکہ وہ اس ذہنیت اس طرز خیال اور ان اصول حیات پر مشتمل ہے جو قرآن اور سیرت رسولؐ سے ماخوذ ہیں۔ جب تک کوئی تمدن اس تہذیب کے حدود کے اندر رہے، وہ اسلامی تمدن ہے۔ خواہ اس کی زبان، اس کے آداب و اطوار، اس کے کھانوں اور مٹھائیوں اور اس کے لباس و طرز معاشرت میں کتنے ہی تغیرات واقع ہو جائیں۔ مظاہر کا تغیر بجائے خود کسی تمدن کو اسلامی تہذیب کے دائرہ سے خارج نہیں کر دیتا۔ البتہ جب وہ اس نوعیت کا تغیر ہو کہ اسلامی تہذیب کے اصول و قواعد میں اس کے لیے کوئی سند جواز نہ ہو، تو یقیناً وہ تمدن کو غیر اسلامی تمدن بنانے کا موجب ہوگا۔ مثال کے طور پر مسلمان مشرق سے لیکر مغرب تک بیسیوں طرح کے لباس پہنتے ہیں مگر ان سب میں ستر عورت کے انھیں حدود کا لحاظ رکھا جاتا ہے جو اسلامی تہذیب نے مقرر کیے ہیں۔ لہذا یہ سب لباس اپنے تنوعات کے باوجود اسلامی تمدن ہی کے لباس سمجھے جائینگے [illegible] حدود سے خارج ہوگا تو ہم اسے غیر اسلامی لباس [illegible] کے متعلق جو خیال ہوا [illegible] تو حدود اسلامی تہذیب

نے مقرر کیے ہیں ان کے تحت خواہ کتنی ہی انواع و اقسام کے کھانے مسلمانوں کے گھروں میں پکتے ہوں اور تاریخ نے دوران میں انکی قسمیں کتنی ہی بدل جائیں ٭ اور کھانے کے طریقوں میں کتنا ہی تغیر رونما ہو جائے ان سب کو اسلامی تہذیب و تمدن سے بغاوت کرتے ہیں۔ اسی پر زندگی کے تمام معاملات کو قیاس کر لیجیے

اب آپ غور فرمائیں کہ پنڈت جواہرلال اور انکے یہ مسلمان متبعین تمام تہذیب و تمدن کے مسئلہ کو کیسی غلط روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ دنیا کو اور خود واقعت مسلمانوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ "اسلامی تہذیب و تمدن فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے مغلوں اور پٹھانوں کے دور حکومت میں جو طور طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے تھے انھیں کا نام اسلامی تہذیب و تمدن رکھ دیا گیا ہے۔ اور جو مسلمان اسلامی تہذیب و تمدن کے تحفظ کا شور مچا رہے ہیں، ان کا مقصد صرف اس گزرے ہوئے تاریخی دور کی میراث کو اس بدلے ہوئے زمانہ میں جوں کا توں برقرار رکھنا ہے۔ اس لیے یہ رجعت پسند اور ترقی دشمن ہیں"۔ ایک پوری قوم کے نقطۂ نظر کی غلط ترجمانی شاید ایسی بیحیائی کے ساتھ تو یورپ کے سیاسی بازیگروں نے بھی نہ کی تھی، جیسی کہ یہ ہمارے ہم وطن کر رہے ہیں۔ ان کو اگر معلوم نہیں ہے تو ہم انھیں بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اس تمدن کی حفاظت کے لیے نہیں اٹھے ہیں جو کسی زمانہ میں حکمران طبقہ کے رجحانات سے پیدا ہوا تھا بلکہ ہم اس لیے اٹھے ہیں کہ ہماری قوم کا تمدنی ارتقاء قرآنی تہذیب کے راستہ سے منحرف نہ ہونے پائے۔ ہمیں دلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی اردو کو بچانے کی فکر نہیں ہے، بلکہ اس ذہن کو اسلامی ذہن رکھنے کی فکر ہے جس نے اپنی شخصیت ظاہر کرنے کے لیے اس زبان کو وسیلہ بنایا ہے۔ ہم دیوبند اور فرنگی محل کے لباس کو محفوظ رکھنے کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ ہم اس پر لڑنا چاہتے ہیں کہ ہمارے مرد اور ہماری عورتیں اس لباس حیا سے خارج نہ ہو جائیں جو اسلامی تہذیب نے انھیں پہنایا ہے۔ اور اس لڑائی کی ضرورت ہمیں اس لیے پیش آئی ہے کہ ہم ہندوستان کی سیاست پر تم جیسے لوگوں کو غالب آتے دیکھ رہے ہیں جن میں ہماری تہذیب کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں، جن میں راستبازی و انصاف پسندی نہیں کہ دوسرں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور جن میں ان گردیوں کے ساتھ ہٹلر اور مسولینی کی نازیت، روح گھس گئی ہے کہ اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے کسی طاقت کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے، خواہ اسکے استعمال میں صداقت، انسانیت اور اخلاق کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

تصحیح

"صدق" کا گزشتہ (یکم جون کا پرچہ) ملا تھا۔ غلطی سے اس پر مہ پڑ گیا ہے۔ ناظرین درست فرمالیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو :-
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۹ | لکھنؤ - ۲۲ - جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱ - جولائی ۱۹۳۸ء | جلد ۴

سچی باتیں

مشرکین عرب، اسلام کی نعمتوں سے قبل معلوم و مشہور ہے کہ شریعت اسلام، شعائر اسلام سے تمسخر و استہزاء پر دن رات تلے رہتے تھے - حضرت سلمان فارسیؓ ایک مشہور صحابی ہیں - بیان کرتے ہیں، کہ مشرک ہم سے کہتے کیا ہیں، کہ کیوں جی، یہ تمہارے میاں تمہیں تعلیم ہر چیز کی دیتے ہیں! تو پیشاب پاخانہ کی بھی تعلیم دیتے ہوں گے! سلمانؓ آخر صحابی ہی تھے - ایمان کے کامل - نہ جھجکے، نہ شرمائے، نہ طنز کی تلوار سے گھائل ہو کر رہے - کڑک کر بولے، کہ کیوں نہیں - ہمارے آقا و مولیٰ نے تو ہم کو فلاں فلاں آداب استنجاء کے سکھائے ہیں! ——— روایت صحیح مسلم کی ہے، اور تطہیر نجاسات و مسائل استنجاء کے تحت میں درج ہوئی ہے - یہاں بحث ان جزئیات و تفصیلات سے نہیں، اسوقت تو نفس اعتراض کے منشا اور مبنیٰ کو سوچیے -

---

مذہب کا تصور، جاہلیت کے دماغ میں تھا کیا؟ یہ تھا کہ مذہب بندہ اور معبود کے درمیان ایک خاص تعلق و علاقہ کا نام ہے اور زندگی کے بہت سے اجزاء میں سے ایک جزو یہ بھی ہے - انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، بولتا ہے، ہنستا ہے، روتا ہے، پڑھتا ہے، لکھتا ہے، اپنے یہ سارے مشغلے آزادی کے ساتھ پورے کرتا ہے، بس اسی میں، دن میں فلاں وقت، یا ہفتہ میں فلاں دن، اور سال میں فلاں تہوار کے موقع پر، مذہبی ہو جاتا ہے، اور اپنے معبود کی پوجا پاٹ کرلی، اُسکے بھجن گا لیے،

کوئی چڑھاوا اسکے نام پر چڑھا دیا، اور چلیے چھٹی مل گئی، یہ نہیں، کہ بھوک لگی ہے، تو یہ سوچ رہے ہیں کہ کون سا کھانا حلال ہے اور کونسا حرام، پھر جانور اگر حلال میسر بھی آگیا، تو اسے ذبح کن کن طریقوں سے کیا جائے - فلاں کمائی کہیں رشوت کی تو نہیں ہوئی جا رہی ہے - فلاں آمدنی کہیں سود کے، جُوئے کے تحت میں تو نہیں آئی جاتی ہے، فلاں کپڑا کہیں ریشم کے حکم میں تو داخل نہیں، جی چاہ رہا ہے کہ بیوی فلاں عورت کو بنایا جائے، خدا معلوم وہ جائز ہے بھی یا نہیں - اس موقع پر وضو کرو، اُس موقع پر غسل - یہ کیسا نیا مسلم دنیا میں آیا ہے جس نے (نعوذ باللہ) زندگی کو ان سارے جھمیلوں میں جکڑ دیا ہے! ——— یہ تھی معترضین کی نفسیت (سائیکالوجی) - اور اسی بنا پر تھی اُنکی حیرت اور اُنکی جھنجلاہٹ!

مذہب کا یہی جاہلی تصور آج پھر پورے زور و قوت کے ساتھ اُبھرا ہے، اور قدم قدم پر مذہب کے اسلامی تصور سے ٹکرا رہا ہے! روشن خیالی، رواداری، ترقی پسندی، تجدد نوازی، اشتراکیت، انقلابیت، مشرک قوموں کے دیوتاؤں کی طرح اسکے نام کتنے ہی بیشمار ہیں - یہ اسلام کو چیلنج دے دے کر کہہ رہا ہے کہ مذہب انسان کا ایک بالکل ذاتی (پرائیوٹ) معاملہ ہے، ہم "روٹی کے سوال" کو جس طرح چاہیں گے حل کریں گے، جبری تعلیم کو جس طرح چاہیں گے نافذ کریں گے، لڑکوں لڑکیوں کی مخلوط تعلیم، مردوں عورتوں کی مخلوط تہذیب کو جس طرح چاہیں گے، رائج کر کے دم لیں گے، قومیت و وطنیت کی بنیادیں جن جن طریقوں سے چاہیں گے، ڈالیں گے، مذہب ہماری

ان ساری آزادیوں میں دخل دینے والا ہوتا کون ہے؟ اور یہ مذہب کے نام لیوا مولوی ملا تھے، کمبخت، سامراج کے ایجنٹ اور دلال! ——— اشتراکی غیظ وغضب، اور انقلابی غم و غصہ کے آخری الفاظ!

کام کی رفتار

بحمد اللہ قرآن مجید کی خدمت اچھی رفتار سے چل رہی ہے۔ تیسرے پارہ کی نظرثانی ہو چکی۔ پچھلے ہفتہ تازہ کتابوں کے کئی ایک پارسل یورپ سے حسب معمول پہنچے۔ مطالعہ میں وقت تو اچھا خاصہ صرف ہو جاتا ہے، لیکن کام کی باتیں بھی مل ہی جاتی ہیں۔ پچھلے ہفتہ ذیل کی رقم قبول کی گئی:—

۶- جولائی- ایک قدیم قومی کارکن (از مدراس) ۲۵ للعہ (علاوہ اقساط سابقہ)

ان رقوم کے قبول کرنے میں گو حتی الامکان احتیاط برتی گئی، اور متعدد بار انکے قبول کرنے سے معذرت کر دی گئی، تاہم جتنی قبول کی گئیں، میزان انکی بھی کچھ تھوڑی نہیں۔ باضابطہ پورا حساب تو کبھی رکھا نہیں گیا، تاہم صدق میں رسید علی العموم ہر رقم کی چھپتی رہی، ایک عزیز نے ان پرچوں کی مدد سے حساب ذیل تیار کیا ہے:—

سال اول - مئی ۱۹۳۵ء تا اپریل ۱۹۳۶ء	۱۹۸ - ۳
" دوم - مئی ۱۹۳۶ء تا اپریل ۱۹۳۷ء	۱۲۱ - ۹
" سوم مئی ۱۹۳۷ء تا اپریل ۱۹۳۸ء	۶۰۸ - ۱۲
سہ ماہی رواں مئی ۱۹۳۸ء تا جولائی ۱۹۳۸ء	۱۸۷ - ۸
میزان	۱۱۱۶ - ۰

کام کی ذمہ داری یوں ہی کیا کم تھی، احباب کرام جس حسن ظن و اعتماد کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اُس سے جی یوں ہی گھٹا جاتا ہے، کہ اس مالی ذمہ داری نے اہمیت کہیں زیادہ بڑھا دی ہے۔ اللہ ہی ہے جو اپنے مخلصین صادقین کا حسن ظن پورا کرے۔ بنیاد تمامتر اُسی خدائے ستار کے ہاتھوں رہے —

زچہ خانہ کی اہمیت

"کسی عورت کو اگر زچگی کا تجربہ نہیں ہوتا، تو اُسے جسم و دماغ دونوں کی بیماری شروع ہو جائیگی، اور رفتہ رفتہ اُسے ہسٹیریا کے دورے پڑنے لگیں گے"!

جاپان کی ٹوہوکو یونیورسٹی میں ایک پروفیسر ٹوکوشینوری ہیں، جو ماؤں اور بچوں کی کثرت اموات سے متعلق تحقیق و تفتیش کے کام میں مشغول ہیں، اقتباس انکے تازہ پمفلٹ کا ہے۔ (بحوالہ اسٹار، الہ آباد، ۵ جولائی ۱۹۳۸ء)

زچگی کو، حمل کو، ولادت کو، عورت کے حق میں فطرت کی طرف سے ظلم عظیم سمجھنے والے، اس اعلان حقیقت کو سن رہے ہیں؟

کثرت اولاد، ماں کی عمر و صحت کے حق میں مضر نہیں ہوتی، جیسا کہ تجدد کے دعویدار، اور آلات منع حمل کے ٹھیکیدار، اب تک کہتے چلے آئے ہیں، بلکہ اور مفید ہوتی ہے۔ واقعات و اعداد اسی پمفلٹ میں دیئے ہوئے ملاحظہ ہوں:—

"امریکہ میں یونیورسٹی کے گریجویٹوں کے درمیان تحقیق و تفتیش سے معلوم ہوا کہ

صرف ایک بچہ رکھنے والی ماؤں کا اوسط عمر ۵۰ سال رہا ہے

۹ یا ۱۰ بچے رکھنے والی ماؤں کا اوسط عمر ۷۰ سال رہا

عورت کی اکثر بیماریوں کا علاج ہی حمل اور وضع حمل ہے۔ اور بعض اوقات تو یہ تدبیر دواؤں سے کہیں بڑھکر موثر ہوتی ہے۔ عورت کی جسمانی ساخت ہی فطرت کی طرف سے ایسی رکھی گئی ہے کہ وہ بچے پیدا کرتی رہے، اور اگر عام عورتیں اپنے اس فرض کو انجام نہیں دیتی ہیں، تو یقیناً وہ اپنی صحت کو نقصان پہونچاتی ہیں"!

جبکہ اوپر فطرت کی طرف سے یہ فرائض عائد ہیں، خود جدید ترین محققین کی زبان میں، اُسکے لیے "روشن خیال" تجدد نوازوں کی رٹ یہی ہے، کہ وہ زندگی کی دوڑ میں ہر طرح اُس جنس کے مساوی ہے، جبکہ ذمہ اس قسم کا کوئی بھی فرائض نہیں بس ——— گویا عورت کیا ہے، تجدد نوازی کے نقطۂ نظر سے صرف مرد کے ہاتھ میں ایک کھلونا، اُس کی تفریح اور اسکے شوق پورا کرنے کا ایک ذریعہ! بس، اسکے علاوہ اُسکے نہ کوئی مستقل جنسی فرائض ہیں نہ طبیعی وظائف! اور جو بات آج سے ۳۰-۴۰ سال قبل بعض فرنگیوں اور فرنگنوں کی زبان سے نکل گئی تھی، اُس کی بار بار تردید و تغلیط ہو چکنے کے باوجود، اُسی آموختہ کو دوہرائے جاتا، یہ ہے ہماری روشن خیالی اور تجدد نوازی کی ساری کائنات!

ستم ایجادوں کی تقلید پسندی

"طبقہ بندی غائب ہو جائیگی"۔

اشتراکیت کے ایک مبلغ، ایک "کامریڈ" نے کہا، اس سوال کے جواب میں کہا، کہ اشتراکی حکومت قائم ہونے کے بعد، آخر دوسرے طبقوں کا کیا حشر ہوگا؟ جواب کس صفائی کے ساتھ ملا، کہ کوئی دوسرا طبقہ اُسوقت باقی کب رہنے پائے گا، جو اُسکے ساتھ معاملہ کرنے کا سوال پیش آئے!

"طبقہ بندی غائب ہو جائیگی، سرمایہ دارانہ ذہنیت فنا کرکے ملی ذہنیت پیدا کی جائیگی۔ تمام جماعتوں کو مٹا کے، ایک ہی جماعت رہ جائیگی، جو پیدا کرنے والوں کی ہوگی (آہنگ۔

ہفتہ وار، ۴ جولائی، صفحہ)

یہاں اسی کا امکان نہیں، کہ صلح جو، امن پسند، جنگ دشمن، تشدد بیزار، اشتراکی حکومت کوئی غیر اشتراکی طبقہ زندہ بھی چھوڑے گی، اور آپ ہیں کہ غیر اشتراکی طبقات کے ساتھ، برتاؤ کے نرم و گرم ہونے کا سوال کیے جا رہے ہیں!

مار ڈالتی نہیں، تو کرتا ہے وہ امن پیدا!

اور پھر یہ نتیجہ کیا آپ ہی آپ، شانتی پرچار سے نکل آئیگا؟

"سوشلسٹ حکومت کے تمام قوانین اس مقصد کے لیے استعمال کیے جائیں گے"! (ایضاً)

سوشلسٹ حکام، سوشلسٹ ذہن، سوشلسٹ پولیس، سوشلسٹ عدالتیں، سوشلسٹ جیل خانے، سوشلسٹ پھانسی گھر، سوشلسٹ بندوقیں، سوشلسٹ فوج، اگر یہ بھی نہ کر سکیں، تو آخر ہونگی کس مرض کی دوا؟ صراحت اس سے زیادہ اور کیا ہوتی، لیکن غیر اشتراکیوں کی کند ذہنی

اور عداوت کا حد سے زیادہ لحاظ کرکے یہاں تک ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

"جس طرح سرمایہ دار حکومت، قوت کے زور سے مزدوروں کو مجبور بنا رکھتی ہے، اسی طرح مزدور حکومت اپنے غلبۂ قوت سے دیگر جماعتوں کو نیست و نابود کردیگی۔ (ایضاً)

ذرا قوت تو آنے دیجیے۔ ع

ستم کے تو بھی ہو قابل، مزا دو دن تو کیجئے!

لیکن اس "انقلابیت" اور "ستم ایجادی" کے باوجود، تقلید انھیں کمبخت سرمایہ داروں کی! گویا تجدد میں جمود! جدت میں قدامت! مدت ہوئی، ایک شاعر کی زبان سے ایک مصرعہ سنا تھا، پہلے مصرعہ میں اس کو شاعری آہ کا رنگ اڑانے کا مشورہ دینے کے بعد، کہ

تقلید میں بھی کچھ ہے ایجاد کا مزا

"تقلید میں ایجاد" وہ تھی، "ایجاد میں تقلید" یہ خوب رہی!

خطرہ کی گھنٹی

برطانیہ میں اس وقت سائنٹفک سائنٹسٹ ..... مفکرین ہیں، اور جنھوں نے "نسائیت" اور "حریت نسواں" کے مسائل پر پوری طرح غور و فکر سے کام لیا ہے، ان چند سوشیالوجسٹ اہل قلم میں ایک ممتاز مرتبہ کیتھلین اسے، ایم، لاڈو وسکی کو حاصل ہے۔ انکی نہ صرف سند ذکر اسی موضوع پر ہیں، بلکہ مستند کتب جوامع (ریفرنس بکس) میں بھی حیثیت ماہرِ فن مقالات انھیں سے لکھوائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ میں، جو آٹھ ضخیم مجلدات میں ہے، "سترہویں صدی کی تحریک نسائیت" پر مقالہ انھیں کے قلم سے نکلا ہے۔ ایک سلسلۂ مراسلت میں، اڈیٹر صدق کو لکھتے ہیں:۔

"جو غلطیاں یورپ کرچکا ہے، اور جو اسکے غلط دستور وہاں پھیل رہے ہیں، انکے باب میں ہندوستان کو یقیناً بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، کہ موشندید مبدوجہد مجھے ان غلطیوں کے مولطن ذمشا میں اسکے خلاف کرنی پڑ رہی ہے، اسکی قدر اتنی دور دراز آپ لوگوں میں شروع ہوگئی ہے۔

میں کیا بیان کروں، کہ یہاں کیسی کیسی کوششیں میری زباں بندی کی ہوچکیں، اور ہو رہی ہیں۔ میری تازہ تصنیف "حقیقت متعلق دلادت" پر جو تبصرے نسائیت میں وہ برہمی ہوئی، کہ اس ملک کے سارے پریس میں مشکل ہی سے کوئی تبصرہ اس پر نکلا۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا، کہ نسائیت کی گرفت پریس پر کس قدر سخت ہے! .... جہاں تک میں سمجھتا ہوں، میرے ہم خیال انگلستان میں کیا معنی، امریکہ تک میں لاکھوں کی تعداد میں ہیں، لیکن ان تک میری آواز پہنچنے کب پاتی ہے؟ ....

میری نہایت خلوص کے ساتھ تمنا ہے کہ ہندوستانی نسائیت کے ان خطرات اور غلطیوں سے بچا رہے جن کی تفصیل میں کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے، کہ مشرق کو اب بھی اس خطرہ سے بچا لینا ممکن ہے، جو بہ قول آپ کے، عصر حاضر کے شدید ترین مفاسد میں سے ہے"

مژدہ ہو ہندوستان کے "جمود پرستوں" اور "دقیانوسیوں" کو، کہ تجدد کی زبان سے روزنئی پھبتیاں سننا، ہر صبح و شام، طنز و تعریض کے نئے نئے حربوں کا ہدف بننا، تنہا انھیں کی قسمت میں نہیں۔ اس ایسا روشن خیالوں کے ملک کا وہ طبقہ بھی برابر کا شریک ہے، جسکا جرم سنجیدگی، اور بجائے فیشن پرستی اور ہوا کے رُخ پر چلنے کے، غور و فکر سے کام لیتا ہے۔

مرض دق اور تمدن

"ٹیوبرکلوسس (دق) ایک عالمگیر مرض ہے۔ اسکا حملہ دنیا کی ساری آبادیوں پر ہوتا ہے بجز ان چند دور دراز مقامات کے، جنھیں اب تک "دنیا متمدن کی ہوا نہیں لگی ہے"

"ہندوستان کے ڈاکٹر اس باب میں تقریباً متحد ہیں کہ یہ مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور ان دیہاتی علاقوں میں بھی پھیل رہا ہے جو اب تک اس سے محفوظ تھے"

اقتباسات، مشہور ڈاکٹر میجر جنرل سرجان میگاء کے مقالہ سے منقول ہیں، جو ۱۲ رجون کو لندن کی ایک علمی مجلس کے سامنے پڑھا گیا تھا، اور ٹائمز (۲۹، ۳۰ جون) کے دو نمبروں میں شائع ہوا ہے۔

کیا یہ دو کھلی ہوئی باتیں اس سے نہیں نکلتیں؟

ایک یہ کہ یہ موذی اور ہلاک ترین مرض وہیں ہے، جہاں تمدن و تہذیب کے قدم جم چکے ہیں، اور جو انسانی آبادیاں غیر متمدن ہیں، وہ اب تک اس سے محفوظ ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہندوستان میں جوں جوں دیہات میں شہریت آتی جاتی ہے، جوں جوں دیہات کی سادگی و قناعت، شہر کے تکلفات و حوصلہ مندی میں تبدیل ہوتی جاتی ہے، اسی نسبت سے یہ بیماری بھی دیہاتوں میں پھیلتی جاتی ہے۔

اتنے بڑے ڈاکٹر کے اعترافات کے بعد بھی کیا اس میں شبہ باقی رہ جائیگا، کہ دنیا جس نظام زندگی کو تہذیب و تمدن کے نام سے پکار رہی ہے، اسی میں اور ہلاکت میں، سبب اور نتیجہ کا علت و معلول کا تعلق قریبی تعلق ہے! —— ہلاکت روح و اخلاق کو چھوڑیے، یہاں ذکر اسی جسم مادی کی ہلاکت کا ہے۔

علماء کے فرائض

دہلی ہائی اسکول کے ایک امتحان میں تقریباً ۵۰ مسلمان لڑکوں سے سوال کیا گیا کہ نبی کی تعریف کرو، اور چند مشہور انبیاء کے مختصر حالات لکھو۔ جواب صرف چار پانچ نے صحیح لکھا، باقی سب نے غلط! اور ایک نے لکھا کہ نبی بزرگ ہوتے ہے جیسے حضرت عمرؓ ایک بزرگ تھے۔ مدیر رسالۂ الفرقان (بریلی) اس واقعہ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ اگر آپ

"ہماری اس حالت کا اندازہ کرنا چاہیں، تو ہمارے اونچے درجہ کے "روشن خیال" تعلیم یافتہ مسلمانوں کے مجلسوں میں بیٹھ جائیے، آپ کو ہر قسم کا جدید مہذب و غیر مہذب لٹریچر

عمرِ ازدواج

بہ سلسلۂ ترمیم ساردا ایکٹ

[مدیر صدق کے ایک انگریزی مضمون کا ملخص ومختصر ترجمہ]

کسی کی عقل میں آنے والی بات ہے، کہ عورت کا جو سن ماں بننے کے لیے کافی ہو، وہ بیوی بننے کے لیے "ناکافی سمجھا جائے"؟ الفاظ، ونچسٹر کی عدالت سشن کے ایک جج، جسٹس سویفٹ کے ہیں، جو انھوں نے ۳۱۔ فروری سنہ ۱۹۳۱ء کو ۱۶ سال کی عمر کی ایک "نابالغ" حاملہ کے مقدمہ کے فیصلہ میں کہے (نیوز آف دی ورلڈ، لندن، فروری سنہ ۳۱ء)

فلم ایکٹرسوں کے اس دور، اور "آزادیِ نسواں" کے اس عہد میں، جب فیشن کا حکم اور مصلحت کا تقاضا یہ ہے، کہ اچھی سن دار عورت کو بھی 'لڑکی' ہی کہا جائے، اور اٹھارہ اٹھارہ برس کی لڑکیوں کو 'بچی' کہہ کر پکارا جائے، اور جبکہ بنارس کے ڈاکٹر بھگوان داس جیسے پختہ مغز فلسفی (ملاحظہ ہوں انکے مسلسل مضامین، مئی کی آخری تاریخوں کے لیڈر میں) تک تجدد اور مادیت (جسے خواہ مخواہ 'سائنس' کا معزز لقب دیا گیا ہے) کی رو میں بہہ جائیں، اس فضا میں ذرا ہمت ہی درکار ہے کہ بڑی عمر کی شادیوں کے "جدید" اور "فیشن ایبل" اور "سائنٹفک" اور "مہذب" طریقہ کے مقابلہ میں، کمسنی کے قدیم اور فرسودہ اور قابل نفرت وقابل مضحکہ دستور کی حمایت میں بیباکی سے دو چار لفظ کہے جائیں!

شروع فلاطون سے کیجیے، کہ اسی یونانی حکیم سے آغاز آجکل کے اکثر مصلحین جدید کرتے ہیں۔ اپنی مشہور تصنیف ری پبلک (جمہوریت) میں لکھتا ہے کہ مرد وعورت کی شادی نہ بہت جلد ہونی چاہیے نہ بہت دیر میں، بلکہ عنفوان شباب میں ہونی بہتر ہے۔ اور اس معیار سے انکار آج بھی کسی نے نہیں کیا ہے۔ لیکن محض اصول کے طے ہو جانے سے عملی دشواری کے حل میں کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، بلکہ اصل سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے، کہ آخر وہ مناسب سن ہے کیا؟ خصوصاً عورت کا؟

سوال کے جواب میں دیکھنا ہے کہ عمر ازدواج کے باب میں حکمائے قدیم کا کیا مذہب رہا ہے، نیز بیالوجی (حیاتیات) اور سوشیالوجی (عمرانیات) کی جدید سائنسوں کا فتویٰ کیا ہے؟ انسانیت کی عمر اپنے دوران ارتقاء میں ہزارہا سال کی ہو چکی، اس طویل عمر کا تجربہ کسی قطعی نتیجہ پر پہونچا یا نہیں؟ انسان کی جہاں تک سادہ، ابتدائی، اور قبل تمدن زندگی کا تعلق ہے وہاں تک تو سب کا اتفاق ہی ہے، کہ

"وحشی اور غیر متمدن قوموں میں ہر فرد کی، مرد ہو یا عورت، کوشش یہی رہتی ہے کہ بالغ ہوتے ہی شادی ہو جائے" (ویسٹر مارک "ہسٹری آف ہیومن میرج" تاریخ ازدواج انسانی۔ جلد ۲، صفحہ ۱۶۷)

لیکن جہاں سے تاریخ ساتھ دیتی ہے اس میں ہندوستان جیسی قدیم ترین متمدن اور حکمت پرور قوم سے متعلق یہ تصریح ملتی ہے کہ

"منو کے زمانہ میں جہاں شادیاں بڑی عمر میں بھی ہوتی تھیں وہیں آٹھ آٹھ برس کی لڑکیوں کی بھی شادی ہو جاتی تھی اور اسے اچھا سمجھا جاتا تھا ... اور شادی قبل بلوغ کے لیے جو سخت تاکید تھی، اُسے تقویت اس امر سے اور ہوتی تھی، کہ باپ اگر اس پر عمل نہ کرتا تو اُسکے لیے سزائیں تھیں۔ اور منو نے تو خیر اسی پر اکتفا کی ہے کہ جو باپ مناسب وقت پر اپنی بیٹی کی شادی نہ کردے، اُسے ملزم قرار دیا ہے، ادتی وششٹ جی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوغ شروع ہو جائے، اس لیے باپ کو بیٹی کی شادی اس طرز پر کر دینی چاہیے، جب وہ ہنوز ننگی ہی پھرا کرتی ہو"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۴۲)

یہ حال ہندوؤں کا تھا۔ اب عصر قدیم کی ایک اور زبردست اور نامور قوم، یہود کو لیجیے۔ انکے ہاں بھی ہدایتیں، کبر سنی کی نہیں، کم سنی کی شادی کی ملتی ہیں۔ لڑکوں کے لیے انکے ہاں عمر ۱۸ سال کی تھی۔

"اور جہاں تک لڑکی کا تعلق تھا، یہ بات بتائی گئی تھی کہ باپ کا فرض ہے کہ بیٹی کے لیے شوہر تو عمری ہی میں تلاش کردے، اور توریت کی اس آیت "تو اپنی بیٹی کو کسبی بنانے کے لیے بےحرمت مت کر" (احبار، ۱۹: ۲۹) کا مخاطب اُس فرد کو سمجھا جاتا تھا، جو اپنی بیٹی کی شادی میں تاخیر کر رہا ہو۔ شادی کے قابل وہ ۱۲ ½ سال ہی کی عمر میں سمجھی جاتی تھی"۔ (کاہن کی ایوری مینس تالمود، صفحہ ۱۶۱)

اکابر یہود و احبار کا تعامل یہ تھا کہ ادھر لڑکی میں بلوغ کے ابتدائی آثار ظاہر ہوئے، اور اُدھر انھوں نے اُسے شادی کے قابل سمجھ لیا۔ اور

"انکا اندازہ یہ تھا کہ یہ آثار عورت میں تیرھویں سال کے شروع میں، اور مرد میں چودھویں سال کے شروع میں پیدا ہو جاتے ہیں"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۸، صفحہ ۲۷۰)

ہند قدیم، و اسرائیل قدیم کے بعد نمبر رومیوں کا آتا ہے، اور موجودہ مغربی تہذیب و تمدن کے پیشرو رومی ہی ہوئے ہیں۔ انکے حکماء و مقننین نے ــــ حیرت سے سنیے ــــ کم سنی کیا معنی، بچپن کی شادی کو جائز رکھا تھا۔

"بچوں کی، خصوصاً چھوٹی بچیوں کی شادی کا رواج عام دستور تھا۔ اور گو قانوناً بلوغ ازدواجی کی عمر ۱۲ سال کی مقرر تھی، لیکن وقت کے قبل ہی انکی منگنی بلکہ شادی تک ہو جاتی تھی"۔ (شورٹر "ایولیوشن آف میرج" ارتقاء ازدواج صفحہ ۱۹۵)

اس بیان کی تائید و توجیہ مشہور مورخ گبن کے صفحات میں بھی ملتی ہے:۔

"اس خیال سے کہ اولاد خوب توانا پیدا ہو، مقنن لائکرگس نے سن ازدواج بڑھا کر رکھا تھا۔ نوما نے گھٹا کر اس کی میعاد ۱۲ سال کی کر دی، تاکہ رومی شوہر اپنی مرضی کے مطابق کمسن دوشیزہ

کو تعلیم و تربیت دے سکے"۔ (گبن کی "تاریخ زوال و انحطاط شہنشاہی روما" جلد ۴ - صفحہ ۴۶)

لیکی نے اپنی تاریخ اخلاقِ یورپ (جلد اول صفحہ ۱۶۱) میں ضمنی طور پر آئرستان کے کاشتکاروں کے درمیان کم سنی کی شادی کے عام دستور کا جو ذکر اسی صدی کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ دور تو دور، خود جزائر برطانیہ کے بعض حصوں میں، بڑی عمر کی شادی کا رواج محض ایک نو پید دستور ہے۔ لیکی کی اس ضمنی شہادت کے علاوہ مستقل شہادتیں بھی اس امر کی موجود ہیں، کہ ان علاقوں میں [illegible] قبل، رواج اور قانون دونوں کم سنی ہی کی شادی کی تائید میں تھے۔ محقق عالم [illegible] لکھتا ہے :-

"اٹھارویں صدی کے آخر تک یہ عالم تھا کہ انگلستان میں [illegible] کی فکر بلوغ کے فوراً بعد شروع ہو جاتی تھی۔ [illegible] عام طور سے ۱۲ اور ۱۴ سال کی عمر کے درمیان شادی کی بکثرت مثالیں موجود ہیں" (ٹروتھ ابوٹ بار اَر برتھ "حقیقت [illegible]" صفحہ ۱۲۰)

اور صرف انگلستان یا جزائر برطانیہ ہی نہیں، بلکہ یہاں سے یورپ کے دوسرے ملکوں کا بھی تعلق ہے،

"اگرچہ ما بعد کے قانون کی رفتار عمر ازدواج کے بڑھانے ہی کی جانب رہی ہے، تاہم رومی قانون کی وہ دفعہ جسکے بموجب مرد کی شادی ۱۴ سال کی عمر اور عورت کی ۱۲ سال کی عمر میں ہو سکتی ہے، کلیسا نے اخذ کر لی، اور کامن لا کے ماتحت آج بھی اسکا وجود یورپ کے متعدد ممالک میں باقی ہے (ویسٹر مارک کی مختصر تاریخ ازدواج، صفحہ ۳۶ و ۴۹)

بلوغ اور جوانی کی عمر کا معیار 'مہذب' و 'ترقی پسند' مغرب میں آج بھی اتنا اونچا نہیں، جتنا کہ عام طور پر سمجھ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ انگلستان کے قانون کے آخری مستند بیان کے بموجب،

"مرد کے لیے حلفِ وفاداری کی عمر ۱۲ سال کی ہے۔ اور مرد و عورت دونوں کے لیے سن تمیز ۱۴ سال کا مقرر ہے، اور اس لیے اسی سن میں وہ اپنے ولی کا انتخاب کر سکتے ہیں، شہادت دے سکتے ہیں، اور عقد کا اقرار یا انکار کر سکتے ہیں۔ عورت کو عقد کے اقرار یا انکار کا حق ۱۲ ویں سال سے حاصل ہو جاتا ہے، البتہ بلوغ کے وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا بغیر والدین یا ولی کی اجازت کے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد اول، صفحہ ۳۴۳ طبع چہاردہم)

عمر ازدواج اس وقت یورپ کے مختلف ملکوں میں کیا کیا متعین ہے، اسکے لیے نقشۂ ذیل پر نظر فرمائی جائے، جو ماخوذ ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی کی مندرجہ اطلاعات سے :-

	مرد	عورت
فرانس	۱۸ سال	۱۵ سال (بشرط اجازت والدین)
بلجیم	۱۸ "	۱۵ "
ڈنمارک	۱۸ "	۱۵ "
جرمنی	۲۰ سال	۱۶ سال (بشرط اجازت والدین)
اسپین	۱۸ "	۱۶ "
یونان	۱۶ "	۱۴ "
ہالینڈ	۱۸ "	۱۶ "
اٹلی	۱۸ "	۱۵ "

اس سے ظاہر ہوگا، کہ یورپ کے کسی ملک میں بھی عورت کی عمر ازدواج ۹ سے [illegible] معتبر نہیں، بلکہ فرانس، اٹلی، بلجیم میں تو ۱۵ سال، اور یونان میں ۱۴ سال [illegible] ہے۔ حالانکہ آب و ہوا اور دوسری [illegible] کی بنا پر یورپ میں عورت نسبتہً بہت [illegible] ہوتی ہے، جب یہ معیار یورپ کے ٹھنڈے ملکوں میں [illegible] اس معیار کو اونچا ہونا، کس [illegible] ہے؟ اور ہماری مرکزی [illegible] جو فیصلہ عمر ازدواج کو بڑھا دینے کا کر دیا ہے، آخر یہ اخلاقیات کی سائنس کی کس ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے [illegible] کہ عمر آ جانے کے بعد شادی [illegible] کا مقدمہ ثابت ہوا ہے؟ [illegible] آخری دلیل صحت جسمانی کی رہ جاتی ہے۔ اور [illegible] زور سے پیش کیا جاتا ہے، کہ بلوغ کے بعد ہی عورت پر فرائض زوجیت اور حمل، وضع حمل کا بار ڈال دینا اس پر ظلم [illegible] ہے۔ لیکن کیا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ بیوی اور ماں کے فرائض سے اتنی دہشت آخر کس بنا پر دلوں میں بٹھائی گئی ہے؟ عضویات (فزیالوجی) اور حیاتیات (بیالوجی) کا فتوےٰ کیا ہے؟ جواب ایک ماہرِ فن کی زبان سے سنیے۔ مرد و عورت دونوں کے قوائے نسلی [illegible] جب پختگی کو پہونچ جاتے ہیں، تو اسکے جسمانی آثار بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن

"نوجوان عورت میں انکا ظہور، نوجوان مرد سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ہوتا ہے ... لڑکے کو تو بلوغ کے بعد بھی مرد بننے میں کئی سال لگ جاتے ہیں .... لیکن لڑکی، حیض آ جانے کے بعد ہی، جسکا زمانہ ۱۱ سال سے لیکر ۱۰ سال کی عمر کا ہے، کہنا چاہیے کہ ماں بننے کے قابل ہو جاتی ہے" (مسٹر مائیکل فاسٹر کی "ٹکسٹ بک آف فزیالوجی" صفحہ ۶۸۸ طبع چہارم)

مسٹر مائیکل فاسٹر گو اپنے وقت میں اپنے فن کے امام تھے، لیکن بہرحال اب ان پر کچھ زمانہ گزر چکا ہے، اس لیے جدید ترین شہادتیں بھی ملاحظہ ہوں۔ روس کی سوویٹ حکومت روشن خیالی و تجدد کا مسکن ہے، وہاں کا ایک ماہر حیاتیات کہتا ہے، کہ عورت کی زندگی میں حیض کی پہلی آمد ایک اہم ترین واقعہ ہوتا ہے، اس لیے کہ

"یہ علامت ہے جنسی پختگی کی .... اور اعلان ہے اسکا کہ اب عورت کے آلات تناسلی، نوع و نسل کی خدمت کے لیے تیار ہو گئے" (ہیملوٹ کی "بیالوجیکل ٹریجڈی آف وومن" صفحہ ۱۱۵)

لڑکی اگر تندرست ہے، تو ہر ماہ اُسکا حیض، گویا تازہ دعوت ہے، قیام حمل کی، اور

"یہ بات بالکل ناقابل تصور ہے کہ یہ عظیم الشان جسمانی و عضویاتی انقلاب ہر مہینہ یوں ہی برابر ہوتا رہے، اور جس مقصد کے لیے یہ تیاریاں ہوتی رہتی ہیں، وہ پورا نہ ہو، اور پھر اس سے نقصان نہ پہنچے!" (لڈووسی کی "ٹرتھ اباؤٹ برتھ" یعنی "حقیقت متعلق ولادت"، صفحہ ۱۴۳)

ایک اور ماہر فن ڈاکٹر، اس ذہنی بنیاد پر سوال کرتے ہیں، کہ "اگر فطرت کا مقصد یہی تھا، کہ آلات تناسلی کا نشو و نما جب بالکل مکمل ہو لے، اُس وقت سلسلۂ ولادت شروع ہو، تو قیام حمل و وضع کی تیاریاں آخر اس سے دس سال قبل کیوں ہو جاتی ہیں؟"

اور پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بیماریاں اور وہ بھی ہلکی اور معمولی نہیں، شدید، بلکہ خطرناک اور مہلک بھی، رحم اور متعلقات رحم اور نظام تناسلی سے متعلق عموماً، نتیجہ ثابت ہوتی ہیں، بڑی عمر میں شادی ہونے، بڑی عمر میں پہلی بار وضع حمل کا۔ اور یہ ایسی مشاہد حقیقت ہے، جس کی تصدیق ہر صاحب تجربہ ڈاکٹر کر سکتا ہے۔ محقق مذکور لڈووسی کے الفاظ ہیں:—

"سوال یہ ہے کہ جیسے، اُنیسویں صدی کے آغاز سے، یہ بڑی عمر کی شادی کا رواج پڑا ہے (خصوصاً عورتوں میں) اُس وقت سے مغرب زدہ یورپ کو، امریکہ کو، اور سب سے بڑھکر انگلستان کو، آخر حسن و جمال کے، صحت کے، عقل و فہم کے، کس کے معیار سے نفع پہونچا ہے؟ .... ماں اور بچہ دونوں کے نقطۂ نظر سے، مصلحت و منفعت اُسی حکمت قدیم میں ثابت ہوتی ہے، جو جزو تھا، قدیم تمدنوں کا، بلکہ اٹھارویں صدی کے آخر تک یورپ کے بھی تمدن کا۔ نہ کہ یورپ جدید کے اس غلط و مغالطہ خیز رواج میں، جسکے رو سے، خصوصاً انگلستان اور اسکاٹلستان میں، شادی کی عمر عورت کے لیے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔"

(بقیۂ صفحہ ۳)

اُن کے گھر میں ملیگا، لیکن کوئی دینی کتاب، حتیٰ کہ قرآن پاک یا حدیث کی کسی کتاب کے ترجمہ کا ایک نسخہ بھی آپ نہ پاسکینگے۔ اور اگر کہیں آپ اُنکے بچوں سے، جو انگریزی کے آٹھویں دسویں کلاس میں پڑھتے ہوں اور آپ کے سامنے فرفر انگریزی بولنے پر قادر ہوں، یہ پوچھ بیٹھیں کہ بیٹا کلمۂ شہادت بھی یاد ہے تو وہ حیرت سے آپ کا منہ تکیں گے، کہ یہ کس دیس کی بولی بول رہے ہیں۔ میں جو کچھ یہاں لکھ رہا ہوں، اپنا ذاتی تجربہ اور آنکھوں دیکھی حقیقت لکھ رہا ہوں، جس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے۔"

اسکے بعد صاحب رسالہ نے اس عبرت انگیز صورت حال کے افسوسناک اسباب، انگریزی درسگاہ کے سرتا سر غیر اسلامی فضا و ماحول، مسلمان مربیوں اور سرپرستوں کی غفلت و بے حسی، وغیرہ کا ذکر کرکے، بطور علاج

و تدبیر، علماء کے فرائض پر دردمندی اور بیباکانہ تشخیص کے ساتھ بسط و تفصیل سے کلام کیا ہے۔ مضمون ہر اردو آشنا مسلمان کے پڑھنے کے قابل ہے۔ جو ناظرین صدق، الفرقان سے مستفید نہیں ہوتے، اگر کم از کم اسکے ربیع الثانی کے پرچہ کو ملاحظہ کرلیں، تو امید ہے کہ نفع ہی میں رہیں گے۔ ایک پرچہ غالباً ۸ر کے ٹکٹ بھیجنے پر آجائیگا۔

اُردو کی ہمہ گیری

پرانے کاغذات کی اُلٹ پلٹ میں اتفاق سے پانیر مورخہ ۱۸-اپریل ۱۹۳۴ء کا ایک تراشہ نظر پڑ گیا۔ اس کے وقائع نگار لندن کا مکتوب ہے۔ مکتوب نگار لکھتا ہے:-

"ہماری شہنشاہی میں جو کثرت سے زبانیں بولی جاتی ہیں، یہ اُن لوگوں کے نفع کی چیز ہے، جو دوسری زبانوں میں مہارت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ایک غیر ملکی نے کیا تھا۔ انگریز ضرورت پڑ جانے پر یہ زبان خوب جلد ہی سیکھ لیتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی اسی عادت کی بدولت ایک انگریز نے ایک کاروباری دقت سے نجات پائی۔ لندن میں اُس سے اور ایک ڈچ (باشندۂ ہالینڈ) سے ایک اہم کاروبار طے کرنے کے سلسلہ میں ملاقات کا وعدہ ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا نکلے اور انگریز کو چونکہ یہ خیال تھا کہ ڈچ کو انگریزی آتی ہوگی، اس لیے کسی ترجمان کا بھی انتظام نہ تھا۔ جب ڈچ نے اُٹھ کر جانے کا ارادہ کیا، تو آخر میں انگریز کو خیال آیا کہ لاؤ ہندوستانی زبان کی آزمائش کریں۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ ڈچ اس زبان کو سمجھ گیا۔ اور معاملت انجام پاگئی۔"

اردو کی اس ہمہ گیری کا گمان تو خود اردو کے بڑے سے بڑے ہوا خواہوں اور پرستاروں کو بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

پردہ اور اخلاق

اصل مضمون از جناب عبدالعزیز صاحب سابق ایڈوکیٹ دلیر۔

تلخیص از مولوی حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی۔

پردہ کے مخالفین عام طور سے یہ کہتے ہیں کہ پردہ مسلمانوں میں موجود نہ تھا۔ یہ رواج تو اُن میں اُس وقت سے شروع ہوا جبکہ ہندوستان پر متواتر غیر ملکی حملے ہوئے۔ یہ قول ایسا ہے جسکا ثبوت کسی مستند تاریخ سے کہیں مل سکتا۔ پردہ تمامتر اسلامی چیز ہے۔ جو شخص اسے غیر اسلامی بتائے، وہ اسلام ہی سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ ضابطہ عہدِ رسالت ہی میں رائج و مدوّن ہوچکا تھا، اور اسکی پابندی تمام عورتوں پر عائد ہوتی تھی۔ جنسی کشش کے فتنہ میں سب سے زیادہ مبتلا کرنے والی چیز "نگاہ" ہوتی ہے، اور نوجوانوں میں عموماً اسکا نتیجہ ناجائز تعلقات کی شکل میں نکلتا ہے۔ پردہ اس نگاہ کے فتنہ کا سدِ باب کرتا ہے، اور اس لیے قیامِ اخلاق میں سب سے زیادہ ممد و معاون ہے۔

زمانۂ موجودہ میں بہت سے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل چیز تو دل کی پاکی اور صفائی ہے، رسمی پردہ سے کیا ہوتا ہے؟ اگر انسان کا دل صاف ہے تو کسی بُرائی کا ارتکاب نہ ہوگا۔ لیکن یہ دعوے ایسا ہے جسکا اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے لوگ آخر دُنیا کے کس گوشہ میں پائے جاتے ہیں؟ سوا وجودِ ذہنی کے خارج میں بھی انکی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

پردہ کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو یہ الگ الگ رکھتا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں نے جنسی مسائل کا حل یہ سوچا ہے کہ دونوں اصناف بالکل گھل مل کر رہیں۔ لیکن اسکا انجام کیا ہوا؟ ہر جگہ تباہی ہی تباہی ہے۔ اگر مسلمان بھی پردہ چھوڑ بیٹھے تو یہی ساری معاشرتی خرابیاں، جو یورپ میں پھیلی ہوئی ہیں، رفتہ رفتہ ان میں بھی آجائینگی۔ کاش پردہ کے مخالف مسلمان یورپ کی حالت کو بہ غور دیکھیں۔ کیا انکی حمیت اسکو گوارا کر سکتی ہے کہ عورت ایسا لباس پہنے جو اُس کے جسم کے خط و خال تک کو ظاہر کرتا ہو، اور غیروں کی بغل میں ہاتھ دے دے کر انکے سامنے مصروفِ رقص ہو۔ یورپ اور امریکہ میں ناجائز ولادتوں کے اعداد و شمار کیا انکی نگاہ سے نہیں گزرے؟ فرانس سے زیادہ آزادی کا دعویدار ملک کون ہو سکتا ہے، اسکے باوجود بھی، پیرس کے قانونی کالج میں یہ تحریک جاری ہوچکی ہے کہ لڑکیاں اور لڑکے علٰحدہ علٰحدہ تعلیم پائیں۔ وہاں کے پروفیسروں نے اس امر کی شکایت کی ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی باہمی اشارہ بازیوں اور لگاوٹوں کے باعث تعلیم دینا، تقریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ ہندوستان میں بھی مخلوط تعلیم کے خلاف، صاحب احساس اعیان و الدین و معلمین صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان میں ابھی امریکہ اور یورپ کی سی نوبت نہیں پہونچی۔ لیکن ایک نہ ایک دن ایسا ہوکر رہیگا۔ اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ فوراً اس کی روک تھام کی جائے۔ مصر میں شکستہ دل والدین کی چیخ پکار، اس مخلوط تعلیم کے خلاف کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ آکسفورڈ کی زندگی کے متعلق جو بیانات حال ہی میں مشتہر ہوئے ہیں، وہ آنکھیں کھولنے کے لیے بخوبی کافی ہیں۔

بے پردگی اور مخلوط تعلیم اور اسی قسم کی دوسری خرابیوں کے نتائج بد دیکھ کر، صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے بھی دُور اندیش افراد آوازیں بلند کر رہے ہیں۔ ان معاشرتی خرابیوں کے خلاف پاپائے روم تک نے آواز اُٹھانے کی زحمت گوارا کی ہے۔ "سوسائٹی آف جیسس" کے ایک ممبر نے ایک بار راقم مضمون سے کہا "دونوں صنفوں کے باہم آزادانہ ملنے سے جو زبردست نقصانات ہوئے ہیں، وہ ہم خوب جانتے ہیں۔ لیکن اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟"

ان تمام ناخوشگوار چیزوں کا علاج صرف پردہ ہے۔ لیکن اب کس کے بس میں ہے کہ یورپ میں پردہ نافذ کرائے۔ وہاں خود مَردوں ہی کے بڑھاوے اور رچا بازی کی بدولت عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں جو مَردوں کو اُنکی طرف مائل کرے، اور جو عورتوں کی عزتِ نفس کے بالکل منافی ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے، جو لوگ اب تک پردہ پر عامل ہیں۔ اُنکے حق میں یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ پردہ کے ترک کے معنی، جماعتی اخلاق کی تباہی و بربادی کے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ہر جگہ، اخلاق میں ضعف و زوال پیدا ہوچکا ہے۔

پردہ کو مضرِ صحت بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ صحت پر اسکا مطلقاً اثر نہیں پڑتا۔ یہ الزام تو محض مخالفین پردہ کے قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ اصل چیز، صحت پر اثر انداز ہونیوالی تو، آب و ہوا ہوتی ہے۔ اور اس سے پردہ دار اور بے پردہ دونوں قسم کی عورتیں یکساں متاثر ہوتی ہیں۔ پردہ کرنے والی عورت، ہر وقت تو نقاب اور برقعہ میں ملبوس نہیں رہتی۔ اس کی ضرورت تو اُسے تب ہی پڑتی ہے، جبکہ وہ ذرا دیر کے لیے کہیں باہر نکلے۔ اتنی ذرا سی دیر تیں آکسیجن (صاف ہوا) کی کمی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈال سکتی۔ عرب کے بعض خطوں میں، جہاں پردہ سختی سے رائج ہے ایسی عورتیں یا جو قوت اور طاقت میں ضرب المثل ہیں اور جو پردہ نہ کرنیوالی عورتوں کو صحت و قوت کے اعتبار سے چیلنج کر سکتی ہیں۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ مسلمان عورتوں کو بھی تفریح کے وہی حقوق حاصل ہیں جو اُنکے مَردوں کو ہیں۔ جو مسلمان اپنی عورتوں کی سیر و تفریح کے مواقع بہم نہیں پہونچاتے، وہ غلطی پر ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی عورتوں کے لیے اپنے مدارس کھولیں تاکہ وہ غیر قوموں کی تعلیم گاہوں میں جاکر اُنکے بُرے رسم و رواج کی نقالی سے محفوظ رہیں۔ یہ مدارس پردہ کے پابند، اور اسلامی نصب العین کے مطابق ہونے چاہییں۔ جب مسلمان ایسے انتظامات کر لینگے تو پھر مخالفوں کے پاس، پردہ کی مخالفت میں کوئی دلیل بجز اس کے

اسلامی تہذیب کی اہمیت

تعلیمی نقطۂ نظر سے

(۴)

پہلی بات مولانا سید سلیمان صاحب کا یہ مشورہ کہ اگر مختلف صوبجات میں حکومتوں نے تعلیمی اسکیموں میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کا لحاظ نہیں رکھا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اردو رسم الخط کے تحفظ اور قرآن اور مذہبی مسائل کی تعلیم کے لیے وہ خود انتظام کریں اور سارے ملک میں مذہبی مدارس کا ایک جال پھیلا دیں اور سرکاری مدارس میں مادی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے مدارس میں مذہبی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اول تو ہم کانگریسی حکومتوں کے اس طرز عمل ہی کو حق بجانب نہیں سمجھتے کہ وہ ہمارے مالیہ سے ہمارے بچوں کو صرف اپنے حسب مرضی تعلیم دیں اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ اس لیے ہمیں کوئی ایسا اقدام کرنے میں نہایت احتیاط کرنا چاہیے جس سے قوم پرست ہندوؤں کے اس طرز عمل کو روایتی استحکام حاصل ہو کر ملک کے مسلمہ قانون کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ اور عملاً ہماری خاموشی ہمارے اس حق سے دستبردار ہو جانے کے مترادف قرار پا جائے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے زمانہ میں مختلف ممالک میں حکومتیں جس سرعت سے زندگی کے جزئی سے جزئی مسائل کو اجتماعی بنا رہی ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ اشتراکی نظریہ حکومت کی مقبولیت کے بعد سے یہ چیز اور بھی سرعت پذیر ہو رہی ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات کی اجتماعی تنظیم اور ضروریات زندگی کی اشتراکیت کے اصول پر تکمیل کے عام رجحان کی وجہ سے حکومتوں کے نظم و نسق کو روز بروز وسعت ہوتی جا رہی ہے جس کے لیے یا تو حکومتیں ملک کے تمام ذرائع آمدنی خود اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہیں اور باشندوں کی تمام ضروریات زندگی کی تکمیل حکومت ہی کے واسطے سے ہوتی ہے یا ملک کے باشندوں پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ خود ہندوستان میں بھی ملک کے نظم و نسق میں وسعت کے ساتھ اسی قسم کے ٹیکس لگائے جائیں گے جن کی ادائی کے بعد اسکا بہت کم امکان رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں پر جداگانہ تعلیم یا اسی قسم کے دوسرے اغراض کے لیے کسی معتدبہ ٹیکس کا بار ڈالا جا سکے۔ خصوصاً جبکہ ملک کے دوسرے باشندوں کے ساتھ جو ٹیکس وہ ادا کر چکے ہیں اس میں ایک جزو اس غرض کے لیے بھی تھا کہ اس سے انکے بچوں کو حسب دلخواہ تعلیم دی جائے۔

تیسرے یہ کہ فرض کیجیے کہ آپ مسلمانوں پر اس غرض کے لیے عائد ٹیکس بھی عائد کرتے ہیں تو سیاسی قوت کے بغیر اس ٹیکس کا وصول کرنا بھی سخت دشوار ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمان ملک کے دوسرے باشندوں کے ساتھ اپنی مالی، جسمانی اور اخلاقی قوتوں کا چندہ حکومت کو دے کر اپنی سیاسی قوت کو حکومت کے حوالے کر چکے ہوں جسے ظاہراً ملک کی اکثریت کے زیر استعمال چھوڑ دیا جائے تو ہمارے پاس کونسی قوت رہتی ہے جس کے ذریعہ ہم مسلمانوں کو اس قسم کا ٹیکس دینے کے لیے مجبور کر سکیں۔ بعض اصحاب کی خدمت میں جب عرض کیا جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کو سخت سست کہنا شروع کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب مسلمان اپنی دینی تعلیم اور مذہبی روایات کے تحفظ کے لیے بطیب خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے تو وہ کیا خاک زندہ رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ بات یہ ہے کہ ایسا کہتے وقت ان اصحاب کی نظر میں واقعات کی دنیا کا نہیں تصورات کی دنیا کا مسلمان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر تحریک خواہ سیاسی ہو یا مذہبی اُسکے متبعین میں مختلف مدارج یقین کے لوگ ہوتے ہیں۔ خود قرآن مجید میں بھی اہل ایمان کے مختلف مدارج بیان کیے گئے ہیں ان میں احسان کے مرتبہ والے بھی ہیں، ایمان والے بھی اور اسلام والے بھی۔ اور ایسے بھی ہیں جو مذبذبین میں سے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آپ سب قسم کے لوگوں سے ایک درجہ کے ذوقِ عمل کی امید کیسے کر سکتے ہیں۔ صرف اجتماعی نظم اور سیاسی قوت ہی وہ چیز ہے جو ان سب کو ایک ہی سلک میں منسلک رکھ کر نظام شرعی کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے۔ عہد رسالت کے معاً بعد ہی والے واقعات پر غور فرمائیے کہ مسلمانوں ہی کی جماعت نے زکوٰۃ ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ لیکن اہل حق اور اہل ایمان کی اجتماعی قوت نظم ہی تھی جس نے ان مانعین زکوٰۃ کو ادائی زکوٰۃ پر مجبور کر دیا۔ اور قیام خلافت سے مقصود بھی یہی تھا کہ اسی اجتماعی نظم کی حفاظت کر کے قانون اسلامی کی گرفت کو مضبوط رکھا جائے۔

اہل حق را زندگی از قوت است
قوت ہر ملت از جمعیت است

چوتھی چیز غور طلب یہ ہے کہ آیا وہ کیا اسباب تھے جو انگریزی حکومت کی ابتدا سے ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دینیات اور دینی مسائل کی اہمیت سے بیگانہ اور بیگانہ تر بناتے رہے۔ کیونکہ دین اور دینی تعلیم کو جزو زندگی بنانے کے لیے سب سے پہلے ان موانع کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب دین کے مسائل کا واقعات کی زندگی سے تعلق باقی نہیں رہتا تو عام ذہنوں پر انکی گرفت باقی نہیں رہ سکتی۔ کیا یہ چیز صاف نہیں ہے کہ انگریزی عہد حکومت میں دینی تعلیم ہمارے نوجوانوں کی تعلیمی زندگی کا جز محض اس درجہ سے زیادہ نہ بن سکی کہ عملاً بچوں کے والدین اپنے بچوں کا زیادہ سے زیادہ وقت انکی مادی تعلیم پر صرف کرنا انکی آیندہ زندگی کے لیے زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔ بچوں میں جب سمجھ آتی ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ ہو اس میں ترقی حاصل کرنے کے لیے تعلیم پر اتنی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ انتخاب اور مقابلہ میں اپنے آپ کو ہمعصروں کے مقابلہ میں بہتر ثابت کیا جا سکے۔ پھر آج زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے لیے جگہ نکالنے کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ تعلیم میں سابقت اور مقابلہ کر کے طالب علم اپنے آپ کو زیادہ قابل ثابت کرے۔ بلکہ مقابلہ کے لیے ابتدا سے جسمانی

ہو رہیگی کہ چونکہ پردہ یورپ میں نہیں اس لیے وہ قابل ترک اور شرمناک چیز ہے۔

ہمارے نام نہاد مصلحین اُن چیزوں جو فی الحقیقت قابل اصلاح ہیں نظر انداز کیے ہوئے ہیں، اور یورپ کی اندھا دھند ریس میں اسکے عیوب اور خرابیوں کو اختیار کر کر کے اپنے اخلاق کی عمارت کو بھی منہدم کیے ڈالتے ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو سب سے زیادہ آزادی دی ہے۔ اور انکو اعتدال کے ساتھ حقوق دینے میں فیاضی برتی ہے۔ اس سے ذرہ بھر بھی تجاوز اگر مبصر تجربہ تو فضول مضر رہے۔ امریکہ میں عورتوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اسکے کیا نتیجے برآمد ہوئے؟ بعض حلقوں میں تو وہاں عورت ایک اپنے "فٹ بال" کی طرح سمجھی جاتی ہے، جسے کبھی ایک مرد ٹھوکر لگاتا ہے اور کبھی دوسرا۔ اور بعض اُن حلقوں میں جہاں عورت کا اقتدار ہے، وہاں وہ گھر اور اہل و عیال کی طرف سے بے پروا ہے، اور اپنی دلبستگی کا سامان، گھر سے باہر، جہاں چاہے، مہیا کر لیتی ہے۔ اسلام نے پردہ کا جو حکم دیا، وہ محض سوسائٹی ہی کے لیے دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے کسی وقت کچھ دقت محسوس ہو، لیکن اتنی دقت اور طبیعت کی گرانی، اہم تر مقاصد کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ (دکن ٹائمس، مدراس)

(بقیہ صفحہ ۱۰)

"ایران میں عربی زبان کی تعلیم بہت عام ہے اور ہر قسم کے مدارس میں جاری ہے"۔

گویا یہ بات آپ پر واضح کر دی کہ اہل ایران اس "باشندوں کو قریب کرنے" کے طریق عمل سے غافل نہیں ہیں اور انھوں نے عربی زبان اختیار کر لی ہے۔

بہر حال مسلمانوں کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن سے علیحدہ ہو کر وہ ذلیل ہوئے اور پھر اسکو اپنے دل میں جگہ دے کر ہی عزت حاصل کر سکتے ہیں۔

(رہبر دکن)

آزادی ہند اور مسلمان

(از مولانا عبد الرؤف صاحب دانا پوری)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کانگریس نے کمل آزادی حاصل کرنا اپنا مقصد قرار دیا ہے مگر اس کی مراد اندرونی کمل آزادی ہے۔ نہرو رپورٹ میں ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ ہمارے مطالبہ ڈیفنس یعنی ہندوستان کی مدافعت سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اسکے بعد کانگریس نے جب کمل آزادی کا رزولیوشن منظور کیا تو اس میں ہندوستان کی خارجی حکمت عملی اور ڈیفنس کے متعلق کوئی اشارہ نہ تھا۔ کانگریس کی پوری تاریخ میں کبھی ڈیفنس اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں ہوئی۔ اس لیے کانگریس کا مسلمہ مطمح نظر ہے کہ ہندوستان کو کمل اندرونی آزادی ہو اور ڈیفنس برٹش گورنمنٹ کے اختیار میں ہو۔

کانگریس۔ ہندو سرمایہ دار۔ ہندو مہاجن اسی مطمح نظر کو پیش نظر رکھ کر اپنا سیاسی اور اقتصادی پروگرام مرتب کر رہے ہیں۔ ہندو سرمایہ داروں نے بہت سا سرمایہ کابل، ایران، عراق، عدن، زنجبار اور افریقہ کے دوسرے علاقوں میں لگا دیا ہے اور لگا رہے ہیں۔ اسی طرح بخارا۔ ترکستان چینی ترکستان۔ نیپال۔ تبت وغیرہ مقامات میں پھیل گئے ہیں۔ اور ان ملکوں میں بھی بہت سرمایہ لگا رہے ہیں۔ ہندوستان کی کمل اندرونی آزادی کے بعد بھی ان تمام ہندوستانی سرمایوں کی محافظ برٹش گورنمنٹ ہی رہیگی اور اس سرمایہ کی وجہ سے ان ممالک میں ہندوستانی قوم کے جو حقوق قائم ہوتے ہیں انکے تحفظ کی ذمہ دار برٹش گورنمنٹ ہو گی۔

یہ سرمایہ جن ممالک میں لگایا جا رہا ہے وہ زیادہ تر اسلامی ممالک ہیں اور اس کی وجہ سے حقوق میں تصادم کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اختلافات زیادہ بڑھا اور جنگ کی نوبت آئی تو گورنمنٹ آف انڈیا کی فوج لڑیگی جو برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ہو گی۔ اور یہ لڑائی ہندوستان، ہندوستانی قوم اور ہندوستانی حقوق کے نام پر اسلامی ممالک سے ہو گی۔

یہ تصادم ہندوستان کی کمل آزادی کے حصول تک موقوف نہ رہیگا، بلکہ شروع ہو گیا ہے۔ زنجبار کی لونگ کا قصہ اور کابل کے خشک میوہ کی فروخت کا جھگڑا اسی کی ایک کڑی ہے۔ ایران اور بغداد میں بھی غالباً اس طرح کا تصادم موجود ہے۔ ممکن ہے کہ برٹش قوت کے اثر سے بعض حقوق ان ممالک میں ہندوستان کو حاصل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی جھگڑا طول ہو جائے اور لڑائی کی نوبت آ جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے تصادم کے وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہو گی۔ جو لوگ مسلمانوں کو ہندو مہاجنوں کی قومیت میں ضم ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں انکو لازماً مسلمانوں کے خلاف اپنی جدید قوم کا ساتھ دینا ہو گا۔ انکا نظریہ یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کے مسلمان اگرچہ انکے ہم مذہب ہیں مگر ہم قوم نہیں ہیں اور اقتصادیات میں قوم ہی کا ساتھ دینا چاہیے۔ لہذا ہندو مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے یہ معنی ہوئے کہ ممالک اسلامیہ پر

اقتصادی دباؤ ڈالنے میں ہندو مہاجنوں کی یہاں کے مسلمان بھی تائید کریں - اور ان ممالک پر سیاسی دباؤ ڈالنے کے لیے برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان کی طرف سے ذمہ دار بنانے کی یہاں کے مسلمان بھی تائید کریں -

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی سے اسلامی ممالک محفوظ ہو جائیں گے - مگر یہ غلط ہے - صرف اندرونی آزادی سے اسلامی ممالک محفوظ نہ ہونگے - بلکہ اور خطرات بڑھ جائیں گے - برٹش قوم کے لیے سب سے بہتر صورت یہ ہوگی کہ مسلمان نیشنلزم اختیار کریں اور اسلامی ممالک کی ہمدردی سے بے نیاز ہو جائیں - تاکہ مسلمان اس پالیسی پر معترض نہ ہوں جو ہندو قوم اور برٹش مل کر ممالک اسلامیہ اور اطراف ہند کے متعلق اختیار کر رہے ہیں -

ہندوستان کی مکمل اندرونی آزادی سے برٹش قوم کو کوئی سیاسی یا اقتصادی نقصان نہ ہوگا جب تک ہندوستانی فوج برٹش اقتدار کے اندر رہیگی اور سیاسی قوت علی حالہ باقی رہیگی - اندرونی آزادی کی حالت میں گورنمنٹ آف انڈیا کانگریس اور یہاں کی قومی برٹش تجارت اور برٹش سرمایہ کے تحفظ کا ذمہ لیں گی - صرف یہ نقصان ہوگا کہ سول سروس عہدوں سے برٹش قوم کی ایک بڑی جماعت محروم ہو جائیگی - لیکن اسکی جگہ برٹش قوم ہند کے لیے ہند کے اطراف میں بہت سے ہائی کمشنر کی جگہ نکل آئیگی - جو ہندوستان کے سرمایہ سے مشاہرہ لینگے اور ہندوستانی حقوق کی ان ممالک میں حفاظت کرینگے - اور اس ذریعہ سے ان تمام ممالک پر برٹش قوم کا جو اثر و دباؤ - اور جو سیاسی اور اقتصادی فوائد حاصل ہونگے وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا جو انکو آج ہندوؤں سے حاصل ہو رہا ہے -

ہندو قوم کو اس سے بڑا فائدہ پہونچے گا - ہندوستان میں کامل اندرونی اختیار انھیں حاصل ہوگا اور اقتصادی حالت بہت بلند ہو جائیگی کیونکہ انکی تجارت اور انکا سرمایہ محفوظ طریقہ سے اطراف کے ممالک میں پھیل جائیگا -

جہاں تک علم ہے مسلمانوں نے اپنے لیے ابتک کوئی پالیسی طے نہیں کی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اندرونی آزادی کے بعد مسلمانوں کو کیا روش اختیار کرنی ہوگی - یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تجارت اور یہاں کا سرمایہ دونوں بہت کم ہے - ہندوستانیوں کی تجارت اور یہاں کا سرمایہ جو ان ملکوں میں پھیلایا جا رہا ہے اس میں مسلمانوں کا حصہ بہت کم ہے بلکہ نفی کے برابر ہے -

جدید قومی تحریک پر جو زور دیا جا رہا ہے اسکا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ اور تجارت میں مسلمانوں کا حصہ ہو یا نہ ہو اور اس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو نفع پہونچے یا نہ پہونچے انکو ہندوستانی قوم کا فرد ہونے کی وجہ ہندوستانی سرمایہ داری اور ہندوستانی حقوق کی تائید کرنی چاہیے اور اس طرح ممالک اسلامیہ کے مسلمان اگر ہندو مہاجن اور برٹش گورنمنٹ کی دوہری گرفت میں پھنس جائیں تو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیے - اس لیے کہ گو وہ مسلمان ہیں مگر ہم قوم نہیں ہیں - ہندوستانی مہاجنوں کی ترقی سے ہندوستان کی اقتصادی حالت ترقی کریگی - کابل - ایران - عراق - عدن - عرب اور زنجبار کے مسلمان اگر تباہ بھی ہو جائیں تو وہ دوسری قومیں ہیں - اس سے یہاں کے

مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچے گا -

جو کچھ اس قومیت کی تحریک کا مقصد میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے علما اور سیاسی رہنماؤں نے نہ معلوم ان مقاصد پر غور کرنے کے بعد قومیت کی حمایت کی ہے - یا اس مسئلہ میں ابھی ان کو مزید غور و فکر کی ضرورت باقی ہے

اوپر کے بیان سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ مسلمانوں کو صرف مذہب کے لیے نہیں بلکہ اقتصادی ضروریات کے لیے بھی انکی قوت کا علحدہ منظم ہونا ضروری ہے - کیونکہ اقتصادی ضروریات بھی انکی ہندوؤں سے جدا ہے بلکہ دونوں میں تضاد ہے - اور ایسی جماعت جو مسلمانوں کو سیاسی و اقتصادی ضروریات کے لیے علحدہ منظم کر سکتی ہے وہ صرف مسلم لیگ ہے - اس لیے مسلم لیگ کو پوری طرح منظم اور طاقتور بنانا مسلمانوں کی سیاسیات اور اقتصادیات کے لیے ناگزیر ہے -

عربی تعلیم کی اہمیت

مسلمان اپنی فلاح دنیوی کے لیے سب کچھ سیکھتے ہیں مگر قرآن و حدیث کی زبان کو بڑے افسوس کی بات ہے انھوں نے بالکل ہی بھلا دیا ہے جسکے واسطے سے فلاح دنیوی و اخروی دونوں انھیں حاصل ہو سکتی ہیں - ہم نے کئی بار ان صفحات پر مسلم والدین کو متوجہ کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اختیاری زبان ہر کالج و مدارس میں عربی دلوائیں تاکہ وہ اسکی مدد سے قرآن و حدیث کے سمجھنے کی قابلیت پیدا کر سکیں جن میں دنیا کا بہترین نظام حیات موجود ہے - غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہماری ساری تعلیمی جد و جہد ایک اچھے نظام حیات ہی کی خاطر ہے اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان ایک اچھے نظام حیات کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے' جو انھیں کے گھر میں ہے، مختلف سمتوں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دوڑ رہے ہیں - یہ بات بڑی سچی ہے کہ "دلوں کی درستی کے بغیر انسان سے کوئی قابل قدر خدمت اس دنیا میں انسان سے بن ہی نہیں پڑتی" اور "دلوں کی درستی" کا بہترین سامان اسلام ہی میں موجود ہے جسکو عربی زبان کے توسط سے آسانی کے ساتھ حاصل کیا جا سکتا ہے .....

مسلمانوں کے لیے عربی زبان کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ وہ اسکے توسط سے نہ صرف اپنے کھوئے ہوئے اسلام کو آسانی سے پا سکتے ہیں بلکہ ایک ایسا نظریۂ حیات بھی انھیں مل سکتا ہے جس کی دنیا میں آج تک کوئی نظیر نہیں پیدا ہو سکی مگر اس کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان میں اور ۴۳ کروڑ مسلمانان عالم میں وہ ربط بھی اسی کے توسط سے پیدا ہو سکتا ہے جو اسلامی اخوت نے قائم کر دیا ہے - ان دنوں تمام آزاد و نیم آزاد اسلامی ممالک میں قریبی اسلامی اخوت کے تعلقات از سر نو استوار ہو رہے ہیں اور حبیب بیروت میں استاذ امین ریحانی شام کے مشہور ادیب و مورخ نے وزیر اعظم ایران محمود جم سے جو شہزادۂ ایران کی شہزادی فوزیہ سے منگنی کی رسم ادا کرنے کے لیے مصر آتے ہوئے وہاں ٹھہر گئے تھے، گفتگو کے دوران میں یہ کہا کہ عربی ممالک میں فارسی زبان کو رائج کرکے دونوں ملکوں کے باشندوں کو قریب تر کر دینا چاہیے ۔

تو وزیر اعظم موصوف نے یہ فرمایا کہ (بقیہ صفحہ ۸ پر ملاحظہ ہو)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج - لکھنؤ (؟) سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے واسطے براہ راست ایڈیٹر سے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو۔

منیجر اخبار صدق۔ لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۱ | ... ۴۔ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۸ء | جلد ۴

سچی باتیں

"یہ آپ کیا اندھیر کر رہے ہیں، کہ مسلمانوں کے مجمع میں شراب خواری کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں، انھیں شراب کے نقصانات بتا رہے ہیں! اسکے تو صاف معنی یہ ہوئے، کہ آپ کے خیال میں کچھ مسلمان بھی شراب پیتے ہیں، یا پی سکتے ہیں! یہ کھلی ہوئی توہین ہمارے بھائیوں کی ہے۔ کیا حق ہے آپ کو ہماری شریف قوم کی توہین کا! داد دیجئے ہمارے ضبط وتحمل اور غم خوری کی کہ ہم نے اتنی دیر آپ کا یہ وعظ سن بھی لیا!" ——— اس طرح کی کوئی تقریر آپ کے سامنے کرکے آپ کی زبان نقصانات شراب کے بیان سے بند کرنا چاہے، تو آپ اس کی سنجیدگی اور صحت دماغ سے متعلق کیا رائے قائم کرینگے؟ اسی طرح سود خواری، قماربازی کوئی سی بھی، روحانی بیماری لے لیجئے، آپ ان میں سے کسی کے خطرات پر جب زبان کھولنا چاہیں، اور کوئی عقل وعلم کا مدعی یہی کہہ کر آپ کو للکارے، کہ یہ کیسی توہین اپنی قوم کی کرنے کو کھڑے ہوئے ہو، تو فرمائیے، آپ پر کیا گزر کر رہیگی!

مثال دور کی نہیں، نزدیک کی، ماضی کی نہیں، حال کی ہے۔ بیان مفروضہ کا نہیں، واقعہ کا ہے۔ تجدد کے بالاخانوں اور روشن خیالی کی برجوں سے مطالبت کی پوری بلند آہنگیوں کے ساتھ پکار پکار کر کہا جا رہا ہے، کہ مسلمان عورتوں کے سامنے آزادی کے خطرات کو بیان کرنا، مخلوط تمدن و معاشرت کے ثمرات تلخ کو پیش کرنا، بے حجابی و بے حیائی کے مفاسد کو شمار کرانا، اپنی بہنوں بیٹیوں کو عیب لگانا، اور انکے درمیان بھی ان بیماریوں کے پھیلنے کا امکان ظاہر کرنا ہے! ——— گویا محض مسلمان کے گھر میں پیدا ہو جانے، یا نام مسلمانوں کا سا نام رکھ لینے سے، جس طرح مسلمان مرد، کچھ سود خواری، قماربازی، شراب خواری وغیرہ سے بچ گئے، اسی طرح مسلمان عورتیں بھی محض اپنے نام وخاندان کی بنا پر، کچھ بے عفتی اور بے حیائی کے عالمگیر طوفان سے بچی رہینگی! کیا خوب ہے یہ منطق! کتنا صحیح ہے یہ مشاہدۂ واقعات، اور کیسا قابل رشک ہے یہ اطمینان ضمیر! ——— اور گویا قرآن وحدیث میں جو دفتر کے دفتر وعیدوں کے، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوئے ہیں، نعوذ باللہ وہ سب کے سب بیکار و بے معنی ہی ہیں! مسلمان کے لیے یہ امکانات ہی کیوں فرض کر لیے گئے، اسکی خودداری کو اتنا صدمہ پہونچانے والے!

نوع انسان کے پرانے دشمن! آدم کو جنت سے، عورت ہی کے واسطہ سے نکلوانے والے ذات شریف! ماننا پڑتا ہے تیری استادی کو۔ آدم کے بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے "تازہ وشاداب" (اپ۔ٹو۔ڈیٹ) پھندے تو نے تیار کر رکھے ہیں، کیسی کیسی دلفریب اصطلاحیں تو نے گڑھ رکھی ہیں۔ کیسے کیسے، دل کو لبھانے والے، بہکانے والے، پھسلانے والے نام تو نے چلا رکھے اور پھیلا رکھے ہیں! اور بھولا انسان ہے کہ بیشمار تجربوں کے بعد پھر تیرے دام میں آ جاتا ہے! ——— ان مریضوں کا خدا حافظ، جنھیں دوا کے نام ہی سے تو نے نفرت

والا دیا ہے، اور عملاً علاج کرنا الگ رہا، علاج کا ذکر آتے ہی انھیں وحشت ہونے لگتی ہے! مرض ہی کی حالت کو شفا سمجھ رہے ہیں، اور تندرستی کے تخیل پر مضحکہ کر رہے ہیں!

تصویر حقیقت

پچھلے عشرہ میں ولایتی ڈاک میں ایک تازہ تصویر مسولینی کی آئی ہے۔ غلہ کا کھیت لگا ہوا ہے، فصل کٹی تیار کھڑی ہے۔ درخت اونچے اونچے قد آدم ہیں۔ اسکے درمیان مسولینی، کوٹ، قمیص، واسکٹ، بنیائن، سب اتارے ہوئے، اوپر کے دھڑ سے بالکل ننگا —— یورپ کا امر، اور اٹلی کا "خدا" —— اپنے ہاتھ سے فصل کاٹ رہا ہے، اور تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے، کہ یہ مشغولی دو چار منٹ کی نہ تھی، بلکہ پورے تین گھنٹے اس میں وہ معمولی کاشتکاروں اور مزدوروں کی طرح لگا رہا! —— خدا معلوم ہمارے ملک و قوم کے بھی رئیسوں اور رئیس زادوں، راجوں، مہاراجوں، نوابوں، تعلقہ داروں، زمینداروں، بلکہ انکے ہاں کے عہدہ داروں کی بھی نظر اس تصویر پر اور پھر اسکے واسطے تصویر حقیقت پر پڑی؟ سوشلزم کا حملہ ہمارے ہاں نہیں، تو کیا اٹلی پر ہوگا؟

ایک دوست کی موت

لکھنؤ کے ممتاز ایڈوکیٹ مرحوم متین الدین تھے۔ فوجداری کے مقدمات میں نہایت نامور۔ دور دور سے بلائے جاتے۔ اچھے خاصے تندرست و توانا۔ عمر ۴۵ اور ۵۰ کے درمیان۔ بشرہ سے اس سے بھی کم معلوم ہوتے تھے۔ اسی جولائی میں ایک صبح ٹرین سے اترے، باہر سے مقدمہ جیتے ہوئے آرہے تھے، اسٹیشن سے اپنے موٹر پر اپنی کوٹھی کو روانہ ہوئے۔ دریا کے کنارے کنارے، ٹھنڈی سڑک مشہور، اور تفریح کے لیے مخصوص ہے، اسی پر تھے۔ کہ بارش کی شدت سے موٹر پھسلا، اور قبل اسکے کہ کوئی انسانی تدبیر کام دیسکے آناً فاناً، سڑک کی خاصی لنبی ڈھلان سے دریا کے اندر غرق تھا! —— عبرت کا اس سے بڑھ کر منظر، اور حیات انسانی کی بے ثباتی کی اس سے بڑھ کر جیتی جاگتی تصویر اور کیا ہوگی؟ —— خود تو دریا میں نہیں، کسی کی رحمت و مغفرت کے بحر بیکراں میں غرق ہوئے، اور شہادت کی بشارت پائی، لیکن بوڑھے غمزدہ ماں باپ کو کوئی کیا کہکر تسکین دے، اور بیوی بچوں بچیوں کے زخم پر کوئی کیونکر مرہم رکھ دے! مدیر صدق کے ساتھ کے پڑھے ہوئے تھے۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں چار سال تک ساتھ رہا، اور تعلقات بہت زائد۔ اسکے بعد زندگی کی راہیں الگ ہوگئیں، اس پر بھی جب کبھی برسوں کے بعد اتفاق سے مل جاتے، معلوم ہوتا پرانا زمانہ عود کر آیا ہے۔ ۳۳ء میں ایک معلوم و معروف دشمن دین رسالہ پر توہین مذہب کے جرم میں مقدمہ چلانے کی تجویز ہوئی۔ پیروی کے لیے قرعۂ انتخاب متین مرحوم پر پڑا۔ مسلمان غریب گھبرا رہے تھے کہ انکی گرانقدر فیس کا انتظام کیا ہوگا، ان سطور کے راقم نے خط لکھا کہ "دنیا میں بڑی بڑی فیسیں مل چکیں، اور آیندہ بھی ملتی رہینگی، ایک بار وہ اللہ کے ہاں ملنے والی فیس کے سہارے پر تو کام کرکے دیکھیے" فوراً بلا معاوضہ کام کرنے پر آمادہ ہوگئے، اور مخالفانہ ترغیبات کے باوجود بھی اس وعدہ پر قائم رہے! عجب کیا ہے ایک یہی عمل مقبول ہوگیا ہو، اور "یہاں" جس عیش سے گزاری، اس سے کہیں بڑھ کر لطف "وہاں" اٹھا رہے ہوں!

دولت کی ہلاکت آفرینی

" ناگم میں ایک شخص کا محض اس اطلاع سے انتقال ہوگیا کہ اسکے نام لاٹری میں پندرہ ہزار روپیہ کا انعام نکلا ہے۔ جس وقت تار آفس کے ملازم نے اسے اس مضمون کا تار لاکر دیا تو اُسے اس درجہ خوشی ہوئی کہ اس کی حالت دیوانوں کی سی ہوگئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہلاک ہوگیا۔"

(اجمل۔ بمبئی)

یہ ہے کل کائنات اُس روپیہ کی جس پر ہم جان دیے دیتے ہیں! اور "لاٹری" کے نتیجوں کی یہ کوئی پہلی مثال نہیں۔ دور جدید نے جہاں اپنے ہاتھوں ہلاکت کے اور بہت سے ذریعے ایجاد کر رکھے ہیں، ان میں سے ایک فوری اور موثر حربہ یہ لاٹری کا بھی ہے۔ افلاس کی ہلاکت آفرینی کا رونا سب روتے ہیں، لیکن امارت و ثروت کی ہلاکت آفرینیاں، خدا کی پناہ!

عورت کی منزلت

" میری بہنو!

آپ سب کو غالباً معلوم ہوگا کہ اگلے زمانہ میں انسان کی زندگی کیسے گزری۔ اس وقت یہ سوال نہیں کہ ہم بندر رہتے بلکہ سوال یہ ہے کہ انسان کا پرتی پالن کس نے کیا؟ میں آپ لوگوں کو اُس زمانہ میں لے جانا چاہتی ہوں جو مادری زمانہ کہلاتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عورتیں دنیا میں حکومت کرتی تھیں اور اس مملکت کی گیا کی مالن بنی ہوئی تھیں اور اسکے سنوارنے میں نمایاں حصہ لے رہی تھیں۔ مملکت میں عورتوں نے کیا کیا؟ زبان اور بولی کی پیدائش انھیں کی کوشش سے ہوئی۔"

یہ کلکتہ کی ایک مسلمان خاتون نے دارجلنگ کے ایک زنانہ مجمع میں کہا۔ اُردو کی ہندیت سے قطع نظر کرکے نفس مضمون کو دیکھیے۔ ذکر کسی پچھلے زمانہ کا ہے، جب حکومت عورت کے ہاتھ میں تھی، اور وہی اس گلشن ہستی کی سب سے بڑی باغبان تھی۔ لیکن گزارش یہ ہے کہ یہ ذکر بصیغۂ ماضی کیوں؟ جہاں تک اسلامی گھرانوں کا تعلق ہے، کیا یہ ماضی حال نہیں؟ کون سنگدل باپ ایسا ہے، جسکے ہاں لڑکی کی حیثیت، "نور نظر" اور "گھر کی مینا" کی نہیں؟ بیوی کی ہستی، "چراغ خانہ" اور اندھیرے گھر کا اُجالا کہاں نہیں؟ "اہل خانہ" "صاحبہ" "رفیق زندگی" کس کے تمدن و معاشرت کی اصطلاحیں ہیں، اور بیوی کی کس قدر و منزلت کی ترجمانی کر رہی ہیں؟ اور پھر لڑکوں پر، بوڑھے لڑکوں پر بھی، ماں سے بڑھ کر کسے حکومت کا حق حاصل ہے؟ افراط شفقت اگر اُن کی حاکمیت پر غالب آجائے، تو بات ہی دوسری ہے! حقیقت بکر

بجز ماں کے، اور کس کے قدموں کے نیچے بتائی گئی ہے؟ مجرم ہر مذہب، ہر تمدن، ہر معاشرت کے موجود رہتے ہیں، لیکن عام حالت کا اندازہ مجرموں کے افعال سے کرنا، یہ خود کہاں تک صحیح ہے؟

انسانیت کی ماں

"کیا تعلیم دفتر جانے کے لیے ہوتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو بہت بڑی غلطی ہے۔ انسان کا پرورش پالنا کس کے ہاتھ ہے؟ عورتوں کے ہاتھ ہے۔ انسان کی پیدائش کس کے ہاتھ ہے؟ عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ پھر جب خدا نے اتنا کام عورتوں کے ہاتھ دے دیا ہے تو بچپن سے کس کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ لڑکے کا یا لڑکی کا؟ جب انسان کی پرورش عورتوں کے ہاتھ میں ہے تو انکو اچھی طرح تعلیم و تربیت دینا چاہیے۔ میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ باپ زیادہ تر لڑکوں کا خیال کرتے ہیں اور انھیں تعلیم دیتے ہیں اُنھیں کو اصلی معنی میں انسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں لڑکی کا کون خیال کرتا ہے اُسکو تو ہنڈیا، روٹی کے کام کے سوا اور کیا سکھایا جائیگا؟ بچپن سے اس کی شادی کی تیاریاں ہوتی رہتی ہیں"۔

مقدمات کتنے صحیح، اور نتائج کس قدر غلط! یہ اگر صحیح ہے، کہ انسان کی پیدائش کا، پرورش کا کام اللہ نے تقریباً تمامتر عورت ہی کے ہاتھ میں دیدیا ہے، اور مرد کو اس سے گویا فارغ البال رکھا ہے، تو آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ عورت کو جس کی مشغولیتیں پہلے ہی سے کسی ہوئی، اور جسکے پیر میں بیڑیاں پہلے ہی سے پڑی ہوئی ہیں، ان قدرتی فرائض کے علاوہ، اس پر بھی مجبور کیا جائے کہ مردوں کے دوش بدوش دوڑے، مردوں ہی کی طرح امتحان پاس کرے، اسکول جائے، دفتر جائے، کچہریوں میں دوڑے، اور وہ سب کچھ کرے، جو آزاد و غیر مقید مرد کرتا رہتا ہے! خانہ داری کی ٹریننگ (تربیت) کوئی ایسی سرسری اور حقیر چیز ہے جو بغیر پورا وقت دیے آسکتی ہے؟ "بچپن ہی سے شادی کی تیاریاں" ہوتے رہنا، یہ فطرت کے پیش نظر تو اور مدد دینا ہوا، نہ کہ اس میں مزاحمت کرنا، اور اسکی راہ میں حائل ہونا — یورپ اور امریکہ جس کو عورت کی "معاشی آزادی" کا خوب عملی تجربہ ہو چکا ہے، آخر اب کیا کہہ رہا ہے؟ ہمارے بھائی اور بہنیں کبھی تو ذرا فیشن کی ہوا، اور عوام کے شور و غل سے الگ ہوکر، خدا کے لیے، یورپ اور امریکہ ہی کے سنجیدہ ڈاکٹروں اور ماہرین فن کے بیانات کو سنیں، اور انکے نتائج تحقیق کا مطالعہ کریں!

خودکشی کا مشورہ

"زمانہ کی رفتار اس قدر بے پناہ ہے کہ کسی کی چیخ پکار اس رفتار کو سست نہیں کر سکتی۔ گھر گھر یہ مسئلہ درپیش ہے کہ لڑکیوں کو ایسی تعلیم دو، جس سے وہ اپنی معاش خود پیدا کر سکیں۔ اس لیے کہ زمانہ کے حالات بدل چکے ہیں..... اب تک کچھ مسلمان لڑکیوں نے تعلیم حاصل کرکے سررشتۂ تعلیم میں ملازمتیں کی ہیں۔ بعض نرس کا کام بھی کر رہی ہیں۔ اس کام میں کبھی پردہ نہیں ہو سکتا۔ اب ٹیلیفونوں کے محکمہ میں ملازم ہو رہی ہیں۔ یہاں بھی پردہ اٹھانے کے سوا چارہ نہیں... اب تو جد و جہد کا زمانہ ہے۔ عورتوں کو ووٹ کا حق مل چکا۔ وہ اسمبلیوں تک پہونچ چکیں۔ دوسری قوموں کی عورتیں پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل بن رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اس دوڑ میں شریک ہونے کا چارہ کار ہی کیا ہے۔ یہ گولی تلخ ہے۔ لیکن نگلنی ہی پڑیگی"۔

یہ پنجاب کے ایک مشہور روزنامہ کا مشورہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے ہے۔ معاصر موصوف کی غیرت اسلامی میں کلام نہیں، لیکن یہ مشورہ تمامتر روح حمیت کے منافی، اور حالات کے سامنے عجز و شکست خوردگی کے مترادف ہے۔ یہ جد و جہد کا زمانہ یقیناً ہے، لیکن وہ جد و جہد ٹیلیفون وغیرہ کی ملازمت، یا گمراہ قوموں کی تقلید ہی میں کیوں صرف ہو، وہی جد و جہد، پورے نظم و قوت کے ساتھ، خود اس طرف کیوں نہ صرف کی جائے، کہ زمانہ کو اپنے پاس کے نظام معاشرت و معیشت کے مطابق لایا جائے؟ جد و جہد یقیناً بہت سخت کرنی پڑیگی، لیکن علاج صرف یہی ایک ہے۔ دوا اگر کڑوی اور پرہیز اگر سخت ہے، تو یہ تو بہرحال نہ ہونا چاہیے، کہ رستے چھوڑ کر ہم کسی زہر کو، اُسکی ظاہری خوشگواری و شیرینی کی بنا پر حلق سے اتارنے لگیں۔

تجدد کی ہمہ گیری!

"ہم گنا ہگاروں کا نظریۂ مساوات مرد و زن" شاید اسلیے بُرا ہے کہ وہ "رحم" کے بجائے "رعایت" کا طالب ہے!! ——— انصاف از روئے شرعیت حقہ! وہ "رحم" طلب نہیں کرتا "عدل" مانگتا ہے! مَردوں کی وہ ذہنیت جو "رحم" کرنے پر تو آمادہ ہو سکتی ہے مگر حقوق کے مطالبہ کو گستاخی سمجھتی ہے اُن "باغیوں" کو تسکین نہیں بخش سکتی جو حق کا مطالبہ کرتے ہیں اور کسی بارگاہ عالی میں "رحم" کی بھیک نہیں مانگنا چاہتے! (پیام)

خطابت کے اس سیل رواں کی بنیاد صرف اس امر پر ہے، کہ ان صفحات میں، ایک مشہور بزرگ امت نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک و حسن معاشرت کو لفظ "رحم" سے کیوں تعبیر کیا تھا! شکایت نفس عمل سے نہیں، گلہ اصل کردار سے نہیں، بلکہ جوش و خروش کا دریا اسلیے امنڈ پڑا کہ یہاں بجائے 'عدل' کے لفظ 'رحم' کیوں آیا! ——— اور یہ اعتراض کس کو؟ اُردو ادب و انشاء کے ماشاء اللہ ایک مشاق اہل قلم کو! اس بحر کے ایک جُز نے انشاد رکھا گویا 'رحم' اس صاحب زبان کے نزدیک جب استعمال ہوگا، ہمیشہ بطور 'عدل' کی ضد ہی کے استعمال ہوگا، اور تصور ہمیشہ اُس سے "بارگاہ عالی کی بھیک" ہی کا پیدا ہوگا! گویا خدا کو رحمن و رحیم جو روزمرہ ہر مسلمان بولتا ہے، وہاں مراد اس کی 'مہربانی' و 'لطف فرمائی' سے نہیں، بلکہ 'بھیک' ہی سے ہوتی ہے! اور 'رحمت' و 'رحیم' دونوں کبھی عام لطف، عنایت، اور مہربانی کے معنی میں نہیں، بلکہ ہمیشہ بھیک ہی کے تصور پیدا کرنے والے معنی میں آتے ہیں! تجدد یا ہمہ گیر تجدد! کون کہتا ہے کہ لغت و زبان نظر سے باہر ہے

نئی کتابیں

(۱) **رسالۂ دینیات** (حصۂ دوم) مرتبۂ مجلس نصاب کتب سرکار نظام - ۱۰۹ صفحے - قیمت ۱۰؍ پتہ: دفتر رسالہ ترجمان القرآن دارالاسلام - ڈاکخانہ جمال پور پٹھان کوٹ - (پنجاب)

آج سے نہیں، مدت سے، ضرورت، اور شدید ضرورت، اس کی محسوس ہو رہی تھی، کہ اسلام کے عقائد و تعلیمات پر کوئی مفصل و جامع رسالہ، شگفتہ زبان و دلنشیں طرز بیان میں، انگریزی تعلیم یافتہ حلقوں میں چلنے کے قابل، متوسط ضخامت کا موجود ہو، جس میں عقائد و احکام کی تشریح اس انداز سے ہو کہ شبہات و شکوک کی جڑ از خود کٹتی چلی جائے، اور دل میں تصدیق، یقین و اذعان کی کیفیت گھر کرتی جائے۔ ندا جانے انتظار کی کتنی صبحیں آئیں اور چلی گئیں، تا آنکہ اب پہلی بار یہ آرزو ہو کر رہی! اللہ ہی جزائے خیر دے سکتا ہے، اُس قلم اور دماغ کو، جس سے یہ کتاب نکلی، مجلس تالیف کے ان ارکان کو جنکا مشورہ و شرکت کار رہا، اور اس محکمہ تعلیم کو جس نے اسے لکھوایا، چھپایا، شائع کرایا۔

کتاب کے مصنف، مولانا ابوالاعلیٰ صاحب، مدیر رسالہ ترجمان القرآن، ہیں۔ اور ارکان مجلس میں شریک و شامل ایسے ایسے بزرگ تھے، جیسے مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالقدیر صاحب حیدرآبادی، مولانا عبدالباری ندوی، حضرت امجد حیدرآبادی۔ کتاب کیسی کچھ ہوگی، اسکی توقع ان ناموں ہی سے ہو سکتی تھی۔ لیکن واقعۃً کتاب، توقع اور اندازہ کے مطابق نہیں، اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے! اور یہ محض اللہ ہی کا فضل و احسان ہے۔ ورنہ اِس دَور کو ایسی کتاب سے مناسبت کیا تھی۔

کتاب کا آغاز حمد و نعت کی دو نظموں سے ہوتا ہے۔ یہ بظاہر ایک معمولی اور رسمی سی چیز ہے۔ لیکن حقیقۃً مصنف کے ذوق اعلیٰ کی شہادت یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ دونوں نظموں کا ایک ایک مصرعہ جچا تُلا ہوا ہے، ورنہ شاعروں کی بے احتیاطی کسے نہیں معلوم۔ توحید و رسالت دونوں کے مضامین کو مسخ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ باب اول اسلام پر ہے، اور اسکے تحت میں اسلام کی وجہ تسمیہ، اس کے لفظی معنی، اسلام کی حقیقت، کفر کے نقصانات، اسلام کے فائدے، سب ہی کچھ آ گیا ہے، اور ترتیب اس قدر منطقی ہے، کہ بات سے بات قدرۃً نکلتی چلی آتی ہے۔ نمونہ خود ملاحظہ کر لیجیے:-

> "دنیا میں جتنے مذہب ہیں، ان میں سے ہر ایک کا نام یا تو اپنے بانی کے نام پر رکھا گیا ہے، یا اُس قوم کے نام پر جس میں وہ مذہب پیدا ہوا، مثلاً عیسائیت .... بودھ مت .... زردشتی مذہب .... یہودی مذہب .... اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی شخص یا قوم کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اسکا نام ایک خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو لفظ اسلام کی صفت لوگوں میں پیدا کرنا اسکا مقصد ہے .... اسلام کے معنی عربی زبان میں اطاعت فرمانبرداری کے ہیں۔ مذہب اسلام کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری ہے" (صفحہ ۱)

> "انسان کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوقات کی طرح قانون قدرت کے زبردست قاعدوں سے جکڑا ہوا ہے، اور ان کی پابندی پر مجبور ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ عقل رکھتا ہے، اپنے اختیار سے ایک بات کو مانتا ہے، دوسری کو نہیں مانتا .... انسان کی زندگی میں یہ دو حیثیتیں الگ الگ پائی جاتی ہیں۔ پہلی حیثیت میں، وہ دنیا کی تمام دوسری چیزوں کے ساتھ پیدائشی مسلم ہے، اور مسلم ہونے پر مجبور ہے۔ دوسری حیثیت میں مسلم ہونا یا نہ ہونا اسکے اختیار میں ہے۔ اور اسی اختیار کی بنا پر انسان دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔
>
> ایک انسان وہ ہے جو اپنے خالق کو پہچانتا ہے، اسکو اپنا آقا اور مالک تسلیم کرتا ہے، اور اپنی زندگی کے اختیاری کاموں میں بھی اُسی کے پسند کیے ہوئے قانون کی فرماں برداری کرتا ہے .... اسکے مقابلہ میں ایک انسان وہ ہے جو مسلم پیدا ہوا، اور اپنی زندگی میں بھی بے جانے بوجھے مسلم ہی رہا، مگر اپنے علم و عقل کی قوت سے کام لے کر اُس نے خدا کو نہ پہچانا، اور اپنے اختیار کی حد میں اُس نے خدا کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شخص کافر ہے۔ کفر کے معنی چھپانے اور پردہ ڈالنے کے ہیں، ایسے شخص کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے، کہ اس نے اپنی فطرت پر نادانی کا پردہ ڈال دیا ہے .... کفر ایک جہالت ہے، بلکہ اصلی جہالت کفر ہی ہے .... سوچو اور غور کرو، ایسے شخص کے لیے صحیح علم کے دروازے کیسے کھل سکتے ہیں، جبکہ علم کا پہلا سرا ہی نہ ملا ہو" (صفحہ ۱۳)

اسکے آگے وضاحت کے ساتھ دکھایا ہے کہ کفر، انتہائی جہالت ہی نہیں، بلکہ شدید ظلم ہے، اور شدید ترین بغاوت و ناشکری اور نمک حرامی بھی۔ اور اسکے نتائج دنیا و آخرت میں انتہائی ناکامی و نامرادی ہیں۔ اسکے برعکس، ہر قسم کی خوبیاں اور بھلائیاں صرف اسلام ہی کی بدولت پیدا ہو سکتی ہیں۔

باب اول سے جب یہ واضح ہو گیا کہ اسلام نام ہے اطاعت الٰہی کا، تو قدرۃً اب دل کو جستجو اس کی ہوتی ہے کہ اس اطاعت کے طریقے اور شرائط کیا ہیں؟ یہیں سے باب دوم ایمان و اطاعت پر ہے اور اسکے تحت میں ایمان، علم و یقین، و ایمان بالغیب سب کے ضروری نکتے اور ضروری مسائل آ گئے ہیں۔

ایمان بالغیب، غیب کی جس منزل تک پہونچاتا ہے، اسکے مناسب ذہن کے سامنے یہ سوال آ جاتا ہے، کہ اس عالم غیب سے متعلق آخر علم کیونکر حاصل ہوا؟ اور یہیں نبوت کی شکل سامنے آ جاتی ہے۔ باب سوم اسکے لیے لازمی طور پر نبوت کے زیر عنوان ہے۔ اور اسکے ماتحت نبوت کی حقیقت، پیمبر کی پہچان، نبوت کی مختصر تاریخ، نبوت محمدی کا ثبوت، ختم نبوت وغیرہ تمام مباحث متعلقہ، بقدر ضرورت پوری تفصیل و بسط سے آ گئے ہیں۔ یوں تو ہر ٹکڑا اس باب کا اپنی جگہ پر محکم و مدلل ہے، لیکن نبوت محمدی کے اثبات پر

جو کچھ لکھا ہے، وہ تو بے نظیر ہے۔ البتہ صلا کے وسط میں خفیف سی لفظی ترمیم کی ضرورت تھی۔ "اس اُمی نے .... قانون بنائے" اس فقرہ میں "قانون بنائے" کے بجائے "قانون سنائے" یا "قانون بتلائے" یا "قانون سکھلائے" ہوتا، تو غلط فہمی کا کوئی امکان ہی نہ باقی رہتا، گو اب بھی غلط فہمی دو ایک سطروں کے آگے نہیں بڑھنے پاتی، لیکن غلطی اور گمراہی کو اتنا بھی موقع قدم جمانے کا کیوں دیا جائے؟

—— ناظرین پر ظلم ہوگا اگر ایک اقتباس اس باب کا بھی اُن کے سامنے نہ پیش کیا جائے۔

.... ایک اکیلا انسان ہے، اور ایک ہی وقت میں بے نظیر سپہ سالار بھی ہے، ایک اعلیٰ درجہ کا جج بھی ہے، ایک زبردست مقنن بھی ہے، ایک بے مثل فلاسفر بھی ہے، ایک لاجواب مصلح اخلاق و تمدن بھی ہے۔ ایک حیرت انگیز ماہر سیاست بھی ہے۔ پھر اتنی مصروفیتوں کے باوجود وہ راتوں کو گھنٹوں اپنے خدا کی عبادت بھی کرتا ہے .... ایک بڑے ملک کی بادشاہی مل جانے پر بھی ایک فقیر کی سی زندگی بسر کرتا ہے، بلکہ کبھی کبھی فاقہ کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

یہ حیرت انگیز کمالات دکھا کر اگر وہ کہتا کہ میں انسان سے بالاتر ہستی ہوں، تب بھی کوئی اسکے دعوے کی تردید نہ کر سکتا تھا۔ مگر جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا، اُس نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب میرے اپنے کمالات ہیں، اُس نے ہمیشہ یہی کہا کہ میرے پاس کچھ بھی اپنا نہیں، سب کچھ خدا کا ہے خدا کی طرف سے ہے .... میرے جتنے کام ہیں، یہ بھی میری اپنی قابلیت سے نہیں ہیں، محض خدا کی ہدایت سے ہیں .... اب بتاؤ کہ ایسے سچے انسان کو خدا کا پیغمبر کیسے نہ مانا جائے؟ جب وہ خود اپنی خوبیوں کے متعلق کہتا ہے، کہ یہ خدا کی دی ہوئی ہیں، تو ہم کیوں کہیں کہ نہیں یہ تیرے اپنے دماغ کی پیداوار ہیں۔ جھوٹا آدمی تو دوسروں کی خوبیوں کو بھی اپنی جانب منسوب کرنے کی کوشش کرتا ہے" (صلا-۶۵)

جب پیمبری کا مرحلہ پوری طرح طے ہو چکا، تو قدرۃً اب باری اس پیام کی تفصیل کی آتی ہے، اور باب چہارم کا عنوان ایمان مفصل قرار پاتا ہے، جسکے تحت میں توحید، ملائکہ، کتب آسمانی، انبیاء، عقیدۂ آخرت و جزا و سزا، سب کی تشریح و توضیح آجاتی ہے۔ البتہ کتب آسمانی کے ذیل میں یہ بھی کھول دینے کی ضرورت تھی، کہ اسلام نے اس عقیدہ کی جو حقیقت بیان کی ہے، یعنی کتاب کا لفظاً لفظاً، فرشتہ کے ذریعہ سے پیمبر کے قلب پر اترنا، اس معنی میں موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی مذہب کسی کتاب آسمانی کا قائل نہیں، اور وحی قرآنی، اسلام کے مختص عقائد میں سے ہے۔

عقائد سے رخ قدرتی طور پر، عبادات کی طرف مڑتا ہے۔ چنانچہ پانچواں باب اسی پر ہے۔ اور اسکے تحت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے ساتھ جو ربط 'حمایت اسلام' یا 'جہاد' کا قائم کیا ہے، قابل دید ہے۔

دین سب انبیاء کا ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، لیکن شریعتیں سب کی مختلف رہی ہیں۔ یہ حقیقت اگر آغاز کے پیش نظر ہے، تو دین کی تشریح کے بعد شریعت کی ترجمانی ناگزیر تھی۔ اسی لیے باب ششم دین اور شریعت کے تعلق پر ہے، اور اسکے تحت میں احکام شریعت کے ذرائع علم کے علاوہ، فقہ و تصوف، یعنی مسلم کے ظاہر و باطن، صورت شریعت و مغز شریعت کے ربط کو خوب بیان کیا ہے۔

آخری باب کہنا چاہیے کہ حقوق و فرائض پر ہے، اور اسکا عنوان ہے شریعت کے احکام۔ اسکے تحت میں احکام کو خدا کے حقوق، نفس کے حقوق، بندوں کے حقوق، عام مخلوقات کے حقوق میں تقسیم کر کے، خاتمہ اسلام کی "دائمی و عالمگیر شریعت" پر کیا ہے اور دکھایا ہے کہ اسلامی شریعت، کس طرح انسانی زندگی کے حق میں بہترین ضابطہ، اور کیسی کیسی حکمتوں سے لبریز ہے۔ اور اس باب کے اندر فقہ اسلامی کے بیسیوں جزئیات جس مہارت سے باتوں باتوں میں بیان کر دیئے ہیں، وہ محقق مصنف ہی کے حکیمانہ انداز بیان کا خاص حصہ ہے۔

جو کتاب خوبیوں سے اسقدر مالا مال ہو، جسکا لفظ لفظ حکیمانہ ہو، اسکے لیے ۸ آنوں کو قیمت کہنا، خود لفظ قیمت کے ساتھ زیادتی کرنا ہے۔ ان چند پیسوں میں ایسی عزیز الوجود کتاب یقیناً مفت ہی ہے۔ کتاب بوڑھوں، نوجوانوں، اعلیٰ تعلیم یافتہ، کم تعلیم یافتہ، انگریزی دانوں، عربی خوانوں، مسلموں، غیر مسلموں، سب کے مطالعہ میں آنے کے قابل ہے۔ اور اس بار نام نمیت پر بھی جو صاحب اسکے منگوانے میں تامل کرینگے وہ خود اپنے کو ایک نعمت سے محروم رکھیں گے۔ بوڑھا کام بڑی ذمہ داری کے ساتھ مشورہ دینا ہوتا ہے، اور اسکا مشورہ اس کتاب کے باب میں پوری ذمہ داری کے ساتھ ہے۔

(۲) **یادگار سلف**، از مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی۔ ۱۱۲ بجد ۱۷۶ صفحات۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت عہ پتہ: [illegible] غالباً معارف پریس اعظم گڈھ سے، یا مصنف کے پاس سے، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ سے ملے۔

نصیرآباد ضلع رائے بریلی (اودھ) میں عالمگیر کے [illegible] ایک بزرگ مولانا سید محمد امین مشہور و معروف حضرت سید احمد کے خلفاء میں سے گزرے ہیں۔ یہ انکے حالات و سوانح انکے مرید خاص [illegible] نجم الدین صاحب اصلاحی کے قلم سے شایع ہوئے ہیں۔ اگرچہ نام [illegible] معنی کی جانب کوئی اشارہ نہیں نکلتا۔ صاحب سوانح کی عظمت و جلالت سے متعلق، مقدمہ نگار مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی یہ [illegible] بس کرتی ہے، کہ

"کتاب اور سنت کی تعلیم، صحیح عقائد کی تلقین، رسوم جاہلیت کی تردید، اور بدعات سیئہ کے محو کرنے میں حضرت .... کو بڑا [illegible] حاصل تھا۔ مولانا کے حلقۂ ارشاد میں ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڈھ کے دیہات بھی داخل تھے .... حق یہ ہے کہ بڑا کام کرتے تھے۔ بہتوں نے انکی نصیحت [illegible] پاکر توبہ کرلی، اور بہت سے گھروں سے، [illegible] کا ازالہ ہوا، اور کتنے دیہاتوں میں اب انکی تلقین سے دین کی روشنی پھیلی"

مولف سوانح کی غالباً یہ پہلی تصنیفی کوشش ہے۔ پیر و مرشد کے حالات میں عدل و اعتدال ملحوظ رکھنا یوں ہی کسی مرید کے لیے آسان نہیں ہوتا، اور پھر جبکہ مرید کا قلم نو آموز و نو مشق بھی ہو۔ لیکن یہ امر مولف کی سلامت طبع پر روشن دلیل ہے (اور اس اثر میں دار المصنفین کے مرد بزرگ کا فیض صحبت بھی شریک ہے) کہ اس کٹھن منزل کو وہ بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ طے کر گئے۔

حالات و سوانح خود صاحب سوانح کے تفصیل کے ساتھ اور انکے بعض اعزا کے اجمال کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں، اور مولانا کے طریق درویشی اور مرتبہ علم و فضل کے بیان میں نامے سے کام لیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ کتاب مولانا کے جاننے والوں اور معتقدین کے حلقہ میں پوری طرح مقبول ہوگی۔ قلم اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور کہیں کہیں انداز بیان بھی کتابی سے زیادہ اخباری ہو گیا ہے، لیکن ایسی مثالیں مال ہی خال ملیں گی۔ عام روش اسی متانت و سنجیدگی کی ہے، جس کی توقع ایک نادی اور معارف سے رکھنی قدرتی ہے۔ ایک مختصر غلط نامہ اگرچہ آخر کتاب میں شامل ہے، لیکن وہ کافی نہیں۔ خود جناب سید صاحب کے مقدمہ کے دوسرے پیراگراف کی عبارت معلق رہ گئی ہے۔ کوئی فقرہ کا فقرہ کتابت سے چھوٹ گیا ہے۔

ہونہار مولف کی یہ پہلی کوشش ہر طرح مستحق توجہ و حوصلہ افزائی ہے۔ گمان ہے آئندہ نقش قدم ان شاء اللہ اس نقش اول سے بہتر ہی رہیگا۔

(۳) **معین المنطق** - حصہ دوم ۔ از مولوی مفتی محمود حسن صاحب - چھوٹی تقطیع ۱۲۶ صفحات - قیمت ۸ ر ملنے کا پتہ - مولوی محمد یعقوب صاحب مالک تعلیمی کتبخانہ، قرول باغ نئی دہلی - خود مصنف کے پاس سے بھی، جامعہ حسینیہ، راندیر، ضلع سورت سے مل سکتا ہے۔

اس رسالہ کا جزو رسالہ ڈیڑھ دو سال ادھر شایع ہوا تھا، جسکا ذکر کم دسمبر ۳۳ء کے صدق میں آ چکا ہے۔ اس حصہ دوم کے بھی وہی خصوصیات ہیں۔ مصنف رسالہ اپنے فن کے ماہر ہیں، اور درس کا علمی تجربہ رکھتے ہیں تسہیل فن کی اپنی والی پوری کوشش انھوں نے کر دی ہے۔ طبع آئندہ کے لیے تین باتیں بطور مشورہ عرض ہیں: -

۱ - شروع میں فہرست مضامین ضروری ہے۔
۲ - مثالیں اور زیادہ تعداد میں دینی مناسب ہوں گی۔
۳ - کتاب اردو میں ہے، اردو خوانوں کے لیے۔ اس لیے مثالیں بھی اردو ہی میں ہونی چاہییں۔

(۴) **حدیث کی پہلی کتاب** - از مولوی عبد المجید صاحب خادم سوہدروی۔ ۸۰ صفحے - تقطیع ۱۸ × ۲۲ - قیمت ۲ ر پتہ، دفتر اخبار مسلمان - لاہور ۲۴ - مختصر حدیثوں کی مفصل تشریح ہے - احادیث عموماً کسی اخلاقی موضوع پر ہیں - لڑکوں کے لیے مطالعہ زیادہ مفید ہوگا۔

رسائل

۱ - **برہان** (ماہنامہ) ایڈیٹر، مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی - ۲۷ صفحے - چندہ سالانہ عہ، پتہ، دفتر رسالہ برہان، قرول باغ نئی دہلی -

دہلی میں حال میں ایک دینی و ادبی ادارہ ندوۃ المصنفین کے نام سے قائم ہوا ہے۔ یہ ماہوار رسالہ اسی کا ترجمان ہے۔ مقاصد جو بیان کیے گئے ہیں اُن کا اختصار حسب ذیل ہے:

قرآن و سنت کی تشریح، تفسیر ضروریات وقت کے مطابق،
مادیت و لا مذہبی کا مقابلہ
فقہ اسلامی کی از سر نو تدوین
دیگر علوم اسلامیہ کی بلند پایہ علمی خدمت
"مستشرقین" یورپ کے حملوں کا مدلل جواب
اسلامی عقائد و اخلاق کی ترویج و اشاعت

ظاہر ہے کہ کون مسلمان ایسا ہوگا، جو ان مقاصد کا خیر مقدم تہ دل سے نہ کرے ندوہ اور دار المصنفین دونوں قابل مبارکباد ہیں، کہ انھیں کے رنگ پر اور لوگ بھی کام کرنے والے پیدا ہو گئے -

رسالہ کا ایک ہی نمبر ابھی شایع ہوا ہے، اور ایک نمبر سے پوری رائے قائم کرنی دشوار ہے۔ تاہم جس حد تک پہلے نمبر سے اندازہ ہو سکتا ہے، وہ امید افزا ہے۔ رسالہ کے ایک طرف انگریزی اثر ہے تو دوسری طرف فاضل دیوبند۔ "نظرات" میں جس حمیت دینی کا اظہار انھوں نے فرمایا ہے، خدا کرے وہ قائم رہے، بلکہ ہر نمبر کے ساتھ ترقی پاتی رہے۔ مذہب پر اسوقت اندر اور باہر دونوں سے جو بالقصد حملے ہو رہے ہیں، اُنکے لحاظ سے دین کے خادموں کی تعداد جتنی بھی بڑھے، دلی مسرت سے اُسکا استقبال کیا جائیگا۔

(۲) **سب رس** (اقبال نمبر) ۱۶۸ صفحے مع متعدد تصاویر، اس خاص نمبر کی قیمت عہ پتہ، دفتر "سب رس" رفعت منزل - خیریت آباد، دکن -

حیدرآباد کے ادبی رسالہ سب رس نے باوجود اپنی کم عمری کے، خاصی شہرت حاصل کر لی ہے۔ زیر نظر نمبر، اقبال نمبر ہے۔ اور بہت سے مضامین نظم و نثر کا جامع - اقبال کے بعض اشعار کو جو تصویر کے ذریعہ سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً "ہندوستاں ہمارا" اور "پیام صبح" وہ تو کچھ سمجھ میں آئی نہیں، لیکن خود اقبال کی جو تصویر سرورق پر نیز اندر درج ہے، وہ بہترین ہے۔ اتنی بہتر کہ رسالہ میں بجز اس تصویر کے اور کچھ نہ ہوتا، جب بھی اقبال نمبر کا حق ادا ہو جاتا - مضامین کا تنوع تو لازمی تھا، ہر شخص نے اپنی اپنی عینک سے اقبال کا نظارہ کیا ہے، حصہ نظم میں اچھی اچھی نظمیں ہیں، خصوصاً ماجد کی نظم حضرت اقبال کے عنوان سے - پیامات میں ایک پیام، اڈیٹر صدق کے قلم سے بھی ہے -

۳ - **ہمدرد صحت** - دق و سل نمبر - ۲۵۲ صفحے - مع متعدد تصاویر، اس خاص نمبر کی قیمت ۱۲ ر پتہ، ہمدرد منزل - دہلی۔

دہلی کا یہ مشہور طبی رسالہ، جو حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی کی ادارت ونظارت سے فن کی خدمت کر رہا ہے، اپنے خاص نمبروں کے لیے بھی مشہور ہے۔ اسکے اطفال نمبر، عورت نمبر، وغیرہ بھولنے کی چیز نہیں۔ ابکی بار اس نے اپنی اسی قابل رشک شہرت کے مطابق، حیرت انگیز جامعیت وتنوع کے ساتھ یہ ڈھائی سو صفحے سے زائد کی ایک پوری ضخیم کتاب دق وسل کے موضوع پر تیار کر دی ہے۔ مضامین کی پوری داد تو کوئی صاحب فن ہی دے سکتا ہے، لیکن اتنا تو ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے، کہ مرض اور متعلقات مرض پر اتنے معلومات کا ذخیرہ مشکل ہی سے کہیں اور ملے گا۔ طب یونانی کے نقطۂ نظر سے تو مفصل بحث ہے ہی، اور مجربات ایک دو کی نہیں، بیسیوں کی تعداد میں درج ہیں، باقی دوسری طبوں، ویدک، ڈاکٹری، ہومیوپیتھی، بائیوکیمی، وغیرہ کے نقطۂ نظر کی بھی ترجمانی اچھی خاصی موجود ہے۔ اور جسم انسانی کے مختلف اعضاء کی دق کے علاوہ، دنیا کے مختلف حصوں میں شیوع مرض، اور اسکے انسداد کی جو تدبیریں ہو رہی ہیں، ان سب سے متعلق معلومات و اعداد مندرج ہیں۔ اتنی ضخامت ظاہری، اور اس جامعیت معنوی کے ساتھ، قیمت صرف ۱۲؍ ہونا بجائے خود ایک اعجاز سے کم نہیں! اہل فن کے علاوہ عام ناظرین بھی رسالہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۴- **طلوع اسلام** (ماہنامہ) مدیر، حکیم ذکی احمد خاں صاحب - سالانہ چندہ صہ، فی پرچہ ۸؍ ضخامت ۹۶ صفحات، پتہ، دہلی۔

طلوع اسلام اسکے قبل بھی دو بار اپنی جھلک دکھا چکا ہے، ابکی پھر نئی ادارت، اور نئے اہتمام کے ساتھ، افق دہلی سے طلوع ہونا شروع ہوا ہے۔ اور تین نمبر اسوقت تک نکل چکے ہیں۔ پرچہ خود اپنے دعوے کے مطابق "اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ ہے"، اور اس کا مسلک حضرت اقبال کے پیام حیات بخش کی اشاعت ہے۔ اس مقصد اور مسلک سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ یہی نصب العین قائم رہے۔ دوسری ضمنی بحثیں اس پر غالب نہ آنے پائیں۔

تینوں نمبروں میں قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر، نیز اسلام کی مرکزیت اور اجتماعیت پر قابل قدر مضامین موجود ہیں۔ سیاسیات حاضرہ سے متعلق بھی، حسب مسلک اقبال، اسلامیت وملیت پوری طرح غالب و حاکم ہے۔ اور یہ سب پہلو پرچہ کے بہت روشن و خوش آیند ہیں۔ البتہ نمبر۲ کے بعض مضامین میں "اہل قرآنیت" کی جھلک ہے، اور پرانے مترجمین و مفسرین پر اعتراض کرنے میں بڑی ہی سطحیت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ بس اِس جزو سے قطع نظر کر کے پرچہ اور ہر اعتبار سے مفید و قابل مطالعہ ہے۔ معارف القرآن کے عنوان سے ایک مسلسل تفسیر قرآن مجید کی، تسنیم اور صدق کے محترم کرم فرما پرویز صاحب کے قلم سے نکل رہی ہے۔

بقیہ نوٹ

وِدیا مندر اخبار بین طبقہ اس امر سے خوب واقف ہے کہ حکومت سی، پی نے اپنی نئی اسکیم کے ماتحت جو درسوں کا جال صوبہ بھر میں پھیلا دینا چاہا ہے، اُن درسوں کے لیے نام، بجائے اسکول، یا مدرسہ یا مکتب کے "ودیا مندر" کا تجویز کیا ہے! کیا خوب یہ "ہندوستانی" زبان کا نمونہ ہے! —— اور وزیر صاحب تعلیمات کا دعویٰ ہے کہ "اس نام میں کئی کششیں ہیں"

انجمن ترقی اردو کے سکرٹری، ڈاکٹر عبد الحق صاحب بی، اے نے وزیر صاحب تعلیمات کا مکتوب پاکر جو جواب اُن کی خدمت میں عرض کیا ہے، اُس میں موصوف تحریر فرماتے ہیں، کہ

"پہلے تو یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ اس نام میں علاوہ خاص تعلیمی کشش کے اور دوسری کششیں کون سی ہیں؟

دوسرے یہ کہ تمام عام فہم اور رائج الوقت ناموں کو چھوڑ کر یہ "ودیا مندر" کا انتخاب کیوں فرمایا گیا ہے؟ اگر کوئی نیا نام رکھنا ہی ہے، تو ٹھیٹھ ہندوستانی ساخت اور ترکیب کے لحاظ سے "پڑھائی گھر" میں کیا بُرائی ہے؟

پھر یہ کہ آپ کی اسکیم کے بموجب جہاں ۴۰ لڑکے لڑکیاں میسر آئیں گی، مدرسہ قائم کر دیا جائیگا اور تعلیم مادری زبان میں دی جائیگی۔ اب فرض کیجیے کہ کہیں ۳۰ طلبہ مرہٹی کے مل رہے ہیں، اور ۱۰ اُردو کے، تو یہاں کیا ان ۱۰ کیلئے اردو کا الگ مدرسہ کھلیگا؟ یا ان ۱۰ کو بھی مرہٹی کے لیے مجبور کیجیے گا؟"

ان معقول سوالات کا جواب ابتک تو کہیں نظر سے گزرا نہیں۔

جمعہ کی طاقت

(از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر "ترجمان القرآن" - دارالاسلام)

آپ پوچھا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی تنظیم کی صورت کیا ہے؟ یہ کروڑوں کا انبوہ جو لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلا ہوا ہے، اسکو آخر کس طرح منظم کیا جائے؟ ان تمام سوالات کی بنا اپنے دین اور اسکے اصول سے ناواقفیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مسلمانوں کے لیے تو حقیقت میں تنظیم کا پروگرام بنا بنایا پہلے سے موجود ہے۔ ہر مسلمان کے اندر منظم ہونے کی فطری استعداد ہر وقت قوت سے فعل میں آنے کے لیے تیار رہے۔ وہ خدا اور رسول پر ایمان لانے کے ساتھ ہی ایک انجمن کا ممبر بن چکا ہے۔ اب اسکے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں کہ اس کی ممبرشپ کو تازہ کر دیجیے۔ اسے یاد دلا دیجیے کہ یہی وہ انجمن ہے جسکا تو ممبر ہے، اور خدا کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق ہر ہفتہ اسکو اپنے مرکز کی طرف سمٹتے رہنے کی عادت ڈال دیجیے۔ جمعہ کی طاقت وہ زبردست طاقت ہے جو آٹھ کروڑ مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے ایک کانگریس بنا سکتی ہے۔ یہ ایسا ماس کانٹیکٹ (ربط عوام) ہے جسکا تصور بھی کسی جواہر لال اور کسی گاندھی کے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ اسی کے ذریعہ سے آپ جمہور مسلمین کی تمدنی اصلاح، معاشی فلاح، تعلیم عمومی اور سیاسی تنظیم کے سارے پروگرام بتدریج عمل میں لا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ جمعہ کی طاقت کو سمجھنے والے اور اس سے حکمت کے ساتھ کام لینے والے پیدا ہو جائیں، اور ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوجوان اور پرانے گروہ کے لوگ جو خیالات خام کے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہیں، ایک عزم صادقہ کے ساتھ ان تعاون کی کوشش کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ یہ کام کسان کا سا صبر چاہتا ہے، اور ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو جلسوں اور جلوسوں کی چاشنی کے بغیر خشک اور بے مزہ محنت کی تلخیاں اپنے مقصد کی دھن میں گوارا کر سکتے ہوں۔

اس سلسلہ میں دو چیزوں کی طرف میں خاص طور سے آپ کو خاص توجہ دلاؤں گا۔

ایک تو دیہات میں نماز جمعہ کا مسئلہ ہے، جسکے متعلق فقہائے حنفیہ کے فتوے سے عام مسلمانوں میں سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دیہات کے باشندوں سے جمعہ کا فرض ساقط ہو گیا ہے اور اقامت جمعہ کے لیے گھروں کی ایک مخصوص تعداد اور منبر و بازار گویا منصوص ہیں۔ اس چیز نے فرضیت جمعہ کے مقصد ہی کو فوت کر دیا ہے، اور اس سے مسلمانوں کی جماعت کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ فقہ حنفی پر جہاں تک میں نے غور کیا ہے، میرے نزدیک اگر ... تو یہ بالکل صحیح ہوگا اگر ایک دیہی حلقہ کے مسلمان باہم اتفاق سے کسی ... کو اغراض جمعہ کے لیے مصر جامع قرار دے لیں، چاہے وہاں بازار ہو یا نہ ہو، ... مسلمانوں کی آبادی کم ہو یا زیادہ۔ اس قاعدہ کو تسلیم کر لینے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ جگہ جگہ دیہی حلقوں میں مساجد جامع بنائی جائیں گی اور یہ لاکھوں مسلمان جو دیہات میں منتشر ہیں اقامت جمعہ کے ذریعہ سے باہم مربوط ہوتے چلے جائیں گے۔ خود متقدمین حنفیہ کا منشا بھی اقامت جمعہ کے لیے مصر کی شرط لگانے سے یہی تھا۔ اگر الفاظ کی غلامی سے نکل کر مقصد اور روح کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

دوسری چیز خطبۂ جمعہ کی زبان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علماء کا ایک بڑا گروہ غیر عربی میں خطبہ دینے کو مکروہ سمجھتا ہے، اور جن وجوہ کی بنا پر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ بڑی حد تک معقول ہیں۔ لیکن آخر مکروہ اور حرام میں کوئی فرق تو ہونا چاہیے۔ کراہت کو محرمات کا درجہ دینا درست نہیں۔ شریعت میں یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کسی امر مکروہ سے کوئی بڑی مصلحت شرعی حاصل ہوتی ہو تو اسکو اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن بھی ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر بعض بدعات کو حسنات میں شمار کیا گیا، حالانکہ بدعت فی نفسہ مکروہ ہے۔ اب دیکھنا یہ چاہیے کہ اس مصیبت کے وقت میں اگر ہم جمعہ کے غیر عربی خطبے سے مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کا اچھا کام لے سکتے ہیں تو یہ بدعت آخر کیوں بدعت حسنہ نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اسکے نقصانات سے اس کے فوائد، دنیوی نہیں، بلکہ دینی فوائد، .... بہت زیادہ ہیں، اور ایک مکروہ ایسے ہی فوائد کی بنا پر جائز اور مستحسن بن سکتا ہے ۔۔۔

دہریت کی تیز و تند آندھیوں، لامذہبی و الحاد کی تیرہ و تار اندھیریوں میں، جبکہ حق و باطل، نور و ظلمت، علم و جہل میں امتیاز مشکل ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ

"صدق"

کا چراغ روشن رکھا جائے!

(مہتمم)

اُردو کیلیے لاطینی رسم الخط

(از جناب مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی)

کچھ دن ہوئے کہ میں نے ناگری رسم الخط کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا - یہ مضمون پہلے تو اخبار رہبر دکن کی مختلف اشاعتوں میں نکلتا رہا - لیکن ارباب نظر نے اُسے اتنا پسند کیا کہ اسکے بعد ہندوستان کے بیس پچیس اخبارات و رسائل نے اپنے موقر صفحات میں نقل فرماکر میری قدر افزائی فرمائی - ابھی حال ہی میں اس مضمون کو مخدوم و محترم مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ نے اپنے اخبار "صدق" میں فرمایا تو ایک ذیلی سرخی میں لاطینی رسم الخط کا ذکر کر دیا - اس لیے خیال ہوا کہ لاطینی رسم الخط کے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار کردوں - پچھلے دنوں ہری پورہ کانگریس کے خطبۂ صدارت میں بابو سوباش چندر بوس صدر کانگریس نے ہندوستانی زبان کے لیے لاطینی رسم الخط تجویز فرمایا تھا - مجھے اُس وقت بھی خیال ہوا تھا کہ لاطینی رسم الخط کے متعلق کچھ عرض کروں لیکن نہ کرسکا - اب اس مضمون میں چاہتا ہوں کہ لاطینی رسم الخط کے بارے میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں وہ بہت ہی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھدوں - خود ملاحظہ فرمالیجیے کہ اُردو کیلیے لاطینی رسم الخط بہتر ہوگا یا نہیں -

آواز حروف

خط لاطینی جب کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یورپین زبانوں کا موجودہ رسم الخط ہوتا ہے - سب کو معلوم ہے کہ لاطینی زبان مدت ہوئی کہ ختم ہوگئی - آج دنیا کے کسی حصہ میں کہیں بولی نہیں جاتی - کہتے ہیں کہ روما کے گرد و نواح میں کوئی قبیلہ لاطین نام کا آباد تھا ، یہ زبان اصل میں اسی قبیلہ کی زبان تھی - رومن سلطنت کی ترقی اور وسعت کے ساتھ پھیلی اور پھولی - رومن شہنشاہیت کے پارہ پارہ ہونے کے ساتھ ہی زبان پارہ پارہ ہوگئی - اور آج بر اعظم یورپ کی تمام زبانوں میں لاطینی کے الفاظ پائے جاتے ہیں - لاطینی زبان ختم ہوگئی - اب رہی سہی جو کتابیں اس زبان میں رہ گئی ہیں انکا یہ حال ہے کہ انگریز انگریزی تلفظ میں پڑھتے ہیں اور فرانسیسی فرنچ تلفظ میں ، اطالیہ کو اصرار ہے کہ ان حروف کا صحیح تلفظ اطالوی زبان میں ہے ، اور یونان مدعی ہے کہ صحیح ہم ادا کرتے ہیں - ایک حرف علت O کو لے لیجیے انگریز گولائی لیے ہوئے بلند آواز نکالتے ہیں کبھی محض زیر کی اور کبھی ان دونوں سے مختلف محض واؤ ماقبل ضمہ کی ، لیکن اطالوی کہتے ہیں کہ اسکی آواز الف مقصورہ کی ہے - چنانچہ اُنکے یہاں اسکی یہی آواز رائج ہے - اسی طرح حرف V انگریزوں میں حرف واؤ کی آواز دیتا ہے اور جرمن میں ف کی ، H انگریزی زبان میں کبھی ہ کی آواز دیتا ہے اور کبھی بے آواز رہتا ہے ، مگر اطالوی زبان میں یہ حرف ک کی ذرا بھاری آواز دیتا ہے ، اس لیے یہ کہنا کہ لاطینی رسم الخط کو اختیار کیا جائے اُس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک یہ نہ واضح کر دیا جائے کہ یورپ کی زبانوں میں سے آواز کے بارے میں کس کا طریقہ اختیار کیا جائیگا اور اگر ایسا نہیں تو یہ طے کر دیا جانا چاہیے کہ ہم اپنی زبان کے حروف کی آوازیں خود متعین کرینگے اس بارے میں کسی زبان کی اتباع نہیں کی جائیگی - کیونکہ لاطینی رسم الخط لاطینی زبان کی آوازیں کھو چکا ہے اور ایک ہی حرف مختلف بولیوں میں مختلف آوازیں دیتا ہے -

میں سب سے پہلے پہلی شکل کو لیتا ہوں یعنی اُردو کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کرتے ہوئے ہم انگریزی ، اطالوی ، فرانسیسی ، جرمن ، اسپینش یا یونانی زبانوں میں سے آواز کے بارے میں کسی ایک کی اتباع کریں - مثلاً انگریزی زبان کو نمونہ بنائیں اور اسی پابندی کے ساتھ اُردو زبان کو لکھا جائے تو ہمیں دیکھنا پڑیگا کہ حروف اور آواز کے درمیان صحیح تطابق بھی رہتا ہے یا نہیں - کیونکہ انگریزی زبان میں جتنی آوازیں ہیں اُردو زبان میں اس سے کہیں زیادہ آوازیں پائی جاتی ہیں - انگریزی زبان میں حروف صحیح کُل اکیس ہیں مگر آوازیں چوبیس ہیں - باقی تیرہ آوازوں کے لیے مختلف قسم کے مرکبات سے کام لیا جاتا ہے مثلاً ch چ sh ش th ث وغیرہ - اور پانچ حروف علت ہیں جن سے سولہ آوازیں پیدا کی جاتی ہیں - ان کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے بلکہ تلفظ کے بارے میں سماعیات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جیسے

Mend, Me E Day Fan Father
A Bold, Got, O Machine Sin Side
Here Burn Jule, Out, Tube
U Storm

ان آوازوں کو ممتاز کرنے کے لیے تین طرح کے نشانات ڈکشنریوں میں رائج ہیں لیکن U پر ایک چوتھی طرح کا نشان بھی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ حرف مختلف آوازیں دیتا ہے -

انگریزی کے ۳ حروف C ، X اور V کی ہمیں ضرورت نہیں لیکن چ کی آواز کے لیے C کو رکھنا پڑیگا - اس طرح کُل ۲۴ حروف ہم کو ملیں گے ، ان میں غ ، خ ، ٹ ، ڑ اور ڈ کے لیے پانچ حروف کا اور اضافہ فرمالیجے - کل ۲۹ حروف ہوتے ہیں - ان ۲۹ حروف سے اُردو کی تمام آوازیں ادا نہیں ہوسکتیں - اُردو زبان میں ۸۲ آوازیں ہیں جو ہمارے موجودہ رسم الخط سے مفرد و مرکب صورتوں میں ادا کی جاتی ہیں اور بعض میں حرکات سے کام لیا جاتا ہے - مفرد ، جیسے با ، مرکب ، جیسے بھا - اور حرکات سے ، جیسے آ ، بھر ، پھر ، وغیرہ کے لیے تو انگریزی حروف میں بھی حرف H ملا کر مرکب تیار کیا جائیگا ، مگر حرکات کے لیے رومن تحریر کے نشانات کے بغیر کام نہیں چل سکتا - اور اس صورت میں ہم اُردو حروف پہ اعراب لگانے سے کم دقت میں نہیں پڑتے - پھر رسم الخط بدلنے سے ہمارا کیا فائدہ ہوا - ہم لکھنے پڑھنے اور طباعت میں اس سے کم دقتوں سے کام نہیں لے سکتے اگر رسم الخط بدل کر ٹھیک اسی طرح لکھا گیا جیسے کہ آج رومن تحریر میں لکھا جاتا ہے تو موجودہ اُردو رسم الخط کی بہ نسبت زیادہ مشتبہ اور دقت طلب ہے - اگر آپ اسکا نمونہ دیکھنا چاہیں تو لاطینی

رسم الخط میں رسم الخط میں چھپی ہوئی کوئی کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۹۲۳ء میں ایک کتاب Animal Haenegment کے نام سے شائع ہوئی تھی اس کا ایک نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۳۳ پر ایک عبارت اس طرح لکھی ہوئی ہے

yeh, Bara. chota, Bedaul
Ya, Maddham, hota hai
Zakhm, Kharab, Ghora, Ghaur
Khub, chhup, Abdul hai

اس سے قطع نظر کرکے مندرجہ بالا تحریر میں ملکہ، محنت اور وقت زیادہ صرف ہوا ہے، صرف اس بات پر غور فرمائیے کہ آوازیں تمام ادا ہوئیں یا نہیں؟ اور التباس لفظی کی کتنی گنجائش رہتی ہے۔ ت، ٹ، د، ڈ، ر، ڑ، کھ، خ، گھ، غ، واو ماقبل مضموم اور ضمہ سب ایک دوسرے سے مل گئے۔ نام عبدالحی کو اس طرح لکھا گیا کہ جملہ خبریہ "عبدل ہے" اور نام عبدالحی میں کوئی فرق باقی نہ رہ سکا۔

اگر اردو کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کا یہی مطلب ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا پڑھنا تو غیر اردو داں بلکہ اچھے اردو داں کے سوا دوسروں کے لیے بہت زیادہ مشکل ہے۔ مندرجہ بالا کتاب ۲۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہر ہر صفحہ بلکہ ہر ہر سطر پڑھنے کے لیے اردو کے الفاظ و معانی کا یاد رہنا ضروری ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ حروف و آوازیں (لاطینی) ہم خود قائم کریں کسی دوسری زبان کی آوازوں کا خیال ہی نہ آنے دیں، تو اسکے لیے لاطینی رسم الخط ہی کی کیا تخصیص ہے، یعنی دیوناگری، عبری، سریانی خطوں سے بھی یہی کام لیا جا سکتا ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام خطوں کو چھوڑ کر ایک بالکل نیا اور اچھا رسم الخط بھی ایجاد کیا جا سکتا ہے جس میں لاطینی حروف کی طرح التباسات نہ ہوں۔ لیکن واضح رہے کہ ہم جو خط بھی بنائیں گے اسکے حروف کی تعداد پچاس سے کم نہیں ہو سکتی۔ اسکے بعد تعلیم و تحریر وغیرہ میں جو دقتیں ہوں گی وہ ظاہر ہیں۔

دنیا کی کسی زبان کی آوازوں پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ آوازوں کی ابتدائی اور بڑی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو حروف صحیحہ کی آواز کہلاتی ہے جیسے ب، پ یا B و P وغیرہ کی آوازیں۔ دوسری وہ آوازیں جو جوف دہن سے نکالی جاتی ہیں اور حروف علت کی آوازیں کہلاتی ہیں، جیسے آو، اُو، ای، اے، آ وغیرہ۔ حروف صحیحہ کی آوازیں حنجرہ کی کسی نہ کسی جگہ سے شروع ہوتی ہیں لیکن کسی طرح ممکن نہیں کہ انکو دوسری قسم کی آوازوں سے ملائے بغیر ادا کیا جا سکے۔ انکی ادائی دو طرح پر ہوتی ہے، اول حرف علت کی آواز سے شروع ہو کر حرف صحیح پر ختم ہوتی ہے، جیسے اب، آب، وغیرہ دوسری طرح حرف صحیح سے شروع ہو کر حرف علت پر ختم ہوتی ہے، جیسے با، بی وغیرہ

اب ذرا غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ مختلف زبانیں صحیح حروف کی آوازوں میں بہت زیادہ اختلاف رکھتی ہیں۔ مثلاً ع، ح، ض، ظ، وغیرہ۔ آپ کو آرین گروپ کی زبانوں میں نہیں ملتے، اسی طرح ب، پ، ج، ش، گ، ٹ، ڈ، ژ، ٹ آپ سامی زبانوں میں نہیں پا سکتے۔ مگر جوف دہن سے پیدا ہونے والی آوازوں یعنی حروف علت کے معاملہ میں کم و بیش تمام زبانیں برابر ہیں۔ سب کے اِن معمولی اختلاف کے ساتھ یہ آوازیں پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسم الخط کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے حروف صحیحہ کی کمی و بیشی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی کیونکہ کوئی زبان اپنے ان حروف میں اختصار نہیں کر سکتی چار و ناچار ان حروف کو رکھنا ہی پڑیگا۔ مثلاً اردو کے لیے اگر آپ لاطینی رسم الخط اختیار کریں تو بھی نون غنہ کے لیے آپ کوئی نہ کوئی نشان بنانے پر مجبور رہیں۔ رسم الخط میں تمامتر اہمیت انھیں حروف علت اور انکی آوازوں کو دی جاتی ہے کہ تمام دوسرے حروف کی آوازوں کی ادائی کا دار و مدار ان ہی حروف کی آوازوں پر ہے۔

ان حروف کے لیے مختلف خطوں میں مختلف قاعدے بنائے گئے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے کسی زبان کا قاعدہ بھی پوری طرح مکمل و درست نہیں۔ بعضوں نے اسکے لیے حروف مقرر کیے ہیں جیسے لاطینی رسم الخط میں پانچ واول ہیں لیکن دقت یہ پڑتی ہے کہ ان حروف میں سے ہر ایک سے کئی کئی آوازیں پیدا کیے بغیر کام نہیں چلتا۔ بلکہ بڑی حد تک سماعیات اور تقلید پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حرف (U) turn، tube، but میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف آوازیں دیتا ہے اور اس اختلاف کے لیے کوئی کلی قاعدہ موجود نہیں۔ بعض خطوں میں ان کے لیے نشانات مقرر کیے گئے ہیں جیسا کہ ناگری میں ہے۔ لیکن ان میں یہی دقت پیدا ہوتی ہے کہ نقوش آواز کا اور آواز نقوش کا ساتھ نہیں دیتی۔ تلنگی، کنڑی، ملیالم، اڑیہ میں بھی یہی عیب ہے۔ اب سب سے کم دقت شکل یہی رہ جاتی ہے کہ ان آوازوں سے موٹے موٹے فرق کے لیے تو نشانات مقرر کر لیے جائیں اور اسکی پابندی کی جائے کہ نقوش اور آواز کی ترتیب میں فرق نہ ہونے پائے باقی اختلافات کے لیے کسی حد تک سماعیات پر بھروسہ کیا جائے اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔ لکھنے اور پڑھنے میں محنت کم صرف ہوتی ہے۔ کاغذ اور قلم کی خدمت بھی نسبتۃً کم رہ جاتی ہے۔ اس وقت یہی طریقہ تمام اُن زبانوں میں جاری ہے جو سامی خط میں لکھی جاتی ہیں مثلاً عبری، آرمی، سریانی، عربی، اردو، فارسی، پشتو، کماسے کردی، ملائی، توبین وغیرہ (باقی)

شاعرِ اسلامؒ

(مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے)

علامہ اقبال اپنی قوم کو چھوڑ کر جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہونچ گئے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔

یہ دَور ہمارے عروج و اقبال کا دَور نہیں، بدبختی و ادبار کا دور ہے۔ ہم پاتے کم ہیں، کھوتے زیادہ ہیں۔ اونچے درجے کے اشخاص ہم میں اوّلاً تو پیدا نہیں ہوتے، اور اگر دو چار پیدا ہوتے ہیں تو قبل اسکے کہ جانشین اُنکے پیدا ہوں، وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ اپنی قوم کے اُن لوگوں کو گنیے جن کے دم سے آج ہماری آبرو قائم ہے۔ اور پھر دیکھیے کہ ایک ایک کرکے اُنکی صف کس طرح ٹوٹتی جا رہی ہے۔ اور کوئی نہیں جو اُنکی جگہ لینے کے لیے آگے بڑھے۔ قوموں کے مرنے اور جینے کا ایک اصول ہے جو ہمارے موجودہ فلسفہ قلت و کثرت سے بالکل مختلف ہے۔ ہم صرف سروں کے گننے کے عادی ہو رہے ہیں، حالانکہ زندگی سروں سے نہیں بلکہ دماغوں، اور دماغوں سے زیادہ دلوں سے ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

جن لوگوں کے سامنے معاملہ کی یہ حقیقت، اپنی پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے، کون بتا سکتا ہے کہ علامہ اقبال کی موت نے ان کے دلوں کا کیا حال کیا ہے! دنیا تقدیر سے شکوہ سنج ہوتی ہے تو سر پیٹتی ہے اور دشمن کی چیرہ دستیوں سے چڑھتی ہے تو انتقام لیتی ہے، لیکن اقبال کا نوحہ خواں کیا کرے۔ وہ تو صرف خدا ہی سے شکوہ کر سکتا ہے۔

انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ!

شاید وکٹر ہیوگو نے کہا ہے "زندگی کتنی ہی شاندار اور عظیم الشان ہو، لیکن تاریخ اپنے فیصلہ کے لیے ہمیشہ موت کا انتظار کرتی ہے" دنیا کے لیے ممکن ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہو۔ لیکن اقبال کے لیے تاریخ نے اپنے کلیہ کو توڑ دیا۔ اقبال کی عظمت کی گواہی دلوں نے ان کی زندگی میں دیدی۔ اب تاریخ کے لیے صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ وہ دلوں کے تأثرات کو محفوظ اور قلمبند کر لے۔

اقبال اس بزم میں یا تو بہت بعد میں آئے تھے، یا بہت پہلے۔ اتنے بعد کہ اہل مجلس کے دماغوں اور دلوں میں انکے خیالات و افکار کے لیے ایک چھوٹے سے نقطے کے برابر بھی گنجایش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یا اتنے پہلے کہ جس صبح صادق کے وہ مبشر تھے، نہ صرف یہ کہ افق میں ابھی اس کی صبح کاذب کا کوئی نشان بھی نمودار نہ ہوا تھا۔ بلکہ دنیا پر ابھی نصف شب کی ہولناک تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن اقبال کو اللہ تعالیٰ نے تسخیر قلوب و ارواح کے لیے اس نفوذ میں سے ایک حصہ عطا فرمایا جس سے وہ صرف اپنے بندوں کو مسلح فرماتا ہے جو وقت کی فاتحیت کا تاج پہن کر آتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں دنیا میں دیکھا کہ جس شخص کی باتیں اہل مجلس کے لیے اتنی بیگانہ تھیں کہ ایک شخص بھی انکو سمجھنے والا نہ تھا، اب اتنی محبوب و مانوس ہو گئی ہیں کہ ہر بزم و انجمن کا افسانہ ہیں۔ اور کوئی دل ایسا نہیں ہے جو اقبال کی عظمت کے آگے جھک نہ گیا ہو۔

اقبال نے جس جرأت کے ساتھ ہمارے علم و عمل کے ایک ایک گوشہ پر تنقید کی اور جس بے خوفی کے ساتھ اپنی دیکھی ہوئی راہوں پر چل پڑنے کی دعوت دی، اُس میں پیغمبرانہ عزمیت کی نمود ہے۔ جہاں تک جرح و تنقید کا تعلق ہے مولانا حالی کی زبان بھی تیغ و سناں سے کم نہ تھی، اُنکا تیشہ بھی ہمارے عمل و اعتقاد کے ہر گوشہ کے لیے بے اماں تھا۔ وقت کی سوسائٹی جن عناصر سے مرکب تھی اُن میں سے ایک ایک کو چن کر حالی نے پکڑا اور قوم کی عدالت میں مجرم ٹھہرا کر اُنکو بے دریغ سزا دیدی، اور اپنی بے پناہ قوت سے ہمارے تمام اعمال و معتقدات کو ایک نئی راہ پر لگا دیا۔ لیکن حالی کا کام آسان تھا۔ وہ قوم کو زمانہ کے ساتھ لیجانا چاہتے تھے۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور زمانہ اپنی تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کے ساتھ انکی رفاقت کے لیے آمادۂ کار ہو چکا تھا۔ انکو جو دیواریں ڈھانی تھیں وہ خود متزلزل ہو چکی تھیں اور جو عمارت بنانی تھی اس کے لیے دستِ غیب چونا اور گارا مہیا کر رہا تھا۔ وہ خزاں کی بلبل ضرور تھے مگر موسم گل کی آمد آمد انکو شہہ بھی دے رہی تھی۔

مگر اقبال ــــــ اللہ اکبر! اس کی سطوت و جلالت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ وہ زمانہ سے جنگ کرنے کے لیے آیا تھا۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

انکو جو پیغام دینا تھا، نہ صرف یہ کہ زمانہ اس سے آشنا نہیں رہ گیا تھا بلکہ وقت کی ذہنیت بالکل اس سے مختلف قالب پر ڈھل چکی تھی، اور اس کا منات کی تمام قوتیں ہم کو ایک نئی سمت کھینچ لیجانے کے لیے نہ صرف پوری طرح مستعد ہو چکی تھیں بلکہ ہم نصف سے زیادہ راہ اس منزل کی طے بھی کر چکے تھے۔ مگر اقبال تسخیر قلوب و ارواح کی ایک غیبی طاقت سے مسلح ہو کر آیا اور اُس نے ہم کو ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا۔ اور یقیناً یہ اُسی کی برکت ہے کہ ہم جو ہر شکل و ہیئت کو قبول کرنے کے لیے موم کی طرح نرم ہو چکے تھے، اگرچہ چٹان کی طرح سخت نہ ہو چکے ہوں، لیکن اتنی صلابت ہم میں ضرور آ چکی ہے کہ ہر انگلی ہم پر تصرف نہیں کر سکتی۔ یہ خودی کا وہی احساس ہے جسکو اقبال نے پوری قوت سے جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کے فلسفہ پر غور کرنے والے اس کا سراغ نٹشے اور برگساں میں لگانا چاہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ہماری منفعل اور مرعوب ذہنیت تصور بھی نہیں کر سکتی کہ یہ بادۂ تند مشرق کے کسی میکدہ کی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اقبال کے خیالات کا اصلی مصدر قرآن ہے۔ یوں تو اقبال نے کلمۂ حکمت جہاں پایا اسکو لیا لیکن اس لیے کہ

وہ اپنی چیز تھی۔ ورنہ جو خود کوہ نور کی دولت کا مالک ہو وہ ان کوڑیوں پر کیا نگاہ ڈالتا۔

اقبال نے تو یہ تک گوارا نہ کیا کہ قرآنی صداقتوں اور عربی حکمتوں کو زمانہ کا آب و رنگ دے کر خوشنما بنائے۔ وہ کیا ... اور وہی تھے ہوئے بیٹھے۔ مگر جب اقبال نے اپنی ہتھیلی پر رکھکر انکو پیش کیا تو نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ اقبال کی دنیا ہی الگ تھی۔ جب سب شفاخانۂ حجاز میں زندگی ڈھونڈنے نکلے تو وہ، گلستان حجاز میں موت میں موت ڈھونڈھتا تھا۔ جب مرمریں سلوں اور رنگین قمقموں نے چمکا دیا تو اُسنے چڑکر کہا

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے

میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

اور بے لوث صداقت کا اعجاز دیکھو کہ ہم جو صرف ڈھلی ہوئی، ترشی ہوئی، ملمع کی ہوئی چیزوں ہی کے دیکھنے کے عادی ہیں۔ اقبال کی یہ سادگی ہم کو بھی دیوانہ بنا دیتی ہے اور باوجودیکہ بغیر عقل و منطق کو ساتھ لیے ہم ایک قدم چلنے کے عادی نہیں مگر اقبال کوئی بات کہدیتے ہیں تو کوئی نہیں جو اُن سے دلیل مانگے۔ شاید یہ بات سچ ہے کہ سچائی اگر سچے کی زبان سے نکلے تو وہ اپنی حمایت کےلیے منطق کی محتاج نہیں۔

اقبال اور اُن کی شاعری سے قوم کی جو خدمتیں انجام پائی ہیں اُن پر غور کرنا مورخ کا کام ہے۔ ہم صرف ایک بات کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں جسکو صرف اقبال ہی نے کیا اور وہی کر سکتے تھے۔

اگر اقبال نہ پیدا ہوتے تو یقیناً ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم ہمارے نوجوانوں کو اس طرح مسخ کر ڈالتی کہ انکے اندر دین و ملت کےلیے حمیت و غیرت کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ جس طرح ظاہر میں مسخ ہو گئے ہیں اُس سے زیادہ ان کا باطن مسخ ہوجاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اقبال کو بھیجا جو معلوم نہیں کس طرح ظلمات کے ان تو بر تو پردوں کو چاک کرکے اُنکے دلوں میں بیٹھ گئے اور جب تک انکی روح شعر اس کائنات کے اندر کارفرما ہے اسوقت تک انشاء اللہ ان میں درد کی ایک کسک باقی رہیگی، اگرچہ دلوں کی جگہ سینوں میں پتھر پیدا ہونے لگیں۔

جب مایوسیاں گھیر لیتی تھیں، ہم اقبال کے شعروں میں ایک نشان امید دیکھتے تھے۔ جب تاریکیاں چھا لیتی تھیں، اقبال ہمارے لیے شارع ہدایت پر چمکتے تھے۔ وہ روحوں کو گرما دیتے تھے۔ دلوں کو تڑپا دیتے تھے۔ ان کی زبان سے ہم شرق کے ضمیر کی صدائیں سنتے تھے، ان کے ہندی نغموں میں حجاز کی لے مضطرب تھی۔ وہ زمین کے تھے مگر اُن کی پرواز آسمان تک تھی۔ وہ شاعر تھے مگر انکی شاعری علم نبوت کی روح کار فرما تھی۔ وہ دنیا داروں کے بھیس میں قلندر اور دیوانوں کے رنگ میں دانائے راز تھے۔

خداوندا! ہمارا یہ شاعر کہاں گیا! اُس کی روح پر بے پایاں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ (الاصلاح)

وقت کی پکار

چند اہم حقایق

(مولانا سید سلیمان ندوی صاحب معارف کے قلم سے)

ابتدائی تعلیم کی جو اسکیم واردھا اسکیم کے نام سے مشہور ہے اور جسکو ہمارے دوست ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ترتیب دیا ہے، اس پر غور کرنے کے لیے شملہ میں مرکزی کمیٹی بیٹھی تھی، اس میں ڈاکٹر صاحب نے ان اعتراضوں کا جواب دیا، جو اس اسکیم پر کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے ایک فقرہ یہ بھی کہا،

"اس اسکیم میں مذہبی تعلیم کی گنجایش پوری رکھی گئی ہے، جس کا انتظام نہایت غور کے بعد طے کیا گیا ہے، کہ اسکول کے اوقات کے علاوہ ہو، اور ہر فرقہ اپنی ضرورت کے مطابق اس کا انتظام کرے"

ہم کو اس اسکیم کے بانیوں کی اس کشادہ دلی سے بڑی خوشی، لیکن ہمیں بتایا گیا کہ اسکول کے اوقات کے علاوہ جو تعلیم دی جاتی ہے، اسکی اہمیت تعلیم میں کیا رہ جاتی ہے؟ پھر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس خارج از اوقات تعلیم کے مصارف کا بار کون اُٹھائے گا — آخر اس دنیا میں دین کا یہ اچھوت پن کب تک قائم رہیگا......

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہا جاتا ہے کہ سرکاری تعلیم اور سیاسی معاملات میں مذہب کو دخل نہیں، آمنّا و صدّقنا، مگر پھر یہ کیا ہے کہ سیاسی و تعلیمی شعاروں میں ہندو مذہبی تخیل کی الوہیت کا ترانہ گایا جاتا ہے اور نشانات بنائے جاتے ہیں۔ اب یا تو یہ کہدیا جائے کہ یہ سراسر ہندو مذہبی تخیل تم کو زبردستی قبول ہی کرنا پڑیگا، یا مشترکہ و متحدہ ہندوستان اپنے لیے آپ اپنے ملکی شعار بنائیگا اور ملکی ترانے گائیگا۔

اتبک دو ہی قسم کے مسلمان سمجھے جاتے ہیں، ایک وہ جو اپنے دین اور ملت سے ٹوٹ کر کانگریس میں مدغم ہوگئے ہیں۔ دوسرے وہ جو مسلمانوں کے وہمی حقوق اور فرضی امتیازات کا خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن بھولنا نہ چاہیے کہ ایک تیسرا فریق بھی ہے جو اپنی دعاؤں میں رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً کہکر دونوں کی بھلائیوں کا طلبگار ہے۔ ملکی آزادی کی پوری جد و جہد کے ساتھ اسکو اپنے دین و ملت کے ساتھ بھی اُسی قدر بلکہ اس سے زیادہ محبت ہے، اور اسی کی خاطر وہ ہر کام کرتا ہے۔ اگر واقعی طالب آزادی مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں تو اُنکو اُٹھکر اپنا خاکہ اُسی طرح پیش کرنا چاہیے جس طرح کانگریسی وزارتیں کر رہی ہیں اور جیسے یہ آزاد حکومتیں اپنی سیاسی تجویزوں کو عمل میں لا رہی ہیں، آزاد مذہبی مسلمان بھی اپنے خاکہ کو مسلمانوں کےلیے عمل میں لانے کی کوشش کریں، بلکہ کیا اچھا ہو کہ اسلامی صوبوں کی وزارتیں، دار المصنفین اور مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم وغیرہ کی تجویزوں پر غور کریں اور انکو عمل میں لائیں تاکہ اس باب میں غیر اسلامی صوبے بھی انکے نقش قدم پر چل سکیں۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج سے مرشد آباد پریس لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، تو یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر عبدالماجد

پتہ — دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

متعلق خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے:—

مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۲۴ | لکھنؤ۔ ۲۴۔ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء | جلد ۴

سچی باتیں

آپ کے ارد گرد، جتنی قومی مجلسیں اور ملی انجمنیں ہیں، سب کا جائزہ لے ڈالیے۔ تقریروں میں، مباحثوں میں، ایڈریسوں میں، رزولیوشنوں میں ذکر کس چیز کا ہوتا ہے؟ محض دُنیا اور حصول دنیا کا، یا کسی اور چیز کا؟ سب کا خلاصہ آخر میں آکر یہی نکلتا ہے، یا اور کچھ، کہ جگہیں فلاں فلاں مل جائیں، عزت و مرتبہ کی فلاں فلاں نشستوں پر قبضہ ہو جائے، ملک اتنا ہاتھ آ جائے، دولت اتنی حاصل ہو کر رہے۔ غرض اُلٹ پلٹ کر، ہیر پھیر کر، وہی دُنیا اور حصول دُنیا۔ کسی جلسہ میں، کسی کانفرنس میں آپ "آخرت" کا ذکر سنتے ہیں؟ روشن خیالوں، تجدد نوازوں، کو چھوڑیے، ٹھیٹھ مسلمانوں کے مجمعوں کو لیجیے، اور ان ارباب علم و علماء کے چہروں پر اب تک لمبی داڑھیاں، اور سروں پر عمامے بندھے ہوئے ہیں، اُن تک کی بھی زبان سے آپ بجز "جنگِ آزادی" "جہاد و حریت" "استخلاص وطن" کے اور کون سے الفاظ سنتے ہیں؟ یہ چیزیں بجائے خود جس درجہ کی بھی ہوں، یہاں اس سے بحث نہیں، یہاں گزارش صرف اتنی ہے، کہ مسلمان کا منتہائے مقصود یہی ہونا چاہیے؟ مسلمان کا نصب العین، بجز آخرت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟

"مسلمان" اخبارات کے انبار میں سے جسے چاہیے، اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ کچھ اُن میں سے نکلیں گے کانگریس کے ہوا خواہ و وفادار، اور باقی اسکے نام سے متنفر و بیزار۔ اور سارا زور صحافت صرف ہوتا ملیگا، اسی رد و قدح، بحث و تکرار پر۔ اور یا پھر کونسلوں، اسمبلیوں کی کارروائیوں کی تائید و تردید سے متعلق۔ گویا مسلم کا سارا حاصل زندگی اسی دنیا طلبی اور دنیا پرستی میں مبتلا رہنا ہے۔ اور مسلمان دنیا میں آتا ہے تو کسی نہ کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونے کے لیے، اور دنیا سے جاتا ہے، تو کفن کے ساتھ فلاں یا فلاں پارٹی کی ممبری کی سند سمیٹے ہوئے!

ذرا سوچیے، کہ قرآن مجید میں بعد عقیدۂ توحید کے سب سے زیادہ زور کس چیز پر دیا گیا ہے؟ بجز اس عقیدۂ آخرت کے اور کسی مسئلہ کی تاکید، دو چار بار نہیں، دس بیس مرتبہ نہیں، سیکڑوں مرتبہ، مختلف طریقوں سے آئی ہے؟ کیا یہ سب نعوذ باللہ، بے معنی ہے؟ دفتر احادیث نبوی کا کتنا بڑا ذخیرہ، اسی تذکرۂ آخرت اور اسکی تفصیلات جزئی سے جزئی تفصیلات کے لیے، وقف ہے! یہ کچھ نعوذ باللہ، لغو و مہمل ہے؟

جنکی جنت سینما اور تھیٹر، بال روم، اور کچہری گیاری ہے، انہیں اُنکے حال پر چھوڑیے۔ سوال اُنکی بابت ہے، جو کتاب الٰہی و سنتِ رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں، اور کسی نہ کسی جہت سے ملی مشاغل میں مصروف ہیں۔ اُنکی بیداری بھی کتنی غفلتوں اور مدہوشیوں کی پردہ پوش ہے!

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں!

اگر ساری بیداری، زندگی، حرکت و سرفروشی کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ایک صوبہ، ایک ملک، ایک بر اعظم، نہیں، پوری دنیا قبضہ میں آگئی، اور آخرت سے کوئی بہرہ نصیب نہ ہوا، تو بحیثیت مسلمان، اور اپنے وقتِ آخر کو یاد کرکے بتا دیجئے، کہ یہ کوئی بھی، کسی درجے میں بھی، کامیابی ہوئی؟ —— قرآن غور سے پڑھیے۔ مشرکین جاہلیت کا اصلی مرض یہی بتایا گیا ہے کہ وہ آخرت سے بے تعلق اور جزائے اعمال کے منکر تھے اور اسی مرکزی محرومی نے انکی ساری خوبیوں (شجاعتوں، سخاوتوں، سرفروشیوں) پر پانی پھیر رکھا تھا۔ پھر آج آپ بتا دیجئے، کہ آپ میں اور اُن میں، عقیدہ کے لحاظ سے نہ سہی، عمل کے لحاظ سے کیا فرق رہ گیا ہے؟ جتنی بے توجہی بے التفاتی بے اعتنائی آپ کو آنے والے کل کی طرف سے ہے، کیا اُن جاہلی منکرین کو اس سے کچھ وہ بہت زائد تھی۔

پاکستان کا سوال

پاکستان، جسکا ابتدائی تخیل حضرت اقبال کا نتیجۂ فکر ہے، اسکے سلسلہ میں ایک محترم صاحب فکر و نظر بزرگ اپنے والا نامہ میں لکھتے ہیں:—

"پاکستان کا تخیل آہستہ آہستہ جڑ پکڑ رہا ہے، مگر افسوس ہے کہ کوئی صحیح لیڈر اسکو نہیں ملا ہے . . . صاحب اسکے لیے کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتے، کم از کم انکی روش یہ کہ رہی ہے کہ انکے لیے یہ مقصد زندگی نہیں، بلکہ بطور ایک شوقیہ شغلہ کے ہے۔ میں نے پاکستانی نوجوانوں سے کئی مرتبہ کہا، کہ اگر اسے محض ایک علمی مسئلہ رکھنے کے بجائے ایک زندہ و متحرک سوال بنانا ہے، تو اپنے درمیان سے ایک ایسا لیڈر پیدا کرو، جسکا جینا اور مرنا اسی کے لیے ہو۔ اور جو ستو باندھ کر اسکے پیچھے پڑ جائے۔ ضرورت یہ ہے کہ شمالی صوبوں میں فوراً ایک پاکستانی نیشنل کانگریس قائم کر دی جائے، اور وہ اس نام نہاد انڈین نیشنل کانگریس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے۔"

عملی دشواریاں جو کچھ بھی ہوں، اُنکا سوال الگ ہے۔ لیکن نفس تجویز سے، اصلاً، خدا معلوم بعض مسلمانوں کو اختلاف کس بنا پر ہے۔ مسلمان الگ رہے، خود کانگریس کو اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ بظاہر تو یہ بہترین حل، موجودہ اختلاف کے رفع کرنے کا ہے اس میں کسی فریق پر نہ ظلم ہے نہ زیادتی۔ مسلمان اپنی جگہ پر آزاد ہو جائینگے، کہ خلافت راشدہ کے نمونہ پر، اسلامی نظم حکومت قائم کریں، اور ہندو اپنے مقام پر، بلا روک ٹوک، رام راج کا منصوبہ پورا کر سکیں گے، دونوں کو کشمکش و مزاحمت سے نجات مل جائیگی۔ یہ چند سطریں، معلمانہ نہیں، متعلمانہ، سکھلانے کیلیے نہیں، سیکھنے کی نیت سے لکھی جا رہی ہیں، صدق کے مخلصین میں سے جو صاحب اس نقطۂ خیال سے اختلاف رکھتے ہوں، اُنکے لیے صلائے عام ہے کہ اس خیال کی غلطیاں، صدق ہی کے صفحات پر واضح فرمائیں۔ البتہ بحث اصول ہی کی حد تک رہے، تو بہتر ہے۔ جزئیات کے لیے گنجائش نکلنی ذرا مشکل ہے۔

صدق کا مستقبل

ایک صدق خواں، صدق نمبر ۳۲ میں، مہتمم صاحب صدق کے "اعلان مجبوری" کو پڑھکر، علاقہ بمبئی سے لکھتے ہیں:—

"میں نے ایک خط مہتمم صاحب کو روانہ کیا تھا کہ صدق سے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے، وہ اس قدر مسخ شدہ ہے کہ پڑھا بھی نہیں جاتا، نہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کتنا خسارہ ہے۔ جواب آج ہی ملا ہے کہ سالانہ خسارہ ۴۲۱ کا آیا، اور مضمون دوبارہ شائع کر دیا جائیگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسی طرح ہر سال ۴۲۱ روپیہ کا خسارہ آیا، تو یہ پرچہ کب تک چل سکیگا۔ میں نے گزشتہ سال ایک اسکیم پیش کی تھی، جسے اب پھر پیش کرتا ہوں، کہ تھوڑے سے خریدار ۲۵-۲۵ روپیہ سالانہ کے پیدا ہو جائیں، جو اس خسارہ کو پورا کر دیں۔ ضرورت اس طرح کے صرف ۱۷ خریداروں کی ہے۔ ان ۲۵ روپیوں کے عوض میں صدق ہزاروں مسلمانوں کو اور گمراہوں کو راہِ راست اور صراط مستقیم کی رہبری کریگا۔ اگر آپ قبول فرمائیں، تو میں چار خریداروں کا وعدہ اپنی طرف سے کرتا ہوں۔ یعنی سو روپیہ سالانہ۔ اسکے بعد کل ۱۳ خریدار ۲۵ روپیہ سال والے، صدق کی باقی برادری سے نکل سکتے ہیں۔"

صدق کی کوتاہیاں خود اتنی زائد ہیں، کہ اس قسم کی تحریروں کو شائع کرتے ہمیشہ حیا دامنگیر ہوئی ہے۔ لیکن مہتمم صاحب کی معذوریاں بھی، دوسری طرف ناقابل التفات نہیں۔ وہ بیچارے آخر کہاں تک خسارہ برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ خسارہ کی ذمہ داری ایک خاصی حد تک خود دفتر پر بھی عائد ہوتی ہے، لیکن بہر حال اسباب جو کچھ بھی ہوں، اسوقت بحث تو اس صورت حال سے ہے، جو نتیجۃً پیدا ہو گئی ہے، اسکا حل اگر کچھ بھی مدیر کے بس میں ہوتا، تو یقیناً اب تک کبھی کا پیش ہو چکا ہوتا۔

بیگم انصاری مرحومہ

پچھلے ہفتہ قوت کی ایک مخدوم خاتون رحلت کر گئیں۔ یعنی ڈاکٹر انصاری مرحوم کی بیگم صاحبہ۔ شوہر کی شہرت انکے نصیب میں نہ آئی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں، کہ مرحومہ کس پایہ کی مومنہ تھیں، صبر و شکر کی بندی، نیک دلی و ترحم کی پتلی، اور غریب پروری و مہمان نوازی کا مجسمہ۔ شادی کے بعد ہی اُسی سال، ڈاکٹر صاحب یورپ تعلیم کیلیے روانہ ہو گئے، اور نوعمر دلہن بارہ برس تک شوہر کی واپسی کی راہ تکا کی، یہاں تک کہ آنکھیں اس انتظار میں بے نور ہو چلیں۔ یہ کوئی معمولی ایثار تھا؟ پھر ڈاکٹر صاحب کا قومی و ملی خدمات کے سلسلہ میں، ٹرکی اور یورپ جانا، قید و نظر بند ہونا، غرض ہر زمانہ میں شوہر کی یاد کو فلسفہ بنائے، یہ پردہ نشین خاتون، انکے گھر کو سنبھالے بیٹھے رہیں۔ دہلی، دریا گنج میں ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی ایک مستقل مہمانخانہ کا حکم رکھتی تھی۔ سب کی مہمانداری کا انتظام انھیں کے ذمہ تھا جو دو حکم

حکیم الامت کا خطاب مسلم لیگ سے

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ نے مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلہ میں تنظیم المسلمین - تفہیم المسلمین - تعلیم المسلمین اور خطاب بہ مسلم لیگ کے نام سے مختلف اعلانات اور رسالے مسلم لیگ کے مرکزی دفتر پٹنہ بھجوائے تھے جیسے جناب صدر کے ارشاد پر لفافوں میں بھرکر کونسل کے تمام ممبروں میں دو دن تقسیم کیا گیا، اور ممبروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان اشتہارات اور رسائل کا بغور مطالعہ کریں - چونکہ "خطاب بہ مسلم لیگ" رسالہ بہت اہم تھا، اس لیے جناب صدر نے یہ اعلان کرا دیا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدرس (یو۔پی) جو حکیم الامت کی طرف سے اجلاس میں تشریف لائے تھے اس رسالہ کو پڑھکر سنائیں گے - چنانچہ تیسرے اجلاس کے شروع میں مولانا موصوف نے اس رسالہ کو پڑھکر سنایا - جس میں ۴۵ منٹ سے زیادہ صرف ہوئے - ذیل میں رسالۂ مذکور کو ہمعصر عصر جدید (کلکتہ) سے نقل کیا جاتا ہے: - (صدق)

بعد الحمد والصلوٰۃ - احقر باوجود اپنی ہر نوع کی نا اہلیت کے محض محبت و خیر خواہی سے سب مسلمانوں کی خدمت میں عموماً اور حضرات اہل لیگ کی خدمت میں خصوصاً عرض کرتا ہے کہ اسوقت بوجہ خاص انقلاب کے جس چیز کی مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے وہ اجتماع اور تنظیم ہے - اللہ تعالیٰ سے حضرات اہل لیگ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اسکا احساس کرکے اسکا اہتمام و انتظام جان و دل سے شروع کیا اور میں نے اسکے قبل بھی اس کا استحسان و اہمیت ظاہر کرنے کے لیے تنظیم المسلمین کے نام سے ایک مضمون شایع کیا ہے اور اس پر جہاں تک معلوم ہوا ہے بفضلہ تعالیٰ ثمرہ مطلوبہ بھی ایک کافی درجہ میں مرتب ہوا لیکن جس پیمانہ پر جی چاہتا تھا ابھی اُسکا انتظار ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی ضرورت اور سخت ضرورت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا - آگے صرف اسکی تحقیق باقی رہ جاتی ہے کہ اس کمی کا سبب کیا ہے - تاکہ بعد تشخیص سبب علاج و تدبیر کا تعین سہولت سے ہو سکے - کیونکہ علاج کی حقیقت ازالہ ہے مرض کا - سو یہ بات دلائل شرعیہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کی بڑی شرط امتثال ہے احکام الٰہیہ کا - اور اسکی ناکامی کا بڑا سبب اخلال ہے اُن احکام کا - میں نے اس دعوے کو اپنے رسالہ جزاء الاعمال اور رسالہ حیاۃ المسلمین کے خطبہ میں بقدر ضرورت نہایت واضح طور پر ثابت کر دیا ہے جو قابل مطالعہ ہے - لیکن یہ وقت تنگ ہے اُن دلائل کے اعادہ کی اسوقت گنجائش نہیں - اس لیے اسوقت صرف ایک امر پر جسکا ہر شخص ہر وقت نہایت سہولت سے مشاہدہ کر سکتا ہے اکتفا کرتا ہوں، وہ یہ کہ کسی مقصود کی طرف دعوت کی کامیابی موقوف ہے داعی کے ساتھ اُس امر پر حسن ظن اور محبت و اعتماد پر - اسی اصل بنا پر اسکو بھی ماننا پڑیگا کہ کسی دینی مقصود کی تحریک عامہ میں ضرورت ہوگی کہ داعی کی حالت دینیہ پر عامہ اہل اسلام کو اعتماد اور اُسکے ساتھ حسن ظن ہو - اور یوں تو حالت دینیہ کا مفہوم ایک محیط اور بہ وسیع ہے کہ تمام احکام اسکے تحت میں داخل ہیں مگر اس میں سے جس چیز پر بین طور سے اول نظر پڑتی ہے وہ دو چیزیں ہیں - ایک اسلامی وضع ہیئت و لباس میں، دوسری نماز - اگر اس میں کمی دیکھی جاتی ہے تو مخاطبین کو اُس داعی کی طرف کشش نہیں ہوتی - اور اس سے دعوت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے - اور اس لیے دعوت کا مقصد ناتمام اور مختل رہتا ہے - چنانچہ احقر کے مضمون تنظیم المسلمین پر کثرت سے تقریراً و تحریراً بشبہہ یا بلفظ دیگر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جس جماعت کی طرف ہم کو بلایا جاتا ہے وہ شریعت کی پابند نہیں ہے - اور گو اسکا جواب حسب اقتضائے وقت دیا جاتا ہے مگر اُس جواب کا درجہ تا دیل سے آگے نہیں سمجھا جاتا اور معتد بہ اثر نہیں ہوتا - اس لیے صحیح اور قوی جواب بدون اسکے نہیں ہو سکتا کہ حضرات داعین احکام شرعیہ کی عموماً اور کم از کم اصلاح وضع اور نماز کی خصوصاً پابندی کو اپنے عمل اور قانون میں داخل فرمالیں - پھر اسکا حیرت انگیز نتیجہ اپنی تحریک کی کامیابی میں ملاحظہ فرمالیں - سو نماز کے متعلق تو کسی کو کوئی کلام نہیں لیکن وضع کے متعلق بعض طبائع میں کچھ پس و پیش ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے، اس لیے اسکے متعلق ایک مختصر یادداشت بشکل رسالہ کے ملقب بہ حمایۃ المسلم منجانب مجلس دعوۃ الحق پیش کرتا ہوں - امید ہے کہ اُس میں غور فرمانے سے سب وساوس اُسکے متعلق دفع ہو جائیں گے اور مثل نماز کے اُس پر عمل کرنے میں بھی کچھ پس و پیش نہ رہیگا - پھر ان دونوں چیزوں کو اپنے انفرادی و اجتماعی نظام کا جزو قرار دیا جائیگا اور اگر خدا نہ کردہ ایسا نہ کیا گیا تو مایوس ہونے تک اپنی طرف سے تو ان دونوں دعوتوں کو یعنی عامۃ المسلمین کو لیگ کی طرف اور لیگ کو اُن احکام کی طرف اُس وقت بھی ترک نہ کیا جائیگا - بقول عارف رومیؒ ؎

لیک دعوت وارد است از کردگار

با قبول و نا قبولِ او چہ کار

لیکن ہمت و قوت کے ساتھ دعوت نہ ہوگی بقول مولانا رومیؒ ؎

گر ہزاران طالب اند و یک ملول

از رسالت باز می ماند رسول

بس مجھ کو جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر چکا، اب سعی کو اور نتیجہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اس اجمال کی تفصیل اپنے بعض اعزہ سے سہل اور آسان عبارت میں لکھوا کر بھی پیش کرتا ہوں تاکہ عوام و خواص سب کو یکساں فائدہ ہو - وھو ہذا

اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون۔

حضرات! اسوقت مسلمانان ہندوستان جس دور سے گزر رہے ہیں اور جن مشکلات کا اُنکو سامنا ہو رہا ہے با خبر طبقہ اُس سے بخوبی واقف ہے اور خدا کا شکر ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے احساسات اسوقت بیدار ہو چکے ہیں - ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فہم و فراست کے موافق مدبران مسلم لیگ نے کچھ اسباب بھی اختیار کیے ہیں اور مقام مسرت

ہے کہ وہ ان اسباب میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ جو اسکی دلیل ہے کہ انکا پہلا قدم صحیح راستہ پر پڑا ہے، غلط راستہ پر نہیں چلا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا پہلا قدم اتفاقاً صحیح راستہ پر پڑ گیا ہے یا آپ نے قرآن کریم اور سنت نبویہ کی روشنی میں اُسکو اختیار کیا ہے۔ بہر حال جو صورت بھی ہو اسکے لیے آپ مستحق صد مبارکباد ہیں ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

آپ کا یہ پہلا قدم مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم ہے جسکی سخت ضرورت تھی اور اسکی ضرورت سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عقلاً و نقلاً یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو قوم اپنی مستقل تنظیم رکھتی ہو وہ دُنیا میں باقی نہیں رہ سکتی، بلکہ دوسری اقوام میں منضم اور منجذب ہو کر کالعدم ہو جاتی ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کی مسلمانوں کی مستقل تنظیم کی صورت یہی ہے کہ تمام مسلمان اسلامی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ کیونکہ غیر اسلامی جھنڈے کے نیچے صرف مشترک تنظیم ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی مستقل تنظیم نہیں ہو سکتی اور مشترک تنظیم کا نفع ہمیشہ اکثریت کو پہونچتا ہے اقلیت کو اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا اگر وہ اپنی مستقل تنظیم سے محروم ہو۔

پس مدبران مسلم لیگ نے بڑی دانشمندی سے کام لیا کہ مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کا اہتمام کیا کہ اسکے بعد ہی مشترک تنظیم سے انکو نفع ہو سکتا ہے ورنہ ہمیشہ دوسروں کے حاشیہ بردار ہو کر اُنکے رحم و کرم پر رہ جاتے اور کچھ دنوں کے بعد انکی ہستی فنا ہو جاتی۔

یہی وہ چیز ہے جس کی طرف آیۂ کریمہ میں جُندَنا سے اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جند لشکر کو کہتے ہیں اور لشکر اجتماعی شان سے بنتا ہے، انفرادی حالت میں کسی قوم کی خواہ وہ کتنا ہی شمار رکھتی ہو لشکر نہیں کہا جا سکتا، اور اللہ کا لشکر وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے نام پر منظم ہوا ہو، وطن پرستی یا قوم پرستی کے نام پر منظم نہ ہوا ہو۔

یہ پہلا قدم تھا جو مسلم لیگ نے صحیح اُٹھایا۔ اسکے بعد ایک قدم آگے بڑھنے کی اور ضرورت ہے۔ جس کے بعد کامیابی اور غلبہ کا سہرا آپ کے سر ہوگا۔ خدا کرے آپ کا یہ دوسرا قدم بھی صحیح راستہ پر ہو۔ اگر آپنے قرآن کریم کی ہدایات اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھا اور اسی کو مشعل راہ بنایا تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ دوسرے قدم میں غلطی سے دوچار ہوں۔ مسلمان کو کسی کے اتباع یا تقلید کی ضرورت نہیں اُسکے گھر میں وہ سب دولتیں جمع ہیں جن کو فلاح اور کامیابی میں دخل ہے، مگر افسوس ہے کہ بعض مسلمان دوسری قوموں کی تقلید کرکے ترقی کرنا چاہتے ہیں، قرآن کریم اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرکے ترقی کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ دوسری قوموں کے ذرائع ترقی سے کفر، کفر اور کفر ہی کو ترقی ہو سکتی ہے مسلمانوں کو اور اسلام کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ اگر مسلمان مسلمان رہ کر اسلامی ترقی چاہتے ہیں تو انکو اپنے ماضی کی طرف لوٹنا چاہیے۔ اور قرآن کریم اور اسوۂ نبویہ کو مشعل راہ بنانا چاہیے۔ سنیے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان جندنا لہم الغالبون۔ یقیناً ہمارا ہی لشکر ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کا لشکر ہمیشہ غالب ہی رہا ہے۔ وہ کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہوا۔ اور اگر کبھی اسکے خلاف ہوا ہے اُسکا سبب صرف یہی تھا کہ اُس لشکر کے خدائی لشکر ہونے میں کچھ کسر تھی۔

پس مسلم لیگ کو دوسرا قدم اس طرح اُٹھانا چاہیے کہ اس لشکر کو جسے اس نے اللہ کے نام پر منظم کیا ہے صحیح معنی میں اللہ کا لشکر بنا دے۔ اسکے بعد یقیناً وہی کامیاب وہی غالب اور وہی فتحمند ہوگی۔ اور اسی کے سر کامیابی کا سہرا ہوگا۔ حضرات! آپ نے ترقی کے بہت سے اسباب سوچے ہونگے۔ بہت ذرایع سوچے ہونگے۔ بہت سے راستے اختیار کیے ہونگے۔ ذرا ذرا اس راستہ کو بھی آزما لیجیے جسکا تجربہ آپکے اسلاف نے ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک کیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک وہ اس راستے پر قائم رہے ہمیشہ کامیاب اور غالب رہے اور جس دن اس راہ سے ہٹے اُسی وقت زوال اور پستی اُنکے سامنے آنے لگی۔ یہاں تک کہ نوبت اس حال کو پہونچ گئی جو ہمارے اور آپ کے سامنے ہے۔ تو کیا اب بھی ہم کو اپنے ماضی کی طرف لوٹنے میں کسی دوسری حالت کا انتظار ہے۔ لِلّٰہ اپنی حالت پر رحم کیجیے اور اس سے زیادہ اپنے کو تختۂ مشق نہ بنایے۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من القوم الکٰفرین۔ اسکے بعد سب سمجھنے کی دیکھیے کہ اللہ کا لشکر کیونکر بنتا ہے۔ حضرات اسکے لیے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس لشکر کا ہر

پہلی شرط

فرد جس طرح زبان سے اللہ اکبر کہتا ہے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا جانتا ہو، اللہ کا بول بالا کرنے اور اُسکو راضی کرنے کے سوا کسی دوسری چیز کا طالب نہ ہو۔ خود پسندی، جاہ پسندی، نام اور نمود کا طالب نہ ہو، نہ کسی عہدہ کا خواہشمند ہو، ہر شخص خواہ وہ صدر ہو یا نائب صدر، قائد ہو یا سائق، اپنے کو اللہ کے لشکر کا سپاہی سمجھتا ہو اور جو کام اللہ کے سپرد کر دیا جائے اُسپر راضی ہو۔ حضرت خالد بن ولید ایک وقت تمام عساکر اسلامیہ کے قائد اعظم بنا دیے جاتے ہیں تو اس عہدہ کے فرائض بخوبی انجام دیتے ہیں، دوسرے وقت اس منصب سے معزول کرکے سپاہی بنا دیے جاتے ہیں تو پہلے سے زیادہ اسلام کی خدمت کا حق ادا کرتے ہیں۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ لشکر اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا مصداق ہو۔ آپس میں مہربان اور کافروں کے مقابلہ میں مضبوط ہوں۔ اس لشکر کا کوئی فرد نہ انگریز پرست ہو نہ ہندو پرست نہ ہوا پرست بلکہ سب خدا پرست ہوں ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

تیسری شرط

صحیح معنی میں اللہ کا لشکر بننے کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس لشکر کی وضع اور شان ایسی ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص پہچان لے کہ یہ اللہ کا لشکر ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲)

مسلمان تاجروں کا دستور العمل

اقتضائے وقت سے مسلمانوں کی ہر قسم کی دکانیں کھل رہی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے یہاں تک کہ مسلمان تجارتی منڈیوں میں ویسی ہی ممتاز حیثیت حاصل کرلیں جیسی کہ غیر مسلم اقوام کو حاصل ہے گرچونکہ ہمارے دور کی سرست ابتدا ہے اس لیے ہر قدم پر احتیاط، اعتدال، دیانت اور حسن معاملات کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نئے دکاندار اپنے گاہکوں سے اکثر بے نیازی سے پیش آتے ہیں۔ بعض اوقات درشت کلامی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ وہ بہت جلد دولتمند بنجانا چاہتے ہیں اس لیے فوراً گراں فروشی اور بددیانتی پر اُتر آتے ہیں۔ بعض دکاندار اخبارات کے مضامین اور رہنمایان قوم کی تقریروں سے متاثر ہوکر تجارت کے عام اصولوں کے بجائے مسلمانوں کی قومی حمیت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرلیتے ہیں۔ بعض دکاندار ابتدائی کامیابی کو برداشت نہیں کرسکتے اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ شروع کردیتے ہیں اور اس طرح اپنے سرمایہ کو جو پہلے ہی کم ہوتا ہے اور کبھی بے جان کردیتے ہیں۔ بعض دکاندار اُن توقعات کو جو اُنھوں نے قوم سے باندھ رکھی تھیں، پورا نہ ہوتا دیکھ کر کام سے دست بردار ہوجاتے ہیں۔ ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر مسلمان دکانداروں کا فرض ہے کہ یہ دستور جلی قلم سے لکھ کر دیوار پر لٹکا دیں؛ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں:—

۱۔ مسلمان کا بہترین لباس تقویٰ ہے۔ خدا سب کا رازق ہے۔ تنگی ہو یا فراخی ہر وقت اُسکے توکل و اعتماد کا دامن تھامے رہو۔

۲۔ صبر و استقلال تاجر کا اصلی زیور ہے۔ اگر کچھ مدت دکان نہ چلے تو اچھے وقت کا انتظار کرو۔ ہر وقت دماغ کو کام میں لاؤ، اپنی ترقی کی تدابیر سوچتے رہو اور کام سے غافل نہ رہو۔

۳۔ طلوع آفتاب سے پہلے خدا کا نام لیکر اپنی دکان کا دروازہ کھولو، اور سورج نکلنے سے پہلے صفائی اور سامان کی آراستگی کا کام ختم کردو۔

۵۔ موسم اور ضرورت کے مطابق کوشش کریں کہ دوسروں سے پہلے تمام ضروری سامان تمھاری دکان میں پہونچ جائے۔

۶۔ اپنی تجارت کی بنیاد "کم نفع اور زیادہ بکری" پر رکھو اور عام حالات میں بازار کے برابر منافع لو، نہ کم اور نہ زیادہ۔

۷۔ کوشش کرو کہ سرمایہ بڑھے۔ اس غرض کے لیے اگر پورا منافع نہیں تو اُسکا ایک مقررہ حصہ ضرور ماہ بماہ اصل سرمایہ میں شامل کرتے جاؤ۔

۸۔ اپنی دکان کو مفت خوروں، بے کاروں، آوارہ گردوں، اور کھلاڑیوں کا اڈا مت بناؤ۔ اور بیکار وقت میں کبھی دکان پر تاش اور دوسری کھیلوں کی رسم نہ ڈالو، بلکہ فارغ وقت میں ہمیشہ اخبار پڑھو، ترقی کے ذرائع سوچو اور اپنے سامان کو آراستہ کرو۔

۹۔ زیادہ آمدنی کی امید پر فضول خرچی شروع نہ کردو۔

۱۰۔ گاہک کے ساتھ خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آؤ، خاص طور پر عورتوں سے نیک برتاؤ کرو۔

۱۱۔ اپنا لباس، ہاتھ، فروختنی اشیا اور برتن وغیرہ خوب صاف ستھرے رکھو۔

۱۲۔ دودھ، دہی اور اشیاء خوردنی کو گرد و غبار اور مکھی سے بچاؤ اور صفائی کا کامل لحاظ رکھو۔

۱۳۔ دکان کو رخصت کرنے سے پیشتر آمد و خرچ کا حساب کرلیا کرو۔

۱۴۔ دکانوں پر کبھی گداگروں کو جمع نہ کرو، بلکہ حسب حیثیت ایک دو پیسے یا ایک دو آنے روزانہ صندوقچی میں ڈالتے جاؤ، اور مہینہ کے بعد اس رقم کو مقامی انجمن کو دیدو، یا تعلیم و تنظیم اور تبلیغ تنذین بھیجدو۔

(ایمان)

کانگریس کا "یوم اتاترک"

کانگریس کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ۹ ارنومبر "یوم اتاترک" منایا جائیگا۔ ہم نے لکھنؤ میں تو کچھ نہیں دیکھا کہ کانگریس والوں نے کس طرح "یوم اتاترک" منایا، شاید کہیں کہیں کوئی جلسہ کانگریس کمیٹیوں نے کردیا ہو تو اُسکی ابھی تک اخبارات میں کوئی خبر نہیں آئی۔ لکھنؤ میں، چونکہ اسی روز سودیشی نمائش کا افتتاح تھا اور اسکے لیے مسٹر بوس صدر کانگریس تشریف لائے تھے اس لیے یہاں تو کسی جلسہ (سے ہم کو) یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کمال اتاترک کی یاد میں کوئی تقریب یا جلسہ ہوا بلکہ ہمنے تو یہاں تک سنا ہے کہ امین آباد پارک میں جو جلسۂ عام کانگریس کی طرف سے ہوا اُس میں بھی کسی نے کمال اتاترک کا ذکر نہیں کیا۔ ہم تو اسکو کانگریس کے تحریک رابطۂ مسلم عوام کا ایک مذاق سمجھتے ہیں۔ مولانا شوکت علی اور دیگر مسلم لیگی لیڈر "مسلم اس کنٹاکٹ" (تحریک رابطۂ مسلم عوام) کے ہوا سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں حالانکہ یہ محض نمائش کے لیے ہے۔ عملاً تو کانگریس اس سلسلہ میں جو کچھ کررہی ہے وہ نہ کرنے کے برابر ہے۔ جیساکہ اسی "یوم اتاترک" کی شان سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ شاید جن کانگریس کمیٹیوں میں مسلمانوں کی معقول تعداد ہے وہاں "یوم اتاترک" کچھ منایا گیا ہو ورنہ اور تو ہر جگہ سناٹا ہی رہا!

(حقیقت)

ایک خطرناک نقطۂ نظر

بدنصیبی سے اس وقت جو مسلمان کانگریس کے احاطہ میں پائے جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہیں جو مسلم لیگ کے اشتعال انگیز ادعا کے ردعمل کے طور پر، یا قومیت (نیشنلزم) کے اُس نظریہ سے متاثر ہو کر جو یورپ میں پایا جاتا ہے یا چند ہندو دوستوں کو بہی حد سے زیادہ رواداری کا یقین دلانے کے لیے اُن تمام چیزوں کی طرف سے بے پروائی برتنا ضروری سمجھتے ہیں جنکا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔ فرقہ پرستی کا ہوا اُنکے دماغوں پر اس بری طرح مستولی ہو جاتا ہے کہ پھر وہ ہر اُس چیز سے اپنا دامن بچائے ہوئے چلتے ہیں جو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ لوگ جارحانہ و جنگجویانہ فرقہ پرستی (جو یقیناً بہت بُری چیز ہے) کے تصور سے اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ پھر اپنے فرقہ کی اندرونی اصلاح اور اس کو ایک جداگانہ عنصر کی حیثیت سے ہندوستان کی ملی جلی مشترک زندگی میں ایک زندہ و متحرک مگر ہم آہنگ عنصر بنانے کا تصور بھی اُنکے دماغ سے فنا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنیت ہے جو بدنصیبی سے اکثر ترقی پسند اور کانگریسی مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور جسکی وجہ سے یہ افراد فرقہ پرست اور متعصب ہندو دوستوں کی مخالفت میں لب کشائی کرنا، ہندو تہذیب، ہندی زبان اور ہندو ذہنیت کو ناروا طور پر ملک میں رائج کرنے پر احتجاج کرنا، اور مسلمانوں کو جداگانہ ملی خصائص کو قائم و باقی رکھنے کی جد و جہد کرنا فرقہ پرستی کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک ترقی پسند کانگریسی مسلمان کی حیثیت سے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف متوجہ ہونا اُن کا شیوہ نہ ہونا چاہیے حالانکہ جن چیزوں کو وہ چھوٹی چھوٹی سمجھتے ہیں وہی دراصل بنیاد کی اینٹیں ہیں جو ہمیشہ چھوٹی ہی ہوتی ہیں۔ لیکن ان ہی پر عمارت کے تمام بڑے بڑے ستون قائم کیے جاتے ہیں۔ ......

لیکن افسوس ہے کہ آج ہمارے مسلم کانگریسی دوستوں کی توجہ اس اہم فریضہ کی طرف بہت کم ہے۔ اُن میں بعض تو ایسے ہیں جو اس قسم کی چیزوں کو ہندوستان کی متحدہ قومیت کے منافی تصور کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ان باتوں کو فرقہ پروری کا مترادف سمجھ کر علانیہ ان میں پڑنے سے ہچکچاتے ہیں۔ خیر اول الذکر طبقہ سے تو ہمیں سروکار نہیں کہ اُس کو سوشلسٹ، کمیونسٹ، مارکسٹ جو چاہے کہہ لیجیے لیکن صحیح معنی میں اُسے مسلمان کسی صورت سے نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ موخر الذکر طبقہ سے ہم یہ عرض کریں گے کہ خدا کے لیے وہ اس غلط، خطرناک اور تباہ کن نقطۂ نظر کو ترک کرے اور بحیثیت مسلمان کے مسلمانوں کے مخصوص قومی امتیازات و خصائص کو باقی رکھنے اور اُنکو ترقی دینے کی جو ذمہ داری اُس پر عائد ہوتی ہے اُسے انجام دے۔ کانگریس میں بہت کم ہندو ایسے ہیں جو جواہر لال کی طرح عالی ظرف و روادار ہیں۔ زیادہ تر تو ایسے ہی ہیں جن کی ظاہری رواداری و عالی ظرفی کے نیچے ہزاروں تنگ نظریاں چھپی ہوئی ہیں اور چونکہ کچھ تو مسلمانوں کے جمود و غفلت کی وجہ سے اور کچھ اُنکی عددی کمی کی وجہ سے کانگریس کے احاطہ میں اُنکی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے اس لیے ہندو دوست بڑی آزادی سے اپنی تنگ نظری و تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کانگریس کا کوئی جلسہ ہوا تو اُس میں سارے سائن بورڈ، چٹھیں اور تحریریں سنسکرت آمیز ہندی میں لکھوا دیں، ممبری کے فارم صرف ہندی میں چھپوا لیے، الیکشن اشتہارات، پمفلٹ اور مراسلے ہندی میں لکھوا لیے، اور اگر کسی نے اعتراض کیا تو بڑے بھولے پن سے کہہ دیا کہ "کیا بتلائیں اُردو میں چھپوانے کا خیال ہی نہ رہا"۔ یا "اُردو پریس قریب میں نہ تھا اسلیے مجبوراً ہندی ہی سے کام نکالنا پڑا" وغیرہ وغیرہ۔ غرض اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو جان بوجھ کر محض تنگ نظری کے ماتحت کی جاتی ہیں مگر ظاہر یوں کیا جاتا ہے کہ اتفاقاً ہو گئیں۔ پھر چونکہ اسی قسم کے بعض برادرانِ وطن حکومت کی باگ ڈور کے مالک بھی بنے ہوئے ہیں اس لیے حکومت کے ایوان سے بھی اس قسم کی چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان لوگوں کا نقطۂ نظر تو یہ ہے ہی کہ ہندوستان میں صرف اُن ہی کی تہذیب اُن ہی کی زبان، اُن ہی کا رسم الخط اور اُن ہی کا کلچر رہے، اسکے علاوہ اور سب اسی میں ضم ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ چیز کانگریس کی پالیسی کے صریحاً خلاف ہے اس لیے کھلم کھلا تو ایسا نہیں کر سکتے البتہ ترکیبوں، چالاکیوں اور عیاریوں سے اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابتک ترقی پسند مسلمانوں کا حال یہ رہا ہے کہ اُنھوں نے ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ لیکن درحقیقت یہ چیز غلط تھی۔ رواداری کی غلط تعبیر تھی جو کی گئی۔ بہرحال جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا۔ لیکن اب تو اس طرز پر عامل رہنا سخت نقصان رساں ہے۔ اب ہمیں قدم قدم پر ان چیزوں کے خلاف آواز بلند کرنا چاہیے۔ یہ چیزیں کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہوں لیکن انکے پیچھے جو خوفناک ذہنیت کام کرتی ہے اُسے کسی طرح چھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے اس قسم کی باتوں کو نظر انداز کرنا ٹھیک نہیں۔ لیکن کام کی ذمہ داری یہیں آکر ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ تو صرف حفاظت و مدافعت کی صورت ہے۔ اسکے علاوہ ضرورت اس کی بھی ہے کہ ان امتیازی خصوصیتوں کو ترقی دینے کا کام بھی کیا جائے۔ یعنی ترقی پسند اور کانگریسی مسلمانوں کا سب سے بڑا اور اہم فریضہ آجکل یہ ہے کہ اسلامی روایات و مراسم اور اسلامی تربیت کی فضا میں مسلمانوں کی اندرونی حالت کو درست کرنے کی تدابیر پر غور کریں اور تمام ملامت کرنے والوں کی ملامتوں کا خوف کیے بغیر خدا کا نام لیکر اس قسم کے تعمیری کاموں میں کود پڑیں۔ اس قسم کے کاموں کو "فرقہ پروری" کا مترادف ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔ فرقہ پروری صرف اُسی حد تک بُری ہے جہاں تک اس میں جارحانہ و جنگجویانہ ذہنیت کام کرتی ہے لیکن اپنے مخصوص فرقہ کے مخصوص عقائد و رسوم اور روایات و مراسم کی فضا میں اسکو ترقی دینا اور اُسکے مخصوص امتیازات کو باقی رکھتے ہوئے ملک کی عام مشترک قومی زندگی میں اسے ایک ہم آہنگ مگر ممتاز عنصر بنانے کی سعی کرنا نہایت مبارک و مسعود فرقہ پروری ہے۔ ایسی فرقہ پروری کے مرتکب تو خود گاندھی جی بھی ہیں جنھوں نے ہندوؤں کی اصلاح، اچھوتوں کی اصلاح اور ہندی کی ترویج وغیرہ بیسیوں کام کیے ہیں اور اب بھی جو بیسیوں اسی قسم کی اصلاحی چیزوں پر غور کیا کرتے ہیں۔

(مدینہ)

عزت و حرمت کے باوجود، نوکروں کا اتنا خیال، کہ سخت جون کی شدت گرما میں سادہ پانی پی لینا گوارا، لیکن یہ گوارا نہیں کہ نوکر کو برف لانے کے لیے پیدل بھیجا جائے۔ مہمان نوازی کا عالم، کہ بقول قطب صاحب صدیقی (خلافت) گھر میں جو چیز بھی ہوتی، خواہ کسی مقدار میں بھی ہو، اس میں مہمان کو ضرور شریک کرتیں۔ ایک بار حلوا سوہن کی صرف ایک ٹکیا گھر میں تھی، اور کھانے والے مہمان ملا کر ۱۹۔ مرحومہ نے بے تکلف اس ایک ٹکیا کے ۱۹ ہی ٹکڑے کر کے سب کو ایک ایک ٹکڑا پہنچا دیا۔ اس سادگی اور اس اسلامی اخلاق کی تصویریں اب کیوں دیکھنے میں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ مراتب عالیہ سے سرافراز کرے۔

تحریکِ نسائیت کی رفتار

جرمنی کا مشہور ڈاکٹر ہنری کِش (پر پروفیسر پراگ یونیورسٹی) اپنی کتاب "سکسول لائف آف وومین" (عورت کی حیاتِ صنفی) میں یہ دکھانے کے بعد، کہ عورت کی قدر و منزلت میں، مع اسکے جذبات حیا، غیرت، عصمت و عفت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا، لکھتا ہے:-

"مگر یہ خطرہ اب دور نہیں رہا ہے، کہ زمانہ جدید کی تحریکات مساوات نیز عورت کی حیاتِ صنفی کی تحقیر بجائے عورت کی قدر و احترام معاشی بڑھانے کے بجائے، کہیں اسے گھٹا نہ دے"۔ (ص۵)

گویا یہ تحریکیں عورت کو بڑھاوے دے دے کر، اسکے دوست بن بن کر، گویا رہی ہیں اس سے عورت کی عزت بڑھنے کے بجائے اور گھٹ کر رہیگی۔ مصنف محض ڈاکٹر ہے، وہ کتاب طبی نقطۂ نظر سے لکھ رہا ہے۔ واعظِ اخلاق و مبلغِ دین نہیں ہے۔ اُسکے پیش نظر صرف صحت ابدان کے مسائل ہیں۔ وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ موجودہ تعلیم، تربیت اور آزاد ماحول نے نوجوان لڑکیوں کو کم از کم خیالی طور پر، جادۂ احتیاط و پارسائی پر قائم کب رہنے دیا ہے!! اور

"ان نیم دوشیزہ خواتین کی تعداد، بلحاظِ کیفیت و بلحاظِ شمار، دونوں طرح روز افزوں ہے، اور اس سے صنفی امراض و عوارض میں اضافہ ہونا لازمی ہے"۔ (ص۵۲)

دو ہی چار صفحوں کے بعد، ایک دوسرے محقق بیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "عورتوں میں واقعاتِ خودکشی کا شمار، عمر کے ۱۶ اور ۲۱ سال کے درمیان غیر معمولی طور پر زائد ہے"۔ (ص۵۶)

گویا عین جوانی ہی کے زمانہ میں، بہار کے آنے سے قبل ہی یہ دستِ قدرت کے بنائے ہوئے بیل بوٹے، نذرِ خزاں ہو کر رہتے ہیں، اتنی بڑی تعداد میں کہ اس پر "غیر معمولی" کا اطلاق کرنا پڑا ——— ہمارے ہاں کے تحریکِ نسائیت کے علمبردار، اپنے اہل کے جمود پسندوں اور دقیانوسیوں کو قابلِ خطاب نہیں سمجھتے ہیں، تو نہ سہی، کبھی کبھی یورپ کے ماہرین فن کی کہی ہوئی تو سُن لیا کریں!

فطرت کی شہادت

کمانڈنٹ ایلن کا نام، برطانیہ کے نسوانی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ کہنا چاہیے کہ برطانیہ میں زنانہ پولیس کی بانی یہی خاتون ہیں۔ اسی نومبر میں، لندن کے ایک زنانہ کلب کے ڈنر میں اسی موضوع "انگلستان کی زنانہ پولیس" پر تقریر فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اپنی تحریک کی حمایت میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا، سب کچھ فرما دیا، لیکن اسکے باوجود، حقیقت پر پردہ تمام تر نہ پڑ سکا۔ ارشاد ہوا:-

"البتہ ایک بات ہے، وہ یہ کہ عورتیں ہر چیز کو ذاتی بنا لیتی ہیں، اور یہ ایک پولیس والی کے حق میں بڑا عیب ہے۔ در آنحالیکہ، مرد ان ہی چیزوں کو ذاتیات سے الگ رکھتے ہیں۔ پولیس والی کو بارہا ایسے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں، جو ناخوشگوار ہوتے ہیں، تفتیش ناخوشگوار واقعات کی کرنی ہوتی ہے، ناخوشگوار تفصیلات میں جانا پڑتا ہے۔ پولیس والی عموماً ان سب چیزوں کو اپنے اوپر لے لیتی ہے، اور ہر مسئلہ ذاتی مسئلہ بنا لیتی ہے۔ برخلاف اسکے پولیس والا جب ان چیزوں میں پڑیگا، تو انھیں اپنی ذات سے بالکل بے تعلق رکھیگا، اور ان پر خالی الذہن ہو کر نظر کریگا"۔

(روزنامہ ہندو، مدراس، ۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء)۔

یہ اُن خاتون کی زبان سے، طویل تجربہ اور مسلسل مشاہدہ کے بعد، ادا ہوا ہے جو زنانہ پولیس کو مٹانا نہیں چاہتیں، بلکہ اسکی بنیاد ڈال کر اور بڑھانا اور ترقی دینا چاہتی ہیں ——— اس حقیقت کا اظہار اگر کوئی مشرقی ان الفاظ میں کرے، کہ عورت و مرد کے دائرۂ عمل، زندگی میں الگ الگ ہیں، اور یہ ضرور نہیں کہ گھوڑا جو شہسواری کے کام کے لیے بے نظیر ہے، اُس سے اونٹ کی باربرداری کا بھی کام لیا جائے، تو روشن خیال اور تجدد نواز حلقوں کی طرف سے کیسے کیسے خطابات اُسے عطا ہو کر رہیں؟

"علم" کی اشاعت

"علم کا موجودہ تخیل بالکل مادی ہے، اور اسکا مقصد تمام تر تجارت اور جنگ کے لیے مہلک ہتھیار تیار کرنا ہے۔ تعلیم کا اسلامی تخیل روحانی تھا، اور اُسکا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت کرنا تھا"۔

یہ آخر دسمبر میں، ادارۂ معارف اسلامیہ کے سالانہ جلسہ (دہلی) کی تقریر صدارت میں سر سلیمان، ایم اے، ایل ایل ڈی، جج فیڈرل کورٹ نے کہا۔ جنکی فن ریاضیات و طبیعیات میں کمالات اور کارناموں کی شہرت ہندوستان سے گزر کر یورپ تک پہونچ چکی ہے۔ سالہا سال سے لفظ "علم" کے اشتراک نے پیدا کر رکھا ہے۔ لفظ ایک ہے، لیکن معنی فرنگستان اور اسلام میں بالکل الگ الگ ہیں۔ مولانا رومی نے اس حقیقت کو یوں ادا کیا ہے، کہ ایک علم "اہل تن" کا ہے، اور ایک "اہل دل" کا۔

علمہائے اہل دل حمال شان — علمہائے اہل تن احمال شان

علم را بر دل زنی یارے بود — علم را بر تن زنی بارے بود

لیکن پروپیگنڈے کی سحرکاری اس غضب کی ہے، کہ اسی علم "اہل تن" کو، اسی علم کو جو انسان کو ایک خونی جانور میں تبدیل کر دیتا ہے لے کر ہماری قومی حکومتیں بڑھی ہیں، اور اسی علم کو، جسکا فتنہ اور جسکا زہر ابتک شہروں اور قصبوں تک محدود تھا، گاؤں گاؤں، گھر گھر، پھیلا دینا چاہتی ہیں، اور اسکا نام "جہالت کے خلاف جہاد" رکھا ہے!

"قالوا انما نحن مصلحون۔ الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون" کی تفسیر اس کے شہود کے اور کیا ہوگی؟

نمونۂ ترقی

"ترکی خواتین کا دورِ ترقی" کے عنوان سے ایک مضمون، مسلمان اخبارات میں (متجدد نواز نہیں، ٹھیٹھ مسلمان اخبارات میں) بغیر کسی تردید یا اختلافی نوٹ کے، چل گشت کر رہا ہے۔ اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

"جمہوری حکومت نے ۱۹۲۶ء ترکی کے زیرِ ہدایت دو ایسے اہم قانون نافذ کیے ہیں جو اپنے اثرات و عواقب میں بہت عظیم الشان ثابت ہوئے

(۱) "نیا قانون دیوانی" — اسلام نے عورت کو جائداد میں حصہ دار ٹھہرایا۔ لیکن حصہ مرد سے آدھا قرار دیا گیا۔ معاشی زندگی میں چونکہ مرد ہی زیادہ تر کمانے کے لیے ذمہ دار ٹھہرا اس لیے جائداد بھی زیادہ اسی کو ملنا چاہیے۔ مگر یہ نیا قانون سوئٹسانی ہے، اس سے لڑکے اور لڑکی کو ترکہ یکساں ملیگا۔ اناث پر یہ نوازش عنایت شاید اس لیے ہوئی ہے کہ ایام جنگ میں ترکی خواتین نے ملک و مذہب کے لیے بے نظیر قربانیاں کیں۔

اب اسی قانون کے ماتحت طلاق کا حق و اختیار مرد کو نہیں رہا بلکہ عدالت کو۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے والے مرد نہ صرف طلاق دینے میں جلد بازی کرتے ہیں بلکہ بیوی پر بعید ظلم بھی کرتے ہیں۔ عدالت کو یہ حق دینے سے گویا اس جور و ستم کی روک تھام ہوگئی ہے"

کس صفائی کے ساتھ، بلا کسی قسم کی جھجک محسوس کیے، ارشاد ہوگیا ہے، کہ خدائی قانون چونکہ ناقص ثابت ہوا، اس لیے قرآن کے قانون کو، خدائے عربی کے اتارے ہوئے اور رب محمدؐ کے نازل کیے ہوئے قانون کو ہٹا کر مٹا کر، سوئٹزرلینڈ کے فرنگی "عقلاء" کے قانون کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا، قرآن کے حکم پر عمل کرنا، جرم قرار دے دیا گیا! — وہ قانون، جس کا ایک ایک جزئیہ کسی فقیہ کی زبان سے نہیں، رسول کی زبان سے بھی نہیں، خود اپنے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد کرکے، بار بار تاکیدی و تہدیدی کلمات بھی ارشاد فرما دیے گئے، فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ تلک حدود اللہ، ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مہین۔

اور پھر (نعوذ باللہ) اللہ میاں سے جو غلطی مرد کو اختیار طلاق دینے میں ہوگئی تھی، اس کا کیا خوب تدارک، کتنا دانشمندانہ، اور کتنا محکم کر دیا گیا، کہ معاملہ کو عدالت کے سپرد کر دیا گیا! گویا سارے یورپ اور سارے امریکہ میں عدالتی طلاقوں کے جو فضیحتے ہوا کرتے ہیں، ان سب کا مشاہدہ و تجربہ بیکار ہی رہا! — خیر یہاں عقلی تنقید و نظر نہیں، کہنا صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی صحافت بھی کیسے کیسے سادہ مزاج حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر کوئی خود انھیں خیالات کا ہے، وہ انکی اشاعت میں یقیناً حق بجانب ہے۔ لیکن ماتم اس فہم و بصیرت پر کرنے کو جی چاہتا ہے، کہ عقائد و خیالات اپنے بالکل اسلامی، اور پھر فخر و مباہات کے ساتھ موقع مدح پر ان فرنگیانہ کو پیش کیا جا رہا ہے! — کاش ترکی قوم، ساری کی ساری فنا ہوگئی ہوتی، لیکن ضابطۂ الٰہی کی کسی دفعہ کے ایک لفظ، ایک نقطہ، ایک شوشہ سے انحراف کی جسارت نہ پیدا ہوئی ہوتی!

معراجِ تجدد

"[illegible]ء میں تمام ترکی میں صرف تین عورتیں ڈاکٹر تھیں، لیکن اب پچاس سے زائد ہیں۔ علاوہ ازیں، ہسپتالوں کے انتظامی صیغوں اور حفظان صحت کے محکموں میں انکی تعداد بہت زیادہ ہے"۔

چہرے فرط انبساط سے کھلے جا رہے ہیں، کہ مبارک ہو، مریض ترکی بھی بام ترقی پر آگیا۔ اور دعوے پر دلیل یہ ہے کہ لیڈی ڈاکٹروں کا شمار تین سے پچاس تک پہونچ گیا، اور طب کے دوسرے صیغوں میں اس سے بھی زائد! گویا ٹھیک وہی راستہ جس کی کتنی ہی منزلیں امریکہ اور فرانس، اور برطانیہ اور کنیڈا اور آسٹریلیا اور جاپان طے کر چکا ہے، اس پر ترکی نے بھی قدم رکھنا شروع کر دیا! — اس میں اور اس ذہنیت میں آخر کیا فرق ہے، جو آج سے ۴۰-۵۰ برس پیشتر ہم ہندوستانیوں کی تھی، کہ آج ہم نے گلے میں "ٹائی" صاحب کی سی باندھ لی، ٹانگوں میں "پتلون" صاحب کا سا پہن لیا، "ہیٹ" سر پر صاحب کی طرح رکھ لی، خطاب خان بہادری کا، سی آئی ای کا "صاحب" کے ہاں سے حاصل کر لیا، اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے، کہ آج سے ہمارا شمار بھی معززین میں، اکابرین میں ہوگیا! — اپنوں پر مضحکہ اور تعریض اور معاشرت میں "صاحب" اور "میم صاحب" کی تقلید جاری، یہ ہے تجدد کی معراج!

تجدیدِ مجلسِ خلافت

روزنامہ خلافت میں زور و شور کے ساتھ تحریک شروع ہوئی ہے، کہ شوکت مرحوم کی یادگار یعنی مجلس خلافت کو از سر نو بیدار کیا جائے، اور تمام ہندوستان میں ایک بار پھر حرکت پیدا کر دی جائے۔ خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کے حدود عمل الگ الگ قرار دیے جائیں، یعنی اندرون ہند کے مسائل، مسلم لیگ کے ذمہ رہیں، اور باہر کے اسلامی ممالک سے ربط و تعلق کا انتظام خلافت کمیٹی کے سر رہے۔ وقس علیٰ ہذا — اس دور تجدد میں بھی ہندوستان میں ایسے سرپھرے دیوانے موجود ہیں، جو "اسلامی ممالک سے ربط و تعلق" کا راگ ابتک الاپے جا رہے ہیں! انھیں اس کا بھی ڈر نہیں، کہ حیدر گوڑہ، حیدرآباد دکن کے ایک دفتر سے کیسے کیسے قصائد منقوط و غیر منقوط سننے پڑینگے!

خلافت ہی نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ تحریک خلافت میں جان ڈالنے کے لیے بھوپال کے عالی مرتبت "مشیر الہام" ایک بار پھر قصر امارت کو چھوڑ، فقیروں کی جھونپڑی میں آئیں، اور گلے میں پھر ایک بار جھولا ڈال، مانگنے نکلیں۔ شعیب قریشی! اور تحریک خلافت کے دور اولیٰ کی یاد! آہ! ایک دیرینہ نیازمند کیا اسکے اور کیا عرض کرے:—

میں نوائے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایت غم عاشقی، تو حدیث ماتم دلبری!

آل عمران رکوع ۷

(سلسلۂ صدق [illegible] ماقبل)

۱۔ قل یا اہل الکتب تعالوا الی کلمة سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔

آپ[1] کہیے، کہ اے اہل کتاب[2] آؤ ایسے قول کی طرف جو ہمارے[3] اور تمہارے درمیان برابر[4] ہے، وہ یہ کہ ہم نہ عبادت کریں (کسی اور کی) بجز اللہ کے[5] اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کا کسی کو،[6] اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو رب ٹھہرائے علاوہ اللہ کے[7] پھر اگر وہ اعراض کریں[8]، تو تم[9] کہہ دو، کہ گواہ رہنا، کہ ہم تو ماننے والے ہیں[10]۔

۲۔ یا اہل الکتب لم تحاجون فی ابراہیم وما انزلت التورٰة والانجیل الا من بعدہ افلا تعقلون۔

اے اہل کتاب[11] کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے باب[12] میں، درانحالیکہ نہیں نازل کی گئی توریت و انجیل مگر انکے بعد۔ پھر کیا تم اپنی عقل سے کام نہیں لیتے[13]؟

۳۔ ہاانتم ہؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم، واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

ہاں تم وہی تو ہو جو اس امر میں حجت کر چکے تھے، جسکا تمہیں (کچھ تو) علم تھا[14]۔ سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو، جسکا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں[15]۔ اور اللہ علم رکھتا ہے[16]، اور تم علم نہیں رکھتے۔

۴۔ ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما، وما کان من المشرکین۔

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے[17]۔ بلکہ راہ راست والے مسلم تھے، اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے[18]۔

۵۔ ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوہ وہذا النبی والذین اٰمنوا، واللہ ولی المؤمنین۔

یقیناً سب انسانوں سے بڑھ کر خصوصیت[19] رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ وہ لوگ تھے جنھوں نے انکی پیروی کی تھی[20] ۔ اور[21] یہ نبی ہیں[22]، اور وہ لوگ جو (ان پر) ایمان لائے[23]۔ اور اللہ حامی ہے ایمان والوں کا۔[24]

---

1. (اے ہمارے پیغمبر)
2. "اہل کتاب" کی اصطلاح کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہاں زیادہ تر تخاطب نصاریٰ سے ہے۔
3. یعنی ہم مسلمانوں کے۔
4. (مسلم ہوتے ہیں، اور جیسے اب ہیں ہمارے پیغمبر اور تمہارے پیغمبروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں)
5. غیر اللہ کی عبادت میں شرک ہر قسم کا آگیا۔ اور ممانعت شرک کی صراحت، توریت میں تو متعدد مقامات پر ہے ہی، "انجیل" میں بھی موجود ہے، مثلاً "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (متی ۴: ۱۰)
6. (نہ بحیثیت فرزند خدا کے، بطور اقنوم کے، نہ بطور اسکے مظہر یا اوتار کے، نہ اور کسی حیثیت سے بھی) مسیحیوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ تو کہنا چاہیے کہ چار صدی قبل کی پیداوار ہے، نزول قرآن کے زمانہ میں صرف کیتھولک مسیحی موجود تھے، اور انکے ہاں علاوہ مسیح پرستی کے، مریم پرستی، پاپا پرستی، اولیاء پرستی، شرک، دینی جلی اور خفی تمام صورتوں میں موجود تھا۔ آیت میں رد زیادہ تر انھیں گمراہیوں کا ہو رہا ہے۔
7. کیتھولک مسیحیوں میں پاپائے روم، اور آبائے کلیسا، اور "کلیسا" سب مسیحیوں کے عقیدہ میں سلطان مطلق کا حکم رکھتے ہیں۔ مسیحی عقیدہ ہے کہ
"بغیر کلیسائے محسوس کے نجات ممکن نہیں، اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے، اور اس لیے مسائل میں کلیسا سے امکان خطا ہی نہیں"
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۶، صفحہ ۹۴۰)
قرآن مجید نے پادریوں کی اس عصمت اور محفوظیت عن الخطاء کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔
8. یعنی اہل کتاب اگر اب بھی اپنے گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے باز نہ آئیں۔
9. (اے امت اسلامیہ)
10. (اسی توحید خالص کے بہرحال، وہ اسی کے علمبردار اور مبلغ ہیں) اسلام کی توحید خالص کی شہادت آج بھی یہود و نصاریٰ دے رہے ہیں۔
11. خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔
12. یعنی انکے دین کے باب میں۔
13. یہود و نصاریٰ دونوں اپنی اپنی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہودیت اور نصرانیت چپکانا چاہتے تھے۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو۔ تمہاری مصطلح اور مزعومہ یہودیت اور نصرانیت تو بہت بعد کی چیزیں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس معنی میں یہودی یا نصرانی ہونا ممکن کیونکر تھا؟
14. یعنی مسائل مندرجۂ توریت و انجیل کے باب میں، جن میں تمہارے پاس کچھ شمۂ صداقت تو تھا۔
15. (اور جس بارے میں تم صداقت و حقیقت سے بالکل ہی بیگانہ ہو)
16. دین ابراہیمی کا۔
17. دین ابراہیمؑ پر مفصل حواشی، سورۂ بقرہ رکوع ۱۶ میں گزر چکے۔
18. (بلکہ شرک سے سخت بیزار، اور ایک مشرک دنیا میں توحید کے پہلے علمبردار) ۔ آپ کی توحید پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلم تھی۔
19. (از روئے دین و مذہب)
20. (انکے زمانہ میں)
21. (پھر اس زمانہ میں)
22. (جو انھیں کا پیام لیکر آئے ہیں اور گویا انھیں کی نیابت کر رہے ہیں)
23. یعنی مسلمان ۔ اسے فرنگی مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں، کہ قدیم ابراہیمی

۶۔	وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۔	دل سے چاہتے ہیں بعض اہل کتاب، کہ تمھیں گمراہ کردیں، درانحالیکہ وہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے، بجز اپنے آپ کے اور (اس کی) خبر نہیں رکھتے۔
۷۔	يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ	اسے اہل کتاب، کیوں کفر کرتے ہو،
	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ،	اللہ کی آیات سے، درانحالیکہ تم گواہ ہو
۸۔	يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔	اسے اہل کتاب، کیوں تلبیس کرتے ہو حق کی ناحق کے ساتھ اور حق کو چھپاتے ہو، درانحالیکہ تم علم رکھتے ہو۔

مذہب توحید کا صحیح جانشیں اگر کوئی ہے، تو وہ مسیحیت نہیں، جیسکے اندر یونان کے مشرکانہ عقائد بھرے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام ہے۔ (ملاحظہ ہو "ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ" جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

۲۳ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲۴ (اے مسلمانو!)

۲۵ روایات میں آتا ہے، کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے، کہ خود ہدایت پانا الگ رہا، مسلمانوں کو بھی انکے عقائد سے برگشتہ کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ آج بھی کتنے ہی "اہل کتاب" کے دل میں تمنا یہی رہتی ہے کہ مسلمان عیسائی ہوں یا نہ ہوں، لیکن بہرحال اپنے اسلامی عقائد سے ڈگمگا جائیں۔

۲۶ یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کے گمراہ کرنے میں تو کامیاب ہوتے نہیں، خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کیے جاتے ہیں۔

۲۸ ایسے بے عقل و نافہم، کہ حقیقت حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔

۲۹ (و انکار)

۳۰ (جو خود تمھاری کتابوں کے اندر مذکور ہیں، اور جن میں نبوت محمدیہ کی بشارتیں موجود ہیں)

۳۱ یعنی لاعلمی و نادانستگی میں نہیں، بلکہ جان بوجھ کر ان آیات میں تحریف لفظی بھی کر رہے ہو، اور معنوی بھی۔

۳۲ یعنی اپنی کتاب کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہو، کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے، اور تاویل صریح تحریف بن جاتی ہے۔

۳۳ یعنی، جن جن عبارتوں میں صاف بشارتیں نبوت محمدیہ کی موجود ہیں، انھیں بالکل چھپا ڈالتے ہو، اور وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔

۳۴ یہ سب کچھ اپنے قصد و ارادہ سے کر رہے ہو، محض اتفاقی طور پر نہیں ہو رہا ہے۔ تحریفات اہل کتاب پر حواشی سورۂ بقرہ میں گزر چکے۔

مذہب بیزاری کا فیشن

..... آپ لوگ اُن اشخاص کی بڑی قدر کرتے ہیں جو زیادہ مرتبہ قید ہوں۔ حالانکہ مذہبی حقائق پر عامل ہونا، مثلاً صرف نماز اور زکوٰۃ کی پابندی قید سے بھی زیادہ کٹھن ہے۔ نماز، ایک اصول ہے اور قید ایک ہتھکنڈہ ہے۔ ہزارہا ملیشن زدہ آدمی، پھولوں، ستارکاروں اور جلوسوں کی نمائش سے مرعوب ہو کر، انگریز کے خلاف ایک دھواں دھار تقریر کر ڈالتے ہیں، پھر گوشۂ جیل میں ہو بیکر دل ہی دل میں پچھتاتے ہیں مگر حالات کی مجبوری کا کچھ علاج نہیں کر سکتے۔ انھیں نہ تو عدالت چھوڑتی ہے اور نہ وہ خود معافی کی موت قبول کر سکتے ہیں۔ آپ ہر ایک شہر میں بیسیوں آدمی ایسے دیکھینگے کہ جو سرکاری مہمان رہ چکے ہیں۔ اگر آپ اُنکی روزمرہ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ انھیں کبھی کیرکٹر کی پختگی کا ڈپلوما نہیں دے سکتے۔

موجودہ زمانہ میں عام طور پر ایسے ہی ہنگامہ پسند لوگ، جو پابندی اور ضابطہ کے ساتھ، مذہبی زندگی کی پاک، درصبر آزما راہوں پر گامزن نہیں ہو سکتے، مذہب کی مخالفت کر رہے ہیں۔

مذہب کی مخالفت کا سب سے بڑا سبب، پیشوایان مذہب کی دُکانداریاں ہیں، جس طرح ہزارہا لوگوں کی سیاسی زندگی ایک نفع بخش تجارت کا حکم رکھتی ہے، اُسی طرح ہزارہا مذہبی لوگوں کی زندگیاں بھی صرف مذہبی رسوم ہی کی پوجا میں صرف ہو رہی ہیں۔ ہم میں ہزارہا لوگ ایسے بھی ہیں جو وظیفے بھی خوب پڑھتے ہیں اور عیاشی اور عیاری میں بھی کوئی کمی اُٹھا نہیں رکھتے۔ چونکہ بہت سے علماء کی مذہبی زندگی ایک خول سا بنی ہوئی ہے، جس میں فرقہ بندی، تنگدلی، تعصب، خشک دماغی، طمع و حسد، شکم پروری، تعویذ فروشی، کٹ حجتی، بزدلی اور ریاکاری کے عناصر عام لوگوں کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں، اس واسطے غیر مذہبی حلقوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ مذہبی اصول صرف الفاظ کا مجموعہ ہیں، حقیقت اُنکی کچھ نہیں ہے۔

مذہب کی صحیح پوزیشن سمجھنے کے لیے ہر ایک شخص کو مذہب کے اولیں سرچشموں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ مذہب کے یہ اولیں سرچشمے انبیاء کرام کی شخصیتیں ہیں۔ ہمارے وہ دوست جو مذہب کے مقدس نام پر خون و فساد کا الزام لگا رہے ہیں، مذہبی پیغمبروں اور ملکی حکمرانوں کی زندگی کا مقابلہ کریں، اُن پر از خود یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ ہر زمانہ میں اور ہر ایک ملک میں، قتل و غارت کی طغیانیوں کا اصل سرچشمہ، ملکی اور سیاسی شخصیتوں ہی کا وجود تھا۔ مثال کے طور پر آپ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی پر نظر ڈالیے حضور نے اپنی پوری زندگی میں جو جہاد کیے، ان کی تعداد ۸۰ ہے۔ ان جنگوں کے نقصانات کی تفصیل حسب ذیل تھی،

مقتولین ۱۰۱۸ ———— زخمی ۱۲۷

اب اس کے بالمقابل دنیا کی سیاسی جنگوں کے نقصانات کی تفصیل (بحوالہ مشہور انگریزی اخبار "اوبزرور" بھی ملاحظہ فرمالیں:—

نپولین کی ابتدائی جنگیں	۲۰ لاکھ ہلاک اور ۲ کروڑ زخمی اور بیکار
نپولین کی آخری جنگ مع واٹرلو	کُل فوج ۹ لاکھ ۹ ہزار اور ۳ لاکھ ۶ ہزار ہلاک۔
جنگ صوبائی	۵۰ ہزار انگریز ہلاک اور ۱½ لاکھ فرانسیسی ہلاک
خرچ جنگ صوبائی	نپولین کا ۲۵ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ، انگریز کا ۸۳ کروڑ ۱۳ لاکھ پونڈ
امریکہ کی خانہ جنگی	۳۶ لاکھ - ۱۲ کروڑ ۱۱ لاکھ خرچ
جنگ فرانس و جرمنی	۳ لاکھ ۱۷ ہزار ہلاک، ۱۳ کروڑ ۶۰ لاکھ تاوان بذمہ فرانس
جنگ سکندر و پورس	۱۲ ہزار ہلاک صرف ایک دن میں
جنگ کالنگا و اشوکہ	کالنگا کے ۱۰۱ ہزار قتل اور ڈیڑھ لاکھ گرفتار
بابر و ابراہیم	۵ ہزار ہندوستانی قتل ۶ گھنٹوں میں
جنگ احمد شاہ ابدالی	۲ لاکھ مرہٹہ فوج ہلاک صرف چند گھنٹوں میں
روس و ترکی ۱۸۷۷ء	فریقین کے ہلاک ۲ لاکھ
معرکہ پلونا	ترکوں کے ہاتھ سے ۱۸ ہزار روسی قتل
۱۰ روسی جاپانی معرکے	روسی ہلاک ۲۰ ہزار، ۶۰ ہزار، ۵ لاکھ
لیو یانگ، شاہو، مکدن	جاپانی ہلاک ۱۸ ہزار، ۲۶ ہزار، ۵ لاکھ
جنگ عظیم مجموعی	۸۰ لاکھ ۳۵ ہزار ہلاک - ۱۹۵ لاکھ، ۶ ہزار زخمی۔

(ریاست)

مدارس بالغاں

تعلیم بالغاں کے مدارس کے لیے جن مدرسین کا تقرر عمل میں آیا ہے انھیں کچھ ہدایات جاری ہوئی ہیں جن میں ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ تعلیم بالغاں کی ایک غرض لوگوں کی ذہنیت میں وسعت اور تبدیلی پیدا کرنا ہے اسلیے ضروری ہے کہ انکو رامائن اور دیگر کتب جو مہیا کی گئی ہیں اور اخبارات وغیرہ پڑھ کر سنائے جائیں اس ہدایت کو پڑھ کر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ذہنیتوں کی وسعت و تبدیلی کیلیے تعلیم بالغاں کے سلسلہ میں رامائن کا پڑھنا پڑھانا کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے اور اگر اسی قسم کی کتابیں تعلیم بالغاں کے حقیقی مقصد کو پورا کرنے والی ہیں تو پھر رامائن کے ساتھ قرآن پاک کا ترجمہ، سیرت نبوی، یا اسلام کے متعلق دوسری کتابیں پڑھنے اور پڑھ کر سنانے کا کیوں نہیں انتظام کیا گیا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک طرف تو کانگریس سیاسی نقطۂ نظر پر زور دیتی ہے اور فرقہ پرستی کو بُرا بتلاتی ہے اور دوسری طرف اسکی حکومتوں کے زیر اہتمام شعبوں میں ہر معاملہ میں فرقہ پرستی کا رنگ داخل کیا جاتا ہے۔ ہم آنریبل پنڈت پنت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تعلیم بالغاں کے سلسلہ میں رامائن کی ضرورت و اہمیت پر بہت جلد کوئی بیان شائع فرمائیں، تاکہ ہم بھی سمجھ سکیں کہ رامائن کی تعلیم کے بغیر اسکیم تعلیم بالغاں کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

(مدینہ)

(بقیہ صفحہ ۸)

آسمانی مذہب دشمنانِ خدا کی وضع دشمنانِ خدا سے ممتاز ہو۔ اسکی شان اللہ کے نبیوں کی شان سے الگ ہو اسکا نشان اللہ کے نبیوں کے نشان سے الگ ہو۔ سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود۔

تیسری شرط کی سیاسی اہمیت

حضرات یہ مسئلہ محض مذہبی مسئلہ ہی نہیں بلکہ سیاسی مسئلہ بھی ہے۔ ہر نظام سلطنت میں ہر شعبہ کیلئے کوئی نہ کوئی نشان (یونیفارم) مقرر ہے ہر سلطنت کا خاص نشان (یونیفارم) دوسری سلطنت کے نشان سے جدا ہے اور جس قوم نے جب کبھی ترقی کی ہے اسکی کوشش کی ہے کہ اسکا نشان اسکا کلچر اسکا مذہب اسکی زبان دوسروں سے ممتاز رہے۔ جو قوم اپنے نشان (یونیفارم) کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری اقوام میں منجذب ہو کر فنا ہو گئی۔ مجھے اس مسئلہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں، سیاست دان طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ اس معاملہ میں کانگریسی لیڈروں کی فہم و فراست کی داد دینا چاہیے کہ انہوں نے مسلمانوں میں کانگریس کی طرف دعوت دینے اور ماس کنٹیکٹ کے کام کے لیے ایسے مبلغ تجویز کیے ہیں جن کی شکل و صورت بالکل اسلام کے مطابق ہوتی ہے اور نماز کے بھی پابند ہوتے ہیں، تو کیا مسلم لیگ کو جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اسکی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ اسکے مبلغ بھی وضع اسلامی اور نماز کے پورے پابند ہوں۔ کیونکہ مسلمانوں کا عام طبقہ سیاست کو بعد میں سمجھتا ہے، صورت کو دیکھتا ہے۔ مجھے اس مقام پر آپ سے یہ کہنا ہے کہ اسلام بھیجنے اور اسلام کے کامل و مکمل کرنے والے خدا نے اسلام کے ہادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ایک خاص نشان (یونیفارم) مقرر کیا ہے جسکی حفاظت انکے ذمہ ضروری ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب مسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔ بخاری مسلم من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا۔ ترمذی۔ نسائی۔ مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ، مونچھیں کترواؤ، جس نے مونچھیں نہ تراشیں وہ ہم میں سے نہیں۔

اس قسم کی بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مشرکین سے الگ مسلمانوں کا خاص نشان (یونیفارم) یہ مقرر کیا ہے داڑھی بڑھاؤ مونچھیں تراشو۔ اسی طرح بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں کا نشان (یونیفارم) ہمیشہ یہی رہا ہے، داڑھی بڑھاتے اور مونچھیں کم کرتے تھے۔ عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة فی لفظ عشر من سنن المرسلین۔ قرآن میں ہے یابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی۔ الآیہ (باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ مرشدآباد سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون۔ (اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق ترسیل اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۲۵ | لکھنؤ۔ ۱۰۔ ذیحجۃ الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق یکم فروری ۱۹۳۹ء | جلد ۴

سچی باتیں

پروفیسر ای، ایچ، پامر کیمبرج میں عربی زبان کے معلم تھے اور قرآن مجید کے ایک مترجم، اپنے اسی انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں

"عقیدۂ توحید، جو بنیاد ہے اسلام کی، عرب والوں کے لیے اتنا نیا اور اجنبی نہ تھا، جتنا تلخ و ناگوار تھا خصوصًا قریش کے لیے جنکے تفوق اور خوشحالی کا راز ہی یہ تھا، کہ حرم مکہ میں بتوں کے خزانہ کی کنجی بمقابلہ دوسرے قبائل کے انھیں کے ہاتھ میں رہے۔ محمد کا پیام اس لیے انھیں ایک انقلابی نعرہ، ایک نہایت درجہ آزاد پارٹی کا اعلان جنگ معلوم ہوا۔ جسے جمود پسند اہل مکہ کسی طرح نظرانداز نہیں کرسکتے تھے، اور جسکا انھوں نے پوری قوت سے مقابلہ شروع کردیا"۔ (ص ۴۹)

اسلام کا پیام، اس فرنگی فاضل کی نظر میں، مشرکین عرب کے حق میں گویا ایک نعرۂ انقلاب تھا، جس سے وقت کی قومی حکومت کا بدکنا، اور بھڑکنا بالکل قدرتی تھا۔۔۔۔ لیکن اسلام کی اس انقلاب آفرینی کو زمان و مکان کی قیود تک کیوں محدود رکھیے؟ ہمارا کلمۂ توحید تو ایک مستقل و مستمر دعوتِ انقلاب ہے، ایک مسلسل اور ابدی نعرۂ "انقلاب زندہ باد"!

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے ملک عرب کو چھوڑیے، بیسویں صدی کے مہذب و متمدن اقطاعِ عالم کو لیجیے۔ جاپان، جو ع الارض، اور سیکا زر پرستی میں مبتلا ہے، اپنے بادشاہ کو ظل اللہ (خدا کا اوتار) سمجھ رہا ہے۔ امریکہ کا مذہب ڈالر پرستی ہے۔ نازیت کی جرمنی میں، اور فسطائیت کی اٹلی میں پوجا ہو رہی ہے۔ برطانیہ اور فرانس کا منتہائے مقصود، اپنے اپنے ملک کی قومی جمہوریت، اپنے جغرافی حدود کا تحفظ ہے۔ سوشلزم کا دیوتا، جدید اور مساوی تقسیمِ دولت ہے۔ کمیونزم کا قدم، اس زرپرستی کے ساتھ ساتھ، زن پرستی کی طرف بھی بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان وطن کے دیوتا کے آگے ماتھا ٹیک رہا ہے۔ غرض ساری دنیا، مذہب شرک و جاہلیت کے انھیں قدیم اقانیم ثلثہ "زر، زمین، زن" کی پرستش میں لگی ہوئی ہے، کہ اسلام پھر انکے درمیان صدا بلند کرتا ہے، کہ اِنِ الحکم اِلّا لِلّٰہ، حکومت اور قدرت اور اختیار تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ۔ کوئی معبود، کوئی مقصود حقیقی، تو بجز اللہ کے، اور کوئی نہیں۔ اللہ اکبر۔ بڑائی تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ جتنے چھوٹے بڑے بت تم نے، تمہارے نفس نے، تمہاری محدود اور ناقص عقل نے، گڑھ رکھے ہیں، سب کے سب جھوٹے ہیں، باطل ہیں، بے اصل ہیں۔

دنیا، بڑے بڑے بینکوں کے، بڑی بڑی کمپنیوں کی، بڑے بڑے سرمایہ دار کارخانوں پر گری پڑتی ہے، اسلام کا قانون، سود کو حرام قرار دے کر ان سب کے خلاف، نعرۂ انقلاب بلند کرتا رہتا ہے۔ مہذب دنیا نے شراب کو جزو دوا و غذا بنا لیا ہے، اور سگریٹ و سگار کو ایک

کے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ اسلام کی شریعت ہر نشہ والی چیز کو حرام کہہ کر ساری مہذب دنیا کو اعلان جنگ دے رہی ہے۔ متمدن دنیا سینما اور "فلم انڈسٹری"، رقص و موسیقی پر جان دے رہی ہے، دین حق نے فواحش کے چھوٹے بڑے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا کر ایک دنیا جہان کو چیلنج دے رکھا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی گوری آبادی، اور اسکی ذہنی غلامی میں، مشرق کی بھی بڑی آبادی مساوات مرد و زن، مخلوط تمدن کی دیوانی ہو رہی ہے۔ اللہ کا قانون علیحدگی اور حجاب کا ضابطہ مقرر کرکے ساری "روشن خیال" دنیا سے دشمنی مول لے رہا ہے ——— یہ ہمہ وقتی انقلاب، ہمہ گیر و مستمر انقلاب، ساری دنیا کے خلاف، ہمہ مذاہب جاہلی کے خلاف، سال کے ہر دن، اور ہر دن کے ہر گھنٹہ، ہر سکنڈ اور ہر آن برپا کرتے رہنے والا اسلام ہے، یا وہ لینن اور مارکس کے پیادے، جنہوں نے اپنے ماں کی اشرفیوں اور جواہر کو چھوڑ کر غیروں کے کھوٹے پیسوں پر قناعت کرلی ہے؟

ماتم شوکت

مصر سے ایک ازہری طالب علم صاحب مولانا شوکت علی مرحوم کی وفات و تعزیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :—

"عرض نہیں کرسکتا کہ ریڈیو پر خبر سن کر کیا حالت ہوئی، اور کتنا رو دیا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اپنا بہت ہی قریبی عزیز چل بسا۔ شخصی ملاقات بالکل نہ تھی۔ بس جلسوں میں صرف دو ایک بار دیکھا، تقریریں سنی تھیں اور صرف اُنکی بے لوث خدمات ہی نظروں میں پھرا کرتی تھیں۔ تعزیت کس سے کرتا، خود میرا دل تعزیت کا محتاج تھا۔ بعض مصری احباب انگریزی پروپیگنڈے کی وجہ سے مولانا سے پہلے بدظن ہوگئے تھے، لیکن اب صحیح معلومات کے بعد انکے خیالات بدل چکے تھے۔ انھوں نے مجھ سے تعزیت کی۔ میں نے انکی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے۔ اور یہ کہتے اپنے کانوں سے سنا، کہ ہم نے تو کبھی دیکھا بھی نہ تھا، آخر کیا بات ہے جو خبر سن کر آنسو بے اختیار بہہ رہے ہیں"

مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا شعر شاید اسی موقع کے لیے تھا،

تم تو ہو نذر عشق، اب لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروت اہل سخن سے دور

دنیائے اسلام میں کونسا قلب ہے، جو اللہ کے نام کے اس بڑے موذن کی وفات کے صدمہ سے تڑپ نہ اٹھا ہو!

اللہ اکبر!

وہی ازہری مکتوب نگار آگے چل کر لکھتے ہیں :—

"آپ نے صدق میں بالکل سچ لکھا کہ "شوکت مجذوب کی خصوصیت یہ تھی کہ شکل دیکھتے ہی اللہ اکبر کی آواز کانوں میں گونجنے لگتی"۔ اللہ کے نام کو پکارا کرتے تھے! جیتے جی اللہ کے نام کی بڑائی، کتنی بار خود پکاری، اور دوسروں سے پکروائی، کہ خود ہی اللہ اکبر کا ایک مجسمہ بن کر رہ گئے تھے، ادھر خود وارد ہوئے نہیں کہ ادھر نعرۂ تکبیر لگنے لگے"۔ یہ لفظ بلفظ حقیقت ہے۔

مصر میں وہاں انگریزوں کی تقلید میں نعرۂ تکبیر کے بجائے تالیاں بجانے کا رواج تھا (اور اب بھی باقی ہے) شوکت صاحب جب ۱۹۳۱ء میں، مولانا محمد علیؒ کے انتقال کے بعد مصر آئے، تو ازہر بھی آئے۔ یہاں مسجد ازہر میں ہزاروں طلبا نے انکا استقبال اور تالی بجانی شروع کی۔ ایک قریب کا طالبعلم کا ہاتھ انھوں نے پکڑ لیا اور گرج کر بولے۔ "شرم کرو، کیا تمھارے پاس کوئی نعرہ نہیں جو انگریزوں کی تقلید کرتے ہو؟ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے شرماتے ہو! کہو نعرۂ تکبیر اللہ اکبر!" یہ اُنکی زبان سے نکلنے کی دیر تھی کہ سب نے یکزبان ہوکر اللہ اکبر کے نعروں سے مسجد کو ہلا دیا۔ اور طلبہ خاصے نادم ہوئے۔ یہ پہلا موقع نہیں، کہ تالی کے بجائے تکبیر مصر میں بلند ہوئی تالی کا رواج گو اب بھی موجود ہے لیکن نعرۂ تکبیر بھی بہت موقعوں پر سنائی دیتا ہے اور اسکے اولین بانی شوکت صاحب تھے، یہ قصہ اُن پرانے طلبہ نے سنایا جو برسوں سے ازہر میں ہیں، اور ازہر کی ایک ایک بات سے واقف ہیں"۔

شوکت مرحوم کی فرد عمل بالفرض دوسرے حسنات اور نمایاں خدمات دین و امت سے خالی بھی ہوتی، تو تنہا انکی یہ تبلیغ تکبیر جس نے بارہا دشمنوں کے دل ہلا دیے تھے (گو اس پر آخر میں بعض امتیوں نے مشق تمسخر شروع کر دی تھی) کیا عجب ہے کہ رحمت الٰہی کو حرکت میں لانے کے لیے اکیلی کافی ہوگئی ہو!

شیخ سنوسیؒ کے حالات

حافظ حاجی حبیب الرحمن صاحب، قصبہ چرتھاول، ضلع مظفرنگر سے تحریر فرماتے ہیں، کہ

"میں سنہ [illegible]ء میں مدینۂ طیبہ میں حضرت شیخ سنوسیؒ سے بیعت ہوا تھا، اب انتہائی شوق و اضطرار ہے کہ حضرت ممدوح کے سوانح کہاں سے دستیاب ہونگے۔ مکمل نہ سہی، جو کچھ بھی ہوں۔ نیز یہ کہ آیا حضرت شیخؒ کے کوئی خلیفہ ہندوستان میں ہیں یا نہیں؟ اگر ہوں تو اُنکا اسم گرامی اور پتہ تحریر فرمایا جائے"۔

مدیر صدق کے علم میں، شیخؒ کے ایک خلیفہ ہندوستان میں تھے، یعنی دکن کے مولوی ابو الخیر خیر اللہ مرحوم۔ سو اب انکا بھی انتقال ہوچکا ہے۔ یہ مراسلہ اسلیے درج کیا جاتا ہے، کہ اگر کسی صاحب کو اطلاع ہو، تو ازراہ کرم سائل کو براہ راست تحریر فرمادیں۔

جدید عورت، سائنس کی نظر میں

"غریب طبقوں میں تو عورت میں شہوانیت کی زیادتی تو دوسرے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے، مثلاً بڑی بستیاں، غربت و افلاس جسکے باعث اکثر مرد و عورت کو ایک ہی بستر پر لیٹنا ہوتا ہے، اور کبھی کبھی نشہ کی بے اعتدالی بھی۔ لیکن خوشحال طبقوں میں، جدید طرز کے افسانوں سے، تھیٹروں، ناچ گھروں میں جانے سے، رات کی دعوتوں (ڈائننگ پارٹیوں) میں شرکت سے، اور عموماً اس بےفکری سے، جو پُرتکلف طرز معاشرت

سے پیدا ہوتی ہے، عورت کی شہوانیت میں ہیجان قوی پیدا ہو جاتا ہے" (ص۱۲۵)

تھیٹروں، ناچ گھروں، اور جدید افسانوں کی یہ "برکتیں" کون بیان کر رہا ہے؟ کوئی مشرقی مولوی "ملا" نہیں۔ مغرب کا بھی کوئی واعظ نہیں، ایک ماہرِ فن ڈاکٹر، ہنری کیش، ایم، ڈی۔ جو پراگ یونیورسٹی (زیکوسلوواکیا) میں طبیات کا پروفیسر ہے۔ اور جس نے عورت پر مخصوص عضوی و طبی نقطۂ نظر سے مفصل کتاب "سکسول لائف آف وومین" کے عنوان سے لکھی ہے! دوسرے مقامات پر تفصیلات اس سے بڑھ بڑھ کر موجود ہیں:۔

"آج کل ہمارے "اعلیٰ" طبقہ میں جو تعلیمی نظریات چلے ہوئے ہیں، وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں، جو عورت کی صحت جسمانی و دماغی کے حق میں مفید ہوں ..... ہر روز طرح طرح کے محرکات سے اُسکے قوائے شہوانی کو بیدار کیا جاتا ہے۔ عجائب خانوں، تصویر گھروں، (پکچر گیلریز) اور تھیٹروں کی سیر، جدید افسانوں کا مطالعہ، تفریح گاہوں میں مرد و زن کا آزادانہ اختلاط، یہ سب محرکات مل کر اُن قوتوں کو کہیں زیادہ قبل از وقت بیدار کر دیتے ہیں، جنہیں قدیم طرز کی تعلیم بدستور خفتہ رکھتی تھی۔ پھر ماں کی نگرانی، نوخیز لڑکیوں سے الگ اُٹھتی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اب ماں کو سوسائٹی کے مادی بیچوں فرائض سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ گھر کے مشاغل کے لیے وقت نکال سکے۔ بچیوں کے دماغ میں، جس پر دماغی محنت کا بار پہلے ہی سے ہوتا ہے، جدید خیال یہ ٹھونس دیا جاتا ہے، کہ عشق و محبت کے باب میں مرد و عورت مساوی ہیں، اور خودداری و عزتِ نفس کا وہ بگڑا ہوا مفہوم پیدا کر دیا جاتا ہے جس سے لڑکیاں شہوانیت کے "فطری" جذبات کے مظاہرہ پر زیادہ دلیر ہو جاتی ہیں، اور شرم و حیا بالکل رخصت ہو جاتی ہے۔ اس فضا میں پل کر عصبی امراض اور ہسٹیریا کے دورے اور اور [ ] اور عصبی مرض کا نام نا پیدا ہو جانے لازمی ہیں" (ص۱۰۸، ۱۰۹)

تجدد و روشن خیالی کی رَو میں بہ جانے والے بھائی اور بہنیں، کاش یہ بھی سوچیں، کہ انکے حقیقی بہی خواہ کون ہیں، اور اُنھیں جسمانی، دماغی، اخلاقی گڑھوں میں ڈھکیلنے والے کون ہیں — مصنف کچھ زیادہ مذہبی خیال کا آدمی نہیں۔ خود لکھتا ہے کہ

"مذہبی، خیالی پلاؤ پکانے ہرگز نہ رہنا چاہیے" (ص۱۰۹)

لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھنے پر مجبور ہے کہ

"موجودہ ہوا جو دین و اخلاق دونوں کی نفی کی چل رہی ہے، اُس سے بچنا بھی لازمی ہے" (ص۱۰۹)

اور

"کتابوں کا انتخاب بڑی احتیاط سے ہونا چاہیے تاکہ تخیل میں پاکیزگی باقی رہے، اور کم سن لڑکی کی معصومیت قبل از وقت برباد ہو کر نہ رہے" (ص۱۱۵)

اتنا ہی نہیں، بلکہ

"ہم صحبت عورتوں کے باب میں بھی خوب جانچ کر لینی چاہیے کہ خود اُن کا چال چلن کیسا ہے" (ص۱۰۸)

قرآن مجید میں مومن عورتوں کی صفت، بڑی پڑھی لکھی نہیں، بڑی ہوا باز نہیں، بڑے بڑے ریکارڈ قائم کر جانے والی، بڑا بڑا ریکارڈ توڑ کر رکھ دینے والی نہیں، بلکہ "غافلات" بیان ہوئی ہے۔ بھولی بھالی، معصوم، دنیا کی چالوں سے بے خبر، آج "تجدد" اس خیال پر جتنا چاہے، ہنس لے، تالیاں بجا لے، لیکن حقائق زندگی پر نظر کرنے کی جب کبھی، جس کسی کو، توفیق ہوگی، چار و ناچار قرآن ہی کے آگے جھکنا اور سر جھکانا ہوگا!

سیرت علی برادران

"علی برادران کی زندگی کا پس منظر ہندوستان کا جدید ذہنی اور سیاسی انقلاب ہے۔ اور کوئی شخص ان کی سوانح نگاری کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اگر اس پس منظر کے خد و خال کو واضح نہ کرے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو ان محبوب ہستیوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور جو تفصیل کے ساتھ اُنکے حالات قلمبند کر سکتے ہیں۔ خود مولانا عبدالماجد صاحب سے بہتر کون اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اگر مولانا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فی الحال ویسی ہی ایک سوانحِ عمری لکھ دی جائے جیسی کہ شایع ہو چکی ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا نے بغیر سوچے یہ تجویز پیش فرما دی ہے۔ مولانا محمد علی مغفور کا جو تذکرہ شایع ہو چکا ہے وہ ایک بے معنی سی کتاب ہے اور سوانح نگاری کی ایک بہت بڑی مشق ہے۔ جس کی کسی کتبخانہ میں کوئی ممتاز حیثیت نہیں سمجھی جا سکتی اور جسکے اختصار اور [illegible] کی بے توجہی کہ ہم مولانا محمد علی مغفور کی توہین سمجھتے ہیں۔ کیا کوشش ہے اگر خود مولانا عبدالماجد صاحب کی نگرانی میں چند وہ لوگ جنہوں نے محمد علی مغفور کی صحبتوں میں کسب سعادت کیا ہے، اس کام کو بڑے پیمانہ پر شروع کریں اور ملک کے نمایاں اہل قلم کو اس کار خیر میں اپنے قلم کی قوت صرف کرنے کی دعوت دی جائے۔"

(پیام۔ حیدرآباد دکن)

علی برادران، خصوصاً بڑے بھائی کی دنیا سے کے بعد، یہ عزت و توقیر، دور دشمنان کی بے خیالی "کی وہ "متجددانہ" جلوہ آرائی ہے، کہ اس پر دل بے اختیار ان رحمتوں کو مبارکباد دینے کو چاہتا ہے۔ زہے نصیب ان مرنے والوں کے!

یہ نصیب، اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

لیکن اس مشاعرہ والی دادِ تحسین کے ساتھ ساتھ، اگر از راہِ کرم و نوازش یہ بھی ارشاد ہو گیا ہوتا، کہ "محمد علی کی صحبتوں میں کسب سعادت کیے ہوئے "نمایاں اہل قلم" جو "اس کار خیر میں اپنے قلم کی قوت صرف کرنے پر آمادہ ہونگے" آخر اس خاکدان کے کس گوشہ کس علاقہ میں آباد ہیں؟ زیادہ نہ سہی، دو ہی ایک نام شناخت ہو گئے ہوتے! —— کم از کم ایک "نمایاں اہل قلم" کا تو علم ہے جسے سیرت محمد علی کی تالیف کے وقت کا تجربہ، قوت صرف

کرنے کی دعوت پر دعوت دی جاتی رہی، لیکن تیجر میں چونکہ نہ لگنی تھی کسی طرح نہ لگی!! اس تیجرہ کے بعد

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا!

انکا صندو کی یہ صورت بعین بعین روایات تجرد کے مطابق ہے، کہ دوران تالیف میں مسلسل گزارشوں کے باوجود ایک باب، ایک صفحہ، ایک سطر سے بھی شرکت نہ کی جائے، اور جب ایک نوشق مخلص محض اپنے فرط عقیدت سے باہم مشکلات و انبوہ موانع کے باوجود، ایک اچھی خاصی کتاب تیار کر دے تو اس پر تبرے بھیجنے کے لیے قلم کی گرمی ہولی روانی از سر نو عود کر آئے!

نہ اِدھر نہ خود ہو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی!

عملیات سے ہلاکت

ضلع جبلپور کی ایک ڈاک سے حسرت انگیز اطلاع ہے کہ ایک مسلمان بڑھئی نے اپنے بارہ برس کے لڑکے کو محض اس بنا پر قتل کر دیا! پولیس کے سامنے ملزم کا بیان حسب ذیل ہوا ہے:

"میں نے چلہ کشی کا ارادہ کیا تھا، اور چالیس روز تک وظیفہ پڑھتا تھا۔ میرا یہ تیسواں روز تھا کہ میں وظیفہ پڑھتا تھا کہ کسی غیر او نامعلوم قوت نے میرے دل میں یہ خیال ڈالنا شروع کر دیا کہ میں اپنے چلہ کی کامیابی کے لیے اپنی کسی عزیز شے کو قربان کر دوں۔ اور اگر میں چاہتا ہوں کہ خدا خوش ہو اور مجھے کامیابی ہو تو میں خدا کی راہ میں اپنی سب سے قیمتی متاع کو قربان کر دوں۔ اس خیال کا میرے دل میں گہرا اثر جمتا گیا، یہاں تک کہ میرے دل و دماغ پر کامل طور پر اس شے نے اپنا اثر جما لیا۔ آخر کار میں اس مافوق الفطرت کے اثر سے اس قدر مغلوب ہوا کہ میں نے اپنے لڑکے کا گلا پکڑا اور اسے کاٹنا شروع کیا اور وہاں تک اسے کاٹتا رہا جب تک کہ اسکی موجودہ صورت نہ ہو گئی"

اصل واقعہ وہاں تو جو کچھ بھی گزرا ہو، اسے چھوڑیے۔ کہنا یہ ہے کہ صحیح مذہبی تعلیم اور دینی تربیت نہ ہونے سے خود مسلمانوں کے اندر کتنی زہر گراہیاں پھیل چکی ہیں، اور وہ سب مشرکانہ رسوم و بدعات کی طرح، اس قسم کے عملیات کے چکر میں پڑ کر مسلمان اپنی دنیا اور عقبیٰ دونوں کو کس درجہ تباہ کر چکے ہیں! —— عاملوں کو جنتر منتر کرنے والوں کو ٹھنے ٹوٹکے کرنے والوں کو "صوفیہ" و "مشائخ" قرار دے لیا ہے، اور اس سے بڑھ کر تصوف و طریقت پر اور کیا ظلم ہوگا!

شعاع موت

لندن۔ بذریعہ ڈاک۔ ایک مشہور انگریز مسٹر آرتھر کاکس ہیڈ نے موت کی شعاع ایجاد کی ہے عنقریب اسکے متعلق ماہرین کو تجربے دکھائے جائیں گے۔ وہاں خاردار تار لگا دیے گئے ہیں۔ موجد کا جو آٹھ سال سے اس شعاع کے ایجاد کرنے میں مصروف تھے بیان ہے کہ اس سے جنگ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائیگا اس شعاع سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ تک جسوقت وہ چاہیگا مینہ برسا لیا کریگا۔ ایک دفعہ اس شعاع کی مدد سے وہ ایک خوفناک طوفان لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ موجد کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس سے جہازوں کے تختے اتنے گرم ہو جائیں گے کہ کوئی جاندار ان میں زندہ نہ رہ سکے گا۔ بلکہ آس پاس کا پانی بھی کھولنے لگے گا۔ اور اگر جہاز میں بارود وغیرہ ہو تو وہ پھٹ جائیگا۔ اگر اسکے دائرۂ اثر میں کوئی ہوائی جہاز آ گیا تو وہ جل کر راکھ ہو جائیگا۔ موجد نے ایک ملاقات کے دوران میں کہا کہ میں بنی نوع انسان کو تباہ کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے یقین ہے کہ اب جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ میں جس وقت چاہوں اس شعاع سے مینہ برسا سکوں گا۔ خوفناک طوفان پیدا کر سکوں گا اور اس سے کسی ملک میں اتنا بھاری سیلاب آ سکے گا کہ وہ غرق ہو جائیگا"

مشرق غریب کن کن چیزوں میں "دانایان فرنگ" کا مقابلہ کریگا؟ لے دے کے اسے اپنی تاریخ میں نادر و تیمور اور پھر چنگیز و ہلاکو کے نام یاد پڑتے ہیں، جب سفاکی اور قتل و غارت کا ذکر آتا ہے، وہ بس یہی چند نام دوہرا دیتا ہے۔ لیکن ان میں سے بھلا کسی کا "قتل عام" کسی کی جہانسوزی تک بھاگ کبھی پہونچتی ہے، یہی ہلاکت باری، اس مرگ آفرینی کے؟

(بقیہ صفحہ ۶)

اس نے نظر پیش کیا ہے جن کریبانوں کو چاک مزدکی منطق کی سوزن نہیں ہوتا رفو
ہاں البتہ میری قیادت وسیادت کو اگر ڈر ہے تو ایک دوسری امت سے ہے جسکی
خاکستر میں ہے ابتک شرار آرزو۔ خود مشیت بانے یہ بھی اگر مجھے مٹا دینے کی قوت کسی
قوم میں ہے، جنکی مٹا جاتیں پچھلی رات میں ابتک ناغہ نہیں ہوتیں! میری اصلی
دشمن ہے تو یہی محمدؐ کی امت ہے

خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں کہ کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے۔
میں پناہ مانگتا ہوں تو اسی پیغمبر کے ترسے، جسکا ہر نشانہ میرے لیے پیام موت کا
حقیقۃً انقلاب آفریں اسی کا لایا ہوا دین اور اسی کا پھیلایا ہوا آئین ہے
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر حافظِ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
کہتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں۔
اس سے بچنے کا اب یہی صرف یہی ہے کہ خود مسلمان کو خواب غفلت میں مست رکھو، اور کبھی
بازو دین کو ابن لمحہ جنے دو

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھا رہے | یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
ہے وہی شعر و تصوف اسکے حق میں خوب تر | جو چھپا دے اسکی آنکھوں سے تماشائے حیات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے | تا بساط زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات
ہو نطس ارنا ہوں جس سے کی ہدایت ہیں | ہے حقیقت جسکے دین کی احتساب کائنات!

اگر پندے زدرویشے پذیری — ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے بگیری

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ تاریخ میں ہم سب پڑھ چکے ہیں۔ اقبال کی نکتہ رس نگاہ اس سے اس واقعہ کی طرف توجہ دلاتی ہے، کہ ابن خطاب کا دل جو اُس وقت تک عداوتِ اسلام میں پتھر تھا، اگر پسیجا، تو ایک عورت (اپنی بہن) ہی کی قرأتِ قرآن سے! اس لیے "بہن بیٹی" تو پھر آج قرأت قرآن میں مشغول ہو، اور دنیا کو قرآن کی طرف بُلا!

زشامِ ما بروں آور سحر را — بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو — دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را!

اقبالؒ کی فارسی اور اُردو میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ اصل شے کلامِ اقبال سے انوس ہونا ہے، بعد پہلا م اقبال کو سمجھ لینا ہے، اس میں جتنی دیر بھی لگ جائے؛ لیکن بس اس مرحلہ سے گزر چکنے کے بعد پھر کوئی خاص دشواری اُنکے کسی کلام کے سمجھنے میں نہیں رہ جاتی، اور بغیر اسکے اُن کا ہر کلام دشوار ہے۔ تاہم اس میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے، کہ عام ناظرین کے لیے اُردو، فارسی سے زیادہ قریب الفہم ہے۔ اور یہ حصہ اُردو، جہاں تک بلندیٔ فکر کا تعلق ہے، حصہ فارسی سے ذرا بھی کم نہیں ہے۔ اس لیے جو لوگ فارسی کے نام سے ڈرتے رہے ہیں، وہ بھی کم ازکم اس حصہ سے تو پورے لطف اندوز اور اس لیے کتاب کے خاصے حصہ سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

ایک دوزخی مناجات کر رہا ہے، اور اس حال میں یہ کہہ رہا ہے، کہ یہاں کا عذاب اور جو کچھ بھی سہی، لیکن یہ خطہ، کم ازکم فرنگی تاجر کی غلامی کے عذاب سے تو آزاد ہے ؎

یہ علم یہ حکمت یہ سیاست یہ تجارت — جو کچھ ہے وہ ہے فکرِ ملوکانہ کی ایجاد
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطۂ پُرسوز — سوداگرِ یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

اس انتہائی تعریض پر ایک شعر اکبر الہ آبادیؒ کا بھی یاد پڑ گیا۔ دورِ حاضر کے سامعین کے آگے قدرتِ باری و عظمتِ الٰہی کا بیان کر رہے ہیں، اور جب کوئی موثر عنوان سمجھ میں نہیں آتا، تو کہتے ہیں "صاحبو! بس یہ سمجھ لو کہ اللہ میاں کو کلکٹر کے اختیارات حاصل ہیں"!

اُسکی عظمت کا کروں آپ سے کس طرح بیاں — میں تو اللہ تعالےٰ کو کلکٹر سمجھا!

ص۱۵۱ پر ایک رباعی کا پہلا شعر ہے ؎

غریبی میں ہوں محسودِ امیری — کہ غیرت مند ہے میری فقیری

ص۱۵۲ پر اس متن کی شرح بھی اقبال کی ذاتی زندگی سے موجود ہے۔ وفات سے کچھ ہی روز قبل ——— کون جان سکتا تھا کہ وقت موعود اتنا قریب آ لگا ہے ——— معتقدوں اور قدردانوں نے "یوم اقبال" دھوم دھام سے منایا تھا۔ صدرِ اعظم دکن کے دستخط سے ایک ہزار کا چک دعوت کے نام سے وصول ہوا۔ شاعر نے جو قطعہ لکھ کر بھیجا، اسکے دو شعر آخری ملاحظہ ہوں ؎

میں تو اس بارِ امانت کو اُٹھاتا سرِ دوش — کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اسکو قبول — جب کہا اُسنے یہ ہے میری خدائی کی زکات

بہترین اور موثر ترین نظم اس حصہ میں کیا معنی، ساری کتاب میں وہ ہے جو ابلیس کی مجلس شوریٰ کے عنوان سے ص۲۱۳ سے ص۲۲۵ تک آئی ہے، اور جسکے اندر اقبال کی ساری تعلیم کا مغز یا لُبِ لباب آ گیا ہے۔ ابلیس اپنی مجلس شوریٰ میں کہتا ہے کہ

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

غضب ہے کہ میری اسی آباد کی ہوئی دنیا کو ——— ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون کو ——— آج کار سازِ عالم برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے، دیکھوں تو کون ایسا کر سکتا ہے؟

پہلا مشیر کہتا ہے کہ تو بہ کیجیے، بھلا کس کی مجال ہے کہ ہمارے نظام کو درہم برہم کر سکے۔ ہم نے ہر طرح تمام انتظامات مکمل کر رکھے ہیں ؎

یہ ہماری سعیٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و مُلا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
ہے طوافِ و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

دوسرا مشیر، پہلے کو دخل در معقولات دے کر، بول اُٹھتا ہے، کہ تجھے شاید جمہوریت و عمومیت کے جدید ہنگامہ کی خبر نہیں! وہ کڑک کر جواب دیتا ہے کہ خبر کیوں نہ ہوتی! اور خبر کیسی، یہ تو خود ہمارا ہی پھیلایا ہوا جال ہے، کچھ نام اور اصطلاحیں نئی کر دی ہیں، اور اصل حقیقت پہلے سے بھی زیادہ گہری کر دی ہے!

میں نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اب تیسرا مشیر گویا ہوتا ہے کہ خیر، اور تو سب ٹھیک ہے، لیکن مارکس یہودی نے جو سوشلزم اور مساوات کا شرارہ چھوڑ رکھا ہے، آخر اسکا توڑ ہمارے پاس کیا ہے؟

وہ کلیمِ بے تجلی، وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

چوتھا بولتا ہے، کہ واہ یہ کون سی مشکل بات ہے؟ سوشلزم کے جوڑ پر ہم نے روما میں فاشزم نہیں کھڑی کر رکھی ہے؟

پانچواں مشیر لرزتا اور ڈرتا ہوا اپنے سردار کو مخاطب کر کے کہتا ہے "آپ ذرا جلد خبر لیجیے، ورنہ اس کمبخت یہودی نے تو انقلابِ عظیم برپا کر دیا ہے، اور قائم کردہ نظام ملوکیت و سرمایہ داری سب پاش پاش ہو جانے کو ہے ؎

گرچہ ہیں تیرے مُرید افرنگ کے ساحر تمام — اب مجھے اُنکی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر، وہ روحِ مزدکؔ کا بُروز — ہر قبا ہونے کو ہے اُسکے جنوں سے تار تار
زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ — کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے — جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار۔

آخری تقریر خود ابلیس کی ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے، تم میرے اثر و اقتدار کو سمجھے کیا ہو، ان بیہودہ اشتراکیوں سے بھلا میں کیا ڈرونگا۔ انکی کیا مجال جو میرے نظامِ تہذیب کو ذرا بھی دھکا پہونچا سکیں،

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتے ہیں اسے — توڑ کر دیکھیں تو اس تہذیب کے جام و سبو

(بقیہ آئندہ نمبر میں)

"ارمغانِ حجاز"

(از عبدالماجد)

اقبالؔ کی موت، ایک شخصی و انفرادی حادثہ نہیں، امتِ اسلامیہ کے حق میں ایک صدمۂ عظیم تھی۔ حکمت کا ملہ نے عین اُس وقت انھیں اُٹھا لیا جب ہم ظاہر بینوں کی محدود نگاہیں اُن کی ضرورت سب سے زیادہ محسوس کر رہی تھیں۔ اور اب دل کی کلیاں مرجھا چلی تھیں، کہ قافلۂ امت کا بانگِ درا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ لیکن غنیمت ہے کہ زبان آہنگ بند ہوتے ہوتے بھی کچھ نئے نغمے سنا گئی۔ اور یہ انھیں آخری نغموں کا مجموعہ ہے، جو ارمغانِ حجاز کے نام سے، خوشنما کاغذ و طبع و کتابت اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ، گویا حسنِ معنوی کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی سے بھی پوری طرح آراستہ ابھی نکلا ہے، اور شیخ محمد اشرف صاحب تاجرِ کتب، کشمیری بازار، لاہور سے مل سکتا ہے۔

ضخامت ۲۸۰ صفحات کی ہے۔ اس میں سے ۲۱۰ صفحے فارسی کی نذر ہیں۔ باقی ۷۰ صفحوں میں منظومات اردو ہیں۔ کلام کا اصلی لطف تو پوری کتاب کے پڑھنے ہی سے آئیگا، باقی چند مقامات کی سیر اس سرسری تبصرہ کے ذریعہ سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اقبالؔ نے شکوہ، جوانی کے زمانہ میں لکھا تھا۔ شکوہ کس کا کس سے تھا؟ بندہ کا مالک سے، عبد کا معبود سے، غلام کا آقا سے تھا۔ بندہ کو اپنی بندگی کا احساس پورا پورا ہے، لیکن ساتھ ہی اپنے مولیٰ و آقا کی شفقت پر اعتماد بھی ہے۔ جس سے جتنا ڈرتا ہے، اُس سے زیادہ اُس سے ناز بھی کرتا رہتا ہے اور مقام ناز پر آکر، معلوم ہے کہ بندہ کتنا شوخ گفتار ہو جاتا ہے۔ ارمغانِ حجاز جوانی کے بعد کا کلام ہے۔ لیکن اسی شکوہ والی شوخ گفتاری کا انداز جا بجا اس میں بھی موجود ہے، اور چونکہ پختہ کاری کے ساتھ ساتھ سوز دروں بھی اب بہت بڑھ گیا ہے، اس لیے قدرۃً طنز میں شدت اور تعریض میں حدت بھی اب ترقی پر ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ روئے زمین کے چپہ چپہ پر اغیار پھیلتے جا رہے ہیں، اور مسلمان ہیں کہ وسعتِ ارض ان پر روز بروز سکڑتی اور تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ایک صاف اور سادہ حقیقت ہوئی۔ شوخ گفتار شاعر اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر اپنے توسنِ طنز سے تیز چلاتا ہے، اور کہتا ہے، کہ کیوں نہ ہو، زمین تو بخشش سوداگروں اور دکانداروں پر کیوں نہ ہو، اور اپنے پیدا کیے ہوئے جہاں سے اپنے ہی کیوں نہ محروم رکھے جائیں، لامکان والے کو دنیا زادوں کے مکان کی قدر ہی کیا ہو سکتی ہے!

چہ حاجت طول دادن داستاں را   بحرفے گویم اسرار نہاں را
جہانِ خویش را سوداگراں داد   چہ داند لامکاں قدرِ مکاں را

شوخی کا ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور بندہ جلے ہوئے دل سے یوں گویا ہوتا ہے، کہ فرنگی کو دیکھو، کس طرح دورِ حاضر کا رزاق بن گیا ہے، شیطان کی کس کس طرح رزاقی کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) خود رزاقِ حقیقی کو حیرت ہو ہو کر رہ جاتی ہے!

فرنگ آئینِ رزاقی بداند   بایں بخشد ازو وا می ستاند
بشیطاں آنچناں روزی رساند   کہ یزداں اندراں حیراں بماند!

اہلِ سکر و جذب کو عالمِ بیخودی میں ایسی گستاخ گوئی ہمیشہ سے معاف رہی ہے۔ عارفِ روم کی زبان میں

ہیچ آدابے و ترتیبے مجو   ہرچہ میخواہد دلِ تنگت بگو
کفرِ تو دین ست و دینت نورِ جاں   ایمنی و ز تو جہانے در اماں
اے معاف یفعل اللہ ما یشا   بے محابا رو زباں را برگشا

(مثنوی، دفتر ۲)

لیکن یہ رنگ کہیں کہیں ہے، ورنہ اصل تعلیم تو یہی ہے کہ

بجز دل بند در راہِ مصطفےٰ زد

ادب شناسوں کی طرح اپنے مقامِ عبدیت کو پہچان کر ہدایت اسی کی کرتے ہیں، کہ دل اللہ سے لگائے، قدم راہِ مصطفوی پر اُٹھاتے رہو۔ بس اسکے سوا نہ کوئی اور راہ ہے اور نہ کوئی دوسرا نظریہ اور فلسفہ ؎

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو   دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر   بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو

خودداری و خوداعتمادی کا جو سبق بندۂ مومن کو اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی کے وقت سے دیتے چلے آرہے ہیں، اُسی کی تکرار ارمغانِ حجاز میں بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ ترقی، بلکہ زندگی و بقا بھی اگر منظور ہے، تو غیروں کی تقلید حرام سمجھو، دوسروں کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو، اپنی جگہ پر قائم رہو۔ اور یہ نہیں، تو موت و فنا یقینی ہوئی ؎

مسلماں از خودی مردِ تمام است   بفاکش تا خودی میرد غلام است
اگر خود را متاعِ خویش دانی   نگہ را جز بخود بستن حرام است

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند   بہر دریا چو گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر   بجانِ تو کہ مرگِ خود خریدند

مسلمان رہ کر جینا چاہتے ہو تو وہی راہِ مصطفوی کھلی ہوئی ہے، کافر ہو کر مرنا منظور ہے تو انکی راہ دین سے علیحدگی ہے ؎

دگر شو دم میر دہ وار از دستِ تقدیر   مشو نومید و راہِ مصطفےٰ گیر
اگر باور نداری آنچہ گفتم   ز دیں بگریز و مرگِ کافری میر!

خلافت کی یہ حقیقت اگر ترکوں کی سمجھ میں آگئی ہوتی، تو آج انکی تاریخ کا دامن الغائے خلافت کے داغ سے سیاہ نہ ہوتا ؎

خلافت بر مقامِ ما گواہی ست   حرام است آنچہ بر ما پادشاہی ست
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ   خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی ست

"دخترانِ ملت" کے نام پیام ہے، کئی صفحوں میں مفصل۔ کہیں کہتے ہیں، کہ اے بیٹی! مسلمان ہو کر، کافر عورتوں کی طرح غازہ اور پوڈر کی زندگی تیری شایانِ شان نہیں، تیرے پاس تو شمشیرِ نگاہ ہونی چاہیے، وہ شمشیر جو حیا و عفت کے پانی میں بجھی ہوئی ہو۔ اور کہیں اس نکتہ کو کھولتے ہیں، کہ قوم و ملت کی زندگی کا راز اچھی ماؤں کے وجود سے وابستہ ہے، اور بہترین مکتب و درسگاہ مادری ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے بڑھ کر کہتے ہیں، کہ اے بیٹی، عہدِ حاضر کی بے حجابی سے بچکر سیدہ فاطمہؓ کا طریقہ اختیار کر، اور کسی حسینؓ کی پرورش کر ؎

حکیم الامت کا خطاب مسلم لیگ سے

(بسلسلۂ صدق ۱۵ جنوری)

اور اس میں تو کسی مسلمان کو بھی ثبوت شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر داڑھی تھی۔ حضور کی ریش مبارک کے متبرک بال آج بھی تبرکات نبویہ میں بعض جگہ موجود ہیں۔ پس ایک مسلمان کو فطرت اور عقل کے اعتبار سے لازم ہونا چاہیے کہ وہ جہاں تک اپنے محبوب جیسی رنگ ڈھنگ اختیار کرے، بال، فیشن وغیرہ بنانے اور اپنے آقا اور محبوب کے دشمنوں کے فیشن اور وضع سے پرہیز کرے۔ عقل و فطرت کا ہمیشہ یہی تقاضا رہا ہے۔ یاد رکھیے ظاہری اتحاد کا باطنی اتحاد پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ جو قوم ظاہر میں یکرنگی نہیں رکھتی وہ باطن میں بھی متحد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو وضع اسلامی کی پابندی نہایت ضروری ہے۔

حضرات! میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو نماز کا خیال ہے۔ روزہ کی پابندی کی ترغیب پر آپ لبیک کہتے ہیں، اور اس بارے میں آپ اُن کانگریسی مسلمانوں سے بدرجہا افضل ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن اور نماز روزہ سے آزادی نہیں مل سکتی مذہب صرف رسم پرستی کا نام ہے، اس سے زیادہ اسکی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک کانگریسی کا دھرم صرف کانگریس ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کے یہ خیالات ہیں وہ اپنے نام بدل کر ہندوانی نام بھی اختیار کرلیں تو مسلمانوں کو دھوکہ سے نجات ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی جماعت ایسے خیالات سے پاک ہے، وہ اللہ اور رسول اور اسلام کی نام لیوا ہے، مذہب کو کسی قیمت پر فروخت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اس کا مقصد اسلام کی حفاظت اور اللہ کا بول بالا کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس طرح آپ کو نماز روزہ کی ترغیب ناگوار نہیں ہوتی، اسی طرح وضع اسلامی کی پابندی کے سلسلے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی آپ کو ناگوار نہ ہوگا۔ اور آپ ٹھنڈے دل سے خود غور کرینگے کہ اللہ کے لشکر کی صورت اور وضع و شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہونی چاہیے یا انگریزوں اور ہندوؤں جیسی۔ آپ کانگریس کی اُن تمام باتوں کا مقابلہ کرتے ہیں جن سے مذہب اسلام پر حرف آتا ہو، برائے خدا اُس شکل و وضع کو بھی چھوڑ دیجیے جس سے ایک اسلامی کی خود آپ کے ہاتھوں بے حرمتی ہو رہی ہے۔

چوتھی شرط اللہ کے لشکر کے لیے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سب کے سب نماز کے پابند ہوں۔ حضرات! جنگ آئینی ہو یا غیر آئینی، مسلمان کو بجز خدا کے کسی کی امداد کی ضرورت نہیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کا ہر فرد اللہ کے لشکر کا سچا سپاہی بنا رہا مسلمان ہمیشہ غالب رہے کیونکہ خدا کی مدد اُنکے ساتھ تھی اور جس کے ساتھ خدا ہو اُسکو کسی کی ضرورت نہیں اور امداد الٰہی کی شرط احکام الٰہی کا اتباع ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے مصر و اسکندریہ کی فتح کے لیے حضرت عمرو بن العاص کو امیر لشکر بنا کر بھیجا، تو جس طرف یہ خدائی لشکر رخ کرتا فتح و نصرت اسکے قدموں پر گرتی تھی۔ مگر اسکندریہ کی فتح میں معمول سے کچھ زیادہ دیر ہوگئی یعنی تین مہینے تک مسلمانوں کو اسکا محاصرہ کرنا پڑا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ تاخیر بار خاطر ہوئی اور آپ نے حضرت عمرو بن العاص کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ مجھے حیرت ہے کہ آپ کو فتح اسکندریہ میں اتنی دیر کیوں لگی۔ آپ تو ہمیشہ سے جہاد میں رہتے ہیں اور ہر کام میں تجربہ کار ہیں۔ پھر اس تاخیر کی وجہ سوا اسکے کچھ نہیں کہ تمہاری نیت میں تغیر آگیا ہے اور تم دنیا سے اسی طرح محبت کرنے لگے جیسے تمہارے مخالف اس میں مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ خلوص کے بغیر فتح نہیں دیتا۔ پس جس وقت میرا خط پہونچے تو لوگوں کو جمع کرکے جہاد کی ترغیب دیجیے اور مسلمانوں کو سمجھا دیجیے کہ ہر مسلمان اپنی حرکت و سکون میں صرف رب الارباب کی خوشنودی اور کلمۂ حق کی تبلیغ کا قصد کرے۔ حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ والانامہ پہونچا تو آپ نے لشکر کو جمع کرکے خلیفۃ المسلمین کا خط پڑھ کر سنایا اور سب کو حکم دیا کہ غسل و طہارت کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کریں۔ سارے لشکر نے اس حکم کی تعمیل کی اور نماز و دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر ایک ہی حملہ کیا تو میدان انکے ہاتھ تھا اور دشمن کی وہ زبردست طاقت جس نے تین مہینے کی مدافعت سے شہر کا داخلہ ناممکن کردیا تھا چشم زدن میں ایسی درہم برہم تھی کہ اسکا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسکو عام مورخین نے لکھا ہے اور علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں تفصیل سے اسکو بیان کیا ہے۔ اس میں ہمارے لیے درس عبرت ہے کہ مسلمانوں کی ناکامی کا اصلی سبب حب دنیا اور قلت تعلق اللہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، نہ لشکر کو کوئی کمک نہیں پہونچی تھی نہ ظاہری اسباب میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ بس حق تعالیٰ کی طرف سے جو ایک گونہ توجہ کم ہوگئی تھی وہ اُسوقت کی نماز اور دعا اور امیر المومنین کے خط سے پوری ہوگئی۔ کثیر کے سبب اور کچھ وجہ نہ تھی۔

حضرات! مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ دنیاوی اسباب اور ساز و سامان میں دوسروں سے ہر زمانہ میں کم رہے مگر تاریخ شاہد ہے کہ باوجود قلت کے وہ ہمیشہ اکثریت پر بھاری رہے ہیں اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اللہ کی مدد اُنکے ساتھ تھی۔ خدا اُنکا تھا وہ خدا کے تھے۔ اسی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اللہ مولانا : لا مولےٰ لکم۔

حضرات میں آپ کو ترکی یا مصری یا افغانی و ایرانی اسلام کی طرف نہیں بلا رہا ہوں، اس لیے کسی کو ان ممالک کے نظائر پیش کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں تو اُس ترقی کی طرف آپ کو بلا رہا ہوں جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو نصیب تھی۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اور اس کے لیے ترک دنیا کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ مسلمان دنیا کا غلام نہ ہو۔

اللہ کا غلام ہو۔ جب مسلمان اللہ کا غلام ہو جاتا ہے تو دنیا کی سب طاقتیں اسکی غلام ہو جاتی ہیں۔ حضرات صحابہ تارکِ دنیا نہ تھے۔ وہ دنیا کے خزائن کے مالک اور سب سے زیادہ مدبر اور سیاست داں تھے۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ کے بھی ماہر تھے۔ مگر وہ اللہ کے غلام اور اسی کے عاشق تھے۔ دنیا کے غلام اور عاشق نہ تھے۔ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار۔

آپ اس راستہ پر چل کر دیکھیں تو۔ انشاء اللہ آپ ہی غالب اور منصور و کامیاب ہونگے۔ کیونکہ یہ وہ حربہ ہے جسکا توڑ مخالف کے پاس نہیں۔ وہ آپ کے حربہ کو توڑ سکتا ہے مگر اسکا اسکے پاس کچھ جواب نہیں کہ اطاعت خداوندی کے بعد خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو گی اور اسکے ساتھ نہ ہوگی۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا دین جامع اور مکمل ہے۔ اس میں سیاست، اور عبادت اور معاملات سب داخل ہیں۔ جہاں آپ معاملات میں اقتصادی و تجارتی و صنعتی ترقی کی طرف توجہ فرماتے ہیں، سیاسی مسائل میں تجاویز منظور فرماتے ہیں، نہاں صرف تجاویز میں نہیں بلکہ عمل میں عبادت کا بھی لحاظ فرمایئے، اور اسی کے ساتھ ایک ایسی مجلس شوریٰ کو مسلم لیگ میں شامل فرمایئے جو خالص دینی مسائل میں آپ کو مشورہ دے۔ سیاسی و اقتصادی مسائل میں وہ اور اس کا حلقۂ اثر جو بہت وسیع ہے آپ کی منظور شدہ تجاویز پر دل و جان سے عمل کریگا آپ اور آپ کا حلقۂ اثر خالص مذہبی امور میں اس کے مشوروں پر عمل کریگا۔

اس طرح قدیم و جدید تعلیم یافتہ انگریزی داں اور عربی داں اور ان دونوں کے متبعین، سب ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہیں گے اور تنظیم کی حقیقی روح ترقی کرتی جائیگی۔

حضرات! یہ ظاہر ہے کہ آپ کو تمام مسلمانوں کی تنظیم کرنی ہے اور بہت زیادہ مسلمان وہ ہیں جن پر اب بھی علماء کا اثر زیادہ ہے۔ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ علماء کی مجلس شوریٰ آپ کے دوش بدوش کام کر رہی ہے آپ کے نظام کے اندر داخل ہے، آپ کے اجتماعات میں شامل ہو رہی ہے وہ آپ کی تجاویز پر عمل پیرا ہیں اور آپ اسکے مذہبی مشوروں پر عامل ہیں تو اس سے عوام و خواص میں وہ عدیم النظیر اتحاد پیدا ہوگا جسکی مثال ہندوستان میں صدیوں سے ناپید ہے اور مسلم لیگ ایک ایسی طاقت و تنظیم حاصل کریگی جو ہم میں سے ہر مسلمان کا دلی مقصد ہے۔ اسکے ساتھ مجھے امید ہے کہ آپ عمل کے درجہ میں مندرجہ ذیل امور کا بھی خاص لحاظ فرمائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ جس قدر جلد خواص ان امور پر عمل کریں گے اسی قدر جلد عوام میں اس تحریک کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوگی۔

۱۔ ہر مسلمان ممبر خود بھی نماز پڑھے اور دوسروں کو بھی نمازی بنانا اپنے ذمے ضروری سمجھے۔

۲۔ ہر مسلمان ممبر کلمۂ اسلام کو با معنی یاد کرے اور دوسروں کو یاد کروائے۔

۳۔ جماعت کی پابندی کی جائے تاکہ مساجد بھی آباد ہوں اور مسلم لیگ کو عامۃ المسلمین سے ارتباط ہو۔

۴۔ جن مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض ہے انکو ادائے زکوٰۃ کی ترغیب دی جائے جس سے غرباء کو لیگ کے ساتھ ہمدردی بھی ہوگی اور انکا افلاس بھی کم ہوگا۔

۵۔ رمضان کے روزوں کی پابندی کی جائے اور جو لوگ روزے نہیں رکھتے ان سے روزے رکھوانے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ جن پر حج فرض ہے انکو ترغیب دے کر حج کے لیے بھیجا جائے۔

۷۔ ہر مسلمان ممبر اپنی وضع شریعت کے موافق بنائے کفار کی وضع سے احتراز کرنا اور دوسروں کو اس سے باز رکھنا اپنا فریضہ سمجھے۔

اگر لیگ نے ان معروضات پر توجہ کی اور انکو اپنے مقاصد میں داخل کیا اور کسی سب کمیٹی کے حوالہ کر کے معاملہ کو التوا میں نہ ڈالا جیسا کہ آجکل کی سیاست کا اصول ہے بلکہ جلد از جلد اس پر عمل شروع کر دیا تو آپ خود کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ لیگ کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اور اسکو دن دونی اور رات چوگنی ترقی حاصل ہوگی۔

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
(باقی آئندہ)

ڈرامہ اور مدرسہ

ان دنوں ہماری سماجی تفریحی زندگی میں تھیٹروں کی جگہ سنیماؤں نے لے لی ہے اور مدرسے آہستہ آہستہ تفریحات کا اتنا غلو ہو گیا ہے کہ تدریجاً تھیٹروں کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں! کوئی مردانی یا زنانی درسگاہ اب ایسی نہیں رہی ہے کہ جہاں سال میں دو تین مرتبہ کوئی تقریب نہ منعقد کی جاتی ہو اور اسکی تفریحات میں کوئی نہ کوئی ڈرامہ نہ شامل رہتا ہو!

یہ ڈرامہ کیا ہوتا ہے؟ زیادہ تر جذبات کی نقالی پُر اثر الفاظ اور حرکات و سکنات کے لباس میں۔ اور اس کا موضوع؟ زیادہ تر عشق و محبت یا ہوس رانی۔ ڈراموں کے موضوعات میں عشق و محبت اس طرح داخل ہے کہ اسکو علیحدہ کرنے کے بعد کوئی ڈرامہ ڈرامہ نہیں رہتا۔ لڑکوں اور لڑکیوں سے ڈرامہ کروانے کا نفسیاتی مطلب اسکے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ان میں قبل از وقت (نابالغی میں) اسکے ذریعہ جنسی خواہشات پیدا کی جائیں اور انھیں اظہار مطلب کی شستہ زبان سکھا دی جائے! حالانکہ اسی سے بچانے کے لیے اس دنیا کی مختلف اقوام کے مصلحوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کو سینما اور تھیٹر کا دیکھنا ممنوع قرار دیا ہے۔

چونکہ ڈراموں کے ذریعہ لڑکوں اور لڑکیوں کے صنفی خواہشات قبل از وقت اکسا کرتے اور انکی تعلیم اور انکی صالح اور تندرست زندگی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ ہم جو ملک میں ایک صالح اور تنومند قوم دیکھنا چاہتے ہیں اسکے مخالف ہیں کہ ڈراموں کی مشق کسی زنانہ یا مردانہ مدرسہ کی پیداوار ہی کیوں نہ ہو۔

(منزہ دکن)

نصابِ تعلیمِ نسواں

(از واسع النساء بیگم صاحبہ، حیدرآباد دکن)

.... آج کل ہمارے ملک میں ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں کی جو ناقدری ہو رہی ہے اور وہ معیشت کے میدان میں جس قدر ہراساں اور پریشان نظر آ رہے ہیں وہ سب پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ تعلیم نے ملک کو ایک یاس انگیز اقتصادی اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان حالات و واقعات کے پیش نظر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ نصاب تعلیم سے ہمارے طبقہ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ خود اس طبقہ کے لیے غیر مفید ثابت ہو رہا ہے جسکے لیے وہ مدون کیا گیا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ان ہر دو اصناف میں ایک زبردست فرق موجود ہے جو فطری ہے اور انکا مقابلہ کسی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انگلستان کا ایک ماہر تعلیم اپنی کتاب "انسان ایک معمہ ہے" (Man the unknown) میں ایک جگہ یوں رقمطراز ہے۔

"عورت اور مرد ایک جداگانہ مخلوق ہے۔ اسکے جسم کے ایک ایک خلایا پر اسکی جنس کا نشانِ امتیاز ثبت ہے۔ اسکے تمام جسمانی اعضا اور اسکے پورے نظام عصبی کا یہی حال ہے۔ مادی دنیا کے قوانین کی طرح عضویاتی قوانین میں بھی رد و بدل ہوتا ہے۔ انسانی خواہشات کی بنا پر ان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ہر انسان طوعاً و کرہاً جوں کا توں قبول کر لینے پر مجبور ہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی فطرت خاص کے مطابق اپنی مخصوص قابلیتوں اور استعدادوں کی نشو و نما کریں۔ انھیں مردوں کی ہرگز تقلید نہ کرنی چاہیے۔ تمدن و تہذیب میں انکا درجہ مردوں سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ یہ اپنے مخصوص وظائف زندگی کو ہرگز ترک نہ کریں۔ نسل انسانی کی پیدائش اور پرورش کا عمل انکی کامل نشو و نما کیلیے نہایت ضروری ہے لہذا عورتوں کو مادرانہ فرائض سے منحرف کرنا سخت بیہودگی ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو نوجوان لڑکوں کی طرح ایک ہی قسم کی عقلی اور جسمانی تربیت دینا اور انکے دلوں میں ایک ہی قسم کی تمنائیں پیدا کرنا سخت نادانی ہے۔ ماہرین تعلیم کو مردوں اور عورتوں کی عضویاتی اور ذہنی خصوصیات اور انکے فطری وظائف حیات کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ ان دونوں جنسوں کے باہمی طبعی اختلافات اور فرق ناقابل تبدیل ہیں مہذب زندگی کی تشکیل میں انھیں ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا....."

ان دو اصناف کے اس اختلاف اور انکی ذمہ داریوں اور فرائض کے مدنظر ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ موجودہ نصاب تعلیم میں بڑی حد ترمیم و تبدیل کی ضرورت پائی جاتی ہے

.... متعدد ماہرین تعلیم نے موجودہ نصاب تعلیم سے بعض غیر ضروری اور ناموافق مضامین کے اخراج پر زور دیا ہے۔ یہاں ہم اس نکتہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک طالبہ کے لیے جسے اپنے تعلیمی دور کے اختتام پر "گھر کی ملکہ" بننا ہے اور اسکے اہم و متعلقہ فرائض زیادہ تر امور خانہ داری اور تربیت اطفال ہی کی بہ حسن و خوبی انجام دہی ہے کس حد تک اقلیدس، جبر و مقابلہ اور مسطحات کی تدریس اسکے لیے مفید اور موافق مرام ثابت ہو سکتی ہے ——— ؟ ہم اسکے معترف ہیں کہ یہاں کے مدارس نسواں میں بعض امور خانہ داری جیسے سخت و پز اور سوزن کاری کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن طالبات نے ان فنون میں اب تک جو تدریس حاصل کی ہے اسکے مدنظر ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض وقت انکی اس خصوص میں واقفیت اور عدم واقفیت میں امتیاز پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس انتظام تعلیم کے ابھی بیسیوں امور ایسے ہیں جن پر فوری توجہ اور انکو شریک نصاب کرنے کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ مثلاً دایہ گری، تربیت اطفال، سلیقہ شعاری، اولیں طبی امداد (فرسٹ ایڈ) گھریلو صنعتیں وغیرہ (یہاں دایہ گری سے ہماری مراد صرف اسی قدر ہے کہ دوران حمل اور ایام ماقبل و مابعد زچگی کے احتیاطی تدابیر و اصول سے واقفیت)

اس دور روشن خیالی اور تجدد پسندی میں ہمیں اس امر کو واضح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ فن دایہ گری و تربیت اطفال کی حد تک خواتین پر کتنی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ عام اور متوسط گھرانوں کے قطع نظر اعلیٰ خاندانوں میں جہاں بہ زمانۂ زچگی کسی ماہرات فن کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور ہر قسم کی طبی امداد بہم پہونچائی جاتی ہے لیکن اسکے باوجود ہم دیکھ رہے ہیں کہ کئی بہنیں محض عدم واقفیت اصول و احتیاطی تدابیر دوران حمل یا زمانہ ماقبل و مابعد زچگی کئی مہلک امراض میں مبتلا اور بسا اوقات موت کا شکار ہو جاتی ہیں اور کتنے بچے اصول پرورش کی لاعلمی سے موت کے آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں یا جو زندہ رہتے ہیں وہ اپاہج، کمزور اور دائم المریض رہتے ہیں۔ ملک اور قوم کی ترقی کا انحصار درحقیقت انکے نوزائیدوں کے صحت بخش ارتقاء پر موقوف ہے۔ اگر ملک کی خواتین ایسی اولاد کے تولد سے قاصر رہیں جو قومی زندگی کے ہر میدان عمل میں اپنی صلاحیتیں اور کارگزاریوں کا مظاہرہ نہ کر سکیں تو یقین مانیے کہ قومی انحطاط و زوال کی ذمہ داریاں بڑی حد تک خواتین پر عائد ہونگی۔ مدرسہ یا جامعہ ان اغراض کی تکمیل کیلیے ایک بہترین تربیت گاہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہاں ایسی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں کی تعلیم و تربیت کے خوشگوار اثرات طالبات کی عملی زندگی پر مترتب نہیں ہونگے

بہرحال فن دایہ گری پر جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ نسوانی حلقوں میں اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا فوری توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ یہاں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہماری اس فن سے بے اعتنائی اور عدم التفاتی کے نتائج اس قدر ہولناک اور مضر صحت ثابت ہوتے ہیں کہ خواتین کی ایک قابل لحاظ تعداد علی الخصوص کم عمر بچے نذر اجل

ہو رہے ہیں۔ اس سے غفلت اور لاپروائی برتنے کے مضر اثرات نہ صرف ہم پر پڑتے ہیں بلکہ ہماری ننھی ننھی پود بھی ہمیشہ کے لیے یہی داغ مفارقت دے جاتی ہے۔ سلیقہ شعاری کی حد تک شاید کسی بہن کو انکار نہیں ہوگا کہ ہر خاتون کو بعد انفراغ تعلیم و تربیت عملی زندگی میں گھر کی ملکہ بننا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر کی مغربی خواتین زندگی کے ہر شعبہ میں دل کھول کر حصہ لینے لگی ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر سلیقہ شعاری کا مادہ واقف نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسرے ممالک کا مختصر ذکر کردیا جائے۔

جاپانی عورتوں کو سلیقہ شعاری کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ جرمنی اور اٹلی کی حکومتوں نے عورتوں کو مجبور کردیا ہے کہ وہ صرف امور خانہ داری کے لیے مختص ہو جائیں۔ اور اب مغرب بھی عورتوں کی اس بے راہ روی پر سخت پریشان ہے۔ بہرحال کچھ ہی ہو ہر حالت میں عورتوں ہی کو گھر کے سفید و سیاہ کا مالک بننا پڑتا ہے۔ اس لیے اسکی فوری اور سخت ضرورت ہے کہ ہر زنانہ درسگاہ میں طالبات کو سلیقہ شعاری کی باقاعدہ تعلیم دینے کا معقول انتظام کیا جائے۔ گھریلو صنعتوں کی تعریف میں ہر وہ پوشیدنی اور روزمرہ استعمال کی وہ چیزیں آسکتی ہیں جن کی ہر گھر میں ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ریشمی، اونی اور سوتی کام جس سے بچوں کے فراک، ساڑھیوں کے کور، چھوٹے بڑے پائتابے، کالر، تولی، دستیاں، گلوبند، سوئٹر اور ہر قسم کے میز پوش، پلنگ پوش، غلاف، اور سوزنیاں وغیرہ تیار کی جا سکتی ہیں۔ اسکے علاوہ کامدانی، کارچوبی، کروشیا، کشیدہ کاری، موتیوں اور پوت وغیرہ کا کام بھی ہے جو ہمارے سیکھنے کے لائق ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہر پوشیدنی کپڑے کی کترن اور سیون بھی شامل ہے۔ ہماری بہت سی بہنیں اقتصادی مصائب کے اندفاع کے لیے خواتین کی آزادی اور رستگاری کا ہر وقت دم بھرتی رہتی ہیں لیکن ہماری دانست میں ان اقتصادی مصائب کا مسئلہ انکی آزادی اور رستگاری کے بجائے انکی گھریلو صنعتوں سے واقفیت کے بعد بہ آسانی حل ہو جاتا ہے۔ ہم ان فنون کے ذریعہ اپنے صنف مقابل کو مالی پریشانیوں سے بڑی حد تک نجات دلا سکتے ہیں۔ آج ہم مغربی خواتین کی ہر بیرونی نقل و حرکت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں لیکن انکے گھریلو واقعات اور حالات سے کوئی سبق لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہاں کی خواتین جنکے شوہر کی آمدنی ماہانہ تین سو روپیہ ہوتی ہے اپنے متعلقین کے گرم کوٹ جسکی قیمت بازار میں کم و بیش ایک پونڈ ہے صرف پانچ چھ شلنگ کے اون میں تیار کرلیتی ہیں۔

اسی طرح چند پنس کے سوت میں بنین اور پائتابے وغیرہ بنا لیتی ہیں۔ کپڑے خود دھولیتی ہیں اور ان پر استری خود کرلیتی ہیں (اگرچہ یہ کام بادی النظر میں بہت معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن وہاں کی اجرت دھلوائی اتنی گراں ہے کہ اسی رقم میں نئے کپڑے تیار کیے جا سکتے ہیں) گھر کی صفائی خود کرلیتی ہیں، غرض ان کے اس طریقہ عمل سے مرد کی آمدنی کا ازکم ایک چوتھائی حصہ پس انداز ہو جاتا ہے۔ اس مفلس اور نادار ملک میں کتنی ایسی تعلیم یافتہ بہنیں ہیں جو ان اصولوں پر کاربند ہیں —— اور کتنی ایسی ہیں جو اسکا گرمجوشی سے ساتھ خیر مقدم کرنے پر تیار ہیں۔ ضرورت ہے کہ طالبات کو گھریلو صنعتوں سے کما حقہ واقف کرایا جائے۔

تعجب ہے کہ اب تک اولیں طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کو شریک نصاب نہیں کیا گیا حالانکہ طالبات کو سب سے پہلے اس میں واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ امور خانہ داری اور بچوں کی نگرانی جیسے اہم فرائض انکے ذمہ ہوتے ہیں۔ جہاں خود کا یا اپنے بچوں کا آگ کی زد میں آجانے کا اندیشہ اور بچوں کا کھیلتے ہوئے گرنے، چوٹ لگنے اور ہڈی ٹوٹنے کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ ایسے موقع پر اولیں طبی امداد نہ صرف ایک قابل ڈاکٹر کا کام دیتی ہے بلکہ افراد خاندان کو ایسے نقصان عظیم سے بچا لیتی ہے جسکی تلافی بسا اوقات ناممکن ہو جاتی ہے۔

حفظان صحت کا مسئلہ فی الواقع نہایت اہم اور لائق توجہ ہے۔ اب تو یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس میں تعلیم پانے والی اکثر لڑکیوں کی صحت عام طور پر خراب دیکھنے میں آتی ہے۔ نہ معلوم اس تعلیم کا وہاں کون سا اثر انکی صحت پر مترتب ہوتا ہے جو آئے دن انھیں اور انکے متعلقین کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ اگرچہ ہماری حکومت ازراہ تلطف و مہربانی سال میں دو بار طالبات کے طبی معائنہ کے لیے لیڈی ڈاکٹر کا تقرر فرما دیتی ہے جو اپنے ہر معائنہ میں طالبات کے مخصوص امراض سے وارڈنس کو آگاہ کیا کرتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود طالبات کی اس گری ہوئی صحت کے مد نظر ہم صرف یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ والدین یا سرپرست ان امراض لاحقہ کے ازالہ کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ ہماری شفیق حکومت کی اس عنایت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں۔ بہرحال ضرورت ہے کہ لیڈی ڈاکٹر صاحبہ عموماً اور استانی صاحبہ خصوصاً اس بارے میں سخت نگرانی اور خاص اہتمام فرمائیں۔

ہماری دانست میں مدارس کی ورزش جسمانی بھی بڑی حد تک طالبات کی صحت میں دخل انداز ہو سکتی ہے۔ مختلف عمروں اور جداگانہ عضوی ساخت کی طالبات کو ایک ہی نوع کی ورزش جسمانی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ورزش جسمانی کے وقت انکی عمر اور عضوی ساخت کا خیال خاص طور پر پیش نظر رہے۔

مختصر یہ کہ پکوان کی تعلیم کا انتظام اگرچہ ہمارے مدارس میں موجود ہے لیکن اسکے دائرہ کو جامعی جماعتوں تک وسعت دینے کی اور مدارس میں اسپر خاص توجہ مبذول کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ طالبات کو ہمہ اقسام کے کھانوں اور طرق مہمان نوازی سے اس طرح روشناس کرایا جائے کہ انھیں عملی زندگی میں گھر کے ہر کھانے اور مہمانوں کے ہر دسترخوان کی ترتیب میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ ہمیں اسکے اظہار سے افسوس ہوتا ہے کہ مدارس کی اکثر تعلیمیافتہ بہنیں ایسے مواقع پر محض بیکار ثابت ہوتی ہیں اور اکثر و بیشتر ہر معمولی تقریب کی تلافی مافات کیلئے انھیں شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کا دست نگر رہنا پڑتا ہے۔ (رہبر دکن)

وَالَّذِیْ جَاۗءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارہ میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں جملہ خط وکتابت اس پتہ پر ہو
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۲۹۱

نمبر ۲۷ | لکھنؤ ۹- محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۳۹ء | جلد ۴

سچی باتیں

کانگریس کی گدی کس کے حصہ میں آئی، حقدار کے یا غیر مستحق کے؟ جتنا انکو چاہیے یا اُم نکو؟ اس سے یہاں بحث نہ پہلے تھی، نہ اب ہے۔ یہ ہوں یا وہ، اسلام کے نقطۂ نظر سے سب یکساں

مژہ ہو یا نگہ ہو، ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیرِ قضا، اُسکو پرِ تیرِ قضا سمجھے

(شعر میں لفظ "بلا" کے آجانے سے کوئی صاحب خفا ہو کر اپنے مذاقِ شعری کی توہین نہ کریں۔ "بلا" محض شاعری کی دنیا کی ہے) گفتگو یہاں صرف اتنی ہے کہ صدر صاحب، منتخب ہوے کیونکر؟ —— یہ کوئی راز ہے، جسکا افشاء پہلی بار ان سطور میں ہو رہا ہے؟ اخباری دنیا میں بوڑھا، بچہ، کون اس سے ناواقف ہے؟ کوئی جتن، جناب موصوف نے اپنے کو پیش کرنے، اپنے کو پیش پیش رکھنے میں اُٹھا رکھا؟ بیان پر بیان، اور اعلان پر اعلان، صدر اگر مجھے نہ بنایا، فریق ثانی کو بنایا، تو ملک کو یہ نقصان پہونچ کر رہیگا، اور قوم کو یہ دھکا لگ کر رہیگا، قومی تحریک یوں بیٹھ جائیگی، اور آزادی کی جیتی ہوئی لڑائی یوں ہار کر رہیگی، قومی کشتی کی ناخدائی، اس نازک ترین مرحلہ پر، اگر کوئی کر سکتا ہے، تو میں خود ہوں، ورنہ خیر، میرے ہی فریق کا کوئی دوسرا شخص!

جزئیات و تفصیلات کو چھوڑیے، حاصل اور لُب لباب، ساری مضمون آرائیوں اور انشاء پردازیوں کا بھی اور اسی قدر تھا یا نہیں؟ —— گدی نشینی کی بے پناہ آرزو، اقتدار و منصب کی شدید تشنگی، جسکے بعد دنیا کی شرم و حیا، پاس و لحاظ بھی اُٹھ جاتا ہے —— "حُبِ جاہ" کی ہماری پُرانی اصطلاح، جس سے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور اخلاق کی فرسودہ اور کرم خوردہ کتابیں بھری پڑی ہیں، اگر اس موقع کے لیے نہیں، تو اور کہاں کے لیے ہے؟ دنیا میں بڑے سے بڑے جاہ پرست نے، بڑے سے بڑے بدنام "خان بہادر" اور "سی آئی ای" اور "سر" نے یہ کب قبولا ہے، کہ خطاب کی حرص مجھے اپنی ذات کے لیے ہے۔ یہ تو ہمیشہ سبھی نے کہا ہے، کہ میں ملک کی، قوم کی، وطن کی، خدمت کرنا چاہتا ہوں، اور خطاب جو مجھے ملا ہے، وہ انھیں پبلک خدمات کے صلہ میں! —— امام ابو حنیفہؒ اور اپنے ہاں کے دوسرے بزرگوں کو چھوڑیے، جو بھاگے ہیں، اور دنیا انکے پیچھے دوڑی ہے، جنھوں نے ماریں کھائی ہیں، سزائیں اُٹھائی ہیں، اور دنیا کے جاہ و منصب کو، خدمتِ خلق کے لیے بھی، نہیں قبول کیا ہے۔ خود ہندو تاریخ، ترک و ایثار (تیاگ) کے کتنے واقعات سے پڑی جگمگا رہی ہے! مشرق کی اس اہم و نامور سیاسی مجلس کے صدر کو، مشرق کی روایات کا کچھ بھی دھیان نہ آیا! یہاں کی تہذیب تو یہ تھی کہ دوسرے زبردستی یہ عہدہ و منصب پیش کرتے، اور اپنی طرف سے حتی الامکان، انکار، اور معذرت ہی پر اصرار رہتا۔

جب سپہ سالار کا یہ حال ہو، تو چھوٹے افسروں، نائکوں، جمعداروں

رسالداروں اور پھر محض سپاہیوں اور سواروں اور پیادوں تک آئیں کی اونچ گھسوٹ گتھم گتھا، پھر کچھ بھی حیرت ہوتی ہے؟ جب ادھر سے تعلیم یہ ملنی شروع ہوتی ہے، تو اخبارات میں ایسی خبریں ہر روز پڑھ پڑھ کر حیرت کیوں کیجیے، کہ فلاں کمیٹی میں انتخاب کے موقع پر لٹھ چل گئے، اور فلاں الیکشن میں چاقو چل گئے — جب مقصد بجائے **اداے فرض** کے محض مطالبۂ حقوق ہی ٹھہر گیا، تو کیوں نہ انسان، اپنے نفس کو اس میدان میں زیادہ سے زیادہ آزاد و بے لگام چھوڑ دے؟ اور کیوں نہ دنیا سے وہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنی جان لڑا دے، جو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ — قرآن کو ایک بار اول سے آخر تک ذرا غور سے پڑھ جائیے۔ قدم قدم پر زور کس چیز پر ملیگا؟ **اداے فرض** پر، یا مطالبۂ حقوق پر؟ خدارا، پند و تعلیم میں "تلقین" قربانی اور "ترغیب" نفسانی میں آخر یہی تو فرق ہے۔

بعض مقامات قرآنی

ایک ندوی متعلم قرآن لکھنؤ سے لکھتے ہیں:—

(۱) "ارشاد ہوا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی (انبیاء رکوع ۳)
اور پھر ارشاد ہوا ہے واللہ خلق کل دابۃ من ماء (نور ع ۹)
ان دونوں آیات میں مادۂ تخلیق صرف ماء کو بتایا گیا۔
حالانکہ دوسرے عناصر بھی اس کام میں آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

(۲) حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے خیالات درست نہ تھے۔ چنانچہ من کان عدوا لجبریل میں اسکو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ کیا موجودہ توریت و انجیل میں اسکا کوئی حوالہ ملتا ہے، جس سے یہود و نصاریٰ کے اس عقیدہ کی اصلیت معلوم ہو سکے؟

(۱) مفسرین کی جو تصریحات آیات سورۂ انبیاء و نور سے متعلق ہیں، سائل کی نظر سے یقیناً مخفی نہ ہونگی۔ بعض حضرات تو نازک خیالی کی حد تک پہونچ گئے ہیں، مثلاً یہ قول کہ واللہ خلق کل ذی روح من ماء (مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نبیاً ہوتا))، کسی کسی نے یہ بھی لکھا ہے، کہ من ماء کا تعلق خلق سے نہیں، کل دابۃ سے ہے، قیل من ماء متعلق بدابۃ ولیس بصلۃ الخلق (روح المعانی) یعنی مراد یہ نہیں کہ ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ جو جاندار پانی سے پیدا ہوا ہے اسکو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اور ایک قول (بلا سند) یہ بھی نقل ہوا ہے کہ سب سے اول، پانی پیدا کیا گیا، اور پھر پانی سے آگ، ہوا، اور مٹی، اس لیے سب کی اصل پانی ہی ٹھہری۔ قالوا ان اول ما خلق اللہ الماء فخلق منہ النار والریح والطین (روح)۔ تا ہم جمہور اکابر اس طرف گئے ہیں، کہ ماء سے مراد ماء مطلق نہیں، بلکہ ماء منویہ یا مادہ منویہ مراد ہے، جو عام ذریعہ توالد و تناسل حیوانی کا ہے۔ ابن جریرؒ سے لیکر متاخرین تک، یہ قول بکثرت نقل ہوا ہے، اور اس تشریح پر تو شاید کوئی سوال نہ پیدا ہو۔

مفسر تھانوی مدظلہ کی توجیہ بھی لطیف ہے۔ پانی سے مراد بارش کے پانی سے لی ہے، جو زمین کی ہر قسم کی روئیدگی کا باعث ہے۔ اور ہر حیات حیوانی کا سہارا یہی روئیدگی ہے۔ گویا اس طرح ہر حیات کا سبب کہیں بواسطہ، اور کہیں بلا واسطہ بارش ہی ٹھہرتی ہے۔ اور یہی بات آج کے اہل فکر و تحقیق بھی لکھتے ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ (مورخین کی تاریخ عالم) میں ہے:

"ہر قسم کی حیات کا مدار پانی پر ہے، اور ارضی زندگی کا مدار بارش کے پانی پر" (جلد اول، ص [illegible])

ان سطور کے ناظر کے خیال میں ایک اور پہلو بھی آرہا ہے۔ جدید سائنس کے محققین کہتے ہیں، کہ حیات کا عنصر اصلی "پروٹوپلازم" ہے، جسکا ترجمہ "مادۂ اولی" ہو سکتا ہے، اور جدید ریاضی میں اسکے لیے "نخرایہ" کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ ہکسلے نے مدت ہوئی کہا تھا، کہ یہی "پروٹوپلازم" زندگی کی مادی بنیاد ہے۔ اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آخری اڈیشن (طبع چہارم) میں ہے کہ

"پروٹوپلازم ہی وہ اصلی مادی خمیر ہے، جس سے تمام حیات مخلوق کی ترکیب ہوئی ہے۔ (جلد ۱۸۔ ص ۶۱۹)

لیکن خود پروٹوپلازم کیا ہے؟

"**اسکی ترکیب میں غالب ترین جزو پانی کا ہے**" (ص ۶۱۹)

پھر اگر اسی سائنٹفک حقیقت کا اظہار آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل۔ جب کوئی پروٹوپلازم کے نام سے بھی واقف نہ تھا، عرب کے ایک امی کی زبان سے کرا دیا گیا تھا، تو اسے بجز اعجاز قرآنی کے اور کیا کہیے؟

(۲) حضرت جبریلؑ کے متعلق صورت واقعہ یہ ہے، کہ یہود حضرت جبریل کو ایک فرشتۂ اعظم تو تسلیم کرتے تھے (گو حضرت میکائیل سے کمتر درجہ میں رکھتے تھے) لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے، کہ وہ تو ملائکۂ عذاب میں سے ہیں، انکا کام تو دنیا میں قہر خداوندی کا لانا ہے، چنانچہ قوم لوط کی بستیوں کو انہوں نے الٹ دیا، یہ نئے مدعی نبوت انھیں بطور حامل وحی کیسے پیش کرتے ہیں؟ ہماری قوم کے دوست اور مبشر تو حضرت میکائیل ہیں، کہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسحق نبی کی بشارت لے کر آئے تھے، انھیں چھوڑ کر، تو جبریل کی لائی ہوئی وحی قرآنی کو ہم کیونکر تسلیم کر لیں؟

قرآن مجید میں یہود کے اسی اعتراض کو انکی عداوت جبریل سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ واقعتہً وہ جبریل کے اس منصب ناموس، سفارت وحی کے منکر تھے۔ یہود کے عقائد انکے اسفار قدیم کے حوالوں سے جبریل کے باب میں، جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، ص ۹۱۰ میں درج ہیں۔

مولوی خلیل الرحمن مرحوم

اسلامی اندلس کے محقق اور مرتبۂ خواں اور اخبار اندلس کے مصنف، مولوی خلیل الرحمن صاحب [illegible] ندوی یوم دوشنبہ کو ایک کم عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو منتقل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سچ میں انکے مضامین کل چکے ہیں

صدق میں بھی، انجمن عربی یو-پی کے سلسلہ میں انکا نام دہرایا جاتا ہے۔ اصلاً پنجاب کے تھے، مگر اب تو مدت دراز سے اسی صوبہ کے ہو چکے تھے۔ اولاد ماشاء اللہ اچھی پائی۔ ایک صاحب اسمٰعیل کالج، اندھیری (بمبئی)، میں پرنسپل ہیں، ایک صاحب الہ آباد یونیورسٹی میں عربی و فارسی کے پروفیسر، تیسرے صاحب جامعہ عثمانیہ (دکن) میں فلسفۂ جدید کے استاد۔ مرحوم اس شدت و پختگی کے مسلمان تھے، کہ ایسے مسلمان اس بیچ میں صدی کا، پڑھے لکھوں میں کمتر ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا اور دار، احکام کی تعمیل میں شدت و غلظت بس ان حدود تک پہونچ جاتی، کہ نیا زمندوں کو روکنے کی ضرورت پیش آجاتی۔ ۱۲ فروری کو لکھنؤ میں لیگ اور انجمن تعلیمات کے جلسہ کے سلسلہ میں آئے، مدیر صدق کو کئی گھنٹے کیمپ کا موقع ملا۔ نماز عصر ساتھ پڑھی، مغرب کے وقت جدا ہوئے، اچھے خاصے ہشاش بشاش، چاق و تندرست تھے۔ گمان بھی کبھی یہ بات نہ آتی، کہ یہ آخری ملاقات ہے، اور یہ بزرگوار اب دنیا میں صرف چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ ۵ ارکو لیڈر میں یہ خبر پڑھ کر دل سن سے ہو گیا، کہ ۳ کو سہ پہر کو مرحوم لکھنؤ میں اپنے میزبان کے ہاں چائے پیتے ہوئے، بالکل اچانک اور یک بیک، اس دنیا سے رخصت ہو گئے! عالم مسافرت کی موت، ایک طرح کی شہادت اور اجر دلانے والی موت ہوتی ہے۔ مولا سے کریم مرحوم کو درجات عالیہ نصیب کرے، اور ایمان کی پختگی، یہ صبر جمیل وں کو پوری پوری سے بہرہ ور کرے!

"صاحب" کی سفاکی

"نئی دہلی - ۹ فروری - ایک سرکاری کمیونکے (اعلامیہ) جاری ہوا ہے، کہ علاقہ وزیرستان میں پچھلے کچھ دنوں سے شورش برپا تھی، مقتدین کا کہ دو تو پیں بیکار و تہس نہس کر کے قبضہ کر لیا، اور ۶ فروری کی شب میں اس، تعداد ۱۵ گولے، ۱۰۰ گز کے فاصلہ سے پھینکے۔ دو گولے قلعہ کی دیوار میں گھس گئے۔ کوئی بڑی نقصان بات تھی۔ پونے تین بجے شب کو، ہوائی جہازوں نے ایک ہوائی جہاز دشمنوں کے خلاف کارروائی کی، اس وقت سے غنیم خاموش ہے۔ لیکن خیال یہ ہے کہ ابھی اسکا لشکر پراگندہ نہیں ہوا ہے"۔

"غنیم" کی یہ زیادتیاں اگر تسلیم کر بھی لی جائیں، جب بھی، داد اسکی دیجیے کہ کس بے تکلفی سے، یہ ارشاد ہو گیا ہے، کہ ہم نے انکے علاقہ پر ہلہ بول دیا۔ وہ بم برسا دیے! —— یہ بم برسائے کن پر؟ اُن پر، جنکی بابت یہ خوب تحقیق ہو چکا تھا، کہ انکے پاس قطعاً جوابی حملہ کی کوئی چیز نہیں ہے! اُنکے حملوں سے تو قطعاً اِدھر کوئی نقصان جان نہیں ہوا تھا، لیکن پونے تین بجے شب کو، جو انسانی آبادی کے غافل سونے کا وقت ہوتا ہے، اس ہوائی تاخت سے اُدھر کتنی جانیں نذر اجل ہوئی ہونگی، اسکے تذکرہ سے سکوت کامل ہے۔ اور پھر یہ بم صرف محاربین پر گرے ہونگے؟ ساری غیر محاربی آبادی بوڑھے، معذور، عورتیں، بچے، کون اس بارش ہلاکت سے بچا ہوگا؟ ——

ایک پرانا قانون وہ تھا، عرب کے ان پڑھ معلم کا لایا اور پھیلایا ہوا، کہ لڑائی میں عورتوں، بچوں، گوشہ نشینوں، معذوروں پر ہاتھ نہ اٹھانا، درخت نہ کاٹنا! اور ایک نیا فوجی قانون یہ ہے، بیسویں صدی کی تہذیب و متمدن دنیا کا، تنہا برطانیہ کا نہیں، جرمنی اور اٹلی اور فرانس اور روس اور جاپان اور امریکہ و جاپان، سب ہی کا، کہ نہتوں پر، معذوروں پر، بیکسوں پر، بے تکلف موت و ہلاکت کی بارش کر دو! —— جنت کے سرداروں، اور پاکیزہ نفسوں کے ناموں کو چھوڑیے، دنیا سے مشرق کے بدترین ظالموں اور شقی القلب جباروں کو سامنے رکھیے، نادر، تیمور، چنگیز، حجاج، کسی کا بھی "قتل عام"، اندھا دھند سفاکی اور بے حساب و بے شمار بے دردی کے ان حدود تک پہونچا تھا؟

دعوائے مساوات کا مفہوم

برٹرینڈ رسل، برطانیہ کے ایک ممتاز روشن فلاسفر ہیں۔ معاشرت و سیاسیات کے مسائل پر کئی پہلوؤں سے متعدد تصانیف شائع کر چکے ہیں۔ ترجمہ متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ انکی مشہور کتاب "میرج اینڈ مارلس" (نکاح اور اصول اخلاق) میں ایک جگہ لکھتے ہیں:—

"مرد کے ساتھ عورت کی مساوات کا جو مطالبہ ہے، اسکے معنی و مفہوم پر خوب غور کر لینا چاہیے۔ مرد کو ناجائز تعلقات جنسی کی آزادی شروع ہی سے حاصل رہی ہے، معمولاً نہ سہی عملاً تو ضرور ہی۔ اسکے لیے یہ کبھی ضروری نہیں سمجھا گیا کہ شادی سے پہلے بالکل معصوم رہا ہو، اور شادی کے بعد بھی اسکی بے عفتیوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی، بشرطیکہ اسکا علم اسکی بیوی اور ہمسایوں کو نہ ہونے پائے.....

یہ یقینی ہے کہ اب جبکہ عورت اچھا خاصہ حصہ کما رہی ہے، شادی کا ہے، صرف چند ہی مرد ایسے نکلیں گے، جو ثبوت پاکباز رہیں گے، جب تک وہ اپنے برابر مرتبہ والی عورت کے ساتھ خانہ آبادی نہ کرلیں۔ پس جبکہ ہے مرد، اگر پاکباز نہیں رہ سکتے، تو مساوات حقوق کے معنی یہ ہیں کہ بیاہی عورتیں بھی پاکباز نہ رہیں گی۔ علماء اخلاق کے لیے یہ صورت حال یقیناً افسوسناک ہے"۔ (ص ۹۱)

"آزادی نسواں"، "مساوات حقوق نسواں" کا مبتدا بھی زور و شور سے اٹھا تھا، اس کی خبر بھی آپ نے نکلتی دیکھ لی؟ —— مرد اگر بدچلنی اور روسیاہی پر تُلا ہوا ہے، فرنگستان کے بڑے بڑے عقلاء و حکماء کی سمجھ میں یہ علاج نہیں آتا، کہ خود اسکی روک تھام کی جائے، اور بدچلنوں کو نیک چلن بنایا جائے، بلکہ ذہن ادھر جاتا ہے، کہ مرد اگر بدچلن ہے، تو اسکے جواب میں، اس کی ضد پر، عورت اُس سے بڑھ کر بدچلن ہو کر رہیگی۔ اور اُس نے اپنے منہ میں سیاہی اگر ایک ہاتھ سے لگائی تھی، تو یہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ کالا کرکے رہیگی! جھوٹ کے جواب میں جھوٹ، چوری کے جوڑ پر چوری، ڈاکہ کے مقابلہ میں ڈاکہ! کیا خوب ہے یہ عقل، اور کس کمال کا ہے یہ عدل!

فحش کاری کی تبلیغ

اسی فاضل مصنف کے دوسرے صفحات میں صراحتیں اس سے بھی بڑھ کر موجود ہیں:—

"پہلے زمانہ میں عورت کی پاکبازی کے محرکات قوی یہ دو تھے: - ایک خوف عذاب دوزخ، دوسرے اندیشۂ استقرار حمل - پہلا محرک تو اُسوقت سے باطل ہوگیا، جب سے مذہب کا تسلط رخصت ہوا - رہا دوسرا، تو اُسے آلات منع حمل کی ایجاد نے معطل کر دیا - رسم و رواج، پاس و لحاظ کی پابندیاں کچھ دنوں تک کام دیتی رہیں، لیکن جنگ عظیم کے تہلکہ نے ان بیڑیوں کو بھی توڑ ڈالا - تیس برس قبل کے علمبرداران تحریک نسائیت بڑا زور مردوں کی بدچلنی پر دیتے تھے - آج کے علمبرداران تحریک یہ کہتے ہیں، کہ جو راہ مردوں کے لیے کھلی ہوئی ہے، وہ عورتوں پر کیوں بند رہے"

(رسالہ)

"مساوات مرد و زن کے معنی ہی یہ ہیں کہ عورت کی پاکبازی کا جو روایتی معیار چلا آتا ہے، اُسی کو گھٹا یا جائے - اگر مرد کو قبل نکاح، مزے اُڑانے کی آزادی ہے، تو عورت بھی یہ آزادی لے کر رہیگی" (رسالہ)

روزانہ جو آپ مردوں کے "مظالم" کی فہرست بار بار سیاہ جدولوں کے ساتھ شایع ہوتے دیکھتے ہیں، اب آپ سمجھے، کہ یہ کہاں کی صدائے بازگشت ہے؟ - - نا، یہ عورت کو اصرار ہے، کہ مرد کی یہ بے قید و بند سیاہ کاریاں عورت کی "آزادی" کی توہین، اسکی "عزت نفس" کی تحقیر، اسکی "خودداری" کی تذلیل ہے! وہ اس قرضہ کو، اصل کو مع سود کے اُتار کے رہیگی! اور مرد کو اس میدان میں نیچا دکھا کر دم لیگی!

نئی روشنی کی ایک تجلی!

خبر، ذرا باسی ہوگئی، مگر پرانی ہو جانے پر بھی ہے با مزہ - کہ

"قصبہ ..... (ضلع مراد آباد) میں "یوم خواندگی" کے موقع پر مقامی زنانہ اسکول کی صدر معلمہ نے لڑکیوں کو ناچنے کا حکم دیا - قریب پچاس کے، لڑکیوں کے والدین نے اس پر احتجاج کیا، اور اس بنا پر لڑکیوں نے ناچ سے انکار کیا - اس پر صدر معلمہ نے لڑکیوں کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا!"

بہت خوب! تجدد نواز معاصر کو ناچ کے اس حکم پر اپنے وطن میں ترقی آزادی نسواں مبارک ہو! لیکن حیف اور صد حیف کہ جاہل اور قدامت پرست والدین اور اُنکے اشاروں پر چلنے والی، بوڑھی روحوں والی بچیاں وہاں بھی موجود! ان دقیانوسیوں کمبختوں کو جینے اور مرنے کے لیے کوئی اور سرزمین نہیں ملتی!

فطرت کا فیصلہ

لیڈر (الہ آباد) کا سائنٹفک مضمون نگار لندن سے لکھتا ہے: -

"اسکاٹ لینڈ یارڈ (محکمۂ سراغرسانی) آج کل ایک آسٹروی خاتون مقیم برطانیہ کی ایجاد کی ہوئی مشین سے متعلق تحقیقات میں مشغول ہے، جس سے مجرم کی جنسیت شناخت ہو جائیگی - موجدہ کی، جو ویانا یونیورسٹی کی گریجویٹ ہیں، اس ایجاد کردہ آلہ سے فوراً پتہ لگ جاتا ہے، کہ اسکا آخری چھونے والا مرد تھا یا عورت - ایجاد کی بنیاد اس سائنٹفک حقیقت پر ہے، کہ کسی خارجی شے کے مس کرنے میں جسم سے برقی موجیں خارج ہوتی ہیں، وہ مرد کے جسم سے دوسرے قسم کی ہوتی ہے اور عورت کے جسم سے دوسری"

(۱۴ فروری ۱۹۳۹ء)

ہمارے "مساواتی" احباب اور تجدد نواز معاصرین اس خبر کو سن رہے ہیں؟ اور تو اور، کسی چیز کا محض چھونا اور مس کرنا تک بھائی اور بہن کا، ماں اور بیٹے کا، باپ اور بیٹی کا، ایک طرح کا نہیں ہو سکتا! دونوں میں اتنا نمایاں فرق ہوگا، کہ بار یک بینوں کو فوراً دریافت ہو جائیگا، کہ یہاں زنانہ ہاتھ لگا ہے، اور وہاں مردانہ ----- دل اور دماغ اور اعصاب کی دوسری قوتوں کا ذکر ہی کیا! ----- اور پھر تحقیق اس کی؟ ایک نازنین نے کی! ----- ہے ہمت "سرمایہ" اس پہ طبع آزمائی کی؟

مرض کی جڑ

"تجربہ بتاتا ہے کہ کانگرس سے قریب آکر بھی مسلمان، علی برادران اور حسرت یا ظفر علی خاں کی طرح پیدا ہو سکتے ہیں" (پیام، بہ حوالۂ ہندستان)

کانگرس تحریک رابطۂ عوام مسلمین کے نقیب ڈاکٹر اشرف نے کہا، اور بالکل سچ کہا، سوا اسکے کہ کانگرس کے صرف قریب ہی آکر نہیں، بلکہ شوکت علی اور حسرت کی طرح کانگرس کے اندر آکر، اور محمد علی کی طرح کانگرس کا صدر اور نمایندہ کرہی، مسلمان، ہر حال مسلمان ہی رہتا ہے - اس لیے مسلمان کو اپنی جماعت اور اپنی تحریک میں جذب کرنے کی سیدھی اور کھلی ہوئی راہ تو یہی ہے، کہ سرے سے اس خطرہ ہی کی جڑ کاٹ دی جائے، مسلمان کو مسلمان ہی نہ رہنے دیا جائے، ورنہ جب تک وہ مسلمان باقی ہے، یہ دھڑکا ہر وقت لگا رہیگا، کہ خدا جانے وہ کس وقت دوسرا محمد علی، دوسرا حسرت، دوسرا شعیب، نہ اُٹھ کھڑا ہو!

جو بحث مدت ہوئی چھڑ گئی تھی، اسکا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ایک پچھلے پرچہ میں مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے تازہ رسالہ کا ذکر آ چکا ہے۔ زیر نظر رسالہ اسکا جواب ہے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ شخصیات و ذاتیات سے بالکل الگ ہو کر نفس مسائل کو مسائل کی حیثیت سے دیکھنے کے بہت کم عادی ہیں۔ اور اس سے ہمارے اکابر تک مستثنیٰ نہیں۔ ایسے اجزاء سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو اسکے مقابل کا رسالہ اور خود یہ رسالہ دونوں ایک طالب حقیقت کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔

(۱۱) **تحریک ترقی مملکت آصفیہ**۔ از خواجہ حمید احمد صاحب، بی اے۔ ضخامت ۱۳۲ صفحے، مع متعدد نقشہ جات۔ مجلد قیمت ۱؎ پتہ: نواب احمد صاحب، دفتر "تحریک ترقی"۔ مقابل زنانہ اسکول نامپلی۔ حیدرآباد دکن۔

عہد عثمانی (آصف جاہ سابع) میں مملکت دکن نے جو ہر جہتی ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب انکی ایک جامع تاریخ ہے۔ اعلیحضرت کے جشن سیمیں کے موقع پر اس دور کی ترقیاں ایک مستقل موضوع قرار پائی تھیں، جس پر متعدد اہل قلم نے مقالے تیار کیے تھے۔ لیکن صاحب کی گراں قدر رقم کے انعام کا مستحق یہی مقالہ قرار پایا، جو اب کتابی شکل میں جلوہ گر ہوا ہے۔ جو حضرات حیدرآباد کے حالات کا جائزہ سیاسی، فنی، معاشی، معاشرتی، کسی نقطۂ نظر سے بھی لینا چاہتے ہیں، انکے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ کاغذ، چھپائی، جلد، ہر لحاظ ہر حیثیت سے بھی کتاب قابل قدر ہے۔ مختلف نقشوں اور جدولوں نے کتاب کی حیثیت افادی کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

دکن کی تاریخ حاضر سے قطع نظر، مصنف نے عام سیاسی مسائل پر جا بجا کہیں اظہار خیال کر دیا ہے، وہ بھی ایک حکیمانہ پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ جمہوریت یا جمہوریت کے تخیل کی بے حقیقتی دکھاتے ہیں، وہاں کہتے ہیں، کہ اٹلی، جرمنی، وغیرہ چھوڑ کر، جو جمہوریت سے علانیہ بیزار ہیں،

"انگلستان، فرانس اور امریکہ جو ابتک اسکے دعویدار ہیں، انکے وہاں کی عمومی طرز حکومت کا حال ملاحظہ ہو۔ وہاں جمہوریت کا دارومدار بس حق رائے دہی تک محدود رہ گیا ہے، اور اس رائے دہی میں جو اثرات کام کرتے ہیں، انکا حال تو کسی "نمایندہ گر" سے پوچھیے۔ سربفلک عمارتیں، روپیوں کی تھیلیاں، بڑے بڑے اشتہارات بیچارے غریب رائے دہندوں کو آزادی ضمیر کی طرف بھی متوجہ نہیں ہونے دیتے۔ جہاں ایک وقت انتخاب ہو گیا، تو پھر رائے دہندوں اور منتخب نمایندوں میں کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا۔"

(۱۲) **جدول ازواج مطہرات**۔ از مولوی سید الیاس حسین صاحب جعفری۔ قیمت ۲؎

(۱۳) **جدول مبارک** - " " قیمت ۱؎

(مصنف سے محلہ قصبانہ۔ سیتاپور (اودھ) کے پتہ سے مل سکتے ہیں)

دونوں نقشے بہت مفصل ہیں۔ پہلے نقشہ میں حضرات امہات المومنین کے نام، لقب وکنیت، والدین کے نام، تاریخ نکاح، مہر، وقت نکاح، عمر (انگریزی سنہ بھی)، عمر، مقام وتاریخ وفات، وغیرہ ساری تفصیلات ایک نظر میں سامنے آ جاتی ہیں۔ دوسری جدول میں رسول اللہ صلعم کی سوانح حیات سے متعلق ایسی ہی تفصیلات، بہ قید سنین درج ہیں۔ دونوں نقشے ہر طرح مفید ہیں، اور ہر پڑھے لکھے مسلمان کے گھر میں رکھنے کے قابل ہیں۔ مصنف کی کاوش قابل داد ہے۔

رسیدِ کتب

(۱) **قواعد عربی** حصہ (۱) از مولوی ہبۃ اللہ صاحب۔ ۶۴ صفحے۔ قیمت ۶؍ پتہ، سحت منزل جبین علم، بارہ گلی، حیدرآباد دکن

عربی کے مبتدی طلبہ کے لیے ایک صاحب تجربہ استاد عربی کی لکھی ہوئی مفید کتاب، مشقی سوالات بہ کثرت۔

(۲) **معرکۂ حق و باطل**۔ از مولانا محمد داؤد صاحب، ۹۶ صفحے قیمت ۴؍ پتہ: ناظم صاحب تبلیغی کتبخانہ، محلہ شاہ مدار، جونپور۔

ایک مسلم لیگی عالم کی کانگریس پر تنقید

(۳) **کیفیت سال شانزدہم** مدرسۂ علوم شرعیہ، مدینہ منورہ، از شوال ۱۳۵۵ھ تا رمضان ۱۳۵۶ھ۔ ہندوستان میں ملنے کا پتہ، کتبخانہ یحیوی، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

اخبارات و رسائل

(۱) **پیغام صلح** (لاہور) سلور جوبلی نمبر۔ ضخامت ۸۰ صفحے۔ تقطیع کلاں۔ قیمت ۴؍ پتہ، دفتر "پیغام صلح" احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔

"احمدیت" کی شاخ لاہور جس قابل رشک سرگرمی سے اپنا کام کر رہی ہے، اسکا ذکر ان صفحات میں کئی بار آ چکا ہے۔ پیغام صلح کا یہ نمبر اسی حیرت انگیز کارگزاری وقوت عمل کا ایک نمونہ ہے۔ تحریک کی تائید وحمایت میں جتنا بہتر سے بہتر سامان جمع کیا جا سکتا تھا، سب اسکے اندر موجود ہے، اور پڑھنے والا اگر پہلے سے خاص طور پر مضبوط نہیں ہے، تو ممکن نہیں کہ جدید ترین صورتوں سے متاثر نہ ہو جائے۔ صدق کے مدیر صدق کا ایک مختصر پیغام بھی درج ہے، جسکا آخری فقرہ ہے کہ "خدا کرے آپ کے عقائد ہمارے جیسے ہو جائیں، اور ہمارا عمل آپ کا سا"۔ "سلسلہ" کے اکابر اور موجودہ کارکنوں کی تصاویر بھی بہ کثرت ہیں۔ اتنی ضخامت اور اتنی تصویروں پر، قیمت ۴؍ بہت ارزاں ہے۔

(۲) **ضیاء الاسلام** (پندرہ روزہ) ایڈیٹر، مولوی محمد بہاء الحق صاحب قاسمی۔ قیمت سالانہ ۱۲؍ پتہ، دار التبلیغ، امرتسر۔

مولوی بہاء الحق قاسمی صاحب پنجاب میں فرق باطلہ کی تردید میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ اب یہ انکی نگرانی وسرپرستی میں پندرہ روزہ پرچہ نکلا ہے، جسکا ابھی صرف پہلا نمبر شائع ہوا ہے۔ افتتاحیہ میں زور اس "حقیقت" پر دیا گیا ہے کہ "اسلام کو خطرہ کفر سے نہیں، بلکہ اسلام نما کفر اور کفر نما اسلام سے ہے"۔ یہ بات اصلاً اپنی جگہ پر تو بڑی حد تک صحیح ہے، لیکن ان جدید فتنوں سے مقابلہ کے لیے بڑی پختگی اور بڑی تیاریوں کی ضرورت ہے۔

ہر ہوسناکے نہ شاید جام وسنداں باختن (ملاحظہ ہو)

ضعفِ حافظہ کا ایک شاہکار

(از عبدالماجد)

"صدق کے صفحات پر جو چنگاریاں بکھیری گئی ہیں، انھیں کے ساتھ ساتھ یہ ایک الزام بھی ایڈیٹر "پیام" کے سر ناز پر رکھا گیا ہے کہ مولانا محمد علی کی سیرت کی تالیف کے وقت اس کار خیر میں قوت صرف کرنے کی دعوت پر دعوت دی جاتی رہی، لیکن یہ تحریر چونکہ نہ لکھی تھی، کسی طرح نہ لگی۔ مولانا نے اگر ایسی کوئی ...... دعوت دی تھی، جو رد کر دی گئی، تو اسکا علم مولانا سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے۔ البتہ بدنصیب ایڈیٹر پیام کو اتنا تو یاد ہے کہ اس نے کبھی کسی ایسی دعوت کو رد نہیں کیا" (پیام - ۱۹ر فروری ۱۹۳۹ء)

انشا پرداز ایڈیٹر صاحب پیام کو حق حاصل ہے، کہ حتی الامکان نرم اور میٹھی زبان میں، اور اشاروں اور کنایوں میں ادا کی ہوئی سادہ حقیقتوں اور صداقتوں کا نام "چنگاریاں" رکھ دیں، اور جو لفظ چاہیں، انکے لیے گڑھ لیں، البتہ ...... اسکے بعد، جو ارشاد ہوا ہے، اسکا حاصل، صاف و سادہ اردو میں یہ ہے کہ سیرت محمد علیؒ کی تالیف کے وقت، اس میں شرکت کی استدعا ہی ان سے سرے سے نہیں کی گئی تھی، جو رد و انکار کی نوبت آتی!

بیشک، واقعہ بیشک یہی ہوگا! لیکن کیا حرج ہے اگر کبھی ہم استوں کی خاطر صاحب پیام، تخیل و رومان کے فلک سے اتر کر، ٹھوس اور مادی واقعیات کی زمین پر بھی قدم رکھ لیا کریں!

مولاناؒ کا انتقال جنوری ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ تدوین سیرت کی تحریک دو ہی چار مہینے کے اندر شروع ہو گئی۔ جناب قاضی صاحب کی خدمت میں گستاخیاں کرنے والے اس خادم کو خوب یاد ہے، کہ شروع ہی میں علاوہ عام اخباری تحریک و مطالبت کے جن چند ارباب قلم کو خاص طور پر دعوت شرکت دی گئی تھی، ان میں "نقش فرنگ" کے مصنف اور ہمدرد (دور اول) کے یہ ممتاز کارکن صاحب تھے! اسکے جواب میں جو مفصل عنایت نامہ تین صفحہ کا، ۱۵ر مئی ۱۹۳۱ء کو قرول باغ، دہلی سے لکھا ہوا، عنایت ہوا تھا، وہ اتفاق سے اسوقت، بلا تلاش، محمد علی کے کاغذات کے ضمن میں نکل آیا —— ڈر ہے کہ پچھلے معروضات اگر "چنگاریاں" ثابت ہوئیں تو آج کی گزارشوں پر تو یقیناً "شعلوں" کا اطلاق ہوگا! —— اجازت ہے، کہ اس بیش بہا دستاویز سے کچھ اقتباسات، حاضر کیے جائیں؟

اقرأ کتابک، کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا۔

"یاد آوری کا شکریہ۔ آپ مبالغہ نہ سمجھیں تو عرض کروں کہ مولانا محمد علی مغفور کے اور میرے تعلقات ذاتی ایسے تھے جیسے ایک چھوٹے بھائی اور بڑے بھائی کے۔ وہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرتے تھے، اور میں ان سے ایسی ہی محبت رکھتا تھا۔ سیاسیات اور پبلک معاملات میں البتہ ان کی زندگی کے آخری دور میں میرے انکے اختلافات پیدا ہو گئے ..... لیکن یہ سب اختلافات اس لیے بے معنی تھے کہ میں گوشہ نشین ہوں، اور پبلک زندگی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ بس اب کسی اور عالم میں ہوں"

پھر مرحوم کی مدح و توصیف کی کئی سطروں کے بعد:-

"بہر حال انکی سیرت دنیا کے سامنے اگر نہ لائی گئی، تو یہ مسلمانوں کا ایک قومی جرم ہوگا ناقابل معافی۔ مگر سوال یہ ہے کہ کون لکھے۔ مجھے واقعی فرصت نہیں۔ غم دنیا سے فرصت نہیں"

اس "بے فرصتی" کا اندازہ چونکہ پہلے ہی سے تھا، اس لیے ساری سیرت کی تدوین کی ذمہ داری پیش بھی نہیں کی گئی تھی، درخواست صرف اتنی تھی، کہ سیرت کا کوئی سا باب، خصوصاً ہمدرد کے دور اول سے متعلق، آپ اپنے ذمہ لے لیں۔ آگے جواب اسی گزارش کا ہے:-

"جو کچھ میرے کاغذات میں یا میرے دماغ میں ہے، وہ حاضر ہے۔ اس زمانہ کے کچھ خطوط بھی میرے پاس ہیں، جب مرحوم چھندواڑہ میں نظر بند تھے، اور میں کلکتہ میں تھا۔ بعض خطوط بہت دلچسپ ہیں۔ مگر یہ سب کاغذات مراد آباد میں ہیں، میں انشاء اللہ جاؤنگا، تو انکو نکال کر حاضر کرونگا۔ ہمدرد کے متعلق میں بہتر مضمون اس حالت میں لکھ سکوں گا جب اجرائے ہمدرد کے متعلق ضروری کاغذات مجھے مل جائیں، محض ایک مختصر مضمون سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ میں تو یہ کرونگا کہ جب سے میرا اور مرحوم کا ساتھ ہوا، اور تا آخر تک جو کچھ مجھے یاد آئیگا، نوٹس کی صورت میں لکھتا رہونگا، ان نوٹس سے آپ ضروری اجزا و نکال سکینگے، اور کام میں لا سکیں گے۔

کیا آپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ سیرت دریاباد میں لکھی جائیگی؟ ... تو ابتدائی تجویز تھی، کہ جامعہ میں لکھی جائے، وہ بدستور قائم ہے"

مکتوب گرامی کا بیشتر حصہ لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا —— ہو سکتا ہے کہ یہ خط بھی جعلی ہو۔ اس لیے کہ جو شخص مدیر پیام پر یہ "الزام" تصنیف کر سکتا ہے کہ انھیں تالیف سیرت میں شرکت کی دعوت دی تھی، وہ پورا مکتوب بھی گڑھ سکتا ہے، اس لیے قاضی صاحب، حیدر آباد کے جن بزرگوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہوں، انکی خدمت میں اصل مکتوب رجسٹرڈ روانہ کیا جا سکتا ہے —— لیکن مئی کا مہینہ گزرا، اور پھر جون کا گزرا، مواعید و مواثیق کے ایفاء کے انتظار میں پہلے ہفتے گزرے، اور پھر مہینے۔ ادھر سے خط پر خط، عریضہ پر عریضہ، پیش ہوتے رہے، ادھر سے جواب یا تو سرے سے عنایت ہی نہ ہوتا تھا، اور یا پھر ایسا جواب عطا ہوتا کہ اس گویائی پر ہزاروں خاموشیاں قربان تھیں! وہ قرول باغ سے چلے ہوئے اور دریاباد میں بٹے ہوئے کارڈ اور لفافے اسوقت پیش نظر نہیں ہیں، ممکن ہے تلاش کے بعد اسی انبار میں نکل آئیں۔

لیکن انکے مضامین خوب یاد ہیں۔ قاضی صاحب کے حسن ذوق و نزاکت احساس کی رعایت سے ان تقاضہ ناموں میں بعض اوقات یہ صرف ایک شعر یا ایک مصرعہ پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار، یاددہانی صرف کارڈ پر یہ شعر لکھ کر کی گئی تھی ؎

تو و آرایش خم کاکل میں، و اندیشہ ہائے دور و دراز!"

قاضی صاحب نے جواب میں "آرائش خم کاکل" کی تلمیح سے پورا لطف لیا تھا۔ اور جب یاد دہانیوں کا سلسلہ ہفتوں بلکہ مہینوں تک جاری رہنے میں نہ آیا، تو آخر میں میری گستاخ نگاریوں سے عاجز آکر ایک تحریر اس مضمون کی آئی، کہ (الفاظ محض یادداشت سے لکھ رہا ہوں، اس لیے کچھ فرق ضرور ہوگا) آپ سارا دیوان غالب نقل کر ڈالیئے، اور میں بے حس رہونگا۔ کچھ روز ذرا تقاضہ نہ کرکے دیکھیے، شاید اسی سے مجھے کچھ غیرت آجائے "۔

مراسلت اس نوبت پر پہونچکر منقطع ہوئی۔ اور وہ دن ہے اور آج، کہ جو کچھ قاضی صاحب مرحوم کے دماغ میں تھا وہ نہ ملا، اور نہ وہ جو اُنکے کاغذات میں تھا، میسر آیا۔ قاضی صاحب مدت ہوئی اپنی گوشہ نشینی ختم کرچکے اور بہا سال ہوے کہ "کسی اور عالم" سے نکل کر پھر اسی دنیا سے دوں میں داخل ہو چکے، لیکن وہ مراد بادیہ کا غذات نہ نکلنا تھے نہ نکلے۔ نہ ہمدرد سے متعلق اُنکے معلومات و ملفوظات سے ہم کم نصیب مستفید ہوسے، نہ اُنکے تیارکردہ "نقش" کی دولت دیدار میسر آئی! اور جس نے "سیرت" نہ لکھنے کو، "مسلمانوں کا قومی جرم ناقابل معافی" ٹھیرایا تھا، قوم کی نصیبہ وری دیکھیے، کہ خود ہی اس ناقابل معافی قومی جرم کا مجرم رہا! کیا خوب حق ادا ہو کر رہا، بڑے بھائی کی "محبت" کا، چھوٹے بھائی کے قلم تجدد رقم سے!

سنہ ۱۹۳۳ء میں اسرار الحیض اور سنہ ۱۹۳۹ء میں انکار صریح! ایک موسم میں اثبات اور دوسری فصل میں نفی! ہاتھ سے لکھے ہوے خطوط میں زبردست ترغیب اور اخبار میں چھپے ہوے مضمون میں ویسی ہی زبردست گریز! تجدد کے یہ وہ کمالات بے بدل ہیں، کہ ہم پست خیال، قیاس ویسوں کی ہمت و حوصلہ کیا معنی وہم و گمان کی رسائی سے بھی بالا تر ہیں ——— کون کہتا ہے کہ جو افسانہ نویس، لیلیٰ اور مجنوں کی کہانیوں کو زندہ حقیقتیں بنا سکتا ہے، زندہ حقیقتوں کو لیلیٰ اور مجنوں کی کہانیاں بنا دینا، اُسکے قلم کی دسترس سے باہر ہے! کیا ہوا اگر ٹھوس سچائیاں سنگ راہ ہیں، زور تخیل کے سرف ہیئے تو اور زیادہ موقع نصیب ہیں! اُستاد غالب آخر کچھ غلط تھوڑے ہی فرما گئے ہیں ؎

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور!

میرا بت ——— ؟

تری پورہ کانگریس نگر میں گاندھی جی کا بُت بنایا جا رہا ہے غضب یہ ہے کہ بنانے والوں نے ارادہ کیا ہے کہ اس بت پر پچیس ہزار روپیہ صرف کیا جائیگا۔ سوال یہ ہے کہ ایک انسان۔ ایک فانی انسان۔ طاقتور مگر دراصل بے طاقت انسان کی پرستش کا یہ جذبۂ اعتقادی کیوں پیدا ہوا ہے؟ بت پرستی کا فلسفہ عقیدت میں ہے۔ اس اندھی عقیدت میں جسکی حد پتھروں اور مادی عناصر سے ملتی ہے مگر خدا سے نہیں ملتی انڈین نیشنل کانگریس میں تصویروں کی نمائش اور اس سے زیادہ بتوں کی نمائش کم سے کم ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان بھی اصل توحید سے ہٹ رہے ہیں۔ ترکی میں اتاترک کا مجسمہ۔ مصر میں ازہر کے عالم اور ملک کے مرحوم زعیم سعد زاغلول کا مجسمہ۔ عراق میں امیر فیصل کا مجسمہ ایسی مثالیں ہیں جنھوں نے اسوقت ہمارے دلائل کی طاقت کو سلب کر لیا ہے۔ اقبال کی تصویر کشائی اور غالب کی تصویری نمائش، یہ تو روزمرہ کی خبریں ہیں جو ہمارے اخباروں میں نظر آتی ہیں، گاندھی کا مجسمہ بنانے والے بہرحال کم مورد الزام ہیں تاہم الزام اپنی جگہ قوی ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ گاندھی جی نے خود اس تجویز کے خلاف رائے دی ہے۔ اُنھوں نے کھلے طور پر اسلام کے سچے اثر کو قبول کیا ہے اور اسکا اعتراف کرتے ہوے اس بت پرستی کے مجوزوں کو تنبیہ کی ہے۔ گاندھی جی اپنے اخبار ہریجن میں لکھتے ہیں: —

"اپنے مسلمان دوستوں سے جنکے درمیان میری زندگی کا بہترین حصہ گزرا ہے، میں نے اپنے بُت اور اپنی تصویر سے نفرت سیکھی ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کانگریس نگر میں میرا بت بنایا جا رہا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ میں اس اعتراض کی پُر زور تائید کرتا ہوں۔ ایک آدمی کے دھات یا مٹی کے پُتلے پر ۲۵ ہزار روپیہ خرچ کرنا روپیہ کی بربادی ہے۔ پھر ایک ایسے انسان کا بت بنانا جو خود مٹی کا بنا ہوا ہے اور کانچ کی چوڑی سے بھی زیادہ نازک ہے عجیب ہے۔ کانچ یا چوڑی کو حفاظت سے ہزارہا سال تک محفوظ بھی رکھا جا سکتا ہے، لیکن انسانی جسم روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے اور عمر کو پورا کرنے کے بعد بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ محض افواہ ہے تو یہ سطریں اُن لوگوں کے لیے تنبیہ سمجھنی چاہیے جو میرا بُت اور تصویریں بنا کر میری عزت افزائی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ میں دل سے اسے ناپسند کرتا ہوں "

گاندھی جی کا یہ بیان ان کی تلاش حق کا نتیجہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس بیان کے بعد کانگریس کے نظام میں بت پرستی اور تصویر کے لیے کوئی گنجایش باقی نہیں رہے گی۔

(الجمعیۃ)

حضرت مجددؒ کا تجدیدی کارنامہ

(از حضرت گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، جامعہ عثمانیہ)

(بہ سلسلۂ صدق ۱۵ فروری ۱۹۳۹ء)

بلا شبہہ یہ بڑے امتیازات ہیں جو کم از کم ایک ہندوستانی عالم و صوفی کے لیے سرمایۂ ناز بن سکتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کی مجددیت صرف انھیں چند باتوں تک محدود ہے؟

شاید غور نہیں کیا گیا، خصوصاً ہمارے علماء اور صوفیہ نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب دیکھنا چاہا تو اس ماحول سے جدا کر کے دیکھا جس میں آپ کا وجود مسعود قدرت کی جانب سے سرزمین ہند کو عطا کیا گیا تھا۔ کچھ سنی سنائی باتیں، افواہی قصے بھی مشہور چلے آتے ہیں، کہ جہانگیر بادشاہ نے اس جرم میں کہ آپ نے اس کے آگے سجدۂ تعظیمی سے انکار کر دیا تھا کچھ دن کے لیے قید و زنداں کی سزا دی تھی، زیادہ سے زیادہ اس زمانہ کی حکومت سے آپ کے تعلق کا اظہار اسی واقعہ سے کیا جاتا ہے اور اسی پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ گویا حضرت مجدد صاحب کا حکومت سے تعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہ تھا۔ یا للعجب!

احسان فراموشی ہوگی اگر میں اس کا اظہار نہ کر دوں کہ سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہ العالی سابق صدر الصدور ممالک محروسۂ آصفیہ نے توجہ دلائی تھی۔ آپ نے ایک تقریر میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا وجہ تھی کہ مغل حکومت کے تخت پر چار بادشاہ مسلسل ایسے بیٹھے کہ ان میں دو پچھلوں کو دو پہلوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نواب علامہ کا اشارہ اور تھا کہ شاہجہاں اور عالمگیر دو پچھلوں کو جہانگیر اور اکبر سے مقابلہ کر کے دیکھیے، دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ ابھی اس سے بحث نہیں کہ ان چاروں میں کون سے دو آسمان تھے اور کون زمین۔ لیکن نسبت دونوں طبقوں میں یقیناً وہی تھی جو آسمان و زمین میں ہو سکتی ہے۔ آخر بجائے "گندم" کے "گندم" سے "جو" کی روئیدگی کس طرح ہو گئی۔ وہی دریا جو شاہنشاہی قوتوں کے ساتھ ایک سمت بہہ رہا تھا یکایک پلٹ کر اس کا بہاؤ مخالف رخ کی طرف کن اسباب کے تحت ہو گیا؟

نواب علامہ کا یہ سوال جو فلسفۂ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے یقیناً ایک عجیب سوال تھا۔ اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں، کہ سب سے پہلے اس اہم سوال کے جواب کا علم مجھے آپ ہی کی زبان مبارک سے ہوا اور در اصل میں اسی مجمل جواب کی آج کچھ تفصیل اس حد تک کرنا چاہتا ہوں جس حد تک کسی مجلاتی مقالہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔

بہرحال کمپنی بہادر کے عہد میں غالباً سب سے پہلے ہندوستان کی تاریخ فارسی زبان میں جو مرتب ہوئی وہ بہار جو بنگال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا اجارائی محروسہ ہے، اسی بہار کے ایک طباطبائی سید صاحب کے قلم سے یعنی ان کی کتاب سیر المتاخرین میں درج ہوا۔

مذہب الٰہی کہ آسایش خیر تنا ہی خلق دراں بود تا عہد جہانگیر رواج داشت۔ باز از عہد شاہجہاں تعصب شروع شدہ در عہد عالمگیر شدت پذیرفت۔ (سیر المتاخرین صفحہ ۳۲۳ ج ۱)	مذہب الٰہی جس میں خلق اللہ کے بے شمار فائدے تھے جہانگیر کے زمانہ تک اس کا چرچا اور رواج رہا پھر شاہجہاں کے زمانہ سے تعصب شروع ہوا اور عالمگیر کے عہد میں تو اس نے شدت اختیار کر لی۔

پھر اس متن کی شرح نوازیوں اور حاشیہ آرائیوں کے سلسلہ میں جو بلند و بالا عمارتیں تیار ہوئیں ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ شاہجہاں کو کم از کم "شدت پذیرفت" کے ساتھ جو بیچارہ منضم کیا گیا اس سے شاید پروپگنڈہ کا نتیجہ ہے کہ "عالمگیر اور مذہبی تعصب" تقریباً دو مترادف الفاظ بن گئے ہیں۔ مشکل ہی سے اب کوئی تعصب کے لفظ کا تخیل اس طرح کر سکتا ہے کہ بیساختہ اس کے ساتھ عالمگیری صورت بھی ذہن میں نہ کھنچ جائے۔ یہ سب کچھ کیا گیا اور اس اجمال کی تفصیل میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے، مجلدات شائع کیے گئے اور کیے جا رہے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے باایں ہمہ ذوق بسط و تفصیل، دعوی کے دو پہلوؤں سے ایسی لاپروائی برتی گئی کہ آج جب "ہسٹری" کے منصوبوں میں رگ گل پر بھی نشتر زنی سے نہیں چوکا جاتا، یہ دونوں پہلو غنچۂ دہن کی شکل میں چھوٹ گئے یا قصداً چھوڑ دیے گئے۔ تاریخی حوادث و واقعات کی توجیہ و تعلیل کے سلسلہ میں اگرچہ واقعہ تو وہی ہے جو مرحوم واقعہ نویس نے

توحید کا مسئلہ ہے اصلی ÷ باقی ہیں شگوفے مسٹری کے

ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن آج جب چیونٹی کے پر دے گنے جاتے ہیں اور مکڑی کے جال کے تانوں کی بھی رپورٹ مرتب کی جاتی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایک ہی دعوے کے ایک پہلو کو تو اتنا روشن کیا جاتا ہے اور اس زور سے اسکا نرسنگھا پھونکا جاتا ہے کہ آنکھیں چیخ اٹھتی ہیں اور کان انگلیوں کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں لیکن اسی دعوے کے اجزاء کو اتنی کس مپرسی میں ڈال دیا جاتا ہے کہ گویا علم و تحقیق سے وہ سزاوار ہی نہ تھے۔

میری مراد یہ ہے کہ سیر المتاخرین کے مذکورہ بالا بیان کا یہ جزو کہ مذہبی تعصب نے عالمگیر کے عہد میں انتہائی شدت کی صورت اختیار کر لی تھی، آج تحقیق و تنقیح، تعلیل و توجیہ کا کیوں تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ لیکن ہمیشہ اس دعوے کے حسب ذیل اجزاء

(۱) اکبر نے "الٰہی مذہب" قائم کیا تھا۔

(۲) اس مذہب کی وجہ سے "خلق در آسایش بود"

(۳) لیکن شاہجہاں سے رخ بدل گیا۔ یعنی مذہبی تعصب شروع ہوا۔

کیا یہ تینوں جز بھی قابل بحث نہ تھے، پوری تفصیل سے بتانا چاہیے تھا کہ "الٰہی مذہب" کی حقیقت کیا تھی، "خلق" جو آسایش میں تھی، تاریخی حیثیت سے اسکی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس "خلق" کے

بحث میں کون کون سی جماعتیں داخل تھیں، انکی آسایش کی کیا نوعیت تھی اور آخر میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہجہاں کے عہد سے اس میں کیوں تبدیلی ہوئی اور کن موثرات کے زیر اثر عالمگیر تک پہونچ کر اس نے شدت کی شکل اختیار کی۔ میری غرض یہ نہیں ہے کہ مورخین نے بالکلیہ ان اجزاء سے بحث نہیں کی ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان میں بعض جزو تو ایسے ہی ہیں۔ مثلاً آخری سوال، اسکو تو آج تک کسی کتاب میں اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اسی طرح "خلق دماسایش بود" کو مجمل ہی رکھا گیا۔ کسی نے نہیں بتایا کہ اس سے مراد منہ[redacted] کونسی مخلوق ہے۔ البتہ الٰہی مذہب کا تھوڑا بہت ذکر ان کتابوں میں ضرور کیا جاتا ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ جس رنگ میں کیا جاتا ہے اس سے سمجھنے والوں کے شاید جہالت میں زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ آخر دین اکبری کے متعلق جو کچھ مشہور کیا گیا ہے اسکے سوا اور کیا ہے کہ وہ "ایک صلح کل مسلک تھا۔ اس میں تمام ادیان و مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کسی مذہب والے کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں دی جاتی تھی۔" لیکن کیا یہی واقعہ ہے؟ جب واقعہ کا ذکر کیا جائیگا اسوقت معلوم ہوگا کہ واقعہ کیا تھا؟ اور اسکو کس رنگ میں پیش کیا گیا۔ اس سے انشاءاللہ "الف ثانی" کے کلمہ کی حقیقت بھی معلوم ہوگی کہ اسکا تعلق دراصل کس واقعہ سے ہے؟

عجیب بات ہے کہ آج ہندوستان میں پھر ایک مذہب پیش کیا جا رہا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں چونکہ "اللہ" کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا اس لیے اسکا نام "الٰہی مذہب" تھا۔ اس زمانہ میں "اللہ" کی جگہ قوم نے لی ہے، اس لیے اسکا نام بھی "قومی مذہب" رکھا گیا ہے۔ آسمان گھومتا رہتا ہے، تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ اس مثل مسائر کی تصدیق ہوتی ہے، جب اس وقت بھی جو کچھ سنایا جا رہا ہے اور زیادہ تر اس موضوع پر قلم اٹھانے کی وقتی وجہ شاید یہی تماشہ ہے ہو سکتا ہے کہ جو کہنا چاہتے ہوں انکو اپنی چوپال میں اس سے کچھ مدد ملے۔

الٰہی مذہب۔ یا ہندوستان کا فتنۂ کبریٰ

یہ مت کہو یہ مذہب کیوں پیدا ہوا اور کن موثرات کے تحت پیدا ہوا؟ میرے سامنے سردست یہ سوالات نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ آخر میں کچھ اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ لیکن اس وقت جو کچھ بھی پیش نظر ہے وہ صرف سادہ لفظوں میں مستند تاریخی وثائق کی روشنی میں صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مذہب تھا کیا؟ عہد کمپنی سے پیشتر کی کتابوں میں بھی اگر ڈھونڈھا جائے تو اس مسلک کے مختلف عناصر اور اجزاء کا سراغ مل سکتا ہے۔ لیکن بنظر احتیاط میں نے صرف یہ ارادہ کیا ہے کہ اکبری دربار کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور کتاب منتخب التواریخ پر ہی کفایت کروں۔ کیونکہ یہی ایک ایسا بیان ہمارے سامنے ہے جو حلفی شہادت کے بعد ادا کیا گیا ہے۔ دوسروں کو اس پر اعتبار ہو یا نہ ہو لیکن ملا صاحب جیسے ثقہ بزرگ کے حلف کے بعد ہمارے لیے عدم اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ کلی طور پر انکے جزئی بیانات کی تصدیق میں خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کی شہادت بھی انشاءاللہ پیش کی جائیگی۔ کیا اسکے بعد بھی شک کے لیے کوئی راہ پیدا ہو سکتی ہے۔ بہرحال ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے بعد ایک موقعہ پر لکھا ہے:۔

"دلیری بر نوشتن آں نفنا یا کہ از دادی حزم و احتیاط بنا بہ تدوربود کردم و خدائے عزوجل گواہ است و کفی باللہ شہیدا کہ مقصود ازیں نوشتن غیر از درد دین و دلسوزی بر ملت مرحومۂ اسلام کہ عنقا وار روئے غربت کشیدہ و ہمائے بالی ہما خود از خاک نشینان حضیض گیتی باز گرفتہ چیزے دیگر نبود و از تعنت و حقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جویم۔" (ص ۲۶۴)

اور اسی کو میں انکا حلف نامہ قرار دیتا ہوں۔

بہرحال اب واقعات کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

(باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۷)

محرم کی مناسبت سے اس نمبر میں "فتنۂ رفض" ہی پر توجہ زیادہ ہے، باقی ذکر "قادیانیت" "خاکساریت" اور "چکڑالویت" سب کا موجود ہے۔ اہلسنت کو اپنے عقائد حقہ کے لیے ایک اچھے جدید دکی ضرورت یقیناً ہے، لیکن تبلیغ میں عام اصول ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ ہی کا رکھنا چاہیے، سختی اور درشتی صرف اپنے موقع ہی پر کارگر ہو سکتی ہے۔

(۳) **الفرقان** (بریلی) مجدد نمبر، ایڈیٹر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب۔ ضخامت ۲۸۲ صفحات۔ سالانہ چندہ ۵ روپیہ۔ اشاعت کا نمبر سے روانگی۔ پتہ: دفتر الفرقان، بریلی۔

الفرقان کا یہ نمبر خاص اہتمام سے شایع ہوا ہے، قابل دید ہے۔ اتنی ضخامت کے مضامین بلکہ کر دینے بجائے خود ایک کاوش کا کام تھا۔ پھر جب "کیفیت" "کمیت" سے بڑھی ہوئی ہوا جب تو اور زیادہ قابل داد ٹھہرتا ہے۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا مضمون حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامہ پر خود اس پایہ کا ہے، کہ اور کوئی مضمون نہ ہوتا، اور رسالہ بھر میں صرف یہی ایک مضمون ہوتا، جب بھی رسالہ کے لیے باعث فخر تھا۔ صدق کے صفحات میں یہ مقالہ تمام و کمال نقل ہونا شروع ہو گیا ہے۔ دوسرے مضامین میں ایک مضمون مدیر رسالہ کا حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامہ پر، اور دوسرا مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے قلم سے مجدد کے کمالات روحانی پر قابل مطالعہ ہیں۔ اور انکے علاوہ دوسرے مضامین اور بھی اچھے ہیں۔ یہ نمبر تو خاص طور پر پڑھتا رہے ہی، لیکن الفرقان یوں معمولاً بھی اس قابل ہے کہ دیندار طبقہ کے مطالعہ میں بالالتزام رہا کرے۔

زہر کے گھونٹ

سگریٹ کے نقصانات زبان زد خاص و عام ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک دو نہیں بلکہ مختلف قسم کے ہلاک زہر ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ تمام زہر ایک دوسرے کے مقابلے پر نہ ہوتے تو سگرٹ کا ایک کش انسان کی ہلاکت کے لیے کافی تھا۔ جو زہر سگرٹ میں پائے جاتے ہیں ان میں سے چند کے نام کوٹین، امونیا، کاربن اوکسائڈ، فرفرل، مارلڈیہائڈ، پروسک ایسڈ، کاربولک ایسڈ اور سنکھیا ہیں۔ کوٹین کی مقدار سگار میں سگرٹ سے دوگنی ہوتی ہے۔ اور اس سے بھی زائد مقدار پائپ میں ہوتی ہے۔ کوٹین کا صرف ایک قطرہ ایک کتے کی ہلاکت کے لیے کافی ہے اور اگر امونیا سے یہ مدبر نہ ہو جائے۔ کاربن اوکسائڈ کا اثر آہستہ آہستہ کش لینے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے آہستہ آہستہ سگرٹ سلگتا ہے اور قدرتاً کاربن اوکسائڈ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

کئی زہر جو سگریٹ میں پائے جاتے ہیں وہ اکثر انگریزی دواؤں میں بھی ہوتے ہیں مثلاً پروسک ایسڈ درد معدہ اور استسقاء کی اکثر دواؤں میں ہوتا ہے اور کاربولک ایسڈ اکثر روزمرہ کی دواؤں میں ہوتا ہے اور سنکھیا خون صاف کرنے اور جلدی امراض کے علاج کی اکثر دواؤں میں ہوتا ہے۔ مگر یہ مناسب ہدایات و معلومات کے ساتھ دی جاتی ہیں۔ کثرت سے سگرٹ پینے کے نقصانات بکثرت ہیں مگر چند نقصانات خصوصاً قابل ذکر ہیں مثلاً نیند اچاٹ ہونا، حلق کی خراش اور خشکی خصوصاً صبح کے وقت، خشک کھانسی، ہاتھ کا رعشہ، ضعف بصر، خصوصاً رنگ کا امتیاز جاتا رہنا، گرانی معدہ، کھٹی ڈکار، اختلاج اور متلی، پسلی کے نیچے سخت درد، آنتوں کا ضعف یا مزمن قبض، اختلاج قلب، غشیان، ضیق النفس، خون کے دباؤ میں کمی، دل میں ضعف اور ضعف اعصاب۔ اگر بدقسمتی سے آپ سگریٹ یا سگار یا پائپ پیتے ہوں تو ان شکایتوں میں سے ایک بھی ظاہر ہوتے ہی فوراً اس میں کمی کر دینا چاہیے۔ ورنہ پھر اس کا علاج مشکل ہو جائے گی۔

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

مراسلہ

ایک اخباری چیستاں

پاؤنیر ۱۴ مئی کے میں رائٹر ایجنسی کی ایک برقی خبر لندن ۱۲ کی اور سرخی "مقامات مقدسہ اسلام در یروشلم" درج ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ

"اخباری حلقوں میں یہ تعجب کیا جا رہا ہے کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں آل انڈیا مسلم لیگ پارٹی نے مقامات مذکورہ کے تحفظ کے باب میں اظہار اندیشہ کیوں کیا؟ حالانکہ فلسطین اور دیگر عرب ممالک کے عرب نمائندگان شریک لندن کانفرنس کی جانب سے ایسے کسی اندیشہ کا اظہار نہیں کیا گیا" آخر میں یقین دلایا گیا ہے کہ "یہ مقامات حسب سابق شیوخ عرب کے تحویل میں رہیں گے۔"

اس خبر میں چیستانیت یہ ہے کہ مرکزی اسمبلی دہلی میں اس طرف کوئی قرارداد مضمون بالا کی پیش نہیں ہوئی ۶ کو چودھری عبد الرشید صاحب کی طرف سے تحریک التواء اس بنا پر پیش ہوئی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ نے لندن کانفرنس میں مسلمانان ہند کے نمائندہ شریک کرنے سے انکار کر دیا۔ اس تحریک میں مضمون بالا کا تذکرہ بھی نہ تھا۔ البتہ یہ مضمون اس یادداشت میں ہے جسے مسٹر عبد الرحمن صدیقی و چودھری خلیق الزماں کو بتوسط وزیر ہند مسٹر چیمبرلین پرائم منسٹر کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ ہندوستانی اخبارات میں یہ دونوں واقعے علی الترتیب ۶ و ۹ کو شائع ہوئے تھے۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ

(۱) لندن کے اخباری حلقوں میں ۱۰ را دن کے بعد یہ اظہار تعجب کیوں ہے؟

(۲) یہ کیسی اخباری ہے کہ ۶ کی اجلاس مرکزی اسمبلی کی طرف ایسی بات منسوب کی جو بالکل غلط و بے بنیاد ہے۔

(۳) اس خبر میں یادداشت پیش کردہ ۹ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ موضوع خبر کا تعلق اسی سے ہے۔

(۴) یقین جو دلایا گیا ہے وہ کس کی طرف سے ہے۔ بظاہر تو یہ صہیونی ایجنسی کی فریب کاری معلوم ہوتی ہے۔

اگر مناسب تصور ہو تو اس دجل و فریب پر "صدق" میں کوئی مختصر شذرہ لکھ دیا جائے۔ والسلام

دعاگو عبد الرحیم عفی عنہ

صدق۔ مراسلہ بالا مراسلہ نگار کی شخصیت کے احترام میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کوئی اخبار صاحب اس مسئلہ پر (اخباری زبان میں) "روشنی ڈال سکیں"۔ مدیر صدق نہ اس قسم کی خبریں پڑھتا ہے، نہ اسے ان مسائل میں مطلق کچھ دخل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جسنے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور

کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر ہو:

مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۲۸ | لکھنؤ - ۲۳ - محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ - مارچ ۱۹۳۹ء | جلد ۴

سچی باتیں

دریائے دجلہ و فرات کا دوآبہ، جسے ہم آپ عراق کہتے ہیں اور "صاحب" میسوپوٹیمیا کہکر پکارتے ہیں، اور سیح سے کوئی چار ہزار سال، گویا آج سے چھ ہزار سال قبل، گہوارۂ تمدن اور مرکزِ شائستگی و تہذیب رہچکا ہے - ملک کا نام اُسوقت بابل تھا - اور بڑے بڑے صناع (آرٹسٹ)، بڑے بڑے سنگتراش، بڑے بڑے نامور سرداران فوج اور بڑے بڑے بادشاہ، اُس زمانہ میں اس سرزمین میں پیدا ہوچکے ہیں - آج ترقی تمدن کی پیمایش کا جو پیمانہ آپ کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے، اور آپ نے بھی اور ہر طرف سے آنکھ بند کرکے، اُسی پیمانہ سے ناپ جوکھ فروع کردی ہے، اسکا نام ہے "عورت کی آزادی" - آیئے ذرا اسی پیمانہ سے اسکو بھی ناپ نہ ڈالیں؟

"عورت کو مسوپوٹیمیا میں تقریبًا وہی مرتبہ حاصل تھا، جو مرد کو تھا۔

... تجارت مردوں عورتوں دونوں کا کام تھا - مجسٹریٹ، گورنر، جج، دونوں ہوتے تھے - تحریر سے دونوں واقف، اور تحریر دونوں کا پیشہ تھا - دونوں، مندروں میں دیوتاؤں کی خدمت کے عہدہ پر رہتے تھے، اور پجارنیں ایسی کمیر ہوتی تھیں اور سوسائٹی میں بڑی معزز سمجھی جاتی تھیں ... خلاصہ یہ کہ علاقہ میسوپوٹیمیا کی ریاستیں، ان حیثیتوں سے بالکل ہی آج کل کا نمونہ تھیں (یونیورسل ہسٹری آف ورلڈ - جلد اول صفحہ ۳۰۷)

آخری سطر ایک بار پھر پڑھ لیجیے - یہ سرٹیفکٹ خوش ہوکر بیسویں صدی کی یہ روشنخیال انگریز خاتون مسز اسٹریچی نے دیا ہے، جو تفتارہیں اسلام اور پیغمبر اسلام سے کہ اُنھوں نے عورت کا مرتبہ اونچے سے نیچا کردیا!

عورت کی "آزادی" مطلقہ کا، مرد سے "مساوات" کا لٹکا، مطالبہ آج جو اس ہمہمہ اور اس طنطنہ سے پیش ہو رہا ہے، اسکے صحیح و غلط، بجا و بیجا ہونے کو چھوڑیے، سردست سوال صرف اسقدر ہے، کہ اس تجدد میں جدت کا کون حاپلو ہے؟ یہ تو صاف صاف کھلم کھلا انھیں مشرک اور جاہلی قوموں کی کورانہ تقلید ہے، جو آج سے ہزاروں سال قبل مصر میں اور بابل میں اور ہندوستان میں اور روما میں رس بس چکی ہیں - اسلام نے آکر عورت کا صحیح مقام بتایا تھا - ٹھیک نقطۂ اعتدال - نہ مرد کی کنیز، نہ مرد کی حاکم - بلکہ بلحاظ حقوق انسانی، مرد کے مساوی (وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ) اور بلحاظ اپنی صنف کے مرد سے کمتر (وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ) اور مرد کی دست نگر (اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ) --- آج تہذیب جاہلی نے پھر بغاوت اسی فطری و حقیقی تعلیم کے خلاف برپا کی ہے، اور تہذیب اسلامی سے ارتداد کا علم، ترکی اور مصر اور ایران اور ہندوستان کے تجدد نوازوں کے ہاتھ میں دیدیا ہے - نذیر احمد، اور ممتاز علی، اور راشد الخیری (اللہ ان سب پر رحمت فرمائے) کا دور یقینًا "حقوق" نسواں کی حمایت و وکالت کا دور تھا، آج اُسی ڈھول کو پیٹے جانا، وقت کی ضروریات و مقتضیات سے آنکھیں بند کرلینا ہے - آج ضرورت، "حقوق" سے بڑھکر، بہنوں اور بیویوں اور بیٹیوں کو اُنکے "فرائض" یاد دلانے کی ہے

نتائج ان آزادیوں اور بیباکیوں کے بعد "کل" بھی وہی نکلے تھے، جو "آج" نکل رہے ہیں۔ بابل میں بھی وہی پیدا ہوئے تھے، جن سے آج امریکہ اور انگلستان اور فرانس کی فضا گونج رہی ہے۔ اُمّیِ عرب کی تہذیب نے جس جرم کو اتنا گندہ قرار دیا ہے، کہ اُسکے بعد زندہ رہنے کی بھی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ سزائے موت بھی انتہائی سختی (سنگباری) کے ساتھ رکھی ہے، پچھلے روشن خیالوں کی تہذیب میں آج کے روشن خیالوں کی تہذیب کی طرح، اسکا "جُرم" ہونا کیا معنی، وہ عین تہذیب اور لازمۂ شرافت نسوانی تھا!

"ہر عورت کو زندگی میں ایک بار زہرہ دیوی کے مندر میں آکر کسی اجنبی سے ... کرنا لازمی تھا۔ بڑی بڑی، اونچے گھرانوں کی شریف زادیاں اپنی ماماؤں اصیلوں کے ساتھ بند گاڑیوں میں آتیں اور مندر میں آکر الگ بیٹھ جاتیں۔ اجنبی مرد جس عورت کو چاہتا، پسند کر لیتا؛ اُسکے آغوش میں چاندی کا کوئی سا سکہ ڈال دیتا، اور وہ ... کے لیے اُس کی ہو جاتی" (لولرنا کی کتاب "ہو یومن آف بیبی لون" ص ۱۰۔ بحوالہ ہیرودوٹس یونانی، ملخصاً)

عورت کے مخلص دوست، ہوا خواہ کون ہیں؟ وہ جو اس راہ کو سِکھلے آسان و ہموار کرتے جاتے ہیں؟ اس راہ سے رکاوٹیں ایک ایک کرکے دُور کرتے جائیں، اور اس سڑک پر اسے "آزاد" چھوڑ دیں؟ یا وہ جو اس راہ کو قدم قدم پر اُسکے لیے دشوار گزار بنا دیں؟ جو اسکی آنکھیں پھوڑ دیں قبل اسکے کہ وہ اس راہ کو دیکھ سکے؟ اور جو اُسکے پیر توڑ دیں قبل اسکے کہ وہ اس کوچہ میں ایک قدم بھی رکھ سکے؟

ایک آیت کی تفسیر

(الہ آباد) سے ایک مستفسر لکھتے ہیں:-

"قرآن مجید کی آیت جس پر میں آپ کی تفسیر کا خواہشمند ہوں، وہ سورۂ حج کی آیت نمبر ۵۱ و ۵۲ پر مشتمل ہے۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الخ اسکی بابت جو روایتیں میری نظر سے گزری ہیں وہ ہولناک معلوم ہوتی تھیں۔ رسول اللہ صلعم سے غیر ممکن تھا کہ جو کچھ اُن پر وحی نازل ہو اُسکے خلاف تلاوت فرما سکیں۔ اسکے متعلق میری تشفی پورے طور پر فرما دیجیے، مجھکو اپنے ایمان پر تو پورا بھروسہ ہے لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ رسول اللہ ؐ سے متعلق جو روایتیں منسوب کی گئی ہیں، وہ محض لغو اور جھوٹی ہیں"

روایتیں جو اس سلسلہ میں بعض کتب تفسیر میں منقول ہیں، وہ کس درجہ و مرتبہ کی ہیں، یہ ایک الگ بحث ہے، علیٰ ہذا یہ مسئلہ کہ کوئی نبی، خصوصاً ہمارے نبی کریم صلعم، وساوس شیطانی سے متاثر ہو سکتے تھے یا نہیں، یہ بھی بجائے خود ایک مستقل بحث ہے، لیکن آیت کی صحیح تفسیر سرے سے کسی روایت پر معلق ہی نہیں۔ اس لیے ان بحثوں کے چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پہلے سیاق ملاحظہ ہو۔ اوپر کی آیت کا مضمون یہ ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی کی مخالفت اور انبیاء کو شکست دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اُنکی قسمت میں دوزخ ہے۔ والذین سعوا فی آیٰتنا معٰجزین اولٰئک اصحٰب الجحیم۔ اسکے بعد وہی دونوں آیتیں ہیں جنکا حوالہ مراسلے میں ہے۔ انکا تشریحی ترجمہ سننے کے بعد، ان شاء اللہ کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا:-

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی اُمنیّتہٖ، فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ آیٰتہ، واللہ علیم حکیم۔

(اور دشمنان دین کا آپ سے مجادلہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ) آپ کے قبل جب ہم نے کوئی رسول یا نبی بھیجا یہی صورت پیش آئی، کہ جب اُس نے (وحی الٰہی میں سے) کچھ پڑھا، تو شیطان نے اُسکی پڑھائی کے باب میں (منکرین کے قلوب میں) شبہہ ڈال دیا (اور وہ منکرین انھیں القاء شیطانی کو لیکر لگے پیمبروں سے مجادلہ کرنے) پھر اللہ، شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (دلائل واضحہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیتوں کو (اور زیادہ) مضبوط کر دیتا ہے، اور اللہ علم والا ہے، حکمت والا ہے۔

لیجعل ما یلقی الشیطٰن فتنۃً للذین فی قلوبہم مرض والقاسیۃ قلوبہم وان الظٰلمین لفی شقاق بعید۔

(اور یہ ہونا اس لیے ہے کہ) اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے، جنکے دل میں روگ ہے (شک و شبہ کا) اور جنکے دل بہت سخت ہیں (کہ حق کے سامنے پگھلتے نہیں) اور واقعی یہ ظالم لوگ (حق سے) بڑی مخالفت میں پڑے ہیں۔

سارے اشکالات کی بنا دو صرف دو حرف، ایک تمنّیٰ اور دوسرا اُمنیّتہ جنکے عام معنی خواہش و آرزو کے ہیں۔ حالانکہ یہاں کھلے طور پر اسکے دوسرے معنی "تلاوت" مراد ہیں، جیسے کہ بہت سے ماہرین، مثلاً ابن قتیبہ، و راغب اصفہانی وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔ دوسری چیز اُلجھن پیدا کرنیوالی یہ ہوئی، کہ بعض حضرات نے القاء شیطانی کا تعلق قلوب انبیاء سے سمجھا۔ حالانکہ یہاں اسکا مطلق ذکر نہیں۔ یہاں ذکر اسکا ہے، کہ پیمبروں کی تلاوت آیات و احکام الٰہی کے بعد شیطان نے، مخاطبین و سامعین کے دلوں میں وسوسے پیدا کر دیے، اور شیطان کو اس تصرف کی قوت اسلیے دی گئی ہے، کہ اسی ذریعہ سے اہل ایمان اور باطل پرستوں کے درمیان امتیاز اور حد فاصل قائم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

مغرب، مشرق کے نقش قدم پر

"برطانیہ کی شرح پیدائش گر رہی ہے، اور اگر ہم نے اسکی فوری روک تھام نہ کی، تو یہ ایک قومی حادثہ بن کر رہیگا"

یہ اقتباس لندن کے ایک ڈاکٹر فریڈرک میک کن کے ایک بیان کا ہے۔ صورت حال کے اس احساس کے بعد برطانیہ کے متعدد مشاہیر نے جن میں ڈاکٹر بھی ہیں، اور سیاسیین بھی، اور پادری صاحبان بھی، مل کر ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی، کہ بیاہے ہوئے جوڑوں کو ۵۰ پونڈ کا قرض اس قومی

فنڈ سے دیا جایا کریگا، اور جب انکے پہلا بچہ پیدا ہوگا، تو اس قرض کا ¼ خود بخود معاف ہو جائیگا، اسی طرح جب چار بچے ہونگے، تو سارا قرضہ از خود معاف ہو جائیگا۔ (دکن ٹائمس، مدراس، ۱۲ فروری ۱۹۳۵ء بحوالہ سنڈے کرانیکل، لندن)

یہ کیا ہوگیا ہے، عقلاے برطانیہ کو کیا ہوگیا ہے، کہ جرمنی اور اطالیہ کی طرح انھوں نے بھی "افزائش نسل" اور "تکثیر اولاد" کی فکر شروع کردی ہے! ان "حماقتوں" میں تو مشرق ہی مبتلا رہا کرتا تھا، اور مغرب نے جب کبھی بھی ان چیزوں کا نام لیا تھا، تو مغرب کی "روشن خیالی" نے مالتھس آنجہانی کے چیلوں نے، اور میری اسٹوپس آنجہانی کے چیلوں نے اسکا استقبال اپنے قہقہوں سے کیا تھا! یہ کیا ہوا کہ وہ ہنسی اب رخصت، اور بجائے اسکے چہرہ پر سنجیدہ و غور و فکر کے آثار! ---- ہندوستان کا تجدد پرور طبقہ "منع حمل" کی منزل پر اسوقت پہونچا، جب خود فرنگستان اسکا پورا مزہ چکھ کر آگے چلا!

"حُسن مستور"

عزیز احمد صاحب بی، اے، بی، ٹی (علیگ)، خود ہی تعلیمیافتہ نہیں، بلکہ رہتے سہتے بھی "تعلیم یافتہ" ہی دنیا میں ہیں۔ یعنی حکومت ہند کے صیغہ سیاسیات کے شعبہ فیڈریشن میں ایک عہدہ پر مامور ہیں۔ لیکن نئی دنیا کی اس جگمگاہٹ میں اپنے پرانے دین کی نورانیت کو نہیں بھولے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، شملہ میں ایک بڑے "روشنخیال" مجمع میں انھوں نے اپنی ایک نظم، عنوان بالا سے پڑھی تھی، جو اس مجمع میں، کم از کم اُسوقت تو مقبول بھی ہوئی۔ نظم شعری حیثیت سے بھی خوب ہے۔ مطلع یہ درج ہے ؎

دست قدرت نے بتا کیا حسن کو عریاں کیا
ابر میں پانی، شرر کو سنگ میں پنہاں کیا

شمع کی زینت بنایا پردۂ فانوس کو
جلوۂ مستور پر پروانوں کو قرباں کیا

مشک کو نافے میں رکھا، اور بو کو پھول میں
پھول کو کانٹوں میں رکھکر حفظ کا ساماں کیا

دُر صدف میں، سیم و زر کو کان میں مخفی کیا
جب کبھی باہر نکالا در بدر حیراں کیا

تشبیہی اشعار اسی طرح برابر لکھتے چلے گئے ہیں۔ خاتمہ سے ذرا قبل فرماتے ہیں ؎

حسن کی ہر اک ادا جب اس طرح مستور تھی
حسن زن کو تو نے ظالم کس لیے عریاں کیا

رکھ دیا بازار میں لاکر جمال حور کو
معنیِ پنہاں کو تو نے سرخیِ عنواں کیا

گنجایش نکالنی ممکن ہوتی، تو پوری نظم صدق میں درج کردی جاتی۔ اصلی ضرورت تبلیغ کی تو انھیں "روشن خیال" و "تعلیم یافتہ" طبقوں ہی میں ہے۔ ان حلقوں میں ایسی نظموں کو خوب پھیلنا چاہیے۔

جُرم کی تجارت

"جرائم کوئی پُر لطف چیز نہیں۔ یہ قول کہیں اور صحیح ہو تو ہو، اس سینما کی دنیا میں تو یقینا صحیح نہیں۔ جرائم و قتل کی کوئی سی بھی کہانی ہو، جہاں پردۂ سیمیں پر دکھائی گئی، عوام و خواص دونوں قدرۃً اشتیاق سے اس پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

الفاظ لندن کے مشہور ہفتہ وار "سنڈے ٹائمس" کے نقاد و ماہر فن (آر۔ ٹی۔ کریٹس) کے ہیں، سلسلۂ "فلم نوٹس" میں (۱۰ جنوری ۱۹۳۵ء) یہی بات کسی مشرقی و اخلاقی یا ناصح کی زبان سے ادا ہوئی ہوتی، تو یاروں کے حلقہ میں اس پر کیسا شور مچتا، مشرق (مسلمانوں) کے لئے بوسیدہ دقیانوسی، اور اسکی "تاریک خیالی" اور "قدامت پرستی" پر کیسا کچھ مضحکہ کیا گیا ہوتا!

مغرب کی نزاکت

موٹرنشینی کا جو اثر انسان کی ٹانگوں پر پڑتا ہے، اور اچھا خاصہ جوان آدمی جس طرح اپنی قوت مشی کو کھو بیٹھتا ہے، یہ ہمارا آپ کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔ اب امریکہ سے ایک نئی ایجاد کی اور خبر آئی ہے۔ بعض شہروں میں انتظام اس کا ہوگیا ہے، کہ سینما کے موٹرنشین تماشائیوں کو تماشہ گاہ پہونچکر بھی موٹر سے اُترنے، اور چند فٹ زمین پر بھی "قدم رنجہ فرمانے" کی ضرورت نہ باقی رہے، بلکہ موٹر خود تماشہ گاہ میں داخل ہو جائے، اور موٹرنشین وہیں سے بیٹھے بیٹھے اپنے ذوق تماشہ کو پورا کرلے! اسکے ساتھ ہی دوسری اطلاع اسکی بھی آئی ہے، کہ ہوٹلوں اور ناشتہ گھروں میں بھی موٹرنشینوں کو اُترنے کی ضرورت نہ پڑا کریگی، بلکہ موٹر ایسی جگہ کھڑے کئے جائیں گے، کہ کھانا وہیں آجائیگا، اور موٹرنشین بغیر اپنی نشست سے ہلے جلے، کھا پی کر فراغت کرلیا کرینگے! (لیڈر، ۱۴ فروری ۱۹۳۵ء)

لکھنؤ کے نازک اندام نوابزادوں اور دلی کے نام شہزادوں کی نزاکت سے متعلق واقعی اور اختراعی قصے خدا معلوم کتنے اب تک آپ سن چکے ہونگے، فرمائیے، "ماضی" کے اس سارے دفتر میں کوئی حکایت اس "حال" کے ٹکر کی ہے؟ علمی دنیا میں نازک خیالیوں کی ان حدود تک، اگلوں میں سے کسی کا بھی ذہن پہونچا تھا؟

چائے کا پروپگنڈا

ترقی "تہذیب و تمدن" کی پیمایش کے جہاں اور بہت سے پیمانے ہیں، وہاں ایک پیمانہ چائے نوشی و چائے سازی اور چائے کے کاروبار کے پھیلاؤ کا بھی ہے۔ آخری اعداد کے مطابق، اسوقت

برطانوی رعایا میں، ۲۰ لاکھ انسان چائے کے کارخانوں میں ملازم ہیں!

برطانوی سرمایہ بقدر ۱۰ کرور پونڈ (ایک ارب ۳۵ کرور روپیہ) چائے کے کاروبار میں لگا ہوا ہے۔

سرمایہ کے یہ اعداد معلوم ہوجانے کے بعد کیا اب بھی اس پر کچھ حیرت رہیگی، کہ چائے پینے پلانے کا پروپگنڈا کس شان کا ہو رہا ہے اور کس طرح بے دریغ اس پر روپیہ لٹایا جا رہا ہے!

بے پردگی اور عصمت

مشہور برطانوی فلسفی، برٹرینڈ رسل، عورت کی جدید آزادی کا مخالف نہیں، مؤید و حامی ہے۔ اسکے باوجود لکھتا ہے، کہ اگر جدید اخلاقی بے قیدیوں کو روکنا اور قدیم فلسفۂ اخلاق کو از سرِ نو رائج کرنا ہے، تو اسکے سوا چارہ نہیں، کہ پہلی پابندی تو موجودہ تعلیم پر عائد کی جائے، اور نوجوانوں کو اس سے محروم رکھا جائے۔

"اسکے بعد ان ساری کتابوں کی بہت سخت نگرانی کرنی ہوگی، کہ جو صنفی مسائل پر لکھی جا رہی ہیں ...... لیکن یہ تدابیر بھی کافی نہیں ہیں، سب سے بڑھکر یہ کرنا ہوگا، کہ نوجوان عورتوں کو مردوں سے تنہائی میں یکجائی کے موقعے بالکل روک دیے جائیں، لڑکیوں کو تلاش معاش میں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی جائے، اور جبتک بڑی بوڑھیوں میں، ماں، خالہ وغیرہ ساتھ نہ ہوں، وہ باہر قدم نہ رکھیں، ناچ کے جلسوں میں، بجز کسی محافظ خاتون کے جانا قطعاً روک دیا جائے۔ پھر بن بیاہی عورت اگر پچاس سے کم سن رکھتی ہے، تو اسے موٹر رکھنا تک تو جرم قرار دیدیا جائے، بلکہ مناسب تو یہ ہوگا، کہ ہر مہینے تمام بن بیاہیوں کا طبی معائنہ، پولیس کے ڈاکٹروں کے ذریعہ سے کرایا جایا کرے، کہ آیا انکی دوشیزگی محفوظ ہے .... اور آلات منع حمل کا استعمال تو قطعاً ممنوع قرار پا جائے"۔ ("میریج اینڈ مارلس" ص ۵۸)

برطانوی فلسفی اس قدیم طرزِ زندگی کا خود شدید مخالف ہے۔ مگر یہاں سوال اسکی موافقت و مخالفت کا نہیں، یہاں دکھانا یہ ہے کہ اگر عصمت و عفت عزیز ہے، جسکا مذہب ہی میں نہیں، بلکہ مشرقی اخلاق و معاشرت میں بھی انتہائی اہتمام ہے، تو بجز اسکے چارہ نہیں، کہ تدابیر وہی عدم اختلاط صنفین کی اختیار کی جائیں، اور پردہ نہ سہی، نیم پردہ کی سی پابندیاں، عائد کی جائیں۔

خواہرِ مشرق کی غیرت

خبر شائع ہوئی ہے کہ صوبۂ متحدہ کے ایک مشہور شہر میں، زنانہ مشاعرہ ایک خاتون کی سرپرستی میں، ریڈیو کے ذریعہ سے نشر (براڈکاسٹ) ہوا۔ مصرعۂ طرح تھا: ~

نظر دے رہی ہے پیامِ محبت

اس طرح پر جیسی غزلیں ہوئی ہونگی، انکے اندر جیسے جیسے مضامین نظم ہوئے ہونگے، بغیر کسی روایت کے یوں بھی قیاس کیے جا سکتے ہیں۔ "پلا دے مجھے ایک جامِ محبت" کی قسم کے مصرعے تعداداً بکثرت تھے۔ یہاں تک کہ ایک مصرعہ یہ بھی تھا "کیا وصل نے شاد کامِ محبت"۔

یہ اطلاعیں اگر صحیح ہیں، تو تجدد نوازوں کو اپنے مشن میں کامیابی مبارک، ہو! مشرق کی عورت کو یقیناً "آزادی" حاصل ہوگئی، اور اس نے "ثابت" کر دیا کہ دوسرے میدانوں کی طرح، عریاں نگاری میں بھی وہ ہرگز مردوں سے دب کر نہیں رہ سکتی!

"آزادی" کی برکتیں

"میرا خیال یہ ہے کہ دنیا کے متمدن لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں، اگر روک تھام نہ ہو، تو عموماً اپنے جذبات کے لحاظ سے، اپنے ازدواجی تعلق میں تعدد کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کبھی انھیں عشق ہو جائے، اور چند سال تک یہ صرف ایک ہی فرد کو اپنی توجہ کا مرکز رکھیں۔ لیکن دیر سویر، ایک سے انکا جی بھر جاتا ہے، اور یہ نئے سرے سے اپنے شوق کو تازہ کرنے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ تحفظ اخلاق کی خاطر اس تحریک کو قابو میں تو لایا جا سکتا ہے، لیکن مشکل ہے کہ اسکے وجود ہی کو دبا دیا جائے۔ آزادی نسواں کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدیم زمانہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ازدواجی خیانت کے موقعے ملنے لگے ہیں۔ ان موقعوں کی دستیابی سے اول ذہن منتقل ہوتا ہے، اور ذہن منتقل ہونے کے ساتھ ہی نفس خواہش بھی کرنے لگتا ہے، اور جب کبھی کوئی مذہبی مانع موجود نہ ہو، تو خواہش نفس پر عمل بھی ہو جاتا ہے" (برٹرینڈ رسل کی "میریج اینڈ مارلس" ص ۱۱۱-۱۱۲)

بے پردگی اور آزادانہ اختلاط کے یہ نتائج کون بیان کر رہا ہے؟ وہ جو خود آزادی و بے حجابی کا وکیل ہے! ——— اردو کے کسی اہل قلم سے اس طرح کی گستاخی ہو گئی ہوتی، تو "روشن خیال" اور تجدد نواز حلقوں میں آج کتنی برہمی ہوتی! اور کس کس طرح کوسا گیا ہوتا، کہ حریت نسوانی کا کون دشمن، اور شرف و مرتبۂ نسوانی کا کون ناقدرا ہے، جو اس طرح عورت کی توہین و تحقیر کر رہا ہے! لیکن یہ اقبال جرم تو برطانیہ کے ایک نامور فلسفی ہی کی زبان سے ہو رہا ہے! مذہب بھی تو آخر یہی کہتا ہے، کہ دونوں صنفوں کو بجز خاص قیود و حدود کے، یکجائی کے موقعے ہی سرے سے نہ دو۔ اور اب بعینہ یہی، یورپ بھی کہہ رہا ہے، کہ یکجائی و اختلاط کے بعد، قدیم معیارِ عصمت قائم ہی نہیں رہ سکتا، نفس کی سوئی ہوئی خواہشیں بیدار ہونگی، اور اپنی بیداری کا ثبوت عمل سے دے کر رہینگی!

شریف بیسوائیں

رسل کی اسی کتاب کا ایک مقام اور ملاحظہ فرماتے چلیے۔ بیسوائی کے پیشے کے سلسلہ میں لکھتا ہے:—

"بجز جنوبی امریکہ کے، بیسوائی اب ہر جگہ روبہ زوال ہے جسکی ایک وجہ تو یہ ہے، کہ اب عورت کے لیے دوسرے ذرائع معاش کی ایسی کمی نہیں رہی، جیسی پہلے تھی۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اب عورتیں پہلے سے کہیں زیادہ بے نکاحی تعلقات ازدواجی بجائے روپیہ کمانے کے، اپنے شوق کی بنا پر رکھنے لگی ہیں" (ص ۱۱)

یہ شہادت پہلی نہیں۔ کتنی بار اسکے قبل بھی، اسکاٹ کی "ہسٹری آف پراسٹیٹیوشن" کے حوالہ سے، اور دوسرے حوالوں سے انھیں صفحات پر پیش ہو چکی ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہی ہے، کہ یورپ اور امریکا سے پیشہ ور کسبیاں اور بیسوائیں اب عنقا ہوتی جا رہی ہیں، اس لیے کہ گھر گھر شریف عورتیں، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ لڑکیاں، معزز گریجویٹ خاتونیں، اب خود اسکی ضرورت کو پورا کرنے لگی ہیں، اب "پیشہ وروں" کو پوچھتا کون ہے؟ ——— ٹھیک اسی طرح، جیسے "سیفٹی ریزر" نکل آنے کے بعد نائیوں اور حجاموں کو کوئی نہیں پوچھتا، اور پانی کے نل گھر گھر لگ جانے کے بعد بہشتی اور سقے

سورۂ آل عمران، رکوع ۸

(از عبد الماجد)

(سلسلۂ صدق نمبر ۲۲ و ماقبل)

۱- وقالت طائفۃ من اہل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النہار واکفروا آخرہ لعلہم یرجعون۔	اور کہتا ہے[۱] اہل کتاب میں سے ایک گروہ[۲] کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل ہوا ہے ایمان لانے والوں پر، شروع دن میں، اور انکار کر بیٹھو آخر دن میں[۳]۔ کیا عجب کہ وہ (بھی) پھر جائیں[۴]۔
۲- ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم، قل ان الہدیٰ ہدی اللہ ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم او یحاجوکم عند ربکم، قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء، واللہ واسع علیم۔	اور (حقیقۃً کسی پر) ایمان نہ لاؤ[۵] مگر اسی پر جو پیرو ہو تمہارے دین کا۔ آپ کہدیجیے[۶] کہ حقیقۃً ہدایت[۷]، اللہ ہی کی ہدایت ہے[۸]۔ (یہ سب اس لیے کر رہے[۹] ہو) کہ کسی (اور) کو وہ چیز[۱۰] مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی[۱۱]۔ یا وہ لوگ تم پر غالب آ جائیں تمہارے پروردگار کے نزدیک[۱۲]۔ آپ کہدیجیے کہ بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اُسے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ وسعت[۱۳] والا ہے، علم والا ہے[۱۴]۔
۳- یختص برحمتہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم۔	وہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کو جسکے ساتھ وہ چاہتا ہے[۱۵]۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے[۱۶]۔
۴- ومن اہل الکتاب من ان تأمنہ بقنطار یؤدہ الیک، ومنہم من ان تأمنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا ما دمت علیہ قائما، ذلک بانہم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل، ویقولون علی اللہ الکذب وہم یعلمون۔	اور اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم انکے پاس امانت رکھا دو ڈھیر کے ڈھیر تو وہ اُسے ادا کر دیں تجھکو[۱۷]۔ اور انھیں میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انکے پاس امانت رکھا دے ایک دینار، تو وہ بھی وہ ادا نہ کریں تجھکو بجز اسکے کہ جب تک تو اُس کے سر پر رہے[۱۸]۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر اُمیوں[۱۹] کے باب میں کوئی ذمہ داری نہیں[۲۰]۔ اور یہ لوگ جھوٹ لگا رہے ہیں اللہ پر درآنحالیکہ یہ (خوب) جانتے بھی ہیں[۲۱]۔

۱- (آپس میں)

۲- اشارہ ہے یہود خیبر کی جانب۔

۳- یعنی ایمان کا انکار کر دو۔

۴- یعنی صبح کو ملکر یہ کہو کہ ہم بھی اسلام لے آئے، لیکن شام کو کہہ دو کہ ہم اس نئے دین کو چھوڑ بیٹھے۔

۵- جو زبانی نہیں، واقعۃً مسلمان ہیں۔

۶- (اس ترکیب و تدبیر سے) یہود مدینہ کی، مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب چالیں رہتی تھیں۔ انھیں میں ایک نئی چال یہ سوجھی کہ آپس میں صلاح و مشورہ کرکے یہ طے کیا، کہ ہم میں سے بعض صداقت اسلام کا اقرار کر لیا کریں، اور پھر کچھ وقفہ کے بعد اُس سے انکار کا اعلان کر دیا کریں۔ اہل عرب پر ہمارے علم و دیانت کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے، یہ لوگ یہ کہینگے کہ آخر کوئی تو ایسی خرابی اس نئے دین کے اندر ان لوگوں کو نظر آئی، کہ ایمان لا کر یہ اس سے نکل گئے۔ اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پرانے مسلمان بھی اُکھڑ جائیں۔

تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں۔ خود انکی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے، کہ بارہویں صدی عیسوی میں، جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی، تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر، بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوے کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا، درآنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی رہے (ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول۔ صفحہ ۴۳۲، ۴۳۳ و ۱۲۷)

اور آج جو فرنگستان کے بڑے بڑے "محققین" نے یہود و مسیحی "مستشرقین" نے سیرت نبوی کا فرنگی زبانوں میں لکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے، کہ اپنے علم و تحقیق، اور بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر، تمہید تو بڑے زور کی اٹھاتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے، کہ "پیمبر عرب" اور "مصلح اعظم" کی اور "مقنن اعظم" اور "مثیل موسیٰ" کی نعت و منقبت سرائی میں دریا کے دریا بہا دینگے، اور آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں، کہ (نعوذ باللہ) اُنھیں کچھ خلل دماغ سا تھا، یا وہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر دہرا لیتے تھے، وقس علیٰ ہذا۔ تو یہ ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا جدید ترین فرنگی ایڈیشن ہے!

۷- یعنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق صرف اپنے ہی والوں کی کرو۔

۸- (اے پیغمبر!)

۹- (جس پر دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں)

۱۰- (جو اسلام کے نام سے ظاہر ہوئی ہے، نہ کہ تمہارے مخترعات و مزعومات)

۱۱- (اے بنی اسرائیل)

۱۲- یعنی دولت نبوت۔

۱۳- یعنی تمہاری نسل و قوم کو۔ یہود کو بڑی خلش اسی کی تھی، کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری قوم میں پیدا ہوا کرتے تھے۔ اب بنی اسمٰعیل کو یہ دولت کیسے ملی جا رہی ہے۔

۱۴- (اور اسی سے تم ڈرے سہمے جا رہے ہو)

۱۵- (اپنی حکمت مطلقہ اور مصلحت کاملہ کے مطابق)

۱۶- (اُسکے خزانۂ فضل و عطا میں کمی نہیں، پھر یہ کیوں فرض کر لیا جائے، کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہیگی)

۱۷- (اس لیے اپنے علم کامل کے مطابق جسکی جیسی استعداد دیکھتا ہے، اُسے وہ نعمت عطا کرتا ہے)

۱۸- (حسب مصلحت کائنات)

۱۹- (بخل وہاں کہاں؟)

۲۰- (اے مخاطب!)

۲۱- (بہ احتیاط و دیانت تمام) - یعنی یہود میں بھی ایسے ایسے متدین اشخاص موجود ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں، جو آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔

۷۶۔ بلیٰ من اوفیٰ بعہدہ واتقیٰ فان اللہ یحب المتقین۔

بیشک ۲۲ ہے۔ جو شخص بھی پورا کرے اپنے عہد کو ۲۳، اور ڈرے (اللہ سے) سو یقیناً اللہ دوست رکھتا ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کو ۲۴۔

۷۷۔ ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمنا قلیلا اولٰئک لا خلاق لہم فی الاٰخرۃ ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیٰمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم۔

یقیناً وہ لوگ بیچ ڈالتے ہیں اللہ کے عہد کو ۲۵ اور اپنی قسموں کو ۲۶ معاوضۂ قلیل قیمت کے ۲۷، یہ وہ لوگ ہیں کہ کوئی حصہ نہیں انکے لیے آخرت میں۔ اللہ نہ ان سے کلام کریگا ۲۸ اور نہ انکی طرف دیکھے گا ۲۹ قیامت کے دن، اور نہ انکو پاک کریگا ۳۰۔ اور انکے لیے ہے عذاب دردناک۔

۷۸۔ وان منہم لفریقا یلوٗن السنتہم بالکتٰب لتحسبوہ من الکتٰب وما ہو من الکتٰب، ویقولون ہو من عند اللہ وما ہو من عند اللہ، ویقولون علی اللہ الکذب وہم یعلمون۔

اور یقیناً ان میں ۳۱ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب سے ۳۲ تاکہ تم ۳۳ سمجھو کہ وہ شامل ہے کتاب میں، درانحالیکہ وہ ۳۴ شامل نہیں کتاب میں۔ اور کہتے ہیں ۳۵ کہ یہ خدا کے پاس سے (آیا) ہے، درانحالیکہ وہ خدا کے پاس سے نہیں (آیا) ہے، اور جھوٹ لگاتے ہیں اللہ پر، درانحالیکہ وہ (خوب) جانتے ہیں ۳۶۔

۷۹۔ ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربٰنیین بما کنتم تعلمون الکتٰب وبما کنتم تدرسون۔

کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا ۳۷ کہ اللہ دے ۳۸ اسکو کتاب اور حکمت اور نبوت ۳۹ اور پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے ۴۰، خدا کو چھوڑ کر۔ بلکہ وہ (یہی کہیگا کہ) بن جاؤ تم لوگ اللہ والے، بوجہ اسکے کہ تم سکھلاتے ہو کتاب اور بوجہ اسکے کہ پڑھتے ہو ۴۱۔

۸۰۔ ولا یأمرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین اربابا، ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون۔

اور نہ وہ ۴۲ اسکا حکم دیگا کہ تم قرار دے لو فرشتوں اور پیمبروں کو رب ۴۳۔ کیا وہ حکم دیگا تم کو کفر کا ۴۴، بعد اسکے کہ تم اسلام لا چکے ہو ۴۵۔

---

۲۲ یعنی اشرفی۔ دینار، رومی حکومت کا ایک طلائی سکہ تھا، جو عرب میں بھی مستعمل تھا۔ دینار آج بھی یورپ کے بعض ملکوں میں چلتا ہے۔

۲۳ یہود کی حبِ زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔

۲۴ یعنی ادائے امانت میں یہ سہل انکاری۔

۲۵ اُمّی، یعنی اُم القریٰ مکہ کے ان پڑھ مشرکین۔ یہود انھیں اپنے سے بہت فرو تر مرتبہ پر رکھتے تھے۔

۲۶ یہود اپنی نسل کے باہر والوں ("جنٹائلز") کے ساتھ معاملہ کرنے کے باب میں یعنی بد معاملگی میں ہمیشہ بدنام رہے ہیں۔

۲۷ (اپنے اس دعوے میں اور اپنے اس انوکھے اصول مذہب و اخلاق میں)

۲۸ (کہ ایسا کوئی مسئلہ شریعت اسرائیلی و موسوی میں موجود نہیں)

۲۹ ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور یقیناً ہے۔

۳۰ (خواہ وہ عہد خالق سے ہو یا مخلوقات سے)

۳۱ (اور خوفِ خدا ہی بنیاد ہے ساری خوش معاملگی کی)

۳۲ یعنی جو عہد متابعت اللہ سے کر چکے ہیں۔

۳۳ (جو آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں)

۳۴ یعنی کسی دنیوی لالچ میں آکر۔ دنیوی معاوضہ ہمیشہ قلیل ہی ہوگا بمقابلہ معاوضۂ آخرت کے۔ یہ مراد نہیں کہ اگر معاوضہ زیادہ مل رہا ہو، تو بد دیانتی کی اجازت ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا، بد معاملگی کر بیٹھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

۳۵ (بہ طریق لطف)

۳۶ (نگاہ مہر و التفات)

۳۷ (گناہوں کی گندگی)

۳۸ (یعنی انھیں یہود میں)

۳۹ (یعنی اپنی کتاب آسمانی (توریت) پڑھتے وقت۔ زبان کج کرنے کے اندر تحریف لفظی و معنوی کی سب صورتیں آگئیں۔

۴۰ یعنی سامعین۔

۴۱ یعنی انکا اختراعی حصہ

۴۲ (خواہ یہ کہنا صراحۃً ہو یا بالواسطہ)

۴۳ یعنی انکی ساری تحریفات دیدہ و دانستہ ہوتی ہیں۔

۴۴ اب یہاں سے رد نصاریٰ کا شروع ہوتا ہے۔

۴۵ (جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو یہ ساری نعمتیں ملیں)

۴۶ (جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کا دعویٰ گڑھ رکھا ہے)

۴۷ یعنے تمھیں تو اس لیے اور زیادہ ایسے لغو عقائد سے بچنا چاہیے۔

۴۸ (اے نصاریٰ)

۴۹ (خود اسی کتاب آسمانی کو)۔ یعنی تمھارے پاس تعلیم و تعلم کے لیے کتاب آسمانی موجود، اور پھر تم ایسے جہل و نادانی میں گرفتار!

۵۰ یعنی مرسل من اللہ پیمبر۔

۵۱ مسیحیوں کی مسیح پرستی تو خیر ایک معلوم و معروف حقیقت ہے، باقی یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا، کہ ملائکہ پرستی بھی انکے ہاں بڑے زوروں پر رہ چکی ہے! صدیوں تک انکے ہاں یہ تعلیم جاری رہی، کہ

"خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمامتر فرشتوں پر رکھ چھوڑے ہیں"

(انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۴، صفحہ ۵۰۰)

نیز یہ کہ

"خدا کائنات کی صرف کلّی ربوبیت کرتا ہے، باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضاً)

وغیرہا۔ باضابطہ عبادت و پرستش ملائکہ کی، مسیحیوں کے یہاں رہی ہے، انکی مورتیاں تک پوجی گئی ہیں۔

۵۲ (انبیاء پرستی و ملائکہ پرستی کی تعلیم دے کر)

۵۳ (اور توحید کا اقرار کر چکے ہو)۔

غلاموں کی آزادی کے دس احکام

(علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم)

۱ - اسلام میں آزادی انسان کا پیدائشی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے: یا عمرو منذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتہم امہاتہم احراراً (اے عمرو تم نے انسانوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے حالانکہ انکی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا)

یہ فرمان حضرت فاروق اعظمؓ کا حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کے نام ہے جو ایک قبطی کا شکایت نامہ پہونچنے کے بعد تحریر کیا گیا تھا - اس فرمان سے فقہا نے یہ حکم نکالا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی غلامی کا اقرار کرے تو محض اقرار سے غلام نہ قرار دیا جائیگا اور اگر کوئی شخص غلامی سے انکار کرے تو اُسکا کہنا معتبر سمجھا جائیگا۔

۲ - اسلام نے غلام بنانے کی محض ایک صورت جائز رکھی ہے اور وہ یہ کہ اگر قیدی کو مال لے کر چھوڑنا مناسب ہو نہ فدیہ لے کر اور نہ بطور احسان کے تو ایسی حالت میں امیر کو اختیار ہے کہ اُسے غلام بنا دے - اسکے علاوہ اسلام نے غلامی کو کسی صورت میں جائز نہیں رکھا بلکہ آن حضورؐ نے اسے بہت بڑا گناہ بتایا ہے جیسا کہ ذیل کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ ثلٰث انا خصمہم یوم القیٰمۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حراً فاکل ثمنہ ورجل استاجر اجیراً فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہٗ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تین آدمی ہیں جن سے میں قیامت میں جھگڑوں گا ایک وہ شخص جس نے میرا نام لیکر عہد کیا پھر اُسے توڑدیا دوسرا وہ شخص جسنے کسی آزاد شخص کو فروخت کیا اور اُسکی قیمت کو کھا گیا، تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا اُس سے کام پورا لیا اور مزدوری نہ دی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:-

ثلٰث لا یقبل اللہ منہم صلوۃ منہم رجل اعتبد محرراً

آنحضورؐ نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جنکی نماز خدا تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔ ان تین میں آپ نے ایسے شخص کو ذکر فرمایا جسنے کسی آزاد کو غلام بنا لیا ہو۔

اس حدیث وعید میں وہ تمام لوگ آ جائیں گے جو آزادوں پر اس طرح حکومت کرتے ہیں جس طرح آقا غلام پر کرتا ہے۔ وہ لوگ بھی داخل ہو جائینگے جو کبھی آزاد کی آزادی سے انکار کر جائیں یا اُسکو چھپا ڈالیں۔

۳ - اسلام نے غلامی دور کرنے کی ایک اور صورت بھی تجویز کی ہے یعنی غلام کو اختیار دیا ہے کہ مکاتب بن کر آزاد ہو جائے۔ مکاتب بننے کی صورت یہ ہے کہ اپنے آقا سے یہ بات طے کرے کہ جب وہ ایک مقررہ رقم دیگا تو آزاد ہو جائیگا - قرآن نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ

اور جو غلام تمہارے مکاتب بننے کے لیے تیار ہوں تو تم اُنکو مکاتب بنا لو اگر اُن میں بھلائی دیکھو اور خدا نے تمہیں جو مال دیا ہے اُس سے بھی غلاموں کی مدد کرو -

ملاحظہ فرمایئے کہ اس آیت میں مالکوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ غلاموں کو مکاتب بنا لیا کریں اور اُنکی مالی مدد کریں - اب مدد کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اپنے پاس سے کچھ دیدیں (۲) بعض قسطیں معاف کر دیں۔ (۳) بالکل معاف کر دیں - یہ تمام صورتیں اس لیے بتائی گئی ہیں تاکہ غلام علد از جلد آزادی پا جائے -

آیت مذکورۂ بالا میں دو حکم ہیں (۱) مکاتب بنا لو (۲) مالی مدد کرو۔ بعض علما نے تصریح کی ہے کہ دونوں حکم وجوب کے لیے ہیں - یعنی اگر غلام مکاتب بننے پر آمادگی ظاہر کرے تو مالک پر یہ دونوں باتیں ضروری ہو جاتی ہیں - اور بعض علماء کا بیان ہے کہ مکاتبت کا حکم تو افضلیت پر محمول ہے اور امداد کا وجوب پر۔ یعنی مکاتب بنانا تو افضل ہے لیکن اسکے بعد غلام کی امداد واجب ہو جاتی ہے - ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے حکم کو واجب سمجھتے تھے -

۴ - غلاموں کی آزادی کے لیے اسلام نے ایک بڑی سہولت یہ بھی پیدا کی ہے کہ اگر کوئی غلام دارالکفر سے نکل کر دارالاسلام میں چلا جائے تو آزاد ہو جاتا ہے - اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اُسکی آزادی کو تسلیم کرے -

۵ - اللہ تعالیٰ نے غلامی کو دور کرنے کا ایک ذریعہ یہ بھی پیدا کر دیا ہے کہ ایک غلام میں کئی آقا شریک ہوں اور اُن میں کسی ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو وہ غلام بالکل آزاد ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اُسکے پاس مال ہو اور بقیہ شریکوں کو اپنی قیمت ادا کر سکے - اس مضمون کو متعدد حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے صرف ایک حدیث ہم یہاں لکھتے ہیں:-

من اعتق نصیباً لہٗ فی مملوک فخلاصہ علیہ فی مالہ ان کان لہٗ مال والا قوم علیہ فاستسعی بہ غیر مشقوق علیہ -

جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو غلام بقیہ مال ادا کر کے فوراً آزاد ہو سکتا ہے اور اگر اُسکے پاس مال نہیں تو اُسکی قیمت کا اندازہ کیا جائے پھر اسکی محنت و کمائی میں سے وہ قیمت وصول کر لی جائے مگر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔

۶ - اسلام نے غلام کی آزادی کے لیے ایک راہ یہ بھی کھول دی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بہت ستائے یا اُس کی صورت بگاڑ دے یا اُسکو خصی کر دے تو غلام آزاد ہو جاتا ہے - اس حکم کے ثبوت میں واقعات ذیل پیش ہیں:-

(۱) امام احمدؒ نے روایت فرمائی کہ زنباع ابو روح نے اپنے ایک غلام اور باندی کو ساتھ ساتھ کہیں دیکھ لیا - انھیں بڑا غصہ آیا - انھوں نے غلام کی ناک اور خاص عضو کاٹ ڈالا - وہ غلام دربار رسالت میں شکایت لیکر حاضر ہوا - حضورؐ نے ابو روح سے واقعہ پوچھا تو اُنھوں نے اپنی غلطی کا اقرار کیا - آنجنابؐ نے اُس غلام سے فرمایا "بس چلا جا اب تو آزاد ہے"۔

(۲) ابو داؤد شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک غلام آں حضورؐ

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ)

حضرت مجددؒ کا تجدیدی کارنامہ

(از حضرت گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

(بسلسلہ صدق کیم مارچ)

اجتہاد کا دعوےٰ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں چیز جو موضوع بحث میں نظر آتی ہے وہ عہد اکبری کا مشہور محضرنامہ ہے جسے بجنسہ ملا صاحب نے اپنی کتاب میں درج کردیا ہے۔ یہ وہی محضرنامہ ہے جسے ملا مبارک ناگوری پدر ابوالفضل وفیضی نے مرتب کیا اور بعضوں سے طوعاً بعضوں سے کرہاً علمائے وقت کے اسپر دستخط کرائے گئے۔

اصل محضرنامہ:-

مقصود از تشیید این مبانی وتمہید این معانی آنکہ چون ہندوستان صینت عن الحدثان بیمامن معدلت سلطانی وتربیت جہانبانی مرکز امن وامان ودائرۂ عدل واحسان شدہ طوائف انام از خواص وعوام خصوصاً علمائے عرفان شعار وفضلائے دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات وسالکان مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب وعجم رو بدین دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند، جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع واصول وحاوی معقول ومنقول اند وبدین ودیانت وصیانت اتصاف دارند بعد از تدبر وافی وتامل کافی در غوامض معانی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم واحادیث صحیح۔ ان احب الناس الی اللہ یوم القیمۃ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی وغیر ذلک من الشواہد العقلیۃ والدلائل النقلیۃ قرارداد وحکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است وحضرت ...... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی اعدل واعلم باللہ اند بنا برین اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن ثاقب وفکر صائب خود یک جانب را از اختلافات بجہت تسہیل معیشت بنی آدم ومصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ آن جانب حکم فرمایند متفق علیہ شود واتباع آن بر عموم برایا لازم ومتحتم است۔ اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد وسبب ترفیہ عالمیان بودہ باشد عمل بران نمودن بر ہمہ کس لازم ومتحتم است ومخالفت آن موجب سخط اخروی وخسران دینی ودنیوی است۔ انتہی ملخصاً۔ ص۲۷۱ ج ۲ مطبوعہ کلکتہ۔

ترجمہ (ازمولف):-

مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ بادشاہی عدل وانصاف اور سرپرستی کی بدولت ہندوستان آجکل امن وامان کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسکی وجہ سے عوام وخواص خصوصاً ان صاحب علم وعمل علماء کا یہاں ان دنوں اجتماع ہوگیا ہے جو نجات کی راہوں کے رہنما ہیں اور "اوتوا العلم درجات" قرآنی آیت کے مصداق یہ لوگ عرب وعجم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ اب جمہور علماء جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور عقلی ونقلی فنون کے ماہر ہیں اور ایمانداری اور انتہائی دیانت وراستبازی کے ساتھ موصوف ہیں۔ قرآن کی آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں صاحبان امر ہیں) اور صحیح حدیثیں مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا جو عادل ہے جس نے امیر کی اطاعت کی اُسنے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ اسکے سوا اور دوسرے دلائل عقلی ونقلی کی بنیاد پر یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ اور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی جو کہ سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ (یعنی اکبر بادشاہ) اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی معاشی سہولتوں اور دنیاوی انتظام کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دیکر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ "اتفاقی" سمجھا جائیگا اور عام مخلوق رعایا وبرایا کے لیے اسکی پابندی لازمی اور لابدی ہوگی۔ (اسی طرح) اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نصوص کے مخالف نہ ہو اور دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو۔ بادشاہ اگر اُسکے متعلق کوئی حکم صادر فرمائیں تو اُسکا ماننا اور اُس پر عمل کرنا ہر شخص کے لیے ضروری اور لازم ہوگا اور اسکی مخالفت دینی اور دنیوی بربادی اور اُخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی۔

غالباً اسی کے بعد وہ لطیفہ پیش آیا کہ بحیثیت مجتہد وامام عادل ہونے کے جمعہ کے خطبہ پڑھنے کا اکبر کو خیال آیا۔ فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ تیار کیا۔ لیکن میدان جنگ میں جسکی تلوار سروں کو اُڑاتی تھی وہ تھرانے لگا اور صرف دو شعر پڑھ کر منبر سے اُتر گیا۔

یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے کنارہ کش ہو کر اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہونچایا گیا۔ لیکن اسکے بعد پھر کیا ہوا، وہی جو ہمیشہ ہوا کیا ہے تھوڑے دنوں بعد علانیہ ائمہ ومجتہدین کی توہین وتحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اُٹھ گیا۔ ملا صاحب اپنے کانوں سنی بیان فرماتے ہیں کہ ابوالفضل کی جرأت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اگر کسی بحث ومباحثہ کے درمیان

اگر در حین بحث سخن مجتہدین را می آوردند می گفت فلاں حلوائی وفلاں کفش دوز وفلاں چرم گر بر ما حجت آرید ونفی ہمہ علماء بدو سازوار آمد۔ (ص۲۰۰ ")

ائمہ مجتہدین کی بات پیش کی جاتی تو ابوالفضل اسکے جواب میں کہتا فلاں حلوائی اور فلاں دوزا اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔ ابوالفضل کو تمام علماء کا یہ انکار بہت موافق ثابت ہوا۔

لیکن معاملہ ابھی صرف ائمہ مجتہدین تک پہونچا تھا۔ بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں کی امداد سے دوبارہ تخت و تاج میسر آیا تھا اسلئے تقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علماء و شعرا کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز و اکرام سے سرافراز کیا اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا کہ جو مسلسل انقراض دولت مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔ یہ سیلاب کس قسم کا تھا؟ اُس زمانہ کے کسی شاعر نے اسکو خوب ادا کیا ہے۔

نفاق آمدہ در ہند از بلادِ عراق
عراق قافیہ می داں بہ رہگذار نفاق

یہ ٹڈیوں کا بھوکا دل تھا جو ہندوستان کے کشت زاروں کی طرف بے تحاشا اُڑا چلا آرہا تھا اور ہر ادنیٰ ہندوستان پہونچ کر اس درجہ عالی ہو جاتا تھا کہ بالآخر لوگوں کو کہنا پڑا ؎

با ربودم قطبک و اکنوں قطب الدین شدم
گر بیاید سال دیگر قطب دین حیدر شوم

بہر حال یہ وہ گروہ تھا، جو ائمہ و مجتہدین سے آگے بڑھ کر بے محابا حضرت صحبت کے سعادت یافتوں پر بھی حملہ کرنے میں تنفقائے پاک تھا۔ اکبر کو تاریخی واقعات کے سننے کا بیحد شوق تھا۔ حریفوں نے خصوصیت کے ساتھ اسکے سامنے اُنھیں کتابوں کو، اور کتابوں کے بھی خاص اُن حصوں کو پیش کرنا شروع کیا جنکا تعلق مشاجرات صحابہ سے تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:

وانچہ در حق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم در وقت خواندن کتب سیر مذکور میشد خصوصاً در مقدمات خلفائے ثلثہ و قصہ فدک و جنگ صفین و غیر آن را گوش و از ہشام آن کر باد خود بزبان خود می آمد (صفحہ ۳۰۰)

صحابہؓ کی شان میں سیر کی کتابوں کے پڑھنے میں جو الفاظ بادشاہ کی زبان سے نکلتے تھے خصوصاً خلفائے ثلثہ، فدک، جنگ صفین وغیرہ کے ذکر کے وقت جو کچھ کہا جاتا تھا کاش اگر اسکے سننے سے بہرے ہو جاتے تو بہتر تھا، ہم اپنی زبان سے اُنکو ادا بھی نہیں کر سکتے۔

مجتہدین و ائمہ پہلے ہی ختم ہوئے، اور اس دوسری ضرب سے تو اسلام کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی۔ جیسا کہ اسکے بعد ہونا چاہیے تھا وہ ہوا کہ اکبری دربار میں

ملت اسلامیہ ہمہ نامعقول و حادث و وا منع آں فقرائے عرباں بودند کہ جملہ مفسدان و قطاع الطریق و ایں دو بیت شاہنامہ فردوسی طوسی بطریق نقل آوردہ تمسک می ساختند:

ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و غیر عقلی کا مجموعہ ٹھہرا یا گیا اور اسکے بانی بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے چند مفلس بدو قرار پائے جن میں سب کے سب شخص مفسد، ڈاکو اور رہزن تھے اور شاہنامہ فردوسی کے دو شعروں سے سند پکڑی گئی!

زشیر شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجائے رسیدست کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو
(صفحہ ۳۰۱)

"شجرہ طیبہ نبوت" علیٰ صاحبہا الف سلام و تحیۃ کے ان ثمرہائے رسیدہ تک جسکی زبان پہونچ چکی تھی آخر پھلوں سے خود درخت تک کب تک نہ پہونچتا

العیاذ باللہ۔ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آہی گیا کہ

در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ در اصول و چہ در فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین، و حشر و نشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ (صفحہ ۳۰۰)

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ اُنکا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کیے جانے لگے۔

یہی نہیں کہ بادشاہ ہی صرف شکوک میں مبتلا ہو گیا تھا، بلکہ اہل دربار سے بھی ان مسائل کے متعلق بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ:

خلق را بتعلق قرآن و توغل در استحالہ وحی و تشکیک در نبوات و امامت و استحالہ کردن وجود جن و ملک و سائر مغیبات و معجزات و کرامات و انکار صریح تواتر قرآن و ثبوت کلام و ثبوت اثبات بقائے روح بعد از اضمحلال بدن و ثواب و عقاب جز بہ تناسخ محال می شمرد (صفحہ ۲۹۳)

عام مخلوق کو خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ کرتا اور وحی کے محال ہونے پر اصرار و غلو سے کام لیتا اور نبوت و امامت کے مسئلوں میں لوگوں کا امتحان لیتا اور جن و فرشتے اسی طرح ساری غیبی ہستیوں نیز معجزات اور کرامتوں کا کھلے لفظوں میں انکار کرتا۔ قرآن کے تواتر، خدا کے متکلم ہونے اور یہ کہ بدن کے فنا ہونے کے بعد ثواب و عذاب کے لیے روح کے باقی رہنے کو محال سمجھتا تھا۔ البتہ تناسخ کے طور پر عذاب و ثواب کا قائل تھا۔

اپنی اس تبلیغ میں غلو کی آخری حد یہ تھی کہ کبھی کبھی بھرے دربار میں اکبر سے خلاف وقار شاہی بعض مذموم حرکتیں بھی سرزد ہو جاتی تھیں مثلاً بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا اور اسکے بعد حسب ذیل تقریر کرتا

ایں معنی را بعقل چگونہ قبول کنند کہ شخصے در یک لحظہ با گرانی جسم آسمان رود و نود ہزار سخن گوئی با ہمہ تعالیٰ کند و بستر او ہنوز گرم باشد و مردم آں را مسلم دارند و ہمچنیں شق القمر و امثال آں۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور نوے ہزار باتیں خدا سے کرتا ہے لیکن اُسکا بستر اُس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعوے کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اُٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا

ممکن است کہ پائے دیگر را از زمین جدا ساختہ توانیم ایں چنیں ایستادہ؟ (صفحہ ۳۱۲)

کیا ممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے ٹیکا نہ ہو میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آخر یہ اس کیا تھے؟

گویا خلاف عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اُٹھی ہوئی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۷)

کی خدمت میں چیختا ہوا حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا معاملہ ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ میرے آقا نے مجھے لونڈی کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا تو اُسنے مجھے خصی بنا ڈالا۔ آنحضورؐ نے اُسکے آقا کو تلاش کرایا۔ مگر وہ کہیں بھاگ گیا۔ جب وہ نہ ملا تو حضورؐ نے غلام سے فرمایا کہ "تو آزاد ہے"۔

(۳) جامع الاصول میں یہ روایت موجود ہے۔ مَن مَثّل بعبدہٖ عُتِق علیہ جو شخص اپنے غلام کی صورت بگاڑ دے تو اُس کا غلام آزاد ہے۔

۷۔ غلام کو معمولی تکلیف دینے سے جو گناہ ہوتا ہے، اسلام نے اُس کا کفارہ یہ مقرر کیا ہے کہ اُسکو آزاد کیا جائے۔ اسکے ثبوت میں حسب ذیل حدثیں ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) صحیحین میں سوید بن مقرن سے روایت ہے کہ آنحضورؐ کے زمانہ میں ہم لوگوں کے پاس محض ایک باندی تھی۔ اتفاقاً ہم میں سے کسی نے اُسے ایک تھپڑ مار دیا۔ حضورؐ کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسکو آزاد کردو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ہاں سوا اسکے کوئی خدمتگار نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا، جب تک ضرورت ہے اسے اپنے ہاں رکھو پھر آزاد کردینا۔

(۲) مسلم شریف میں ہے۔ ابومسعود فرماتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو کوڑے مار رہا تھا، کہ میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ چونکہ میں غصہ سے بھرا ہوا تھا، اس لیے کچھ خیال نہ ہوا۔ پھر جب وہ آواز قریب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، "اے ابومسعود! اے ابومسعود! (یہ سنتے ہی میرے ہاتھ سے کوڑا گر پڑا) تجھکو اس غلام پر جتنا اقتدار ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت زیادہ قدرت تجھ پر حاصل ہے"۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اسکو خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ آپنے فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو جہنم کی آگ تجھ کو جھلس ڈالتی۔

یہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیمانہ تعلیمات کا ایک بہت مختصر حصہ ہے۔ کہاں ہیں ارباب کلیسا؟ انصاف سے ان تعلیمات کا ملاحظہ کریں اور پھر بتائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سختی۔ زیادتی۔ تشدد کا الزام لگاتے ہیں کیا وہ کسی درجہ میں صحیح ہے؟

۸۔ آزادی کی ایک صورت یہ بھی اسلام نے تجویز کی ہے کہ غلام یا لونڈی کو مدبر بنا دیا جائے۔ تدبیر کا مفہوم یہ ہے کہ غلام سے اُسکا آقا یہ کہے کہ تو میرے دنیا سے گزر جانے کے بعد آزاد ہے۔ اس کہنے کے بعد غلام مدبر ہو جائے گا اور اُسکے لیے حسب ذیل احکام ثابت ہونگے:۔

(۱) آقا کے مرنے کے بعد غلام فوراً آزاد ہو جائے گا۔ (۲) آقا اپنی زندگی میں اس بات سے رجوع نہیں کرسکتا ہے (۳) آقا مدبر کو فروخت نہیں کر سکتا ہے (۴) جو شخص غلام کا پورا مالک ہے اور بعض حصہ کی تدبیر کرے تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائیگا۔ (۵) مدبرہ لونڈی کی اولاد بھی آزادی میں اپنی ماں کے تابع ہوگی۔

۹۔ آزادی کی یہ صورت بھی اسلام نے پیدا کی ہے کہ اگر کسی لونڈی کے پیٹ سے اس کے آقا کا لڑکا پیدا ہو تو وہ لونڈی اُم ولد کہلاتی ہے اسکا حکم یہ ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائیگی اور اُسکا آقا زندگی میں اُسے فروخت نہیں کرسکتا ہے۔

۱۰۔ اگر کسی شخص کی غلامی میں اُسکا قریبی رشتہ دار آ جائے تو وہ آزاد ہو جائیگا۔ اور اس کی دلیل حضورؐ کا یہ فرمان ہے، مَن مَلَکَ ذا رحمٍ محرمٍ فھو حُرّ۔ جو شخص اپنے قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جائیگا۔

ان تمام باتوں سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے کتنی سہولتیں پیدا کردی ہیں۔ کیا کسی مذہب اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے؟ (ایمان)

(بقیہ صفحہ ۴)

بے روزگار ہو جاتے ہیں!—— تجدد نوازی، ہندوستان کی ہو یا مصر کی، یا ٹرکی کی، اس کا سارا کھیل اُسی وقت تک بنا ہوا ہے، جب تک نظر حقائق و واقعات پر نہ کی جائے، اور معاملہ صرف "جمود" و "قدامت پرستی" پر طنز و طعن، اور مُردوں کے "مظالم" تک رہے۔ اِدھر زندگی کے حقائق کا، روزمرہ کے تجربات و مشاہدات کا قدم درمیان میں آیا، اور سارا گھروندا، بگڑ بگڑا کر رہا!

چیف شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

پتہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں جملہ خط و کتابت اس پتہ پر ہو:۔

مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

ہر انگریزی مہینہ کی ... اور ... کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ	للعہ
ششماہی	...
فی پرچہ	...

رجسٹرڈ نمبر ل ۲۰۰۰

صدق

نمبر ۲۹	لکھنؤ۔ ۱۰ ر صفر المظفر ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۳۸ء	جلد ۴

سچی باتیں

کروسیڈز یا محاربات صلیبی کے نام سے، پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے؟ جنگ کا سلسلہ مسلمانوں کے خلاف، اور تنہا مسلمانوں ہی کے خلاف کیوں کہیے، یہ کہیے کہ انسانیت کے خلاف، عقل و دانش کے خلاف، سالہاسال تک نہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ صدیوں تک سارا فرنگستان آندھی بنکر گرجتا رہا اور برستا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲۱۲ء میں ایک مسیحی "بزرگوار" نے اپنے ایک خواب او "بشارت" کی بنا پر تحریک یہ کردی کہ مسیحیت کی فتح بچوں کے ہاتھ سے ہوگی، جو مسیح کی طرح معصوم ہوتے ہیں! اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ فرنگستان کے گوشہ گوشہ سے کم سن لڑکے نکل پڑے، اور پلٹنوں پر پلٹنیں بچوں کی اور بچیوں کی روانہ ہونی شروع ہوگئیں! راستہ میں گرتے گئے اور مرتے گئے۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں سے پھسل پھسل کر گرے، اور ندی نالوں میں ڈوب ڈوب کر مرے۔ جو باقی بچے، وہ بردہ فروشوں کی نذر ہوکر رہے، اور لونڈی غلام بنا کر بیچے گئے۔ مورخ کے الفاظ ہیں:۔

"۱۲۱۲ء میں دنیا کے دردناک ترین واقعات میں سے ایک واقعہ رونما ہوا، یعنی بچوں کا کروسیڈ۔ بعض دیوانوں کی اس تحریک پر، کہ بڑے تو آلودۂ عصیاں ہونے کی بنا پر ناکام رہے، اس لیے فتح معصوم بچوں کے ہاتھ مقدر ہے، پچاس ہزار کی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں، اپنا وطن چھوڑ، ارض مقدس پر قبضہ کرنے کو روانہ ہوئے۔ تعداد عظیم تو انکی کبھی واپس نہ آئی، اور ان میں خوش نصیب سے تھے وہ، جو بحر روم میں ڈوب مرے"۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۷، صفحہ ۱۱۱)

تاریخ اس واقعہ کو آج دنیا کی "دردناک ترین ٹریجڈی" کہکر پکارتی ہے، اور فتوی دیتی ہے، کہ سب سے غنیمت وہی رہے، جو سمندر میں غرق ہوگئے، کہ اور شدید ترین عذابوں سے تو بچ گئے! موت ہی اُنکے حق میں رحمت ہوئی! اور جو اس "جہاد" کے بانی تھے، اُنھیں آج خود مسیحی حلقوں سے خطاب سڑی دیوانوں کا مل رہا ہے!۔۔۔۔۔ لیکن یہ سب کچھ تو آج ہو رہا ہے نہ۔ ۱۲۱۲ء میں کیا حالت تھی؟ یہی سڑی دیوانے، قوم کے سب سے بڑے لیڈر تھے، انھیں کی آواز سب سے زیادہ مقبول تھی۔ یہی سب سے بڑے "روشنخیال" تھے، سب سے بڑھ کر "آزاد خیال" تھے، "جہاد حریت" کے علمبردار تھے! جادو کا فقرہ "معصوم بچے" تھا، بدبخت تھا وہ جو اُس وقت اس سیل رواں کو روکتا، اور لوگوں کو حقائق پر غور اور صورت حال پر فکر و تامل کی دعوت دیتا۔ بچے، ہاں وہ بچے، جن میں معصومیت عیسیٰ مسیح کی سی ہے! کیسا لذیذ، کتنا پیارا فقرہ! کیسا دلکش تخیل! شامت آجاتی اُس غریب کی، جو اس خیالی جنت پر عقل و تنقید کی روشنی ڈالنا چاہتا! غدار، ملت فروش، "تاریک خیال"، رجعت پسند، سارے القاب اُسکے لیے رکھے ہوئے!

آج اپنے گرد و پیش خوب غور سے دیکھیے۔ آج بھی اسی "چلڈرنس کروسیڈ" کا پرچم ہوا میں لہراتا نظر آ رہا ہے یا نہیں؟ آج بھی لڑکوں پر، اور عورتوں پر اُسی طرح بلکہ اُس سے بڑھ بڑھ کر، دھاوے بولے جا رہے ہیں یا نہیں؟ کن کن طریقوں سے انھیں ورغلایا جا رہا ہے، کس کس اسلوب بدیع کے ساتھ انکے جذبات خودی کو ابھارا جا رہا ہے، کیسی کیسی نازک خیالیوں کے ساتھ "حقوق نسواں" "آزادیٔ نسواں"، "جہاد حریت" کے سبز باغ انکے سامنے تحریر سے اور تقریر سے، پریس سے اور پلیٹ فارم سے، جلسوں سے، جلوسوں سے، تصویروں سے اور مظاہروں سے پیش کیے جا رہے ہیں! اور لڑکوں کو درسگاہوں سے اور عورتوں کو "زنانخانوں" سے باہر نکال لانے کا کوئی دقیقہ باقی رہ رہا ہے؟ جو انکے "حقوق" کی صدا جتنی زیادہ غیر ذمہ دارانہ جوش سے لگا سکے، اُسی قدر وہ انکا دوست ہے، ہوا خواہ ہے، رہنما ہے۔ اور جو جتنی زیادہ تلقین انکے فرائض کی ادائیں کرے، اُنھیں اُنکے "حدود" پر توجہ دلائے، اسی قدر وہ انکا دشمن ہے، بدخواہ ہے، اور "آزادی" کی راہ میں ایک چٹان ہے!

کام کی رفتار

قرآن کریم کا کام بحمد اللہ اس طرف اچھی رفتار سے ہوتا رہا، اور سترہ پارہ تک نظر ثانی ہو گئی۔ مشین جس پر اب تک مسودات ٹائپ ہو رہے تھے، ایک عزیز کی نذر کردہ تھی، اتنے روز کام دے کر اب بیکار ہو گئی۔ نئی مشین "ریمنگٹن ماڈل ۵" ۱۲۵ روپے کی قیمت میں مل رہی ہے۔ امید ہے کہ ان سطور کے شائع ہونے تک ان شاء اللہ آ جائیگی۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوا، تو ادائے قیمت کا معاملہ آسان قسطوں پر طے ہو جائیگا۔

دہلی کا حادثۂ قتل

۱۶ مارچ کی شام کو "تیز" میں یہ خبر پڑھتے، آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ گیا، اور دل کسی طرح اسکے باور کرنے پر آمادہ نہ ہوا، کہ "وحدت" و "الامان" کے مالک مولوی مظہر الدین مرحوم کو دو نوجوان مسلمانوں نے ٹھیک دوپہر کو اُنکے دفتر میں آ کر قتل کر ڈالا! انا للہ ثم انا للہ

پہلا انا للہ مرحوم کے واقعۂ شہادت پر، دوسرا انا للہ سفاک قاتلوں کی فہم و دانش پر! ان سطور کی تحریر کے وقت تک قاتلوں کا بیان شائع نہیں ہوا ہے۔ خدا معلوم وہ کیا بیان دیں۔ لیکن قتل سے اگر مقصود، مولانا کو نقصان پہونچانا تھا، تو نقصان کسی صورت سے بھی نہ پہونچا۔ بلکہ مرحوم تو سراسر نفع ہی میں رہے اپنی دانست میں سب کچھ کر ڈالتے، لیکن از خود مرتبۂ شہادت تک کیونکر پہونچ سکتے تھے؟ قاتل کا بڑا احسان تو یہی ہے، کہ اُس نے بے کھٹکے، مولانا کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا، اور آخرت کی کٹھن منزل ایک شب میں آسان کر دی۔ رہی دنیا، سو یہاں بھی اتنی شہرت و ناموری مرحوم برسوں جیتے جب بھی نہ حاصل کر سکتے، جتنی اس واقعہ سے چشم زدن میں حاصل کر لے گئے! اللہ پاک مرحوم کا مرتبہ عالی سے عالی تر کرے، اُنکے سوگواروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہونچائے ——— کسی اختلاف خیال کی بنا پر، حسب روایت اخبارات "علماء کو گالیاں دینے کے جرم میں" ایک کلمہ گو کو قتل کر ڈالنا، بہیمیت و سفاکی کی وہ آخری منزل ہے، جسکی پوری سزا اس دنیا میں تو کسی کے بس میں ہے نہیں، کیا خوب ہے "علماء حق" کے انتقام، علماء کے تحفظ کا یہ طریق!

ایک آیت کا حل

ضلع الہ آباد کے ایک مراسلہ نگار صاحب جنکی دریافت کردہ آیات قرآنی کا ذکر پہلے آ چکا ہے، لکھتے ہیں:

"ایک اور آیت جس کی بابت دریافت کرنا چاہتا ہوں، وہ آیتیں سورۂ حٰم السجدہ کی آٹھویں سے بارہویں آیت تک پر مشتمل ہے۔ قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ اکثر آیتوں میں تو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام۔ مگر اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اُس نے سب سامان معیشت مقرر کیا سب چار دنوں میں، اور پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو دن میں سات آسمان بنائے۔"

شبہہ کی بنیاد صرف یہ ہے کہ سورۂ مذکورہ (پ ۲۴) کی ان آیات سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عمل تخلیق کائنات میں کل مدت آٹھ یوم کی لگی، ۲ + ۴ + ۲، حالانکہ دوسری آیتوں میں چھ یوم کی تصریح ہے۔ لیکن اس تفسیر میں یہ فرض کر لیا گیا ہے، کہ زمین پر سامان معیشت مقرر کرنے کی مدت ۴ یوم (وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام) علاوہ اُن دو یوم کے ہے جنکا ذکر سلسلۂ آفرینش ارض اوپر آ چکا ہے۔ لیکن یہی صحیح نہیں۔ بیان پچھلے واقعات کا کیا ہے، جو چاروں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں،

خلق الارض فی یومین -	دو یوم میں زمین بنائی
وجعل فیہا رواسی من فوقہا	اور اسکے اوپر مضبوط پہاڑ قائم کیے۔
وبارک فیہا	اور اسکے اندر برکت رکھ دی۔
وقدر فیہا اقواتہا	اور اس میں سامان معیشت کا انتظام کر دیا۔
فی اربعۃ ایام	اور یہ سب کچھ چار یوم میں ہوا۔

اربعۃ ایام (چار یوم) کا تعلق صرف آخری فقرہ سے نہ سمجھیے، بلکہ سلسلے بیان کردہ واقعات سے سمجھیے، بس ان شاء اللہ کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ اور مدت تخلیق (۴ + ۲) چھ یوم ہی رہیگی۔ درمیانی فقرہ وتجعلون لہ انداداً الخ جو اس سلسلے سے الگ آ گیا ہے، اسکی مثالیں، قرآنی اسلوب بیان میں کثرت سے مل جائینگی۔

گھر کی طرف

"جرمنی میں عورت کی جو جدید تعلیم ہو رہی ہے، اُسکے پیش نظر مقاصد پانچ ہیں..... ان پانچ میں پہلا مقصد ہے نسوانیت یا مادریت۔ پھر خانہ داری کا اعلیٰ انتظام و سلیقہ.....

عورت کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ ماں بنے، اور کاروباری مشاغل سے نجات پائے۔ نازی اپنی تحریک کی ابتدا سے یہی کہتے آئے ہیں، اور انکے گروہ کو بیحد مقبولیت اسی سے حاصل ہوئی ہے، اور خود وہ عورتیں جوق جوق شریک ہوئیں، جو معاشی زندگی سے عاجز آ چکی تھیں، جہاں مردوں کے مقابلہ میں انھیں ملتا بھی کم ہی تھا۔ عورت اور مرد سب شریک ہوئے جنکے دلوں میں اولاد کی آرزو تھی۔ اور وہ مرد [illegible]

کے مقابلہ و مسابقت کو توڑنا چاہیے تھے ؟

(آ نمبر - ۱۰،۰۵ - مارچ ۱۹۳۹ء)

"عجب لطیفہ ہے کہ عین اُس وقت جب ہندوستان میں تجدد کے بلند بانگ نقارہ پر چوب پڑ رہی ہے' اور عورت مچل رہی ہے کہ گھر سے باہر نکل کر رہیگی، کہ "یہ آزادی اسکا فطری حق ہے" ٹھیک اُسی گھڑی فرنگی عورت "مردوں باہر رہ کر، کچہری اور دفتر، اور پل، ورکشاپ اور کالج اور پارک کا خوب تجربہ کرکے اور اپنے حقوق کے حصول و یانت کا پورا مزہ اُٹھا کر پھر گھر کے اندر آنے" اور باورچی خانہ اور زچہ خانہ کے اندر سما جانے پر مُصر ہے!

بھٹکنے کی راہ

لکھنؤ کے زنانہ مشاعرہ کے سلسلہ میں حیدرآباد دکن سے ایک تعلیم یافتہ خاتون لکھتی ہیں :-

"یہاں بھی چند عورتوں اور مردوں کی مخلوط کوششوں سے ایک مخلوط مشاعرہ منعقد ہوا تھا - جو بد اخلاقیوں اور بیہودگیوں کی ایک زندہ تصویر تھی - اگرچہ ہر دو اصناف کے درمیان پردہ حائل تھا، لیکن بعض یاران زندہ دل نے اس "پردہ" پر وہ گلکاریاں کیں، کہ جسکو اگر یورپ کی بےحیائی دیکھ لیتی، تو مارے شرم کے گردن جھکا لیتی"۔

وہ اودھ ہو یا دکن ہو بےحجابی کی روش جہاں کہیں بھی اختیار کی جائیگی نتائج ہر صورت ایسے ہی نکلینگے، ان نتائج کا تعلق جغرافیہ سے نہیں فطرت بشری سے ہے - شریعت اسلامی سے بڑھکر نہ کوئی شفیق ممکن ہے، نہ کوئی حکیم - اُسنے جو احتیاطیں اور پابندیاں مردوں عورتوں دونوں پر عائد کر دی ہیں کیا خواہ مخواہ کر دی ہیں ؟ یا (نعوذ باللہ) بندوں پر سختیاں بڑھانے میں اُسے کچھ لطف آتا ہے ؟ جس طرح طبیب حاذق ہر اُس غذا سے پرہیز کراتا ہے جس سے احتمال بھی مرض میں زیادتی کا ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح شریعت نے بھی ہر اُس روزن کو بند کرنا چاہا ہے جس سے مرد یا عورت کسی کی بھی انفرادی یا معاشری کلفت و اذیت کا احتمال ہے - اب اگر کوئی مریض طبیب حاذق کی اس شفقت و اخلاص کو طبیب کی تنگ نظری یا تشدد پسندی پر محمول کرے، تو اس جہل مرکب کا علاج دنیا میں کس کے پاس ہے ؟

کلمۂ حق

فاضل جلیل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، نے حسب ایت انگیبۃ، جمعیۃ العلماء دہلی کے اجلاس کے موقع پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا :-

"ہندوستان کے ہندو اور مسلمان آگ اور پانی کی طرح ہیں جب تک آگ اور پانی دونوں مجتمع نہ ہوں، اسٹیم نہیں بن سکتی اور اسٹیم کے بغیر آزادی کی گاڑی چل نہیں سکتی -

اسٹیم کی مثال دیتے ہوئے آپ نے متحدہ قومیت کے تخیل کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا - آپ نے کہا اسٹیم بننے کے لیے ضروری ہے کہ آگ اور پانی علیحدہ علیحدہ ہوں اور ان دونوں عناصر کے درمیان ایک پردہ حائل ہو - اگر آگ اور پانی کو ایک جگہ مجتمع کر دیا جائے تو اسٹیم نہیں بن سکتی - آپ نے فرمایا کہ ہندو اور مسلمان اسی طرح مختلف ہیں جس طرح آگ اور پانی - ان کا اتحاد اس طرح ممکن اور قابل قبول ہے، جس طرح اسٹیم کے لیے جدا ہونا پانی اور آگ کا - اور اسی طرح امتیاز کی بھی ضرورت ہے"

رپورٹ اگر صحیح درج ہوئی ہے' تو فاضل مقرر سے زیادہ سامعین کی داد دینے کو جی چاہتا ہے - جنھوں نے ایک "مخلوطی" پلیٹ فارم سے اس جداگانی تقریر کو صبر و سکون کے ساتھ سُن لیا --- اس امتیاز کے تسلیم کرنے کے بعد، پھر غریب اقبال کے پاکستانی تخیل کا کیا جرم باقی رہ جاتا ہے ؟ اتحاد و اشتراک سے آج تک کس نے انکار کیا ہے ؟ مسلمان چونکتا تو اُس وقت ہوتا ہے، جب اُس کی تہذیب و معاشرت کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے' اور ہندویت اور اسلامیت کو مٹا کر نور صرف "ہندوستانیت" پر دیا جانے لگتا ہے!

نامۂ دکن

ایک دردمند بزرگ حیدرآباد دکن سے لکھتے ہیں :-

"حیدرآباد کی موجودہ حالت کیا لکھوں - آپ لوگ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں - کیا پوچھتے ہیں آپ اس سلطنت کا حال ! .... اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون -

اب تو دعا کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی - ہم لوگوں کی جانیں، یعنی کل مسلمانوں کی، خواہ ملکی ہوں یا غیر ملکی انتہائی خطرہ میں ہیں، اور انکی حفاظت کا اتنا بھی سامان نہیں جتنا کانگریسی صوبوں میں شرماشرمی دکھا دکھی کرایا جاتا ہے - آج دنیا میں ایک شیر ہے، جس پر چاروں طرف سے یلغار کر دیا گیا ہے، وہ نرغہ میں ہے، کوئی بچانے والا نہیں حسبنا اللہ و نعم الوکیل - اچھا ہوا محمد علی اور اقبال رحمۃ اللہ علیہما اس دردناک منظر کے دیکھنے کو زندہ نہ رہے ؎

آخر شب دید کے قابل ہے بسمل کی تڑپ !

دعا کا طالب ہوں - ایک ہی کشتی تھی جسکا سہارا ہم بےسہاروں کو ملگیا تھا - لیکن سمندری درندوں نے اُسکو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے - حق تعالیٰ شاہ ذی جاہ کے سایہ کو دیر تک سروں پر سلامت رکھے - امید اگر کچھ ہے تو بس اُنھیں سے ہے ؎

ہو دا سے طالع عثمان علی خاں ہو دے !"

جس دُکھے ہوئے دل سے یہ سطریں لکھی گئی ہیں' امید ہے کہ ہر دل رکھنے والا مسلمان، دعا بھی اسی سوز دل سے کریگا - درحقیقت سوال تنہا مسلمانوں کا بھی نہیں، غیر مسلم بھی اس فراخدلی، اس لطف و نوازش کی مثال کہاں سے ڈھونڈھ کر لائیں گے ؟

مقام اقبالؒ

پرویز صاحب بی' اے، رسالہ طلوع اسلام میں اقبالؒ سے اپنی ایک ملاقات کا حال (۱۲ جنوری ۱۹۳۸ء کی) جو زنانہ میں ہوئی تھی نقل کرکے، لکھتے ہیں - ساتھ میں ایک مولانا صاحب تھے گفتگو پہلے سیاسیات پر رہی - اور اقبال نے فرمایا کہ بجز ایک اسلامی ریاست (پاکستان) کے ہندوستان کی سیاست کا کوئی اور عملی حل سمجھ میں نہیں آتا - اسکے بعد :-

"یہ سب کچھ اقبال کے دماغ کے متعلق تھا، لیکن حقیقی اقبال ان پردوں کے پیچھے قلب کی انتہائی گہرائیوں کے اندر چھپا رہتا ہے۔ ہر چند نیازی صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ کسی جذباتی چیز کا تذکرہ نہ چھیڑنا، کیونکہ اسکا انکی صحت پر بے حد مضر اثر پڑتا ہے، لیکن ایک بات غیر ارادی طور پر ایسی آگئی جس سے ہمیں حقیقی اقبال کی ایک جھلک دیکھنی بھی نصیب ہوگئی۔ مولانا صاحب سے دریافت کیا کہ آجکل کوئی تازہ کلام کہا گیا ہے؟ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ زخمہ کس تار پر جاکر لگیگا۔ فرمایا کہ گزشتہ چھ ماہ سے جب سے حج کا ارادہ ہوا ہے صبح سے شام تک مدینہ ہی کے راستہ میں رہتا ہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں وہ بھی کچھ وہیں کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ کہا اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کچھ طبیعت سنبھلی تو فرمایا بہت کچھ دل میں ہے کہ حضور کے آستانۂ اقدس پر پہونچوں گا تو یہ بھی عرض کرونگا وہ بھی۔ راستہ طے کرلیتا ہوں لیکن جب وہاں پہونچتا ہوں تو طبیعت قابو میں نہیں رہتی۔ نیازی صاحب نے فرمایا کہ تازہ کلام سے کوئی شعر تو سناؤ۔ انھوں نے ایک شعر سنایا تو فرمایا۔ ہاں ایک شعر یاد آگیا۔ کعبۂ مقدس میں پہونچکر حضورِ حق عرض کیا ہے کہ ؎

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

پہلا مصرعہ تو آسانی سے پڑھ دیا لیکن دوسرے مصرعہ میں منزل تک پہونچے تو ایک عجیب کیفیت سامنے آئی۔ دیکھا کہ تمام جسم پر ایک اضطرابی حالت پیدا ہوگئی ہے۔ لیٹے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ یوں محسوس ہوا کہ سارا کلیجہ امنڈ کر منہ میں بھر آیا ہو۔ گلا پھول گیا، چہرہ سرخ ہوگیا، اسے بڑی مشکل سے یوں دبایا جیسے کسی چیز کو حلق سے نیچے لے جا رہے ہیں۔ بڑے کرب و اذیت کے بعد انتہائی اضطراب کے عالم میں بچوں کی طرح ہچکیاں لے لیکر رونے لگے۔ غش کی سی حالت ہوگئی اور نڈھال ہوکر لیٹ گئے۔ ہم ششدر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یا اللہ یہ کیا ہوگیا۔ ایک ہیبت سی طاری ہوگئی۔ سارے کمرہ میں سناٹا تھا۔ ہمیں رہ رہ کر افسوس آتا تھا کہ ہم نے کیوں یہ مضمون چھیڑ دیا.....

زندگی میں چند لمحات بعض اوقات حاصلِ زندگی بنجاتے ہیں۔ یہ چند لمحات اسی قسم کے تھے۔ اب کچھ سمجھ میں آیا کہ اقبال کہاں پہونچ چکا ہے۔ دماغ ہے تو عرش کی بلندیوں پر اور قلب ہے تو قلبِ رسول میں خاکستر۔ اے کاش مسلمانوں کی سمجھ میں آجاتا کہ فطرت کی کرم گستری نے کس قدر بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے!"

آخری سطروں میں جس حسرت کا اظہار ہے، وہ اپنی قوم کے ساتھ عجیب و غریب حسن ظن پر مبنی ہے۔ بیسویں صدی کا مسلمان اور فطرت کی گرم گستری کا ممنون ہو؟ "بیش بہا نعمتوں" کا شکرگزار ہو! اسے فخر اسکا رہتا ہے، کہ وہ اپنے طنز و تمسخر سے، تحقیر و توہین سے، سب و شتم سے اپنے بڑے سے بڑے محسن کا کلیجہ چھلنی کرکے رکھ دیگا ــــ محمد علی اور اقبال دونوں کا انجام، نثر کے تیروں اور نظم کے نشتروں (تصویروں اور کارٹونوں کو چھوڑیے) دونوں کے لحاظ سے کیا آئندہ نسلوں کی عبرت و موعظت کے لیے کافی نہیں؟ ــــ "برطانیہ پرستی" "ضمیر فروشی" کا کوئی گندہ سے گندہ الزام تھا، جو خدائے اسلام کے اس پرستار، اور رسول اسلام کے اس عاشق زار کے لیے اٹھا رکھا تھا؟

مولوی خلیل الرحمن مرحوم

اس عنوان سے جو شذرہ نمبر ۲۷ میں نکلا ہے، اس سلسلہ میں یہ واقعہ بعد کو علم میں آیا تھا، کہ مرحوم کی وفات نماز عصر کے فوراً ہی بعد واقع ہوئی، عصر کا سلام پھیر کر مولانا چاے نوشی کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ زبان سے لفظ "اللہ" نکلا، روح سفر اعلیٰ علیین کے لیے پرواز کرگئی! مسلمان کی معراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس واقعہ کا علم اگر اسوقت ہوگیا ہوتا، تو اس نوٹ کا عنوان ہی ہوجاتا "نمازی کی موت"

دو باتیں اور بھی مرحوم کے صاحبزادہ پروفیسر نعیم الرحمن صاحب (الہ آباد یونیورسٹی) کے عنایت نامہ سے تصحیح طلب معلوم ہوتیں۔ ایک کہ مرحوم کا وطن پنجاب نہ تھا، بلکہ ضلع میرٹھ تھا، جو اسی صوبہ یو۔پی میں واقع ہے۔ الہ آباد میں قیام اگست ۱۹۲۶ء سے تھا۔ دوسری بات یہ کہ مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادہ مولوی محمد جمیل الرحمن صاحب، جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں۔

اپنے مراسلہ نگار سے

جناب معین الدین صاحب (حیدرآباد دکن)

آپ نے قرآن مجید کے رموز و اوقاف وغیرہ سے متعلق جو سوالات کیے ہیں، افسوس ہے کہ انکا کوئی تفصیلی و تحقیقی علم مدیر صدق کو بھی نہیں، ورنہ جوابات بمسرت تمام عرض کردیے جاتے۔ عنایت نامہ میں آپ کا پتہ درج نہ تھا، ورنہ یہی معذرت، خط کے ذریعہ سے آپ سے کرلی جاتی۔

ایک پچھلا مضمون

صدق نمبر ۲۹ کے صفحۂ منقولات میں غلطی سے ایک مضمون "غلاموں کی آزادی کے دس احکام" کے عنوان سے نقل ہوگیا۔ غلطی کسی اور کی نہیں، صرف اڈیٹر کی ہے۔ محض سرسری نظر ڈال کر بے خیالی میں کاتب کے سپرد کردیا گیا تھا۔ اب جب چھپ کر آیا، تو بعض فقرے پڑھ کر انتہائی ندامت ہوئی۔ معانی و مطالب سے بھی مدیر صدق کو تمامتر اتفاق نہیں، اور صدق کے معیار متانت ادب سے تو متعدد فقرے گرے ہوئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بہت سے پڑھنے والوں اور پڑھنے والیوں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ بہرحال اب تو بجز دلی معذرت و اظہار تاسف کے کوئی اور چارہ نہیں۔

(مدیر صدق)

تقدیرِ الٰہی

(از عبد الماجد)

ڈاکٹر اسلم صاحب، گونڈہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔
"وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا"۔ تقدیر = قدرت عطا کرنا اور اقتضائے حکمت کے مطابق ایک خاص اندازہ و خاص درجہ پر بنانا۔

"قرآن کریم نے جہاں تقدیر کا ذکر کیا ہے انسان کے لیے علیحدہ نہیں ذکر کیا بلکہ اپنی تمام مخلوق کے لیے تقدیر کا ذکر کیا ہے۔ جیسے زیب عنوان آیۂ مقدس! "الذی خلق فسوّی والذی قدر فہدیٰ" میں اور جہاں تقدیر کا ذکر خصوصیت سے کیا تو وہ انسان کے لیے نہیں بلکہ یا تو اجرام سماوی کے لیے ہے جیسے "والشمس والقمر حسبانا ذلک تقدیر العزیز العلیم" (الانعام) "والشمس تجری لمستقر لها، ذلک تقدیر العزیز العلیم" (یس) "وزینا السماء بمصابیح وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم" حم السجدہ۔ اور یا نعمائے بہشت کے متعلق "قواریر من فضة قدروها تقدیرا" (الدہر)۔ یہاں تقدیر محض وہ اندازہ ہے جو ہر چیز کے لیے باری تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے جس سے وہ آگے نہیں نکل سکتی۔ قرآن عظیم میں اس لفظ کا استعمال اعمال انسانی کے متعلق قطعاً نہیں ہوا۔ کسی کا شقی یا سعید ہونا اللہ تعالیٰ کا علم ہے اسے تقدیر نہیں کہا جائیگا۔ "والذی قدر فہدیٰ" میں اس بات کو صاف کر کے بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز کے لیے، مادہ ہو یا روح، پتھر ہو یا درخت یا حیوان یا بڑے اجرام سماوی، اللہ نے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے جس کے اندر وہ شے ترقی کر سکتی ہے اور پھر اسے ترقی کی راہیں بتا دی ہیں جس کا ذکر "ہدیٰ" میں ہے۔ اسی طرح انسان کے لیے بھی ایک اندازہ مقرر ہے جس کے اندر وہ ترقی کر سکتا ہے۔ یہ تقدیر ہے اور وہ اچھے کام کریگا یا برے، یہ اللہ کے علم کی بات ہے۔" لیکن، مکرم و محترم ایڈیٹر صاحب سورہ النمل کے اس ارشاد میں "فانجیناہ واھلہ الا امراتہ قدرناہا من الغابرین" تقدیر کا استعمال ایک شخص واحد کے لیے بھی موجود ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ بھی ہے کہ ایک معیار کے دو انسانوں میں سے ایک شخص آسمان ترقی پر بلند پروازی کر رہا ہے اور دوسرا اسی پرواز میں بار بار مجروح ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر توضیحی روشنی ڈالیں گے۔"

مراسلہ ختم نہیں ہوا۔ آگے اقبالؒ کے متعدد اردو و فارسی اشعار نیز شیخ جیلانیؒ کا ایک مقولہ پیش کر کے، ان کی تشریح کی بھی فرمائش کی گئی ہے۔ لیکن قرآنی محکمات کو، اللہ کے بندوں کی زبان سے نکلے ہوئے متشابہات کے ساتھ شامل کرنا کچھ مناسب نہ معلوم ہوا۔ اس لیے مراسلہ کے ان اجزاء کو حذف کر دیا گیا۔ اور اس باب میں صاحب مراسلہ سے معذرت چاہی جاتی ہے۔

مراسلہ کا بیشتر حصہ ایک مصنف کا اقتباس ہے جو اس مصنف کی بیشتر تحقیقات کی طرح تمام تر سطحی و سرسری ہے۔ اور "تقدیر" سے متعلق یہ تحقیق ناصواب ہی نہیں، بلکہ خود یہ تحریر متناقض بھی ہے۔ فعل "قَدَّرَ" کو اول تو انھیں دو معنی میں حصر کر دینا صحیح نہیں۔ اہل لغت و تفسیر دونوں نے قَدَّرَ کو جَعَلَ اور صَنَعَ کے مترادف بھی قرار دیا ہے، چنانچہ آیۂ کریمہ وَقَدَّرَ فِیْہَا اَقْوَاتَہَا (حم سجدہ، آیت ۱۰) میں یہی معنی ائمۂ تفسیر نے اختیار کیے ہیں۔ پھر یہ بھی درست نہیں کہ قرآن نے جہاں کہیں تقدیر کا ذکر کیا ہے، انسانوں کے لیے علیحدہ نہیں، بلکہ اپنی ساری مخلوق کے لیے ذکر کیا ہے، اس کی تردید میں خود مراسلہ نگار نے سورۂ نمل کی جو آیت نقل کر دی ہے، وہ بالکل کافی ہے۔ اور اس کے علاوہ سورۂ حجر کی آیت ۶۰ میں بھی قَدَّرْنَا ٹھیک اسی موقع پر، ایک ہی فرد انسانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے، کہ اس لفظ کا استعمال، انسان کے لیے علیحدہ نہیں ہوا ہے، تو بھی اس سے ثابت کیا ہوگا؟ کیا مصنف کا یہ مدعا حاصل ہو جائیگا کہ "اس لفظ کا استعمال اعمال انسانی کے متعلق قطعاً نہیں ہوا"۔ کیا انسان جمیع مخلوق سے الگ ہے؟ کیا انسان، مخلوقات الٰہی کے اندر شامل نہیں؟ اور جب کوئی لفظ، جملہ مخلوقات کے لیے بول دیا گیا، تو کیا اس کی ضرورت کچھ بھی باقی رہتی ہے، کہ مخلوق کی ایک ایک صنف کے لیے فرداً فرداً بھی اس کا استعمال ہو؟

اور بنا اس سارے انتشار خیال اور خلط موضوع کی ذہنی مرعوبیت ہے۔ چونکہ چند نادان فرنگیوں نے عقیدۂ "تقدیر" پر اعتراض کر دیا، اور اسلامی [illegible]) کا لفظ ان لوگوں نے موقع تحقیر و محل تضحیک پر کر دیا، بس اس سے ہمارے متکلمین جدید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ "تقدیر" انھیں خود موردِ تحقیر نظر آنے لگی، اور یہ لفظ بولتے یہ لوگ شرمانے لگے ـــــ گویا عقیدۂ تقدیر بالکل بے عقلوں اور جاہلوں ہی کو زیب دے سکتا ہے، اور پڑھے لکھوں کو اس لفظ ہی سے عار آنا چاہیے! ـــــ اللہ بخش دے سرسید مرحوم کو، اور معاف فرما دے ان کی اس اجتہادی سنگین شدید بنیادی لغزش کو۔ وہی اپنی تفسیر قرآن کے وقت سے (ورنہ اس کے قبل خطبات احمدیہ کی تصنیف کے وقت تک تو وہ خود بڑے پختہ تھے) اس بدعت کو پھیلا گئے۔ اور آج اس قسم کی محرفانہ تفسیر کا ایک بڑا مرکز لاہور ہے۔ (اگرچہ علیگڑھ ہی کی طرح لاہور کی بھی دوسری اسلامی خدمات یقیناً قابل قدر ہیں)

قدر اور تقدیر دونوں کے معنی لغت و کلام عرب میں متعدد ملتے ہیں۔ سامان کرنا، انتظام کرنا، تعظیم کرنا، حکم لگانا، اندازہ کرنا، لیکن تقدیر الٰہی کے معنی محدود ہیں۔ صاحب تاج العروس، تقدیر کے دو مشہور معانی درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

...ن کلها من الانسان	ان دونوں باتوں کا تعلق تو انسان سے ہے۔
...فی جہاں تک تقدیر الٰہی یا	خدا کی تقدیر امور کا تعلق ہے، اس کی دو قسمیں
...ں۔ واما التقدیر اللہ الامور فعلی وجہین	ہیں۔ مزید تصریح آگے ملاحظہ ہو۔
احدہما الحکم منہ ان یکون کذا	ایک معنی تو اللہ کی طرف سے حکم لگانے کے ہیں،
...او لا یکون کذا اما وجوبا واما امکانا وعلی	کہ فلاں فعل یوں واقع ہوگا اور یوں واقع نہ ہوگا

وعلی: الک قولہ تعالیٰ قد جعل اللہ لکل شیٍٔ قدراً	خواہ بصورت وجوب ہو، خواہ بصورت امکان۔ اور اسی معنی میں ہے آیہ کریمہ وقد جعل اللہ لکل شیٍٔ قدراً۔

اور دوسرے معنی قدرت وہیئے (علماء العقدہ) کے بیان کیے ہیں، اور پھر ایک تفصیل یہ ہے، کہ ہر چیز کو اُسکے حسب حال، موافق حکمت قوت دی گئی ہے خواہ بذریعہ تسخیر خواہ بواسطہ تعلیم۔ اعطی کل شیٍٔ ما فیہ مصلحۃ وہداہ لما فیہ خلاصہ اما بالتسخیر واما بالتعلیم۔

یہ صحیح ہے کہ تقدیر کے مشہور و متعارف معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ لیکن یہ مغالطہ خود اسی لفظ "اندازہ" کے اندر موجود ہے۔ اُردو میں "اندازہ" کا مفہوم "ظن" اور "تخمین" یا "اٹکل" کا ہے، جو بارہا غلط ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ عوام کو چھوڑیے، ماہرین فن کو لیجیے، خانۂ ہست و بود کے بھی کتنے اندازے، بیاریوں سے متعلق، پہلے بہت ہی بڑے ڈاکٹروں کے کتنے اندازے، مقدمات سے متعلق، روزمرہ غلط ہی ثابت ہوتے رہتے ہیں! کیا (نعوذ باللہ) خدائی اندازے اسی قسم کے ہوتے ہیں؟ یہاں تو اندازہ کے معنی ہی بالکل دوسرے، اور اسکے برعکس ہیں۔ تقدیر الٰہی سے یہ مراد کوئی برائے نام مسلمان بھی نہیں لے سکتا، کہ اپنی مخلوق سے متعلق اس نے کچھ تخمینے، کچھ قیاسات، کچھ اٹکلیں قائم کر رکھی ہیں! تقدیر الٰہی سے صاف و صریح مراد یہ ہے، کہ اُس حکیم مطلق نے اپنی ہر ہر مخلوق کو ایک مناسب و متعین اسلوب پر، ایک حکیمانہ و مخصوص روش پر لگا رکھا ہے۔ یوں ہی بلا قید و ضبط نہیں چھوڑ رکھا ہے۔ چنانچہ اسی مادہ سے جو اسم الٰہی قدیر بنا ہے، اُسکے معنی صاحب تاج العروس نے مصباح سے یہ نقل کیے ہیں:۔

القدیر ہو الفاعل لما یشاء علی قدر ما تقتضی الحکمۃ لا زائداً علیہ ولا ناقصاً منہ ولذلک لا یصح ان یوصف بہ الا اللہ تعالیٰ	قدیر نام ہے اُس فاعل کا جو ہر چیز کو بنا تا ہے اُسکے ٹھیک حکیمانہ اسلوب پر، نہ اس سے کچھ بھی بڑھا کر، نہ اس سے کچھ بھی گھٹا کر، اور اسی لیے اس اسم کا اطلاق بجز حق تعالیٰ کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔

روشنی کی قدر اور اندازہ کے لیے ضروری ہے، کہ تاریکی سے تقابل ہو لے قرآن کریم کی بھی بہت سی ہدایتوں سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری قوموں کی گمراہیاں پیش نظر ہوں۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا کو بہت زائد ٹھوکریں، ذات و صفات باری ہی کے باب میں لگی ہیں۔ چنانچہ علم و قدرت الٰہی، اور مخلوقات سے اسکے تعلق کی نوعیت سمجھنے میں دنیا بہت بھٹکی، اور بار بار بھٹکی ہے، اور افراط و تفریط دونوں برتتی رہی ہے۔ یونان کے بعض نامی "حکما،" اس طرف چلے گئے ہیں، کہ انسان اپنے ہر فعل و عمل میں آزاد مطلق ہے، خالق کائنات کو کوئی نگرانی وغیرہ کا تعلق بھی اعمال انسانی سے نہیں۔ ایپکورس کا یہی مذہب ہوا ہے۔ اور جس طرح آج موحدوں کی قوم، مشرکوں اور ملحدوں کے "علوم و فنون" سے مرعوب و مسحور ہو گئی ہے، ٹھیک اسی طرح یہود جیسی موحد قوم کے "روشن خیال" بھی اپنی روشن خیالی کے اظہار کے لیے یونانی، مصری، رومی، مشرکوں کی بولی بولنے لگے، اور اُنکے فرقۂ صدوقیون نے (جو اپنے عقائد میں گویا ہماری قوم کے "نیچری" اور "نیم نیچری" گروہوں کا بالکل مثنیٰ تھا) تو صاف صاف اعلان میں اپنے مختار مطلق ہونے کا اعلان کر دیا۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا ہیسٹنگز کی "ڈکشنری آف دی بائبل" جلد ۴ صفحہ ۳۵۰ وغیرہا)

دوسری طرف بعض جاہلی قومیں اپنی وہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی میں غلو کر کے یہاں تک پہونچ گئیں کہ ایک مستقل دیوتا "تقدیر" یا "قسمت" کا گڑھ لیا، اور اسکو اختیارات میں اپنے سب دیوتاؤں سے بھی اونچا مان لیا! خود یونان (جسکی شہرت علم و حکمت کے محض مشرکوں کے پروپیگنڈا کے باعث ہمارے ہاں کے اچھے اچھے علماء مرعوب ہیں) مدتوں اس بلا میں مبتلا رہا، اور برابر یہ عقیدہ وہاں چلا رہا، کہ مقدر کو خدا بھی نہیں پھیر سکتا! شواہد و تفصیلات ان عقائد کے لکھے جائیں، تو خود ایک مستقل ضخیم مقالہ تیار ہو جائے۔

اسلامی عقیدۂ تقدیر ان غلطیوں اور گمراہیوں کا مصحح ہے۔ اس بنا پر کوئی بات نہ شرمانے کی ہے نہ خفیف ہونے کی۔ سورۂ فرقان کی ابتدائی دو دونوں آیتیں، نہ تشریحی ترجمہ کے پڑھیے، جنکا ایک ٹکڑا، وخلق کل شیٍٔ فقدرہ تقدیرا، زیر بحث سلسلہ کے شروع میں درج ہوا ہے:

۱۔	تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ	مبارک اور باعث برکت ہے وہ ذات جسنے نازل کیا فرقان کو (یعنی حق و باطل میں درمیان امتیاز کرنے والی چیز کو۔ جس سے مراد علاوہ قرآن مجید کے رسول کے دلائل و معجزات بھی ہو سکتے ہیں) اپنے بندہ (خاص) پر۔ [خدا کے اوتار یا مظہر کی قائل مشرک قومیں عقیدۂ رسالت و تنزیل کتاب دونوں سے آشنا نہیں، انکی اصلاح اسی میں آگئی ہے]
	لیکون للعٰلمین نذیرا	تاکہ وہ سارے ہی کائنات کے حق میں ڈرانے والا ہو۔ [سارے عالم کے لیے کسی ایک پیغمبر و پیغام کا آنا مشرک قوموں کی سمجھ سے اتنا ہی دور تھا، جتنا یہ عقیدہ کہ ساری دنیا کا مالک و خالق اور متصرف ایک ہے!]
۲۔	الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض	وہ ذات وہی ہے کہ اُسی کی ملک ہے آسمان و زمین سب۔ [ساری کائنات مالک ایک ہی ہستی کی ہے۔ یہ نہیں کہ زمین یا آسمان خود دیوی دیوتا ہوں، یا زمین کے دیوتا فلاں ہوں اور آسمان کے فلاں۔]
	ولم یتخذ ولدا	اور اُس نے اپنے لیے کوئی فرزند بھی نہیں اختیار کیا ہے [فرزندیِ خدا کا عقیدہ بہت عام، اور قریباً تمام مشرک قوموں میں مشترک ہے]
	ولم یکن لہ شریک فی الملک	اور پھر یہ بات بھی نہیں، کہ اُس نے اپنی ملک و حکومت میں کسی کو بطور نائب یا ماتحت کے بھی شریک کر لیا ہو۔ [کثرت سے مشرک قوموں نے یہی مانا ہے کہ بڑا دیوتا تو ایک ہی ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے دیوی دیوتا بہت سے ہیں!]

وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا

اور اسی نے با شرکت غیرے ہر شے کو عدم تنہا نیست سے ہست کیا۔

اور پھر عمل تخلیق کے بعد وہ بے اختیار یا معطل نہیں ہوگیا۔ بلکہ اس نے اپنی اپنی جگہ مخلوق کے لیے بہترین انتظام بھی کردیا۔ چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ کو کلیۂ نظم و ضابطہ کے شکنجہ میں کس دیا۔ جس سے ذرہ بھر بھی کوئی چیز نہ ادھر ہوسکتی ہے نہ ادھر۔

اس میں رد آگیا ان گمراہوں کا بھی جو خدا کو صرف خالق سمجھتے ہیں اور متصرف و حاکم نہیں سمجھتے۔ اور ان گمراہوں کا بھی جو ہندوؤں اور بودھوں کے عقیدہ "کرم" کے لحاظ سے یا موجودہ زبان میں "نیچر" یا "قانون قدرت" کے لحاظ سے، حق تعالیٰ کو کسی معنی میں بھی مجبور سمجھتے ہیں۔

وہ ذوالصفات منزہ ہے ان تمام کمزوریوں، معذوریوں، حد بندیوں سے، جو شرک یا جہالت نے اس کی طرف منسوب کر رکھی ہے۔ وہ بہترین صانع اور بہترین خالق ہی نہیں، بلکہ بہترین منتظم بہترین مدبر اور بہ رعایت ظروف و احوال ہر چیز کے لیے بہترین چارہ ساز بھی ہے۔

انسان اپنے اعمال میں آزاد و مختار یقیناً ہے۔ اگر مجبور ہوتا، تو مکلف ہی کیوں قرار پاتا۔ لیکن اس کی یہ ساری آزادی و خود مختاری تقدیر الٰہی کے ماتحت ہے۔ اس کے ماتحت نہیں۔ ضوابط تکوینیہ الٰہیہ کے دائرے سے باہر نہیں۔ اور یہی توسط اعتدال کی وہ راہ ہے، جس میں شریعت اسلامی، دنیا کے تمام مذہبوں اور سارے اخلاقی اور فلسفی نظریوں سے ممتاز ہے۔

اس لیے جب تک ساری تجارت رعایا کے ہاتھ سے چھین کر حکومت قبضہ نہ کرلے تجارت چل نہیں سکتی۔ کیونکہ بغیر انتفاع دیے ہوئے سرمایہ نہیں مل سکتا۔ اور بغیر سرمایہ کے تجارت نہیں چل سکتی۔ بر خلاف اس کے اسلام سرمایہ اور محنت دونوں کا حق ضروری قرار دیتا ہے۔ البتہ حقوق کی مقدار کی تحدید و تعیین اسلام نے نہ کی۔ اس کی تحدید سرمایہ دار اور محنت کرنے والے کی باہمی مصالحت پر موقوف ہے۔ تحدید نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کام کی نوعیت اور وقت و مقام سے ہر حال میں سرمایہ اور محنت کا توازن یکساں نہیں رہتا۔

سرمایہ دار اور مزدور ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ جب تک دونوں کا تعاون نہ ہو کسی کا کام نہیں چل سکتا۔ اس لیے دونوں کا کسی عادلانہ توازن پر متفق ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ نہ اس کے لیے سوشلزم کی ضرورت ہے جو سرمایہ کے حق سے بالکل انکار کرکے تجارت کا خاتمہ کردے۔

سرمایہ داری کی طاقت صرف مزدوروں کا حق دبانے سے اتنا نہیں بڑھ سکتی۔ مزدوروں کو راضی رکھنا بہر حال سرمایہ دار کے لیے ضروری ہے وہ مزدوروں کا حق اتنا نہیں دبا سکتے کہ مزدور بے دل ہو جائیں۔ جو سرمایہ دار ایسا کرتے ہیں وہ اپنی حماقت کا نتیجہ فوراً پا جاتے ہیں۔

ناجائز سرمایہ داری جن چیزوں سے بے انتہا ترقی کرتی ہے اور جس ذریعہ سے سرمایہ دار غریبوں کو تباہ کرتے رہتے ہیں وہ دوسری چیزیں ہیں یعنی سود خواری، سٹہ بازی، بیمہ، بغیر مال کے فرضی بیع اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جس سے مزدور، غربا، کسان سب تباہ کیے جا رہے ہیں۔ سوشلزم میں ان تمام خرابیوں کے سد باب کا کوئی علاج نہیں۔ اسلام نے ان سب کا قطعی خاتمہ کردیا ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام کو قبول کیے بغیر اس ناجائز سرمایہ داری کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

اسلام نہ اولوالعزم اور محنتی لوگوں کو بڑی سے بڑی ترقی کرنے سے روکتا ہے نہ سوشلزم کی طرح ہونہار اور ترقی پذیر ہستیوں کا پر کاٹ کر پستی میں گراتا ہے۔ نہ غریبوں اور مزدوروں کے حق سے غفلت جائز رکھتا ہے۔ اسلام سوشلزم کی طرح صرف وقتی ہنگامہ آرائی کے لیے نہیں آیا۔ کہ کبھی کسانوں کو بھڑکا کر شورش پیدا کرے۔ کبھی مزدوروں کو غیر معمولی مطالبات پر مشتعل کرکے تباہ کرائے۔ اسلام نے ایک باقی رہنے والا مستقل دائمی اصول اور عدل و انصاف کا ایک جامع مکمل اور صحیح معیار دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسلامی تعلیم کی بنا نہ طبقاتی اصول پر ہے نہ قومی دشمنی یا دوستی پر۔ یہ خداوند پاک کے مقرر کردہ اصول ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے عمل کے لیے نازل کیے ہیں۔ خداوند پاک ہر شخص کو اس پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (عصر جدید)

(بقیہ صفحہ ۱۱)

اور انعقاد خلافت کی صورت ایک صورت ہے کہ اہل حل و عقد بیعت کریں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اقتصادی نظام کا کوئی اصول کتاب و سنت سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اقتصادی نظام کے بغیر کوئی قانونی حکومت چل نہیں سکتی ہے۔ خلفائے راشدین کے سوا اور بھی مسلمانوں کی ایسی حکومتیں ہوئی ہیں جن کا سارا نظام کتاب و سنت ہی سے تھا۔ خود تھا سوشلزم کا اقتصادی نظام تو ابھی صرف تھیوری ہے۔ عملی نہیں ہے۔ روس نے بالشویزم کے نام سے جو نظام جاری کیا وہ بھی ناقص اور ناقابل عمل ثابت ہوچکا ہے۔ اور بدلا بھی گیا۔ مگر اسلام کا نظام عملی ہے۔ عملاً جاری رہ چکا ہے اور اب بھی جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہیگا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے جو سرمایہ داری کو روکنے والا ہو۔ دانستہ یا نادانستہ مولانا کا یہ اقرار کرلینا بہت صحیح ہے۔ اسلام بلا شبہ جائز اور حلال سرمایہ داری کا قطعاً مخالف نہیں ہے اسی سے سوشلزم اسلامی تعلیم کے موافق نہیں ہے۔ کیونکہ سوشلزم جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف ہے۔ سوشلزم تجارت کے انتفاع اور زمین کی پیداوار کو صرف محنت کا بدلہ قرار دیتا ہے۔ سرمایہ کا کوئی معاوضہ مقرر کرنا نہیں چاہتا۔

شراب اور تمباکو نوشی

یہ دونوں چیزیں اپنے بعض حظوظ و لذائذ کی بنا پر یا سوسائٹی کے رجحان اور ترغیب و تحریص کی وجہ سے ملک میں بڑی کثرت سے پھیل رہی ہیں۔ چنانچہ حکومت بھی انکے انسداد کی تدابیر پر غور کر رہی ہے۔ لیکن ابھی پورے طور پر ان چیزوں کی روک تھام نہیں کی گئی۔ شراب چند مقامات پر ممنوع ہو چکی ہے۔ اور تمباکو پر لائسنس قائم کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمباکو نوشی کو بھی قطعاً ممنوع قرار دیا جائے۔ کیونکہ شراب تو صرف وہی لوگ پیتے ہیں جو اسکی "گراں قیمتی" کو برداشت کر سکتے ہیں لیکن تمباکو اپنی ارزانی اور عام دستیابی کے باعث بڑی کثرت سے پیا جاتا ہے۔

تمباکو اور شراب کے مضرات قریب قریب یکساں ہیں۔ شراب کی طرح تمباکو بھی اعضائے رئیسہ کو شدید نقصان پہونچاتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شراب کا اثر اور اسکے نتائج بد کا ظہور جلد ہو جاتا ہے اور تمباکو کے مضار ذرا دیر میں کھلتے ہیں۔

شراب کے لیے حکومت بھی کوشاں ہے اور سوسائٹی بھی لیکن تمباکو نوشی پر دونوں کی گرفت بہت ہلکی ہے۔

تمباکو عام طور پر تمام بدن میں خشکی پھیلاتا ہے اور اعضائے رئیسہ خاص کر پھیپھڑوں کو متاثر و ماؤف کرتا ہے۔ ہزاروں نوجوان اور نابالغ بچے اس عادت قبیحہ کی بدولت قبض دائمی۔ اختلاج قلب۔ ضعف بصارت۔ سانس پھولنا وغیرہ کے امراض میں مبتلا ہیں۔

امراض نوعی کے مریضوں میں کثرت دائمی قبض والوں کی پائی جاتی ہے اور قبض دائمی نتیجہ ہوتا ہے خشکی معدہ و امعاء کا۔ اور خشکی معدہ و امعاء کا سبب ہوتا ہے کثرت تمباکو نوشی۔

حقہ زمانۂ قدیم کی اختراع ہے۔ اور سگریٹ۔ سگار۔ پائپ وغیرہ زمانۂ جدید کی ایجاد۔ لیکن حقہ میں جس قدر احتیاط کار فرما ہے اس قدر سگرٹ وغیرہ میں نہیں ہے۔ حقہ کا دھواں اپنی حرارت کو کسی قدر پانی میں چھوڑ کر اور اسکی رطوبت و برودت لیکر منہ میں پہونچتا ہے۔ برعکس اسکے سگرٹ وغیرہ کا دھواں بالخاصیت بھی گرم و خشک ہوتا ہے اور بالفعل بھی۔ اگرچہ حقہ کے مضرات زیادہ ہیں۔ مگر وہ صحت کے لیے اتنا زیادہ مضر نہیں۔ دیکھ لیجیے جب تک حقہ کا دور دورہ رہا ہندوستان بیماریوں سے محفوظ رہا۔ اور جب سے سگرٹ وغیرہ کا زمانہ آیا اور اس کی کثرت شروع ہوئی اسی قدر امراض بڑھ کر وباؤں کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ چنانچہ تپ دق نے ملک میں کہرام مچا رکھا ہے۔ بڑے بڑے کڑیل جوان دق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور انھیں خبر تک نہیں ہوتی۔ اس لیے سگرٹ کا سد باب اشد ضروری ہے۔

(انقلاب)

سیاست و مذہب کا از سر نو اشتراک

قاہرہ (ڈاک سے) ترکی اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی عصمت انونو کا انداز حکمرانی مذہب اور قدیم روایات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اتاترک مرحوم نے مذہب کو سیاست سے بالکل جدا کر دیا تھا۔ لیکن عصمت پاشا مذہب و سیاست کا کامل اشتراک چاہتے ہیں۔ اتاترک کے زمانہ میں اگرچہ مساجد میں عربی زبان زیادہ استعمال کی جاتی تھی تو نوجوانوں کی طرف سے احتجاج کیا جاتا تھا مگر اب نماز و خطبہ میں عربی زبان پھر نمایاں ہوتی جاتی ہے اور ترقی پسند جماعتوں میں یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اتاترک کے شرکائے کار کا یکے بعد دیگرے نئی تشکیل حکومت سے علیحدہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ عصمت انونو اتاترک کی اصلاحات کا رخ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور نوجوانوں کے حلقہ میں سابق وزیر اعظم جلال بایار کی علیحدگی کے معنی یہ سمجھے جا رہے ہیں کہ ترکی کی سیاست کا رجحان جمہوریتوں سے ہٹ کر فسطائیت کی طرف ہو رہا ہے۔

(زمیندار)

صدق کے اغلاط قرآنی

ایک ایم۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی۔ صاحب نگینہ ضلع بجنور سے تحریر فرماتے ہیں:—

"میں عربی سے تقریباً نابلد ہوں۔ آپ کے و دیگر حضرات کے تراجم و تفسیر سے کوشش کر رہا ہوں کہ کم از کم کلام مجید کے مطالب و معانی سمجھ لیا کروں۔ "صدق" مورخہ ۱۵؍ مارچ میں سورہ آل عمران۔ رکوع ۸ کے ترجمہ میں کچھ الجھن پیدا ہوئی۔ قرآن مجید کی اصل عبارت کا مقابلہ کرنے پر کتابت کی حسب ذیل غلطیاں برآمد ہوئیں:

(۱) علی الذین آمنوا	کے بعد	وبئس المهاد	رہ گیا ہے	آیت ۱۲ میں
(۲) بعہد اللہ	کے بعد	وایمانهم	رہ گیا ہے	آیت نمبر ۶ میں
(۳) لا یکلمہم اللہ	کے بعد	ولا ینظر الیهم	رہ گیا ہے	" "
(۴) لتحسبوہ	چھپ گیا ہے بجائے	لتحسبوه	کے	" " میں
(۵) وہم یعلمون	چھپ گیا ہے بجائے	وہم یعلمون	کے	" " "
(۶) والحکم	چھپ گیا ہے بجائے	والحکم	کے	" ۸ میں

ضرورت سمجھیے تو آیندہ اشاعت میں تصحیح فرما دیجیے۔ کاش کاتب صاحب قرآن کی عبارت نقل کرنے میں زیادہ احتیاط اور توجہ فرما سکتے۔ والسلام!"

مراسلہ [illegible] شایع کیا جا رہا ہے۔ کاش اس سے صدق کے کاتب اور صدق کے مصحح، جو دونوں حافظ قرآن ہیں، کوئی سبق حاصل کرتے!

مخلوط تعلیم

(از دواس النساء بیگم صاحبہ - حیدرآباد دکن)

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ہماری ایک ہندو سہیلی جو تین سال تک ہمارے ساتھ بلدہ کے زنانہ مدرسہ میں پڑھ چکی تھیں، اب کوئی تین سال سے جامعہ پونہ میں زیر تعلیم ہیں۔ یوں تو اس اثنا میں ان کے کئی خطوط آئے لیکن چند روز ہوئے کہ ان کا ایک تفصیلی مکتوب موصول ہوا ہے جس کا کچھ حصہ مخلوط تعلیم کے اس تاریک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جس کو تجدد متجسس نظروں سے دیکھتا ہے اس لیے ہم اس حصہ کا ترجمہ ان حامیان مخلوط تعلیم کی عبرت و بصیرت کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں جن کی تعریف میں ان کی زبانیں خشک ہوئی جا رہی ہیں۔

"...... مجھے اس جامعہ میں شریک ہوئے کوئی تین سال ہوتے ہیں۔ لیکن تم یقین مانو کہ آج تک مجھے وہ راحت اور سکون نصیب نہیں ہوا جو وہاں (حیدرآباد دکن) کے مدرسہ میں میسر تھا۔ تم نے اپنے میٹرک کے ... اس اطمینان اور چین سے ختم کیے ہیں کہ اب بھی اس کی یاد میرے دل میں ——— اگرچہ اتنا عرصہ گزر گیا ہے ——— اسی طرح تازہ ہے جس طرح پہلے تھی۔ مجھے وہاں کا طریقہ تعلیم اس لیے بہت پسند آیا کہ وہاں لڑکیوں کو لڑکوں سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اخلاق کے تحفظ کا یہی ایک بہترین ذریعہ ہے۔ حقیقت میں انسان ایک پیکر اخلاق ہے۔ جس میں یہ نہ ہو وہ ایک درندہ سے بدتر ہے۔ مخلوط تعلیم لڑکیوں کے لیے دوستوں کا ایک لامتناہی سلسلہ بہم پہنچاتی ہے جس کی بدولت خیالات میں انتشار پیدا ہو، فضول باتوں میں وقت ضائع ہو اور ماتھے پہ کلانک کا ٹیکہ لگے اور کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ دائرۂ احباب کی وسعت کے باعث تحفے تحائف کی کوئی کمی نہیں رہتی۔ اگر ان کے قبول کرنے میں ذرا سی بیجا انکسار کی جائے تو ساری بناؤ سنگھار کی چیزیں مفت ہاتھ آ جاتی ہیں لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ ان کی یہ عنایات پر خلوص اور غرض سے پاک ہوتی ہوں۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ایک نوجوان نے ہماری سہیلی کی زندگی ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دی ہے۔ اگرچہ اس واقعہ نے سب کی آنکھیں کھول دی ہیں لیکن پھر بھی اس طرح کا اختلاط اس کی یاد کو بھلا دینے کے لیے بہت کافی ہے۔ اب میں ان کی دوستی سے بہت گھبرانے لگی ہوں لیکن پھر بھی وہ خطوط کے ذریعہ اس فریضہ کو انجام دیا کرتے ہیں۔ میں ذریعہ ہذا ایک خط منسلک کر رہی ہوں جس کا مطالعہ تمہیں بتا دیگا کہ کاتب کا بیان کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ بہرحال بہن تم بہت خوش نصیب ہو اور ان تمام کشاکش سے ہر طرح محفوظ و مامون ہو..."

شریمتی جی کسی دیہات کی گنواری نہیں ہیں کہ ہم ان کے بیان کو جاہلیت پر محمول کر سکیں اور نہ وہ کوئی پردہ نشیں خاتون ہیں کہ ہم ان کی نسبت قدامت پرستی اور تنگ خیالی کا وہم و گمان بھی کر سکیں۔ وہ جامعہ پونہ کی طیلسانی جماعت میں لڑکوں کے دوش بدوش اپنے تعلیمی مدارج طے کرتی چلی جا رہی ہیں۔ سڑکوں اور گلی کوچوں میں بے پردہ پھرا کرتی ہیں۔ انھوں نے ہمیں جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی سماعی خبر نہیں ہے اور نہ انھوں نے اس کو کسی اخبار یا رسالہ سے نقل کیا ہے تاکہ ہمارے لیے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجایش باقی رہے۔ یہ ان کا آزمودہ "نسخہ" ہے جس کو انھوں نے دو چار مہینے نہیں بلکہ برسوں کے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد قلمبند کیا ہے جو کبھی خطا نہیں کرتا۔ فقط

پردہ اور بہار کی ایک ہندو خاتون

کل وومنس کلب میں مس شیو نرائن سنہا نے ایک تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں جو نسوانی تحریکیں رائج ہو رہی ہیں وہ یقیناً ہماری معاشرت کے لیے تباہ کن ہیں۔ بے پردگی کی آجکل تعلیم یافتہ عورتیں بہت تعریف کر رہی ہیں۔ پردہ در حقیقت مشرقی معاشرت کا ایک نہایت پاکیزہ اصول ہے اور تمام سمجھدار عورتیں اس بات کو خوب سمجھتی ہیں کہ اخلاقی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے پردہ نہایت مفید چیز ہے۔ آپ نے فرمایا جو لوگ بغیر سوچے سمجھے مغربی معاشرت کی تقلید کرتے ہیں کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر ملک کے اصول معاشرت جداگانہ ہوتے ہیں۔ اور اس ملک کی عام اخلاقی حالت کا اندازہ اس کے مذہب اور باشندوں کی ذہنیت کا آئینہ دار رہا ہے۔ یورپ کی معاشرت میں بے پردگی کی وجہ سے جو خرابیاں واقع ہوئی ہیں ان کا ہمیں اندازہ نہیں کیونکہ ہندوستانی مستورات شاذونادر یورپ جاتی ہیں لیکن میں آپ کو بتلانا چاہتی ہوں کہ یورپ کی نیک خیال بیبیاں ہندوستان کے پردہ سسٹم کو بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ ہندوستان کی معاشرت کے لحاظ سے پردہ بہت موزوں چیز ہے۔ افراط تفریط ہر چیز میں بری ہوتی ہے اور پردہ جو قید کی حد کو پہنچ جائے عام کاروباری زندگی کے لیے بیشک نقصان دہ ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ عورتیں بے پردہ گھومیں اور پھر مردوں کے ساتھ بے تکلف ملیں جلیں۔

(رہبر دکن)

مسلمان کیا کریں؟

(از ابوالبرکات مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری)

اس کا صاف اور صریح جواب یہ ہے کہ مسلمان وہی ہے جو رسول اللہ کی تعلیم کو صحیح۔ مفید اور منجانب اللہ سمجھے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں اُن پر فرض ہے کہ اُن تعلیمات پر عمل کریں۔ کیا کریں اور کیوں کریں؟ وساوس میں پڑکر وقت نہ ضائع کریں اور جن لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے مفید اور حق ہونے میں شبہ ہے انکو چاہیے کہ صداقت کے ساتھ ان تعلیمات کا انکار کرکے اسلام سے الگ ہو جائیں اور جس راستہ کو اپنی عقل یا یورپ کی تقلید سے اچھا سمجھیں اُس پر عمل کریں۔ ایک صادق مسلمان کے لیے اسکا جواب ایک ہی ہے دوسرا ہو نہیں سکتا وہ یہ کہ جناب رسول اللہ کی تعلیم پر عمل کریں۔ اسکے سوا جو جواب رسول اللہ کی تعلیم کے خلاف ہوگا وہ کتنا ہی نظر فریب اور مدلل ہو مسلمانوں کے لیے نہ ہوگا۔ اُنکے لیے ہوگا جو رسول اللہ کی تعلیم کو ناقص سمجھتے ہیں اور رسول اللہ کی تعلیم میں بہتری کا یقین نہیں رکھتے۔

البتہ جزئیات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ کی تعلیم کو سمجھنے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ وقتی ضروریات کو رسول اللہ کی تعلیم سے تطبیق دینے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن جب کسی وقت رسول اللہ کی تعلیم سے بے نیازی اختیار کرلی جائے اور اختلاف کی بنیاد کسی حکیم۔ کسی فلاسفر یا زید عمر بکر کی تعلیم پر ہو تو ایک صادق مسلمان کی توجہ اسکی طرف نہیں ہو سکتی۔ نہ ایک سچے مسلمان کے لیے ایسی رائے شمع ہدایت بن سکتی ہے۔

اسلام نے بتایا ہے کہ خدا، خدا کے رسول، خدا کی کتاب اور اُسکے تمام تعلیمات کے متعلق جناب رسول اللہ کے ماننے والوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے۔ اسلام نے بتایا کہ خدا کی رضا جوئی، روحانیت کی ترقی، اور حیات بعد الموت کے لیے مسلمانوں کے لیے کون کون اعمال ضروری ہیں۔ اسلام نے بتایا ہے کہ ایک مومن کو دنیا میں دنیا والوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے۔ خویش۔ اقارب۔ خاندان۔ جوار۔ احباب، حاکم، محکوم، مالک، مملوک، دوست دشمن۔ مومن، مشرک، کافر، سب کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کا جدا جدا اصول اور قاعدہ بتادیا ہے۔ بہت سی چیزیں جائز کی ہیں اور بہت سی ناجائز۔ بعض سلوک و برتاؤ کو حرام کیا ہے۔ بعض کو فرض اور مسلمان وہی ہے جو اسلام کے قائم کیے ہوئے تمام مدارج کو قائم رکھے۔ اسلامی دستور العمل اور اسلامی قانون وہی ہے جس میں اسلامی تعلیمات کے موافق ان تمام مدارج کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ جائز کو ناجائز، حرام کو حلال، فرض کو مباح اور مباح کو فرض بنا کر اسلامی تعلیمات کو منقلب نہ کر دیا گیا۔ اور جس طرح عقائد و عبادات میں رسول اللہ کے احکام کی اتباع ضروری ہے۔ اسی طرح معاملات کے مسائل میں بھی حضور صلعم کی اتباع ضروری ہے۔ قرآن پاک میں تصریح ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپس کے اختلافات کے وقت بھی رسول اللہ کو حاکم بنانا منظور نہ کر دے۔

کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے لیے کوئی علٰحدہ طریق عمل تلاش نہیں کر سکتا۔ طریق عمل موجود ہے۔ کامیاب اور تجربہ شدہ راستہ موجود ہے۔ بدنصیبی یہ ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کرتے۔ اور یہی بے عملی اُنکی تباہی کا اصلی سبب ہے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے کہ عبادات اور معاملات کے تمام خدائی احکام کو قبول کرے۔ خدائی قانون کو جاری کرے۔ خود اس پر عمل کرے، دوسروں سے عمل کرالے۔ اور اس میں جس قسم کی رُکاوٹیں حائل ہوں اُسکو راستہ سے ہٹا دے۔ ایک مسلمان کا صحیح نظریہ ہونا چاہیے اور یہ ہے کہ صرف خدائی احکام دنیا میں قائم و رائج ہو جائیں اور قانون سازوں کی غلامی سے انسان آزاد ہو جائے۔

جناب مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی عقائد و عبادات کی تعلیم کو زیادہ اہم نہیں سمجھتے۔ اُنکے نزدیک یہ مسلمانوں کا ذاتی معاملہ ہے جسکو آجکل کی اصطلاح میں پرسنل لا (یعنی شخصی قانون) کہتے ہیں اور ان تعلیمات کی تائید و حمایت میں کوئی جماعت بنانا فرقہ پرستی ہے جو اُنکے نزدیک کفر سے زیادہ بُرا ہے۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ نے دنیا کو اسلام قبول کرنے والوں کی ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت کے ساتھ مل کر اس تعلیم کے مخالفین کا مقابلہ کیا۔ بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ عزیز و اقارب، قوم و وطن سب کو چھوڑنا پڑا۔ مگر کبھی اس تعلیم کی تائید و حمایت کو ترک نہ کیا۔ حتیٰ کہ یہ جماعت فاتح اور کامیاب ہوئی۔

مولانا یا اُنکے ہمخیالوں کو کوئی تصریح نظر نہ آئی کہ اسلامی تعلیمات میں وہ کونسی چیزیں ہیں جس پر رسول اللہ اور اُنکی جماعت کو اتنا اصرار تھا۔ خیال تھا کہ اُنکے نزدیک عقائد اور عبادات کے مسائل تو ایسے اہم نہیں ہیں جس پر غیروں کو بلکہ خود اپنی جماعت کو عمل کی تاکید کی جائے یا اسکے ترک پر ملامت کی جائے۔ شاید معاملات کی اسلامی تعلیم کو وہ زیادہ اہم اور ضروری سمجھتے ہونگے۔ اور اُس کی حمایت اور تائید کے لیے جانفروشی و جانبازی کو فرض جانتے ہونگے۔

لیکن اب ۲۰ فروری کے ہفتہ وار ہند میں مولانا کا ایک اڈیٹوریل نکلا ہے جس میں اُنھوں نے مولانا ظفر الملک علوی کی تردید کی ہے۔ اس مضمون میں آپ نے اسلام کے معاملات کی تعلیم کی دھجی اُڑا دی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ معاملات کے اہم مسائل کے متعلق اسلام میں کوئی تعلیم موجود نہیں ہے۔ انسانی سوسائٹی کے لیے اسلام نے کوئی نظام ہی مقرر نہیں کیا۔ تعزیرات منصوصہ یعنی حدود اللہ کو بھی بدل سکتے ہیں۔ حکومت کا مسئلہ انسانی سوسائٹی کے لیے کتنا ضروری ہے مگر اسلام میں اس کا بھی کوئی مکمل نظام موجود نہیں ہے۔ سرمایہ داری کو روکنے کا اسلامی اصول میں کوئی طریقہ موجود نہیں ہے۔ زکوٰۃ کا طریقہ ایسا ناقص ہے کہ اس سے نہ سرمایہ داری رُکے گی اور نہ بھوکوں کا پیٹ ہی زیادہ دنوں تک نہ بھر سکے گا۔

اسلام کا بدترین مخالف بھی اسلامی تعلیمات کو ناقص اور نضول ثابت کرنا چاہتا تو اس سے زیادہ اور کیا کہتا۔ لیکن باوجود اس تحریر کے مجھکو اب بھی اُن سے حسن ظن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ سوشلزم اور بالشوزم کی محبت میں ایسے مستغرق ہوگئے ہیں کہ شاید اسلامی تعلیمات کو اٹھا کر کبھی دیکھتے ہی نہیں۔ اسلامی تعلیمات پر مضمون لکھتے وقت اگر وہ صرف صحاح کی فہرست دیکھ لیتے تو شاید اسلام کو اتنا ناقص کہنے کی ہمت نہ کرتے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "اسلام نے سوسائٹی کے لیے کوئی خاص نظام تجویز نہیں کیا" معلوم نہیں مولانا کی مراد نظام سے کیا ہے۔ اسلام نے بتایا ہے کہ شادی اور خوشی کی حالت میں غمی اور رنج کے موقعہ پر کیا کرنا چاہیے۔ کیا نہ کرنا چاہیے۔ اسلام نے بتایا ہے کہ بیمار کی عیادت کیسے کرو، مرنے والوں کی تعزیت کس طرح کرو۔ تمہاری محفلیں اور مجلسیں کیسی ہونی چاہییں، دوست، دشمن، اقارب، خاندان، اہل جوار، اہل شہر، بیوی، بچے سب سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ تعلقات کیسے ہوں، حقوق کیا ہیں، لباس کتنا ضروری ہے، کتنا مسنون اور مستحب۔ لباس میں کن باتوں سے بچنا چاہیے۔ تجارت، ملازمت، زراعت، اجارہ، حکومت اور متعلقات حکومت اور تمام ذرائع معاش کے متعلق قواعد بتائے کہ کیا کرنا چاہیے اور کس سے بچنا چاہیے کھانا، پینا، سونا، بیٹھنا، ہر چیز کا قاعدہ سمجھایا۔ حتیٰ کہ پاخانہ پیشاب کے طریقوں کے بھی منافع ومضار سے آگاہ کیا۔ انسانی سوسائٹی میں کونسی چیز باقی ہے جسکی تعلیم اسلام نے نہ دی ہو۔

قریش کی سوسائٹی یورپ کی موجودہ سوسائٹی سے بدتر تھی۔ جوا، شراب خواری، زنا، بے شرمی، بیحیائی میں، اور کھانے پینے میں حلت وحرمت کی تمیز نہ کرنے میں وہ موجودہ یورپ سے اگر بڑھے ہوئے نہ تھے تو شاید کم بھی نہ تھے۔ ایسی سوسائٹی کو دنیا کی بہترین سوسائٹی بنانے والی کونسی تعلیم تھی۔ وہ یہی اسلامی تعلیم ہے جس میں مولانا کے نزدیک سوسائٹی کا کوئی خاص نظام ہی نہیں ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے تعزیر اور معاملات کے مسائل میں اہل الحل والعقد کو اُنکے ترمیم اور التواء کا اختیار بخشا ہے۔ تعزیرات میں قانونی حدود کے اندر حکام اور قضاۃ کو بلاشبہ کچھ اختیارات حاصل ہیں مگر مولانا نے یہاں پر دو مثالیں دی ہیں۔ جن میں ایک تعزیر کی مثال ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے چور کا ہاتھ کاٹنا قحط کے وقت ملتوی کر دیا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا صرف تعزیر ہی نہیں ہے۔ خدا کا حکم اور حد شرعی ہے۔ مخزومیہ کے قصہ کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی تو رسول اللہ اُن سے ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ تم حدود اللہ کے خلاف سفارش کرتے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اسکا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ حدود اللہ کے بدلنے کا اختیار خود جناب رسول اللہ کو بھی نہ تھا۔ حد شرعی لازم ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کیسے موقوف کر سکتے تھے۔

دوسری ترمیم کی ایک مثال مولانا نے یہ دی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق کے قانون میں ترمیم کردی۔ اس سے مراد شاید مولانا کی یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے حضرت عمرؓ نے تین طلاق ہو جانے کا حکم دیا۔ اسکو مولانا طلاق کے حکم میں حضرت عمرؓ کی ترمیم فرماتے ہیں۔ حالانکہ خود قرآن پاک میں یہ ہے کہ دو طلاق تک شوہر کو امساک بالمعروف یا تسریح باحسان کا اختیار ہے۔ پھر تیسری طلاق دیدے تو شوہر کو رجعت کا اختیار نہیں رہتا۔ اور مطلقہ عورت اُس مرد پر اب بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں تیسری طلاق کے لیے دوسری مجلس یا کچھ مدت شرط نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس حکم کو تمام صحابہ نے باتفاق تسلیم کر لیا۔ میں مولانا کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر حضرت عمرؓ اصل مسئلہ کی ترمیم کرتے تو صحابہ باتفاق اسکو قبول نہ کرتے۔ بلاشبہ بہت سے محدثین حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے اس حکم کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ترمیم کیا ہے۔ اور ترمیم کا انکو اختیار تھا۔ بلکہ اب ترمیم صحیح سے اصل مسئلہ صحیح نہیں رہا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اسلام نے حکومت کا بھی کوئی نظام مقرر نہیں کیا۔ دلیل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انکو خلفاء راشدین کی حکومت میں جمہوری روح نظر آتی ہے۔ اور اموی وعباسی حکومتیں مطلق العنان موروثی شہنشاہیاں۔ مولانا کو بڑا دھوکا ہے۔ اسلام کا نظام حکومت وہی ہے جسکا نمونہ جناب رسول اللہؐ اور خلفاء راشدینؓ کی حکومت تھی۔ پیچھے جو کچھ ہوا اُس میں بہت کچھ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ خلفاء اربعہ کی حکومت میں جمہوریت کی روح نظر آتی ہے۔ جمہوریت کی روح یہ ہے کہ جمہور اپنے لیے خود قانون بنائے۔ خلفاء کے زمانہ میں جمہور نے کبھی کوئی قانون نہ بنایا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ انکا قانون تھا۔ یا ضرورت کے وقت کتاب وسنت کو نظیر قرار دے کر وہ اس سے احکام کا استخراج کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ انتخاب خلیفہ کا بھی ایک اصول نہ تھا۔ رسول اللہؐ نے جانشین مقرر نہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ جانشین نامزد کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کا معاملہ چھ آدمیوں کی رائے پر چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے خلافت کو موروثی بنا دیا اور صحابہ نے اسکو بھی قبول کر لیا۔

اسکو حضرت معاویہ یا اُنکے ساتھیوں میں سے کسی صحابی کا یہ مسلک نہ تھا کہ خلافت موروثی ہو سکتی۔ سارے اسلامی دفاتر میں کسی ایک کا بھی ایسا قول موجود نہیں ہے۔ اگر انکا مسلک ہوتا تو یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کا کیا مطلب؟ شہر بشہر ایک ایک سے دوڑتے کیوں پھرتے۔ نہ حضرت معاویہ خود ایسا خیال کر سکتے تھے کہ یزید وراثت کے طریقہ خلیفہ ہو سکتا ہے۔ نہ انھوں نے کبھی ایسا کہا کہ خلیفہ کا وارث خلیفہ ہوگا۔ یا ہو کر رہیگا۔ حضرت معاویہ نے غلطی یہ کی کہ وہ یزید کے لیے مسلمانوں کی بیعت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وراثت کی بنا پر نہیں، بلکہ اُسکی اہلیت ظاہر کر کے۔ حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔

وراثت سے، یا نامزدگی سے یا اور کسی طرح صحیح خلافت منعقد نہیں ہو سکتی۔ یہ چیزیں وجوہ استحقاق کے طور پر پیش کی گئی ہیں اور جتنا ان وجوہ کو زیادہ دخل دیا گیا اُتنا ہی حقیقی اسلامی روح سے بُعد ہوتا گیا۔ اسلامی تعلیمات میں انعقاد خلافت اہم واجبات میں سے ہے ۔ ۔ ۔ ۔

..... انعقاد خلافت ... (باقی)

قومیت اور برادری

اللہ اور اُس کا رسول فرماتا ہے

"مومنین بھائی بھائی ہیں" (قرآن مجید)

مگر ہمارے بعض کانگریسی بھائی اور سوشلسٹ یعنی لینن اور مارکس کے مذہب پر چلنے والے یہ کہتے ہیں کہ اسلام اور دین کی کوئی قیمت اور کوئی برادری نہیں، بلکہ برادری پیشہ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ انکے نزدیک مسلمان بھائی بھائی نہیں، بلکہ مزدور مزدور بھائی ہیں، کسان کسان بھائی ہیں، زمیندار زمیندار بھائی ہیں اور کارخانہ دار کارخانہ دار بھائی ہیں۔

ایک ہندو مزدور اور ایک مسلمان مزدور انکے نزدیک بھائی بھائی ہیں، ایک ہندو زمیندار اور ایک مسلمان زمیندار انکے نزدیک بھائی بھائی ہیں۔ مگر ایک مسلمان مزدور اور مسلمان کارخانہ دار انکے نزدیک بھائی بھائی نہیں اور ایک مسلمان کسان اور مسلمان زمیندار بھائی بھائی نہیں۔

معاذ اللہ یہ نئی شریعت کس نے ایجاد کی ہے۔ یورپ کے چند منکرین خدا نے۔ انکے نزدیک اللہ، رسول، دین اور مذہب کوئی چیز نہیں، انکے نزدیک سب سے اہم چیز پیشہ ہے۔ اسی بنیاد پر برادری اور اخوت کا رشتہ قائم ہوتا ہے .....

مسلمانو! خوب اچھی طرح سن لو کہ اللہ کے دین اسلام نے جو رشتہ دنیا کے اندر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والوں میں پیدا کیا ہے، وہ ایسا زبردست ہے کہ زمین پرستی کا، بت پرستی کا اور پیشہ کا رشتہ اس مقدس رشتہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

ایک مسلمان زمیندار اور مسلمان کسان میں کلمۂ لا الہ الا اللہ نے جو تعلق پیدا کیا ہے یہ متقدین لینن اور مارکس ہزار بار مر کر بھی زندہ ہوں تب بھی وہ رشتہ ایک مسلم مزدور اور ایک غیر مسلم مزدور میں نہیں پیدا کر سکتے۔

رشتہ پڑوس کا ہوتا ہے، محلہ کا ہوتا ہے، اور پیشہ کا بھی ہوتا ہے اور قرابت داری و عزیزداری کا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ تمام رشتے اللہ اور اُسکے رسول کے بخشے ہوئے اسلامی اور دینی اخوت کے رشتہ کے مقابلہ میں بالکل ہیچ و بے حقیقت ہیں۔

غریب، نیکدل، نیک نیت اور کم پڑھے ہوئے یا بالکل نہ پڑھے ہوئے مسلمان مزدوروں کو اسلام سے ہٹانے اور اللہ اور اُسکے رسول کی بتائی ہوئی برادری اور اخوت سے دور کرنے کیلئے لینن اور مارکس کے مذہب پر ایمان رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ اے مزدورو! دیکھو ہندو اور مسلمان زمیندار، ہندو اور مسلمان کارخانہ دار تم مزدوروں اور کسانوں کے خلاف متحد ہو کر ایک ہو گئے ہیں اس لیے سمجھو کہ مذہب کی کوئی اخوت نہیں ہوتی۔ پس اے مزدورو! تم اپنے مذہب کو، اپنے دین کو، اپنے اسلام کو اور اپنے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی برادری کو دل سے نکال کر پھینک دو اور اسلامی اخوت کے رشتے کو توڑ دو۔ اور پیشہ کی برادری اختیار کر کے مسلم اور غیر مسلم کا فرق اور امتیاز مٹا دو اور تمام مزدور بھائی بھائی بن جاؤ۔ .....

کون نہیں جانتا کہ ہمارے آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں بڑے بڑے سرمایہ والے تجار بھی تھے اور دن بھر مزدوری کر کے پیٹ بھرنے والے مزدور بھی تھے، روپے والے بھی تھے اور مسکین اور غریب بھی تھے۔ دوسروں کو ہزاروں بخش دینے والے بھی تھے، اور وہ بھی تھے جو دن کو کھاتے تھے تو رات کے لیے اُنکے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ مگر اللہ اور اُسکے رسول نے اُن سب کو بھائی بھائی بنایا۔ اللہ نے سرمایہ اور مزدوری کی بنیاد پر برادری نہیں قائم کی۔ بلکہ خدا کی بندگی پر، دین پر، مذہب پر اور کلمۂ لا الہ الا اللہ پر برادری، اخوت اور قومیت قائم کی تھی۔ کیا کوئی کانگریسی، کوئی اشتراکی اور کوئی کمیونسٹ جو مسلمان ہونے کا دعوے کرتا ہے، قرآن میں یا احادیث میں یا صحابہ کرام کی تاریخ میں کہیں یہ دکھا سکتا ہے کہ اللہ نے، اُسکے رسول نے، یا خلفائے راشدینؓ نے کسانوں کی الگ جماعت اور برادری قائم کی ہو اور یہ نصیحت کی ہو کہ تمام عیسائی یہودی مشرک اور مومن مزدور بھائی بھائی ہیں، یا تمام عیسائی، یہودی، مشرک اور مومن کسان بھائی بھائی ہیں؟ ....

بیشک مزدور اور مزدور میں پیشہ کا اشتراک ہے۔ بیشک زمیندار زمیندار میں ذریعۂ معاش میں یکسانی ہے، مگر یہ اشتراک اور یہ تعلق محض ذریعۂ معاش کا ہے۔ زندگی کے نصب العین، فرض اور مقاصد کا اشتراک نہیں۔ سب سے بڑا اور گہرا تعلق دین اور مذہب کا ہے، جس پر قومیت کی بنیاد قائم ہے۔ باقی تعلقات خواہ وہ عزیزداری کے ہوں، خواہ وطنیت یا پیشہ کے ہوں، سب اس دینی تعلق کے بعد ہیں۔ اور دینی تعلق کے مقابلہ میں بالکل بے حقیقت اور ہیچ۔

ایک مزدور کا دوسرے مزدور سے تعلق مزدوری ہے مگر صرف پیشہ میں اور کام میں۔ یہ تعلق انکو اصولی عقائد میں، خیالات میں، زندگی کے اہم فرائض اور نصب العین میں، کھانے پینے میں، سونے بیٹھنے میں، اور جینے مرنے میں شریک اور ساجھی نہیں بناتا۔ ہندو مزدور کا مسلمان مزدور سے کتنا ہی قرب ہو، دونوں کی زندگی کے مقاصد جدا، نصب العین جدا، خیالات و عقائد جدا، کھانا پینا جدا، شادی بیاہ جدا، اور جینا مرنا تک جدا ہے۔ یہ مزدوری کا تعلق محض سطحی اور ظاہری و جسمانی ہے، یہ کوئی روحانی اور قلبی تعلق نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ وطنیت اور پیشہ بالکل ظاہری اور سطحی چیزیں ہیں۔ وطن محض رہنے کی جگہ کا نام ہے اور پیشہ زندگی کی جسمانی ضرورتوں کو بہم پہنچانے کے ذریعہ کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رہنے کی جگہ یا روزی کمانے کا ذریعہ زندگی کا اصل فرض یا اصل مقصد یا اصل نصب العین نہیں ہے بلکہ جس جسم سے ہم کو زندگی کا اصل فرض انجام دینا ہے اُسکو باقی رکھنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ذریعہ اور وسیلہ اصل مقصد، اصل فرض اور اصل نصب العین کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

(عصر جدید)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق واقع مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت اڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
مراسلت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

ہر انگریزی مہینہ کی یکم و ۱۵ کو شائع ہوتا ہے

ٹیلیفون نمبر ۱۹۴

نمبر ۳۰ | لکھنؤ ۹- ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق یکم مئی سنہ ۱۹۳۹ع | جلد ۴

سچی باتیں

قرآن مجید ہر پڑھے لکھے مسلمان کے گھر میں ہوتا ہے، اردو ترجمے بھی بہتیرے گھروں میں نکل آئینگے۔ پارۂ ۷ کی سب سے آخر آیت کے اصل الفاظ اُنکے ترجمہ کے ملاحظہ فرمالیجیے۔ مضمون یہ ملیگا، کہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تو یہود اور مشرکین ہیں، اور مسلمانوں سے نسبۃً قریب تر وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اِنَّا نَصٰرٰی کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

یہ موقع مدح پر ذکر نصرانیوں کا کیا؟ نصرانی بہرحال غیر مسلم، قبولِ حق سے انکار کرنے والے، باطل پر جمے رہنے والے۔ باوجود اسکے وہ امت اسلامیہ کے حق میں، دوسروں سے قریب تر بتائے جاتے ہیں اور معاً اسکی وجہ بھی ارشاد ہوجاتی ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ یہ ایک تو اس سبب سے کہ انکے درمیان مذہبی عالم اور درویش ہیں، اور دوسرے اسلیے کہ ان میں استکبار نہیں ہے۔

عالم اور درویش بہرحال اُنکے اپنے ہی تھے، تعلیم اپنے ہی عقائد باطلہ کی کرتے تھے، بایں ہمہ مستحقِ توصیف قرار پائے۔

نصِ قرآنی کی ان صراحتوں سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی۔ معلوم یہ ہوا کہ سب اہل باطل یکساں اور ہم رتبہ نہیں۔ بعض ان میں سے، امت اسلامیہ سے بعید ترین، بعض قریب تر۔ کوئی ایسے ہیں کہ مسلمانوں سے میل کھا سکتے ہیں، اور کوئی ذرا بھی اس قابل نہیں۔ اسکے بعد آیہ کریمہ کی روشنی میں ذہن کی رہنمائی اسی جانب ہوتی ہے، کہ اسلام سے قریب تر لانے والی دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ اس قوم کے اندر مذہبی چرچا ہو، دینی سرداروں اور پیشواؤں کو اقتدار حاصل ہو، اگرچہ وہ مذہب سرتاسر باطل ہی ہو۔ دوسری بات یہ کہ وہ قوم، اللہ کے کھلے ہوئے باغیوں کی، رب کے معاند سرکشوں کی نہ ہو، اگرچہ اپنے اوہام باطلہ و خرافات واہیہ میں گرفتار ہو —— نتائج صاف و واضح ہیں یا نہیں؟ یا ان میں کچھ ایچ پیچ ہے، کوئی اُلجھاؤ ابھی ہے؟

آج آپ بہ حیثیتِ قوم، ہندوستان میں، پھر ایک اسی قسم کی کشمکش سے دوچار ہیں۔ لیکن یہ دشواری اپنے ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کیوں نہیں آپ اس کا حل قرآن مجید سے نکال لیتے ہیں؟ اس روشنی میں آپ دیکھ لیجیے نہ، کہ صلح و اتحاد، اشتراک و تعاون کی گنجائش، اہل باطل میں، نسبۃً کس کے ساتھ نکل رہی ہے؟ اُنکے ساتھ، جنکے اندر باوجود بہت سی لغویتوں اور خرافتوں کے، بہرحال ایک گونہ مذہبی زندگی ہے، جنکا مذہبی احساس بالکل مردہ نہیں ہوچکا ہے، جنکو بہاتِ مذہب سے، خدا سے، عقیدۂ جزا سے، فکر عقبیٰ سے کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی ہے، اور جو اپنے ناقص مذہبی تصورات کے آگے جھکے اور گرے ہوئے ہیں؟ یا اُنکے ساتھ جنکے پیش نظر سرتاسر دُنیا ہی دُنیا ہے، جو نہ آج کے بعد کسی کل کے قائل ہیں، جو ہر عقیدۂ آخرت و جزا کو قابلِ مضحکہ سمجھتے ہیں، جو خدا کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرسکتے اور جنکے دل، انکار و استکبار سے چور چور ہیں؟ اور خود ابلیس کا بھی وصفِ امتیازی بجز تمرّد و استکبار کے اور کیا ارشاد ہوا ہے؟ —— کیا اب بھی یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ رحمت الٰہی، دوسری گمراہیوں کے ساتھ تو

ممکن ہے کہ کسی درجہ میں جمع ہو بھی جائے۔ لیکن قطعی طور پر اگر نہیں جمع ہو سکتی، تو اسی ابلیسی لعنت استکبار کے ساتھ؟ حیرت ہے کہ "نورسین" کے اس نمونے کے ہوتے ہوئے آپ اقوال زید و عمرو و بکر کی طرف دوڑ رہے ہیں اور حقایق کے واسطے رجال کا مرتبہ معین کرنے کے بجائے رجال کو حقائق کے، ودیتوں کا معیار بنائے ہوئے ہیں!

زہد ریائی

مسیحیوں کے تبلیغی مشن، جو مخصوص مسلمانوں کو بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے، اور ممالک اسلامی میں ارتداد پھیلانے کے لیے قائم ہیں، ایک نہیں، متعدد ہیں۔ ان میں سے ایک مشن کا نام انجیرز مشن بینڈ ہے، جسکا مقصد الجیریا (الجزائر) اور ٹیونس کے مسلمانوں کو مسیحی بنانا ہے۔ اور اس غرض کے حصول کے لیے شفاخانے، مدرسے وغیرہ کھولے ہیں۔ اس مشن میں داخل ہونے والے طلبہ (مبلغین) کے لیے جو ہدایت نامہ ہے، اسکی دفعہ ۹ ملاحظہ ہو:-

"کوئی مبلغ اس مشن میں داخل نہیں ہو سکتا، یا اگر داخل ہو سکتا ہو تو برقرار نہیں رکھا جا سکتا جب تک وہ تمباکو نوشی اور تمام نشیلی چیزوں سے احتراز کامل کے لیے تیار نہ ہو"

مشن والوں نے تو یہ "ضبط احتیاط" ظاہر ہے کہ صرف اس غرض سے قائم کی ہے، کہ شکار بھڑکنے نہ پائے۔۔۔ ورنہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ مسیحیوں کے ہاں تمباکو کیا معنی، تند سے تند شراب بھی نہ حرام ہے نہ مکروہ) لیکن کیا یہ خود اسلام کا ایک اعجاز نہیں، کہ جو انھیں گمراہ کرنے آتے ہیں، وہ بھی کم از کم اس حد تک تو رعایت تقوی پر مجبور ہو جاتے ہیں! اسلام کا دشمن بھی اسلام کے فیض سے محروم نہیں!

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے!

اللہ اللہ! کفر کی یہ بے مائگی، کہ اسلام پر چھاپہ مارنے کا قصد کیا بھی، تو اسلام ہی کا جامۂ سالوس پہن کر!

ایک عالمگیر مغالطہ

"میں علم کو انسان کے لیے بہت ضروری سمجھتا ہوں اور سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسوقت تک علم حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا رہونگا، جب تک مجھے اچھی طرح پڑھنا لکھنا نہ آ جائے میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو علم حاصل کرنے کا شوق دلاؤنگا اور کم سے کم ایک شخص کو پڑھنا لکھنا سکھا دوں گا"

"انسان کو خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔۔۔۔ علم کا شکر ہے جاہلوں کو تعلیم دینا' اس لیے میں دل سے عہد کرتا ہوں کہ ... سال میں کم سے کم ایک ان پڑھ آدمی کو پڑھنا لکھنا ضرور سکھلا دوں گا"

یہ دونوں، اقتباسات ہیں ایک مشہور مسلم تعلیمی ادارہ کے دو اقرار ناموں کے جو اس نے تحریک خواندگی (لٹریسی) کے سلسلہ میں شایع کیے ہیں۔ ایک عام مغالطہ جس نے اسوقت تمام دنیا پر تابو جما رکھا ہے، وہی ان تحریروں کے اندر بھی شامل ہے۔ یعنی معتقدات میں جس شے کو "علم" سے تعبیر کیا ہے، اسی کو نتیجہ میں "لکھنے پڑھنے" کے معنی میں لے لیا ہے۔ حالانکہ "علم" اور "نوشت و خواند" دو بالکل علحدہ چیزیں ہیں۔ اور ایک دوسرے کے لیے ہرگز لازم و ملزوم نہیں۔ "علم" یقیناً اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن نوشت و خواند اور اسکے سارے لوازم و متعلقات، مثلاً پریس اور رسالہ اور اخبارات اور کتبخانے، ہرگز اس معنی میں نعمت نہیں، بلکہ اکثر صورتوں میں تو تمامتر ایک فتنہ ہیں۔ جو بجائے اشاعت کے اس قابل ہیں کہ ان سے پناہ مانگی جائے ——— دنیا کا سب سے بڑا عالم آخرامی ہی تھا، اور اسکی شان دلیل راہ ہے اس حقیقت کی جانب کہ زیادہ سے زیادہ علم جمع ہو سکتا ہے ناخواندگی کے ساتھ، ٹھیک اسی طرح، جیسے بڑے سے بڑا جہل اکٹھا ہو سکتا ہے انتہائی قابلیت علوم و فنون کے ساتھ۔ ابراہیم، و اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ و عیسیٰ، ان میں سے کوئی بھی رسمی علوم و فنون میں ماہر نہ تھے۔ تحریک خواندگی کو اتنی اہمیت دینا، جاہلی تہذیب کی تقلید محض ہے، اور بس۔

بادہ فروش جوش میں

بمبئی سے خبر آئی ہے، کہ وہاں کی حکومت جو امتناع شراب کا حکم جاری کرنے والی ہے، اسکے خلاف بادہ شراب فروش بڑی سختی سے احتجاج کر رہے ہیں، اور عنقریب ستیاگرہ شروع کرنے والے ہیں! ——— خبر خوب ہے۔ بادہ گلگوں کی حمایت میں جان لڑا دینے کو "مغ" اور "مغبچہ" بھی نہ نکلیں گے، تو اور کون نکلیگا؟ کہ آخر ہماری فارسی اور اردو شاعری کے سارے میکدے انھیں کے دم سے آباد ہیں! لیکن اس سے بھی دلچسپ تر حصہ خبر کا یہ ہے، کہ بادہ فروش، حمایت شراب ناب میں "ستیاگرہ" سے کام لینگے! نشہ میں بھی اتنا ہوش! معاذ اللہ! کیا خوب ہوگا وہ "ستہ" (سچائی یا حق) جسکا مظاہرہ، بادہ نوشی اور بادہ فروشی کی حمایت میں ہوگا! منتظر ہونا چاہیے اس دن کے طلوع کا، جب ستیاگرہ کی ایسی ہی مہمیں شروع ہونگی بیسواؤں کی طرف سے حرامکاری کی حمایت میں، چوروں کی طرف سے نقب زنی کے حق میں، اور پیشہ ور خونیوں کی طرف سے حق آزادی قتل کے برقرار رکھنے میں! ——— قرآن کریم کا یہ اعجاز آج سمجھ میں آیا، کہ جہاد و قتال کا جہاں جہاں بھی حکم ہے، معاً نہ صرف "فی سبیل اللہ" کی قید لگی ہوئی، بلکہ گرد و پیش متعدد شرطیں اس قسم کی بھی لگی ہوئی، کہ "دشمن پر زیادتی نہ کر بیٹھنا" لڑائی مال غنیمت کے لیے نہیں، محض رضائے الٰہی کے لیے ہو' وغیرہا۔ ربانی تحریک اور نفسانی تحریک میں آخر یہی تو فرق ہوتا ہے۔ وہاں ایک ایک قدم پر پہرہ نفس اور نفسانیت پر بیٹھا ہوا۔ یہاں بہتر سے بہتر اور پاکیزہ تر سے پاکیزہ تر تحریک بھی محض لہو ولعب اور ایک آلۂ نفس پرستی بن کر رہ جاتی ہے ———

ترکی عورت پر تازہ "ظلم"

اردو میں تو عربی اخبارات کے حوالہ سے عرصہ ہوا اطلاع آ چکی ہے اور اب (۳۰ مارچ کو) بھی رائٹر کی وساطت

"ایک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حکومت ترکیہ نے، ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تمام طالبات وطلباء کو سرکاری حکم کے ذریعہ سے متنبہ کردیا ہے کہ سنیما اسٹار کی طرح اپنے آپ کو پبلک کے سامنے پیش نہ کریں۔ وزارت تعلیم نے ایک اعلان جاری کیا ہے کہ ملک کے تمام تعلیمی ادارے اس حکم کا خیال رکھیں۔ اس اعلان کی رو سے انھیں ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے بالوں کی آرائش ایسے طریقہ سے کریں جو ترکوں کے شایان شان ہو۔ اور جو اس قومی تعلیم کے منشاء کے مطابق ہو۔ جو انھیں لازمی طور پر دی جاتی ہے۔ ہیڈ ماسٹروں اور ہیڈ ماسٹرنیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس بات کی سختی سے نگرانی کریں کہ طلباء اپنے بال ہموار اور باریک کٹاتے ہیں اور طالبات اپنے بالوں کو فطری نشو ونما کے مطابق آراستہ کرتی ہیں۔ تمام مصنوعی آرائش ممنوع قرار دی گئی ہے، نہ گھونگھر بنانے کی کوشش کریں۔ نہ زلفیں رکھیں نہ بالوں پر زردی خضاب کریں۔ لپ اسٹک، پوڈر، کریم، غنچی کی دوسری آرائش مکمل ممنوع قرار دی گئی ہے۔ ریشمی موزے پہننے اور زیورات استعمال کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی"۔

گویا حقائق زندگی کے تجربہ نے مجبور کردیا، کہ تجدد کی فوج ظفر موج، منزلوں اور میلوں نہ سہی، بہرحال چند قدم تو اپنی پسپائی کا اعلان کردے! ہندی تجدد نواز، ترکی تجدد نوازی کی اس پست ہمتی پر اب کیا کہیگا؟ ——— نہ لپ اسٹک نہ "پوڈر"، نہ "کریم"، نہ چہرہ کو بظاہر خوشنما، لیکن حقیقۃً بدنما کرنے والے رنگ، نہ جلد کو فوری طور پر چمکا دینے والے، لیکن بالآخر جھلسا دینے والے روغن، نہ اور کوئی ایکٹرسوں کی سطح پر لے آنے والے، سامان زیب وزینت! دیکھیے نہ آپ نے مردوں کے "مظالم"! عورت غریب کو کیسی کیسی نعمتوں سے محروم کردیا! کس بیدردی سے اسکی آزادیوں کو پامال کرکے رکھدیا! جب لبھانے، رجھانے کے سارے سامان سے غیر مسلح کردیا، تو اب باہر نکلنے میں کمبخت مزا ہی کیا رہا!

آزادیوں کے نشے

ولیعہد ایران شاپور، اور مصری شہزادی

فوضیہ کی شادی کی خبر تو عرصہ ہوا آئی تھی، اب شادی کے وقت کی تصویر بھی چھپ کر آگئی ہے ——— ہمارے مولوی صاحبان اسی فکر میں پڑے ہوے ہیں کہ شیعہ شوہر اور سنی بیوی کی مناکحت جائز کیونکر ہے۔ سوال انکی شیعیت اور انکی سنیت کا بعد کو آتا ہے، پہلا اور کھلا ہوا سوال یہ ہے کہ دونوں اپنی وضع قطع سے مسلمان (کسی فرقہ کے بھی) کہاں تک معلوم ہو رہے ہیں؟ شوہر کا لباس تو غنیمت ہے کہ فوجی وضع کا ہے، باقی شہزادی صاحبہ ہیں، کہ چہرہ کھلا ہوا، سر کھلا ہوا، گردن کھلی ہوئی، ہاتھ بازوؤں تک کھلے ہوے، لباس فرنگنوں کا، دگرد مردوں کا مجمع، تصویر میں اگر نام کی صراحت نہ ہو، تو دیکھنے والا یہی سمجھے، کہ کوئی فرنگن کھڑی ہوئی ہے! مناسبت قدیم زنان مصر سے جو کچھ بھی ہو، باقی عائشہؓ وخدیجہؓ کے طریقوں سے اسے کوئی بھی نسبت ہے؟ اور کہیں شہزادہ کا اسم مبارک "شاپور" کیسا ہے؟ علیؓ اور حیدرؓ اور حسنؓ اور حسینؓ، شیعیت کے کسی سلسلۂ امامت سے اسے نسبت ہے؟ ایران، مدت ہوئی "پیغمبر عرب" اور انکے خاندان کا ماتحت رہ چکا۔ اب وہ "آزاد" ہے "آزاد"۔ اور آزادی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اب عجم، پیغمبر عرب کا حریف ہوگا، اور سب کیخسرو، دارا وکیقباد، نوشیرواں وگشتاسپ، سارے "قومی" ہیرو از سر نو زندہ ہونگے! یادِ حسینؓ کی مجلسیں اب ممنوع ہونگی، اور فردوسی کی یادگاریں اب ہر روز منائی جائیں گی!

ہاں خدایا این کہن وقت ست وقت!

حرم سرائے فرنگ

"لندن۔ ۲ مارچ۔ آج عدالت طلاق میں جسٹس ہڈسن نے لارڈ ولنگڈن (وائسرائے ہند) کے صاحبزادہ لارڈ رٹیچن ڈن اور انکی لیڈی کے درمیان طلاق دلا دی۔ شادی جون ۳۴ء میں ہوئی تھی۔ آغاز ۳۸ء میں شوہر کو پتہ چلا کہ بیوی کے تعلقات فلاں شخص سے قائم ہیں، اور دونوں فلاں ہوٹل میں بطور میاں بیوی کے رہ چکے ہیں"۔

(وقائع نگار خصوصی، بمبئی کرانیکل ہفتہ وار ۲۶ مارچ ملخصاً)

"مسٹر اوگر ولیس کے صاحبزادہ مسٹر برین ولیس کی بیوی کو بدچلنی کے الزام میں طلاق مل گئی۔ شادی جون ۳۴ء میں ہوئی تھی۔ نومبر ۳۸ء میں بدچلنی کھل گئی، ثبوت فلاں ہوٹل میں ملا"۔ (ایضاً)

یہ دونوں واقعات صرف ایک تاریخ کے ایک اخبار سے ہیں۔ ایک میں لارڈ ولنگڈن کے صاحبزادہ اور بہو۔ اور دوسرے میں انگلستان کے مشہور اہل قلم کے صاحبزادہ اور بہو۔ عوام نہیں دونوں نمایندہ طبقۂ خواص کے! کل مقدمات طلاق کا کوئی جائزہ لینے پر آئیے جو ہر ہفتہ بلکہ ہر روز "صاحب" کے دیس میں فیصل ہوتے رہتے ہیں، تو انکی میزان، خدا ہی بہتر جانتا ہے، کہاں تک پہونچے! ——— یہ نقشہ ہے روزانہ زندگی کا اُس قوم کی، جو تالیاں پیٹ پیٹ کر چلاتی ہے، کہ دیکھو مسلمانوں کے ہاں "پردہ" کا مسئلہ ہے، اور جو ٹھٹھے لگا لگا کر چیختی، کہ لو اور سنو، مسلمانوں کے ہاں "تعدد ازدواج" کا رواج ہے! جس نے افسانہ وحکایت کی راہ سے، ناٹک اور سنیما کے پردوں سے، اور تاریخ کا نام لے لے کر، پروپیگنڈا کا وہ ڈھول پیٹا، کہ "مشرق" کی "حرم سرا" کو ایک ضرب المثل کا درجہ دیدیا ہے، آج خود اُس مغرب کے ہاں کیسا اندھیر مچا ہوا ہے!

جرمن عورت

"تحریکات نسوانی کے نمایندوں نے جرمن خاتون گرٹرڈ شولز کلمینک کی ضیافت کی .... ہٹلر کے الفاظ میں موصوفہ "مکمل نازی خاتون" ہیں۔ اسلیے کہ انھوں نے جرمن عورتوں کے درمیان خانگی مشاغل کو خوب فروغ دیدیا ہے۔ اور موصوفہ دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کی ماں ہیں"۔

(اسٹیٹسمین، ۲۹ مارچ ۳۹ء)

اُف ری رجعت پسندی! اور ہائے ری تاریک خیالی! یہ جرمن مردوں اور جرمن عورتوں کی عقل پر کیسے پردے پڑگئے ہیں، کہ اس بیسویں صدی کی روشنی

میں بھی وہی پیٹے جا رہے ہیں، کہ عورت کا دائرۂ زندگی گھر کے اندر ہے! اور داد اُس قانون کی دے رہے ہیں، جو عورتوں کی گھریلو زندگی سنوار رہے، اور خود عمر بھر "آزاد" رہنے کے بجائے، ایک شوہر کی غلامی قبول کیے ہوئے ہے، اور اولاد پر اولاد پیدا کر رہی ہے! اس تھمیچ مشرقیت کے بعد ایسی قوم کو یورپ میں زندہ رہنے کا حق کیا ہے!

چھوت چھات "صاحب" کے دیس میں

جنوبی افریقہ سے خبر آئی ہے کہ وزیر داخلہ عنقریب یونین گورنمنٹ کے سامنے یہ بل پیش کرنے والے ہیں، کہ ملک کے جن علاقوں میں ۵۰ فی صدی املاک و جائداد غیر منقولہ فرنگی گوروں کی ہو، وہاں ہندوستانیوں کے ہاتھ انتقال و فروخت جائداد اور وہاں ہندوستانیوں کی بود و باش ناجائز قرار دی جائے۔

گویا رنگ و نسل کے امتیاز کی بنا پر یہ سزا بے قصور ہندوستانیوں کو سہنی پڑ گئی! اسکے قبل جرمنی اور ہنگری میں جو گت بنی اسرائیل کی انکی نسل و قوم کی بنا پر بن چکی ہے! اسکا ہر حال ہر اخبار بین پر روشن ہے، اور ان روزمرہ کے مشاہدات، تجربات، و واقعات کے بعد بھی زبانیں اُسی پُرانے رٹائے ہوئے سبق کے دہرانے میں مشغول ہیں کہ "رواداری (ٹالریشن) اور فراخدلی، اور مساوات اگر ہے تو ہم اہل فرنگ کی تہذیب و معاشرت میں، اور رہا مسلمانوں کا مذہب، سو وہ تو تنگ نظری اور تاریک خیالی کی تصویر ہے!"

تعلیم کی برکتیں

"بنگلور۔ ٹاؤن ہال کے جلسہ میں امریکہ کے ماہر تعلیم ڈاکٹر فرینک لوباک نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک ارب ۱۰ کروڑ اشخاص یعنی دنیا کی کل آبادی کا ۳/۲ حصہ ابھی تک تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ اور اگر صرف ایشیا اور افریقہ کے اَن پڑھ شمار کیے جائیں، تو انکی تعداد ایک ارب نکلیگی۔ ..... آج ہر ملک کی طاقت کا انحصار وہاں کے تعلیمی معیار پر ہے۔ جاپان نے تعلیمی رسم ۱۸۷۰ء میں شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ۹۸ فی صدی تعلیم یافتہ ہے۔ اسکے برعکس چین کی آبادی اٹھ گنی ہے، تاہم وہاں بھی ہندوستان ہی کی طرح تعلیمی پستی ہے، اور اس لیے وہ جاپانی حملہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

لیکن جس "تعلیم" کی برکت یہ ہو کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی کو وہ ایک کوہ آتش فشاں میں تبدیل کر دے، اور انسان کو درندہ بنا دے، بلکہ انتہائی تعلیم یافتہ انسان اپنی ہلاکت ایجادیوں میں سے بڑے سے بڑے وحشی، خونخوار درندہ کو اپنے کہیں پیچھے چھوڑ جائے، کیا یہ خلق اللہ پر رحم و کرم نہ ہوگا کہ اس تعلیم سے باقی دو تہائی دنیا کو محروم و معرّی ہی رکھا جائے؟ —— افریقہ اور ایشیاء بیشک بڑی تعداد میں غیر تعلیم یافتہ ہے، لیکن اس حقیقت کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ ان بیچاروں کو نہ وہ مکر و فن آتا ہے، نہ اُن ہوش رُبا جرائم کا سلیقہ ہے، اور نہ اس قیامت خیز ابلیسیت کا تجربہ ہے، جس مہذب و تعلیم یافتہ

دنیا کا گوشہ گوشہ پڑا جگمگا رہا ہے!

زبان کی چاٹ

ایک جرمن اخبار کے حوالہ سے پانیر (۳۱ مارچ) میں جرمن کھانوں کا حال چھپا ہے، یعنی اُن کھانوں کی فہرست جو عام جرمن گھرانوں میں پورے ایک ہفتہ تک کھانے جاتے ہیں۔ دن اور رات میں دو وقت کے حساب سے یہ کُل ۱۴ وقتوں کی فہرست ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ

(۱) شراب یا کوئی نشہ آور چیز، ان ۱۴ وقتوں میں سے ایک وقت کے بھی کھانے میں نہیں۔

(۲) گوشت، مچھلی اور انڈا۔ یہ دونوں چیزیں بھی بہت ہی کم ہیں۔ گوشت تو ۱۴ میں صرف ایک بار! اور مچھلی اور انڈا بھی دو تین بار سے زائد نہیں۔

(۳) کھانے کے اقسام بھی زائد نہیں۔ عموماً ایک وقت میں بس دو تین طرح کے کھانے ہیں۔

(۴) عموماً غذا، روٹی، سبزی، پھل کبھی خشک کبھی تر۔ اور کبھی پنیر اور دودھ ہے۔

ایک پُر قوت، تنومند و تندرست قوم کے کھانے کی اس سادگی کو سُن کر ہماری قوم جو زبان کی چاٹ میں پڑکر روز بروز اپنے معدوں کو ضعیف سے ضعیف تر، اور اپنی جیبوں کو مفلس سے مفلس تر بناتی جا رہی ہے، اپنی خوش خوری اور دسترخوانی تکلفات پر، غور کریگی؟

ایک اور معیار ترقی

ایک محقق نے بالآخر اعداد اسکے بھی فراہم کر ڈالے، کہ کس ملک میں کون کتنے سگرٹ پی ڈالتا ہے، کہ آخر سگرٹ نوشی بھی تو ایک معیار تہذیب اور پیمانۂ ترقی ہے!

"نمبر اوّل پر امریکہ ہے، جہاں اوسطاً ہر باشندہ سال میں ۱۰۴۵ سگرٹ پی جاتا ہے!
نمبر دوم پر، برطانیہ ہے جہاں سالانہ اوسط فی کس ۹۴۶ سگرٹوں کا ہے!
نمبر سوم پر میکسیکو ہے۔ پھر بلجیم، اور پھر فرانس"۔
(پانیر۔ ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء)

ہے ہمارے ہاں کے فرشی، دو ریچوان اور شاک اور گڑگڑی کے نوازنے والوں میں سے کسی میں مقابلہ کی ہمت؟

معذرت

ہمیں سخت افسوس اور ندامت ہے کہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر ۱۰، ۵ اپریل کا "صدق" شایع نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ جلد اس کی تلافی کر دی جائیگی۔

مہتمم صدق۔ لکھنؤ

محمد علیؒ کی یاد

(از عبد الماجد)

محمد علیؒ کا انتقال شروع ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ کسی زندہ قوم کے فرد ہوتے تو اب تک صدہا جانے انکی کتنی سوانح عمریاں تیار ہو چکی ہوتیں اور انکی تقریروں اور تحریروں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان پر تبصروں اور تحشیوں کا کتنا بڑا انبار لگ چکا ہوتا! یہاں یہی غنیمت ہے کہ جس طرح بھی بن پڑا "سیرت محمد علی" جامعہ ملیہ کے زیر اہتمام شایع ہو گئی۔ اسکے بعد سے سناٹا تھا۔ یہاں تک کہ اس خادم ملت کی تقریروں اور تحریروں کے مجموعہ کا کوئی اہتمام نہیں ہو سکا، اور صد شکر کہ بعد مدت جامعہ والوں کو یہ احساس فرض پیدا ہوا

—— وہی پیمانہ جو محمد علیؒ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پڑا ہے۔

[illegible] سعادت کے ترسے مستوں کو پھرا! ہے ہوش!

مضامین محمد علیؒ، درمیانی کتابوں کی چھوٹی تقطیع پر ۵۹۰ صفحوں کی خاصی ضخیم کتاب ہے۔ مرتب، ایک جامعی فاضل، محمد سرور صاحب بی اے استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہیں۔ کتاب مجلد، مع تصاویر محمد علی قیمت چار، دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ (امین الدولہ پارک) ہر جگہ مکتبۂ جامعہ سے مل جائیگی۔ شروع میں فہرست مضامین، اور مرتب کے قلم سے چند صفحوں کا مقدمہ۔ نام سے دھوکا یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کُل مضامین کا مجموعہ ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ مضامین صرف ہمدرد کے درج ہیں۔ اور ہمدرد کے بھی دور اول (۱۹۱۳ء۔۱۹۱۴ء) کے نہیں، صرف دور ثانی (نومبر ۱۹۲۴ء تا مارچ ۱۹۲۹ء)۔ پھر اس دور کے بھی سارے مضامین نہیں، انتخاب سے کام لے کر ایک بڑا حصہ اس دور کے مقالات کا یکجا کر دیا گیا ہے۔ دیباچہ میں ان ضروری تصریحات میں سے ایک چیز بھی درج نہیں۔ اور یہ بڑی فرد گزاشت ہے۔ کُل مضامین ایک جلد میں سما بھی کہاں سکتے تھے، متعدد جلدیں انکے سمیٹنے کے لیے ناگزیر ہیں۔ لیکن چونکہ اسکا کوئی قرینہ نہیں کہ یہ محض جلد اول ہے۔ اس لیے قیاس یہی ہوتا ہے کہ ناشرین نے اسی ایک مجموعہ پر اپنی ہمت کو ختم کر دیا۔ خدا کرے یہ قیاس غلط نکلے۔ اور اگر ناشرین یہ ارادہ کر بھی چکے ہوں، تو محمد علیؒ کے قدردان اپنی قدردانی کا عملی ثبوت اس زور و شور سے بہم پہنچائیں اور ناشرین کی ایسی ہمت افزائی کریں، کہ انھیں خواہ مخواہ اپنا ارادہ بدلنا، اور اس مجموعہ کو، محض جلد اول قرار دینا پڑے!

محمد علی کو کوسنے والے، گالی دینے والے بے تعداد تھے۔ ماننے والے، داد دینے والے، شاید ان سے بھی زائد۔ کم ایسے تھے، جو محمد علیؒ کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے۔ فاضل مرتب کا شمار انھیں چند خوش نصیبوں میں ہے۔ انھیں بہت ممکن ہے کہ محمد علی کی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع زیادہ نہ ملا ہو، لیکن بہرحال وہ اس شہید ملت کی شخصیت کو سمجھ خوب گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"وہ مخالفتوں اور مصیبتوں میں ہمت ہارنے کو گناہ سمجھتا تھا۔ اپنوں سے لڑا، بیگانوں کو انکی ناحق دوستی پر ڈانٹتا رہا۔ اپنے بگڑ گئے اور بیگانوں نے بدنام کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اس باہمت اور جوانمرد کے چہرے پر شکن تک نہ آئی، اور اپنوں اور بیگانوں کا آخر دم تک نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا۔ محمد علی اسوۂ حسینی کو اپنے لیے آرام جاں سمجھتا تھا، اور اسی پر وہ تمام عمر عامل رہا۔ وہ شہید ملت ہے، اور اسکی گفتار، کردار، اسکی جانکاہیاں، بیتابیاں، دوستوں سے محبت اور پھر ان سے عداوت، دشمنوں سے نفرت اور پھر ان سے محبت، عزیزوں سے مخالفت، دلسوزوں سے بُعد، خون دل پلا پلا کر کسی نخل کو بارآور کرنا اور اسکے پھل کو تلخ پا کر اس سے ہاتھ کھینچ لینا، کسی بات کو اپنی طبیعت حق شناس کے خلاف پا کر اسکی مخالفت کے درپے ہونا، خواہ اسکی مخالفت میں اسکے عزیز سے عزیز جذبات کا خون ہی کیوں نہ ہو۔ بظاہر اسکا مجموعۂ اضداد ہونا اسی اسوۂ حسینی کی جلوہ فرمائیاں ہیں"

کتاب کی غرض، اسی "نمائش" خراب لیکن دراصل متاع عاقل کی حقیقت کو بے نقاب کرنا ہے۔ محمد علی کا

"داغ بڑا تھا، اور دل اس سے بھی بڑا۔ اردگرد کے ناسازگار حالات، زمانہ کے تغیرات، ملک و وطن کے متضاد مظاہر، اور اسلام اور جہان اسلام کے انقلابات نے محمد علی کے دل و دماغ کو کچھ اس طرح متاثر رکھا کہ اسکی شعلہ نوائیاں ہر اس خرمن کو جلانے پر تلی نظر آتا، جانا کر بھسم کرنے پر تل جائیں۔ اس قسم کی خاشاک سوز آگ کو پردوں میں سجا کر دوسروں کو دکھلانے کی کوشش بہت مشکل ہے۔ مرتب نے اپنے بس بھر اس امر کی سعی کی ہے کہ قارئین ... اس آگ کی حقیقت کو سمجھیں"

اندیشہ تو یہی اسی کا تھا کہ "ملیت" (یا صحیح طور پر "وطنیت") کی موجودہ رو جو ملک میں بہت سے دینی اداروں تک کی اسلامیت کو بہائے لیے جا رہی ہے، کہیں اسی لپیٹ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قلم بھی نہ آ جائیں، اور محمد علی کی تصویر انکے قلم سے ناقص، ادھوری، اور مسخ شدہ نکلے، لیکن یہ اندیشہ باطل ثابت ہوا۔ انھوں نے توازن قائم رکھا، اور تصویر بڑی حد تک صورت کے مطابق ہی کھینچی۔

نومبر ۱۹۲۳ء سے مارچ ۱۹۲۹ء تک کا زمانہ، محمد علی کی زندگی کا ایک بہت ہی مختصر اور محدود حصہ ہے۔ اور پھر جب اس دور کے بھی کُل مضامین یکجا نہ ہوں، تو یہ دور اور بھی سکڑ جاتا ہے۔ لیکن ایک اعتبار سے یہ دور انکی زندگی کا اہم ترین دور ہے۔ محمد علی جب اگست ۱۹۲۳ء میں قید سے رہا ہوئے، تو معاً انکی خدمت میں کانگریس کی صدارت پیش کی گئی۔ دسمبر ۱۹۲۳ء سے دسمبر ۱۹۲۴ء تک وہ صدر کانگریس رہے، اور اسی حیثیت سے ملک کے طول و عرض میں دورہ کرتے رہے۔ بحیثیت اسلامیت کے باوجود، اسوقت وہ انتہائی قومیت کے بھی علمبردار تھے۔ یہاں تک کہ بیگانوں نے تو خیر اپنوں نے بھی انھیں ہندو پرست کہنا شروع کر دیا۔ اور ۱۹۲۶ء سے کھلم کھلا ہی خلافت

کمیٹی کے ایک اجلاس میں، جو دہلی ہی میں، اور غالباً دفتر ہمدرد ہی میں منعقد ہوا تھا، ایک بہت مشہور عالم نے کھلے الفاظ میں محمد علی کو دسی کے طعنے دیے۔ سنہ ۳۰ء میں محمد علی کھلم کھلا کانگریس سے الگ ہوئے، لیکن اس کی ابتدا آخر سنہ ۲۱ء ہی سے ہو چکی تھی۔ مضامین کے پیش نظر جلد میں دونوں مسلکوں کی جھلک موجود ہے، کانگریسی رنگ کی گہری، اور مسلم کانفرنسی رنگ کی ہلکی۔ حالانکہ جب محمد علی سرتاپا کانگریس میں غرق تھے، جب بھی انکی اسلامیت کب ہلکی پڑنے پائی تھی؟ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ!

مضامین کی ترتیب بلحاظ تاریخ نہیں، بلحاظ موضوع ہے۔ تاریخی الٹ پلٹ اسی لیے ناگزیر ہے۔ بہت سے پچھلے مضامین شروع میں آگئے ہیں، اور بہت سے پہلے مضامین نے جگہ آخر میں پائی ہے۔ شروع میں دو دعائیہ مضمونوں کا مقدمہ ہے۔ پھر "آپ بیتی"، جسکے اندر ۳۰ مضامین ہیں۔ پھر "مسائل ملی"، جو ۱۲ مضامین کا جامع ہے۔ پھر "مسلمان اور متحدہ قومیت ہند" جسکے تحت میں کل ۱۰ مضامین "شخصیات" پر۔ پھر "مسلمان اور آزادی" مع چھ مضامین کے۔ آخری عنوان "بادشاہت اور جمہوریت" کا، جس میں پانچ مضامین ہیں۔ یہ ترتیب عنوانات اگرچہ نہ جامع ہے نہ مانع۔ لیکن بہرحال جیسی کچھ بھی ہے، غنیمت ہے، اور پڑھنے والے کی رہنمائی کے لیے خاصی حد تک کافی۔ پڑھنے والے کو فرطِ اشتیاق فن و دقائق تالیف و ترتیب پر غور کرنے کا ہوش کب باقی رہیگا؟

گائے اور باجہ جس طرح اتحاد وطنی کی راہ میں حائل ہیں، محمد علی کے وقت میں بھی تھے۔ محمد علیؒ نے دہلی کی یونٹی کانفرنس کے موقع پر آخر سنہ ۲۴ء میں جواہر لال نہرو اور چند اور ہم خیال ہندو و مسلمانوں کی اتفاق رائے سے یہ چاہا تھا کہ

"گائے ذبح کرنے اور باجہ وغیرہ کے تمام مسائل اسی طرح طے کر دیے جائیں کہ تمام ملتوں کو صاف اور صریح طور پر مذہبی آزادی دیدی جائے، لیکن اسی کے ساتھ اس توقع کا بھی اظہار کر دیا جائے کہ یہ کانفرنس امید کرتی ہے کہ اس آزادی کا استعمال اس طرح کیا جائیگا کہ دوسروں کی دلآزاری ہو۔ مگر لالہ لاجپت رائے اور پنڈت مدن موہن مالوی نے اسکو گوارا نہ کیا، اور جو تجاویز منظور ہوئیں، ان میں اس مذہبی آزادی کو مقامی رواج کی شرائط و حدود کے ساتھ مشروط و محدود کر دیا گیا" ص ۱۹۵

سو اب، اس دل جلے کے الفاظ میں

"یہ مسئلہ اسوقت طے ہوگا جب یا تو سڑکوں کو آیندہ روندنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، اور اسے اور ہر کام کے لیے بند کر دیا جائے، اور یا پھر انکو بالکل کھول دیا جائے۔ ہندو آزاد ہوں کہ جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں، اور جب تک چاہیں، ڈھول اور تاشے پیٹا کریں، اور سنکھ اور قرنا پھونکا کریں۔ اور ساتھ ہی ساتھ مسلمان آزاد ہوں، کہ بیتی گائیں جس طرح سجا کر جس سڑک سے، جہاں چاہیں لیجائیں، اور انکا گوشت چاہے ڈھکے لے جائیں چاہے کھلے لے جائیں، کوئی کسی کا مزاحم نہ ہو۔ چند دن میں آپ دونوں ملتیں ایکدوسرے کی ضد پر اپنے فرائض ادا کرنا خود چھوڑ دینگی، اور شرافت اور بھلمنسی کی طرف خود کرینگی اور حقیقی رواداری کا اپنا شعار بنائینگی"۔ (ص ۱۹۶)

پھر آگے چل کر مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ

"اسلام کسی مسلمان کو اسکا حکم نہیں دیتا، کہ وہ مسجد کے سامنے بجرد باجے کے ساتھ ایک جلوس کے نکلنے پر کسی کا مقابلہ کرے، اور اس سے جنگ و جدال کرے۔ باجہ کو زبردستی رکوانا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی ملت مسلمانوں کی عبادت میں خلل انداز ہو اور اسپر اصرار کرے کہ نہیں ہم تو تمہاری عبادت کے وقت ضرور شور مچائینگے، تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو حسب استطاعت اس خلل اندازی کو بند کرنا چاہیے۔ اس بارے میں پھر وہی احکام شریعت متعلق سمجھے جانے چاہییں، جو فرائض مذہبی کی ادائگی کی بندش کے متعلق ہیں"

اور سب سے آخر میں:—

"ہندو مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں اور مسلمان ہندوؤں کو۔ اور حکومت اس تماشہ کو دیکھ رہی ہے، اور کسی سے آج مرعوب نہیں، اور دونوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ یہ ایک سیاسی جنگ ہے۔ اور میں نہ اسی کو گوارا کر سکتا ہوں کہ مسلمان ہندوؤں سے مرعوب ہو جائیں، نہ اسی کو چاہ سکتا ہوں کہ ہندو مظلوم ہوں" (ص ۱۹۱)

تازگی اور زندگی کلام جوہر کا خاص جوہر ہیں۔ بارہ بارہ، پندرہ پندرہ برس کے لکھے ہوئے مضامین معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کے لکھے ہوئے ہیں۔ تشریح طلب واقعات و تلمیحات پر مرتب کو حواشی دینے ضرور تھے۔ اور یہ ایک بڑی کمی ہے، جو تہذیب کتاب کے سلسلہ میں رہ گئی۔ لیکن اس پر بھی کوئی نمایاں بے لطفی کتاب پڑھنے میں معلوم نہیں ہوتی۔

جنوری سنہ ۲۷ء میں "نئی دہلی" میں مرکزی اسمبلی کے نئے اسمبلی ہال کا افتتاح وائسرائے بہادر کے ہاتھوں بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ امید ول کے سبز باغ نے کتنوں کے غنچۂ دل کھلا رکھے تھے۔ محمد علیؒ بہ قول خود "حکومت کی بیوفائی پر وفاداری کا حلف نہ اٹھانے کا حلف اٹھا چکے تھے"، تاہم اردو کے قلیل الاشاعت لیکن سب سے زیادہ معزز و باا ثر روزنامہ کے اڈیٹر تو بہرحال تھے۔ تماشہ میں شریک ہوتے ہیں، اور دوسرے دن اپنے ناظرین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں:—

"..... کتنے سادہ لوح ہونگے، جو اپنے دلوں میں اس آرزو کو چھپائے ہوئے امید و بیم کی حالت میں ہونگے کتنے اور ہونگے جنکا اصول زندگی عشاق کی طرح یہی ہے کہ

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ٭ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

یہ نام کے عاشق اسی میں مگن ہیں، کہ اصلاحات کی توسیع کے لیے شاہی کمیشن مقرر ہو یا نہ ہو، نائب شہنشاہ کا درشن تو نصیب ہوگا۔ اسی سے بھاگ کھلینگے۔ ملک کی وارث خالق کے حکم

سے توخلق ہی تھی، مگراس سنے بادشاہت اور شہنشاہیت کے فریب میں آکر اپنی آزادی کیا بلکہ ملکیت کو غلامی کے عوض کب کا بیچ دیا، اور وہ حقیقت شناس ہستیاں بھی جن سے توقع کی جا سکتی تھی کہ اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے تذکرہ کو کبھی کسی کے فریب میں آکر نہ چھوڑینگی، وہ بھی بظاہر دولت و ثروت سے محروم ہوکر اس فریب پہ مجبور تھیں کہ بادشاہوں کو دیکھ کر قصیدوں میں لکھیں، ع

نائب کے وارث کو دیکھا خلق نے ✦ اب فریب طغرل و سنجر کھلا

... کاش طغرل و سنجر کے فریب کی طرح قیصر ہند اور نائب قیصر کا فریب کھل جاتا، اور کوئی ان تماشائیوں سے کہتا کہ ع

اے تماشا گاہ عالم روے تو ✦ تو کجا بہر تماشا می روی!

۳۳ کروڑ خدا کی مخلوق، یعنی نسل انسانی کا ایک خمس مٹھی بھر اجنبیوں کی غلامی میں مبتلا ہے، جو سات ہزار میل کے فاصلے سے سات سمندر پار آکر ان پر حکومت کرتے ہیں۔ مجبوری روزگار یہ چیز ہے، اور پانچ پانچ سو میل کے فاصلوں سے تماشائی دور دراز مقامات سے آکر آج ہی لی کار دہلی اور دلی کا لال قلعہ یا قطب مینار کی جگہ اسکا تماشا کریں، تو تعجب کی بات نہیں، لیکن آج یہ مخلوق خود دوسروں کی تماشائی ہے!....

ہر ملت اور ہر طبقہ کے لوگ تھے، اور سب سے زیادہ نمایاں وہ وارثان تاج و تخت تھے، جو نائب السلطنت کے سیدھے ہاتھ پر جلوہ کناں تھے، جن میں سورج بنسی بھی تھے اور چندر بنسی بھی۔ مگر آج جگمگ جگمگاتا لباس اور زنانہ زیور انکو اس چمکتے ہوئے ذرہ سے ہرگز زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ جن پر حکومت کا مہر عالمتاب چمکتا ہوا اور انکو بھی چمکا رہا ہو....

بس اگر نقشہ ایسا نگار ہوتا، تو مجلس کی ترتیب، شرکاء، حلیہ و لباس یا آجکل کے فیشن کے مطابق، بعض کی بے لباسی نہیں تو کم لباسی، اور فوج کی صف آرائی اور جلوس کے طمطراق کا حال لکھتا، مگر کیا کروں۔ یہ میرا حقیقی شعار نہیں۔ ملک و ملت کے عشق میں قلم کو بھی ایک آلہ کی حیثیت سے اٹھا لیا گیا ہے.... لاؤڈ اسپیکر نے ایک ایک حرف، یعنی کھانسی کھنکار سنوادی۔ مگر گوش مژدہ نیوش ساری تقریر میں ایک حرف مطلب بھی نہ سن سکا۔ سارے ملک میں سرکار دولتمدار کے قدوم میمنت لزوم نے تفریق و انتشار پھیلا رکھا ہے، لیکن لاٹ صاحب بہادر نے فرمایا کہ یہ قانون سازی کا گول گھر اتحاد کی علامت ہے!.... اور کیوں نہ ہو، ہمارے تعلیم یافتہ ہمیشہ اسی چکر میں رہیں گے، اور یہ دائرۃ السوء اسی طرح تا قیامت باقی رہیگا..... خیال تھا، کہ کم سے کم شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان ہوگا مگر تقریر کا خاتمہ صرف دعا پر ہوا۔ وہ اسکا نام بھی نہ تھا۔ لاٹ صاحب نے دعا فرمائی، کہ خدا اس عمارت میں کام کرنے والوں کو عقل و عدل کی توفیق دے ہم سوا آمین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ خدایا اگر انکو عدل نہیں دیتا، تو ہمیں کو عقل دے کہ اس فریب عدل سے نجات پائیں"۔ (ص ۳۰۲ تا ص ۳۰۶)

اب تو کسے یاد رہ گیا ہوگا، لیکن بات کچھ ایسے بہت دنوں کی نہیں، وسط ۱۹۲۶ء کی ہے، کہ وطنیت کے بعض علمبرداروں نے "فرقہ واریت" سے تنگ آکر ایک نئے نظام کی طرح "انڈین نیشنل یونین" کے نام سے، صدا سے ملیں و دہل کے ساتھ نہیں، صدائے ناقوس کے ساتھ ڈالنی چاہی تھی، پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کے دستخط سے جو دستور العمل اس نئی مجلس کا شایع ہوا، اسکی رو سے ہر ممبر کو سب سے پہلے یہ اقرار کرنا تھا کہ "ہندوستان کی ترقی اور آزادی کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتیں ایک مشترکہ اور متحدہ ہندوستانی قومیت پیدا کریں"۔ اور یہ اقرار اسکی سب سے آخر دفعہ یہ تھی، کہ "میں کسی ایسے فرقہ وارانہ نظام کا جسے یونین نے قومیت ہند کو نقصان پہونچانے والا قرار دیدیا، نہ تو ممبر ہوں اور نہ ممبر ہونگا"۔

محمد علیؒ کا قلم اس پر ایک طویل تبصرہ کے دوران میں رواں ہوتا ہے:-

"حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک مقصد اور حصول مقصد کے لیے وسائل کا تعلق ہے، اس نئی تحریک میں کوئی ندرت نہیں اور جس خطرے کا ذکر خود ان حضرات نے اپنے بیان میں کیا کہ کہیں مجلس بھی صرف یہی نہ کرے کہ موجودہ سیکڑوں مجالس میں ایک اور اضافہ کرے، اس سے بچنا اس مجلس کے لیے آسان نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان میں مذہب سازی اور مجلس سازی کا ایک مہلک مرض پیدا ہوگیا ہے، اور بجائے اسکے کہ ہم موجودہ مذاہب میں سے کسی کے احکام کی پابندی کریں، یا پرانی مجالس میں سے کسی کے مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں، ایک نئے مذہب اور نئی مجلس کے بانی ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہر مذہب اپنے معتقدین پر کچھ نہ کچھ ذمہ داری عائد کرتا ہے، اور ہر مجلس اپنے اراکین کو کسی نہ کسی قدر ضرور پابند کرتی ہے، اس ذمہ داری کا شعور و احساس تو ہم میں پیدا نہیں ہوتا، اور ان پابندیوں سے تو ہم اکتا جاتے ہیں، مگر نئے نئے مذاہب اور نئے مجالس کی بنیاد ڈالنے کے لیے ہمارے ہاتھ کھجلاتے رہتے ہیں۔ ایک ندرت البتہ اس نئی مجلس کے بانیوں نے رکھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسکے اراکین تمام مجالس ملی سے علیحدہ ہو جائیں۔ مگر یہ ندرت ایسی زبردست تھی کہ اسی کے باعث یہ نئی مجلس مجوزہ روزنگار رہی جاتی تھی.... اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے اور انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے دوزخ کی جو تصویر کھینچی ہے، اسکا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ اسکے دروازہ پر کندہ ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو، امید کو باہر چھوڑ آئے۔ پنڈت موتی لال نہرو صاحب اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بظاہر ایک نئی جہنم پیدا کرنا چاہی تھی، جسکے دروازہ پر کندہ ہو کہ جو اسمیں داخل ہونا چاہے وہ ملت و مذہب کو باہر چھوڑ آئے.... یقیناً ایک مختلف الاجزاء مگر متحدہ اور مشترکہ قومیت... کو تربیت اور نشو و نما دینا ہر محب وطن اور.... وطن پرور ہندوستانی کا فرض ہے۔ لیکن بے سوچے سمجھے کہاں تمیز کے ساتھ یہ کہدینا کہ کمیونلزم یا ملیت، نیشنلزم یا قومیت کے منافی ہے۔ اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ کوئی شخص قوم پروری یا ملت پروری کے جوش میں لوگوں کو اپنے کنبہ اور خاندان کی پرورش اور انکی تنظیم سے منع کرتا پھرے.... قومیت کو نتھارے نسل بنانا یورپ کی تقلید جامد ہے۔ اور وطنیت خود ثنویت یا بت پرستی ہے۔ اسلام وطن پرور ہے مگر وطن پرست نہیں"۔ (ص ۲۵۹ تا ۲۶۲)

"فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم" سارے مجموعہ میں چھوڑنے کے قابل کون سا مضمون ہے۔ سب ہی مضامین اول سے آخر تک پڑھنے کے قابل ہیں۔ لیکن بعض مضامین پھر بھی خصوصیت کے ساتھ، اور ایک سے زیادہ بار پڑھنے کے قابل ہیں، اگر کسی اور غرض سے نہیں، تو کم از کم مضمون نگار کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے۔۔۔ اور محمد علی کے دماغ اور دل دونوں کا عکس دیکھنے کے لیے۔ اور انھیں میں ایک وہ مضمون ہے جو درسہ کتاب میں مسودۂ قانون توہین انبیاء و بزرگان دین پر ہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آج سے چند سال قبل تعزیرات ہند میں کوئی دفعہ انبیاء و بانیان مذاہب کی توہین کو جرم قرار دینے والی تھی ہی نہیں! اور اس سے بعض خبیث طبع لوگوں کو گندہ دہنی کے خوب موقع مل جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں اس قسم کا ایک سخت مسلم آزار واقعہ لاہور میں پیش آیا۔ ہائیکورٹ سے ملزم بری ہوگیا سارے اسلامی ہند میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ سب نے نا انصاف جج پر دھاوا بول دیا۔ تو اس صرف محمد علی کے درست رہے، پر زور رسالہ جامعہ کے خلاف چھوڑ دیں لکھا کہ "قصور قاضی کا نہیں، قانون کا ہے" (افسوس اور حیرت ہے کہ یہ مضمون لائق مرتب کی نگاہ انتخاب سے کیسے رہ گیا!) اور پھر خود ہی ایک مسودۂ قانون اس مضمون کا پیش کیا، جو بالآخر اسمبلی میں پاس ہوکر دفعہ ۲۹۵ الف کے نام سے تعزیرات ہند کا جزو بنا۔

اس مسودہ کو مسلمان ارکان اسمبلی کی خدمت میں پیش کرکے لکھتے ہیں کہ "مجھ جیسے عطائی نے ایک مسودۂ قانون تیار کیا ہے، جسے آج اطباء حاذق کے سامنے نہایت ادب اور عجز و انکسار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ تا آنکہ

جہاں تک خود میرا تعلق ہے مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے نہ عدالتوں کی حاجت۔ اگر کوئی ہندوستانی بھائی اس قدر شقی القلب ہے کہ مجھ سے تو ایک معمولی جانور کا تقدس منوا کر اس کے ذبح ہونے کے حق سے میری دست برداری کا طالب ہے، لیکن انسان جو اشرف المخلوقات ہیں، ان میں سب سے اشرف نبی سرور کونین اور باعث تکوین عالم کا جو تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، اسکا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کرکے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے، تو ہندوستان کو اس غلامی سے نکالنے کے لیے جس میں آج وہ مبتلا ہے اور جو گاؤ پرست ہندوؤں کے وجود سے کہیں زیادہ ہمارے اور ہماری ذلت کی بے حرمتی کا سبب ہے، مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا، صبر کروں گا اور جب صبر کا جام لبریز ہو جائیگا تو خود لڑونگا، اور یا تو اس گندہ دل، گندہ دماغ، گندہ دہن کافر کی جان خود لے لونگا، یا اپنی جان اس کوشش میں کھو دونگا" (ص ۲۴۵)

انگریزی حکومت کے طرز کار پر دوسروں نے کیا کچھ لکھا اور کتنا کچھ لکھ ڈالا ہے محمد علی کو دیکھیے، انکی ساری ذہنیت کا عطر دو لفظوں میں کھینچ کر رکھ دیا ہے "انگریز کسی کو ہرگز اس وقت تک کچھ نہیں دیتے جب تک انھیں اسکا یقین نہ ہو جائے کہ اگر آج اتنا بھی نہ دیا گیا، تو کل کو اس سے دوگنا اور چوگنا دینا پڑیگا" (ص ۳۵۰)

جامعہ ملیہ کے خصوصیات کی تفصیل میں رسالہ کے رسالے اور کتابوں کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر دیکھیے خود بانی جامعہ کس حیرت انگیز ایجاز کے ساتھ انکی خصوصیات چشم زدن میں گنا جاتا ہے۔

"خدا پرستی۔ ملت پروری۔ وطن دوستی" (ص ۴۱۱)

ایسی کتاب جو اسلامی جوش، سیاسی معلومات، تاریخ سیاسیات ہند، اور ایک نہیں بیسیوں مسائل حاضرہ کے اعتبار سے قابل قدر ہو، اور دلچسپ زبان اور دلکش حسن بیان کے ساتھ، باوجود تقریباً ۵۰۰ کی اور خوشنما جلد و طباعت کے گل ہاتھ میں آ جائیگی۔ اسکے مطالعہ سے اپنے کو محروم رکھنا (اگر شدید تنگدستی ہی مانع ہو جب تو مجبوری ہے، ورنہ اور کسی عذر کی بنا پر) تو خود اپنے ذوق سلیم پر ظلم کرنا ہے!

(بقیہ صفحہ ۹)

سال کے بعض مہینوں میں سبز ترکاریوں کی قلت ہوتی ہے اور اس سے اس زمانہ میں ہمیں مفید نباتاتی نمک اور وٹامن نہیں ملتے۔ لیکن بکثرت پھل کھانے اور روز صبح کو کوئی نمکین چیز پینے سے پوری کمی ہو سکتی ہے۔ مسوڑھوں میں مواد، نزلہ اور اس قسم کی بیماریاں گو بظاہر تکلیف دہ نہ ہوں، تاہم ان سے اضمحلال اعضا کا مرض ہو جاتا ہے اگر علاج میں احتیاط نہ کی گئی۔ اگر جوڑوں میں درد بھی پیدا ہو گیا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ سب سے پہلے تو دانت، اور غذا کی تذکرۂ صدر احتیاطوں پر نظر کیجیے۔ پھر کپڑے اور جوتے کو دیکھیے کہ ان میں سے کوئی بھی اس مرض کی بنا ہو سکتا ہے۔ خارجی علاج کے سلسلہ میں سینکنا، بجلی کی رو پہنچانا، دھونا اور مالش کرنا یہ سب اپنی اپنی جگہ پر نافع ہیں۔ مختلف قسم کے تیل اور مرہم کی مالش سے جو رگڑ لگتی ہے وہ بذات خود نافع ہے چاہے تیل یا مرہم کوئی بھی ہو۔ گو اکثر روغن وغیرہ بھی خاص نفع بخش اثر رکھتے ہیں۔

آیوڈین، ہیملینڈ سلیسیلیٹ اور بعض دیگر ادویہ کسی مناسب چکنی دوا کے ساتھ جوڑوں کے گرد ملنے سے مسامات کے اندر پیوستہ ہو جاتی ہیں۔ ایک اور مفید علاج بھاپ سے سینکنا ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ خوب گرم گرم بھاپ ہو۔ یہ سینک اس طرح کرنی چاہیے کہ عضو جلنے نہ پائے اور اسکے لیے ایک خاص قسم کا برقی آلہ استعمال کرنا چاہیے۔

لیکن ان سب علاجوں ہی کے برابر مفید مریض کا اپنی حالت مرض کے متعلق نفسیاتی تخیل ہے۔ کسی شخص کو یہ نہ چاہیے کہ وہ اپنے کو علیل، بیمار، سمجھ کے چلتے پھرتے رہنا چاہیے۔ بجز اس صورت کے کہ کسی جوڑ میں سخت ورم ہو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس سے جوڑوں میں وہ فاسد مادہ جمع نہ ہونے پائے جن سے ان میں ...

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

حکومت آصفیہ میں مذہبی آزادی

(از شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے، لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

بھائی پرمانند نے جو ہندو مہا سبھا کی پنجابی ودھ ورہ ان ہیں ہندو آؤٹ لک دہلی میں فرمایا ہے "

" حیدرآباد میں ہندوؤں کی مصیبت کی کوئی انتہا نہیں - ریاست کے اندر نہ کوئی مندر بنایا جا سکتا ہے نہ کسی پُرانے مندر کی مرمت ہی کی جا سکتی ہے - اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت ہندوؤں کی ہر قسم کی آزادی کو مٹا دینا چاہتی ہے "

کاش بھائی جی یہ الزام تصنیف فرماتے وقت حیدرآباد کی خاطر نہیں تو کم از کم اپنی حق گوئی کی شہرت کی خاطر ہی تھوڑی دیر سوچ لیتے کہ وہ کیا فرما رہے ہیں " دیوتا سروپ " نے نہیں معلوم کس ضابطۂ حق و انصاف کے ماتحت یہ الزام تراشا ہے - خدا کا شکر ہے اُنھوں نے یہ نہیں فرما دیا کہ ریاست کے باہر بھی ہندوؤں کا نہ کوئی مندر بنایا اور نہ مرمت کیا جا سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حیدرآباد شاد و آباد ہے اور وہاں مسجدیں، گرجا اور مندر سبھی بنتے اور مرمت بھی ہوتے ہیں - سال گزشتہ میں شایع شدہ ایک سرکاری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۱ نئے مندر بنے اور ۸۵۱ پُرانے مندر مرمت ہوئے - بھائی جی کسی زمانہ میں مورخ تھے - مورخ کی اصلاح کی تو امید ہو سکتی ہے، البتہ اُنکے موجودہ مرض افسانہ نگاری کا کوئی علاج نہیں - حیدرآباد کے ساڑھے اکیس ہزار شہر و دیہات میں ۲۴ ہزار مندر موجود ہیں - اگرچہ نصف سے زیادہ دیہات کی آبادی پانچ سو سے بھی کم ہے

حکومت حیدرآباد کی طرف سے جسکے خلاف یہ الزام ہے کہ وہ نئے مندر بنانے یا پُرانے مندر مرتب کرانے کی اجازت نہیں دیتی - مندروں کو ایک لاکھ تیرہ ہزار روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے - مندروں اور معبدوں کے و دوسرے مذہبی اداروں کو جو مہاشماے اراضی و معمولات عطا کی گئی ہیں، اُنکی سالانہ آمدنی چار لاکھ روپیہ کے قریب ہے - دوسری بڑی بڑی جاگیریں اور وقف اسکے علاوہ ہیں - مندر سیتا رام باغ کی جاگیر سے پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے - مندروں کی نقد سالانہ امداد اُن کی ضرورت اور اہمیت کے لحاظ سے ایک سو تیس روپیہ سے لیکر ۱۹ ہزار روپیہ تک ہے -

حکومت حیدرآباد کی طرف سے نہ صرف ریاست کے مندروں ہی کو امداد ملتی ہے بلکہ یہ سلسلہ بیرون ریاست کے مندروں تک پہونچتا ہے - ایک مندر جو پہلے ریاست کے حدود کے اندر تھا اور اب سیاسی اعتبار سے حدود ریاست سے باہر ہے اپنی موقوفہ جاگیر سے تیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی حاصل کر رہا ہے - مدراس اور صوبہ متوسط کے متعدد مندروں کو سرکار نظام کی طرف سے سالانہ اکیس ہزار روپیہ کی امداد ملتی ہے - شولاپور پنڈرپور مندر کے لیے تو ایک سالم گاؤں وقف کر دیا گیا ہے -

حیدرآباد کے ہندو مسلمانوں کی باہم برادرانہ محبت اور ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن کے دوستانہ اعتراف کی بدولت فرقہ وارانہ شورشوں سے بفضل خدا محفوظ رہا ہے - گزشتہ چند سالوں میں بیرون ریاست کے مبلغوں اور پرچارکوں کی عنایت سے دو ایک مرتبہ جو باہمی شورش نمودار ہوئی اس میں حکومت کے حسن تدبر اور لطف و انصاف کے صدقہ میں مذہبی رنگ لیے ہوئے جھگڑوں کا فیصلہ وہاں کے باشندوں کے تعلقات کو اور زیادہ مستحکم بنا گیا - حیدرآباد کے ہندو و مسلمانوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں -

ایک شورش میں چند مندروں اور مسجدوں کو نقصان پہونچا تو حکومت حیدرآباد نے سرکاری خرچ پر مندروں کی مرمت اور درستی کر دی - بلکہ ایک مندر کو آیندہ مرمت کی ضرورت کے لیے ۲۵ ہزار روپیہ بھی دیا -

گرودوارہ ناندیڑ کی ملحقہ زمین کے متعلق چند سال ہوئے مسلمانوں اور سکھوں میں جھگڑا پیدا ہوا - چونکہ یہ دو مختلف مذہب رکھنے والی قوموں میں ایک گونہ مذہبی جائداد کا جھگڑا تھا - حیدرآباد کی حکومت نے بنگال ہائیکورٹ کی ایک انگریز جج کو فیصلہ کے لیے بلوایا تاکہ ریاست پر کوئی فرقہ جانبداری کا الزام نہ رکھ سکے - جج نے ازروے قانون زمین پر سکھوں کے حق کو تسلیم کیا - اور حکومت حیدرآباد نے جس پر غیر مسلموں کی مذہبی دلآزاری کا بہتان باندھا جاتا ہے - وہ زمین سکھوں کے حوالے کر دی اور حق و انصاف کی حمایت میں ایک مسلمان فقیر کی لاش کو جو وہاں دفن ہو چکا تھا اُکھڑوا کر دوسری جگہ دفن کرا دیا گیا -

کوئی ہے جو ایسی مثال پیش کر سکے ؟ حیدرآباد اس انصاف اور رواداری کے باوجود متعصب کہلائے - یا اسکے خلاف غلط بیانی کرنے والے چند دشمنوں کو خودغرض مفسد سمجھا جائے -

حیدرآباد نے نہ صرف مندروں ہی کے وظیفے اور جاگیریں مقرر کر رکھی ہیں بلکہ مندروں کے پجاری بھی بعض حالات میں سرکار سے تنخواہ پاتے ہیں - ایک سو کے قریب شاستری اور بھجن گانے والے بھی سرکاری خزانہ سے ہندو مذہب کی خدمت و تلقین کے لیے تنخواہ پا رہے ہیں -

حیدرآباد نے جس رواداری کا نمونہ پیش کیا ہے اُسکی مثال اس بدنصیب ملک میں کہاں ملیگی - جس میں مفسد و بدباطن لوگ مذہب کی آڑ میں طرح طرح کے کھیل کھیلتے ہیں - حیدرآباد میں ایک سو پچیس مسلم اداروں (مسجدوں، مزاروں اور عاشور خانوں) کے متولی ہندو ہیں جنکو ان اداروں کے انتظام و خدمت کے صلہ میں سرکار سے معاش ملتی ہے - کسی خاص زمانہ میں کسی ضرورت سے ہندو کو یہ خدمت سپرد کر دی گئی تھی - مسلمان حکمرانوں کے انصاف نے متولیوں کو اُنکے حق سے محروم نہیں کیا - یہ متولی کچھ خود اور کچھ مسلمانوں کی معرفت ان اداروں کی خدمت بجا لاتے ہیں -

حیدرآباد میں مسجدوں مندروں اور گرجاؤں کی تعمیر پر ایک نہایت نہایت ہی دانشمندانہ پابندی عائد کی گئی ہے اور اس کی ضرورت اور مصلحت سے کسی انصاف پسند انسان کو انکار نہیں ہو سکتا - اور وہ یہ ہے کہ کسی مذہب کے معبد سے سو گز کے اندر اندر کسی دوسرے مذہب کے معبد کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جاتی - مسجد سے سو گز کے اندر مندر اور مندر سے سو گز کے اندر مسجد بنانا کسی نہ کسی وقت جھگڑے کا موجب ہو سکتا ہے - اس لیے احتمال کو بھی روک دیا گیا ہے - اور یہ ایک پرانا دستور اور قانون ہے - خلد آشیاں میر محبوب علی خاں کے زمانہ میں ایک مندر کے قریب ایک مسجد بن گئی تو اسکو اسی اصول کے ماتحت ایک کتبخانہ میں بدلا گیا - حال ہی میں عیدگاہ

کو گوردوارے کے قریب سے ہٹا دیا گیا ہے اور ہندوؤں کے اعتراض پر کتنی ہی مسجدوں کی تعمیر اسی اصول پر بند کر دی ہے۔ برطانوی ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کو اس عمل سے سبق سیکھنا چاہیے یا مذہبی معاملات میں اس قدر صریح غلط بیانی سے مذہب کی پکار پر کام کرنے والوں کو دھوکا دینا؟

ہماری قومی اور فرقہ وارانہ زندگی میں یہ ایک ناقابل معافی گناہ ہے کہ چند اشخاص بلا خوف ملامت اس طرح بے سروپا باتوں سے ایک ایسی ریاست کے خلاف شورش برپا کریں جسے قدیم ہندوستانی اور اسلامی تہذیب کے محفوظ رکھنے کا فخر حاصل ہے اور جہاں ہندو اور مسلمان نہایت دوستانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ہندوؤں کو مسلمانوں پر ہر طرح برتری حاصل ہے ہندوؤں کے مندروں کو سرکاری خرچ سے موزوں اور آباد کر دینے والی حکومت کے خلاف مذہبی تعصب کا الزام ہر منصف مزاج شخص کے لیے ناقابل قبول ہے۔ (الاماں)

علوم مشرقی کی درسگاہیں

جمعیۃ العلماء کے حالیہ سالانہ اجلاس میں منجملہ دیگر تجاویز کے ایک تجویز علوم مشرقی کی درسگاہوں کے متعلق بھی منظور ہوئی ہے۔ اس تجویز میں صوبجاتی حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مشرقی علوم کی مستند درسگاہوں مثلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کی متوسط اور اعلیٰ سندات کو وہی حیثیت دیں جو مشرقی علوم کے سرکاری مدارس کی سندات کو حاصل ہے۔ یعنی حکومت کے وظائف اور ملازمتوں میں ان سندات کا اعتبار کیا جائے۔"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس تجویز کے مقصد سے خود "ان مستند" درسگاہوں کے ارباب اختیار کو کہاں تک اتفاق ہے اور وہ کس حد تک اسے پسند کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے نزدیک اس قسم کا مطالبہ ان درسگاہوں کے لیے باعث ننگ و عار ہے۔ یہ درسگاہیں اس لیے نہیں وجود میں آئی ہیں کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ سرکاری اسکولوں میں مولوی یا ہیڈ مولوی بن جائیں یا اسی قسم کے کوئی معمولی عہدے سنبھال لیں۔ ان درسگاہوں کا مقصد اس سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر ہے۔ اور ہمارے خیال میں سرکاری وظائف اور ملازمتوں کا تصور بھی اس مقصد کی توہین کے مترادف ہے۔ اگر ان درسگاہوں کے طلبہ کا مقصود تعلیم بھی یہ چھوٹی چھوٹی ملازمتیں ہیں تو پھر ان میں اور ان انگریزی مدارس میں فرق کیا ہوگا جو ہر سال صرف گورنمنٹ کے لیے گروہ در گروہ کلرک تیار کرتے رہتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ انکے سامنے اور کوئی غرض و غایت نہیں ہے؟ یہ صحیح ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں مشرقی درسگاہوں کے طلبا کو فراغت کے بعد کوئی مشغلہ یا ذریعہ معاش ہاتھ نہیں آتا ہے اور انھیں زندگی گزارنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں ان درسگاہوں کی اس مشکل کا بخوبی علم ہے اور ان کے فارغ التحصیل طلبہ سے ہمیں پوری پوری ہمدردی ہے لیکن اس صورت حال کا علاج یہ نہیں ہے کہ ان درسگاہوں کے اغراض و مقاصد کو بدل کر پست کر دیا جائے۔ اور کم از کم ذہنی طور سے ان مدارس میں ان مقاصد کا جو کچھ پایا جاتا ہے اُسے بھی ضائع کر دیا جائے۔ اور اگر ملازمتوں ہی کو مقصد بنانا ہے تو پھر کیوں نہ ان مدارس کی موجودہ حالت بدل دی جائے۔ اور وہاں زمانہ کی روش کے مطابق اُن علوم و فنون کی تعلیم دی جائے جنکے حصول کے بعد طلبہ ہیڈ مولوی کے عہدہ سے بڑے عہدوں تک رسائی حاصل کر سکیں۔ معاش کے ذرائع کچھ ملازمتوں ہی میں محصور نہیں ہیں۔ سیکڑوں راہیں اس کی کھلی ہوئی ہیں۔ اگر ان درسگاہوں کے مقاصد عزیز ہیں تو انھیں راہوں کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر ملازمتیں مطلوب ہیں تو پھر ان مقاصد کو ختم کر دینا چاہیے۔ یہ دونوں چیزیں قطعاً بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ (مدینہ)

صحت کی فکر

جوانی کی چستی بڑھاپے تک قائم رکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ جوڑوں کی حرکت اور قوت کو درست رکھا جائے۔

کسی شخص کی عمر کا نشان دینے کے لیے اُسکی چال اتنی ہی بین علامت ہوتی ہے جتنی بالوں کی سیاہی یا سفیدی یا چہرہ کی شکنیں۔ بہت سے اور معمر عمر کے آدمی اپنے اعضا کے جوڑوں کو بے پروائی سے بقیہ حصہ جسم سے زیادہ ضعیف کر دیتے ہیں۔ اس طرح اگر انکی عمر کا اندازہ محض اُنکی چال ڈھال سے کیا جائے تو وہ بجائے اصلی عمر چالیس یا پچاس سال کے ستر یا اس سے بھی زیادہ سمجھے جائیں گے۔ برخلاف اس کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجودیکہ ستر سال کی عمر تک پہونچ جاتے ہیں مگر اپنی چال ڈھال سے بیس سال کم عمر کے معلوم ہوتے ہیں۔ اول الذکر اصحاب نے جوانی کے زمانہ میں اپنے اعضاء کے جوڑوں کی نگہداشت نہیں کی اور آخر الذکر اصحاب نے ضروری احتیاط کو مدنظر رکھا۔

شدید قسم کا گٹھیا کا بخار سب سے زیادہ اعضا شکن مرض ہے۔ جوانی میں اکثر سردی اور نمی کے اثر سے یہ ہو جاتا ہے۔ حلق کے غدود کا متورم ہونا اور مسوڑھوں کا پکنا بھی اس مرض کا باعث ہوتا ہے۔

والدین کو چاہیے کہ اس بات کی کافی احتیاط رکھیں کہ اُن بچوں کے جوتے نم اور پھٹے ہوئے ہوں اور اسکی بھی کہ جاڑوں کے اختتام پر موٹے کپڑے وقت سے پہلے نہ اُتار دیے جائیں۔ اسی کے ساتھ انکی حلق بھی وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہیے خصوصاً ایسی حالت میں کہ بچے کو جلد جلد کھانسی یا نزلہ کی شکایت ہو جاتی ہو۔ اگر جوڑوں میں درد ہو تو فوراً آرام کرنا اور علاج کرنا چاہیے۔

شعور رسی میں جوڑوں کے درد کی شکایت عموماً شدت سے نہیں ہوتی لیکن اسکا اثر رفتہ رفتہ اور دیرپا ہوتا ہے۔ جوڑوں کی سختی اور متورم ہونے کی شکایت آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے اور اگر اسکی احتیاط نہ کی جائے تو اعضا بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اکثر اس کا سبب غذا کی خرابی ہوتا ہے۔

اجلاس کانگریس کے بعض مناظر

(وقائع نگار "مدینہ" کے قلم سے)

.... منزل مقصود پر پہونچنے کے بعد لاری میں سے اسباب اُتار کر زمین پر رکھ دیا جاتا تھا اور آنیوالا انسان اپنی رہنمائی قسمت پر غور کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نوواردگھبرا کر رضاکاروں سے پوچھتے تھے کہ "کہاں ٹھہریں؟" اس پر انھیں نہایت سادگی سے اکثر یہ جواب ملتا تھا کہ "جہاں آپ کا جی چاہے"! میں نے ایک رضاکار سے پوچھا "انکوائری آفس کہاں ہے؟" بولا "ہندی میں کہیے" میں نے کہا "تحقیقات کا دفتر" کہنے لگا "مجھے پتہ نہیں"۔ میں نے پوچھا کہ "اگر کسی کو کچھ بات معلوم کرنا ہو تو کہاں جائے؟" اس پر اُس نے کہا "آپ پوچھ تاچھ منڈل چلے جائیے"۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کانگریس کے سامنے ہوئے اس آفس جس کا نام وشنو دت نگر رکھا گیا تھا انکوائری آفس کا نام پوچھ تاچھ منڈل ہے ....

اس نگر میں مختلف مقامات پر ایسی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں جن کا تعلق قدیم ہندو دیو مالا (اتھالوجی) سے تھا۔ کھلے اجلاس زیر و قد .... اور صدر کے جو ڈائس (چبوترہ) تیار کیا گیا تھا۔ اُسکے سامنے والی دیوار پر ایک دیو پیکر انسان کی مورت اُبھرے ہوئے نقوش میں بنائی گئی تھی اس مورت کا لباس صرف دھوتی تھا، جسم کا باقی حصہ بالکل ننگا تھا جس میں سینہ کے نقوش کو خاص طور پر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ مورت تقریباً ۱۶-۱۷ فٹ لمبی تھی اور اپنے سیدھے ہاتھ میں تقریباً دو فٹ کا ایک ڈنڈا لیے ہوئے گویا ڈائس کو اُس سے سنبھالے ہوئے تھی۔

سبجکٹ کمیٹی کے پنڈال میں بھی بہت سی تصویریں آویزاں تھیں جن میں گائے، بیل، گاڑی، کھیت وغیرہ کے مناظر کے علاوہ کئی تصویریں ایسی بھی تھیں جنکے معنی پنہاں کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ہندو دیو مالا سے کچھ واقفیت ہو۔ ان تصویروں میں عورتوں اور مردوں دونوں کی تصویروں کو نصف عریاں رکھا گیا تھا اور دونوں میں سینہ کے نقوش کو واضح کرنے کی طرف خاص کوشش کی گئی تھی۔ ایک تصویر میں اونٹوں کی قطار ریگستان میں چلتی ہوئی دکھلائی گئی تھی جس سے بیساختہ آدمی کی توجہ راجپوتانہ کے ریگستان کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

ہندو دیو مالا سے تعلق رکھنے والی یہ خرافی تصویریں اُن دروازوں کے بازوؤں پر بھی بنائی گئی تھیں جو اس نگر میں مختلف مقامات پر بنائے گئے تھے۔

ہر دروازہ اور ہر سڑک کا نام کسی لیڈر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ لیکن صرف "اجمل روڈ" کے علاوہ باقی تمام ہندو لیڈروں کے نام پر تھے۔ اور اجمل روڈ بھی سڑک کے ایک ایسے حصہ کا نام تھا جہاں بہت کم کسی کا گزر ہوتا تھا۔

مجلس استقبالیہ کی طرف سے عام لوگوں کے لیے قیمتاً کھانے کا جو انتظام کیا گیا تھا وہ صرف ہندوانہ انداز پر تھا۔ اس کھانے میں صرف سبزی اور دال چاول وغیرہ کے قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جنکو ہندو تہذیب کے بموجب زمین پر چُنا جاتا تھا۔ جو لوگ اس قسم کے کھانے کو پسند نہیں کرتے تھے اُن کے لیے ہوٹل موجود تھے جہاں ہر قسم کا کھانا مل سکتا تھا لیکن ایسے ہوٹلوں کی تعداد بہت کم تھی۔

زبان کے بارے میں اس کانگریس کا فیصلہ صاف طور سے دیوناگری کے حق میں معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ والنٹیروں کے بلّے، امتیازی نشان، بیج، سائن بورڈ، ٹکٹ، غرضکہ تمام چیزیں صرف ہندی رسم خط میں تھیں۔ نمائشگاہ میں بھی ہر چیز کا نام وغیرہ صرف ہندی میں تھا۔ اور اس لیے جو لوگ ہندی سے ناواقف تھے وہ اپنے آپ کو اس اجلاس کی فضا میں پردیسی سا محسوس کرتے تھے۔ ہندی کی یہ طرفداری صرف رسم خط ہی کی حد تک نہ تھی بلکہ الفاظ بھی وہی استعمال کیے جاتے تھے جو آجکل صرف سیاسی دنیا میں سنے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ دلچسپ منظر آپ کے نامہ نگار نے کئی بار خود دیکھا کہ اگر کوئی شخص نمائش کا ٹکٹ لینے کے لیے ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر کھڑا ہو کر یہ کہتا تھا کہ "نمائش کا ٹکٹ دے دو" تو اُس سے یہ کہا جاتا تھا کہ "نمائش کا ٹکٹ یہاں نہیں ملتا۔ یہاں پردرشنی کے ٹکٹ ملتے ہیں"۔

البتہ بعض بعض مقامات پر اُردو رسم خط نظر آتا تھا۔ مثلاً دو چار جگہ "ہندوستانی ہوٹل" لکھا تھا۔ ڈیلیگیٹوں کے کیمپ میں صوبوں کے نام اُردو میں بھی تھے۔ اسی طرح دو ایک اور جگہوں پر اُردو کی شنوائی کر لی گئی تھی۔ لیکن اسکے علاوہ کوئی تحریر اُردو میں نہ تھی۔ والنٹیروں اور ڈیلیگیٹوں کو جو بلّے دیے گئے تھے وہ صرف ہندی میں تھے۔ وزیٹروں اور اخبارات کے نمائندوں کو جو ٹکٹ دیے جاتے تھے اُنکا خط صرف ہندی تھا۔ حتیٰ کہ لاؤڈ اسپیکر کے جو "بھونپو" جگہ جگہ لگے ہوئے تھے اُن پر بھی ہندی لکھی تھی۔ غرضکہ اس فضا میں آنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کے وہ سیاسی لیڈر جو اس نگر میں جمع ہوئے تھے آیندہ ہندوستان کی زبان کے متعلق ہندی کے سوا اور کسی زبان کو لائق التفات ہی نہیں سمجھتے۔ اُردو رسم خط کہیں کہیں استعمال ضرور کیا گیا تھا مگر جس انداز سے استعمال کیا گیا تھا اُس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ ایک فضول چیز ہے، جو محض "فریب نظر" کے طور پر لے آئی گئی ہے۔ گزشتہ سال بندے ماترم پر کافی ایجی ٹیشن تھا اس لیے اُس سال کھلے اجلاس میں بندے ماترم کے بعد اقبال کا ترانہ بھی پڑھوا دیا گیا تھا، لیکن اس سال یہ ندارد تھا۔ اس سال اس ترانہ کی جگہ اُردو کے چند بورڈوں نے لے لی تھی۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ اگر اُردو کا ایجی ٹیشن کچھ مندھا پڑ گیا تو آیندہ سال اقبال کے ترانہ کی طرح چند بورڈ بھی غائب ہو سکینگے۔

نمائشگاہ کے سلسلہ میں یہ کہنا بھول گیا کہ یہاں دو بورڈ اُردو خط میں بھی تھے جن میں سے ایک پر "سیو پرانت" اور دوسرے پر "کیرل" لکھا تھا۔ لیکن میں نہ سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے ....

مسلمان ڈیلیگیٹوں کی بھی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنی ذاتی رائے کچھ نہیں رکھتے اور کسی لیڈر کے طفیل میں ڈیلیگیٹ منتخب ہوتے ہی کو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ ایسے ڈیلیگیٹ تو قدرۃً

اپنے اپنے لیڈروں کی ڈوم سے بندھے ہوئے تھے۔ اور پھر اسکے کہ اجلاس میں ادھر اُدھر لیڈرانہ شان سے گھوم پھر اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا سوٹا پا محسوس کرلیں، اور سب باتیں انکے نزدیک فضول تھیں۔ لیکن اسکے علاوہ جو ڈیلیگیٹ اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے اور شوق قیادت میں نہیں بلکہ جذبۂ خدمت سے متاثر ہوکر یہاں آئے تھے وہ سب پنتھ جی کی اس تجویز کے پاس ہوتے پر بہت برافروختہ تھے۔ چنانچہ ۱۲ مارچ کو جب اس تجویز پر بحث کا آخری دن تھا، مولانا ظفر الدین نے اپنی ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہدیا کہ

"ہم اپنے ان لیڈروں کے خلاف بیزار ہیں اور رلے بیزار دل سے تنگ آچکے ہیں۔ وزارتیں قبول کرکے اُنھوں نے ہمارے سر پر ایک مصیبت نازل کردی۔ اور مسلمان کارکنوں کے ساتھ تو وزارتوں نے کوئی ہمدردی اور کوئی تعاون کوئی اشتراک نہیں کیا"

مولانا کے اس جملہ پر ہال میں شور مچ گیا جسکے بعد دو چار جملے کہہ کر مولانا بیٹھ گئے۔

... ایک بات بڑی حیرت انگیز تھی اور وہ یہ کہ ہندی کے نامانوس الفاظ اور نامانوس بندشیں صرف وہی لوگ استعمال کرتے تھے جو یوپی بہار۔ یا سی-پی کے رہنے والے تھے۔ یعنی جنکی مادری زبان ہندوستانی ہے۔ یعنی جو سندھ، میسور، بنگال اور پنجاب وغیرہ سے آئے تھے وہ اگر ہندوستانی بولتے تھے تو انکی زبان میں اور "مدینہ" کی زبان میں بہت کم فرق ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر میں یہاں مسٹر جیکم مکرجی (بنگال) کی تقریر کے چند جملے نقل کرتا ہوں :۔

"افسوس ہے کہ ہم لوگ سیاسی خیالات کو سامنے رکھکر بہت کم غور کرتے ہیں۔ اور خالص سیاسی ڈھنگ سے ان باتوں پر روشنی نہیں ڈالتے۔ لیکن کم سے کم ہمارے بزرگ لیڈروں کو تو اتنا سوچنا چاہیے تھا کہ کیا یہ بات مہاتما جی کی شان کے خلاف نہیں کہ آپ کچھ لوگوں کو اُنکی ذات کے موافق بنائیں اور کچھ کو مخالف۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کرونگا کہ خدا کے لیے ہمارے سامنے یہ سوال نہ لایئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہو اتفاق سے ہو۔ تاکہ کسی کو رنجش نہ ہو اگر ایسا نہ ہوا تو ہمارے لیے کام کرنا نا ممکن ہو جائیگا"

اب سندھ کے ایک ڈیلیگیٹ مسٹر آر۔ کے سدھوا کے چند جملے سنیے :۔

"کانگریس نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہمیں برٹش شہنشاہیت سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور ہم ہندوستان میں مکمل آزادی لینگے۔ ہم ریاستوں میں جوابدہ حکومت چاہتے ہیں اگر ہمیں جوابدہ حکومت نہ دی گئی تو یاد رکھیے کہ یہ راجہ اور نواب ختم ہو جائینگے"

لیکن تعجب ہے کہ مسٹر جے پرکاش نارائن جو نہ صرف بہار کے رہنے والے ہیں بلکہ جو سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ آزاد خیال سمجھے جاتے ہیں اُنکی زبان یہ تھی :۔

"ہمارے پرستاؤ کی کھلی اُڑائی گئی۔ پرنتو اب سمے آگیا ہے

کہ ہندوستان اپنے بھاگیہ کا نرنے کرے۔ اس میں کتنی سپھلتا ہوگی اسکو میں نہیں جانتا ......"

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جب آپ جوش میں آتے تھے تو اس بناوٹی زبان کا خیال دل سے نکل جاتا تھا اور پھر ٹھیک الفاظ آپ کی زبان پر آجاتے تھے۔ لیکن آپ کی کوشش یہی تھی کہ وہ زبان بولیں جو آج نہیں بلکہ ہزاروں سال پہلے بولی جاتی تھی۔

اس سال عملاً کانگریس کے تقریباً ۸۰ فی صدی جلسوں کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد ہی نے کی۔ اگرچہ آپ کے لیے زیادہ بولنے کا موقع نہ تھا مگر جب بھی آپ کسی چیز کی توضیح کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بالکل نئی زبان ہے جو اس پنڈال میں بولی جارہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اکثریت کی وجہ سے اکثر مسلمان مقرر بھی یہاں آکر اپنی زبان بگاڑ لیتے ہیں یا خود بخود انکی زبان بگڑ جاتی ہے۔ مگر یہ خصوصیت مولانا محمود ح... کے علاوہ گنتی ہی کے چند دوسرے لوگوں کے حصہ میں آئی ہے کہ کانگریس کے کسی اجلاس میں بھی اُنکی زبان، وضع قطع غرضکہ کسی چیز سے بھی اُنکی امتیازی شان فنا نہیں ہوتی۔

۱۲ مارچ کی رات کو ۱۰ بجکے بعد یہ اجلاس ختم ہوا۔ اور مسز سروجنی نائڈو نے کھڑے ہوکر کہا :۔

"میرا خوشگوار فرض ہے کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ یہ فرض ہمیشہ سے میرے حصہ میں آتا ہے اور میں اس فرض کو بجالانے میں غیر معمولی خوشی محسوس کرتی ہوں۔ حضرات! مجھے ہندوستانی میں بولنا چاہیے تھا لیکن چونکہ یہاں مصر کے کچھ مہمان بھی موجود ہیں جو تین چار روز میں ہندوستانی نہیں سیکھ سکے اس لیے براہ کرم آپ مجھے اجازت دیں کہ میں انگریزی میں بولوں"

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد مجلس استقبالیہ کے صدر کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے۔

"سبھا پتی مہادیو، دیویو اور سجنو! اتنے سندر بھاشن کے پیچھے میرا بولنا اُچت نہیں لیکن کرتگیہ کا پالن کرنا آوشک ہے اس لیے .... وغیرہ وغیرہ۔"

اس تقریر کے بعد جو ہندوستان کی "سیاسی زبان" میں کی گئی تھی اجلاس ختم ہوگیا۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے:

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

نمبر ۱۴ | لکھنؤ - ۲۲ - ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ - مئی ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

ایران، جو اب توں ہماری آپ کی زبان پر فارس رہا، اور اب پھر "ایران" ہے، اسکی پرانی تاریخ آپ کے حافظہ میں ہے؟ تاریخ اُس زمانہ کی، جب ایران شریعت اسلامی کی قید و بند سے آزاد تھا۔ جب ایران کی تہذیب و تمدن کا اوج شباب تھا۔ جب ایران کے قوم پرست لڑکے، علیؑ کی حلقہ بگوشی، اور ایران کی وطن دوست لڑکیاں فاطمہؓ کی کنیزی سے آزاد تھیں، جب فرض حجاب و نقاب پر نہیں، معاشرت مخلوط اور اختلاط آزادانہ پر تھا، اور حیثیت دوسرے نمبر کا نہیں، تبرّج کا تھا۔ اس بھولی ہوئی تاریخ کی یاد، حال کے ماہر ایرانیات سر فریڈرک سائکس کی مدد سے تازہ کر لیجے:-

"ساسانیوں کے عہد میں عورت کی منزلت اچھی خاصی تھی، اسلام کے خوارانہ عہد حکومت سے کہیں زیادہ وہ معاملات میں حصہ لیتی تھیں، اور کہیں کم مقید تھیں۔ بلکہ روایت تو یہاں تک ہے کہ شیریں اور ملکہ شیریں مع اپنی سہیلیوں کے پولو کھیلتی تھی۔ چنانچہ نظامی نے بھی لکھا ہے [آگے نظامی کی کسی مثنوی کے اشعار نقل ہے، جن میں شیریں کی چوگان بازی کا مضمون ہے] یہ بھی ذکر ہے کہ شیریں نے عبادت گاہیں اور رفاہ عام بنوائیں، اور سیاسیات ملکی میں عموماً حصہ لیتی رہی" (یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۳، ص ۲۳۱۴)

ورق کے ایک رخ پر یہ تصریح ہے۔ دوسرے رُخ پر ایک قدیم تصویر کا عکس درج ہے، جس میں بادشاہ یزدگرد دوم مع اپنی ملکہ کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ملکہ کو ایک زیور پہنا رہے ہیں۔ تصویر کا عنوان ہے:-

"ساسانی آزادیِ نسواں ایران میں"

اور اسکے نیچے یہ تصریح ہے کہ یہ پانچویں صدی عیسوی کی ایک تصویر کا عکس ہے، جس سے ساسانی دربار کی طرز معاشرت پر خوشگوار روشنی پڑتی ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت عورتوں کی منزلت اچھی خاصی تھی! (ص ۲۳۱۳)

--- ایران کا تمدن کچھ ایسا پرانا نہیں، کہ اسے بابل (کلدانیہ) یا مصر کا ہمعصر قرار دیا جا سکے، تاہم جہاں تک "روشن خیالی" کا تعلق ہے، وہ دوسری بابلی تہذیبوں کا ہمسر اور ہم سطح تو بہر حال ہے! یہ "تقشف" تو جیسا کہ انگریز کہتا ہے اور بالکل سچ کہتا ہے خاص اسلام کی پیداوار ہے، کہ عورت حکمرانی نہ کرے، جج نہ بنے، مجسٹریٹ نہ ہو۔ "روشن خیال" ایران نے تو کچھ ہی روز بعد، خسرو پرویز اور اُسکے بیٹے کے بعد، ایک عورت شہزادی بوران دخت کو ملکۂ سلطنت بنا کر چھوڑا! وہاں جو ہونا تھا، ہو کر رہا، اور مسلمان تو ادھر اپنے رسولؐ کی یہ حدیث، اسناد صحیح کے ساتھ سنا رہے ہی ہیں کہ اُس قوم کو فلاح نہیں ہونے کی، جو عورت کو اپنا سردار بنائے (صحیح بخاری کتاب الفتن)

پھر اُسی سرزمین سے اگر آج اس قسم کی خبریں آ رہی ہیں، کہ ایران میں پردہ جُرم قرار دیا گیا ہے، ایران کی عورت "آزاد" ہو گئی ہے، ایران کی لڑکی نے ایران کے لڑکے کے ساتھ "مساوات" حاصل کر لی ہے، تو اس پر اتنی حیرت نہ سمجھیے۔ یہ تو وہی تاریخ قدیم ہے جو اپنے کو دہرا رہی ہے، اور

۔۔۔ روشن خیال، حریت دوست، اور وطن پرست ایران، جسے اب فخر نام اور حسین اور جعفر۔۔۔ کے ساتھ نہیں البتہ شاپور اور جمشید اور قباد وزرتشت اور پیروں کے ساتھ نسبت جوڑنے پر ہے، آخر اب کہاں ۔۔۔ آپ کا پتہ رہے ہے؟ اور آزاد خیال خاتون مجم کب تک اپنے کو قانون عرب کی بندش بندیوں گرفتار رکھے؟ اس کی روشن خیال بہنیں ساری دنیا میں "ترقی" کے میدان پر میدان فتح کرتی جا رہی ہیں، اور وہ بدستور ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے نصب العین پر، اور اس وقت کے قائم کیے ہوے حدود و قیود پر جما رہے!!

کام کی رفتار

پچھلے دنوں بعض دوسری مصروفیتوں کے باعث قرآن مجید کے کام کی رفتار بالکل رکی رہی، اور ابھی کوئی دو ہفتے اور بولنہ راہ باقی رہیں گے۔ ان شاء اللہ اس کے بعد کام پھر تیز رفتاری سے شروع ہوگا۔ نئے ٹائپ رائٹر کی خریداری کے جس مرحلہ کا ذکر ۲۹ میں کیا گیا تھا وہ ایک سوٹ پوش اخلاص مجسم کی توجہ سے حل ہو گیا۔ نئی مشین آگئی۔ پچھلے مہینہ میں جن حضرات کی اعانت قبول کی گئی، ان کا اجمالی ذکر حسب ذیل ہے:-

۳ اپریل۔ ایک مخلص	(از نئی دہلی)	مالیت ۱۴۰
۴ اپریل۔ "	(از علاقہ مغربی ہند)	صہ ر
۱۱ اپریل "	(مکرر)	صہ ر

حوصلہ افزا اعداد!

سرکاری اعداد شایع ہوے ہیں کہ تمباکو کی مقدار سگرٹ نوشی کی مد میں،

برطانیہ عظمیٰ میں	فی کس	۲۶۴۳	پونڈ ہے،
امریکہ میں	"	۲۶۳۲	" "
جرمنی میں	"	۱۶۰۶	" "
ہندوستان میں		۰۶۵۷	" "

آپ نے دیکھا، ہندوستان ابھی اس معیار سے ترقی یافتہ ملکوں سے کتنا پیچھے ہے! لیکن کوئی وجہ مایوس ہونے کی نہیں، اس لیے کہ سعادتمند شاگرد کی رفتار ترقی ہے اچھی، اور استادوں ہی کے قدم پر قدم رکھ رہا ہے۔ چنانچہ اسی سرکاری رپورٹ کے بموجب، ہندوستان و برما میں زمانۂ قبل جنگ میں، سگرٹوں کی سالانہ تعداد ایک ارب ۶ کروڑ تھی؛ سنہ ۱۹۲۹ء میں یہ تعداد ترقی کرکے، ۶ ارب ۵۰ کروڑ ہو گئی سنہ ۳۵ء میں یہ تعداد ۷ ارب ۶۰ کروڑ سے متجاوز ہو گئی! اتنے حوصلہ افزا اعداد کے بعد بھی ہندوستان کے شاہراہ ترقی پر ہونے میں کسی کو شک و شبہہ کی گنجایش نہیں ہے؟ — اور اعداد سے تسلی نہ ہوتی ہو، تو رپورٹ مذکور کی یہ دلنشیں تشریح و تصریح بھی حاضر ہے:-

"ہندوستان میں اس افزونی طلب کے دو اسباب خاص ہیں۔ ایک، لوگوں کا رفتہ رفتہ مغربی طرز معاشرت اختیار کرتے جانا، دوسرے، بازار میں سگرٹوں کے نرخ کا ارزاں ہو جانا"!

سلامت رہے سیلاب فرنگیت کی زد، ہمیں پیمانہ سے بھی چاہیے، اپنے ملک و قوم کی روزافزوں ترقیوں کو ناپتے جاتے!

عالی ظرف پیرس

"پیرس نے یک بیک فیصلہ کر لیا ہے، کہ آخر صبر و زہد سے کب تک کام لیا جاتا رہے؟ اور اب عموماً نقطۂ نظر یہ ہو گیا ہے کہ "جہنم میں جائے سیاسیات ملک، زندگی میں رنگینی اور بہار تو بہر حال ہونا چاہیے"۔ چنانچہ اب شبینہ کلب زور و شور سے کھل گئے ہیں، تھیٹر کھچا کھچ بھرنے لگے ہیں، لوگ خوب پارٹیاں دے رہے ہیں، کپڑے خوب بن رہے ہیں، نئی نئی دوکانیں کھول رہے ہیں، کاروبار کی رونق اس سے کہیں بڑھ گئی ہے، جو کچھ روز قبل تھی، اور اٹلی والے پہاڑوں کی طرف پشت کیے ہوے، خوب کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں، "چمبرلینی چھتری" والے لطیفہ پر جواب ذرا باسی ہو گیا ہے"۔ (ایوننگ اسٹینڈرڈ لندن بابت اپریل سنہ ۱۹۳۹ء)

دشمن عین سر پر، اٹلی اور جرمنی کی آتش دہاں توپوں کے گھنٹے لگے ہوے، بم برسانے والے طیارے فضا میں منڈلاتے ہوے، اور پیرس کی شوقین مزاج آبادی کا یہ فیصلہ، کہ آخر زہد و تقشف کی زندگی کب تک؟ زندگی نام ہی رنگینی اور عیش پسندی کا ہے، زندہ رہ کر زندگی کی بہار سے محروم رہنے کے معنی کیا؟ —— اقتباس ایک زنانہ رسالہ کا ہے، اس لیے قدرۃً اس رسالے عامہ میں حصۂ غالب خواتین کرام ہی کا ہے — دہلی کے محمد شاہ اور لکھنؤ کے واجد علی شاہ کے قصے آپ بہت سن چکے فرمائیے وہ ماضی، اس حال کے مقابلہ پھیکا پڑ گیا یا نہیں؟ اور اس "دیدہ" کے مقابلہ میں اس "شنیدہ" کو کہاں تک دہرائے جائیے گا!

روح اسلام

"یقین رکھو، فرماں برداری کرو، جنگ کرو، ان تین مختصر احکام کے اندر ہر فتح و ظفر کا راز شامل رہا ہے، اور شامل رہیگا"۔

مسولینی نے آخر مارچ میں اپنی ایک معرکۃ الآرا تقریر میں، ایک لاکھ کے مجمع کے سامنے کہا۔ ۔۔۔ یہ صداقت آپ ہی کے ہاں کے احکام، ایمان، اطاعت اور جہاد کا ترجمہ ہے کہ نہیں؟ اور ترجمہ کہنے کا جی نہ چاہے، تو توارد، یا اس سے آگے بڑھ کر سرقہ سے تعبیر کیجیے، لیکن بہرحال ہے حقیقت آپ ہی کے خزانہ سے لی ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ دولت ہو کسی کی، اور کام میں کسی کے آ رہی ہو!

جرائم میں ترقی

لکھنؤ شہر اور مضافات میں، سپرنٹنڈنٹ پولیس کی سالانہ رپورٹ بابت سنہ ۳۸ء کے مطابق،

"وارداتِ قتل اور اقدام قتل، اور ضرب شدید اور اغوا اور نقب زنی اور چوری میں اس سال کے اندر نمایاں اضافہ"!! (پاینیر۔ ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۳۹ء)

۔۔۔ تہذیب نما دست اندازی پولیس،

۱۹۳۴ء ۲۹۶۸۳ رہے تھے،
۱۹۳۵ء میں بڑھ کر ۳۶۵۸۵ تک پہونچ گئے! گویا ایک سال میں سات ہزار سے اوپر کا اضافہ ہوا!

فی ۱۰ ہزار نفوس آبادی، تعداد جرائم
۱۹۳۶ء میں، ۳۲۔۲۸ تھی،
۱۹۳۷ء میں ۳۶۔۲۹ ہوئی، اور
۱۹۳۸ء میں ۵۰۔۴۴ تک پہونچ گئی! (ایضاً)

نقب زنی کے واقعات ... ہو کر رہے اور سامان مسروقہ کی مالیت کی میزان
۱۹۳۷ء میں ۴۳،۳۰۸ روپیہ تک رہی تھی؟
۱۹۳۸ء میں ۵۲،۷۰۵ روپیہ تک جا پہونچی! (ایضاً)

لکھنؤ کو صرف نمونہ کے طور پر لیجیے، اس پر قیاس صوبہ کے سارے شہروں اور قصبوں کو کیجیے، یہ واقعات و اعداد ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہونے چاہئیں، جو یہ خیال کر رہے تھے کہ وزارتیں کانگریسی ہو جانے کے بعد ملک میں امن و امان از خود ترقی پا جائیگا اور جرم و قانون شکنی اپنی موت آپ مر جائے گی! ——— مرض کا اصلی علاج ہونے پر جب اصرار جاری رہیگا، تو نتیجہ بجز اضافۂ مرض اور نحوست کے کچھ اور بھی نکل سکتا ہے؟

"نیشنلسٹ" کی وہم پرستی

"میرے انتخاب صدارت کے بعد ہی، اور عین اجلاس کانگرس کے وقت بڑی شدید و خطرناک علالت، اور اسکا سلسلہ اب تک قائم رہتا، میرے ایک نہیں، متعدد تعلیم یافتہ اور فن جوتش کے ماہر دوست مجھے ... سے یقین دلا رہے ہیں کہ نتیجہ ہے کسی جادو یا سفلی عمل کا، جسے اصطلاح میں "مرن کریا" کہتے ہیں، اور جو میرے دشمن میرے اوپر کر رہے ہیں۔"

یہ لب لباب ہے۔ اس طویل انگریزی مضمون کا جو "ماڈرن ریویو" (اپریل نمبر) میں شایع فرمایا ہے! ——— یہ بوس بابو ہیں، "وطن خیال" بزرگ ہیں جنھیں جواہر لال نہرو کی طرح ڈھونڈھنے سے بھی خدا کہیں نظر نہیں آتا، اور جو "وطن" کی نجات اسی میں سمجھے ہوئے ہیں کہ سوشلزم اور کمیونزم کے حربوں سے مذہب کا خاتمہ ہی کر کے رکھ دیا جا سکے! ——— مرض و علالت عجیب ہو یا نہ ہو، لیکن تشخیص مرض کے عجیب ہونے میں تو بہرحال کلام ہی نہیں! یہ ہے کل کائنات ہمارے "مجاہدین وطن" کی آزاد خیالی کی! اور انکار کرتی ہے عدا سے خدا کی پرستاری سے، اور گرتی ہے تو آکر کہاں! جوتشیوں، سنجموں، فال کھولنے والوں، ٹونے ٹوٹکے کرنے والوں کے قدموں پر!

عورت کا عورت رہنے پر اصرار!

پچھلے ہفتہ میں جو کتابیں ریویو کی غرض سے موصول ہوئیں، ان میں ایک چھوٹی سی کتاب "عورت کی دنیا" کے نام سے حیدرآباد کی ایک گریجویٹ خاتون (جو ان سطور کی اشاعت کے وقت تک غالباً ایم، اے بھی ہو چلیں) کے قلم سے ہے۔ لاجواب پر ریویو تو اپنے وقت پر ہوگا، اسوقت دیباچہ کی ایک عبارت، جو اتفاق سے نظر پڑ گئی، حاضر ہے:-

"باہر کی زندگی، جس میں شہری حقوق، بال بچوں کے لیے کمانا اور ملک و مالک کی خدمات انجام دینا، اور دوسری ایسی ہی چیزیں ہیں، مرد کے سپرد ہوئیں، اور تدبیر منزل یعنی گھر کی زندگی، جس میں گھرداری کا انتظام، خانہ داری کے کھیڑے، پرورش اطفال، اور دوسری ایسی ہی چیزیں ہیں، عورت کے تفویض ہوئیں۔ یوں قدرت کی خلاف ورزی کرو، یا فطرت کو اپنی ہٹ دھرمی سے بدلنے کی کوشش کرو، تو اور بات ہے۔ لیکن یہ وہ اٹل فیصلہ ہے جو کارکنان قضا و قدر نے عورت مرد کے حق میں روز ازل سے کیا تھا .... تدبیر منزل یا گھر کی زندگی میں عورت تمام تر کمال خود مختار اور ذمہ دار ہے، جس طرح کہ مرد باہر کی زندگی میں خود مختار اور ذمہ دار ہے .... گھر کی زندگی میں رہنے سہنے کا طریقہ، طرز خانہ داری، لباس، بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت غرض سب ہی کچھ آ جاتا ہے .... سبحان اللہ! کیسی بلند منزل ہے یہ، اور کتنا اونچا ہے اسکا منصب، لیکن اسکے اصلی وقار اور اہمیت کو سمجھنا بھی ایک مشکل کام ہے۔"

ان خاتون نے اتنا پڑھ لکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عمر ہی ضائع کی۔ انھیں اسکا کبھی ڈر نہ رہا، کہ انھیں کے شہر میں "سر راہ" کیسی کیسی تالیاں انکی دقیانوسیت پر پیٹی جائینگی! اول تو انسانی زندگی کی تقسیم ہی اندر اور باہر کی زندگی میں کرنا، ایک ناقابل عفو فرسودہ خیالی ہے، اور پھر عورت کی مخصوص منزلی زندگی پر قناعت ہی نہیں کرنا، بلکہ اس پر خوش ہونا اور اسکا مقام بہت کچھ بلند سمجھنا، یہ کس درجہ ناقابل برداشت "جمود پسندی" اور "تاریک خیالی" ہے! "آزادی" اور "روشن خیالی" کے سارے سبق بے اثر ہی رہے! تجدد آخر ان قدامت پرستیوں پر کب تک صبر کرے ——— مشرق کی بیوقوف عورت کب تک اپنے عورت بنے رہنے پر اصرار کیے چلی جائیگی!

فتنہ و سر فتنہ

"۱۰ر اپریل .... کل مسلم یونیورسٹی کورٹ کے جلسہ میں یہ بھی طے پایا کہ لڑکیوں کی ایم، اے اور ایم۔ ایس۔ سی کا انتظام، پردہ کے مناسب انتظام کے ساتھ عمل میں لایا جائے ...." (پانیر۔ ۱۵ر اپریل)

اصل تجویز جس میں لفظ "پردہ" شامل نہ تھا، جسوقت کورٹ کے سامنے آئی ہے، جلسہ کی کیفیت قابل دید تھی۔ لیگی اور کانگریسی، خان بہادر اور نیشنلسٹ سارے "روشن خیال" ممبر اپنے اور اختلافات کو بھول کر قید حجاب کی مخالفت پر یکدل و یک زباں ہو گئے تھے۔ تعداد ان حضرات کی پھر بھی کم رہی، اور ولولہ کا اخلاص تو قلت تعداد سے بھی زیادہ نمایاں تھا۔

البتہ اس سب کی تلافی، علمی جستجو کی قوت، زبان کی درشتی اور لہجہ کی کرختگی پوری طرح کر رہی تھی۔ مخالفت حجاب کی سرداری ایک مرادآبادی بزرگ کے حصہ میں آئی ([illegible] کی نمائندگی میں سرزمین مرادآباد کا حریف اور ہو کون سکتا ہے) لیکن قدرت کا عجیب انتظام، کہ زہر کے ساتھ تریاق بھی [illegible] میں موجود۔ حمایت حجاب کی سرداری بھی مرادآباد ہی کے ایک دوسرے نائٹ نے کی! مخالفین حجاب کے کل دلائل کا حاصل یہ تھا، کہ "ترکی اور ایران کو دیکھیے، ہندوستان میں ہندو اور عیسائی لڑکیوں کو دیکھیے، کہاں تک قدامت پرستی کی حمایت، مذہب کا نام لیکر کی جائیگی"۔ جواب ٹھیک اسی انداز استدلال میں یہ دیا جا سکتا تھا کہ "جرمنی اور اٹلی کو دیکھیے، خود ترکی کے ہی تازہ ترین رجحانات پر نظر کیجیے، امریکہ، فرانس اور انگلستان کے بہترین اہل نظر کے نتائج تحقیق کو سامنے رکھیے، بہت کچھ کھو چکنے کے بعد اب کیا کہہ رہے ہیں۔ دوسروں کی کورانہ تقلید بہت دن ہو چکی، آخر کب تک "ترقی" کا نام لے لے کر ملت کی غلامانہ ذہنیت کو نشو و نما دیتے رہیے گا؟"

ایک غلط روی مجلس کی بڑی بحث یہ تھی، کہ "سوال پردہ بے پردگی کا نہیں، عورت کی تعلیم کا ہے، کچھ بھی ہو، عورت کو اعلیٰ تعلیم سے کیسے محروم رکھا جا سکتا ہے"۔ حالانکہ تحریک نسائیت اپنے دامن میں جتنے فتنوں کو لیے ہوئے ہے، ان سب کی اساس و بنیاد یہی اعلیٰ تعلیم کا تصور ہے۔ اسلامی ہی نقطۂ نظر سے نہیں، فرنگیوں کے نقطۂ نظر سے بھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے گیارہویں اڈیشن میں ہے:-

"جن ملکوں کی زبان انگریزی ہے، نیز دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں عورتوں کی حیثیت عرفی میں فرق اور ہر شعبۂ زندگی میں مردوں کے دوش بدوش کام کا انقلابی تصور انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ اس کی اصلی بنیاد تحریک اعلیٰ تعلیم نسواں اور اسکے عواقب پر ہے" (جلد ۲۸، صفحہ ۷۸۵)

ہمارے روشن خیال "مصلحین" قرآن و سنت رسول اور فقہ کے مطالعہ اور اُن پر تدبر کے لیے اگر وقت نہیں نکال سکتے، تو آخر اپنے ہی اماموں اور پیشواؤں کی تصانیف کا سنجیدہ مطالعہ اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا ہے؟

اورینٹل کانفرنس

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، ملک کا ایک مشہور و معزز علمی و تحقیقی ادارہ ہے، جسکے اجلاس ہر تیسرے سال منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر نظام الدین صاحب (عثمانیہ یونیورسٹی) کی تازہ مطبوعہ تحریر سے معلوم ہوا کہ ابکی کانفرنس مذکور کا دسواں اجلاس، دسمبر کے تیسرے ہفتہ میں، حیدرآباد میں سلطان العلوم اعلیحضرت آصف جاہ سابع کی سرپرستی میں منعقد ہونے والا ہے۔ نائب سرپرست، صدر اعظم حیدر نواز جنگ بہادر ہیں، اور صدر استقبال نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر تعلیمات مملکت آصفیہ، اور سکریٹری استقبال ڈاکٹر نظام الدین پی ایچ ڈی (صدر شعبۂ فارسی، جامعہ عثمانیہ)۔ کانفرنس کا کام اب کے بارہ شعبوں میں تقسیم ہوگا:-

۱- علوم آریائی و ایرانی وغیرہ۔
۲- ویدک اور قدیم سنسکرت۔
۳- اسلامیات (اسلامی تمدن و مذہب)
۴- علوم عرب و ایران و ترکی
۵- فلسفہ و مذہبیات۔
۶- تاریخ و جغرافیہ
۷- اثریات، سکہ جات قدیم وغیرہ
۸- انسانیات و خرافیات
۹- فنون لطیفہ و صنائع (خصوصاً متعلق دکن)
۱۰- لسانیات، السنۂ ہند قدیم
۱۱- جدید السنۂ ہند۔ ہندی، ٹیلیگو، مرہٹی، کناڑی، تامل وغیرہ
۱۲- اُردو۔

اُردو کا ایک مستقل شعبہ غالباً جدید امر ہے، اور بدعت حسنہ۔ ہر شعبہ کا صدر کوئی ماہر فن ہوگا۔ علوم مشرقیہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے شرکت کا بہترین موقع ہے۔ ممبری کی فیس عـہ ہے۔ اسکے لیے ڈاکٹر نظام الدین صاحب کو فوراً لکھا جا سکتا ہے۔

جُواریوں کی تہذیب

امریکہ والوں نے حال میں ایک مختصر سی انسائیکلو پیڈیا ۸ جلدوں میں شایع کی ہے، اس میں "قمار" کے تحت میں، اسکے معنی، روپیہ یا کسی اور مال کی بازی لگانے کے درج کرکے لکھتے ہیں، کہ اب اس کی بہت سی صورتیں ہیں

"مثلاً تاش یا بلیرڈ یا گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں پر بازی لگانا، وقس علیٰ ہذا۔ ولایات متحدہ (امریکہ) میں قمار خانہ کھولنا ایک قابل تعزیر جرم ہے۔ لیکن اکثر ولایتوں اور علاقوں میں قانونی ممانعت کے باوجود، مختلف طبقات میں یہ کھلم کھلا جاری رہا کیا، یہاں تک کہ نیویارک میں ۱۸۵۱ء میں اسکے خلاف زبردست مہم شروع ہوئی جسکی نقل دوسری ولایات میں بھی کی گئی۔ تاہم قماربازی دوسرے ناموں کے پردہ میں اب بھی جاری ہے۔ (کنسائز انسائیکلو پیڈیا، جلد ۳، صفحہ ۵۲۶)"

گویا قانون کی کتابوں میں لکھا ہوا جرم تو مدت سے تھا، باقی جو سرگرم و زبردست عملی تحریک اسکے خلاف شروع ہوئی، اُسے بھی اب ۵۰۔۵۵ برس ہو چکے، اس پر بھی زور شور، دوسرے دوسرے ناموں اور نئی نئی اصطلاحوں کی آڑ میں جاری ہے! ——— یہ ہے جواریوں کی وہ تہذیب جسکا جُوا کس شوق و اشتیاق کے ساتھ اپنی گردن میں ڈال لینے کو خود ہمارے ہمارے بھائی بند بیتاب نظر آ رہے ہیں!

قانون یک زوجی

انگلستان اور ویلز میں آخری اعداد کے بموجب، اسوقت عورتوں کی تعداد، بمقابلہ مردوں کے ۱۶ لاکھ، ۸۲ ہزار ۲۴۳ زائد ہے۔ (لڈ وسی، "فیوچر آف ویمن"، صفحہ ۳۵)

گویا ساری انگلستانی آبادی میں، فی ہزار آبادی، ۸۷ عورتیں نامزد پڑی ہیں

اور شہر لندن کی آبادی میں ہر ۱۰۰ پر ۳۹ زائد عورتوں کا اوسط پڑتا ہے

(اسکیفر بین، "کس فار پالیکس"، صفحہ ۱۲)

فرنگستان تو یہ واقعات اور اعداد و شمار اور ہے بس ہوکر عین اس وقت پیش کر رہا ہے، جب ہمارے ہندوستان کی "روشن خیال" خواتین، اپنی کانفرنسوں اور جلسوں میں اپنے تجدد نواز ہوا خواہوں کی سرپرستی میں، رزولیوشن پر رزولیوشن اسکے پاس کرتی ہیں، کہ تعدد ازدواج کی اجازت کسی ظالم اور مرد کے دورِ ظلم کی یادگار ہے، قانوناً بند ہونا چاہیے اور فوراً بند ہونا چاہیے کہ کوئی مرد کسی حال میں بھی ایک سے زائد بیوی نہ کرسکے! —— یہ ساڑھے سترہ لاکھ کی نسوانی آبادی، بے نکاحی رہی جاتی ہے، تو رہ جائے، کیا نکاح نہ ہوگا تو معاش بھی حاصل نہ ہوگی؟ اور جب معاش کا سوال کسی صورت میں بھی حل ہوگیا، تو کوئی دوسرا سوال باقی کب رہا؟

حرمتِ مے کا امریکی فتویٰ

روزنامہ لیڈر کا سائنٹفک مقالہ نگار لکھتا ہے:-

"ڈاکٹر بعض ہر قسم اور طبقہ کے مریضوں کا تجربہ رکھتا ہے، بارہا یہ رائے ظاہر کرچکے ہیں، کہ شرابی بمقابلہ غیر شرابیوں کے مرض نمونیہ کا کہیں زیادہ شکار ہوتے رہتے ہیں۔ حال میں شکاگو کے اسپتال میں جو اعداد فراہم ہوئے ہیں، ان سے اس رائے کی مزید تصدیق ہوتی ہے

۲۴۴۳ کی تعداد میں نمونیہ کے مریض تھے۔ ان میں

سخت شرابیوں کی شرح ہلاکت ۴۹ء۸۷ رہی۔

معتدل شرابیوں کی " ۳۴ء۳ "

غیر شرابیوں کی " ۲۲ء۳۵ "

طبی شہادتیں اسکی بھی موجود ہیں، کہ نمونیہ کے علاوہ دوسرے امراض متعدی سے بھی شرابیوں کی قوتِ مدافعت مرض بہت ضعیف ہوجاتی ہے۔"

(لیڈر، ۱۰- اپریل ۱۹۳۹ء)

مرض وہی، دوائیں وہی، دوائیں کرنے والے وہی، مگر مریض مختلف، کچھ پینے والے، کچھ کم پینے والے، کچھ نہ پینے والے۔ اور اسی نسبت پینے، کم پینے، اور نہ پینے، کی مناسبت سے نتائج مختلف۔ اور اختلاف بھی کیسا، نہ پینے والوں، اور بہت پینے والوں کے درمیان، ایک اور دو سے زائد کی نسبت، ۲۲ء۰ اور ۴۹ کا فرق! اور خصوصیت تنہا ایک مرض کی نہیں، ہر مرض میں شرابیوں کی قوت مدافعت کمزور! —— امریکہ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں پر یہ حقیقت کہیں آج جاکر، تجربہ اور تنقیح اور تحقیق کے بعد روشن ہورہی ہے، اور مسلمان کے ہاں عامی سے عامی کو اول روز سے معلوم ہے۔ مومن اور غیرمومن میں فرق اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا!

پرانی حقیقت نئی زبان سے

"میں مس …… عمر ۲۳ سال"

استغاثہ:- لکھنؤ لیڈی کنیرڈ اسپتال میں نرس ہوں۔ بتیا سے لکھنؤ انٹر کلاس میں سفر کر رہی تھی۔ ۹ بجے شب کو مظفرپور سے اپ ایکسپریس میں سوار ہوئی۔ سونپور پہونچتے پہونچتے نیند آنے لگی انٹر کلاس کے زنانہ ڈبہ میں اکیلی تھی۔ سونپور سے بارہ بجے شب کے قریب گاڑی چل رہی تھی، کہ میری آنکھ کھل گئی، اور میں نے دیکھا کہ ایک مرد میرے ڈبہ میں گھس آیا ہے، اور میری پشت کی بنچ پر بیٹھا ہوا مجھے بدنیتی سے گھور رہا ہے۔ میں نے اسکی نیتِ زشت کا اندازہ کرکے خطرہ کی زنجیر کو کھینچنا چاہا، لیکن قبل اسکے کہ میں وہاں تک پہونچوں، ملزم نے جست کرکے مجھے دبوچ لیا۔ میں بے بس ہوگئی، اور میرا چیخنا چلانا، ہاتھ پیر چلانا، اور لاتیں مارنا، سب بیکار رہا۔ ملزم میری عصمت برباد کرنے کے بعد پھر اپنی نشست پر جا بیٹھا، اور میں پھر خطرہ کی زنجیر کی طرف بڑھی۔ ملزم نے مجھے پاخانہ میں دھکیل کر کے باہر سے دروازہ بند کرلیا، اور گاڑی کے رکتے ہی میرا مال و اسباب لیکر چمپت ہوگیا۔"

یہ بیان استغاثہ ایک تعلیم یافتہ مسیحی خاتون نے ایک ہندو ملزم کے خلاف عدالت میں دیا۔ سشن جج، ایک ہندو آئی۔ سی۔ ایس نے جوری کی رائے سے اتفاق کرکے، جرم بالکل ثابت پایا، مجرم کو ۱۰ سال قید سخت کی سزا، ایک بھاری جرمانہ کے دی، اور جرمانہ نہ ادا ہو تو دو سال کی مزید قید بامشقت۔ اور فیصلہ میں لکھا ہے کہ

"ملزم ایک خطرناک شخص ہے، جو ہر اس عورت کے لیے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے، جو بغیر مرد کو ساتھ لیے سفر کرتی ہے"۔

(لیڈر - ۲۷- اپریل ۱۹۳۹ء)

غور کیجئے، عورت، بجائے پردہ نشیں نہیں، باہر نکلنے والی، دنیا کا ہر طرح کا تجربہ رکھنے والی، ہے۔ اَن پڑھ نہیں، تعلیم سے مسلح ہے۔ ایسی کمسن نہیں، اچھی خاصی پختہ کار ہے۔ سفر مردوں کے ساتھ نہیں، الگ زنانہ ڈبہ میں، کسی قدر اونچے درجہ میں کر رہی ہے، جہاں عادۃً کسی مرد کی طرف سے کوئی کھٹکا ہو نہیں سکتا۔ اس پر بھی، قسمت پھوٹنے پر، صرف ایک مرد کے مقابلہ میں، نہ اپنی عزت و ناموس بچا سکتی ہے، نہ مال و زیور! —— وہی عورت جسکے متعلق اسکے "دوستوں اور ہوا خواہوں" کا ہر روز اعلان نکلتا رہتا ہے، کہ وہ جسم و تن، عقل و ذہن کے کسی شعبہ میں ہرگز مرد سے ذرا بھی گھٹ کر نہیں! —— اور عدالت جو فیصلہ کرتی ہے، اس میں وہ صورت حال کی ذمہ داری عورت کے تنہا سفر کرنے پر عائد کرتی ہے! کیا فرق ہے، غیر مسلم جج کے اس عہد بد فیصلہ، اور شریعتِ اسلامی کے اس "فرسودہ" "دقیانوسی" حکم میں، کہ "بغیر محرم کے، عورت کے لیے سفر کرنا حرام ہے"؟

آزادوں کی رجعت

"میں نہیں پسند کرتی، کہ لڑکیاں بی۔ اے اور ایم۔ اے بنتی چلی جائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ اچھی مائیں بننا سیکھیں۔ تاکہ گھر کا انتظام [illegible] کرسکیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ہر ات

کی عادتیں ترک کر دیں، کفایت اختیار کریں، اور اس طرح آگے بڑھتی رہیں "۔

بیگم شاہنواز صاحبہ نے ایک تقریر صدارت میں فرمایا: "جنکی روشن خیالی آج سے نہیں، سالہا سال سے مشہور چلی آرہی ہے، جو لندن گول میز کانفرنس میں شرکت کر چکی ہیں، اور جو اس وقت بھی پنجاب اسمبلی کی رکن اور حکومت ہند کی ایک معزز عہدہ دار (پارلیمنٹری سکرٹری) ہیں ——

فرمایا ہے کہ "پاکستان کیا ہو گیا، کہ ہم روشن خیالی قدامت پرستی کی قبر میں پھنس گئیں، اور وہی کچھ کرنے لگیں، جو دور جاہلیت کی روایات کے مطابق چلتے سکتے رہے ہیں! گھر کی سلطنت کا انتظام، تدبیر منزل کا قیام، بچوں کی پرورش کی تشکیل، نئی روح کی تربیت، شوہر کی، لڑکوں کی شو ہروں کی راحت و خدمت کا اہتمام، اف یہ سارے مقاصد کتنے فرسودہ اور پامال اور پارینہ ہو چکے ہیں! صد ہزار حسرت، اور بغیر ترقی اور "رومان" کے زندگی بسر کرے! یہی خشک زندگی جس نے جکڑ رکھا ہے نیا بنگلہ اس سے تو یہی اچھا ہے کہ اس عمل کو گھر میں بند رکھے

نیا مراد آباد

پرانی دنیا کی نئی خبر یہ ہے کہ انگلستان میں شہری علاقوں سے مدت ہوئی ایک "روشن خیالی" پیدا ہوئی جو کچھ عرصہ سے اشتمالی اصول پر نیا محلہ اپنی بنیادوں پر قائم کر رہی ہے۔ جس میں اشتراکیت کی طرح ہر چیز مشترک ہو گی ۔۔۔ اور آزادی کا یہ حال ہے کہ وہ پیشہ اور پیشہ و بچے گھر گھر پرورش پا رہے ہیں، وہاں کی ایک کانفرنس کی جھلک، ایک سہ روزہ اخبار انگریزی جو دی کے قلم سے :—

"کانفرنس کا موضوع بحث تھا "عورت کا درجہ نو آبادیوں میں"

جلسہ بمقام سرے، علاقہ عمق اسدہ ہاں میں منعقد ہوا ۔ میں شریک جلسہ تھا۔ کانفرنس دو دن رہی، کوئی دو سو آدمی شریک تھے ..... نو آبادی کے ڈاکٹر ... عورت کو ہر حالت میں خصوصی زمانہ میں جو حمل زندگی کی راحت بلا توقف اس کی نگہداشت و دیکھ بھال کے لئے وقت کا ملازم ہے ... کہ اس سے نو آبادی کے کام میں بڑا ہرج واقع ہو جائیگا۔ اس رائے کا استقبال عورتوں نے بڑی تحقیر کے ساتھ کیا ... کانفرنس کا خاتمہ سکرٹری کی تقریر پر ہوا، جنہوں نے آخر میں ... کہا کہ مساوات کا لہر صورت ... باوجود جسمانی ... عورت کو جسمانی مشغولیت کے ... قابل کرتے رہتے ہیں" (ازمتن ہیبین کی کتاب کلکیو ایڈونچر ۱۹۳۷ء - ۱۶۹، مطبوعہ ہائینمن، لندن)

یہ ہو گی نو آبادی کیا ہے، بستی ہو تو اور "کی عین حسب آرزو" گویا یہ معنوں میں ایک نیا مراد آباد! مسلمان نا قدرے، روشن خیالوں کی قدر نہ کریں تو کیا ... دنیا ... تمام ... سے ... ہو گئی ہے، مسلمانوں نے ... اور ... گیر ... مسلمان کی نفرت کیا معنی ؟ پھر وہی ترک نظر کی !

استاد معجزات

... "سورہ کا معجزہ ... قسم

الطور۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ میں نے تمہارے اوپر طور کو بلند کیا، اس لیے اس پر یقین کرنے اور صحیح ماننے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں لیکن اس زمانہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ایک پہاڑ کس طرح فضا میں معلق رہ سکتا ہے، اور یہ کس طرح ممکن ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی کم سے کم وزن والی چیز بھی فضا میں نہیں رک سکتی تو ایک پہاڑ جو اس قدر بھاری بھرکم ہے، کس طرح فضا میں معلق رہ سکتا ہے؟ جناب والا اس سوال سے عقلی و نقلی جواب سے سرفراز فرمائیں۔

اس خاص واقعہ سے متعلق، صدق کے ایک بند (نمبر، اگست ۱۹۳۵ء) میں توریت اور تالمود کی عبارتوں کے حوالہ سے، یہود کا یہ عقیدہ درج ہو چکا ہے، کہ کوہ طور کی قوم پر اس طرح الٹ دیا گیا تھا، جیسے کوئی پیالہ الٹ دیا جاتا ہے ۔ اور ہر وقت ایک شدید طوفان و زلزلہ کی طرح تہ و بالا کر دینے والی حالت برپا تھی، ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف لوگوں کے دل دہل رہے تھے۔

لیکن یہاں سوال اس خاص واقعہ کے وقوع سے متعلق نہیں، جسکا جواب تاریخ ہی سے مل سکتا ہے، جو ایک شعبہ ہے جو ہے "نقلی" کی۔ بلکہ سوال نفس امکان معجزہ سے متعلق ہے، یعنی خالص "عقلی" ہے ۔ سو عدم امکان کی دلیل، شبہ کرنے والے کے پاس بھی ہے، اصل ہر شے کی دنیا میں امکان ہی ہے۔ امکان کے لئے تو کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ البتہ ثبوت اس کے ذمہ ہے، جو نفی یا انکار کا مدعی ہے۔ سائل نے شبہ کی علت صرف اس قدر ہے کہ ... کا ہوا میں معلق رہنا اس مشاہدہ کے خلاف ہے، جو عموماً و عادۃً ہوتا رہتا ہے۔ لیکن کیا ہر روز ایسی چیزوں کا تجربہ نہیں ہوتا رہتا، جو عادی و عمومی مشاہدہ کے خلاف ہیں؟ گویا خلاف مشاہدہ عمومی کا مشاہدہ ہر نہیں ہوتا رہتا؟" فلاں واقعہ عجیب و غریب پیش آ کر رہا، فلاں واقعہ نے دیکھنے والوں کو حیران و ششدر کر دیا، " عقل دنگ و حیران ہے کہ فلاں واقعہ کی کیا توجیہ کیجیے" ۔ یہ ... سے فقرے جو روزمرہ زبانوں پر چڑھے رہتے ہیں، کس حقیقت کے ترجمان ہیں؟ اسکے کہ مشاہدہ عادی کے خلاف مشاہدہ، تجربہ عمومی کے خلاف تجربہ، ہر روز ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے ذہنوں کا عجیب حال ہے۔ جب پیمبر کی ساری تعلیم انکے سامنے پیش کی جاتی ہے، تو کہتے ہیں کہ فلاں ... کیا کہا ہے، کوئی عجیب و غریب بات کر دکھائے، ہمارا فرمائشی معجزہ پورا کرو، اور جب معجزہ پورا ہو جائے، تو کہتے ہیں کہ یہ بھلا کوئی عقل میں آنے والی بات ہے، ایسا ہو ہی کیونکر سکتا ہے؟ ——— اس کج بینی کا علاج دنیا میں کسی کے پاس بھی نہیں، کہ بڑے سے بڑا محیر العقول واقعہ انسان اخبار میں پڑھ لے یا کسی ڈاکٹر کی زبان سے سن لے، تو بے چون و چرا تسلیم کر لے، لیکن جب اسی ... اسے ... انکی ... تو ... خلاف ... شخصیت کے ساتھ تعلقات ... شروع

جدت میں قدامت

فاضل جلیل، شارح قرآن مجید، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:–

"آپ کے مذاق کی مناسبت سے ایک تحفہ پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ اس سے محظوظ ہونگے۔ سنا ہے اب جدید تحقیق یہ ہے کہ تمام کلام جو شروع دنیا سے آج تک انسانوں سے نکلے ہیں، سب اسی جو میں بعینہ محفوظ ہیں، اور شاید کوشش یہ ہو رہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ سے سامعین کی تقریروں کو اخذ کیا جاسکے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ کی فتوحات مکیہ سے ایک عبارت سناتا ہوں جو ابھی ہفتہ عشرہ ہوا نظر سے گزری تھی۔ وہ یہ ہے:

والحروف اللفظیۃ اذا تشکلت فی الهواء [illegible] تتصل بالسمع على صورة النطق بها العلم فاذا تشکلت فی الهواء قامت بها ارواحها وهذه الحروف لا تزال [illegible] علیها شکلها

چند سطر بعد لکھتے ہیں:–

وهذه الحروف الهوائیۃ اللفظیۃ لا یدرکها موت بعد وجودها بخلاف الحروف الرقمیۃ [illegible] شکل الحرف الرقمی والکلمۃ الرقمیۃ تقبل التغییر والزوال لانه فی محل یقبل ذلک والاشکال اللفظیۃ فی محل لا یقبل ذلک [illegible] فالعالم کله مملوء من کلام [illegible] صاحب الکشف [illegible]

(فتوحات مکیہ – جلد اول [illegible])"

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ تلفظ سے جو [illegible] الفاظ کی صورتیں ہوا میں قائم ہو جاتی ہیں [illegible] کلام لفظی اس قسم کی موت و بربادی سے محفوظ [illegible] اور صاحب کشف انھیں دیکھ سکتا ہے۔

"جدت" و "ایجاد" و "اجتہاد" پر جان دینے والوں، اپنے اسلاف کے قدیم علوم و فنون پر مضحکہ کرنے والوں، اور دانایان فرنگ سے مرعوب ذہنوں کے لیے مقام حسرت ہے کہ یہ فخر بھی ہاتھ سے گیا۔ اور جسے یہ بیسویں صدی کا تازہ ترین انکشاف سمجھ رہے تھے، وہ آٹھ صدی قبل کی ایک کہنہ و فرسودہ بیاض سے ہاتھ آگیا!

آنکس کہ گفت قصہ ما ہم ز ما شنید!

مسلمان کی آویزش مسلمان سے

ملک کے ایک محترم و مخدوم فاضل کی خدمت میں ایک خانگی نیاز نامہ میں موصوف ہی کی ایک مطبوعہ تحریر کی بنا پر وحدت کلمہ کی ضرورت و اہمیت پر کچھ عرض کیا گیا تھا، جواب میں حسب ذیل والا نامہ موصول ہوا ہے:–

"حالات موجودہ کے پیش نظر میری سب سے بڑی تمنا و رغبت یہی ہے جو میں نے اپنے خط میں ظاہر کر دی۔ اگر مخلصین [illegible] صرف یہی ایک مقصد لے کر [illegible] متفقہ جماعتوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کرنے اور [illegible] عام مسلمانوں کی امداد سے ہر ایک جماعت کی زیادتی کو روکنے کی کوشش کریں، تو امید کرتا ہوں کہ تھوڑی ہی مدت میں حالات کا رنگ بدل جائیگا، اور ان شاء اللہ [illegible] قوم کی [illegible] قائم ہو جائیگی۔ خلاصہ اتنا ہی ہے کہ ایک انجمن اخوان الاسلام کے ذریعہ سے جس کی بنیاد ٹھیک اسلام کے اجتماعی نظریہ پر قائم ہو، اسی جد و جہد [illegible] مسلمانوں میں اخوت اسلامیہ کی تجدید کی جائے۔

مدتوں کے غور و فکر اور دماغی کاوش کے بعد بھی میں اس کے سمجھنے سے قاصر رہا ہوں کہ مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی وغیرہ سے مل کر تو متحدہ قومیت بن سکے، مگر لیگ، احرار، جمعیۃ العلماء، وغیرہ مجالس اسلامیہ مل کر اسی طرح کی متحدہ قومیت نہ بنا سکیں! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبرت کے لیے ہمسایہ قوم کی نظیر سامنے ہے۔ اگر ہم اسلامی اخوت کا سبق بالکل فراموش کر چکے ہیں، تو اپنی ہموطن قوم کے رویہ ہی سے کچھ سبق حاصل کر لیں۔ ... آج کل ایک طرف انگریز کے مقابلہ پر آزادی کی جنگ اور دوسری طرف ہندو کے مقابلہ پر حقوق کی جنگ لڑی جا رہی ہے، لیکن کیا قرآن نے ہم کو جنگ میں کامیاب ہونے کا کوئی قانون نہیں بتلایا ہے؟ جس طرح ہر ایک قوم کا طریقہ جنگ اپنا تجویز کیا ہوا ہے، مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے خود اس کے سوچنے کی بھی تکلیف نہیں دی، اس نے کس قدر وضاحت کے ساتھ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے اصول مقرر کر دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں، یا ایها الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ واطیعوا اللہ ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارهم بطرا ورئاء الناس [illegible] الآیۃ۔ اسلام کا طریقہ جنگ یہی ہے۔ [illegible] کی طاقت [illegible] کے برابر ہو، کچھ پروا نہیں، ہاں واعدوا لهم ما استطعتم [illegible] غفلت نہیں ہونی چاہیے۔"

مکتوب گرامی کا لفظ لفظ درست ہے۔ لیکن ضرورت کلیۃً اس قسم کے نکات و اصلاحات سے پوری نہیں ہو سکتی۔ کاش صاحب مکتوب کو اس مقصد کے لیے مستقل وقت نکال سکتے۔ "تحریک خلافت" کا زمانہ سامنے دیکھیے۔ دیکھتے دیکھتے، علماء کے نشاۃ [illegible] احرار کے [illegible] یہ تحریک کہاں سے کہاں پہونچ گئی، محض اس لیے کہ تحریک کے بانی کے دل پر ایک دُھن سوار تھی، اور وہ اپنے وقت کے چوبیسوں گھنٹے اسی مقصد کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ عبرت کی جگہ ہے کہ ہمت، عزم، مستعدی، سرگرمی سب ایک ایک کر کے اہل حق سے ملاحدہ سے متعلق ہوتے جا رہے ہیں!

قرآن کیا ہے؟

(از عبد الماجد)

[ذیل کی تقریر کسی قدر اختصار کے ساتھ، لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ۱۰ اپریل کی شام کو نشر کی گئی، اور اب بعد تصحیح و تکمیل اسٹیشن ڈائرکٹر کی اجازت سے شائع ہو رہی ہے]

رات کا وقت ہے۔ تارے آسمان پر چھٹکے ہوئے۔ دنیا اندھیرے کی چادر میں لپٹی ہوئی۔ مخلوقات خوابِ غفلت میں مدہوش۔ ایک غار کا بندہ ہے کہ اس وقت بھی ہوشیار۔ بصارت اور بصیرت دونوں بیدار۔ یکایک آسمان سے ریڈیو سٹ مکہ کی سرزمین پر نشر شروع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلی لہر جو کرۂ زمین کی فضا میں براڈکاسٹ ہوتی ہے، اسکا عربی تلفظ ہے اِقرأ۔ یعنی پڑھ۔ "قرآن" بھی اسی مادہ سے بنا ہے، اسکے معنی ہیں وہ چیز جو پڑھی جائے، وہ چیز جو پڑھنے کے لیے ہے۔ سنہ شمسی مسیحی سے حساب لگائیے، تو یہ بات آج سے ۱۳۲۹ سال قبل، سنہ ۶۱۰ء عیسوی کی ہے، اور سنہ قمری اسلامی کو نگاہ میں رکھیے تو سنہ ۱۳۵۸ ہجری پر ۱۳ سال اور جوڑ کر ۱۳۷۱ کی مدت اسے گزرے ہوئے سمجھ لیجیے۔

قرآن آسمان سے لکھا لکھایا ایک دن میں یکبارگی نہیں اتر آیا۔ کل مدت کوئی ۲۲-۲۳ سال کی لگی۔ کبھی کوئی ایک آدھ آیت نازل ہوتی تھی، کبھی اکٹھی بہت سی آیتیں، کبھی نزول بہت جلد جلد ہوتا، کبھی درمیان میں لمبے لمبے وقفے ہو جاتے۔ اس غیبی ریڈیو کے اناؤنسر کہنا چاہیے کہ مشہور و معزز فرشتہ حضرت جبرئیل امین تھے۔ اور عرش الٰہی سے اٹھنے والی   کو قبول کرنے والی پلیٹ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے قلب مبارک کی لوح اصفا تھی۔

قرآن کا سب سے پہلا وصف، جو قرآن کے شروع ہی میں بیان ہوا ہے، یہ ہے کہ وہ ایک کتاب ہے، ایک منضبط تحریر، ایک آئی ہوئی وحی الٰہی ہے، محض زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں۔ اور اسکی کتابیت ایسی ہے کہ اسکے سارے اوصاف سے زیادہ نمایاں۔ یہاں تک کہ آج اسکے سامنے دنیا کی کسی اور کتاب کو "کتاب" بس مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے۔ یہ خوش عقیدگی نہیں، اظہارِ واقعہ ہے۔ خیال کر کے دیکھیے۔ آج روئے زمین کے مختلف حصوں میں مسلمان ۴۰ کروڑ آباد ہیں۔ ان میں نمازی اگر ۵ فی صدی فرض کیے جائیں، جب بھی نمازیوں کی تعداد ۲ کروڑ نکلتی ہے۔ اور جتنے نمازی ہیں، سب قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہی یاد رکھتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔ نفلوں کو چھوڑیے، جو نمازیں فرض ہیں، وہی پانچ مرتبہ روزانہ ہیں اور قرآن ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے! اور سال کے پورے مہینہ رمضان میں قرآن کا جو دور رات کی نمازوں میں ہوتا رہتا ہے وہ اسکے علاوہ۔ اور قرآن کے حافظوں کا یعنی ان کا جنھیں قرآن اول سے آخر تک ازبر ہوتا ہے، کوئی شمار ہی نہیں! مصر، شام، فلسطین، عراق وغیرہ میں یہود اور مسیحیوں کو جو سورتوں پر سورتیں یاد ہیں، وہ الگ۔ اور پھر دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں، قرآن، جو عربی ادب کے نصاب میں داخل ہے، وہ ان سب پر مستزاد ——— حکم "اقرأ" کی تعمیل اور "کتاب" کی پڑھائی کی ایسی مثال اس روئے زمین پر اور کہاں ملیگی؟ جبھی تو یہ شہادت، ایک مسلم نہیں غیر مسلم فاضل کی زبان کی، قرآن کے حق میں، ادا ہوئی ہے کہ وہ

"سب سے زیادہ پڑھی جانے والی موجود کتاب" ہے

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۵، ص ۸۹۹ گیارہواں ایڈیشن۔ انگریزی کے اصل الفاظ ہیں)

اسلام کا عقیدہ یہ نہیں، کہ رسولؐ، اسلام، بندہ یا بشر ہونے کے علاوہ کچھ بھی اور تھے، وہ محض انسان تھے، جیسے ہم سب ہوتے ہیں۔ البتہ اپنی صفائے قلب، پاکیزگی ضمیر، بلندی روح کے لحاظ سے ہم سب کے سرور و سردار تھے۔ قرآن آپ کے قلب پر نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ادھر کلام الٰہی فرشتہ کی زبان سے نکلا، آپ اسے سنتے جاتے، اور ادھر وہ کلام آپ کی لوح قلب پر نقش ہوتا جاتا۔ اور اسکے بعد آپ اسے دوسروں کو پڑھ کر سنا دیتے۔ عرب کا حافظہ ضرب المثل کی شہرت رکھتا ہے، انکی قومی تاریخ کا دار و مدار انکے حافظہ ہی پر تھا۔ بڑے بڑے طویل نسب نامے انھیں نوک زبان رہتے ——— نسب نامے اپنے ہی نہیں، اپنے جانوروں تک کے! ——— شاعروں کے دیوان کے دیوان انھیں ازبر رہتے۔ یورپ خود اہل عرب کی قوت حفظ پر حیرت کر رہا ہے۔ اور پھر یہاں تو اس فطری قوت حفظ کے ساتھ دلی عقیدت و شیفتگی بھی جمع ہو گئی تھی، جو کچھ بھی سنتے سب نقطہ و شوشہ، زیر و زبر کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ صفحۂ دل پر اس طرح اتار لیتے کہ گویا پتھر پر لکیر بن گئی!

حفاظت قرآن کے لیے خود یہی کیا کم تھا۔ اسکو تکمیل یوں پہونچی کہ قرآن عین اسی زمانہ سے نماز میں پڑھنا فرض ہو گیا۔ کوئی یہ سورت پڑھ رہا ہے کوئی وہ۔ فلاں فلاں آیتیں اس نماز میں دوہرائی جا رہی ہیں، فلاں فلاں اس نماز میں۔ یہ ہر وقت کا دور اور تکرار تو ایسی چیز ہے کہ کمزور حافظہ والوں کو بھی بات بھولنے نہیں دیتی، چہ جائیکہ جب یہ عمل عرب جیسی زبردست حافظہ والی قوم شروع کر دے۔ رسولؐ کے ایک صحابی تھے حضرت عبداللہ بن مسعود، قرآن کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۷۰ تو تنہا انھیں کو یاد تھیں، لیکن اتنے پر بھی بس نہیں۔ حفاظت قرآن کا سامان کافی کی حدود سے کہیں زائد۔ رسول کے ایک نہیں، کئی ایک رفیقوں یعنی صحابیوں نے مختلف سورتوں کو لکھنا بھی شروع کر دیا........................ حدیث میں ان صحابیوں کے نام تک دیے ہوئے ہیں۔ کاغذ کا کام اسی زمانہ میں عمدہ باریک چمڑے سے لیا جاتا تھا، کچھ قرآن اس پر لکھ لیا گیا۔ کچھ کھجور کے پتوں پر اتار لیا گیا، کچھ

لکڑی کی تختیوں پر نقش کرالیا گیا - غرض اس طرح متفرق طور پر، کئی کئی نقلیں قرآن کی رسولؐ کے زمانۂ مبارک ہی میں ہوگئی تھیں - حضرت زید بن ثابتؓ ان سب لکھنے والوں کے سردار اور کہنا چاہیے کہ صاحب قرآن کے باضابطہ سکریٹری تھے - حدیث میں انکا نام "کاتب الوحی" آتا ہے -

یہ تفصیل اس غرض سے کی گئی کہ قرآن کی محفوظیت کا نقشہ نظر کے سامنے آجائے، اور یہ اسی اہتمام کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان جہاں کہیں بھی آباد ہیں، چاہے وہ برازیل ہو یا چین، فرانس ہو یا [illegible] جاوا ہو یا فن لینڈ - اور خواہ کسی فرقے [illegible] سب کا قرآن [illegible] [illegible] دو حرفوں کے [illegible] قرآن کے بے تکلف اور بے شمار نسخوں میں، اختلاف سورتوں کا، آیتوں کا الگ رہا، کوئی اگر ڈھونڈھے لفظوں کا اور حرفوں کا، نقطوں کا یا شوشوں کا بھی نکالنا چاہے، تو [illegible] سے رخصت ہو جائیگا -

اور پھر حافظوں کا وہ عجیب و غریب [illegible] شمار ہونے کے قابل ہے۔ آج [illegible] قرآن کا لفظ لفظ اور حرف حرف [illegible] اس کثرت سے لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے [illegible] اگر خدانخواستہ سارے [illegible] کے لکھے ہوئے [illegible] اور چھپے ہوئے قرآن، دنیا سے ناپید ہو جائیں، تو [illegible] ان زندہ اور متحرک قرآنوں کی مدد سے سارا قرآن، اول سے آخر تک بلا دقت لکھوایا جا سکتا ہے -

خود اس تقریر کے سننے والوں میں آج خدا جانے کتنے حافظ موجود ہونگے۔ مجھ سے اگر قرآن کی کسی آیت کے پڑھنے میں غلطی ایک لفظ کی نہیں، ایک حرف کی، ایک حرف کی بھی نہیں، محض اسکے زیر زبر کی ہو جائے، تو سیکڑوں آوازیں ٹوکنے والی، اپنی اپنی جگہ پر اکبارگی بلند ہو جائیں۔ قرآن کا یہ وصف وہ ہے، جسکا اقرار جتنا ماننے والوں کو ہے، اسی قدر منکروں کو بھی - نولڈیکی اور مارگولیس، معتقد و مومن نہیں، نکتہ چیں و حرف گیر ہیں، اور قرآن کو کلام الٰہی نہیں، زور و شور سے کلام بشر قرار دینے والوں میں ہیں، لیکن اتنا بہرحال کہے جاتے ہیں کہ یہ ہے وہی کلام جو ساڑھے تیرہ سو سال قبل مکہ و مدینہ کی گلیوں میں [illegible] صاحب قرآن کی زبان سے ادا ہوا تھا!

قرآن، پڑھائی کی سہولت کے خیال سے ۳۰ برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے - ہر حصہ ایک پارہ کہلاتا ہے - لیکن اصلی تقسیم رسول اللہؐ کی فرمائی ہوئی پاروں میں نہیں، سورتوں میں ہے - سورۃ وہی چیز ہے، جسے ہم دوسری کتابوں میں باب کہتے ہیں - کل سورتیں ۱۱۴ ہیں - آیت کو عام بول چال میں جملہ سمجھیے اور بائبل کی اصطلاح میں درس۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی، تو رسول اللہؐ فرماتے کہ اسکو فلاں سورت میں لکھ لو، اب فلاں سورت ختم کرو - اس طرح سارا قرآن آپؐ اپنے سامنے مرتب فرما گئے - آپؐ کے بعد، جب بہت سے حافظ، جہاد میں شہید ہو گئے تو یہ طے کر لیا کہ سارا قرآن ایک جگہ مرتب کرکے لکھ لیا جائے - چنانچہ لکھ لیا گیا - اسکے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں یہ کیا، کہ اپنی نگرانی میں، دوسرے ماہرین قرآن صحابیوں کی مدد و مشورہ سے ایک مکمل صحیح نسخہ قرآن کا نقل کرا دیا، اور پھر اس صحیح و مستند نسخہ کی نقلیں، دوسرے مرکزی شہروں میں بھجوا دیں، کہ اغلاط کتابت کا کبھی ڈر نہ رہے - آج دنیا میں جتنے قرآن ہیں، سارے کے سارے گویا اسی چراغ سے، دوسرے چراغ برابر جلتے چلے آرہے ہیں -

آیات قرآنی کی کل تعداد ۶٫۶۱۶ ہے، اور الفاظ قرآنی کی ۷۷٫۹۳۴، اور بعض نے ہمت کرکے حروف قرآنی کو بھی گن ڈالا ہے، اور ان کی تعداد ۳۲۳٫۷۶۰ بتائی ہے - قرآن کی شرحیں، جن کو تفسیریں کہتے ہیں، عربی میں بڑی کثرت سے لکھی گئیں، اور اب تک لکھی جا رہی ہیں - ہر شارح نے قرآن کو اپنے فہم و فکر کے مطابق سمجھنا اور سمجھانا چاہا ہے - اور چونکہ ہر دور کے [illegible] دوسرے سے مختلف ہونا لازمی ہیں، اس لیے تفسیروں کا باہمی اختلاف نہ عجیب ہے نہ قابل اعتراض - ترجمے بھی متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں اور روز بروز ہوتے جاتے ہیں - فارسی کا پہلا ترجمہ شیخ سعدی کی جانب منسوب ہے - جاپانی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور چینی زبان میں [illegible] متعدد موجود ہیں۔ ہندوستان میں ہندی، تلنگی اور تامل زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں - اور اردو میں ہر قسم کے ترجمے کم از کم ۲۰۰ کی تعداد میں ضرور موجود ہیں - پرانے ترجموں میں شہرت و استناد کے سب سے بڑے حصہ دار شاہ عبدالقادرؒ دہلوی اور شاہ رفیع الدینؒ دہلوی ہیں - حال کے حضرات کی کاوشوں کا بہترین نمونہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب کا حاشیہ ہے -

یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے قریب سے، پہلے پہل گو دشمن کی حیثیت سے سہی، بارھویں صدی عیسوی میں، کروسیڈس (جنگ صلیبی) کی تقریب سے دیکھا ... اور کہتے ہیں کہ لاطینی زبان میں پہلا ترجمہ رابرٹ آف ریٹینا کے قلم سے سنہ ۱۱۴۳ء میں ہوا - ۱۵۴۳ء میں ببلینڈر نے اس ترجمہ کو لاطینی زبان میں شائع کیا - پھر متعدد ترجمے فرنچ اور اٹالین میں ہوئے - سنہ ۱۶۴۹ء میں پہلا انگریزی ترجمہ، فرنچ کے واسطے سے، الگزنڈر راس کے قلم سے ہوا - قرآن کے لاطینی ترجمے سنہ ۱۶۹۸ میں [illegible] ہو چکی - جارج سیل کا انگریزی ترجمہ سنہ ۱۷۳۴ء میں نکلا، اور اس نے انگریزی ترجموں کی راہ کھول دی - [illegible] یورپ سے آخر تک [illegible] سب [illegible] مترجمین [illegible] - مسلم انگریز [illegible] کے قلم سے ترجمہ نکلے ہوئے ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں - ہندی مسلمانوں نے بھی انگریزی ترجموں میں خاصا حصہ لیا - اس جماعت کا تازہ ترین شاہکار عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ ہے - ڈچ اور جرمنی زبانوں میں ترجمے لاہور کی ایک انجمن کی طرف سے حال ہی میں ہوئے ہیں -

---

قرآن محض کتاب العقائد نہیں - الہیات، عبادات، معاملات، فقہ، قانون سب کا جامع، زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے، اور اس لحاظ سے سر ڈینسن راس کا یہ لکھنا بالکل حق ہے کہ قرآن کی حیثیت مسلمانوں

نظر میں اس سے نہیں بڑھ چڑھ کر ہے، جو بائبل کی مسیحیوں کی نظر میں ہے۔

قرآن کی اصلی اور بنیادی تعلیم توحید ہے۔ سیکڑوں کیا ہزاروں آیتوں میں اسی ایک مضمون کو دہرایا ہے۔ ہر پہلو سے، کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔ سب اُسکے مخلوق سب اُسکے بندے۔ نہ کوئی نہ اسکا مظہر نہ اسکا بیٹا۔ قدیم صرف اُسی کی ذات، باقی سب حادث و فانی۔ روح، فرشتہ، پیغمبر، سب اُس کے محتاج وہ خود سب سے بے نیاز۔ سب اُسی کے ارشاد و مشیت سے مسبب ہوئے۔ وہی سب کو عدم محض سے وجود میں لایا، بغیر روح، مادہ یا کسی اور سہارے کے۔ وہی سب کا خالق، وہی سب کا رازق، وہی جلاتا ہے، وہی پالتا ہے، وہی مارتا ہے۔ وہی قدرت والا، علم والا، حکمت والا ہے۔ نہایت درجہ شفیق و علیم کریم و رحیم۔ بندوں کو نیک و بد پوری طرح سمجھا کر، دونوں راہیں اُنکے سامنے کھلی چھوڑ دی ہیں، اب جو چاہے اپنی عقل و قوت ارادہ کے صحیح استعمال سے راہ راست اختیار کرے۔ جسکا نتیجہ راحت ہی راحت ہے۔ اور جو بدبخت چاہے، اپنی بدفہمی اور کج روی سے غلط راستہ پر پڑے، جسکا انجام مصیبت ہی مصیبت ہے۔ نہ ظالموں کو اُنکے عمل کی سزا بھگتنا پڑیگا۔ اور یہی اس کا غضب و انتقام ہے۔ لیکن کوئی مجبوری، پابندی اس پر اس باب میں نہیں۔ جسکو چاہے، معاف بھی کر سکتا ہے۔

اسکی معدلت کامل کے پورے ظہور کے لیے لازمی ہے کہ جس آج کا ایک کل بھی ہو۔ اس لیے اس سلسلۂ کائنات کا خاتمہ ہوکر قیامت قائم ہوگی۔ جو حقیقتیں آج "غیب" ہیں کل کو شاہد و مشہود ہو جائینگی، آج جو پردہ پڑا ہوا ہے، وہ سب کی آنکھوں سے ہٹ جائیگا، اور یہ حقیقتیں اپنی شکل میں ہر ایک کو نظر آجائینگی۔ عمل و عقیدہ کے جو تخم آج بوئے جا چکے ہیں، کل سب پورے درخت ہوکر نمایاں ہونگے۔ نیکوں کے لیے جو آخری اور ابدی آرامگاہ ہے، اُسکا نام جنت ہے، جہاں کی نعمتوں کی کوئی حد ہے نہ انتہا۔ بدوں کے لیے جو دائمی جیلخانہ ہے، اُس کا نام دوزخ یا جہنم ہے۔ جن بدنصیبوں نے اپنی روح میں جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رکھی ہے، اُنکے لیے اس قیدخانہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے گوبر کا کیڑا عطر و مشک کے اندر زندہ نہیں رہ سکتا۔

خدا نے عقل، فہم سے بھی بڑھ کر ایک اور نعمت انسان کو دی ہے، اُسکا نام "وحی" ہے۔ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ہر ملک اور ہر زمانہ میں وہ اپنے کسی بندہ کو اپنا خاص پیام بھیجتا رہتا ہے، اُسے وحی کہتے ہیں۔ اور ایسے بندہ کو پیغمبر یا رسول۔ پیغمبروں پر کتابیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ خدا اور رسول کے درمیان وحی کا کام ایک نوری مخلوق سے لیا جاتا ہے، جسے فرشتہ کہتے ہیں۔ سارا نظام حکومت الٰہی میں قانون الٰہی کا نفاذ انھیں فرشتوں کے ذریعہ سے ہوتا رہتا ہے۔ بس اسکے سوا فرشتوں کی کوئی اہمیت نہیں، کارخانۂ قدرت میں بجائے خود کوئی دخل، تصرف، اختیار انھیں مستقل حاصل نہیں۔ کتابوں کے سلسلہ کی سب سے آخری کتاب کا نام قرآن ہے۔ زندگی

کے اس کامل و محفوظ دستور العمل کے بعد اب قطعاً کسی دوسرے ہدایت نامہ کی دنیا کو ضرورت نہیں رہی۔ اور پیغمبروں کے سلسلہ کے خاتم محمد مصطفے صلعم ہیں، جنکا لایا ہوا قانون شریعت اتنا جامع و مفصل اور تمام ضروریات و حالات بشری کا اسی طرح کفیل ہے کہ اب گنجائش نہ کسی نبی جدید کی نہ کسی نبوت مزید کی۔ آیندہ جتنی بھی ضرورتیں پیش آئینگی سب کے حل اسی عالمگیر شریعت کے کلیات سے نکلتے رہیں گے۔

(قرآن کے بتلائے ہوئے اہم و بنیادی عقائد بس اسی قدر ہیں۔

اصلاح عقائد کے بعد قرآن کا سارا زور اصلاح عمل پر ہے۔ عبادات کے سلسلہ میں اسنے سب سے پہلے نماز کو پیش کیا ہے۔ صبح تڑکے قبل طلوع، اور بعد دوپہر، اور سہ پہر کو اور شام کو، اور کچھ رات گئے پانچ وقت ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ جسم کو ایک خاص طریقہ پر پاک و صاف کرکے، جسے وضو کہتے ہیں، کعبہ کی طرف منہ کرکے، ایک خاص طریقہ پر کھڑے ہوکر اور جھک کر اور زمین پر گر کر اپنے پروردگار کو یاد کرے۔ اور اس سے زیادہ بھی کر سکے تو بہتر ہے۔ مردوں پر لازم ہے کہ نماز مسجد میں جاکر حتی الامکان جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ دن میں پانچ پانچ مرتبہ ایک خاص وقت پر، ایک خاص سمت رخ کرکے بڑے اور چھوٹے، امیر و غریب، عالم و عامی سب کا ایک ساتھ ہاتھ باندھنا، ایک ساتھ جھکنا اور گرنا اور اٹھنا، ایک ساتھ عرض و معروض کرنا، اپنے اندر جو ذخیرہ روحانی و مادی اسرار کا رکھتا ہے، اُنکی جانب اگر اشارہ بھی کیا جائے، تو یہ تقریر اپنی پا ڈیڑھ گھنٹے کی بندھی ہوئی مدت سے کہیں بڑھ جائے۔

نماز کے بعد دوسرا فرض رمضان کے روزے ہیں۔ چاند کے سال میں جب نواں مہینہ یعنی رمضان کا چاند نظر آتا ہے، اُس وقت سے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہوتا ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک صبح تڑکے سے لیکر غروب آفتاب تک اپنے کو بھوک پیاس وغیرہ جائز جسمانی خواہشوں سے بچائے رکھے، اور ان لذتوں سے اپنے کو محروم کیے رکھے۔ سال کے بارہویں حصہ میں یہ مسلسل مجاہدہ، یا انگریزی اصطلاح میں ڈسپلن، اگر اپنے شرائط کے ساتھ پورا کر لیا جائے، تو یہ ایک عجیب و غریب روح، مادی و روحانی دونوں حیثیتوں سے امت اسلامی میں پھونک دیتا ہے۔

تیسرا رکن عبادات اسلامی کا زکوٰۃ، اور چوتھا حج ہے۔ قرآن نے نیک کاموں میں خرچ کی انتہائی ترغیب دی ہے، لیکن اسکے علاوہ خوشحال لوگوں پر اُنکے مال کا ۱/۴۰ حصہ کار خیر میں دیتے رہنا لازمی بھی کر دیا ہے۔ اسی کا نام زکوٰۃ ہے۔ سونا، چاندی، غلہ، جانوروں سب کے لیے الگ الگ شرحیں ہیں۔ اس خدائی ٹیکس کی دنیوی مصلحتوں اور حکمتوں کا حال آج کسی ماہر معاشیات سے پوچھ دیکھیے۔ حج نام ہے اس سالانہ اجتماع کا، جو مرکز اسلام، مکہ میں، خانہ کعبہ کے اردگرد، اسلامی سال کے آخری مہینہ، ذی الحج کی ۸ تاریخ سے لیکر ۱۲، ۱۳ تک ہوتا رہتا ہے۔ اس میں شرکت، مواقف وغیرہ خاص شرائط کے ساتھ دنیا کے ہر گوشہ کے صاحب مقدرت مسلمان پر فرض ہے۔ یہ

بین الاقوامی یا انٹرنیشنل کانگریس روحانی پہلو کو چھوڑ دیجیے [illegible] منافع کے
اعتبار سے بھی بس اپنی آپ نظیر ہے۔ امریکہ کے ایک صاحب نظر مفکر
ڈینسٹن نے سائیکالوجی (نفسیات) اور سوشیالوجی (اجتماعیات) پر ایک
بلند پایہ تصنیف Emotion as the Basis of Civilisation
کے نام سے ابھی کچھ روز ہوئے شائع کی ہے
اس میں ضمناً و تمثیلاً ذکر ان چاروں ارکان اسلام کا آگیا ہے۔ مصنف نے
چاروں کی [illegible] کھول کر دی ہے اور ایک نام تو صرف [illegible]
[illegible] دبا گیا ہے ورنہ [illegible] بقیہ تینوں کی اسی طرح کھل [illegible] ہیں۔

عبادات کا رخ براہ راست خالق کی طرف ہوا ہے [illegible]
ہیں، جہاں سابقہ ایک مخلوق کا دوسری مخلوق سے رہتا ہے اور جس
کا نام اخلاق اور معاملات ہے۔ [illegible] انسان کا [illegible] انسان کے
ساتھ، بیوی کے ساتھ، [illegible] کے ساتھ، حکام کے ساتھ
ہم سفر کے ساتھ، ہمسایہ کے ساتھ، خود اپنے نفس کے ساتھ، غرض سب
ہی کے ساتھ آجاتا ہے۔ قرآن نے [illegible] سارے شعبوں کے
متعلق ایک ہمہ گیر ضابطۂ عمل پیش کیا ہے [illegible] عبادات سے
[illegible]
[illegible]
[illegible] آئے میں ملیں۔

قرآن کے نقشہ [illegible] شراب [illegible] بعض [illegible] جانور مثلاً
سور حرام، کوئی سا بھی جانور ہو جب تک خدا کا نام لیکر اسے ذبح
نہ کیا جائے، حلال نہیں۔ سود کا لین دین [illegible]
حرام۔ جوئے کی اجازت قطعاً نہیں۔ مرد و عورت کی آزادانہ خلا ملا کی
[illegible] نظروں پر پہرا بٹھا ہوا، گندہ [illegible] نظمیں، افسانے، گندے
تماشے، ناٹک، سوانگ [illegible] الگ رہیں، قرآن ان کے
تذکرے اور چرچوں کا بھی روادار نہیں۔ غیبت، جھوٹ، بہتان،
[illegible] بدعہدی، تجارتی دھوکا [illegible] سب کی روک تھام [illegible]
سخت سے سخت سزائیں [illegible]
[illegible] دینے کے باب میں [illegible] کہ کسی حال میں اور کسی ضرورت
سے بھی انکی گنجائش ہی نہ نکلے، اور نہ اتنی آزادی کہ جب جس کا جی چاہے
بغیر کوئی ذمہ داری محسوس کیے کر گذرے۔ دین فطرت نے [illegible]
فطرت بشری کے مطابق ہر جگہ مناسب قیود، ہر قدم پر مصلحت و حکمت
کے حدود۔ عورت کو نہ اتنا دبایا کہ بیوی کو لونڈی بناکر چھوڑا، [illegible]
کہ شوہروں پر [illegible] اور [illegible]
حدود انکے اوپر، انکی ذمہ داریاں انکے سر، [illegible]
[illegible] فرض ہے۔ خرچ [illegible]
[illegible]
[illegible] کوئی چوری [illegible]
[illegible]
[illegible] عزیزوں، مسکینوں، پڑوسیوں [illegible]

سب کے حقوق ادا کرتے واجب۔ بلا ضرورت اور بغیر مقصد صحیح کسی
مخلوق پر بھی ہاتھ اٹھانا جائز نہیں، اور جب قانون شریعت کے مطابق
ضرورت آپڑے، تو پھر خدا کی راہ میں بندہ، بڑھ بڑھ کر اپنی جان
دے اور دوسرے کی جان لے۔

قرآن کی حکومت اگر کسی خطۂ زمین پر قائم ہو جائے، تو آبکاری کا
محکمۂ شریعت تو اسی دن تخفیف میں آجائے، بڑے بڑے ہوٹلوں سے
پینے پلانے کی [illegible] خرابیوں [illegible]
[illegible] دنیا میں [illegible] خانوں، سینماؤں، گھروں میں جھاڑو
پھر جائے۔ قمار [illegible] نقل [illegible] اونچے
اونچے کوٹھوں میں [illegible] اجڑ جائیں۔ ایکٹروں
اور ایکٹرسوں کا بازار سرد ہوکر رہ جائے [illegible] میں نوبت
فاقہ کشی کی آجائے۔ سینما اور تھیٹر [illegible] کے سبب
پردہ پڑ جائے۔ عدالتوں کی رونق [illegible] جان دروغ حلفی
جاتی رہے۔ بینکوں اور [illegible] ٹوٹنے لگیں۔
[illegible] تصویر [illegible] بجائے
مجرموں کی [illegible] گھٹتے گھٹتے صفر
[illegible] جائے
ڈپلومیسی کے [illegible] اور آرٹ اور
فائن آرٹ [illegible] جوان کو
[illegible] جائیں!

اسٹراپپ - یعنی شربت پینے کی نلکیاں!

تمام برادران اسلام کو اس امر سے مطلع کرنا ضروری ہے کہ یہ نلکیاں جو شربت پینے
کے لیے اکثر [illegible] شربت کی دکانوں میں [illegible] پانی میں ڈوبنے
کی غذ سے [illegible] مسلمان [illegible] کسی گھاس
پھوس [illegible] ایک قسم کی صاف کی
ہوئی چربی [illegible] امریکہ میں زیادہ تر سور
کی چربی سے [illegible] - تبدیلی
لیمپ کی گرم چمنی پر اسکو رگڑا جائے تو [illegible] معلوم کیا جا
سکتا ہے - اور اگر [illegible] بھگو دیا جائے
تو چربی گھل کر الگ ہو جائیگی اور سادہ کاغذ رہ جائیگا غرض یہ نلکیاں
کاغذ کے سوا کوئی دوسری چیز [illegible] صورت شکل [illegible]
چربی چڑھائی جاسکتی ہے۔ پھر چونکہ یہ نلکیاں امریکہ کی تیار کردہ ہیں اسلیے ظاہر
ہے کہ اگر سور کی چربی نہ بھی ہو تو غیر ذبیحہ جانوروں کی چربی سے تیار کردہ ضرور
ہے۔ پس تمام مسلمان بھائیوں سے درخواست ہے [illegible] استعمال سے
[illegible]
[illegible] اس ناپاک
[illegible]

زین الدین احمد
[illegible]

مصالحت

(عالم خیال میں)

(از مولانا عبدالماجد صاحب)

[امین الدولہ پارک لکھنؤ میں شیعہ سنی کا ایک مخلوط مجمع ہزارہا کی تعداد میں ہے۔ جلسہ شروع ہوتا ہے۔ ایک خادم اسلام، گمنام، تقریر کرتا ہے]

کہنے والا تو یہ کہہ گیا ہے ؎

سرِ حق را تو چہ دانی رہ غبی   تو گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ!

لیکن میں یہ نہیں کہتا۔ میں اس گرفتاری سے آپ کو آزاد کرانے نہیں کھڑا ہوا ہوں، اس میں آپ کو اور زیادہ گرفتار دیکھنا چاہتا ہوں۔ رازِ حق ابوبکرؓ و علیؓ سے بے نیاز ہوکر نہیں، انھیں کی کفش برداری سے نصیب ہوگا۔

پہلے عرض کچھ اہل سنت سے کرنا ہے۔ آپ حضرات کا حق مدح سنی بالکل مسلّم۔ شرعًا کے علاوہ عقلاً بھی، قانونًا بھی۔ اس حق کا حق ہونا نہ اب معرض بحث میں ہے، نہ اب کسی کو اس میں کلام و گفتگو۔ گزارش صرف یہ ہے کہ مدح صحابہ کے معنی کیا ہیں؟ کیا تفصیلاً جماعتِ صحابہ کرام کے ایک ایک فرد کی مدح و منقبت؟ لیکن صحابیوں کی تعداد آپ کے اکابر کی تحقیق کے مطابق دس بیس نہیں، سو پچاس نہیں، ہزار دو ہزار بھی نہیں، ایک لاکھ سے زائد ہے! ایک قول ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار۔ عملاً کوئی صورت اسکی ممکن ہے کہ آپ نام بنام، ان دسیوں کی اس ساری جماعت کے مناقب و فضائل پڑھتے ہوئے جلوس نکالیں؟ جلوس نہ سہی، گھر پر بھی تنہائی میں ایک ایک کا نام لے سکیں؟ محض اس عدد کے شمار کرنے میں کتنا وقت صرف ہو جائیگا؟ آپ کے بڑے سے بڑے محترم عالم و رہنما نے بھی کبھی اپنے حق کا استعمال اس خاص صورت میں کیا ہے، یا آیندہ کر سکتے ہیں؟ سوال کا جواب ایمان و دیانت کے ساتھ دیجیے۔ (آوازیں آئیں، نہیں، یہ ممکن الفعل نہیں)

پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ کرتے یہ ہیں کہ اس عظیم الشان گروہ سے آپنے صرف چار کا انتخاب کر لیا ہے، اور یہ انتخاب بالکل صحیح ہے۔ انھیں چار کو آپ ساری جماعت کا نمایندہ قرار دیتے ہیں، اور جب آپ لفظ "مدح صحابہ" بولتے ہیں، تو مراد اس سے "مدح چار یار" لیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ (آوازیں آئیں "بالکل صحیح ہے")۔ اب صرف اتنا اور سوچ لیجیے کہ یہ انتخاب آپنے کس بنا پر کیا ہے؟ کیا ان بزرگوں کے نام میں کوئی بات ہے؟ حسب نسب میں کوئی خصوصیت ہے؟ صورت شکل میں کوئی امتیاز ہے؟ یہ بھی نہیں۔ انتخاب آپ نے اس بنا پر کیا ہے کہ ان چاروں کو خدمت دین، اشاعت دین متین، تدوین قرآن، تبلیغ ایمان کے موقعے اور سب حضرات سے زائد ملے۔ ایران میں اسلام انھوں نے پھیلایا، روم کو، شام کو، مصر کو، دین رسول کا کلمہ انھوں نے پڑھایا۔ لکھوکھا انسانوں کو حیوانوں سے انسان انھوں نے بنایا، قرآن پاک کو جمع و مرتب و مدوّن صورت میں یہ حضرات چھوڑ گئے، وغیرہ وغیرہ سب کا خلاصہ اشاعت و تمکین دین۔

حقیقۃً مدح کی بنیاد انکی یہ خصوصیات و خدمات ٹھیریں۔ خود قرآن مجید میں جہاں جہاں ان حضرات کی مدح آئی ہے نام لیکر نہیں آئی ہے، بلکہ انکی خصوصیات ہی کو بیان کر دیا ہے کہ وہ کافروں پر سخت تھے، آپس میں نرم تھے، بڑے رکوع کرنے والے، بڑے سجدہ کرنے والے تھے۔ اللہ کے فضل و کرم کا منہ تکنے والے تھے، انکی پیشانیوں پر سجدہ کے نشان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ غرض بجائے ناموں اور شخصیتوں کی تصریح کے، ذکر تمام انکی خصوصیات کا ہے۔ اور یہی قرآنی اور خدائی "مدح صحابہ" ہے۔

پھر جب آپ خود بعض درودوں میں اُن پر صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتے ہیں، تو کیا کرتے ہیں؟ صرف یہی کہتے ہیں نہ کہ خلفاء اصحابہ؟ یا ایک ایک کا نام لینے لگتے ہیں؟

میں نے ابتک جو کچھ عرض کیا، یہ عین حقیقت ہے یا نہیں؟ یہ میں اپنے برادران اہل سنت سے پوچھتا ہوں (آوازیں آئیں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے)۔

اب سوال شیعہ حضرات سے ہے۔ کیا آپ کو تاریخ کے حقائق سے انکار ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ کارنامے صحابیان رسولؐ کے نہیں، کسی اور کے ہیں؟ جواب دیجیے (آوازیں: "بیشک انھیں کے ہیں")۔ کیا آپ ان کارناموں کے اعزاز و اکرام کے منکر ہیں؟ کیا آپ کے خیال میں انکے یہ کارنامے اس قابل نہیں کہ انکی عزت کی جائے، انکا احترام کیا جائے؟ سوال فلاں و فلاں کی شخصیت کا ہرگز نہیں، سوال صرف ان درخشاں و نمایاں خدمات دین کا ہے۔ سوال اُن خدمات کی بابت ہے، جنکا اعتراف ہندوؤں، مسیحیوں، یہودیوں، سب کو ہے۔ کیا خدانخواستہ آپ دن کو دن اور رات کو رات کہتے شرمانے لگے ہیں؟ ہچکچانے لگے؟ جواب اسکا دیجیے۔ (آوازیں: "بیشک یہ کارنامے قابل صد احترام ہیں")۔ فالحمد للہ۔ بس تو آئیے، اور اپنے سنی بھائیوں کے ساتھ پکار پکار کر کہیے، کہ

"اللہ کی بیشمار رحمتیں نازل ہوں ہمارے سچے ہادی اور رسولؐ برحق پر، اور اُنکے رفیقوں پر، جنھوں نے اپنی عمریں خدمتِ دین کے لیے، توسیع مملکت اسلام کے لیے وقف کر دیں، جنھوں نے نبیؐ کے لگائے ہوئے پودے کو اپنے خون سے سینچا، پالا، بڑھایا۔ جنھوں نے کلام اللہ کو پھیلایا، جنھوں نے اپنی زندگیاں تکمیل دین کی خاطر قربان کر دیں، جو سچے تھے، عادل تھے، بامروت تھے، شجاع تھے۔ جو آئینہ تھے خلق رسول کریمؐ کا۔ اللہ اُن سے راضی، وہ اللہ سے راضی۔ اے اللہ اُنکے درجات بڑھا، اور ہم سب کو اُنکے نقش قدم پر چلا"!

(شیعہ و سنی سب ہم آواز ہوکر یہ "مدح صحابہ" پڑھتے ہیں)

میرے سنی بھائی بتائیں، کہ اب تو اُنکے دل کا ارمان نکل گیا؟ مدح صحابہ آپ نے پڑھ ڈالی، ڈنکے کی چوٹ پڑھ ڈالی، اور ایسی پڑھی کہ

شیعوں تک سے پڑھوالی۔ فرمائیے اب تو دل میں گرد کدورت کا کوئی نشان نہیں رہا؟ (شیعوں کی آوازیں: جی نہیں، اب دل بالکل صاف ہوگیا)

اب شیعہ حضرات توجہ فرمائیں، صرف دو لفظ آپ کی خدمت میں عرض کرنے ہیں۔ ابھی آپ نے دیکھ لیا کہ "مدح صحابہ" جسے اب تک ہوّا سمجھا جا رہا تھا، کیسی آسان اور خوشگوار چیز نکلی۔ اب پہلے خدا ذرا تبرّے پر غور فرمائیے اس لفظ کے عقب میں حقیقت کیا ہے۔ کیا آپ کو فلاں فلاں شخصیتوں سے کوئی ذاتی عداوت و عناد ہے؟ تبرّہ کی حقیقت بس اسقدر ہے نا، کہ آپ رسول، دین رسول، اور آل رسول کے دشمنوں سے اپنی بیزاری و برأت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں؟ یہی ہے! کچھ اور؟ (شیعوں کی آوازیں: بس یہی ہے") تو جب یہ ہے تو میں اپنے برادران اہل سنت سے پوچھتا ہوں، کہ اصولاً آپ میں سے کسی کو اس سے اختلاف ہے؟ خوب سمجھ لیجیے، سوال یہاں شخصیتوں کا ذرا بھی نہیں، صرف اصول کا ہے۔ شخصیتوں کا فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دیجیے، آپ صرف اعتقادی حیثیت سے یہ بتائیے، کہ کوئی سنی کسی دشمنِ دینِ رسول سے، دشمنِ آل رسول سے، راضی رہ سکتا ہے؟ (سنیوں کی آوازیں: "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں") الحمدللہ۔ تو بس پھر آپ ایک خاص اصطلاح کے درمیان میں آجانے سے کیوں چڑھتے ہیں؟ اس میں کونسی بات ذرہ بھر بھی آپ کے عقائد میں کھٹک لگانے والی ہے؟ ہمت کیجیے اور شیعوں کے ہم آواز ہو کر ناحق دبر ملا کہیے، کہ

"ہم بیزار ہیں رسول کے دشمنوں سے، دین رسول کے دشمنوں سے
آل رسول کے دشمنوں سے۔ ہم بیزار، ہمارا خدا بیزار، خدا
کے فرشتے بیزار۔ بیزار بیزار، ہزار بار بیزار"

(شیعہ وسنی دونوں یہ الفاظ دہراتے ہیں۔ اسکے بعد آپس میں گلے ملتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور یوم ولادت رسول حقیقۃً ان سب کے لیے یوم سعید و جشن عید بن جاتا ہے)

(حق-لکھنؤ)

(مفت) **میلاد النبیؐ** (مفت)

از حضرت مولانا احمد علی صاحب صدر انجمن خدام الدین لاہور

آپ قرآن حکیم کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی حکمت اصلیہ معلوم کر کے عشق محمدی اور اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ صادقہ اپنے اندر پیدا کرنا اور ان رسومات قبیحہ سے بچنا چاہتے ہیں جو آجکل کی مجالس میں رائج ہیں تو **ایک آنہ** کا ٹکٹ بلے محصول ڈاک و پیکنگ پتہ ذیل پر بھیجکر رسالہ **میلاد النبیؐ مفت** منگوا کر پڑھیے بلکہ ہو سکے تو زیادہ ٹکٹ بھیج کر زیادہ تعداد میں منگوا کر تقسیم کیجیے اور تبلیغ کا ثواب حاصل کیجیے۔

المعلن

ناظم شعبۂ تالیف اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالا لاہور

روشن خیالوں کی کارفرمائیاں

ہمیں معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ پنجاب کے چند تعلیم یافتہ نوجوانوں نے لاہور میں ایک انجمن قائم کی ہے۔ جس میں شریف گھرانے کی لڑکیوں کو پبلک اسٹیج پر رقص و سرود کے جوہر دکھانے کا "لطیف فن" سکھایا جاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس فن شریف کی سرپرستی ایسے "روشن خیال" مسلمان کو حاصل ہوئی ہے جنکی خاندانی شرافت و نجابت بے داغ شہرت کی سرمایہ دار ہے اور جنکے گھرانوں میں اب تک اسلامی اور مشرقی روایات زندہ ہیں۔ ہمارا نوجوان اور "مہذب" طبقہ مغرب کی تمام بیحیائیاں آرٹ اور فنون لطیفہ کے نام سے قبول کرتا جا رہا ہے۔ رقص و سرود، عریانی، صورت و سیرت کی تبدیلی اور شرمناک سے شرمناک حرکتوں کا ارتکاب اس لیے نہیں کیا جاتا کہ یہ چیزیں انکی نظریں فی الحقیقت خوبیاں ہیں اور انکے "محاسن" ان پر روشن ہو گئے ہیں، بلکہ اسلیے کیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں ایک ایسی قوم سے انہیں ملی ہیں جو حکمران ہے، ذی اقتدار ہے، اور سیاہ و سفید کی مالک ہے۔ اور چونکہ انکی ذہنیت کالجوں کے اندر غیر اسلامی سانچوں میں ڈھال دی گئی ہے اس لیے انکی گردن پر ہر وقت مرعوبیت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ اور وہ خوش ہے کہ غلامی کی ذلیل حالت میں اُسے حکمران قوم کی نقالی کی سعادت حاصل ہو گئی۔ اگر آج انگریز کی جگہ حبشیوں کی حکومت قائم ہو جائے تو یہی طبقہ جو چہرہ پر پوڈر لگا کر فرنگی دادا بننا چاہتا ہے، اپنے منہ پر سیاہی مل کر حبشی تہذیب میں شامل ہونے کی کوشش کریگا۔ اگر ہندوستان کی قسمت کی باگ ڈور کہیں جاپان کے قبضہ میں چلی جائے تو یہی طبقہ اپنے کو جاپانی تہذیب اختیار کرنے پر سب سے آگے نظر آئیگا۔

خدا معلوم ان "روشن خیالوں" نے نقالی اور تقلید کا مطلب کیا سمجھ رکھا ہے۔ مغربی محققین کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش میں ہر سال اپنی عزیز ترین جانوں کو قربان کرتے رہتے ہیں۔ مگر ہم نے کبھی نہیں سنا کہ مغرب کے ہندوستانی مقلدین انکی نقالی میں دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کے لیے اپنے "سنگار خانہ" سے باہر نکلے ہوں۔ مگر اپنے ملک میں عریانی اور بیحیائی کے کاموں میں یہ فوراً آگے بڑھ کر مغربیت کا استقبال کریں گے۔ اور خوش ہونگے کہ اُنھوں نے جہالت اور دقیانوسیت سے نکل کر علم و تہذیب سے رشتہ جوڑ لیا اور بہت آسانی سے اسلام کی بندشوں سے آزاد ہو گئے!

ہم ان نوجوانوں سے جنھوں نے لاہور میں یہ عجیب و غریب رقص نمائش قائم کی ہے عرض کرینگے کہ خدارا اپنے اوپر نہیں تو کم از کم مسلمانوں ہی پر رحم کریں اور اپنی آشفتگی اور آزاد خیالی کو اپنے ہی تک محدود رکھیں۔ آخر یہ کیا ضروری ہے کہ معصوم لڑکیوں کی زندگیوں کو رقص خانوں پر قربان کیا جائے؟ اگر انہیں "فنون لطیفہ" سے ایسی رغبت ہے کہ اسلامی حمیت و غیرت بھی انکے ضمیر کو ملامت نہیں کر سکتی تو انہیں اس خواہش کی تکمیل کے لیے فرنگی اور مغربی گھرانوں کا انتخاب کر لینا چاہیے کہ قصہ زمین برسر زمین۔ اسکے بعد ہمیں کبھی شکایت کا کوئی موقعہ نہ رہے۔

(زمزم)

ہندو بھائیوں سے خطاب

(نواب سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ و سابق صدر اعظم دولت آصفیہ کے قلم سے)

... دکن آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے اسلامی بادشاہوں کے زیر نگیں رہتا آیا ہے۔ لیکن کیا کوئی عادل شاہیوں کے عدل پر حرف لا سکتا ہے۔ بہمنیوں کی رواداری کا ثبوت اس سلطنت کے ہمیں لفظ لفظ ملتا ہے۔ اسی طرح کیا کوئی ... یوں کے حسن سلوک سے انکار کر سکتا ہے؟ اور قطب شاہی عہد حکومت میں تو "اکنا۔ مادنا" کے سیاہ و سپید کے مالک ہونے کا واقعہ زبان زد عام ہے۔ یہی حال آصفجاہی سلطنت کا ہے جسکے ہر گوشہ میں مختلف اقوام ہر قسم کی آزادی پا رہی ہیں۔ امن و اطمینان سے جی رہی ہیں۔

کیا ان کے باوجود کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہماری حکومت نے ہنود پر ... مسلط کر رکھے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ اس کے طول و عرض میں بسنے والوں کو آخر کیا تکلیف ہے؟ کیا انکی جاگیریں ضبط کی جا رہی ہیں؟ انکی جائدادوں پر غاصبانہ قبضہ کیا جا رہا ہے؟ انکی تعلیمی حالت میں کوئی امتیاز برتا گیا ہے؟ انکی عبادت گاہوں پر کوئی قیود عاید کیے گئے ہیں؟ انکو ملکی خدمات میں حصہ لینے سے روکا گیا ہے؟ انکی عزت و آبرو خطرہ میں ہے؟ غرضکہ "ہندو مت" پر چلنے والوں کی وہ کونسی ایسی شکایت ہے جسکو حکومت نہیں سنتی؟ یا بادشاہ وقت کی بارگاہ سے انکا تصفیہ نہیں کیا جاتا؟ اگر کسی فرد کو کچھ کہنا ہے یا کوئی جماعت کچھ کہنا چاہتی ہے وہ پہلے میرے پاس آئے اپنا دکھ تو بیان کرے، اپنی تکلیف تو ظاہر کرے۔ اگر میرے نزدیک انکی شکایت واجبیت پر مبنی معلوم ہوئی اور اس میں تعصب و فرقہ پرستی کا کوئی شائبہ نہ پایا گیا تو میں بلاواسطہ اپنے بادشاہ سے عرض کرونگا اور انکی جائز شکایتوں کو ممکنہ سعی سے دور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دونگا۔

میں اس موقع پر اسکے اظہار میں ایک شدید درد محسوس کرتا ہوں کہ حیدرآباد کی بد امنی کا الزام ان لوگوں پر ہے جو اپنے کو وید کا پیرو بتا کر ہندو مت کو بدنام کر رہے ہیں جنکی معاشرت تو عام ہندوؤں سے ملتی جلتی ہے مگر انکے جدید اصول مذہب عام انسانیت کیلیے عذاب جان بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں اور عیسائیوں کے اولوالعزم پیغمبروں کو کیا سمجھتے ہیں جنھوں نے انسانیت پر نہ معلوم کیسے کیسے احسان کیے ہیں اور انسانوں کو کس طرح انسان بنایا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ خود ہندو مت کے عظیم الشان اوتاروں کے خلاف بھی زہر اگلنے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی سناتن دھرمی اسکو گوارا کر سکتا ہے کہ آریہ سماجی کرشن اوتار کا نام بد تہذیبی سے لیں انکی زندگی کو بگاڑ کر پیش کریں اور بیہودہ الزامات لگائیں۔ یہی بات اگر کسی مسلمان کی زبان سے نکلتی تو ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ آپ کیا کرتے۔ پھر یہ کیا ستم ہے کہ ہماری غیرت قومی انکے لغویات کو سن کر گو تلخ گھونٹ سمجھتی ہے مگر شربت بنا بنا کر پی جاتی ہے۔

میں چونکہ ہندو دھرم کا نام لیوا اور مہاراجہ چندو لال بکنیڈ اعظمی کا جانشین اور سناتن دھرمی ہوں اس لیے میری نگاہ شرم سے جھک جاتی ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض سناتن دھرمی بھی درپردہ اس انسانیت سوز پروپیگنڈے میں اُن مذہبی مجنونوں کے بہکانے سے شریک ہو رہے ہیں جو انکے مذہبی قوانین سے بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ سب کچھ سنتے بھی ہیں اور بجائے اسکے کہ انکی زبانیں بند کریں انکی بد تمیزیوں کو رد کریں انکے ہمنوا ہو کر انکا اثر قبول کرتے جا رہے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ دکن کے مسلم اور ہندو اس سلطنت ابد مدت کے دو بازو ہیں جن میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور اس کو دکن کی دنیا خوب جانتی ہے کہ یہاں کے ہر چھوٹے بڑے ہندو خاندان پر شاہان آصفیہ کی جو بے پایاں مراعات مبذول رہی ہیں اور جس طرح سے ہر فرد کے ساتھ رواداری برتی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود دکن میں کبھی اختلافات کا زہر پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ حقوق طلبی کا اس طرح ہنگامہ برپا کیا گیا۔

بیرونی افراد ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم دکھ اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں خصوصاً جب میں نے بیرونی اخبارات میں یہ بیانات پڑھے کہ حیدرآباد میں ہندوؤں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا، وہ گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتے، وہ سفید کپڑے نہیں پہن سکتے، انکو مذہبی آزادی حاصل نہیں، تو مجھے اس "سفید جھوٹ" پر ہنسی آگئی۔ بیرون ملک کے کف در پوش آئیں اور دیکھیں کہ حیدرآباد کی ہندو کس قدر سفید پوش ہیں جیسی صبا رفتار موٹروں میں ہم یہاں ہندوؤں کو دوڑتے پھرتے دیکھتے ہیں وہ کہیں دوسری جگہ نظر نہ آئیں گی۔ اس حکومت میں جو ساداتوں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے اسکی نظیر کسی دوسرے مقام پر نہیں مل سکتی۔ جس قدر مذہبی آزادی یہاں ہم کو حاصل ہے اس کی گواہی منادر کے وہ دروازے دے سکتے ہیں جو عبادت کیلیے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور لاکھوں روپیہ سالانہ کی بڑی بڑی جاگیریں انکے منادر کے انتظام کیلیے بادشاہوں نے عطا کی ہیں۔ مذہبی رسوم (جاترائیں) جو خالص ہندو مت کے طریقہ پر ہوتے ہیں اس میں مسلمان بھی برادرانہ محبت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور "رتھ کشی" کے موقع پر موجود رہتے ہیں۔

اگرچہ ان امور کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ باہر والوں نے ان حقیقتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اس لیے یہ ضروری تھا کہ ان باتوں کو کسی ہندو کی زبان قلم سے سنا جائے۔ تاکہ یہ ذہنی مغالطے دور ہوں اس لیے میں نے مختصر خاکہ اپنی وطنی زندگی کا پیش کیا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو ہمارے صحیح حالات کا تصور بھی نہیں کر سکتے، سمجھیں اور اپنی تدبیر آنکھوں سے دیکھیں اور کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے صدیوں

کا خوشگوار عمل بدنام ہو۔

میں یہ سب کچھ امن کی دولت لٹیرنے والوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ اُن سے کہنا نہیں چاہتا کہ جنھوں نے باہر سے آکر یہاں کی پُرسکون فضا کو مکدر کیا ہے اور غلط و بے بنیاد پروپیگنڈہ کر رہے ہیں، اور ہمارے ہر دلعزیز و محبوب آقا کی فطری ہمدردی کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو انسان تو انسان جانور کی بھی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتا۔ جو زخمی کتّے کو اپنی موٹر پر بٹھا لیتا ہے اور اُسکی مرہم پٹی کرتا ہے۔ جو بکرے کو ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتا، جو اونٹ کی قربانی کو برداشت نہیں کر سکتا، جو بلی کو لنگڑاتا دیکھ کر دوا خانہ سرکاری میں اُسکا علاج کراتا ہے اور روزمرہ روٹی اُسکے لیے مقرر کرتا ہے۔ کن کن اوصاف کو گناؤں، اُسکی ذات سراپا رحمت ہے، اور اُسکا محترم وجود سراپا برکت!

اسکے باوجود جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض اہل ملک کی سادہ فطرت بھی آریہ سماجیوں کی غلط بیانی سے متاثر ہوتی معلوم ہوتی ہے، تو مجھے افسوس ہی نہیں صدمہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے واقعات کا مطالعہ کوتاہ نظری کے سایہ میں کیا ہے۔ اُنکو جاننا چاہیے کہ بیرونی اشخاص کو ہمارے اندرونی معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہمارے اُس آرام و آسایش کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے جو ہم کو واقعات کی دنیا میں حاصل ہے۔ اس لیے یہ دیوانگی نہیں تو عقل کی خرابی ضرور ہے جس کی اصلاح وقت کا اولیں فرض ہے۔ ہم کو چاہیے کہ فوراً پیدا ہونے والے نتائج پر غور کریں اور اُس وقت کو نہ آنے دیں جب ہمیں اپنے افعال و کردار پر ملامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو اور ہمارا مختل دماغ جواب دینے کے بھی قابل نہ رہے۔

میں جیسا کہ دیکھتا ہوں ہندو ہوں لیکن اسی اسلامی حکومت میں وہ تمام اعزاز مجھ کو عطا کیے گئے ہیں جو اسی اسلامی حکومت کے لیے مخصوص ہیں۔ یاد رکھیے کہ جو مراحم و الطاف مجھ پر اور میرے ہندو خاندان پر اب تک مبذول ہیں . . . . اُس پر مسلمان امرائے عظام بھی رشک کر سکتے ہیں۔ اور مجھ آج ہی سے نہیں ہے بلکہ دولت آصفیہ کی رواداری ابتدا سے عدیم المثال رہی ہے۔ جنھوں نے حیدرآباد کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاں نواب سالار جنگ بہادر اور نواب خانخاناں اور فخر الملک بہادر کے خاندان امیرانہ عزت و احترام کے ساتھ بستے ہیں وہیں چھتریوں کا نام لیوا کشن پرشاد، برہمنوں کی مالا جپنے والا، رائے رایاں اور کایستھوں کے نقش قدم پر چلنے والا، شیو راج اور ایسے بہت خاندان حیدرآباد میں امیرانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ انکے علاوہ ممالک محروسہ میں پھیلے ہوئے سمستان (جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی حیثیت رکھتے ہیں)... آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

غرض ممالک محروسہ میں اس قسم کے نفرت انگیز پروپیگنڈے کوئی جگہ نہیں پا سکتے۔ ہماری حکومت ہماری ہے۔ اور اُس جمہوریت کی نام نہاد حکومت کے مقابلہ میں جو امن شکنی کا درس دیتی ہے، جو معصوم بندگان خدا پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑتی ہے، جو نادان جہلاء کو اُبھار کر اُس میں نفرت و حقارت کا بیج بوتی ہے، ہماری حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ

خصوصیات کا اندازہ کر سکتی ہے۔ ہم صدیوں سے سلاطین آصفیہ کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپس میں اس طرح شیر و شکر ہیں کہ ایسا نظارہ ہندوستان میں کسی دوسری جگہ نظر نہیں آسکتا۔

(رہبر دکن)

تجدد کا ایک نیا انکشاف

ایک یورپین محترمہ نے —— جنکا نام کلائیڈ برایان ووس ہے —— صنف نازک کو اپنا شکرگزار بنا لیا ہے۔ اُنھیں ایک ایسی بات سوجھی ہے، جو کسی بڑے سے بڑے "تجدد پسند" کے حاشیہ خیال میں نہ تھی۔ فرماتی ہیں "میں سمجھتی ہوں، خدا مرد نہیں بلکہ عورت ہے!" —— آپ کی بحث ملاحظہ ہو:-

"کیوں نہیں؟ ذرا دیکھیے نا، انجیل کس نے لکھی؟ کئی مردوں نے۔ در بلا شبہہ چونکہ وہ مرد تھے، اس لیے خدا کو مرد بنا دیا! . . . . بے زبان قوانین کون بناتا ہے، اور اُنکی خلاف ورزی کرنے والوں کو کون پھانسی پر لٹکا دیتا ہے؟ مرد۔ جنگ کون شروع کرتا ہے؟ اس دنیا میں بے وقوفی کی باتیں کون کرتا ہے؟ ساری مصیبت کون لاتا ہے؟ مرد۔ آپ دنیا میں کوئی اچھا کام دیکھیے، عورت اُسکی تہ میں مضمر ہوگی۔ کوئی بُرا کام دیکھیے، مرد اُسکا ذمہ دار ہوگا . . . . میرا خیال ہے کہ خدا عورت ہے اور شیطان مرد! خدا دنیا کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتی ہے لیکن شیطان مرد سارا معاملہ درہم برہم کر دیتا ہے، جس طرح کہ گھرانوں میں ہوا کرتا ہے!"

کسے معلوم تھا، کہ تجدد کے اس روشن زمانہ میں خدا کی "صنف" کو بھی معرض بحث میں لایا جائیگا —— عورت کی برتری جتانے کے لیے!! —— جی ہاں، ادھر تو عورت کے تفوق کو ثابت کیا جانے لگا ہے، اور اُدھر ان قدامت پسندوں کو دیکھیے، کہ وہ "مساوات" کے نظریہ تک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں!!

بہر حال محترمہ موصوفہ کے اس انکشاف کی روشنی میں "مرد شیطان" پر یہ تو ایک احسان عظیم معلوم ہوتا ہے، کہ خدا نے سب سے پہلے اپنی "ہم جنس" عورت کو پیدا کرنے کے بجائے مرد کو پیدا کیا!! مبارک ہو تجدد پسندوں کو یہ مفید انکشاف!

تمھارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے! (رہبر دکن)

صدق کی سالانہ جلدیں

جلد اول بابت ۱۹۳۶ء ⎫ قیمت ؏
جلد دوم بابت ۱۹۳۷ء ⎬ " ؏ ⎬ علاوہ محصول
جلد سوم بابت ۱۹۳۸ء ⎭ " ؏

مہتمم اخبار صدق - لکھنؤ

مسلمان کیا کریں؟

(از مولانا حکیم ابو البرکات عبد الرؤف صاحب داناپوری کلکتہ)

میں نے ہفتہ وار "ہند" کے ۲۰ر فروری کے افتتاحیہ کے متعلق کچھ عرض کیا تھا۔ اس کا جواب ۲۰ر مارچ کے ہفتہ وار ہند میں جناب مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے دیا ہے۔ اس جواب میں مولانا نے اصل بحث کو تو گویا چھوڑ ہی دیا ہے۔ دوسری فروعی بحثیں شروع کر دی ہیں بہتر ہوتا کہ شرعی دلائل کی روشنی میں ایک چیز طے کر لی جاتی، تاکہ مخلوق خدا غلطیوں میں مبتلا ہو جانے سے نجات پا جاتی۔

جناب عبد الرزاق صاحب اپنے اس جواب میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا کی (یعنی اس عاجز کی) پہلی غلط فہمی میری ذات سے متعلق ہے۔ ان کا خیال ہے کہ میں اسلامی تعلیمات کو فضول اور ناقص سمجھتا ہوں۔ معاذ اللہ میرے وہم میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی۔ میں اسلام کو کامل، مکمل، اور اللہ کا آخری۔ دائمی۔ عالمگیر دین یقین کرتا ہوں۔ جو کوئی بھی اسلامی تعلیمات کو ناقص اور فضول سمجھے میرے نزدیک وہ مسلمان نہیں ہے"

یہ مولانا عبد الرزاق صاحب کے الفاظ ہیں۔ اور یہ اقرار میرے لیے بڑی خوشی کا باعث ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ میں نے جو کچھ انکی تحریرات سے انکا خیال سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ اور ان الفاظ میں اسلام کے متعلق جو پاکیزہ خیالات وہ ظاہر کر رہے ہیں وہی فی الواقع انکا عقیدہ بھی ہے تو اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ خدا ایسا ہی کرے۔ آمین۔ لیکن اسکے بعد ہی وہ کچھ اور فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے :-

"مولانا کا مضمون پڑھنے کے بعد ہر آدمی یہی خیال کرے گا کہ مولانا اسلامی تعلیمات کو ہمہ گیر خیال کرتے ہیں"

یعنی میری دوسری بڑی غلطی یہ ہے کہ میں اسلامی تعلیمات کو ہمہ گیر سمجھتا ہوں۔ یہ عجیب بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ خود تو اسلامی تعلیم کو عالمگیر یقین کرتے ہیں، اور ایسا نہ سمجھنے والے کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ لیکن میرا اسلامی تعلیم کو ہمہ گیر سمجھنا، یہ میری سب سے بڑی غلطی ہے۔ یا للعجب۔

جناب مولانا عبد الرزاق صاحب اسلام کو جو اس مضمون میں کامل، دائمی۔ اور عالمگیر کہہ رہے ہیں۔ اسکا عجیب و غریب مطلب وہ اپنے پہلے مضمون میں بیان کر چکے ہیں۔ انکے الفاظ یہ ہیں :-

"میں بارہا اس حقیقت کو ظاہر کر چکا ہوں کہ اسلام نے انسانی سوسائٹی کے لیے کوئی خاص نظام تجویز نہیں کیا ہے بلکہ اس کام کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ضروری نظام خود بنایا کریں"

اس بنا پر مولانا کے نزدیک اسلام دائمی اور عالمگیر دین اس لیے ہے کہ اسلام نے کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں رکھی۔ سوسائٹی کا نظام بنانے کا اختیار لوگوں کو دیدیا۔ اس لیے جب کبھی کسی جگہ کسی طرح کا بھی کوئی نظام لوگ بنا لیں گے وہ اسلام کی اجازت کے اندر ہوگا اسکو اسلام کے خلاف نہیں کہا جا سکے گا۔ مولانا نے اس سے بھی زیادہ زوردار لفظوں میں اپنے مقصد کو ظاہر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"جو لوگ اسلامی اصول پر نظام قائم کرنے کے حوصلے ظاہر کرتے ہیں وہ اسلام کی تعلیم اور روح سے بے خبر ہیں"۔

یعنی اسلام میں مولانا عبد الرزاق صاحب کے نزدیک کوئی اصول ہی نہیں۔ جس پر سوسائٹی کا نظام بنایا جا سکے۔ اسلام کی تعلیم اور روح یہ ہے کہ اسلام نے انسان کو بلا کسی اصول اور بلا کسی قید کے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ اسکا جو دل چاہے کرے اور جیسی سوسائٹی چاہے بنا لے۔

یورپ کی سوسائٹیاں جس طرح کی بیحیائی، بے شرمی، اسراف اور تعیش میں اسوقت مبتلا ہیں، مذہبی بنا پر اسکی مخالفت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اسلام نے انکو اپنا نظام بنانے کا اختیار تسلیم کیا ہے۔ بت پرستوں کی سوسائٹیاں جیسی جہالت اور بیہودگیوں میں مبتلا ہیں ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کو یہ سب اختیار مذہبًا حاصل ہے۔ مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جس طریقہ کو چاہیں پسند کریں۔ اسلام اس سے انکو نہیں روکتا۔ کیونکہ مولانا کے کامل۔ دائمی۔ عالمگیر اسلام نے لوگوں کو سوسائٹی کا نظام بنانے کا اختیار دیدیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

مولانا کے نزدیک یہی حال تعزیرات اور حدود شرعی کا ہے یہی حال نظام حکومت کا ہے۔ یہی حال انتخاب خلیفہ کا ہے۔ یہی حال اقتصادی نظام کا ہے۔ مولانا کا مکمل۔ دائمی اور عالمگیر اسلام یہ ہے کہ ان سب امور کے لیے نظام بنانے کا کامل اختیار اسلام نے زمانہ کے لوگوں کو دے دیا ہے۔ خود اسلام نے کوئی اصول ہی دنیا کے لیے پیش نہیں کیا۔ اور چونکہ کوئی اصول نہیں ہے اس لیے ان میں سے کسی ضرورت کے لیے اسلامی اصول پر کوئی نظام نہیں بن سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نوعیت مطلقہ اور مذہب و مذہبی تعلیم سے قطعی آزادی کی تعلیم جس آزادی کے ساتھ مولانا عبد الرزاق صاحب دے رہے ہیں اس کا لازمی نتیجہ انتشار ہوگا۔ گو یہ تعلیم نہ صرف اسلام کی بلکہ نفس مذہب کی بالکلیہ مخالف اور منافی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سوسائٹی کے کاموں کا نظام مقرر کرنے کا اختیار لوگوں کو حاصل ہے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں تو پھر اسلام اور اسلامی تعلیم کم از کم معاملات کے تمام مسائل میں یقینًا ایک فضول اور بیکار چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ سوسائٹی کے کاموں کا جواز اور عدم جواز، کھانے پینے میں حلت و حرمت کا فیصلہ بھی خدا و رسول کے حکم کے تابع نہ ہوگا۔ اسکے بعد مذہب کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے اور مولانا کا یہ کامل۔ مکمل۔ دائمی۔ اور عالمگیر دین اسلام جس کی اتباع سوسائٹی پر لازم نہ ہوگی، دنیا کو کیا فائدہ پہونچا سکیگا؟ اسکو مولانا کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مکمل تاریخ میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے اسلام کے مکمل ہونے کا یہ عجیب و غریب مفہوم سمجھا ہو۔ یہ مولانا کی جدت ہے۔

(باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارہ میں تمام مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں جملہ خط و کتابت اس پتہ پر ہو۔
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۱۴۹۱

ہر انگریزی مہینے کی یکم و ۱۵ کو شایع ہوتا ہے

نمبر ۳	لکھنؤ ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۹ء	جلد ۵

سچی باتیں

قرآن مجید کے چودھویں پارہ میں سورۂ نحل کے خاتمہ کے قریب ایک آیت ہے، جسکا اردو یہ ہے کہ:-

"بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے طریق سے - اور مناظرہ کرو ان سے (یعنی مخالفین سے) بہ حسن اسلوب و بہ طرز شائستہ"

غیروں کو دین کی طرف تو بلانا ہی چاہیے تھا، منکروں کو دعوت اسلام تو بہر حال دینی ہی تھی - پر اسکے ساتھ قیدیں اور شرطیں کیسی ؟ —— یہی یہاں اسکے لیے کیسی قیدیں تھیں، شرائط تھیں، پابندیاں تھیں - اور انکی ضرورت پیغمبر تک کے لیے جو خود ہی دنیا جہان سے بڑھ کر حکیم فطرت نباض انسانیت، اور شیریں زبان تھے - پھر ہمارا آپ کا تو ان شرائط کو نظر میں رکھے بغیر بولنا، اٹھنا، تقریر کرنا، اور بے سوچے سمجھے زبان چلا دینا، سرتاسر زہر! سوال زہر پلانے والے کی نیت کا نہیں، صرف زہر کے اثر کا ہے۔

"حکمت" اور "موعظۂ حسنہ" کی شرح و تفسیر میں اقوال بہت سے ملیں گے حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ باتیں ایسی ہوں جو مخاطب کے دل میں

گھر کر جانے والی ہوں - دلائل ایسے ہوں جو منکر کو قائل کردیں، نہ ایسے جو ہم کو بھی پھر بنا کر چھوڑیں، جو منکر کی رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کردیں۔ اور پھر نوبت اگر مناظرہ و جوابات الزامی کی آ جائے، جب بھی شائستگی اور خوشگواری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ —— منکرین کا عناد ظاہر و واضح ہے - کامیاب تبلیغ وہ نہیں جو اس آگ کو ہوا دے - دانائی کی راہ یہ ہے کہ ان دہکتے ہوئے انگاروں کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیا جائے، ضدی بچہ دوا کا نام سنتے ہی چیخنے چلانے پچھاڑیں کھانے لگتا ہے - طبیب اناڑیوں سے بڑھ کر اناڑی اور نادان ہوگا، اگر ضد میں آکر دوا کی کڑواہٹ اور بڑھادے۔ شفقت و حذاقت کے معنی یہ ہیں کہ کنین کی گولی پر شکر اس طرح لپیٹے، کہ بچہ مٹھائی سمجھ کر بے کھٹکے، بے جھجھکے، دوڑے!

قرآنی معیار آپ کے ہاتھ آگیا - مدح صحابہ کا [illegible] آپ کے سامنے ہے - خطاب ان سطور میں حضرات شیعہ سے نہیں، اپنے سنی بھائیوں سے ہے - اسی خدائی پیمانہ سے اسکی پیمائش کیجیے، اور کام جوش سے کم، اور ہوش سے زیادہ لیجیے —— [illegible] آپ کا حق، اور قیمتی حق شرعاً بھی اور قانوناً بھی - گفتگو اس حق کے بجانب ہونے میں سے ہی نہیں، سوال صرف اس قدر ہے کہ آپ نے اپنے طرز عمل سے اپنے رسول برحق کے نائبوں اور جانشینوں کی عظمت اور عقیدت کہاں تک پھیلائی ؟ مخالفین کے دلوں میں کہاں تک جگہ پیدا

کی؟ مسافرت و عداوت کے رنگ کو کہاں تک اُڑا دیا؟ غیروں کو کہاں تک سینے سے قریب لاسکے؟ بیگانوں میں کہاں تک یگانگت پیدا کی؟ جنگی مرسا[illegible] تو مسیحیت میں کہیں اور ہندو اور آریہ اور سب متفق ہیں، انکی عظمت کا سکہ، خود کہاں تک بیگانوں کی زبان سے کہاں تک پڑھا سکے؟ جو منکر تھے وہ منکر ہی رہے، غیروں کی سمت کچھ بڑھے یا کچھ اور اس سے ہٹے؟ قدم، دوستی کی منزلوں کی طرف اٹھا، یا اور فصل کی وادیوں کی طرف جا پڑا؟ دل پسیجے، نرم ہوئے، پگھلے، یا اور تنے، بھڑکے، بھاگے؟ خوشی کی بات کیا تھی؟ اپنا جلوس کی سالی تھی، جلوس نکلنے کی اجازت تھا، وہ بھی فلاں وقت اور فلاں راستے سے، پولیس اور فوج اور مجسٹریٹوں کی سنگینوں، بندوقوں اور پستولوں کے سایہ میں ۔ یا ان پاک محفلوں میں وہ لطف و حلاوت پیدا کر دیا کہ دشمن بھی دوست بن کر، سر آنکھوں سے آئیں، شوق و اشتیاق کے کانوں سے سنیں اور آپ سال کے ہر دن، ہر وقت جہاں اور جب چاہیں، برملا اور بے جھجکے ذکرِ جمیل [illegible] منصور اور اہل ایمان کو پرچم اسلام کے نیچے لے آنے والوں کا، قرآن پاک کے شہ[illegible] کہنے والوں کا، رسول کے عزیز ترین رفیقوں اور عزیزوں کا کرتے رہیں؟

ایک استفسار

ایک[illegible] عزیز، علوم قرآنی کے طالب، لکھتے ہیں:—

"قرآن کے سلسلہ میں، ایک دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تو قرآن سے بعثتِ عمومی صرف رسول اللہ صلعم کے لیے معلوم ہوتی ہے۔ [illegible] غالباً یہی اہلِ سنت کا بھی مسلک ہے۔ لیکن بعض آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ بعثت عمومی کے شرف سے دیگر انبیاء، مثلاً حضرت نوحؑ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی مشرف ہوئے ہیں۔ گو ان کہیں اس کی تصریح نہیں کی گئی ہے، مگر اشارات معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوحؑ کے اس قول میں، رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اس آیت میں ساری روئے زمین کے لیے بددعا ہے، تو اگر سارے اہلِ زمین کے لیے بعثت نہ تھی تو سب کے لیے بددعا کے کیا معنی؟ بہرحال دریافت طلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح مسلک کیا ہے؟"

عمومی بعثت اور عالمگیر رسالت تو صرف خاتم النبیینؐ کی ہے، اسکے قبل کی ساری رسالتیں کسی نہ کسی قوم یا زمانہ کے ساتھ مخصوص رہی ہیں، ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ حضرت عیسیٰؑ سے متعلق نشانے اشتباہ معلوم نہیں کن سی آیات ہوئی ہیں۔ انکا ذکر درج ہوتا، تو تفصیل سے کچھ عرض کیا جاتا۔ عام آیات جو حضرت مسیحؑ سے متعلق ہیں، ان میں تو اس قسم کی تصریحات موجود ہیں، ورسولا الی بنی اسرائیل (آل عمران، آیت ۴۹) وجعلناہ مثلا لبنی اسرائیل (زخرف، آیت ۵۹) یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم (صف، آیت ۶) وغیرہا۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کے متعلق بھی اگر اصل آیات پیش کر دی جاتیں، تو عرض خیال میں آسانی رہتی۔ جس ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے، وہاں الارض سے مراد ارض معلوم یا الارض معہود فی الذہن ہے، یعنی وہ سرزمین اور قطعۂ زمین، جس پر اُمتِ نوح آباد تھی۔ اور الارض کا یہ مفہوم قرآن مجید میں بہت عام ہے، شواہد بہ کثرت مل جائینگے۔ الارض یہ شواہد نہ موجود ہوں جب بھی حضرت نوح کے زمانہ میں، خیال تو یہی ایسا ہوا ہے، شہادت موجود نہیں کہ دنیا کی آبادی صرف اُسی حصۂ زمین میں تھی، جو حضرت نوح کا ملک تھا، یعنی علاقہ عراق۔ اور اُس وقت انسانی دنیا مترادف تھی عراقی دنیا کے۔

پرانی حقیقت نئے لباس میں

آج نہ سہی مگر آج سے چند ہی سال پیشتر ہربرٹ اسپنسر (جسکی ایک کتاب "فلسفہ تعلیم" کے نام سے اُردو میں منتقل ہو چکی ہے) ہمارے "روشن خیالوں" کا امام رہ چکا ہے۔ اپنے ایک مکتوب میں اپنے ایک معاصر فلسفی، جان اسٹوارٹ مل کو حریت نسواں کے باب میں لکھتا ہے:—

"بیشک جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مرد و عورت کے ذہن یکساں ہیں، انہیں تو اس قسم کے مسائل کے باب میں دشواری نہ ہوگی، لیکن میرا خیال تو یہ ہے کہ دونوں کے ذہن مختلف ہیں، لحاظ کمیت بھی اور لحاظ کیفیت بھی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ فرق لازمی و طبعی ہے، جسے کوئی تعلیم و تربیت نہیں مٹا سکتی اور میرا عقیدہ ہے کہ ذہن نسوانی کا یہ قصور شعبۂ عقل و اخلاق کے اُنہیں حصوں میں زیادہ ہے، جنکا تعلق سیاسیات کے دائرہ عمل سے ہے۔" (ڈنکن کی "لائف اینڈ لیٹرز آف اسپنسر" صفحہ ۱۳۹)

کیا فرق ہے درمیان اسپنسر افرنگی کے اس قول کے کہ عورت کا دماغ، حکومت و سیاسیات کے لیے ناموزوں و ناقابل ہے، اور آپ کے عسقلانی اور عینی کے ان ارشادات کے،

لا یجوز ان تولی المرأۃ القضاء وھو قول الجمہور۔ (فتح الباری، جلد ۱۳، صفحہ [illegible])	جائز نہیں کہ عورت کو حاکم بنایا جائے۔ اور یہ مذہب ہے جمہور کا۔
واحتج بہ من منع قضاء المرأۃ وھو قول الجمہور۔ (عمدۃ القاری، جلد ۲۴، صفحہ [illegible])	(حدیث مذکور) دلیل ہے اُن لوگوں کی جو عورت کی حکومت ناجائز قرار دیتے ہیں، اور یہ مذہب ہے جمہور کا۔

نیا فتنہ ایک اسلامی شہر میں

معاصر زمزم (لاہور) کے حوالہ سے، پچھلے نمبر میں لاہور کے نئے فتنہ کی اطلاع درج ہو چکی ہے۔ "آرٹ" اور "تہذیب" کی ترقی کے لیے ایک مخلوط کلب اس اسلامی شہر میں کھلا ہے، جس میں آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں آزادی سے کھل کھیلتی ہیں اور وہ سب کچھ کر لیتی ہیں، جو فرنگستان کی سرزمین پر رات کے اندھیرے اور دن کے اُجالے میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن خود اخبارات کی رسائی انگریزی خواں طبقہ تک جیسی کچھ ہے، معلوم ہے۔ اس لیے مسرت یہ دیکھ کر ہوتی ہے، کہ لاہور کے انگریزی روزنامہ[illegible] سول اینڈ ملٹری[illegible]

ادھر توجہ کی اور ایک مستقل مضمون اسی ناتہ کی تبلیغ کے لیے لکھا ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اس مضمون کو الگ بھی طبع کرا کے شائع کردیا ہے۔ جزیرۂ مذکور اپنی دینی خدمات کے لئے شروع سے ممتاز رہے، اور حال میں [illegible] سے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے مضمون "دین و دنیا" اور مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کے ابواب کے انگریزی ترجمے اپنی فہرست حسنات میں جدید عنوانات کا اضافہ کیا ہے۔ بھوپال اور بھوپالی کے خلاف جہاد اس کا تازہ ترین کارنامہ ہے۔ لاہور کو اس وقت اشاعت مستند دینی مضمون [illegible] کا ہون، اردو اور مستند اسلامی اخبارات کے، اور مسلم یورپ کے بہی خواہوں کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اگر ذرا بھی یکجہتی کے ساتھ کوشش کی جائے، تو ایسے نقوش کا فوراً مرتب ہو سکتا ہے۔ کم از کم ایسے مسائل پر تو المحدیث و [illegible] نقشہ مسلم لیگی اور احمدی یکدل و یک زبان ہونا سیکھیں!

ایک شیعہ گریجویٹ کا مکتوب

مضمون "بزم صداقت"

(عالم خیال میں) پڑھ کر ایک شیعہ گریجویٹ کا، جو ایک سرکاری عہدہ دار ہیں، حسب ذیل مکتوب موصول ہوا ہے:—

"خدا کرے "عالم خیال" سے یہ سب عالم وجود میں جلد سے جلد آ جائے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ بھائی کب تک لڑینگے، اور پھر ان شاء اللہ میل ہوگا اور ایسے شیر و شکر ہونگے کہ دنیا رشک کریگی۔ موجودہ حالت قائم رہنا ناممکن ہے اس کا "ری ایکشن" لازمی ہے۔ ضرورت آپ جیسے قائد اور مجھ جیسے مقتدیوں کی ہے۔ میرے خاندان کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ والدہ صاحبہ .... شیعہ تھیں، انکے بڑے بھائی سُنّی، چھوٹے بھائی شیعہ۔ میری شادی بھی خدا کے فضل سے ایسے ہی گھرانے میں ہوئی۔ میری خوشدامن شیعہ تھیں، میرے خسر سُنّی ہیں۔ میرے سالے سب سُنّی ہیں۔ میرا گھر میں شیعہ ہیں، اور خوشدامن مرحومہ کی وصیت تھی کہ شادی شیعہ لڑکے کے ساتھ کی جائے۔ میرے خسر نے خود سُنّی ہونیکے باوجود، اُن کی وصیت کا احترام کیا، اور ایک نیک بخت سیدانی کی خدمت کا شرف مجھے بخشا۔ مجھ سے ایک خاص نسل چل رہی ہے۔ میرے سات بچے ہیں، آپ کسی سے پوچھ دیکھیے، کہ تم شیعہ ہو یا سُنّی۔ جواب میں عرض کرینگے کہ حضور ہم مسلمان ہیں، اس تفریق کی تعلیم ہمارے والدین نے ہمیں دی ہی نہیں"۔ فرمائیے، اس قبیل کی نسل چلانے کا شرف اگر مجھ "آدم" کو نصیب ہوگیا، تو اور کسی وجہ سے نہ سہی، خالی اس بنا پر تاریخ میں نام تو آجانا چاہیئے۔ جہاں آپ جیسے قائدین کا نام ہوگا، وہاں مجھ جیسے عملی مقتدی کا بھی نام ہوگا!!"

مکتوب اپنے دلچسپ ہونے کی بنا پر درج کردیا گیا۔ مناکحت کا سوال بعد کا ہے۔ اصل سوال حدود اختلافات کی تعیین کا ہے۔ وحدت کلمہ، وحدت قبلہ کی موجودگی میں بڑے سے بڑے دل بدعتی بھی، اور حضرت اتحاد و اشتراک کے حدود متعین کرہی سکتے ہیں۔

قلم کی پوجا

ایک صاحب ہوٹل "مہ پارہ" لکھتے ہیں:—

"اپنی پیو قوفی سے تم سب [illegible] یہ سمجھے ہوئے تھے کہ [illegible] انسان کی تحریک کی مبتلا تین چیزیں [illegible] کہ جو [illegible] [illegible] علوم [illegible] جب [illegible] [illegible]!!

بیشک [illegible] اس سے بڑھ کر دلیل ہوگی [illegible] صدی میں، انبیاء کے اُسوۂ زندگی [illegible] کا [illegible] کرنے کی جرأت کی، انبیاء کی زندگی کو معیار حق و باطل کے طور پر [illegible] کردیا، اور وہ حوصلہ اس کا کر بیٹھا، کہ پیمبر [illegible] امت کی زندگی کا مکمل دستور العمل ہوتا ہے! تجدد، [illegible] رشتہ، جب مذہب کا رشتہ [illegible] کی ہر روشن خیالی سے جوڑا ہوتا ہے، یقیناً اس کا [illegible] تھا کہ "نوشت و خواند" جیسی اعلیٰ حضرات [illegible] گلستان، فرانس اور امریکہ اور جاپان سب [illegible] میں، کون انسانی "قدامت پرست" ان کی تحقیر کی جرأت کریگا! ایسے جدید و متجدد فلسفیات میں "علم" دوستی اور "علم" پرستی کی [illegible] اگر ہو سکتی ہے تو یہ کہ سال میں ایک دن مقرر کرکے "قلم کی پوجا" کی جائے کہ علم آخر علوم ہی کا تو ایک آلہ ہے! [illegible] "تعلیم یافتہ" قومیں یہ کرتی ہی رہتی ہیں! اور پھر کیا مضائقہ رہ جاتا ہے اس میں کہ سرسوتی دیوی کی پوجا بھی شروع کردی جائے، کہ آخر یہ دیوی بھی تو علم و حکمت ہی کی جانب منسوب ہیں!

اسلامی نظام معاشیات

ایک [illegible] لکھتے ہیں:—

"آج جو لوگ سوشلزم کو بہت پسند کرتے ہیں [illegible] آج جو نظام دنیا کے نقر و فاقہ دور کر سکتا ہے [illegible] یہی ہے، اور صرف اسی سے ترقی ہو سکتی ہے۔ [illegible] کہ اس نظام سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہونچیگا [illegible] اکثر باتوں میں اسلام کے موافق ہے۔ [illegible] عمل پیرا ہوگا جیسے اسلامی قوانین پر عمل [illegible] کوئی دقت نہ ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام [illegible] تقسیم کرنے کا حکم اس لیے دیا [illegible] زندگی گزارنے میں کوئی دقت نہ ہو اور وہ [illegible] دست سوال دراز نہ کریں، لیکن سوشلزم میں تو ہر شخص کا اپنا انتظام کیا جائیگا کہ وہ کسی [illegible] محتاج نہ ہو [illegible] مال تقسیم کرنا ضروری نہیں [illegible] کہ اسلام میں مال و دولت تقسیم کرنے کے لیے [illegible] ہے، جس کے پاس مال و دولت ہو، اور جس کے پاس [illegible] وہ کیا تقسیم کریگا۔ اس سوشلسٹ نظام میں [illegible]

ملکیت نہیں ہوتی، جب وہ مرجاتا ہے تو چیزیں جو اسکے پاس ہوتی ہیں وہ مخلوقات کی ہوجاتی ہیں۔ اس لیے تقسیم میراث کی نوبت نہیں آتی۔ میں جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے یہ خیالات کس حد تک صحیح ہیں؟

اس میں شک نہیں، کہ جہاں تک نظام سرمایہ داری کے بعد ایسے جو بے مفاسد کا تعلق ہے، سوشلزم، اسلام کا ہم زبان ہے۔ اور اسلام نے مال و دولت کو فتنہ اسی معنی میں قرار دیا ہے، کہ عموماً اسکے ساتھ ساتھ جذبات ظلم، جبر، مکر و حرص کی بھی پرورش ہوتی رہتی ہے، لیکن سوشلزم، اور اسلام کا اشتراک بس اسی حد تک ہے، باقی آگے جہاں علاج مفاسد کا سوال آتا ہے، اسلام اور سوشلزم میں وہی فرق نمایاں ہوتا ہے، جو ایک طبیب حاذق کے نسخہ، اور ایک عطائی کی بعض رٹی ہوئی دواؤں میں ہوتا ہے۔ سوشلزم، ذاتی جائداد اور شخصی املاک کو مٹا کر ملک میں معاشی یکسانیت یا اقتصادی مساوات پھیلانا چاہتا ہے۔ اسلام اسکے نفس مرکزی تصور ہی کا مخالف ہے۔ سارے اسلامی معاشرہ کی بنیاد وہی مالی فرق مراتب ہے۔ مسلمانوں کے تذکرہ میں بار بار "غنی" "اغنیاء" "فقیر" "فقراء" "مساکین" کے الفاظ آئے ہیں، زکوٰۃ کسی پر فرض ہے کسی پر نہیں، حج صرف فلاں حیثیت والے پر فرض ہے، اس سے کم والے پر نہیں۔ کفارہ فلاں طبقہ والا مالی ادا کرے، فلاں محض جسمانی، یہ سب بجائے خود اس امر کی ایک شہادت ہیں، کہ طبقات کا یہ فرق مراتب عین نظام قرآنی کے مطابق ہے، اور معاشی ہم سطحی جس طرح عقل سے دور ہے، اسی طرح شریعت سے بھی۔

انسان انسان جس طرح عقل و دماغ اور قوائے جسمانی کے اعتبار سے سب برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح معاشی اعتبار سے بھی تفاوت لازمی ہے۔ اور قدرتی ہر ایک کو اپنی اپنی حسب استعداد و مشقت پیداوار سے نفع یاب ہونا چاہیے۔ ایک شخص جو اپنی ذہانت و قابلیت سے اتنے ہاتھوں سے ایک ہزار کما سکتا ہے یہ ہرگز انصاف نہیں، عین ناانصافی ہے کہ اسے جبراً اسکے ہم سطح کر دیا جائے، جو اتنی دیر میں سو کما سکتا ہے ——
آیۂ کریمہ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بعضکم علیٰ بعض کا ایک پہلو اسی اختلاف فطری کی جانب مشیر ہے۔ البتہ زیادہ مال والے کو اسکا اختیار قطعاً حاصل نہیں، کہ وہ کم مال والے پر ظلم کرے، یا اسے حقیر و ذلیل سمجھے، اور اسلام نے اخلاق، سیاسیات، معاشرت و معاشیات کا جو نظام قائم کیا ہے، اس میں انھیں سارے مفاسد کی اصلاح کر دی ہے۔

معذرت

دو ہر کئی پرچوں میں نمبر غلط ہو گئے ہیں۔ ناظرین کرام درست فرمالیں۔ اس پرچہ کا نمبر ۲ صحیح ہے۔ اس سے پہلے کے پرچوں پر علی الترتیب ۱ و ۱۳ تحریر فرمالیں

مراسلہ

(۱)

گرامی خدمت عالیجناب ایڈیٹر صاحب اخبار صدق دام مجدہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ — مزاج مبارک۔ جناب والا کے احساس قومی دلی کو (جو بالخصوص حرمین شریفین کے ساتھ وابستہ ہے) مد نظر رکھتے ہوئے ملتمس ہے کہ مندرجہ ذیل عبارت، اپنے موقر اخبار مذکور میں مشتہر فرما کر کارکنان مدرسہ کو شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔ وہ جو حضرات جمیع حجاج کرام حضرات کا جنھوں نے اپنی فیاض دلی سے مدرسہ فخریہ کو (جو اس وقت قابل امداد ہے) اس کی تکمیل مقاصد کی طرف توجہ فرماتے ہوئے اپنے گراں قدر عطیات سے سرفراز فرمایا بہت، بہت شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع محسنین کرام کے مقاصد دارین بر لائے۔ آمین!

محمد اسحٰق الغفاری۔ مہتمم مدرسہ فخریہ مکۂ مکرمہ

سورۂ آل عمران، رکوع ۹

سلسلۂ صدق نمبر ۲۵

(از عبد الماجد)

۱۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین ۔

اور وہ وقت یاد کرو جب عہد لیا اللہ نے نبیاء[۶۱] سے کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت[۶۲] دوں پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول تصدیق کرنے والا[۶۳] اس کا جو کچھ تمہارے پاس ہے سو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا[۶۴] اور ضرور اس کی حمایت کرنا[۶۵]۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟[۶۶] فرمایا، تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں[۶۷]۔

۲۔ فمن تولی بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفٰسقون

سو جو کوئی روگردانی کریگا بعد اس کے، سو ایسے ہی[۶۸] لوگ ہیں بے حکمی کرنے والے ۔

۳۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون ۔

سو کیا دین خداوندی کے علاوہ کسی طریقہ کو یہ ڈھونڈتے ہیں[۶۹]، درانحالیکہ فرمانبردار ہیں اللہ کے[۷۰] جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں (خواہ) خوشی[۷۱] سے اور (خواہ) بے اختیاری[۷۲] سے، اور اسی (اللہ کی) طرف لوٹائے جائینگے[۷۳]۔

۴۔ قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علٰی ابرٰھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی وعیسٰی والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ۔

آپ کہہ دیجیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو اتارا گیا تھا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب[۷۴] پر، اور اس پر جو کچھ دیا گیا تھا موسٰی اور عیسٰی اور دوسرے نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے[۷۵]، ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے[۷۶] اور ہم تو اسی اللہ[۷۷] کے تابع فرمان ہیں۔

۵۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ۔

اور جو کوئی تلاش کریگا بجز اسلام کے کسی اور دین کو، وہ اس سے ہرگز مقبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا[۷۸]۔

۶۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین ۔

اللہ کیسے ہدایت دیگا ایسے لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا[۷۹] بعد اپنے ایمان لے آنے کے، اور پہلے گواہی دے چکے[۸۰] کہ رسول برحق ہے اور پہنچ چکے تھے ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں[۸۱]، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۶۱ (عالم ارواح میں)

۶۲ یعنی ارواح انبیاء سے ۔ انبیاء کو جو حکم دیا گیا اسکے تحت میں انکی امتیں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔

۶۳ حکمت سے مراد معرفت الٰہی بھی ہو سکتی ہے، اور نبوت بھی۔

۶۴ (نیز مصداق)

۶۵ (دل وجان سے)

۶۶ (دست وزبان سے)

۶۷ سب نے اقرار کیا، اور جواب میں "ہاں" کہا۔

۶۸ اس سے تاکید شدید پیدا ہو گئی۔

۶۹ (امتوں میں سے) انبیاء کی روگردانی کا تو احتمال ہی نہیں، یہاں مراد امم انبیاء ہیں۔

۷۰ (یہ اہل باطل)۔ خوب خیال کر لیا جائے، کہ یہاں اسلام کو صراحۃً 'اللہ کا دین' کہا گیا ہے۔

۷۱ (تکوینی حیثیت سے)

۷۲ یعنی ارادہ واختیار سے۔

۷۳ مراد غیر ذوی العقول جمادات وغیرہ ہیں۔

۷۴ (سب کے سب قیامت کے دن)۔ سو جو ہستی آج بھی اسقدر ذی اختیار ہے، اور کل بھی سب کا سابقہ اسی سے پڑیگا، اسی سے ڈرتے رہنا اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔

۷۵ (اسے پیغمبر، آپ نیز آپ کی طرف سے)

۷۶ یعنی قرآن

۷۷ یعنی ان میں سے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان پر۔

۷۸ یوں یہ حقیقت ایک ہی ہے، پھر دہرائی گئی ہے، کہ اسلام ہی دین الٰہی ہے، یہی وہی پرانا دین توحید ہے جس کی تبلیغ سب ہی انبیاء و مرسلین کرتے چلے آئے ہیں، اور مسلمان کا ایمان سب پر ہوتا ہے۔

۷۹ (کہ بعض کو مانیں، بعض کو جھٹلائیں، یہود و نصاریٰ وغیرہ کی طرح)

۸۰ 'مسلم' جو امت محمدیہ کا اصطلاحی نام ہے، اسکے معنی ہی فرمانبردار کے ہیں۔

۸۱ اسلام سے کھلی ہوئی مراد اصطلاحی دین اسلام ہے ۔۔۔ کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اس آیت نے اس حقیقت کو جو بعض دوسری آیات مثلاً ان الدین عند اللہ الاسلام وغیرہ میں بیان ہوئی ہے، اور زیادہ مؤکد و مستحکم کر دیا کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین محمدی ہے، اور دوسرے ادیان کو بھی اسی دین کی طرح سچا سمجھنا، یا سب مذہبوں کو ملا جلا کر ایک نیا مجموعہ مرکب تیار کرنا، یہ سمجھنا کہ یہ دھرم سب یکساں ہیں، انتہائی ضلالت ہے۔

۸۲ (راہ و مرتد ہو گئے، دین حق سے)۔

۸۷۔ اولٰئک جزاؤہم ان علیہم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین

۸۸۔ خٰلدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینظرون۔

۸۹۔ الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔

۹۰۔ ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولٰئک ہم الضالون۔

۹۱۔ ان الذین کفروا وماتوا وہم کفار فلن یقبل من احدہم ملء الارض ذہبا ولو افتدٰی بہ اولٰئک لہم عذاب الیم وما لہم من نٰصرین۔

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہوتی ہے[۲۳] اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی۔ وہ ہمیشہ ہمیش اس میں پڑے رہیں گے[۲۴] نہ ہلکا کیا جائیگا اُن پر سے عذاب[۲۵] اور نہ انھیں مہلت دی جائیگی[۲۶]۔ البتہ جو لوگ توبہ کریں[۲۷] اسکے بعد اور اپنے کو درست کریں[۲۸] سو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنیوالا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان لانے کے پھر بڑھتے رہے اپنے کفر میں انکی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی[۲۹]۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ مر گئے درانحالیکہ کافر تھے، سو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی نہیں قبول کیا جائیگا اگرچہ وہ معاوضہ میں اسے دینا چاہے[۳۰]۔ یہی لوگ ہیں جنکو ہوگا عذاب دردناک اور نہ ہونگے انکے لیے کوئی بھی مددگار۔

---

۲۳ یعنی ان پر لعنت رہا کرے گی۔

۲۴ ایسے ہی اشقیا کی جو اپنے نفس پر ظلم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

۲۵ "لعنت" پر حواشی پچھلے سبقوں میں گزر چکے۔

۲۶ یعنی اس حالت ملعونیت میں۔

۲۷ (عذاب جہنم میں پڑنے کے بعد)

۲۸ (عذاب جہنم میں پڑنے سے قبل)

۲۹ (صدق و اخلاص کے ساتھ)

۳۰ یعنی اپنے اعمال کو۔

۳۱ سو وہ انکی پچھلی خطاؤں کو بخش دیگا اور مزید فضل بھی کریگا۔

۳۲ دوسرے معنی ہے کہ پڑے تو رہیں کفر و ارتداد میں اور چاہیں کہ انکے دوسرے اعمال حسنہ کا صلہ مل جائے۔ بغیر ایمان و صحیح اعتقاد کے وہ اعمال "حسنہ" ہی سرے سے نہ ہونگے، سو اُن پر اجر و صلہ کیسا؟

۳۳ (قیامت کے دن)

۳۴ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالت کفر پر قائم رکھ کر روے زمین کے برابر زر کار خیر میں خرچ کرکے اسکے معاوضہ قیامت کے دن نجات حاصل کرلے، تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔

قرآن پاک کا تاریخی اعجاز

(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کیے ہیں، حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا۔ حضرت شعیبؑ اور لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ نے فرعون کو بحر احمر کا طعمہ بنایا، عصائے موسیٰؑ کی کارفرمائی سے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا اور بحر احمر کے دو ٹکڑے کر دیے، دم عیسیٰؑ نے جنم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کیا۔ فرش موت کے سونے والوں کو جگایا اور قبر کے مُردوں کو باذن اللہ اٹھا کر چلایا۔

یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہو گئے، برق کا شرارہ تھا، جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا۔ لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جسکے حیرت انگیز معجزہ نے قوموں کو ہلاک کرنے کے بجائے ان کو حیات تازہ بخشی، پتھر دلوں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا اور بنی آدم کی پوری جمعیت کو غفلت و مدہوشی کی نیند سے جگا کر ہشیار، اور کفر و شرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہو کر غائب نہیں ہو گیا، یہ ید بیضا، عصائے موسیٰ اور دم عیسیٰ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں۔ یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہزاروں سال تک ممتد و متواتر واقعیت بنکر دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا۔

محمد صلعم آخری دین اور آخری صحیفہ لے کر اور نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے آپ کے بعد نہ کوئی نیا دین آنے والا، نہ کوئی نئی کتاب اترنے والی، اور نہ کوئی نبوت مبعوث ہونے والی تھی، اس لیے ضرورت تھی کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپکا خاص معجزہ وقتی و عارضی نہ ہو، بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ کی نبوت کا نور چمکتا رہے، اسکی روشنی بھی قائم رہے۔ چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایسا خاص معجزہ بخشا گیا، جو تا قیام قیامت تک باقی اور قائم رہنے والا ہے۔ قرآن نے تحدی کی کہ میں اپنے رسول و پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں، جن و انس مل کر بھی چاہیں، تو مجھ جیسی کتاب کی ایک سورۃ بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ اس اعلان پر پوری چودہ صدیاں گزر چکی ہیں کہ اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشہ میں اسکے جواب میں خاموشی چھائی ہوئی ہے۔

یہاں بھی عقل و فلسفہ کی نکتہ آرائیوں سے بچ کر آئیے تاریخ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں، قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سرزمین میں ایک ایسی قوم پر اترا، جو علم و تمدن سے عاری، دولت و ثروت سے خالی، سامان و اسلحہ سے محروم اور ہر قسم کی دنیاوی اور مادی طاقت سے بھی خالی تھی۔ قرآن تیرہ برس تک کبھی پہاڑوں کے غاروں سے اور کبھی ... بیابانوں سے ...

حضرت مجدد کا تجدیدی کارنامہ

(از حضرت گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی - جامعہ عثمانیہ)

(سلسلہ صدق یکم مارچ ۱۹۳۹ء)

یہی رنگ تھا جو بالآخر گہرا ہوا، گہرا ہوا اور خوب گہرا ہوا - تا اینکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُس کی زبان سے (عیاذاً باللہ، یہ باتیں بھی نبوت کیطرف) ان زبان سے نکلنے لگیں:

زن قافلہ قریش در اوائل ہجرت و چہار دو زن خواستن و تحریم شہد کردن برائے خوشنودی زناں (ص۲۱۱)	(یعنی) اوائل ہجرت میں قریش کا قافلہ لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا اور بیویوں کی رضامندی کے لیے شہد کو حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرتا تھا)

آنجناب کی زبان سے جن تیروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اب برسا رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آج سے تین سو برس پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آخری کیفیت اکبر کے نفس کی یہ ہوئی کہ سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں - ملا صاحب کا بیان ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار - ابتدا میں بات کتنی ہوتی ہے - لیکن کہاں جاکر ختم ہوتی ہے

نام محمد و احمد و مصطفےٰ و امثال آن بجہت کافران بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بمرور ایام اسامی چندرا از مقربان کہ بایں نام مسمیٰ بود تغییر داد، مثلاً یار محمد، محمد خاں را رحمت می نوشتند - (ص۲۱۵ ج ۲)	احمد و محمد و مصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گزرنے لگے - آخر کچھ دن بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے - مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو وہ مرحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا اور لکھنے کے وقت اُنکو اسی نام سے موسوم کرتا -

اور غالباً یہی وجہ ہے، جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ اکبری عہد کے مصنفین خطبۂ کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھنے سے گریز کرنے لگے -

علمائے سوء در تصنیفات از خطبہ تبرا می آوردند و اکتفا بتوحید کردہ و القاب بادشاہی می نوشتند و مجال نبود کہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی زعم المکذبین بر زبان آرند (ص۳۰۹ ج ۲)	علماء سوء اپنی اپنی تصنیفوں میں خطبہ لکھنے سے بچنے لگے - صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے تھے - اُنکی مجال نہ تھی کہ بے ایمان جھٹلانے والوں کے علی الرغم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان و قلم پر لاتے -

یہاں تک کہ خود ملا صاحب کو جب مہابھارت کے ترجمہ کے شروع میں خطبہ لکھنے کی فرمائش بادشاہ نے کی، تو محض اس وجہ سے اُنھوں نے عذر کیا، کہ بغیر نعت کے وہ خطبہ لکھنا نہیں چاہتے تھے - ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ تو بادشاہ ہر خاص کی جرأت کسی حد سے متجاوز ہونے لگی - ملا صاحب فرماتے ہیں کہ:

در مجلسے چندے از ہندواں و مسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند -	چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کرتے تھے -

لیکن ان کا کوئی روکنے والا نہ تھا - حد تو یہ ہوگئی کہ جب اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کا وفد پہنچا ہے تو اُن لوگوں نے جہاں اور باتیں وہ پادریوں کی تھیں اُن میں العیاذ باللہ یہ بھی تھا

در تعریف دجال ملعون رئیس الملاعین داد اوصاف اور ادر باب خیر النبیین صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ رغم الدجالین فرود آوردند - (ص۰۰)	ان ملعونوں نے دجال کے صفات بیان کرکے (استغفر اللہ) ان کو ... پر ڈھالتے تھے -

اللہ اکبر! اتنی بدتمیزانہ بیہودگی کو سُن کر بھی اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا پڑتا، نہایت خندہ جبینی سے انکا استقبال کرتا ہے، اور خاص اپنے شاہزادہ مُراد کو حکم دیتا ہے کہ

سبقے چند تیمناً از ایں بخواند، چند اسباق ان پادریوں سے پڑھ لو -

عقائد میں جس شخص کا یہ حال ہو چکا تھا اُسکے اعمال کے متعلق سوال ہی فضول ہے - وہی نماز جسکے متعلق کبھی یہ حال تھا

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در باری گفتند (ص۲۱۵)	پانچوں وقت (نماز تو نماز) جماعت کے لیے بھی دربار میں فرمایا کرتے تھے

اب ان ہی ملا صاحب کا بیان ہے کہ:

در دیوان خانہ ہیچکس را یارائے آں نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند (ص۰۰)	دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کرسکے -

ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

نماز و روزہ و حج پیش از اں ساقط شدہ بود (ص۲۱۲)	نماز، روزہ اور حج تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے -

اور معاملہ صرف سقوط و اسقاط ہی تک ختم نہیں ہوا تھا، بے دینوں نے شاہی اشارہ پاکر پھر اسکے بعد جو کچھ کیا اُسکے ذکر سے بھی دل ڈرتا ہے - غیر اسلامی خاندان کے آدمی سے نہیں بلکہ ایک مشہور ملا کے بیٹے نے - جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے:

پسر ملا مبارک شاگرد ابو الفضل رسائل در باب قدح و تمسخر ایں عبادات بدلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث تربیت گشت (ص۰۰)	ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ) چند رسالے تصنیف کیے (شاہی جناب) میں اسکے ان رسالوں نے بڑی قبولیت حاصل کی اور اسکی سرپرستی کا ذریعہ بنے

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے - جن میں سے بعض اشعار ملا صاحب نے نقل بھی کیے ہیں یہ دکھانے کیلیے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں "دین کی غربت" کا نوحہ جن دردناک پیرایوں میں کرتے تھے اسکے

ارتیاب کیا تھے۔ ہم بعض چند بطور "نقل نمونہ" کے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً خانِ خاناں فیضی کی فیاضی کفر تھی:-

از حقیقت بدست کورے چند ‖ مصحفے از کفر گرے چند
گو ... سخن سنے گو بہ ‖ سر قرآن ...

ایک ستزاد اس پر سنزادے

عید آمد و کارہا نکو خواہد شد ‖ چوں روزہ نکو...
ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد ‖ چوں خون خروس

العیاذ باللہ

افتاد مہار نماز چو زبینی روزہ ‖ ... بار دگر
ازگردن این خران فرو خواہد کرد ‖ افسوس افسوس

اب ان جزئیات کی کہاں تک تفصیل کیجیے۔ جب اس اصل سے وہ ٹوٹ چکا تھا تو آخر شاخوں سے کب تک لپٹا رہتا۔

لیکن سنہ تک جو کچھ ہوا تھا اس کی حیثیت تخریب کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہر تخریب کے بعد تعمیر کا خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ سارے ستھنے کھڑے کیے تھے ان کی نیت کیا تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الف ثانی کا نظریہ
الدین الٰہی کی تدوین

عجیب بات ہے کہ تاریخوں میں اس نظریہ کا ذکر کنایہ اشارے میں نہیں بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بکثرت کیا گیا تھا لیکن تعجب ہوتا ہے کہ پچھلے مورخین نے اس کے ذکر میں تساہل سے کام لیا۔ میرا خیال ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید کی جو اضافت "الف ثانی" یعنی اسلام کی دست عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے، ہمارے مسلمانوں کا خیال ہے اور انشاء اللہ اس کی تفصیل آئندہ آتی ہے اس کا زیادہ تعلق اکبر کے اسی نظریہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال یہاں وہ واقعات درج کیا ہوں تاکہ ایک جھلک جو اس سالی میں پایا جا سکتا ہے، چونکہ ابتداً اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھ سکا ہوں وہ عبدالقادر ہی کی کتاب سے لکھ رہا ہوں اس لیے اس مسئلہ میں بھی میرا مواد انہی کی تاریخ منتخب محدود رہیگا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں:-

چوں در ذہن عمر خویش مقرر ساختند که هزار سال از زمان بعثت پیغمبر علیه السلام که مدت بقای این دین بود تمام شد مانعی برائے اظهار دعویٰ که در دل داشتند نماند و بساط از علماء و مشائخ که صلابت و مهابت داشتند ملاحظ تمام از ایشان نماند و خالی ... بفراغ ملل در صدد از ابطال احکام و ارکان اسلام وضع و بست ضوابط و قواعد نو مهمل ومختل و ترویج ازار فساد اعتقاد ... (ص ۳۰۱)

بادشاہ نے یہ خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دست عمر کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہو گئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو اپنے دل میں انہوں نے گانٹھا تھا۔ ادھر ایسے علماء جن کا کچھ رعب و داب تھا انہیں بھی بساط خالی ہو چکی تھی پھر کیا تھا۔ اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھل کھیلے اور اسلامی احکام و ارکان کے مٹانے اور برباد کی ان کی جگہ نئے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے جس کے بعد بے اعتقادی بے دینی کا بازار گرم ہوا۔

یہ تھا وہ "نظریہ" جس کا میں نے "نظریہ الف ثانی" رکھا ہے۔ صرف نظریہ پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اس کے اعلان عام کا ذریعہ یہ اختیار کیا گیا کہ سکے کا نام "سکۂ الفی" رکھا گیا۔ اور اس پر "الف" ہی کی تاریخ ثبت کی گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ بالا تجویز کے بعد:-

اول سکے که فرمودند این بود که در سکه تاریخ الف نویسند (ص ۳۰۱)

پہلا حکم جو دیا گیا یہ تھا کہ سکہ میں الف (ہزار) کی تاریخ لکھی جائے۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

و در تنکہا و مہرہا تاریخ الف نوشتند که اشارہ است بر اعتبار منقرض شدن دین مبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم که بیش از ہزار سال نخواہد بود۔ (ص ۳۰۶)

تنکوں اور اشرفیوں میں الف کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے اشارہ ادھر کرنا مقصود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی وہ پوری ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ سکہ ہی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی ہر خاص و عام تک رسائی ہو جاتی ہے۔ کتابوں، اخباروں، رسالوں میں سب سے زیادہ کارگر تدبیر اشتہار کی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے سکے بند کرانے اور خود اپنے زمانہ کے دوسرے سکوں کو سخت ... سے اکبر نے گلا دیا تھا۔ صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا۔ لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی بلکہ ایک کتاب بھی "تاریخ الفی" کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی، جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علماء کے سپرد ہوا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:-

و در ہمیں سال حکم شد که چوں ہزار سال از ہجرت تمام شده همه جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید که تاریخی بنویسند که جامع احوال پادشاہان اسلام تا امروز باشد و ناسخ تاریخہائے دیگر باشد نام آں الفی نہند و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند۔ (ص ...)

اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو، جو ابتداء سے اب تک اسلام میں گزرے ہیں۔ جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ایک ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو۔ اس تاریخ کا نام بادشاہ نے الفی رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنوں کے ذکر میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا جائے۔

مطلب یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو سکہ کا طریقہ اشتہار کے لیے مفید تھا، لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاددہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیے، اور اس کے لیے تاریخ الفی کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔

اکبر تک یہ نظریہ کیونکر پہنچا، خود اس کے اپنے دماغ نے ایجاد کیا یا ان کے پیچھے جو قرار لگانے لگے تھے یہ ان ہی کی تسویل و تزئین تھی،

صحیح طور پر اسکا پتہ نہیں چلا، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :

دریں سال اسافل و اراذل عالم نماے جاہل تناصد دلائل باطل نوشتہ برین آوردند کہ حالا صاحب زمانے کہ رافع اختلافات ہفتاد و دو ملت از مسلم و ہند باشد حضرت اند۔
(ص ۲۶۹ ج ۲)

اسی سال چند ذلیل و دنی درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں انھوں نے دلیلوں کا پشتہ اس دعوے کے متعلق لگا دیا کہ وقت کا صاحب زمان کا آگیا ہے جو "ہندو اور مسلمانوں کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانیوالا ہوگا اور اس صاحب زمان کی ذات خود حضرت بادشاہ کی ہے۔

اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین الٰہی کی بنیاد کیا تھی؟ آج جس نظریہ کو "قومیت" کے نام سے روشناس کیا جا رہا ہے، عمل کو نہ دیکھیے الفاظ کی مد تک کیا اس کی تعبیر اس سے زیادہ الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔ اس "نظریہ" نے بالآخر جو رنگ اختیار کیا ۔ ۔ ۔ ندرت نے دکھایا ......

ہماری عبرت کے لیے ۔ ۔ ۔ ہماری نگاہوں کے سامنے گزار بھی دیا۔ لیکن کون ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روشن نگہ پر اس آواز کو پہنچانے ۔ ۔ ۔ سب سے فتنہ کو یاد دلائے یا عیسوی باد کے سن تک ... رہے آج ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر وہی دھوکا دیا جا رہا ہے ۔ ۔ ۔ وہ دھوکا کھا رہے ہیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ۔ ۔ ۔ سے تین سو سال پیشتر "ہندی قومیت" کے ان ہی علمبرداروں کے باطنی ارادوں ۔ ۔ ۔ پوشیدہ نیتوں کا اعلان ان الفاظ میں کیا تھا :-

کار اینا بکار ان ۔ ۔ ۔ استہزا و سخریہ رست بہ اسلام و اہل آن منتظر اند کہ اگر قابو یابند اسلام اسلام بر آرند یا ہمہ را بقتل رسانند یا بہ کفر باز گردانند (ص ۲۶)

ان لوگوں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا اڑانا ہے۔ یہ لوگ اسکے منتظر ہیں کہ انکو قابو حاصل ہو جائے تو ہم (مسلمانوں کو) اسلام سے الگ کر دیں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا سب کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔

یہ ہے پوشیدہ مقاصد کی سہ صد سالہ تاریخ۔ اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَعِبْرَةً۔

آج جبکہ مغربی قومیت کی تیز آندھیوں نے ان دبی چھپی چنگاریوں کو ہوا دے کر مختلف تدبیروں سے شعلہائے جہنم بنا دیا ہے، ۔ ۔ ۔ کا ایک گروہ ہے جو "دوم" ۔ ۔ ۔ سمجھ رہا ہے ۔ ۔ ۔ نہیں ۔ ۔ ۔ چند ہوا پرستوں کی صرف ۔ ۔ ۔ بیان ہیں۔ بہر حال اس نظریہ کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں آج تو انکو صرف عقلی رنگ سے رنگا جاتا ہے لیکن اس وقت اس ذہنیت کے اس زمانہ "الہام اور پیشگوئی" کی قوت بھی بھری جاتی تھی۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ

برہمنان ... شعرائے ہندی از زبان دانایان سابق نقل کردہ بگوش رسانیدند بدین مضمون کہ پادشاہ عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمناں را احترام کند و گیتی را بعدل نگہبانی کند و ورقہا کہنہ آں خرافات را نوشتہ می نمودند و ہمہ باور می افتاد
(ص ۳۲۶ ج ۲)

ہندوستان کے قدیم دانشمندوں کے نام سے (اس زمانہ میں) برہمن ہندی اشعار نقل کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، جنکا مضمون یہ ہوتا تھا کہ جہاں کو نفع کرنے والا ایک بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہوگا جو برہمنوں کی بڑی عزت کریگا اور گائے کی حفاظت کریگا اور عالم کی نگرانی انصاف کے ساتھ کریگا (ملا صاحب لکھتے ہیں کہ) یہ اسکے کاغذات پران خرافات کو لکھ کر بادشاہ کو دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ انکو صحیح خیال کرتا تھا۔

سنا جاتا ہے کہ آج بھی برہمنوں کی ایک جماعت پرانے کاغذات اور تانبے کے پتروں میں حسب مطلب مضامین لکھ کر زمین میں دفن کرتی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد "ڈسکوری" کے نام سے آسمان اور زمین کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور ان ہی وثیقوں سے آج ہندوستان کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ ایک معتبر راوی نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ "پونہ" کے علمی حلقوں میں اس نوعیت کے تحقیقی کارناموں کا بڑا زور ہے۔ خیال گزرا تھا کہ شاید یہ وہاں کے برہمنوں کی کوئی نئی اپج ہے۔ مگر ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکا پرانا دستور ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدامت پرست قوم کے پاس کوئی نئی چیز آخر کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

بہرحال "ہندو مسلم" کے رفع اختلاف کے لیے ایک طرف اندرونی طور پر یہ کاروائی ہو رہی تھی، اور کیا کہوں، گر یہ کہے بغیر ۔ ۔ ۔ جاتا کہ ٹھیک جس طرح اسی "ہندو مسلم اختلاف" کے رفع کے لیے یا "ہندی قومیت" کے لیے غیر تو جو کچھ کر رہے ہیں، کر ہی رہے ہیں، لیکن اپنوں کی بھی ایک جماعت ہے جو پوری قوت سے اسکی تائید و اثبات کے لیے آستینیں چڑھائے ہوئے ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جس میں بدقسمتی سے زیادہ تر اسی جماعت کے افراد شریک تھے جو آج بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں عام مسلمانوں سے دس قدم آگے نظر آ رہے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ کوئی صاحب حاجی ابراہیم سرہندی تھے جنکا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی آدمی تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صوبہ گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے۔ آپ نے گجرات سے جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے، ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا :-

عبارتے جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در کتابے کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشتہ کہ "صاحب زمان" زنان بسیار خواہد داشت و ریش تراش خواہد بود و صفتے چند کہ در "خلیفۃ الزمان" بود درج کردہ (ص ۲۸۶ ج ۲)

ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس تحریر میں نقل کرکے بھیجی جسکا مطلب یہ تھا کہ "صاحب زمان" کے پاس بہت سی عورتیں ہونگی اور وہ داڑھی منڈا ہوگا۔ اسی طرح کے چند صفات جو خلیفۃ الزمان میں تھے اس میں درج تھے۔

اگرچہ برہمنوں کی طرح انکی استادی نہ چل سکی اور یہ حماقت اس گروہ کے ساتھ کھل کر پیش آئی ہے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ "آں جعل ولیاں ظاہر شد"۔

(باقی آیندہ)

"ہماری ترقی کا راز"

(۴)

سلسلہ صدق ۱۹

(از مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی)

زیرِ نظر سورۂ "عنکبوت" کے جس ٹکڑے کی تشریحات گزشتہ نمبروں میں پیش کی گئی ہیں اُن کا نچوڑ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مادی ترقی جیسا ابتداؤں سے گھری ہوئی ہے اور اُنکے نصرت الٰہی کے مہبط ہونے کا سنگ بنیاد محض ایک ہے، وہ یہ کہ مسلمان حمایت حق کا جذبہ اپنے اندر پوری طرح پیدا کرلیں اور اسی کے لیے مرنا اور جینا سیکھ جائیں، جو قدم بھی اُٹھے اُسی کی تائید میں، اگر کسی سے رشتہ جوڑا جائے تو اُسی کے نام پر اور اگر کسی سے رشتہ کاٹا بھی جائے تو اُسی کے خاطر۔ خلاصہ یہ کہ حمایت حق ہی انکی زندگی کا نصب العین ہو۔ اسی کی روح انکے رگ و ریشہ میں دوڑی ہوئی ہو، حق و صداقت کا یہ جذبہ پوری اسپرٹ سے انکے قلوب کے گوشہ گوشہ میں گھر کر جائے، تو ہم پورے وثوق کے ساتھ کہیں گے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی ان کی راہ میں سنگِ گراں نہیں ہوسکتی، باطل پرست جماعتیں باوجود لاؤ لشکر کی فراوانی کے انکے سامنے سرنگوں ہونگی، ہر مشکل کے وقت خدا کا غیرمرئی ہاتھ انکی دستگیری کے لیے بڑھے گا، یہ کوئی بناوٹ نہیں ہے بلکہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، دنیا کی جملہ بدیہیات نظریات سے بدل سکتی ہیں مگر یہ وہ حقیقت ہے جس میں کلیۃً شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، اس لیے کہ یہ وعدۂ الٰہی ہے اور وعدۂ الٰہی کی حقانیت پر ہمارا عقیدہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹلجائے، دریا اپنا رخ بدل دے مگر اس میں تبدیلی و انحراف ناممکن بلکہ محال ہے۔ پیش نظر سورۃ کی آیت ۱۴–۴۰ تک جو سلسلہ پھیلا ہوا ہے اُس میں ہمارے اس عقیدہ کے بشارت ریز وبراہین مذکور ہیں خوف طوالت کی بنا پر ہم اس سلسلہ کو نقل نہیں کرینگے بلکہ محض اسکی تشریحات پر اکتفا کرینگے ...... مناسب ہوگا کہ اس کی تشریح و توضیح سے پہلے اسکے موقع و محل کی تعیین کرلی جائے تاکہ اس روشنی میں اسکے مضامین کی تشریح کی جاسکے۔

ماقبل کے سلسلہ کو پیش نظر رکھکر جہاں تک اس سلسلہ میں ہم نے غور و فکر کیا ہے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ سلسلہ حق کے جان نثاروں کی فتحمندی و کامرانی اور باطل پرستیوں کی سرنگونی دارقع ہے بالفاظ دیگر تباہ شدہ قوموں کی تاریخ دہرانے کا منشا اہل مکہ کی تخویف و انذار ہے اور ضمناً علیہم کے حالات بیان کرانے کا مقصد مومنین کی دلجمعی و دلبستگی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم اس سلسلہ کی تشریح کرینگے۔

قرآن پاک کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ دنیا کی اساسی دعوت چند موٹی موٹی حقیقتیں ہیں اور انہیں حقائق کو مختلف زمانوں میں اس جماعت قدسی کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے جسے دنیا پیغمبر اور رسول کے نام سے جانتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت نوحؑ کا نام نامی سب سے پہلے آیا ہے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت و تبلیغ کے باب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید انکی دعوت کا جزو اعظم تھی، اس حقیقت کو اپنی قوم کے دلوں میں اُتارنے کے لیے آپ نے استدلال و استشہاد کا کوئی پہلو بھی اُٹھا نہ رکھا مگر چند صالح انسانوں کے سوا بقیہ قوم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ ستم بالائے ستم یہ بھی کہ حق و صداقت کا جو ستون آپ نے قائم کیا تھا اُسے ڈھانے کے لیے ائمہ کفر نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر ڈالا اور اس مٹھی بھر جماعت کو (جس کا جرم محض یہ تھا کہ وہ حضرت نوحؑ کی دعوت حق و صداقت پر ایمان لائی تھی) جن جن مصائب کا تختۂ مشق بنایا اُنکے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر جلد ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ جب خدا کی سرزمین ظلم و ستم سے بھر گئی اور اتباع نوحؑ کو سر چھپانے کی بھی جگہ نہ ملتی تو پھر وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی خدا کا تازیانۂ عذاب اس طرح اُنکے سروں پر برسا کہ دم کے دم میں پوری قوم غارت ہوگئی اور دنیا نے عدلِ الٰہی کی کرشمہ سازی کا دلفریب منظر بھی دیکھا اور کو حیرت ہے کہ اتباع نوحؑ میں سے کسی ایک فرد پر آنچ بھی نہیں آئی۔ کیا اس واقعہ میں اہل ادراک کے لیے بصیرت و عبرت کے دفتر کے دفتر پنہاں نہیں ہیں؟ خصوصاً ان دو ٹکڑوں میں "فاخذہم الطوفان وہم ظالمون" اور "فانجیناہ و اصحاب السفینۃ" ان میں سے پہلا ٹکڑا منکرین و معاندین کی سرکوبی پر حجت قاطعہ ہے اور دوسرا مومنین کی تائید و نصرت کے باب میں شاہد عدل ہے، ماقبل کے سلسلے سے اس سلسلہ کو جوڑنے کے لیے یوں سمجھیے گویا سلسلۂ کلام یوں ہے کہ اے اہل مکہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر خواہ مخواہ کیوں تلے ہوئے ہو، اسکی دعوت کی راہ میں طرح طرح کے روڑے کیوں اٹکاتے ہو، کیا تمہیں اپنی طاقت کا غرہ ہے؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً یہی بات ہے تو حقیقت میں تم سخت فریب میں ہو؟ اور تمہارے اس بھولے پن پر جتنی بھی حیرت کیجائے کم ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جب یہ دنیا قائم ہے اُس وقت سے بارہا حق و باطل میں معرکہ آرائی ہوئی ہے اور باوجود حامیان حق کی بیچارگی و لاچاری کے فتحمندی و کامرانی کا تاج دست قدرت نے ہمیشہ اُنھیں کے سروں پر باندھا ہے اور باطل پرستوں کو ذلت و رسوائی کی کیچڑ میں لتاڑا ہے ..... آؤ ہم تمھیں تاریخ کے وہ واقعات یاد دلائیں جن میں رحمت و نصرت کی بشارتیں پنہاں ہیں اور جن کی روشنی میں تم نہایت آسانی سے اپنے مستقبل کا چہرہ بھی دیکھ سکوگے۔ تاریخ کا وہ واقعہ یاد کرو جسے دنیا طوفان نوحؑ کے نام سے جانتی ہے۔ غالباً حق و باطل کی یہ پہلی آویزش تھی، مگر جانتے ہو انجام کار کیا ہوا؟ نوحؑ کے چند فدائیوں پر جب عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو زمین کانپ گئی اور آسمان میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ اور پھر ایسا ہولناک منظر پیش آیا جس کے تصور سے دل بیٹھا جاتا ہے، سوائے ائمہ قریش تمہاری مادی طاقت ان نہتے موحدین سے یقیناً بڑھ چڑھ کر ہے مگر خدارا بتاؤ کیا نوحؑ کے مخالفین کی طاقت بھی اتباع نوحؑ سے بڑھ کر نہ تھی؟ مگر کیا تمہیں نہیں معلوم کہ افواج الٰہی کے مقابل میں انکی ساری سطوت اور رعب و جلال خاک میں مل گیا؟ یاد رکھو! ٹھیک اسی طرح جس طرح نوحؑ جیسی

عظیم الشان قوم آناً فاناً میں پارہ پارہ کر دی گئی۔ تم پر بھی خداوند تعالیٰ کا بے پناہ تازیانہ برسنے ہی کو ہے اس لیے کہ جرائم کے باب میں پوری طور پر تم انکی منزل میں داخل ہو چکے ہو ۔۔۔۔۔ حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی اسکے بعد بھی بارہا ہوئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا زمانہ یاد کرو، حضرت ابراہیم خداوند تعالیٰ کے بہت ہی برگزیدہ بندے تھے۔ آپ کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام ملا تھا، اُسے اس جوش و خروش سے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا کہ قصر کفر میں زلزلہ آگیا اور پوری قوم میں آگ لگ گئی، ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہو گیا، مگر حضرت خلیل اللہ نے انکی مخالفت کی ذرا بھی پروا نہ کی اور اپنے مشن کی تبلیغ میں اُسی سرگرمی سے منہمک رہے، شروع شروع میں تو حضرت خلیل اللہ اور انکی قوم میں زبانی معرکہ آرائی رہی، مگر جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا حق کا ۔۔۔ میں بڑھتا چلا جاتا تھا اور انکا ناکامی کے آثار افزوں ہوتے جاتے تھے۔ بالآخر انھیں یارا ضبط نہ رہا اور حق و صداقت کی آواز کو طاقت سے دبانے کے لیے آمادہ ہو گئے، مگر جانتے ہو کیا ہوا؟ کیا مخالفین باوجود طاقت و قوت کے اس مجسمہ صبر و ایثار کا ایک بال بھی بیکا کر سکے؟ کیا خداوند تعالیٰ نے انکے تمام مکائد و حیل بیکار نہ کر دیا؟ یقیناً ایسا ہوا ورنہ پھر اس مکڑے "فانجاہ اللہ من النار" ۲۴ کی کیا تاویل ہو گی؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اس مجسمہ حق و صداقت کے خلاف دجل و فریب برت کر کے انھوں نے اپنی سیہ بختی و بد بختی کی سند لے لی "وارادوا بہ کیداً فجعلناہم الاسفلین" ۷۰ (انبیاء) میں اسی طرف اشارہ ہے، بالفاظ دیگر حضرت خلیل اللہ کے خلاف تدبیر کر کے دنیا و آخرت کی سربلندی سے وہ خود محروم ہو گئے۔ پھر وہ بیا حق اس منزل سے گزرا جس سے تقریباً تمام پیغمبروں اور بوقت ضرورت انکے اتباع کو بھی گزرنا پڑا ہے، یہ منزل بہت ہی کٹھن ہے، مگر فدایان حق و صداقت ہنستے کھیلتے اس منزل سے گزر جاتے ہیں، نہ تو جائدادیں اُن کے پیروں کی بیڑیاں بنتی ہیں اور نہ رشتے ناتے انکی راہ عزیمت میں روک بنتے ہیں قرآن کی بولی میں اس مقام کو ہجرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب اس مرد حق نے ان تمام کٹھن منزلوں کو نہایت صبر و استقامت سے طے کر لیا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے اُس پر بیشمار قسم کی روحانی نوازشیں ہوئیں، ایک طرف تو رسالت و نبوت کا سلسلہ انکی ذریت کے لیے مخصوص کر دیا اور دوسری طرف تمام دنیا میں ہر طرح کی کامیابی و کامرانی کے دروازے کھول دینے کی بشارت دی۔

حضرت خلیل اللہ کے سلسلہ دعوت و تذکیر میں یہ آیتیں (۱۹-۲۳) بطور جملہ معترضہ واقع ہیں۔ ہمارے خیال میں پہلی آیت تو عدالت کبریٰ (قیامت) کے ثبوت میں واقع ہے اور بقیہ چار آیات میں اسکے شواہد و نظائر مذکور ہیں یعنی اگر عدالت الٰہیہ کی واقعیت پر یوں استدلال کیا گیا ہے کہ اے لوگو! آخر تم عدالت کبریٰ کے انکار کی جرأت کیسے کرتے ہو، اسکا یعنی قیامت کا وقوع ایسی حقیقت ہے جسکے آثار و علائم بشکل دنیا میں بھی موجود ہیں، اور ان میں سے ہر ایک زبان حال سے خدا کی عدالت کی منادی کر رہا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو مظاہر عدالت پر ایک نظر ڈال جاؤ، کیا قرون ماضیہ میں بہت سی قومیں اپنی شرارتوں کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ نہیں گئیں؟ ان آیات کے مفہوم میں چنداں اشکال نہیں، البتہ یہ سوال کہ ان آیات کا یہاں کیا موقع ہے؟ اہم ہے، لیکن اگر اسے مضمون سورہ کی روشنی میں حل کیا جائے تو بہت ممکن ہے کوئی راہ نکل سکے۔

آغاز مضمون میں ہم نے لکھا تھا کہ یہ سورہ مومنین کی کامیابی اور باطل پرستوں کے خسران کے ثبوت میں واقع ہے، اس اعتبار سے اس سورہ میں قصص ماضیہ لانے کا مقصود تصویر کے انھیں دونوں رخوں کو دکھلانا ہوگا۔ پس ظاہر ہے قصص ماضیہ کے سلسلہ میں ان آیات کے لانے کا مقصود عدالت الٰہیہ کا اثبات ایں اسلوب ہوگا کہ خدا کی حقیقی عدالت تو کل قائم ہوگی مگر اس کی عدالت کے مظاہر دنیا میں بھی کچھ کم نہیں ہیں، اگر بیشمار ہیں، ضرورت ہے نظر اعتبار و بصیرت کی۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات کے یہاں لانے کا مقصود سنت اللہ سے مخاطب کو آگاہ کرنا ہے۔ یعنی اگر سرکشی، سرمستی و مدہوشی کا یہی عالم رہا تو کیا عجب ہے کہ وہ قانون الٰہی کی لپیٹ میں ٹھیک اسی طرح آ جائیں جس طرح آج سے پہلے بہت سی قومیں اسکی زد میں آ چکی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے اختتام کے ساتھ ہی قوم لوطؑ کی عبرتناک داستان بیان کی گئی ہے۔ اس واقعہ میں رحمت و نقمت کے دو نہایت ہی کھلے ہوئے رخ ہیں۔ ایک رخ تو بہت ہی خوش کن اور دلفریب ہے اور دوسرا بہت ہی وحشتناک اور بھیانک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کی بستی خباثت میں بُری طرح لت پت تھی ناممکن تھا کہ برائی کی کوئی قسم ان کی سوسائٹی میں نہ رہی ہو۔ حضرت لوطؑ حسب امر الٰہی انکی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتے ہیں، طرح طرح سے فواحش و منکرات سے انھیں نفرت دلاتے ہیں، عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں، مگر ان کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی، جب کچھ گوش ہوتا ہی تو عذاب خداوندی کی رٹ لگاتے، اور حضرت لوطؑ کو طرح طرح سے دق کرنے کی تدبیریں کرتے۔ مگر جانتے ہو جب اتمام حجت ہو چکا تو کیا ہوا؟ وہی ہوا جو ہمیشہ برادران اور عناصر فاسدہ کے ساتھ ہوتا آیا ہے، یعنی ملائکہ کی فوج حسب امر الٰہی حرکت میں آ جاتی ہے، اور اس شان سے کہ ایک جگہ تو وہ رحمت الٰہی کی بشارت سناتی ہے اور دوسری جگہ نقمت بن جاتی ہے، یہیں تک بس نہیں بلکہ اس بستی (جسکی بربادی کا حکم ہو چکا ہے) میں سے تمام صلحاء کو حضرت لوطؑ کی معیت میں نہایت عزت و احترام سے ایک دوسرے مقام پر جلد از جلد منتقل ہو جانے کیلیے اصرار کرتی ہے کہ مبادا عذاب الٰہی کی آنچ ان تک پہونچ جائے۔ اسکے بعد اس بستی کو اُلٹ پلٹ کے مقام عبرت بنا دیتی ہے۔

اس عبرتناک داستان کے بعد مدین، عاد، ثمود، قارون، فرعون، اور ہامان کی تباہی کی کیفیت بہت ہی اجمال کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلہ کی آخری آیت میں مذکورہ بالا قوموں کے سبب تباہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا سلسلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند باتیں قدر مشترک کے طور پر ہمیشہ رہی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جملہ پیغمبروں کا ایک نصب العین ۔۔۔ اور ۔۔۔ کی اشاعت میں ہر ایک نے اپنی مقدور بھر زندگیاں

کچھ روشنی قانون خلع پر

.... اس مسودہ کی بنا دو خیالوں پر ہے اور یہ دونوں ہی صحیح نہیں ہیں، اس لیے اس کی بنا ہی فاسد ہو گئی ہے۔ یہ ترقی پسند و تجدد پسند مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایک تو عورت بالکل ازروئے اسلام مرد کے برابر ہے، مرد کو اس پر فضیلت نہیں رہ گئی ہے اور حقوق میں فضیلت رجال کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ عورت کی حالت بیوی کی حیثیت میں عام طور پر بہت ہی مظلومانہ ہے، مگر دیانت کے ساتھ قرآن پاک و احادیث طیبہ کا مطالعہ اس حقیقت کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اسلام نے ان دونوں صنفوں کو ایک ہی مرتبہ پر نہیں رکھا ہے۔ مرد کو فضیلت دی ہے، دونوں کے دائرہ ہائے عمل متعین کیے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مرد کی خلقت اور عورت کی خلقت میں فرق ہے اور حقوق ٹھیک اسی فرق کی مناسبت سے عطا ہوئے ہیں، مگر ہمارے وہ مصلح جو مغربی معاشری نظریوں سے متاثر ہو گئے ہیں یہ سمجھنے لگے ہیں کہ عورت بالکل مرد کے برابر ہے۔ قرآن کے حقوق کو دیکھ کر اس بات کی کوشش کرنے لگے ہیں کہ عورتیں مردوں کے حقوق کے برابر کر دی جائیں۔ اسلام میں مرد اور عورت کی مساوات کا یہ مطلب ہے کہ یہ دونوں جب تک عقد نکاح میں وابستہ نہ ہوں اپنی مستقل باعزت حیثیت قائم رکھ سکتی ہیں، دونوں کو نفس و ضمیر ملا ہے، دونوں میں ذاتی ارادہ کی قابلیت ہے، اس لیے دونوں اپنی مرضی سے عمل کر سکتے ہیں، دونوں کے عمل اچھے اور بُرے ہو سکتے ہیں، دونوں اچھے اعمال کا ثواب اور بُرے اعمال کا عذاب یکساں پا سکتے ہیں۔ لیکن قدرتاً یہ دونوں اپنی اپنی علیحدہ اور مستقل زندگی گزارنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے ہیں بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد اور عورت ازدواجی زندگی قبول کر کے ایک منزلی زندگی کی بنیاد ڈالیں جو قومی یا عمرانی زندگی کی پہلا زینہ ہے اور اس حیثیت میں مرد کی فضیلت شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں عورت کو اپنی معاش کا مختار ہوتے ہوئے بھی الرجال قوامون علی النساء کو تسلیم کرنا اور الرجال علیہن درجۃ کے تحت اپنی صنفی کمتری کو قبول کر کے گھر بنانے کے کام میں لگ جانا پڑتا ہے۔ اس کو مردوں کے ساتھ اختلاط سے یہ کہکر روکا گیا ہے کہ کسی سخت ضرورت کے تحت گھر سے باہر جائے بھی تو منہ پر نقاب ڈال کر جائے۔ گو اسکو کسب معیشت سے روکا نہیں گیا مگر چونکہ کسب معیشت اُسکے صنفی فرائض کی انجام دہی میں مارج ہے، اس سے کہا گیا ہے کہ وہ شوہر کی آمدنی کی حفاظت کرے، اُسکی اطاعت کرے، اسکی خوشنودی کا خیال رکھے۔

علوم جدیدہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تصدیق ہو رہی ہے کہ اسلام نے عورت کا جو درجہ بیان کیا ہے اور اس کا جو مقام مقرر کیا ہے وہی صحیح ہے۔ ماہرین عضویات و نفسیات و معاشیات و معاشرت بھی یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ عضویات و نفسی قابلیتوں میں مرد کے برابر ہے اور نہ اس کا کامل معاشی استقلال قوم کی عام معاشیات کو اختلال سے بچا سکتا ہے اور نہ اس کا بے محابا مردوں سے اختلاط قوم کی ترقیوں کے لیے کسی طرح بھی مفید ہے۔ ہمارے مصلح کو ابھی تک یہ دھوکہ کی ان جدید تحقیقات سے واقف ہوتے تو وہ عورت کو مرد کے برابر ثابت کرنے کی ان غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی وہ جرأت نہ کرتے جو اب وہ کر رہے ہیں اور سمجھے جاتے کہ اسلامی احکام کو توڑ مروڑ کر مغرب کے مطابق ڈھالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں ان تمام آیات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے جن سے مرد اور عورت کی نامساوات ظاہر ہوتی ہے۔ اس عدم مساوات کو ظاہر کرنے کے لیے دو نمونے اور حقوق زوجین کے لیے یہ طلاق و خلع کے نظام قرآنی ہی بہت کافی ہیں۔ کیونکہ جیسے مرد کو بلا واسطہ عدالت اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق ہے اگر بیوی میں یہ حق ہے اپنے شوہر کو طلاق دے دے، کیونکر اسکے نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کون کہ سکتا ہے کہ مرد و عورت نہ صرف یہ کہ حقوق ہونے میں برابر ہیں بلکہ بالکل ہی ایک جیسے حقوق رکھتے ہیں؟ چاروں مذاہب اہلسنت والجماعت اور ہمارے شیعہ متفق ہیں کہ آیت قرآنی صاف ہے وجہ ہے کہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی قاضی کے پاس چلے بذریعہ طلبی طلاق لے کر جائے اور وہاں سے طلاق حاصل کر لے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا قاضی کا فیصلہ فسخ نکاح کافی ہے اور شوہر کے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ حقوق میں مرد کی فضیلت جو حقیقت میں فضیلت خلقت کی تابع ہے اس احکام طلاق و خلع سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس میں بڑی مصلحت ہے۔ اگر ہر اعتبار سے مرد اور عورتیں برابر پیدا کی جاتیں تو نظام تمدن کا مضبوطی سے قائم ہونا بہت دشوار ہو جاتا۔ برابر کی قوتیں اکثر تصادم کی طرف مائل رہتی ہیں "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" حاکمانہ قوت کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے تاکہ اختلافات کی صورت میں ایک فیصلہ کن قوت موجود رہے اور کسی طرح اختلافات مٹ جائیں۔ پس اسی طلاق و خلع کے مسائل سے ہی ثابت ہو گیا کہ مرد اور عورت بالکل ایک ہی سطح پر ازروئے اسلام نہیں ہیں اور نوع انسانی کی پیدائش کی غرض کو پورا کرنے کے لیے ایسا ہی انکا پیدا کرنا مصلحت پر بھی مبنی تھا۔ ....

قدیم اسلامی معاشرت کی ان خرابیوں میں اب عورت کی "تعلیم یافتگی" نے ایک اور خرابی یہ پیدا کر دی ہے کہ وہ حقوق کی طالب ہو گئی ہے اور ایسی باتوں کو بھی اپنا حق سمجھنے لگی ہے جو دراصل اسکا حق نہیں ہیں۔ یہ حق طلبی ایک زہر ہے جو اس جدید تمدن کے تمام تمنیات میں سب سے زیادہ خطرناک اور ہلاکت آفریں ہے۔ اور وہ مصلح بھی جو عورت کو "حق" کے نام سے کچھ دلانا چاہتے ہیں، بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ عطائے حق کا یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے اور اسلام جو ایک مذہب سلم و سلام ہے اس مذموم و ضرر رساں طریقہ کو اختیار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مسٹر محمد عبداللہ نومسلم پروفیسر جامعۂ سیام نے بزم اقبال میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ عصر جدید کی تمام تحریکات اسلام کے مخالف سمت سے مقصد تک پہنچنے کی سعی کر رہی ہیں اور یہی وجہ انکی ناکامی اور دنیا کی موجودہ بےچینی کی ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی نے بھی تعلیمات ہی میں اپنے اخبار "صدق"

میں ایک فقرہ کے دوران میں یہ فرمایا ہے کہ قرآن نے کہیں بھی حقوق پر نہیں، بلکہ فرائض پر زور دیا ہے اور فی الحقیقت حقوق دلانے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ ہم بتائیں گے کہ کیوں ایسا ہے؟

سوچیے کہ ایک کا فرض ایک یا کئی ایک کا حق ہے اور وہی مذہب یا وہ سماج سلامتی پسند و امن پرور ہو سکتا ہے جو فرائض پر زور دے کر اور لوگوں کو حقوق دلوائے نہ کہ حقوق پر زور دے کر لوگوں کو اپنے فرض کی ادائی پر آمادہ کرے۔ بلاشبہ حقوق طلبی کا خیال اُسی کے دماغ میں سماتا ہے جسکے حقوق تلف ہو رہے ہوں۔ مگر اس خیال کے آتے ہی وہ سارے بُرے جذبے انسان میں تلوار کی دھار کی سی تیزی پیدا کر لیتے ہیں جو معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لیے کدال کا کام دیتے ہیں۔ نفرت، بغض، غضب، غم و غصہ، خودغرضی، خودبینی، سرکشی، جفاپیشگی، ان سب میں ایک تماثل پیدا ہو جاتی ہے، جو معاشری ضابطۂ حقوق طلبی کے ذریعہ حقوق دلوانے کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے۔ وہ انسان کے ان سارے معاشرت شکن جذبات کو بھڑکا دیتا ہے اور معاشرت کی سخت بدخدمتی کرتا ہے۔ لیکن جو مذہب یا سماج بجائے حقوق کے فرائض پر زور دینے والا ضابطہ انسانوں کو عطا کرتا ہے وہ ایک حقیقی صحت بخش اور ترقی پذیر معاشرت کی تخلیق کرتا ہے۔ اس واسطے کہ جس انسان میں فرض شناسی کا جذبہ بدرجۂ کمال ہو اُس میں معاشرہ شکن جذبات مرجاتے اور معاشرہ ساز جذبات متجلی ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمدردی، ایثار، اخوت، مساوات، محبت، عدل و انصاف، رحم و کرم کا مجسمہ ہوتا ہے اور معاشرہ میں کبھی کوئی بے چینی نہیں پیدا ہو سکتی۔ انسان کے بُرے جذبات کو اُبھارنے والی تحریکات کو ہم اپنا نصب العین بنا کر کسی قسم کا اندرون خانہ یا بیرون خانہ چین اور آرام نہیں حاصل کرتے۔ ہم اپنے اضطرابوں کی بجلیوں اور بیقراریوں کی آماجگاہ بن گئے ہیں جنھوں نے شیطانی جذبات کو اُبھار دیا ہے اور اُس راستہ پر علی الاعلان ڈال دیا ہے جو آرام و آسایش سے بالکل مخالف سمت میں لے جا رہا ہے اور توقع کر رہے ہیں کہ وہ منزل آرام و آسایش تک رسائی حاصل کر لیں گے!! یہی اسلام کی مخالف سمت سے نجات تک پہونچنے کی ناکام سعی ہے۔ سماج کا حقیقی راستہ یہاں بھی اسلام ہی کا راستہ ہے۔ فرائض کی ادائی نوع انسانی کو عام کر دیجیے، کبھی کوئی بے چینی نہیں پیدا ہو سکتی۔ ہر شخص کو اُسکے حقوق برابر ملتے چلے جائیں گے۔ اس واسطے کہ جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر عرض کیا ہے ایک شخص کے فرائض دوسرے یا دوسروں کے حقوق ہیں اور اسکے ساتھ ہی سارے اچھے جذبات کی تربیت ہوتی چلی جائیگی۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا اور اُسکے رسول کا طریقہ ہی بہتر طریقہ ہے۔ مگر الٹی گنگا کسی سے بہائی گئی ہے؟!!

(رہبر دکن)

براہ کرم

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

کانگریسی مسلمانوں سے

ہمیں افسوس ہے کہ بعض کانگریسی مسلمان، مسلمان کہلا کر اور مسلمانوں کے نمائندے بن کر سیاسی پلیٹ فارموں پر اسلامی افکار و نظریات کی مخالفت کرتے کرتے کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں اور آزادی کی تشریح کچھ اس طریقہ سے کرتے ہیں جس سے ہر سچے مسلمان کو نفرت کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کے مسلمان غیر محتاط الفاظ منہ سے نکال کر خوش ہوتے ہوتے ہونگے کہ آزادی کی تشریح انھوں نے وہی کی ہے جو اب تک غیرمسلم اپنے خاص مذہبی اور اشتراکی نقطۂ نگاہ سے کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک وہ مسلمان ہیں اُنھیں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ انکی غیر اسلامی حرکتوں سے نہ صرف اسلام ہی بدنام ہوتا ہے بلکہ ہندوستان کے مسلمان نفس آزادی اور اسکی تمام تحریکات سے ہی بدظن و متنفر ہو جاتے ہیں،

کانگریس کمیٹی نوشہرہ کے زیر اہتمام قومی ہفتہ منانے کے لیے گزشتہ ہفتہ ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ ایک مسلمان ایم۔ ایل۔ اے نے آزادی کے نظریہ کو پیش کرتے ہوئے یہاں تک فرما دیا کہ

"میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ آج سے پچاس سال بعد ہندو اور مسلمان کا سوال باقی نہ رہیگا۔ بلکہ غریب و امیر، سرمایہ دار و مزدور کا سوال ہی ہندوستان میں بلکہ دنیا میں باقی رہ جائیگا"

یہ خیالات اُن لوگوں کے لیے تو خوش کن ہو سکتے ہیں جنکی آزادی کا مقصد محض روٹی ہے۔ مگر جن لوگوں کے نزدیک مقصد حریت صرف روٹی اور جسم ہی نہیں بلکہ تزکیۂ نفس اور روح بھی ہے اور جو اپنا سب کچھ ایک بالاتر قوت کے سپرد کر چکے ہیں وہ ان خیالات کے لیے اپنے دماغوں میں کوئی گنجایش نہیں پا سکتے۔

اسلام نے نوع انسانی کو رنگ و نسل، وطن اور پیشوں میں تقسیم نہیں کیا، کیونکہ یہ وہی جاہلانہ اور ظالمانہ تقسیم ہے جس نے قدیم زمانہ سے انسان کو انسان کے ہاتھوں تباہ کرایا ہے۔ اسلام کی نظر میں تقسیم کا مبنی ایمان اور عمل صالح ہے۔ نیکی بدی اور اچھائی بُرائی کی تقسیم فطری ہے۔ باقی تمام تقسیمیں غیر فطری اور مصنوعی ہیں۔ جنکے خونی نتائج سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ جب تک یقین اور عمل کا تفاوت اور نیکی بدی کا نظریہ باقی رہیگا مسلم اور غیرمسلم کا سوال بھی باقی رہیگا۔ رہا سرمایہ داروں کے مظالم اور مزدور طبقہ کی بےبسی، سو اسلام میں اسکا بھی مکمل علاج موجود ہے۔ مگر جناب لوگوں کو لینن اور اسٹالن ہی کی نقالی میں مزہ آتا ہے اور انکی روشن خیالی صرف اسی حد تک محدود ہے کہ وہ اپنی خداداد قابلیتوں کو ذبح کر کے دورِ جدید کے کسی بڑے آدمی سے اپنا رشتہ جوڑ لیں، اُنکو کیا ضرورت پڑی ہے کہ تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے اسلام کے نظام معاشی و سیاسی پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

(زمزم)

(بقیہ صفحہ ۵)

انسانیت کو آوازیں دیں۔ اس طویل مدت میں اسکی پکار کے جواب میں سب وشتم، سنگریزے اور پتھر، تیر و تبر اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی۔ لیکن جونہی کہ چودھویں برس کا چاند طلوع ہوا، اسکی روشنی ماہ شب چہاردہم بنکر نمودار ہوئی، اور چند سال کے عرصہ میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بنگیا۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی تعلیم نے ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو دنیا کی عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا۔ جسکی عظمت نے دنیا سے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا۔ چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا۔ قرآن کے ماننے والے تو بحر سندھ کے دہانہ سے بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے، دنیا کی کایا پلٹ گئی، تاریکی کی جگہ نور ہدایت کے بدر علم، شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی، دنیا کی سب سے غریب و مفلس قوم سب سے بڑی دولتمند اور سب سے نادان و جاہل و وحشی قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہو گئی۔ دنیا کی سب سے ضعیف و کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہو گئی۔ وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہیں ہوا تھا، اسنے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا۔

عرب و عجم، ترک و دیلم، حبش و زنگ، ہند و سندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینہ سے لگایا، اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا، تخت شاہی اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا۔ عربوں کی کیا بساط تھی دیلم کو کون جانتا تھا، سلجوقیوں سے کون واقف تھا، غور و غلج و تغلق کس شمار میں تھے، کرد کس گنتی میں تھے، خوارزم شاہی اتابکی اور مصر کے بحری ممالک اور ہندوستان کے ترکی غلاموں کی کیا حیثیت تھی اور سغدی لیکر آوارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خاں جسکی اولاد نے یورپ، ایشیا اور افریقہ دنیا کے تینوں براعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی، اسلام سے پہلے کیا تھا، مگر جب انھوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا، تو دنیا کی شہنشاہیوں نے انکے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

عربوں کا تمدن کیا تھا، افریقہ کے حبشیوں کا رتبہ کیا تھا۔ بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا، ترک و تاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے، مگر دیکھو جب قرآن نے ان کے سر پر سایہ ڈالا، تو انہی کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں، بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے، علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن و تہذیب کے نقش و نگار اور آثار نمودار ہونے لگے۔ فلسفہ و عقل کی جلوہ آرائی ہوئی، علم و فن نے ترقی کی، بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے، پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی اور ان کی بری اور بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کر لیا۔

ان سب سے ماوراء اور مادہ و مادیات سے ہٹ کر انسانی اخلاق و آداب نے اسی قرآن کی تعلیم و ہدایت سے تکمیل کا درجہ پایا۔ عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کے سبق ازبر ہوئے اور اہل جہاں کی آنکھوں کو وہ منظر دکھا دیا جسکو آغاز آفرینش سے آج تک انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملا دیا اور حسب و نسب، قومیت و وطن، پستی و بلندی، شاہی و گدائی کے ہر قسم کے نشیب و فراز کو مٹا کر قرآن والوں کی برادری اور ایک واحد قومیت پیدا کر دی جسکا وطن دنیا کا ہر ملک اور جسکا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا، بتوں کے ہیکل مسمار کر دیے، ستارہ پرستی کا چراغ گل کر دیا، انسانی جانوں کی قربانی موقوف کر دی، دختر کشی کی رسم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا، عورتوں کو عزت، غلاموں کو آزادی اور غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لیے سرچشمہ ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا اور بتایا کہ انسانی ترقی کی شاہراہ غاروں، خلوتوں اور پہاڑوں سے ہو کر نہیں گزرتی بلکہ شہروں، مجمعوں اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گزرتی ہے۔

حق کی نصرت، انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی، غریبوں کی امداد، گرتوں کی دستگیری، مظلوموں کی فریاد رسی اور غلاموں کی آزادی ہی نیکیوں کی جڑیں ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کی جد و جہد، زحمت کشی و محنت و ایثار و قربانی، اصلی نفس کشی و ریاضت ہے۔

اور سب کے آخر میں اور سب سے بڑھ کر اس نے مسلمانوں کو اللہ کے آستانۂ اقدس کے سوا دنیاوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کر دیا۔ ہر قدرت سے وہ بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پروا ہو گئے۔ انھوں نے فرعونوں کو دریا میں ڈھکیل دیا، نمرودوں کے تخت الٹ دیے، ہامانوں کی سلطنتیں چھین لیں، اور شدادوں کی جنت پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ سب کچھ اس لیے وہ کر سکے کہ انھوں نے ان سب چیزوں کے ساتھ ہر رشتہ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا تھا، انکے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی تھی تو اللہ بھی ان سے خوش ہوا اور اپنی خوشنودی کا ہر خزانہ انکے لیے کھول دیا۔

قرآن نے اللہ والوں کی جماعت پیدا کی، جو اللہ ہی کے لیے کرتی اور چھوڑتی تھی اور اللہ ہی کے لیے دیتی اور لیتی تھی۔ اور اسی کیلیے جیتی اور مرتی تھی۔

مسلمانو! روحانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہمت کرو اور از سر نو اسکے اوراق کو کھولو، اسکے معنوں کو سمجھو، اس کی باتوں پر یقین کرو اور اس کے حکموں کو مانو، اور عمل کرو۔ پھر دیکھو تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ (ایمان)

مسلمان کیا کریں؟

(بقیہ اشاعت گزشتہ)

جناب مولانا عبد الرزاق صاحب نے میرے مضمون سے کچھ زیادہ توجہ صرف کیا ہے۔ جو بڑا ہی دلچسپ ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"مولانا (یعنی اس ناچیز) کا مضمون پڑھنے کے بعد ہر آدمی یہ خیال کریگا کہ مولانا اسلامی تعلیم کو ہمہ گیر یقین کرتے ہیں اور اسلامی سوسائٹی کی کوئی بات ایسی نہیں جسکی نسبت اسلامی تعلیمات میں مفصل احکام موجود نہ ہوں"

پھر اسکے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

"جناب مولانا اور انکے ہم شربوں کے دعوے کو اگر مان لیا جائے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسلامی تعلیمات میں زراعت، صنعت، حرفت، ماہیگیری، جہاز سازی، سائنس کا ہر حصہ، ہیئت، طب، جراحی، انجینئری، غرضکہ جملہ علوم و فنون موجود ہیں اور یہ کہ ایک مسلمان کے لیے قرآن و حدیث کا پڑھ لینا کافی ہے۔ اسکے بعد وہ مسلمان دنیا کے تمام ہنروں میں کامل ہو جائیگا"

سبحان اللہ کیسی دلچسپ بحث اور کتنی عمدہ سخن فہمی ہے اگر یہ کسی اسکول کا کوئی طالب علم لکھتا تو تعجب نہ تھا کہ نا واقفیت کی وجہ سے اسکول کے بچے اس قسم کی باتیں کیا کہتے ہیں۔ مگر مولانا عبد الرزاق صاحب نے بقول نیاز صاحب۔ میں انکو ایک ذی علم و فکر شخص جانتا ہوں۔ انکا ایسی باتیں کرنا حیرت میں ڈالتا ہے۔

مولانا جانتے ہیں کہ اسلام اگر عقائد سے قطع نظر کیا جائے تو احکام الٰہیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ خدا کی طرف سے کسی کام کی اجازت یا ممانعت کا نام ہے کپڑا بننے، جوتا سینے، جہاز بنانے، دوا بنانے یا زخم چیرنے کا نام اسلام نہیں ہے۔

خود مولانا نے میری عبارت کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ اوپر درج ہے۔ میرے مضمون سے اسلام کی ہمہ گیری کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے وہ بعینہ انکے الفاظ میں یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسکی نسبت اسلامی تعلیمات میں احکام موجود نہ ہوں۔ میرے اس دعوے کو ان معنے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ کھیتی کرنے، کپڑا بننے، جوتا سینے اور زخم چیرنے وغیرہ کے قواعد بھی اسلامی تعلیمات میں درج ہیں اور قرآن و حدیث کے پڑھنے سے ہر قسم کا ہنر خود بخود آ جائیگا۔

مولانا نے بڑا ظلم کیا ہے کہ ان تمام لغویتوں کو میرے اور میرے ہم مشربوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ میں نے تو اسلامی تعلیم میں ہر ضرورت کے لیے احکام کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ ہر قسم کے علوم اور ہر طرح کے فنون احکام کیسے بن گئے۔

مولانا نے "احکام" کے لفظ پر غور نہ کیا۔ اس لیے ان بے جوڑ خیالات میں مبتلا ہو گئے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ صرف یہی چیزیں نہیں جنکی فہرست مولانا نے اس سے بلکہ اسکے سوا بھی جسقدر علوم و فنون موجود ہیں یا جو دنیا تک انسان دریافت کر سکے گا، سب کے متعلق اسلامی تعلیمات میں احکام موجود ہیں۔ اسلامی تعلیم سے معلوم ہو سکے گا کہ مسلمان اسکو قبول کر سکتے ہیں

یا نہیں۔ وہ علم یا وہ صنعت سوسائٹی میں داخل ہو جانے کے لائق ہے یا نہیں۔ سوسائٹی کے تمام کاموں کے متعلق احکام معلوم ہو سکتے ہیں۔ کبھی یہ حکم ظاہر الفاظ میں ہوگا کبھی دلالتاً یا اشارۃً سے سمجھا جائیگا کبھی قیاس شرعی سے ماخوذ ہوگا۔

مولانا نے اپنے اس مضمون میں سب سے زیادہ تفصیل سے بحث طب نبوی پر کی ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام کو وہ مکمل اور ناقص نہیں سمجھتے۔ مگر طب نبوی پر جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ طب کے متعلق رسول اللہ کے ہدایات اس درجہ ناقص ہیں کہ کوئی طبیب ان ہدایات کے موافق علاج کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے ہدایات کو صحیح بھی نہیں سمجھتے۔

میں طب کے دقیق مسائل پر اس مختصر مضمون میں بحث کرنا نہیں چاہتا، مگر مولانا کو اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ طب نبویؐ کے متعلق جو رائے انھوں نے قائم کی ہے وہ بالکل غلط اور بہت ہی عامیانہ ہے۔

رسول اللہؐ نے کسی سے طب کی تعلیم نہیں پائی اور نہ رسول اللہؐ نے کسی کو طب کی تعلیم دی۔ باوجود اسکے آپ نے بہت سے مشکل ترین امراض کا علاج کیا۔ اور جتنی روایتیں موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جس کا علاج کیا اسکو صحت ہوئی۔ جناب رسول اللہؐ کا علاج فی الواقع آپ کا ایک معجزہ تھا۔ اور آپ کا طریق علاج وحی الٰہی کے تابع تھا۔

جناب رسول اللہؐ مفردات سے علاج کرتے تھے۔ اور فن کے ماہرین کی رائے ہے کہ علاج کا بہترین طریقہ مفردات سے علاج کرنا ہے لیکن مفردات سے علاج کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ صرف وہی کر سکتا ہے جسکو تشخیص مرض میں مہارت تامہ ہو اور مفردات کے خواص و اثرات پر کامل عبور رکھتا ہو۔ تاکہ مصلحات کے ملانے کا محتاج نہ رہے۔

فن کے ان مسلمہ امور پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم یا دوسرے اطبا جو طب نبوی کی پوری تقلید نہیں کر سکتے اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ طب نبوی ناقص ہے بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے ہر قسم کا صحیح علاج کرنے کے لیے جس مہارت یا جیسی وسیع واقفیت کی ضرورت ہے وہ ہم میں نہیں ہے اور نہ ہمیں روایتوں کے ذریعہ خاص اشخاص کا علاج معلوم ہو سکتا ہے۔

ایک بڑی وجہ اسکی اور بھی ہے۔ ایک ہی مرض چند اشخاص کو ہو تو ہم ہمیشہ ان سب کو ایک ہی دوا سے اچھا نہیں کر سکتے۔ مزاج، عمر، طبیعت، اور موسم کے فرق کی وجہ سے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک دوا ایک مریض کے لیے بہت ہی مفید ہوتی ہے۔ اس لیے مریض کی پوری حالت جب تک نہ معلوم ہو جائے، اچھا با اصول طبیب علاج کر ہی نہیں سکتا۔ طب نبوی کا اتباع اسوقت ممکن ہے جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ رسول اللہؐ نے جس مریض کو فلاں بیماری میں فلاں دوا دی تھی، اسکا مزاج کیا تھا، عمر کیا تھی، قوتیں کیسی تھے، موسم کیا تھا، مرض مفرد تھا یا مرکب۔ اور روایات کے ذریعہ سے ان باتوں کا علم کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحیح طریقہ سے علاج بھی

رسول اللہ کی پیروی میں حکمت پوشیدہ تھی

بخاری میں امام عبدالرزاق صاحب سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک شخص کو اسہال شروع ہوا۔ رسول اللہ نے شہد پینے کے لیے کہا۔ شہد کھا کر پھر شہد پلایا۔ اور بڑھ گیا۔ پھر شہد پلایا۔ تین دفعہ شہد پلانے کے بعد جب اسہال بڑھتا ہی گیا تو مریض کا بھائی متردد ہوا۔ مگر حضور نے پھر ایک مرتبہ [illegible] کا حکم دیا۔ اور مریض اچھا ہو گیا۔

اس حدیث [illegible] کر مولانا فرماتے ہیں کہ کیا ہمارے مولانا بدہضمی، تخمہ، ہیضہ، کے بیماروں کو شہد پلایا کرتے ہیں؟ میں دریافت کرتا ہوں کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ مریض کو بدہضمی تھی، یا تخمہ یا ہیضہ تھا۔ اسہال ہی اسہال کی وجہ سے طب نبوی کی پیروی مشکل ہے۔ ہیضہ یا تخمہ تھا تو بعض وقت شہد مہلک ہو سکتا ہے۔ ان امراض میں ہم شہد دینے [illegible] کیا کرتے تھے۔

فاسد صفراوی مادہ معدہ میں جمع ہو جاتا ہے تو نفخ بھی ہو جاتا ہے اور اسہال بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے تنقیہ کے لیے شہد کا علاج جدید [illegible] اطبا میں مستعمل ہے۔ رسول اللہ کا شہد دینے پر اصرار کوئی غلطی نہ تھی۔ صحیح علاج پر اصرار تھا۔

جناب رسول اللہ کا بظاہر مریض کے پریشان اور بے دل ہونے کے باوجود شہد دینے پر اصرار اور طریق علاج پر استقلال اس کی دلیل ہے کہ آپ کو علل و اسباب سے کامل واقفیت تھی۔ اور طریق علاج پر پوری طرح وثوق تھا۔ واللہ اعلم ([illegible])

(بقیہ صفحہ ۱۱)

صرف کی ہے۔ اس نصب العین کو اصطلاح قرآن میں قانون الٰہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو ابتدا سے دعوت میں نہایت کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا ہے، گھر سے بے گھر ہونا پڑا ہے، اعزہ و اقارب جانی دشمن ہو گئے ہیں، یہ باتیں ہر پیغمبر کی بعثت کے ساتھ بطور لزوم کے رہی ہیں، مگر ان تمام تلخیوں کے باوجود بھی ہر پیغمبر اپنے زمانہ میں سرگرم دعوت رہا، بالآخر کامیابی اسی کو ہوئی ہے۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کے داعی حضرات اگر واقعی قرن اول کا دور ہمیں دوبارہ واپس لانا چاہتے ہیں، تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ یورپ کے درندوں کی تقلید نہ کریں بلکہ ٹھیک اسی طرح جس طرح انبیاء علیہم السلام نے اپنے سامنے ایک نصب العین رکھ لیا تھا اور اسی کے تحت کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے، وہ بھی اسی فراموش کردہ نصب العین پر عمل کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ راہ کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ مسلم قوم کی زندگی کا راز اسی میں ہے۔ اس کے بغیر مسلم قوم جسد بے روح ہے۔

(باقی)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے مسلم [illegible] پریس میں چھپوا کر [illegible] دفتر صدق [illegible]
[illegible] اطلاعات [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر — عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں جملہ مراسلات ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر کیجئے
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

ہر انگریزی مہینے کی یکم اور ۱۵ کو شایع ہوتا ہے

نمبر ۵	لکھنؤ ۱۰ - جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۳۹ء	جلد ۵

سچی باتیں

انگریزی پڑھے لکھوں میں، کالج اور یونیورسٹی کے تعلیم یافتوں میں کون ایسا ہے جو ہومر اور اووڈ کے نام سے ناواقف ہو؟ ہومر، یونان کا بہترین شاعر ہوا ہے، اور اووڈ، روما کا۔ اور دونوں مغربی شعر و ادب کی جان، فرنگی تخئیل و حسن ادا کی روح۔ کہا انھوں نے جو کچھ وہ اپنی اپنی زبان میں، یونانی اور لاطینی میں۔ لیکن انگریزی چونکہ خود لاطینی سے بہت زائد متاثر ہے، اس لیے اووڈ کے حوالے ادبیات انگریزی میں قدم قدم پر آتے ناگزیر ہیں — ان بہترین صاحب کے بہترین کلام سے متعلق اب بہترین نقادوں کی رائے ملاحظہ ہو۔ کمنا تو انسائیکلوپیڈیا، امریکہ کی تازہ ترین مطبوعات میں سے ہے، اس میں اووڈ پر تبصرہ ملاحظہ ہو:—

"رومی شاعر، اپنی حسن ادا خصوصًا اپنے کلام کے ترنم و تاثر کے لحاظ سے تمام لاطینی شاعروں پر فائق...... اس کی نظم "فن عاشقی" جس کی بابت رائے یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کی فحش ترین نظم ہے، اسکا سب سے بڑا شاعرانہ کارنامہ ہے"۔ (جلد ۶۔ صفحہ ۱۲۹۰)

اور ایسا ہی کچھ، دوسرے نقاد و ماہرین فن بھی اس سے پیشتر کہہ چکے ہیں۔

دنیائے فرنگ کے رئیس الشعراء کے شاہکار سے متعلق رائے خود فرنگستان کی آپ نے سن لی؟ گویا انکا بہترین شاعر وہ جو گندہ ترین شاعر ہوا ہے، اور انکے دفتر ادب میں بہترین دیوان وہ جو گندگی میں اپنی شان آپ اپنا نظیر ہو، چند سال قبل مسیح کا ہے۔ صدیوں سے انگلستان والے اور فرانس والے، اسپین والے اور اٹلی والے، اسی گندگی کی پوٹ کو بطور نمونہ کے پیش کرتے چلے آرہے ہیں، کہ ادب سیکھنا ہے تو اس سے سیکھو، اور شعر میں سلیقہ حاصل کرنا ہے تو اس کی طرف دیکھو! — "صاحب" کی خوش مذاقی کا اندازہ ہوگیا۔ اب ذرا اپنے ہاں کا بھی جائزہ لے ڈالیے۔ اپنی غریب اردو شاعری کو پیش کرتے آپ شرماتے ہیں، لجاتے ہیں، جھجکتے ہیں، نام زبان پر کیسے لائیں، سہمے ہوئے ہیں، دبے ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاں بھی شاعری کا کمال، فحش گوئی کا کمال رہا ہے؟ آپ کی محفل مشاعرہ میں بھی صدارت کی مسند کسی فحش گو، اور گندہ نویس کے لیے بچھائی گئی ہے؟

ولی دکھنی، میر تقی میر، خواجہ میر درد، مرزا غالب، حکیم مومن، نواب آشفتہ، میر انیس، [illegible] آتش، حالی، اکبر، اقبال، حسرت، اصغر، فانی، اور چھوڑیے ان سب کو، داغ اور ریاض جیسے شوخ نگاروں کو لیجیے۔ ان میں کس کے سر پر یہ ٹوپی کہیں آپاتی ہے، کہ "فحش نویسی میں اسکا کلام دنیا جہان بھر میں سب پر سبقت لے گیا ہے"؟ لے دے کے نواب مرزا شوق، سو اول تو اس بیچارے کو ہندوستان بھر کے سامنے کب نمونہ کے طور پر

پیش کیا گیا ہے ! اور پھر اسکے کلام میں بھی " آرٹ " کی یہ افراط کہاں سے ؟ ——— ذہنی غلامی کو کہاں تک پہنچے ! دین، اخلاق، سیاسیات، معاشرت، کی ہر ہر شاخ کی طرح زبان و ادب میں بھی، فرنگی کا مقابلہ ہوتے ہی ہمارے ہاتھ پیر پھول گئے، اور ہمت ہار، ڈر ڈر کر، گڑگڑا گڑگڑا کر "صاحب" سے دست بستہ عرض کرنا شروع کر دیا، کہ " ہمیں اپنے لٹریچر سے تو خود شرم آ رہی ہے، ہم گنہگار و خطا وار، جیلہ کے ذلیل غلام، اس قابل کہاں کہ حضور والا کے اعلیٰ لٹریچر کے سامنے اپنے ہاں کے شعر و شاعری کا نام بھی لے سکیں، آپ ہی رحم و کرم سے کام لیکر درگزر فرما جائیں، تو اور بات ہے، ورنہ ہماری شاعری کا مرتاب سر عشقی ادا، ہمارے ہاں کا ہر شاعر گردن زدنی " !

کام کی رفتار

قرآن مجید کا براہ راست کام، ادھر سبت دونوں تک رکا رہا، گو بالواسطہ کچھ نہ کچھ خدمت ہوتی ہی گئی - بہرحال اب جون کے دوسرے ہفتہ سے نظر ثانی کا اصل کام از سر نو شروع ہو گیا ہے، اور ان سطور کی تحریر کے وقت تک بحمد اللہ ۲۰ پارے پورے ہو چکے ہیں، عجب نہیں کہ اس شذرہ کے شایع ہونے تک ایک آدھ پارہ اور ہو جائے۔

انگریز مترجمین قرآن میں بیل (ایڈنبرا یونیورسٹی) آخری اور تازہ ترین مترجم ہے، اسکی جلد ثانی کا انتظار تھا، وہ پریس سے نکلتے ہی فوراً آ گئی - بیل کا ترجمہ، تمام انگریزی مترجمین سے صحیح تر، اور اصل سے قریب تر ہے - گو غلطیاں اسکی بھی حیرت انگیز ہیں -

اس مہینہ میں حسب ذیل رقم قبول کی گئی :-

۱۰ جون،	ایک قومی کارکن (از میسور)	عہ
۲۲ - جون	ایک مخلص (از صوبۂ بمبئی)	صہ

اقبال کی ایک کرامت

سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) میں پانچ سو کتابوں کے اس عطیہ کی تفصیل شایع ہوئی ہے جو اقبال مرحوم اسلامیہ کالج لاہور کو دے گئے ہیں - اور اسی ضمن میں یہ بھی درج ہے (حیرت ہے کہ لاہور کے کسی اسلامی روزنامہ میں یہ واقعہ نظر سے نہیں گزرا) کہ مرحوم، اپنے صاحبزادہ جاوید سلمہ کے وہ قرآن مجید چھوڑ گئے ہیں، جو خود انکی بلا ناغہ روزانہ تلاوت میں رہتا تھا - تلاوت کے وقت علامہ اقبال بہت زیادہ متاثر رہتے، یہاں تک کہ بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے، اور اوراق مصحف تر ہو جاتے - چنانچہ اس صحیفہ قرآن کو دھوپ میں رکھنا پڑتا !!

اللہ اللہ ! کیا مقام تھا اس رند عالی مقام کا ! جسے زندگی میں مقدسین کی ایک جماعت نے کبھی " رند " سے زیادہ وقعت نہ دی ! تلاوت بالالتزام و بلا ناغہ کرتے رہنا، اس بیسویں صدی کے مشغول و کاروباری شخص کے لیے، اور پھر یورپ کے ایم، اے، اور پی، ایچ، ڈی، اور بیرسٹر کے لیے، بجائے خود کیا کم کرامت تھی، چہ جائیکہ شدت تاثر سے تلاوت میں رو رو پڑنا، اور پھر گریہ بھی اتنا کہ پڑا کلام پاک بھیگ بھیگ جائیں ! مرتبہ ولایت ایسوں کو بھی اگر نہیں، تو پھر کس کو نصیب ہوگا ! ——— بات پر بات یاد آئی - قرآن کریم کے ساتھ ایسی ہی شیفتگی، اکبر الہ آبادی مرحوم کے ان بھی دیکھنے میں آئی تھی - صبح کے علاوہ، سفر میں اکثر زبانی ہی سے تلاوت کرتے رہتے - اور قرآن کے اندر تو دل سے ایک لذت و حلاوت محسوس کرتے تھے -

مغربی عورت کی نامرادی

" عورتوں کے لیے ووٹ کا حق " : انگلستان میں اس مطالبہ کے نعرے بلند ہوئے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صدیاں بیت گئیں - حق ہم کو ووٹ کا نہیں، حاصل ہوا، بلکہ اور بھی بہت کچھ مل رہا، یہاں تک کہ وہ مراعات بھی، جنکا نام بھی اس زمانے میں ہم صرف سرگوشیوں میں لاتے تھے، اور یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انھیں اپنی زندگی میں حاصل کر سکیں گے، تاہم کیا اب قلب کو زیادہ راحت حاصل ہو گئی ؟ گفتگو اسی میں ہے "

الفاظ، انگلستان کی مشہور آزاد خیال خاتون لیڈی رسن کے قلم سے نکلے ایک تازہ مضمون زیر عنوان " کیا ووٹ سے عورتوں کی زندگی خوشتر ہو گئی ہے ؟ " میں نکلے ہیں - (روزنامہ ہندو، مدراس ۱۱ ارجون ۲۹ء)

آگے چل کر فرماتی ہیں، اور شہادت میں اپنے مشاہدات کو لاتی ہیں، کہ

" اکثر صورتوں میں تو آج کی نوجوان خاتون کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا ہے، کہ حکومت میں برسر اقتدار ہے کون پارٹی - اسکے لیے سیاسی مباحث کا تذکرہ بھی خشک اور پریشان کن ہے، اور مسائل حاضرہ اس کی طبیعت کو اکتا دینے والے ہیں - ہاں اس سے تازہ ترین فلم، ستاروں کے نام جتنے چاہیے پوچھ لیجیے، انھیں فرفر سنا دیگی لیکن اگر آپ یہ پوچھ بیٹھیں گے کہ اسوقت ارکان وزارت کون کون ہیں، تو اسکے معلومات صفر محض نکلینگے "

سارا مضمون اسی طرح کے جذبات حسرت و یاس، اور انگریز عورت کی سیاسی نااہلی کے غم و ماتم سے لبریز ہے ——— مسلمان فقیہ نے جب کہا تھا کہ عورت سیاسی مناصب اور ملکی عہدوں کی اہل نہیں، تو متجدد خوب ہنسا تھا - اب یہی حقیقت جب انگریز خاتون کی زبان سے بیسویں صدی کی بولی میں ادا ہو رہی ہے، تو اسکے جواب میں بھی وہی " جمود " و " قدامت پرستی " کی پامال طنزیہ فقروں کو دہرا دینے کی ہمت ہوگی ! ——— عبرت اور صد عبرت، کہ فرنگی عورت، کمالات مردانہ کی تحصیل میں عورت سے نا عورت بن کر رہی اور پھر بھی مستور رہا مراد و تشنہ کام !

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

غنڈوں کی سفاکی

"اخبارات نے عوام کو بڑی غیرت دلائی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء سے لنچنگ کے واقعات میں بہت کمی ہو چکی ہے، اور ۱۹۲۹ء میں تو سال بھر میں کل ۱۰ ہی واقعات ہوئے" (آئینہ، ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء بحوالہ نیویارک ٹائمس)

"لنچ" کرنے کی اصطلاح کے معنی اگر ذہن سے نکل گئے ہوں، تو ایک بار پھر اپنی یاد تازہ کر لیجیے —— مہذب اور سفید فام امریکی آبادی کے درمیان کالی مخلوق (نیگرو) آباد ہے۔ اس بدنصیب قوم کے کسی بدنصیب فرد کے خلاف، اُسکے فرضی یا واقعی جرم کی بنا پر، جب گوری آبادی کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، تو عدالتی کارروائیوں سے بالکل بے نیاز ہو کر، گوروں کی قانون دوست و تمدن نواز آبادی، آلۂ تعذیب خود بن جاتی ہے، بدنصیب مجرم کا دوڑ کر پیچھا کیا جاتا ہے، حوالات یا جیل سے اُسے نکال لایا جاتا ہے، اور ہزار ہا انسان نما درندوں کے مجمع میں، اسے زندہ جلا کر، یا اور طرح طرح کے عذابوں میں سرراہ مبتلا کر کے ختم کیا جاتا ہے! اور پولیس اور فوق اور عدالتیں سب بے بسی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھتی رہتی ہیں! —— ان تو پرسیں کے غیرت دلانے پر اب ان ہولناک تماشوں کی تعداد گھٹ گئی ہے، جہاں تک کہ سال میں آٹھ دس گئی ہے! آٹھ سال میں ایک نہیں، ایک سال میں آٹھ! کیا خوب ہے یہ! اطمینان! اور اطمینان آخر کیوں نہ محسوس ہو، جب ۱۸۸۲ء سے، کہ اُس سال سے ان واقعات کا باضابطہ اندراج شروع ہوا ہے، ۱۹۲۹ء تک، پولیس کے علم میں ۳۱۲ ایسے واقعات آچکے ہیں!

جاہل اور آنپڑھ ہندوستان اب تک تہذیب جدید کی ان برکتوں سے محروم ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اسے بھی جلد از جلد مہذب، تعلیم یافتہ، روشن خیال بنا کر انسانیت کی اسی سطح پر لے آئیں؟

"سلبِ آزادی"

"سنگاپور سے رائٹر نے خبر دی ہے کہ علاقہ سیام میں اسکولوں اور کالجوں کے لڑکوں لڑکیوں کے لئے احکام جاری ہوئے ہیں، کہ لڑکیوں کو ہونٹوں پر سرخی، چہرہ پر غازہ، مل کر، اور اور طریقوں سے بن ٹھن کر تعلیم گاہوں میں آنا بالکل ممنوع ہوگا۔ لباس کے لئے بھی خاص ہدایتیں جاری ہوئی ہیں، کہ اس میں کوئی شانِ عریانی کا نہ پایا جائے۔ اسی طرح لڑکوں کو بھی ممانعت ہوئی ہے، کہ فلاں فلاں فیشن اختیار کر کے پڑھنے تشریف لائیں۔" (روزنامہ ہند، ۱۰، ۱۱۔ جون ۱۹۳۰ء)

تو سیام کے محکمۂ تعلیم کے افسروں پر کیسی قدامت پرستی مسلط ہو گئی ہے، کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی "شخصی آزادی" تک میں دخل دینے لگے! یہ اپنا لباس فلاں قسم کا نہ پہنیں، بال فلاں قسم کے نہ بنائیں، وضع قطع فلاں قسم کی رکھیں۔ یہ بیسویں صدی میں آخر اس مداخلت کی جرأت ہی انھیں کیونکر پیدا ہوئی! یہ تو صاف طالبات "علم" کی راہ میں روڑے اٹکانا، اور انھیں دولت "علم" سے محروم رکھنا ہوا۔ تحصیل "علم" میں حیا اور بے حیائی کا سوال ہی آخر ان فرسودہ دماغ حکام نے کہاں سے اُٹھا کھڑا کیا۔

قوم کی ہلاکت

سر لیونارڈ ہل، فیلو رائل سوسائٹی نے اپنی قوم کو متنبہ کرنے کے لیے ایک مضمون "ہمارا اندرونی خطرہ" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں، کہ قوم کے تحفظ کے لیے لازمی ہے کہ اس میں سالانہ شرح پیدائش، فی ہزار آبادی میں ۱۹½ ہو۔ لیکن انگلستان اور فرانس دونوں میں یہ شرح گھٹتے گھٹتے ۱۵ فی ہزار رہ گئی ہے۔ اور امریکہ، نیوزیلینڈ، اور آسٹریلیا میں ۱۶ اور ۱۷ فی ہزار کے درمیان جا پہونچی ہے، اور برٹش کولمبیا کے علاقہ میں ۱۳½ تک اتر آئی ہے۔ اسکے مقابلہ میں، جرمنی میں شرح پیدائش ۲۰ فی ہزار سے نیچے اتر آئی تھی، لیکن ہٹلر کے انتظامات ترغیب نکاح و کنبہ پروری نے نیا رنگ پیدا کر دیا ہے، یعنی اسے ۱۹ فی ہزار کے لگ بھگ کر دیا ہے، اور اٹلی میں اب شرح پیدائش ۲۲ فی ہزار ہے —— انگلستان، فرانس، اور امریکہ کی جمہوریت کا ضعف اور بزدلی اور پست ہمتی، اور اسکے مقابلہ میں جرمنی اور اٹلی کی آمریت کی بلند ہمتی اور قوت اور حوصلہ مندی کا راز کیا اب بھی راز ہی رہیگا؟

منع حمل کی برکتیں

"۱۹۲۱ء و ۱۹۳۷ء کے درمیان انگلستان میں پیدا ہونیوالے بچوں کی تعداد بہ قدر ۵ لاکھ کے گھٹ گئی، اور ۴۵ لاکھ کے بڑھ گیا۔ قابل اعتماد اعداد کی بناء پر اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۳۱ء و ۱۹۶۱ء کے درمیان، برطانوی بچوں کی تعداد تقریباً ۴۰ لاکھ گھٹ جائیگی، اور ۴۵ سال سے اوپر عمر والوں کا شمار تقریباً ۳۰ لاکھ بڑھ جائیگا۔ ۱۹۲۱ء و ۱۹۸۱ء کے درمیان بچے، آدھی تعداد میں رہ جائینگے! ....

برطانیہ میں ٹیکسوں اور محصولوں کی اتنی زیادتی ہے، اور بچوں کی پیدائش و پرورش میں ایسی دقتیں ہیں، کہ لوگوں نے اولاد کی فطرتی تمنا سے دست بردار ہو کر توجہ حصول عیش پر کر رکھی ہے۔ اور گھروں میں اصلی دلچسپی کا مرکز بجائے بچہ کے موٹر کار ہوتی ہے! قوم نے گویا ٹھان لی ہے کہ کم و بیش ۳۰ برس کے عرصہ میں نابود ہو کر رہیگی ....

یورپ میں کونا چاہیے کہ انگلستان ہی وہ ملک ہے، جہاں حکومت زوال شرح پیدائش پر مطلق توجہ نہیں کر رہی ہے۔ اور اگر آمرین (جرمنی و اٹلی) ذرا صبر سے کام لیتے جائیں، تو وہ خود دیکھ لینگے، کہ ضبط تولید، گھن کی طرح اندر ہی اندر سے برطانوی ایمپائر کو کھا گیا ہے!"

اقتباسات سر لیونارڈ ہل، فیلو رائل سوسائٹی کے تازہ مضمون کے —— مبارک ہو ڈاکٹر مسز اسٹوپس اور مسز سنگر کو اپنی تحریک منع حمل میں کامیابی اور مبارک ہو ہندوستانی تجدد نوازوں کو انکی تقلید! چند سال میں کوئی دہندہ سر سے نہ باقی رہینگے جو ضبط "تولید" پر عمل کریں اور نہ کوئی "والدہ"، جو استقرار اور ۴ عدم استقرار حمل کا سوال اٹھا ئیں! مرض رہے یا جائے، مریض تو بہرحال رخصت ہو چکیگا! واقعی علاج ہو تو ایسا تو ہو!

سورۂ آل عمران رکوع ۱۰

(از عبدالماجد)

سلسلہ صدق نمبر ۱ قبل)

۱۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۔ وما تنفقوا من شیءٍ فان اللہ بہٖ علیم ۔

تم خیر کامل (کے مرتبہ) تک نہ پہونچ سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کر دیگے[1] (اور جو کچھ بھی خرچ کرتے رہتے ہو[2] اللہ یقیناً اُس سے خوب واقف ہے[3]۔

۲۔ کل الطعام کان حلاً لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ ۔ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صدقین ۔

سب کھانے کی چیزیں[4] حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے نزول توراۃ کے پیشتر[5] باستثناء اسکے[6] جسکو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا[7]۔ آپ کہیے کہ لاؤ توراۃ کو، پھر پڑھو اسکو اگر تم سچے ہو۔

۳۔ فمن افتری علی اللہ الکذب من بعد ذلک فاولئک ھم الظلمون ۔

سو جو شخص اسکے بعد[10] اللہ پر جھوٹ بات گڑھ لے[11]، سو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں[12]۔

۴۔ قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفاً، وما کان من المشرکین ۔

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے سچ کہہ دیا[13] سو اب پیروی کرو سیدھی راہ والے ابراہیم[14] کے دین کی، اور وہ نہ تھے مشرکوں میں سے[15]۔

۵۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکاً وھدی للعلمین ۔

یقیناً وہ مکان[16] جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا[17] وہ مکان ہے جو بکہ میں ہے[18]، برکت والا[19] اور سارے جہانوں کیلیے رہنما[20]۔

۶۔ فیہ آیٰت بینٰت مقام ابراھیم ۔ ومن دخلہ کان امناً ، وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ، ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین ۔

اُس میں کھلی نشانیاں ہیں[21]، اُن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے[22]، اور جو شخص اُس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے[23]۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے[24]، اس شخص کے لیے جو طاقت رکھے وہاں تک پہونچنے کی[25]، اور جو شخص کفر کرے[26] تو اللہ سارے جہانوں سے غنی ہے[27]۔

۱؎ (اے مسلمانو)

۲؎ (خدا کی راہ میں)۔ محبوب چیز کے تحت میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے، جسے انسان عزیز رکھتا ہو، مال، دولت، وقت، قوت، عزت وغیرہ۔

۳؎ (عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو)

۴؎ (اور اسی کے مطابق بہ حال وہ جزا بھی دیگا)۔ مقصد یہ ہے کہ نیک کام میں جو کچھ بھی لگا دوگے، اجر تو ہر حال اسکا ملیگا، باقی جو مرتبہ نیکی کامل کا ہے، وہ تو اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب راہ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔

۵؎ (جنکے باب میں یہود بحث و گفتگو کر رہے ہیں)۔ یہود، معاصرین رسول نے مسلمانوں پر الزام یہ رکھنا شروع کیا تھا، کہ ماکولات میں سے فلاں فلاں چیزیں تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آ رہی ہیں تم مدعیانِ اتباعِ ملتِ ابراہیمی ہو کر انھیں جائز کیسے سمجھ رہے ہو۔ آیت میں جواب اسی کا دیا جا رہا ہے

۶؎ توریتِ موجودہ میں ہے:۔

"سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے واسطے ہیں میں نے اُن سب کو نباتات کے مانند تمہیں دیا" (پیدائش، باب ۹، آیت ۳)

۷؎ (مثلاً اونٹ کا گوشت اور دودھ)

۸؎ (بعض طبی مصالح کی بنا پر)

۹؎ (یہود سے، جو معترض ہو رہے ہیں)

۱۰؎ یعنے اس واضح و صریح شہادت کے بعد۔

۱۱؎ (اور یہی کہے جائے کہ فلاں فلاں چیزیں اللہ کی حرام کی ہوئی ہیں)

۱۲؎ (اپنے حق میں)

۱۳؎ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا۔

۱۴؎ (جنھیں تم بھی اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہو)

۱۵؎ حضرت ابراہیمؑ اور ملت ابراہیمی پر متعدد حاشیے، سورۂ بقرہ رکوع ۱۵ و ۱۶ میں قریب ختم پارۂ اول گزر چکے ہیں۔

۱۶؎ جسکی اولین تعمیر حضرت آدمؑ نے کی تھی، اور اسکے منہدم ہو جانے کے بعد پھر از سرِ نو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے۔

۱۷؎ (بطور عبادت گاہ کے) مکہ کی قدامت پر، بادلِ ناخواستہ مسیحی مورخوں کو بھی شہادت دینی پڑی ہے ۔ ملاحظہ ہو ہسٹوریینس ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۸۔ صفحہ ۱۰۸، ۱۶۳ ۔ مکہ کی قدامت پر مزید شہادتیں، سورۂ بقر رکوع ۱۶ کے حواشی میں بھی گزر چکی ہیں۔

۱۸؎ بکہ۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے ۔ بائبل میں بھی ایک جگہ وادی بکہ کا ذکر موجود ہے

"وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اُسے ایک کنواں بناتے"

(زبور، باب ۸۴۔ آیت ۶)

بائبل کے قدیم مترجمین اپنی حسب عادت تحریف، ترجمہ میں اسے "رونے کی وادی" قرار دیتے رہے ۔ تا آنکہ اب خود اہل کتاب کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چلا ہے، اور اب علمائے یہود کے نزدیک یہ وادی بکا اسم نکرہ

۹۸ قل یا اہل الکتب لم تکفرون بایت اللہ، واللہ شہید علی ما تعملون۔

۹۹ قل یا اہل الکتب لم تصدون عن سبیل اللہ من امن تبغونہا عوجا وانتم شہداء، وما اللہ بغافل عما تعملون۔

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی نشانیوں سے، درآنحالیکہ اللہ گواہ ہے تمہارے سب کاموں کا۔ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے اسے کہ جو ایمان لا چکا، اس طرح کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لیے، درآنحالیکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو، اور اللہ بےخبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

یا ایہا الذین امنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتب یردوکم بعد ایمانکم کفرین۔ وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیت اللہ وفیکم رسولہ، ومن یعتصم باللہ فقد ہدی الی صراط مستقیم۔

اے ایمان والو، اگر تم کہا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو درآنحالیکہ تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں، اور تمہارے درمیان ہیں اس کے رسول۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو سو وہ ضرور ہدایت پا جاتا ہے راہ سیدھی کی طرف۔

تسمیہ علم ہے۔ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے جس سے یقیناً وادی مکہ ہی مراد ہے۔

۱۹؎ یعنی جس میں روحانی امدادی برکتیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔

۲۰؎ (بطور قبلہ کے)۔ دنیا میں سب سے پہلا معبد تبارک ہو، کہ یہی قبلہ دیا گیا ہے، کہ کعبہ تو ہیکل بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔

۲۱؎ مثلاً اس کا مرجع و مرکز اہل توحید ہونا۔

۲۲؎ "مقام ابراہیم" پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔

۲۳؎ (شریعتِ الٰہی کی نظر میں)۔ اس حیثیت پر بھی حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔

۲۴؎ حج و فرضیت حج پر حواشی سورۂ بقرہ پارۂ دوم میں گزر چکے۔

۲۵؎ (بلحاظ زادِ سفر، امنِ راہ وغیرہ)

۲۶؎ (سو وہ اپنا نقصان آپ کر گیا۔)

۲۷؎ برخلاف مشرک قوموں کے دیوتاؤں کے، کہ انکی معبودیت کا طلسم تمامتر انکے پجاریوں کے دم سے قائم ہے۔

۲۸؎ (خصوصاً یہود)

۲۹؎ (جسکے اندر اسکے سارے احکام بھی آ گئے)

۳۰؎ (اور اس حاضر و ناظر، عالم کل کے آگے کوئی بہانہ، کوئی حیلہ نہیں چل سکتا۔

۳۱؎ (طرح طرح کے کر و فن سے)

۳۲؎ یہود خود تو اسلام کے منکر تھے ہی، اب ڈھٹائی اتنی بڑھ گئی تھی

کہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی سعی میں لگے ہوئے تھے۔ یہاں اشارہ [illegible] خاص شخص عمرو ملاق کی جانب ہے۔

۳۳؎ یہود، مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی بمقصد بد دلی کرتے رہتے تھے، اسی کی جانب اشارہ ہے۔

۳۴؎ (اور تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ دین اسلام [illegible]

۳۵؎ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو)

۳۶؎ (یا متاثر ہو گے اپنے عقائد و اعمال میں)

۳۷؎ (لیکن وہ تلے ہوئے ہیں عداوت اسلام پر)

۳۸؎ (از راہ حسد و عناد)

۳۹؎ (عقیدۃً نہ سہی، تو عملاً تو بہرحال)

۴۰؎ یعنی اعمال کفریہ کی جانب بازگشت کیسے کر سکتے ہو۔

۴۱؎ (اور قرآن تمہارے درمیان موجود اور محفوظ ہے)

۴۲؎ (زندہ و سلامت سرورت، اور انکے بعد انکے سنن و آثار) مقصودِ کلام یہ ہے کہ تمہارے لیے دین حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے، جب تک کہ تم میں قرآن و سنت رسول محفوظ و موجود ہے۔

۴۳؎ اور وہ راہ دنیا میں فوز کامل اور آخرت میں جنت کی ہے)

(بقیہ صفحہ ۳)

ایک زنانہ رسالہ

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لیے، اور شریف گھرانوں میں جانے کے قابل اس وقت جو چند زنانے رسالے نکل رہے ہیں، اُن میں ایک ممتاز درجہ، جالندھر (پنجاب) کے ماہنامہ مسلمہ کا ہے، جو انجمن اشاعت اسلام کی نگرانی میں عرصہ سے نکل رہا ہے۔ اس کی تازہ اشاعت میں یہ پڑھ کر، حیرت تو نہیں، البتہ افسوس ہوا، کہ

"مسلمہ نے اس سال ۳-۷-۲۶ کا خسارہ برداشت کیا، سات برس میں کل ۔۔۔۔۔ ۱۲۴۳ کا نقصان"

[illegible] سالانہ کے معاوضہ میں تقریباً چار سو صفحے ریڈنگ میٹر (قابل مطالعہ مضامین) کے دینا، بجائے خود جیسا بھی قابل قدر ہو، [illegible] یا علاج، کہ پرچہ میں شروع سے آخر تک نہ رنگین غزلیں [illegible] نہ "ادب لطیف" کے نمونے، نہ سینما کی تصویریں، نہ [illegible] تذکرے، نہ "اداکاروں" کی داد، نہ بھانڈوں مسخروں سے [illegible] فنا ہکاروں کی یاد۔ پھر ظاہر ہے کہ پرچہ کی مقبولیت و کثرت اشاعت کی صورت ممکن ہی کیا ہے!

مسلمان کیا کریں؟

(افادۂ مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ [illegible]
مقالہ ذیل، خصوصاً اسکا آخری حصہ اس قابل ہے کہ اس کا لفظ لفظ غور و توجہ سے پڑھا جائے۔ مدیر صدق)

یہ سوال اخباروں میں زیر بحث ہے۔ جوابات لکھے جا رہے ہیں۔ پڑھے جا رہے ہیں سنے جا رہے ہیں مگر جو بات کام کی نکلتی یا نکل سکتی ہے وہ فقط یہی ہے، کہ مسلمانوں کو مسلمان بن جانا چاہیے۔ الکفر ملۃ واحدۃ ہر غیر قوم صاف صاف یا عیاریوں اور مکاریوں سے اسی کی کوشش کر رہی ہے کہ مسلمان اسلام اور اسلامیات سے بے طرف ہو جائیں "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم" خود بعض مسلمان بھی جو بھولے پن سے عیاریوں میں پھنس کر وہی گیت گانے لگے جو دوسری قومیں گا رہی ہیں لیکن نبض شناس قوم اب بھی یہ آواز بلند چلا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مسلمان بنا چاہیے۔

دکاندار کی ترقی اس کی تجارت کے بڑھ جانے سے، کاشتکار کی ترقی اس کی پیداوار زیادہ ہونے سے، ملازم کی ترقی فرائض ملازمت کے اچھی طرح انجام پانے سے، وکیل کی ترقی وکالت کے چمک اٹھنے سے، طالب علم کی ترقی استعداد علمی سے۔ ہر فن والے ہر عہدہ والے، ہر کام والے کی ترقی اسکے فن اسکے عہدہ اسکے کام کی ترقی کا نام ہے تو گویا ایسے ہی مسلمان کی ترقی اسلام و ایمان کی ترقی انکے کمال، انکے مضبوط اور راسخ ہونے کے سوا کسی اور ذریعہ سے ہو سکتی ہے؟

افسوس سمجھے تو اس کو کافر سمجھے غیر سمجھے، دشمن سمجھے اور نہ سمجھے تو اپنے نہ سمجھے۔ غیروں نے سمجھا تو یہ تدبیر شروع کی کہ مسلمانوں میں سے اسلامیت کو فنا کر دیا جائے۔ انکی تعلیم بدل دی جائے، ماحول بدل دیا جائے، مذہب اور مذہبی لوگوں سے متنفر کر دیا جائے، خدا سے لگی ہوئی لو کو ہٹا دیا جائے اور روپیہ جاہ اور آزادی کی دو آتشہ سہ آتشہ پلا دی جائے۔ پھر یہ ہمیشہ کے لیے ترقی سے مدہوش ہو جائیں۔

تجارت میں نفع ٹوٹا دونوں احتمال، زراعت میں پیداوار ہونے نہ ہونے کے دونوں احتمال، ملازمت کے بقا و عدم بقا کے دونوں احتمال، ہر کوشش میں کامیابی و ناکامی دونوں احتمال، لیکن تکمیل ایمان کا وہ نسخہ ہے جس میں شفا ہی شفا، ترقی ہی ترقی، کامیابی ہی کامیابی ہے، دوسرا احتمال ہے ہی نہیں۔ سب چیزوں میں تجربے مختلف، کارپردازوں کے حال مختلف، کوائف مختلف، رنگ مختلف۔ لیکن صدہا سال سے، ہزاروں برس سے، تکمیل ایمان کا فقط ایک ہی سا تجربہ ہے کہ فلاح ہی فلاح ہے۔ دنیا میں بھی کامیابی ہے، اور آخرت میں بھی سرفرازی، یہاں بھی راحت وہاں بھی عیش، سامنے تیرہ سو سال سے امت اسلامیہ کا روز روشن کیا جا رہا ہے جب تک تکمیل ایمان ہر چیز سے آگے تھی، مسلمان ہر قوم سے آگے تھے، جب سے اسے پس پشت ڈالا دنیا سے پیچھے جا پڑے۔

دنیا بھر کی کوئی تدبیر کوئی دوا، کوئی علاج ایسی نہیں جس کو سو فی صدی کامیاب یقینی کہا جا سکے۔ [illegible] بر آنے کی [illegible] ایسی یقینی غیر متزلزل توقع ہو جیسے صبح کو سورج نکلنے کی اور رات کو [illegible] صرف ایمان ہے جو سو فی صد نہیں دو سو فی صد کامیاب [illegible] ہے کہ شبہ تک کی بھی گنجائش نہیں۔

[illegible] تدبیریں کی جاتی ہیں مگر نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ [illegible] مگر صحت نہیں ہوتی، کوشش کی جاتی ہے لیکن کامیابی نصیب [illegible] کیوں نہیں [illegible] اسلیے کہ نہ کسی [illegible] اور [illegible] کوئی [illegible] وعدہ نہیں ہے نہ وہ خود اسکے لیے تاثیر لازم۔ لیکن یہ تدبیر یہ دوا یہ کوشش کی جائے اور نتیجہ نہ نکلے صحت نہ ہو کامیابی کی صورت نظر نہ آئے ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن ہے کیونکہ [illegible] تاثیر ہے [illegible] اور اول وعدہ ہے انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (تم ہی ترقی پر ہو اگر کامل مؤمن ہو جاؤ) اور

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلکم۔	(وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم میں کے مؤمنین کامل و صالحین نیک سے کہ ضرور انکو زمین میں خلیفہ بنائیں گے جیسے تم سے پہلوں کو بنایا ہے)

اور پھر ان اللہ لا یخلف المیعاد (ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے)

عام قانون ہے کہ کوششیں بہت کی جاتی ہیں مگر نتیجہ برآمد ہوتا بھی ہے تو انکی بہ نسبت کم۔ دوائیں بہت پی جاتی ہیں اگر صحت ہوتی بھی ہے تو انکی دقتوں اور مصارف و مساعی کو دیکھتے ہوئے کم کم۔ لیکن یہ نسخہ ہے کہ اس میں دقت تو ہے ہی نہیں کوشش کم اور فائدہ بہت جلد بہت زیادہ مساعی سے کئی کئی گنا۔ والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔ (جو لوگ ہمارے یہاں کوشش کرینگے ہم انکو اپنے راستوں پر لگا دینگے) فاذکرونی اذکرکم (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا) یہدی الیہ من ینیب (اپنی طرف ہدایت فرماتے ہیں اسکو جو رجوع کرلے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا (جو میری طرف ایک بالشت آئیگا میں اس کی طرف ایک ہاتھ آؤنگا)

مسلمانوں کی ترقی کثرت سے یا روپیہ سے نہیں ہوئی کبھی انکے پاس غیروں سے زائد آدمی یا روپیہ نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی ترقی وسیع سلطنت وسیع دبدبہ وسیع شان و شوکت اور روپیہ سے نہیں ہوئی یہ سب باتیں حاصل ہوئیں تو ترقی کے بعد ہوئیں ترقی [illegible]

جسے پونچی ہے وہ پھٹے ہوئے کپڑوں، چوکی روٹیوں، ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں، فاقوں اور پیاس میں رہتے ہوئے صرف ایک قوت ایمان سے ہوتی ہے۔

آدمیوں کی کثرت، مال و دولت کی کثرت، جاہ و حشمت کی کثرت، دبدبہ اور شان و شوکت کی کثرت، ہنر کی کثرت، کمالات کی کثرت، صنائع کی کثرت، حرفتوں کی کثرت، مسلمانوں کی خاص دولت نہیں، یہ سارے عالم کے پاس ہے، بلکہ دوسروں کے پاس مسلمانوں سے بیشتر، بہت زیادہ ہی ہے۔ نہ یہ ترقی کا اصلی سبب ہیں نہ مسلمانوں میں عین ترقی کے وقت یہ موجود تھے اور نہ ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ترقی کی ہے۔ مسلمانوں کی وہ خاص دولت جس سے ہر قوم محروم ہے جسکے مقابل دنیا کی ساری قوتیں اور کمالات ہیچ اور بے وقعت ثابت ہوئے جس سے دنیا کی کوئی قوت نہ ٹکرا سکی ہے نہ ٹکرا سکیگی، وہ صرف قوت ایمان ہے۔ جس سے سارا عالم کورا ہے۔

یہی وہ ہتھیار ہے جسکا دنیا میں کوئی جواب نہیں، جسکی کوئی کاٹ نہیں، جسکے آگے سر جھکانے بغیر کسی کو چارہ نہیں۔ نہ حکومتیں اسکے مقابل کبھی ٹھہر سکیں، نہ قومیں اسکی مخالفت کی تاب لا سکیں، نہ ہماری بے مائیگی اسکے ہوتے مانع ہو سکی، نہ ہماری قلت اور بے سامانی، قلت اسکے ہوتے ہوئے ناکام ہوئی۔ نہ اسکے ہوتے ہوئے ہمنے کسی کی کثرت سے خوف کھایا، نہ کسی کی دولت کا دباؤ محسوس کیا، نہ کسی کے جاہ و حشم عزت و احتشام کا رعب ہم پر چھایا۔ ہم نہتے نکلے، بھوکے اٹھے، اور حکومتوں کی حکومتوں کو تہ و بالا کر گئے۔ ہم اس دولت سے ایسے مست تھے کہ نہ کوٹ بوٹ کی ضرورت تھی نہ اور کسی ظاہری رنگ روپ کی حاجت تھی، صورت سے مسکین اور دل سے غنی تھے، غریب تھے مگر دولت سے مالا مال، اور ہر شخص مستقل بادشاہ تھا۔

اسی کا رونا روتے ہیں، اسلاف کو یاد کرتے ہیں، کارنامے سنتے سناتے ہیں "پدرم سلطان بود" دنیا کو دکھاتے ہیں، لیکن وہ عمل، وہ کام، وہ دوا، وہ تدبیر جو وہ کرتے تھے ہم نہیں کرتے تو جو بیمار راتوں کو کراہے، صبح سے شام تک تڑپے، لوٹے بیقرار رہے مگر دوا کا ایک قطرہ نہ پیے اسکی صحت سوائے موت کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

ہم نے کمال ایمان کو کیا چھوڑا خدا و رسول کو گویا چھوڑا، نرم دلی کو چھوڑا، آپس کے اتفاق کو چھوڑا، نیک کاموں کو چھوڑا، ایثار و ہمدردی کو چھوڑا، دلجمعی و اطمینان کی حیات طیبہ کو چھوڑا، اور بدکردار، بدمعاملہ، بداخلاق، بدعہد، جھوٹے، دھوکہ باز، مکار، ایک دوسرے کو کھا جانے والے، غرور و نخوت میں سرشار، غصہ، بخل، حسد و بغض میں ماہر، دو دو روٹی کے پیچھے عزت، آبرو، دین و ایمان کو قربان کرنے والے۔ غرض ساری قوموں سے بڑے شمار ہوئے۔ مکروں اور فتنوں کے شکار ہوئے۔ ہنس کی چال چلے اپنی بھی بھول گئے۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ سب کی نظروں سے گرے۔ وقار کھویا، اعتبار کھویا، دنیا کھوئی اور دین بھی کھویا۔

رہا یہ کہ تکمیل ایمان ہے کیا؟ کیا سب مسلمان تمام کاروبار چھوڑ کر تسبیح و مصلیٰ لیکر بیٹھ جائیں، نہ بولیں نہ چالیں، دن رات نماز، روزہ اور ماشاء اللہ کریں، دنیا کے کسی کام کی قطعاً خبر نہ رکھیں، اپنے خورد و نوش اور اعزہ و اقربا اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو جائیں، ہر کام اور ہر بات سے بیخبر رہیں، وغیرہ وغیرہ۔ نہیں نہیں۔ تکمیل ایمان اتنا سخت نسخہ نہیں ہے، بہت سہل، بہت لذیذ، بہت دلچسپ اور بہترین فائدہ مند ہے۔

تکمیل ایمان کی ایک جڑ ہے اور چند شاخیں۔ صرف جڑ کو مضبوط کر لینے سے یہ کل مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ جڑ، دل میں خالق سے لو لگا لینا ہے۔ بس اس لو کو جتنا قوی کر دیا جائیگا اسی قدر ایمان طاقتور ہو جائیگا۔ اب تمام عبادات جو اسکی شاخیں ہیں بہت لذت اور راحت سے ادا ہونگی، ہر کام میں برکت ہوگی، ہر امید میں کامیابی ہوگی، تمام نزاعات فنا ہو جائیں گے، دل نرم ہو جائینگے وہ سکون و اطمینان کی زندگی میسر ہوگی کہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی میسر نہیں، وہ کیف، وہ لذت، وہ سرور، وہ مستی ہوگی کہ آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں واقعی زندگی ہے تو یہ ہے، جسنے اسے نہیں چکھا وہ زندہ ہی نہیں ہوا۔ پھر جو کام بھی آپ کریں، جس سے نازاں ہیں، جہاں چاہیں رہیں، مگر اس دل کی زندگی کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ یہ لگن ہر وقت لگی رہے۔

ہر کام استاد سے بسہولت آتا ہے، اس لیے کوئی کامل لائق اور پابند سنت اس فن کا استاد تلاش کیا جائے۔ خود تلاش سے نہ ملے تو جاننے والوں سے پوچھیے۔ اپنی زندگی کو زندگی بنائیے دنیا میں بھی لطف اٹھائیے اور آخرت میں بھی۔ ترقیاں کیجیے، سلمان بنکر کیجیے۔ دنیا کو زیر و زبر کرکے دکھائیے، انقلاب کیجیے، عہد ماضی کو حال کر دکھائیے، "داستان پارینہ" کو منظر عام پر معائنہ کرائیے، خود تباہی سے بچیے، قوم کو بچائیے، ورنہ اول تو ترقی موہوم۔ پھر اگر ترقی دنیا کے اعتبار سے ہو بھی گئی اور مسلمان مسلمان نہ رہے تو وہ مسلم قوم کی ترقی کب ہوئی، ایک ایسی قوم کی ترقی ہوئی جسکا نام مسلم ہوگا مگر فقط نام ہی نام ہوگا۔ لیکن جب تک یہ لو لگا دینے والا استاد ملے کم سے کم ہر ہر نماز کے بعد اس کی دعا ضرور کی جائے۔

اس وقت میں ایک نظام عام پیش کرتا ہوں۔ کاش وہ حضرات جنکے پاس اشاعت کے سامان مہیا اور کوشش و سعی کی وسعت و مقدرت ہے اس کو لے کر اٹھیں اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیں۔ حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مسلمانوں میں مسلمانیت نظر آنے لگیگی۔ بس کبریاء عز و جل توفیق خاص عطا فرمائیں۔

تقریروں اور تحریروں سے بلکہ سفر کر کر کے گاؤں گاؤں . . .

معلوم مسلم ان باتوں کی تلقین کی جائے یا کم از کم اپنے حلقہ ہی میں شروع کر دیا جائے۔

(۱) چونکہ اس وقت ایک دنیا مسلمانوں کو اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہی ہے اور اسلام ہمارے پاس وہ امانت ہے جسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وصال فرما گئے ہیں اور ہم کو قیامت میں اس کی حفاظت کی جوابدہی کرنی ہے اور یہ حکم تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر اور احکام امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر ہر مسلمان کے ذمہ فرض کفایہ ہوتا ہے، تو ہم کو اس وقت جان لڑا دینی چاہیے اور کم سے کم اس دین کی اشاعت اور ترغیب وتحریص کے لیے ۲۴ گھنٹوں میں سے صرف آدھ گھنٹہ ہر شخص کو دینا چاہیے اور جو حضرات زیادہ دے سکیں تو سبحان اللہ۔ اس طرح ہر محلہ اور ہر گاؤں میں ایک تبلیغی جماعت بن جائے، جسکے افراد حسب فرصت بدلتے رہیں۔ وہ تو دوسرے محلوں میں جائے اور باقی لوگ ایک دوسرے سے آدھ گھنٹہ روز کہتے سنتے رہیں تاکہ یہ باتیں دل میں جم جائیں۔ اسلام کا ہر فرد مبلغ ہے اتنا ہر شخص جانتا ہے ہر شخص کو اس کی زبانی عملی اور جدوجہد سے تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ باتیں کہیں اور کریں چلتے تو یہی [illegible] بعض اور حضرات سے بھی یہ عرض کیا جائے کہ وہ بھی جماعت بنانے کی کوشش کریں اور اُن سے بھی بنانے کو کہیں۔

(۲) بہت سے مسلمانوں کو کلمہ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ صحیح یاد نہیں ہوتا وہ سب سے سنیں سنائیں جسے یاد نہ ہو نرمی سے یاد کرائیں اور اسکے معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے قابل نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں ذہن نشین کرائیں اور یہ تاکید کر دی جائے کہ ان معنی کا خوب دھیان کرکے کلمہ شریف ایک سو مرتبہ روزانہ جس وقت فرصت ملے ضرور پڑھ لیا کریں۔ چاہے چلتے پھرتے ہوں، باوضو ہوں یا بلا وضو۔ جس طرح بھی ہو ضرور پڑھ لیا کریں مگر معنی کو دل میں جماتے ہوئے تاکہ ایمان خوب جم جائے۔

(۳) جو لوگ نماز نہ پڑھتے ہوں اُنکو خوشامد کرکے نرم لہجہ سے بلکہ سختیاں برداشت کرکے گالیاں سن کے، صبر وتحمل کے ساتھ اپنے کو ثواب ملنے کی امید پر اُنکو نماز کے لیے لے جانا اور نماز کی ترکیب، سورتیں، دعائیں یاد کرانا یا اس کا انتظام کر دینا کہ ہر جاننے والے کے متعلق ایک نہ جاننے والا کر دیا جائے کہ وہ اُس سے سیکھ لے۔

اور جاننے والوں سے یہ کہنا کہ اب جو نماز پڑھی جاتی ہے اُسکا اثر دل تک نہیں پہونچتا، نماز کے ثمرات پورے پورے حاصل نہیں ہوتے دل میں نرمی، صفائی، گناہوں سے بچنا، بُری باتوں اور بداخلاقیوں سے رکنا، نماز میں لطف آنا حاصل نہیں ہے، جسم کہیں ہے اور دل کہیں، دل کچھ کہہ رہا ہے اور زبان کچھ، گو فرض ادا ہو جاتا ہے مگر نماز پوری طرح بہشتی کے قابل نہیں ہوتی اس لیے دل میں ہر وقت یہ جاننے کی کوشش کیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوئے [illegible] ہیں۔ اور اس کی بے انتہا کوشش کیجیے اگر کوئی خیال ادھر آ جائے تو پھر [illegible] اپنے پھر آ جائے تو پھر لائیے۔ شروع شروع میں تھوڑا سا وقت لگے گا پس پھر انشاء اللہ نماز کا ذائقہ آ جائے گا اور سب ثمرات حاصل ہونے شروع ہونگے آخر تک نماز ہی نماز ہوگی۔ دل کی آنکھیں کھلنے لگینگی اور وہ انوار وبرکات نظر آئینگی جو اب تک آپ سے پوشیدہ تھیں۔

(۴) قرآن شریف کم سے کم دو منٹ روز صحت سے تلاوت کرنا یا سیکھنا۔ اور مسلمانوں کو قرآن شریف حفظ و ناظرہ پڑھانے کی طرف متوجہ کرنا، مکاتب قائم کرنے کی زبانی اور عملی کوشش کرنا۔

(۵) خرچ کو [illegible] کم کرتے رہنے کی کوشش کرنا یعنی اس خیال میں [illegible] کم کریں۔

بس یہ معمولی سا انتظام بلا خرچ اور بلا زیادہ وقت صرف کیے بلا دقت ومشقت اُٹھائے عمل میں لے آیا جائے جس میں نہ کسی کو اختلاف ہے نہ کسی سے آویزش ہے۔ صرف ایک اور کسی لیے ہی کرکے دیکھا جائے انشاء اللہ اسی ذرا سی معمولی توجہ سے اصلاحیت بہت کچھ ترقی کر جائیگی۔ پھر خود ہمیشہ تبلیغ کے لیے تیار ہو جائینگے۔

یہ نظام عمل نہ کسی کام میں حرج پیدا کرتا ہے نہ حقوق سے غافل کرتا ہے۔ آپ صرف اسی قدر عمل کرکے دیکھیے۔ انشاء اللہ جلد بہت سے آدمیوں کی دین و دنیا سنور جائیگی۔ اس نظام کا تجربہ ضلع گوڑگانوہ اور علاقہ میوات میں ہزاروں مسلمانوں پر ہو بھی چکا ہے جو صاحب چاہیں وہاں جاکر دیکھ لیں۔

نئے ٹیلیفون کی بسم اللہ

سر صدر اعظم بہادر بالقابہ کی توجہ سے ہمارے پاس عصری محکموں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور انکی کارکردگی میں بھی اضافے ہو رہے ہیں آپ کو اسکا بہت خیال رہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا محکمہ نہ رہ جائے جو متمدن ممالک میں عوام کی خدمتگزاری میں مصروف ہے۔ آپ کے اسی خیال کا نتیجہ ہمارے قدیم نظام ٹیلیفون کی ایک خودکار نظام میں تبدیلی ہے جسکا افتتاح ۲۰ ستمبر کو خود صدر اعظم بہادر بالقابہ نے فرمایا۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا اور اس لیے ہمیں بہت متاثر کیا۔ شاید یہ ہمارے پاس پہلی مثال ہے کہ کسی سرکاری اعلیٰ عہدہ دار نے کسی تقریب کے افتتاح کو بسم اللہ سے باعزت وبابرکت بنایا ہو۔ ہم پر مغربی ادبیت کا اثر بری طرح بڑھتا جا رہا ہے اور مسلمان بھی اس اثر کے سیلاب میں بہ کر خدا سے غافل ہوتے جاتے ہیں اور اُسکی قدرت مطلقہ کو بھلا کر اپنے آپ کو اس قدرت کے آلۂ کار کے بجائے مالک سمجھنے لگے ہیں! نواب صدر اعظم بہادر نے بسم اللہ سے افتتاح کرکے ہمارے مسلم عہدہ داروں اور مسلم قوم کے آگے خدا کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اسی نام سے برکت حاصل کرتے رہنے کا اس عہد غفلت میں ایک اچھا نمونہ پیش کیا ہے

(رہبر دکن)

اسلام اور ہند جدید

(از مولانا ابو البرکات عبد الرؤف صاحب دانا پوری)

۲۰ فروری کے مقالہ افتتاحیہ میں جناب مولانا عبد الرزاق صاحب نے یہ الفاظ لکھے تھے :-

"میں عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ اسلامی اصول پر نظام قائم کرنے کے حوصلے ظاہر کرتے ہیں وہ اسلام کی تعلیم اور روح سے بے خبر ہیں وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کا مطلب خود بھی نہیں سمجھتے"

"میں بارہا اس حقیقت کو ظاہر کر چکا ہوں کہ اسلام نے انسانی سوسائٹی کے لیے کوئی خاص نظام تجویز نہیں کیا ہے بلکہ اس کام کو لوگوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ضروری انتظام خود تیار کیا کریں"۔ الخ۔

اردو کے ان سادہ جملوں کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔ یعنی انسانی سوسائٹی کے لیے اسلام نے کوئی نظام مقرر نہیں کیا، نہ اسلامی اصول پر کوئی نظام بن سکتا ہے۔

مجھ کو مولانا کے اسی خیال سے اختلاف ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ اسلامی اصول پر انسانی سوسائٹی کا نظام بنا ہے اور بن سکتا ہے۔ اسلامی احکام سوسائٹی کے تمام کاموں کے متعلق موجود ہیں۔ جو قانون جو دستور العمل اور جو نظام ان احکام کے خلاف ہوگا وہ اسلام کے خلاف ہوگا۔ اس کی اتباع مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہوگی۔

اس موضوع پر میرے دو مضمون شائع ہوئے۔ اب میرے دوسرے مضمون کے جواب میں جناب مولانا عبد الرزاق صاحب نے دو مضامین لکھے ہیں۔ ایک ۲ اپریل کے ہفتہ وار "ہند" میں شائع ہوا ہے اور دوسرا ۹ اپریل کے پرچہ میں۔ مولانا نے بحث کا دامن بہت وسیع کر دیا ہے۔ تطویل لاطائل سے بات کو بہت الجھا دیا ہے۔ مگر نفس مضمون کے متعلق وہ اب تک ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے۔

مولانا کو شکایت ہے کہ میں نے ان کے عقائد پر شبہ کر کے ان پر ذاتی حملہ کر دیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ یہ کہ مولانا کا دعوے ہے کہ وہ اسلام کو کامل، مکمل، دائمی اور عالمگیر دین سمجھتے ہیں۔ مگر خود ان کا اپنا کلام جو اس کے بعد ہے اس دعوے کے منافی ہے۔ یہ ذاتی اعتقاد کی بحث نہیں ہے بلکہ اس سے کلام کا تضاد دکھانا مقصود ہے جو خالص علمی بحث ہے۔

مولانا کے جواب میں میں نے عرض کیا تھا کہ سوسائٹی کا نظام اسلام نے مقرر کر دیا ہے۔ سوسائٹی کے تمام کاموں کے جواز یا عدم جواز کی تعلیم دیدی ہے۔ سوسائٹی کی کون سی چیز باقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے نہ دی ہو؟ مولانا نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ کیا زراعت، جہاز سازی، بیطاری، جراحی وغیرہ صنعت و حرفت کی بھی اسلام نے تعلیم دی ہے اور کیا صرف قرآن و حدیث کے پڑھنے سے ایک شخص انجینیر، جہاز ساز، معمار اور تمام دنیا کے

علوم و حکمت سے واقف ہو جاتا ہے۔ میں نے اس پر لکھا کہ یہ بچوں کا سا اعتراض ہے۔ اسلام احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم اسلام سے معلوم ہوتا ہے۔ زراعت، صنعت، اور علوم و فنون غیر شرعی کی عملی تعلیم اسلام کے موضوع بحث سے خارج ہے۔

اب مولانا نے ۹ اپریل کے پرچہ میں اس کا جواب پر عجیب تمسخر آمیز بحث کی ہے۔ کالم کے کالم اس لغو بحث میں سیاہ کر دیے ہیں اور اس میں واقعی بازاری بچوں کی زبان بھی استعمال کی ہے۔ ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ "سوسائٹی کی کون چیز باقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے نہ دی ہو"۔ اس لیے یہ سب چیزیں تمہارے دعوے میں داخل تھیں، اب ان کو خارج کرتے ہو اور اپنے کلیہ سے پھرتے ہو۔

حیران ہوں کہ اس منطق کا کیا جواب دوں۔ ہر اہل علم جانتا ہے کہ اس قسم کا کلیہ ہمیشہ موضوع بحث کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔ گفتگو ہو رہی ہے اسلامی تعلیم پر، گفتگو ہو رہی ہے سوسائٹی کے نظام پر۔ سوسائٹی کا نظام کبھی سوسائٹی کے اصول، قواعد، دستور العمل اور رسم و رواج ہی کا نام ہے۔ جن چیزوں کی فہرست مولانا نے دی ہے وہ سوسائٹی کا یا سوسائٹی کے افراد کا کام ہو سکتا ہے۔ سوسائٹی کا نظام نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ برٹش قانون بہت جامع ہے۔ سوسائٹی کی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ آئی ہو، تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قانونی کتابوں میں انجینیری، ڈاکٹری، بیطاری، پارچہ بافی کی بھی تعلیم ہے یا کلیہ کلی موضوع کے ساتھ خاص ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز کے لیے اس قانون میں دفعات موجود ہیں۔

پھر اسلام کے متعلق جو کلیہ میں نے کہا ہے وہ میرا نہیں ہے، قرآن پاک میں ہے اللہ پاک فرماتا ہے کہ کوئی رطب و یابس نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ مولانا اگر قرآن پاک کی صداقت قبول کرتے ہیں تو اس کے ہمہ گیر دعوے کا کوئی صحیح مفہوم بیان کریں۔ اس کے بعد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ٹھوک بجا کر لکھا تھا یا یوں ہی لکھا تھا وہ کلیہ اسی طرح علی حالہ قائم ہے۔ مولانا کو پھر اس کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بہرکیف فضول، لغو اور غلط الزام میں کالم کے کالم سیاہ کرنے کے بعد اصل بحث کے متعلق بھی مولانا نے کچھ لکھا ہے وہ خود انھی کے الفاظ میں سنیے۔ فرماتے ہیں

"مولانا (عبد الرؤف) مان چکے ہیں کہ اسلام نے علوم و فنون اور صنعت و حرفت کی تعلیم نہیں دی بلکہ اسلام سے صرف اس قدر ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا چیز جائز نہیں"

"اس خیال سے ہر ذی عقل متفق ہوگا اور میں (مولانا عبد الرزاق) بھی متفق ہوں۔ اسلام تو خیر اللہ کا دین ہے [illegible] ہے۔ اسلام کے سوا جتنے بھی دین دنیا میں موجود ہیں سب ہر چیز کے جواز و عدم جواز کا فتویٰ دیا کر سکتے ہیں۔ نہ کہ بھی [illegible]

جناب مولانا عبد الرزاق صاحب اتنی بات میں میرے ساتھ متفق ہو گئے کہ اسلام سے ہر چیز کے جواز یا عدم جواز کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ اس خیال سے ہر ذی عقل متفق ہوگا اور میں بھی متفق ہوں یہ اتفاق کس بات میں ہے؟ ذرا اسکی توضیح کی جائے۔ اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جس چیز کا حکم دیا اور ضروری یا جائز قرار دیا اس سے طبعی گی اختیار کی جائے۔ تمام عقلاء اسلام کے جواز و عدم جواز کو قبول نہیں کرتے نہ تمام اہل مذاہب قبول کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مولانا اسلام کے جواز و عدم جواز کو قبول کرتے ہیں یا صرف انھیں باتوں کو قبول کرتے ہیں جسکو دوسرے عقلاء قبول کریں۔

اوپر جو عبارت مولانا عبد الرزاق صاحب کی لکھی گئی اس میں وہ فرماتے ہیں کہ جتنے دین دنیا میں موجود ہیں سب ہر چیز کے جواز و عدم جواز کا فتویٰ صادر کر رہے ہیں"۔ مولانا کو اسلام کے ہمہ گیر ہونے پر تو بڑا اعتراض تھا اور شاید اب بھی ہو، لیکن یہاں بڑی آسانی سے دیگر تمام ادیان کو ہمہ گیر فرما رہے ہیں۔ انکے جملہ کا مطلب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک اخلاق اور معاملات کے تمام مسائل کے متعلق اسلام کی طرح جواز یا عدم جواز کے احکام تمام مذاہب میں موجود ہیں۔

حالانکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ اخلاق اور معاملات کی تعلیم کا کوئی بھی ذخیرہ کسی دوسرے مذہب والوں کے پاس موجود نہیں ہے۔ یہودیوں کے پاس صرف توریت ہے یا انبیاء کے بعض صحائف، عیسائیوں کے پاس انجیل ہے یا بعض حواریوں کے خطوط، پارسیوں کے پاس ژند اوستا اور ہندوؤں کے پاس وید ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب بھی لے لو۔ اس کی رو سے کوئی ایک باب بھی مکمل طریقہ سے مرتب نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں سے کسی کے پاس بانیان مذہب کی تعلیم کا ایک صفحہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس کو مستند اور مدلل طریقہ سے بانیان مذہب میں سے کسی کا صحیح قول ثابت کیا جا سکے۔

اسکے برعکس خود قرآن پاک میں معاملات کے تمام اہم مسائل موجود ہیں۔ اخلاق کی تعلیم اس پیمانہ پر موجود ہے جس سے دنیا نے ارسطو کی کتاب الاخلاق کو منسوخ اور کالعدم کر دیا۔ اور قرآن پاک کے علاوہ رسول اللہ کی احادیث و تعلیمات کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے جس سے علماء نے اخلاق اور معاملات کے ایک ایک اہم مسئلہ پر علیحدہ علیحدہ مستقل کتابیں مرتب کر دی ہیں۔

مولانا نے اس بیّن فرق کو نظر انداز کر کے کس آسانی سے دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو اسلامی تعلیم کا مساوی درجہ عطا کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب تمام مذاہب نے ہر چیز کے جواز و عدم جواز کی تعلیم دی ہے تب اخلاق اور معاملات کے تمام مسائل کے متعلق اسلام کی طرح ان میں بھی احکام موجود ہیں تو پھر اسلام کیوں مکمل نہیں ہے اور دوسرے مذاہب کیوں مکمل نہیں ذرا اس کی توضیح تو مولانا بیان فرمائیں۔ (باقی آیندہ)

حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامے

(سلسلہ صدق عک ماقبل)

ایک اور "مولانا صاحب" تھے۔ جن کا ذکر ملا صاحب نے مولانا خواجہ شیرازی کے لقب سے کیا ہے۔ ان مولانا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

از مکۂ معظمہ رسالہ از شرفا آوردہ کہ
احادیث صحاح ہفت ہزار سال کہ
مدت ایام دنیا است سپری شدہ
حالا وقت ظہور مہدی موعود است
و خود ہم رسالہ ترتیب دادہ گزرانید

شرفاء کے پاس سے یہ مکۂ معظمہ سے ایک رسالہ لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری ہو چکی ہیں یہی وقت اُس مہدی کے ظہور کا ہے جسکا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود ان مولانا خواجہ شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنی علماء ہی کے افراد شریک نہیں ہو گئے تھے بلکہ شیعی علماء کے بعض افراد بھی:۔

" از امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ ص ۲۸۶ "

اکبر کے عہد کے ایک شیعی عالم ملا شریف آملی بھی تھے، صاحب تالیف و تصنیف تھے ملا صاحب نے انکا ایک طویل تذکرہ درج کیا ہے۔ انھوں نے محمود بسیخوانی جو تیموری عہد کا ایک مشہور شطح نویس معتقد گزرا ہے، اُسکی کتاب سے بھی یہ مضمون نکالا:۔

کہ در سال نہ صد و نود بردارندۂ
باطل شخصے خواہد بود و بہ تعبیر او
"صاحب دین حق" تشخیص کردہ
بحساب جمل نہ صد و نود ست ص ۲۸۹

نو سو نوے (ہجری) میں باطل کا مٹانے والا ایک شخص پیدا ہوگا "صاحب دین حق" سے اسکی تعبیر کی گئی، ابجد کے قاعدہ سے وہی نو سو نوے عدد نکالے گئے۔

ان سب کے علاوہ ناصر خسرو کی دو رباعیاں بھی اسی نظریہ "الف ثانی" کی تائید میں پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی رباعی یہ ہے:۔

در نہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضا
آیند کواکب از جوانب یکجا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ برون خرامد آں شیر خدا

اور "آں شیر خدا" سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ دوسری رباعی یہ ہے:۔

در نہ صد و نہ دو قران می بینم
وز مہدی و دجال نشان می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دین
سرے ست کہ پنہان ست عیان می بینم

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گزرنا ایک ایسا واقعہ بنا لیا گیا، جس پر "الف ثانی" کے نظریہ کی یاروں نے بڑی بڑی تعبیریں کھڑی کر دیں، پھر مستقل طور سے طے کر دیا گیا کہ محمدی اسلام کی عمر پوری ہو گئی، بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی اضافہ کر دیا گیا کہ (بالفرض اگر نہ بھی پوری ہوئی رہی جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے) جب بھی ملا مبارک — دریں سال شیخ مبارک در خلوت — نے بیربر سے بادشاہ کے سامنے

بحضور بادشاہ بیر برگفت کہ چنانچہ در کتب شما تحریفات است در دین ما نیز تحریفات بسیار رفتہ و اعتماد نماند۔ صفحہ ۳۱۲

خلوت میں مخاطب کرکے کہا کہ جس طرح تمہارے دین میں تحریفیں ہوئی ہیں اسی طرح ہمارے مذہب میں کثرت تحریفیں ہوئی ہیں جنکی وجہ سے

اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہ رہا۔ ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا اسی کے بعد

مدت ہزار سال از ہجرت تمام شد

ہجرت سے اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت بھی پوری ہو چکی ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے۔ لیکن جدید آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ گزر چکا کہ "ہندو مسلم" اختلاف کو رفع کرنا۔ اب سنیے کہ اس پر جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی۔

عقلا در ہمہ ادیان موجود بودہ اند و ارباب ریاضات و کشف و کرامات و کمل بوائف انام پیدا وحق ہمہ جا دائر پس انحصار آں در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا صفحہ ۲۵۶

تمام مذاہب میں عقلمند موجود ہیں اور پائے جاتے ہیں اسی طرح ریاضت و مجاہدہ کشف و کرامات والے بھی دنیا کے تمام لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ پھر ایک ہی دین و ملت میں حق کو کیوں منحصر خیال کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایسے دین میں جو نو مولود ہے اس پر ابھی ہزار سال بھی نہیں گزرے ہیں۔ آخر ایسے دین میں حق کو منحصر کر دینا کیوں ضروری ہے۔ یقیناً ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا یہ ترجیح بلا مرجح ہے یعنی بلا وجہ کی ترجیح ہے۔

"ہندی قومیت" کی تعمیر کا شاید یہی وہ مقدمہ ہے، جو اسکی جدید تحریک اور "نشأۃ ثانیہ" کی تائید میں اسی جماعت کے ایک فرد فرید نے چند دن ہوئے کہ بعض آیات قرآنیہ کی ——— جدید تفسیر کے ذریعہ سے اسی دعوے کو دوہرا دیا ہے اور تحریک کے بانیوں کی جانب سے انھیں کافی داد ملی۔ حتیٰ کہ بعض دیسی زبانوں میں اسکا ترجمہ کرکے بھی شایع کرایا گیا۔ خیر مجھے اس سے کیا بحث، میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اسلام کو جس آتشگیر مادہ نے گھیر لیا ہے اور ناتوانوں کو خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ خدانخواستہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب و اتباع باحسان کے فراہم کردہ خرمن کو (لا فعلہ اللہ) یہ شعلے بھڑک کر بھسم نہ کر دیں یہ خیال اس قرآن کے متعلق جو "محفوظ" لوح میں اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ کے دست قدرت سے ثبت کیا گیا ہے؟ اس کو برباد کرنا تو بڑی چیز ہے انشاء اللہ ناپاکوں کے ناپاک ہاتھ اسکو چھو بھی نہیں سکتے وہ خود اپنی اندرونی لازوال قوتوں سے اس قسم کی اطفالی کوششوں کا ہمیشہ رد عمل کرتا رہا ہے اور کرتا رہیگا۔ خواہ جھٹلانے والوں کی یہ جماعت فرعون و ثمود کے جنود ہی کیوں نہ ہوں۔

بہرحال، آخر طے کر لیا گیا کہ "جدید ملت" کی بنیاد رکھدی جائے۔

ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف داماں نبوت تک پہونچی تھی۔ الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہونچا تھا۔ اسکے دماغ میں ابھی "الٰہ" کا عقیدہ باقی تھا اور اسی لیے جدید دین کا نام "الٰہی مذہب" رکھا گیا تھا۔ الٰہی مذہب کے لیے عموماً الہام و وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کیا اکبر نے اسکا بھی کوئی سامان کیا تھا اور کتابوں میں تو شاید اس کا بھی کچھ سراغ ملتا ہے۔ لیکن ملا صاحب باوجود کیکہ ایک موقع پر یہ لکھ گئے ہیں،

ایں ہمہ باعث دعوی نبوت شد الا نہ بلفظ نبوت کہ بعبارت آخر۔ صفحہ ۲۸۶

یہ باتیں دعوے نبوت کی سبب ہوئیں لیکن نبوت کے لفظ کے ساتھ نہیں دوسرے لفظوں میں۔

در ملا شیرازی نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں اکبر کی ان بیہودہ کوششوں کا اس ایک شعر میں جواب دے کر کہ

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلے
کز خلائق ہر پیغمبر عبد خواہد شدن

آخر میں اُنھوں نے بھی کچھ "نبوت" ہی کی جانب اشارہ کیا ہے:

بادشہ امسال دعواے نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن بجز ایک واقعہ کے جسکا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے کہ نندانہ (پنجاب) سے لوٹتے ہوئے اکبر کو سیر و شکار کا شوق ہوا اور قمرغہ (ہانکنے) کا فرمان دے کر شکار میں مصروف ہوا۔ چار دن تک مسلسل شکار کھیلتا رہا۔ شکاروں کا انبار لگ گیا کہ اچانک ایک درخت کے نیچے آیا تب بادشاہ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور عظیم جذبہ

ناگاہ بہ یکبار حالتے عجیب و جذبۂ عظیم بہ شاہنشاہ وارد گشت و تغیر فاحش در وضع ظاہر شد بشابہ کہ تعبیر از آں ممکن نبود و ہر کدام چیزے حمل می کردند (صفحہ ۲۵۳)

وارد ہوا۔ حالت میں غیر معمولی انقلاب سا پیدا ہوگیا اور ایک ایسی کیفیت تھی جس کی تعبیر ناممکن ہے ہر شخص اپنے خیال کے مطابق ایک رائے قائم کرتا تھا۔

اکبر پر یہ کس قسم کا حال طاری ہوا تھا، ملا صاحب تو "الغیب عند اللہ" کہکر نکل گئے۔ لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں کہ

ایں خبر در شرق رویہ ہند شہرت یافتہ ازاجیف عجیب اکاذیب غریب در افواہ عوام افتاد (؟)

ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں بادشاہ کی اس کیفیت کے متعلق طرح طرح کی گپیں اور بیہودہ باتیں مشہور ہو گئیں۔

بظاہر وحی اور کتاب کے متعلق جو بعض خبریں مشہور رہیں وہ انھی "اراجیف" و "اکاذیب" پر مبنی ہیں۔ اتنا تو ثابت ہے کہ اس درخت کو "مقدس" قرار دیا گیا اور "طرح عمارت عالی و باغ وسیع در انجا انداختند و زر بسیار بفقراء و مساکین دادہ" اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "موئے سر را قصر کردند" کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گیا کے "مولی" کی نقل نہ ہو۔

فلسطین کی عقلمند دیوانیاں

(از بدیع النساء بیگم صاحبہ، حیدرآباد دکن)

ہم نے کچھ عرصہ پہلے اپنے ایک مقالہ میں بلحاظ فطری ساخت عورتوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کو مردوں سے علٰحدہ قرار دیتے ہوئے اُنکی توجہ امور خانہ داری اور مادریت کی طرف منعطف کرائی تھی۔ جس پر معلوم نہیں کتنی تجدد نواز اور روشن خیال بہنیں ہم سے روٹھ گئیں اور کتنی ہمارے اس خیال کو قدامت پرستی اور تنگ خیالی پر محمول کر رہی ہیں، لیکن ایک حیدرآبادی مسز صاحبہ نے تو "مجوبہ گرلز اسکول" میں ہم سے صاف صاف کہدیا کہ "you are too ancient" لیکن بہن صاحبہ آپ کے Too Modern ہونے میں بھلا کس کو کلام ہو سکتا ہے جبکہ آپ اپنی زبان چھوڑ کر دوسروں کی زبان بولتی ہیں، اپنا لباس رکھتی ہوئی غیروں کا لباس پہنتی ہیں اور اپنا نام رکھتی ہوئی اپنے مردوں کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ہمیں حیرت جرمن نازی اور اطالوی قوموں پر ہوتی ہے جو آپ کی طرح مہذب اور روشن خیال ہونے کے باوجود اس طرح کی too ancient باتیں کہتی چلی جاتی ہیں۔ خیر ان اقوام کے ذکر کو چھوڑ دیکہ جو ایک عرصہ ہوا "نسی دقیانوسیت" کا راگ الاپ رہی ہیں، لیکن فلسطین کی ان عقلمند دیوانیوں کے سر میں یہ کیا سودا سما گیا ہے جو ہماری طرح ان "حماقتوں" میں مبتلا نظر آتی ہیں۔ ذیل میں ہم مسز روز جے کیس کے اُن خیالات کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو ہندوستان سٹینڈرڈ" میں یہودی عورتوں کی سرگرمیوں کے عنوان سے شایع ہوا ہے:—

"مسز روز جے کیس فلسطین کانفرنس کی واحد نمایندہ خاتون ہیں جو اس وقت لندن میں منعقد ہوئی ہے۔ موصوفہ یہودی ایجنسی کی مجلس تنفیذی کی بھی واحد رکن ہیں جو صیہونی تحریک کی اعلیٰ ترین مجلس ہے۔ یہ ایجنسی تمام دنیا کے (۳۰) ممالک کے ان ہزاروں یہودی خواتین کی ترجمان ہے جو تحریک صیہونی میں متحدہ مربوط ہیں۔

نظری طور پر صیہونیت میں عورتیں بھی اُنھی حقوق کی مالک ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں، لیکن وہ ان محصلہ واقع سے استفادہ کرنے میں تا حال سست نظر آرہی ہیں۔ صیہونی تحریک کے شعبۂ سوزن نے حالیہ سالوں میں جو زبردست ترقی کی ہے اور فلسطین میں صیہونیت کی جانب سے جو روز افزوں ذمہ داریاں عورتوں پر عائد کی گئی ہیں اُن کا اب یہ اقتضاء ہے کہ وہ اپنی قوت و اثر کو کام میں لائیں اور اپنے حاصل شدہ تجربات کو روبکار لانے کے لیے کامل آزادی حاصل کریں۔

مسز جے کیس بحیثیت رکن مجلس تنفیذی زیادہ سے زیادہ عورتوں کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ صیہونی تحریک کی مقتدر مجالس میں اپنا جائز مقام اور رتبہ کا مطالبہ کر سکیں۔ کانفرنس میں مسز جے کیس کا ایک خاص کام "تحریک یہودی نوجوانان" سے متعلق ہے تاکہ جرمنی کے یہودی بچوں کو فلسطین میں منتقل کیا جائے۔

تحریک صیہونی میں جو خواتین داخل ہیں اُنھوں نے اپنے ایک "بین الاقوامی نسوانی نظام صیہونی" قائم کیا ہے جو عام طور پر "ویزو" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا نصب العین یہ ہے کہ فلسطین اور دوسرے ممالک کی عورتوں کو اپنی مدد آپ کرنے کی تربیت خصوصاً امور خانہ داری اور انتظامات کاشتکاری میں دی جائے۔

تل ابیب میں (جو جافہ کے قریب ساحل ایک جدید شہر ہے) خانہ داری کا ایک تربیتی اقامت خانہ ۱۹۲۳ء میں کھولا گیا ہے اور یہ فلسطین میں خانہ داری کی مکمل تربیت کا واحد مرکز ہے۔ اس اقامت خانہ سے ایک تربیتی باورچی خانہ بھی ملحق ہے جہاں متعلمین کو کثیر التعداد اشخاص کے لیے کھانا فراہم کرنے کا مزید عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع بہم پہونچایا جاتا ہے اس مطبخ میں صرف ملکی پیداوار ہی استعمال کی جاتی ہے۔

ایک اور زرعی مدرسہ کے ذریعہ فلسطین کی لڑکیوں اور عورتوں کو دیہی اور گھریلو تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح کے چھوٹے بڑے متعدد تربیتی مدرسے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں زرعی شعبوں کی تمام تعلیم اور مکمل تربیت کا معقول انتظام ہے۔ نصاب میں ایک اہم جز شیر خانہ (ڈیری) کا کام بھی ہے۔ زیادہ توجہ مزرعہ کی نگہداشت اور گھریلو تنظیم پر دی جاتی ہے تاکہ طالبات ان خدمات کو احسن وجوہ انجام دے سکیں۔

"ویزو" کے یہودی اطفال اور زچہ خانہ میں ان اصول کے مطابق خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے جو نیوزیلینڈ کے انسانی ڈاکٹر کربی نے مدون کیے تھے۔ تل ابیب میں یہودی اطفال کے تین مراکز ہیں جن کی نگہداشت آسٹریلیا، و نیوزیلینڈ کے "ویزو" گروہوں کی جانب سے کی جاتی ہے۔ فرانسیسی "ویزو" کی جانب سے ایک اور ادارہ پرورش اطفال کا ہے جو مشرق میں اپنی نوعیت کا سب سے پہلا ادارہ ہے۔

بیت المقدس کا "دار الاطفال" ملک میں اپنی طرز کا پہلا ادارہ ہے اور اس میں اُن بچوں کو داخل کیا جاتا ہے جو خاص حالات مثلاً ماں کی موت یا علالت کے باعث جماعت کی نگرانی کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس دار الاطفال نے ایک ایسی شاخ بھی قائم کی گئی ہے جہاں دایہ گری کی تربیت کا معقول انتظام کیا گیا ہے جو فلسطین میں حفظان صحت کے معیار کو بلند رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔"

ہماری تجدد نواز بہنیں دل ہی دل میں کڑھتی ہوں گی کہ کمبخت ان فلسطین کی دیوانیوں کو عین اُس وقت باورچی خانہ اور زچہ خانہ میں داخل ہونے کی سوجھی ہے جبکہ ہم عدالتوں اور

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں!)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں جملہ خط وکتابت اس پتہ پر ہو:-

مہتمم اخبار صدق - لکھنؤ

قیمت فی پرچہ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۶ | لکھنؤ ۱۲- جمادی الآخر سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اگست سنہ ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

ملک عرب ہے، اور اس کی یہی زمین اور یہی آسمان۔ بعثت خاتم المرسلین میں ابھی ایک عرصہ باقی ہے۔ دینِ اسمٰعیلی کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔ اور اللہ کی توحید کی منادی بہرحال ہوسے جارہی ہے۔ اتنے میں معز قبیلہ نزار کے ایک معزز رکن عمرو بن لحی پیدا ہوتے ہیں، اور اپنی سیاحت کے دوران میں مختلف قوموں کی مورتیوں کو دیکھتے ہیں، کہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے، تو فلاں دیوتا کی پوجا شروع ہوتی ہے۔ بیماری سے نجات کی تلاش ہوتی ہے، تو فلاں دیوی ماتا کو پکارا جاتا ہے، اور اولاد کی طلب ہوتی ہے تو چڑھاوے فلاں بُت پر چڑھتے ہیں۔ دل کہتا ہے کہ یہ نظارہ بھی کیسا دلچسپ، کتنا خوشگوار ہے، ہر حاجت کے لیے ایک حاجت روا موجود، ہر مشکل کے لیے ایک مشکل کُشا حاضر! ان رنگا رنگیوں اور رنگینیوں کے مقابلہ میں روکھی سوکھی توحید میں رکھا کیا ہے! —— سفر سے واپسی ہوتی ہے، تو تنہا نہیں، ساتھ میں پتھر کے بہت سے بت بھی۔ یہ بُت فلاں قبیلہ کا، اور وہ مورتی فلاں قوم کی! خانۂ کعبہ کی سادگی وبے رنگی دُور ہوگئی، اور سجاوٹ کے لیے یہ کلی بجھے خوب ہاتھ آگئے!

اور پھر نظر انتخاب محض عرب ہی کے مذاہب تک کیوں محدود رہے ہر مذہب یکساں احترام کے قابل۔ موسوی اور مسیحی اور ابراہیمی سب ہی کے لیے دیکھیے کعبہ کھل جانا چاہیے۔ کعبہ کو اس سے کیسی مرکزیت، کیسی مرجعیت حاصل ہوکر رہیگی! دُنیا بھر کی مخلوق زیارت کے لیے کھنچی چلی آرہی ہے! موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور مریمؑ اور ابراہیمؑ سب ہی کے مجسمے نصب ہوگئے!

یاروں نے بُت شکن کو بُت ہی بنا کے چھوڑا!

"دیوان مذاہب" کا تخیل کس درجہ رنگین ودلجاذب نظر! "مساوات ادیان" کا نظریہ کس قدر دلاویز اور نظر فریب! وہ ہزاروں سال قبل کی روشن خیالی مسکرائی، صدیوں پیشتر کی "رواداری" اترائی - دم کے دم میں خلوت کی سفیدی پر جلوت کی سیاہیاں چھا گئیں، وحدت کثرت میں گم ہوگئی، اور جو گھر دوئی کے نقش ونگار سے بھی آشنا نہ تھا، شرک کا پورا نگار خانہ بن گیا!

"مساواتِ ادیان" کا نظریہ آج پھر نئے سرے سے بیدار ہوا ہے، عمرو بن لحی کی روح تڑپ رہی ہے کہ ہندوستان میں کسی قالب میں پھر جنم لے! "رواداری" اور "روشنخیالی" کی کیسی کیسی حسین وجمیل اصطلاحیں تیار ہو رہی ہیں۔ "مذاہب کے جزو مشترک کی بنا پر" نفتاء پروپیگنڈا کی فسوں سازیوں اور سحر طرازیوں کے ساتھ کس کس طرح وجود میں لائی جا رہی ہے، اور کیسی عجیب وغریب "حافظہ" کے

مسلماں اللہ اللہ! برہمن رام رام!

کے شاعرانہ خواب کی کیسی کیسی دلکش ودلآویز تعبیریں، "روٹی کا سوال" "پیٹ کا مسئلہ" "قومیت کی معاشی بنیادوں" "مذہبوں کا کوئی مذہب نہیں" "آزادیِ وطن کا مقدس فریضہ" "جہاد آزادی" کے ناموں اور عبارتوں کے ساتھ، پریس سے اور پلیٹ فارم سے، اسکولوں کے دیوار سے اور دوسرے مسجدوں کے محراب ومنبر سے پیش ہو رہی ہیں! اور مسلمان غریب بیچارے اور کیا کہے ؎

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجیو مرے دعوئے وارستگی کی شرم!

تجدد میں جمود

"مجھ سے بڑھ کر عورتوں کی ذاتی قوتوں کا اعتراف کس کو ہوگا۔ اور میرا منشا ہرگز انکی تحقیر نہیں ہوسکتا، جب میں اپنی اس رائے کے اظہار کی جرأت کرتی ہوں، کہ بعض عہدے جو اب تک مردوں کے لیے مخصوص رہے ہیں، وہ آئندہ بھی عورتوں کے لیے بند ہی رہیں"۔

الفاظ، مشرق کے کسی ظالم مرد کے نہیں، مغرب ہی کی ایک معزز و روشن خیال خاتون، لیڈی ہیبن (سر فریڈریک ہیبن مشہور انگریز کی لیڈی صاحبہ) کے قلم سے ایک مضمون کی تمہید میں نکلے ہیں۔ یہ مضمون مع اس کے ترجمہ ہند (۱۲ر جولائی) میں شایع ہوا ہے۔ اور آگے چل کر صراحت بعض عہدوں کی ہے، مثلاً بشپ (پادری) بننے کی، یا جج مقرر ہونے کی ——
رائے صحیح کیسی ہی ہو، بہرحال نئی نہیں ہے۔ ہمارے فقہا، صدیوں پیشتر کہہ گئے ہیں، کہ عورت کے لیے مسجدوں میں امامت، اور عدالتی فیصلوں میں قضاءت جائز نہیں! عجب تماشا ہے، کہ "ترقی" و "تجدد" کے بعد بالآخر پہونچتے بالآخر اسی نقطہ پر ہیں، جو "جمود" انکے لیے سیکڑوں سال قبل مقرر کرچکا ہے! ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

جدت میں قدامت

"بمبئی ۵ر جولائی۔ عورتوں کے لیے ماں بننا اور گھر کا کام سنبھالنا انکی زندگی کا اہم ترین نہیں، اہم ترین چیز ہے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو ہمارے تعلیمی نظام کو ہماری ضروریات کے مطابق سانچہ میں ڈھال لینا چاہیے"۔

یہ صوبہ بمبئی کے وزیر اعظم، مسٹر بی، جی، کھیر نے، انڈین ودمینس یونیورسٹی (ہندوستان کی واحد زنانہ یونیورسٹی) کے خطبۂ افتتاحیہ میں کہا۔ اور ایسے مجمع کے سامنے کہا، جس میں گاندھی جی، سردار پٹیل، بابو سوباش چندر بوس، مسز نائڈو اور بہت سے روشن خیال شریک تھے!

اور اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ آگے چل کر یہ بھی کہہ ڈالا، کہ

"ہر وہ تحریک جو دوسرے ملکوں میں پھیلتی ہے، اور جسکی بابت ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں، اپنے ملک کے حالات پر غور کیے بغیر اندھا دھند اس کی تقلید شروع کردینا ہرگز مناسب نہیں"

خدا معلوم جمود و قدامت پرستی کا یہ وعظ، زنانہ یونیورسٹی کے احاطہ میں سنا کس طرح گیا، اور تحمل اس پر کیونکر ممکن ہوا!

مشت خاک اور نور پاک

سب جانتے ہیں کہ امریکہ میں بادشاہت نہیں، جمہوریت ہے، اور حکومت نہ نسلی اور خاندانی بادشاہ کی ہے، نہ آئینی اور دستوری بادشاہ کی، بلکہ محض جمہور کے منتخب کیے ہوئے چند روزہ "صدر" کی ہوتی ہے۔ آپ سمجھتے ہونگے کہ ان عوامی صدر کی زندگی سادگی و کفایت شعاری کی تصویر ہوتی ہوگی، جواب میں اعداد ذیل ملاحظہ ہوں:-

شاہرۂ صدر	۱۵ ہزار پونڈ سالانہ
شاہی موٹروں کے مصارف	۷ ہزار " "
شاہی شوفروں کے مشاہرے	۲½ ہزار " "
شوفروں کی وردیاں	۵ سو پونڈ سالانہ
شاہی جہاز کے مصارف	۱۰ ہزار پونڈ سے ۲۰ ہزار پونڈ سالانہ تک
شاہی دورہ کے مصارف	۵ ہزار پونڈ سالانہ
شاہی ملبوسات کی دھلائی	۱ " "
شاہی محل کی مالیت	۵۰ لاکھ پونڈ۔
ڈاکٹروں کی فیس	حکومت کے ذمہ
سفر میں ہوٹل کے بل	"

خوب خیال کرلیجیے، یہ شاہ خرچیاں کسی مطلق العنان فرماں روا یا کسی محدود الاختیار تاجدار کی بھی نہیں، محض ایک صدر جمہوریہ کی ہیں! —— بادشاہوں کے مصارف تک تو تصور کی رسائی بھی دشوار ہے!

کچھ یاد ہے، کبھی آپ کے ہاں بھی "جمہوریت" رہ چکی ہے، یا صحیح اصطلاح میں "خلافت راشدہ"۔ اسکے صدر کے ٹھاٹھ بھی کچھ ایسے ہی تھے؟ اس کی مملکت کا رقبہ بھی "ولایات متحدہ" سے کچھ کم نہ تھا، اسکی قلمرو کے صوبے بھی کچھ کم زرخیز نہ تھے۔ نجد اور حجاز اور یمن کو چھوڑیے، آپ کے خلیفۂ اعظم، عمر فاروقؓ کے زیر نگیں تو عراق اور ایران اور شام اور مصر کے سارے علاقے تھے۔ پھر آپ کا صدر بھی لکھوکھا کے شاہی قصر و ایوان میں اجلاس کرتا تھا، یا اسکے لیے محض مسجد کا فرش زمین کافی تھا؟ اسکی سواری میں بھی موٹر نہ سہی، ایران کے ہاتھی، زریں پر نقشوں اور آرائشوں کے ساتھ رہا کرتے تھے، یا اکثر پیدل ہی گشت کیا کرتا تھا، اور کبھی طویل مسافت کے لیے ضرورت ہوئی بھی، تو محض ایک اونٹ، یا ایک گھوڑا اسکے لیے بس کرتا تھا؟ اسکے اردگرد کبھی زریں کمر خدام اور مصاحبین کا ہجوم رہا کرتا تھا؟ یا وہ آپ ہی ساری امت کا خادم اور چاکر بنا پھرتا تھا؟ اسکی میز بھی ایک ایک وقت میں بیسوں قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور شرابوں سے ڈھکی رہتی تھی، یا اسکے لیے سفر و حضر دونوں میں جو کے ستو کافی ہو جاتے تھے؟

کیا آپ کا خلیفہ انسان نہ تھا؟ بشری جذبات سے معرّیٰ تھا؟ اچھے کھانے، اچھے پہننے، آرام سے رہنے سہنے، "لطف زندگی" اٹھانے کا احساس مردہ ہو چکا تھا؟ انسان کے بجائے فرشتہ تھا؟ —— انسان اور بالکل انسان تھا۔ تمام بشری توابع جذبات و ملکات کے ساتھ انسان تھا۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ وہ انسانوں پر "حاکم" نہ تھا، "اللہ کا بندہ" تھا، خاصہ اُس پر "حکومت" و "حاکمیت" نہیں، "عبدیت" تھی۔ دنیا میں قیصری اور خاقانی کرنے نہیں، صرف حکومت الٰہیہ کو نافذ کرنے آیا تھا۔ جانتا تھا کہ ایک ایک عمل کی جوابدہی "لیجسلیچر" کے سامنے نہیں، اپنے خالق و فاطر اور غیب و شہادت کے عالم کے سامنے کرنی ہوگی۔ خلافت قائم نہ معاشی بنیادوں "پر تھی، نہ وطنیت پر، وہ بیٹے اور علاقے تمامتر روحانی اور الٰہی تھے۔ اور اسی ایک فرق نے مشت خاک کو نور پاک بنا دیا تھا۔

حضارہ موت!

ایڈیٹر رسالہ سائنٹفک امیگار، لندن سے رقمطراز ہیں:

"ہماری موت ایک آفاقی شعاع سے واقع ہوتی ہے۔ موت کا یہ نظریہ آجکل اہل سائنس کے زیر تحقیق ہے۔ ان لوگوں کا قول

ہے کہ ہماری پیدائش ہی کے وقت سے، ایک پُر اسرار شعاع، جو کُرۂ ارض کے باہر سے کہیں سے آتی ہے، ہمارے اوپر ضرب لگانا شروع کر دیتی ہے، اور جو ہمارے ذرات جسم کو برابر فنا کرتی رہتی ہے، بالآخر ہمیں بالکل مغلوب کر لیتی ہے، اور ہم ہلاک ہوجاتے ہیں۔ شروع شروع ہم اس تخریبی شعاع کا آپ مقابلہ کر لیتے ہیں، اور جتنے ذرات فنا ہوتے ہیں، اُن سے زیادہ پیدا ہوتے جاتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ ضعف اور پیرانہ سالی کے باعث ہماری قوت مدافعت کمزور پڑتی جاتی ہے اور آخر میں ہم شکست کھا کر رہتے ہیں، اور یہی موت ہے۔ اس بلا کا توڑ یہ ہے کہ ہم شروع ہی سے سیسہ کی ۲۰ فٹ دبیز دیواروں کی عمارت کے اندر رہا کریں۔ تجربوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ شعاع سیسہ کے ۹ فٹ سے زائد میں نفوذ نہیں کر سکتی..... تجربے ابھی جانوروں پر کیے جا رہے ہیں"

(لیڈر ۔ ۱۱ جولائی ۳۹ء)

گویا محققین با کمال کی تحقیق یہ ہے کہ انسان اگر شروع ہی سے ایک مستحکم قلعہ (۲۰ فٹ موٹی دیواروں والے) کے اندر رہنا شروع کر دے، تو نہ شعاع اُس پر مسلط ہو سکے گی، اور نہ موت اُسے اپنی زد میں لا سکیگی۔ ---

قرآن مجید میں جب یہ آیت

اینما تکونوا یدرککم الموت — تم جہاں کہیں بھی ہو، موت بہر حال تم تک پہونچکر

ولو کنتم فی بروج مشیدہ — رہیگی خواہ تم مضبوط قلعوں کے اندر کیوں نہ ہو۔

نظر سے گزرتی تھی، تو خیال یہ آتا تھا کہ ایسی کھلی ہوئی اور بدیہی حقیقت، جس سے کسی عالم کو کیا معنی، کسی عامی کو بھی اختلاف نہیں، اتنی صراحت اور اس تاکید کے ساتھ آخر کیوں بیان ہوئی ہے؟ عقدہ آج جا کر کھلا، قدیم مفسرین بیچاروں کا دماغ یہاں تک کہاں پہونچ سکتا تھا، کہ بیسویں صدی عیسوی کے نادانوں کی نہیں، داناؤں کی ایک جماعت اس دعوے کو لیکر اٹھیگی، کہ موت کا مقابلہ اینٹ اور چونے کے حصار سے کیا جا سکتا ہے! اور قرآن، مشرک و ملحد قوموں کے ہزارہا خرافات کی طرح، اس جہل کو بھی رفع کر لیگا! اللہ اللہ! کون تھاہ پا سکتا ہے، عقلاء کی بے عقلیوں کی، اور محققین کی جہل پرستیوں کی!

ثمرات تہذیب

"ترقی" و "تجدد" کے دور میں اگر آج کسی قوم کو سب سے آگے فرض کیا جا سکتا ہے، تو وہ امریکہ ہی ہے۔ اور اس لیے یہ بالکل قدرتی ہے کہ بے حجابی اور بے حیائی کے ثمرات سے مستفید بھی دنیا میں سب سے بڑھ کر یہی "نئی دنیا" ہو رہی ہو۔ حال میں چند "محققین" و "محققات"، "طالبین" و "طالبات" نے مل کر تحقیق اسکی کر ڈالی ہے کہ ملک میں بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کی صنفی زندگی کیا اور کیسی رہتی ہے۔ اور اپنی تحقیق کا نتیجہ بھی ساڑھے تین سو (۳۲۰ × ۲۹) صفحات کی ضخامت کی کتاب میں شائع فرما دیا ہے۔ کتاب کا عنوان ہے 'sex life of the unmarried adult'

اور کتاب علاوہ دیباچہ و مقدمہ کے دس مختلف عنوانات، قانون، ادب، طب، نفسیات، معاشیات وغیرہ میں تقسیم ہے۔ گویا ملک کی صنفی زندگی کی قانونی، ادبی، طبی، ہر پہلو سے جانچ کی گئی ہے۔ اور جانچ کرنے والوں میں "صاحب" اور "صاحبہ" دونوں شریک ہیں۔ ہر باب کسی ماہر یا ماہرۂ فن کے قلم سے ہے۔ اور کتاب کی مجموعی تدوین بھی ایک ڈاکٹرنی صاحبہ کی رہین منت ہے۔ کتاب کے پورے مطالب اگر یہاں نقل کیے جائیں، تو صدق کے صفحات، محکمۂ صفائی (میونسپلٹی) کی "کوڑا گاڑی" یا "میلا گاڑی" میں تبدیل ہو کر رہ جائیں تاہم ناظرین کو ان ثمراتِ "ترقی و تجدد" سے تمامتر محروم رکھنا، خود اُنکے حق میں ناانصافی سے کام لینا ہے۔ مختصر یہ کہ لکھنے والی "صاحبات" نے (جو عموماً کسی یونیورسٹی کی لکچرر، یا کسی علمی میوزیم کی کیوریٹر ہیں) اس فاش گوئی سے کام لیا ہے، کہ ہمارے ہاں کے لکھنے والے مرد، شرما شرما جائیں۔ اور دنیا بھر کی کوئی بڑی سے بڑی گندگی ایسی نہیں ہے، جو اس مہذب و شائستہ ملک میں خوب اچھی طرح نہ پھیل چکی ہو۔ فواحش کی جن جن صورتوں کو ہماری آپ کی اوباش آبادی بھی حقارت سے اور نفرت سے دیکھتی ہے، اور جنکا نام ہی سن کر ہم آپ لرز اٹھتے ہیں، وہ سب اس کتاب میں پورے "حسن و زیبائش" کے ساتھ آراستہ ملینگی! ہر ایک کے لیے ایک خوشنما لفظ، ہر ایک کے لیے ایک نظر فریب گڑھی ہوئی اصطلاح موجود! گویا ہر جرم عین صواب، اور ہر مرض عین صحت! یہ کرشمہ ہے افرنگیت کے وہم و فسوں سازی کا اور کمال ہے پروپگنڈا کی صنعت گری کا! --- اور یہی وہ منزل ہے جس کی طرف عورت کے "نادان دوست" آج کس بے تکلفی سے، "نادانستہ" بھی، اپنے بھائیوں اور بہنوں، بیٹوں اور بیٹیوں کو لیے جا رہے ہیں! وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔

دیوبند، علیگڈھ کے نقشِ قدم پر

"ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے، تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذب قومیں انکو دیکھتی ہیں، وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب کہلائیں ..... ترکوں کا تمام لباس بجز ٹوپی کے بالکل یوروپین ہے، سب نے زمین پر بیٹھنا بالکل چھوڑ دیا ہے، میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں، میز پر چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں، اور جب فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں، تو ہمجولی معلوم ہوتے ہیں۔ بس

ہندوستان کے مسلمانوں سے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے تعصبات و خیالات خام کو چھوڑیں، اور تربیت و شائستگی میں قدم بڑھائیں"

صدا علیگڈھ کے "نیچر کدہ" سے مدت ہوئی بلند ہوئی، اور تنوّر اور روشن خیالی کا یہ مصرعہ سرسید احمد خاں بہادر نے پڑھا ——— ستر برس کے بعد مصرعہ پر گرہ دیوبند نے لگائی، اور مولانا سندھی نے جمعیۃ العلماء صوبہ بنگال کی سند سے فلسفۂ ولی اللّٰہی کی ترجمانی یوں فرمائی :—

(۱) پہنو وہ جو "صاحب" پہنتے ہیں۔ (فرنگیوں کا کوٹ، فرنگیوں کا پتلون، فرنگیوں کی ہیٹ، فرنگیوں کی قمیص، فرنگیوں کا نیکر۔)

(۲) لکھو اُس خط میں جو "صاحب" کا رسم الخط ہے (فرنگیوں کے لاطینی حروف، بائیں سے داہنی طرف)

(۳) اسوۂ حسنہ "اتاترک" کا اختیار کرو -

(۴) اپنے کاشتکاروں اور مزدوروں کے معیار زندگی کو یورپ کے معیار پر لے آؤ۔

خدا خوش رکھے ہمارے سید طفیل احمد صاحب کو۔ سرسید کا بھولا ہوا مضمون اُنھوں نے خوب یاد دلایا، اور از راہ بندہ نوازی یہ سوال بھی کر ڈالا کہ

"اگر مولانا سندھی نے .... پسماندہ ہندوستانیوں کو مہذب قوموں کے برابر کرنے کے لیے وہی تجویز پیش کی جو سرسید نے اپنے زمانہ میں پیش کی تھی، تو کیا جرم کیا"؟

جی، یقیناً کوئی نہیں۔ "جرم" کا اطلاق ہی کون بدبخت اس پر کرسکتا ہے؟ یہ تو صرف لباس وطرز تحریر وغیرہ کی غلامی ہے، قوم وملت کے ہوا خواہوں میں تو اس اس دل وجگر کے شیر مرد موجود ہیں، جو سترہویں اُدھر نہیں، حال ہی میں دھڑلے کے ساتھ قوم کو سود خواری کی ترغیب دے چکے ہیں، "جواز سود" کے نام سے رسالے شائع فرما چکے ہیں، اور اپنے امکان بھر کوئی دقیقہ ترویج سود کے پروپگنڈا کا اُٹھا نہیں رکھ چکے ہیں! ——— فرنگیوں کی غلامی سے "آزادی" کا یہ نسخہ کتنا سہل، کیسا دلچسپ، کیسا نادر، ہاتھ آگیا ہے، کہ خود اپنے وضع ولباس میں، شعائر واطوار میں، معاشرت ومعیشت میں، حد یہ کہ اخلاق میں فرنگیوں کی غلامی پر غلامی اختیار کرلی جائے!

زنانہ اسلامیہ سکول

لاہور میں ایک زنانہ اسلامیہ کالج قائم ہوا ہے اور یہ سنکر خوشی ہوئی کہ یہ کالج اسلامی روایات کا حامل ہوگا اور اس میں مسلمان لڑکیوں کو مغرب کی تباہ کن تہذیب سے محفوظ رکھا جائیگا - کالج کے سکریٹری خان صاحب چودھری محمد حسین صاحب نے نمائندۂ پریس کو بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ

"پنجاب میں مسلمان لڑکیوں کے لیے کوئی ایسا تعلیمی ادارہ نہ تھا جو اُنھیں تہذیب مغرب کے اثرات سے محفوظ رکھے - اس کالج کی بنیاد اسی غرض سے رکھی گئی ہے - ہم چاہتے ہیں کہ اس کالج کے ذریعہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے نسائیت کا معراج حاصل کیا جائے - اس لیے ہم یہ خیال رکھینگے، کہ جو لڑکیاں ہمارے کالج میں حصول تعلیم کے لیے داخل ہوں وہ سنیما اور بیجا بناؤ سنگار سے پرہیز کریں - اور انکا لباس سادہ اور کم قیمت ہو - اور قیمتی ساڑھیوں کو کالج میں داخل ہونے کا موقع نہ ملے - انھیں تعلیم دیجائیگی کہ وہ اپنی قدامت پسند ماؤں کی طرح اپنے بالوں کو سنواریں، اور موجودہ فیشن پرست خواتین کی تقلید نہ کریں - اسی کے ساتھ کالج میں پردہ کی بھی سختی کے ساتھ پابندی ہوگی"

اگر ان خیالات ومقاصد کے پیش نظر یہ کالج قائم کیا گیا ہے تو قطعاً شبہہ مسلمانوں کی ہمدردیاں انکے ساتھ ہونگی اور مسلمان بچیاں اس میں داخل ہوکر اسلامی تہذیب وروایات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں گی -

مگر ہم کالج کے ارباب اختیار سے یہ ضرور عرض کرینگے کہ کالج میں لڑکیوں کی تعلیم کی بنیاد مذہب کو قرار دیا جائے - مذہبی تعلیم کے فقدان نے ہماری معاشرتی زندگی کو بالکل تباہ کر ڈالا ہے - ہماری عورت اور سیرت اغیار کے سانچوں میں ڈھل رہی ہے - غیروں کی کورانہ نقالی اور فیشن پرستی ہماری ترقی کی معراج بن گئی ہے - اور ہمیں اسلامی نظریات وافکار اور غیر اسلامی تخیلات میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا - اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام اسلامی عناصر سے خالی بلکہ سراسر غیر اسلامی ہے - اگر زنانہ اسلامیہ کالج میں مذہب کی بنیادوں پر تعلیم کی عمارت کھڑی کی گئی تو مسلمان بچیوں کی سیرت اسلامی سانچے میں ڈھل کر اتنی پختہ ہوجائیگی کہ پھر دنیا کی کوئی غیر اسلامی تحریک اور غیر اسلامی اثرات اس پر اثر انداز نہ ہوسکیں گے اور وہ جبری طور پر نہیں بلکہ اختیاری طور پر فیشن پرستی، نقالی اور مغربی زندگی سے کوسوں دور ہوجائیں گی - اور دوسروں کے لیے ایک زندہ اور پائندہ نمونہ ثابت ہونگی -

ہم کالج کے ارباب اہتمام سے یہ بھی عرض کرینگے کہ بچے اور بچیوں کی اسلامی سیرت کے بنانے میں اُستاد اور اُستانیوں کے خیالات واعمال کو بہت کچھ دخل حاصل ہے - بچے کتنے ہی سادہ اور معصوم ہوں، اساتذہ کی بدعملی اور خیالات کی پراگندگی اُنکی سیرت کو بگاڑ کر رکھدیگی - اس لیے تمام کاموں سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کالج کے احاطہ میں انسانی کی جلیبی سے کوئی مس صاحبہ یا کوئی شریمتی صاحبہ داخل نہ ہونے پائیں - اگر مسلم اُستانیاں دستیاب نہ ہوں تو یہ بہتر ہے کہ سرے سے کالج کا افتتاح ہی نہ کیا جائے - اگر ہے چلانا ہی منظور ہو تو کوشش کرکے ایسی مسلم اُستانیاں مقرر کی جائیں، جنکا کیرکٹر مضبوط ہو اور عملی اعتبار سے اُنکی اسلامیت اتنی پختہ ہو کہ وہ لڑکیوں کے لیے نمونہ بن سکیں - اگر ایسا نہ کیا گیا اور مس صاحبوں کو کالج میں قدم رکھنے کی اجازت دی گئی - تو پھر یہ کالج، کالج نہ رہیگا، مسلمان بچیوں کے لیے اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے ذبح خانہ بن جائیگا - (زمزم)

تلاشِ راز

(از عبدالماجد)

(سلسلۂ صدق ۱۵- جولائی [illegible])

قاصر النظر اور کوتاہ قدم عقل کی منزل تک پہونچکر رک جاتا ہے۔ عقل اُسکا سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وسیع النظر وہ ہے جو اس سے آگے بڑھتا ہے۔ وہ جانتا بوجھتا ہے اور اپنے تجربہ سے پہچانتا بھی، کہ عقل سے ماوراء کچھ اور باطنی قوتیں بھی انسان کو عطا ہوئی ہیں۔ بعد ناسوتی زندگی کے خاتمہ پر وہ باطنی قوتیں سب کی سب روشن ہوکر رہیں گی، اور اُس وقت تک ہر مومن و ملحد سب کے لیے کشفِ حقائق ہو کر رہیگا۔ آیۂ کریمہ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ اسی منزلِ وجود کی خبر دے رہی ہے[1]۔ یہ قوتیں بعض پرہیزوں سے بچنے، اور بعض شغلوں میں لگے رہنے اور مجاہدات میں مشغول رہنے سے اسی زندگی میں بھی ایک حد تک بیدار ہو جاتی ہیں، اور "کل" کا مستقبل ایسے مستعدوں کے لیے "آج" کے حال میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور وہ حقیقت بغیر کسی دلیل و برہان کے، بغیر اصول و قیاس اور قواعد استقراء کی مدد کے، بغیر زبان سے بولے ہوئے لفظ اور قلم سے نکلی ہوئی عبارت کے قلب کی تشفی اور ذہن کی تسلی ہو جاتی ہے، اور سوال کا حل ہونا الگ رہا، سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ان بلند تر قوتوں سے بے خبر، ان شرائط کے پابند ہوے جو انکے بروئے ظہور کے لیے لازمی ہیں انکار کر بیٹھنا ایسا ہی ہے کہ کوئی کمسن بچہ اُن قوتوں کے وجود سے سرے سے انکار کر دے جو ابھی اُسکے اندر مخفی ہیں، اور جوان ہونے پر نمایاں روشن اور ظاہر ہو کر رہینگی۔

جو کیفیات اور جو قوتیں اپنی نوعیت میں بلند ہیں، انھیں پست تر کیفیات اور ادنیٰ قوتوں میں منتقل کرنا اور معلومات کی تشریح و توضیح سفلیات کی اصطلاح میں کرنا، نہ ممکن العمل ہے نہ کسی طرح یہ مطالبہ معقول و صحیح کہا جا سکتا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ، جو ابھی لذت کے معنی صرف مٹھائی کھانے اور راحت و مسرت کے معنی صرف کھلونے کھیلنے کے جانتا ہے، وہ اگر اس پر ضد کرے کہ فلسفی کو جو لطف مسائلِ فلسفہ کے حل کرنے میں آتا ہے، زاہد کو جو راحت رات رات بھر نماز پڑھنے میں حاصل ہوتی ہے، ڈاکٹر کو جو مسرت مریضوں کی خدمتگزاری اور تیمارداری میں آتی ہے، یہ سب کیفیتیں اُسے مٹھائیوں کی بولی اور کھلونوں کی زبان میں سمجھا دی جائیں، تو کون اس پر قادر ہو سکتا ہے؟ اور کون اس کے مطالبہ کو واجبی قرار دیگا؟ یہ ایک بہت موٹی اور کھلی ہوئی بات ہے۔ لیکن آہ کہ اکثر ایسی روشن اور پیش پا افتادہ حقیقتیں بھی بحث و گفتگو کے وقت نظر سے رہ جاتی ہیں! عارفِ رومؒ عاجز آکر کہتے ہیں کہ "خام" کے اندر "پختہ" کا حال کوئی کیونکر بھر دے، بس سکوت ہی مناسب ہے۔

درنیابد حالِ پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

سوال، اُس ذات کی ایک فعلیت سے متعلق کیا گیا ہے، جو ذات مطلق ہے، ہستیِ غیر محدود ہے۔ غیر محدود کی پیمایش کوئی محدود آج تک کر سکا ہے؟ مطلق کو ادراک کی گرفت میں لانا کسی مقید کے لیے ممکن ہے؟ یعنی وہ ذات مطلق ہمہ خیر اور ہمہ قدرت ہے، لیکن ساتھ ہی ہمہ حکمت بھی ہے۔ وہ خیر مطلق و قادر مطلق ہونے کے ساتھ ہی حکیم مطلق بھی ہے اور نہ صرف وہ خود، بلکہ جو فعل بھی اُس سے صادر ہوتا ہے، ہمہ حکمت ہوتا ہے۔ لیکن آج تک کوئی اُسکے علم کا، اُس کی قدرت کا، اُسکی رحمت کا، اُسکی ربوبیت کا، کسی صفت کا احاطہ کر سکتا ہے؟ پھر تنہا اس کی حکمت ہی کا احاطہ کیونکر ممکن سمجھا جائے؟ جزئی حکمتوں کا سوال، جزئی قدرتوں اور جزئی رحمتوں کی طرح علیحدہ ہے، یہاں جو مسئلہ زیر نظر ہے، وہ حکمت کاملہ کا ہے۔

مطالبہ توجیہ عقلی کا کیا گیا ہے۔ لیکن پہلے خود توجیہ عقلی کے معنی و مفہوم کو سمجھ لینا چاہیے۔ انسان کا ذہن ہر نامانوس شے سے بھڑکتا ہے، گھبراتا ہے، دفع وحشت کے لیے وہ صرف مانوس و مالوف اشیاء کو چاہتا ہے۔ توجیہ اس کی اسی طلب کی تسکین کا نام ہے۔ اس میں اس سے زائد اور کچھ نہیں ہوتا کہ ایک اجنبی جزئیہ کو ایک مسلم و متعارف کلیہ کے تحت میں، یا ایک اجنبی کلیہ کو ایک عام تر و وسیع تر مسلم و متعارف کلیہ کے تحت میں لے آیا جاتا ہے۔ یہی توجیہ ہے اور اسی کا نام انگریزی میں Explanation ہے۔ اس تعریف سے ظاہر ہو گیا ہوگا، کہ ہر علم و فن میں ایک نقطہ ایسا آجاتا ہے، جس کے آگے توجیہ چل نہیں سکتی، اور وہاں پہونچکر ہر صاحب فن کو خاموش ہو جانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ایک طبیعی، درخت سے پھل کو ٹوٹ کر زمین پر گرتا دیکھ کر اس کی توجیہ، قوت کشش کے وسیع کلیہ سے کردیتا ہے۔ لیکن اگر یہ سوال ہو، کہ قوت ہی میں یہ قوت کیسے اور کہاں سے آئی، تو طبیعی کے پاس کچھ جواب نہ رہیگا۔ ایک مریض علاج کے لیے طبیب کے پاس جاتا ہے، طبیب اسکی توجیہ میں کہہ سکتا ہے کہ حصول صحت ایک نوع کی راحت ہے، اور راحت ہر انسان کو مطلوب۔ لیکن اگر اس پر یہ سوال پیدا ہو کہ راحت مطلوب ہی کیوں ہے، تو

---

[1] اکبر مرحوم نے حکمت و معرفت کے سیکڑوں مسائل باتوں باتوں میں حل کر دیے ہیں، ایک جگہ کیا خوب فرماگئے ہیں ؎

ہنگامہ ہے شاکر و شکوہ و دنیا میں بہت گرم
لیکن مرے ذہن میں یہ بات آتی ہے
کھلتا نہیں رازِ دہر "شکوہ" ہے تو یہ
اور "شکر" یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

"رازِ دہر" تو اب مادی ذرائع سے نہیں کھل سکتا، البتہ موت کے طاری ہوتے ہی قوتوں میں اتنی پختگی آجاتی ہے کہ کشفِ حقائق از خود ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ کہا ہے ؎

درجہ متحیر کا ہے بیخود سے فروتر
ہے روح کو بعد ترقی کی امید سے

تو طبیب خاموشی پر مجبور ہو جائیگا۔ یہ حال ہر علم و فن اور ہر صنعت و اقفات سے متعلق ہے۔

مذہب کی اصطلاح میں خدا، سب سے آخری چیز ہے، اسکے بعد نہ کوئی اور وجود ہے اور نہ اس سے وسیع تر کوئی ہستی۔ بہ قول اکبر

اخیر "کیوں" کا جواب تو ہے!

اس وسیع ترین وجود کو خود اصول عقل و قوانین منطق کے مطابق کس موجود کے ماتحت اور اسکے افعال کو جو اہم الاہمات کا مرتبہ رکھتے ہیں، کس کلیہ کے تابع رکھا جا سکتا ہے؟ جس پر ہر سوال ختم ہو جاتا ہے، جسکا ارادہ ہر مصلحت اور ہر حکمت کا منتہا ہے، اور جسکی مشیت غایۃ الغایات ہے، اسکی کسی مصلحت کی غایت تلاش کرنا، قواعد عقلی ہی کے لحاظ سے، اسی طرح بے معنی ہے جیسے یہ سوال چھیڑا جائے، کہ سب کا پیدا کرنے والا خدا ہے، تو خدا کو کس نے پیدا کیا؟ ظاہر ہے، کہ خدا اگر کسی اور سے پیدا ہے، تو اسے خدا کہا ہی کیوں جائیگا؟ اسی طرح یہ بھی واضح ہے، کہ مصلحت خدا وندی اگر کسی اور مصلحت کی تابع، اور ارادۂ ایزدی کسی دوسری غرض و غایت کا پابند ہے، تو ان پر مصلحت خداوندی اور ارادۂ ایزدی کا اطلاق ہی نہ ہو سکیگا۔ کوئی اگر ذات حق کے متعلق سوال کرے، کہ اسے کس نے اور کیوں پیدا کیا، تو سب کو ہنسی آ جائے، لیکن یہی ہنسی اس وقت کیوں نہیں آ جاتی، جب سوال صفات حق و افعال حق سے متعلق کیا جاتا ہے، اور انکی توجیہ و تعلیل کے لیے کوئی اور سہارا ڈھونڈھا جانے لگتا ہے؟

سوال کے عقب میں، تخیل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گویا بدی بھی ایک مستقل ایجابی وجود رکھتی ہے، اور جس طرح انسان و حیوان، شجر و حجر، آفتاب و ماہتاب، چرند و پرند، مستقل و قائم بالذات اصناف موجودات یا بہ اصطلاح منطق "جوہر" ہیں، اسی طرح ایک مستقل جوہر بدی بھی ہے، جو بھوت کی طرح کبھی اسے لپٹ جاتی ہے، اور کبھی اس پر مسلط ہوتی ہے۔ مگر کیا حقیقۃً بدی ایسی ہی کسی مادی چیز کا نام ہے؟ کیا مذہب نے بدی کی یہی حقیقت بیان کی ہے

قرآن و حدیث سے اس تخیل کی تائید تو الگ رہا، جتنی بھی تصریحات ہیں، سب سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ بدی "جوہر" نہیں "عرض" ہے۔ کوئی مادی مخلوق نہیں، محض ایک کیفیت، ایک روش، ایک طریق عمل کا نام ہے۔ کلام مجید کی بکثرت آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً

وهديناه النجدين (البلد) ہم نے انسان کو (نیکی و بدی) دونوں راستے دکھا دیے۔

انا هديناه السبيل اما شاكرا و اما كفورا (دہر رکوع ۱) ہم نے انسان کو راہ عمل بتا دی پھر کوئی سیدھی راہ پر پڑ لیا اور کوئی ٹیڑھی پر۔

فالهمها فجورها وتقواها (الشمس) اللہ نے انسان کو گمراہی اور ہدایت دونوں کے راستے القا کر دیے۔

وقس علیٰ ہذا۔ مفاد سب کا یہ ہے، کہ بدی نام ہے انسان کی غلط روی کا۔ خود لفظ "گمراہی" اس معنی کی جانب رہنمائی کر رہا ہے۔ اسکے بالمقابل نیکی نام ہے، راست روی کا، سیدھی راہ پر چلتے رہنے کا۔ گویا انسان جبتک اپنی قوتوں کو، اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو صحیح طور پر، حتاسے انہی کے مطابق استعمال کر رہا ہے، اعمال حسنہ میں مشغول ہے، اور جس وقت وہ انہیں خداداد قوتوں کو، اپنی فطری صلاحیتوں کو، بیجا طور پر استعمال کرنے لگا، بدی، بدکاری، بدعملی کا مرتکب ہو گیا۔ گویا بدی نام ہے راہ اعتدال و توسط کو چھوڑ کر افراط و تفریط اختیار کر لینے یا صراط مستقیم سے منحرف ہو جانے کا۔ دوسرے مذاہب کی بابت تحقیق نہیں، لیکن اسلام میں تو بدی کا مفہوم بس یہی ہے اور اسی قدر ہے۔

بدی کے اس صحیح مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے بعد کیا اس پر سرے سے کوئی سوال عائد بھی ہو سکتا ہے؟ اب سوال سکے یہ معنی ہوئے، کہ انسان میں غلط روی کی صلاحیت کیوں رکھی گئی؟ انسان کی خلقت ایسی کیوں نہیں رکھی گئی، کہ وہ سیدھی راہ چلتے چلتے کبھی ٹیڑھی راہ پر بھی پڑ سکے؟ زیادہ بہ تصریحات، جو کی جا چکی ہیں، کہ عقل کی محدود وقت، آخری مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے ناقابل ہے، لیکن بہرحال جتنی بھی قوت، عقل سلیم کو حاصل ہے، اسکے لحاظ سے غور کیا جائے، کہ کیا بدی کے امکان کے بغیر تکوین انسانی ممکن تھی؟ کیا یہ ہونا چاہیے تھا، کہ انسان سرے سے مسلوب الاختیار رہ کر مشین کی طرح قصد و ارادہ سے عاری پیدا کیا جاتا؟ کیا یہ ہونا چاہیے تھا، کہ ارادہ تو اسے دیا جاتا، لیکن ایسا ارادہ دیا جاتا جو ہمیشہ نیکی ہی کو اختیار کرتا اور بدی کا امکان ہی باقی نہ رہتا؟ اول تو یہ ارادہ و اختیار کی بالکل انوکھی تعریف ہوتی، کہ بجائے دو شقوں میں سے ایک کے انتخاب کے، انسان ہمیشہ ایک ہی شق کے قبول کرنے پر مجبور رہتا! اور پھر اس صورت میں، بعض احتمال بدی کے مرتفع ہو جانے کی صورت میں خود نیکی کے بھی کوئی معنی باقی رہ جاتے ہیں؟ کوئی ایسی نیکی ممکن بھی ہے، جب تک دوسری طرف سے اشتعال نہ پیدا کرایا جائے؟ صفت "عدل" کے ظہور کا موقع جب ہی آ سکتا ہے، جب ایک طرف ظالم، دوسری طرف مظلوم، یا مستغیث، اور مجرم کا وجود ہو۔ "صبر" کس چیز پر کیا جائیگا، اگر مصائب و شدائد کا وجود نہ ہو؟ صفات عفو و کرم، جود و شجاعت، بروئے کار اسی وقت آ سکتے ہیں، جب بالمقابل خطائیں، لغزشیں، حاجتمندیاں اور خطرات موجود ہوں۔ ماں کی مامتا اسی وقت جوش میں آتی ہے، جب سامنے بچہ، بیکسی اور بے بسی کی تصویر بنا پڑا ہو۔ یہ حال ہر نیکی کا ہے اور جس عقل سلیم سے مدد چاہی گئی تھی، اسی کا فیصلہ یہ ہے، کہ بغیر بدی کے وجود کے محض نیکی کی تمنا دنیا میں رکھنا، ایسا ہی بے معنی ہے، جیسے کوئی یہ آرزو کرے کہ زمین پر بلندیاں ہی بلندیاں ہوں، کوئی پستی نہ ہو، لفظ بلندی کے معنی و مفہوم جب ہی پیدا ہو سکتے ہیں جب مقابل میں کوئی "پستی" ہو۔

سوال میں جزم و وثوق کے ساتھ کہا گیا ہے، کہ بدی کا وجود خالق کائنات کے "علم و مرضی" سے ہے۔ "علم" سے یقیناً ہے، لیکن "مرضی" سے قطعاً نہیں۔ یہ غلط فہمی بہت عام ہے، اچھے اچھے پڑھے لکھے، اور ذہین و فہیم اس میں مبتلا ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ)

چلے، وہ خدا آپ ہی بندوں کو برائی میں مبتلا کرتا ہے، اور پھر آپ ہی سزا دیتا ہے۔

یہ خیال خدا معلوم کہاں سے گڑھ لیا گیا ہے، قرآن تو قدم قدم پر اسکی مخالفت کرتا ہے۔ "علم" اور "رضا" دو بالکل مختلف چیزیں ہیں، بچہ بچہ یہی جانتا ہے، کہ کسی چیز کو جاننا اور ہے اور اُسے پسند کرنا اور۔ طبیب جانتا ہے، اپنے تجربہ و واقفیت کی بنا پر پورا یقین رکھتا ہے کہ مریض کے لیے فلاں فلاں بدپرہیزیاں مہلک ہیں، ان سے مریض کی ہلاکت یقینی ہے۔ اپنے اس علم کا اظہار وہ مریض کے سامنے بار بار کر بھی دیتا ہے، اور اُسے صاف اور کھلے لفظوں میں ڈرا دیتا ہے، یہاں تک کہ بعض صورتوں میں تعین مدت کے ساتھ مریض کی ہلاکت کی پیشگوئی بھی کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے، مگر کیا ان واقعات کا علم لگا دیتا ہے، کیا وہ ان واقعات کے وقوع کو پسند بھی کرتا ہے؟ نامی گرامی وکیل مقدمات کے نتائج کا اندازہ قطعیت کے ساتھ لگا لیتے ہیں، کیا ان نتائج سے وہ متفق بھی ہوتے ہیں؟ حیرت، جبر و قدر میں آکر علم الٰہی اور رضائے الٰہی کو غلط مبحث کیونکر ایک کر دیتے ہیں!

حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر شے میں ایک طبعی خاصیت رکھدی ہے۔ آگ جلاتی ہے، گرماتی ہے۔ پانی ڈبوتا ہے، بھگوتا ہے۔ زہر ہلاک کرتا ہے، تریاق صحت دیتا ہے، ہوا اُڑاتی ہے۔ آفتاب روشن کرتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔

یہ سارا انتظام تکوینی، جس قانون کے ماتحت چل رہا ہے، اُسکا نام مذہب کی زبان میں مشیت الٰہی ہے۔ اسی قانون کی ایک اہم دفعہ یہ ہے کہ انسان کو ارادہ یا اختیار دیدیا گیا ہے۔ وہ اپنی عقل و تمیز سے مختلف راستوں میں سے ایک راستہ اپنے لیے انتخاب کر سکتا ہے۔ چند شقوں میں سے ایک شق اپنے لیے پسند کر سکتا ہے، چند طریقوں میں سے ایک طریق عمل اپنے لیے متعین کر سکتا ہے۔ اُس پر جو کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اسی قدرت انتخاب و اختیار کی بنا پر۔ چنانچہ جبکہ یہ قوت معطل ہو جاتی ہے (مثلاً مجنون کی) یا جبکہ یہ قوت بختگی کو نہیں پہونچی ہوتی ہے (مثلاً بچوں کی) یا حالات میں یہ قوت معطل ہو جاتی ہے (مثلاً عالت خواب میں) اُنہیں ان حالات میں ذمہ داری بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ ان حدود کے اندر انسان تمامتر آزاد ہے، ہر طریق عمل کے نتائج اُسے بتا دیے گئے ہیں، زیست و فلاح، موت و ہلاکت کی ساری راہیں اُسے دکھا دی گئی ہیں، اور وہ پوری طرح آزاد و خود مختار ہے کہ جو سا عمل چاہے کرے، جو سی راہ چاہے اختیار کرے، اس میں اس پر مطلق کوئی جبر نہیں۔ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر (کہف)، قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ (بنی اسرائیل) وغیرہ متعدد آیات کریمہ اسی مضمون پر ناطق ہیں اور یہ سارا انتظام تکوینی قانون مشیت کی ماتحتی میں چل رہا ہے۔

اسی قانون کے متوازی ایک دوسرا قانون بھی کارفرما ہے۔ اسکا تعلق نظام تکوینی Physical Plane سے نہیں نظام تشریعی Moral Plane سے ہے۔ "کیا ہے" What is سے نہیں "کیا ہونا چاہیے" What to be سے ہے۔ افعال کی جوابدہی اور اعمال کی ذمہ داری اسی عالم سے متعلق ہیں، جزا و سزا کا مدار اسی قانون سے وابستہ ہے۔ اللہ نے جن طریقوں کو پسندیدہ فرما دیا ہے (اور حقیقۃً وہ سارے طریقے بندوں کے فوز و فلاح کے ہیں) اُن پر چلنے سے مرضیات الٰہی حاصل ہوتی ہیں، اور انھیں کے آخری اور انتہائی مقام کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے (یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی) اور اس کے برعکس اللہ کے ناپسند کیے ہوئے طریقوں پر چلنا، اپنی ہلاکت و خسارہ کی راہ اختیار کرنا، اپنے کو مذہب کی زبان میں، اللہ کے سخط و عذاب کی طرف لے جانا ہے، جس کی آخری منزل کا نام جہنم ہے۔

ایک شفیق باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے، کہ بیٹا دیکھو، فضولخرچی نہ کرنا، تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ بُری صحبتوں میں نہ بیٹھنا، ہلاک ہو جاؤ گے، مجھے اگر خوش رکھنا ہے تو اسکے فلاں فلاں طریقے ہیں، اور اسکے لیے یہ یہ انعام ہیں، اگر کہا نہ سنو گے تو خود ہی اپنے کیے کو بھگتو گے۔ میرا کام سمجھا دینا ہے، اپنا نفع و نقصان خود ہی دیکھ، سمجھ سکتے ہو"۔ لڑکا ان روشن ہدایتوں کے بعد سعید ثابت ہوا تو خیر، ورنہ اگر نالائق نکلا، تو باپ پر اسکی کیا ذمہ داری؟ اور باپ کے متعلق یہ الزام کیونکر کوئی شائبہ معقولیت رکھ سکتا ہے، کہ اُس نے آپ ہی تو بیٹے کو گمراہ کیا، اور آپ ہی سزا دے رہا ہے؟ یہ مغالطہ نہ ہو، کہ اس مثال میں باپ تو خود مجبور ہے، اور اللہ مجبور نہیں، قادر مطلق ہے۔ وہ قادر مطلق بیشک ہے، لیکن اُسی قدرت مطلقہ کا ایک ظہور یہ بھی ہے، کہ اُس نے قدرت کا ایک جزو، یعنی قدرت تمیز اور اعمال میں قوت انتخاب بندوں کی طرف منتقل کر دیا ہے، اور اس لیے اس باب میں آزاد و خود مختار رہیں۔ اب اس پر سوال کیا باقی رہا؟

یہ ساری گفتگو، بدی یا نقص کے وجود کو مسلم مان کر تھی، لیکن دقت نظر ایک قدم اور آگے بڑھا کر سوال کرتی ہے، کہ دُنیا جسے نقص، عیب، بدی، کہہ اور سمجھ رہی ہے، اسکا وجود فی الواقع کہیں ہے بھی، جو اس کی توجیہ و تعلیل پر قیل و قال کی ضرورت پیش آئے؟ یہ مسلم ہے، کہ انسان کا علم ناقص ہے، اور اسکی نظر محدود۔ وہی درمیانی آلات و وسائط، جن پر کم نظری و سطح بینی اول اول ٹھوکر کھاتی ہے، وسعت نظر و ازدیاد علم کے ساتھ برابر آلام سے لذات میں، ناگواریوں سے خوشگواریوں میں، انقباض سے انبساط میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مدرسہ کی پابندی، کم سمجھ بچہ کو قید و بند سے کم دشوار نہیں معلوم ہوتی، اور ماں باپ ہیں کہ اس کی تعلیمی ترقیاں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوئے جاتے ہیں! مریض آپریشن کے نام سے گھبرا رہا ہے، اور اُسکے تصور سے خوف کھا رہا ہے، اور شفیق ڈاکٹر ہے، کہ خوشی خوشی اپنے اوزار سنبھال رہا ہے، کہ ابھی ابھی مریض کی تڑپ، راحت و آسایش سے بدل جائیگی۔ بچہ اور مریض کی نظر کوتاہ

نیا وسائط کو مقاصد سمجھے ہوئے ہیں، گزرگاہ پر منزل مقصود کا دھوکا کھا رہے ہیں۔ والدین اور ڈاکٹر کی نظریں دور رس ہیں، اُنکا علم کامل تر ہے، عاجل اور آجل کا فرق نگاہ میں ہے، اور انھیں واسطہ اور مقصود کی شناخت میں دھوکا نہیں۔

اس وسیع اور پیچ در پیچ کارخانہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے مربوط، متعلق، وابستہ ہے۔ ہر واقعہ دوسرے مرتبط، ہر شے کی ہستی، دوسرے کی زندگی سے دست و گریباں، ہر ہر تار دوسرے سے جکڑا ہوا، گتھا ہوا، بچے اور نادان قدم قدم اُلجھتے ہیں، حکیم و دانا، دور دور کی حکمتوں کی خبر لاتے ہیں، اور بڑی بڑی گہرائیوں تک اُتر جاتے ہیں۔ یہ فرق مراتب جب معمولی معمولی انسانوں کے درمیان نظر آتا ہے، تو جو ہستی علیم کل ہے، ہمہ علم و خبر ہے، کیسے مانا جائے کہ اس کی نظر میں، کوئی بھی شے بدی کے حکم میں داخل ہوگی؟ دنیا میں جن چیزوں کو بدی، معصیت، نقص سے تعبیر کر رہی ہے، یہ خود اپنے تصور نظر کا نتیجہ ہے۔ اگر حجابات دور ہو جائیں، ہر شے سارے سلسلۂ وجود میں منظم و مرتب، ہر کڑی دوسری کڑی سے پیوستہ و مربوط، پوری طرح اور اصلی رنگ میں نظر آ جائے، تو کس کی نگاہ میں یہ "نقائص" نقائص باقی رہ جائیں! اسوقت ہر شے اپنی اپنی جگہ پر، کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل میں سرگرم نظر آئیگی، اور جو کوتہ نظری کو بدنمائی کے دھبے معلوم ہو رہے تھے، وہی چشم دوربیں میں حسن و زیبائی کے خط و خال بن جائینگے۔ جو اللہ کے فضل و کرم سے اس منزل پر پہونچ گیا، اسکے سامنے یہ سوال باقی ہی نہیں رہتا، کہ دنیا میں بدی کا وجود کیوں ہے، وہ حیرت کے ساتھ یہ دریافت کرتا ہے، کہ دنیا میں بدی کا وجود کہیں ہے بھی؟ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

مذہبی تحقیق اور طلب حقیقت کی راہ، خودی و انانیت، ضد اور سخن پروری کی راہ نہیں، شکستگی و فروتنی، غور و فکر، سنجیدگی و تدبر کی راہ ہے۔ مبارک ہیں وہ جو صدق طلب کی راہ پر سچے رہرووں کی طرح چلیں۔ معروضات بالا کا مطالعہ اگر خلوص ذہن کے ساتھ کیا گیا، تو کریم کی کریمی سے کیا بعید ہے، کہ دلوں کو تسکین و تسلی کا سہارا کسی نہ کسی درجہ میں ہاتھ آ جائے، اور جو سوال اول نظر میں بڑے معرکہ کا اور مہتم بالشان نظر آ رہا تھا، عجب نہیں کہ غور و تامل کے بعد معنی کی تحلیل اور اطراف و جوانب کی دیکھ بھال کے بعد قابل التفات بھی نہ رہ جائے، اور اس کی بے حقیقتی روشن و عیاں ہو کر رہے واللہ اعلم و علمہ احکم۔

خط وکتابت وغیرہ

میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجیے

مہتمم

محمد علی کی یاد

(صدق کے ایک کرم فرما مقیم مظفر نگر کے قلم سے)

.... مجھکو جناب کی ذات والا سے انتہائی عقیدت و خصوصیت ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ مرحوم مولانا محمد علیؒ سے مجھکو اس درجہ عقیدت تھی اور ہے کہ بخدا جس وقت مرحوم کا کوئی تذکرہ ہوتا ہے تو قلب بے چین ہو جاتا ہے اور رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ نے اپنا صدق ۵ جولائی میں بہ عنوان (ایک دعوت نامہ کا جواب) جو تحریر کیا ہے واللہ اُس کو بار بار پڑھتا ہوں اور روتا ہوں۔ مرحوم سے کوئی خاص نیاز حاصل نہ تھا۔ چند مرتبہ تقاریر سننے کا اتفاق ہوا۔ کچھ حالات معلوم ہوتے رہے غالبًا ۲۰ء یا ۲۱ء میں رفاہ عام لکھنؤ میں خلافت کا زبردست جلسہ ہوا تھا۔ شاید راجہ صاحب محمود آباد مرحوم صدر جلسہ تھے۔ اکثر نامور علماء مولوی احمد سعید و علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ کی تقریریں ہوئی تھیں۔ اُس جلسہ میں یہ آپکا خادم بھی تھا۔ تقاریر مقررین نے بہت پُرجوش کیں۔ حاضرین جلسہ اکثر چیخ مار مار کر رو دیے لیکن مقررین اُسی لب و لہجہ میں تقریر کرتے رہے۔ شام کا وقت تھا صحن میں جلسہ ہو رہا تھا۔ اُس وقت غالبًا مولانا عبدالباری صاحبؒ صدر جلسہ تھے۔ غالبًا گاندھی جی بھی شریک جلسہ تھے۔ اُسوقت مولانا محمد علیؒ نے تقریر فرمائی تھی۔ جس وقت اُنکی زبان پر، پُرجوش الفاظ آتے تو سب سے پہلے وہ خود متاثر تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ رقت طاری تھی۔ بدن میں رعشہ تھا۔ جو کہنا چاہتے تھے کہہ نہ سکتے تھے۔ چند مرتبہ پانی پیا۔ لیکن پھر بھی حالت تبدیل نہ ہوئی۔ آہ کیا عرض کروں، اُسوقت میرے قلب نے کیا اثر قبول کیا۔ جو آج تک قائم ہے کہ حقیقی عاشق رسولؐ، عاشق مذہب اگر تھے تو وہی تھے۔ رُلانے والے بہت دیکھے، مگر خود رونے والا مرحوم ہی کو دیکھا۔ اس وقت عریضہ لکھتے ہوئے قلب بے چین ہو رہا ہے۔ وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات میں ترقی کرے۔ ان آنکھوں سے زندگی میں اُنکا یہ عروج دیکھا کہ جب یہ شیر بیتول سے رہا ہو کر جب لکھنؤ تشریف لائے ہیں تو ایسا جلوس نکلا کہ آج تک پھر نظر سے نہ گزرا۔ موت ایسی ملی کہ آج تک دنیاوی لحاظ سے کسی بڑے سے بڑے ہندوستانی کو بھی یہ عزت نہ حاصل ہوئی۔ تمام سلاطین کے سفراء و نمایندے شریک۔ ہندوستان کے بڑے سے بڑے لیڈر و معتمد ہستیاں شریک۔ ہر مذہب و ملت کی قابل احترام ہستیاں شریک۔ دفن وہاں ہوئے کہ ہندوستانی تو درکنار خود اُس ملک کے باشندے اس مقدس مقام میں دفن ہونے کی تمنا و آرزو رکھیں لیکن پوری نہ ہوں۔ یہ مقبولیت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ وہ اپنے مقبول بندوں کو دنیا اور دین میں کیا کیا مرتبے و عزت دیتے ہیں سنہ ۳۱ء و سنہ ۳۲ء میں بھی میں اخبار سچ کا خریدار رہا ہوں۔ سب سے پیشتر تھا ...

جب سیرت محمد علیؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے تو اسی وقت دفتر اخبار سچ میں خریداری کے لیے تحریر کیا۔ لیکن وہ بہت قبل از وقت چھپا تھا۔ غالباً ڈیڑھ دو مہینے کے بعد کتاب پہونچی تھی۔

کتاب میں سید محفوظ علی صاحب کے حوالہ سے بمبئی کے قیام کے حالات جو تحریر ہیں اُس سے قلب بہت متاثر ہوا۔ غرضکہ ایک بے پڑھا لکھا شخص جو نہ سیاست سے واقف ہے نہ کسی کی قابلیت کا اندازہ کرسکتا ہے اسکو اُس مرحوم سے حقیقی عشق ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی تحریرات میں جہاں کہیں مرحوم کا ذکر ہوتا ہے وہاں تمامیں جذبہ اور اثر سے آپ تحریر کرتے ہیں۔ جو قلب کو چھلنی کردیتے ہیں۔ میں یہ اکثر کہا کرتا ہوں کہ آپ مرحوم کے حقیقی سچے عاشق ہیں۔ کچھ تو ان وجوہ سے، کچھ آپ کے مضامین دیکھنے سے جناب سے انتہائی عقیدت ہوگئی ہے۔ اس زمانہ میں ایسی ہستی اور کون ہے اللہ تعالیٰ جناب کو اپنے مقاصد دینی و دنیوی میں کامیاب فرمائے۔ .... آہ یہ مسلمانانِ ہند کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس پرآشوب وقت میں وہ مرد میدان۔ سچا مسلمان۔ مسلمانوں کا فدائی اپنے دین اور اپنے رسولؐ کا عاشق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس کی قبر کو اپنے انوار سے معمور کردے۔ کیا عجب کہ سرسید مرحوم بانیِ علیگڈھ کالج کی خطاؤں کو اسی بنا پر حق تعالیٰ معاف فرمادیں کہ اُس مرحوم و جناب جیسے مسلمان پیدا کیے۔ آج علیگڈھ کو آپ ہر دو صاحبان کی ہستیوں پر فخر ہوسکتا ہے تو بالکل بجا و درست۔[۲]

---

[۱] چوں حدیث روئے شمس الدین رسید ¦ شمس چارم آسمان سر در کشید
واجب آمد چونکہ آمد نام او ¦ شرح کردن رمزے از انعام او
این نفس جان دامنم برتافتست ¦ بوئے پیراہن یوسف یافتست
کز برائے حق صحبت سالہا ¦ باز گو حالے از آن خوشحالہا

(صدق)

[۲] محمد علیؒ کے ساتھ اس نامہ سیاہ کو جمع کردینا "شتر گربہ" سے کم نہیں۔ البتہ خود محمد علیؒ کا نام بالکل برمحل آیا ہے۔ اور محمد علیؒ کے بعد، علیگڈھ کی برادری میں دو ایک نہیں، بیسیوں، پچاسوں نام بہترین مسلمانوں کے اور بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ خود صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم بھی آخری زمانہ میں بڑے دیندار ہوگئے تھے۔ اور سید نواب علی ایم اے، اور سید محفوظ علی بی اے (بدایونی) کی قابل رشک زندگیاں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ (صدق)

صحیح پتہ

پچھلے دنوں ایڈیٹر صاحب صدق کی تصانیف کی فرمائشیں کولمبو اور بنگلور وغیرہ سے دفتر صدق کے نام موصول ہوئیں۔ حالانکہ ہر اشتہار میں انکا پتہ منیجر صاحب دار المصنفین، شبلی منزل، اعظم گڈھ (یوپی) درج ہوتا ہے۔ ناظرین اگر اس صحیح پتہ کو نشان میں رکھیں، تو اپنے کو زحمت تاخیر و انتظار سے بآسانی بچاسکتے ہیں۔

ہمارا مستقبل

(سلسلۂ صدق ۱۵- جولائی)

ہندو مسلمان ایک ہزار برس کی یکجائی اور میل جول کے بعد یقیناً دونوں اپنی جگہ سے ذرا آگے بڑھ کر اس طرح ایک ہوگئے تھے کہ اکثریت پر اقلیت کا اور اقلیت کا اکثریت پر کچھ کچھ رنگ چڑھ گیا تھا۔ دونوں کی زبان ایک ہوگئی تھی، تمدن ایک ہوگیا تھا خیالات ایک سے ہوگئے تھے، پہننا اوڑھنا ایک سا ہوگیا تھا، دونوں ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوگئے تھے لیکن انگریزی تعلیم نے آکر یہ کیا کہ انکے اتحاد کے ذریعہ کو ہندوستانی کے بجائے انگریزی کردیا اور گو دیکھنے میں وہ اب بھی ایک لباس، کوٹ پتلون میں تھے، ایک ہی بولی (انگریزی) بولنے لگے تھے اور ایک ہی تمدن میں رنگے گئے تھے مگر انکے دلوں میں بڑا فرق پیدا ہوگیا تھا اب ایک کا دُکھ دوسرے کا سکھ اور ایک کا سکھ دوسرے کا دُکھ بن گیا۔

سیاست نے انقلاب اور قومیت کے نئے خیال نے نیا روپ بھرا اب یہ کوشش ہے کہ ہندوستان کے بسنے والوں اور خاص طور سے ہندو مسلمانوں کو اس طرح ایک کردیا جائے کہ اقلیتوں پر اکثریت کا رنگ و روغن چڑھ جائے اور وہ اپنی اصل و نسل اور دین و ملت کو بھول کر اکثریت میں مدغم ہوجائیں۔ چنانچہ کہنے والے کہتے ہیں کہ وار دھا اسکیم، ودیا مندر اسکیم، سمپورنا نند جی اور ٹنڈن جی کی ہندی اور گانوں سدھار کی موجودہ صورت حالات اصلی مقصد کی بلندی تک پہونچنے کے زینے ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ان کی یگانگی مضبوط کرتی اور یہی وہ نشان ہیں جن سے انکے نزدیک موجودہ کارروان سیاست کی سمت راہ کا پتہ چلتا ہے۔

صوبہ متوسط کے مسلمانوں کی کوشش سے ودیا مندر اسکیم کی صورت گو اب بدل گئی ہے مگر روح نہیں بدلی ہے پھر بھی صوبہ متوسط کے مسلمانوں کو اس صورت کی تبدیلی پر کچھ زیادہ خوش نہ ہونا چاہیے ان کی خوشی کا اصل وقت وہ ہوگا جب وہ مدینۃ العلم کی تجویز کو عمل میں لے آئیں گے اور اسکی شاخیں گانوں گانوں میں قائم کرسکیں گے اور مسلمان بچوں کو ودیا مندر کے جال سے نکال لینگے۔

وار دھا اسکیم کی ان اصولی باتوں سے جنکو ہمارے دوست پیش کرتے ہیں ہمیں اختلاف نہیں۔ ہیں اسکیم کے ہمرنگ سبزۂ دام سے وحشت ہے جس میں اہنسا اور ہر ہوسا جی رنگ کے مذہب کی تعلیم ہوگی اور اس میں کعبہ و بتخانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے والوں کے سوانح پڑھائے جائیں گے۔

میرے نزدیک بچوں کی تعلیم خالص مذہبی ہونی چاہیے۔ یعنی مذہب کا رنگ اس میں نمایاں ہونا چاہیے۔ تعلیم نصاب ہی کے سانچے میں بچوں کا پہلا مدرسہ بنانے والوں کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔

بہر حال اس اسکیم پر چند حروف جملہ معترضہ سے زیادہ نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ اسوقت کانگریس کے دونوں بازوؤں کا مقصد قومیت متحدہ کی تشکیل ہے البتہ ان دونوں کے نزدیک اس قومیت متحدہ کی نسبت دو الگ الگ تصور ہیں

یورپ کا اپنے خلاف فتوے

... مگر اسکا کیا علاج کہ ہمارے "روشن خیالوں" کی بدقسمتی سے وہ لوگ بھی "رجعت پسند ملّا" بنے جا رہے ہیں۔ جنکی خاطر ملّاؤں کو پانی پی پی کر کوسا جاتا تھا جن اہل مغرب کی تقلید میں ہم نے اسلام سے شرافت و اخلاق سے اپنی تہذیب و قومیت سے بغاوت اختیار کی تھی۔ وہ خود اپنی تہذیب سے باغی ہوتے چلے جا رہے ہیں! سخت افسوس کا مقام ہے کہ ہندستان کا ملّا ازم ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ خود یورپ میں ہمارے پیشوا اکثر ملّا بنے لگے!

لاہور کے انگریزی اخبار "اسلام" میں ایک انگریزی کتاب "محبت اور شادی" (لو اینڈ میرج) پر مبصرانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔ جو اس قابل ہے کہ ہر انگریزی داں نوجوان اُسے ضرور پڑھے۔ اس کتاب میں یورپ کے اُن اہلِ قلم ادیبوں اور عالموں کے مضامین درج ہیں جو بین الاقوامی شہرت کے سرمایہ دار ہیں۔ اور غالباً ہو لاک، ڈاڈل، ولیم سٹیکل، فورسٹر، جولین ہسکلے، اور سارسن وغیرہ انگریزی ناموں سے انگریزی داں طبقہ نا واقف نہ ہوگا۔

آیئے ذرا ہم ملّاؤں سے صرف نظر کرکے مغرب کے ان ادیبوں اور فلسفیوں کی چند باتیں بھی سن لیں اور معلوم کریں کہ یورپ کے چشم و چراغ صنفی معاملات پر کن خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ پروفیسر سارسن اپنے مضمون کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں:-

"اس امر پر یقین کرنے کے مستحکم دلائل موجود ہیں کہ غیر معمولی شہوانی میلانات کی کثرت اس سے زیادہ ہے جیسا کہ عام طور پر فرض کیا گیا ہے"

اسکے بعد فرماتے ہیں:-

"غیر معمولی شہوانی جذبات کے بیشتر واقعات ہمارے معاشرتی حالات اور ماحول کا نتیجہ ہے اور ان میں سے بعض تو یقیناً موجودہ "تہذیب" کی پیداوار ہیں"

کونسی تہذیب؟ وہی تہذیب جس پر آج دنیا فریفتہ ہے اور جسکی نقالی عین روشن خیالی تصور کی جاتی ہے!

بقول پروفیسر سارسن "موجودہ تہذیبی ترقی کا اعلیٰ منظر شہوانی جذبات کا میلان ہے۔ انکے نزدیک یہ گندہ میلان دو قسموں پر مشتمل ہے۔ اجتماعی اور انفرادی" اجتماعی رنگ میں جو شہوانی جذبات ترقی پذیر ہیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط کمیلوں۔ ناچنے گانے۔ مخلوط ڈانس۔ عورتوں کی آزادی۔ موجودہ لٹریچر اور سنیما کی پیداوار ہیں! انفرادی میلانات کا سرچشمہ عشقیہ لٹریچر۔ فوٹو۔ شراب نوشی وغیرہ ہیں!

فرمایئے اس سے بڑھکر مغربی تہذیب کے خلاف کوئی "ملّا" کیا کہیگا؟ غریب مولوی تو صرف اثرات دیکھ کر ہی سہما جاتا ہے۔ مگر انکے گھر کے بھیدیوں کو کیا کہیے جو تہذیب جدید کا مشاہدہ کرکے اور اس میں پرورش پاکر بغاوت کا اعلان فرما رہے ہیں!

پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ ڈانس (رقص) تو ہر حالت اور ہر شکل میں شہوانی جذبات کے لیے ہیجان ہے۔ نیچے و تیت عورت سے چمٹے رہنا اور بھڑکانے کے سُر تال شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے میں بہت معاون ہیں!

آپ کے نزدیک ٹینس اور گولف وغیرہ کھیلوں کو شہوت کو برانگیختہ کرنے میں بہت بڑا دخل حاصل ہے!

سب سے بڑی بات یہ کہ عشقیہ ناولوں، فحش تصویروں اور سنیما نے مہذب عورت کو آبرو باختہ اور رغبت پرست غیر بنا ڈالا ہے!

اگر یہی بات کوئی مولوی اپنی زبان سے کہدے تو پھر دیکھیے کہ روشن خیالوں کی طرف سے کیا حشر بپا ہوتا ہے۔ مگر یہاں پروفیسر سارسن ہیں۔ پروفیسر کیسلے ہیں۔ ہولاک ہیں۔ یہ لوگ تو برملا کہ رہے ہیں

من درون شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آں چناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب

مگر انکے مقلدین اسی مغربی تہذیب کو اپنے حق میں تریاق اور ترقی کا لازمہ سمجھ رہے ہیں اور "ملّا" بدنام ہے کہ وہ اپنی رجعت پسندی سے قوم کے نونہالوں کو قدامت پرستی کی طرف لیجا رہا ہے۔ تہذیب کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے کہ اسکی بدولت خانہ خراب ہو گیا مگر نقالچیوں کو فخر ہے کہ اسکے صدقے میں انہیں بھی ترقی۔ روشن خیالی اور تجدد سے حصہ مل گیا! (زمزم)

دجالی تہذیب کی اخلاق سوزیاں

یورپ کی دجالی تہذیب کی اخلاق سوزیاں روز بروز ترقی پر ہیں عصمت و پاکبازی کی سرزمین یورپ میں داستان پارینہ اور محض لفظی الفاظ سے زیادہ حقیقت نہیں رہی۔ بےحیائی اور نفس پرستی کا دور دورہ ہے۔ حکومتیں بدکاری و بےحیائی کا انسداد کرنے کے بجائے انکی حمایت و سرپرستی کر رہی ہیں۔ اور ایسے ایسے واقعات ظہور میں آ رہے ہیں جنکو سن کر آدمی محو حیرت ہو جاتا ہے۔ حسین عورتوں کی نمائشیں اور مقابلے یورپ میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ مقابلہ میں اوّل آنے والی لڑکی کو ملکہ حسن کا خطاب دیا جاتا ہے ——— فرانس کی ایک ملکہ حسن سونیا بیسی پر آجکل عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ اسکے جرم کی تفصیل و نوعیت ذرا ملاحظہ ہو:--

"مس بیسی کسی زمانہ میں رقاصہ تھی، ۱۹۲۹ء میں اسے ملکہ حسن کا خطاب دیا گیا اور اسکا کام یہ مقرر ہوا کہ وہ اشتہار بازی اور نشر و اشاعت کے لیے مصور کے سامنے بطور "نمونہ" کھڑی ہوا کرے۔ ایک روز مصور نے کہا کہ کپڑے بالکل اُتار دو، کیونکہ میں ایک اشتہار کے لیے تمہارا عریاں فوٹو کھینچنا چاہتا ہوں۔ لیکن ملکہ حسن نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ اس پر فرانس کی ایک عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملکہ حسن پر بعض اور الزامات بھی لگائے گئے ہیں۔ مثلاً اُس نے وعدہ کیا تھا کہ میں نیو یارک کی نمائش میں فرانس کے

حسن کی نمائندگی کرنا تھی۔ لیکن عین وقت پر اُس نے امریکہ جانے سے انکار کر دیا۔ پھر اُس سے کہا گیا کہ اپنے حسن کی نمائش اکا برتیں و عمائد شہر کی ایک مجلس ہی میں کرے لیکن اُس نے یہ بھی نہ کیا"۔

ہمارے خیال میں ان سطور پر تبصرہ کی قطعاً ضرورت نہیں ——— لعنت ہے اس تہذیب پر جو عورتوں کو ایسی ذلیل ترین بے حیائیوں کے لیے مجبور کرتی ہے۔ اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان پر بد اخلاقی کے مقدمات چلائی جاتی ہے۔ یورپ کی آرٹ اور بے ہنگم پن کی تعریف کرنے والوں نے کبھی ایسے واقعات پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے؟ . . .

ہم اس واقعہ کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ یورپ کی لعنتی تہذیب کا اثر اکثر مشرقی و اسلامی ممالک اور خود ہندوستان میں بہت ہی سرعت سے ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی تمام اقوام میں بھی بے غیرتی، بے حیائی اور عریانی جیسے اخلاقی عوارض کے جراثیم پھیل رہے ہیں۔ ہماری قدیم تہذیب دم توڑتی دکھائی دے رہی ہے۔ پنجاب کے صدر مقام لاہور میں ایسے ایسے کلب اور ناچ گھر قائم ہو چکے ہیں جہاں بے حیائی کی حرکات سکھائی جاتی ہیں اور عریانی و آوارگی کے سبق دیے جاتے ہیں ——— شرفا زادوں کے علاوہ بعض شرفا زادیاں بھی وہاں جاتی ہیں۔ یہی حال ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں کا ہے۔ شرافت کا معیار بدل گیا ہے۔ یورپ زدہ سوسائٹی کے جذبات غیرت فنا ہو چکے ہیں۔ اور ایسے حلقے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن میں عریانی اور نمائش حسن کو لازمہ تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال ملاحظہ ہو:—

"ٹریبیون اور سول ملٹری گزٹ میں چند لڑکیوں کی عکسی تصاویر (نیم برہنہ لباس میں) شائع ہوئی ہیں۔ جنھیں دیکھ کر ہر ایک غیرتمند انسان کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو جاتی ہیں۔ ان لڑکیوں میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی اور تصاویر کے نیچے لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے پیراکی کا انعام لیا۔ ایک نوجوان لڑکا اور نوعمر لڑکی پیرنے کے بعد نیم برہنہ حالت میں اس طرح بیٹھے دکھائے گئے ہیں کہ گالوں سے آنکھیں مل گئی ہیں۔ یہ تصاویر ہزاروں انسانوں نے دیکھیں ان سعادتمند لڑکیوں کے والدین خوش ہو رہے ہوں گے"!! (شہباز۔ ۲۲۔ جون)

ایسے واقعات اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ مشرق بھی مغرب کے نقش قدم پر چل کر معصیت و بے حیائی کے سمندر میں غرق ہو رہا ہے۔ — ابھی وقت ہے کہ اس کو اس تباہی سے بچایا جائے۔ ورنہ بہت جلد پانی سر سے اونچا ہو جائیگا۔ (پیغام صلح)

(بقیہ صفحہ ۹)

اور انھیں سے مسلمانوں کو وحشت ہوتی ہے۔

میرے نزدیک کانگریس کی صحیح راہ وہ تھی جس پر وہ سنہ ۱۹۲۰ء میں گامزن تھی۔ یعنی ہندوستان کی قومیت متحدہ کی تشکیل کے بجائے ہندوستانی اقوام کی جمہوریہ متحدہ کی تشکیل ایسی جمہوریت متحدہ جس میں اس ملک کی چھوٹی سے چھوٹی قومیت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔ اسکی تہذیب اُسکا مذہب اسکی زبان اسکا مقصد زندگی محفوظ رہے۔

غرض ہندوستان کی کامیابی کی راہ "قومیت متحدہ ہند" نہیں بلکہ "جمہوریت متحدہ اقوام ہند" ہے اسی لیے میں نے اپنی مختلف تقریروں اور تحریروں میں کلچر اور قومی کی دعوت بار بار دی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ ہندوستان کی تمام قوموں یا فرقوں کو توڑ پھوڑ کر ایک قوم بنا دینے کی پالیسی اختیار کی جائے، جس میں ہر ایک کے قومی یا فرقہ وارانہ امتیازات مٹ جائیں، یہ بہتر ہوگا کہ ہم ان سب کو ایک متحدہ ہندوستانی جمہوریت کی وفاداری کے جھنڈے کے نیچے جمع کریں اور ان میں سے ہر ایک کی ہستی کو علیحدہ خصوصیات کے ساتھ قائم اور باقی رکھیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ مشکل کام ہے لیکن اتنا مشکل نہیں جتنا وہ کام ہے جسکے لیے ہم سب کوشاں ہیں۔ یعنی کامل سوراج۔ جب اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہم ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہیں تو پھر یہ مشکل کیوں نہیں حل ہو سکتی۔ صحیح اور مضبوط عزم و ارادہ نے ہر مشکل کو حل کیا ہے اور یہی اسکو بھی حل کر سکتا ہے۔

اس مقالہ کے بہت سے حواشی اور گوشے تفصیل اور تشریح کے محتاج ہیں وقت آئیگا جب اس کی ساری گرہیں کھلیں گی اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتنے پر آمادہ اور ایک معتدل اور عادل جمہوریت کے سایہ کے تلے ایک ہوں گے۔ (مدینہ جوبلی نمبر)

علماء اور عوام

——— جمعیۃ علما (دہلی) کے گزشتہ اجلاس میں اس ادارہ کے دستور اساسی میں ترمیم کی گئی اور جو ترمیمات منظور کی گئیں اُن میں سب سے اہم یہ ترمیم معلوم ہوتی ہے کہ "ہر عاقل و بالغ دو آنہ فیس ادا کرنے پر جمعیۃ کا ممبر ہو سکے گا۔ ——— دوسری ترمیم یہ کی گئی ہے کہ آیندہ جمعیۃ کے صدر کا انتخاب "خالص جمہوری اصولوں" کے مطابق کیا جائیگا۔

ہمیں وہ دن یاد ہے کہ مولانا محمد علیؒ مرحوم کو سالانہ اجلاس کا صدر منتخب کرنے سے جمعیۃ کے علمائے کرام نے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ مولانا مرحوم "خالص علما" میں شریک کیے جانے کی اہلیت نہ رکھتے تھے! ———

اُس انتخاب کے معرکہ میں جمعیۃ کے ان ہی علمائے کبار نے علما اور غیر علما کی بحث پر بہت شدت کے ساتھ اپنے دلائل مولانا محمد علیؒ کے خلاف پیش کیے تھے ——— وہ سارا منظر آج بھی ہماری نظروں میں ہے! ——— لیکن جمنا کے پل کے نیچے بہت سا پانی بہہ چکا ہے اور جمعیۃ کی کشتی بالآخر "رابطۂ عوام" کے گھاٹ تک آ چکی ہے ——— زمانہ بڑا معلم ہے!!

(پیام)

مراسلہ

از صیغۂ جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ۔ ناظر باغ۔ کانپور

بخدمت گرامی جناب ایڈیٹر صاحب صدق

کرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ حقیقت جناب سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ صوبۂ متحدہ میں اول ۱۹۱۲ء میں آریہ سماج کی طرف سے جاہل اور ناواقف مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی تحریک اٹھی اسکے بعد دوبارہ ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کی متحدہ کوشش سے شدھی سبھا قائم ہوئی جسکے بظاہر سوامی شردھانند آنجہانی بانی و محرک و قائد تھے اور درپردہ تمام سیاسی اور مذہبی ہندو لیڈر اسکے موید تھے (الا ماشاءاللہ) چنانچہ شدھی سبھانے اضلاع ایٹہ و اٹاوہ، آگرہ و متھرا و بھرت پور وغیرہ میں پوری طاقت اور بہترین نظم کے ساتھ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک اٹھائی۔ ابتداءً یہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جاہل و ناواقف ملکانہ راجپوتوں کو مرتد کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس میدان میں قائم مسلمانوں کی امداد سے جمعیۃ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بفضل خدا شدھی سبھا کو شکست ہوئی جسکا اعتراف خود مخالف کو بھی کرنا پڑا۔ دوسرا حملہ اضلاع گھسیم پور وغیرہ کے مسلمان گھوسیوں کے ایمانوں پر کیا گیا۔ وہاں بھی جمعیۃ ہذا نے دشمنان دین کا مقابلہ کیا اور اس فتنہ کا استیصال کیا۔ تیسرا حملہ اضلاع گورکھپور و بستی وغیرہ کے مسلمان گدیوں پر کیا گیا۔ وہاں بھی مقابلہ کیا گیا اور خدا کا شکر ہے کہ وہاں بھی کامیابی نصیب ہوئی۔

دشمنان دین و ایمان نے پے درپے شکستیں کھا کر اپنا طریق کار بدل دیا اور اب اعلان و تشہیر کے بغیر سرگرم کار ہیں۔ چونکہ مخالف اپنے کام کا اعلان و تشہیر نہیں کرتے اس لیے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اس فتنۂ ارتداد کا استیصال ہو گیا لہٰذا اب ضرورت باقی نہیں رہی حالانکہ دشمنان اسلام نے صرف اپنا طریق کار بدلا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انکا موجودہ طریق کار زیادہ موثر اور مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اگرچہ نتائج مرتب ہونے میں عرصہ لگیگا۔ لیکن نتائج کے مرتب ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے لیے انکا انسداد مشکل نہیں بلکہ محال ہو جائیگا۔

اگر جناب کو دینیات و مذہبیات سے دلچسپی اور قلبی لگاؤ ہے اور ملک کے اور خصوصاً صوبۂ متحدہ کے موجودہ حالات کا جناب مطالعہ فرما رہے ہیں تو جناب حالات سے بیخبر نہ ہونگے اور ان حالات میں بحیثیت مسلمان خواہ آپ موجودہ ملکی سیاست میں کانگریسی خیال کے ہوں یا مسلم لیگی یا احراری ہوں یا علماء کی کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، اس حقیقت سے انکار نہ کر سکینگے کہ ایک غیر سیاسی جماعت کا وجود ناگزیر ہی نہیں بلکہ ضروری اور اہم ہے جسکا مقدم اور اہم مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام اور مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح ہو۔

الحمد للہ کہ ایسا جماعتی نظام صوبہ متحدہ میں ۱۹۲۲ء سے آج تک موجود ہے جسکو جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن عرصہ تین سال سے چونکہ مسلمان عام طور پر سیاسی مظاہروں اور دوسری کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور انکی تمام توجہ مسلم لیگ و کانگریس کی کشمکش کی طرف مبذول ہے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین جیسے غیر سیاسی اور خشک کاموں کی طرف نہیں ہے اس لیے اس میں غیر معمولی اضمحلال پیدا ہو گیا ہے اور یہ غیر سیاسی اور خالص مذہبی جماعت کا نظام بڑی حد تک معطل ہو رہا ہے۔ اگر سال دو سال اور یہ حالت باقی رہی تو (خدانخواستہ بنصیب دشمنان) ختم ہی ہو جائیگا۔ جسکا احیاء مسلمانوں کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائیگا۔

اندریں حالات یہ عریضہ جناب کی خدمت میں پیش کرکے مستدعی ہوں کہ:-

اول۔ جناب جمعیۃ ہذا کی ضرورت کو اگر محسوس فرماتے ہوں تو اسکے موجودہ لائحۂ عمل اور آیندہ طریق کار کے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں

دوم۔ اگر جناب اسکے موجودہ نظام اور کم از کم موجودہ کام کی بقاء ضروری سمجھتے ہوں تو خود کچھ نہ کچھ مالی امداد فرمایئے اور اپنے حلقۂ احباب دائرے سے بھی مالی امداد کرایئے فقط وما علینا الا البلاغ۔

محمد عبدالحی ناظم تبلیغ

تصانیف جناب مدیر صدق

۱۔ **تصوف اسلام** ۔ خالص اسلامی تصوف کا بیان، قدماء صوفیہ کے حالات و تعلیمات۔ طبع ثانی۔ باضافہ کثیر۔ قیمت عہ

۲۔ **فیہ ما فیہ** (فارسی) ملفوظات مولانائے رومی، مع دیباچہ و مقدمہ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت عہ

۳۔ **سفر حجاز** ۔ عازمین حج کے لیے بہترین رہنما، فقہی، تاریخی، ادبی، ہر حیثیت کا جامع۔ دیباچۂ مولانا سید سلیمان ندوی ۲۲۱ صفحے عہ

فلسفیانہ

۴۔ **فلسفۂ جذبات** ۔ مشہور و معروف کتاب۔ طبع ثالث باضافہ کثیر۔ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت عہ

۵۔ **مبادی فلسفہ** ۔ (حصہ اول) یا فلسفہ کی پہلی کتاب ۱۸۵ صفحے عہ

۶۔ " (حصہ دوم) یا فلسفہ کی دوسری کتاب ۱۵۱ " عہ

۷۔ **ترجمہ مکالمات برکلے** ۔ مع دیباچہ و مقدمہ وغیرہ ۱۴۸ صفحے عہ

ادبی

۸۔ **مثنوی بحر المحبت** (مصحفی) مع تبصرہ وغیرہ۔ ۸۶ صفحے ۸

ملنے کا پتہ:- **منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ یو۔ پی**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد (ضلع بارہ بنکی)

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتے پر ہونی چاہیے
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

نمبر ۹ — لکھنؤ - ۱۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء — جلد ۵

سچی باتیں

".. قت کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ تھی"

"وقت" سے مراد سترہویں صدی عیسوی کا ربع آخر، بلکہ بتعیین طور پر ۱۶۸۵ء ہے۔ اور ذکر ملک انگلستان کے ادب و اخلاق کا ہو رہا ہے۔ اس "وقت کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی، کہ شاعر اپنی گندہ ترین نظمیں عورتوں کی زبان سے ادا کراتے تھے۔ ڈراما کے جن حصوں میں سب سے زیادہ بیحیائی روا رکھی جاتی تھی، وہ انکے خاتمے کے حصے (مقطع کے بند) ہوتے تھے، اور انھیں تقریباً ہمیشہ ہی مشہور و خوش ادا ایکٹریس ادا کرتی تھیں۔ اور آزاد و مزاج تماشائیوں کے لیے اس سے بڑھ کر سامان لذت اور کسی چیز میں نہ تھا، کہ فحش ترین کلام کسی معصوم کم سن حسینہ کے گلے سے ادا ہو۔" (مکالے، "ہسٹری آف انگلینڈ" جلد اول ص ۳۹۳)

الفاظ، دشمن کے نہیں دوست کے، اور بیگانہ کے نہیں اپنے کے قلم سے ادا ہوئے ہیں۔ مکالے سے بڑھ کر محب وطن انگلستان میں اور کون ہوا ہے۔ "جیمس دوم کی تخت نشینی سے بعد کی تاریخ انگلستان" چھ ضخیم مجلدات میں تیار کر ڈالی، جو آج تک اُس عہد کی انگلستانی سیاست، تہذیب، معاشرت کی مستند سرگزشت سمجھی جا رہی ہے۔ چند سطریں ترجمہ میں بعینہ منتقل ہوئی ہیں۔ باقی مضمون کر دو پیش یہ ہے، کہ قوم میں فسق و فجور عام تھا، بڑے بڑے سیاستین اور عمائد ملک اداشیوں میں پل رہے تھے، "آرٹ" کے نام سے نظمیں اور نثریں، اور ڈرامے اور تھیٹر میں، فحش و سیہ کاری کی علانیہ گرم بازاری تھی،

وغیرہا ——— رسوائیاں غیر کی سہی بہرحال اس کی بھی داستان غم کو خوش ہو کر نہیں عبرت اور تاسف کے ساتھ پڑھیے، صرف تنا کیجیے، کہ واقعہ کو واقعہ سمجھتے رہیے۔

ٹھیک اُسی وقت، ہاں ٹھیک اُسی زمانہ میں آپ کے ہاں کیا ہو رہا تھا؟ دہلی کے تخت پر، ہندوستان کا اورنگ نشین، عالمگیر اورنگ زیب تھا "آرٹ" اور "فائن آرٹ" پر موت طاری تھی، راگ راگنیوں کے جنازے نکل چکے تھے بھانڈ اور سازندے اپنے نصیب کو پیٹ رہے تھے، اور علم و فتوے والے، زہد و تقوے والے، رُل مل کر ضخیم ضخیم "فتاوے عالمگیری" کی جلدوں پر جلدیں تیار کر رہے تھے! ——— مشرق مشرق تھا اور مغرب، مغرب!

جا بجا سوار یک طرف، مسکیں گدایاں یک طرف!

اپنے محمد شاہ اور واجد علی شاہ کو بہت دن آپ ہنس چکے، حرم مشرق کے افسانے خوب جی بھر کے سُن چکے، کسی اور غرض سے نہ سہی، تبدیل ذائقہ ہی کے لیے سہی، کبھی کبھی ہنری ہشتم، جیمس دوم، چارلس دوم کو بھی یاد کر لیا کیجیے، اور کبھی مکالے اور لیکی کی رہبری میں سراب مغرب کی بھی سیر کر لیا کیجیے۔

ایک غلط اقدام

ابھی چند ہی روز کی بات ہے، کہ ڈاک سے ایک بڑا لفافہ الہلال بک ایجنسی لاہور کا مرسلہ ملا۔ اندر سے اشتہار اور نمونہ ایک نئے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا نکلا۔ اشتیاق کی نظروں نے تیزی سے پڑھنا شروع کیا ——— قرآن کی خدمت جس پہلو سے بھی ہو، بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں مفید ہی ہوتی ہے ——— لیکن افسوس ہے کہ جو مسرت شروع میں ہوئی تھی وہ آخر تک باقی نہ رہی۔ نمونہ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں

کا مع متن و حواشی و تعلیقات ہے۔ انکے پڑھنے سے پتہ چلا کہ ترجمہ قرآن کا نہیں، بلکہ مولانا ابوالکلام کی "ترجمان القرآن" کا کیا گیا ہے!

قرآن پاک کا ترجمہ یوں بھی دشوار ترین کام ہے، اور پھر جب براہ راست متن قرآن کو چھوڑ کر، اسکے اردو ترجمہ کو انگریزی میں لایا جائے، تو اس ترجمہ در ترجمہ سے، سہولت پیدا ہونے کے بجائے دشواریاں کئی گنی بڑھ جاتی ہیں۔ اور اسکا تعلق تجربہ سے ہے۔

اور پھر مترجم کو انگریزی زبان پر عبور ہونا چاہیے تھا۔ غلطی تو لازمۂ بشریت ہے، اور بہتر سے بہتر مترجم بھی ہو، خطا سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم غلطیاں اس کثرت سے اور اتنی نمایاں اور فاحش تو نہ ہوں، کہ قرآن کے مخالفین و معاندین کو سرمایۂ تضحیک ہاتھ آجائے۔ یہ قرآن کے ساتھ اگر دوستی کرنا ہے بھی تو نادان کی دوستی سے زائد نہیں۔ الہلال بک ایجنسی، یقیناً اپنے اندر خدمت دین کا ولولہ رکھتی ہوگی، اس کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ اپنے اس ارادہ کو عمل میں لانے سے قبل، سنجیدہ اہل علم و صاحب فہم حضرات سے مشورہ ضرور کرلے اور ایسے اشخاص کی خود شہر لاہور میں بھی کمی نہیں۔ چار پانچ سال ہوئے شملہ کے بعض سادہ مزاج نیک نیت مسلمانوں نے اسی قسم کی ہمت کی تھی، بلکہ ایک پارہ شایع بھی کر دیا تھا، لیکن بحمد اللہ بعد کو کچھ معقول مشیر مل گئے، اور ان مشیروں کی بات مان لی گئی —— غلط اقدام کے بعد، واپس ہونا، یہ خود بھی جرأت و ہمت کا کام ہے۔

عورت، قرآن میں

"اب جو دور شروع ہوا ہے، اس میں عورت اور مرد کے حقوق برابر سمجھے جارہے ہیں، اور عورت کی رائے ہے کہ مرد کو ہم پر کسی قسم کی حکومت کا حق نہیں ہے .... [آیۂ کریمہ الرجال قوامون علی النساء میں] قوامون کے معنی عورت کی حمایت میں سب سے زیادہ مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھے ہیں، ورنہ اکثر حضرات نے تو حاکم ہی لکھے ہیں۔ مولوی صاحب نے سردھرا لکھا ہے، اس میں بھی ایک قسم کی برتری ہی نکلتی ہے۔ اور کچھ دستور ہی ایسا ہے، کہ کوئی کام اگر ایک سے زیادہ آدمی اسکے پورا کرنے میں شریک ہوں، اور برابر کی حیثیت ہو تو ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔ دفتروں میں محکموں میں کارخانوں میں ایک دوسرے کا حاکم ہوتا ہے، ورنہ سارا کام چوپٹ ہو جائے۔ میاں بیوی بھی زندگی کی گاڑی کو مل کر منزل پر پہونچاتے ہیں، ضرورت تھی کہ مذہب اسلام ان میں بھی کچھ فرق رکھتا، اس لیے اس نے مردوں کو عورتوں کا سردھرا بیان کیا .... اب مسلمان عورت کی یہ رائے کہ وہ برابر کی حیثیت رکھتی ہے، غیر صحیح ہے۔ وہ گھر کی مالکہ ضرور ہے، اور اسکا مرتبہ بھی کچھ کم بلند نہیں، لیکن مرد اسکا حاکم نہ سہی، سردھرا ضرور ہے۔" (عصمت - دہلی - اگست ۳۹ء، صفحہ ۱۶۰-۱۶۱)

غریب راشد الخیری! خود سیدھے سادے مسلمان تھے، قرآن کے ایک ہی لفظ کے آگے جھک گئے، گر گئے، اور "حریت نسواں" کے سارے دعوے اور "مساوات حقوق" کے سارے نعرے نسیاً منسیاً کر بیٹھے! لیکن یہ کیا فرض ہے، کہ تجدد کا زور زبان اور جوش بیان بس آکر اسی نقطہ پر رک جائے؟ —— حاکم و قاضی جب نص قرآن نہیں بلکہ اپنی ہوائے نفس ٹھہری، تو (خاکم بدہن) قرآن کو توڑتے مروڑتے کیا دیر لگتی ہے، اور تحریف لفظی پر اگر ابھی قابو نہیں، تو تحریف معنوی میں بہرحال کیوں کوئی کسر اٹھا رکھی جائے؟

فتنۂ تصویر کشی

تہذیب جدید کی برکتوں میں سے ایک برکت "فوٹو گرافی" کی بھی ہے۔ "صاحب" کے ہاں کی چھوٹی بڑی ہر چیز تصویر سے آراستہ و منقش! اور ہم غلاموں کی آہنی غلامی نے حسب معمول، بڑھ کر اس بدعت کو بھی لبیک کہا۔ اچھے اچھے علماء تک کے —— ترکی و مصر کا ذکر نہیں، ہندوستان میں بھی —— قدم ڈگمگا گئے۔ حالانکہ اگر حرام نہ سہی، جب بھی اس میں تو کسی کو شک نہ ہونا چاہیے تھا، کہ تصویر کشی اسلام کے اصلی تمدن سے بہت بہت بعید ہے۔ بہرحال اب یہ فتنہ وبا کی سرعت سے بڑھتا ہوا، اسکولوں اور کالجوں پر پوری طرح محیط ہوگیا، اور اسے اپنی ملت کی بےخبری پر محمول کیجیے یا بےحسی پر، کہ متعدد اسکولوں اور کالجوں میں فیس کے ساتھ ہر سال تصویر پیش کرنا، شناخت کی غرض سے لازمی قرار پا گیا۔ اور مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء میں سے کسی نے بھی خبر نہ لی —— دونوں کی روشن خیالی نے گویا اس نقطہ پر آکر صلح کر لی!

ابھی پچھلے مہینہ کا ذکر ہے، کہ ہندوستان کی ایک مشہور یونیورسٹی کے اس قاعدہ کا علم ایک "دقیانوسی" قسم کے گارجین (سرپرست) کو ہوا۔ جسکے دو عزیز قریب اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے، ایک بی اے کلاس میں اور ایک گریجویٹ ہو چکے تھے، اس علم کے ساتھ یہ بھی علم ہوا کہ اور تمام مسلمان لڑکے، بلا تردد و تامل اپنے فوٹو داخل کر چکے ہیں! حیرت پر قلق کا اضافہ ہوا۔ لیکن اب ہو کیا سکتا تھا، داخلۂ فیس کی آخری تاریخ آگئی تھی۔ ہمت کر کے ناظم شعبہ (ڈین آف فیکلٹی) کے نام خط لکھا، کہ تصویر کشی ہم مسلمانوں کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ مسلم طلبہ کو اپنے حکم سے مستثنیٰ فرما دیجیے، اور اگر یہ نہ ممکن ہو تو کم از کم ان دو طلبہ کو تو بہرحال معافی دیجیے۔ غیر مسلم ناظم شعبہ نے، مسلمان وائس چانسلر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور دوسرے دن اس عجیب الخلقت و اعجوبۂ روزگار طالب علم کی طلبی ہوئی، جسکے گارجین نے ایسی عجیب و غریب فرمایش کی تھی۔ اس کے آگے کی سرگزشت خود اسی کی زبان سے سنیے:—

"وائس چانسلر صاحب نے کوئی دس منٹ تک تقریر کی فرمایا کہ تم اسقدر قدامت پرست اور تاریک خیال کیوں ہو؟ تمام لوگ فوٹو کھنچواتے ہیں مولویوں کی اندھی تقلید سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر مسلمانوں میں اسی قسم کے تاریک خیال نوجوان ہوتے رہے تو وہ ہرگز ترقی نہ کر سکینگے۔ اور پھر دوسرے لڑکے تم پر کسقدر ہنسینگے، بہرحال چونکہ تمہارے گارجین یہی چاہتے ہیں، اس لیے ہم مجبور نہیں کر سکتے۔ تم دونوں کی شناخت کے لیے ہم انگوٹھے کا نشان تجویز کر سکتے ہیں یہ نشان کسی پروفیسر یا رجسٹرار کے سامنے لگانا پڑیگا۔ اور اسوقت تم کیسی شرم محسوس کروگے۔ انگوٹھے کا نشان تو ان پڑھ اور جاہل لگاتے ہیں۔

میں نے جواب دینا چاہا، مگر انھوں نے یہ کہکر روک دیا، کہ

میں تم سے کوئی بحث مباحثہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم نوزہین لکھوانا چاہتے تو میں مجبور نہیں کرتا۔ گفتگو سب انگریزی زبان میں ہو رہی تھی یہ میں نے اُسکا نقل و ترجمہ لکھ دیا۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مصیبت سے بچا دیا۔ بعد ازیں جب مسلمان لڑکوں نے سنا تو کئی ایک نے کہا کہ ہم بھی مستثنیٰ ہونے کی درخواست دینگے"۔ [چنانچہ بعد کی]

مسلمان والیس چانسلر کی ذہنیت آپ نے ملاحظہ فرما لی! یہی وہ حضرات ہیں، جو "مسلم کلچر" کی حفاظت کے دعووں میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں! ثبوت ظاہر ہے کہ انکی مسلمان طلبہ کی ہوا خواہی ہی کی تھی، یہاں سوال نیت کا نہیں، ذہنیت کا دکھانا مقصود ہے، کس بُری طرح سے دل و دماغ غیروں کے تہذیب و تمدن سے، غیر اسلامی رسم و رواج سے، فرنگی فکر و فہم سے مرعوب ہو چکے ہیں، اور اپنی پسند و ناپسندیدگی تمامتر "صاحب" کے ذوق کے تابع بن چکی ہے! لیکن دوسرا سبق، واقعہ کے اندر یہ بھی موجود ہے کہ کوشش اگر اب بھی ذرا سی بھی کی جائے، تو رائیگاں نہیں جاتی۔ سرے سے اپنے احساس ہی کو مُردہ کر لیا جائے، تو اب اسکا کیا علاج؟

عورت کا "نیا ادب"

"کسی بہن نے اپنے بھرے بنایا!

میاں کے خبط کی وہ القلان صفت بہنوں سے پوچھ ڈالی۔ درزی سے لیکر لوہار اور سنار تک کی دکانوں کا پتہ پوچھا، بھانجی بھتیجی کی شادی یا بہن بہنوئی کے نتیجۂ حماقت کے لیے تاریخی نام اور قطعوں کی فرمائش کر دی"

یہ وہ آواز ہے، آپ کی "روشن خیال" بہن کی، جو لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے فضا میں بلند ہوئی اور دہلی کے رسالہ آواز میں چھپ کر آئی ہے! یہ ہے "روشن خیالی" کا طنز۔ پڑھی لکھی لیکن تاریک خیال بہنوں پر۔ وہ بیچاریاں اب تک زنانہ رسالوں میں روزمرہ کی زندگی کے، ہر روز پیش آنے والے واقعات کی پوچھ پاچھ کیے چلی جاتی ہیں! نہ فلم اسٹاروں کے اتے پتے پوچھ رہی ہیں، نہ چڑھتے ہوئے "اسکرٹ" کی سرحدیں گھٹتے ہوئے "بلاؤز" سے ملا رہی ہیں، نہ نمائش حسن کے مقابلے میں آ رہی ہیں، نہ اپنی عریانیوں کا تصویری مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اب اس سے زیادہ انکا جہل اور انکا حمق کیا ہوگا! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بہن کی اولاد کو بہن اور بہنوئی کا "نتیجۂ حماقت" قرار دینے کے "آرٹ" سے اب تک ناواقف ہیں! پھبتی عامیانہ سہی، رکیک سہی، لیکن ہے تو آخر کمیونسٹ مذاق کو وجد میں لے آنے والی۔۔۔ کیسے ممکن تھا کہ "آرٹ اسٹوڈیو" میں بار پاکر "روشن خیال" خاتون اپنی زبان کو اس سے روک سکتی۔

طنز اور ظرافت کی مثال آپ نے دیکھ لی، اب ایک نمونہ طنز و ابتذال کا بھی ملاحظہ ہو:—

"... بیچاری عورتوں کو سکھایا بھی یہی جاتا کہ قصہ لکھو یا نظم سب کو پیٹ پاٹ کر "راہِ نجات" یا "بہشتی زیور" بنا دو۔ اکیلے گھر والے یہ ڈھونس جماتے تو خیر کوئی بات نہ تھی، اخبار رسالے والے بھی یہ جان مارے رہتے تھے کہ جو لکھو "راہِ نجات" کے ڈھچرے پر! نتیجہ یہ ہوا کہ ہر چیز دو برس کی لڑکی کی دادی بن کر رہ گئی .... بابا آدم کے وقت کی باتیں کہنے کا کچھ ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ قلم ہاتھ میں لیا تو

ساری ماؤں بہنوں کو جنت کا راستہ دکھا دیا۔

معاذ اللہ! جُرم بھی اور کیسا شدید جُرم! "راہِ نجات" جیسی قابلِ صد مضحکہ اور "بہشتی زیور" جیسی قابلِ ہزار نفرت و حقارت کتاب کی راہ پر قدم اٹھانے اور قلم اٹھانے کا جرم! نہ پڑھی لکھی اندھیوں کو آخر نہ مس کاریلی کے ناول نظر آئے، نہ میڈم ڈی اسٹیس کی پاک، معیشت زندگی، نہ مس میرا اسٹوپس کی عالمانہ تحقیق، نہ مسز سینگر کی ضبطِ تولید مہم! مانا کہ لندن اور پیرس کے "نائٹ کلب" دور ہیں، اور کوئی ہائیڈ پارک اور دھوکیا بستی ہندوستان بھر میں موجود نہیں، اور نیویارک کی **Petting** اور **Necking** کی مشق اور تفریح ابھی مسولینی کی تصنیفات اور دیدہ ور کی ہندوستانی فضا میں عام نہیں ہوئی ہے، لیکن آخر "مس آف انڈیا" الیسٹریٹڈ کے لیگ کمپٹیشن" زیب و زینت برہنہ ٹانگوں اور رانوں کے مقابلہ میں حصہ لینے سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟ کوئی مارے تاریکیِ عیالیوں اور قدامت پرستیوں کی!

مبارک ہو "نیا ادب" کا پرچم لہرانے والوں کو "ڈھونس جمانے والا" یہ زمانہ نیا ادب! "راہِ نجات" اور "بہشتی زیور" تھیں ہی اسی قابل، کہ انھیں تحقیر و تضحیک کے لیے ضرب المثل بنا لیا جائے اُن پر اپنے فقرے نشر کیے جائیں، اپنے ان ٹھٹھوں میں غیر مسلموں کو ہزار ہا ہزار کی تعداد میں شریک رکھا جائے!

مغرب کی "مشرقیت"

"مسولینی نے امیل لڈوِگ سے دورانِ گفتگو میں کہا "عورت کا کام اطاعت ہے۔ ملک کے اندر عورت کی حیثیت سے متعلق میری رائے نسائیت کے بالکل مخالف ہے۔ میں اگر عورت کو حقِ رائے دہی دیدوں تو لوگ میرے اوپر ہنسیں۔ ہماری جیسی سلطنت میں انکا عدم و وجود برابر ہونا چاہیے"۔

"(اٹلی میں) جب سے فاسزم برسرِ اقتدار آئی ہے یہ قانون مقرر ہو گیا ہے، کہ کوئی عورت گیارہ سال کی عمر سے زائد کے کسی لڑکے کو ایسا مضمون نہیں پڑھا سکتی، جسکا تعلق سیرت سازی سے ہے"۔

"بیوی کی بدچلنی کی سزا دو سال کی قید مقرر ہوئی ہے، اور یہ یورپ میں اس جرم کی سب سے بڑی سزا ہے"۔

"ہٹلر کے عہد میں جرمنی میں عورت کا حال بالکل اٹلی کا سا ہو گیا ہے۔ جرمن اخبار فنانشل ٹائمس لکھتا ہے:— خود کمانے والی عورت نے میدانِ مسابقت میں آکر مرد کو نہ صرف مالی نقصان پہنچایا ہے، بلکہ مرد کی اس امتیازی شان میں، کہ وہی خاندان کے لیے روٹی کمانے والا ہے، بٹہ لگا دیا ہے"

"نازیوں نے برسرِ حکومت آتے ہی عورتوں کو نکال دیا مرکزی پارلیمنٹ سے، اور تمام مقامی قانون ساز مجلسوں سے .... اور سخت کوشش اس کی فوراً شروع ہوئی کہ عورتوں کو نکال دیا جائے۔ تمام سرکاری محکموں سے، پبلک اداروں سے، مقامی کونسلوں سے، اسپتالوں سے، بلکہ ہو سکے تو اسکولوں سے بھی"۔

"۲۵ سال سے جرمن عورت کو حق حاصل تھا یونیورسٹی میں داخلہ کا اور مختلف پیشوں کے اختیار کرنے کا۔ آج میٹرک پاس طالبات میں صرف ۱۰ فی صدی کو یونیورسٹی میں داخل ہونے کی اجازت ہے چنانچہ اس اندھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں جن ساڑھے دس ہزار طالبات نے میٹرک پاس کیا تھا، اُن میں سے صرف ایک ہزار کو یونیورسٹی میں داخل ہونے کی اجازت ملی"۔

(رسالہ فیکٹس آن لائف، نیویارک، جولائی سنہ ۳۹ء صفحہ ۲۱۸ - ۲۲۰)

اقتباسات منقول ہیں، انگلستان کی مشہور و معروف علمبردار نسائیت مس پنکھرسٹ کے (جو بڑھاپے میں بھی غیر شادی شدہ ہیں) کے مضمون سے، جو لندن کے نامور علمی رسالہ ہیرسٹ جرنل میں شائع ہوا ہے۔ — یہ صورت حال ظالمانہ ہے یا عادلانہ، یہاں اس سے بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ مقصود ہے کہ مغرب، "ترقی" و "تجدد" کے بڑے بڑے چکر لگا کر، پھر وہیں آ گیا جہاں لسیت و "تاریک جمود پرست مشرق" بہت روز سے تھا۔ اور جرمنی اور اٹلی بھی وہی بولی بولنے لگے جو ہندوستان اور چین اور ایران میں عام رہ چکی ہے!

نئی دعوتِ "رجعت"

"اپنے گھروں کو اپنے لیے اور اپنے شوہروں کے لیے جنت بناؤ۔ اور سینما، تھیٹر، کلب اور بارکوں کو چھوڑ دو، ورنہ تمہارے گھر قبروں کی طرح صرف سونے کی جگہ رہ جائینگے، اور اسکے نتائج بد تمہیں بھگتنا پڑینگے۔ خلاصہ یہ کہ پڑھو، اور خوب پڑھو، ترقی کرو، اور خوب ترقی کرو، مگر رہو عورت ۔۔ اور ہندوستانی عورت، کہ یہی میری اس تقریر و تحریر کا ماحصل ہے، اور میرا کام کہنا ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے"!

اقتباس "نہ از مولویان"، "نصیحۃ المسلمین" کا نہیں، "بہشتی زیور" کا بھی نہیں، وزیر اعظم بنگال کی اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحبزادی حسن آرا بیگم کی تازہ تقریر کا ہے۔ اور موقع یہ کہ کلکتہ میں لیڈی برابورن کی یادگار میں زنانہ (پردہ) کالج ابھی کھلا ہے، اُسکا افتتاح اس تقریر سے ہوا! — یہ خاتون معلوم ہوتا ہے، جوان ہونے سے قبل ہی بوڑھی ہو کر رہ گئی ہیں!

"خدا کے لیے تم اپنی صفاتِ نسوانی کو برباد نہ کرو، اور اُنکی قدر و قیمت سمجھ کر اُنکی پوری حفاظت کرو اور سمجھو کہ جو صفات نسوانی اوپر بیان کیے گئے ہیں، وہی وہ صفات ہیں، جنکے باعث عورت، عورت کہلائی جانے کی مستحق ہے، اور وہ صفات جس مرتبہ میں تم میں پائے جاتے ہیں، اُسی کی وجہ سے تم تمام دنیا کی عورتوں میں خاص امتیاز رکھتی ہو"۔

اور وہ صفات نسوانی ہیں کیا؟ تفصیلاً نہ سہی، اجمالاً سہی،

"آپ اپنے اصلاحِ حال کے لیے کالج کی تعلیم ضرور حاصل کیجیے۔۔ مگر اسکو کمالِ انسانی اور جمالِ نسوانی ہرگز نہ تصور فرمائیے، آپ کی تعلیم اور آپ کی ڈگریاں، اہل حقیقت و اہل ایمان اور اہل صفا کے نزدیک جب ہی قابل عزت و وقعت ہونگی، جب اُنکے ساتھ نیک خصلت بیٹی، نیک دل بیوی، اور نیک نہاد ماں بھی ثابت ہوں۔ آپ کا کمال اور آپ کا جمال صرف نفس نسوانیت کے ساتھ وابستہ ہے"!

لاحول ولا قوۃ، دقیانوسیت کی انتہا کر دی! "کمال" یہ نہیں کہ علم اسنادی ہو، بلکہ یہ کہ تربیت دینے والی ماں ہو! "جمال" یہ نہیں، کہ لپ اسٹک، پوڈر، کریم سے تھپے ہوئے چہرہ کے ساتھ ساتھ گردن و شانہ تمام تر، اور سینہ اور ٹانگیں بڑی حد تک برہنہ ہوں، بلکہ یہ کہ خدمت گزار بیٹی، اور فرض شناس بیوی ہو! وہی ایک ہزار اور ساڑھے تین سو سال والی پرانی تعلیم کی طرف رجعت! کوئی کہاں تک اس رجعت پسندی اور جمود نوازی پر صبر کرے؟ — کیا لق و دق خطۂ بنگالہ، پروگریسو رائٹرس ایسوسی ایشن (ترقی پسند مصنفین کی انجمن) کی شاخوں کے سایہ سے اب تک محروم ہے؟

نئی دعوت "آزادی"

"عورتیں غزال کہتی ہیں، وہ بھی پردہ نشیں، جن پر پوری جوان بھی نہیں ہونے پاتیں کہ ایک مرد ماں باپ کی رضامندی سے مسلط کر دیا جاتا ہے، کہ اسے پوجو، اس سے محبت کرو، پیاری پیاری گڑیا سی لڑکی پورے ۶ فٹ لمبے دیو دار سے باندھ دی جاتی ہے ۔۔۔ یہ ہے یہاں کا دستور"!

(ایک "روشن خیال" خاتون کی "آواز")

جی ہاں دستور، اور کیسا ظالمانہ کیسا بیہودہ دستور! قید نکاح اول تو خود ہی حماقت، اور وہ بھی ماں باپ کی رضامندی اور مشورہ سے! سراپا عقل و دانش تو دستور اُن قوموں کا ہے، جو سرے سے قید نکاح ہی سے آزاد رہتے ہیں، اور جہاں بن بیاہی مائیں کھلے بندوں "آزادی" سے جس ۶ فٹ کے دیو دار سے اور جتنوں سے چاہتی ہیں، لطف و انبساط حاصل کرتی رہتی ہیں، اور جہاں "پیاری پیاری گڑیاں" پوری پوری بوڑھیاں ہو جاتی ہیں، اور پھر بھی اُنکے تجربہ اور آزمائشیں بے گنتی اور بے حساب، چھ چھ فٹ کے دیو داروں کے ساتھ ختم نہیں ہو پاتے! اجازت ہو تو کچھ واقعات و اعداد، امریکہ کے، انگلستان کے، اور خود مملکت عالیہ روس کے پیش کیے جائیں؟

"خانہ خراب"

"پہلی اگست کو بمبئی اور اُسکے مضافات میخواروں اور نشہ بازوں کے لیے "خشک" ہو جائینگے، شراب خانے اور مسکرات کی دکانیں بند ہو جائینگی، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں "آب رنگیں" کا ایک قطرہ بھی — کم از کم ہندوستانیوں کو — میسر نہ آئیگا۔ تھوڑے سے "سند یافتہ" غیر ملکی اپنے گھروں کے اندر اگر شغل کرنا چاہینگے تو کر سکینگے۔ اُنکے لیے بھی ایسی صحبت میں میخواری ممنوع قرار دی گئی ہے جہاں شراب سے پرہیز کرنے والے لوگ موجود ہوں۔ القصہ بمبئی کی متمدن اور مہذب زندگی کی تمام رنگینیاں ختم ہوتی ہیں!!

یہ واقعہ ایک اخلاقی اور سیاسی اہمیت بھی رکھتا ہے کہ خود گورنر کے کاشانہ میں شاندار اجتماعات اور ضیافتیں جام و مینا سے محروم ہو جائیں گی۔ اس بات کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ گورنر نے اپنے محل کی عام تقاریب میں بھی شراب کا استعمال ناجائز قرار دے دیا، حالانکہ قانوناً وہ ایسا کرنے پر مجبور نہ تھے۔ حکومت بمبئی کا یہ اقدام نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بہت بصیرت افروز ہے"۔ (پیام)

(باقی نوٹ صفحہ ۵ کالم ۲ پر ملاحظہ ہو)

مسیحی مشنریوں کا طریق کار

(از عبد الماجد)

[ہندوستان میں ایک مشہور انگریز مشنری، پادری پیون جونس، بی اے، بی، ڈی، ہیں۔ گذشتہ چشم التفات اسلام اور مسلمانوں کی جانب خاص طور پر ہے۔ لاہور کے ہنری مارٹن اسکول آف اسلامک اسٹڈیز، مسیحی تبلیغی ادارہ کے پرنسپل ہیں۔ اور اسلامیات کے موضوع پر اس سے قبل بھی لکھتے رہے ہیں۔ حال میں انکی ایک کتاب، مسیحی مبلغین کے لیے بطور دستور العمل کے "کرسچین پریزنٹیشن ٹو مسلمس" (مسلمانوں کے لیے مسیحیت کا بیان) کے نام سے نکلی ہے۔ اسکے مقدمہ میں ایک گزشتہ مسیحی مبلغ ڈاکٹر کلیر ٹیسڈل کے حوالہ سے مسیحی مبلغین کے لیے جو ہدایت نامہ درج ہے، وہ اس قابل ہے کہ اسے مسلمان مبلغین و مناظرین تک لفظ بہ لفظ پہنچا دیا جائے۔ ذیل میں ترجمۂ ہدایات ملاحظہ ہو۔]

۱- مناظرہ اپنی طرف سے شروع مت کرو۔ جب ضرورت آہی پڑے تو پیچھے نہیں۔

۲- نظر میں مسلمان کو اتنا نہ رکھو، جتنا اس انسان کو جسکی خاطر مسیح نے جان دی۔

۳- مقصد، حریف کو خاموش کر دینا یا نیچا دکھانا نہ رکھو، بلکہ یہ رکھو کہ لوگ مسیح کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں، اس طرح ہے کہ
(الف) انکی غلط فہمیاں دور کی جائیں، اور
(ب) مسلمانوں کو اس پر لایا جائے، کہ ہماری کتب مقدس خصوصاً عہد جدید کا مطالعہ کریں۔

۴- بحث کو صرف ایک یا دو مسئلوں تک محدود رکھو، اور آگے بڑھنے سے قبل، انھیں کو طے کر دو۔ نیز ایک متعین نتیجہ پیش نظر رکھو۔

۵- بحث میں انصاف کو، انداز میں تہذیب کو مد نظر رکھو۔ بحث میں مجادلہ کا رنگ نہ آنے دو۔

۶- یہ یاد رکھو، کہ تمھارے بعض مخالفین تمھیں غصہ دلانے کی کوشش کرینگے، اور غصہ انکے نزدیک تمھاری شکست کے مترادف ہے۔

۷- اسے واضح کر دو کہ تمھارے نزدیک یہ مسائل سنجیدہ ترین ہیں، جنکا تعلق مادیات سے نہیں، روحانیات سے ہے۔

۸- اس سوال کے جواب دینے میں نہ پڑو کہ "محمد کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو؟" تمھارا کام یسوع مسیح کے باب میں گفتگو کرنا ہے۔

۹- محمد کے بارے میں کوئی تعظیمی لفظ استعمال کرو، مثلاً حضرت، یا آنحضرت۔ علیٰ ہذا یسوع کے لیے۔

۱۰- اسے خوب صاف کر لو، کہ جو مذہبی اصطلاحیں استعمال کر رہے ہو، انکے معنی بھی جانتے ہو۔ اور مسلمانوں کے لیے انکا وہ مفہوم نہ ہوگا جو تمھارے نزدیک ہے۔ اسی طرح ہماری بائبلی اصطلاحیں بھی ہمیشہ انکے لیے قابل فہم نہیں ہوتیں۔

۱۱- کتاب مقدس کی کسی عبارت سے متعلق اپنے حافظہ کے بھروسہ پر نہ رہو، خصوصاً جبکہ کوئی مسلمان وہ حوالہ پیش کر رہا ہو۔ اصل حوالہ بائبل میں ضرور تلاش کرلو۔ تمھیں قرآن پر عبور ہو یا نہ ہو، بائبل پر عبور ہونا بہرحال لازمی ہے، اور کہیں مقدم ہے۔

۱۲- مسیحیت کے علاوہ جو صداقت اسلام میں نظر آئے، اسکا اقرار خوشی سے کرو۔ اور اسے بنیاد قرار دے کر آگے بتاؤ، کہ مسیح کے ہاں وہی صداقت کامل تر صورت میں موجود ہے۔

۱۳- آخری بات یہ ہے کہ مناظرہ، بلا ضرورت نہ کرو، اور جب کرو، تو علم، محبت اور دعا کے ساتھ۔

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اس سے بھی زیادہ بصیرت افروز و عبرت انگیز یہ حقیقت ہے کہ خود تجدد اس باب میں جمہور کا ہم نوا ہو گیا ہے ——— شراب کے "خانہ خراب" ہونے میں اب بھی کسی کو شک و اشتباہ رہ سکتا ہے۔ بیچاری کی کوئی بھی جائے پناہ نہیں! نصیبے جاگ گئے" زہر تلک کے، کہ آج بجائے طنز و تعریض کے، تائید و حمایت اسکے نصیب میں آئی!

ایک ممتاز ندوی

مہتمم صاحب دار العلوم ندوہ لکھتے ہیں

"قاہرہ سے اطلاع ملی ہے کہ مولانا عمران خاں صاحب ندوی جامعہ ازہر کے اعلیٰ ترین امتحان (تخصص) میں وہاں کے علماء کے مقابلہ میں اول آئے۔ اس موقع پر یاد دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عمران خاں صاحب دو سال ہوئے دار العلوم ندوۃ العلماء سے مصر گئے تھے تاکہ عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ہندوستانی طلباء کے لیے یہ پہلا موقعہ ہے کہ وہ درجہ تخصص میں ایسی ممتاز کامیابی حاصل کریں۔"

مولوی عمران خاں ندوی سلمہ اللہ صدق و مدیر صدق کے خاص مخلصوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی یہ کامیابی، انکے اور دار العلوم دونوں کے حق میں مبارک کرے، اور اسی طرح دنیا و عقبیٰ کے ہر امتحان میں انھیں اعزاز کے ساتھ کامیاب و فلاح یاب فرماتا رہے!

مسلمان کیوں گرے؟

(از مولانا جمیل احمد صاحب - مدرسہ مظاہر العلوم - سہارن پور)

"صدق" یکم جولائی میں "مسلمان کیا کریں" ایک مضمون احقر کے قلم کا بھی پڑھا گیا ہوگا - اسے اسی کا تتمہ سمجھنا جائے -

مسلمانوں کا انحطاط، پست ہمتی و پست خیالی اور مرعوبیت تمام عالم کے سامنے ہے، بڑے بڑے مفکروں نے اسباب کی چھان بین کی، تجویزیں پیش کیں، عمل کیا اور کرایا، لیکن نتیجہ ہیچ - ممکن ہے گہری نظر ان اسباب کے حقیقی منشأ تک پہونچ سکے اس لیے اوقات فکر کے چند سکنڈ اور صرف فرما دیجیے - انحطاط کے اسباب بظاہر یہ نظر آتے ہیں (۱) نااتفاقی (۲) بدانتظامی (۳) کم مائگی (۴) قلت (۵) تعلیم کا فقدان (۶) بداخلاقی (۷) ترقی یافتہ قوموں کے اصول سے نفرت (۸) رہنماؤں کی خودغرضیاں اور اقتدار پسندی (۹) ہر لیڈر کا اپنی رائے پر جمود - عجب، کبر اور دوسروں کی تذلیل (۱۰) عمل کی کوتاہی (۱۱) لالچ میں آکر قوم سے غداری وغیرہ -

بیشک ہماری قوم میں اس وقت یہ سب باتیں موجود ہیں لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا یہ سب کی سب انحطاط کا سبب ہیں یا ان میں سے بعض - پھر جو باتیں سبب ہیں، انکا اصل منشاء کوئی دوسری شے ہے یا نہیں؟ تاکہ اصلاح و تدابیر میں سہولت ہو -

یہ انحطاط دائمی انحطاط نہیں، ازلی اور ہمیشہ سے نہیں۔ ایک زمانہ وہ بھی گزر چکا ہے جب ہم تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور کوئی ہماری ہمسری نہیں کر سکتا تھا - جو بات اُس وقت باعث ترقی تھی اور اب وہ نہیں ہے بس انحطاط کا اصلی سبب وہ ہے -

مسلمان دنیا پر غالب آئے - سب سے زیادہ مہذب، سب سے زیادہ متمدن، سب سے زیادہ بارعب، سب سے زیادہ عقلمند، سب سے زیادہ طاقتور، اور تمام اوصاف اور شرافتوں میں سب کے نزدیک سب سے زیادہ تھے - لیکن کیوں تھے؟

نہ مسلمانوں کے پاس سب سے زیادہ دولت تھی، نہ سب سے بڑی حکومت تھی، نہ علم و ہنر میں سب سے آگے تھے، نہ دوسروں کے اصول کے پیرو، اور نہ کافروں کی اندھی تقلید کرنے والے تھے - بلکہ اول اول نقر و فاقہ میں تھے، سدہ و چند تھے سنتے تھے، ننگے بھوکے تھے - مگر جس طرف کو اُٹھے ہیں سلطنتوں کی سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے، ہزاروں کے لشکر کائی کی طرح پھاڑ کر رکھدیے اور دنیا بھر کو لوہا منوا دیا -

سب سے بڑا جوہر سب سے بڑی دولت جس سے مسلمانوں کے سوا سب قومیں اور ساری سلطنتیں محروم تھیں، انکے پاس ایمان کی قوت تھی - اللہ سے لو لگی ہوئی تھی - صورت و شکل میں سب جیسے اور حلیہ و سامان میں سب سے کم نظر آتے تھے، مگر دلوں میں ایمان کامل کے انوار بھرے ہوئے تھے، تعلیمات محمدیہ سے سیراب تھے، اللہ و رسول کے نام پر جیتے اور مرتے تھے، غازی اور شہید تھے، جو کام کرتے تھے ملک و وطن کے لیے نہیں، مال و دولت اور ملک گیری کے لیے نہیں، صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کرتے تھے - اللہ و رسول کا عشق رکھتے تھے - اسی شراب سے مست اور دیوانے تھے دنیا کی گردنیں، سلطنتوں کے تخت، بادشاہوں کے اقبال انکے استقبال میں جھکتے اور انکے آگے فنا ہو جاتے تھے، کامیابیاں دست بستہ تھیں غیبی امداد بن انکے لیے وقف تھیں، عادت و معمول اور تخیل وہ اہمیہ سے زیادہ فتح و نصرت اُنکے ساتھ تھی - یہ سب کیوں تھا؟ من کان للہ کان اللہ لہ - جو اللہ کا ہو رہا اللہ اُس کا ہو گیا -

اس معیار سے ذرا تنزل ہوا اور حنین میں تنبیہ کی گئی اور صاف ظاہر فرما دیا گیا، اذ اعجبتکم کثرتکم (جب تمہاری کثرت نے عجب میں ڈالدیا) جب تک صرف خدا پر نظر رہی نتیجہ امید سے زیادہ رہا، غیر اللہ پر نظر ہوئی اور ثمرہ برعکس - پھر توبہ ہو کر توکل ہوا تو پھر وہی فتح و نصرت - حنین میں توبہ کے بعد کیا ہوا، ارشاد ہے ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروہا - پھر اللہ نے رسول اور مومنوں پر اپنی خاص تسلی نازل فرمائی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا - یہ اصول ترقی و تنزل آئندہ نسلوں کے واسطے پہلے سے دکھا دیا گیا ہے - آنکھیں ہوں بصیرت ہو، صاف دل سے حقیقت کی تلاش ہو تو یہ ترقی و تنزل کے اصول بالکل سامنے ہیں -

صحابہؓ کرنل تھے، جرنل تھے، سپہ سالار تھے، با اتفاق تھے، ذی فہم تھے، بادشاہ تھے، رعیت تھے، حاکم تھے، محکوم تھے، ملازم تھے، صلح و حرات تھے، مدبر تھے، سیاسی تھے، منتظم تھے، دل کامل تھے، بزرگ تھے، خوش اخلاق تھے، نفسانی اغراض سے یکسو تھے، متبوع تھے اور تابع تھے خدا و رسولؐ کے سامنے اپنی رائے نہ رکھتے تھے، اُنکے نام پر جان و مال بلکہ سب کچھ نثار کرتے تھے، مگر گریجویٹ نہ تھے، ایم اے، ایل ایل بی، بی اے، آئی سی ایس نہ تھے - فوجی سکولوں کے منت کش نہ تھے، یورپ ان کاموں کو سیکھے ہوئے نہ تھے، بس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور شراب الفت سے سرشار تھے - دل نورانی تھے کدورتوں سے صاف ہو چکے تھے تو ان میں سب علوم، سب اہلیات، سب کمالات بلا ظاہری اسباب کے جمع تھے "بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا"۔ دل روشن ہوئے ... قد افلح من زکہا، وقد خاب من دسہا کامیاب ہوا جس نے دل کو صاف کر لیا اور ناکام ہو گیا جس نے اُسے آلودہ کر لیا" دنیا و دین دونوں میں کامیاب گئے -

نااتفاقی، بداخلاقی، عمل کی کمی، خود غرضی، اقتدار پسندی، عجب، کبر، غرور، مسلمانوں کی تذلیل، غداری کیوں ہیں؟ اس لیے کہ دلوں میں صفائی نہیں، انوار و برکات نہیں، خالق سے لو لگی ہوئی نہیں، شراب محبت کی مستی و دیوانگی نہیں - نرمی، رفع و دفع، خشوع و انکسار نہیں، اُسکے نام لینے والوں سے اُنس نہیں، اللہ و رسول کی بات کا پاس نہیں -

غرض ساری خرابیوں کی جڑ، ساری بھلائیوں اور ترقیوں سے محرومی کی علت صرف یہ ہے کہ دل منور نہیں - ان میں خالق سے لو لگی ہوئی نہیں، یعنی ایمان کی کمزوری -

ہم نااتفاقی کا رونا روتے ہیں، اتفاق اتفاق چلاتے پھرتے ہیں لیکن اسکا صحیح نسخہ، یقینی نسخہ، سو فی صد نہیں کئی سو فی صد کامیاب نسخہ استعمال نہیں کرتے، واعتصموا بحبل اللہ جمیعا، سب کے سب اللہ کی پناہ لو، دل اسکی طرف

تک جائینگے تو سوز و گداز، نرمی، رواداری، خوش خلقی، انکسار، ہمدردی، خیرخواہی، رحم و کرم پیدا ہونگے۔ بس پھر اتفاق ہی اتفاق ہے۔ اور اسکے سوا دنیا بھر کے خزانے خرچ کردیے جائیں، تمام سیاستیں صرف کردی جائیں تب بھی اتفاق پیدا ہونے والا نہیں۔ ہو الذی الف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم۔ وہی ایک ذات ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا۔ اور اگر تم ساری زمین کا سامان بھی خرچ کرڈالتے، انکے دلوں کو نہ جوڑ سکتے۔

ہم بدانتظامی کی شکایت کررہے ہیں، لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ اسکا اصل سبب کیا ہے۔ دیکھیے انتظام کی تکمیل ان باتوں سے ہوتی ہے (۱) کسی کو بڑا مقرر کرنا (۲) اس پر اعتماد کرنا (۳) اسکے احکام کی خوشدلی سے تعمیل کرنا۔ ہم کسی کو بڑا نہیں مانتے اس لیے کہ ہمارا کبر و غرور، خودبینی و خود رائی ہم کو سب سے زیادہ اپنے کو بڑا دکھاتی ہے۔ اقتدار پسندی کا مرض چند لوگوں کی ہوا و ہوس ہم کو سب سے بڑا بننے پر مجبور کرتی ہے۔ ہم کسی پر اعتماد نہیں کرتے اس لیے کہ خود ان عمدہ صفتوں سے محروم ہیں کچھ ہم۔ ہم انکے احکام کی تعمیل خوشدلی سے نہیں کرسکتے کیونکہ خودپسندی و خود رائی انکی وقعت نہیں ہونے دیتی۔ ہم خود کو مٹائے ہوئے نہیں، فنا کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اس لیے ہمارے دلوں میں صرف اپنی عزت ہے۔ دوسرے کی عظمت نہیں ہے۔ اور یہ سب مرض دل کے داغ اور دھبے ہیں۔ اللہ سے غفلت اسکی محبت سے محرومی کی علامت ہیں۔ مگر صحابہؓ تھے کہ غلاموں کی کمان میں جنگ تک کرتے تھے۔ ہم بداخلاق ہیں اس لیے کہ دل سخت ہیں۔ ناگواری پر صبر و تحمل نہیں کرتے، اپنے کو اور مسلمانوں سے بڑی شان والا سمجھتے ہیں۔ ذرا سی بات میں توہین محسوس کرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے۔ حالانکہ مسلمانوں کا خاصہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر رحیم ہے۔ مسلمانوں کا طغرائے امتیاز اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین (مسلمانوں کے لیے ذلیل کافروں پر غالب) ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں پر غلبہ مقصود رہی ہر مسلمان کا اپنے کو ہر مسلمان کے سامنے ذلیل کرنا ہے۔ مگر یہ کیوں نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ دلوں میں غلاظت بھری ہوئی ہے، فرعونیت گھسی ہوئی، نرمی، شکستگی، لوچ، اور کسی طرف کی لو لگی ہوئی نہیں ہے۔ لوگ قلت کو انحطاط کا سبب بتاتے ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے۔ جب ہم سب سے زیادہ ترقی پر تھے قلیل اسوقت تھے۔ اب اسکی بہ نسبت بہت کثیر ہیں۔ قلت و کثرت پر انحطاط و عروج ہوتا تو معاملہ برعکس ہوتا ہے سنیے حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے لن یغلب اثنا عشر الفا عن قلۃ (بارہ ہزار مسلمان کبھی قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے) اب بارہ ہزار نہیں چالیس کروڑ ہیں۔ قلت کی وجہ سے کیسے مغلوب ہوسکتے ہیں۔ مغلوب ہونے کا سبب قلت نہیں یہ علت ہے کہ اسوقت سب کامل الایمان تھے اب شاذ و نادر ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ سامان کی کمی اسکا سبب ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں۔ غزوۂ بدر کو دیکھیے۔ کافر مسلمانوں سے تین گنے زائد ہیں۔ اور مسلمانوں کے پاس اس جنگ میں جو دست بدست ہو رہی ہے تیر و تفنگ اور نیزے بیکار ہوگئے صرف تلوار کی ضرورت ہے۔ سارے مجمع میں کل آٹھ تلواریں تھیں، مگر وہ کامیابی ہوئی کہ ہمیشہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہوگئے۔ انکی سطوت و نخوت خاک میں مل گئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ کافروں کے پاس مال و دولت ہے، حکومت ہے، تعلیمات جدیدہ ہیں، فیشن ہے، لباس ہے، ریلیں ہیں، ہوائی اور بحری جہاز ہیں، توپیں بندوقیں ہیں، ثروت ہے، بین الاقوامی عزت ہے، فوجیں ہیں، رسد پہنچ گئیں ہیں، جیل خانے وغیرہ وغیرہ ہیں، مسلمان اسلیے مغلوب ہیں کہ ان سب سے خالی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان وہ اصول اختیار نہیں کرتے جو دوسری قومیں کرتی ہیں، مگر یہ بھی کوئی مضبوط بات نہیں۔ پہلے پھر کہہ لینے دیجیے کہ اسلاف میں یہ سب چیزیں نہ تھیں مگر انکو اعلیٰ ترقی حاصل تھی۔ اگر اسباب ترقی یہی ہوتے تو ہماری ترقی اسوقت کیسے ہوتی۔ ہم ان چیزوں سے اس لیے مرعوب ہورہے ہیں کہ دل میں کسی کی لو لگی ہوئی نہیں۔ صرف ایک پر نظر نہیں۔ اسباب اور پھر مادی اسباب پر نظر ہے لیکن یہ نظر حقیقت نگر نہیں۔ یہ بچپن کی نظر ہے، جہالت کی نظر ہے، مدہوشی کی نظر ہے۔ بڑی نظر علم و ہوش کی نظر مادی اسباب سے بلند ہوکر معنوی اسباب پر پہونچتی ہے بلکہ اسباب سے بلند ہوکر صرف مسبب پر جم جاتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ان مادی اسباب کے فقدان کے باوجود اسلاف میں وہ روحانی اسباب کیا تھے اور کیوں تھے؟ سنیے اور اوپر کی آیت دیکھیے، تو بہ و رجوع کے بعد کیا ہوا؟ تسلی خاص، اور وہ بھی سب پر عام۔ اور وہ لشکر جسکے مقابلہ کی مخالف کو تاب نہ تھی، اور اب بھی ہوسکتا ہے یا نہیں، ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورہم ہذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین (اگر اے مسلمانو تم کافروں کے مقابلہ میں استقلال رکھوگے اور متقی رہوگے اور تم پر وہ ایکدم ٹوٹ پڑینگے تو تمھارے پروردگار تمھاری امداد خاص دمنع کے فرشتوں سے فرمائیں گے)

غرض یہ اسباب ہیں (۱) استقلال (۲) تقویٰ۔ یہ اسباب فراہم ہوجائیں تو امداد غیبی ساتھ ہے۔ کئی واقعے ہندوستان میں بھی ایسے ہوئے ہیں جن میں ایسی امداد محسوس ہوئی ہے۔

تمام انبیاء تن تنہا آئے اور قوموں اور سلطنتوں کے مقابلے کیے اور دنیا بھر کو زیر و زبر کردیا، بے دھڑک علم حق بلند کیا۔ نہ ساتھی کی ضرورت تھی نہ ثروت کی، نہ کثرت کی نہ عزت و شوکت کی۔ ضرورت تھی تو صرف ایمان کی، خلوص کی، دل میں اللہ کی محبت کی، ایک تنہا شخص ہے مگر کوئی شے اس پر رعب نہیں ڈالتی۔ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کو خوش تقریری کی وجہ سے ساتھ لیتے ہیں، فرعون جیسے جبروت والے بادشاہ کا مقابلہ ہے، نہ آدمی نہ عزت نہ جاہ نہ ہتھیار، نہ کوئی سامان۔ ہاں نظر عالی اور صرف ذات واحد پر ہے۔ معنوی ہتھیار یہ ہیں، نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بآیاتنا انتما ومن اتبعکما الغالبون (ہم تم دونوں کو شوکت دینگے کہ وہ لوگ تم تک نہ پہونچ سکینگے تم دونوں ہمارے معجزے لیجاؤ، تم دونوں اور تمھارے پیرو ہی غالب رہیں گے) آخر فرعون اسقدر ثروت، لشکر، عزت اور تمام سامان کے باوجود ان کا کچھ نہ کرسکا بلکہ خود فنا کے گھاٹ اترا۔

اب بھی کہ مسلمان اسقدر رسوا ہوچکے ہیں، نظروں سے گرچکے ہیں، دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے ہوئے ہیں، کسی طرف کوئی خیرخواہ نظر نہیں آتا، ہر قوم

ہر سلطنت ہم کو معدوم کرنے کی فکر میں ہے بہت کچھ مٹائے جا چکے بہت کچھ مٹائے جا رہے ہیں۔ اگر ہوش نہیں آتا تو اور کب آئیگا۔ "اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ" (کیا وقت نہیں آیا مسلمانوں کے لیے کہ انکے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں)

اس لیے نہایت ادب سے عرض ہے کہ خدا کے لیے اب تو پستی سے نکلیے، نظر بلند کیجیے۔ اسباب تنزل کو چھوڑ کر حقیقی اسباب ترقی فراہم کیجیے ترقی حاصل کیجیے اور خالص مسلمان رہ کر حاصل کیجیے اور دنیا کو دکھا دیجیے کر

ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی
لذت سیر دگر چشم تمنا لے گی

اس گری ہوئی حالت کے لیے صرف دو کام کرنے ہیں (۱) دل کی صفائی (۲) پروردگار سے لو لگانا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نظر کیمیا اثر جو ایک پل میں ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابو عبیدہؓ و خالدؓ وغیرہ کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی تھی ہم کم نصیبوں کو میسر نہیں ہے اب بھی حضورؐ کے غلاموں کے غلام، خاکپائے مبارک کے لذت آشنا، تلاش و جستجو یا جاننے والوں کے استفسار سے مل جاتے ہیں جو اس کام میں انشاء اللہ کافی اعانت فرمائینگے ورنہ کم از کم نظام عمل مندرجہ "مسلمان کیا کریں" صدق ۲۷ جولائی پر کاربند ہو جائیں جس پر عمل کرنے کے لیے نہ زیادہ وقت کی ضرورت ہے نہ وقت ہے نہ حرج۔ جی چاہتا ہے کہ ایسے حضرات جنکو فرصت بھی ہے قدرت و وسعت بھی ہے اس نظام عمل کو لیکر اٹھیں اور گاؤں گاؤں پھر کر جماعتیں بنا کر تمام مسلمانوں کو دعوت عمل دیں۔ آج اس کشاکش میں اس کی بے انتہا ضرورت ہے اور بہت بڑی خدمت ہے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

حضرات اکابر قوم اہل علم و اہل حوصلہ سے درخواست ہے کہ

اپنی دل ہی سے اس دل کے خریدار بنو
تم جسے لو گے اسی چیز کو دنیا لے گی

الحمدللہ کہ تھانہ بھون اور نظام الدین دہلی میں اس نظام عمل کی دعوت اور کام ہو رہا ہے امید ہے کہ اشتراک سے یا انفرادی طور سے ضرورت وقت کا احساس فرما کر ہر صاحب اسکی کوشش کرینگے۔

صحیح پتہ

پچھلے دنوں ایڈیٹر صاحب صدق کی تصانیف کی فرمائشیں کو لمبو اور بنگلور وغیرہ سے "دفتر صدق" کے نام موصول ہوئیں۔ حالانکہ ہر اشتہار میں انکا پتہ "مینیجر صاحب دار المصنفین۔ شبلی منزل۔ اعظمگڈھ (یو۔پی)" درج رہتا ہے۔ اگر ناظرین اس صحیح پتہ کو خیال میں رکھیں تو اپنے آپ کو بلاوجہ کی زحمت سے بآسانی بچا سکتے ہیں۔

مراسلہ

خاکسار تحریک

السلام علیکم

اس عریضہ کی تحریر کا اصلی مقصد یہ ہے کہ بعض تحریکات کے متعلق آپ کے خیالات معلوم کروں تاکہ صحیح سمت میں اس پر بعد آپ کی رائے اور خیال کے عمل کروں۔

ایک مدت سے تحریک خاکساراں کا سلسلہ جاری ہے اور اب بھوپال میں بھی یہ تحریک شروع ہو گئی ہے اور خاصی تعداد شامل ہو چکی ہے اور انہا انجمن کے مقاصد وغیرہ جو کہ بھوپال میں دیکھنے میں آئے وہ بظاہر بہت اچھے ہیں لیکن بعض اخبارات میں اور نیز بعض اشتہارات ایسے دیکھنے میں آئے جن میں اسکے بانی علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کے متعلق بعض علماء صاحبان نے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور علامہ مذکور کے بعض اقوال جنکا ملخص دکھایا جو اس فتوے کے سلسلہ میں دیکھنے میں آئے ضرور قابل اعتراض ہیں۔ اور فتوے دینے والوں میں جناب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب، مولوی محمد زکریا صاحب، مفتی محمد کفایت اللہ صاحب جیسے حضرات کے دستخط بھی دیکھے۔ ان حضرات کے دستخط دیکھنے کے بعد ایک عجیب قسم کی الجھن طبیعت کو پیدا ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ بہت جلد رفع ہو گئی اور وہ اس طرح کہ اسی ہفتہ میں جناب مولنا .... صاحب مہتمم مدرسہ .... بھوپال تشریف لائے اور ان سے ذکر آیا تو موصوف نے فرمایا کہ میں نے خود مولوی محمد زکریا صاحب سے اس فتوے کے متعلق گفتگو کی۔ موصوف نے قطعی اپنے دستخط سے انکار کیا اور اسی طرح جناب حکیم الامت صاحب کے ایک خط کا حوالہ دیا جس میں موصوف نے اس فتوے پر دستخط کرنے سے قطعی انکار کیا جب اطمینان ہوا۔ بھوپال میں جو کچھ اصول اور ضوابط اس تحریک کے دیکھنے میں آئے وہ اسلامی اصول کے منافی نہیں معلوم ہوتے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب قاضی صاحب ریاست سے میں نے خود گفتگو کی چنانچہ موصوف نے فرمایا کہ اس موجودہ تحریک میں بظاہر کوئی چیز اصول اسلامی کے مغائر نہیں معلوم ہوتی ہے البتہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ علامہ مشرقی کی تصانیف ایسی ہیں کہ انپر لوگوں کو اعتراض ہے لہذا انکی تصانیف منگوائی گئی ہیں انکو دیکھنے کے بعد شرعی حیثیت سے کوئی رائے زنی کی جا سکتی ہے۔ لیکن باوجود اسکے بھی علمائے بھوپال نے اس تحریک کے سلسلہ میں کفر کا فتویٰ صادر کر دیا ہے۔ آج اتفاق سے میں جناب حیات صاحب کو دیکھنے گیا وہ کچھ بیمار ہیں انکے پاس ایک کتاب از نام سوانح علامہ مشرقی دیکھی۔ اس کتاب میں انکے کچھ مختصر سے زندگی کے حالات اور تحصیل علوم اور جو جو اسناد انکے پاس ہیں اسکا اور اسی طرح کچھ زمانہ ملازمت کے حالات اور سب کے آخر میں اس تحریک کے اجرا کا ذکر ہے اور سب سے آخر انکی کتاب تذکرہ کے متعلق انگریز اور مصر کے بعض حضرات کے نوٹ درج ہیں، اور سب کے آخر میں حضرت شیخ سنوسی مجاہد اعظم کا نوٹ ہے جس میں اس کتاب کی بیحد تعریف کی گئی ہے حیات صاحب نے فرمایا کہ یہ کتاب میرے پاس تحفہ میں دیکھنے بھی دی

پایا تھا کہ کوئی صاحب مجھ سے مانگ کر لے گئے اور اس وقت تک وہ واپس نہیں آئی اور نہ یہ یاد ہے کہ کون صاحب لے گئے۔

اسکے علاوہ تین کتابیں جنکے نام اس سوانح میں درج ہیں وہ یہ ہیں: اشارات۔ قول فیصل۔ مقالات۔ غرضکہ چار کتابوں کا اس سوانح میں ذکر ہے لیکن تذکرہ کی خاص طور پر بیحد تعریف تحریر کی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کی نگاہ سے یہ کتاب گزری ہو۔ لہذا براہ کرم اپنے خیال سے مطلع فرمائیے کہ یہ تحریک کیسی ہے اور انکی تصانیف مجھ جیسے عامی کے سمجھنے کے قابل ہیں۔

حیات صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ ضرور اپنے خیالات اس تحریک کے متعلق مطلع فرمائیں اور کیا عجب ہے حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی اسکے متعلق کچھ اظہار خیال کیا ہو۔ اگر یہ صورت ہے تو ان خیالات کا ملاحظہ ہو تو اس سے بھی اطلاع دیجیے گا۔

بظاہر یہ تحریک اس اعتبار سے کہ غیر مسلم حضرات متاثر ہیں، کسی حیثیت سے بھی بری نہیں معلوم ہوتی۔ اسکے علاوہ ایک صاحب جو کچھ روز سے بھوپال آئے ہوئے ہیں اور مجلس علماء کے رکن بھی ہیں اور جنکا نام مولانا فضل عرب ہے اور غالباً ندوہ میں بھی رہ چکے ہیں اس تحریک کے پرزور مؤید ہیں۔

امید ہے کہ آپ ضرور اپنا تھوڑا سا وقت نکال کر جواب سے مطلع فرما کر عزت افزائی فرمائینگے۔ فقط

(حقیر ...... از بھوپال)

صدق دو چیزیں الگ الگ ہیں، انکی علیحدگی کو خوب ذہن نشین کرلیا جائے۔ ان میں ایک مسئلہ تو بانی تحریک، مشرقی کے خیالات و عقائد ہیں، سو جہاں تک انکی ضخیم و مبسوط کتاب تذکرہ کا تعلق ہے وہ خیالات و عقائد، باوجود دعوے اسلام و حب اسلام کے نہایت درجہ لغو اور گمراہ کن ہیں۔ صاحب تذکرہ نے ایک بالکل نئے اور انوکھے قسم کا "اسلام" پیش کیا ہے، جسکے لحاظ سے صحیح مسلم و مومن صرف آج کل کے انگریز، اور دوسری "ترقی یافتہ" قومیں ٹھہرتی ہیں۔ جنت سے مراد اسی دنیا کے باغ، گلزار و سبزہ زار ہیں، اور انہار جنت سے مراد یہیں کے دریا وغیرہ۔ چنانچہ اس معنی میں آج بھی انگریز جنت پر قابض ہیں، وقس علیٰ ہذا۔ ہر بنیادی و مرکزی عقیدہ اسی طرح توڑ مروڑ کر درج ہے، اور ائمہ سلف و علمائے حق کے حق میں نہایت درجہ غلیظ اور ناقابل تحمل سب و شتم اسکے علاوہ۔ کتاب ۲۴ء میں مدیر صدق کی نظر سے گزری تھی، اور اس وقت پڑھ کر بہت ہی غصہ آیا تھا۔ تلبیس، تدلیس و تحریف کی عجیب و غریب مثالیں ملی تھیں۔ اور مشرقی کے ہفتہ وار پرچہ اصلاح پر اب بھی جب کبھی نظر پڑ جاتی ہے، وہی عقائد باطلہ اور وہی بدزبانیاں دیکھ کر وہ ۲۴ء کا غصہ پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ چند ماہ ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب "ترجمان القرآن" پر جو غلاظت اچھالی گئی تھی اسکا نمونہ صدق میں درج ہو چکا ہے۔

چودھری محمد حسین ایم اے (حضرت اقبالؒ کے سکریٹری) کا مفصل تبصرہ اسی زمانہ میں زمیندار کے کئی نمبروں میں نکلا تھا، جس میں تذکرہ کا دجل پوری طرح واضح کر دیا گیا تھا۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی اسی وقت معارف میں انھیں خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ اور جمعیۃ العلماء (دہلی) نے بھی بہت سخت تجویزیں تذکرہ کی مخالفت میں منظور کی تھیں۔ مشرقی صاحب جب تک رجوع نہ کریں ظاہر کر کے انھیں خیالات و عقائد کے قائل سمجھے جائینگے۔ اور یہاں تک مدیر صدق اپنی محدود بساط کے مطابق پورے شرح صدر و بصیرت کے ساتھ انکی گمراہی کا اعلان کر سکتا ہے۔ مجاہد عظیم و عالم و عارف معرفت، شیخ سنوسیؒ کا ایسی کتاب کی مدح و توصیف کرنا ہرگز باور نہیں آتا۔ یقیناً یا تو حضرت شیخؒ کو کوئی سخت دھوکا دیا گیا، یا انکی طرف سے کوئی جعل تیار کر لیا گیا۔

لیکن تحریک خاکسار اس سے الگ ایک چیز ہے۔ اور یہ لازمی نہیں کہ ہر خاکسار مشرقی کا ہم عقیدہ بھی ہو۔ جس طرح ہر علیگڈھی کے لیے ضروری نہیں، وہ عقائد میں بھی سید احمد خانی ہو۔ خاکساروں کا کوئی خاص سنگین جرم اب تک مدیر صدق کے علم میں نہیں آیا ہے، بلکہ انکی عسکری تنظیم، انکی خدمت خلق، انکی بے نفسی دیکھ دیکھ کر دل میں رشک سا پیدا ہوتا ہے۔ اور جب سے ایک حیدرآبادی مخلص نے جو اپنے فہم و فراست اور قوت ایمانی دونوں میں شک و شبہہ سے بالاتر ہیں، ذاتی اور گہری واقفیت کے بعد خاکساروں کے کام کی تصدیق کر دی ہے، اس تحریک کو برا کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خود اپنے عمل یا عقیدہ میں فاسق و فاجر ہو، لیکن اللہ اپنے دین کی خدمت، اور اپنے رسول کی امت کی فلاح، اسی کے ہاتھوں کرا دے۔ اور خود بانی تحریک کو اگر اسکی توفیق عطا ہو جائے کہ وہ اپنے عقائد باطلہ سے توبہ و رجوع کا اعلان کر دیں، اور اپنے سب و شتم کی عادت چھوڑ دیں، تب تو انکی قیادت بے تکلف و بے شبہہ تسلیم کر لینی چاہیے۔

حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامے

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اُستاد جامعہ عثمانیہ)
(سلسلہ صدق یکم مارچ ۱۹۳۹ء)

شہری نے سچ کہا تھا

شورش مغز است اگر در خاطر آید جا ہلے
کز خلائق ہر پیمبر جدا خواہد شدن

بہرحال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے، اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعوےٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت مُلا صاحب بھی دیتے ہیں۔ لیکن ایک کوئی تاج العارفین تھے، وہ

انسان کامل را عبارت از خلیفۃ الزمان داشت و تعبیر آں بذات اقدس نمودہ عین واجب ولا اقل عکس آں نمانیدہ

انسان کامل خلیفۃ الزمان کو قرار دیتے تھے اور اکبر کی ذات کو اسکا مصداق ٹھہراتے تھے اُس کو بجنسہ خدا یا کم از کم خدا کا عکس ہوتا سمجھاتے تھے۔

لیکن پھر بھی جو بات نبی ہونے میں حائل ہوسکتی تھی، عین واجب بننے میں وہ لطف نہ تھا۔ تاج العارفین کا جس طبقہ سے تعلق تھا اُس میں "بادشاہ" تو خیر ایک چیز بھی ہے ہر فقیر گداگر "انا الحق" کا نعرہ لگا سکتا تھا اور اسی لیے اسکو کوئی اہمیت بھی نہیں دی گئی۔

القصہ اس سلسلہ میں دوسروں کے بیان سے نہیں بلکہ خود مُلا صاحب ہی کی دوسری عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الف ثانی اور تحریف اسلام" مساوات ادیان" ان تینوں نظریات کو طے کر لینے کے بعد

نماز و روزہ و جمیع نبوات را تقلیات نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل گذاشتہ نہ بر نقل۔ (صلا)

نماز اور روزہ اور وہ ساری چیزیں جنکا تعلق نبوت سے ہے انکا نام "تقلیدیات" رکھا گیا یعنی سب بدعقلی کی باتیں ٹھہرائی گئیں اور مذہب کی بنیاد عقل پر رکھی گئی نہ نقل پر۔

ایک اور موقع پر نقل کرتے ہیں کہ جب کسی شرعی مسئلہ کا ذکر ہوتا تو بادشاہ یہ کہا کرتے تھے

از ملا زادہ (ملایان) بپرسید نہ چیزے کہ تعلق بعقل و حکمت دارد بمن (ص ۲۰۹)

اسکو مُلاؤں سے پوچھو، البتہ کسی ایسی چیز کو جسکا تعلق عقل و حکمت سے ہو، وہ مجھ سے دریافت کرو۔

لیکن "عقل" کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس "جدید دین" کے تمام اصول و فروع سب براہِ راست "عقل" سے پیدا کیے جاتے تھے، بلکہ صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلے تو "مساوات ادیان" کا دعوےٰ کیا گیا، گویا کسی دین کو دوسرے دین پر ترجیح نہ دی جائے، لیکن مذاہب پر جو تضاد و تناقض ہے "نظریہ مساوات" پر اسکا نباہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا، اسی لیے ترجیح کے لیے عقل میزان ٹھہرائی گئی اور ممکنہ حد تک تمام مذاہب کے علماء و ماہرین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایک سے اُسکے مذہب کے

حل کیے جاتے تھے۔ مسلمان اور ہندو تو دربار میں موجود ہی تھے، ان دو کے علاوہ اس وقت تک اس ملک میں یورپین صلیبیوں کی بھی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ مُلا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لوگ ساحلی علاقوں میں بحری قزاقوں کی حیثیت سے منڈلایا کرتے تھے اور اندرونِ ملک میں انکا داخلہ غالباً اسوقت بحیثیت بازیگروں کے ہوتا تھا۔ کیونکہ مُلا صاحب نے انکا اپنی کتاب میں جہاں کہیں تذکرہ کیا ہے اُس میں یاد تر یہی ہے کہ جشنِ نوروز میں فرنگیوں کی بھی ایک ٹولی آکر شریک ہوئی، اسنے ارغنون نامی باجا بجاکر لوگوں کو متحیر کیا۔ غالباً پیانو یا ہارمونیم تھا۔ کبھی مایوں اُڑاکر تماشہ دکھاتے تھے۔ الغرض عہد اکبری تک انکی حیثیت تماشا بازیگروں ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بعد کو انھوں نے سوداگروں کا بھیس بدلا۔ اور آخر میں جو کچھ ہوکر رہا وہ تو سب کے سامنے ہی ہے۔ "توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء" کی سچی تفسیریں کتابوں میں نہیں بلکہ صحیفۂ فطرت کے اوراق میں ہمیشہ یوں ہی لکھی جاتی ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قصہ یہ ہو رہا تھا کہ اکبری دربار میں مختلف ارباب مذاہب کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دھمکنے لگیں۔ ہر ایک اپنے اپنے مذہب کو دربار میں پیش کرتا جن میں ایک

دانایان مرتاض ملک فرنجہ کہ ایشاں را پادری و مجتہد ایشاں را ..... پاپا میگویند انجیل آوردہ بر ثالث ثلثہ دلائل گزرانیدہ حقیقت نصرانیت اثبات کردہ۔ (ص ۱)

ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی ایک گروہ تھا، ان لوگوں کو پادری کہتے ہیں، اور انکے بڑے مجتہد کا نام پاپا ہے۔ ان لوگوں نے انجیل پیش کی اور "ثالث ثلثہ" کے متعلق دلائل پیش کیے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ انجیل کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کریں۔ یہی ترجمہ تھا جسکا بجائے بسم اللہ کے اے نام تو ژژوکرستو سے آغاز کیا گیا تھا۔ اسی طرح

آتش پرستاں کہ از شہر نوساری ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت را عبادت عظیم سگفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح و راہ کیانیاں اطلاع ساختند۔

ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست بھی آئے، اُنھوں نے زردشت کے دین کی حقیقت ثابت کی، یہ لوگ آگ کی تعظیم کو بڑی عبادت خیال کرتے ہیں اور انھوں نے بادشاہ کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی اور کیانی بادشاہوں کے رسم و رواج سے واقف کیا۔

ان کے متعلق بھی ابو الفضل ہی کو حکم دیا گیا کہ

آتش باہتمام شیخ ابو الفضل بروش ملوک عجم کہ آتش ایشاں ہمہ پایدار بودہ دائم الاوقات در شب و در روز در محل نگاہ داشتہ باشند

شیخ ابو الفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا کہ ہمیشہ رات دن شاہی محل میں آگ کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

ان کے سوا اور جو تاریکیاں تھیں وہ تو چراغ ہی کے نیچے تھیں۔ ہندو مذہب کے تمام فرقے اور اسلام کے مختلف العقائد گروہ دربار میں موجود تھے۔ ابتداءً سب سے پوچھا جاتا تھا۔ اور ہر مذہب والے کی رائے دریافت کیجاتی تھی جیسا کہ مُلا صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

اصناف دانایان از ہر دیار

ہر ملک سے ہر قسم کے دانشمند اور مختلف

ارباب ادیان و مذاہب بہ درگاہ جمع شدہ بشرف ہمزبانی مخصوص بودند بعد از تحقیق و تفتیش کہ شب و روز شیوہ و پیشہ غیر از آں نداشتند (ص۲۵۶)

مذاہب و ادیان کے لوگ دربار میں جمع ہو کر بادشاہ کی ہمکلامی سے شرفیاب ہوتے تھے۔ تحقیق و تلاش جسکے سوا بادشاہ کا رات دن میں کوئی مشغلہ نہ تھا اُس میں مشغول رہتے۔

لیکن یہ ساری تعمیر جو ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ "ایک مستقل مذہبی نظام" کی تخریب و تکذیب کے بعد ہو رہی تھی۔ ممکن ہے کہ ابتداءً اس عمارت منہدمہ کی چیزوں سے بھی اس جدید عمارت کی تیاری میں کام لیا جاتا ہو لیکن حالات نے بتدریج کروٹ لینا شروع کی اور نوبت آخر میں یہاں تک پہونچی کہ

برقم اسلام ہم کشیدہ کہ ارباب ادیان دیگر بیباک گردند آنرا نص قاطع شمردند بخلاف دین متین (اسلام) کہ ہمہ ان نامعقول و حادث و مبتدع آں مفلسان عربیان (ص)

اسلام کی ضد اور اسکے توڑ پر ہر وہ حکم جو کسی دوسرے مذہب کا ہوتا اُسکو بادشاہ نص قاطع، قطعی دلیل خیال کرتے تھے بخلاف اسلامی ملت کے کہ اسکی ساری باتیں مہمل اور نامعقول نو پیدا عرب کے مفلسوں کی گڑھی ہوئی چیزیں خیال کی جاتی تھیں۔

اس لیے اب اس سلسلۂ تحقیقات میں "اسلام" کا نام تختہ سے کاٹ دیا گیا اور آخری طریقۂ کار یہ رہ گیا

ہر چہ خویش می آمد از ہر کس غیر از مسلماناں التقاط و انتخاب نمودہ و از آنچہ نامرضی طبع و خلاف خواہش بود احتراز و اجتناب لازم می دانستند ص۲۵۶

مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آجاتی تھی اُسکا انتخاب کر لیا جاتا تھا، اور جو باتیں ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں اُن سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔

اس معاملہ میں اکبر کی رفتار جس نقطہ پر پہونچکر رہی ملا صاحب ہی اُسکو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:-

بعد از پنج و شش سال اثرے از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد۔ (ص۲۵۵)

پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، اور بات بالکل اُلٹ گئی۔

اور یوں "مساوات مذاہب" اور "ترجیح بلا مرجح" رواداری کا سارا دعوےٰ انتہائی تعصب کی شکل میں بدل گیا اور جب کبھی جس ملک اور قوم میں اس قسم کے دعاوی کا اعلان کیا گیا ہے اُسکا آخر انجام یہی ہوا ہے۔ ملا صاحب کی عینی شہادت ہے کہ روادار اکبر "صلح کل" والے اکبر کی ذہنیت کا آخری حال یہ تھا

ہر کرا نہ بوفق اعتقاد خود یافتند کشتنی و مردود و مطرود دانستند و نام او فقیہہ ماندند ص۲۹۵

جس کسی کو اپنے اعتقاد کے موافق نہ پاتے تھے وہ بادشاہ کے نزدیک کشتنی اور دھتکارا ہوا شمار ہوتا تھا، اور اسکا نام فقیہہ رکھدیا جاتا تھا۔

اور ملا صاحب کے سامنے

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

حالانکہ اس میں کوئی بوالعجبی نہیں ہے۔ ہمیشہ ارتداد و الحاد کی بنیاد رواداری کے نرم و دلکش دعوے پر قائم کی جاتی ہے لیکن اس مسلک کے سلوک کی آخری منزل وہی ہے جہاں بالآخر اکبر پہونچ گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اب یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ اسلام کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے اصول و فروع کا مطالعہ کیا جائے اور ترجیح و عمل کا ذریعہ عقل کے فیصلہ کو ٹھیرایا گیا۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ خود اکبر شب و روز اسی اُدھیڑبن میں مصروف رہتا تھا لیکن اکیلے کہاں تک خود کام کر سکتا تھا اور متفرق طور پر مختلف لوگوں کی کوششوں سے بھی کسی مستقل نظام کی تکوین ناممکن تھی اور وہی کمیٹی و انجمن جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے عہد تجدید کا نتیجہ ہے۔ لیکن ملا صاحب فرماتے ہیں کہ اکبر مذہب کو بھی ریزولیوشن کی خراد پر چڑھا کر رہا۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور

حکم کرد کہ مقربان چہل کس باشند و چہل تن نشینند و ہر کس ہر چہ داند گوید و ہر چہ خواہد پرسد (ص۳۱۸)

بادشاہ نے حکم صادر فرمایا کہ چہل تن کے مطابق خاص خاص لوگوں میں سے جنکو بادشاہ سے قرب حاصل تھا چالیس آدمی ایک جگہ بیٹھا کریں اور اس مجلس میں جو شخص جو کچھ جانتا ہو اُسکا اظہار کرے اور جس قسم کے سوالات کرنا چاہتا ہو کرے۔

چہل تن کی اس مجلس میں مسائل پیش ہوتے تھے اور پھر عقل سے اسکا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ البتہ اس کمیٹی کی یہ ایک خصوصیت بھی تھی کہ اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق

شبہات گوناگوں بتمسخر و استہزا آوردہ اگر کسے در معرض جواب می شد جواب ہمہ منع بود۔ (ص۳۰۷)

طرح طرح کے شبہے ہنسی مذاق کی شکل میں کیے جاتے اور اگر کوئی بیچارہ جواب دینے کا ارادہ کرتا تو جواب سے روک دیا جاتا۔

آزاد کمیٹیوں کا یہ عارضہ کوئی نیا عارضہ نہیں ہے۔ سب کچھ بول سکتے ہو اور کچھ نہیں بول سکتے۔ اس تناقض کا کتنا اچھا ثبوت آج بھی قومی اور حکومتی مجالس میں ملتا رہتا ہے۔ یہ تھی اکبر دی گریٹ کی مسلمہ رواداری۔ اور بیچارے اکبر کو کیا کہا جائے، آج بھی مسلک "صلح کل" رواداری کے مدعیوں کا جو تجربہ ہو رہا ہے کیا اس سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ لیکن سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جو سننا نہ چاہتے ہوں اور دیکھنے سے آنکھیں میچتے ہوں اُن سے کیا کہیے کہ بہت جلد ہی خود اُنکو

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔

اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

کہنا ہی پڑیگا۔ بہر حال یوں اسلام کے سوا دیگر ادیان و مذاہب کے عناصر کا انتخاب کیا جاتا، اور اس ذریعہ سے دین الٰہی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اسی ذیل میں یہ واقعہ ہے کہ پیش شدہ مذاہب میں سے سب ہی سے کچھ نہ کچھ لیا جاتا تھا مثلاً عیسائیوں سے بقول ملا صاحب

نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائے صورت ثالث ثلثہ بلبلان کہ خوشگاہ ایشاں است و سائر

نصاریٰ سے گھنٹہ بجانے اور ثالث ثلثہ (باپ بیٹا و روح القدس) کی صورت دیکھنا اور بلبلان جو ان لوگوں کی خوش گاہ کا نام ہے اور ایسی ہی

بو لعب نظر نہ شد۔ دوسرے کمبل کو دی باتیں بادشاہ کے زمینہ میں داخل ہوگئیں
صہ۳

واللہ اعلم بالصواب" لبادان" کیا چیز ہے؟ "خوش گاہ ایشان است" سے جو تفسیر کی گئی ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بال کتر وغیرہ" کا یہ کوئی بگڑا ہوا لفظ ہے اسی طرح ملا صاحب نے جہاں یہ لکھا ہے کہ "در دین بعقل گذاشتند" اسی کے بعد انتہا یہ نظارہ ہے کہ

آمد و رفت فرنگیان نیز شد۔ و فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہوگئی تھی اور بعض
بعضے۔ معقول بشمار۔ نقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل
را از اگرفتند صہ۲۲۱ کیے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عقلیت کی آندھی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ فرنگی لوگوں کے سبب ہندوستان میں آئی دراصل وہ اس سے دو صدی قبل ... چکی تھی۔ شاید وحی، نبوت، معجزات، کرامات وغیرہ کے انکار کی بنیاد آمد و رفت فرنگیان پر ہی مبنی ہو۔ گویا نیچرازم (عقلیت) جسے خود اب یورپ کے اگنا سٹک (لا ادریان) سراسر غیر عقلی قرار دے چکے ہیں ہندوستان کے لیے یورپ کا تحفہ کوئی نیا تحفہ نہیں ہے مغربی فلسفہ کی تاریخ پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ تھا جب کیتھولک نظام سے تنگ آکر کمزور اعصاب والوں کا خیال تھا کہ وہ یورپ میں پیدا ہو، جس نے "مذہبی بنیادوں" پر جابجا طریقے سے بیر ستیز کیا تھا اور نادانی سے اس عہد کے لوگوں نے منافرت کی اس پیداوار کا نام فلسفہ رکھ دیا۔

باقی آئندہ

کالج کا طالب علم

وہ دیکھو سڑک پر ایک نوجوان سائیکل پر کس تیزی سے جا رہا ہے۔ ایک ہاتھ میں کاپی ہے۔ اور دوسرے میں سگریٹ۔ یہ غالباً کوئی شاعر ہے جو سیر و تفریح کے لیے باہر نکلا ہے۔ وہ دیکھو اب وہ نوجوان ایک موٹر کے آگے آگے آہستہ آہستہ جا رہا ہے۔ بلا کا نڈر ہے۔ سید ھا چلا جا رہا ہے۔ موٹر سے ذرا نہیں ڈرتا۔ بیچارہ ڈرائیور ہارن پر ہارن بجا رہا ہے۔ لیکن یہ اسکی ذرا بھی پروا نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے یہ سڑک اسی کی ہے اور کسی دوسرے انسان کو اس پر چلنے کا حق نہیں۔

اب دیکھو، وہ ایک عالیشان عمارت کے صدر دروازے سے ہیں داخل ہوگیا ہے۔ اوہو یہ تو کالج ہے۔ معلوم ہوا تعلیم کا کالج۔ یہ سائیکل سوار بھی کوئی طالب علم ہے۔ شاعر ہوتا تو کسی باغ میں جاتا۔ اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

لو سنو۔ اب گھنٹی بج رہی ہے۔ کالج کے طالب علم بہت خوش ہیں۔ کیوں نہ ہوں۔ اب وہ کلاس روم میں لڑکیوں کے ساتھ ساتھ بیٹھ کر پڑھیں گے۔ پروفیسر سے چھپ کر سگریٹ بھی پیتے رہیں گے۔

وہ سائیکل والا نوجوان بھی کلاس روم میں سب سے پچھلے ڈسک پر بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا ہے۔ پروفیسر لیکچر دے رہا ہے۔ لیکن نہیں یہ لڑکا تو اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کی تصویر بنا رہا ہے۔ ہاتھ میں غضب کی پھرتی ہے۔ اس وقت وہ لڑکی کے بالوں کی تصویر کھینچنے میں مصروف ہے۔ اسی لیے تیزی سے پنسل چلا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ٹکٹکی باندھ باندھ کر اس لڑکی کی طرف دیکھ بھی رہا ہے۔ یہ لڑکا ایک وقت میں کئی کام کر سکتا ہے۔ اسی وقت کو لو۔ وہ لیکچر بھی سن رہا ہے، سگریٹ بھی پی رہا ہے، تصویر بھی بنا رہا ہے اور لڑکی کی طرف بھی مصورانہ انداز میں دیکھ رہا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کی زیادہ توجہ لڑکی کے چہرے ہی کی طرف مبذول ہے۔ پروفیسر بھی لڑکے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ اب دیکھو پروفیسر تختہ سیاہ پر کچھ لکھ رہا ہے۔ ادھر اس نوجوان لڑکے کا سگریٹ ختم ہونے کو ہے۔ دیکھیں یہ اسے کہاں پھینکتا ہے۔ جیسا کہ ہم سوچ رہے تھے۔ اس نے سگریٹ پروفیسر کی طرف پھینک دیا ہے۔ پروفیسر صاحب اب سارے کلاس کی طرف گھور گھور کر تک رہے ہیں۔ نوجوان لڑکا اپنی کامیابی پر ایک زبردست فلمی ایکٹر کی طرح مسکرا رہا ہے اور اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو خواہ مخواہ تاؤ پر تاؤ دیے جا رہا ہے۔ یہ لڑکا غضب کا بہادر اور نڈر ہے۔ نہ تو یہ موٹر سے ڈرتا ہے۔ اور نہ ہی یہ اپنے پروفیسر سے ڈرتا ہے۔

وہ گھنٹی پھر بج رہی ہے۔ اب لڑکے کچھ اداس ہوگئے ہیں۔ انکا کالج بند ہونے میں اب صرف دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔ وہ نوجوان لڑکا سوچ رہا ہے کہ وہ گھر جا کر کیا کریگا۔ اور کالج والوں کو سوچ بھی رہا ہے کہ کالج سارے دن کیوں نہیں لگتا۔ اب وہ کمرے سے باہر نکل رہا ہے گ

صہ۱۲ اور اپنی بنائی ہوئی تصویر دوسرے لڑکوں کو دکھا دکھا کر خوش ہو رہا ہے۔ لو اب اس نے اپنے سگریٹ پھینکنے کا قصہ بڑے فخر سے سنانا شروع کر دیا ہے۔ [illegible] جوکھوں کا کام تھا۔ پروفیسر پر سگریٹ پھینکنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ [illegible] دیکھو وہ لڑکا ایک دوسرے لڑکے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لو اب اس نے اس کی انگریزی ٹوپی ہاتھوں میں لیکر ہوا میں ٹھوکر سے اچھال دی ہے۔ سب لڑکے ہنس رہے ہیں۔ ٹوپی والا لڑکا بھی رونے کی کوشش کر رہا ہے۔

لو پھر گھنٹی بجی۔ اب کالج میں چھٹی ہوگئی ہے۔ اس سائیکل سوار نے ایک نیا سگریٹ سلگا لیا ہے۔ اور وہ اس وقت سائیکل ہاتھ میں لیے دروازے پر کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ ذرا غور سے دیکھو۔ وہ لڑکی جسے ابھی ابھی وہ کلاس روم میں گھور رہا تھا۔ دروازے سے نکل کر سائیکل پر جا رہی ہے۔ وہ سائیکل سوار بھی اسکے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ کہاں؟ ...... یہ شاید وہ بھی نہیں جانتا۔

(انقلاب)

منیجر شرکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں جملہ خط وکتابت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" - لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۱۹۴۹
پندرہ روزہ

نمبر ۱۰ | لکھنؤ - ۲۹ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ - ستمبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

بوس اور گاندھی جی کی معرکہ آرائی! بیسویں صدی کی کاغذی مہابھارت! شاہنامہ کا ہندی ایڈیشن! وہ گرد اڑی، کہ

زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت!

سارے قصہ کو چھوڑیے، جو بات اپنے کام کی ہے صرف اُسے لیجیے۔ گاندھی جی تو خیر اپنے علم اور تحمل کے لیے مشہور ہی ہیں، انھیں نہیں، بوس صاحب کو لیجئے اور انکے آتشیں اور طویل بیان کو (غالباً ۲۰ - اگست کے پرچوں میں نکلا ہے) دیکھ ڈالیے۔ حاصل یہ کہ گاندھی جی کی غلط رہنمائی آج سے نہیں اول دن سے چلی آ رہی ہے۔ سختی کے موقع پر نرمی، اور نرمی کے محل پر ضد انکی عادت ہے، جہاں ثابت و مستقل رہنا چاہیے، وہاں دب جاتے ہیں، اور جو وقت مصالحت و آشتی کا ہوتا ہے، وہاں اپنی بات پر اڑ جاتے ہیں۔ موقع شناسی اور تدبر سے کورے ہیں، سیاسی اندازے ہمیشہ غلط لگاتے ہیں۔ آخر ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز کی آمد کے موقع پر لارڈ ریڈنگ (وائسرائے) کی حکومت مفاہمت کے بالکل تیار تھی، کہ کسی طرح پرنس کا استقبال تو کلکتہ میں ہو جائے۔ دوسری گول میز کانفرنس کے لیے آمادہ ہوگئے تھے۔ محض گاندھی جی ضد کر بیٹھے، کہ جب تک علی برادران نہ چھوڑ دیے جائیں، کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی، اس ناسمجھی پر جھنجلا کر رہ گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سارا بیان اسی قسم کے الزامات سے لبریز ہے۔ الزامات صحیح ہوں یا غلط، یہاں اس سے بحث نہیں، بہرحال ہیں بہت سخت، اور ایک لیڈر کے حق میں غارت گر۔ لیکن با ایں ہمہ تندی و تلخی، سارا بیان شروع سے آخر تک پڑھ جائیے، کہیں یہ بھی ملیگا، کہ گاندھی نے وائسرائے سے مل کر سازش کرلی ہے، برطانوی حکومت سے رشوت کی فلاں رقم قبول کرلی ہے، فلاں قومی فنڈ کا اتنا روپیہ خورد برد کرگئے ہیں، اُس سے اتنی جائداد خرید کرلی ہے، یا یہ کہ گاندھی میں فلاں فلاں ذاتی کمزوریاں موجود ہیں، نشہ باز ہیں، خائن ہیں، جواری ہیں، غدار ہیں، دغاباز ہیں، آوارہ مزاج ہیں، اور یا پھر یہ کہ کم نسب ہیں، کم ذات ہیں، ذات کے گنج ہیں۔ سارے خوفناک الزامات کا حاصل صرف اسقدر، کہ انکی عقل سیاسی غلط، انکا مسلک کمزور، اور انکی رہنمائی ناقابل اعتماد۔ بس اسکے علاوہ کوئی حملہ نہ انکی شخصیت پر، نہ انکے ذاتی کردار پر، نہ انکے حسب و نسب پر۔ اور حملہ الگ رہا، توہین تک نہیں ——— اب اس آئینہ کو ذرا اپنے چہرہ کے سامنے لائیے۔ آپکے ہاں بھی سیاسی اختلافات (وہ شدید ترین اختلافات سہی) کے بھی حدود ہیں؟ آپکا بھی ایک لیڈر اپنے حریف کا ذکر اسی لب و لہجہ میں کرتا ہے؟ ایک پارٹی کا اخبار نویس دوسری پارٹی کے بڑے سے بڑے شخص کا یوں ہی احترام ملحوظ رکھتا ہے؟

خوب چھان بین کرلیجیے۔ آپ کے بیشمار لیڈروں میں کون، اور کس پارٹی سے تعلق رکھنے والا، لیڈر ایسا ہے، جسے آپ یوں سر عام، جی بھر کر ننگا اور رسوا نہیں کرچکے ہیں؟ طنز و تعریض، ہجو پہ نظمیں، کارٹون، گندی سی گندی الزام تراشی، بہتان بازی، اتہام آفرینی، کوئی گالی کوئی خرافی رکیک سی رکیک زبان میں ایک دوسرے کے لیے آپ اٹھا ر[illegible]

——— آپ کہتے ہیں نہ گورنمنٹ آپ کے لیڈروں [illegible] نہ ہمسایہ قومیں انکی عزت۔ یہ سچ ہے۔ لیکن اصلی [illegible]

آپ نے اپنے کسی لیڈر کو عزت و وقعت کے قابل، اپنوں اور پرایوں کی نظر میں باقی ہی کب رکھا ہے؟ خائن و غدار، بے ایمان، یہ تو آپ کا تکیہ کلام ہیں۔ روپیہ کھا گیا، گورنمنٹ سے مل گیا، ہندو کے ہاتھ بک گیا، انگریزوں کا دلال، ہندوؤں کا زر خرید غلام، یہ الفاظ اور فقرے آپ کے نوک زبان! کسی ایک کی بھی ساکھ آپ نے قائم رہنے دی ہے؟ —— اور مخالف تو مخالف، خود ایک ہی پارٹی کے لیڈر ایک دوسرے کے ہاتھ سے کب بچتے ہیں؟ —— یہ حال ہے اُن کا جنہیں تعلیم ملی تھی، رحماء بینہم کی، ایک دوسرے سے درگزر کرنے کی، ایک دوسرے کی عیب پوشی کی، ایک دوسرے کی کمزوری سے چشم پوشی کی، ایک دوسرے سے متعلق حسن ظن و حسن تاویل کی! اور جنہیں حکم ملا تھا کہ تم بنیان مرصوص بنے رہنے کا، غیروں کے مقابلہ میں انتہائی یکدلی و یکجہتی کے ثبوت کا، سیسے کی دیوار کی طرح بے شگاف بنے رہنے کا، اور ایک جان و ہزار قالب، ہزار ہا ہزار قالب رہنے کا!

مصر کی "ترقیاں"

"شاہ فاروق نے اپنے ملک کے رسم و رواج میں گویا ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے، یعنی اُس نے عام اجازت دے رکھی ہے کہ اُس کی اور اُس کی بیوی کی تصویریں عام طور پر لے لی جائیں، دکانوں میں نمائش و زیبائش کے لیے آویزاں رہیں۔ اس نے اپنی ملکہ کی تصویریں بلا نقاب اُتارے جانے کی اجازت دیدی ہے۔ اگرچہ ملکۂ فریدہ نے نقاب بالکل نہیں اُتار دیا ہے، لیکن وہ نقاب ایسا ہوتا ہے جسے نقاب نہیں کہا جا سکتا، اُس کا کپڑا بالکل ہلکا ہوتا ہے، جس سے صورت ذرا بھی نہیں چھپتی.... چنانچہ اس طور پر شاہ فاروق اپنے ملک کو مغربی طرز تمدن کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور جدید تمدن سے اپنے ملک کو آشنا کرتا جاتا ہے"

خبر تجدد زدہ حلقوں میں جس مسرت و شادمانی کے ساتھ گشت کر رہی ہے، ظاہر ہے۔ لیکن خبر کے آخر میں مصری روشن خیالی کا رشتہ محض یورپ کی نقالی سے جوڑنے پر کیوں ختم کر دیا گیا۔ یہ بھی تو کہا جا سکتا تھا، اور مسرت و خودداری کے رجزوں کے ساتھ سر زیادہ بلند کر کے، کہ مصر "ترقی" کر کے پھر وہیں آگیا، جہاں آج سے دو سوا دو ہزار سال قبل تھا۔ اور حجاب و ستر کی پابندیوں کو ٹھکرا، شریعت اسلامی کی مداخلت سے آزاد ہو، پھر اس نے اپنا قومی وقار حاصل کر لیا! چنانچہ لکھا ہے کہ

"شاہ بطلیموس ثانی کی بہن، جو ۲۷۶ سے ۲۷۰ ق م تک اُس کی ملکہ بھی رہی، اپنے مرنے کے بعد پجنے لگی، اور دونوں کی پرستش کا بطور بھائی بہن دیوی دیوتا کے، سرکاری اعلان مصر بھر میں ہو گیا۔ خاندان بطلیموس و سلوقی کی ملکاؤں کی مورتیں، اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ، مصری سکوں پر کندہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ملکہ کلیوپٹرا جو خاندان بطلیموس میں آخری ملکہ ہوئی ہے، اُس کا چہرہ بہت اُس کے شوہر مارکس انٹونیس کے سکوں پر کندہ ہوا ہے"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، جلد اول، صفحہ ۳۶)

ترقی کے یہ مدارج و مراتب تو ابھی پھر باقی ہیں۔

عورت کی منزلت

"[بچہ کی] زندگی کے ابتدائی تین برسوں میں جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے جتنا نشو و نما ہو لیتا ہے، وہ اُس سے بشمار درجہ زائد ہے، جتنا عمر کے چھ اور نو سال کے درمیان، یا سن بلوغ اور ۲۱ سال کی عمر کے درمیان ہوتا ہے"

(انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز جلد اول صفحہ ۴۵۶)

یہ یورپ کی آخری اور متفقہ تحقیق ہے۔ کہتے ہیں کہ بچہ وقت پیدائش سے تین سال کی عمر تک جو کچھ سیکھ لیتا ہے، جیسا کچھ بنتا ہے، جو کچھ ہو لیتا ہے، پھر اس کی مثال عمر بھر نہیں ملتی، ایسا موقع زندگی بھر ہاتھ نہیں آتا۔ ٹھیک اور بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے آگے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کہتا ہے، کہ تعلیم و تربیت، پرورش و پرداخت کے اس بہترین زمانہ، زرّیں موقع کے لیے، بچہ کی سب سے زیادہ محبت رکھنے والی ہستی، یعنی اُس کی ماں کو بالکل خالی اور تمام دوسرے مشاغل سے فارغ رہنے دو۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں، یہ تو صنف لطیف پر بڑا ظلم ہے۔ اُن کو نسل کی ممبری کر لیگی، اسکول میں ٹیچری کر لیگی، عدالت میں جا کر وکالت کر لیگی، مقدمے لڑ لیگی، مجسٹریٹی کر لیگی، فیصلے کر لیگی، کلب میں ٹنس کھیلیگی، سینما کی سیر سے ایک بجے شب کو واپس آئیگی۔ غرض اپنے روزانہ کے مشاغل میں، اور اپنی دلچسپیوں میں ہرگز کوئی فرق نہ آنے دیگی —— اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے، کہ ٹھیک رائے کس کی ہے، اور عورت کا حقیقی دوست و ہوا خواہ کون سا فریق ہے؟

فتنہ کی بے پناہی

حیدرآباد دکن سے ایک دردمند بزرگ، صدق کے کرمفرما، اور صدق ہی میں، لاہور کے سہ روزہ زمزم کے اقتباسات پڑھنے والے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"... تصویر کا مسئلہ تو ابھی تک یہاں نہیں پہونچا ہے، لیکن بہرحال پہونچیگا۔ باقی عثمانیہ کالج میں مخلوط تعلیم کی داغ بیل تو پڑ ہی رہی ہے۔ پرو وائس چانسلر نے صدر شعبۂ دینیات (مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی) سے دریافت فرمایا ہے کہ طلب علم کی شدت خواتین میں بڑھ رہی ہے، تا آنکہ وہ پردہ سے بے نیاز ہو کر ایم۔ اے، ایم۔ ایس۔ سی کے کلاسوں میں شریک ہونا چاہتی ہیں، اگرچہ یہ اچھی علامت ارتقائی رجحانات کی ہے۔ لیکن سردست اس حد تک جانا ٹھیک نہ ہوگا۔ اسلیے کلاس میں پردہ لٹکا کر لڑکوں کو ایک طرف، لڑکیوں کو دوسری طرف بٹھا دیا جائے۔ صدر شعبۂ دینیات اس باب میں اپنی رائے کو واضح کر دیں" صدر موصوف نے معلوم نہیں کیا جواب لکھا، ویسے بہرتقدیر

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

سا مضمون معلوم ہوتا ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ کہاں تک اور کیا کیجیے گا، صرف ثواب لوٹتے جائیے، باقی ہوگا تو وہی، جو شیطان چاہتا ہے، یعنی آدم کے بچوں کو نزع لباس میں نقطۂ کمال تک پہونچا دے۔ "زمزمی" بیچارہ بھی کبھی کبھی چھٹے گھونٹ پلا دیتا ہے، صدق ہی کے ذریعہ سے نظر پڑ جاتی ہے۔ لیکن اب ان چیزوں کی وقعت ہی "زمزمہ" سے زیادہ کیا رہ گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

ہمارے ایمان کی لچک

ایک فرنگی محقق، رابرٹ ہلین نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ دنیا میں اسوقت تقریباً ۰۶ کروڑ انسان، یعنی کل انسانی آبادی کا تقریباً ۱/۳ حصہ کسی نہ کسی آمرانہ طرز حکومت کے ماتحت بستے ہیں! اور اگر صرف یورپ کو پیش نظر رکھا جائے تو وہاں کی ۵۰ کروڑ آبادی میں سے ۹ ۳ کروڑ ۰ ۴ لاکھ نفوس کسی نہ کسی آمریت ہی کی رعایا نکلینگے!

سوال یہاں آمریت (ڈکٹیٹرشپ) کے حسن و قبح، عیب و صواب کا نہیں، صرف اسکے فروغ و شیوع کا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جمہوریت کا دور دورہ تھا۔ اور چونکہ انگریز استادوں نے کالج میں یہی سبق ہم کو پڑھایا تھا، اس لیے بے تحاشا ہم سب بھی جمہوریت ہی کے دلدادہ بن گئے تھے اور اٹھتے بیٹھتے اسی کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اور کھوج لگا لگا کر، طرح طرح کی تاویلیں کر کر کے، جمہوریت ہی کو عین اسلامی نظام حکومت قرار دیا جانے لگا۔ کیا خبر تھی کہ خود یورپ ہی کی ہوا اتنی جلد پلٹ جائیگی! —— ہم سب کا ایمان بھی کتنا لچکدار ہے! یورپ سے آواز آئی کہ غلامی بہت بری چیز، ہم نے مثال کہنا شروع کر دیا، کہ ہمارے ہاں جائز ہی کب ہے! وہاں سے صدا بلند ہوئی، کہ جہاد، دور وحشت و جہالت کی یادگار ہے، ہم نے مثال ٹکڑا لگایا، کہ مدت ہوئی ہمارے ہاں منسوخ ہو چکا ہو۔ فرنگی نے کہا کہ ترقی کا دار و مدار سود اور بنک کے کاروبار پر ہے، ہم نے کمال فدویت عرض کرنا شروع کیا، کہ جو سود ممنوع تھا، وہ تو صرف ربا ہے جاہلیت تھا، اور وہ اب معدوم ہے۔ اس نے کہا کہ عورت سکے باہر آئے بغیر ترقی ہو نہیں سکتی۔ ہم نے مثال نقاب الٹ دیے، اور برقعوں میں آگ لگا دی۔ کل تک نظام جمہوری داخل ایمان تھا، اور ایک حد تک اب بھی ہے، اس لیے کہ برطانیہ اور فرانس ابھی اسی روش پر قائم ہیں، لیکن آمریت کے حدود اگر اور آگے پھیلے، اور معیار حکومت یہی قرار پا گیا، سوال یہ ہے کہ اسوقت ہم کیا کرینگے، اور کیا کہینگے؟

از سر نو اسلام کی طرف

اخبار جمہوریت (انقرہ) سے بواسطہ البلاد (بغداد) اردو اخبارات میں ترجمہ شایع ہوا ہے:-

"ترکوں نے ایشیا میں یورپ کی تقلید میں معاشرتی تبدیلیاں کی تھیں۔ ان میں پھر ایک تغیر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، جسکے متعلق ترکی کی مجلس مبعوثین نے ایک نیا قانون پاس کیا ہے۔ مصطفے کمال پاشا کے زمانہ میں یہ قانون بنا تھا کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ شادی نہ کرے۔ یہ قانون یورپین اقوام کے طرز معاشرت کے متعلق بنا تھا، جہاں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا قانوناً جرم سمجھا جاتا ہے۔ مگر اب نو برس کے بعد اس قانون کی ترمیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ چنانچہ حکومت نے ایک قانون پاس کیا ہے جسکے ذریعہ سے ترکوں کو اجازت دیگئی ہے کہ وہ احکام قرآنی کے مطابق چار شادیاں کر سکتے ہیں بشرطیکہ سب بیویوں کے ساتھ مساوات اور انصاف کا برتاؤ کیا جائے"

خبر اگر صحیح ہے، تو ایک بار پھر اس حقیقت کی ترجمان ہے، کہ کامل اور بے عیب قانون صرف شریعت اسلامی کا قانون ہے، اور جس کسی نے اس سے ٹکر لی، اسے خود چند روز کے بعد اپنی غلطی کا مشاہدہ اور اپنی نادانی کا تجربہ ہو گیا۔ اتا ترک اب دوسری دنیا میں پہونچ چلے ہیں، اللہ انکی لغزشوں اور جسارتوں کو معاف کرے، بیچارہ کی ذہنیت وہی تھی، جو ہمارے ملک کے بہت سے مغرب زدہ "روشن خیال" "مصلحین" کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں بے طاقتی کی بنا پر صرف رسالے "جو نہ ہو" پر لکھے جاتے ہیں، اور وہاں طاقت ہاتھ میں تھی، شریعت میں عملی رخنہ اندازیوں تک نوبت پہونچ گئی!

روس کی "تاریک خیالی"

دنیا کے مختلف مہذب ملکوں میں شرح پیدایش کے تازہ ترین اعداد بابت ۱۹۳۴ء حسب ذیل ہیں:-

فرانس	۱۱٫۱	فی ہزار آبادی
چیکوسلوکیا	۱۳٫۳	"
آسٹریلیا	۱۶٫۴	"
امریکہ	۱۷	"
جرمنی	۱۸٫۸	"
اٹلی	۲۲٫۰	"
روس	۴۱	"

("سکسولوجی" نیویارک، اگست ۱۹۳۵ء)

غایت "روشن خیالی" سے فرانس کی اتنی گری ہوئی شرح ولادت تو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، یعنی ہر "امتناع حمل" کو جرم قرار دینے کے بعد، جرمنی اور اٹلی میں شرح پیدایش کا بڑھ جانا بھی کچھ عجیب نہیں، لیکن حیرت ہے کہ روس میں اس "روشن خیالی" پر، اور "امتناع حمل" داخل فیشن ہونے پر بھی، شرح پیدایش تمام دوسرے مہذب ملکوں سے کہیں زائد ۴۱ فی ہزار ہے!

کہیں ایسا تو نہیں، کہ ساری دنیا میں آگ لگا دینے اور امتناع حمل کا خوب دل کھول کر پروپیگنڈا کر چکنے کے بعد جب اسکے مہلک نتائج کا تجربہ افراد اور قوم دونوں کو ہو لیا، تو اب مجبور و مضطر ہو کر عمل پھر اسی تعلیم پر شروع ہو گیا، جس نے کہا تھا، کہ شادی کرو ایسی عورتوں سے، جو زیادہ اولاد جننے والی ہوں۔ (تزوجوا الولود الودود)؟

سورۂ آل عمران رکوع ۱۱

بسلسلۂ ص۴ ما قبل

(از عبدالماجد)

۱۔ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔	اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے (جیسا) اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ جان دینا بجز اس حالت کے کہ تم مسلم ہو۔
۲۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ ۔	اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کی رسّی کو سب مل کر، اور باہم نا اتفاقی نہ کرو، اور یاد رکھو اللہ کے انعام کو اپنے اوپر، جبکہ تم باہم دشمن تھے، پس اُسنے اُلفت ڈالدی تمہارے قلوب میں، سو تم ہو گئے اسکے (اس) انعام سے (آپس میں) بھائی۔ اور تم تھے کنارہ پر دوزخ کے گڑھے کے، سو اُسنے تمہیں اُس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہیں کھول کر سناتا رہتا ہے اپنے احکام، تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔

سلہ (بہ قدر اپنی طاقت و استطاعت کے، ورنہ حق تعالیٰ سے اُنکے مرتبہ کے لائق بھلا کون خشیت اختیار کر سکتا ہے)

سہ یعنی جیو تو اسلام پر اور مرو تو اسلام پر۔ زندگی اور موت دونوں منزلوں سے اللہ کے تابع فرمان ہو کر گزرنا ہے۔

سہ یعنی شریعت الٰہی کو سہ یعنی مجموعاً بھی اور منفرداً بھی، اے مسلمانو!

سہ اس تعلیم کا عملی نتیجہ ایک غیر مسلم کی زبان سے سنیے :-

[پیغمبر نے] اپنے زمانہ کی انتشاری حالت میں اتحاد قومی کا جذبہ پیدا کر دیا، اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا وہ شعور عربوں میں پیدا کر دیا، جس سے وہ اسکے قبل نا آشنا تھے۔ اس طرح اسلام نے اُن قبائل کو متحد کر دیا، جو اسوقت تک برابر ایک دوسرے سے مصروف پیکار رہتے تھے۔ (آرنلڈ، "پریچنگ آف اسلام" ص۴۱)

سہ اور اُس انعام کے تحت میں علاوہ فلاح اُخروی کے، اتحاد قومی کی فلاح دنیوی بھی شامل ہے۔

شہ اسلام سے قبل قبائل عرب کی باہمی دشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل تھی، بقول میور:

"ادنیٰ سی توہین، چوٹ چپیٹ عموماً سبب بنجاتی تھی، پشتہا پشت قبائل اور ملک کے علاقوں کے سالہا سال تک مشغول جنگ و خونریزی رہنے کا" (لائف آف محمد، مقدمہ، ص۸۱)

"عہد جاہلیت کی روایت ستر سو لڑائیاں منقول ہیں۔ بات بات پر چھڑ جاتی تھی" (گبن، "رومن امپائر" جلد ۵ ص۳۲۵)

سہ (اور سب کو رشتۂ اسلام میں منسلک کر دیا)

قابلِ رشک خدمتِ دین

"دو تین دن ہوئے میں نے ہر ہٹلر (جرمنی کے ڈکٹیٹر) کو ایک مختصر خط لکھا ہے۔ ابھی پرسوں کی بات ہے، یا اس سے ایک دن پہلے، ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب (امام مسجد برلن) کی طرف سے اطلاع ملی کہ جرمن ترجمۃ القرآن مکمل ہو گیا ہے۔ میں نے اطلاع ملتے ہی فوراً ایک خط ہر ہٹلر کو تحریر کیا اور اس میں یہ باتیں مختصر طور پر لکھیں کہ آپ یقیناً بہت بڑے آدمی ہیں اور ایک بڑا آدمی دوسرے بڑے آدمیوں کی باتیں سننے اور اُنکے حالات کا مطالعہ کرنے کا یقیناً مشتاق ہوتا ہے۔ اس جرمن ترجمۃ القرآن کے مطالعہ سے آپ کو ایک ایسی کتاب اور ایک ایسی عظیم الشان ہستی کا علم حاصل ہوگا جس نے دنیا کے بہت بڑے حصہ پر گہرا اثر ڈالا ہے اور آج تیرہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی وہ اثر موجود ہے اور وہ ہستی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو بادشاہ بھی ہیں اور ایک عظیم الشان مذہب کے بانی اور ایک زبردست اور بے نظیر اخوت کی بنیاد ڈالنے والے۔ حضورؐ نے ایسے کمالات دکھائے جنکی دوسری کوئی مثال دنیا کی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہل اور وحشی بدوؤں کو دنیا کا قائد بنا دیا۔ اس قسم کا عظیم الشان انقلاب پیدا کرنے والے انسان کے حالات معلوم کرنے کے لیے قرآن کا جاننا کافی ہے ... یہی بات میں نے ہر ہٹلر کو لکھی ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ امید ہے کہ آپ کچھ وقت اس ترجمۂ قرآن کو پڑھنے پر صرف کرینگے اور میں یقین کرتا ہوں کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔"

الفاظ کسی عالم اہل سنت کے نہیں، بلکہ ——— ہمارے دیوبند، ہمارے ندوہ، ہماری تبلیغی انجمنوں اور درسگاہوں کے سرِ نداست سے جھک جانے چاہییے ایک "احمدی" (لاہوری) مجاہد کے ہیں! یہ تعداد میں مختصر و قلیل، لیکن جوش عمل میں آپ اپنی نظیر جماعت یہی نہیں، کہ قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں سالہا سال ہوئے کر چکی ہے، بلکہ اس کی اشاعت بھی خوب کر چکی ہے، اور اسکے بعد، مزید قابل رشک ہمت سے کام لیکر پہلے ڈچ، اور اب جرمن زبان میں بھی ترجمہ و تشریح کی سعادت کی اولیت اسکے حصہ میں آ چکی ہے! جماعت کے بعض عقائد کیسے ہی بودے اور لغو سہی، لیکن یہ اتنی بڑی خدمات دین کیا نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں؟ کاش اس جماعت کا عشر عشیر ہی ولولۂ عمل ہم میں موجود ہوتا! ——— اور کاش ہمارے علماء یہ بھی سمجھ لیتے، کہ تکفیر و تفسیق سے کہیں زیادہ ... موثر و ٹھوس اور تعمیری عمل ہوا کرتا ہے۔

۳- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ - وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو (دوسروں کو) بلایا کرے خیر کی طرف اور حکم دیا کرے نیک کاموں کا اور روکا کرے بُرے کاموں سے[۱۰۲] - اور ایسے ہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں -

۴- وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ، وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ -

اور مت ہو جاؤ تم اُن لوگوں کی طرح، جنھوں نے باہم تفریق کر لی[۱۰۳] اور اختلاف کر لیا، بعد اسکے کہ پہونچ چکے تھے اُن تک شواہد[۱۰۴] اور ایسے ہی لوگوں کے لیے (ہونا) ہے عذاب عظیم -

۵- يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ - فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ -

اُس روز (جس روز) بعض چہرے سفید[۱۰۵] روشن ہو جائینگے[۱۰۶] اور بعض چہرے سیاہ ہو جائینگے[۱۰۷] سو سیاہ ہونے والے چہرے (اُنسے کہا جائیگا) کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے بعد اپنے ایمان لانے کے[۱۰۸] سو چکھو عذاب بسبب اسکے کہ تم کفر کرتے رہے ہو -

۶- وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

اور وہ لوگ جنکے چہرے سفید ہو گئے ہونگے اللہ کی رحمت[۱۰۹] میں داخل ہونگے، اور اس میں ہمیشہ رہینگے -

۷- تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ، وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں، انہیں ہم تمکو (اے پیغمبر) پڑھکر سناتے ہیں صحیح طور پر - اور اللہ ظلم نہیں چاہتا مخلوقات پر[۱۱۰] -

۸- وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ -

اور اللہ ہی کی مِلک ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں[۱۱۱] - اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائینگے (سارے) امور[۱۱۲] -

---

۹۹ مہاجرین اور انصار مدینہ کی مواخات مشہور رہی ہے - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے :-

"یہ محمد ہی کی عالی دماغی تھی، جس نے قدیم دشمنوں کو یار اور باہم متحد کر دیا" (برٹانیکا، ص ۶۹۵)

اور گبن کے الفاظ میں مواخات مہاجرین و انصار کی

"تدبیر بہت کارگر رہی - مواخات مقدسہ کا احترام امن و جنگ دونوں حالتوں میں ہونے لگا، اور دونوں فریقوں کے درمیان شجاعت و وفاداری کی دوستانہ مسابقت قائم ہو گئی"

("رومن امپائر" جلد ۵ ص ۳۵۳)

۱۰۰ (قبل ظہور اسلام، اپنے اعمال وعقائد مشرکیہ کی بنا پر)

۱۰۱ (دین اسلام کے ذریعہ سے) ایک امریکی فاضل معجزۂ اسلام کو اس نظر سے دیکھتا ہے :-

"اصلاح کی یہ مثال حقیقۃً عجیب و غریب ہے - محمد ایک ایسے دین کو وجود میں لے آئے، جسکے اندر کسی قدیم دین کی کوئی خصوصیت نہ تھی - نہ پُجاریوں کا کوئی طبقہ، نہ رہبانیت، نہ ثنویت - اور جسکی بنا و ظواہر پر نہیں، بلکہ ایک آن دیکھے خدا کے ساتھ روحانی رشتہ پر تھی - اسکی غایت یہ نہ تھی، کہ کسی مخصوص طبقہ کو نفع پہونچایا جائے، بلکہ یہ تھی، کہ ساری دنیا میں ایک عالمگیر برادری کو وجود میں لے آیا جائے، جس میں ہر نسل کے وہ تمام انسان شریک ہو سکیں جو ایک خدا کے ماننے والے، اور اسکے رسول پر ایمان رکھنے والے ہوں" (ڈیمبن "ایبولیشن ایند دی رائز آف سویلیزیشن" ص ۲۴۳)

ایک اور مغربی مصنف کے الفاظ ہیں :-

"عرب میں ایک نئی حرکت پیدا ہو گئی - ماضی یکسر فنا ہو گیا - ایک عرب جدید اُٹھ کھڑا ہوا، اور ایک نئی عرب قوم کی تخلیق ہوئی کہ وہ دنیا کی تاریخ میں اپنا مقام حاصل کرے اور توحید عبادت خدائے واحد کی مشعل روشن رکھے" (پاک ٹن ٹلی کی جاہلیت، ص ۲۹۲)

۱۰۲ دعوت الی المعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جن شرائط کی ضرورت تھی وہ چونکہ ہر شخص میں جمع نہیں ہو سکتے، اسلیے ساری اُمت کے بجائے، صرف ایک جماعت کو اس پر مامور کیا گیا -

۱۰۳ (مثل یہود و نصاریٰ کے ازراہ نفسانیت و شرارت -

۱۰۴ (توحید، جزا، رسالت وغیرہ عقائد حقہ کے باب میں)

۱۰۵ اثبات دین حق کے)

۱۰۶ یعنی نیکوکاروں کے چہرے

۱۰۷ یعنی انوار سے چمک اُٹھیں گے - اور جگمگانے لگینگے -

۱۰۸ یعنی کافروں فاسقوں کے چہرے -

۱۰۹ (شدت خوف و دہشت سے)

۱۱۰ (یعنی بعد اپنے اظہار ایمان کے) یہ خطاب اہل دوزخ سے ہوگا -

۱۱۱ اور اسکے محل رضا و رحمت یعنی جنت ہے -

۱۱۲ (سو اسکے فیصلے ہمیشہ عادلانہ ہی ہوتے ہیں) خدائے اسلام تمامتر عادل، رحیم و شفیق ہی ہے - ظالم و خونخوار نہیں، جیسا کہ بہت سی گمراہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں سے متعلق گمان کر رکھا تھا - بلکہ اس تخیل کی جھلکیاں موجودہ توریت تک میں موجود ہے -

۱۱۳ کوئی دوسرا دیوتا دیوی، اوتار اور شریک اور زمین و آسمان میں متصرف کسی حیثیت سے نہیں - سورۂ آل عمران کے حواشی میں ان گمراہیوں کا ذکر آ چکا ہے -

۱۱۴ (فیصلہ کے لیے) - اس میں تاکید ہے اس حقیقت کی کہ ہر فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور رد ہے اُن گمراہ قوموں کی جنھوں نے تصفیہ امور دوسروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے - مسیحیوں کے عقیدہ میں روز حشر داوری حضرت مسیح کے ہاتھ میں ہوگی -

مخلوط تعلیم کے تجربات

(سنہ ۱۹۳۹ء کے ایک گریجویٹ کے قلم سے)

میں نے ایک ایسی یونیورسٹی سے جس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں، دو سال تعلیم پائی - اب بھی یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہوں - مخلوط تعلیم کی بابت اپنے ذاتی تجربات سپرد قلم کرتا ہوں میں صرف واقعات پیش کیے دیتا ہوں - نتائج مجھ سے زیادہ ذہین وسال کے حضرات خود نکال لینگے۔

جب انٹرمیڈیٹ پاس کرکے یونیورسٹی میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہاں لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں کا بھی ساتھ رہیگا - اکثر دوستوں کو بڑا خوش پایا - بعض نے کہا کہ اچھا ہوا، انٹرمیڈیٹ کالج کی بے کیف وپھیکی زندگی ختم ہوگئی - اب دلچسپ قدر والی "زندگی شروع ہوگی، زندگی کا لطف آئیگا جب پریاں ہمارے دوش بدوش تحصیل علم میں مشغول ہونگی" - طلبہ کی طرف سے ان جذبات کے عملی مظاہرے شروع تو ابتدا سے ہوگئے تھے مگر میں نے اسوقت کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی، سمجھا کہ آنی وہنگامی کیفیت ہے، لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا، آنکھیں اب روزانہ ایک ہی منظر دیکھنے لگیں - ادھر گھنٹہ بجا - پریڈ شروع ہوا - لڑکے ایک ایک کرکے کلاس میں داخل ہوے - سوائے چند مستثنیات کے ہر لڑکے نے اپنے گرد وپیش نظر ڈالی - اگر کوئی لڑکی ادھر سے گزرتی ہوئی آنکلی تو اسکا خیر مقدم فقرہ بازی سے کیا - خیر یہ تو کلاس کے باہر کی ہوا تھی، امید تھی کہ کلاس کے اندر ہمارے ہونیوالے گریجویٹ اونچی ذمہ داری کا احساس کرینگے - مگر یہاں کا حال کچھ اس سے بھی بڑھ کر تھا - کلاس میں چند سیٹ طالبات کے لیے مخصوص تھیں - کچھ لڑکے ادھر لپکتے - ان سیٹ کو آنکھوں سے لگاتے اور ہونٹوں سے چومتے، کچھ پنسل سے لکھ دیتے - کوئی کرسی میز کو الٹ پلٹ کرتے اور کوئی صاحب مزید قربت حاصل کرنے کے لیے طالبہ کی سیٹ کے متصل اپنی کرسی بچھاتے - یہ تمام حرکتیں لیکچرر کے آنے سے قبل ہوتیں - کیونکہ پانچ منٹ کا وقفہ ملتا تھا - اس دوران میں کوئی شعر گنگنانے لگتا - کوئی تقرب حاصل کرنے کی ترکیب بتاتا - شور وغل اور ہنگامہ اس زور کا ہوتا کہ قریب کے درجہ میں پڑھائی ممکن نہ ہوتی تھی - ابھی تک طالبات کلاس میں داخل نہیں ہوئی تھیں - یہ سب ہنگامہ ان ہی کے خیر مقدم کے لیے کیا جاتا - پروفیسر آئے - کلاس میں بظاہر خاموشی کا عالم طاری ہوجاتا - پروفیسر کے آنے کے بعد لڑکیاں کلاس میں آتیں - انکا آنا کیا ہوتا کہ لڑکوں کی دنیا میں ایک طوفان، ایک ہیجان برپا ہوجاتا - پروفیسر صاحب کی موجودگی ان "شریفانہ جذبات" کے علانیہ مظاہرہ میں بڑی حد تک حائل رہتی - کلاس میں سناٹا رہتا اور ظاہر یہ معلوم ہوتا کہ پروفیسر کا لیکچر بڑی توجہ سے سنا جارہا ہے، مگر حقیقۃً کلاس کا عالم ہی کچھ اور ہوتا - بجائے لیکچر سننے کے آنکھیں بھٹکی جاتیں - ہر ایک کی کوشش اس کی رہتی کہ کسی طرح مقابل والی طالبات میں سے کوئی نظر اٹھا کر دیکھ لے - بار بار گھورا جاتا اور چپکے چپکے معلوم نہیں کیا کچھ کہا جاتا - اس پر بھی بس نہیں بلکہ قلم اور پنسل سے طالبات کی تصاویر صفحۂ کاغذ پر کھینچی جاتیں - کبھی آواز سے کبھی جسم دابروے عجب عجب گندے اشارے کیے جاتے اور کبھی ان سے بڑھکر نوبت ان چیزوں پہونچ جاتی جو کسی طرح اخبار کے صفحہ پر لانے کے قابل نہیں - غرض کلاس میں عجب وغریب ہیجانی کیفیت میں سے اکثر و بیشتر ساعتیں گزرتی - گویا خود اسکے کوئی بہن دنیا میں تھی ہی نہیں - یہ کیفیت کبھی کبھی کی اور اتفاقی نہیں، روز کا یہی معمول تھا -

گھنٹہ بجا، کلاس منتشر ہوا - لڑکے اور لڑکیاں دوسرے درجوں میں جانے لگیں - اکثر نوجوانوں کو دیکھا کہ بیچ راستے میں راستہ روک کے کھڑے ہوگئے - اور طالبات پر بازاری لب ولہجہ میں، سوقیانہ زبان میں فقرہ بازی کا سلسلہ شروع ہوا - شکل وصورت، وضع، لباس، گفتار ورفتار سب ہی کی تو قدر افزائی ہو رہی ہے - اگر کسی لڑکے کو کسی لڑکی سے بات چیت کرتے ہوے دیکھ لیا گیا تو اسکی خیر نہیں - پہلے تو اسے خوب بنایا جاتا، پھر جی بھر کے طعن وطنز ہوتے اور طالبات کے چال چلن پر اس بیباکی سے تنقید شروع ہوتی کہ گویا وہ بھی سنیما کی ایکٹریس ہیں - اس پر بھی بعض نوجوانوں کا جی نہ بھرتا تو وہ ایک ایک کر طالبات سے متصل ہو ہو کر چلتے تاکہ کسی طرح شرف تکلم حاصل ہوجائے - یہ تو انکا کلاس کے اندر کا روزمرہ ہوا - اب اسکے علاوہ پیشاب خانہ اور پائخانہ کے در ودیوار کو جس طرح عریاں تصاویر اور عریاں تر الفاظ سے مزین کیا جاتا انکی تفصیل کوئی کس طرح بیان کرے لیکن داد اسکی دیجیے کہ جذبات کی گندگی کے لیے جگہ بھی کیسی ڈھونڈھ کر نکالی -

یونیورسٹی کی زندگی میں مختلف [illegible] رہتی ہیں - مثلاً الیکشن وغیرہ - طالبات ان الکشن میں فیصلہ کن اثر رکھتی ہیں - انکی تائید خواہ لفظی ہی کیوں نہ ہو، الکشن کو کایا کچھ کر دیتی تھی - اور انکی پوری اہمیت الکشن ہی کے موقع پر نمایاں ہوتی تھی - الکشن میں ایک ہوشیار اور نامقبول لڑکا ایک بڑے عہدے کے لیے کھڑا ہوتا ہے - خود بیمار ہوکر اسپتال میں داخل ہوتا ہے، اپنا کام بہت دیر میں شروع کرتا ہے، دوڑ دھوپ گویا نہیں کرتا، اسکی کامیابی کی امید بالکل موہوم ہے، مگر وہ ایک ایسی چال چلتا ہے کہ کنویسنگ کا کام ایک ایسی لڑکی کے سپرد کردیتا ہے جو لڑکوں میں "مقبول" ہے کنویسنگ عین الکشن کے موقع پر شروع ہوتی ہے - سب ہنستے ہیں - مگر ہوتا کیا ہے کہ وہی لڑکا بڑی اکثریت سے کامیاب ہوگیا - اور وہ امیدوار رہ گئے جنکو کامیابی کی امید سو فی صدی تھی -

میرے زمانہ میں پہلے بار بار یہ ہوا کہ پڑھانے کے لیے ایک مس صاحبہ کا تقرر بحیثیت لیکچرر ہوا - ان سے استفادہ کے بجائے ہمارے نوجوان تہیہ کرلیتے ہیں کہ خود ان استانی صاحبہ کو ایک دوسرے قسم کا درس دیا جائے - درجہ میں ایک ایک کرکے داخل ہوتے ہیں تاکہ تنہائی کا موقع ملے اور شاید مطلب بر آئے - بجائے لیکچر سننے کے آنکھیں لیکچرر صاحبہ کے چہرہ پر گڑی ہوئی ہیں وغیرہ وغیرہ - یہ ہے ہمارے سعادتمند فرزندوں کا برتاؤ اپنی علمی ماں کے ساتھ -

طلبہ کا حال آپ سن چکے - اب رہ گئیں طالبات - انکے متعلق کیا عرض کیا جائے - وہ بالواسطہ سہی، لیکن آپ خود بھی بڑی حد تک اس صورت حال کی ذمہ دار بلکہ کسی حد تک محرک - خود جب نکلتیں تو پوری سج دھج کے ساتھ، بناؤ سنگھار کے جملہ لوازم سے مسلح، ہر طرح آراستہ وپیراستہ -

جیسے پرنازہ، پاؤڈر، کریم تھپی ہوئی - جسم انگریزی خوشبوؤں میں بسا ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کرانا کا نیم عریاں لباس - ہاتھ بازوؤں تک گھسے ہوئے - زیب و زینت کے نفاست کی پوری نمائش - پھر انکا ناز و انداز سے چلنا - لڑکے تو پھر لڑکے ہیں کتنے منقی اور سن رسیدہ صحاب اسکے فتنہ سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ یہ طالبات ضرور ہے کہ عام طور پر طلبہ سے الگ تھلگ رہتی تھیں، مگر ساتھ ہی چند لڑکوں پر ان کی نظر عنایت بھی رہتی تھی - قدرۃً اس سے اور لڑکوں میں رشک و حسد کے جذبات پیدا ہوتے تھے - بارہا بیرے اور جہ میں اس رقابت کی جنگ رنگ لائی - یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت آ گئی - میں نے اپنے متعدد دوستوں کو دیکھا کہ چند سال قبل اچھے خاصے پرہیزگار و پارسا تھے اور ایسی صحبتوں سے اظہار بیزاری کیا کرتے تھے لیکن جب ملاحوں ماحول میں آکر پڑے تو خود بھی اسی رنگ میں رنگ گئے - اور اب بیزاری کیا معنی وہ ان بے حیائیوں میں پوری طرح شریک اور ان سے لطف اٹھانے والوں میں ہیں -

”روشن خیالوں“ کی تاریک خیالی

آج کسی سے کہکر دیکھو کہ سنیما بازی ہمارے لیے بدترین لعنت ہے وہ کہنے والے کو تین سو سال کا کورا مُلّا سمجھے گا - مگر فرنگی نقالوں کی یہ کتنی بڑی سی بدبختی ہے کہ بعض دفعہ خود ”روشن خیالوں“ کی زبان سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جنکے باعث غریب مُلّا بدنام ہے - حکومت پنجاب نے بیکاری کے اسباب کی تحقیقات کے لیے سر چھوٹو رام وزیر ترقیات کی سرکردگی میں جو کمیٹی مقرر کی تھی اسکی مفصل رپورٹ اخبارات میں آگئی ہے - کمیٹی نے تمام مختلف مسائل پر بحث کرتے ہوئے پنجاب کی اقتصادی حالت کی اصلاح کے لیے بہت سی سفارشات حکومت کے سامنے پیش کی ہیں اور خصوصیت سے کالج کے طلباء کی مہذب زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ”کالج کے طلباء کے لباس میں اصلاح کی جائے - طلباء کی عادت یہ ہے کہ وہ کالجوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے بعد دیہاتی زندگی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - انکے مصارف کا زیادہ حصہ لباس پر خرچ ہوتا ہے - پنجاب سنڈیکیٹ کو چاہیے کہ وہ ارزاں کپڑے کا سادہ لباس طلباء کے لیے مقرر کرے - اور ہوسٹلوں میں کھانے پینے کے گراں قدر مصارف آرائش و زیبائش اور عشرت کی زندگی پر پابندیاں عائد کرے - نیز سنیماؤں تھیٹروں اور ہوٹلوں میں فضول خرچی کے انسداد کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں“۔

معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی کے تمام ارکان مُلّا ازم کی پیداوار ہیں - حالانکہ کمیٹی کے ارکان میں پنجاب گورنمنٹ کے روشن خیال وزراء بھی ہیں اور بیرسٹر، لیڈر اور وکیل بھی - ان میں کالجوں کے پرنسپل اور مصنف بھی ہیں اور کارخانوں کے مالک اور بینکوں کے منیجر بھی - تجارت پیشہ بھی اور حکومت کے اعلیٰ عہدیدار بھی۔ مگر یہ کیا قیامت ہے کہ یہ سب کے سب وہی بولی بولنے لگے جو اب تک غریب مُلّا بولتا آیا ہے - ان ممبروں کی نظر میں اقتصادیات کو چونکہ زیادہ اہمیت حاصل تھی، اس لیے سنیماؤں اور تھیٹروں کی مخالفت بھی اسی نقطۂ نظر سے کی گئی ہے اگر اخلاق و روحانیت اور اعلیٰ معیاری زندگی بھی انکی نظر میں کوئی اہمیت رکھتی تو وہ یقیناً اس نقطۂ نظر سے بھی سنیما بازی پر تبصرہ فرماتے -

مگر یاد رکھیے کہ ان سفارشات سے کچھ نہ بنے گا - جس چیز کا چسکا مغربی تعلیم و تہذیب نے لگایا ہے وہ ان سفارشات سے ہرگز نہ چھوٹیگا - اسکے لیے ضرورت ہے کہ جس طرح ترکی میں طلباء کے لیے سنیما بازی ممنوع قرار دیگئی ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی ایک امتناعی قانون کا نفاذ ہو - اور وہ جس حد تک فرنگی لعنت سے نجات حاصل کر سکیں کر لیں - کمیٹی نے عورتوں کی تعلیم کے متعلق بھی چند سفارشات کی ہیں اور یہی ”افسوس“ ہے کہ یہاں بھی اُس نے اپنے مُلّا ازم کا پورے طور پر مظاہرہ کیا ہے - مُلّا انہی باتوں کی مخالفت کی وجہ سے بدنام تھا - مگر آج ”روشن خیالوں“ بیرسٹروں، ایڈیٹروں اور پرنسپلوں کی زبانوں پر بھی وہی کلمہ جاری ہو رہا ہے! سفارشات میں لکھا ہے کہ

> ”عورتوں کی تعلیم مردوں کی تعلیم سے بالکل جدا ہونی چاہیے - کیونکہ انھیں ایک طویل عرصہ تک ملازمت کی ضرورت نہ پڑیگی - لڑکیوں میں اخلاق سوز ناول اور عشق و محبت کی داستانوں کو پڑھنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے - اسکا انسداد اس طرح ہو سکتا ہے کہ انکے نصاب میں زیادہ تر اخلاقی، مجلسی، تاریخی اور مذہبی کتابیں مقرر کی جائیں“

(زمزم)

یوم توحید و اتحاد

حدیث میں آیا ہے کہ ۱۴، ۱۵ شعبان (۲۸، ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء) کی درمیانی رات کو خدا کے دربار میں بندوں کے عمل پیش کیے جاتے ہیں اور جس شخص کا دل خدا کے متعلق شرک سے پاک ہو اور بندوں کے متعلق دشمنی سے پاک ہو اُسے بخشدیا جاتا ہے - پس یہ دن دنیا میں توحید و اتحاد کے قائم کرنے کا دن ہے - لہذا ۲۸ ستمبر کو بعد شام تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے جلسے کرائے جائیں اور ان جلسوں میں توحید الٰہی اور اتحاد اسلامی پر تقریریں کی جائیں اور جلسوں کے اندر مسلمانوں کی مختلف پارٹیوں، لیڈروں، مذہبی فرقوں اور عالموں وغیرہ میں صلح کرائی جائے - یکم شعبان ہی سے محلہ وار جلسے کرکے ہر شہر اور علاقہ میں اتحاد اسلام کی تحریک شروع کر دی جائے اور وفد بنا کر کوشش کی جائے کہ جہاں کہیں بھی نفاق اور شرک کا نشان موجود ہے اسے مٹا دیا جائے - جلسوں کے پوسٹر ڈیڑھ آنہ میں دس طلب فرمائیں -

سکرٹری سیرت کمیٹی - پٹی ضلع لاہور)

علیگڈھ

نواب بہادر یار جنگ کی تقریر علیگڈھ اولڈ بوائز ڈے حیدرآباد کے موقع پر)

…. اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر میرے دوست مولوی لیاقت اللہ خاں صاحب نے ملٹری کالج کی طرف جو اشارہ کیا ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ہر مسلمان فطرتاً سپاہی ہوتا ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ میں ایک عجیب اثر ہے جو اسکے پڑھتے ہی انسان کی نگاہ تمام طاقتوں سے ہٹ کر ایک مرکز الوہیت پر جم جاتی ہے اس میں ایک ایسی جرأت اخلاقی پیدا ہو جاتی ہے جسکو کوئی دوسری تعلیم پیدا نہیں کر سکتی۔ مسلمان میں روح عسکریت آج بھی موجود ہے لیکن مواقع کا فقدان اور تربیت کی کمی اس کو زائل کرتی جا رہی ہے سخت ضرورت ہے کہ ایک ایسا کارخانہ ملٹری کالج کے نام سے قائم کیا جائے، جس میں ان جوہروں کو تراش کر اور جلا دے دنیا والوں کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر چوندھیا جائیں۔ میں حیدرآباد کے مسلمانوں کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسی تحریک شروع کی گئی تو حیدرآباد انشاء اللہ حسب روایات اسکی امداد اور سرپرستی میں سب سے آگے رہیگا۔ ….

کہا گیا ہے کہ علیگڈھ اپنے طلباء میں ایک خاص کیرکٹر پیدا کرتا ہے جو کسی اور درسگاہ میں نہیں پایا جاتا اور ایک معزز مقرر نے یہ بھی فرمایا کہ علیگڈھ ہی کے طالب علم میں وہ خصوصیت ہوتی ہے جو انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں پیدا ہو سکتی ہے۔ میں نے بہت غور سے علیگڈھ کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مطالعہ کیا ہے اور مجھ کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی کہ میں ان میں اور کسی دوسری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ میں کوئی فرق نہیں دیکھتا۔ اگر یہیں رہنا ہے کہ انکی تربیت انگلستان کی کسی بہترین تربیت گاہ کے برابر ہوتی ہے تو اس بات نے مجھکو یونیورسٹی کی طرف سے مایوس کر دیا۔ میں تو مسلم یونیورسٹی کو دنیا کی اور تمام درسگاہوں سے ممتاز اس درسگاہ کو دیکھنا چاہتا ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مدینہ کی کھجور کی بنی ہوئی مسجد میں قائم ہوئی تھی اور جسکے تعلیم پانے والوں نے بیس برس کے اندر دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا اور عرب کے بادیہ گردوں کو دنیا کا معلم اخلاق و سیاست داں بنا دیا تھا اور اپنی طاقت و جبروت سے گنگا اور جمنا کی لہروں کو بحر الکاہل کی موجوں سے ملا دیا تھا۔ اگر مسلم یونیورسٹی اسکے کیرکٹر کو پیدا نہیں کر رہی ہے اور ان جذبات کی تربیت نہیں کر رہی ہے تو میرے نزدیک اس اور ہندوستان کی کوئی اور یونیورسٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بہرحال مجھے توقع ہے کہ ہمارے قدیم اسکی طرف جلد توجہ کرینگے۔ علیگڈھ کے بعض تعلیم یافتگان نے کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی سرزمین کو اپنے کارناموں سے روشن کر دیا۔ مثلاً مولانا محمد علی مرحوم یا مولانا حسرت موہانی وغیرہ۔ لیکن اسکا کریڈٹ علیگڈھ سے زیادہ زمانہ کو دینا ہوں جنے انکے جوہر قابل کو آمادۂ عمل کر دیا تھا کسی تربیت گاہ کے نتائج تربیت اسکے تربیت یافتگان کی اکثریت میں نمایاں ہونے چاہئیں۔ (رہبر دکن)

طالبات کا لباس

انجمن حمایت اسلام نے جو زنانہ کالج قائم کیا ہے اسکے ارباب حل و عقد نے لاہور کی کنواری لڑکیوں کے عالم آشوب سنگار اور کھلی ہوئی آوارگی سے عبرت اندوز ہو کر یہ قرار دیا کہ اسلامی کالج میں مسلمانوں کی جو بچیاں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے داخل ہونگی انکے لیے ایک خاص "وردی" تربیت تجویز کیجائے جو قمیص، شلوار اور ہلکے سبز رنگ کے دوپٹے پر مشتمل ہو۔ اسکے سوا ساڑھی جمپر وغیرہ پہننے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس تجویز کو ہر شخص نے پسند کیا۔ اور جن مخلص مسلمانوں کو حضور سرکار دو عالم کا یہ ارشاد یاد ہے کہ الحیاء شعبۃ من الایمان، وہ خوش ہوے کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ایسی فضا میں ہوگی جس میں نہ پاؤڈر ہوگا نہ سرخی ہوگی نہ بھڑکیلی ساڑھیاں ہونگی نہ بال بنانے کے دلنواز طریقے ہونگے۔ جو مسلمان بچیاں دوسرے کالجوں کی ہندو اور عیسائی لڑکیوں کی دیکھا دیکھی اختیار کر رہی ہیں۔

لیکن لاہور کے ایک صاحب نے ہمارے ایک معاصر کے کالموں میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں اپنی حد سے بڑھی ہوئی روشن خیالی کا ثبوت دینے کے لیے اس سادہ لباس کا مضحکہ اڑایا اور لکھا کہ اسکے ساتھ ہی لڑکیوں کے گلے میں تسبیح بھی پہنا دی جائے تو وہ کسی مزار کی اچھی خاصی مجاور معلوم ہونگی۔

ان صاحب کو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ انتظام آپ جیسے روشن خیال حضرات کی صاحبزادیوں کے لیے نہیں البتہ ان مسلمانوں کی بچیوں کے لیے کیا گیا ہے کہ جو حیاداری کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں۔ آپ اپنی لڑکیوں کو بدستور ریشم پہنائیے۔ اعلیٰ درجہ کا سنگار کرائیے اور انکے گلوں میں تسبیح کے بجائے موتیا اور چنبیلی کے ہار پہنا کر ٹھنڈی سڑک پر لیے پھریئے تاکہ وہ مزار کی مجاور کے بجائے کسی فلم کی ایکٹرس معلوم ہوں۔ ہر شخص کی نگاہ شوق انپر پڑے، اور آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ (انقلاب)

ہر ہٹلر کو دعوتِ اسلام

قاہرہ۔ شیخ احمد حسین مصری نوجوان پارٹی کے لیڈر ہیں۔ آپ نے ہر ہٹلر کے نام ایک طویل مکتوب ارسال کرکے انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعوت دی ہے۔ مکتوب میں مقدس مذہب کے محاسن بیان کرنے کے بعد اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ میرا ذہن اور میرا قلم ان فوائد کو بیان کرنے سے قاصر ہے جو مسلمان ہونے کی صورت میں ایک شخص حاصل کر سکتا ہے۔ میری یہ تحریر اس امر کے اظہار سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی کہ آپ کا اسلام قبول کرنا مسلمانان عالم پر کس قدر روحانی اثر ڈال سکتا ہے۔ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو جوان کو غیور، کمزور کو طاقتور اور بزدل کو دلیر بناتا اور بیدار مغز اور دانا وہ اخلاص کو عروج پر پہونچاتا ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اسلام ہی بنی نوع انسان کی تمام کمزوریوں اور بیماریوں کا علاج ہے۔ اسلام ہی دنیا میں صحیح امن قائم کر سکتا ہے۔ اسلام ہی عوام سے پورا انصاف کرکے ہر گروہ کے حقوق کی نگہداشت کر سکتا ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو انسانیت سے آگاہ کر سکتا ہے۔ اسوقت یورپ نہایت خطرناک مراحل سے گزر رہا ہے۔ میں نے ان پر غور و فکر کرنے کے بعد آپ کو دعوت دینے کی جرأت کی ہے۔

ہوتا کہ یہ سب کچھ دنیا میں انسانیت کی سب سے بڑی خدمت کہی جائے۔ مکتوب میں سکندر اعظم، ہنیبال، نپولین اور دوسرے فاتحین کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ کبھی لڑائی یا اس کی کوشش کر کے اقتدار و عظمت دنیا پر قبضہ کیا جائے بلکہ یہی لڑائی ہے کہ انسان بحیثیت نوع انسان کے ایسی یادگار چھوڑ جائے جس سے انسان کا بہت بڑا گروہ مستفیض ہو۔ مکتوب کے آخر میں ہٹلر کو جو دعوت دی ہے کہ مصر حاضر کے مسلمانوں کی طرف نہ دیکھیں بلکہ مذہب اسلام کے حقائق پر غور کریں۔ (الفرقان)

حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے

(از جناب مولانا مناظر احسن گیلانی استاد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(سلسلۂ صدق نمبر ۹)

اسی طرح پارسیوں کی بھی بعض باتیں قبول کی گئی تھیں اور جیسا کہ گزر چکا شاہی محل میں انھیں کے مشورہ سے ایک "دوامی آتشکدہ" بھی علامہ ابوالفضل کی نگرانی میں قائم ہو چکا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ "آگ آیتے ست از آیات خدا و نورے ست از انوار وے" قرار دی گئی تھی۔ اور پونَن کی رسم جو پارسیوں سے پہلے بھی شاہی محل میں "دختران راجہائے ہند" کی وجہ سے انجام دی جاتی تھی اُس میں اس آتشکدہ کے قیام سے اور اضافہ ہو گیا۔ خود بادشاہ علانیہ آتش پرستی کرتا تھا اور

> مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم میساختند

بادشاہ کے مقربین بھی شمع اور چراغ کے روشن ہونے کے وقت قیام کرنا اپنے لیے فرض قرار دیتے ہوئے تھے۔

یہ تھے وہ اجزاء جو نصرانیوں اور مجوسیوں کے دین سے اس جدید مذہب میں مخلوط کیے گئے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اس دین پر جس مذہب کا اثر پڑا تھا وہ وہی مذہب تھا جسکو "ہندی قومیت" کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اثر انداز ہونا قدرتی طور پر ضروری تھا۔ یوں تو اس مذہب کے علما اور پیروؤں سے دربار بھرا ہوا تھا اور جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کو

> از صغر سن باز بہ طوائف مختلف از براہمہ و بادفروشان و سائر اصناف ہندواں ربطے خاص و التفاتے تمام است۔ ص ۲۶۱

بادشاہ کو بچپن ہی سے ہندوستان کی مختلف قوموں مثلاً برہمنوں سے بھاٹوں سے اور اسی قبیل دوسری ہندی جماعتوں سے خاص ربط اور انکی طرف فطری میلان تھا۔

اسوا اس کے

> دختران راجہائے عظیم ہند کہ سیلے بہ تصرف آوردہ بودند لہو و لعب و خلیفہ شد۔ ص ۳۰۴

ہندوستان کے بڑے بڑے رجواڑوں کی لڑکیاں جنھیں بادشاہ اپنے تصرف میں لا چکا تھا ان عورتوں کو بھی دوسری کھیل کود کی چیزیں بادشاہ کے خلیفہ میں داخل ہو گئیں۔

اور اسی کے ساتھ کالپی کا ایک برہمن جس کا نام برہم داس تھا اور جسکو پہلے "کب رائے" یعنی "ملک الشعراء" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اور بعد کو وہی بیربل کے نام سے مشہور ہوا۔ بادشاہ کے مزاج میں یہ بہت دخیل ہو گیا تھا اکبر و بیربل کے تعلقات اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ آج تک ان کے چرچوں سے ہندوستان کے گلی کوچے معمور ہیں۔ ملا صاحب نے اگر اسکے متعلق یہ لکھا ہے کہ بادشاہ سے اسکا تعلق "لحمک لحمی ودمک دمی" کا سا ہو گیا تھا تو اس میں کیا تعجب ہے۔ اور آخر میں بیربل کی سفارش سے ایک بڑا فلسفی برہمن جسکا نام دیوی تھا بادشاہ کے قرب سے معزز ہوا۔ بتدریج اس برہمن کا اکبر پر یہاں تک اثر پڑا کہ رات کو بھی جب بادشاہ بھی خوابگاہ میں چلا جاتا تھا دیوی برہمن سے ملنے کے لیے بیچین رہتا تھا۔ معلوم نہیں کہ خوابگاہ میں اسی برہمن کے لیے یا کسی اور وجہ سے کھینے کا ایک کھٹ (جھولا) تیار کیا گیا تھا جس پر بیٹھنے والا کھینچا جاتا اور اوپر کھینچ لیا جاتا جہاں وہ اس شاہی خوابگاہ میں پہنچ جاتا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں

> چندگاہے دیوی برہمن کہ از معبراں مہابھارت بود بر چار پائی نشاندہ بہ حبلا کشیدہ نزدیک بقصوے کہ آنرا خوابگاہ ساختہ بودند معلق داشتہ از و اسرار و افسانہائے ہندی و طریق عبادت اصنام و آتش و آفتاب و تعظیم کواکب و احترام اساطین کفرہ از برہما و مہادیو و بشن و کشن و مہامائی شنید و آں جانب گرائیدند۔ ص ۲۵۵

ایک زمانہ تک دیوی برہمن جو مہابھارت کی کتھا کہنے والا تھا اُسکو چارپائی پر اوپر کھینچ لیا جاتا تھا جو اس قصر کے پاس تھا جسکو بادشاہ نے اپنی خوابگاہ میں بنایا تھا اور اس سے ہندوستانی قصے اور انکے اسرار نیز بتوں کے آگ کے پوجنے کے طریقے ستاروں کی تنظیم کے آداب کا فروں کے جو بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں مثلاً برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کے احترام کی صورتیں سنتا اور پھر انکی جانب مائل ہوتا اور انکو قبول کرتا۔

اسی طرح پرکھوتم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل گیا تھا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر "دین اکبری" میں ان ہی لوگوں کے عقائد و اعمال رسوم و طریقوں کو جگہ ملی۔

دین الٰہی کے عناصر

اگرچہ ایک "مستقل نظام مذہبی" کا تفصیلی تذکرہ اس مختصر سے مضمون میں ناممکن ہے لیکن بطور نمونہ کے بعض نمایاں اجزاء کا ذکر بھی آیندہ "مقصد" کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے ضروری بھی ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد و عبادات و اعمال و رسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا لیکن انکی جگہ جو چیزیں اس جدید دین میں ابھری گئیں اُن میں ممتاز چیزیں یہ ہیں۔

عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح

کسی تاویل و توجیہ کی بنا پر نہیں بلکہ علانیہ اس باب میں اکبر کا جو مسلک تھا ملا صاحب ہی سے اسکو سننا چاہیے

> عبادت آفتاب را در شبانروزے چہار وقت کہ سحر و شام و نیمروز و نیم شب باشد لازم گرفتند و ہزار و یک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیمروز متوجہ آں شدہ بحضور دل میخواندند و ہر دو گوش گرفتہ و چرخے زدہ مشتہا بر بناگوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بود و قشقہ کشیدند و نوبت و نقارہ یکے در نیم شب و یکے در وقت طلوع قرار یافت (ص ۲۱۲)

یعنی صبح و شام و دوپہر آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے اور ایک ہزار ایک آفتاب کے ہندی ناموں کو اپنا وظیفہ بنایا تھا ٹھیک دوپہر کو آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ اُن ناموں کو پڑھا کرتے تھے اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چرخ کھاتا اور کانوں کے اوپر گھونسے لگاتا۔ اور اسی قسم کی دوسری حرکات بہت سی بادشاہ سے صادر ہوتی تھیں۔ وہ قشقہ بھی لگایا کرتے تھے اور آدھی رات کو ایک دفعہ نیز طلوع آفتاب کے وقت دوسری دفعہ نوبت و نقارہ بجنے مقرر ہوئے۔

یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب آفتاب کا ذکر کیا جائے (العیاذ باللہ) اس وقت "جلت قدرۃ" کہا جائے - اور ایک بیچارہ آفتاب ہی کیا

ہمچنیں آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر و زنگ تا گاؤ و سرگین آں نیز و قشقہ و زنار را بلوہ دادہ و دعائے تسخیر آفتاب را ہندواں تعلیم دادہ بودند الطریق وردہ در نیم شب و وقت طلوع خواندن گرفتند (ص۲۶)

اسی طرح آگ پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتی کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا اور قشقہ اور جنیو سے اپنے کو آراستہ کرتا اور آفتاب کو مسخر کرنے کی دعا جسکی تعلیم ہندوؤں نے دی تھی وردکے طور پر آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے وقت پڑھا کرتا تھا -

اور صرف عبادت ہی تک بس نہ ہو جاتی تھی بلکہ یہ بھی سمجھا گیا کہ اسکو شریک ٹھہرایا گیا تھا کہ

آفتاب نیر اعظم و عطیہ بخش تمام عالم و مربی پادشاہاں و پادشاہاں مروج او یند (ص۱۱)

آفتاب نیر اعظم ہے اور سارے عالم کو داد و دہش کرتا ہے - بادشاہوں کا مربی و سرپرست سورج ہی ہے اور سلاطین اسکو رواج دینے والے ہیں -

کواکب پرستی میں غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ

لباس را موافق رنگ کواکب سیارہ کہ ہر روز سے بدو کے منسوب ست ساختند (ص٫٫)

لباس کا رنگ ستاروں کے رنگ کے مطابق رکھتے تھے چونکہ ہر دن کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے اس لیے ہر دن کے لباس کا رنگ جداگانہ مطابق برنگ سیارہ ہوتا)

سورج کے متعلق بھی ہندوؤں نے باور کرایا تھا کہ "خوک (از ان مشہور ست کہ حق تعالیٰ دراں حلول کردہ" (العیاذ باللہ)

مبدأ و معاد جن پر مذاہب کی بنیاد قائم ہے اس میں مبدأ کے متعلق تو یہ عقیدہ قرار دیا گیا - اب رہا معاد یعنی بعد مرون کے متعلق عقیدہ دین میں

در مذہب تناسخیہ رسوخ قدم حاصل شد (ص۲۵۸)

تناسخ کے عقیدہ میں بڑی پختگی پیدا ہو گئی تھی -

اعظم خاں گورنر بنگال جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا "از دلائل قطعی بحقیقت تناسخ یافتہ ایم شیخ ابوالفضل تمہ طرقش شما خواہد کرد" (ص۲۸۲)

اس مسئلہ کے متعلق خوش اعتقادی یہاں تک پہونچی ہوئی تھی کہ برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ سر کے بیچ کے بال منڈا دیا کرتے تھے اور ہر دو طرف کناروں کے بال چھوڑ دیے جاتے تھے - عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ بادشاہ کی روح کامل و مکمل ہو چکی ہے اور

روح کاملاں و مکملاں اند انداختہ کہ منفذ دہم ست خروج می کند در آں وقت آوازے شل صاعقہ میکند و آں دلیل سعادت و نجات میت ست از گناہاں و علامت حلول روح ست بذہب تناسخ در بدن پادشاہے ذی شوکتے صاحب اقتدارے نافذ الامر (ص۲۶۵)

کامل و مکمل لوگوں کی روح کھوپڑی (تالو کی راہ) سے نکلا کرتی ہے جو دس سوراخوں (یعنی منہ کے) سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے جسوقت کاملوں کی روح کھوپڑی سے نکلتی ہے اسوقت ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ آواز روح کی سعادت و نجات کی دلیل ہوتی ہے اور یہ کہ مردہ کو گناہوں سے نجات ہو گئی (شاید جلنے کے وقت آخر میں جو مردوں کی کھوپڑی پھٹتی ہے اور اسوقت ایک سخت آواز قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے برہمنوں نے اسی کو نجات کی دلیل بنا لیا ہوگا) بہرحال اس آواز کو یہ لوگ اسکی بھی دلیل قرار دیتے تھے کہ ایسے آدمی کی روح کسی صاحب شوکت واقتدار نافذ الفرمان بادشاہ کے بدن میں جنم لیتی ہے -

گویا اس طرح بادشاہ کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے تخت پر اسی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہونگے - اگرچہ کہ اکبری عہد (الف ثانی) ہے چونکہ بجائے قمر کے زحل کا عمل و دخل شروع ہو گیا ہے اس لیے عمرکی جو کمی دورۂ قمر کا نتیجہ تھی اب نہ ہوگی - دورۂ زحل کے متعلق خیال تھا کہ "مجدد اطوار و ادوار و مورث طول اعمار است" الغرض پہلے تو موت کے خیال کو ایک دور دراز زمانہ تک ملتوی کر دیا گیا - دوسرے اسکے بعد بھی یقین دلایا گیا کہ آئندہ بھی بادشاہ کی روح کسی ایسے ہی بادشاہ کے جون میں حلول کر گئی جیسا کہ وہ خود تھا - ان باتوں نے تناسخ پر اسکے قدم راسخ کر دیا تھا - ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بعبارت کے ترجمہ میں بیساختہ ایک قصہ کے ذکر میں میرے قلم سے یہ مصرعہ نکل گیا تھا

ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

بادشاہ نے جس وقت یہ مصرعہ سنا بگڑ گیا اور میرے اس مصرعہ کو بادشاہ نے

حمل بر سوال منکر و نکیر و حشر و نشر و حساب و المیزان و غیراں نمودہ مخالفت قرار داد و خوئیل کرد بغیر تناسخ بہیچ چیز قائل نیستند (ص۲۸۶)

منکر و نکیر و حشر و نشر و حساب و میزان وغیرہ پر محمول کر کے مخالفت قرار دیا اور خویش کر بغیر تناسخ یہ لوگ کسی چیز کے قائل نہیں (ص۲۸۶)

ملا بیچارے کی خیر نہیں تھی بارے ترجمہ کے حیلے سے رہائی ملی - عقائد کے بھی دو اہم جزو تھے اور اکبر کا اس میں یہ حال تھا - یہ وہ عقائد و عبادات تھے جو بادشاہ کرتا تھا - اور ستم ظریفی کہ باہمہ شرک اس مذہب کا نام

بتوحید الٰہی موسوم ساختند

توحید الٰہی کے نام سے اس مذہب کو موسوم کیا گیا ہے -

مریدوں سے باضابطہ اس دین میں داخل ہونے کا معاہدہ لیا جاتا تھا - سب سے پہلے جو کلمہ پڑھایا جاتا تھا وہ جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں

قرار دادند کہ بکلمۂ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ علانیہ تکلیف نمایند

حکم تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ کہنے پر لوگوں سے اصرار کیا جائے اور انکو اسکا مکلف ٹھہرایا جائے -

بہرحال جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے تھے انکو گزشتہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ نامہ کرنا پڑتا تھا - ملا صاحب نے اس معاہدہ نامہ کو بجنسہ نقل کر دیا ہے (باقی آئندہ)

مسیح الملک لباس شعر میں

(۱) خود از تذکرہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرتبہ قاضی عبدالغفار صاحب مدیر پیام)
۱۹۲۵ء میں حکیم صاحب کے کلام کا ایک انتخاب احباب کے بہت زیادہ اصرار کے بعد برلن میں طبع ہوا۔ اسکے لیے کچھ اشارات خود تحریر فرمائے تھے جو بعد کو ملے اور مقدمہ میں شامل نہ ہو سکے۔ اُن سے مرحوم کی شاعری کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ خود کس نقطہ نظر سے اس فن کو دیکھتے تھے اور کس حد تک انکا یہ مشغلہ اُنکے لیے دلچسپ تھا۔ فرماتے ہیں کہ
"اشعار اور غزل گوئی کی ابتدا صرف ایک مخصوص صحبت احباب سے تعلق رکھتی ہے جو ۱۸۹۰ء سے متعلق ہے۔ اس صحبت کے جز ولی عناصر حسب ذیل تھے :-
(۱) نواب فیض احمد خاں فیضی (۲) نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں (۳) شفاء الملک حکیم رضی الدین صاحب رضی (۴) خان بہادر غلام محمد خاں صاحب مرحوم (۵) شمس العلماء سید احمد صاحب شاہی امام (۶) مولوی حکیم جمیل الرحمن صاحب۔
اس طویل زمانہ میں کچھ تغیرات ہوئے۔ بعض دوسرے احباب بھی شامل صحبت رہے اور بعض احباب کو موت نے اس صحبت سے جدا کر دیا۔
مشورہ سخن کا تعلق نہ پہلے کسی سے تھا نہ اب ہے۔ غزلوں کا مجموعہ اس سے قبل تھا۔ ضائع ہو گیا۔ اس مجموعہ میں جیسا کہ قیاس ہوتا ہے کچھ اوسط زمانہ کی اور کچھ حال کی غزلیں ہیں۔
یہ تمام غزلیں اپنی اصلی حالت پر ہیں اور کسی کی دست اصلاح کی شرمندہ نہیں ہیں" (از لوزان۔ سوئیزرلینڈ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۵ء)
ان اشارات کے پہونچنے سے پہلے ہی "دیوان شیدا" عبرت افزہ نظر بن ہو چکا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ جو مقدمہ طبع ہوا۔ اُسکا مندرجہ ذیل اقتباس مرحوم کی شاعری پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے روشنی ڈالتا ہے۔
"ظاہر پرستوں نے شعر کی شعریت کو بھلا دیا اور اسکے پیراہن کے نقش و نگار میں محو ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہندوستان کی شاعری ایران کے آخری دور کی خوشہ چیں ہے۔ وہ قافیہ۔ ردیف۔ بحر اور وزن لیکر آئی۔ لیکن وہاں چند ہی اہل نظر ایسے تھے جو اسکی روح کا کھوج پا سکے۔ ہمارے ملک میں شاعری تہذیب مشرق کی ایک رسم اور ماثر قدر دانی کی محفل میں ایک پیشہ قرار پائی گفتگو اس پر ہونے لگی کہ کتنی مشکل زمین میں شعر نکالا، کیسا نیا قافیہ باندھا، کیسا شگفتہ مضمون لائے! اس ہنگامہ میں ہیئت معنوی معدوم ہو گئی!
محفل شعر میں میرا مذہب یہ رہا ہے۔ اپنا تو یہ حال ہے کہ عروض کا علم بحر و وزن کا نقص، بندشوں کی سستی میرے لیے ایک ضمنی چیز ہے۔ جب کوئی شعر سنتا ہوں تو اس کی طرح کو ڈھونڈھتا ہوں۔ معاذ کے اندر تک پہونچتا چاہتا ہوں جس سے یہ نغمہ نکلا ہوگا۔ علو تخیل اور کیفیت حقیقی کا پتہ لگاتا ہوں تو مجھے نافص شعر بھی عزیز ہوتا ہے۔ حسن فردتہ بار ہا کبھی کبھی معلوم ہوتا ہے

لیکن اگر یہ نہ ہو تو بندشوں کی چستی، زبان کی روانی، روزمرہ کی صفائی، قافیہ کی ندرت، یہ سب ایک ملمع ہے۔ کہیں زریں لباس پہن کر حبشی ترک کہلا سکتا ہے۔ جب یہ حال ہو وہ شخص مروجہ شاعری اور شاعروں کی سخن فہمی پر اگر دو حرف بھی لکھنا چاہے تو کیا کہئے۔
جو کوئی شعر تو شعر ایک مصرعہ بھی موزوں نہ کر سکتا ہو وہ بھی شاعر ہو سکتا ہے۔ فطری شعریت اور حقیقی کیفیت میسر ہو، تو کانوں اور قلم کی آشنائی کے بغیر وہ شاعر ہو سکتا ہے۔ یہ مختصر مجموعہ کلام جس بزرگ کا نقش تخیل ہے وہ اصطلاحاً شاعر نہیں۔ نسبتی، صفاتی اور اضافی غرض سے قطع نظر
مسیح الملک حکیم اجمل خاں عہد گزشتہ کی دلنواز وضعداریوں اور محبتوں کا تنہا ایک نمونہ ہیں۔ جنکے دم سے یادش بخیر شاہی دلی کی یاد ابھی تازہ ہے۔ اسکے خاندان نے کم و بیش تین سو برس سے جہاں آباد میں تہذیب قدیم کے بہترین نقوش کو محفوظ رکھا ہے۔ وہ محفلیں برہم ہو گئیں، وہ لوگ نہ رہے وہ علم نوازیاں اور قدر دانیاں نہ رہیں۔ خود ہی اشارہ فرماتے ہیں :

اب کہاں میکدے میں شب کی بزم آرائیاں
اک سبو باقی رہا ہے وہ بھی کچھ ٹوٹا ہوا

گو "شریف منزل" میں اجمل خاں کے دم سے ایک مختصر صحبت باقی ہے جسکے محدود دائرہ میں چند مخصوص احباب، کبھی کبھی تھوڑی اور سنجیدہ دلچسپیوں سے لطف اندوز ہو لیتے ہیں۔ اس صحبت میں علم نوازی کا مشغلہ سے یہ بھی ہے۔ مسیح الملک کی شاعری تو صرف اتنی ہے۔ عام شاعروں تک اُنکا کلام شاذ و نادر ہی کبھی پہونچتا ہو۔ صرف اسی مختصر اور محدود صحبت میں پڑھا گیا اور سننے والوں نے مزے لے لے کر سنا اور بیاضوں میں درج کیا گیا۔ بس مخصوص نیازمندوں کی یہ استدعا کہ ان پاکیزہ صحبتوں کی یادگار رقت ہو کر کم از کم احباب کے دائرہ میں تقسیم ہو جائے، بمشکل منظور ہوئی۔ بارے یہ مجموعہ تیار ہو گیا۔
تلمیح و استعارہ کی نقاب کے نیچے، شعر کے آئینہ میں شاعر کا وجود ذہنی کا عکس صحیح نظر آتا ہے۔ مضراب و تار کا تصادم، مضراب کی چوٹ، اور تار کی لرزش، موسیقی نہیں ہے۔ موسیقی صرف ہوا کا وہ ہلکا سا تموج ہے جو تاروں سے پیدا ہو کر قلب تک جاتا ہے۔ انداز بیان کی خصوصیات سے قطع نظر جس میں

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اصلی شعریت قافیہ اور ردیف کے پردوں کے نیچے ہوتی ہے جہاں شاعر کی کیفیات قلب بے نقاب ہوتی ہیں۔ میں نے حضرت شیدا کے کلام کو اسی نظر سے دیکھا ہے۔ طبیعت کی وہ پاکیزگی اور سنجیدہ مذاق زندگی جو مسیح الملک کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت ہے اُنکے کلام میں نمایاں رہی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ شاعروں کے شاعر نہیں ہیں لیکن اُنکی فطرت غالباً اس کیف و ذوق سے مالامال ہے جسکا نام شعریت اور وجدان ہے ... اور وہ ساغر کے پردہ ... خود ہی فرماتے ہیں کہ
محتسب سے ... گو ... واعظ میں
... یہ نکتہ بس ... شراب

غلو تے یا یہ کہ تا حال در دل من بشنو نہ

حرفت از رازِ محبت بہ ملا کم می زنم

یا زم نیست بگزارد فرد تن برش عنا

بہ ہما کم بیں تماشائے گلستانے کہ من دارم

اس حقیقت کو خود ہی زیادہ واضح کر دیتے ہیں

از د و دل ہر اسچہ کہ بسپر دہ شد بشعر

در گوش کن کہ گفتۂ شیدا رسالہ نیست

شعر کی تعلقت کس قدر جامہ زیب ہے - وہ کسی مخصوص زبان کا محتاج نہیں

اور پابند نے نہیں ہے

فارسی، عربی، جرمن، انگریزی، فرانسیسی، اردو، پیکر شعر پر ہر لباس موزوں ہوتا ہے - مگر اپنے وطن کا لباس موزوں تر ہے - اردو شاعری جو ہنوز ابتدائی کی کوشش میں ہے اپنے محدود قوت بیان کے باعث جذبات عالیہ کے اظہار پر اتنی قادر نہیں جتنی کہ فارسی ہے - شاعر جس قدر بلند جانا چاہتا ہے اردو کے میدان کو اپنے لیے اتنا ہی تنگ پاتا ہے - غالب کا قلم بار بار اردو کو چھوڑ کر فارسی کی طرف جاتا تھا، آخر انہوں نے اردو میں اپنی فارسی تراکیب کی مدد سے سب کچھ کہا، اتنا کہا کہ اس سے پہلے اتنا نہ کہا جا سکتا تھا - اردو میں فارسی کے پیوند لگا کر بہت آگے بڑھ گئے، پھر بھی بار بار فارسی کی طرف جاتے تھے اور جب اردو میں رکتے ہیں تو فارسی میں برس پڑتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ حضرت شیدا کے کلام کی دل آویزیاں فارسی میں کچھ گونہ زیادہ

نظر آتی ہیں - جب انکا تخیل رفعت پرواز چاہتا ہے تو ایرانی قبوس اگلتا ہے - یہ مختصر مجموعہ جو آج بہ پاس خاطر احباب طبع ہوتا ہے اپنے کاغذی پیرہن میں ایک پاکیزہ ہستی اور اسکی کیفیات معنوی کی چند تصویریں رکھتا ہے جو اہل نظر کی محتاج ہیں" ...

یہ سطور اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں جب مسیح الملک اس دنیا میں موجود تھے - اب یہ الفاظ انکی یاد کے دھندلے نقوش ہیں -

دیوان شیدا حکیم صاحب کے کلام کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ انتخاب ہے کچھ تو اس لیے کہ مرحوم نے خود اپنا بہت سا کلام ناقص سمجھ کر خارج فرما دیا تھا اور وہ اس مجموعہ میں جگہ نہ پا سکا اور کچھ اس لیے کہ انکا ایک بہت بڑا حصہ عجیب اور دلچسپ طریقہ پر ضائع ہو گیا - یہ زمانہ مرحوم کی سیاسی جد و جہد کا زمانہ تھا - جب انکو اپنی روزانہ زندگی میں اسکی خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ صبح کب ہوئی اور شام کب -

مہینے میں بلا مبالغہ دس بیس راتیں ریل گاڑی میں گزرتی تھیں اور ہندوستان کے طول و عرض میں ہنگامے سفر کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ اس طرح جاری رہتا تھا کہ مفتوں ان کے احباب یہ بھی نہ معلوم کر سکتے کہ وہ کہاں ہیں - سیاسیات میں حصہ لینے سے پہلے بھی اپنے فن کے سلسلہ میں اکثر سفر کرتے رہتے تھے -

(باقی آئندہ)

مسیح شوکت میں پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" مرشد آباد ... لکھنؤ سے شائع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ
اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

اڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت اڈیٹر کی جانب

چندہ اور انتظامی امور کے
بارے میں خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

نمبر ۱۱ | لکھنؤ - ۱۶ - شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

یورپ کے مشہور مدبر، اور پولستان کے نامور سیاسی پیڈریوسکی کے نام سے آپ اگر اخبار بیں ہیں تو کیوں نہ واقف ہونگے؟ جنگ چھڑتے ہی انکا تار سوئزرلینڈ سے گاندھی جی کے نام آیا، کہ انصاف وانسانیت کا واسطہ، ہماری اخلاقی مدد کیجیے۔ اور گاندھی جی کا جواب گیا، کہ ہم بےبس دوسروں کی مدد اور کیا کر سکتے ہیں، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اور آپ کی [illegible] روزناموں میں یہ نامہ وپیام نمایاں سرخیوں کے ساتھ [illegible] ہیں کون بزرگوار ہیں؟ پولستان کے نامور اعظم اپنے ملک وقوم کے [illegible] مدتوں وزیر خارجہ رہے، وزیر اعظم رہے، اور [illegible] کے تدبر اور انکی سیاسیات کا لوہا مانے ہوئے، سوانح [illegible] میں، کتابیں ان پر چھپ چکیں، اب کے چیدہ مشاہیر [illegible] جو تذکرے شایع ہوئے، ان میں انکا نام آچکا۔ غرض انکی سیاسی عظمت واہمیت کا سارا زمانہ قائل۔ لیکن انکا اصلی پیشہ، اور مستقل مشغلۂ حیات، سیاسیات نہیں، کچھ اور ہے۔ سیاسیات میں تو وہ گزشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں محض مجبوراً اور ضرورۃً پڑے۔ ورنہ وہ اس جنگ سے پیشتر بھی، اور اس جنگ کے آغاز کے وقت بھی کچھ اور رہی تھے — یہ کچھ اور کیا؟ جواب دائرۃ المعارف ہی کی زبان حقیقت ترجمان سے سنیے :—

"پیانو نواز ... وارسا میں تعلیم پائی، اور پیانو کی تعلیم ۱۸۶۹ء سے دینی شروع کی ... ۱۸۸۷ء میں کنسرٹ پیانو نواز کا پیشہ اختیار کیا، اور دھوم مچ گئی، کہ لیسٹ کے بعد سے آج تک اس پایہ کا پیانو نواز پیدا نہیں ہوا ... ۱۹۰۱ء میں اس نے امریکہ میں اپنے نام پر ایک فنڈ امریکی نغمہ سازوں کے لیے کھولا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۸، صفحہ ۱۶۹۶)

"پیانو نواز اور نغمہ ساز ... موسیقی کی تعلیم زیادہ تر وارسا، برلن اور ویانا میں پائی۔ اور مشہور پیانو نواز لیشیٹزکی کی شاگردی حاصل کی۔ پبلک کے سامنے پہلی بار ویانا میں آیا، اور پیرس میں ۱۸۸۹ء میں اور لندن میں ۱۸۹۰ء میں۔ اور اسکے باجوں نے وہ دھوم مچا دی کہ ملک کے ملک اسیر ہوگئے، اور یہی حال امریکہ میں ۱۸۹۱ء میں ہوا۔ رفتہ رفتہ پیانو نوازی کے حلقہ میں ضرب المثل ہوگیا، اور خلقت اس پر لٹو ہوگئی۔" (انسائیکلوپیڈیا امریکانا، جلد ۲۰، صفحہ ۳۴۴ طبع بار دوم)

"...... پیڈریوسکی کو جو بے مثال کامیابی بحیثیت پیانو نواز ساری دنیا میں حاصل ہوئی، اس نے اسکو اپنے ملک کی عزت سے غافل نہ کیا۔" (ایضاً، جلد ۲۱، صفحہ ۲۲۱ طبع چہاردہم)

یہ ہے "پیانو جی" کا اعزاز، دشمن حیاؤں کی دنیا میں، اور ایک گویے کا مرتبہ لندن اور پیرس اور نیویارک، اور ویانا میں! یہ قدردانی وعزت افزائی بجا ہے یا بیجا، صحیح ہے یا غلط، یہاں ذکر اسکا نہیں، سوال صرف اسقدر ہے کہ آپ کے دمشق اور بغداد، دہلی اور لکھنؤ کی سرکاریں بھی تو گانے بجانے کی بڑی قدرداں رہ چکی ہیں، اور شاہانہ خزانے گویوں اور رنڈیوں کے پیچھے لٹا چکی ہیں، مگر آپ کے ہاں بھی ایسا

"پیا نوں" کی طرح کبھی کسی نبی کو یہ درجے اور یہ مرتبے حاصل ہوئے ہیں؟ آخر دین محمود اور اورنگ زیب جیسے خشک زاہدوں کو چھوڑیے، رنگین مزاج جہانگیر کے زمانہ میں بھی کوئی ڈوم، کوئی ڈھاڑی، کوئی سازندہ، وزیر سلطنت گزرا ہے؟ محمد شاہ "رنگیلے" کے عہد میں، وقت کے کوئی تان سین کوئی تان رس خاں، اس سیاسی اہمیت و عظمت کے اہل سمجھے گئے؟ واجد علی شاہ "جان عالم" کے دور میں کوئی گویا، کوئی تماشہ گر، کوئی ناچنے والا اس اعزاز کو حاصل کر پایا؟ —— مشرق مشرق ہے، اور مغرب مغرب!

کام کی رفتار

قرآن پاک کے انگریزی شرح و ترجمہ پر نظر ثانی کا کام، بحمد اللہ حسب توقع پچھلے مہینہ ختم ہو گیا۔ اب منزل دیباچہ لکھنے اور سارے مسودہ کے ٹائپ شدہ اجزاء کی تصحیح و مقابلہ کی ہے۔ دیباچہ گو مختصر ہوگا، اور اس میں سارے تعلیمات قرآنی پر بحث کے صرف مشکلات مترجم و محشی کا ذکر ہوگا، تاہم کچھ وقت لگیگا۔ ٹائپ کا کام بھی، کوئی مستقل و ہمہ وقتی ٹائپسٹ نہ ہونے کے باعث، آہستہ ہی آہستہ ہو پائیگا۔ پھر ہاتھ کے نہ آنے کے سلسلہ میں، راقم سطور کے پیہم قیام لکھنؤ سے جو ہرج اوقات ہو رہا ہے، وہ اسکے علاوہ۔ بہرحال خدا کے کریم کی کریمی ہے، کہ زیادہ کٹھن مرحلے اب گزر چکے ہیں۔

پچھلے مہینہ رقم ذیل کی شرکت قبول کی گئی۔

۱۳- ستمبر ایک مخلص قدیم (از علاقہ بمبئی) صہ

"متن آزادی" کی شرح

مخالفہ بے نسواں نہیں، حامی نسواں

مشہور زنانہ رسالہ عصمت (دہلی) میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

"آکسفورڈ کی طالبات جو یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں، زیادہ آزادی کی طالبگار ہیں۔ انھوں نے ایک فہرست مطالبات تیار کی ہے، جس میں درج کیا ہے کہ انھیں رات کے بارہ بجے تک بغیر اجازت کے بورڈنگ سے باہر رہنے کا اختیار ہونا چاہیے اور ان سے یہ نہ پوچھا جائے کہ وہ اس وقت تک کہاں رہیں۔ انھیں اس بات کا بھی اختیار ہو کہ وہ کھانے کے وقت تک، اپنے کمرے میں مرد ملاقاتیوں کو بلا سکیں، اور اسکے لیے انھیں اجازت کی ضرورت نہ رہے۔ کالج میں دعوتوں کے موقعوں پر انھیں شراب وغیرہ منگانے کی اجازت ہو۔ لڑکوں کی طرح وہ بھی باہر جہاں چاہیں رہیں، خاص قسم کے بوڈنگوں کی پابندی ان سے بھی نہ کی جائے، جس طرح لڑکوں کے ساتھ اس قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ اپنے کھیل ڈراموں میں وہ لڑکوں کو بلائیں، اور وہ انکے کھیلوں میں شریک ہوا کریں" (ستمبر نمبر صفحہ ۱۱۱)

تہذیب، "آزادیٔ نسواں" کا مفہوم، اب بھی جس کی سمجھ میں نہ آئے، اسے کون سمجھا سکتا ہے؟ —— "آزادی" ذرا اٹھنے بیٹھنے کی، "آزادی" عصمت لٹا بیٹھنے کی۔ شاعر نے کہا تھا

تیری نگاہ و شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

وقت آگیا ہے، کہ مصرعہ میں "شرم" سے مراد بے شرمی لیجیے۔ "نگاہ و شرم" تو خود اب عنقا ہو چکی۔ اور نفس کی آرزو جو کچھ بھی تھی،

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید!

نئی کشمکش

"امریکہ سے خبر آئی ہے کہ وہاں کی مختلف قانون ساز مجلسوں میں کوئی ۲۸ مسودات قانون اس مضمون کے درپیش ہیں، کہ شادی شدہ عورتوں کو جنکے شوہر روزی سے لگے ہوئے ہیں، ملازمت سے ممنوع قرار دیا جائے۔ اب بحث اس میں ہے کہ شوہر کی کمائی آمدنی کا معیار کیا ہو؟ کسی ریاست میں اسکی مقدار ۶۰۰ پونڈ سالانہ قرار دی جا رہی ہے، کسی میں ۴۰۰ پونڈ، اور کسی میں ۱۶۰ پونڈ۔ اگر یہ قانون نافذ ہو گیا، تو اندازہ ہے کہ ۱۰ لاکھ جگہیں مردوں اور بن بیاہیوں کے لیے نکل آئینگی۔ چنانچہ بن بیاہیوں کی طرف سے اسکی پرزور تائید ہو رہی ہے۔ اسکے جواب میں ایک شادی شدہ خاتون یہ تجویز پیش کر رہی ہیں کہ جن شوہروں کی بیویاں کافی کما رہی ہیں، خود انکے شوہروں کو ملازمت سے ممنوع قرار دیا جائے"

(اسٹیٹسمین ۱۰ ستمبر ۱۹۳۹ء ملخصاً)

گویا اب صورت حال یہ ٹھہری، کہ جنگ کے ایک فریق میں کل مرد، اور دوسرے فریق میں کل عورتیں۔ پھر عورتوں میں بھی ایک طرف میں کل بیاہی ہوئی، اور دوسری طرف میں کل بن بیاہی! اور پھر بہت سے مرد اپنی بیویوں کی حمایت میں صرف بن بیاہیوں سے لڑینگے، اور بہت سی بیاہی ہوئی عورتیں اپنے مردوں کی حمایت میں بن بیاہیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہونگی، تاکہ مرد و عورت، بیاہے اور بن بیاہے، بیاہی اور بن بیاہی، سب مل کر ایک دوسرے کے منہ سے لقمہ چھینیں! —— کیا خوب ہے یہ نظام تمدن، اور کیسا پاکیزہ اور بابرکت ہے یہ فلسفہ معاشرت!

لیکن خبر ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آخری ٹکڑا بھی تو سن لیجیے:

"یہ یقینی ہے، کہ امریکہ اب بھی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے، جو سمجھتے ہیں کہ عورت کا دائرہ عمل گھر کے اندر ہے۔ وہ عجب نہیں کہ ہٹلر اور مسولینی کے ان رجحانات نے کہ عورت کے لیے کوئی مقام باہر کی زندگی میں نہیں بلکہ صرف خانگی زندگی میں ہے، امریکہ کے باہر کی دنیا کو بھی کچھ نہ کچھ متاثر کر لیا ہو"

یہ دانش بدبخت و ناقص عقل، دل کو آخر سوجھی کیا ہے، کہ بیٹھے بٹھائے اپنی تہذیب بھیجکر سنجیدگی کی حدتیں خیالی بنا ڈالیں، اور معاشرتی ترقی منقلب کر دینے ہیں!

شکر کا اقرار

"ہم امید کرتے ہیں کہ میرا اگلا سب رسالہ (یعنی مسائل جنگ یورپ) پر نہ صرف محدود ملکی زاویۂ نظر سے نہیں، بلکہ وسیع تر بین الاقوامی اور عالمی نقطۂ نظر سے کرے گا"

جواہر لال نہرو نے ۸ ستمبر کو رنگون سے اپنے ایک بیان میں کہا، اُس گروہ کے سردار دوسرے نمبر نے کہا، جو ابھی کل تک لعنت ملامت مسلمانوں پر کر رہا تھا، کہ وہ فرقہ پرست کیسے تنگ نظر اور ذمہ دار ہوتے ہیں، کہ ہندوستان کے معاملات و مسائل میں ذکر ٹرکی اور عراق اور مصر اور افغانستان اور ایران اور مراقش اور بخارا اور حجاز اور شام اور فلسطین کا لے آتے ہیں! —— خدا کی قدرت ہے کہ جس اُستاد نے دنیا کو سب سے پہلے "انٹرنیشنلزم" کا سبق پڑھایا، جس نے سب سے پہلے اقوام عالم کو عالمیت کی اصطلاح سے آشنا کیا، جسکا نقطۂ نظر ہی سرے سے بڑے چھوٹے ہر معاملہ میں عالمی اور عالمگیر ہے، اُسکے سامنے اس معلوم و معروف حقیقت کا اظہار اس شان و انداز سے کیا جا رہا ہے، کہ گویا یہ بیسویں صدی کی سیاسیات کا تازہ ترین اجتہاد و انکشاف ہے!

آنکس کہ گفت قصۂ ما ہم ز ما شنید!

نئے صاحبقراں

تحریک "خاکسار" پر مفصل اور واقفانہ

ابھی صدق میں شایع ہونے بھی نہ پایا تھا کہ خود بانی تحریک سے متعلق شنید نہیں "دید" کی، اور روایت کی نہیں مشاہدہ کی نوبت نصیب ہو گئی۔ "علامہ" "زنامہ" بقلم خود، لکھنؤ تشریف لائے، تو اس گرج اور کڑک کے ساتھ، کہ گویا یہ انگلینڈ کے آسمان پر منڈلانے سیکڑوں بمبار طیارے یکبارگی وقت چھا گئے ہیں! ایک گنہگار بستی کو جس جس کر ڈالنے کو صاعقۂ آسمانی نمودار ہوا ہے! اتفاق سے مدیر صدق لکھنؤ میں موجود تھا، اور مشاہدہ کا موقع بہت قریب سے ملا۔ "خاکسار" کیمپ میں بھی گشت رہا۔ دو زبردست "خاکسار" نوازوں کی معیت میں، اور خود "علامہ" دوراں کی بارگاہ عالی میں دو گھنٹے تک باریابی رہی، ایک "خاکسار" نواز عزیز کی رفاقت میں۔ اور پھر ڈراما کا وہ آخری منظر بھی دیکھنے میں آیا، جب حضرت "علامہ" سرکار بہادر کی خدمت میں توبہ نامہ داخل کر کے لکھنؤ اس طرح چھوڑ رہے تھے، کہ گویا اس خاکستر میں لیس چنگاریاں تک نہ تھیں! اور انکی "جنت شداد" ساری کی ساری، دم کے دم میں نسیاً منسیاً! فارسی کا وہ مشہور شعر تھوڑے سے تصرف کے بعد پڑھ لیجیے ؎

بیک جنبش خامۂ "قادری"
نہ پیچہ بجا ماند و نے "مشرقی"

("قادری" صاحب وہ مجسٹریٹ ہیں، جنھوں نے وارنٹ دکھا، "علامہ" کو گرفتار کیا تھا)۔ بچپن اپنے قصہ کہانیوں میں پڑھا تھا کہ فلاں ساحر نے دم بھر میں ایک سربفلک عمارت کھڑی کر دی، اور فلاں عامل نے اُسے آناً فاناً ہست سے نیست کر دیا۔ کون جانتا تھا کہ یہ جھوٹ بھی سچ ہو کر رہیگا! آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، اور دل کی آنکھوں نے جو کچھ پایا، ممکن نہیں کہ اُسکی تفصیل ایک آدھ نوٹ میں بیان ہو سکے۔ باہر سے مضمون پر مضمون، خاکساریت اور مشرقی دونوں کے رد میں مدیر صدق کے پاس چلے آ رہے ہیں، اور اُن میں حوالہ ہیں مشرقی کے فلاں رسالہ اور فلاں مقالہ کے۔ لیکن یہ ساری تحقیق و تدقیق بے ضرورت ٹھہر جاتی ہے، جب خود اس صاحبقران وقت کو پڑھ لیا جائے!

جسے بدتری نصیب ہو، وہ نصیب لائق دید ہے!

عقائد کی بحث چھوڑیے، فہم قرآنی کا سوال الگ رکھیے، کہ ان میں سے کون سا راز اب سربستہ ہے؟ لیکن اتنا خیال تو بہرحال تھا کہ بانی تحریک ایک عالی دماغ، باہمت انسان ہوگا، اور اعلیٰ تنظیمی قابلیت اور جرأت کا حصہ دار۔ یہ اندازہ تو اب جا کر ہوا کہ یہاں ہر خانہ کی خانہ پُری کے لیے اعتماد صرف پروپگنڈا کی قوت پر، اور یہ کہ سارا دفتر "خاکساری" غالب کے اس ایک شعر کی شرح ؎

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں!

—— تعلی اور رجز خوانی یقیناً دور جاہلیت کے بے پناہ حربے ہیں، لیکن ان میں بھی حدود کا لحاظ تو چوراہے کے اشتہاری دوا فروش تک رکھ لیتے ہیں! قیام لکھنؤ، گرفتاری، توبہ نامہ، رہائی، شرائط رہائی کی جو روداد "ادارۂ علیہ" کے ترجمان الاصلاح میں شایع ہوئی ہے، اسکے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ "داستان امیر حمزہ" تصنیف کر ڈالنے والے دماغ اب دنیا سے ناپید ہو گئے ہیں؟ یقیناً وقت کے صاحبقراں کو حق حاصل ہے کہ ایک جدید فن حرب وضع کر لے، اور اس سے زیادہ دلچسپ، جنگ کی حکمت عملی ہر جہ علمبرداری اور کیا ہو سکتی ہے، کہ ہر مہم کے سر کرنے کے لیے محض الفاظ کا لام باندھ دینا کافی سمجھ لیا جائے؟

سنیما کے برکات

مسٹر ایڈورڈ وہائٹ، ایم اے، ایف آر جی،

انکا شمار انگلستان میں ابتدائی تعلیم کے ماہرین میں ہے۔ اسکولی چھٹیوں کے موضوع پر ایک تازہ مضمون میں لکھتے ہیں، کہ اسکولی تعطیلات کے زمانہ میں، لڑکوں کا وقت جہاں اور طریقوں پر برباد ہوتا ہے، غذا مفید و صالح نہیں ملتی، سونے کو رات میں بہت دیر میں ملتا ہے، وغیرہ وغیرہ، وہاں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ

"اسکولوں کے زمانہ میں تو اکثر صرف انھیں فلموں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے، جو پہلے سے منتخب ہو رہے ہیں۔ لیکن ادھر لڑکے تعطیلات میں گھر پہنچے، کہ اُدھر ماں باپ نے بے لاڈ پیار کے ایسے فلموں کے دکھانے کی بھرمار کر دی، جو سر تا سر مضر اور ہیجان جذبات کے باعث ہوتے ہیں۔"

(ہندو، مدراس، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۹ء)

یہ وائٹ صاحب کبھی کچھ سادہ لوح معلوم ہوتے ہیں۔ لڑکوں نے اگر سنیما ہاؤس جا کر بھی صرف اصلاحی اور تعلیمی فلمیں دیکھیں، تو سنیما اور مدرسہ میں آخر فرق ہی کیا رہا؟ اگر "تھیٹر" جا کر بھی درس و تدریس کا ماحول قائم رہا، تو اس سے تو محض وعظ میں چلا جانا بھلا! جب تک یہ نہ دیکھا کہ اپنی عزت کیسے گنوائی، اور دوسرے کی عزت کیسے اُتاری جاتی ہے، تجوریوں کے قفل کس صفائی سے توڑے جاتے ہیں، ڈاکے کس ڈھٹائی سے ڈالے جاتے ہیں، مکان کس "بہادرانہ" پھرتی سے پھاندے جاتے ہیں، ہر ہر جرم کس کس چالاکیوں سے کیا جا سکتا ہے، جذبات جوانی کس طرح قبل از وقت بیدار کیے جا سکتے ہیں، عشق و عاشقی کے ...

ایک لے بعد ایک، کس مناسبی اور حسن ادا سے بے جا سکتے ہیں، جب تک یہ سب کچھ خوب اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا، تو دیکھا ہی کیا؟

شوہر پرستی بیسویں صدی میں

"لاہور، ۶ ستمبر۔ شیخوپورہ سے اطلاع ملی ہے کہ ایک نئی دلہن نے اپنے شوہر کے قتل کا بڑی بہادری سے انتقام لے لیا۔ بیان یہ کیا جاتا ہے، کہ میاں بیوی شیخوپورہ گوجرانوالہ سڑک پر فٹن میں سوار، اپنے وطن جا رہے تھے، جب جنگل میں پہنچے، تو ایک شخص نے شوہر پر یکایک کرپان سے حملہ کرکے اُسے ختم کر دیا۔ اور اسکے بعد دلہن سے، جو کوئی تین ہزار کی مالیت کا زیور پہنے تھی، یہ خواہش کی، کہ اب میری بیوی بن جاؤ۔ عورت نے ہامی بھر لی، اور اسکے ساتھ چلی۔ کچھ دور چل کر مرد کو پیاس لگی اور وہ نہر پر پانی پینے کو چلا، ادھر وہ نہر پر پانی پینے کو جھکا، اُدھر عورت نے پھرتی کے ساتھ اُسی کا کرپان چھین کر اُس پر اس تیزی سے وار کیا کہ فوراً اُسکا سر کٹ کر گر گیا۔ اسکے بعد خود جا کر پولیس میں رپورٹ کردی۔ بیان ہے کہ اُسکو دو سو کا انعام اس جوانمردی پر ملا"

(اسٹیٹسمین، دہلی، ۸ ستمبر ۱۹۳۹ء از نامہ نگار خصوصی)

یہ اخبار، اور اُسکے وقائع نگار، دونوں عجیب "دنیا نوسی" معلوم ہوتے ہیں۔ اس دورِ تجدد میں نشر و اشاعت ایسی خبروں کی کرنے کے لیے اُٹھے ہیں! یہ کبھی کوئی ہندوؤں کا "ست جگ" اور مسلمانوں کا دورِ خلافت راشدہ ہے، کہ قدرِ عورت کے جذبہ شوہر پرستی کی کی جائے! خبر کا خلاصہ بس اسی قدر ہے نہ، کہ عورت نے اپنے مرے ہوئے شوہر کے پیچھے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا؟ اس میں بات ہی ایسی کون سی تھی، کہ اس خبر کو چھپایا جائے، پھیلایا جائے؟ اور پھر وہ عدالت، جس نے عورت کو خواہ مخواہ انعام دلایا، اسکی بے محل فیاضی نے تو گویا تاریک خیالی کے نوشتہ پر مہر ہی لگا دی!

آخری چارۂ کار

معاصر زمزم (لاہور) نے عربی اخبارات کے حوالے سے یہ اطلاع درج کی ہے کہ حکومت فرانس نے اپنی آبادی کے خوفناک انحطاط کو دفع کرنے کے لیے لائحہ عمل حسب ذیل اختیار کیا ہے:-

(۱) شادی شدہ جوڑوں پر ۵ کروڑ فرانک خرچ کیے جائیں، اور ہر جوڑے کی امداد اولاد کی تعداد کی مناسبت سے کی جائے۔

(۲) تازہ شادی شدہ نوجوانوں کو ۱۵ ، ۲۰ ہزار فرانک کی رقم قرض دی جائے

(۳) شہری اور دیہاتی خاندانوں کی امداد، بچوں کی مناسبت سے کی جائے۔

(۴) انتخابات میں والدین کے ووٹ، بچوں کی تعداد کے مطابق شمار کیے جائیں۔

(۵) منع حمل کا پروپیگنڈہ روک دیا جائے۔

یہ لائحہ عمل فرانس اختیار کر رہا ہے! جی ہاں، فرانس ۔۔۔ فرانس جو شاید روس اور امریکہ کے بعد آزادیٔ نسواں کا سب سے بڑا ۔۔۔ اور منع حمل کا سب سے بڑا نقیب! ۔۔۔ سیاسیات میں ہمارا ۔۔۔ ہے، جرمنی اور اٹلی سے، توپ و تفنگ کی ٹکر لیکن معیشت میں مجبور ہیں

کے طرز عمل کی تقلید، حقائق کے ٹھوس چٹان سے سر ٹکرا کر، کیسے کیسے سرکشوں کو بالآخر سرنگوں ہونا پڑتا ہے؟ ۔۔۔ ترزوجوا الودود الولود کے حکیمانہ ارشاد پر بہت دن ہنسی ہو چکی، اب وقت آگیا ہے کہ خود ان ہنسنے والوں کی عقل و دانش کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے!

خدا پرستی اور تعلیم

"تعلیم کا معیار آج بہت ہی پست ہو گیا ہے، اور آج جو خانگی اور اجتماعی زندگی کی حالت زار ہے، اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ خدا کو بھول چکے ہیں۔ چنانچہ آج مذہب کی بالکل خارج تعلیم و تدریس ہمارے اداروں میں کہاں ہے؟ ۔۔۔ آج عین اُسوقت جبکہ جنگ کے درندے دنیا پر چھوٹ چکے ہیں، مبارک ہے یہ دن جب ہم امن و سکون کی فضا میں اکٹھے ہوئے ہیں گو توپوں کی حفاظت میں، اور قوم پر لبیک تحسین کا اظہار کر رہے ہیں۔ انسان اپنی والی کچھ بھی کوشش کر ڈالے، بہرحال اُس پر بہیمیت اور درندگی غالب ہے، اور جنگ کا وہ تریعی بھی ہے، یہ قوت صرف روحانیت میں ہے، کہ وہ بشر کے حیوانی جذبات کو دبا دے۔ اور آج جنگ جو اس تیزی سے چھڑ گئی ہے، اسکا باعث میرے خیال میں تو یہی ہے، کہ اعلیٰ ملکوتی جذبات افراد و اقوام، مدبرین و سیاسیین کی زندگیوں سے مفقود ہو گئے ہیں" (ہندو، مدراس، ۴ ستمبر ۱۹۳۹ء)

الفاظ صوبۂ مدراس کے وزیر تعلیم کے ہیں، جو مدراس کرسچین کالج کے جلسۂ تقسیم انعام کے موقع پر، علاوہ افتتاحی کے بعد ایک تقریر میں بولے گئے۔ خدا کے نام کی بھی اہمیت، مذہبی تعلیم کی بھی ضرورت، ہمارے کسی مدرسہ کے صدر یا ناظم کی زبان سے بیان ہوئی ہوتی، تو اس پر کتنے آوازے تنگ نظری، اور ملائیت کے، خود ہمارے ہی روشن خیالوں کی طرف سے ابتک بلند ہو چکے ہوتے!

"احمدیت" اور اسلام

"غور کیجیے کہ عقائد تو وہ درست ہونگے، جو قرآن و حدیث کے مطابق ہوں۔ ہم میں اور آپ میں عقائد کا کیا فرق ہے؟ خدا کی توحید کے آپ بھی قائل ہیں، ہم بھی۔ قرآن کے من جانب اللہ ہونے کے آپ بھی قائل ہیں ہم بھی۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کے آپ بھی قائل ہیں، ہم بھی۔ اصولی طور پر تو یہی باتیں ہیں، اور یہی عقائد اسلامی کی بنیاد ہیں"

یہ وہ الفاظ ہیں، جو جماعت "احمدی" (لاہوری) کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمائے ہیں۔ جنکے اس خیال کی تردید میں، کہ لاہوری "احمدی" عقائد میں گمراہ ہیں، گو کام کے اعتبار سے ایک بہترین کارکن و فعال جماعت۔ لیکن گزارش یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ و مسلمات پر یہ اجمالی ہم عقیدگی پختہ و کامل مسلمان بنانے کے لیے کافی ہو، تو پھر اسلام کے اندر گمراہ فرقوں اور جماعتوں کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ اور اُنکے وجود سے تو یقیناً آپ بھی منکر نہیں۔ کیا آپ شیعہ اور معتزلہ اور اہل بدعت، و اہل القرآن کو اہل سنت ہی کی طرح کامل الایمان مسلمان سمجھتے ہیں؟ اور جب کلمہ گوئی کے باوجود اہل قبلہ کے اندر یہ تفریق آپ نے تسلیم کر رکھی

ہے تو کیا وجہ ہے کہ خود اسی معیار پر آپ کو بھی نہ پکڑ لیا جائے؟ کیا آپ اس شخص کے ایمان کو بغیر تامل تسلیم کر لینگے، جو اجمالاً توحید باری کا قائل ہے، لیکن تفصیل میں آکر خدا کے معنی علت العلل سے زیادہ نہیں لیتا؟ یا رسولؐ کی رسالت کا اجمالاً قائل ہے، لیکن وحی کی شرح یہ کرتا ہے، کہ وہ شاعری کی طرح ایک اندرونی ملکۂ اخلاقی کا نام ہے؛ یا جزا و سزا کا قائل ہے، لیکن یہ بھی کہے جاتا ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی دوسرا عالم نہیں، جزائے اعمال یہیں مل جاتی ہے؟ و قس علیٰ ہٰذا۔ عقائد کی گمراہی کی تو کوئی ایک دو صورتیں نہیں، پچاسوں، سیکڑوں نکلتے ہیں، یہ گمراہیاں فرق باطلہ میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے:-

"کیا یہ ممکن ہے کہ جس جماعت کا قدم دین کی خدمت اس کی حفاظت اور تبلیغ میں سب سے آگے ہو، اور اس غرض کے لیے وہ اعلیٰ درجہ کی قربانیاں کرے، وہ عقائد میں گمراہ ہو، یا صحیح عقائد سے عداوت رکھتی ہو؟ .... کیا یہ ہو سکتا ہے کہ صحیح عقائد سے غلط اعمال پیدا ہوں، اور غلط عقائد سے اعلیٰ درجہ کے اعمال؟ .... کیا کبھی آم کے درخت پر تھوہر کا پھل دیکھا ہے، یا تھوہر کے درخت پر آم دیکھے ہیں؟"

جی ہاں! بارہا دیکھا ہے، ہر ملک اور ہر زمانہ میں دیکھا ہے۔ کیا آپ نے نہیں ملاحظہ فرمایا کہ آج آپ کی نظروں کے سامنے، ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، ہزارہا شیعہ، تعلیم یافتہ اور طبقۂ ادنیٰ کے بھی، اپنا سارا عیش، تبرے کے پیچھے چھوڑ چھاڑ جیل چلے گئے؟ بیوی بچوں کو چھوڑ کر، ماؤں بہنوں اور بھائیوں سے لڑ کر قربانیاں کم پیش کیں؟ ابن ملجم نے اپنی جان تک اپنے غلط عقیدۂ خارجیت کے لیے نذر کر دی۔ انارکسٹ اور انقلابی گروہ، ہر جگہ اپنی جان کی بازی لگائے ہوئے ہے۔ مثالیں کہاں تک عرض کی جائیں۔ مقصد گزارش یہ ہے کہ جوش عمل و ولولۂ حدت ہرگز کسی عقیدہ کی صحت کا معیار نہیں۔ اور جب گفتگو عقائد کی صحت و غلطی کے باب میں ہو، تو اس پر ایثار، اخلاص، و ولولۂ عمل سے دلیل لانا، خطیبانہ حیثیت سے جو مقام بھی رکھتا ہو، منطقی حیثیت سے تو محض مغالطہ ہے۔

میٹھی چھری

"انگلستان میں شارع عام پر چلنا اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جتنا ہندوستان کے جنگل میں ہو کر گزرنا۔ ہماری سڑکوں پر چلنے والے جو حوادث کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ زخمی اور مردے ملا کر انکا اوسط کوئی ۲ لاکھ سالانہ ہوتا ہے!

اور تو اور، ابھی قلمونیہ (اسپین) میں جو جنگ برپا رہی اس میں بھی اتنے لوگ نہیں کٹے مرے جتنے مساوی زمانہ میں شہر لندن اور اسکے مضافات کی سڑکوں پر ختم ہوئے!" (ریجنالڈ ربنالڈز، ابزرور، ۲۰ اگست ۱۹۳۹ء)

یہی بات اگر کوئی مشرقی، سادہ زبان میں آپ سے کہہ دیتا، کہ: ایں ہمہ نظم و انتظام، امن و امان، لندن کی سڑکوں پر روز روشن میں چلنا پھرنا اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کہ آدمی صوبہ متوسط کے خوفناک جنگلوں کے درمیان شب بسر کرے، تو آپ کہنے والے کو پاگل سے کم نہ سمجھتے۔ لیکن اب تو اولاد کی زبان سے آپ نے سن لیا، کہ جنگل کے شیر اور بھیڑیے، ریچھ اور درندے سے کہیں بڑھ کر، بلکہ یوں کہیے کہ چوگنی تعداد میں ہولناک اور قیامت خیز، موٹر اور موٹر سائکلیں، ٹرام، بسیں اور ٹیکسیاں ہیں! اتنا ہی نہیں، بلکہ (اسپین کے حوالہ سے) توپ اور بندوق، مشین گن اور ہوائی بم سے بھی ہلاکت تر!۔۔۔۔ یہ سب جان کر اور سن کر بھی آپ اس میٹھی چھری کو کلیجہ سے لگائے رہیں گے؟

ترقی کی منزلیں

سنڈے اسٹیٹسمین نے ۲۷ اگست کو اپنا ایک زنانہ اڈیشن شائع کیا۔ اس میں ایک مضمون لیڈی ہیگ صاحبہ (گورنر صوبہ متحدہ کی لیڈی صاحبہ) تحریر فرماتی ہیں:-

"لوگوں کو خبر نہیں کہ ہندوستان کی عورت کس تیزی کے ساتھ منزل آزادی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جن گھرانوں میں آج سے پندرہ سال قبل لڑکیوں کے لیے سخت پردہ کی پابندی تھی، وہیں آج ایسی خواتین ملینگی، جو نہ صرف سوسائٹی اور کلب کی زندگی میں پورا پورا حصہ لے رہی ہیں، بلکہ سوشل خدمت اور رفاہ خلق کے کام میں بھی شریک ہیں۔ مختلف زنانہ کمیٹیوں کی ممبری، زنانہ جیل کی وزٹری، زنانہ اسپتالوں کی خدمت، گرل گائڈ کمپنی کی افسری کے علاوہ، مباحث عامہ میں پوری پوری شرکت وغیرہ"

لیکن لیڈی صاحبہ معاف فرمائیں، ابھی ان ترقیوں کی منزل ذرا دور ہی ہے، جو انکی ہموطن بہنیں حاصل کر چکی ہیں۔ ابھی مشرقی یا ہندی عورت نے سیاسی جلسوں میں گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکنے کہاں سیکھے ہیں؟ ابھی طلاق و خلع کی عدالتی کاروائیوں کی وہ گرم بازاری کہاں پیدا ہوئی ہے؟ ابھی اسنے آزادانہ بد وضعی اور کھلے خزانے بدکاری کے وہ حقوق کہاں حاصل کر لیے ہیں؟ اور جب تک یہ ساری منزلیں نہ طے ہو لیں، اسے ترقی یافتہ ہونے کا سرٹیفکٹ دے دینا کچھ قبل از وقت ہی سا معلوم ہوتا ہے!

علیگڈھ اور بنارس

بنارس - پہلی خبر ۲۷ اگست کی ہے، کہ پنڈت مدن موہن مالوی، ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر اپنی بیس سال کی مسلسل وائس چانسلری کے بعد، خرابی صحت کی بنا پر از خود مستعفی ہو رہے ہیں، اور اپنی جگہ پر ہندو دنیا کے مشہور فلسفی سر رادھا کرشن کا نام پیش کر رہے ہیں۔ خیال ہے کہ ان کا مقابلہ راجہ جوالا پرشاد، پرو وائس چانسلر اور ڈاکٹر کنھیا لال (سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد) سے ہوگا۔

دوسری خبر ۳۰ اگست کی ہے، کہ مقابلہ کی خبر بے بنیاد ہے۔ بلا انتخاب بلا مقابلہ ہو رہا ہے۔

تیسری خبر ۷ ستمبر کی ہے، کہ مالوی جی کی تحریک و ایما سے جوالا پرشاد کی امیدواری سے، سر رادھا کرشن بالاتفاق وائس چانسلر منتخب ہو گئے!

جی، وہ بھی کوئی آپ کی مسلم یونیورسٹی تھی، کہ ایک عہدہ خالی ہوا تو اسکے لیے چار چار اُمیدوار اُٹھ کھڑے ہوں، اور آپس میں وہ کشاکش ہو، کہ دارالعلم میں دنگل کا لطف آجائے! یہاں ایک مولوی جی، شروع سے آخر تک وائس چانسلر چلے آئے۔ یہ نہیں ہوا کہ آج اگر سر علی محمد خاں والیِ محمود آباد ہیں، تو کل نواب مزمل اللہ خاں، اور پرسوں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں۔ اور پھر قوم اُن سے اُکتا ئی، تو سر شاہ سلیمان، اور پھر سر راس مسعود، اور ان سے بھی چند روز میں جی بھر گیا، تو نواب محمد اسمٰعیل خاں اور پھر ڈاکٹر ضیاءالدین احمد، پھر اسکے بعد پھر سر شاہ سلیمان! علیگڈھ کی عمر بھی آخر بارس ہی کی اتنی ہے، پھر دیکھ لیجیے، کہ وہاں کیسا میرہے، سکون ہے، نظم ہے، اور یہاں کیسا ہر روز نیا غوغا، ایک نیا ہنگامہ، ایک نئی شورش! کیا مولوی جی کی ذات سبحے عیب ہے؟ کیا اُنکا بست سالہ دور بے عیب رہا؟ کیا اُن کے زمانہ میں غبن تک کے واقعات پیش نہیں آئے؟ اس پر بھی نہ اسکے خلاف پمفلٹ بازی اور پوسٹر سازی شروع ہوئی، نہ وہ غدار، خائن اور قوم فروش کہلائے، اور نہ اخبارات نے انکیس دھریا! —— یہ سارے فخر تو آپ ہی کا حصہ ہیں —— اور پھر ۲۰ سال کے بعد، جب طبعی معذوریوں کی بنا پر ہٹنے لگے، تو سبکو بچا لیا، خاموشی سے اپنا جانشیں بنا کر ہٹ گئے!

روشن خیالوں کی ”رجعت“

ڈاکٹر میرین، ای، میلنزی اپنے ایک مقالہ کے آغاز میں لکھتی ہیں:—

”یہ بات بارہا میرے تجربہ میں آچکی ہے، کہ جو عورتیں زیادہ بچے بچیاں رکھتی ہیں، وہ یہی نہیں کہ نسبۃً زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں، بلکہ عموماً کہیں زیادہ مطمئن زندگی رکھتی ہیں، اور کہیں زیادہ کمسن معلوم ہوتی ہیں، بمقابلہ اُن عورتوں کے جو بے اولاد ہوتی ہیں، اور جنھیں دنیا سے کوئی حقیقی وابستگی نہیں ہوتی“ (ہندو۔ ۲۷ اگست ۳۹ء)

یہ کثرت اولاد کے محاسن وفضائل، دینی و اخلاقی نہیں، خالص طبی و جسمانی حیثیت سے، عورت کے حق میں، ایک فرنگن لیڈی ڈاکٹر کی زبان سے عین اُسوقت بیان ہو رہے ہیں، جب ہمارے ملک کے اچھے اچھے پختہ کار و کہنہ مشق اطبا و یونانی ثکت برتھ کنٹرول“ کی رو میں بہ گئے ہیں، اور اپنے طبی رسائل و جرائد کے خصوصی نمبر، عقم اختیاری اور عقر الکتابی کی لعنت کی ترویج و تائید میں شائع کرنے لگے ہیں! —— انگریز محقق لڈوسی نے بھی زیادہ زور اسی پر دیا ہے، کہ اقتصادی و معاشی دلائل سے قطع نظر، جن سے صرف خواص متاثر ہو سکتے ہیں، حسن و جمال اور صحت کے معیار سے، کہ عورتوں کی اکثریت اسی کو پیش نظر رکھتی ہے، لاولدی نہیں، وضع حمل و رضاعت ہی عورت کے حق میں درازیٔ عمر کے حق میں، حسن و جمال کے حق میں مفید و بہتر ہے۔

مراسلہ

تجدد کی بیکسی

(از صالح النساء بیگم صاحبہ۔ حیدرآباد دکن)

امریکہ کا ایک مشہور و معروف مصنف ول ڈورانٹ ایک جگہ یوں رقمطراز ہے کہ:—

کسب معاش کے میدان میں عورت کے قدم رکھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ گھریلو زندگی تباہ ہوگئی۔ رفتہ رفتہ عورت کے فطری مشاغل اس سے چھین لیے گئے۔ یہاں تک کہ ”گھر“ میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی اور عورت خود بے حیثیت اور پراگندہ خاطر ہو کر رہ گئی۔ جب ”گھر“ اُجڑ گیا، وہ گھر جہاں کام کی رونق رہتی تھی اور زندگی بسر ہوتی تھی تو مرد و عورت دونوں نے اُسکو خیرباد کہا اور اس طرح گھر کا وہ امن چین جو دس ہزار سال قبل قائم ہوا تھا ایک ہی نسل کے اندر مفقود ہو گیا۔......

سطور بالا پر اگر غائر نظر ڈالی جائے تو ”صاحب“ کی عورت کے ”بے گھر“ ہونے کے اسباب و علل خود بخود سمجھ میں آجائیں گے۔ اس حقیقت سے کسکو انکار ہے کہ آج اسی ”صاحب“ کی مقلد اپنی عورتوں کو گھر سے بلانے میں کونسی کسر تحریر یا تقریر کی اُٹھا رکھی ہے۔ کل اگر یہی عورتیں اُنکی آواز پر لبیک کہتی ہوئی ”گھر“ سے میدان میں آجائیں تو پھر اُنکو اپنے گھر کے اُجڑنے کی شکایت کیوں؟ ——

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبیست!!

تجدد کو بڑا غرہ تھا کہ عورت گھر سے ”بے گھر“ ہو کر سیاست کی اہم سے اہم گتھی بآسانی سلجھا سکتی ہے اور مردانہ ذمہ داریوں کا بھاری سے بھاری بوجھ بآسانی اُٹھا سکتی ہے لیکن لیڈی مسن کو یہ کیا خبط ہوگیا؟ جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں روزنامہ ”ہندو“ مدراس کی حالیہ اشاعت میں شائع کرادی ہیں:—

”آج ہمارے وہ سارے مطالبات پورے ہو چکے ہیں جنکو ہم ایک عرصہ سے طلب کر رہے تھے بلکہ ہم کو وہ مراعات بھی مل چکے ہیں جنکا ہم کو وہم و گمان تک بھی نہ تھا، لیکن اسکے بعد بھی میں تیقن کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہمارے قلب کو کوئی راحت نصیب ہوئی ہو یا ہماری زندگی میں کسی غیر معمولی خوشی کا اضافہ ہوگیا ہو۔ میرا تو یہ مشاہدہ ہے کہ ہماری نوجوان بہنیں یہ تک نہیں جانتیں کہ حکومت میں برسر اقتدار کونسی جماعت ہے ملکی نظم و نسق کا تذکرہ ہی اُنکے لیے پریشاں کن ہے اور سیاسی مسائل اُنکی طبیعت کو اُکتا دینے والے۔ البتہ وہ اداکاروں کے نام اچھی طرح جانتی ہیں.....“

اگر یہی باتیں ہماری یا کسی مرد کی زبان یا قلم سے نکلتیں تو تجدد کی دنیا میں تہلکہ بپا ہو جاتی لیکن الفاظ ایک عورت کے ہیں اور عورت بھی انگلستان کی جہاں مرد آج اُسکو آزادی کے جس راستہ پر لا کھڑا کیے ہیں اسکے مقابلہ میں ہمارا تجدد شیرخوار بچہ کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ ”صاحب“ کی دعوت

---

[1] یہ وہ ”گھر“ سے میدان میں آئی، مجالس کی رونق بڑھائی، تماشہ گاہوں میں نیم عریاں رقص کیا، مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا، دفاتر کی خاک چھانی، فوج میں بھرتی ہوئی، طیارچی بنی اور ہر منزل پر سیکڑوں تجارب حاصل کیے اور بالآخر زمان کر، خود کو مردانہ ذمہ داریوں کا نااہل بتایا۔ ہائے رے تجدد! تیری بیکسی!!!

تھی زندگی جسکے سہارے وہ ”آسرا“ جاتا رہا

خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی

(از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی - مدیر "الفرقان" بریلی)

یکم ستمبر کے "صدق" میں "خاکسار تحریک" کے متعلق بھوپال کے کسی صاحب کا ایک استفسار اور محترم مدیر "صدق" عم فیضہ کی جانب سے اسکا جواب شایع ہوا ہے - استفسار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب استفسار کوئی مخلص، اور حد درجہ صاحب علم مسلمان ہیں، لیکن نہ انکو "علامہ مشرقی" بانیٔ تحریک خاکسار کے خیالات و حالات معلوم ہیں، نہ انکی تصانیف انکی نظر سے گزری ہیں اور نہ "خاکسار تحریک" کے متعلق انکو صحیح معلومات حاصل ہیں - کچھ سطحی اور سُنی سنائی چیزیں انکے علم میں ہیں اور اسی بنا پر انکو تحریک اور بانیٔ تحریک دونوں کے ساتھ حسن ظن ہے -

محترم مدیر "صدق" کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف بانیٔ تحریک "علامہ مشرقی" کے خیالات و عقائد سے خوب واقف ہیں، انھوں نے انکی بلا دم اسلام کتاب "تذکرہ" کو ملاحظہ فرمایا ہے اور اس لیے انکی رائے انکے حق میں وہی ہے جو ایک "راسخ مومن" کی ہوسکتی ہے ——— لیکن نفس "خاکسار تحریک" کے لٹریچر کے ملاحظہ اور اسکے لٹریچر کے ملاحظہ اور انکے حالات کے غائر مطالعہ کا آپ کو غالباً موقعہ نہیں ملا ہے اور جہاں تک مجھ دور افتادہ کو آں محترم کے حالات و مشاغل کا اندازہ ہے میں کہ سکتا ہوں کہ آپ کو اس کام کے لیے تھوڑی سی فرصت نکالنا بھی دشوار ہے - ——

بہرحال میرے نزدیک "خاکسار تحریک" کے پورے حالات حتّٰی کہ اسکے بنیادی اصول بھی موصوف تک نہیں پہونچے ہیں اور اسی لیے آپ نے نفس تحریک کے متعلق کسی قدر حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے ——— میرے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ممدوح نے اپنی اس رائے کی بنیاد خاکساروں کی "عسکری تنظیم، انکی خدمت خلق، اور انکی بے طمعی" یا پھر کسی حیدرآبادی مخلص "کی ایک شہادت پر رکھی ہے، اس سے خود ظاہر ہے کہ آپ کو براہ راست اس پر تحقیقی نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا ہے - اس خیال سے یہ چند سطور میں موصوف کی خدمت میں اور "صدق" کی وساطت سے ناظرین صدق کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں - واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل -

---

کسی تحریک کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اُسکے مقاصد اور بنیادی اصول کو دیکھا جائے اور پھر رفتار عمل کو، ان تینوں چیزوں کے مطالعہ کے بعد ہی کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے -

"خاکسار" تحریک کے لٹریچر میں اسکے مقاصد کے سلسلہ میں بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ اسکا مقصد مولویوں کے بتائے ہوئے "غلط مذہب" کو فنا کرکے اسکی جگہ "اصل اور صحیح اسلام" کو رائج کرنا ہے - چنانچہ "خاکسار تحریک" کے جو چودہ نکات یا چودہ اصول ہیں اُن میں تیسرا نمبر ہی یہ ہے

(۳) مولوی کا آجکل کا بتایا ہوا راستہ غلط ہے - خاکسار سپاہی

اس غلط مذہب کو صفحۂ دنیا سے مٹا ... اور اسکی جگہ نبوی اسلام" کو پھر رائج کرنے کے لیے اُٹھا ہے "

(غلط مذہب - بحوالہ صفحہ ۱۶)

نیز ستمبر ۳۶ء کے لاہور کیمپ میں "علامہ مشرقی" نے اپنی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ "خاکسار تحریک" کے "لاشریک قائد" اور "مختار مطلق امیر" ہونے کی حیثیت سے جو خطبہ اپنی جماعت کے سامنے دیا تھا اس میں صاف اعلان کیا کہ -

"میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ خاکسار ہندوستان میں صرف اس لیے اُٹھے ہیں کہ مولوی کا اسلام غلط ہے" (صفحہ)

ان "خوبصورت" اور آجکل کی فضا میں "عام پسند" الفاظ میں جو کچھ زہر بھرا ہوا ہے دوسروں کے لیے شاید اسکا سمجھنا مشکل ہو لیکن جن ناظرین کی ذہنی تربیت میں "صدق" کا بھی کوئی حصہ ہو انکے لیے تو یہ الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں - جس شخص کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں اسکے نزدیک اصل اسلام کیا ہے ؟ اسکو مجھ سے بہتر محترم مدیر "صدق" جانتے ہیں - وہ وہی "بالکل نیا اور انوکھے قسم کا اسلام" ہے جسکے لحاظ سے صحیح مسلم و مومن صرف آج کل کے انگریز اور دوسری "ترقی یافتہ" قومیں ٹھہرتی ہیں ......"

اور یہ چیز صرف "تذکرہ" کی بنیاد پر میں نہیں کہ رہا ہوں بلکہ تحریک کے لٹریچر میں بھی متواتر اور پیہم وہ اس نئے اور انوکھے "نظریہ" کو پیش کر رہے ہیں اور بالکل انھی خطوط پر وہ "خاکساروں" کی تربیت فرما رہے ہیں

"اسلام" کے متعلق اپنا جو نظریہ انھوں نے "تذکرہ" میں پیش کیا تھا اُسی کو کس قدر "سنوار کے" انھوں نے "قول فیصل" میں پیش کیا ہے جو صرف تحریک کے "اغراض و مقاصد" کی تشریح ہی کے لیے لکھا گیا ہے اور جسکو بجا طور پر تحریک کا آئینہ کہا جا سکتا ہے - اس میں وہ صاف فرماتے ہیں

"یہ خاکسار تحریک تیرہ سو پچاس برس کے بعد سچے اور اصلی مذہب کی طرف ہر مسلمان کو پھیرے جانے کے لیے تیار ہوئی ہے وہ مذہب خدا اور اسلام کا ہتھیار سپاہی بننا ہے یہی سچا اور اصلی "اسوۂ رسول" ہے - اسی کے متعلق لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قرآن میں لکھا ہے - اسی سپاہیانہ زندگی کو ہم خاکسار "اسوۂ رسول" سمجھتے ہیں اور اسکے سوا ہم تمھارے بتائے ہوئے کسی "اسوۂ رسول" کو چلنے نہیں دینگے"

پھر اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"خاکسار تحریک نے تیرہ سو پچاس برس کے بعد دنیا ... کو بتایا ہے کہ "اسوۂ حسنۂ رسول" "دین اسلام" ... کا "سچا مذہب" صرف ... سپاہیانہ زندگی ہے" -

(قول فیصل صفحہ)

قرآن کے "عمل" کے متعلق جو تشریح انھوں نے تذکرہ میں پیش کی ہے وہی تحریک کے لٹریچر میں بھی ہے ... نومبر ۳۶ء کے ... کیمپ کے موقع پر انھوں نے "بانیٔ تحریک" ہونے ہی کی حیثیت سے جو "ہدایت نامہ" اپنے خاکساروں کے سامنے پیش کیا تھا ... "قرآنی عمل" کی تشریح ہے - ... چند ... آیات نقل ... کے بعد

جن میں مختلف عنوانوں سے مومنین کو "اعمال صالحہ" کی ترغیب دی گئی ہے فرمایا

"میں تمہیں اس کیمپ میں کئی قرنوں کے بعد پھر بتلانا چاہتا ہوں کہ اندروئے اسلام عمل کیا شے ہے، کس قطع کے عمل سے خدا کے یہاں جزا ملتی ہے، وہ کس طرح کا عمل ہے جس کا لازمی نتیجہ خدا کی سزا ہے" (ص)

پھر "عمل" کی یہی تذکرہ والی تشریح کرنے کے بعد فرمایا

"عمل کے اسلامی معنی اگر سمجھنا چاہتے ہو تو جاؤ مصطفےٰ کو دیکھو کہ کیا کر رہا ہے اور اس کو دیکھو کہ اس نے کیا کیا تھا" الخ

پھر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں

"الغرض قرآن کا عمل صرف مومنوں اور سپاہیوں کا عمل ہے، جنگی اور فوجی عمل ہے، خدا کا بندہ بن کر زمین پر حکمراں ہونے کا عمل ہے، اللہ کا پیارا بن کر زمین پر غالب ہونے کا عمل ہے" (ص)

چند سطروں کے بعد کہا

"نماز، نفل، درود، تسبیح، دعا اندروئے قرآن کسی عنوان عمل نہیں، نماز صرف سپاہیوں کی دنیا میں ایک ناقابل شکست اور عالمگیر جماعت بن جانے کا ایک ذریعہ ہے" (ص)

اسی سلسلہ میں انگریزوں کے متعلق لکھا کہ

"انگریزوں کو دیکھو ... میں تمام جماعت موجود ہے، انکی نماز تمہیں نظر نہیں آتی لیکن خدا کی بخشش کا بے پناہ ہاتھ انکو دنیا پر غالب کر رہا ہے" (ص)

بلا مبالغہ اس قسم کی سیکڑوں تصریحات میں سے یہ چند ہیں جو ہر ذی ہوش صاحب بصیرت کو یہ اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ "خاکسار تحریک کا مقصد "تذکرہ" ہی کے نظریہ یا "فلسفہ" کو عملاً رائج کرنا ہے اور پھر یہ بھی صرف میرا استنباط نہیں، بلکہ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء کے "الاصلاح" میں خود بانی تحریک کا اعلان ہے کہ

"تذکرہ" تحریک خاکساران کے لیے آواز کی قوت تھا اور "اشارات" اسکے لیے لاٹھی ہے"۔

نیز "علامہ مشرقی" کی اس اخیر کتاب میں جو قول فیصل نمبر کے ساتھ ملحق ہے اس میں صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ اس تحریک کا مقصد ہی "تذکرہ" کے پیغام کی عملی تصدیق ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۱ کالم ۲ میں زیرعنوان "خاکسار تحریک" اور "اشارات" کی تصنیف" علامہ صاحب کے متعلق لکھا

"۱۹۲۴ء میں دنیائے اسلام کو "تذکرہ" کی صورت میں دیا گیا تھا اسکی تصدیق کے لیے ۱۹۳۱ء میں "اشارات" کے نام سے قوم کی اصلاح کے لیے عملی پروگرام پیش کر دیا اور ۱۹۳۲ء میں خود میدان عمل میں مجاہدانہ اتر آیا اور خاکسار تحریک کے نام سے موت کی نیند سونے والے مسلمانوں کو دعوت دی"

ان سب چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہم بلا کسی تردد کے اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ "تذکرہ" تحریک خاکساران کی بنیاد ہے اور تحریک کے متعلق رائے قائم کرتے وقت ہم اسکو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

علاوہ ازیں اس تحریک کا "نظام" اور اسکے بنیادی اصول اس قسم کے ہیں کہ تحریک کسی طرح بھی "بانی تحریک" سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ذرا تحریک کے دو اصولوں "اختیار ناطق" اور "خاموشانہ نظام اطاعت" پر غور فرمایا جائے۔

(۱) خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی کا اختیار ناطق

قول فیصل نمبر صفحہ ۱۴ پر زیر عنوان "خاکسار تحریک اور اختیار ناطق" وہ فرماتے ہیں

"خاکسار تحریک کی بنا اول سے آخر تک ہر جگہ اختیار ناطق پر ہے"

اس سلسلہ میں اپنے متعلق "علامہ مشرقی" صاحب فرماتے ہیں

"تحریک خاکسار میں تحریک کا بانی بھی صرف ایک سپاہی ہے وہ جماعت کے تمام بڑے سے بڑا اور سخت سے سخت حکم جاری کر سکتا ہے لیکن ادارہ علیہ کی طرف سے تمام جماعت کی کمان ہر وقت اور بہر حال اسکے ہاتھ میں ہے"۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ "ادارۂ علیہ" کوئی "کونسل" یا "مجلس شوریٰ" ہے جسنے علامہ صاحب کے ہاتھ میں جماعت کی کمان دے کر آپ کو "اختیار ناطق" سپرد کیا ہے اور دوسرے وقت اگر وہ چاہے تو اس "اختیار" کو ان سے لیکر کسی اور کو بھی آپ کا قائم مقام کر سکتی ہے بلکہ ادارۂ علیہ خود علامہ صاحب ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس حقیقت کا بجائے خود صاف اعلان کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

"ادارۂ علیہ بانی تحریک کے پیدا کردہ اقتدار کی رسمی صورت ہے جو تمام احکام اور اختیارات کا سرچشمہ ہے اس میں قائد تحریک کے سوا کوئی دوسرا شخص شامل نہیں" (قول فیصل ص۱۵)

تحریک سے متعلق ان بنیادی امور سے صاف ظاہر ہے کہ "خاکسار تحریک" کی ساری سرگرمیوں اور اسکے تمام حرکت و عمل کا مرکز اور سرچشمہ "علامہ صاحب" ہی ہیں اور تحریک میں انکا اختیار "اختیار ناطق" ہے ——

پھر اس اختیار ناطق کی تشریح علامہ صاحب کے اس ایڈریس سے معلوم ہوتی ہے جو مارچ ۱۹۳۹ء کی لاہور کیمپ کے موقع پر موصوف نے دیا تھا اور جو "مولوی کا غلط مذہب نمبر ۲" کے نام سے سرورق ہے، اس میں آپ نے "اختیار امیر" اور "اطاعت مطلقہ" ہی پر بحث کی ہے، اور صاف طور پر لکھا ہے کہ امیر کی اطاعت نبیوں اور رسولوں ہی کی طرح بلا استثنا اور بلا قید شرط ہے۔ بلکہ انکا کہنا تو یہ ہے کہ "رسولوں" کی اطاعت جسکا حکم قرآن پاک میں دیا گیا ہے وہ بھی اسی حیثیت سے ہو کہ وہ امتوں کے زندہ امیر تھے نہ کہ بحیثیت رسالت۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں

"اطاعت رسول" سے معنی رسول کے وقتی، زمانی، ہنگامی، مصلحتی یا فوری اور بالشافہ احکام کی تعمیل بحیثیت امت کے زندہ امیر ہونے کے ہے۔ اسکے سوا حتماً اور لازماً اور قطعاً کچھ نہیں۔ ہاں لیکن آج رسولوں کا زمانہ مدت ہوئی گزر چکا، نبوت پر مہر لگ چکی، قانون خدا مکمل اور مفصل مل چکا، سب رسول جو کسی زمانہ میں امتوں کے زندہ اور ناطق (یعنی بولنے والے) امیر تھے گزر چکے۔ سب "مات" اور "قتل" کے ماتحت آ چکے۔ اب رسولوں کے بعد انسانی امتوں میں جماعت کے قیام کی صورت

سوا اسکے کچھ نہیں کہ انکے بعد بھی ایک زندہ امیر ہر وقت موجود ہو جسکے مُنہ سے نکلے ہوئے حکم اس شدت سے مانے جائیں" (صفہ ۱)

پھر اسی کے صفہ ۱ پر ہے

"اسلام میں امیر کی اطاعت مطلق اور بلا قید شرط ہے"

پھر اسی کے صفہ پر ہے

"مسلمانوں کا امیر در اصل رسول خدا صلعم کا جانشین ہے، اس نقطۂ نظر سے اسکا نام خلیفۃ النبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انکے دیے ہوئے حکموں اور اعمال پر خدا کے سوا کسی کی گرفت نہیں تو اسلام کا امیر اور خلیفۃ النبی بھی مسلمانوں کے تمام مواخذہ سے باہر ہے (صفہ ۱)

غرض مسلمان کا امیر امیر مطلق ہے۔ امت کی ہر گرفت سے آزاد ہے اسکا معاملہ صرف خدا اور رسول سے ہے۔ صرف خدا اور رسول ہی اُس سے نبٹ سکتے ہیں، اسکو چاہیے کہ مشورہ کرے لیکن خود خدا کے ارشاد "لا یشرک فی حکمہ احدا" کا مصداق ہے۔ لاشریک حاکم ہے" (صفہ ۲)

پھر صفہ پر ہے

"دوسرا مرحلہ انسان حاکم اور امیر جماعت کی غیر مشروط اطاعت ہے۔ جب تک انسانی اقوام میں رسول رہتا رہے پیغمبروں کی اطاعت غیر مشروط رہی۔ اب رسولوں کے بعد امیر جماعت کی اطاعت بلا قید شرط ہے"

ایک طرف تو علامہ صاحب کے "امیر ناطق" اور انکی "لاشریک حاکمیت" اور "غیر مشروط اطاعت" کو مندرجہ صدر تشریح کے ساتھ پیش نظر رکھیے اور دوسری طرف تحریک کے دوسری طرف تحریک کے دوسرے اصول "خاموش نظام اطاعت" کی گہرائی اور اسکے نتائج پر غور فرمائیے جسکا اعلان "قول فیصل" صفہ ۱۵ پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

"خاکسار تحریک کی بنیاد خاموشی پر ہے"

پھر اُسی جگہ اس خاموشی کا اثر اور نتیجہ یہ لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے کہ

"خاموش نظام کا ادنیٰ کرشمہ جنگ عظیم میں یہ تھا کہ ایک بچارا اور نماز گزار مسلمان سپاہی اپنی رجمنٹ کے ساتھ پنجاب سے گاڑی میں سوار ہوتا تھا خاموشی سے جہاز میں سوار ہو کر چند دنوں کے اندر بغداد کے محاذ جنگ پر حاضر کیا جاتا تھا وہاں اس غریب اور بے بس حیوان کو حکم تھا کہ اپنے مسلمان بھائی کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دے۔ اُسکو تعمیل کے سوا چارہ نہ تھا، کیونکہ سپاہی کا کام خاموشی ہے۔ خاکسار تحریک کا مقصد بنیاد قوم کو خاموش کر دینا ہے" (قول فیصل [illegible])

نیز اسکے صفہ ۱۱ پر ہے

"پچھلی جنگ عظیم میں اگر [illegible] مسلمانوں نے [illegible] سے بغداد جا کر ترکوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیے تو اسکی وجہ انکی سپاہیانہ تربیت [illegible] تھی [illegible] ہر شخص حکم ماننے پر مجبور ہے"۔

ان سب چیزوں کو یکجائی طور پر سامنے رکھ کر ہر صاحب بصیرت شخص بہ آسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ "خاکسار تحریک" صرف "علامہ مشرقی" کی ذاتی قوت ہے، بلکہ بالفاظ دیگر خود "علامہ صاحب" "خاکسار تحریک" ہیں اور "خاکسار تحریک" علامہ ہی کی طاقت کا دوسرا نام ہے۔ اور باقی خاکسار اُنکے ہاتھ پیر یا اُنکے ہاتھ میں کٹھ پتلیاں ہیں، اور انکا کام غیر مشروط طور پر علامہ کی اطاعت، اُنکے ہر حکم کی تعمیل اور بے سمجھے بوجھے خاموشانہ تعمیل ہے ——

اور پھر یہ صرف "کاغذی" ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ تحریک کا پورا نظام انھیں اصولوں پر چل رہا ہے اور انھیں لائنوں پر خاکساروں کو ذہنی اور عملی تربیت دی جا رہی ہے۔

ابھی چند روز کا واقعہ ہے۔ پنجاب کے ایک صاحب جو خاکسار جماعت میں ایک گونہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور تعلیم یافتہ بھی ہیں مجھ سے ملے۔ تبادلۂ خیالات کے دوران میں میں نے اُنکے سامنے علامہ صاحب کی امارت کی اس نوعیت کو مندرجۂ ذیل تشریح کے ساتھ پیش کیا اور دریافت کیا کہ کیا ان اصولوں کے مطابق آپ انکو "مطاع مطلق امیر" اور بلا قید شرط "واجب الاطاعت امام" جانتے ہیں؟ — اُنھوں نے کہا کہ جی ہاں ہم اُنکو ایسا ہی جانتے ہیں اور اُنکے ہر حکم کی تعمیل بلا استثنا ہم فرض سمجھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ایک واقعہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ کسی مہم پر روانہ فرمایا اور ایک انصاری صحابی کو اسکا امیر مقرر فرما دیا اور روانگی کے وقت اہل لشکر کو خاص طور پر انکی اطاعت کی ہدایت فرما دی۔ سفر ہی میں کسی وجہ سے یہ امیر لشکر اپنے ماتحت مجاہدین پر غضبناک ہو گئے اور اُنکو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو۔ جب لکڑیوں کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا تو حکم دیا کہ ان میں آگ لگا دو۔ جب لکڑیوں نے آگ پکڑی اور شعلے اُٹھنے لگے تو اُنھوں نے اپنی "امارت" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی یاد دہانی کرتے ہوئے حکم دیا کہ اس آگ میں کود پڑو — بعض اسکے لیے تیار بھی ہو گئے مگر باقی ٹھٹک گئے اور آپس میں اُنھوں نے کہا کہ ہم نے آگ کے عذاب سے بچنے ہی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لی ہے، پھر ہم کیوں جیتے جاگتے آگ میں کود پڑیں؟ اس بات کو سنکر وہ لوگ بھی رک گئے جو کودنے کے لیے تیار ہو گئے تھے ...... اسکے بعد جب یہ لشکر واپس آیا اور یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا "لو دخلوہا ما خرجوا منہا الی یوم القیامۃ انما الطاعۃ فی المعروف" یعنی اگر یہ لوگ اپنے امیر کے اس کہنے کے مطابق آگ کے اس ڈھیر میں کود جاتے تو گویا خودکشی جیسے شدید گناہ کے مرتکب ہوتے اور اسکی سزا میں قیامت تک اُن پر آگ [illegible] مسلط [illegible] (اسکے بعد حضور نے فرمایا کہ) امیر کی اطاعت [illegible] اور مطابق شریعت ہوں"۔

اس واقعہ کو اس طرح نقل کر[illegible] سوال کیا کہ اگر بفرض "علامہ مشرقی" [illegible] حکم دیں کہ آگ میں کود پڑو [illegible] کا تقاضا کیا ہے اور آپ کا عمل کیا ہوگا؟ [illegible]

تقاضا یہ ہے کہ ہم اُنکے اس حکم کی بھی تعمیل کریں۔ اگر مجھے یہ حکم ملے تو میں اس کی تعمیل کروں گا اور ہر سچا خاکسار ایسا ہی کریگا"۔

اسکے بعد میں نے اُن سے عرض کیا کہ "قرآن پاک میں عمداً کسی مومن کے "حق قتل کی سزا ابدی جہنم بتلائی گئی ہے اور یہ وہ سزا ہے جو صرف کفر و شرک ہی کے لیے گویا مخصوص ہے۔ "مومن کے قتل عمد" کی اس اہمیت کو پیش نظر رکھیے اور پھر بتلایئے کہ اگر بفرض علامہ صاحب کسی ایسے مسلمان کے سر کاٹ لانے کا آپ کو حکم دیں جس نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جو اسکے قتل کو جائز کردے تو آپ کیا کیجیے گا؟ — اُنھوں نے اسکے جواب میں بھی صاف فرمایا کہ ہم بلا تامل اسکا سر کاٹ لانے کی کوشش کرینگے"۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "خاکسار تحریک" اور "علامہ مشرقی" کا کیا تعلق ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ "خاکسار تحریک" اور دوسری سیاسی جماعتوں کے نظام میں کیا اصولی اور بنیادی فرق ہے۔ پھر اس چیز کو کسی ایک "خاکسار" کا انفرادی خیال نہ سمجھنا چاہیے بلکہ تحریک "خاکسار" کو صدی فی صدی اسی خیال کا ہونا چاہیے۔ اور جو اس خیال کے نہ ہوں سمجھنا چاہیے کہ اُنھوں نے "خاکسار تحریک" کو بالا سمجھے بوجھے محض "قواعد پریڈ" دیکھ کر قبول کرلیا ہے، اور وہ حقیقی معنوں میں "خاکسار" ہی نہیں، بلکہ محض "شریک تماشا" ہیں۔

با ایں ہمہ یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ سب "خاکسار" "علامہ مشرقی" کے قطعی ہم خیال یا ہم عقیدہ ہیں، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ان حالات میں "خاکسار تحریک" کو "علامہ مشرقی" سے الگ کرکے نہیں دیکھا جا سکتا۔

نیز اس حقیقت سے بھی کوئی صاحب بصیرت انکار نہیں کرسکتا کہ جو جماعت ان اصولوں پر تیار ہو اور جسکے قائد کی حیثیت "مطاع مطلق امیر" کی ہو اُسکے افراد قائد کے خیالات سے ضرور متاثر ہونگے، آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طور پر متاثر ہونگے۔ یہ اس نظام کا فطری نتیجہ ہے اور یہ اُن لوگوں کے نزدیک بدیہیات سے ہے جو "اجتماعی نفسیات" کا کچھ تجربہ رکھتے ہوں خود "خاکسار تحریک" میں میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سرعت کے ساتھ عام "خاکسار" "علامہ مشرقی" کے مخصوص خیالات و رجحانات سے بہت قریب ہوتے جا رہے ہیں، اور میں اپنے تحقیق اور قابل اعتماد و ثوق معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ "خاکسار تحریک" ہی کے "ہمہ رنگ زیر دام" نے ایسے ہزاروں اللہ کے بندوں کو "مشرقی" صاحب کے ہم خیال یا قریب الخیال کردیا ہے، جو اگر "خاکسار تحریک" میں شریک نہ ہوتے تو ان خیالات سے سخت بیزار ہوتے۔ اور اس "تحریک" کی شمولیت سے پہلے وہ اس قسم کے وساوس سے سخت بیزار ہی تھے ——— اس لیے اس تحریک کو علیگڈھ کی تعلیمی تحریک یا آجکل کی دوسری سیاسی جماعتوں پر بھی قیاس کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں رہی انکی "عسکری تنظیم"، "خدمت خلق" اور "بے طمعی" سو یہ ایسی چیزیں نہیں کہ صرف انھیں کی بنا پر دینی نقطۂ نظر سے کسی تحریک یا جماعت کے حسن و قبح کا فیصلہ کیا جا سکے۔ یہ چیزیں تو دوسری غیر اسلامی جماعتوں میں بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں بلکہ اب بھی ہیں۔ غرض ان ظواہر کو فیصلہ کن اور اساسی حیثیت حاصل نہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ میری ان معروضات کو پیش نظر رکھکر محترم مدیر "صدق" (متع اللہ المسلمین بدوام فیوضہم) اپنی سابق رائے پر نظر ثانی فرمائینگے۔ شاید کسی صاحب کو میری ان معروضات پر شبہہ ہو کہ اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ مشرقی صاحب ہی کی تحریرات ہیں" اس لیے میں عرض کردینا چاہتا ہوں کہ "خاکسار تحریک" کی روح رواں اور اسکے چندکل علامہ صاحب ہی ہیں، تو "خاکسار تحریک" کو سمجھنے اور اُسکے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے صرف اُنھیں کی تقریروں اور تحریروں سے مدد لیجا سکتی ہے، بلکہ اسکے پہچاننے کی اسکے سوا کوئی راہ ہی نہیں ہے۔ غرض اس شبہہ کا جواب بھی ہمارا یہی مضمون ہے۔

میں نے صفحات "صدق" کی محدود وسعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کافی بلکہ حتی الامکان حد تک اختصار سے کام لیا ہے اور بحث کے بعض ضروری اور اہم پہلوؤں کو بھی مجبوراً نظر انداز کردیا ہے اور بعض تفصیل طلب اجزاء کو بہت مجمل اور مختصر کرکے پیش کیا ہے ——— پس کسی صاحب کو میری یہ معروضات بھی مطمئن نہ کرسکیں تو میں اُن سے درخواست کروں گا کہ وہ میری کتاب "خاکسار تحریک مذہب اور سیاست کی روشنی میں" کا مطالعہ فرمائیں اور اُسکے ملاحظہ سے پہلے اس بارے میں آخری رائے قائم نہ فرمائیں۔ میں نے اس کتاب میں اپنی بساط کے مطابق "خاکسار تحریک" کے ہر موافق و مخالف پہلو پر بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ نفس تحریک میں کیا اصولی اور بنیادی خرابیاں ہیں، اور مسلمانان ہند کی سیاست اور انکے مذہب پر اسکے کیا اثرات پڑ رہے ہیں اور کیا پڑینگے ——— اور کن اصلاحی تبدیلیوں کے بعد "تحریک" مسلمانوں کے لیے قابل تعاون ہوسکتی ہے۔

یہ کتاب ان شاء اللہ اسی مہینے کے اندر رسالہ "الفرقان" بریلی کے صفحات پر شائع ہو جائیگی۔ اور غالباً ناظرین "صدق" کو اس کی اطلاع "صدق" ہی سے ہو جائیگی۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

صدق ۔ مضمون بالا منجملہ اُن تین مضامین کے ہے، جو اس وقت تک مشرقی اور "خاکساریت" کی تردید میں موصول ہو چکے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پُر مغز مضمون درج کردیا گیا۔ باقی کے لیے اگر گنجائش نکل سکی تو خیر ورنہ اُنکی اشاعت سے معذوری رہیگی۔ مشرقی پر اداری نوٹ بھی اسی پرچہ میں درج ہے۔

مکتوب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ

بعد سلام مسنون آں کہ آپ نے شرکت کانگریس کے متعلق میرے خیالات دریافت کیے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق میں اپنے خیالات کا اعلان پہلے بھی کر چکا ہوں اب پھر لکھتا ہوں کہ میں نہ کبھی کانگریس میں شامل ہوا اور نہ اب شامل ہونا بلکہ اس اصول پر میں نے کانگریسی علماء سے کئی دن تک بہت شد و مد سے بحث کی جس کا تذکرہ اخبارات میں آ چکا ہے۔

قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگریس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اُن معنی میں جو کانگریس کے ائمہ اُس سے ارادہ کرتے ہیں۔ میرے نزدیک شرعی نقطۂ نظر سے کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں نہ سیاسیات میں خاص اشتغال رکھتا ہوں تاہم اپنی قوم کے سود و بہبود کو سوچنا اسکے ایک جزو ہونے کی حیثیت سے میرے لیے بھی ناگزیر ہے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے لیے سب سے پہلے ایک مضبوط اور خالص اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے اسکی بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز رو دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے کو ڈال دینا خودکشی کے مرادف ہے۔

مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیمان کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنی مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔ میں اپنے لیے فرقہ پرست کا خطاب پسند کرتا ہوں مگر قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ شاعر حکیم اکبر مرحوم (الہ آبادی) نے خوب کہا ہے

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

پختہ ہو کر اپنی شاخ دین سے ہو نا ہی جدا
اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

اسی کے ساتھ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری ناکامیوں اور نامرادیوں کا اصلی سبب شریعت کاملہ محمدیہ کے اصول و احکام سے اعراض و انحراف ہے اور اسی کے نتیجہ میں اس تخریب و تفریق کا عذاب ہم پر مسلط ہے جس کی طرف قل ہو القادر علی ان یبعث علیکم عذاباً من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بأس بعض" میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے میرا سب سے بڑا اہم نظریہ ہے کہ جہاں تک استطاعت میں ہو مسلمانوں کو اتباع شریعت اور تمسک باسوۂ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا جائے۔ نیز ذکی پارٹی بندیوں کو اگر بالکلیہ ختم نہ کیا جا سکے تو انکو کم کرنے اور ایک کو دوسرے سے قریب لانے اور خلاف و شقاق کے مضار کو محدود کر دینے کی سعی جاری رہے۔ رہا دارالعلوم دیوبند کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی بار بار اعلان کیا جا چکا ہے وہ مسلمانان ہند کی ایک محبوب متاع ہے۔ سیاسی پارٹی بندیوں سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔ یہی وہ مسلک ہے جو میرے زمانہ میں مجلس عاملہ دارالعلوم نے باتفاق طے کیا ہے اور دارالعلوم کے ملازمین و مدرسین کو سختی کے ساتھ اسکا پابند کیا ہے خبریں اسکے خلاف شکایت کیجا رہی ہیں یہ بالکل بے اصل اور بعض

سخت مبالغہ آمیز ہیں۔ (رہبر دکن)

آل انڈیا ریڈیو اور اُردو

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آل انڈیا ریڈیو (دہلی) کی طرف سے جو خبریں روزانہ براڈکاسٹ کیجاتی ہیں ان میں تدریجاً ہندی الفاظ داخل کرنے کا کیوں اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ خبروں کی زبان بہت سادہ اور عام فہم ہونی چاہیے تاکہ سب لوگ انھیں سمجھ سکیں۔ لیکن عام فہم اور متداول اُردو الفاظ کو چھوڑ کر غیر متداول ہندی الفاظ کا داخلہ زبان کو عام فہم بنانے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ لازماً غیر عام فہم بنا رہا ہے۔ یہاں ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ایک مدت سے آل انڈیا ریڈیو کی خبروں میں استقبال یا پیشوائی کی جگہ "سواگت" کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ حالانکہ استقبال اور پیشوائی کے الفاظ "سواگت" کے بجائے زیادہ عام فہم اور بول چال میں زیادہ مروج ہیں۔ اب کچھ مدت سے شمال۔ جنوب۔ مشرق اور مغرب کے بجائے ہندی الفاظ یعنے اُتر۔ دکھن۔ وغیرہ استعمال ہونے لگے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کا کوئی شخص ایسا نہیں جو اُتر دکھن کے بجائے شمال و جنوب کے مفہوم سے روشناس نہ ہو۔ کمال یہ ہے کہ کل خبروں میں "جنوبی افریقہ" کا ذکر آیا تھا اُسے آل انڈیا ریڈیو سے پہلے "دکھنی افریقہ" کہا گیا، پھر مسلسل "ساؤتھ افریقہ" کہا جاتا رہا۔ خدا جانے جنوبی افریقہ میں کونسی برائی یا اختلاف تھا کہ اُس سے احتراز کیا گیا۔

"طالب علم" ایک عام لفظ ہے اور ہندوستان کا شاید ہی کوئی باشندہ ہو جو اس لفظ کو نہ سمجھتا ہو یا نہ بولتا ہو، لیکن کل کی خبروں میں اسکی جگہ "ودیارتھی" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس متداول، مروج اور عام فہم زبان پر سب محبان اُردو کو اصرار ہے اس میں "ودیارتھی" کے سمجھنے والے شاید پانچ دس فی صدی بھی مشکل نکلینگے۔ لیکن طالب علم کا لفظ سب بولتے اور سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس بات سے اختلاف نہیں کہ خبروں کی زبان زیادہ سے زیادہ عام فہم ہونی چاہیے، لیکن عام فہم بنانے کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ متداول و مروج اُردو الفاظ کو چھوڑ کر غیر مروج اور غیر عام فہم الفاظ کا استعمال کیا جائے۔ "جنوبی افریقہ" سے سب آگاہ ہیں" طالب علم" کے معنی سب کو معلوم ہیں لیکن "ودیارتھی" کے معنی ہندی جاننے والوں کے سوا شاید کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ آل انڈیا ریڈیو مشکل عربی یا فارسی الفاظ استعمال کرے صرف یہ چاہتے ہیں کہ متداول اور عام فہم الفاظ کو محض اس وجہ سے نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ ان کی اصل عربی ہے اور انکی جگہ ہندی الفاظ نہیں لانے چاہئیں۔ "بحر" یا "سمندر" کے معنی کون نہیں سمجھتا؟ لیکن پرسوں آل انڈیا ریڈیو کی خبروں میں اوقیانوس کو بحر یا سمندر کے بجائے غالباً "مہاساگر" کہا گیا تھا۔ یہ زبان کو عام فہم بنانا نہیں ہے، مشکل بنانا ہے، یا اُردو کو آہستہ آہستہ ہندی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا۔

(انقلاب)

مشاہداتِ یورپ

(از مولوی صدر الدین صاحب صدیقی جرمن مترجم قرآن)

.... والحافظین فروجہم والحافظات - پاکدامن مرد اور عفت کو تاڑ رکھنے والی عورتیں۔ یہ چیز پاکدامنی آپ کو اسلام اور صرف اسلام میں ہی نظر آئیگی یورپ کے لوگ مسلمان اسکو سمجھتے ہیں جسکے گھر میں بہت سی عورتیں ہوں۔ میں نے جرمنی اور انگلستان میں بیسیوں ایسے لیکچر دیئے ہیں جن میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی بلند پایہ عفت کا ذکر کیا ہے - وہ اس بے نظیر عفت کا حال سنکر حیران ہوتے ہیں -

یورپ میں میں نے مردوں اور عورتوں سے پوچھا ہے، اُنھوں نے کہا ہے کہ یہاں شادی سے قبل شاید ہی لاکھوں میں کوئی مرد اور عورت پاکدامن ہو۔ مگر میں نے انکو بتایا کہ مسلمانوں میں لاکھوں جوان پاکدامن ہوتے ہیں۔ شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی اور بالخصوص عورتیں - وہ تو فرشتہ ہیں - یورپ میں لاکھوں میں ایک ایسی عورت ہو گی جو اپنی پاکدامنی کی قسم کھا سکے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر احسان ہے کہ مسلمانوں کی عورتیں ایسی ہیں جیسے فرشتے آسمان سے اُترے ہیں - یہ کیسی اعلیٰ تعلیم ہے - پاکدامنی کے پھلنے کے لیے فرمایا اپنی آنکھیں نیچی رکھو - یہ آنکھیں ہی بیہودہ پیغام دیتی ہیں، اسکے ذریعہ سے زہر قلب کے اندر جاتا ہے -

ہندو - سکھ یا عیسائی عورت پاکدامنی کے لحاظ سے کوئی ایسی نہیں جو مسلمان عورت کا مقابلہ کر سکے - یہ بہت بڑا مقام ہے جو تمھیں حاصل ہے خدا کے لیے اسے قائم رکھو - ہندو عورتوں اور عیسائی عورتوں کا مت مقابلہ کرو - انکی زیب و زینت اُنھیں کو مبارک رہے - اگر ان عورتوں کو آپ گھروں میں دیکھیں تو پھٹی ہوئی دھوتی پہنے ہوتی ہیں، مگر جب باہر نکلتی ہیں تو سنگار کرکے ڈھن سج کے نکلتی ہیں - مسلمان عورتیں بھی ضرورت کے وقت باہر نکلتی ہیں مگر حیادار لباس میں - مسلمان عورتیں جب باہر نکلیں تو اُنکا لباس از حد حیادار ہو - یہ سامان ہیں عفت کو قائم رکھنے کے - اگر غیروں کی تقلید کی گئی تو نتائج خراب ہونگے - تو اپنے اس فخر کو قائم رکھو، اسکی اور زیادہ حفاظت کرو اور بیہودہ عورتوں کی تقلید ہرگز نہ کرو - نہ ہی اسکے لباس کی نہ ہی انکی برہنگی کی -

(پیغام صلح)

آزادیٔ نسواں

[انگریز فلسفی جان اسٹوارٹ مل (متوفی ۱۸۷۳ء) کی کتاب "سبجکشن آف ویمین" کا اُردو ترجمہ، ستر بہتر سال کے بعد، مکتبۂ جامعہ ملیہ نے حال میں "محکومیتِ نسواں" کے عنوان سے شایع کیا ہے۔ اس پر رسالۂ عصمت کے تبصرہ کا بڑا حصہ درج ذیل ہے]

"محکومیتِ نسواں اُنیسویں (۱۹) صدی کی پیداوار ہے، جبکہ "تحریک نسوانیت" کی داغ بیل پڑ رہی تھی - نتیجہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے لوگ اس سے بہت کافی متاثر ہوئے اور تحریک نسوانیت کو [illegible] تقویت پہونچی - لیکن آج تحریک نسوانیت کو یورپ بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ رہا ہے، عورتوں کی حد سے زیادہ آزادی اور ہر شعبہ میں حقوق طلبی بجائے زندگی کو خوش آیند بنانے کے مضر ثابت ہو رہی ہے - ہندوستان میں بھی یہ لعنت شروع ہو گئی ہے، مگر اس سیلاب کی زد ابھی مدھم ہے۔ "عورت کے حقوق مرد کے برابر ہیں" کا مفہوم غلط سمجھا گیا ہے - صحیح مطلب یہ ہے کہ دونوں کے فکر و عمل کے دائرے الگ الگ ہیں اور ان میں ہر ایک کو مکمل آزادی ہے - یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے ٹکرائے - بہ الفاظ دیگر عورت مرد کی مسلم حیثیت کو پس پشت ڈال کر من مانی کرے - ہندوستان کے لیے یہ کتاب اسی حد تک مفید ہو سکتی ہے کہ اُن عورتوں میں جو ابھی تک سوئی ہوئی ہیں بیداری پیدا ہو - اس سے زیادہ کی توقع حد درجہ خطرناک ہے - ہمیں اپنی خواتین کی بہتری اور بیداری کے لیے وہی لائحہ عمل تجویز کرنا چاہیے جو حسن نسواں حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم بتا گئے ہیں - یعنی عورت پہلے اپنے فرائض ادا کرے اور پھر حقوق طلب کرے، ورنہ مغرب کی ستمگاریاں مشرق کے لیے ہمیشہ نقصان رساں ثابت ہوئی ہیں - مل کی یہ کتاب یکطرفہ ہے، یعنی حقوق طلبی کے ہنگامہ میں فرائض کی بانگ گم ہو گئی ہے - اگست کے عصمت میں مولوی شاہد احمد کا ایک عالمانہ مضمون "عورت کی بغاوت" شایع ہوا ہے۔ "محکومیت نسواں" پڑھنے والی خواتین پہلے اسے غور سے پڑھ لیں - اگر پوری تصنیف کا ترجمہ کرنے کے بجائے اسکے صرف خاص خاص اقتباسات دے کر ہندوستانی عورتوں کے نقطہ نظر سے ایک علیحدہ مستقل کتاب لکھی جاتی جس میں مردوں کو عورتوں کے حقوق اور عورتوں کو اپنے فرائض کی طرف متوجہ کیا جاتا تو بدرجہا بہتر ہوتا۔ بہرحال اُن لوگوں کو جو عورتوں کو لونڈیاں تصور کرتے ہیں اور ہر بات کا حسن و قبح یورپ سے اخذ کرتے ہیں، یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔

نسیم انہونوی سپرنٹنڈنٹ پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر اخبار صدق، مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد۔

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں جملہ خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر خطوط بھیجیے:- مہتمم "صدق" لکھنؤ

صدق

چندہ سالانہ عہ | ششماہی ۳ | فی پرچہ

رجسٹرڈ نمبر ال ۱۰۶۲

نمبر ۱۲ | لکھنؤ - یکم - رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵- اکتوبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

انگلستان آج منبع "علم وادب" اور "معدن فضل وکمال" ہے، آپ کو علم ہے، کہ "روشنی" کی جو سب سے پہلی کرن یہاں پہونچی، وہ کس آفتاب کی تھی؟ جو کتاب اس ملک میں سب سے اول طبع ہوکر شایع ہوئی، وہ کون سی تھی؟ خبر یہ صدق کی نہیں، لندن یونیورسٹی کے استادِ عربی، پروفیسر گب کی تحقیق ہے، کہ وہ حکماءِ سلف کے اقوال وآراء پر ایک عربی کتاب کے لاطینی ترجمہ کے فرنچ ترجمہ کا انگریزی ترجمہ تھا!

پھر جب اٹھارویں صدی کے آغاز میں چھاپہ کی گرم بازاری فرنگستان میں ہوچکی ہے، تو اُس وقت الف لیلہ عربی ہی سے ترجمہ ہوکر انگریزی میں منتقل ہوئی، اور یوں ہاتھوں ہاتھ لی گئی، کہ چند ہی سال میں، کم ازکم ۳۰- ایڈیشن تو انگریزی اور فرنچ میں نکل گئے، اور ۱۹۲۳ء تک مختلف فرنگی ایڈیشنوں کی تعداد تین سو سے اوپر جا پہونچی! --- اور پھر وہ نیشاپور کا خیمہ دوز اور منجم عمر خیام! مشرق میں، اور اپنے وطن ایران میں جاہے جس گمنامی اور کس مپرسی میں پڑا ہو، انگلستان اور امریکہ میں تو پڑھے لکھے گھرانوں میں گھر گھر بیچ رہا ہے

ان حقایق کی یاد دلانے والے یہی پروفیسر گب ہیں، جنکا نام اوپر آچکا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں مشہور مستشرق سرٹامس آرنلڈ اور انکے ایک رفیق الفرڈ گویلام نے مل کر ایک کتاب "لیگیسی آف اسلام" کے نام سے لکھی، اور اُس میں ایک باب لٹریچر یا ادبیات پر ہے، پروفیسر گب کے قلم سے۔ اُس کے صفحہ ۱۸۰ پر یہ سب کچھ درج ملیگا۔ اسی کتاب کے شروع میں ایک دوسرے اہل قلم کے قلم سے یہ تصریح بھی ملتی ہے:

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس وقت یورپ کا بیشتر حصہ مادی وروحانی دونوں حیثیتوں سے زوال وانحطاط میں مبتلا تھا، مادی وروحانی دونوں حیثیتوں سے، اسپین کے مسلمانوں نے تخلیق کر رکھی تھی ایک عظیم الشان تمدن اور ایک منظم معیشت کی۔ ارتقاء علم وفن و فلسفہ وشعر میں ایک اہم اِنشا حصہ ہے اسلامی اسپین کا، اور اس کا اثر تیرھویں صدی تک کے انتہائی بلند فکریوں پر بھی پڑتا رہا، یہاں تک کہ ٹامس اکوئناس، اور دانتے پر بھی۔ (ص ۵)

گویا شاعر کی زبان میں

آں کس کہ گفت قصہ ما ہم ز ما شنید!

اور پھر یہ تو صرف ایک شہادت ہے، منجملہ بہت سی شہادتوں کے ہے جو انگریز اسکے قبل جمع کرچکے، اور یہ پروفیسر ہیں، اسکے اب جو آن کہ رہے ہیں، وہ سب، اور بہت کچھ اسکے علاوہ ہے — "صاحب" کے علوم وفنون سے مرعوب، اور اپنوں کی تحقیر سے لبریز، ذہنیتیں، کیا ہرج ہے، اگر کبھی کبھی یہ تحقیقیں بھی سُن لیا کریں، کچھ اور نہیں تو تبدیل ذائقہ ہی کے لیے سہی ——— وہ عبقریت جن کی ساری عمر کی وفادار، سلیقہ شعار، فرزندانیا، بہرت گھر گرہست، ... زندگی اگر آج بازاری طوائف یا کنیز بنانے کی سکت سامنے نظارت آجاتی ہے تو یہ قدر تو

تامتر اپنی ہی نظر کا اور رغبت اپنے ہی دل کا ہو۔

جنگ کا عذاب

فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے ایک عنایت نامہ میں لکھتے ہیں،

"دنیا جن حالات میں مبتلا ہے، اسکے متعلق کیا عرض کروں۔ مدت دنوں سے قرآن کی اس آیت یوم تاتی السماء بدخان مبین (سورۂ دخان) کے متعلق خیال گزرتا تھا کہ دھوئیں والا عذاب کہیں وہی تو نہیں ہے، جو سامنے آرہا ہے۔ اس امر کی طرف کہ رسول مبین کے متعلق جو لوگ اپنی تحقیقات کو 'معلم' اور 'مجنون' پر ختم کریں گے ان پر آسمان کھلے ہوئے دھوئیں کے عذاب کے ساتھ نمودار ہوگا، تو دیکھیے ان میں ریسرچ کے مدعیوں میں سے بعض نے کیا یہی دعویٰ نہیں کیا کہ رسول، یہود و نصاریٰ سے سیکھ کر قرآن پڑھتے ہیں، یعنی وہ معلم ہیں، یہ تو نبوت پر شبہہ کرنے والوں کا خیال ہے، اور بعضوں نے نبوت کی تصحیح کی، انھوں نے تکذیب کی راہ یہ نکالی کہ پیغمبر کو غلط فہمی ہوئی، وہ دماغی فتور میں مبتلا تھے۔ پھر بعضوں نے یہ کہا تھا، وہ آج دخان مبین کے عذاب میں گرفتار ہو رہے ہیں، تو کیا اس جرم کی یہی سزا مقرر نہ تھی؟"

اوپر سے آکر سروں پر پھٹنے والے توپ کے گولے، بم کے گولے، مشین گن اور بندوق کی گولیاں، لپٹیں، طرح طرح کی گیسیں، ان سب انتشار اور "دھوئیں دار" اسلحۂ حرب کے لیے ایک جامع اشارہ "دخان" سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور پھر رسول برحق کو "معلم" اور "مجنون" اس زمانے سے بڑھکر اور کب کہا گیا ہے؟ حق یہ ہے کہ مولانا مدظلہٗ کا ذہن لطائف و نکاتِ قرآنی کی جانب خوب ہی پہونچتا ہے، اور اسی کی ایک تازہ مثال یہ ہے، گو اس قسم کی تصریحات ابن کثیر وغیرہ میں بھی مل جاتی ہیں، کہ آیت میں دخان سے مراد اہل مکہ کا عذاب تھا نہیں، بلکہ قرب قیامت میں کوئی جدید عذاب ہے۔

"صاحب" کی سخن فہمی

کنسائز انسائیکلو پیڈیا، ۸ متوسط مجلدات میں، امریکہ کی علمی تحقیقات کا تازہ ترین ثمرہ ہے۔ عنوان 'عرب' (اریبیا) کے تحت میں ارشاد ہوتا ہے

"عربی ادب، جس کی زبانی شاعری پانچویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوئی، اس نے دنیا کو دو عظیم الشان کتابیں دی ہیں....
ایک قرآن... دوسرے الف لیلیٰ" (جلد اول، صفحہ)

!!! ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں! کیا کہنے ہیں اس سخن فہمی اور اس معیار تحقیق کے! عربی ادب کے سارے ذخیرے میں پسند آئیں دو کتابیں، ایک اُن میں سے قرآن، دوسرے الف لیلیٰ! ——— قرآن مجید تو اپنے جس مقام پر ہے، رہیگا، باقی "صاحب" کی خوش مذاقی اور سخن فہمی کی یہ سند نادر خوب ہاتھ آگئی!

تجدد کا تقیہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے رسالہ ترجمان القرآن (لاہور) کی تازہ اشاعت میں، ترکیہ کے ڈائرکٹر جنرل آف پریس کے ایک تازہ مقالہ "ترکی عورت تاریخ میں" کا اقتباس ذیل دیا ہے:

"قبل اسکے کہ ہم اُس بلند اور معزز مرتبہ سے بحث کریں، جو ہماری نوخیز جمہوریت نے ترکی عورتوں کو دیا یا پسند کیا ہے ہمیں ایک نظر یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ تاریخ کے مسلسل ادوار میں ترکی عورت کی زندگی کیسی رہی ہے۔ اس مختصر تبصرہ سے یہ بات واضح ہوجائیگی کہ آج ترکی مردوں اور عورتوں میں جو مساوات پائی جاتی ہے، وہ ہماری قومی تاریخ میں نئی چیز نہیں ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جب تک ترکی خاندان اور ترکی نظام تمدن بیرونی اثرات سے آزاد تھا، ترکی عورت ہمیشہ ہر تمدنی تحریک میں حصہ لیتی تھی۔ ہمارے مشہور ماہر اجتماعیات، ضیا گوک الپ نے اس مضمون کی خوب تحقیق کی ہے، اور اسکی تحقیقات سے اُن بہت سے حقوق کا پتہ چلا ہے، جو ترکی عورت کو پُرانی ترکی تہذیب میں حاصل تھے۔ ان شہادتوں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ قدیم ترکی عورت اور آج کی ترکی عورت کے درمیان تمدنی اور سیاسی اُٹھان کے اعتبار سے گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔"

بیشک، اول بہ آخر نسبتے دارد۔ جاہلیت اُولیٰ اور جاہلیت حاضرہ کے درمیان گہری مماثلت بالکل مسلّم، اور گوک الپ ضیا کی "ریسرچ" نے یقیناً یہ ثابت کر دکھایا ہوگا، کہ جس طرح بابل کے، مصر کے، ایران کے، یونان کے، روما کے، مشرکوں کے ہاں عورت کی وہی "قدر و منزلت" تھی جو آج فرنگی مشرکوں کے بازاروں اور ناچ گھروں میں ہے، اُسی طرح جاہلیت ترکیہ میں بھی عورت ویسی ہی "آزاد" ہوگی، بے قید ہوگی، جس منزل کی طرف آج تجدد زدہ ترکیہ جا رہی ہے، لیکن اقتباس میں بلیغ، اور بہت بلیغ ہے "ہماری قومی تاریخ" کا اجمال، اور "بیرونی اثرات" کا ابہام ———

کیا ترکی پریس کے ڈائرکٹر جنرل کو اب بھی، بایں قوت واقتدار، بایں جبروت و اجلال، یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ "قومی تاریخ" کے بجائے اگر صاف صاف "ترکی قبل اسلام" اور "بیرونی اثرات" کی جگہ کھلم کھلا "اسلامی اثرات" لکھ دیا جاتا، تو "مذہبی دیوانوں" کا جوش تازہ ہو جاتا؟ اور تجدد نوازی کا معاملہ کسی بغاوت کی صورت میں نمودار ہوتا؟

اسلام اور "ترکی" اسلام

یہ ضیا گوک الپ تھے کون بزرگوار؟ جو ترکی کو تجدد کی راہ پر ڈال گئے، اور ترقی و "آزادی" کی نئی راہ دکھا گئے؟ کسی مخالف کی زبان سے نہیں، خود خالدہ ادیب خانم کی زبان سے ان شخصیت کا تعارف سنیے، وہ:

"ایک نئی ترکی بنانا چاہتا تھا، جو عثمانی ترکوں اور اُنکے قرآنی اسلامات کے درمیان کی خلیج کو پُر کر سکے... اور اس مواد کی بنا پر تمدنی اصلاحات کرنا چاہتا تھا، جو اُس نے ترکوں کے زمانہ قبل اسلام کی سیاسی تنظیمات کے متعلق فراہم کیا تھا۔ اسے

"...... یقیناً تھا کہ عربوں کا قائم کیا ہوا اسلام ہمارے مناسب حال نہیں ہو سکتا"۔ (ترجمان القرآن" بابت ستمبر ۱۹۳۹ء)

خالدہ خانم لاکھ ادیب سہی، پھر آخر عورت ذات! "ناقص العقل"! بھید نہ چھپا سکی، دل کی بات آخر زبان پہ لے ہی آئی۔ مبارک سلامت "آزاد ترکیہ! خود مختار ترکیہ! اتاترک کا وطن ترکیہ! اسلام کی حقیقت پہچان نہ لی؟ عربوں کا قائم کیا ہوا اسلام بھلا کسی عثمانی ترک کی "خودداری" اپنی گردن میں یہ قلادہ ایک لمحہ کے لیے برداشت کر سکتی ہے؟ "آزاد" ترک کے فخر کے لیے کافی نہیں اسکے "تورانی سلالت"! تجدد نواز ترک نہیں کیا کوئی ہندوستان کا "ملا زدہ" مسلمان ہے، جو آج تک وجد کر رہا ہے۔ دین "حجازی" پر، رسول "عربی" پر، اور سردھن رہا ہے اپنی نعتیہ نظموں میں تعبیرات "مکی" اور "مدنی" اور "قریشی" اور "ہاشمی" اور "مطلبی" ہونے پر!

"تجدد" کی خودداری!

"تہران (علاقہ ایران) کے جدید عظیم الشان ہوٹل کے ساز و سامان کو دیکھ کر تو میں دنگ رہ گئی اور جب استادوں کے سرکاری ٹریننگ اسکول (دارالمعلمین عالی) کا میں نے معائنہ کیا تو یہ دیکھ کر حیرت و مسرت ہوئی کہ وہاں ۳۰۰ مرد طلبہ کے پہلو بہ پہلو ۱۵۰ طالبات بھی مشغول علم ہیں! چھ سال قبل مردانہ تعلیم گاہ میں ایک عورت کا بھی داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ اب ایک عورت بھی ایران میں زیر نقاب نہیں۔ مرد و عورت سب یورپی لباس میں ملبوس ہو گئے ہیں"۔

مصر کی "روشن خیال" خاتون مس فوزی نے اپنے ایک تازہ بیان میں خوش ہو ہو کر ایران کی ترقیوں کے سلسلہ میں فرمایا۔ (ڈکن ٹائمس، مدراس، ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء)

کیا خوب ہے یہ "ترقی" کا تخیل، اور کیا خوب ہے یہ خودداری! ہر ایرانی مرد، اپنی وضع و لباس میں، فرنگی بن گیا، اور ہر ایرانی عورت، فرنگن۔ اور اس پر مسرت و شادمانی کے نعرے ایران سے مصر تک بلند ہو رہے ہیں، اور غلامی پر نازاں "تجدد" کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں! اور اس سے بھی بڑھ کر مسرت اسکی کہ سیکڑوں مرد، سیکڑوں عورتیں جبر بشانہ، تحصیل علم میں لگ گئے۔ گویا ایک ہی مکتب میں بیٹا اور بیٹیاں ان کے ساتھ درس لینے لگے! اور پھر سب سے بڑھ کر معیار ترقی یہ ہے کہ ہر زنانہ چہرہ بے حجاب بے نقاب!

جو منہ دکھائی کی ہے رسم پر مصر ابلیس
تو منہ چھپائیں گی حوا کی بیٹیاں کب تک!

بے حجابی میں حجاب

شفیلڈ (انگلستان) کی خبر ہے کہ مقامی کارنیوال میں لیڈی گوڈیوا کا تماشہ ہونے والا تھا۔ مگر شہر کی کوئی عورت لیڈی گوڈیوا کا پارٹ ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوتی۔ آخر میں ایک مرد مسٹر چیڑولی (ایک ڈیری کے منیجر) اسنے یہ روپ بھرنا قبول کیا۔ چنانچہ اخبارات میں وہ مرد صاحب کی تصویر بھی نکلی ہے، جو عورت بنے ہوئے، اور جسم کے بیشتر حصہ کو چادر سے چھپائے ہوئے، زلفیں کھولے ہوئے، گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے، پارٹ ادا کرتے جا رہے ہیں! (خلافت روزنامہ ہند، ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء، بمبئی)

خبر کا لطف جب آئیگا، جب پہلے لیڈی گوڈیوا کی تلمیح سے واقفیت ہو۔ کہتے ہیں کہ لیڈی صاحبہ، گیارہویں صدی عیسوی کی ایک انگریز خاتون ہیں۔ انکے شوہر ایک چھوٹے سے علاقہ کے بڑے ظالم فرماں روا تھے۔ خلقت ٹیکسوں کی زیادتی سے چیخ اٹھی۔ لیڈی صاحبہ درمیان میں پڑیں۔ شوہر نامدار نے فرمایا کہ تمہاری سفارش قبول کرنے کو تیار ہوں، لیکن ایک شرط کے ساتھ۔ اور وہ یہ ہے کہ تم بالکل برہنہ مادرزاد ہو کر، گھوڑے پر سوار، سارے شہر کا ایک چکر لگا لو۔ لیڈی صاحبہ راضی ہو گئیں، اور شہر میں یہ منادی کرا لینے کے بعد، کہ کوئی شخص بھی نہ گھر کے باہر نکلے، نہ اندر سے جھانکے، محض اپنی زلفوں کو چادر بنا، شوہر کی شرط پوری کر دی۔ صرف ایک شامت زدہ درزی نے جھانکا، وہ اندھا ہو گیا اور انگریزی ادب میں آج اسکا نام چلا آتا ہے!

خبر کو اب ایک بار پھر پڑھیے۔ گویا کہنا یہ ہے، کہ اتنی بیحیائی پر خود تہذیب جدید کی نسائیت کو بھی آخر حیا آ ہی گئی! ——— یہ شفیلڈ (جہاں کے چھری، چاقو، وغیرہ کے کارخانے مشہور ہیں) معلوم ہوتا ہے، مشرق ہی کا کوئی علاقہ ہے، جہاں بیسویں صدی کی آزادیوں میں بھی اتنی کہنگی، اتنی فرسودہ خیالی باقی ہے! جسم نسوانی تو قدرت کا بہترین اور جمیل آرٹ ہے، اسکے چھپانے کے آخر معنی ہی کیا؟

بیسویں صدی کی "کمیونزم"!

"ماسکو۔ جمعیت متحدہ سوویٹ روس کا قصر عالی جو عرصہ سے زیر تعمیر تھا، تیار ہو گیا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ اسکی بلندی ۱۳۰۰ فٹ ہے، نیویارک کے قصر حکومت سے بقدر ۱۲۰ فٹ کے، اور پیرس کے آئفل ٹاور سے بقدر ۳۷۰ فٹ کے بلند تر۔ اس محل کے اوپر لینن کا بت ۳۳۰ فٹ بلند نصب ہوگا، جو ۴۰ میل کے فاصلہ سے دکھائی دے گا۔ عمارت کے وسط میں ایک عظیم الشان ہال ۳۳۰ فٹ بلند ہے جس میں کانفرنسوں اور دوسرے مجمعوں کے لیے ۲۱ ہزار نشستوں کی گنجائش ہے۔ کل کمرے عمارت میں ۶ ہزار ہیں، جن میں ایک وقت میں ۴۰ ہزار انسان مقیم ہو سکینگے۔ برقی زینے ۲۵۰ کی تعداد میں ہیں"۔ (ملخص، رائٹر کا تار، لیڈر، ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء)

اور اس چالیس ہزار والی انسانی بستی کا نام محض ایک مکان یا عمارت ہی رہیگا، شہر الگ رہا، قصبہ بلکہ ایک محلہ کا بھی اطلاق اس پر نہ ہوگا!——
اور یہ عمارت "یادگار" کس کی ہوگی۔ فرانس اور برطانیہ اور امریکہ کے سودخوار اور بددیانت اور حریص سرمایہ داروں کی نہیں، اخلاص دوست، ایثار پیشہ، غربت نواز، روس کے مزدوروں اور اہل حرفہ کی! خوب ہے، سوشلزم اور خوب تر ہے یہ کمیونزم، جس کی سر بفلک "عمارت" کے آگے بڑے بڑے تاجداروں کے محل اور قصر، کوٹھیاں اور حویلیاں، سب شرما کر رہ جائیں؟ یہ بھی کوئی پرانی دقیانوسی "اسلامی" سوشلزم تھی، کہ امیرالمومنین کے رہنے کے لیے دیوار کھجور کی چٹائی کی، اور چھت کھجور کی تیوں کی!

"خاکسار" اور "مشرقی"

تحریک "خاکسار" سے متعلق، ہمعصر نقیب میں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (مدظلہ) کا حسب ذیل مکتوب

گرامی ایک مستفسر صاحب کے جواب میں شائع ہوا ہے:—
"الشاہد علیہ میں نے تذکرہ اور دوسری کتابیں خود دیکھی ہیں۔ وہ قطعی اسلامی نہیں ہے۔ ان کے عقائد و اقوال سراسر خلاف اسلام ہیں۔ اور ان پر قطعی وہی فتوے عائد ہو سکتا ہے جو آپ نے لکھا ہے۔ پس اگر کوئی ان عقائد کا مخالف ہو اور محض تنظیم پر ان کے ساتھ موافقت کرے تو اس پر وہ فتوے عائد نہیں ہو سکتا ہے مگر اندیشہ قوی ہے کہ اختلاط و ارتباط سے آہستہ آہستہ وہی اثر ہو جاوے۔ لہذا خطرہ سے بچنا ضروری اور واجب ہے۔ فقط

اشرف علی (تھانہ بھون)"

مولانا نے اپنے حسب معمول اس مختصر جواب میں بھی احتیاط و اعتدال کے تمام پہلو ملحوظ رکھ لیے ہیں، اور یہ عین حکم قرآنی تعاونوا علی البر والتقوی اور ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی تشریح و توضیح ہے۔ سمجھنے والی چیز یہ ہے کہ جس طرح ایک کی گمراہیاں ہیں، نیز ہر ایسی چیز جو ان گمراہیوں کی طرف لے جانے والی ہو۔ مشرقی کا "اسلام" "اسلام جدید" ہے، "تجدد" کا وہی ایک دھارا، جو ترکی، مصر، ایران، و ہندوستان میں مختلف سانچوں سے نکل رہا ہے۔

جرائم کی ترقی

۱۹۳۴ء میں، تعداد جرائم، صوبۂ اودھ میں، ۲۸،۴۲۴ تھی۔
۱۹۳۸ء میں " " ۲۴،۵۱۲ تھی۔
"... اسی سال، مدت پنجسالہ میں ہر سال سے زائد رہی۔ تین ضلعوں کو چھوڑ کر چوری کے واقعات سب کہیں زائد رہے خصوصاً لکھنؤ میں۔ قانون شکنی اور امن عامہ میں خلل اندازی کے واقعات بہ کثرت پیش آتے رہے، قتل، ڈکیتی بلوہ اور رہزنی کی وارداتوں میں نمایاں اضافہ رہا"۔ (ملخصاً: صوبہ وار رپورٹ انتظامی، بہ حوالہ پائنیر - ۲۰ ستمبر ۱۹۳۹ء)

اعداد صرف صوبۂ اودھ سے متعلق ہیں، لیکن یہ صورت حال نہیں کہاں ہے؟ "ترقی" کے نتائج آپ نے دیکھے؟ "آزادیوں" کے ثمرات اب بھی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یا نہیں، کہ خود آپ ہی کے قائم کیے ہوئے معیار کے مطابق، آپ کی "ترقی تعلیم" اور "آزادی افکار" اپنے جلو میں کیا چیز لا رہی ہے؟ امن یا بد امنی؟ نیک چلنی یا بد چلنی؟ شرافت یا شرارت؟ زندگی یا موت؟ صلح و اتحاد یا شر و فساد؟

نقش تہذیب!

حضرت اقبالؒ کے اشعار ذیل رسالہ طلوع اسلام (دہلی) کے صفحہ اول پر شائع ہوئے ہیں۔ کلام کی، خصوصاً آخری دو شعروں کی معنویت و پر اثری، داد سے بالاتر ہے:—

من از رخ زنانۂ تہذیب پرفروخت — خاک سیاہ خویش چو آئینہ وانمود
پوشیدہ پنجہ داشتہ ... جریر — افسون تازہ شد و تیغ از کمر کشود
پیر ابو الہوس صنمکدۂ صلح عام ساخت — رقصید گرد او بنوائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردۂ ناموس او درید — جز ایں فک الداء "وخصیم مبین" نبود

جنگ موجودہ کی مصوری اس سے بہتر و صحیح تر اور ہو کیا سکتی ہے؟

پیش لفظ "شمع ازل"

(از عبد الماجد)[1]

[شمع ازل، مصنفہ اثر زبیری لکھنوی پر مدیر صدق کے قلم کا پیش لفظ]

شعر و شاعری اگر محض فنون لطیفہ کی ایک شاخ ہے تو دین فطرت اس سے بیزار اور اسکا دشمن ہے، وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ، کہ وہ محض حقائق کا آئینہ ہے۔ اسکے اندر اصنام پرستی کی گنجائش کہاں؟ چاہے وہ اصنام ادب ہوں یا مادی۔ مورتیں پتھر کی ہوں یا لفظ و عبارت کی۔ والشعراء یتبعہم الغاوٗن الم تر انہم فی کل واد یہیمون وانہم یقولون ما لا یفعلون۔ لیکن یہی شاعری اگر حق کی خادم، اور دین کی کنیز بن کر آتی ہے، تو اسکے لیے دربار رسالت تک میں جگہ نکل آتی ہے۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا۔ حسانؓ بن ثابت اسی چتر رحمت الہی کے سایہ میں ہیں، اور رومیؒ و سعدیؒ سے لیکر اکبرؒ و اقبالؒ تک ایک پورا سلسلۂ زریں نظر آ رہا ہے۔

اللہ کا فضل و کرم ہے کہ لکھنؤ کے ایک نوجوان شاعر کو شاعری کی سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب ہوئی، عین اسوقت جب انکے بکثرت ہمعصر غلط راستہ پر پڑے ہوئے اس پر چلنا اپنے لیے باعث فخر سمجھ رہے تھے۔ کوئی گل و بلبل، زلف و کاکل میں مست، اور کوئی اس سے بھی بڑھ کر سوشلزم و کمیونزم، وطنیت و الحاد کے پرچار میں سرمست! خوش نصیب ہے وہ مسافر جو فضا کی تاریکیوں میں بھی راہ راست کو نہ چھوڑے، اور گھٹاٹوپ اندھیریوں میں بھی اپنا منہ منزل مقصود سے نہ موڑے!

اثر صاحب، یہ بات نہیں کہ غزل کہہ نہ سکتے ہوں۔ کہتے ہیں اور جیسا کہ انکے نمونہ کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوا، ایسا کہتے ہیں کہ ہمتوں کے لیے باعث رشک بن سکتے ہیں۔ جو یہ کہہ سکتا کہ:—

آنکھ اس شوخ سے لڑائیں کیوں — ناوک بے پناہ کھائیں کیوں
کیوں رکھیں دل میں گلرخوں کا خیال — آگ اس گھر میں ہم لگائیں کیوں
سجدۂ پائے بت معاذ اللہ — اپنا ایمان ہم گنوائیں کیوں

یا یہ کہ:—

دلدادۂ ادائے دل آرا نہیں ہوں میں — خاک ایسی زندگی پہ کہ رسوا نہیں ہوں میں
دھوکا میں کھا سکیں گے اے چشم نرگسیں — شائستۂ فریب تماشا نہیں ہوں میں
صحرا میں بھی دل پہ ہجوم خیال دوست — از بسکہ انجمن میں ہوں تنہا نہیں کہیں میں

کیسے نہ کہا جائے کہ اسے روحانیت و حسن سے براہ راست فیض حاصل ہو رہا ہے؟ پھر اسی طرح یہ اشعار پڑھ کر کہ:—

ایک مست شباب نے مارا — بت کافر خطاب نے مارا
اسکی بتیا بیوں پہ حیرت ہے — نالۂ کامیاب نے مارا
اس تجلی کی تاب تھی کس کو — کرم بے حساب نے مارا
جنبش حسن و عشق کیا کہنا — اس سوال و جواب نے مارا
لذت نظارہ انکے جلنے کا — ڈوبنے آفتاب نے مارا

کون کہہ سکتا ہے کہ اثر، شاعری کی راہ کا کامیاب رہرو نہیں؟ تغزل و تشبیب پر یہ قدرت رکھنے کے باوجود طریق منقبت سرائی

[1] صفحات ۲۱۶ صفحہ - مجلد - قیمت عہ رتبہ - زبیری منزل - [illegible] - لکھنؤ

اختیار کرنا دلیل ہے سلامتِ ذوق وصحتِ فکر کی، اور پیش خبری سے شاعر کے حسنِ انجام کی۔

شمعِ ازل کو جا بجا سے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ ہر سطر گل و گلزار، ہر ورق ورقِ بہار۔ اور کیوں نہ ہو، نمزمۂ حمد و مناجات سے بڑھ کر لذت کس داستان میں، اور نعتِ رسولؐ و ثنا خوانِ رسولؐ سے زیادہ دلکشی کس عنوان میں؟

ملت کی بدبختیوں میں ایک مصیبت یہ بھی ہے، کہ مدحِ صحابہؓ اور ثنائے اہلبیتؓ گویا دو چیزیں متقابل کی اور ایک دوسرے کی حریف سمجھ لی گئی ہیں، اور مناقبِ صدیقی اور مناقبِ مرتضوی میں کہنا چاہیے کہ رشتۂ منافات قائم ہو گیا ہے۔ شمعِ ازل نے بحمد اللہ اس تاریکی کو بھی اُجالے سے بدل دیا ہے اور اہلِ سنت کے صحیح مسلک کو، ہر مسلم کے سچے مذہب کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ یہاں اگر زوجِ رسولؐ کی شان میں مدح و توصیف کے دریا بہتے نظر آئیں گے ؎

عصمت کے معبد رسا کو فطرت نے جب سنوارا | عفت کے گلکدوں کو قدرت نے جب نکھارا
جب حسن دلکشی نے رنگیں نقاب ڈالا | ناموسِ نسوانیت کا ڈھونڈھا عصمت نے جب سہارا

نطرت کا خواب کر کے، موتی کی آب کر کے
قدرت نے عائشہؓ کو بھیجا شباب کر کے

تو فرزندِ بتولؓ کے حق میں بھی عقیدت کی یہ لہریں اُٹھتی دکھائی دیں گی ؎

اے حسین بن علیؓ اے گلِ بستانِ نبی | نورِ فانوسِ ازل شمعِ شبستانِ نبی
ہاں تری ذات تو تھی رونقِ بلغِ اسلام | تھا ترے نام سے تابندہ چراغِ اسلام
اے حسین لے کہ شہادت تجھے سرمایۂ ناز | ناز کرتا ہے تری ذات پہ محملِ حجاز
رایتِ عظمتِ اسلام ترے ہاتھ میں ہے | رعبِ فاروقؓ کی صمصام ترے ہاتھ میں ہے

نقشِ توحید زمانے میں جلی ہوتا ہے
عازمِ دشت، حسین ابن علی ہوتا ہے۔

واقعۂ معراج کی تصویر کشی آج تک خدا جانے کتنے صناع و نقاش کر چکے ہیں، لیکن ذیل کے شعر کون دل والا ہے جس کا دل بیکل کرتے رہے ؎

اُٹھنے لگے کیونکر حرمِ حق کے حجابات | کس شان سے پہونچے ہیں کہاں وہ کہاں دیکھ
اب قوسین کا پردہ | کس جا پہ ہیں محبوبِ خدا جلوہ فشاں دیکھ
پھر ہونے لگی گفتگوئے رازِ نیاز آج | اللہ سے بندے کا ذرا طرزِ بیاں دیکھ
ہاں بخششِ امت کی دعاؤں پہ نظر کر | جس غم میں ہے کس واسطے آقا کی زباں دیکھ

معراج کی شب عقدہ کشا ہو کے رہیگی
آقا کی دعا آج رسا ہو کے رہیگی

اور کون ہے جو اپنی زبان اور زبانِ قلب سے نکلی ہوئی اس مسلم کی دعا پر آمین نہ کہے گا ؎

اپنا بنا لے اے خدا بہرِ رسولِ ہاشمی | سبحۂ دانہ دانہ کو رشتۂ استوار دے
نامِ عمرؓ سے بخش دے روح کو سوزِ عاشقی | اہلِ وفا کو تا ابد دامنِ یارِ غار دے
رسم ورہِ غنیؓ سے ملے جذبِ دلِ عثمانؓ ملے | آنکھ میں ہو حیا بھری ہاتھ میں ذوالفقار دے
رعب سے تھرتھرا اُٹھے گنبدِ قصرِ قیصری | پیرِ دیارِ یار کو صولتِ چار یار دے

اور جن محفلوں میں یہ نظمیں خوش الحانی سے سنائی گئی ہونگی، اسکا تو خدا ہی کو علم ہے کہ کیا حال ہوا ہوگا!

اللہ نے "اثر لکھنوی" کو ایک نعمت سے سرافراز کیا ہے۔ ان سے اس "بے اثر" "دیہاتی" کی عرض یہ ہے کہ نعمت کی ناقدری نہ کریں اور شکرِ نعمت کی بہترین

صورت یہ ہے کہ اپنے قلم و دماغ کو دین کی نصرت اور اعدائے دین سے مقابلہ کے لیے وقف کر دیں۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ آج محمدؐ کا لایا ہوا دین کس طرح نرغۂ اعدا میں محصور ہے، خود اپنے کہلانے والے کس طرح ہر روز اپنوں سے کٹ کٹ کر اغیار کی صف میں شریک ہوتے جاتے ہیں، اور کتنے وفادار، غدار بنتے جا رہے ہیں؟ اُنھوں نے خود کتنا صحیح کہا ہے ؎

نہ رہے وہ خالدِ صف شکن نہ وہ بو عبیدہؓ تیغ زن
نہ وہ نصرتِ اسداللّٰہی نہ وہ ضیغمی نہ وہ صفدری
روشِ صحابہ سے ملے ہیں کہ جہاں میں آج بھی زندہ ہیں
وہی بو لہب کی شرارتیں وہ مرحبی وہی عنتری

جب اسلام آج مہذب دنیا میں سب سے بڑا جرم ہے، کہ اسکا نام تہذیبِ نَو کی اصطلاح میں، کمیونلزم (فرقہ وارانہ) ہے اور فرقہ واری سے بڑھ کر کوئی گالی لغتِ سیاست میں موجود نہیں۔ جبکہ لات منات معزول شدہ دیوتا سب ایک ایک کر کے بحال ہو گئے ہیں، ٹوٹی پھوٹی مورتیوں میں از سر نو جان پڑ گئی ہے، اور جاہلیت اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ نشانۂ اسلام پر حملہ آور ہوئی ہے۔ فخرِ اسلام کی حلقہ بگوشی پر نہیں "آزاد خیالی" پر کیا جا رہا ہے۔ اور بے حجابی، عصمت فروشی، قمار بازی، سود خواری، برہنہ رقاصی، کن کن فتنوں کو "آزادیٔ نسواں" "معاشی آزادی" "لاٹری" "سنیما" "بینک سازی" "آرٹ" اور "فائن آرٹ" کی خوشنما و سامعہ فریب اصطلاحوں کے پردے میں جگایا جا رہا ہے! اور یہ سب کچھ اب نظم و شعر کی راہ سے بھی شروع ہو گیا ہے! ——— مبارک ہے وہ شاعر جو اس مرحبی و عنتری کے مقابلہ میں اپنی "نصرتِ اسداللّٰہی" و صفدری کا ثبوت بہم پہونچا رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸)

غرباء کو مرزائیاں تقسیم کی گئیں۔ اس سے پہلے علیگڈھ کے ہندو مسلم فساد کے مجروحین کو امداد پہونچانے میں مجلس نے بہت حصہ لیا۔

پچھلے سال سے مجلس کی نگرانی میں باقاعدہ فرسٹ ایڈ کلاس جاری ہیں اور ڈاکٹر عزیز احمد صاحب میڈیکل انچارج مسلم یونیورسٹی مجلس کی درخواست پر نہایت تندہی اور دلچسپی کے ساتھ فرسٹ ایڈ میں طلباء کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ آج جو کچھ علیگڈھ میں اسلامی روح اور بیداری نظر آ رہی ہے وہ بہت بڑی حد تک مجلس اسلامیات ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہم امید کرتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ حضرات مجلس اسلامیات کو تقویت پہونچانے میں کسی طرح دریغ نہ کرینگے۔ طلباء، اساتذہ، اولڈ بوائز غرض مسلم یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے تمام اصحاب اس مجلس کے رکن ہو سکتے ہیں۔

مجلس کی رکنیت کا ایک روپیہ سالانہ چندہ ہوگا۔

مجلس کے اعیان یا سرپرستوں میں شامل ہونے کیلیے یکمشت سو روپیہ یا ایک روپیہ ماہوار ادا کرنا ہوگا۔

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

برتھ کنٹرول

(میونسپل کمیٹی دہلی میں واحدی صاحب کی تقریر)

جناب صدر! برتھ کنٹرول کلنک کے محرک نے فرمایا ہے کہ ہندوستان کو ترقی یافتہ ممالک کا ساتھ دینا چاہیے اور تجربہ کے طور پر "برتھ کنٹرول کلنک" کھول دینا چاہیے۔ جہاں عورتوں کو برتھ کنٹرول کے طریقے سکھلائے جائیں۔ اور جہاں برتھ کنٹرول کرنے کی تبلیغ کی جائے۔

میں اپنے عزیز دوست کے سامنے قرآن و حدیث یا وید و انجیل کے حوالہ سے نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک کے صحائف قدسی ہی کے ذریعہ ثابت کرونگا کہ تجربہ کرنے والوں نے برتھ کنٹرول کا تجربہ کر لیا ہے۔ اور ہمیں اور آپ کو مزید تجربہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قریباً ڈیڑھ سو سال سے برتھ کنٹرول کی وبا یورپ و امریکہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ساٹھ سال گزر گئے کہ وہاں اوزار آلات سے برتھ کنٹرول کرنے کا تجربہ جاری ہے۔ ڈیڑھ سو سال اور ساٹھ سال کا زمانہ تجربات کے لیئے ناکافی نہیں ہوتا۔ یہ تجربہ جاہل، غیر مہذب اور محکوم و غلام ہندوستانیوں نے نہیں کیا۔ روشن دماغ علمبرداران تہذیب بادشاہوں اور آزادوں کی قوم نے کیا ہے۔ جنھوں نے کیا تجربہ کیا ہے۔ اور بالآخر وہ کس نتیجہ پر پہونچے ہیں؟ وہ انھیں کی زبان سے سن لیجئے:-

انگلستان کا نیشنل برتھ ریٹ کمیشن جس میں بڑے بڑے ماہرین طب سائنس سے مل کر اپنی ایک رپورٹ میں لکھتا ہے

"برطانیہ کو شرح پیدائش کی کمی پر تشویش کی نظر رکھنی چاہیے اور اس کمی کو روکنے کے لیے عملی تدابیر اختیار کرنی چاہیں"۔

سر جارج نیومین جو انگلستان کی وزارت صحت کے چیف میڈیکل افسر ہیں کہتے ہیں کہ

"اگر شرح پیدائش کی روز افزوں کمی کو نہ روکا گیا تو برطانیہ ایک جوتھے درجہ کی طاقت رہ جائیگی"۔

فرانس کے مدبروں کا خیال ہے کہ شرح پیدائش کا زوال فرانسیسی قوم کا زوال ہے۔ فرانس کی حکومت زیادہ بچے پیدا کرنے والے گھرانوں کو مالی امداد دے رہی ہے۔ اس نے ان پر سے ٹیکس کا بار ہلکا کر دیا ہے انکی تنخواہیں اور مزدوریاں بڑھا رہی ہے۔ ان سے ریل کا کرایہ کم لیا جاتا ہے۔

جرمنی نے عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں سے نکال دیا ہے تاکہ وہ گھروں میں جا کر بیٹھیں اور گھریلو عورتوں کی سی زندگی بسر کریں۔ ایک بچہ کے باپ سے وہاں پندرہ فی صدی رعایت کی جاتی ہے، دو بچوں کے باپ سے پینتیس فی صدی، تین بچوں کے باپ سے پچپن فی صدی، چار بچوں کے باپ سے پچھتر فی صدی، پانچ بچوں کے باپ سے پچانوے فی صدی اور چھ بچے ہو جائیں تو پھر ٹیکس لیا ہی نہیں جاتا۔

میں اور مثالیں بھی دے سکتا ہوں لیکن کمیٹی میں لمبی تقریریں نہیں کی جاتیں۔ بس دوسروں کا حق تقریر اور وقت چھیننا نہیں چاہتا۔ ترقی یافتہ ممالک کی تقلید اور تجربہ کرنے کی نسبت مختصراً بس اتنا اور کہنا ہوں کہ کسی ایسے ملک کی حکومت نے جہاں حکومت ملک کے باشندوں کی ہو برتھ کنٹرول کو جائز نہیں سمجھا۔ البتہ اب تک غیر اپنی قوم کی برتھ کنٹرولی دیوانگی کو چھپے اہتمام سے دبانے کی سعی میں مصروف رہے ہیں اور ترقی یافتہ قوموں کی خود بھی آنکھیں کھل گئی ہیں، اور

marriage Loans, (قرضہائے شادی)

League of National life (جمیت حیات قومی)

اور National Alliance for the increase of population

وغیرہ ناموں سے زبردست تحریکیں یورپ و امریکہ میں برتھ کنٹرول کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔

جناب صدر! اب میں چند موٹے موٹے نقصانات ضبط ولادت کے بیان کرکے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔

جناب والا۔ ہندوستان میں تو ادنیٰ طبقہ برتھ کنٹرول کیا کریگا یورپ و امریکہ میں بھی ادنیٰ طبقہ برتھ کنٹرول سے دور رہا ہے۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ پسماندوں کی پسماندگی اور مفلسوں کی مفلسی دور کرنے کے لیے برتھ کنٹرول کلنک قائم کرنے کی ضرورت ہے لیکن کہنے والوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ برتھ کنٹرول کرنے پر کتنا خرچ کرنا پڑتا ہے؟ پسماندہ اور مفلس اس خرچ کو برداشت کر سکینگے؟

جناب صدر! یہ سب جانتے ہیں۔ امراء کا طبقہ جوانی اور عیش و عشرت کو حتی المقدور دائم رکھنے کے لیے برتھ کنٹرول کرتا ہے اور صاف لفظوں میں یہ سینے کہ بچوں کے وجود کو عیاشیوں میں حارج پاکر چاہتا ہے کہ بچوں کے جھگڑے میں نہ پھنسے۔ برتھ کنٹرول کرنے والے عموماً وہ لوگ ہیں جنکی فقط دو موٹروں کی قیمت میں غریب کا نہیں خود ان موٹر والے ہی کا بچہ پل کر جوان ہو سکتا ہے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن سکتا ہے۔

امراء کے طبقہ کے بعد متوسطین کا طبقہ ہے جسکی عادت جاریہ ہے کہ امراء کے طبقہ کی تقلید کرے اور اپنے سکون کو تباہ و برباد کر ڈالے۔ یہ طبقہ متوسطین برتھ کنٹرول کے مرض میں دوسرے نمبر پر مبتلا ہے۔ ہندوستان کا ذکر نہیں کر رہا ہوں متمدن و ترقی یافتہ ممالک کا ذکر کر رہا ہوں، وہاں بس ان ہی دو طبقوں نے اس سعادت کو حاصل کیا ہے۔ تیسرا طبقہ یعنی پسماندہ اور مفلس لوگوں کا طبقہ جسکے نام سے برتھ کنٹرول کی تحریک جاری کی گئی ہے اس سے یکسر محروم ہے۔

اسکا نتیجہ یہ ہے کہ مہذب و ترقی یافتہ ممالک کو شکایت ہے کہ ان میں اعلیٰ طبقہ اور اوسط طبقہ گھٹ رہا ہے اور ادنیٰ طبقہ بڑھ رہا ہے۔ کیا دہلی میں برتھ کنٹرول کلنک بنوانے والے یہ چاہتے ہیں کہ دہلی میں بھی اچھے گھرانے ختم ہو جائیں اور ایک ہی طبقہ کا دہلی میں دور دورہ رہ جائے؟

جناب والا- تین چیزیں ہیں جو انسان کو زنا اور بدکاری سے باز رکھا کرتی ہیں- اول مذہبیت۔ دوسرے شرم و حیا۔ تیسرے ہمجنسوں کی طعنہ زنی۔ مذہبیت سب کو معلوم ہے کہ کس حال میں ہے۔ خدا کا تصور باقی ہوتا تو اسنے بحث و مباحثہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ میں خدا کے بھروسہ کا نام سنے دیتا اور برتھ کنٹرول کلنک کی عمارت دھم سے آپڑتی۔ شرم و حیا بھی تیز رفتاری کے ساتھ رخصت ہو رہی ہے۔ عورت و مرد کا ملنا جلنا اور اختلاط اب معیوب نہیں۔ لہذا اب صرف تیسری چیز رہ جاتی ہے

جس کی وجہ سے مرد یا عورت بدکاری سے بچ سکتے ہیں یعنی ہم جنسوں کی ملامت اور سوسائٹی کا خوف۔ برتھ کنٹرول کلنک بن گیا تو یہ خوف بھی جاتا رہیگا۔ بچہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہی نہ رہیگا تو بدکاری سے بچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ برتھ کنٹرول کا ناک سے بدکاری کا لائسنس لا کر دینگے۔ میں میونسپل کمیٹی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ شہر میں بدکاری نہ پھیلنے دے اور اس بات کو اپنے فرائض میں بڑھا لے۔ کیونکہ میرا دعویٰ ہے کہ مذہبی باتوں کو اپنی آج کی تقریر میں نہیں لاؤنگا۔ مگر بدکاری کے ساتھ امراض خبیثہ کا پھیلنا لازم ہے اور امراض خبیثہ کی روک تھام کے فرائض میں پہلے سے داخل ہے۔

تیسرا نقص برتھ کنٹرول کا جناب صدر! میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ برتھ کنٹرول کرنے سے یعنی بچوں کی پیدائش روکنے سے ہماری منزلی زندگی خراب ہو جائیگی۔ اولاد ماں باپ کے تعلق کو مستحکم کرنے میں سب سے بڑی معاون ہوتی ہے۔ میاں بیوی کے پیروں میں اولاد ایسی بیڑیاں ڈال دیتی ہے جو عمر بھر نہیں ٹوٹتیں۔ حال ہی میں ایک دن کے اندر انگلستان کی ایک عدالت طلاق نے ایک سو پندرہ نکاح فسخ کرائے ہیں، اور یہ ایک سو پندرہ جوڑے سب کے سب بے اولاد تھے۔

جناب والا! آندھیوں کے ڈر سے درخت کٹوا ڈالنا یا شکر کے آنے سے گھبرا کر پیشاب بند کر دینا کسی عقلمند کے نزدیک عقلمندی نہیں ہے۔ اسی طرح بچوں کی پرورش نہ کرسکنے کے خیال سے بچوں کو پیدا نہ ہونے دینا بھی عقلمندی نہیں قرار پا سکتا۔ آمدنی بڑھائیے اور خرچ گھٹانے کی ضرورت ہو تو خرچ اور گھٹائیے۔ وسکی اور شمپین کی ایک بوتل کے بدلہ میں ایک بچہ کی کئی دن کی خوراک آسکتی ہے۔ ایک سوٹ کی قیمت سے ایک بچہ کی زندگی بچ جانی ممکن ہے۔ کلبوں کی فیس دینی اور گھوڑ دوڑوں کے ٹکٹ خریدنے بند کیجیے۔ سیکڑوں بچے ان بچتوں سے تندرستی حاصل کر سکتے ہیں۔

جناب صدر! ان خیالات اور ان توجیہات کو پیش کر کے میں برتھ کنٹرول کلنک قائم کرنے کی مخالفت کرتا ہوں۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں اسلامی ہفتہ

(از نامہ نگار خصوصی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی، مولانا سیفی ندوی و دیگر اکابر ملت کی تشریف آوری علیگڈھ — ستمبر ۱۹۳۹ء

انجمن تاریخ و تمدن اسلامی مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام جس شان کے ساتھ اسلامی ہفتہ منایا گیا اور جس خوبی کے ساتھ سات دن تک مسلسل ہندوستان کے منتخب مشاہیر از علمائے ملت و علمائے کرام نے مختلف عنوانات اسلامی پر تقریریں فرما کر طلبا و اساتذہ جامعہ کو مستفید فرمایا ہے وہ پوری امت کے لیے باعث صد ہزار تشکر ہے۔ ارکان انجمن میں خصوصیت کے ساتھ جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی پروفیسر تاریخ اسلام نے انتہا شغف و شوق کے ساتھ شبانہ روز ان جلسوں کو کامیاب بنانے میں کوشاں رہے۔ آپ کو اسلامیات سے جتنی دلچسپی ہے اور مسلمانوں کا جتنا درد آپ کے دل میں ہے اس کا اندازہ ان جلسوں کی کامیابی اور یونیورسٹی میں زیادہ سے زیادہ اسلامی فضا پیدا کرنے کے لیے آپ کی ان تھک مساعی جمیلہ سے ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ اس سلسلہ میں آپ کے تعمیری پروگرام اور ارادے زیادہ سے زیادہ کامیاب ہوں۔ چنانچہ آپ ہی کی دلچسپیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ گذشتہ اجلاسوں کے مقابلہ میں امسال کا اجلاس بہت زیادہ کامیاب رہا۔ مقررین میں ہندوستان کے مشاہیر اکابرین امت میں سے جن حضرات کا انتخاب کیا گیا اور انھیں دور دراز سے شرکت کی دعوت دے کر طلبا کو بہتر سے بہتر تقریریں سننے کا موقع دیا گیا وہ بجائے خود حسن انتخاب کی دلیل ہے اس کے علاوہ امسال طلبائے جامعہ نے بھی کثیر تعداد میں اجلاسوں میں شرکت کی اور تقریباً ہر اجلاس میں ہال سامعین سے بھرا رہا۔ مگر افسوس ہے کہ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے اساتذہ بعض بدایونی پروفیسران، مولانا شفیع صاحب انصاری اور پروفیسر حلیم صاحب پرو وائس چانسلر کے علاوہ بہت ہی کم اساتذہ جامعہ نے ان اجلاسوں میں دلچسپی لی اور بہت کم اجلاسوں میں شرکت کی۔

پہلا اجلاس محفل میلاد شریف کے طور پر ۲۵۔ اگست کو بعد نماز جمعہ اسٹریچی ہال میں منعقد ہوا۔ مجمع بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ اس وسیع ہال میں جگہ بالکل نہیں رہی تھی۔ پردہ نشیں خواتین بھی کثرت سے شریک تھیں۔ مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری اور جناب مولانا عبد الواحد صاحب عثمانی بدایونی میں سے ہر ایک نے سیرت پاک پر بہترین تقریر فرمائی۔ ۴ بجے کے بعد محفل ختم ہوئی اور شیرینی تقسیم کی گئی۔ دوسرا اجلاس ۲۶۔ اگست کو بعد نماز عشا یونین ہال میں زیر صدارت مولانا محمد شفیع صاحب انصاری، قائم مقام ناظم دینیات منعقد ہوا۔ حضرت مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی اور مولانا محمد صاحب جوناگڈھی نے سیرت رسولؐ اور اخلاق محمدیؐ کے عنوان سے بہترین تقریریں فرمائیں۔ تیسرا اجلاس ۲۹۔ اگست کو ۸ بجے شب کے وقت یونین ہال میں زیر صدارت جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی پروفیسر یونیورسٹی شروع ہوا۔ جس میں یونیورسٹی کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچوں نے نظمیں پڑھیں۔ پھر جونیر طلبہ نے "اسلام میں عورت کا درجہ" کے عنوان پر اردو میں تقریریں کیں۔ اور سنیر طلبہ نے "اسلام اور غلامی" کے موضوع پر انگریزی میں لکچر دیا۔ انگریزی اور اردو کے ان لکچروں اور تقریروں کے لیے تین ججوں کی ایک کمیٹی مقرر کی جس کے فیصلہ سے تین انعامات انگریزی کے بہترین لکچرار کو اور اردو کے بہترین مقررین کو دیے جائیں گے۔ تقسیم انعامات کا جلسہ اکتوبر میں غالباً مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور کی تشریف آوری کے موقع پر ہوگا۔ چوتھا جلسہ بعد نماز عشا جناب پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی صدارت میں یونین ہال میں منعقد ہوا جس میں بلند پایہ مفکر اسلام صاحب صدق عالیجناب حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہ نے "تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کے نام" کے عنوان سے ایک بہترین و عبرت آفریں بصیرت افروز اور بیحد فاضلانہ مقالہ پڑھ کر روح کو حیات تازہ بخشی۔ جسے سنکر سامعین نے خواہش کی کہ یہ مقالہ چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔ چنانچہ مجلس تاریخ و تمدن نے

فیصلہ کیا ہے کہ مقالہ چھپوا کر مجلس کی طرف سے تقسیم کیا جائے۔ اس اجلاس میں مجمع خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ تھا۔ پانچواں اجلاس بشیر احمد صاحب نعمانی سشن جج علیگڈھ کی زیرِ صدارت عام ہال میں منعقد ہوا۔ عالیجناب حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی نے "ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی تاریخ" پر ایک قابلِ قدر عالمانہ و محققانہ مقالہ پڑھا۔ چھٹا اجلاس حسبِ معمول سابقہ وقت و مقام پر جناب مولوی حاجی عبد الرحمٰن صاحب شروانی رئیسِ اعظم کی صدارت میں تھا۔ جس میں مولانا نعیم الدین صاحب ازہری مرادآبادی نے "اسلام اور تاریخ" کے عنوان پر ایک مدلل تقریر فرمائی اور اس سلسلہ میں تدوینِ احادیث کی بعض نمایاں خصوصیات بیان کیں۔ ساتویں دن ۲۱ راگست کو بعد نماز عشاء اسپورٹ عام (یونین) ہال میں اسلامی ہفتہ کا آخری مہتم بالشان اجلاس زیرِ صدارت مولانا سید محمد عابد الشبیر صاحب مجتہد ناظمِ دینیات اہلِ تشیع مسلم یونیورسٹی منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کے مشہور بلند پایہ مقرر و ادیب، مفسرِ قرآن جناب مولانا سید اسلام الحق صاحب سیفی ندوی (ملیباری) نے "اسلامی قانونِ معاشرت" کے عنوان پر ایک بصیرت افروز دلکش اور عالمانہ تقریر فرمائی جو خاص طور پر بیحد پسند کی گئی اور پھر مناسب تشکریہ کے بعد یہ اجلاس اور یہ مبارک ہفتہ پوری کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ ہر اجلاس میں تقریروں سے پہلے نظمیں پڑھی گئیں اور ہر مقرر کا مناسب انداز میں تعارف بھی کرایا گیا۔ نظموں میں خصوصیت کے ساتھ بیگم صاحبہ ڈاکٹر ابرحسن صاحب صدیقی اور جناب شکیل احمد صاحب قادری بدایونی متعلم جامعہ کی نظمیں بیحد پسند کی گئیں۔

اس ہفتہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ حیدرآباد دکن کی ایک بلند پایہ شخصیت، مسلمانانِ دکن کے واحد ہردلعزیز لیڈر، ترجمان مقرر عالیجناب خطیبِ دکن نواب بہادر یار جنگ بہادر مسلم یونیورسٹی میں جلوہ افروز ہوئے اور متعدد تقریروں سے طلبہ و جامعہ میں بے پناہ روحِ عمل پیدا کردی۔ آپ کی تقریروں میں وہ جامعیت و جاذبیت دیکھنے میں آئی جو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہندوستان کے موجودہ مقررین میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ خدا کرے آپ بہت جلد حیدرآباد سے باہر نکل کر اسلامیانِ ہند کی قیادت فرمائیں۔

(پاکستان۔ لکھنؤ)

مجلس اسلامیات

(مسلم یونیورسٹی)

ڈاکٹر ابرحسن صاحب صدیقی معتمد و مولوی ظفر احمد صاحب صدیقی نائب مجلس اسلامیات کی جانب سے حسبِ ذیل اپیل شایع کی گئی ہے:۔ مجلس اسلامیات تقریباً چار سال سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں قائم ہے اس مجلس کا مقصد ہے اسلامی اسپرٹ کو پھیلانا اور ایثار اخوت اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مجلس مشاہیر کے مقالوں اور لکچروں کا اہتمام کرتی ہے۔ ایک اسلامی لائبریری اور ریڈنگ روم قائم کیا گیا ہے جس سے روزانہ کافی اصحاب استفادہ کرتے ہیں۔ اکثر اسلامی ایام مثلاً یوم النبی، عیدین وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ خدمتِ خلق کے سلسلہ میں پچھلے سال مجلس کی طرف سے (دیکھیے صـ کالم ۱)

صدر مسلم لیگ کے جذبات اسلامی

(کلکتہ مسلم لیگ کے ایک اعلان سے اقتباسات)

برادرانِ اسلام! قائدِ اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اس وقت گویا اسلامی ہندوستان کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما ہے۔ مرکزی اسمبلی دہلی میں تقریر کرتے ہوئے جناح نے اعلان کیا کہ "میں نہ واردھا اور آنند بھون کی غلامی کی چوکھٹ پر جھکونگا اور نہ شملہ اور لندن کے سامنے جھکونگا۔ میں آزاد ہندوستان میں آزاد و خود مختار ملتِ اسلام دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں حمایتِ اسلام کے لیے تمام دشمنوں کا مقابلہ کرونگا اور میں مسلمانوں کی آزادی کے لیے جو بھی لڑائی لڑونگا۔ اور اگر مجھے مرنا ہے تو میں بہادروں اور جوانمردوں کی طرح مدافعتِ اسلام و مسلمین میں لڑتا ہوا مرونگا"۔

بمبئی کے جلسہ میں قائدِ اعظم نے اعلان فرمایا "میں مسلمانوں کی آزادی اور ترقی کے لیے آخر دم تک جنگ کرونگا۔ میں مسلمان گھر میں پیدا ہوا اور انشاء اللہ مسلمان ہی مروں گا"۔

کاؤنسل آل انڈیا مسلم لیگ دہلی میں قائدِ اعظم نے تمام نمایندگانِ ملک کے سامنے ایسی دردانگیز تقریر فرمائی کہ سب کے دل ہل گئے اور سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ نے فرمایا "مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت، شہرت، اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کی آزادی و سربلندی دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو یہ یقین اور اطمینان لیکر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دیتا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کردیا۔ میں آپ سے اسکی گواہی اور آپ کی داد کا طالب نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا اپنا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے مدافعتِ اسلام کا حق ادا کردیا۔ جناح تم نے مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد و حمایت کا فرض پورا کردیا۔ اور میرا خدا یہ کہتا ہو کہ بیشک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں علمِ اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان ہی مرے"۔

شاہدین کا بیان ہے کہ جناح کے منہ سے یہ رقت آمیز الفاظ سنکر حاضرین زار و قطار رو رہے تھے ......

شیرِ اسلام مولانا شوکت علی نے فرمایا تھا کہ جناح میں عظیم الشان روحانی انقلاب دیکھتا ہوں اور جناح میں روحِ اسلامیت پیدا ہوگئی ہے۔

مولانا عبد الرؤف دانا پوری نے سہرام پور میں فرمایا کہ جناح آج وہ کام کررہا ہے کہ اس کا درجہ بہت سے قطبوں اور ولیوں سے بہتر ہوگا۔

مسیح الملک لباسِ شعر میں

(سلسلہ صدق نمبر ۱۰)

انکی شعرگوئی کا خاص وقت وہ ہوتا تھا کہ لمبے سفر میں جا رہے ہیں، ریل پر بیٹھے ہوئے ہیں، پنسل اور کاغذ ہاتھ میں ہے، اس کاغذ پر ایک پاکیزہ تخیل کے نقش ونگار بنائے جا رہے ہیں۔ ریل کے پہیوں کی آواز کچھ عجب نہیں کہ انکے شاعرانہ تخیل کی معاون ہوتی ہو! ---

سب سے زیادہ فرصت اور اطمینان کا وقت انکے لیے وہی ہوتا تھا جب نہ مریضوں کے آنے کا امکان تھا، نہ اہل غرض کے ہجوم کا اندیشہ۔ چونکہ حکیم صاحب کے گھر کا دروازہ کبھی کسی غرضمند کے لیے بند ہوتا ہی نہ تھا اس لیے اپنے گھر پر فرصت اور اطمینان کا آدھا گھنٹہ بھی ملنا ہمیشہ ناممکن ہوتا تھا۔ لہذا ریل کے سفر کا طول شعرگوئی اور تخیل نگاری کے لیے کچھ خالی وقت دیتا تھا جو کسی دوسری حالت میں میسر نہ آسکتا۔

آخری زمانہ میں جب سیاسی مشاغل زندگی کے تمام دوسرے مشاغل پر غالب آچکے تھے، مرحوم کے کلام کا پورا مجموعہ ایک قلمی کتاب کی شکل میں ساتھ رہا کرتا تھا۔ جب سیاسیات کی کسی الجھن سے تھککر دماغ نے فضا تبدیل کرنی چاہی تو وہ ایک ٹوٹی ہوئی پنسل جیب سے نکلی اور گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد چند کاغذوں کے پرزوں میں دس بیس اشعار لکھے ہوئے اس کتاب کے اوراق میں رکھ دیے گئے۔ پھر کسی وقت کسی نے ان اشعار کو کتاب کے اوراق پر صاف کرکے لکھدیا۔

ایک دن اسی طرح دوران سفر میں وہ کتاب پاس رکھی ہوئی تھی اور ایک اور مسافر گاڑی میں تشریف رکھتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم تھوڑی دیر کیلیے اپنی جگہ سے اٹھے، اور وہ کتاب غائب ہوگئی۔ چند گھنٹے بعد منزل پر پہونچکر کتاب کا غائب ہوجانا معلوم ہوا۔ اسی وقت کتاب کی جستجو میں انتہائی کوشش کی گئی لیکن اسکا چور پکڑا جانے والا نہ تھا! جب چوروں کے پکڑنے والے خود ہی چوری کریں تو انکو کیونکر پکڑا جائے! چند ہی روز بعد معلوم ہوگیا کہ وہ کتاب سی۔ آئی۔ ڈی۔ کے دفتر میں پہونچ گئی! سبحان اللہ کیا قدردانی اور جوہرشناسی ہے! اجمل خاں کی شعریت کو ان میزوں اور درازوں میں جگہ ملی جہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جسکے اندر ایک ذرۂ شعریت موجود ہو۔ دفتر پولیس کی خشک آب و ہوا میں اجمل خاں کے تر و تازہ رشحات قلم وہی حیثیت رکھتے ہوئے جیسے موتیوں کی بھری ہوئی ٹوکری کسی بھینس کے سامنے! جب اسکی دریافت ہوئی کہ وہ بیاض سی آئی ڈی کے دفتر میں ہے تو اسکو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن چور کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ بیاض کی واپسی گویا اس چوری کا کھلا ہوا اعتراف ہوگا اس لیے اسکو پوری طرح آمادہ نہ کیا جاسکا اور بیاض شیدا نہ جانے جلادی گئی یا اب تک حکومت ہند کے خفیہ محکمہ کی کسی الماری میں بم کے نسخوں، انارکسٹ کے خطوط اور ڈاکوؤں کی مسلوں کے ساتھ بندھی پڑی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ چوروں نے اسکو اس امید پر چرایا ہوگا کہ شاید اسکے اندر بغاوت کا ثبوت یا کسی خفیہ سازش کا کھوج میسر آئیگا۔ اس بیچارہ کو اسکی خبر نہ ہوگی کہ کتاب میں اشعار کے سوا کچھ نہیں ہے!

دیوان شیدا جو ۱۹۲۵ء میں طبع ہوکر شائع ہوا درحقیقت بعد کا کلام ہے جوانی کی شعرگوئی کا نمونہ غالباً اس میں شامل نہیں ہے۔

"دیوان شیدا" کے ذریعہ سے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں حکیم صاحب بحیثیت شاعر کے دنیا سے روشناس ہوئے۔ انکے ہزارہا احباب بھی اس حقیقت سے واقف نہ ہوئے کہ وہ کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ شعر وسخن کی محفلیں انکے لیے محض دماغی تفریح کا ایک ذریعہ اور احباب نوازی کا بہانہ تھیں ورنہ زندگی کے دوسرے مشاغل کا ہجوم ایسا تھا کہ اس سے شاعری کو کوئی نسبت ہی نہیں ہوسکتی۔

یہ شوق ابتدائی عمر کی یادگار تھا۔ جب وہ اپنے والد اور بھائیوں کی آنکھ بچاکر مشاعروں میں جایا کرتے تھے۔ بقول حکیم جمیل الدین صاحب کے "سارے خاندان میں صرف حکیم صاحب کو شعر سے مناسبت تھی اور کسی کو نہ تھی۔ عبدالمجید خاں مرحوم کو تو نفرت تھی"۔

لیکن جو جوہر فطرت خاندان میں دوسروں کو عطا نہ ہوا وہ سب اجمل خاں کے حصہ میں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ انکی فطرت ہی شعریت سے مملو تھی اور انکی زندگی کے بہت سے پہلو اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ ورنہ بطور فن کے انھوں نے شعرگوئی کو نہ حاصل کیا اور نہ اسکی مشق کی۔ جو کچھ انکے قلم سے نظم ہوجاتا وہ محض تقاضائے فطرت ہوتا تھا اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ انکی تعلیم وتربیت بھی اس قسم کی نہ تھی جو شعرگوئی کا مذاق پیدا کرسکتی۔ گرد وپیش کے حالات اور خاندانی روایات کو بھی شعر وشاعری سے بعد تھا۔ اسکے بعد جو کچھ تھا وہ فطری تھا جو ابتدائی زمانہ میں انکو کھینچکر مشاعروں میں لیجاتا۔

یہ انکی نوجوانی کا زمانہ تھا اور دلی کی صحبتوں کا آخری دور تھا۔ مشاعروں کی شمع گل ہوا چاہتی تھی۔ اہل فن دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ جو دو چار باقی تھے وہ چراغ سحری تھے۔ اجمل خاں کے بہت سے دوستوں کو شاید یہ واقعہ نہ معلوم ہو کہ ابتدائی زندگی یا ایام طالب العلمی کے زمانہ میں انھوں نے جس قسم کی تعلیم وتربیت پائی تھی وہ ایسی تھی کہ اس نے انکے خیالات کو بہت زیادہ مذہبی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ حتی کہ خود محمود خاں مرحوم انکو کبھی کبھی "قل اعوذیا" کہا کرتے تھے۔ اس تعلیم وتربیت کے باوجود انکی فطرت کی شعریت فنا نہ ہوسکی اور فطرت کا وہ جوہر جو ودیعت ہوچکا تھا وہ زندگی کے ہر شغل میں اپنے پرتو سے انکی زندگی کو حسین اور لطیف بنا دیتا تھا۔ یہی جوہر تھا جو انکو دوستوں کے ساتھ سرخرو، دشمنوں کے مقابلہ میں سربلند اور ملکی اور قومی زندگی میں بہت سی آلودگیوں سے پاک رکھ سکا۔ خود [illegible] کلام جو زبان، اصطلاحات اور عروض کے تمام نقائص سے پاک نہیں ہے اور جس پر بہت اصطلاحی اعتراضات کیے جاسکتے ہیں انکی فطرت عالیہ کا ایک آئینہ ہے کہ ان صفحات پر اسکو شول دیا جاسکے۔

حکیم صاحب مرحوم کی ایک طبعی خصوصیت یہ تھی کہ وہ کبھی اپنے درد وغم کا اظہار بے محابا اور بے تکلف نہ کرسکتے تھے (باقی مضمون صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو)

حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے

(سلسلہ کے لیے صدق ملاحظہ ہو)

بندہ فلاں ابن فلاں باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدراں دیدہ و شنیدہ بودم ابراء و تبرہ نمودم و در دین الٰہی اکبرشاہی درآمدم و مراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم (صفحہ ...)

میں کہ فلاں ابن فلاں ہوں اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا اُس سے علٰحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبرشاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال ترک جان و ناموس و عزت و ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔

جو لوگ اس دین میں داخل ہوئے تھے انکو موافق اصطلاح جوگیاں چیلا نامیدند" صفحہ اور خود یہ لوگ" جماعت را کہ مرید می گرفتند الٰہیاں مشہور می شدند صفحہ ۲۹۹ ان لوگوں کے لیے یہ دستور ٹھہرایا گیا کہ

اللہ اکبر عنوان نامہا سے قرار یافت (صفحہ ۲۲۱)

اپنے خطوط کے سرناموں میں اللہ اکبر لکھا کریں۔

نیز بجائے سلام کے

مریداں چوں بہم ملاقات کنند یکے "اللہ اکبر" و دیگرے جل جلالہ گوید۔ (صفحہ ۳۵۶)

مرید جب باہم ملتے جلتے تھے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر اور دوسرا جل جلالہ کہتا

مرید کرنے کا طریقہ یہ تھا

ہر دوازدہ نفر نوبت بہ نوبت و مثل بمثل مرید شدہ موافقت در مشرب مذہب مینمودند

بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی ٹولی نوبت بہ نوبت بادشاہ سے مرید ہوتی اور مشرب و مذہب میں یہ لوگ موافقت اختیار کرتے۔

انکو شجرہ بھی دیا جاتا تھا، لیکن وہ شجرہ کیا ہوتا تھا احاسیان تجدد کے لیے باعث رشک ہے۔ اسے!

حریفاں بادہا خوردند و رفتند

تہی خمخانہا کردند و رفتند

بجائے شجرہ شبیہے دادہ آنرا علامت اخلاص و مقدمۂ رشد و دولت می دانستند و در غلافے مرصع پیچیدہ بالائے دستارمی گزاشتند صفحہ ۳۰۲

شجرہ کی جگہ بادشاہ کی ایک شبیہ (تصویر) مرید کو دی جاتی تھی اس تصویر کو اخلاص کی علامت پختگی اور دولت و اقبال کا مقدمہ خیال کیا جاتا تھا۔ ایک مرصع جواہرنگار غلاف میں اس تصویر کو رکھکر یہ لوگ اپنی اپنی دستاروں پر لگاتے

علاوہ اُن معبودوں کے جنکی پرستش ہوا کرتا تھا، مُریدوں کے لیے خود بادشاہ کی عبادت بھی "دین جدید" کے اہم ارکان میں شمار کی جاتی تھی۔ اس عبادت کا خاص طریقہ تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں

ہر صباح بوقت عبادت شمس بجھرو کہ تا طلعت مبارک نمی دیدند مسواک و طعام و

ہر صبح اُس وقت جس وقت بادشاہ جھروکہ میں آفتاب کی پوجا کرتا تھا ان مریدوں کی جب تک بادشاہ کے مبارک چہرہ پر نظر نہ

برایشاں حرام بود و در بیرون صاحب حاجت و نیازمندے از ہندو و مسلم و انواع طوائف مرد و زن صحیح و سقیم درآنجا بار عام بود و کارو بارے طرفہ و ہنگامہ گرمی داشت بامدادے و ہمیں از تسبیح ہزار و یک نام نیراعظم فارغ شدہ از حجاب برمی آمدند ایں ہمہ در سجدہ می افتادند۔

پڑتی تھی نہ تو یہ وضو کرتے تھے اور کھانا پانی ان پر اس وقت تک حرام تھا۔ (اسی کے وقت سے) ہر شب ایسی حاجت و ضرورت والے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان عورت و مرد اچھے اور بیمار سبھی طرح کے لوگوں کو اس جگہ آنے کی اجازت تھی جسکا نتیجہ یہ تھا کہ ایک بڑا ہنگامہ ایک بڑا میلہ روز لگا رہتا تھا۔ بادشاہ جوں ہی آفتاب کے ایک ہزار ایک نام کے وظیفہ سے فارغ ہوکر پردہ سے باہر آتا سب کے سب سجدہ میں گر جاتے۔

الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر اُس چیز کا پجاری بنگیا تھا جس میں نفع و ضرر کا کچھ بھی پہلو نمایاں ہوتا اور بادشاہ کے مرید علاوہ اُن معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی پوجتے تھے اسی سجدہ کا نام "زمیں بوس" رکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں تاج العارفین صاحب کا صوفیانہ اغوا بھی شریک تھا۔ یہ مولانا زکریا اجودھنی کے صاحبزادے تھے اور نزہۃ الارواح جو تصوف کی مشہور کتاب ہے اس پر شرح بھی لکھی تھی۔ آپ ہی نے بادشاہ کو "عین احب" لائق نکس واجب قرار دے کر

سجدہ برائے او تجویز کردہ آں را زمیں بوس نامیدند و رعایت ادب بادشاہ را فرض عین شمردہ روئے او را کعبۂ مرادات و قبلۂ حاجات دانستند و بعضے روایات مرجوحہ و عمل مریدان بعضے مشائخ ہند را درین باب بہ تمسک آوردند صفحہ ۲۵۹

بادشاہ کے لیے سجدہ کو جائز قرار دیا اور اسکا نام "زمیں بوس" رکھا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض ٹھہرایا گیا اور بادشاہ ہی مقاصد و مرادوں کا کعبہ اور اُسکے چہرہ کو قبلۂ حاجات مقرر کیا گیا اور بعض کمزور روایتوں اور ہندوستان کے بعض صوفیوں کے طرز عمل سے اس دعوے کو ثابت کیا جاتا تھا

"زمیں بوس" کا یہی طریقہ تھا جو بعد میں بھی جاری رہا۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل کا زخم اسی مسئلہ کے مُنہ سے بالآخر پھوٹ پڑا تھا، جیساکہ آیندہ ذکر آتا ہے۔ اکبری عہد میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص علما بھی اس خسرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے تھے۔ ملا صاحب نے ایک عالم کی تصویر "زمیں بوس" کے وقت کی کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ مولوی دربار میں جس وقت حاضر ہوتا تو

گردن کج کورنش کردہ تا دیرے دست بستہ چشم پوشیدہ ایستادہ ماند بعد از مدتے چوں حکم نشستن فرمودند سجدۂ بجا آوردہ مانند اشتر لوک نشست۔ ۲۴۶

گردن ٹیڑھی کرکے کورنش بجالایا اور دیر تک ہاتھ اور آنکھیں بند کیے کھڑا رہا دیرکے بعد جب اُسکو بیٹھنے کا حکم ملا تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور لنگڑے اونٹ کے مانند بیٹھ گیا۔

یہ حال عقائد و عبادات کا تھا۔ انکے سوا اور جو باتیں اس دین کے رسوم و عادات میں سے تھیں اُنکا افسانہ طویل ہے تاہم خروارے ایک مشت پر کفایت کی جاتی ہے:

سود اور جوے کی حلت

ربو و قمار حلال شد و دیگر محرمات بریں قیاس باید کرد و قمار خانہ در

ملا صاحب لکھتے ہیں

سود اور جوا حلال کردیا گیا تھا۔ اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کرلینا چاہیے۔ ایک

دربار بنا کردہ ورزے بسود سفاماں از خزانہ میدادند

"جواگھر" خاص دربار میں بنایا گیا تھا اور جواریوں کو شاہی خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔

شراب کی حلت

فتوے دیا گیا کہ

شراب اگر بکیفیت رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخورند و فتنہ و فسادے ازاں نہ زاید مباح باشد بخلاف مستی مفرط و اجتماع و غوغاء کہ اگر ایں چنیں باشد سیاست بلیغ نمودند۔

شراب بدن کی اصلاح کے لیے طبی طور پر استعمال کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے پینے سے کوئی فتنہ و فساد نہ پیدا ہو۔ اس طرح شراب پینا جائز ہے۔ البتہ حد سے گزرا ہوا نشہ اور مستی، دیے لوگوں کا جمع ہو کر شور و غوغا مچانا، بادشاہ کو اگر اسکی خبر ہو جاتی تھی تو سخت دارو گیر کرتے تھے۔

اور جس طرح جوے اور سود کی حلت کی عملی شکل اختیار کی گئی تھی بادشاہ نے خود ہی

دکان شراب فروشی بر دربار باہتمام خاتون دربار کہ از نسل خمار ست برپا کردہ نرخ معین نمادند۔

ایک دکان شراب فروشی کی بھی دربار ہی کے پاس دربان عورت جو شراب فروشوں کی نسل سے تھی اُسکے اہتمام میں قائم کی تھی اور اسکے نرخ بھی خود ہی مقرر کیے تھے۔

گویا محکمۂ آبکاری کی ہندوستان میں یہ پہلی بنیاد تھی۔ شراب کے بارے میں بادشاہ کو جسقدر غلو تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

در مجالس نوروزے اکثرے علماء و صلحاء بلکہ قاضی و مفتی را نیز دادی قدح نوشی آوردند۔

نوروز کی مجلسوں میں اکثر علما و صلحاء بلکہ قاضی و مفتی تک شراب نوشی کے میدان میں اُتارے جاتے تھے۔

"نشاط" کی اس مجلس میں مختلف لوگوں کے نام سے جام تجویز کیے جاتے ہیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ

ملک الشعرا فیضی می گفت کہ ایں پیالہ بکوری فقہا می خوریم۔

ملک الشعرا (فیضی) فرماتے کہ یہ پیالہ میں فقہا کے اندھے پن کے نام سے پیتا ہوں۔

داڑھی کی درگت

شراب کی حلت کے بعد دین الٰہی میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا وہ "ریش تراشی" کا مسئلہ تھا۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ ابتداءً داڑھی منڈانے کا خیال "دختران راجہائے عظیم" کی بدولت پیدا ہوا۔ اسکے بعد پھر کیا تھا۔ اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا۔ عقلی دلائل میں دلچسپ دلیل تو یہ تھی کہ

ریش از خصیتین آب میخورد لہذا ہیچ خواجہ سرائے ریش ندارد و نگاہ داشتن او چہ ثواب۔

داڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے اور انھیں سے داڑھی پانی لیتی ہے۔ پھر اس کے رکھنے میں کیا ثواب ہو سکتا ہے۔

اور نقلی دلائل جو اس سلسلہ میں پیش کیے گئے ہیں بعض ان میں سے سننے کے قابل ہیں۔ انھیں سے دوسری دلیلوں کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے فقہ کی کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ داڑھی کو اس طرح نہیں ترشوانا چاہیے

جس طرح عراق کے بعض اوباش کرتے ہیں۔ اوباش کا ترجمہ عربی میں "قضاۃ" سے کیا گیا تھا۔ ہندو مسلمانوں کی صورت کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش میں ایک مولوی صاحب نے قیں کو قاف بنا دیا۔ اور شاہی دربار میں اُنھوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی

کما یفعلہ قضاۃ العراق جس طرح عراق کے قاضی منڈایا کرتے ہیں۔

دلیل یہ تھی کہ جب عراق کے قاضی داڑھی منڈایا کرتے ہیں تو ہندوستان کے کیوں نہ منڈائیں۔ ملا ابوسعید پانی پتی جو ملا امان کے بھتیجے تھے اُنکے پرانے مسودہ سے ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گزرانی گئی تھی جسکا ترجمہ ملا صاحب نے یہ درج کیا ہے

پسر صحابی منزش در نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمد فرمودند کہ اہل بہشت بایں ہیئت خواہند بود

ایک صحابی کے صاحبزادے داڑھی منڈائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے حضور نے فرمایا کہ بہشت والوں کی یہی صورت ہو گی۔

آخر میں ریش تراشی کے معاملہ میں اکبر کا جنون اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ "ریش تراشی بکاوش می کردند" بیچارے ملا صاحب نے بھی اس کی تاریخ لکھی

بگفتہ ریشہا برباد دادہ معندے چند

دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلا و علماء روزمرہ اپنی اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔

غسل جنابت

ایک مسئلہ اس دین جدید کا یہ بھی تھا،

فرضیت غسل جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکاں است اولیٰ و مناسب آنست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع۔

ناپاکی کی وجہ سے غسل فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کر دیا گیا اس لیے کہ منی نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہمبستر ہو۔

قانون نکاح و سارده ایکٹ

نکاح کے متعلق چند جدید قوانین نافذ کیے گئے ایک تو یہ کہ "دختر خال و عم را انکاح نہ کنند کہ میل کم شود" اور اسی کے ساتھ یہ قانون بھی بنایا گیا کہ

پسر را پیشتر از شانزدہ سالگی و دختر را از چہاردہ سالگی نکاح روا نباشد کہ فرزند ضعیف می شود۔

سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح جائز نہ ہوگا۔ اس لیے کہ بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔

گویا سارده ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہو گیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اُس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو عذر میں پیش کیا تھا۔ غنیمت ہے کہ اکبر نے صرف واقعہ کے انکار پر قناعت کی جیسا کہ لکھتے ہیں

قصہ زفاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با صدیقہ۔ اطلاق منکر بودند۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقہ کی رخصتی کے بالکلیہ منکر تھے (یعنی عمر کی مشہور مدت غلط ہے)

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۹)

اور مخصوص احباب بھی اکثر انکے قلب و دماغ کی تکلیفوں کا اندازہ نہ کرسکتے تھے ۔ انکی خلقی سنجیدگی ہر قسم کے مسرت و الم، حظ و کرب کے اظہار پر ہمیشہ حاوی رہتی تھی ۔ ترددات دنیوی ہوں یا سیاسی مشکلات ہوں یا دوستوں کی بیوفائی ہو یا دشمنوں کے ظلم ہوں ۔ انکے قلب و دماغ کی فضا میں سب اس طرح گزر جاتے تھے کہ ظاہری اثرات کا معلوم کرنا ناممکن تھا ۔

آہ از دل شید اگر لب نمی آید بروں
درد دلے زبانہا ست ز شکایت خونفشانیہا

تو نہان خویش عیاں مکن ، جو تو عاشقی بہ سخن درآ

ضبط کی طاقت اگر نہ ہو
کتنا ہی درد دل ہو مگر چشم تر نہ ہو

مسرت و تبسم کی حالت میں سوائے ایک خفیف مسکراہٹ اور چہرے پر ایک ہلکی سرخی ۔۔۔ کوئی دوسری چیز انکی قلبی کیفیت کو ظاہر نہ کرسکتی تھی

کر ساقی بود چوں خوردیم ریحاد کے خوردیم
زمیخانہ بروں ہرگز نبرد راز پنہاں را

جن دوستوں اور عزیزوں سے محبت کرتے تھے ان پر انکی محبت کا عشر عشیر بھی ظاہر نہ ہوتا تھا ۔ جذبات کے اظہار کے راستے انکی خلقی سنجیدگی نے بند کر دیے تھے اور کیفیات قلبی کا اظہار کرنا انکے نزدیک ایک عامیانہ وضع تھی ۔ انکے ادا شناس انکی کیفیات کا کچھ نہ کچھ پتہ پا لیتے تھے لیکن ناواقف لوگوں کے لیے وہ ایک بند کتاب تھے جس کا مضمون صحبت عام میں نہیں پڑھا جا سکتا تھا ۔ اور انکے دلی جذبات کا وجود فی الحقیقت "چراغ زیر داماں" تھا ۔

نہاں در سینہ دارم آفتاب داغ سوزاں را
بیا لے شعلہ رو بنگر "چراغ زیر داماں" را

حقیقت یہ ہے کہ انکا ظاہر بہت خوب تھا لیکن انکا باطن خوب تر تھا ۔ ظاہری وضع میں سادگی اور پاکیزگی تھی لیکن باطناً وہ ایک فقیر منش انسان تھے ۔ خود ہی ایک موقع پر اپنی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ

تو شیریں کار باش و باز بنگر سر فروشے را
کہ من در زیر دلق خود قبائے کوہکن دارم

گر وہ زاہد خشک کے بے روح زہد کے نہ قائل تھے نہ اسکے روادار تھے وہ اس بے کیف فقیری کو اپنے شاعرانہ انداز میں تفنن و مزاح کا موضوع بنا لیتے تھے ؎

ناشناسد شیخ ہم راہ مراد ے بردآں مرد نیک انجام را
بہ پیر میکدہ گفتم کہ رہنمایم شو
کہ زاہدان زمانہ فریب کار اند

وہ اس طبقہ کی کمزوریوں سے واقف تھے اسلئے کہ خود اس میدان کی بہت کچھ خاک چھان چکے تھے ؎ میکدہ میں شیخ کو دیکھا گردہ میں گیا اندر تو وہ باہر چلے (باقی)

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبدالماجد
پتہ:۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

صدق

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۳ | لکھنؤ۔ ۱۸۔ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

ہندوستان اور مصر سے تعلق رکھنے والے انگریز سیاسیین میں ایک مشہور و معروف شخصیت ولیم بلنٹ کی گزری ہے۔ لارڈ رپن کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ اردو میں بھی انکی بعض تحریریں منتقل ہو چکی ہیں۔ انکی ڈائری کا ایک اقتباس لیڈر (۱۰ اکتوبر) میں شایع ہوا ہے۔ ایک معزز و نامور ہندوستانی مسٹر "رفت" کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

"دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ سرالفرڈ لائل کی کیسی دہشت دلوں میں چھائی ہوئی ہے۔ "رفت" باوجود اپنی جرأت وہمت کے اُنکے سامنے بول تک نہ سکے، اور انکے حضور میں ننگے پیر کھڑے رہے۔ میں نے اُن سے کہا بھی، کہ جوتہ پہن لیجیے، لیکن لائل نے کہا، کہ نہیں رہنے دو یہی ٹھیک ہے"

یہ سرالفرڈ لائل، آپ کو خیال ہے، کون تھے؟ ۱۸۸۰ء کے قریب صوبہ متحدہ (اُسوقت کی اصطلاح میں صوبہ مغربی وشمالی اودھ) کے لفٹنٹ گورنر۔ اور بہت سے عہدوں کے مالک۔ انکی مدح و توصیف میں کہ سب کے قومی شاعر حالی کا قصیدہ آج تک "دیوان حالی" میں محفوظ ہے۔

یہ بات نہ تھی، کہ غصہ ور اور تُند خو تھے، سخت گیر و بدمزاج تھے۔ بزرگ کی تو لوگ تعریف ہی کرتے ہیں۔ اس پر بھی رعب وداب، جاہ وجلال کا یہ عالم کہ سامنے کھڑے ہو کر بڑے سے بڑے ہندوستانی کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی! اور کالا آدمی سراپا عجز ومسکنت کی تصویر بنا ہوا دست بستہ "صاحب بہادر" کی خدمت میں حاضر ہے!—— رعب شخصی نہ تھا، قومی تھا، دبدبہ ذات کا نہ تھا، حکومت وسلطنت کا تھا۔

زمانہ کون سا تھا؟ ۱۸۵۷ء کے لگ بھگ تھا۔ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۸۰ء اور ۱۹۰۰ء!

کس کے بس میں ہے جو آج اُن ایام میمنت فرجام کے قہر وتسلط، جبروت و اجلال کی مصوری کر سکے! ہر ادنی سے ادنی "گورا" "سرکار" تھا، اور ہر اعلی سے اعلی ہندوستانی بہرحال "نیٹو"، "کالا آدمی"، "قلی"! ادھر بڑے بڑے نواب اور نواب زادے، راجے مہاراجے، جوڑی بلکہ چوکڑی پر چلے آتے ہیں، اور سائیسوں کے گلے "ہٹو بچو" پکارنے پڑے جاتے ہیں، لیکن کوئی بھی راستے سے الگ نہیں ہٹتا، اور اُدھر ایک کرسٹان، پاپیادہ، سگرٹ منہ میں دبائے، نیلامی سوٹ، اور کباڑیے کے ہاں کا خریدا ہوا ہیٹ لگائے چلا آرہا ہے، اور بھیڑ ہے کہ راستہ سے خود بخود چھٹتی چلی جاتی ہے!

—— یہ تھا رعب سرکاری لباس کا، یہ تھا ایک پرتو، ہمہ گیر اور ہمہ جہتی اقبال سرکار کا!

علوم: فنون "صاحب" کے اعلی، معاشرت ومعیشت میں "صاحب" اور "میم صاحب" کا بول بالا! حُقّہ ذلیل، سگرٹ معزز۔ بھاجی حقیر، کیک صاحب توقیر۔ طائفہ کھڑا کیجیے تو شرمایئے، کنسرٹ قائم کیجیے، تو گورنر اور وائسرائے تک کے دربار میں بار پایئے۔ سر کا بعضا و بیچارہ بیج اور کمینہ، ہوٹل کا منیجر شریف اور قابل ملاقات! غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ہندوستانی آپ اپنی نظر میں ذلیل وخوار، اور "صاحب" کے کلب میں شریک ہو جانا، "صاحب" کے کھانے کی میز پر بار پا جانا، جاہ و اعزاز، عروج و اقبال کا انتہائی معیار! —— دن بدلے، زمانہ نے پلٹا کھایا۔ اور کالوں میں بھی گوروں کی ہمسری کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن یہ صرف سیاسی حیثیت سے! باقی جو مرعوبیت معاشرت میں اور معیشت میں، علوم میں اور فنون میں،

اخلاقی نظریوں میں اور ذہنی فلسفوں میں، دماغوں میں چھائی ہوئی تھی، ان میں اب تک نمایاں کمی کہیں دکھائی دے رہی ہے؟ بیحجابی اور بے نقابی میں، سود خواری اور بینک سازی میں، قماربازی اور لاٹری نوازی میں، "صاحب" اور "میم صاحب" کی نقالی کا جذبہ کچھ گھٹا ہے یا اور بڑھا؟ وہ طغیانیوں پر ہے؟ چاہے وہ صاحبیت انگلستان کی راہ سے آرہی ہو، یا روس کے راستہ سے، یا جرمنی ہو کر، یا ترکی کے واسطہ سے!

گویّے کا مرتبہ

مولانا سعید احمد صاحب ایم اے، ایڈیٹر رسالہ "برہان" (نئی دہلی) نے صدق جلد کی بچھلی باتوں کو پڑھ کر جو عنایت نامہ تحریر فرمایا ہے، وہ بصد شکریہ درج ذیل ہے:۔

صدق یکم اکتوبر کا پہلا شذرہ، جو سابق صدر پولینڈ "پیانوچی" کے متعلق پڑھ رہا تھا کہ عہد مامونی کا ایک واقعہ یاد آگیا، چونکہ آپ کے مقصد سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے اسلیے لکھتا ہوں:۔

اسحاق بن ابراہیم الموصلی بغداد کا مشہور مغنی و مطرب تھا اور اپنے کمال فن کی وجہ سے خلفاء کا بہت مقرب تھا۔ یہاں تک کہ ابراہیم المزمی نے اسکی توثیق کی ہے اور بتایا ہے کہ اسکی روایت قبول کی جاسکتی ہے۔ لیکن چونکہ موسیقی کو اسلامی نقطۂ نظر سے ثقاہت کے خلاف سمجھا گیا ہے اسلیے اسحاق کو اسلامی سوسائٹی میں کوئی مرتبۂ رفیع حاصل نہیں تھا۔ ایک مرتبہ مامون نے چاہا بھی کہ اسکو عہدۂ قضا دیدے، لیکن اسکی جرأت نہ کرسکا، چنانچہ اسنے خود کہا لولا اسبق لاکن من الشرق بالغنا و لولیتہ القضاء فانہ اولی واعف واصدق واکثر دینا وامانۃ من ہؤلاء القضاۃ (شذرات الذہب جلد ۲ صفحہ ۸۳) آپ نے واقعی بالکل سچ لکھا کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب"۔

اللہ اللہ، بادشاہ وقت خود دیکھ رہا ہے کہ اسحاق موصلی اپنے علم و عمل، امانت و دیانت، دین و اخلاق کے لحاظ سے، وقت کے حکام سے کہیں بلند ترسطح پر ہے، لیکن ان سارے کمالات پر چونکہ داغ موسیقی کا لگا ہوا ہے، اس لیے یہ ہو نہیں سکتا کہ اسے قضاۃ سپرد کردی جائے! اور پھر یہ واقعہ، عباسیہ کے عہد کا ہے، جب اسلامی حکومت پر اسلامیت سے زیادہ عجمیت غالب آچکی ہے!

تجدد کا رتبہ

دنیا میں اب بھی، اس بیسویں صدی کے ثلث دوم میں بھی، ایک دو نہیں کوئی ۴۰ ملکتیں ایسی "دقیانوسی" اور قدامت پرست چلی آرہی ہیں، جو عورت کی سیاسی شرکت کی اب تک قائل نہیں ہوئی تھیں، اور جنکے ہاں عورتوں کو "ووٹ" کا حق یا تو سرے سے ملا ہی نہیں، یا اگر ملا بھی ہے، تو بڑی ہی قیدوں، شرطوں، پابندیوں کے ساتھ۔ انکے نام آپ سنیں گے؟ افریقہ اور

کے ساتھ۔ انکے نام آپ سنینگے؟ افریقہ اور ایشیا کو چھوڑیے، خاص یورپ میں، جرمنی، فرانس، اٹلی، اسپین، آسٹریا، البانیا، بیٹویا، پرتگال، ہنگری، لیتھونیا، زیکوسلوویکیا، میکل، سویزرلینڈ، یوگوسلیویا، موناکو، یونان، بلجیم، بلگیریا وغیرہ وغیرہ امریکہ میں، پانچ کو چھوڑکر، وسطی اور جنوبی امریکہ کی ریاستیں کل کی کل!

ابھی جولائی میں کوپن ہیگن میں ووٹ طلب عورتوں کی جو تیرہویں بین الاقوامی کانگریس منعقد ہوئی تھی، یہ اجزا اسکی کارروائیوں سے کھلا ہے، اس نے چالیس حکومتوں کے ساتھ اپنی فہرست مطالبات پیش کی ہے! (ہندو۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء)

یہ کیا!؟ "تجدد" کے کائنات کی وسعت کل اتنی ہی نکلی! امریکہ، برطانیہ، روس، ترکی، وغیرہ کو چھوڑکر، ساری دنیا ابھی تک اسی جمود پرستی میں مبتلا! دلائل کا لاکھ قحط سہی، لیکن رقبہ کی وسعت کا رعب تو بہرحال دلوں میں بیٹھا ہوا تھا، اب جاکر معلوم ہوا، کہ اسکا سہارا ابھی محض پروپگنڈا ہی تھا!

لباس کی سادگی

پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے ایک بیان کا اقتباس:۔

"حکام یونیورسٹی بیکاری دور کرنے سے متعلق کمیٹی کی سفارشوں پر غور کررہے ہیں۔ بالخصوص انکی توجہ لباس کی اصلاح کی طرف ہے مذکورہ کمیٹی نے بتایا ہے کہ بڑے شہروں کے سکولوں اور کالجوں کا معیار زندگی اس درجہ سرفانہ ہے کہ والدین کے لیے سخت ایذا کا باعث ہے۔ .... بالخصوص لاہور کے طلبہ لباس پر بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ کمیٹی کے خیال میں اگر کم روپیہ لباس کے خرچ کے لیے مقرر کردیا جائے تو نہ صرف پبلک اسے پسند کریگی بلکہ طلبہ پر بھی خوشگوار اثر پڑیگا۔ حکام یونیورسٹی نے یہ تجویزیں کالجوں کے پرنسپلوں کے پاس بھیجی ہیں اور انکی رائے طلب کی ہے۔ لیکن وائس چانسلر کی ذاتی رائے یہ ہے کہ لباس کی اصلاح کا معاملہ والدین کے سپرد ہونا چاہیے"۔

گریہ عجب طرح کی رجعت پسندی ہے۔ عربی مدارس کے طلبہ پر یہی تو سب سے بڑا طنز تھا کہ ان "قل اعوذیوں" کا لباس تو ذرا دیکھو! کیسے غیرمہذب وحشیانہ لباس میں رہتے ہیں! اور اب جب "ترقی تعلیم" کا معیار یہ ٹھہرچکا، کہ طلبہ کا لباس اعلیٰ سے اعلیٰ ہو، تو اب پھر تلقین شروع ہوئی، کہ واپس جاؤ اپنے ان تکلفات سے اسی قدیم سادگی کی جانب! —— دیوبند سے پہلے تو خود ہی کہا، کہ علیگڈھ بنو، اور جب دیوبند علیگڈھ بنگیا، تو اب علیگڈھ سے کہا جاتا ہے کہ دیوبند بنو!

شرک، اہل توحید میں

ہندو مذہب کے مشہور، مستند فاضل مہامہوپادھیائے ڈاکٹر گنگا ناتھ جہا، ایک کتاب کے ریویو کے ضمن میں، ہندو اور زردشتی عقیدۂ ارواح پرستی سے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مردہ اسلاف زندہ اخلاف کی نظروں سے گو غائب ہوجاتے ہیں، لیکن مقدس دنوں میں آسمان سے اترکر نیچے آتے بھی رہتے ہیں، اور انکے نام پر جو دعوتیں کی جاتی ہیں، ان کھانوں میں آکر شریک ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد کی خوشی سے خوش ہوتے، انکے غم سے مغموم ہوتے ہیں۔ اور جس طرح زندگی میں اپنے عزیزوں کے محافظ و ناصر رہتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد

بھی اُنکے محافظ و نگراں رہا کرتے ہیں"۔ (لیڈر، ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء)

"شب برات" منانے والے مسلمان، ۱۴ رشعبان کی شام کو بزرگوں کا فاتحہ دلانے والے، حلوے اور روٹی ولانے والے، روحوں کی آمد کا یقین رکھنے والے، مسلمان غور فرمائینگے کہ انکے عمل کے ڈانڈے کن کن مشرک قوموں سے جاملتے ہیں' اور اپنے دین و مذہب کو ہندی و عجمی اثرات سے اُنھوں نے کیسا کیسا مسخ کرلیا ہے!

"ترقیوں" کے بعض مناظر

نیو یارک (امریکہ) کی بعض "ترقیوں" کے واقعات و اعداد، نیو یارک ہی کے ایک طبّی رسالہ کی زبان سے :-

۵۰ سال قبل ہر ۱۷۰۵ شادیوں میں ایک طلاق ہوتی تھی۔

۲۵ سال قبل یہ اوسط ہر ۱۰۲ شادیوں میں پڑنے لگا۔

آج ہر ۶ شادیوں میں ایک کا خاتمہ طلاق ہی پر ہوتا ہے"۔

(دیکھیے لوجی، جولائی ۱۹۳۹ء ص ۲۴۶)

ترقیاں، اور ماشاء اللہ کس تیز رفتاری سے ترقیاں! اور اس قوم میں ترقیاں، جسکے ترکش میں شریعت اسلامی پر طنز و اعتراض کا سب سے زیادہ مہلک تیر، طلاق ہی کا تھا!

آتشک کے گرفتاروں کی تعداد، امریکہ میں تو، یورپی ممالک سے بھی بدرجہا زائد ہے، یہاں تک کہ ڈنمارک کے مقابلہ میں ۱۶۰۴ گنی، اور سویڈن کے مقابلہ میں ۲۴۰ گنی! ان میں سب سے بڑی تعداد ۲۵ سال سے کم عمر والے مریضوں کی ہے، اور پھر ان میں بھی عموماً نابالغوں کی! (ایضاً)

شہر نیو یارک کے اندر، سال بھر میں ۲۰ برس سے کم عمر لڑکیوں میں سے ۱۴۰۰ کے ساتھ، جبراً منہ کالا کیا گیا، اور یہ تو صرف وہ اعداد ہیں، جو سرکاری محکموں کے علم میں آلئے! اور اسی کو معیار مان کر پھیلایا جائے، تو سارے ملک میں کم از کم ۵۰ ہزار یہ واقعات ہوتے ہیں! (ایضاً)

اسی شہر میں، سال بھر میں ۹۴ بچے ۱۶ برس، یا اس سے بھی کمسن، کمنا بیاہی لڑکیوں سے پیدا ہوئے۔ اور اس حساب سے گویا سارے ملک کی اسکولی طالبات کے اس دہ ہزار ناجائز بچے ہوتے ہیں، اگویا ہر ۷ ولادتوں میں ایک ولادت ناجائز! (ایضاً)

بن بیاہی ماؤں کے سرکاری زچہ خانہ کی ایک منتظمہ کا بیان ہے کہ اسکول کے بہت ہی ابتدائی درجوں میں پڑھنے والی طالبات میں، ہر مہینہ وسطاً دو لڑکیاں شادی سے قبل مائیں بن کر رہتی ہیں۔ (ایضاً)

اور یہ سب استنے آلات، اور اتنی تدابیر کے باوجود! —— جن ملکوں میں قانون حجاب کی پابندی ہے، جہاں اب تک "تعلیم" اور "مخلوط تعلیم" کی برکتیں عام نہیں ہوئی ہیں، جہاں اب تک لڑکی کا شرمیلی ہونا، عیب نہیں، ہنر سمجھا جا رہا ہے، وہاں ان "ترقیوں" کے اعداد اتنے نہ سہی، اسکے آدھے بھی ملینگے؟

تقدیر کی جیت

نیوز آف دی ورلڈ، (لندن) مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کی روایت ہے کہ ایک ہوا باز فریڈ وڈ کیلی، اپنے طیارہ میں نیو یارک، (امریکہ) کی طرف جا رہا تھا کہ راہ میں طوفان برق و رعد نے گھیر لیا۔ ہوا باز معاً نیو جرسی (امریکہ کے ایک دوسرے مقام کے ہوائی اسٹیشن پر اتر پڑا، اور اب گویا بالکل محفوظ ہوگیا۔ طیارہ کو اس نے طیران خانہ میں بند کیا، اور گھر والوں کو ٹیلیفون سے اطلاع دے، گھر کی طرف بہ اطمینان، پیادہ روانہ ہوا۔ ابھی چند قدم بھی نہیں چلنے پایا تھا کہ وہی بجلی، جسکے منہ سے ابھی بچکر نکل آیا تھا، گری، اور معاً ہوا باز کو ہلاک کرگئی!

"تدبیر" پر "تقدیر" کی فتح کی، اس سے زیادہ روشن و واضح مثال اور کیا ہوگی؟

یو۔پی کی حکومت

مارچ ۱۹۳۸ء سے مارچ ۱۹۳۹ء تک، ایک سال کے عرصہ میں

حکومت دہلی نے صرف ایک بار فوج طلب کی،

حکومت پنجاب نے ۳ بار "

حکومت یو پی نے ۱۰ بار "

" ۲۶ بار فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا!

(پانیر۔ ۲۳۔ ستمبر ۱۹۳۹ء)

فوج تو صرف اسوقت بلائی جاتی ہے، جب شورش کے فرو کرنے میں پولیس سے کام نہیں چلتا۔ اور اس حساب سے حکومت یو۔پی کو سال میں کُل ملاکر ۳۶ بار یعنی ہر دسویں دن ایسا شدید خطرہ محسوس ہوا کہ فوج کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اس میں سے ۱۰ بار یعنی ہر پانچویں ہفتے تو واقعۃً فوج کو بلائے بغیر کام ہی نہ چلا! یہ صورت حال کچھ بھی قابل رشک ہے؟ باعث مسرت ہے؟ موجب اطمینان ہے؟ بحث و جدل، رد و قدح میں پڑے بغیر ضرورت اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کی ہے۔ سعدیؒ نے مدت ہوئی کہا تھا، کہ تیر انداز سکھانے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آخر کار خود ہی اسکا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ یہاں کہیں کچھ بھی تو نہیں؟

کام آنے والی چیز

..."مرحوم کی زندگی ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی زندگی تھی خصوصاً حج و زیارت سے واپسی کے بعد آپ کا نظام اوقات یکسر بدل گیا تھا۔ اور آپ کی زندگی ایک عابد و زاہد مسلمان کی زندگی کا بہترین نمونہ بن گئی تھی۔ شب بیداری اور نماز تہجد روزمرہ کا معمول تھا، اور مذہبی مسائل و احکام کی تحقیق اور اُن پر عمل کرنے کی پوری کوشش زندگی کا بہترین مقصد" (کانفرنس گزٹ، علیگڈھ)

مرحوم، علیگڈھ کے ایک ممتاز زادہ لڑ بولے اور ایم، اے، ایک اونچے عہدہ دار اور اعلیٰ کارگزار۔ بڑے زوروں کی کلکٹری کی، اور اسی سے پنشن لی تحریک خلافت کے زمانۂ شباب میں تصدق شروانی مرحوم کو انھیں کے اجلاس سے دو سال قید سخت کی سزا ملی تھی۔ — اب آخر وقت میں یہ کارگزاریاں اور سربلندیاں کچھ کام آئیں؟ نزع کے وقت ان ہاداری سے کچھ بھی مدد ملی؟ کام کی چیزیں ثابت ہوئیں تو بس یہی کہ زندگی کا وقت عبادت الٰہی میں گزارا، نماز جنازہ فلاں بزرگ نے پڑھائی، قبر کی جگہ فلاں بزرگ کے پہلو میں ملی! ڈگریوں اور ڈپلوموں، گورنمنٹوں سندوں اور اعزازوں کا، عہدوں اور منصبوں کی کوئی بھی اصلی قدر و قیمت اور حقیقی وقعت ہے؟ یا آخری وقت، اُنسے انکیس

(ملاحظہ ہو صفحہ [illegible])

مراسلہ

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار صدق۔ السلام علیکم۔ اس سے قبل اخبار صدق کے صفحات پر ایک سوال کے جواب میں خاکسار تحریک اور اس کے قائد پر ایک زریں نوٹ شائع ہو چکا ہے جو اخبار صدق کی صداقت پسندی کا آئینہ دار تھا۔ علاوہ اس کے اخبار صدق بار بار مسلمانوں کی عدم رواداری[١] اور بردباری کا سبق دیتا رہا ہے۔ چنانچہ اسی قبیل کے سابقہ مضامین اور پچھلا نوٹ میں اپنے خاکسار اور احرار احباب کے سامنے فخریہ پیش کرکے انھیں رواداری کی تلقین کر رہا ہوں لیکن پچھلے نمبر میں ایک نوٹ صدق کی طرف سے اور نعمانی صاحب کا ایک مضمون خاکسار تحریک کے متعلق دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی میں سمجھتا ہوں اخبار صدق بھی اسی عدم رواداری کی رَو میں بہہ جانے لگا ہے جس کا رونا خود یہ اخبار روتا رہا ہے[٢]۔ پھر کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ کیفیت کہ ایک مسلمان تحریک کا چپقلش ہوتی ہے ایک غیر اسلامی گورنمنٹ کے ساتھ اور اخبار صدق اسی مسلمانوں کی تحریک کے خلاف ایجیٹیشن شروع کرکے غیر مسلموں کے ہاتھ مسلمانوں پر مضبوط کرنے کا مرتکب ہوتا ہے[٣]۔ میں خاکسار تحریک میں شریک نہیں ہوں لیکن جب کبھی کوئی مسلمانوں کی تحریک برباد ہوتی ہے یا اس پر ابتلا آتا ہے تو میرے دل سے ایک ہوک اٹھتی ہے۔ خدارا غور کرو۔ آخر وہ لوگ مسلمان ہیں۔ اور جن کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہے وہ غیر مسلم[۴]۔ اول تو یہ خانہ جنگی ہی ہماری تمام بربادی کی ذمہ دار ہے پھر اگر اس سے کسی صورت مفر نہ تھا تو اس کے لیے وہ موقع دیکھا ہوتا[۵]۔ ایک مسلمان کو قید و بند میں پاکر اسلامی دنیا کی ہمدردی کو اس سے ہٹانا اور ایک جابر اور ظالم کے ہاتھ کو مضبوط کرنا کون سی اسلامی شان سے موافقت کرتا ہے۔ "صدق" اخبار ابھی حال ہی میں ان خیالات کو پرزور الفاظ میں مذموم قرار دے چکا ہے کہ ہم کسی کے ایمان پر دھبہ لگائیں یا کسی کو گورنمنٹ کا کرایہ دار کہیں[٦]۔ لیکن اسی وقت میں نعمانی صاحب کا یو۔ پی گورنمنٹ کے زیر سایہ ہوتے ہوئے خاکسار تحریک کے خلاف بغاوت جاری کرنا کیا گل کھلائے گا[٧]۔ خدا ان نعمانیوں اور شیرازیوں[٨] سے بچائے ہمیں تو سیدھے سادے دریابادی بکار ہیں۔

بندہ ابراہیم (از مکان شریف ضلع گوجرانوالہ)

١ه آپ کے خیال میں شاید سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید کہنا "عدم رواداری" ہے۔ (صدق)

٢ه گویا اصول یہ ٹھہرا کہ کسی تحریک کی موافقت محض اس لیے کی جائے، کہ اس کی مخالفت کرنے والی "غیر اسلامی گورنمنٹ" ہے! چنانچہ شراب کو، جوے کو، حرام کاری کو، چوری کو، ڈکیتی کو، اگر یو۔ پی گورنمنٹ روکنا چاہے، تو آپ کے خیال میں اسلامیت کا تقاضا یہ ہے کہ محض اس لیے ان تمام بدکاریوں کی تائید شروع کر دی جائے، کہ ان کی روکنے والی "غیر اسلامی گورنمنٹ" ہے! بیشک "علامہ" مشرقی کی حمایت ایسی ہی ذہنیت کر بھی سکتی ہے! اور ایک مذہبی علمی تنقید پر "تحریک کے خلاف ایجیٹیشن شروع کرنے" کے اطلاق کی جرأت بھی آپ ہی فرما سکتے ہیں! (صدق)

٣ه ٹھیک اسی طرح، جیسے ہر مسلم "چور" مسلم "ڈاکو" "مسلم" قاتل کا "ٹکراؤ" غیر مسلم حکومت سے ہر روز اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ خدا معلوم مراسلہ نگار کے جذبۂ اسلامیت نے ان بیشمار موقعوں پر صبر سے کیسے کام لیا (صدق)

۴ه شاید آپ کا خیال یہ ہے کہ باموقع گمراہیوں کا پھیلنا ہے اور بے موقع ان کی تردید کرنا۔ (صدق)

۵ه اپنے اس فلسفہ کے بعد کیوں نہ ایک ایجیٹیشن ان مطالبات کے ساتھ شروع فرما دیجیے، کہ جتنے چور، ڈاکو، قاتل، غرض کسی جرم کے بھی مسلمان مجرم اس وقت سزائیں کاٹ رہے ہیں، سب کو جیل سے فی الفور رہا کراکر "ظالم و جابر گورنمنٹ" کے ہاتھوں کو کمزور کر دیا جائے؟ (صدق)

٦ه جیسا کہ آپ مولانا نعمانی کو گورنمنٹ کا کرایہ دار قرار دے رہے ہیں (صدق)

٧ه گویا آپ کے خیال میں ہر وہ بڑا سے بڑا عیب بھی ہنر ہے جو کسی غیر مسلم حکومت سے بالواسطہ اور ضمناً بھی ٹکرا جائے! (صدق)

٨ه یہ "شیرازی" کی تلمیح کی شرح مراسلہ نگار ہی فرما سکتے ہیں۔ (صدق)

٩ه ایک مجرم پر تو یہ عتاب اور دوسرے شریک جرم کے حق میں یہ مروت! یہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آپ چاہتے تو مولانا نعمانی کے مضمون کے حوالوں پر جرح کر سکتے تھے یا جو نتائج انھوں نے نکالے ہیں، ان پر تنقید کرتے۔ لیکن اس کے بجائے افسوس ہے کہ آپ ان پر اور سیدھے سادے "دریابادی" دونوں پر محض حملہ کر دینا مناسب خیال فرمایا! گویا ابھی "اصلاح" کی سطح بہت دور ہے۔ (صدق)

(بقیہ نوٹ)

مرض اور تشخیص مرض

"شادیوں کی ناکامی کا اصلی اور بڑا سبب یہی ہے، کہ مرد اور عورت دونوں بناؤ سنگار میں بیحد نفیس۔ تکلف پرست بنتے لگے ہیں"۔ (سکیسولوجی، نیویارک۔ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۵)

بناؤ سنگار کی، اس افراط اور بیجا نمائش کی جڑ قرآن مجید نے وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ کہکر کاٹ دی تھی۔ صدیوں کے بعد فتنہ، اپنے ہولناک نتائج کے ساتھ پھر ابھرا، اور غنیمت ہے، کہ اب اقرار دبی زبان سے سہی، منکروں کی زبان پر بھی آنے لگا ہے۔ اور جن حلقوں میں امید نہ تھی وہاں بھی تسلیم ہونے لگا ہے، کہ افراد ہی کو نہیں، خاندان کے خاندان، اور قوم کی قوم کو تباہ کرنے والی چیز، یہی بے حجابی اور اختلاط باہمی کی آزادی ہے!

تمدنِ اسلام کا پیام

بیسویں صدی کی دُنیا کے نام

(بواسطۂ عبدالماجد)

[تمدن اسلام کا عظیم الشان پیام، اور اسکا حامل یہ گوشہ نشین و گمنام! نظر واسطہ کی بے حقیقتی و بے بضاعتی پر نہ کیجیے، تمدن اسلام کا پیام خود تمدن اسلام کی زبان سے بہ صیغۂ متکلم سنیے]

بچے، مسلم و کافر سب ہی کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ مسلمان کے گھر میں ادھر بچہ ہوا، اُدھر نہلا دُھلا، سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ گھر کے کسی بڑے بوڑھے نے، کسی نیک مرد نمازی نے آکر اس کے دونوں کانوں میں اذان و اقامت کہی۔ گویا اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کا پیام، بچہ کے دنیا میں آتے ہی اُسے سنا دیا۔ اور پھر کسی نے ایک خرما اپنے دانتوں سے کچل، اور لعاب دہن سے تر کرکے اُسے ذرا سا چٹا دیا کہ یہ سنتِ رسول اسلام ہادی انام ہے ——— یہ سب کیا ہے؟ میری ہی یعنی مخصوص و خالص اسلامی تمدن کی ایک جھلک!

بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا، ٹانگوں میں توانائی آئی، انگنائی میں اور باہر دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ زبان تلفظ پر کھلی، بولنے لگے، اور جو لفظ اور جو فقرہ سب سے پہلے زبان پر لایا گیا وہ یہ نہیں کہ الف سے انڈا" یہ نہیں کہ Ba Ba man cat Ba but بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہی بسم اللہ اسکی ... تعلیم ہے۔ یہی اُسکا کنڈرگارٹن، یہی اسکا نرسری سسٹم ——— وہی میری ایک جلوہ آرائی!

بچہ نے اب ہوش سنبھالا۔ سیانا ہوکر اب تنہا سفر کرتا ہے، ریل پر جا رہا ہے، کھانے کا وقت آگیا، ناشتہ سا تھ ہے یا تازہ کھانا اسٹیشن سے خریدا، ہاتھ دھوئے، رومال بچھایا کھانا نکالا، ... اور بھی ہمسفر ہیں، پہلے کے ملاقاتی نہیں، اجنبی محض، صاحب سلامت تک ابھی نہیں۔ لیکن ان میں سے جو مسلمان ہیں، ... درخواست اُنکے سامنے پیش ہو رہی ہے کہ آپ بھی حضرت ... حاضر ہے۔ اُدھر سے جواب مل رہا ہے کہ بسم اللہ ... آپ نوش فرمائیں۔ نہ چھوت چھات کا سوال، نہ ذات برادری کی کچھ پوچھ، کہ اجنبی لوگ اپنے ہو سکتے ہیں کہ نہیں۔ ... انٹروڈکشن کا انتظار ——— یہ آخر کیا ہے؟ میرا ہی ایک دلنشین منظر، تمدن اسلام ہی کا ایک اور نمونہ۔

بچہ جوان ہوا، شادی کے قابل۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی مرضی لے لینے کے بعد ماں باپ تاریخ نکاح مقرر کرتے ہیں۔ دُلہن کے گھر پر دولھا مع اپنی پارٹی کے آئے۔ ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔ زنان خانہ میں دُلہن۔ مردانہ میں دولھا۔ دلہن نے کسی قدر رو رو کر باضابطہ منظوری وکیل نکاح کو دو گواہوں کے سامنے دی۔ اُنھوں نے محفل میں آکر قاضی کے سامنے دوہرایا۔ قاضی نے خطبہ میں حمد و نعت پڑھی، اللہ اور رسول کا کلام سنایا، آیندہ کے فرائض کو اسلام کی مقدس اور مسلمانوں کی بین الملّی زبان (عربی) میں یاد دلایا، نکاح اور اولاد کے برکات بیان کیے، اور شوہر کی زبان سے مہر و قبول کا اقرار کراکے اللہ سے زوجین کے حسن معاشرت کی دعائیں مانگ رسم نکاح خوانی کو ختم کر دیا ——— شروع سے آخر تک نہ پوجا پاٹ، نہ منتر کا نہ توہمات۔ وہی تمدن اسلامی کی ایک اور نقاب کشائی۔

بچہ بوڑھا ہوا۔ سفر آخرت کی تیاریاں۔ بستر مرگ پر عزیز و قریب سب اکٹھے۔ کوئی کلمہ پڑھ رہا ہے، کوئی سورۂ یٰسین دم کر رہا ہے، کوئی سورت الحمد اللہ سنا رہا ہے، کہ جو آواز آنکھ کھولتے ہی دنیا میں سب سے پہلے سُنی تھی، دم رخصت آنکھ بند بھی اُسی نام پر ہو۔ کوئی آب زمزم حلق میں ٹپکا رہا ہے، کوئی چارپائی قبلہ رُخ کر رہا ہے۔ دم آخر ہوا۔ بھائی بھتیجے، بیٹے پوتے سب آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ہاتھ پیر برابر کر رہا ہے، کوئی پیر کے انگوٹھے اور آنکھوں پر پٹی باندھ رہا ہے۔ یہ ہو چکا، تو غسل کا پانی نیم گرم تیار ہوا، بیری کی پتیاں ڈال گئیں۔ کفن کا کپڑا آیا، اُجلا اُجلا بے داغ تیار ہوا۔ طہارت، وضو، غسل، سب باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ عمل میں آیا۔ کلمہ کا ورد، قرآن کی آیتیں، رسولؐ کی بتائی ہوئی دعائیں برابر جاری رہیں۔ کافور چھڑکا گیا، کہ کل جو اعضا حشر میں چمکنے، آنکھی کچھ دُھندلی سی جھلک تو یہیں نظر آجائے۔ جنازہ بن ٹھن کر قبرستان روانہ ہوا۔ جیسے کسی گلشن کی ... تیار۔ میت غریب سے غریب کی سہی کاندھا دینے کو آدمی دوڑ رہے ہیں۔ قبرستان سارے بستی والوں یا سارے محلہ والوں کا ایک۔ یہ نہیں کہ سوسائٹی کا دور طبقہ ... والوں کا اور گورے اور کالے کا امتیاز مرنے کے بعد بھی قائم رہے۔ نماز جنازہ پڑھی گئی پورے اور پیچھے سب نے مل کر خدائے واحد سے دعا مانگی کہ مغفرت و رحمت اس میت کے بھی شامل حال رہے اور ہم سب کے بھی۔ میت کو اگنی دیوتا کی بھسم اور دیوی دیوتا کے حوالہ نہیں کیا گیا، ... کے نام کے منتر نہیں پڑھے گئے۔ بندہ کا رشتہ تا صد دیر ... کے ساتھ قائم رہا۔ قبر کے ... میں آرام و احترام کے ساتھ اتارا۔ قبلہ رخ کرکے لٹایا۔ اتارتے وقت آواز یں بلند رہیں، بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔ زمزم و عرق کیوڑہ کی خوشبو نے مٹی کے گھر میں قصر جنت کی ... پیدا کردی۔ ... کے دروازے ... لکڑی سے اور پھر مٹی سے بند ہو ... مٹی کے ڈھیلے ... ہیں، اور زبان ذکر ... کا ترجمہ تسکین و تسلی سناتی جا رہی ہے کہ ... میں گھبرانے اور ڈرنے کی کونسی بات ہے، (منہا خلقنٰکم) اسی سے یہ پیاری مٹی تو وہی ہے جس سے سارا گوشت پوست بنا تھا اور بنا تو اسکے بھی ہم ہی تھے۔ بس اُسی کی طرف تو واپس ہو رہے ہو۔ یہ کوئی اجنبی اور انجانی چیز تھوڑے ہی ہے، اور واپس کرنے والے ... اپنوں سے بڑھ کر دینے کوئی غیر نہیں (وفیہا نعیدکم) اور اسی سے

لے لکچر جو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے زیر اہتمام پڑھا گیا

ایک دن پھر صحیح و سالم تمہیں برآمد کریں گے، اور پھر وہ بھی ہم ہی ہوں گے، سابقہ کسی اور سے پڑنے والا نہیں (ومنها نخرجكم تارةً أخرى)۔ چلتے چلتے پھر میت کے حق میں دعائیں، غذائے دعا میں، اور پھر قبرستان سے واپسی۔ مسلمان کی روزانہ زندگی کے سارے مناظر، پیدائش سے لیکر موت تک اپنی نگاہ کے سامنے لے آئیے، ہر جگہ آپ کو دوسری قوموں سے، دوسری ملتوں سے، دوسری سمتوں سے ایک شان امتیاز نظر آئیگی۔ اطوار و آداب میں، بیداری و خواب میں، وضع و لباس میں، بھوک اور پیاس میں، صبح بستر سے اٹھیگا تو ساتھ ہی کہیگا لا الہ الا اللہ، کھانے بیٹھے گا تو لقمہ منہ میں بعد کو رکھیگا پہلے کہیگا بسم اللہ۔ پانی ٹھنڈا حلق سے اتاریگا تو ساتھ ہی منہ سے نکلے گا الحمد للہ۔ گوشت کے لیے زبان چٹخارا لیگی، تو تلاش حلال جانور کی کریگا، اور اسے بھی پہلے قبلہ رخ لٹا دیگا، بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیگا، جب کہیں جاکر چھری چلائیگا ——— یہ سب اگر میری ہی نشانیاں اور میری ہی جلوہ آرائیاں نہیں ہیں تو آخر کیا ہیں؟

تعارف کے بعد، یاد کر لیجیے، اپنے مسلک کے ایک زاویہ دار ہری کا یہ سنجاہل، کہ ہندوستان میں اسلامی تمدن سرے سے ہے کہاں؟ ——— آفتاب کی روشنی کا، روز روشن میں اس سے بڑھ کر انکار کس نے اور کب کیا ہوگا؟ میں تو جزو ہوں ہر مسلمان۔ اس ہندی مسلمان کی بھی زندگی کا۔ اسکی روح میں داخل، اسکی ہر سانس میں شامل!

لیکن میری حقیقت اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ جزو ہوں، کُل نہیں، فرع ہوں اصل نہیں، میری اصل و بنیاد جو کچھ ہے وہ دین اسلام ہے ——— دنیا کی کشت زار کے حق میں باران رحمت، خالق کا اپنی مخلوق پر سب سے بڑا احسان —— تمدن اسلام کے معنی یہ نہیں، کہ کسی ملک یا زمانہ کی مسلمان آبادی نے اکٹھے ہوکر جغرافی، تاریخی، نسلی حالات کے ماتحت اپنے لیے کچھ دستور وضع کر لیے اور انکا نام تمدن اسلام رکھ لیا۔ تمدن اسلام نام ہے اسلام کے تمدن کا، مسلمانوں کے تمدن کا نہیں۔ میں مصنوع نہیں، مخلوق ہوں، بندوں کے ذہنی اختراع کا نتیجہ نہیں، خالق کے احکام کا آئینہ بردار ہوں۔ مسیحی تمدن، ہندو تمدن، وغیرہ کے الفاظ سے دھوکا کھا کر میرے متعلق یہ نہ فرض کر لیجیے، کہ جس طرح وہ نام ہیں دوسری قوموں کے ہزارہا سالہ مجموعی تاریخی روایات کے، حکایات کے، خرافات کے، اسی طرح میں بھی پیداوار ہوں عرب و عجم کے اختلاط کا، یادگار ہوں طغرل و سنجر کے اقتدار کا! تمدن اسلام صرف وہ تمدن، وہ طرز زندگی ہے، جو ثابت ہے قرآن پاک سے اور سنت رسول انام سے، اور یا پھر مستنبط ہوتا ہو انھیں دونوں سے، ائمہ مجتہدین و اکابر فقہا کے قواعد و اصول سے۔ یہ تصریح اسلیے ضروری ہوئی، کہ کہیں تعزیہ اور علم، براق و ضریح، روشنی و آتشبازی، حلوہ و ملیدہ، ڈھول اور طنبورہ، چادر اور گاگر کو بھی میرا جزو نہ سمجھ لیا جائے۔ حاشا میں ان سے بری، ایک بار نہیں ہزار بار بری! لوگوں کو یہ دھوکا یوں لگا کہ اسلام کو دوسرے مذہبوں پر قیاس کر لیا گیا۔ اسلام دوسرے جو دو مذہبوں کی طرح کوئی وردی نہیں کہ لیے

اتوار کے دن گرجا جاتے ہوئے یا صبح و شام مندر میں پوجا کے لیے جاتے وقت جسم پر ڈال لیا، اور واپسی میں اُتار کر الگ رکھ دیا۔ اور پھر ہر معاملہ میں آزاد، اور بے فکر، مطلق انسان۔ جو چاہا کھایا پیا، جس طرح چاہا آئے، جس سے چاہا ملے جلے ——— یہاں تو قدم قدم پر پہرہ بیٹھا ہوا، آزادیوں کا دامن ہر طرف سے سلا ہوا۔ جانور فلاں حرام اور فلاں حلال، حلال کو بھی ذبیحہ کے طریق پر اپنے لیے حلال کیجیے، ورنہ اسکے ذائقہ سے بھی محروم رہیے۔ شراب نہ پیجیے۔ افیون سے شوق نہ کیجیے۔ بھنگ بوٹی سے دوستی کی آشنائی رکھیے۔ سودی کاروبار کے پاس نہ پھٹکیے، ساہوکارہ کھول کر گھر بھرنے کا خیال بھی دل میں نہ بسائیے۔ دہلی چوڑی بازار یا لکھنؤ چوک سے گزرنا ہو، تو کوٹھوں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیے۔ مرد ریشم سے اپنے جسم کو زینت نہ دیں۔ عورتیں اپنی زیبائش جمال کی چھاؤں بھی نامحرموں پر نہ پڑنے دیں۔ گھر میں بچہ پیدا ہو تو یہ نہ ہو کہ خوشی میں آکر لگے ڈھول پر ڈھول ٹھنکنے، اور طبلہ سارنگی کی آواز سے فضا گونجنے۔ اور کوئی عزیز چل بسے تو یہ نہ ہو کہ افراط غم میں شروع ہو جائیں شریعت کی زنجیریں ٹوٹنی۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ، بڑا یا چھوٹا، ایسا نہیں جس میں دین فطرت نے انسان کی ہوا و ہوس کو آزاد و بے قید چھوڑ دیا ہو، اور اس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو طرح طرح کی ہدایات سے جکڑ نہ دیا ہو ——— ٹھیک اس حکیم حاذق کی طرح جو مریض کے کھانے، پینے، سونے، جاگنے، چلنے پھرنے، دوا، دوش، ہر جزئیہ کی رعایت اپنے دستور العمل میں رکھے ہوئے ہے، اور ایک مکمل پروگرام چوبیسوں گھنٹوں کا آپ کے ہاتھ میں دے چکا ہے۔

عقائد کے بعد، اس جامع، مفصل، کامل، مکمل نظام عمل کے جتنے جزو کا تعلق براہ راست خالق سے ہے، اسکا نام سہولت کے لیے عبادت پڑ گیا اور نماز، روزہ، حج، وغیرہ اسکی قسمیں قرار پائیں۔ باقی جن اجزا کا تعلق بندوں کے باہمی میل جول، لین دین، صلح و جنگ، کھیل کود سے ہے، انکے مجموعہ کا نام ہے تمدن اسلام یا معاشرت اسلامی، اور یہی میں ہوں ——— میں پکار کر کہتا ہوں کہ دنیا بھوک سے تڑپ رہی ہے اور میں ہوں اسکے لیے ایک طاقت بخش غذا۔ دنیا درد سے لوٹ رہی ہے، اور میں ہوں اسکے حق میں نسخہ شفا۔ پریشانیاں جو کچھ بھی چھائی ہوئی ہیں سب اس لیے کہ مجھے چھوڑ رکھا ہے۔ مصیبتیں جتنی بھی آئی ہوئی ہیں، سب اس لیے کہ مجھ سے منہ موڑ رکھا ہے۔ یہ ہے میرا اعلان ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ یہ پیام پہونچ جائے بیسویں صدی کی نزار و زار لاغر بیمار دنیا کے کان تک، میرے فرزندوں کے ذریعہ، علیگڑھ کے جگر گوشوں کے وسیلہ سے۔

دنیا آج نشہ بازی کی جن لعنتوں میں گرفتار ہے، اسکی داستان دوہرانے کے لیے بھی وقت چاہیے۔ افیون، چانڈو، مدک، کوکین، ہیروئن، اور سب سے بڑھ کر شراب۔ دنیا کی دولت کا اربوں روپیہ انھیں پر صرف ہو رہا ہے، اور پھر بیماریاں اور جرائم جو ان سے پھیل رہے ہیں، انکا شمار ہی نہیں۔ ایگ آت مشنس کنونشن پر کنونشن تیار کرتی چلی جاتی ہے، کمیشن پر کمیشن بٹھاتی چلی جاتی ہے۔ مختلف حکومتیں امتناع (پروہبیشن) کے قانون پر قانون بناتی چلی جاتی ہیں۔ اور دنیا کے بڑے بڑے متفقین

کی منزلیں چوتھ رہ ہو گئیں ہیں —— میں جب زندہ ہوا تھا میرے عہد شباب میں بھی کوئی دشواری اس قسم کی پیش آئی تھی؟ شراب تو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بے اسکے اُن کے نزدیک جینا محال تھا۔ پھر محمد رسول اللہؐ کے زمانہ میں کتنے شرابی حجاز میں، نجد میں، یمن میں سارے ملک عرب میں باقی رہ گئے تھے؟ عمر فاروقؓ کے زمانے میں عراق، ایران، خراسان، حلب، دمشق، مصر، سب میرے زیر نگیں آ چکے تھے۔ اس سارے عرب ایمپائر میں کتنے ایڈیکٹ تھے کتنے شرابی؟ جواب دل کی عقیدت سے نہیں، تاریخ کے اوراق سے حاصل کیجیے۔ تاریخ بھی شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی لکھی ہوئی نہیں، اُنکے قلم سے نکلی ہوئی، جنکی زندگی کا مشن ہی اسلام، تاریخ اسلام کو سیاہ کرکے دکھانا ہے! ہمارے ہاں بھی کوئی تیوہار، کوئی مقدس گھڑی ایسی آتی ہے کہ شراب کا چھونا، چکھنا، پینا، جسم پر لگانا بطور شگون ضروری ہو؟ میرے بچے بھی "یو کرسٹ" اور ہولی کے تقدس سے واقف ہیں، اتنا تاریخ کے قوانین نافذ کرکے دنیا میرے ہی ناقص اور نا تمام نقالی کی طرف آ رہی ہے یا نہیں؟

نشہ اور جوے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عرب تہذیب جاہلی جس طرح شراب کی متوالی تھی، جوے کی بھی دیوانی تھی۔ اور آج کی مہذب قوموں کی زندگی میں تو جوا طرح طرح کے ناموں اور خوشنما دلفریب اصطلاحوں کے ساتھ رگ و ریشہ میں پیوست ہو گیا ہے۔ لاٹری اور انشورنس اور گھوڑ دوڑ میں بازی، اور رننٹ بال میں بازی، اور کار نیوال اور کلی بیگ، اور کراس ورڈ پزل (الفاظ کے معمے) وغیرہ وغیرہ۔ مجنونوں اور امراض دماغی کے مریضوں کی کتنی تعداد ہر سال یہی خوش اعمالیاں بڑھا رہی ہیں! واقعات خودکشی کے اسباب، کس کثرت سے، بالآخر نشہ و قمار ہی پر ختم ہوتے ہیں —— میرے زمانۂ عروج و اقبال کی تاریخ پڑھ جائیے، اُس عہد میں بھی کوئی مشہور جواری ملیگا! قمار کی عزت، کسی نام کے ساتھ اور کسی پردہ میں نظر آئیگی؟ میرے دور میں بھی کہیں اسکی نظیر ملیگی کہ فلاں عظیم الشان راجہ اپنے بھائیوں سمیت اپنا راج پاٹ، بلکہ اپنی عزت و ناموس تک جوے میں ہار بیٹھے، اور آخر جلا وطنی پر مجبور ہوئے؟ میرے عہد میں بھی راجہ نل بطور ہیرو کے نظر آئینگے؟ میرے ہاں بھی دستور رہا ہے کہ نوروز یوں منایا جائے، کہ لکشمی دیوی کی پوجا کے ساتھ جوے کو بھی جزو عبادت بنا لیا جائے اور قانون تعزیرات ہند تک کو دو تین روز کے لیے جوے کی آزادی دے دینی پڑے؟ میرے دور میں کبھی کسی "ڈونٹ" کا رواں کی شہرت چمکی ہے؟ میرے ہاں کبھی کہیں ایسا ہوا ہے، کہ کسی علاقہ کی آمدنی کا بڑا حصہ جوے ہی کی رقم سے آتا ہو؟ آج ایسے بھی کسی شہر سے متعلق یہ تصریح آپ کو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں نظر پڑتی ہے کہ وہاں کے جوے کی آمدنی کا ٹھیکہ فلاں کمپنی نے لیا ہے، اور وہ ہر سال حکومت کو ۹۰، ۹۲ ہزار یا ایک ایک لاکھ پونڈ دیتی رہتی ہے! ۱۲، ۱۳ لاکھ روپیہ سالانہ جب کمپنی کے کمیشن کا ایک حصہ ہوا، تو آخر بے اندازہ دولت کا، جو جواریوں کی جیبوں میں ادل بدل کرتی رہتی ہے، کوئی اندازہ کرسکتا ہے؟ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ قمار کی بندش ہو کیونکر، اسکی عمر تو تاریخ انسانیت کے دامن سے وابستہ ہے! بیشک یورپ کی تحقیق میں ایسا ہی ہوگا، کاش اس کلیہ سے تمدن اسلام کو مستثنیٰ کر دیا ہوتا!

خوشی کی تقریبات سبھی قومیں مناتی ہیں۔ لیکن یہ جشن قومی کے موقع شیوۂ شرافت، متانت و عصمت کے متقل ہی ہوتے ہیں۔ دوسری قوموں اور مذہبوں کی تاریخیں اُٹھا کر پڑھ لیجیے، اور کتب بینی کی فرصت نہ ہو، تو اپنی آنکھوں ہی سے گرد و پیش کی قوموں کا حال ملاحظہ فرما لیا جائے۔

سال میں دو جشن میرے ہاں بھی آتے ہیں، ایک عید، دوسرے عید الاضحیٰ، اور اسی کو عرف عام میں بقرعید کہتے ہیں۔ دونوں موقعوں پر خوشی تمنی ہوتی ہے کہ اسکے اظہار کے لیے عید کا نام ہی ضرب المثل بن گیا ہے، لیکن اس بے اندازہ خوشی کے ساتھ، بدمستی اور بیخودی کہیں آس پاس بھی آنے پاتی ہے؟ یہاں یہ نہیں ہوتا، کہ ہزارہا مرد ہر عمر اور ہر طبقہ کے اور ہزارہا عورتیں ہر سن و سال کی دریا میں مخلوط غسل کرے وہ وہ نظارے پیش کریں کہ خود بے حیائی کی نگاہیں نیچی ہو جائیں۔ یہ بھی نہیں ہوتا کہ ہزارہا کے مجمع پر holiday mood کی وہ بدمستی طاری ہو کہ پولیس کے سارے انتظامات اور ضبط و انضباط کی ساری شہرت کے باوجود، بیسوں لاشیں نکلیں، اور پچاسوں زخمیوں کے لیے ایمبولنس کار کی خدمات کی ضرورت پڑ جائے (امریکہ اور یورپ کے ہر میلے ٹھیلے کی رپورٹ انگریزی اخبارات میں پڑھ دیکھیے) - یہاں ہوتا ہے تو یہ کہ عید سے لطف اٹھانے کے لیے پہلے مہینہ بھر کے مسلسل روزے رکھیے، صبح سے شام تک دانہ پانی اپنے اوپر حرام کر لیجیے، جب کہیں جا کر عید کا چاند نظر آئیگا، اُس وقت اس عبادت کا شکر یوں عبادت ہی کی صورت میں کیجیے، کہ روز صبح اٹھ کر وضو کرتے تھے، آج غسل کیجیے۔ روز نماز پانچ وقت کی پڑھتے، آج چھ وقت کی پڑھیے۔ دن نکلنے کے بعد ذرا اچھا لباس پہن، گھر سے باہر عیدگاہ کے قصد سے نکلیے اور وہاں پہنچکر سب کے ساتھ مل کر نماز پڑھیے اور خطبہ سنیے۔ اور اسکے قبل ہی کچھ خیر خیرات کر دیجیے۔ دوست احباب، عزیز آشناؤں سے ملتے رہیے۔ عید کی ساری دھوم مچی ہوئی ہے، یہ ہے اُسکی کل کائنات! بقرعید میں بجائے فطرہ کی خیرات کے، بعد نماز، حسب مقدور جانوروں کی قربانی کیجیے۔ عیدگاہ جاتے آتے، دونوں عیدوں کے موقع پر، دیوی دیوتا کی جے پکارتے نہیں، آواز بلند ذکر الٰہی کرتے رہیے۔

کیا میرے ہاں بھی مندروں کے چہرے رنگ سے پتے ہیں؟ میرے ہاں بھی جسم پر راکھ اور بھبھوت مل طرح طرح کے روپ بہروپ بنتے ہیں؟ میرے ہاں بھی ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے گندے سے گندے گیت گائے ہوتے ہیں؟ میرے ہاں بھی یہ ہوتا ہے کہ اس نے مارے پچکاریوں کے اُس کی شکل بگاڑ دی، اور اُس نے اِسے آنا رنگا کہ انسان کے بجائے انسان کا "کیری کیچر" بنا دیا؟ —— مستیوں میں بھی اتنا ہوش، سوا اپنے دامن کے، اور کسی کے سایہ میں ملیگا؟ کھیل کود میں بھی اتنی صفائی اور ستھرائی! اس لطافت کی، اس نفاست کی، اس نظافت کی مثال اور کہیں ملیگی؟

کوئی نسبت بھی ان تکلموں سے ہے پانہ کو؟
ہمسایہ قوموں میں، اپنے اپنے تیوہاروں کو "پوتر" یعنی پاک وصاف بنانے کی جو تحریکیں شروع ہوئی ہیں یہ سب اگر میرا فیض نہیں تو اور کیا ہے؟

حاکم و محکوم کے باہمی تعلق کے اندازہ میں دنیا اب تک کیسی کیسی خونریز غلط فہمیوں کا شکار رہی ہے! اور آج تک انھیں غلط فہمیوں پر اصرار ہے۔ کوئی رعیت کی سودیشی کے بت کا پجاری ہے، اور کسی کا عقیدہ ہے کہ فلاح قوم و نجات ملک نازیت یا فاسطیت سے وابستہ ہے، اور کسی نے اپنی لو دیا کریسی (جمہوریت) سے لگا رکھی ہے۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک عقیدہ کے پرچار (اشاعت) کے لیے دلائل استعمال ہو رہے ہیں۔ توپ اور مشین گن، بم اور گیس کے ذریعے اپنی طاقت کے وقت بتایا اور بتایا گیا، صاف صاف درشت لکھایا گیا کہ یہ ساری غلط فہمیاں شاخ ہیں ایک اساسی غلط فہمی یعنی مقصد حکومت کی ناواقفی کی جڑ ہی ہے۔ انسان نے حاکم اپنے کو سمجھ لیا، اور قوی کمزور پر زبردست زیردست پر حکمراں ہو بیٹھا۔ اسلام نے علی الاعلان کہا کہ حکومت تو صرف اللہ کی ہے (ان الحکم الا للہ)۔ بشر بشر پر حاکم کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ بشر کا کام خلافت الٰہی یا نیابت الٰہی، قوانین الٰہی کا نفاذ ہے۔ قانون سازی وہ نہیں، قانون سازی کوئی اور ہے۔ بشر کا کام الٰہی قاعدوں اور ضابطوں کو دنیا میں صرف چلانا، پھیلانا ہے۔ کانسٹیٹیوشن (آئین و دستور) والی ساری دشواریاں بس ایک نکتہ کا فہم ہو جانے سے ہیں۔ سامنے یہ سوال ہی نہیں رہ جاتا کہ کانسٹیٹیوشن کیا ہو۔ سوال صرف رہ گیا کہ اسکے چلانے والے کون ہوں؟ وہ ہوں جو متدین ہوں، جو صاحب ضمیر ہوں، کیرکٹر والے ہوں، امین ہوں، متقی ہوں، اپنے اعمال و اقوال و احوال کے ذمہ دار و جوابدہ، مخلوق کے سامنے نہیں، خالق کے سامنے ہوں۔ اور فاروق و صدیق کی نگاہوں سے دیکھا جائے کہ بغیر انسانی دماغوں کے تیار کیے ہوئے کاغذی طوماروں کے بغیر، لکھنؤ و دہلی کی اسمبلی اور کونسل کی عمارتوں کے بغیر کونسلوں میں انتخابی سلسلہ سوالات و جوابات کے، بغیر منسٹروں، سکریٹریوں، پارلیمنٹری سکریٹریوں کی وساطت اور بغیر سکریٹریٹ کی انبوہ در انبوہ فوج کے روئے زمین پر عدل کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے!

(باقی آئندہ)

صدق کی سالانہ جلدیں

جلد اول بابت ۱۹۳۵ء قیمت فی جلد ...
جلد دوم بابت ۱۹۳۶ء ...
جلد سوم بابت ۱۹۳۷ء ...
جلد چہارم بابت ۱۹۳۸ء ...

(محصول ذمہ خریدار) دفتر صدق لکھنؤ

اسلامی جہاد کی خونریزیاں

اسلامی جہاد آج تک بدنام ہے اور اسکا نام لے لے کر مسلمانوں کو خونی قرار دیا جاتا ہے۔ یورپ کے مہذب ڈاکو جو مصنفین۔ اخبار نویسوں۔ لکچراروں، پروفیسروں۔ محققوں اور مستشرقوں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اپنی ریسرچ اور تحقیقات کی تان یہاں آکر توڑتے ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ انکی تحقیقات یہ ہے کہ جہاد ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ اور خونریزی کا دوسرا نام ہے، اس لیے اسلام بھی دنیا کا کوئی شائستہ اور مہذب مذہب نہیں ہے۔ ہندوستان کے عیسائی مشنریوں کی کتابیں پڑھو تو انکے مذہبی لٹریچر میں اسلام کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل یہی دکھائی دیگی کہ اسلام میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے!

حالانکہ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جہاں جہاں جہاد کا لفظ آیا ہے اُسے قید و شرط کے بغیر آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ اکثر اسے "فی سبیل اللہ" کی قید سے مقید کر دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں کوشش کرنا۔ خواہ یہ کوشش زبان سے ہو یا قلم اور تلوار سے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی راہ میں کھڑا ہوگا وہ انسان پر ذرہ برابر بھی ظلم و ستم روا رکھے گا یا اسکا مقصد مال و دولت اور لوٹ کھسوٹ ہوگا۔

غرض اسلامی جہاد پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اُسکا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں اور اسلام کے اثر و نفوذ کو زائل کر کے مسلمانوں کو وحشی قرار دیا جائے۔ حالانکہ دیگر تصریحات کو نظر انداز کرتے ہوئے الفاظ "فی سبیل اللہ" ہی تمام الزامات کی تردید و تغلیط کر دیتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنی پاک زندگی میں جو جہاد فی سبیل اللہ کیا تھا اُسکی ایک فہرست جہاد فی سبیل الطاغوت کے مقابلہ میں دیدیں۔ تاکہ دنیا کو یہ تو پتہ چل جائے کہ اسلام نے جہاد کا حکم دے کر دنیا پر کونسا عذاب نازل کیا ہے اور یورپ نے تجارت اور عام بیداری کی غرض سے جو "جہاد" کیا تھا وہ کس حد تک خدا کی رحمت ثابت ہوا ہے۔

اور اسلامی جہاد اور یورپی جنگوں میں قتل و تباہی کے اعداد و شمار کیا تھے۔ پیغمبر اسلام صلعم نے اپنے رفقاء کے ساتھ جس قدر بھی جہاد کیے اُن کی تعداد ۲۴ ہے۔ مندرجہ ذیل فہرست ملاحظہ ہو:—

نام جنگ	تعداد شہداء	دشمن کے مقتول
ابواء	قتال کی نوبت نہ آئی ۰	۰
بواط	″ ۰	۰
بدر اولیٰ	″ ۰	۰
عشیرہ	″ ۰	۰
بدر کبریٰ	۱۴	۷۰
بنو سلیم	″ ۰	۰
بنو قینقاع	″ ۰	۰
سویق	۲	۰
غطفان	″ ۰	۰

نام جنگ	تعداد شہداء		دشمن کے مقتول
اُحد	۷۰		۲۳
حمراء الاسد	۰	قتال کی نوبت نہیں آئی	۰
بنو نضیر	۰	"	۰
ذات الرقاع	۰	"	۰
تیسری جنگ بدر	۰	"	۰
دومۃ الجندل	۰	"	۰
مریسیع	۰	"	۰
خندق	۶		۳
بنو قریظہ	۱		۰
بنو لحیان	۰	"	۰
ذی قرد	۱		۰
خیبر	۱۵		۹۳
فتح مکہ	۲		۱۰
حنین اور طائف	۱۲		نامعلوم
تبوک	۰		۰

گویا یہ ہے اسلامی جہاد جس میں کل ۱۱۷ مسلمان شہید ہوئے اور ۲۱۷ مخالف ہلاک ہوئے - نہ لاکھ نہ دو لاکھ صرف ۳۳۴! اب معترضین کے گھر میں جو جنگیں برپا ہوئیں اُنکا حال بھی معلوم ہے؟ صرف فرانس کی جنگوں میں جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۵ء تک جاری رہیں صرف فرانس کے بیس لاکھ آدمی مارے گئے! ان ۹ لڑائیوں میں جن میں خود نپولین بونا پارٹ نے شرکت کی جس قدر آدمی مارے گئے انکی تفصیل حسب ذیل ہے :—

نام جنگ	تعداد مقتولین و مجروحین
آسٹرلٹ	۲۵۰۰۰
جینا	۱۷۰۰۰
ہیلو	[illegible]
فرڈ لینڈ	۳۴۰۰۰
ایکمو ہ	[illegible]
بگرام	[illegible]
بورو ڈی نو	[illegible]
لیپزگ	[illegible]
واٹر لو	[illegible]
	۳۰۰۰۰۰

مندرجہ ذیل جنگوں میں جس قدر انسان ہلاک ہوئے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :—

پینن سولر وار میں انگلستان کے پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوئے -

جنگ کریمیا میں روس اور اسکی حلیف طاقتوں کے چار لاکھ اسی ہزار آدمی ہلاک ہوئے -

امریکن سول وار میں جو ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہی

۱۸۷۰ء کی جرمن فرانسیسی جنگ میں صرف سات ماہ کے اندر ۳ لاکھ ۱۷ ہزار آدمی مارے گئے -

۱۸۷۷ء کی روسی ترکی جنگ میں دو لاکھ آدمی ہلاک ہوئے -

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں جس قدر انسان مارے گئے اُن کی تفصیل یہ ہے :—

مرنے والے	۹۹۹۸۷۷۱
شدید زخمی	۶۲۹۵۵۱۲
خفیف	۱۴۰۰۲۰۳۹
گم یا قید شدہ	۵۹۸۳۶۰۰

ان اعداد و شمار کے باوجود بدنام پھر بھی جہاد ہی ہے! خبر نہیں ظالم دنیا کو کب اس الزام تراشی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوگی؟ وللہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ - (زمزم)

(بقیہ صفحہ ۳)

اور زیادہ مواخذوں کا اندیشہ رہتا ہے؟ آہ! مغرور و غافل انسان! وہ زندگی بھر کتنا فریب اور خود فریبیوں میں مبتلا رہتا، اور کس کس طرح نہ ہر کو تسند سمجھا کرتا ہے! ع

زان ہنر [illegible] نی [illegible] [illegible]

روز مردن [illegible] [illegible] مرد

زنانہ ورزش کے حامی

"ورزش [illegible]

لیکن مجھے اُس خطرہ سے آگاہ کر دیا ہے جو عمر لڑکیوں کو اسکی وجہ سے بہت زیادہ [illegible] سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ورزشی میدانی کھیلوں [illegible] مقابلہ کا تو خیال ہی ترک کر دینا چاہیے - معمولی ورزش سے بیشک نقصان نہیں ہوتا لیکن دوسروں سے [illegible] [illegible] ہے، مسابقت کا بار اپنے اوپر [illegible] [illegible] کھیل کے وقتی جوش میں عضلات [illegible] بہت زیادہ مشقت پڑ جاتی ہے، تب وہ [illegible] ہوتے ہیں، اور میچ کے دوران میں یہ جو زور پڑتا ہے اُس نفع کو باطل کر دیتا ہے، جو معتدل ورزش سے پیدا ہونا چاہیے "

(ایک ڈاکٹر کا بیان لیڈر میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

ڈاکٹر، معلوم ہوتا ہے، جمود پرستوں کی صحبت میں رہ کر بگڑ گئے ہیں، ورنہ آخر اسکے معنی کیا کہ لڑکیوں کے لیے ورزش ضروری لیکن اس میں مقابلہ و مسابقہ اور میچ اور ٹورنامنٹ سب ناجائز! یہ عورت کی آزادی عمل میں صاف مداخلت نہیں تو اور کیا ہے؟

اتمامِ حجت

مشرقی کے نام پہلا مکتوب

محترم المقام - بعد ما ہو المسنون - کچھ عرصہ سے تحریک خاکساری اور آپ کے مسائل کے متعلق بکثرت سوالات و استفسار یہاں آ رہے ہیں جن میں آپ کی تصانیف سے نقل کر کے کچھ عبارتیں بھی درج ہوتی ہیں ہمارے بزرگوں کا طرز چونکہ ایسے معاملات میں ہمیشہ نہایت محتاط رہا ہے اس لیے منقولہ عبارتوں پر کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ تھا۔ اور آپ کی تصانیف تذکرہ عربی، تذکرہ اردو، اشارات، قول فیصل، مولوی کا غلط مذہب ص ۱ تا ص [illegible] و ص ۱۵ و ص ۱۶ اور حجت کا پول، بیری سخت گیریاں اور مختلف اشتہارات خود دیکھے اور الحمد للہ بالکل خالی الذہن ہو کر اور تمام گرد و پیش کے نتوؤں سے یکسو ہو کر انصاف سے دیکھے۔ مگر دیکھنے کے بعد بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مسالک اور عقائد کی تائید اور تردید کرنے سے پہلے خود آپ سے بالمشافہ کچھ مخلصانہ گفتگو کریں۔ ہماری حاضری کی غرض رسمی مناظرہ ہرگز نہیں ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ کے مسالک اور جذبات و خیالات ٹھیک ٹھیک معلوم کریں اور آپ اجازت دیں تو اپنی مخلصانہ معروضات آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس لیے عرض ہے کہ کوئی تاریخ قریبی زمانہ میں آپ متعین فرما دیں تو احقر حاضر ہو جائے۔ احقر کے ساتھ دو ایک اور حضرات بھی ہونگے جو اس مخلصانہ گفتگو میں بالکل احقر کے ہمخیال ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اس مخلصانہ عرض معروض سے کوئی اچھی صورت پیدا ہو جائے۔ آپ کے جواب کا ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۹ء تک انتظار کر کے کوئی رائے قائم کی جائیگی۔

بندہ محمد شفیع ناظم دار الاشاعت و مدیر المفتی - دیوبند

۷ - جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ

جواب از جانب مشرقی

بقلم منیجر الاصلاح

۹-۷-۲۶ ۲۵-۲-۳۸ مکرم و محترم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ - آپ کا رجسٹری شدہ خط دفتر الاصلاح میں موصول ہوا۔ علامہ مشرقی صاحب نے کونسہ مرکزی کیمپ کے خطاب میں صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تذکرہ میں کیا لکھا ہے۔ وہ پرچہ ارسال کیا جا رہا ہے آپ بغور پڑھیں۔ امید ہے کہ اسکے پڑھنے سے جناب کی پوری تسلی ہو جائیگی اور کسی مزید استفسار کی ضرورت نہ رہیگی۔ امید ہے کہ جناب بخیریت ہوں گے۔ والسلام - ذو الفقار اسمٰعیلی - منیجر

مشرقی کے نام دوسرا رجسٹری شدہ مکتوب

محترم المقام! بعد ما ہو المسنون احقر کے خط مورخہ ۲۲ - جولائی ۱۹۳۹ء کے جواب میں گرامی نامہ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء وصول ہوا جس میں تحریر فرمایا ہے کہ کونسہ مرکزی کیمپ کے خطاب کا ایک پرچہ بھیجا جا رہا ہے۔ جس میں بتلایا گیا ہے کہ تذکرہ میں کیا ہے اسکے مطالعہ سے پوری تسلی ہو جائیگی۔

لیکن آج ۱۴ اگست ۱۹۳۹ء تک اسکا انتظار کیا گیا۔ یہ پرچہ نہیں پہنچا۔ اس لیے آپ کا کام مختصر کرنے کی غرض سے چند سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں جو جناب کی تصانیف دیکھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ یقین فرمائیں کہ ہماری غرض بالمشافہ گفتگو سے کوئی رسمی بحث و مناظرہ نہ تھی اور نہ اب ان سوالات سے یہ مقصود ہے۔ البتہ مقصود صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ آپ کی تصانیف سے جو کچھ ہم نے سمجھا ہے وہی آپ کی مراد ہے یا کچھ اور۔ اور پھر اگر یہی مراد ہے تو جو چیزیں اس میں قرآن و حدیث کے صریح مخالف نظر آتی ہیں ان کا حل آپ کی نظر میں کیا ہے۔ براہ کرم ان سوالات کے مفصل جوابات سے جلد مطمئن فرمائیں گے۔ کسی خاص سوال کا جواب اگر کونسہ کے خطاب میں مفصل مذکور ہے تو وہ بھی بھیجدیا جائے مگر سوالات کی خصوصی نوعیت پر نظر فرما کر جواب کی تکلیف فرمائی جائے۔ ۲۵ - اگست تک جناب کے جواب کا انتظار رہیگا

بندہ محمد شفیع ناظم دار الاشاعت و مدیر المفتی - دیوبند - ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ ۱۴ اگست ۱۹۳۹ء

اس دوسرے رجسٹری شدہ مکتوب کے ساتھ حسب ذیل سوالات بھی بھیجے گئے تھے :-

مشرقی سے بارہ سوالات

(۱) آپ کی عبارات تذکرہ اردو، دیباچہ ص ۸۵، ۸۶ اور تذکرہ عربی ص ۵۵ و حاشیہ ص ۶۹ و ص ۱۲ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد سرے سے کوئی چیز نہیں۔ ہر شخص جو چاہے عقائد رکھے۔ اسکے اسلام اور ایمان پر اسکا کچھ اثر نہیں۔ نیز بعض عبارات میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے کسی کلمہ کے اقرار و شہادت کی کوئی حاجت نہیں۔

اسکے برخلاف رسالہ "[illegible] مذہب" ص ۱ ص ۱ میں آپ نے خود اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپ کا یہ اعلان "تذکرہ" کی عبارات مذکورہ سے رجوع اور انکے غلط ہونے کا اعلان ہے؟ یا ان دونوں میں کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے۔ اگر ہے تو کیا؟

اور اگر اب بھی آپ کا خیال وہی ہے جو عبارات "تذکرہ" مذکورۃ الصدر میں بیان کیا گیا ہے تو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ مندرجہ ذیل کا آپ کے نزدیک کیا محل ہے جن میں صراحۃً عقائد کا ضروری اور مدار نجات اور اصل الاصول ہونا مذکور ہے؟

قال تعالیٰ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وقال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ (وغیرہا)

نیز حدیث صحیح جس میں "اسلام" کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ (الحدیث) اور ایمان کی تفسیر اس حدیث میں فرمائی ہے ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن باللہ خیرہ وشرہ (الحدیث) نیز حدیث ہلا شققت قلبہ اسامہ حدیث عبادہ بن الصامت من شہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ (الی ان قال) ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من عمل" (بخاری و مسلم) (و امثالہا)

(۲) کیا مذہب اسلام مدار نجات نہیں بلکہ ہر مذہب پر رہ کر نجات آخرت حاصل ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ "تذکرہ" صفحہ ۵۵، ۵۶، ۵۷ سے

معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کا خیال یہی ہے تو پھر آپ "اِنَّ الدین عند اللہ الاسلام" و "من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ" کا کیا مطلب ہے۔ نیز آیۂ کریمہ "فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم" کا کیا محل ہے؟

(۳) تذکرہ عربی صفحہ ۳۰۔ ۴۰۔ ۴۲۔ ۴۴۔ ۴۶۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۵، ۵۶۔ ۶۹۔ ۸۵۔ ۸۹۔ ۹۳ میں، اور اشارات صفحہ ۹۹ میں بصراحت مذکور ہے کہ موجودہ نصاریٰ اور بت پرست اقوام جو باہم منظم اور زمین پر غلبہ و تمکن رکھتے ہیں، وہ حقیقی معنی میں موحد ہیں، مومنین، صلحاء، ابرار، مفلحین، اور آخرت میں نجات و حسنات کے مستحق ہیں۔

لیکن اسکے خلاف آپ نے رسالہ "جھوٹ کا پول" صفحہ ۹ میں لکھا ہے کہ انگریز، جرمن، جاپان وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مومن نہیں، نہ ہوسکتے ہیں نہ "الجنۃ" کے حقدار۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کی یہ تحریر "تذکرہ" کی عبارات کا رد اور اُن سے رجوع ہے یا دونوں تحریروں میں کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے؟ اگر ہے تو کیا؟

(۴) کیا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے تمام مسلمان جنکو دنیا میں غلبہ و سلطنت حاصل نہیں سب کے سب گمراہ، کافر، مشرک ہیں؟ جیسا کہ تذکرہ عربی کے عبارات مذکورہ سابقہ در سوال نمبر ۳ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے تو ان عبارات کا مطلب کیا ہے؟

(۵) کیا بجز تنازع للبقاء اور دنیا میں تحصیل غلبہ و سلطنت کے اسلام میں کوئی عبادت اور کوئی عمل مطلوب و مقصود نہیں، جیسا کہ عبارات تذکرہ اردو دیباچہ صفحہ ۹۳ و ۹۴ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۰، ۱۱ تذکرہ عربی صفحہ ۱۳۳ سے سمجھا جاتا ہے۔

اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے تو آیت "الذین ان مکناہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ" میں جو غلبہ و تمکن فی الارض کو غیر مقصود اور اس سے اصل مقصد اقامت صلوٰۃ وغیرہ کو قرار دیا ہے اسکا کیا محل ہے اور حدیث "بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ" (الحدیث) کا کیا مطلب ہے؟

(۶) تذکرہ عربی صفحہ ۳۲ و ۵۲ میں مذکور ہے کہ جس شخص کو دنیا میں نعمت غلبہ و سلطنت حاصل نہیں اسکو آخرت کی نعمت بھی نہ ملیگی۔ جو یہاں محروم ہے وہ آخرت میں بھی محروم رہیگا۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آخرت کی تمام عظیم الشان نعمتیں اور جنت کا ملنا اس پر منحصر ہے کہ دنیا میں سلطنت و غلبہ اور مال و دولت کا مالک ہو، تو وہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں اپنی قوموں پر غلبہ نہ پاسکے، بلکہ انکے ہاتھوں شہید ہوگئے، جنکی خبر قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہے "ویقتلون النبیین" (دیکھو) کیا معاذ اللہ جنت

آخرت سے محروم ہیں؟ اور حضرت لوط علیہ السلام جو کفار کے نرغہ سے اپنے گھر والوں کو بھی نہ بچا سکے اور فرمایا "لو ان لی بکم قوۃ او اٰوی الیٰ رکن شدید" اسکے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

(۷) تفسیر قرآن مجید میں صحیح و غلط کا معیار کیا ہے؟

(۸) کسی آیت کی تفسیر جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اُسکے معارض و مخالف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

(۹) حضرات صحابہؓ و تابعینؒ جو تفسیر قرآن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ یا صرف ایک واسطہ سے شاگرد ہیں اُنکی تفاسیر کے معارض کوئی تفسیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۰) "تذکرہ" میں بہت سی آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر لکھی گئی ہے جو تمام علماء سلف و خلف کے مخالف و معارض ہے کیا اسکے یہ معنی نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو برس میں امت میں سے کسی نے قرآن کو نہیں سمجھا؟ عہ

(۱۱) آپ کی تحریک خاکساری، عسکری تنظیم، خدمت خلق وغیرہ کی غرض اگر مسلمانوں کی قوت کو ترقی دینا ہے تو اسکے لیے مسلمانوں کے قدیم عقائد میں اس تبدیلی کی کیا ضرورت تھی جو "تذکرہ" میں درج ہے۔ اگر مسلمانوں کو اپنے قدیم عقائد پر رکھکر آپ اُن سے عسکری تنظیم اور خدمت خلق کا کام لیتے تو اس میں کیا حرج تھا، اور عسکریت میں کیا خلل آتا تھا؟ بالخصوص جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ کوئی عالم خواہ کتنا ہی بدعمل اور عسکریت و جہاد سے خوہ جان چرانے والا ہو، مگر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد اور خدمت خلق کرنے والوں کو اسنے کبھی نہیں روکا کہ اُنکے خلاف بغاوت کو تحریک کا مقدمہ قرار دیا جا سکے۔

(۱۲) کیا امیر کی اطاعت بالکل نبی و رسول کے برابر بلا قید و شرط ہے جیسا کہ رسالہ "غلط مذہب" میں صفحہ ۱۷۔ ۲۱ و ۲۲ میں مرقوم ہے۔ یا خلاف شرع حکم دینے کی صورت میں امیر کی اطاعت ترک کرنا ضروری ہے؟ پہلی صورت میں احادیث صحیحہ "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" وغیرہ کا کیا مطلب ہوگا؟

(بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ)

جواب از جانب مشرقی

بقلم منیجر "الاصلاح" اچھرہ لاہور

شوال ۱۳۵۸ھ محترم بندہ۔ السلام علیکم۔ جناب والا کا خط دفتر "الاصلاح" میں موصول ہوا۔ اعتراضات کے خطوط کے متعلق ادارہ علیہ کا حکم ہے، کہ دفتر اُن کا براہ راست جواب دے اور فیصلہ کے لیے

عہ اگر آپ کا یہی خیال ہے تو اس کا جواب کیا ہے کہ جب ساڑھے تیرہ سو برس کے کبھی روزن عقلاء و علماء نے قرآن نہیں سمجھا، تو قرآن کے نزول اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بالکل ضائع ہوا۔ نیز اگر کوئی یہ کہے کہ جب تیرہ صدی کے علماء قرآن کو غلط سمجھتے آئے تو آج مشرقی صاحب کے صحیح سمجھے ہوے کی ضمانت کیا ہے؟ تو اسکا کیا جواب ہے؟ ۱۲ منہ

پیش نہ کیے جائیں۔ ادارۂ "الاصلاح" ان خطوط کا جواب حتی الوسع نہیں دیگا کیونکہ اگر ادھر متوجہ ہو جائے تو پھر کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جناب والا کو کوئٹہ کیمپ کے خطاب کا پرچہ اسی دن بھیج دیا گیا تھا۔ اور یقین ہے کہ آپ کو پہونچا ہوگا۔ لیکن چونکہ جناب نے لکھ دیا ہے کہ نہیں پہونچا اسلیے مجھے دوبارہ جرمانہ ہوا ہے اور اب پھر پرچہ بھیج رہا ہوں۔ اگر اتنے بڑے لٹریچر کے بعد جتنی کہ خاکسار تحریک کی ہے اور جس میں کوئی معقول اعتراض نہیں چھوڑا گیا اطمینان نہیں ہوتا تو پھر خدا حافظ۔ آپ کے اعتراضات میں سے ایک ایک کو پڑھ کر حیرت ہوئی ہے۔ کیونکہ ان سب کا جواب تذکرہ میں موجود ہے۔ اعتراض ملک میں تو حیرت ہے کہ اسکا جواب خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت میں موجود ہے۔ تذکرہ کے متعلق اعلان ہو چکا ہے کہ اس میں کسی ایک حرف سے بھی اب تک رجوع نہیں کیا گیا، اس لیے جب رجوع نہیں ہوا تو آپ ہی ... [عہ] کیجیے۔ جتنا غور سے پڑھیں گے اور ایک ایک لفظ پر توجہ کرینگے تذکرہ خود بخود روشن ہوتا ہوتا جائیگا۔ خدا کے کلام سے فریب جو انسان کرتا ہے اُسکے واسطے دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی مکمل ہے۔ آپ بھی اگر خدا کے کلام کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھیں گے، حدیث کو قرآن کے مطابق کرنے کی کوشش کرینگے یا یہ کہ قرآن کو حدیث کے مطابق کیا جائے۔ سب مشکلات واضح ہو جائینگی۔ ابھی اس امر کی ضرورت ہے کہ خالی الذہن ہو کر اور تذکرہ کی عبارات کی ایک ایک لفظ پر غیر متعصبانہ توجہ دے کر پڑھیں۔ کوئی اعتراض باقی نہیں رہ سکتا۔ ادارۂ "الاصلاح" درس قرآن کا مکتب نہیں ہے کہ ان نکات کو فرداً فرداً واضح کیا جائے۔ میں نے جناب والا کے طویل خط کے جواب میں یہ سطریں لکھنے کی جرأت کی ہے۔ ورنہ دفتر "الاصلاح" اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ جواب دیا جائے۔ مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں۔ فقط والسلام (احقر ذوالفقار منیجر)

تیسرا مکتوب

مکرم بندہ! بعد ما ہو المسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۰ اگست موصول ہوا۔ افسوس کہ کوئٹہ کے مرکزی خطاب کا پرچہ جسکے بھیجنے کے لیے اس میں لکھا ہے۔ اب بھی نہیں پہنچا۔ تعجب ہے کہ خط پہونچ جاتا ہے اور پرچہ نہیں پہونچتا۔ اب آپ براہ کرم یہ پرچہ بذریعہ ویلیو مذکورہ پتہ پر فوراً بھیجکر ممنون فرمائیں۔ بلا ویلیو یا بلا رجسٹری نہ بھیجا جائے کہ ڈاک میں ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ ناظم اشاعت۔ دیوبند

اس خط کے چار روز بعد "الاصلاح" کا موعودہ پرچہ پہونچا جسکی اطلاع اُسی روز مشرقی کو دیدی گئی۔ احقر نے اس پرچہ کو بڑے شوق سے پڑھا کہ اس میں سوالات کے جوابات ہونگے مگر افسوس کہ اس میں اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ جو کفریات تذکرہ و اشارات کی کر رسہ کر عبارتوں کے الجھاؤ میں چھپے ہوئے تھے انکا خلاصہ آسان بیان کر دیا گیا ہمارے سوالات کے ساتھ اس میں ذرا بھی تعرض نہ تھا۔ آنا تھا پڑھ کر مفاہمت یا جواب کی امید قطع کر دیگئی۔ اب مشرقی کے عقائد اور انکے شرعی حکم کے متعلق رسالہ شایع کیا جاتا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ اوائل رمضان المبارک میں شایع ہو جائیگا۔ (محمد شفیع عفی عنہ) (ضیاء الاسلام)

عہ اصل میں یہ لفظ پڑھا نہ گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

نمبر ۱۴ | لکھنؤ- ۳- شوال المکرم ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵- نومبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

"اسلام ---- وریہ شہادت ایک مخالف ومنکر کے قلم سے ہے ----

"اسلام ... صدیوں تک دنیائے مسیحیت پر غالب رہا، کیا شان وشوکت، جاہ وثروت اور علم وفضل کے۔ تباہ ہوا انہیں خلافتوں کے قائم ہو جانے سے، بغداد میں، اشبیلیہ (اسپین) میں، اور مصر میں اور ترکوں کے برسر عروج آجانے سے ...... خلافت کر رہے تھے ایک برائے نام خلیفہ کی" (انسائیکلوپیڈیا آف ماڈرن نالج، جلد اول، صفحہ ۳۰)

گویا شہادت خود مسیحیت کی زبان سے یہ ہے کہ اسلام نے مسیحیت کے مقابلہ میں جو ادہی شکست پائی، وہ مسیحیت کے کسی روحانی، اخلاقی، یا ادبی کمال کی بنا پر نہیں، بلکہ اپنے آپس کے افتراق، اور باہمی خانہ جنگی کے نتیجہ کے طور پر!

اس میں بھی کسی قدر اجمال تھا۔ تائید تفصیل ایک دوسرے مخالف گواہ کی زبان سے سنیے:-

"۱۰۳۱ء کے حملہ کے بعد، اسپین اور پرتگال .... عرب بربر کے قبضہ میں آگئے، اور پانچ سو برس تک مسیحیوں کو ہمت نہ ہوئی کہ ادھر نگاہ اٹھا کر دیکھیں۔ اسکے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۳۶ء میں فرڈیننڈ سوم نے بربر سلاطین کو قرطبہ سے بے دخل کیا، اور پھر اپنے باجگذار الاحمر، موسس خاندان غرناطہ کی مدد سے ۱۲۴۸ء میں اشبیلیہ کے بربر کو بھی زیر کر لیا"
(جلد ۳، صفحہ ۱۲۳۲)

اسپین کے ان عربوں اور مراقش کے ان بربر کا طرز عمل بھی عجیب تھا۔ یعنی اپنوں سے دشمنی، اور غیروں سے دوستی۔

"مسیحیوں سے انکا برتاؤ رواداری کا تھا۔ لیکن آپس کی عدم رواداری نے انکا خاتمہ کرکے رکھ دیا۔ اسپیلے کہ عرب کے سارے قبیلے سرزمین اسپین پر آکر بسے ہو سکنے لگے۔ شیعہ سنی تفریق نے اور اس تفریق دنیا نے اسلام میں آج تک قائم ہے) میں اضافہ مقامی رشک وحسد نے کر دیا۔ جنوبی عرب کے یمنیوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ شمالی عرب کے قبیلوں کو برداشت کر سکیں اسپین میں ایک علاقہ کے اندر دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ عیسائیوں کے ساتھ انکا بھائی چارہ تھا، مقتدر فرقہ اسلامی اسپین کے سب سے زیادہ روشن خیال ملاتے وہ تھے، جن میں یمن کے عربوں اور گرتعک عیسائیوں کی آبا دیاں پہلو بہ پہلو تھیں"
(جلد ۳، [illegible] ۱۲۲۲)

کس مزاہ مراحت کی ضرورت اسکے بعد بھی باقی ہے!---- اسلام کی کتاب نے کہا تھا، غیروں کے مقابلہ میں سخت رہو، آپس میں نرم۔ اسلام کے فرزندوں نے اس پر عمل یوں کیا، کہ اپنوں کے حق میں پتھر، اور بیگانوں کے حق میں موم بن گئے!

ماضی کو چھوڑیے، "حال" کا کیا حال ہے؟ روایات اور مسموعات سے قطع نظر کیجیے۔ آنکھوں کو کیسے جھٹلائیے گا؟ رات دن آج آپ کے سامنے ہو کیا رہا ہے؟ غیروں سے دوستیں، اپنوں پر جفائیں! بیگانوں سے عہد وپیمان بندھ رہے ہیں، اور اپنوں سے جڑے ہوئے رشتے ایک ایک کرکے ٹوٹ رہے ہیں! کوئی کہہ رہا ہے، کہ ہندوؤں میں ضم ہو جاؤ،

اور ہندوستان کی حکومت تمہاری ہوئی جاتی ہے، کسی کی پکار ہے، کہ طور طریقہ، ادب آداب، وضع قطع، سب فرنگیوں اور فرنگنوں کی اختیار کرلو، اور کھویا ہوا اقبال ابھی حاصل کرلو! لیکن شیعہ اور سنی، خوب آپس میں لڑتے جاؤ۔ اور احرار و خاکسار کبھی آپس میں متحد نہ ہوا! اور پھر اہل سنت سواد اعظم کے اندر، خود بیشمار پارٹیاں اور ٹکڑیاں۔ ایک دوسرے کی آبرو کی خواہاں، جان کی دشمن، خون کی پیاسی!—— کہیں پڑھا تھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، یہاں مشاہدہ میں تو یہ آرہا ہے، کہ اپنی تاریخ اپنے کو ایک بار نہیں، ہر آن اور ہر لمحہ دہرا رہی ہے!

رواداری عہد مغلیہ میں

پروفیسر سری رام شرما، ایم۔ اے۔ یوپی کے ایک کالج میں تاریخ کے اُستاد ہیں۔ خاندان مغلیہ کے طرز حکومت کے موضوع پر ایک مقالہ حال میں شایع کیا ہے، اُسکے آخر میں لکھتے ہیں :—

"یہ بھی یاد رہے کہ شہریوں کے بہت سے معاملات ایسے بھی تھے، جن میں مغل بادشاہ کچھ دخل نہیں دیتے تھے، حالانکہ یورپ میں عین اسی زمانہ میں سیاسی فرماں روا، خواہ وہ سلاطین خود مختار ہوں یا آئینی طرز کے بادشاہ، اپنی رعایا کو احکام یہاں تک دے رہے تھے کہ مذہب کے فلاں فلاں عقیدہ کو مانیں۔ چنانچہ ایڈورڈ ششم کے حکام یہ کہتے تھے، کہ انگریزوں کا مذہب پروٹسٹنٹ ہونا چاہیے، اور انگلستان پروٹسٹنٹ ہوگیا۔ اسکے چند سال بعد میری کا زمانہ آیا، اور گویا طلسمی طور پر انگلستان پھر رومن کیتھولک ہوگیا۔ الزبتھ کے عہد میں پھر انقلاب آیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان ایک بار پھر انگلیکن تھا۔ غرض آج ہم خواہ اسکے کتنے ہی خوگر ہو چکے ہوں، کہ حکومت رعایا کے معتقدات میں دخل نہیں دیتی—— ورنہ آج بھی ہٹلریہ کلیہ کہاں قائم ہونے دیگا؟—— سولھویں اور سترھویں صدیوں میں رعایا کے معتقدات کا تو بڑا گہرا تعلق حکومت کے ساتھ تھا۔ اور اس لیے مغلوں کا عہد، کلمہ کی نہیں، تشنا کی مثال ہے، کہ انھوں نے رعایا کے مذہبی معتقدات کا معاملہ رعایا ہی پر چھوڑے رکھا، اور جہاں تک انکی رعایا کی اکثریت کا تعلق ہے، اُنھوں نے نہ کوئی "ایکٹ آف سوپرمیسی" پاس کیا، نہ کوئی "۳۹ آرٹکلز" نافذ کیے"۔

(اسلامک کلچر، حیدرآباد دکن، بابت اکتوبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۴۶۹)

یہ رواداری شرعی وعقلی نقطۂ نظر سے جائز تھی یا بیجا، صحیح تھی یا غلط، یہ سوالات الگ ہیں۔ یہاں کہنا صرف یہ ہے، کہ مغلوں کی "رواداری" کے نفس وجود و وقوع کی شہادت تو ایک غیر مسلم فاضل بھی دے رہا ہے، اور وہ بھی ایسے زمانہ سے متعلق، جب "روشن خیال" یورپ کی ساری فضا، عدم رواداری اور مداخلت و تشدد سے گونج رہی تھی۔

دانا دشمن اور نادان دوست

شروع انگریزی حکومت میں

مسلمانوں کے ایک مشہور "بدخواہ" سر ولیم ہنٹر گزرے ہیں، نام انکا ہی پڑھے لکھے مسلمانوں کے حلقہ میں مزید تعارف سے یقیناً بے نیاز ہے۔ ۱۸۷۱ء میں اپنی معروف کتاب "آور انڈین مسلمانس" شایع کی۔ اسکے آخر میں یہ لکھنے کے بعد، کہ مسلمانوں کے دلوں سے بغاوت، شورش، اور انگریز بیزاری کے جذبات صرف صحیح نظام تعلیم کی رو سے مٹائے جاسکتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں :—

"تو اس طرح مسلمان نوجوانوں کی تعلیم خود ہمارے نظام کے مطابق ہونی چاہیے۔ اس سے بغیر اُنکے مذہب میں دست اندازی کیے، بلکہ عین اُنکی تعلیم مذہبی ہی کے ذریعہ سے، ہم اس مذہب کا اعتقاد ڈھیلا کردینگے، تاہم اسکے غلو ان بھی بہت کمی کرسکینگے۔ مسلمانوں کی نئی نسل، ہندوؤں کے نقش قدم پر چلیگی، جو ابھی کل تک دنیا میں سب سے زیادہ متعصب تھے، اور ہمارے ذریعہ کی طرح یہ بھی نرم رواداری سیکھ لینگے۔ اس رواداری سے یہ تو ضرور ہوا ہے کہ ان میں اپنے مذہب کا وہ گہرا اعتقاد نہیں رہا ہے، جو انکے باپ دادوں میں تھا، لیکن یہ اسی کا ثمرہ ہے، کہ جس طرح وہ اپنے غلط سمجھے ہوئے مذہب کے پیدا کردہ مظالم و جرائم و مصائب سے نجات پاگئے، اُسی طرح مسلمان بھی آزاد ہوکر رہینگے"۔ (صفحہ ۲۱۴-۲۱۵)

گویا "صاحب" کا کہنا یہ ہے، کہ مسلمانوں میں "تعصب" "مذہبی دیوانگی" و "غلو" اُسی وقت تک ملتی ہے جبتک ہمارا تیار کیا ہوا نصاب و نظام تعلیم اُن میں رائج نہیں ہوتا، اور جس دم ہماری تعلیم اُنکے درمیان بہ رواج پاگئی، اُنکی قلب ماہیت ہی کیا دیر لگتی ہے، اُنکے جذبات اُسی گھڑی تو ہماری مٹھی میں آلیے جاتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے اسی حقیقت کو اپنے لاجواب ملکیانہ مصرعہ میں نظم کردیا!

دل بدل جائینگے تعلیم بدل جانے سے!

اور آج بعینہ یہی آواز تجدد کی بھی ہے یا نہیں؟ پہلے تو علمبرداران تجدد نے خود اپنی خودی اور خودداری کو آستان فرنگ پہ نذر کردیا، اور اب امت کی خیر خواہی کے پردہ میں یہ چاہتے ہیں، کہ وہی تمدن، وہی معاشرت، وہی طرز خیال امت کے درمیان رائج ہوجائے، تو انہوں کو ہمگانہ بننے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ یہی "مسلمان" مرد ہونگے، اور سود کے کاروبار، اور تھیٹر کے اسٹیج، اور لاطینی رسم الخط! اور یہی "مسلمان" بیبیاں ہونگی، اور انکے کھلے ہوئے چہرے، اور عریاں دست و بازو، اور کٹے ہوئے بال اور سنیما کے پردے! کل کے دانا دشمنوں اور آج کے نادان دوستوں کے درمیان نتیجہ و مآل کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

تجدد کی لپک

"سب سے پہلی بات تو میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ باوجود علم کی ترقی اور سائنس کی ایجادات و انکشافات کے، اہلی و منزلی زندگی کی مسرتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے"۔

تہذیب جدید اور نسائیت کی یہ دکھتی ہوئی رگ، خواتین کانفرنس حیدرآباد کی صدر محترمہ نے پکڑی۔ اور آگے چل کر اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا :—

"اگر اسکا احساس نہ کیا گیا، تو عورت ذات کا جو مقام، اور اسکے لیے جو دائرہ عمل قدرت نے تجویز کیا ہے وہ ہاتھ سے نکل جا رہا ہے۔ یہ میرا ہی خیال

نہیں، بلکہ ہر طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وہ اقوام بھی جنکو بد قسمتی سے ہم اپنے لیے نمونہ سمجھتے ہیں، اس حقیقت کو محسوس کرنے لگی ہیں، کہ عورت نے نسوانیت اور مادریت کے فرائض کو ترک کر دیا ہے"

اور پھر فرمایا:-

"ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت ایسے ڈھنگ میں کریں کہ وہ بہشتی زندگی کے قابل ہوں"

گویا دنیا میں دو زندگیاں ممکن ہیں، ایک بہشتی، دوسری دوزخی۔ اور عورت کے اختیار میں ہے کہ ان میں سے جسکی طرف چاہے، قدم بڑھائے۔ اور پھر وہ فرمایا، جو امت کی مائیں فرما چکی ہیں:-

"میں جس امر کی طرف توجہ دلانی چاہتی ہوں، وہ یہی ہے کہ عورت کی عظمت کا راز اسکی نسوانیت اور مادریت کی حفاظت ہے، اور یہی چیز اُسکے دائرۂ عمل کا مرکز ہے"

پھر اس جادو کے لفظ "تعلیم" سے مرعوب و مسحور ہو جانے کے بجائے اسکی تشریح یہ کی:-

"تعلیم کے مختلف پہلو ہیں، اور عورت اور مرد کے دائرۂ عمل کے لحاظ سے ہر ایک کا نصاب جداگانہ ہے۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت میں مرکزی نقطہ انکی اہلی زندگی کی تعمیر ہے۔ اُس کی بادشاہت اسکا اپنا گھر ہے، اور وہ گھر کی رانی اور لکشمی ہے۔ اور اگر وہ اس دائرۂ عمل سے قدم باہر رکھتی ہے تو میں صاف کہتی ہوں کہ وہ اپنے مقصد کو آپ کھو دیتی ہے"

عورت کا کمال یہ نہیں کہ وہ مرد کا مثنیٰ بن جائے، بلکہ یہ ہے کہ آخر تک عورت ہی رہے:-

"اپنی تعلیم و ترقیات کی ساری دوڑ میں عورت اور صرف عورت رہو، کہ تمھاری قوت اور عظمت اسی میں ہے کہ تم اپنی صفات نسوانی اور مادریت کی حقیقت اور قدر و قیمت کو سمجھ کر اسکی حفاظت کرو"

یہ دوزخی زندگی کا خطرہ فرضی اور احتمالی نہیں، بلکہ اسکا وجود اسی زمین کے اوپر اور اسی آسمان کے نیچے ہے:-

"اگر تم اپنی مسرتوں اور خوشیوں کو گھر کے باہر سنیما اور پارکوں، یا مردوں کے دوش بدوش دوڑنے میں تلاش کرو گی، تو یاد رکھو کہ تمھارے گھر صرف سونے کی جگہ رہ جائینگے۔ پھر اُسکے جو بُرے نتائج ہوں گے، وہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو"

خطرہ کہیں مستقبل بعید میں نہیں، حال اور رگِ جاں سے قریب تر حال میں ہے:-

"کالج کی لڑکیوں کے اس رَو میں بہ جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نسوانیت اور مادریت، مشرقیت اور مذہبی اور قومی شعائر سے رفتہ رفتہ محروم ہو کر سعادتمند بیٹی، وفاشعار بیوی اور شفیق ماں بننے کی اہلیت کھو بیٹھے۔ اس لیے انجمن ترقی تعلیم و تمدن کا یہ اولین فرض ہے کہ اس آنے والے خطرہ کو بروقت محسوس کر سکے اسکی اصلاح کرے"

اور پھر تجدد کے تابوت میں آخری کیل یوں ٹھونکی:-

"میں ان تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں پاتی۔ صرف یہ کہتی ہوں کہ جو سبق دوسرے ممالک، مصیبت اور رنج میں پڑ کر سیکھ رہے ہیں، تم انکی مصیبت سے سیکھ لو"

خیال یہ ہوتا ہوگا کہ تجدد کے قلب و دماغ پر اس آسمانی بجلی سے کیا گزر گزر رہی! اور تجدد گزشت اگر کبھی بھی سیاہ جدولوں کا استعمال اپنے ہاں جائز رکھتا ہے، تو اس تجدد کش مقالہ سے بڑھ کر اور کون موقع اسکے لیے ہو سکتا تھا۔ لیکن معلوم ہے کہ اسکی صدر محترمہ، شاہی خانوادۂ آصفیہ کی ایک رکن شاہزادی سیدہ دقار الامراء! لقائہا نعیم اور دنیا میں قول کے بجائے قائل کی، اور کلام کے بجائے متکلم کی شخصیت کا اعجاز بھی آخر کوئی چیز ہے، اس لیے ارشاد یہ ہوا کہ

"تعلیم و ترقی نسواں کی مخالفت کے بجائے صحیح نقطۂ نظر ہے جو محترمہ صدر نے پیش کیا ہے!"

کیا خوب! کیا خوب! (گویا اس "صحیح نقطۂ نظر" سے قطع نظر کر کے بھی نفس تعلیم و ترقی نسواں کی مخالفت" آج تک کسی بڑے سے بڑے "جمود پرست" نے کی ہے!)

--- کون کہتا ہے کہ "تجدد" کے قلم کا لوچ مشرقی درباریوں کی زبان سے کچھ کم ہے؟ اور اتنی مشرق بیزاری اور فرنگیت نوازی کے باوجود "قدامت" اور "مشرقیت" سے اتنے رشتہ کا جڑا رہ جانا، تجدد کی کوئی معمولی کرامت ہے!

غضب کی آنکھ تو ہے، لطف کی نظر نہ سہی!

منطق جاہلی

"زندگی کے بہتے ہوئے دریا کی دھار کو کسی طبقہ یا جماعت کی انتہائی ناپسندیدگی نہیں روک سکتی، بلکہ صرف اُسی طبقہ اور جماعت کی تنگ نظری کا ثبوت بن جاتی ہے۔ وہ لوگ اپنے ملک کے سچے خیر خواہ نہیں، جو طبقہ نسواں کے ان احساسات کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتے ہیں"۔

کیا خوب ہے "ہر روز کچھ سوچیے" کا یہ فلسفہ تجدد! گویا نہ کوئی چیز حق ہے نہ کوئی چیز باطل، جو کچھ ہے، بس وہ زمانہ کی قوت ہے اور فیشن کی حکومت! نہ مقصود سفر پر غور کیجیے، نہ منازل راہ کو دھیان میں لائیے، نہ راہبر اور رہزن کے درمیان تفریق کیجیے۔ بس چونکہ دریا بہہ رہا ہے، اس "بہتے ہوئے دریا کی دھار" پر خود بھی بہنے لگیے! بلکہ اس پھیر میں بھی نہ پڑیے، کہ دریا صاف و شفاف پانی کا ہے، یا ہلاکت بن ڈبو دینے والے خون کا، بہرحال ایک دھارا موجود تو ہے، بس اسی دھارے کے رخ کو دیکھیے! اس سے کیا بحث کہ کہاں پہونچے، کہیں تو بہرصورت دریا کا بہاؤ پہونچا ہی دیگا! اور پھر ایک "حریت نسواں" پر کیوں ٹھہریے، فرنگیوں کی ساری تہذیب و تمدن، نصرانیوں کی ایک ایک وضع، ولباس، "صاحب" کی زندگی کے بڑے چھوٹے سارے جزئیات اور سب سے بڑھ کر لاطینی حروف و اصوات! یہ سارا دریا ہی نہیں سمندر کا سمندر، کیسا دلکش، کتنا دلفریب ہے! ——— سنا ہے کہ جو نیا دین بہاء اللہ ایرانی کے ماننے والوں، بہائیوں کا نکلا ہے، اُسکی تبلیغ کا یہی فلسفہ کچھ یہی ہے، اور وہ بھی یہی فرمایا کرتے ہیں، کہ پرانی شریعت میں کہنگی آچلی، زمانہ کی ہوا کا ہر تھپیڑا، پرانے مذہب کی جڑیں اُکھاڑے دیتا ہے، ضرورت نئے دین الٰہی کے ظہور کی ہے! ——— اور پھر جاہلیت قدیم کی صدا اس سے کچھ مختلف تھی؟ وہاں بھی تو یہی ہے، ہر داعیِ حق سے مقابلہ اسی رجز کے ساتھ

ہوتا تھا، کہ تم "وقت کی تہذیب" پر حملہ کرنے کو بڑھے ہو، "عصری معیشت و معاشرت" کے سارے نظام کو درہم و برہم کر دینا چاہتے ہو، ہمارے ملک نیشن ایبل دستوروں، رواجوں، عقیدوں پر اپنے اصول کو غالب رکھنے کے درپے ہو، وقت کی قوت ہمارے ساتھ ہے، زمانہ ہماری پشت پناہی پر ہے، اور مقتضیات عصری کی تائید ہمیں حاصل ہے! ——— مبارک ہو تجدد کو منطق جاہلی کے سبق کی تکرار!

بدکاری کا اعزاز

"ایک مدت تک قانون نکاح و طلاق نے ناجائز بچوں کو ٹھکرائے رکھا، لیکن اب حال میں اسکی اصلاح ہو گئی ہے اور اب طلاقیں کمتر ہونے لگی ہیں ..... بیاہے ہوؤں کی اولاد اور بن بیاہی ماؤں کی اولاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ البتہ اگر ایسے بچوں کی پرورش انکی مائیں کرنی چاہتی ہیں، تو انکے باپوں سے انکی کمائی کی ایک تہائی خرچ کے لیے وصول کر لیجاتی ہے، اور اگر پرورش باپ کے ذمہ رہتی ہے تو اسی قدر ماں کو دینا پڑتا ہے"۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن نالج، جلد ۵، صفحہ ۲۲-۲۸)

یہ ہے معیار شرافت، جمہوریت عالیہ، سوویٹ روس میں! یہ ہے ترقی کی تازہ ترین منزل! جی! وہ بھی کوئی قدامت پرست مشرقی ہے، جسے ناز ہو عالی نسبی پر اور فخر ہو خوش نسلی پر! انکی نگاہ مساوات میں "حلال" اور "حرام" دونوں یکساں، اور خود اس تفریق کے معنی ہی کیا! ——— اسلام نے سیلاب بدکاری کی روک تھام کے لیے پہلا اور سب سے زیادہ مضبوط بند جو باندھا تھا، وہ تقوی الہی اور خوف آخرت کا تھا۔ "روشن خیالی" کا پہلا وار تو اسی پر ہوا، اور اسے یہ کہکر توڑا، کہ دنیا کے معاملات میں عذاب و ثواب اخروی کی دخالت کیا معنی۔ دوسرا بند، بدکاری کو فوجداری کا ایک سنگین ترین جرم قرار دے کر باندھا تھا، اور اسکی سزا، سنگساری کے ذریعہ موت رکھی تھی۔ اس روک کو "روشن خیالی" کے ہاتھ نے "وحشیانہ" کہکر ہٹا دیا۔ عقبی اور دنیا کی ان سزاؤں کے ہٹ جانے کے بعد، لے دے کر، ایک ڈر، بدنامی، اور رائے عامہ کا باقی رہ گیا تھا، شیطان کے چیلوں اور چیلیوں کو مژدہ ہو، کہ راہ کا یہ آخری پتھر بھی راہ سے ہٹ گیا، اور قانون اور رائے عامہ نے "جائز" اور "ناجائز" اولادوں کا فرق مٹا کر دونوں کو ایک سطح پر کر دیا! ——— مزدک ایرانی کی پرانی کمیونزم میں ہر عورت، ہر مرد کے لیے کھلی ہوئی تھی، اس میں اور لینن اور اسٹالین روسی کی جدید کمیونزم میں فرق کیا ہے؟

امریکہ، افریقہ کے نقش قدم پر

"ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ طریقہ، جسے مغربی دنیا میں جنسی تعلقات سے متعلق تجربات کا تازہ ترین نتیجہ سمجھا جاتا ہے، وہ افریقہ کے وحشی قبائل کے درمیان خوب اچھی طرح رائج ہے۔ "آزمائشی شادی" کی جو تحریک جج بن لنڈسے نے اٹھائی ہے، وہ علاقہ شمالی روڈیشیا کے قبائل بنتو میں ایک روزمرہ کا واقعہ ہے۔ مرد ایک عورت کو پسند کرتا ہے، اور اسکے ماں باپ سے طے کر کے اسے اپنے جھونپڑے میں بلاتا ہے، کہ مستقل شادی سے قبل فلاں مدت تک وہ اس سے لطف حاصل کرتا رہیگا، اسکے بعد اگر وہ اسکے دل کو نہ بھائی تو اسے کچھ دے دلا کر اسکے گھر واپس بھیج دیتا ہے۔ ..... اول نظر میں امریکہ کے انڈر گریجویٹوں اور افریقہ کے نیم وحشی قبائل کے درمیان کوئی قدر مشترک معلوم نہیں ہوتا۔ جن اسباب، خصوصاً معاشی اسباب کو اول الذکر حلقہ میں مستقل ازدواجی تعلق کا مانع ٹھہرایا جاتا ہے، وہی بیشتر دوسرے حلقہ میں بھی موثر ہیں"۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن نالج، جلد ۲، صفحہ ۱۶۶۵)

لیجیے، یہ فخر و امتیاز بھی روشن خیال امریکہ کے ہاتھ سے چھن کر رہا! طلاق و تفریق کے پیہم و مسلسل و بے پناہ واقعات سے عاجز آکر، وہاں کے عقلاء کے سرگروہ، عدالت فوجداری کے جج، بن لنڈسے صاحب کے دماغ نے علاج یہ اختراع کیا تھا، کہ شادی پہلے "آزمائشی" ہونی چاہیے! یعنی میاں بیوی شروع ہی میں ایک دوسرے سے کہ لیں، کہ شادی ہوتی تو ہے، مگر محض تجربہ کے طور پر۔ اگر تجربہ کے بعد ایک کو دوسرے سے پورا لطف نہ آیا، تو چھٹم چھٹا ——— گویا منہ سے بھی گئی گزری صورت ——— اب خود امریکہ ہی کے ایک محقق نے یہ انکشاف کیا، کہ جدت اور ندرت اس علاج میں بھی نہیں، بلکہ یہ تو عین افریقہ کے بعض وحشی قبائل کی تقلید ہے! ——— وحی الہی کی پیروی سے منہ موڑنے والوں کو آخر کن کن کی تقلید کے لیے جھکنا پڑتا ہے!

اندھیرے کی سیہ کاریاں

رہبر دکن کا لندنی مکتوب:-

"تاریک زمانہ لوٹ آیا! جگمگانے والے لندن اور پیرس اب اندھیرے کے شہر ہیں۔ پیرس اور لندن والے رات کو سڑکوں پر اندھیرے میں چلتے پھرتے ہیں، انکی شاندار موٹروں کی سامنے والی روشنی اور پیچھے کی سرخ روشنی تک کو نصف کر دیا جاتا ہے۔ خواتین کے شام کے گون کی سرسراہٹ کی موسیقی مجھے سنائی نہیں دیتی۔ انکے زر و جواہرات کی چمک غائب ہے، سڑکیں ویران اور مکانات خالی ہیں، لندن رات میں مردہ ہے بجز رات کے کلبوں کے! زمانہ جنگ میں یورپ کا حال یہ ہے۔ ٹھہرنا نہ آسان ہے اور نہ خوشگوار۔ موٹر رکھنے والے بھی پیدل پھرنے یا بس میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ حادثوں سے اسقدر خوفزدہ ہیں!"

آپ کہتے ہوں گے، کہ انگلستان والوں اور والیوں کے لیے یہ "عہد تاریک" کیسی شدید مصیبت کا زمانہ ہوگا۔ لیکن ——— اور یہ "لیکن" بہت اہم ہے ——— اس تاریکی کا "روشن پہلو" بھی تو ابھی ملاحظہ فرمایئے:-

"بہر حال اندھیری رات بالکلیہ تکلیف دہ نہیں۔ کل ہی کا ذکر ہے میں اندھیرے کی ایک "کاکٹیل پارٹی" میں مدعو تھا۔ بڑی دلگی رہی۔ کھانا پینا اور ناچ اندھیرے میں ہوا۔ ہم سب مرد و زن نوجوان تھے اور شام بڑے لطف سے گزری۔ ایک خوبصورت نوجوان خاتون مس بوس بڑے جوش کے عالم میں تھیں۔ اندھیرا کتنا جوش انگیز ہوتا ہے! انکا بھائی ۲۰ سال کا ہے اور فوج میں شریک ہوا ہے، وہ اپنے فوجی لباس میں تھا اور بہت خوش تھا۔ اسنے اپنا وقت ایک گوشہ میں اپنی دوست لڑکی سے

سے باتیں کرتے گزارا۔ ایک شریر عورت نے اپنی ٹارچ کی روشنی اس گوشہ پر ڈال کر یقین کیا اس نوجوان جوڑے نے ایک بوسہ لیا کی؟ بالکل نہیں۔ وہ سرچ لائٹ کی روشنی پڑنا کہ نہ لاسکی، دونوں خواب کی دنیا میں تھے۔ ایک اور نوجوان نے مجھ سے اعتراف کیا کہ عشق پیشہ کرنے والا اندھیرا خیر، لیکن روشنی بہت بہتر ہے" کیونکہ اس کی وجہ سے اپنی محبوبہ سے اطمینان کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے!

"روشن خیال جوڑے بھی کیسے روشن خیال ہوتے ہیں! جب دن دوپہر کی گھڑیاں آئیں انکے محبوب مشغلوں میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں تو رات کی اندھیریوں میں ٹارچ کمبخت کی کیا حقیقت ہے! ... کی دنیا میں، رات کی تاریکیوں کا لطف ہی کیا ہے، جب تک ... کی سیاہیوں سے تاریک تر نہ بنا لیا جائے!

گھوڑوں کی اہمیت

اسٹیٹسمین (۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء) کا نامہ نگار خصوصی اپنے مراسلہ مورخہ ۲۸ ستمبر میں لندن سے لکھتا ہے کہ جنگ کے چھڑتے ہی ملک میں خلاف انقلابات ہوگئے، اور لوگ ان کے عادی بھی ہوگئے،

"البتہ جس چیز کے ابھی ہم لوگ عادی نہیں ہو پائے ہیں وہ ایک ایسا تغیر ہے جو اسی ہفتہ میں پیش آیا ہے۔ میری مراد اس شے سے ہے، جو سڑکوں پر پٹرول کے اختیاری کا نسا آملنے سے پڑا ہے۔ ہزارہا گاڑیوں کا چلنا موقوف ہوگیا ہے۔ لوگ پیدل پھر چلنے لگے ہیں، اور گھوڑے پر نظر آنے لگے ہیں، اور سواری کھینچنے والے گھوڑوں کی قیمتیں، اپونڈ سے چڑھ کر بیس پونڈ ہوگئی ہیں"!

قرآن مجید میں گھوڑوں کی اہمیت صراحت کے ساتھ مذکور ہے (وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ)۔ اور چند سال ادھر تک شاید ابھی اس کی تائید ہی تھا۔ اب البتہ یہ خیال میں آرہا تھا، کہ مشینوں اور سائنفیت کی سرگرم بازاری کے بعد گھوڑے کی وقعت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے اسو قدرت نے گویا اس وسوسہ کے دفعیہ کے لیے عین موقعہ پر تنبیہ کردی، اور پٹرول کی اتنی گرانی سے دیرو ... اور مشین انکے، دسری مادی مشینوں کی کساد بازاری کر کے دکھا دیا، کہ گھوڑوں کی اہمیت سے غافل نہ ہو، فطرت کے ایک ادنیٰ اشارہ، انقلاب پر دم کے دم میں انہیں پھر اسی مرتبہ تفوق پر لایا جاسکتا ہے۔

غلط مبحث

جماعت احمدیہ (لاہور) کی طرف سے ایک بار پھر سوال پیش ہوا ہے، کہ جب ہماری خدمات کا اعتراف ہے، تو پھر ہمارے عقائد اور ہمارے مذہب کی جانب سے بدگمانی کیوں ہے ہم سے بڑھ کر خدا کے پیغام، قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لیے کس نے کوششیں کی ہیں، پس یقیناً ہمارا ایمان خدا، قرآن اور رسول پر ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنکے اندر اس قسم کا کوئی ولولہ اور تڑپ نہیں۔ یہی دوسری جماعتیں ... سوء اپنے اپنے تاویلی مقاصد کے لیے ہیں، تبلیغی مشنوں کی بڑے کی ... بہ شکلی

نمائیت کی خاطر۔ وقس علی ہذا۔

ایک بھی استدلال نطقی سے زیادہ خطابی ہے اور نتیجہ غلط مبحث ہے دین کی خدمات کیا گذرے زمانہ میں کبھی نہیں کیں، اور اب نہیں کر رہے ہیں؟ معتزلہ نے بڑھ کر قرآن کی خدمتگزاری کی، اپنے معاصرین پر، ان جواب سے لیکن ان خدمات کی بنا پر یہ نہیں ہوا کہ انکی فرماں برداری صحیح تسلیم ہو جائیں۔ زمخشری، ابو مسلم اصفہانی وغیرہم کے اقوال آج بڑے بڑے اکابر اہل سنت بھی تفسیروں میں سنداً نقل کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن اسکے باوجود معتزلہ، معتزلہ ہی رہا، اہل سنت میں داخل نہیں ہوگئے۔ یہ ذکر ماضی بعید کا تھا ماضی قریب میں جماعت لاہور کے وجود سے ایک نسل پیشتر آخر بالکل اسی قسم کی تبلیغی خدمات انگریزی زبان میں سید امیر علی، چراغ علی، بعض کیم ... انجام دے چکے ہیں یا نہیں؟ انگریزی میں لکھی اور لندن میں چھپی ہوئی مسلمان کے قلم سے سیرت نبوی، سب سے پہلے سر سید ہی کے قلم سے تھی۔ تاریخ اسلام، سیرت نبوی، عقائد ... متعدد اور ضخیم کتابیں انگریزی میں سید امیر علی کے قلم سے شائع ہوچکی تھیں۔ انکے انگریزی علمی رسائل میں مضامین، حمایت اسلام میں انکے قلم سے نکل رہے تھے۔ ... چراغ علی مرحوم کی انگریزی تصانیف جہاد وغیرہ پر، ان سب کو انکے حسن نیت کے اعتبار سے بہ یقیناً مانیگا۔ لیکن جو لغزشیں ہیں، ان سے قطع نظر کیونکر ممکن ہے؟ آج ... مولانا شاہ ... تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں، انکی طرف سے آنکھیں بند کر لینا ہرگز قرین دیانت نہیں، بلکہ جو کام اسلامک ریویو ... رہا ہے، اسی قسم کا کام اپنے دائرہ میں شیعہ دار التبلیغ کا انگریزی رسالہ ... ریویو بھی کر رہا ہے۔ علی ہذا یہ تو کہنا ہوا آپ کا ہے، کہ شیعہ قربانی تبرے کے واسطے کر رہے ہیں اور فلاں فرقہ فلاں مقصد کے لیے۔ باقی خود انکی زبان سے سنیے، تو وہ برابر یہی دعوے کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں عین خدمت دین ہے، عین احقاق حق ہے، عین تکمیل ایمان ہے۔

ایک ضروری خدمت

محمد یسین صاحب رقیہ منزل چمن گنج کانپور سے تحریر فرماتے ہیں:—

"عرصہ سے اس فروگذاشت پر میرے دل میں کھٹک ہے کہ آیا مدارس عربیہ میں کوئی ایسا نصاب اس قسم کی کتابیں، جو مشتقیہ سوالات زکوۃ و کفارہ و صدقۂ فطر پر مشتمل ہو۔ اس کی اہمیت ظاہر ہے، سود و رسود جیسی کھاتہ اور کھتے اور ضروری اور غیر ضروری ابواب سے۔ ماضی کی اکثر بیشتر کتابیں پڑھی جاتی ہیں مگر اسنا ... ارکان اسلامی، اس سے مسلمانوں نے غفلت برتی، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف مڈل و ڈل کے لڑکے، بلکہ بی اے، اور ایم اے کے اکثر طلبہ اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔ بعضوں کو تو اب بھی نہیں معلوم، چہ جائیکہ انکے جزئیات کا احاطہ۔ اگر جناب اسکی ضرورت کی معرفت، بعض ممبران کونسل و اسمبلی سے ذکر فرما دیں، نیز اپنے موقر جریدہ میں اشاعت فرمادیں تو ممکن ہے یہ ضرورت پوری ہو جائے۔ کوئی ریاضی کی کتاب کیسی ہی اس وقت تک منظور کریں، جبتک مسلمانوں کے اس اہم فریضہ کے ابواب و مشقیہ سوالات اس میں نہ ہوں۔

(باقی صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تمدن اسلام کا پیام
بیسویں صدی کی دنیا کے نام

(مولانا مسعود عالم ندوی)

نمبر (۲)

زن و مرد کا باہمی رشتہ و تعلق سمجھنے میں دنیا نے شروع سے ابتک ٹھوکریں کھائی ہیں اور برابر کھاتی جا رہی ہے۔ کسی نے کہا عورت مرد سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، اور اسکی پرستش شروع کر دی۔ کسی نے کہا مرد مالک ہے اور عورت اس نے عورت کو باندی سے بدتر کر رکھا۔ اور کوئی بولا، کہ دونوں بالکل مساوی ہیں، اور اپنے قاعدہ قانون کی بنیاد اس نظریہ مساوات پر رکھنی چاہی۔ میں نے اپنے زمانہ میں ان ساری بےاعتدالیوں سے ہٹ کر عین نشاء فطرت کے مطابق، فیصلہ یہ کیا، کہ بلحاظ اصل خلقت دونوں ایک ہی ہیں (خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساءً)۔ بلحاظ عمل و نتائج کے مرتبہ آخرت میں یکساں ہونگے (لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی) اور للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن)۔ یہاں یہ بحث کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی، کہ آیا عورت بھی آدمی ہے؟ اور یہ مسئلہ ان یہودی مقتداؤں کی کونسل نے جمع ہو کر اس سوال کا جواب نفی میں دیا، اور نہ بیزاری یہ عقیدہ رہا کہ عورت اور شیطان ہم جنس ہیں۔ انہیں اسلام نے یہ کہا کہ علاوہ آخرت کے، دنیا میں بھی جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے، عورت و مرد میں کوئی فرق نہیں۔ بیویوں پر جس طرح شوہروں کی خدمت لازمی ہے، اسی طرح شوہروں پر بھی بیویوں کی دلجوئی فرض ہے (ولہن مثل الذی علیہن)۔ لیکن اسکے آگے جہاں انسانیت کا اشتراک ختم ہوتا ہے صنفیت کا امتیاز شروع ہوتا ہے (اور اگر یہ امتیاز نہ ہو تو پھر دونوں صنفوں کی تفریق کے معنی ہی کیا رہتے ہیں؟) اس امتیاز میں نظامی حیثیت سے مرد کو عورت پر افسری اور بالادستی حاصل ہے (للرجال علیہن درجۃ)۔ کفالت، خبرگیری بیرونی جدوجہد کے فرائض صنف قوی، مرد کے ذمہ عائد ہوتے ہیں (الرجال قوامون علی النساء) اور اسی مناسبت سے قوے بھی عطا کیے گئے ہیں۔ عورت کے ذمہ دوسری قسم کی یعنی اہلی و خانگی ذمہ داریاں ہیں، بچوں کی پیدائش، پرورش، انکی سیرت سازی وغیرہ، اور سب سے بڑھ کر، مرد کی نظر میں مرغوبیت محبوبیت (ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ) اور اسی لیے اُسے دوسری قسم کے آلات و قوی سے مسلح کر کے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اب اس قدرتی تفرق و امتیاز کو بھی اگر کوئی شخص خلاف عدل سمجھے، تو یہ اعتراض بالکل اُسی درجہ کا ہوگا جیسے کوئی کہے، کہ تمام انبیاء عرب ہی کیوں پیدا ہوئے ہندوستان وغیرہ کو اس دولت سے کیوں محروم رکھا گیا؟ یا فلاں ملک کے باشندے گورے کیوں بنائے گئے اور فلاں ملک کے کالے کیوں؟ (ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض)۔

ویسے اسلام کے سارے قوانین نکاح، طلاق، عدت، خلع، تعدد ازدواج وغیرہ، انھیں بنیادی اور فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ اور آج دنیا کے سارے اگلے اور پچھلے قانون سازوں کو، مشرق اور مغرب کی ساری پارلیمنٹوں، قانونی کونسلوں کو، سبھاؤں، اسمبلیوں کو چیلنج پر چیلنج دے رہے ہیں کہ دکھا دیں کوئی نظام قانون اتنا جامع، ایسا ہر پہلو کی رعایت رکھنے والا، ایسا ہر مصلحت پر شامل (فأتوا بسورۃ من مثلہ)۔ دوسری شریعتوں اور متاخر یورپ نے جب طلاق کا دروازہ کھولا، تو نوبت یہاں تک پہونچی کہ ایک ایک دس برس کی خاتون کے لیے آٹھ آٹھ دس دس شوہروں کی شمع خلوت، روشن کرنا معمولی سی بات ہو گئی، اور بعض نے تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ترقی کر دکھائی۔ لیکن ذرا ہسٹری آف یورپین مارلس (تاریخ اخلاق یورپ) اور ویسٹر مارک کی "ہسٹری آف میرج" (تاریخ نکاح) ذرا پڑھ کے تو دیکھیے۔ اور مسیحی کلیسا نے حضرت مسیح کی تعلیم کو مسخ کر کے، نہ توڑے جانے والا قفل اس پر بالکل مہر ہی لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فحش اور بدچلنی نے گرد جو بند باندھ دیا گیا تھا وہ ٹوٹا، اور سیلاب پوری ہلاکت خیزیوں کے ساتھ بڑھا۔ خود آج امریکہ اور یورپ کی عدالتوں میں مقدمات طلاق کی کیسی گرم بازاری ہے۔ اخبارات میں اُنکی رپورٹیں ملاحظہ فرمایئے۔ مشرق کی بدنام حرم سرا کی عورتوں کا جواب کیسی گنتی کثرت کے ساتھ، مغرب کی نیکنام عدالتوں کی عمارتیں مہیا کر رہی ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ہندوستان کے ہندی اور ہندو تمدن نے اس دروازہ پر قفل چڑھائے رکھنے کی صدیوں تک ناکام کوشش کر دیکھی، اور اب آخر کار ہر طرف سے تھک کر، ہار کر، ہر تدبیر سے عاجز آ کر، برطانیہ اور فرانس، جرمن اور اٹلی، امریکہ اور ہندوستان سب کہیں کے مصلحین و مقننین اسی نقطۂ اعتدال کی طرف آ رہے ہیں یا نہیں جو میں مدتوں پیشتر مقرر کر چکا ہوں؛ یعنی طلاق کی اجازت، خاص خاص قیود اور شرائط کے ساتھ۔ گو اب بھی اپنی کج رائی و خودرائی پر اعتماد رکھے اور محمد سے بےنیاز رہ کر، طرح طرح کی ٹھوکریں کھائی جاتی ہیں۔

میں نے جس طرح طلاق کو، عین فطرت بشری و احوال انسانی کے مطابق چند قیود و شرائط کے ساتھ محدود کر کے روا رکھا ہے، اسی طرح مرد کے لیے بھی چار شادیوں کی اجازت اسکی ضرورتوں، مصلحتوں، سہولتوں کی رعایت نیز نسل و قوم کے عزت نام کا اعتبار کر کے دی ہے۔ اور علاوہ عدل کے، طلاق ہو یا تعدد ازدواج، بطور قاعدہ کلیہ حسن معاشرت کی قید ہر جگہ لازمی رکھی ہے (وعاشروہن بالمعروف) ایسی کسی صورت کی گنجایش سامنے نہیں رکھی، کہ عورت پر خواہ مخواہ ظلم ہو۔ ہندیوں نے مدتوں ایک ہی بیاہتا بیوی کے ہوتے دوسری بیوی کا نام لینے کا نوبت پر ہاتھ دھرے، فرنگیوں نے "پالیگمی" کا لفظ کر کر کے خوب خوب ٹھٹھے لگائے لیکن حقائق و واقعات کی ٹھوس دنیا تو تیری دستکاری کے نعروں سے کب تک بے نیاز رہ سکتی ہے نہ تالیوں اور قہقہوں سے۔ اب The case for Polygamy کے نام سے خاص لندن میں ایک کتاب لکھی جا رہی ہیں، اور طنز و تعریض کے نعروں میں بھی اب وہ بلند آہنگی باقی نہ رہی جو شروع شروع ہوا کی۔ مغربیات کے دو مشہور ہیرو ارسطو جنھوں نے ہزاروں ہزار اور برٹرنڈ رسل جیسے فلسفیوں اور مفکروں نے بےشک کر دیا

انہوں نے ... تو ناطاقت و بیکار ... [illegible]
وہ مغرور ... [illegible]
سمجھیں ... [illegible]
ور لی سمجھیں، کبھی اس وقت کبھی نمودار ہوئی تھیں؟ ... [illegible] بینظیر اپنا
کی عالمگیر ہنگامہ خیزی، گو خود یورپ و امریکہ میں ذلت و نامرادی کا منہ دیکھ رہی ہے
لیکن ... [illegible] اسٹوڈنٹس کے بے پناہ پروپیگنڈہ کی طاقت
میں خود ہندوستان کے ایک ایک اسکول تک پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ ممالک
... [illegible] بھی تعویذ، جنتر باقی ہے ... جادو ٹونا وغیرہ وہاں
تو ... اب بھی ... دیکھا جاتا ہے؟ پیشہ ور (پروفیشنل) اور شوقیہ (ایمچور)
... اسپیریچولسٹ ... [illegible]
... ہی اور اس کی یہ افراط ... جائزہ لو ... کیا آج کبھی کم ہوا ہے؟
ماسکو و ... لندن اور پیرس سے ... ہوئے ہوٹلوں، پارکوں
اور ... ان ملکوں اور شہروں میں جہاں اب بھی کچھ ٹونے ٹوٹکے
آثار پائے جا رہے ہیں؟

"انقلاب زندہ باد" کا نعرہ آج بچہ بچہ لگاتا ہے۔ کبھی آپ نے اس شخص کی بھی سیرت پر نظر کی ہے جو دنیا میں ایک مستقل مستمر انقلاب (Perpetual revoluti) بپا کر گیا؟ اور جس کا پیدا کیا ہوا "انقلاب" عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، ہر شعبۂ حیات میں آج بھی ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک چیلنج ہے اور قیامت تک رہیگا۔ آئیے اسکی ایک ہلکی سی جھلک مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی وساطت سے دیکھتے چلیں۔

"گھر کا سارا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگا لیتے۔ گھر میں جھاڑو خود دیتے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے۔ بازار سے سودا خود جا کر لاتے۔ جوتہ پھٹ جاتا تو اسے خود گانٹھ لیتے۔ غلاموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے۔ انکے ساتھ کھانا کھانے میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ گدھے کی سواری سے عار نہ تھا۔ ایک بار مکان سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا یہ اہل عجم کی طرح بار بار تعظیم کے لیے اٹھا کیا ہے؟ صحابہ جانیں نثار کرنے کو تیار رہتے تھے، ہر بڑی سی بڑی خدمت، اور اس کی راہ میں بڑی سی بڑی مشقت اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی کام کرنے لگتے تو آپ بھی انکے شریک ہو جاتے اور مزدوروں کی طرح کام انجام دینے لگتے۔ مدینہ میں جب مسجد نبوی تعمیر ہونے لگی، تو دست مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور جاں نثار خدام کی جماعت یہ کہتی ہی رہ جاتی، کہ ہماری جانیں آپ پر قربان، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب صحابہ، شہر مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے آپ نے بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ جسم مبارک پر خاک کی تہ جم گئی۔ غزوۂ بدر میں سواریاں بہت کم تھیں۔ تین تین آدمیوں کے درمیان ایک ایک اونٹ پڑتا تھا۔ آپ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور شخصوں کے ساتھ شریک رہے اور خدام و جاں نثار اپنی باری پیش ہی کرتے رہ گئے"
(سیرۃ النبی ـ جلد ۲ ـ ص ۲۲۹ ملخصاً)

کوئی دو چار، دس پانچ واقعات ہوں، تو انھیں گن کر بیان کر دیا جائے، اُس مقدس ہستی کی مقدس زندگی تو لبریز انھیں واقعات سے ہے۔ کوئی پوری سیرت نبوی یا مختصر صحبت یا کیسے سنا ڈالے۔ یہ نمونہ اُس ذات نے پیش کیا، جو نبوت و رسالت کے روحانی مراتب سے قطع نظر بہرحال اپنی قوم کا بڑا دنیوی سردار بھی تو تھا۔ آج دنیا کے ڈکٹیٹروں (آمروں) کو چھوڑیئے، بادشاہوں اور تاجداروں کو بھی الگ کیجیے۔ رئیسوں اور امیروں کا جو برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ، اور افسروں کا جو معاملہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رہتا ہے، ان سب کو بھی جانے دیجیے۔ جو صاحب جلسوں میں یا تھوڑی دیر کے لیے صدر منتخب ہو جاتے ہیں خود انکا رویہ والنٹیروں (رضاکاروں) کے ساتھ کیا رہتا ہے؟ ——— ایک نمونہ زندگی کا وہ تھا، ایک یہ ہے۔ اُس نمونہ کے بعد کہیں بھی بالشویزم کا، مارکزم کا، بناوٹ کا، اشتراک کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

دو واقعے سنتے چلئے، ہیرے جواہرات کے اور سنتے چلیے۔ غزوۂ تبوک میں سامان رسد کی کمی پڑ گئی، اور صحابہ بھوک سے نہایت درجہ پریشان ہوئے۔ خیال ہوا کہ اونٹ ذبح کیے جائیں، اس پر جرح یہ ہوئی کہ معرکۂ جنگ میں سواریاں بھی تو اہم چیزیں ہیں۔ بالآخر آپ نے یہ کیا، کہ ہر شخص کے پاس سے اسکا بچا ہوا سامان رسد طلب فرمایا۔ کوئی کم لایا کوئی زیادہ۔ ایک جا پر اکٹھا کرکے آپ نے اس پر دعائے برکت فرمائی، اور پھر سب سے کہا کہ اپنے اپنے برتن اس مجموعہ سے بھر لیں۔ راویوں کا بیان ہے کہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے، خوب سیر ہو کر کھایا، اور سامان پھر بھی بچ رہا۔ اسی طرح ایک اور سفر میں جب آپ نے سامان رسد میں نمایاں کمی، اور صحابہ میں بھوک کی شکایت دیکھی، تو سب کا زاد راہ ایک جا پر ڈھیر کرا لیا۔ اس نے کل اتنی جگہ گھیری کہ اس پر ایک بکری بیٹھ سکے اور اشخاص کی تعداد ۱۴۰۰! لیکن اس پر بھی سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے" (سیرۃ النبی ـ جلد ۳ ـ ص ۲۲۵ ملخصاً)

محدثین نے تو ان واقعات کو کتاب الایمان وغیرہ کے ماتحت درج کیا ہے اور انھیں معجزات نبوی میں شمار کیا ہے۔ معجزہ تو بجنسہٖ ایک ایک بات تھی، لیکن میں کہتا ہوں کہ صحیح کمیونزم کی مثال ان واقعات سے بڑھ کر کہیں ملیگی؟ پھر اسی کے ساتھ اس تاریخی حقیقت کو بھی ملا لیجیے، کہ ریاست حجاز بلکہ سارے ملک عرب کے اُس فرماں روا کا عام سامان معیشت کیا تھا؟ رہنے کے لیے صرف معمولی حجرہ۔ بادشاہوں کے محل اور رئیسوں اور امیروں کی کوٹھیاں الگ، رہیں انکے ایک بڑے کمرہ سے بھی چھوٹا حجرہ! نہ کوئی الگ ڈرائنگ روم نہ ڈریسنگ روم، نہ ڈائننگ روم، اسی حجرہ کے اندر سارا انتظام خانہ داری! اور اسکا فرنیچر؟ محض کھجور کی کھری چٹائی،

تخت پر بیٹھنے سے جسم مبارک پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔ کوچ اور صوفے تو کسی، روم کے پر تکلف اور ایران کے بیش قیمت قالین تو پہنے! اور یہ تو عہد رسالت تھا، خیر و برکت اور سراسر تقدس تھا ہی، شریعت و قانون کے راستے سے ہوتے ہوئے عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں آئیے، کہ وہ تو ایک بادشاہ تھے، اور بادشاہ بھی خاندان بنو امیہ کے، وہاں بھی تاریخ کی زبان آپ کو یہ داستان سنا رہی ہے کہ

"خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہی سواریاں آئیں، تو انکو واپس کر دیا کہ میرا خچر میرے لیے کافی ہے۔ ... جب چلے تو کوتوال نے نیزہ لے کر آگے آگے چلنا چاہا، اسکو یہ کہکر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔ قصر خلافت میں داخل ہوئے، تو تمام پردوں کو چاک چاک کرا دیا اور خلیفہ کے لیے جو فرش بچھایا جاتا تھا اسکو فروخت کرکے اُسکی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔"

"ایک بار ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی، اس حالت میں اُسکی آنکھ لگ گئی۔ انھوں نے خود پنکھا لیلیا اور خود اُسکو جھلنے لگے۔ وہ جاگی تو بولے کہ تو بھی میری طرح آدمی ہے، تجھے بھی میری طرح گرمی معلوم ہوئی۔ میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں"

(سیرت عمر بن عبد العزیز [illegible])

یہ سب میرا ہی تو پرتو تھا، اور آگے چلیے۔ تاریخ اسلام کی چھ صدیوں کا سفر طے کیجیے، ساتویں صدی ہجری کے ہندوستان میں آ ملیے۔ اسوقت دلّی کے تخت پر سلطان ناصر الدین محمود نظر آئینگے۔ تاریخ کی زبان اُنکے حق میں یوں گویا ہے:

نفقۂ خاصۂ خود را از وجہ کتابت مصحف مجید ساختہ روزگار خود می گزرانید و اموال پادشاہی را در نفقۂ خود اصلا صرف نمی نمود

قرآن مجید کی کتابت کرکے اسی کو وجہ معاش بناتے اور شاہی مال و دولت سے ہرگز اپنا ذاتی خرچ نہ چلاتے" (تاریخ فرشتہ، جلد اول، صفحہ [illegible] نولکشوری)

اور پھر تصریح ہے کہ ایک بار ایک امیر السلطنت نے بادشاہ کا خط پہچان کر اُنکے مکتوب قرآن کو گراں معاوضہ پر لے لیا تھا، اسکی خبر سلطان کو ہو گئی، تو ناخوش ہوئے، اور حکم دیا کہ آیندہ میرا لکھا قرآن بازاری نرخ پر بالکل خفیہ ہدیہ ہوا کرے۔

میرے عہد میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی بیوہ، بڑھیا، کوئی یتیم بچہ، کوئی معذور، کوئی اپاہج، کوئی مسکین بھوکا اور بے روزی ہو سکے۔ میرے نظام میں زکوٰۃ فرض ہے۔ یعنی ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ اموال نامیہ، یعنی نقد اور سونے چاندی سے چالیسواں حصہ، اور زمینی پیداوار سے بیسواں اور دسواں حصہ اور مویشیوں جانوروں سے بھی ایک مقررہ تعداد میں غریبوں، مسکینوں، اہل حاجت کو دیتا رہے۔ اور پھر یہ شرح لازمی ہے۔ یعنی اگر نہ دیگا تو اسی طرح قابل مواخذہ رہیگا جس طرح اللہ کی براہ راست عبادت، نماز وغیرہ کے ترک سے، اور پھر اس سے زیادہ جتنا بھی جسکا دل چاہے دیتا رہے۔ یہ دنیا [illegible] ابر [illegible] اپنی ہی فیاضی [illegible] کے لیے [illegible] کی ابتدا کی میرے عہد کے

امر مطلوب ضرور نہیں۔ اس نظام زکوٰۃ و صدقات کی قدر جرمنی ڈاکٹروں پر [illegible] ہے، اور ڈاکٹر لائیز (سابق ڈائرکٹر پنجاب سے) اور پھر [illegible] ایک زندہ ماہر نفسیات و اجتماعیات ڈ[illegible] کے دماغ سے پوچھیے۔

کیپٹلزم (سرمایہ داری) کی لعنت کی اصل بنیاد کیا ہے؟ سود، اور شرح سود زیادہ ہو یا کم، سود خوار ہی ایسا شخص ہے جو بر خلاف تاجر کے جسے صدہا خطرات سے دوچار رہنا پڑتا ہے، اور بر خلاف زراعت پیشہ (دہقان) کے، بے ہاتھ پیر ہلائے اور بلا کسی قسم کا خطرہ برداشت کیے، مال پر قابض اور پیداوار کا حصہ دار ہو جاتا ہے۔ میں نے فلسفۂ معاشیات میں اسی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ کر کاٹ دیا ہے، اور سود کو ہر صورت میں ممنوع قرار دیا ہے۔ آج دنیا اور خود ہندوستان کی دنیا سرمایہ داری کے خلاف بڑے سے بڑے پرشور نعرے بلند کر رہی ہے۔ لیکن بجز میرے کسی میں یہ ہمت کہ خون چوس چوس کر پلنے والے ساہوکاروں کی نسل کا سرے سے قلع قمع کر دے؟

اس زمین میں کمیونزم کا پودا جڑ پکڑ سکتا ہے؟ اس فضا میں سوشلزم کا تخم کبھی کیوں بار آور ہو سکتا ہے؟ یہاں مراد اس جھوٹے سوشلزم اور کمیونزم سے ہے، جو مزدک ایرانی کا چلایا ہوا ہے اور جس کی ان [illegible] برسوں کی زندگی کا حاصل صرف طبقہ وارانہ منافرت اور اخلاقی زبوں حالی ہے۔ اور جو محض روس کی نقالی میں ہندوستان کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ ورنہ سچی سوشلزم اور صحیح کمیونزم تو لازمۂ شرافت و انسانیت ہے، اور عین میرا جزو ہے، اور اسی کی تو مثالیں ابھی ابھی پیش ہو چکیں — میں نے اپنے نظام میں ہر شخص کو اس کی ذاتی محنت و اہلیت اور اسکے بزرگوں کی جائداد سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا ہے، اور فطرت کے قائم کیے ہوئے فرق مراتب کو پوری طرح قائم رکھا ہے، اور اس حد تک میں کمیونزم کا مخالف ہوں، لیکن دوسری طرف میں نے سود کو قطعی حرام کرکے سود در سود کے چکر کو ہمیشہ کے لیے بند کرکے، جائداد کو مختلف حصہ داروں میں تقسیم کرکے، خیرات و صدقات کی انتہائی ترغیب دیکر، اور احسان رکھنے کے بجائے انھیں خود ایک نوع کی عبادت قرار دیکر، اور زکوٰۃ کی فرضیت پر زور دیکر، اور ضعیفوں، مسکینوں، سب کے پورے پورے حقوق قرار دے کر، سرمایہ پرستی (کیپٹلزم) کو بھی ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا ہے۔

موضوع کی وسعت تقریباً بے پایاں، بزم کا وقت محدود و مختصر، میرے پیام کا خلاصہ دو چند لفظوں میں یہ ہے، کہ دنیا کے لیے پیام امن اگر ہے تو میری ہی ذات ہے۔ خوب غور کرکے دیکھ لیجیے۔ جرائم کی تعداد روز افزوں کہاں ہے؟ اور بمنزلۂ معجز کہاں؟ چوری کے، ڈکیتی کے، نقب زنی کے، آتش زنی کے، زہر خورانی کے، جعلی دستاویزوں کے، حرام کاری کے، دروغ حلفی کے، قتل کے، ضرب شدید و خفیف کے۔ خودکشی کے واقعات وہاں زیادہ پیش آتے ہیں، جہاں میرے نام سے بھی عناد ہے، یا جہاں میری تھوڑی بہت حکومت قائم ہے؟ جنون اور دماغی اور عصبی بیماریاں شدت سے کہاں پھیلی ہوئی ہیں؟ میری عملداری میں یا میرے دشمنوں کے علاقہ میں؟ اندھے بنانے کے، بہرے بنانے کے، آنکھوں اور کانوں کے طرح طرح کی پیچیدہ بیماریوں کے لیے نئے نئے آلات کی نئی نئی

اسپتالوں کے کھلنے کی ضرورت کہاں پیش آرہی ہے؟ کالجوں والے، یونیورسٹی والے، سنیما والے، تھیٹر والے، موٹر والے، ٹرام والے، مل اور فیکٹری والے، ورکشاپ اور مشین والے شہروں میں، یا وہاں جہاں ابھی تک میری سادگی قائم ہے؟ معدہ، آنت، دانت، اور عام آلاتِ ہضم کی خرابیاں کہاں زیادہ پھیل رہی ہیں؟ وہاں جہاں بڑے بڑے شاندار ہوٹل موجود ہیں، جہاں پُرتکلف غذاؤں پر منہ ہر وقت چلتا رہتا ہے، جہاں پرنٹ اور طرح طرح کے مصنوعی پانیوں کی گرم بازاری رہتی ہے، اور جہاں سگرٹ اور سگار اور ایل اور وھسکی کے دور ہر وقت چلتے رہتے ہیں یا میرے سادہ دسترخوان پر؟ عام صحتیں کہاں درست رہتی ہیں؟ وہاں جہاں طہارت و غسل سے لوگ ناآشنا ہیں اور جہاں صبح آٹھ آٹھ اور نو نو بجے ہوا کرتی ہے؟ یا میرے ہاں، جہاں طہارت اور وضو فرض ہے، اور غسل کی پوری ترتیبات موجود۔ اور جہاں سونے کے لیے لازم کہ پچھلے پہر سے اگر نہ سہی تو کم از کم قبل فجر تو ضرور ہی اٹھ بیٹھیے، اور دن رات میں کم از کم ...... مسجد تک تو پانچ مرتبہ آمد و رفت رکھیے۔ آتشک اور طرح طرح کی اور جان لیوا گندی بیماریوں کا زور کہاں ہے؟ وہاں جہاں ہر پارک میں، ہر کلب میں، ہر موٹر پر، ہر ٹرین پر، ہر کشتی پر، ہر جہاز پر، مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط قائم ہے، جہاں زنانہ لباس کی عریانی یا نیم عریانی داخل فیشن ہے، جہاں نمائشِ جمال و زیبائش عیب نہیں، ہنر ہے، اور جہاں آرٹ اور فائن آرٹ کے پردہ میں ہر بے پردگی اور ہر بے حیائی دلیلِ کمال ہے، یا میرے حجروں اور زاویوں میں جو ابھی تک نہ سنیما کے نام سے آشنا، نہ کوئی برہنہ رقاصی کا قدردان، جہاں نہ کوئی عصمت فروشی کا بازار نہ کوئی ہائیڈ پارک۔ اور جہاں کے بسنے والے پابند ہیں قانونِ حجاب کے، اور پُتلے ہیں شرم و غیرت کے؟ راحتِ قلب و سکونِ خاطر کہاں زیادہ نصیب ہے؟ وہاں جہاں چوبیسوں گھنٹے تار اور ٹیلیفون اور گراموفون اور ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر کھنکھناتے رہتے ہیں، اور جہاں اخبار فروش ہر لمحہ اپنی روزی کے لیے ایک نیا ہیجان تلاش کرتے رہتے ہیں، یا وہاں جہاں کے باشندے قناعت اور صبر و ضبطِ نفس کے فضائل کا سبق پڑھ چکے ہیں؟ غرض روح کی پاکیزگی و تازگی کے سوال کو تو چھوڑیے، محض مادیات کی عینک سے مجھے اور میرے حریف کو دیکھیے اور پھر اپنی حالت کو سوچیے ؎

چشم بر دے من کشا باز بہ خویشتن نگر

اور اس بیسویں صدی سے جو مجھے چھوڑ چکی ہے اور چھوڑتی جاتی ہے، کہیے،

ببیں کہ باکہ بریدی و باکہ پیوستی ؟

گو یہ بھی ایک عجیب تماشہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ غیر شعوری طور پر یہ مغرب آتی جاتی، اور میرے بکھرے ہوئے اجزاء کو میرا نام زبان پر لائے بغیر میری جانب منسوب کیے بغیر، ایک ایک کرکے اپنے اندر سمیٹتی ہی چلی جاتی ہے!

مراسلہ

شوقِ اداکاری

(از "حجاب" حیدرآبادی)

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اداکاری اور جذبات نگاری کا شوق اب بتدریج لڑکوں سے لڑکیوں میں پیدا کرایا جا رہا ہے۔ شاید ہی کوئی زنانہ مدرسہ ایسا ہوگا جہاں کسی نہ کسی مقصد کے تحت کوئی نہ کوئی ڈراما اسٹیج پر نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ گزشتہ جمعہ کو مدرسہ تعلیم المعلمات کی نوخیز طالبات سے بھی وہاں کی قابل قدر معلمات نے اپنی نگرانی میں "فسانہ" نامی ڈراما اسٹیج کرا دیا۔ یہاں بحث اداکاری اور جذبات نگاری کے محاسن و معائب سے نہیں، بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ تمثیل کے مکالمے اور اشعار کو حفظ کرنے اور اسکے لیے اندرونی کیفیات و تاثرات کو ظاہر کرنے میں لڑکیوں کا کتنا عزیز وقت ضائع ہوتا ہے اور انکو کتنی سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک کثیر مجمع کے سامنے کردار کے الفاظ کو دہرانا اور اسی مناسبت سے خود پر فراق اور وصال کی حالت کے صحیح جذبات کو طاری کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر کسی ڈرامے سے (عشق و محبت) کا جزو خارج کر دیا جائے تو وہ ڈراما یا تو ڈراما نہیں رہتا یا بالکل بے کیف ہو جاتا ہے[1]۔ ایسے اہم فریضہ کی ادائی کے لیے ان نادان بچیوں کے بجائے جنکو اپنے اسباق کی تیاری کے لیے ہی وقت ناکافی ہے، ہماری دانست میں کسی دوسرے طبقہ کا انتخاب کیا جاتا[2] — جو اس منزل سے گزر چکا ہے — تو زیادہ بہتر ہوتا۔

آنچہ دانا کند کند ناداں — لیک بعد از خرابیِ بسیار

عام ڈراموں کی طرح ڈراما زیر بحث کا عنصر غالب بھی عشق و محبت کی بیباک باتوں اور وصال و فراق کی بیتاب تمناؤں پر مشتمل تھا، خصوصاً امجد و زبیدہ کا آپس میں استوارِ محبت کا قول و قرار اور جدائی سے انجام پر اظہار رنج و ملال۔ اختر و زرینہ کی عاشقانہ چھیڑ چھاڑ و میٹھی میٹھی باتیں اور محبت کی پُرکیف امنگوں و جذبات کا دلیرانہ مظاہرہ اور بالآخر دونوں کا یہ کہتے ہوئے "اب بندۂ عشقیم از ہر دو جہاں آزادیم" سب کی نظروں سے یکایک غائب ہو جانا۔ غرض یہ اور اسی طرح کے اعجوبۂ روزگار واقعات سے ساری تمثیل معمور تھی جسکو وہاں کی نوجوان طالبات نے اس احسن طریقہ پر انجام دیا کہ تماشہ بیں کی زبانوں سے بے ساختہ واہ واہ نکل رہی تھی۔ ہم اراکین مدرسہ کو عموماً اور اداکارات تمثیل کو خصوصاً انکی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ انھوں نے اسٹیج پر بالخصوص عاشق و معشوق کے کردار کو اس عمدگی اور خوبی سے ادا کیا کہ ہمیں بناوٹ پر اصل کا دھوکا ہوتا رہا۔

---

[1] جذبات کی گندگی سے قطع نظر، اسلام کے نظام اجتماعی میں عورت کا پارٹ ادا کرنے والے مردوں اور مردوں کا روپ بھرنے والی عورتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں بلکہ حکیم کائنات کے کلام (حدیث نبوی) میں متشبہین اور متشبہات دونوں پر لعنت آئی ہے۔ (صدق)

[2] امت کے کسی طبقے کو بھی نقال یا بھانڈ بننے کی فرصت نہ ہونی چاہیے۔ (صدق)

تمثیل جیسا کہ اسکے قابل مقدمہ نگار مولوی میر حسن صاحب ایم اے نے اپنے مقدمہ میں ارشاد فرمایا ہے:-

"یہ ڈراما ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء کو سینٹ جارجز جمنازیم ہال میں اسٹیج کیا گیا تھا اور بہت کامیاب رہا۔ اس موقع پر ایک خاص چیز جو میں نے محسوس کی یہ تھی کہ ہمارے ڈراما نویس کی طرح اس کے سارے اداکار، اسٹیج اور آڈیٹوریم کے جملہ منتظمین حیدرآباد کے نوجوان طلباء تھے۔"

ایسی صورت میں ہمارے نزدیک کوئی وجہ موجہ نہیں ہے کہ اس دور تجدد نوازی میں جبکہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ سرگرم جد وجہد دیکھنا ہے حیدرآباد کی نوجوان طالبات سے اس ڈرامہ کی مشق نہ کرائی جاتی؟

کافر نشدی لذت ایماں چہ شناسی

مدرسہ تعلیمات نسواں کی لائق معلمات نے کس خاص مقصد اور غرض کے تحت اس تمثیل کو لڑکیوں سے اسٹیج کرایا ہے وہ ہم پر ظاہر ہے لیکن خود اس ڈراما کے قابل مصنف نے اس کے دیباچہ میں یہ ارقام فرمایا ہے کہ:-

"یہ ڈراما لکھنے اور اسکو اسٹیج کرانے کا (میرا) واحد مقصد یہ ہے کہ نوجوانوں میں ذوق ڈراما نگاری اور شوق اداکاری پیدا ہو جائے"

اگر ہماری فاضل معلمات کا بھی اس ڈراما کو اسٹیج کرانے کا یہی مقصد تھا تو کیا ہم ان سے یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ان طالبات کو جنھیں اپنے سارے تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد بھی سعادت مند بیٹی، وفا شعار بیوی، شفیق ماں اور گھر کی ملکہ بننا ہے تو اس طرح کی اداکاری اور جذبات نگاری انکے مقاصد کی راہ میں کس حد تک مشعل ہدایت ثابت ہو سکتی ہے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

(بقیہ صفحہ ۵)

میں نے اس قسم کی ایک ارتھمیٹک درجہ چہارم تک کے لیے عرصہ ہوا تیار کی تھی اور کرمی ... صاحب مالک مطبع ... کو بہ اجرت دیدی تھی، مگر افسوس ہے کہ بعض عوارض کے سبب ممدوح نے اسکی اشاعت نہیں فرمائی"

ضرورت اہم اور واقعی ہے۔ لیکن صحیح علاج خود مصنفین اور ناشرین کے ہاتھ میں ہے۔ ان حضرات کو چاہیے کہ اس قسم کی ارتھمیٹکیں بہترین انداز پر لکھ کر، کمیٹیوں کے سامنے بار بار پیش کریں۔ شروع میں یقیناً نامنظور ہونگی، لیکن اگر کوششیں برابر جاری ہیں اور سرکاری منظوری کا انتظار کیے بغیر بھی انکی اشاعت ہوتی رہے، جب بھی نفع سے خالی نہیں، کم از کم اسلامیہ مدارس تو انکی سرپرستی کر ہی لینگے، لیکن جب تک یہ خیال عام ہو، پہلے تو خود تجدد زدہ مسلمان ہی بگڑ بیٹھینگے، اور مضحکہ کے ساتھ کہینگے کہ لو، اور سنو، کمیونلزم (فرقہ واریت) کو ایک نیا شگوفہ ہاتھ آیا! ذہنی غلامی کا یہ کھلا ہوا نتیجہ ہے کہ اپنی ہی چیزوں سے بُعد و بیگانگی ہو گئی ہے، اور اپنی ہر چیز عجیب اور انوکھی معلوم ہونے لگی ہے!

روس کی اشتراکیت

گذشتہ بائیس سال کے عرصہ میں روسی حکومت لینن کے قائم کردہ اقتصادی نظام میں متعدد تبدیلیاں کر چکی ہے۔ اب تازہ خبر یہ ہے کہ ۷ نومبر ۱۹۳۹ء کو حکومت روس انقلاب کی بائیسویں سالگرہ کے موقع پر بعض ایسے اعلانات کرنے والی ہے جو اس کے موجودہ اقتصادی نظام میں اصولی تبدیلی کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک قابل ذکر اعلان یہ ہوگا کہ:-

"پرائیویٹ جائداد اور پرائیویٹ مزرعوں کی ملکیت جائز قرار دی جائیگی۔ اندرون ملک میں آزاد تجارت اور پرائیویٹ صنعتی کارخانوں کے اجراء کی اجازت بھی دیدی جائیگی۔ البتہ ان کارخانوں میں پچاس سے زیادہ مزدور رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔"

اس طرح گویا روس اپنی اشتراکیت اور اشتمالیت پر خود تبر چلا دے گا۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اسکے بعد وہ کیا قدم اٹھائیگا۔ ایسے چند اعلانات و اقدامات ان بنیادوں کو متزلزل کر دینگے جن پر موجودہ حکومت روس قائم ہے۔ ہمارے ایک معزز معاصر نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ

"لینن کا خواب پریشان ہو چکا ہے۔ اشتراکیت اپنی موت مر چکی ہے۔ لینن کے سکریٹری اسٹالن نے اپنے ہاتھ سے اس انقلاب کو پروان چڑھایا تھا اور اُسی نے اس کو قبر میں اُتار دیا۔"

یورپ کی سرمایہ داری اور سود خواری بے شک غریبوں اور مزدوروں پر ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ بہترین اقتصادی نظام اسلام کا ہے۔ اگر دنیا اسے قبول کرلے تو اس کی ساری اقتصادی مصائب کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اسلام نے نہایت احسن طریق پر افراد کے حقوق ملکیت کو تسلیم کرلیا ہے اور اعتدال و حکمت کی راہیں کھلی رکھی ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ سرمایہ کی تقسیم و انتشار کا ایسا انتظام کیا ہے کہ سرمایہ داری کی مضرتیں پیدا ہی نہیں ہو سکتیں۔ ایک شخص کتنا ہی دولتمند ہو جاتا ہے۔ اُس پر زکوٰۃ کا ٹیکس موجود ہے۔ سود کی ممانعت ہے۔ پھر وراثت کی تقسیم اسکی املاک اور زر و مال کو ایک جگہ جمع نہیں رہنے دیتی۔ علاوہ ازیں اسلام نے سرمایہ اور محنت کے درمیان نہایت منصفانہ توازن قائم کیا ہے۔ مزدور کے حقوق کا پورا تحفظ ہے۔ اسکے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے اُس کی مزدوری فوراً ادا کرنے کا حکم ہے۔

غیر، معذور ہیں۔ انکو زمانہ کی ٹھوکریں اور تجربات کی ناکامیاں ہی رفتہ رفتہ اسلام کے قریب لائیں گی۔ لیکن ہمیں اُن مسلمانوں پر افسوس آتا ہے جو اسلام کے اُن حکیمانہ اصولوں کو فراموش کر کے اشتراکیت میں اپنے دکھ کی دوا تلاش کرتے ہیں۔ اور اپنے ملک میں بھی اسی اقتصادی نظام کو رائج دیکھنا چاہتے ہیں۔

(پیغام صلح)

حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے

(از قلم جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، استاد جامعہ دکن)

(سلسلہ صدق ۱۵- اکتوبر)

نکاح ہی کے سلسلہ کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ "بیشتر از یک زن نکاح نکنند" گویا تعدد ازدواج کا قصہ اسی وقت اُٹھ چکا تھا۔ دلیل میں کہا جاتا کہ خدا یکے و زن یکے۔

یہ بھی حکم تھا کہ ایسی عورت جسکے ایام بند ہوں، نکاح نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو۔ مرد اُسکے ساتھ ہمبستری نہیں کر سکتا۔ سارد ا ایکٹ کی پیچیدگیاں ابھی سامنے نہیں ہیں چونکہ اس دور میں ابھی اس پر پورا عمل نہیں ہوا ہے ورنہ اکبر کے عہد میں اسکا جو انجام ہوا تھا۔ ملا صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکم چونکہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرالیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ نہ حاصل کرالیا جائے اُنکا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا۔

بایں تقریب خیلے منافع و فوائد بعہدہ داراں خصوصاً کسان کوتوال و خانہ کلاں و سائر عوان ارذال بیروں از وہم و خیال عائد گردید۔ (صفحہ ۳۹۱)

اس ذریعہ سے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقعہ ملا، خصوصاً کوتوال اور خانہ کلاں کے آدمیوں اور اُنکے دوسرے مددگاروں ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں اُنکو اس قانون سے جو نفع پہونچا اُسکا اندازہ حد وہم و خیال سے باہر ہے

پردہ ملا صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اُٹھا دیا گیا تھا۔

زن جوانے کہ در کوچہ و بازار بگردیدہ باشد دراں حال یا رو نپوشد یا روئے کشادہ گردد

جوان عورتیں جو کوچہ و بازار میں نکلتی ہیں باہر نکلنے کے وقت میں چاہیے کہ چہرہ کو یا کھلا رکھیں یا چہرہ کو کھول دیا کریں (اگر برقع وغیرہ نہ ہو)

گویا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر "عہد جدید" کو ناز ہے نہایت افسوسناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں سے اکثر روشنی جدید پر نہیں بلکہ قدیم ہے کاش اسکی کہنگی و قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے۔

زنا کی تنظیم نکاح کے قوانین میں، ان ترمیموں کے سوا عہد اکبری میں بعض علماء نے فقہ حنفی کی روسے "جواز متعہ" کا بھی فتویٰ صادر کیا تھا جسکا قصہ طویل ہے بعضوں نے تو اکبر کے الحاد کا نقطہ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے۔ بعض مولویوں نے بجائے چار کے اکبر کے کانوں تک یہ بھی پہونچایا تھا کہ بعض مجتہدین (۹) اور بعض اس سے زیادہ بھی بیویوں کے قائل ہیں لیکن یہ باتیں اُسوقت کی ہیں جب تک ان مولویوں کو "فقیہ کوتہ" کا خطاب نہ ملا تھا۔ البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی۔ ایکطرف تو یہ حال تھا، دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے اس فعل کی اجازت ہوگئی تھی۔ گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا بلکہ سرِ دست اُسکو منظم کرنے کے لیے ایک دستور بنا دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں

از شہر بیروں آبادی ساختند شہرسے باہر آبادی بنائی گئی اور اُس کا نام

شیطان پورہ رکھا گیا وہاں ضابطہ

و آنرا شیطان پورہ نامیدند و آنجا نیز محافظے و مشرفے و داروغہ نصب کردند تا ہرکہ بآں جماعت صحبت دارد یا بخانہ ببرد نام و نسب خود بنویسانند آنگاہ باتفاق تماشا جماع ہرچہ خواہد کند۔

محافظ نگراں، داروغہ مقرر تھے، تاکہ جو ان سے ..... یا گھر لیجانا چاہے اپنا نام ونسب لکھوانے اور اُن ملازموں کے اتفاق سے جو چاہے کرے۔

اس سے زیادہ پرلطف قانون کا یہ حصہ تھا "اگر کسے خواہد کہ بکارت دختر ببرد اگر خواستگار از مقربان نامی ست داروغہ بعرض رسانیدہ رخصت از درگاہ گیرد والّا نہ"۔ بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ "بنفسِ نفیس تحقیق می نمودند کہ بکارت او کہ بردہ باشد" بیربر کے متعلق اس سلسلہ میں بادشاہ تک یہ خبر پہونچائی گئی کہ "از نیابت ہم نمی گذشت" مگر شدت محبت سے بادشاہ نے اُسکے قصور کو معاف کردیا۔

رسم ختنہ حالانکہ دین حق پرسب سے پہلے اکبر نے اپنے شہزادوں کا خود ختنہ کرایا تھا ملا صاحب نے اسکو بھی نقل کیا ہے لیکن ہندو سلمات کے رفع خلافت کا جب شوق پیدا ہوا تو اسلام کے ایسے اہم شعار کے متعلق یہ قانون نافذ کیا کہ

ختنہ پیش از دوازدہ سالگی نکنند بعد ازاں اختیار دادہ خواہد کند یا نکند۔ (صفحہ ۳۵۶)

بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کا ختنہ نہ کرایا جائے بارہ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا چاہے کرے یا نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ بارہ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس اذیت کے برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جب سلطنت کی جانب سے اس کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو۔ گویا سنت ختنہ کے مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی

میت دین الٰہی میں داخل ہونے والوں کے لیے مرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا۔

کہ بادوا زغلہ خام وخشت پختہ بگردنش بستہ درآب اندازند بجائیکہ آب نباشد بسوزند یا بطور خطائیاں بدرختے ببندند۔

خام غلہ اور پکی اینٹیں مردہ کی گردن میں باندھ کر اسکو پانی میں ڈال دیا جائے یا چینیوں کی طرح کسی درخت سے مردہ کو باندھ دیا جائے۔

شاید ڈبونے یا جلانے کا حکم اسیلئے ہوا، ورنہ اس سے پہلے جو حکم تھا اُس میں دفن کی مخالفت نہیں کی گئی تھی البتہ اتنی ترمیم اس میں بھی تھی کہ

سر مردہ بجانب مشرق و پائے آں بجانب مغرب دفن کنند (صفحہ ۳۵۵)

مردہ کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب دیکر اسکو دفن کیا جائے

"سلطان خواجہ کہ از جملہ مریدان خاص الخاص بود" جب مرے تو اکبر نے مادہ مذکورہ بالا سمت کے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ اسکی قبر میں ایک کھڑکی بنا دی گئی تھی "مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ او آب کنندۂ گناہان ست دہر صباح بر رویش افتد" ملا صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ "بر دہانش زبانہ آتش نیز رسانیدہ بودند"۔ یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے توڑ لیا گیا تھا۔ اور ٹھیک جس سمت کعبہ ہے

خواب رفتن خود را نیز بہ رسم ہندیاں قرار دادند ملخصہ

سونے کے وقت بادشاہ اسی ہیئت کے ساتھ سوتے تھے (یعنی ٹھیک بجانب قبلہ پاؤں کرتا تھا)

کلاں تک لکھا جائے، ایک جز ہو دو جز ہو، اس نے تو ابتدائے زندگی سے آخر زندگی تک سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا۔ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ گذشتہ بالا چیزوں کے ریشم، سونے کو مزدوروں کے لیے نہ صرف حلال بلکہ قریب قریب وجوب کی حد تک پہونچا دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس زمانہ کے وہی علماء جنہوں نے اس "ہندی دین" کو قبول کر لیا تھا یا اسکے حامی تھے وہ ریشمیں کپڑے پہنتے تھے اور خدا کے ایک باغی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے آج بھی کتنے ہیں جنھیں الٰہی احکام کی اتنی قطعی پروا نہیں ہے جتنی کہ خدا کے بعض دشمنوں کی ہے۔ اسی طرح سور اور کتا پاک قرار دیا گیا تھا نہ صرف پاک بلکہ

برغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز آمدند و خوک در زیر قصر نگاہ داشتہ ہر صباح آں را عبادت می شمردند۔ ملخصہ

اسلام کے توڑ پر سور اور کتے کے پاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں (ناپاک) جانور رکھے جاتے تھے صبح سویرے انکے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں اکبری عہد کے ایک عالم (فیضی) کا قصہ ملا صاحب نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

... آنہا می خوردند و بعضے شعراء زبان سگاں در دہان می گرفتند۔

... رکھتے تھے اور انھیں کتوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان اپنے منہ میں لیتے تھے۔

یہ تھا اس دین کا ایک اجمالی نقشہ جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کسقدر عجیب ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جزء کو ان لوگوں کی عقل رد نہیں کرتی تھی صرف اسی میں خرابی نظر آتی تھی۔ حالانکہ اسلام کے ساتھ جہاں انکا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور انکے رسوم کے ساتھ انکے تعلقات کی نوعیت یہ تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر ان باتوں کو انکی عقلیں کس طرح تسلیم کر لیتی تھیں۔ مثلاً یہی عقلی بادشاہ تھا جو اپنے ہاتھ میں راکھی کے نام سے جواہر لٹکا باندھتا تھا۔ نیز

در روز ہشتم سنبلہ برسم اہل ہند قشقہ کشیدہ بدر دولت خانہ برآمدند و ریسمان جواہر از دست کشیدہ براہمہ بہ تبرک گرفتہ بر دست بستند۔

آٹھ سنبلہ کو جو تیوہار پڑتا اہل ہند کے رسم کے مطابق بادشاہ قشقہ لگا کر باہر بیٹھتے تھے اور ایک ڈوری جس میں جواہرات پروئے ہوتے اسکو برہمنوں کے ہاتھ سے لیکر بطور تبرک اپنے ہاتھ پر باندھتے تھے۔

(باقی)

[illegible] یسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج۔ لکھنؤ سے شائع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر کے نام چاہئے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۱۹۱۴

نمبر ۱۵ | لکھنؤ- ۱۹ شوال المکرم ۱۳۵۸ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۹ء | جلد ۵

سچی باتیں

"لکھنؤ ۲- نومبر- آج شیعوں کا ۲۱- رمضان والا معمولی سالانہ جلوس مع تابوت وغیرہ کے نکلنے والا تھا- محلہ پاٹانالہ میں جو جلوس کا گزرگاہ ہے، سُنّیوں کے مکانوں پر خلفائے راشدینؓ کے نام کی جھنڈیاں آویزاں تھیں اور ان پر کچھ عبارت بھی شیعوں کا بیان ہے کہ اُنکے لیے اشتعال انگیز لکھی ہوئی تھی- شیعوں نے اس پر سخت احتجاج کیا، اور کہا کہ ان جھنڈیوں کے نیچے سے ہم ہرگز تابوت نہ نکالیں گے- انکا بیان ہے کہ یہ رسم بالکل نو پیدا اور جدید ہے- سُنّی کہتے ہیں کہ جھنڈیاں عرصہ سے لگی ہوئی تھیں- پولیس نے آکر سُنّیوں کو سمجھایا، چنانچہ پولیس کے کہنے سے بہت سے سُنّیوں نے اپنی جھنڈیاں بجائے سڑک پر لٹکے رہنے کے سیدھی کھڑی کردیں- کشمکش پھر بھی دور نہ ہوئی- اور اس اثنا میں حملہ شروع ہوگیا- کہا جاتا ہے کہ پہلے شیعوں نے جوش میں آکر تبرا کہا، اور بعض مکانوں پر چڑھنے لگے- دونوں فریقوں کی طرف سے اینٹوں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی- ایک مکان سے فیر بھی ہوئے- بعض مکانوں میں آگ بھی لگا دی گئی- پولیس اور مجسٹریٹ کی بروقت مداخلت سے حملہ فرو ہوا- تین آدمی اُسی وقت ہلاک ہوئے، اور زخمیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اسپتال پہونچی- ہلاک ہونیوالوں میں سُنّیوں کے مشہور مدرسہ فرقانیہ کے مدرس مولوی حافظ محمد اسلم بھی ہیں، جو کہا جاتا ہے کہ ایک مسجد کے اندر مصروف عبادت تھے- بعد کی اطلاع ہے کہ شیعہ کالج کے طالب علم جمشید مرزا اور ایک سُنّی اطہر علی نامے زخموں سے جانبر نہ ہوسکے"۔

لیجیے، تحفظِ ناموسِ صحابہ کا مسئلہ حل ہوگیا نہ؟ اور پہلے عظیم الشان جلوس اور ریحا لکوں اور سربازار گا گا کر مدحیہ نظمیں پڑھنے والی ٹولیوں کی مدد سے، اور اب کپڑے کی جھنڈیوں کے واسطہ سے، کیا خوب نسخہ ہاتھ آگیا، صحابہ کرام کی عزت ووقار قائم کرنے کا، ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ کی عظمت، احترام دلوں میں بٹھا دینے کا!———— اسکا حساب نہ لگائیے کہ کتنے سُنّیوں کے گھرانے بے چراغ ہوگئے، کتنے گھروں کا اثاثہ آگ کی نذر ہوکر رہا، کتنوں کی جانیں گئیں، کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی دکھیاریاں رانڈ ہوئیں، کتنے اسپتالوں میں پڑے کراہ رہے ہیں، کتنے پولیس اور عدالت کے چکر میں پڑ کر برباد ہو رہے ہیں، کتنوں پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اور اس فکر میں نہ پڑیے کہ اس سے کتنے دشمن دوست بنے، کتنے تبصرہ محروم ہوئے، کتنوں کے دلوں کے زخم سے ٹپکنے لگے، ان چیزوں کا نام بھی آپ زبان پر لاتے ہیں تو یقین کیجیے کہ آپ منافق ہیں اور بے دین، تشیعہ نواز ہیں اور رافضی پرست! دل کے حوصلے تو اہل حق پورے کر رہے ہیں! اہل حق نے باطل پرستوں کا مقابلہ توڑ کر اُنھیں کے ہتھیاروں سے کر لیا! اُنھیں کے اکھاڑے میں اُنھیں پچھاڑ دیا، اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہ سہی، تو کم از کم اینٹ کا جواب اینٹ سے اور پتھر کا جواب پتھر سے تو دے لیا! اور حق ادا کرکے دکھا دیا حق، فاروقی شوکت کا، صدیقی صولت کا، عثمانی عظمت کا، حیدری سطوت کا!

گئے وہ دن، جب صرف حریف کو یہ قوت واقتدار، یہ طاقت اختیار حاصل تھا، کہ جو سوانگ چاہے رچا لے، جو رنگ چاہے اپنی مجلسوں کا جمالے، جو تماشہ اپنی خیر یں دانیوں سے چاہے دکھلائے- اب تو اہل سنت بھی مقابلہ

کھنچینگے ہر ہر میدان میں۔ جلوس کے جواب میں اُس سے بڑھکر جلوس، "علم" اور نشان" سے مقابلہ کے لیے جھنڈے اور جھنڈیاں، مرثیوں کے توڑ کے لیے قصیدے، اور اس مہینہ کو بی سر! اور ہوتی تھی، تو یہاں "مدح" پڑھنے والی ٹولیاں نکلوں کو ہرا لہرا کر گاتی ہوئی نکلینگی، نعرۂ حیدری کے جوڑ پاس بڑھکر نعرۂ چاریاری لگیگا۔ محرم کی دسویں کی جگہ ربیع الاول کی بارہویں ... ایجاد ہوگی، ماشوراء کا کام "بارہ وفات" دیگی۔ قدم قدم پر سبیلیں جاری ہونگی چپہ چپہ پر شاندار پھاٹک تیار ہونگے۔ غرض ضد کے جواب میں ضد، نفرت کے جواب میں نفرت، بدعت کے جواب میں بدعت! علاج بالمثل آخر کہتے کسے ہیں! ---- خوب ہے یہ اصول معالجہ، کہ مرض کے عوض دوسرا مرض پیدا کر دیا جائے!

دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے!

خوب ہے یہ تحفظ ناموس صحابہ جھنڈیوں اور جلوسوں کی مدد سے! خوب تر ہے جدید اُسوۂ صحابہ! یہ نیا اتباعِ سنت! یہ نیا اہتمام رد بدعت! ---- یہ سنت میں بدعت اور بدعت میں سنت!

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کا کام جہاں تک مترجم و محشی کا تعلق تھا، بحمد اللہ عرصہ ہوا ختم ہو گیا۔ اور اللہ پاک نے ایک بہت بڑی ذمہ داری کو انجام تک پہونچا دیا۔ دیباچہ بھی مختصر سا ہو گیا۔ اب جو وقت صرف ہو رہا ہے، یا آیندہ ہوگا، وہ امور ذیل ہیں:-

(۱) تیسوں پاروں کے قلمی مسودہ کا ٹائپ ہونا۔ ٹائپسٹ کو پہلے قلمی مسودہ خود مصنف سے پڑھنا ہوتا ہے، اسکے بعد جب ٹائپ ہو کر آتا ہے تو ایک بار اصل سے پھر اسکا مقابلہ و تصحیح ضروری ہے۔

(۲) اسکے تکملہ پر متعدد فہرستیں تیار کرنی ہونگی

کوئی بڑا اشاعت مہیا ہوتا، تو یہ کام مصنف کے نہیں، دوسروں کے کرنے کے تھے۔ بہرحال اسکے بعد مرحلہ طبع و اشاعت کا آتا ہے۔ اور وہ قطعاً مصنف کی دسترس سے باہر ہے۔ اتنی گراں قدر رقم کی ہمت صرف حکومت آصفیہ ہی کر سکتی ہے۔ لاگت یوں بھی بہت زائد آتی، اور اب تو جنگ نے کاغذ، و مصارف طبع کی گرانی کی حد ہی نہیں رکھی ہے۔

کل مسودہ ڈھائی تین مہینے میں ٹائپ ہو سکتا تھا اگر کوئی ٹائپسٹ اپنا ہوتا۔ لیکن ہمہ وقتی ٹائپسٹ اپنے نصیب میں کہاں؟ جو صاحب ٹائپ کرتے ہیں، وہ بیچارے بہت ہی محدود مہلت کا وقت اسکی نذر کرتے ہیں، اس لیے قدرۃً ایک ہفتہ کا کام کم از کم ایک مہینہ میں ہو پاتا ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

پچھلے مہینہ میں حسب ذیل رقم قبول کی گئی:-

۲۲- اکتوبر- ایک مخلص (از علاقہ بمبئی) صہ/

۱۱- نومبر کو [illegible] کا ایک منی آرڈر آیا۔ بھیجنے والے صاحب کا نہ نام ہی پڑھا جا سکا نہ پتہ۔ ڈاکخانہ کی مُہر راجکوٹ کی تھی۔ ایسی رقموں کے قبول کرنے یوں بھی معذوری ہی رہتی ہے، اور پھر جب کوپن میں یہ تصریح بھی موجود ہو کہ رقم مد زکوٰۃ کی ہے۔ چنانچہ منی آرڈر واپس کر دیا گیا۔ جیسا کہ اسکے قبل بھی

چند بار ہو چکا ہے۔

نئی سراپا نگاری

ابھی اعلان ہو گیا، کہ امریکہ میں ملکۂ حسن" فلاں مس صاحبہ قرار پائیں! مقابلہ ۴۲۰ امیدواروں کے درمیان تھا، اُن میں یہ سب سے نمبر اول پر رہیں۔ اور انھیں لقب "مس امریکہ ۱۹۳۹ء" کا مل گیا! اخبارات میں نکلا ہے کہ مس صاحبہ نے جب اپنی جیت کی خبر سُنی، تو خوشی سے رو پڑیں! ---- تفصیلات شایع ہوئی ہیں، کہ مس صاحبہ کا پورا نام پتہ یہ ہے، ابتک فیشن کی دوکانوں پر ماڈل (نمونہ) کا کام کرتی تھیں، عمر ۱۹ سال ہے، قد ۵ فٹ ۷ انچ ہے، وزن ۹ اسٹون ہے، رنگ گورا ہے، آنکھوں کا رنگ یہ ہے، بالوں کا رنگ یہ ہے، کمر کی پیمایش اتنے انچ ہے، گردن کی اتنے انچ، ران کی اتنے انچ، اور آگے اس سے بڑھ بڑھ کر اعضا کی پیمایش درج ہے! (اسٹیٹسمین، ۵ نومبر ۱۹۳۹ء) اور یہ تفصیلات تو ہندوستان آچکیں، خاص امریکہ اور یورپ میں تو اور کیا کیا چھپا ہوگا، خدا جانے کتنے غیر مستور فوٹو شایع ہوتے ہونگے ---- وہ حسن ہی کیا جو نمایش کے منظر عام پر نہ آیا!

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے!

---- اور خدا معلوم کتنے بھائیوں نے اپنی ایک بہن کے ان نظاروں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچائی ہوگی! مشرق کا بدنام شاعر خدا معلوم کتنے "سراپا" تشبیہات کے بل پر لکھ گیا، اب معلوم ہوا کہ زنانہ حسن کی اس عضو بعضو تفصیل اور سائنٹفک تحلیل کے آگے انکا ہر "سراپا" تا سر بے سروپا!

جدت میں رجعت!

دور ہٹلری سے قبل، جرمن یونیورسٹیوں سے ۱۹۴۰۰ لڑکیاں، میٹرکولیشن کر کے نکلیں ۳۶-۱۹۳۵ء کے تعلیمی سال میں انکی تعداد گھٹ ۹۰۰۰ رہ گئی تھی، یعنی ۵۰ فی صدی گر گئی! میونخ میں ۱۹۳۳ء میں قانون پڑھنے والی طالبات ۱۴ تھیں، ۱۹۳۴ء میں ۴ رہ گئیں، اور ۱۹۳۶ء میں کل ایک! (ہند- مدراس، ۵- نومبر ۱۹۳۹ء)

"نازی لیڈر علانیہ پکار پکار کر کہتے ہیں، کہ عورت کا اصلی کام خانہ داری ہے، اور بار بار انکے کانوں میں پھونکا جا رہا ہے، کہ انکا تعلق صرف تین چیزوں سے ہے، بچوں سے اور گرجا سے اور باورچی خانہ سے ...... اور ہٹلر نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ نے اب تک جرمن عورتوں کے لیے کیا کیا، خود کہا کہ میں نے اپنی فوج میں بہترین متاہل صاحب اولاد سپاہیوں کو رکھا ہے، اور یہی جرمن عورتوں کے لیے میری سب سے بڑی خدمت ہے"... نازی عہد میں عورت کی دنیا شادی اور خانہ داری تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ روڈولف ہیس نے کہہ دیا ہے، کہ جرمنی، عورتوں کو مائیں دیکھنا چاہتا ہے، اور نازی پارٹی اس کی مخالف ہے کہ عورتیں پیشوں میں داخل ہوں" (ایضاً)

گویا یورپ میں کم از کم ایک ملک تو ہے جو مشرق کے معیار نسائیت کے، اسلام کے قائم کیے ہوئے حدود کے قریب روز بروز آتا جاتا ہے۔ کیا خدا کی شان ہے کہ عین اُس وقت جب اپنے، بیگانے ہوئے جا رہے ہیں، بیگانے یوں اپنے ہو رہے ہیں! عین اُس وقت جب مصر کی، ہندوستان کی، عورت آزادی "سے بہین

رہ رہ کر تڑپ تڑپ کر باہر نکل پڑتی ہے، مغرب کی عورت، خوب ٹھوکریں کھا کھا کر، پھر باہر سے اندر کی طرف واپس آرہی ہے!

عورت دوراہہ پر

"اس میں آخر شرم و ذلت کی بات ہی کیا ہے کہ ایک نوجوان عورت اپنے لباس میں مرد کے لبھانے کا لحاظ رکھے۔ میں جو نمونے تیار کرتی ہوں۔ اُن میں نسائیت کو ابھارتی رہتی ہوں، یعنی لباس ہی کو مردوں کے شکار کا ذریعہ بنائی رہتی ہوں"

پیرس کی مشہور درزن (یا انگریزی اصطلاح میں "ڈیزائنر") گیبرئیل چینیل نے کہا، جن کے متعلق تعارف میں کہا گیا ہے، کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے پیرس سے ہالی وڈ (امریکہ) تک کا سفر اسی کھوج میں کیا تھا، کہ زنانہ لباس میں زیادہ سے زیادہ بے حیائی کہاں تک پیدا کی جا سکتی ہے! (اسٹیٹسمین، ۲۲ستمبر ۲۹ء)——

جی ہاں، اپنا اپنا معیار ہی تو ہے۔ ایک معیار اس دنیا میں ہے، کہ زنانہ لباس کا مقصد ستر و اخفاء ہے، زینتوں کو چھپانا، مردوں کی نظر سے تمام ہیجانی منظروں کا دور رکھنا۔ اور دوسرا معیار یہ ہے کہ نظر ستر پر نہیں کشف پر کیا جائے۔ لباس کا مقصد چھپانا نہیں، بلکہ دکھانا، لُبھانا، رجھانا، اور مردوں کے سوئے ہوئے جذبات کو جگانا، بنایا جائے! ایک کا حکم وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ کے ذریعہ سے ملا، اور دوسرے کی تصویر ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاُولیٰ کے پردہ پر دکھائی دی۔ دونوں راستے آج بھی اسی طرح صاف کھلے ہوئے ہیں، جیسے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر تھے۔ اور عورت کو اختیار ہے کہ سوچ سمجھ کر، اپنا نفع و نقصان دیکھ کر، نفس سے نہیں، عقل سے مشورہ کر کے، جو راہ چاہے اختیار کرے!

ترقی معکوس

کلکتہ سے خبر آئی ہے، کہ صوبہ کانگریس کی جو نئی عظیم الشان عمارت، ڈھائی ہزار حاضرین کی گنجائش والی تعمیر ہو رہی ہے، اُس کے نیچے، زمین دوز غار، یا تہ خانے بھی تیار ہوں گے۔ جو ہوائی تاخت کے موقع پر جائے پناہ کا کام دے سکیں! ساتھ ہی ایک ولایتی اخبار میں حسب ذیل مرقع بھی شائع ہوا ہے۔ ایک گوشہ میں جنگل کا ایک غار دکھایا ہے، جنگل میں جنگلی ہاتھی اور دوسرے جانور چھوٹے ہوئے ہیں، اور غار کے اندر سے ایک مرد و عورت جھانک رہے ہیں، کہ کب یہ بلا گزرے، جو باہر آنے کا موقع ملے۔ یہ منظر گویا آج سے کئی ہزار سال قبل کی وحشیانہ زندگی کا ہے۔ دوسرے گوشہ کی تصویر میں دکھایا ہے، کہ شہر کی عمارتوں کے درمیان ایک عظیم الشان غار اُسی طرح کا ہے، اُسکے اندر ترقی یافتہ، مہذب ترین مرد و عورت، چہروں پر گیس سے بچنے کے لیے تھوتھنیاں چڑھائے، جنگلی انسانوں سے کہیں زیادہ اپنی شکل غیر انسانی بنائے، دُبکے ہوئے پڑے ہیں، اور عمارتوں کے اوپر ہوائی جہاز گولہ باری کرتا ہوا گزر رہا ہے!——گویا یہ ہے ترقی کا منتہیٰ، کہ وحشی انسان جن زمین دوز غاروں سے نکلا تھا، تہذیب کے آخری درجہ پر پہنچ کر، پھر انھیں غاروں میں، کہیں زیادہ ابتری اور کہیں زیادہ حماقت کے ساتھ واپس جا پہنچا! اول اور آخر کے درمیان کوئی مناسبت ہوئی ہی تھی! اور گویا ہندوستان نے بھی ترقی کی اس منزل میں قدم رکھ لیا! —— فرنگی مصور کی تصویریں مہذب انسانوں کی شکلیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لمبی تھوتھنی، سور کی سی، چہرہ انسانی سے کہیں زیادہ خنزیری! اللہ یہ ظاہر کی خنزیریت، باطن کی خنزیریت کا ہو بہو عکس!

سائنس کی ترقی!

پائنیر میں ایک فرنچ سپاہی کی تصویر آئی ہے، جو ابھی جنگ میں زخمی ہوا ہے۔ تصویر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، سننے سے نہیں! اللہم احفظنا! چہرہ پر صرف آنکھ سالم۔ باقی ناک، اوپر کا ہونٹ، دانت، رخساروں کا آدھا حصہ، یہ سب غائب! اس درجہ ہولناک کہ خود تصویر لرزنے لگتی ہے۔ خدا معلوم بیچارہ پر سانس لینے، منہ چلانے، رال گھونٹنے میں ہر گھنٹہ نہیں، ہر منٹ بھی نہیں، ہر سکنڈ کیا قیامت گزرتی ہوگی! اور یہ ایک تصویر کوئی نادر ہے؟ ایسے ایسے زخمی تو خدا معلوم ہر روز کتنے میدان جنگ سے اٹھ کر آتے ہونگے! اور اُٹھ کر کہاں آتے ہیں؟ قاعدہ یہ ہے کہ جب جنگ ختم ہو لیتی ہے، جب کہیں جا کر زخمی اُٹھائے جاتے ہیں، اور اسٹریچر پر لاد کر "کلکٹنگ اسٹیشن" (جمع ہونے والے مقام) پر لائے جاتے ہیں، پھر وہاں سے سفر ہاسپٹل اسٹیشن تک ہوتا ہے۔ یہاں سے "اِوکولیشن ہاسپٹل" بھیجے جاتے ہیں، اسکے بعد کہیں جا کر "سنٹرل بیس ہاسپٹل" کی آتی ہے، جو وہاں سے جہاں سپاہی گرا ہے، کم از کم تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ہوتا ہے —— اور علاج اب جا کر شروع ہوتا ہے! ذرا خیال تو کیجیے، کہ معمولی سی معمولی، اور ہلکی سی ہلکی چوٹ کے بعد بھی انسان کا کیا حال ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ ایسی جراحتیں، جو آج تک انسان کے تجربہ میں نہ آئیں، خیال تک میں نہ آسکیں! چنانچہ امریکہ کے مشہور فوجی سرجن، ہاروی کشنگ کا بیان اسی سلسلہ میں چھپا ہے، کہ فرانس کے میدان جنگ میں آکر ہزارہا سر کی جراحتیں ایسی دیکھیں، جو کبھی اس سے قبل علم میں نہ آئی تھیں! —— اس سفاکی، اس درندگی کا نام جس نے شیر اور چیتے اور ریچھ اور بھیڑیے کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے، آپ کی اصطلاح میں سائنس کی ترقی، اور تہذیب کی ترقی ہے؟

نیا سنگار دان!

تخمینہ شائع ہوا ہے، کہ پچھلے سال یعنی ۲۸ء میں امریکہ کی خواتین نے غازہ وغیرہ چہرہ کی زیبائش اور سنگار کے سامان میں ۵ کروڑ پونڈ صرف کیے یعنی ۶۶،۶۰ کرور روپیہ! (اسٹیٹسمین، ۵ نومبر ۲۹ء) یہ بھی چھپا ہے کہ برطانیہ میں اس زنانہ سامان آرایش پر جو نیا ٹیکس تجویز ہوا ہے، اُس سے اب سرکاری آمدنی ۶۰ لاکھ پونڈ سالانہ (تقریباً آٹھ، سوا آٹھ کرور روپیہ) ہوا کریگی! (ایضاً)

آزاد، ترقی پسند، روشن خیال عورت کے مصارف آپ نے دیکھ لیے! صرف سنگار دان کا خرچ کروڑوں روپیہ اور سنگار بھی صرف چہرہ کا! اسی پر قیاس دوسرے مصارف کا کر لیجیے۔ اسی سادہ "زندگی کی طرف دعوت آپ کی بہنوں، بیٹیوں، اور بیویوں کو "آزادی" "ترقی پسندی" "روشن خیالی" "مساوات" اور خدا معلوم اور کن کن ناموں سے دی جا رہی ہے!

خطبۂ نکاح

[جو مدیر صدق کی لڑکی کے عقد کے موقع پر، شنبہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۲ شعبان ۱۳۵۸ھ کو، ایک مختصر مجمع کے سامنے پڑھا گیا]

الحمد للہ الذی نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا - من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ - و اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ -

---

دنیا ہے اور چھٹی صدی عیسوی کے ثلث آخر کی دنیا - عالم انسانیت جہل اور نادانیوں میں گرفتار، اور فضائے کائنات شرک اور وہم پرستیوں سے تیرہ و تار - رحمت حق کو حرکت ہوتی ہے، اور حرا کے خلوت نشیں کے لوح قلب پر عالم قدس سے نشر شروع ہوتا ہے - وحی الٰہی وہ شے ہے، کہ اسکی ہیبت، انسان ضعیف البنیان الگ رہا، پہاڑ تک کو جگہ سے ہلا دے، پتھر اور لوہے کو پگھلا دے، صاحب وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمت کے پہلوان، تحمل کے مرد میدان، لیکن بہرحال انسان - وحی اول کے تجربہ، اور فرشتہ سے پہلے پہل سابقہ کے بعد، جب کاشانۂ مبارک کو تشریف لاتے ہیں، تو اس حال میں کہ قلب انور ہیبت وحی سے قدرۃً گرانبار، اور جسم اقدس پر خشیت کے سارے آثار - تسکین و تشفی عین اُس وقت جو دیتی ہے، اور پیشانی مبارک سے اندیشہ کا پسینہ جو پونچھتی ہے، آپ کو یاد ہے، کہ وہ کون سی ہستی تھی ——— رفیقۂ زندگی شریک شادی و غم، مونس راحت و الم، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ... عورت کی قدر، اسلام کی تاریخ میں آپ نے دیکھی؟ بیوی کا مرتبہ، رسولؐ کے امین آپ نے سمجھا؟ ہے کوئی اسکے مقابل کی چیز عورت کے لفظی ہمدردوں کے دفتر عمل میں؟ نسائیت کے رجز خوانوں کے نعرہائے بے محل میں؟

رسول اکرمؐ دنیا سے تشریف لیے جا رہے ہیں - عالم ناسوت میں یہ شمع جمال ہمیشہ کے لیے گُل ہونے کو ہے - امت پر اس سے بڑھ کر قیامت خیز گھڑی، قیامت تک اور کون آسکتی ہے؟ صحابۂ کرام، ایک سے ایک بڑھکر شیدائے رسول انامؐ، صدہا کی تعداد میں موجود - لیکن تاریخ و سیرت کی زبان سے شہادت لیجیے، کہ عین مفارقت روح کے وقت، اور اسکے قبل بھی سر مبارک کس کے زانو پر ہے؟ عین لقائے حق کے وقت، کس خوش نصیب کے نصیب میں ہے، کہ جسد اقدس کے سہارے اور تکیہ کا کام دے؟ ابوبکرؓ کے نہ عمرؓ کے، عثمانؓ کے نہ علیؓ کے، جاں باز رفیقوں کے نہ محبوب عزیزوں کے، بلکہ شریک حیات، سرآمد ازواج مطہرات، عائشہ صدیقہؓ کے ——— یہ ہے دنیا کے بڑے مصلح، معلم و ہادی کی زندگی میں سبق بیوی کی منزلت و مرتبہ سے متعلق - ہاں وہی بیوی جسکے لیے ہم نے بیگانوں کی لغت سے الفاظ سیکھ رکھے ہیں! باندی اور کنیز، اور لونڈی کے! یہ ہے ایک جھلک اُس معاہدۂ اخلاص و وفا کے احترام کی، جو اللہ کے بندوں اور بندیوں کے درمیان، اُس وقت سے اب تک کروڑوں اور اربوں بار منعقد ہو چکا ہے، اور ابھی چند منٹ میں، اس محفل میں ایک بار پھر منعقد ہونے والا ہے:

جنت الٰہی ہے اور اُس کی ہی دل آویزیاں - ملائکہ قدس ہیں اور انکی ہی زمزمہ سنجیاں، باغ بہشت کا چپہ چپہ انوار الٰہی سے معمور، الطاف کبریائی کا قدم قدم پر ظہور، تخلیق ابو البشرؑ کی ہوتی ہے، تشریف آوری رونق بزم کائنات، حضرت خلیفۃ اللہ کی ہوتی ہے - آپ آتے ہیں - جنت میں کس لطف و مسرت کی کمی؟ ہر سو نعمتوں کی بارش، ہر طرف انوار کی تابش، اس پر بھی اپنے دل کا ایک گوشہ خالی پاتے ہیں - محسوس ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اب بھی کوئی خلا ہے - اتمام نعمت کے لیے یہ نہیں ہوتا کہ جنت کی لذات مادی میں کچھ بڑھا دیا جائے، سرور روحانی کے سامان میں کچھ اضافہ کر دیا جائے بلکہ تخلیق ہوتی ہے آدم ہی سے ملتی جلتی، لیکن پھر بھی اُس سے ذرا الگ، ایک اور مخلوق کی، خلق منہا زوجہا - آدم کا دل تسکین اب جا کر پاتا ہے، تکمیل اپنے وجود کی اب محسوس کرتا ہے، لیسکن الیہا - سوچیے اور پھر سوچیے، جنت میں کمی ہو کس چیز کی سکتی تھی؟ ہر ممکن لذت خدمت کو حاضر، ہر ممکن مسرت چاکری کو کمر بستہ - لیکن نوازشوں اور بخششوں کی تکمیل جبھی جا کر ہوئی، آدم کے حق میں جنت جبھی حقیقی معنی میں جنت ثابت ہوئی، جب مرد کے لیے عورت، شوہر کے لیے بیوی، وجود میں آئی! ——— آدمزاد آج آج اس دنیا میں اپنی آرزوؤں کی جنت کی تعمیر کس چیز سے کرنا چاہتا ہے؟ مال و دولت ہو، جاہ و حکومت ہو، زہد و عبادت ہو، جو کچھ بھی انسان کو دل و جان سے مرغوب و مقصود ہوتا ہے، جس مقصود کے پیچھے بھی پھیر میں رات دن ایک کرتا رہتا ہے، غور کرکے دیکھیے، ان سب کے عقب میں، ان سب کی تہ میں آخری چیز کیا ہوتی ہے؟ یہی نہ کہ دل کو جمعیت اور طبیعت کو سکون و تسلی حاصل ہو؟ لیکن یہی مقصود تو عورت کی بھی تخلیق سے ہے - خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا ——— گویا ایک طرف نسائیت (Feminism) کی پکار ہے، کہ عورت، ہر شعبۂ زندگی میں مرد کی حریف ہے، رقیب ہے - مرد اگر سیکڑوں فٹ کی بلندی سے، طیارہ سے چھلانگ مارتا ہے، تو عورت اس سے بڑھ کر چھلانگ مارنے کا حق لیکر رہیگی - مرد اگر کشتی لڑتا ہے، تو عورت بھی کشتی میں نام پیدا کریگی - اور دوسری طرف اسلام کا معیار ہے، کہ عورت مرد کی حریف نہیں، اُسکے لیے سرمایۂ راحت ہے، اور مایۂ تسکین - اُسکی متمم ہے، یعنی اس کی پوری کرنے والی، اُسکی مکمل ہے یعنی اُسکی زندگی کی تکمیل کرنے والی!

یایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون - یایہا الذین آمنوا اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساءً، واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیباً - یایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً -

---

بچہ پل کر اور بڑھ کر جوان ہوا، اور جسے کل اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھایا جا رہا تھا، آج وہ اس قابل ہو گیا کہ چلے، دوڑے - اور خود ہی نہیں، دوسروں کو بھی اپنے ساتھ چلا لے - پڑھ لکھ کر ہوشیار ہوا، اور اس لائق، کہ نہ صرف اپنی ذمہ داری اپنے سر لے، بلکہ قول دے دوسروں کی کفالت کا، حفاظت کا، ذمہ داری کا، خبر گیری کا، سرپرستی کا ——— رخصت، بچپن کی بے فکرانہ اور معصومیت کی تاریخ! الوداع ایام ...

اور جو کل تک گھر کی چہکتی مینا تھی، وہ مطالبہ کرنے لگی باپ سے اپنے حق کا۔ مطالبہ اپنی زبان سے نہیں، جس پر قفل شرم و حیا کے چڑھے ہوئے اور پردے ادب و لحاظ کے پڑے ہوئے ہیں۔ مطالبہ اُس کی زبان سے جو بڑوں اور چھوٹوں سب کی رہنمائی کے لیے آیا، جس نے ایک ایک کو اُسکا فرض یاد دلایا، ایک ایک کو اُسکا حق بتایا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

النکاح من سنتی | نکاح تو میرا طریقہ ہے، میرا لایا ہوا دین ہے، اور میرا پھیلایا ہوا آئین۔ نہ ہو کہ اسے کوئی فضول و لایعنی رسم سمجھ بیٹھو یا خواہ مخواہ کی قید۔ دنیا شروع سے بار بار غلط تجربہ کرتی آئی ہے، اور آئندہ بھی کرتی رہیگی۔ کبھی نفس و ازدواج پرستی کے چنگل میں پھنسا ہوا، کبھی رہبانیت کی طرف لے جایا گیا، اور کبھی الحاد و مادہ پرستی کی دلدل میں دھنسا ہوا free love اور بیہودہ نفس کے رُخ پر چلایا گیا۔ دنیا کے لئے یہی صحیح قانون دینے میں آیا ہوں، میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ سارے راستے ہیں جہل و نادانی کے، بدنظمی و فتنہ سامانی کے۔ اور صحیح راستہ وہی ہے جو جماعت کے لیے، اور فرد کے لیے، عورت کے لیے اور مرد کے لیے، صحت کے لیے اور عافیت کے لیے، عصمت کے لیے اور عاقبت کے لیے، جو میرا بنایا ہوا، میرا سمجھایا ہوا، میرا برتا ہوا، میرا چلایا ہوا ہے!

فمن رغب عن سنتی | اب اس پر بھی جو بدنصیب میرا طریق چھوڑ ادھر اُدھر بھٹکتا ہے اور حکیم حاذق کے مطب سے منہ موڑ چوراہے کے کسی عطائی، اشتہاری، دوا فروش کا دامن پکڑتا ہے، وہ جان لے اور یقین رکھے کہ

فلیس منی | وہ میرا ہرگز نہیں، میں اُسکی شامت اعمال سے بری، سب وہ جانے اور اُس کی کج روی!

باپ کی امانت کا زمانہ ختم ہوا۔ جس موم کی پتلی کو بچپن سے آج تک آنکھ کی پتلی بنا کر رکھا، پالا، پڑھایا، لکھایا، سکھایا، کھلایا، برسوں جس سے دل نے سرور حاصل کیا اور آنکھوں نے نور، جب وہ کسی قابل ہوئی، جب وہ خود اس لایق ہوئی کہ خدمت کر سکے، اپنے ہزار سلیقہ کی شمع سے اندھیرے گھر کو اُجالا بنا دے، تو حکم ملتا ہے کہ وداع کر دو اسے! منتقل کر دو امانت کو دوسرے کے ہاتھ میں! آج سے اُسکی نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان، نئی زندگی اور نیا سامان!

کہتے ہیں، آج سے پانچ ہزار سال قبل، ایک باپ، بہت بوڑھے باپ کو حکم ملا تھا، کہ ذبح کر ڈالو اپنے جگرپارہ کو اپنے ہاتھ سے! لڑکی کو نہیں، لڑکے کو، دم چھیتے بچے کو نہیں، اچھے بھلے پلے پلائے، دوڑنے پھرنے والے، باپ کا ہاتھ بٹانے والے لڑکے کو! اللہ اللہ! جہاں یہ معاملہ اپنے دوستوں اور شیدائیوں کے ساتھ ہو، وہاں نام کے کلمہ گو کس شمار و قطار میں؟ دیار الفت کے اسی میدان میں جسم تو حسینؓ ابن علیؓ اور اُنکے رفقاء کے، خاک و خون میں تڑپتے ہیں، اور شہادتگاہ امتحان میں سر عثمانؓ و علیؓ کے نذر ہوتے رہتے ہیں ؎

بزم تیرا شمع [illegible] ہوتا ہے اب
ساز تیرا زخمۂ دم [illegible] کربلا!

حکم وہی ملت ابراہیمی کے ہر پیرو کو ملتا ہے، کہ جس کسی کے بھی لڑکی ہو، آزمائش کی اسی راہ سے گزرے، اور جس کے دس بیٹیاں ہوں تو دس بار اس امتحان سے دوچار

اُترے! فخر آباء و اجداد اور ہم سب کے آقا و سردار تین صاحبزادیاں رکھتے تھے، تینوں کو اسی طرح بیاہا، رخصت کیا، اپنے ہاتھوں دوسروں کو سونپا۔ رقیہ بیاہ کر گئیں (رضی اللہ عنہا) ام کلثوم گھر سے وداع ہوئیں (رضی اللہ عنہا) اللہ کے پیارے کی پیاری، فاطمۂ زہرا، کاشانۂ نبوت چھوڑ دوسرے کے گھر جا بسیں (رضی اللہ عنہا)۔

اللہ اکبر! بندہ نواز کے اِن بے حساب طریقے ہیں بندوں کے نوازنے کے، اور بیشمار راستے ہیں بندیوں کے سرفراز کرنے کے! ابراہیم خاک کے پتلے، گوشت پوست کے بنے ہوئے بندے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) انھیں اپنا دوست کہکر پکارا، اور خلیل کے لقب سے بڑھایا، چڑھایا۔ اللہ اللہ! کیا کیا بندہ نوازیاں ہیں، اور کیسی کیسی سرفرازیاں؟ جسے بڑھانا چاہیں یوں خاک سے پاک بنا دیتے ہیں، اور جسے اُٹھانا چاہیں یوں فرش سے عرش پر پہونچا دیتے ہیں! اور پھر صلہ و انعام کو جب عام کرنے، اور بخشش کو وقف دو جہاں کر دینے پر آئے، تو جو امتحان اپنے خلیل کا اُن کے ظرف و ہمت کی مناسبت سے لیا، اُسکا ایک ہلکا سا خواب، ملت ابراہیمی میں ہر بیٹی کے باپ کو دکھا، اُس میں مناسبت مرتبۂ خلیلؑ سے پیدا کر دیتے ہیں! مقصود تو خود ہی لطف و نوازش کرنی ہے، اور شان کریمی کی جھلک دکھانی، اور اسکے لیے بہانے کیسے کیسے مہیا کر دیے ہیں، ایک ہی وقت میں لطیف بھی اور دلگداز بھی، ایک ہی ساتھ پُر درد بھی اور دلنواز بھی!

مبارکباد کا وقت وہ نہیں ہوتا، جب امتحان کے کمرہ میں لڑکوں کے ہاتھ میں پرچہ آتا ہے۔ مبارکباد اُسوقت دی جاتی ہے، جب کامیابی کا گزٹ چھپ جاتا ہے۔ مسافر کا سفر کامیاب اُسوقت نہیں کہا جا سکتا، جب وہ ٹکٹ لے کر درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ کامیاب اُسوقت کہا جائیگا جب وہ سارے درمیانی اسٹیشنوں سے گزرتا ہوا، سڑکوں اور پلوں کو عبور کرتا ہوا، سارے مرحلوں کو طے کرتا ہوا، منزل مقصود تک بہ خیریت و بعافیت پہونچ جائے۔ محفل کا نوشہ اور سیج پر کی لڑکی، دونوں سن لیں، کہ آج کی گھڑی، عملی زندگی کے بڑے اور کڑے امتحان میں داخلہ کی ہے، ایک عظیم الشان و پرپیچ سفر حیات کے آغاز کی ہے۔ وقت نہیں ہے غفلت کے شادیانوں کا، ہنگام نہیں ہے مدہوشی کے ترانوں کا۔ یہ گھڑی ہے احساس ذمہ داری کی پوری بیداری کی۔ اور یہی راز ہے اسکا کہ نکاح کا زمانہ بلوغ کے بعد ٹھہرایا گیا ہے، اور رضامندی شرط بالغ ہی کی مانی گئی ہے، کہ خود بلوغ کے معنی ہی یہ ہیں، کہ روح بھی اور جسم بھی اور قلب بھی، ایک عظیم الشان ذمہ داری کا بار اُٹھانے کو تیار ہو گئے!

اچھی بیوی اور اچھی عورت وہ نہیں، جو بے جھجک مردوں سے ملے اور بے جھجک ہال میں رقص کرے۔ بیشک شرک کے مذہبوں اور جاہلیت کی تہذیبوں نے معیار اسی کو ٹھہرایا ہے، اور آج سحر فرنگ سے مرعوب "متجددہ" بھی اسی پر ریجھا ہوا ہے۔ لیکن دنیا کے سب سے بڑے معلم کے بتائے ہوئے دین فطرت اور پھیلائے ہوئے آئین حکمت میں گنجایش [illegible] بیباکیوں، آوارگیوں کی کہاں؟ یہاں تو نکاح بجائے خود ایک قید ہے اور اپنے ساتھ بہت سی قیدیں رکھتا ہے ذمہ داریوں کی، بہت سی پابندیاں [illegible] بس سن لے مسلمان لڑکی کہ زمانہ بے فکریوں کا ختم ہوا اور [illegible]

اور پابندیوں کا، نئی قیدوں اور ذمہ داریوں کا! اب تک سہیلیوں کے ساتھ کھیل کھیلی، بہنوں کے ساتھ ہنسی بولی، ہمجولیوں کے ساتھ جھولا جھولی، اب کل سے زندگی وقف ہوگی دوسروں کی خدمت کے لیے، نہ کھانا اپنے لیے ہوگا نہ پہننا اپنے لیے، نہ اپنے وقت سونا نہ اپنے وقت جاگنا۔ خود بعد کو کھائیگی، پہلے دوسروں کو کھلائیگی۔ بیشک بنیگی اور سنوریگی، مگر اس لیے کہ شوہر کو بھلی لگے، اپنے کو سنواریگی، نکھاریگی، مگر اس لیے کہ شوہر کی نظر میں جچے۔ راتوں پر راتیں جاگیگی، ٹہل ٹہل کر کاٹیگی، اس لیے کہ نئی نسل کو بڑھائے، پھیلائے، صحت و زندگی کی شاہراہ پر چلائے، دوسروں کی سیرت کی تشکیل کرے، انکی نشو و نما کی تکمیل کرے! منزل بیشک کڑی ہے، اور ذمہ داریاں سخت، لیکن جو اسکو نباہ لے گئی، اور شوہر کا دل ہاتھ میں لیے دنیا سے اٹھی، بشارت ہے اسکے لیے دنیا کے سب سے بڑے راستباز کے کلام میں، کہ اسکے اور جنت کے درمیان کوئی روک نہیں!—

یہ آخری منزل نظر کے سامنے ہو، اور یہ دستور العمل ہاتھ میں، تو صحرائے ہستی کا ہر ذرہ ان شاء اللہ پھول بن کر کھلے گا، اور راہ کا ہر پتھر پانی ہوکر بہیگا!

جی میں تھا کہ آج امانت کا چارج نئے امین کو دیتے وقت، ذمہ داریوں کا نقش اسکے دل کی گہرائیوں میں بٹھلانے، اور فرائض کی فہرست ایک ایک کرکے اسے سنائے، پر آہ، کہ اسکی ہمت کہاں سے لائے!

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا!

آخر ایک دن وہ بھی تھا، کہ جو آج کی محفل میں باپ کی حیثیت سے ہے، خود بزم میں نوشہ کی حیثیت سے تھا۔ اور کسی اور کی امانت کو۔ اسکی اہمیت محسوس کیے بغیر، ذمہ داری کا بوجھ محسوس کیے بغیر، اس ہلکے پھلکے دل کے ساتھ قبول کر رہا تھا، کہ گویا ایجاب و قبول ایک کھیل تماشہ ہے! انہ کان ظلوماً جہولاً، ظلوم اور جہول بیشک اپنے اصلی معنی میں!

کنعان کے پیر دانا کا قصہ ہے، کہ اپنے نور نظر یوسفؑ کو بچانے کی کیسی کیسی کوششیں کرڈالیں، لیکن اور تو اور، خود اپنے بیٹوں سے پیش نہ گئی! پھر ایک جگر کا ٹکڑا ہی جا چکا تھا، اور بیٹے کے غم میں بصارت تک کھو بیٹھے تھے، دوسرے لخت جگر ابن یامین کی حفاظت کے لیے احتیاط کی نگاہ نے یہاں تک سمجھا دیا، کہ مصر کے شہر میں سب بیٹے داخل ہوں، تو ایک ساتھ ایک دروازہ سے نہ داخل ہوں! پھر یہ ساری عقل آزمائیاں اور مصلحت بینیاں کچھ بھی چلیں؟ کہاں بندۂ بے بس کی تجویز و تدبیر اور کہاں حکیم مطلق کی مشیت تکوینی و تقدیر! لیکن دیکھیے گا، عارفوں کے سردار کی، زبان سے اس لمحہ بھی سچائی کس قیامت کی ادا ہوتی ہے۔ وما اغنی عنکم من اللہ من شئ ان الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون۔ روتے جاتے ہیں، لرزتے جاتے ہیں، اور زبان سے کہتے جاتے ہیں کہ میری تجویزوں اور تدبیروں سے ہوتا کیا ہے، مجھ ناچیز کی کوئی احتیاط مشیت تکوینی کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ ہوگا تو وہی، جو تیرا نہیں، میرے پروردگار کا چاہا ہوگا، وہی حاکم ہیں، وہی مالک ہیں، وہی متصرف ہیں، تکیہ اور بھروسہ صرف انھیں کی ذات پر ہے!

گنہگار باپ کی معصوم لڑکی! سپرد کیا تجھے اُس حافظ برحق و ناصر مطلق کے، جسنے حفاظت کی یوسفؑ کی، کنوئیں کے اندھیروں میں، اور بن یامین کی پردیس کے خطروں میں، جب ایک بزرگ پیغمبر تک بے بس ثابت ہوچکے تھے! وہی تیرا محافظ ہے، زندگی کی ہر شکل میں، سفر حیات کی ہر منزل میں، آج بھی صبح زندگی کی کرن پھوٹتے وقت، اور کل بھی شام زندگی کی شفق پھولنے کے وقت! اسوقت بھی جبکہ تیرے سر پر ہاتھ رکھنے والے بڑے، اور ان بڑوں کے بڑے زندہ و سلامت ہیں، اور اسوقت بھی جبکہ خود تیرا شمار ہو گھر کی بوڑھیوں میں، گھرانے کی نانیوں اور دادیوں میں، اور لڑکپن کی تازگی کی جگہ لے چکیں، لٹوں کی سفیدیاں اور چہرے کی جھریاں، اور آج کے دعاگو خطبہ نویس کی ہڈیاں تک خاک میں مل کر خاک ہوچکی ہوں!

(۲)

مرد و عورت کی تفریق انسان ہی میں نہیں، نر و مادہ کا اختلاف تو حیوانات میں بھی ہے، بلکہ نباتات تک میں ثابت ہوچکا ہے۔ اب اگر دونوں صنفیں ہر جہت سے یکساں ہیں، تو اس تقسیم و تفریق کی ضرورت ہی سرے سے کیا تھی؟ اور اگر بالکل ہی مختلف ہیں، تو ایک ہی مخلوق کی دو قسمیں کیوں قرار پائیں؟ غیر فطری مذہبوں اور جاہلی تمدنوں کو ٹھوکر یہیں آکر لگی ہے، عقل کم اندیش آخر کہاں تک پہنچتی، اور نفس کے کن کن دعووں سے بچتی؟ دین فطرت نے رہنمائی آکر کی کہ بہ حیثیت انسان دونوں بالکل ایک، حقوق بشری کے لحاظ سے دونوں میں سر مو فرق نہیں۔ بھوک، پیاس، گرمی، سردی، سختی، نرمی، رنج، خوشی کا احساس اسکو بھی، اسکو بھی۔ چوٹ لگیگی تو جسم اسکا بھی دکھیگا، اسکا بھی۔ دل کو دھکا پہونچیگا، تو غیرت و خودداری اسکی بھی تڑپ اٹھیگی، اسکی بھی۔ ان تمام حیثیتوں سے یکساں ہیں آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں، اور بھائی اور بہن سب یکساں، اور اسی طرف اشارہ ہے ادائے حقوق کے باب میں ولہن مثل الذی علیہن کا کلام کی بلاغت و معنویت پر غور ہو۔ ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ دونوں کی صلاحیتیں ایک ہیں، دونوں کی قوتیں ایک ہیں، دونوں کی ساخت جسمانی و ترکیب نفسی ایک ہے، بلکہ صرف یہ کہ دونوں کے **حقوق** ایک دوسرے پر یکساں ہیں!

لیکن جہاں سے صنفیت کے حدود شروع ہوئے، دو صنفوں کا مستقل وجود خود دلیل ہے اس امر کی، کہ دونوں کی قوتیں الگ، صلاحیتیں مختلف، اور دائرۂ عمل علیحدہ۔ نظام صنفی، نظام حیاتی کا ایک جزو غیر منفک ہے، اور جب ایک کا دوسرے سے مستقل طور پر الگ ہے، تو اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ اختلاف اثر انداز ہو رہا ہے، نظام شعوری، نظام فکری، نظام حسی، نظام عضوی، نظام معاشرتی سب پر، اور کارخانۂ عالم میں دونوں کے حدود جداگانہ ہیں ——— یقیناً ایک دوسرے کے متمم و مکمل، معین و معاون۔ لیکن بہرحال ایک دوسرے سے مختلف و متباین ——— ٹیم میں جیت کی کوشش میں شریک سب ہوتے ہیں، لیکن فیلڈ میں پوزیشن ہر کھلاڑی کی جداگانہ، مقام ہر کھیلنے والے کا متعین اور دوسروں سے الگ۔ اب اگر فٹ بال میں گول کیپر کہے، کہ میں کیوں سب سے پیچھے اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوں، درانحالیکہ میرے ساتھی دوڑتے جھپٹتے جاتے ہیں، اور فارورڈ والے یہ کہنے لگیں، کہ دوڑ کی ساری محنت ہمیں گوارا کریں، درانحالیکہ بیک والے پیچھے آرام سے کھڑے ہیں، تو فرمائیے، اس ٹیم کا کیا حشر ہوکر رہیگا؟———

اللہ بہتر جانتا ہے کہ آج عورت کے جو نادان دوست اسکے حجاب کو اسکی پستی اور "غلامی" پر بطور دلیل لا رہے ہیں، اور اسکی خانہ داری کی زندگی کا مرقع اس بھیانک شکل میں پیش کر رہے ہیں، کہ گویا اسکے حق میں وہ ایک عذاب ہے، ٹھیک اسی قسم کے انتشار ذہنی میں مبتلا، دوسروں میں بھی "انارکی" پھیلا رہے ہیں، اور ٹیم کا دشمن خود ٹیم والوں کو بنا رہے ہیں!

ٹیم کے اندر اعلیٰ داد دی گیا، اور رمز و حجر کے کیا معنی؟ لیکن انتظامی ضروریات کے لیے، مرکزیت پیدا کرنے کے سبب Dead lock دور کرنے کے لیے، ٹیم کا ایک کپتان ضرور ہوگا۔ پھر کیا ٹیم کے دوسرے کھلاڑی کپتان کے "غلام" ہوتے ہیں؟ ہماری شریعت نے تو اس مرکزیت کی یہاں تک تاکید رکھی ہے، کہ اگر دو مسافر سفر میں ہوں، تو ایک کو امیر سفر بنا لیا جائے۔ ہر شخص کی خانگی زندگی اپنی جگہ ایک ننھی سی سلطنت ہوتی ہے۔ بجٹ کیونکر بنایا جائے، آمد و خرچ میں توازن کیسے قائم رہے، خوراک کا کیا بندوبست ہو، مسکن و لباس کے مسئلہ کس طرح حل ہوں، بیماروں کے علاج کی کیا صورت ہو، لڑکوں کی تعلیم و تربیت کس راہ پر لگے، وغیرہ ۔ یہ سارے اور جس طرح بڑے سے بڑے سلطنت کے سوچنے، سمجھنے اور طے کرنے کے ہوتے ہیں، اسی طرح وہ بہت ہی چھوٹے پیمانہ پر سہی، ہر میاں، بیوی کے لیے قابل غور رہتے ہیں۔ ان میں ایک جزو کا مالک، مثلاً مرد ہوتا ہے، اور دوسرے کی کنجی بیوی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کما کر مرد لائیگا، کمائی کو سلیقہ کے ساتھ ٹھکانے عورت لگائیگی۔ زمین میں غلہ مرد بونے گا، گوندھے گا، ہوٹلے گا، ابل جائیگا۔ عورت اس غلہ کو پکپکی سپیسے گی، گوندھیگی، روٹی پکائیگی۔ مریض بچوں کو لیکر ڈاکٹر کے پاس باپ جائیگا، دوا ماں پلائیگی، ہاتھ پیر وہ سہلائیگی۔ غرض جہاں تک اندر کی زندگی کا تعلق ہے، عورت اپنی اس چھوٹی سی سلطنت کی رانی یا ملکہ ہوتی ہے۔ اسلام نے اسکو یہی مرتبہ بخشا ہے، اور اسی کو کسی کی زبان حکمت ترجمان سے یوں ادا کرایا ہے، کہ

الدنیا کلھا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، فصل اول)	اس دار دنیا بازار ہیں بہترین جنس اچھی اور پاک بیوی ہے۔

اور پھر مرد ٹیم کا کپتان سہی (وللرجال علیھن درجۃ) اور گھر کی سلطنت کا افسر سہی (الرجال قوامون علی النساء) لیکن آدمزاد کی قوت جسمانی اور دماغی کے مقابلہ میں جو آزادی کے پاس کم از کم ایک روشن پہلو مسلسل صبر و تحمل اور ایثار و جاں سپاری کا ہے، جس نے ان کا درجہ باپ سے کچھ اونچا ہی کر دکھایا ہے، ہم میں کون ایسا ہے، جسے سخت سے سخت مشقتوں کے باوجود، مسلسل نو نو مہینے تک اپنے بطن کے اندر رکھے ہوئے اسکی ماں ہنسی خوشی پھرتی رہی ہے؟ ڈیڑھ ڈیڑھ اور دو دو برس تک رضاعت نہیں کی ہے؟ پرورش کی دیکھ بھال، حفاظت و کفالت، اپنے ذمہ نہیں لکھی ہے (حملتہ امہ وہناً علیٰ وہن و فصالہ فی عامین) اور پھر ان سب سے بھی دشوار تر اور اہم ترین کام، نومولود کی سیرت سازی، اور اسکی تربیت کی تشکیل اور تکمیل کس کے حصہ میں رہی ہے؟

تم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا!

دنیا کی عمر جب سے قائم ہے، اس مشکل ترین اور نازک ترین ذمہ داری کو آج تک عورت ہی نے جھیلا، نباہا، سنبھالا ہے۔ اور یہی راز ہے اسکا کہ جنت باپ کے نہیں، ماں کے قدموں کے نیچے ارشاد ہوئی ہے!

دو مسافر ہیں، جو ایک لمبا سفر ایک اجنبی ملک کا شروع کرنے والے ہیں، ایک ان میں سے ٹائم ٹیبل منگاتا، ٹکٹ خریدتا ہے۔ یہ اپنے مسافروں سے مل کر مسافت کا، جغرافیہ کا، موسم کا، آب و ہوا کا، طرز معاشرت کا، ایک ایک چیز کا حال پوچھ لیتا ہے، کرایہ کیا پڑیگا، راستہ کونسا اختیار کرنا ہوگا، زبان کی دقت کیسے حل ہوگی، وغیرہ وغیرہ ہر چیز جان لیتا ہے۔ دوسرے صاحب روانہ ہونے کے وقت، صاحب بغیر کسی سے مشورہ کئے اپنے عزم آزادی سفر

کی توہین سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں جب چاہونگا، جس سمت چاہونگا، جس سامان کے ساتھ، جس حال میں ہونگا، چل کھڑا ہونگا ——— عورت کے نادان دوست، جو آج نوجوان، کمسن، ناتجربہ کار لڑکوں لڑکیوں کے درمیان یہ پروپیگنڈا کرنے اٹھے ہیں، کہ جو جس سے چاہے، بلا والدین کی وساطت و مشاورت کے شادی رچالے، ٹھیک اسی قسم کی "آزادی" کے مبلغ ہیں۔ ان "خود پسندیدہ" شادیوں کے جو نتیجے فرنگیوں کے ملک میں نکل رہے ہیں، اور طلاق و تفریق کے جو جو نقشے وہاں کی عدالتوں اور اخبارات کے صفحات کی رونق بنے رہتے ہیں، انکے مختصر اعادہ کے لیے بھی اس کالم میں گنجائش کہاں سے نکالی جائے؟

یہ حقیقت صرف شریعت اسلام نے پیش نظر رکھی ہے کہ نکاح نام ہے حتی الامکان عمر بھر کے لیے ایک معاہدہ کا، ہر وقت کے، ہر قسم کے سابقہ کا۔ بچہ جس طرح ہمیشہ بچہ نہیں رہتا۔ نوجوان اسی طرح نوجوان بھی بنا نہیں رہتا۔ شادی کی رات بہرحال چند گھنٹے کی عمر لیکر آتی ہے، اور شادی کا دن بہرحال دن ہی بھر کا ہوتا ہے۔ ہر سن اور ہر دن نئے نئے مسائل سامنے لائیگا۔ اور خود نوجوانی میں بھی ایک ہی قسم کے نہیں، بیسیوں مختلف و متضاد جذبات سے دوچار ہونا پڑیگا، لازمی ہے کہ اپنی پسند و انتخاب کے ساتھ اپنے مخلص ترین و تجربہ کار بزرگوں کے مشوروں کو شریک رکھا جائے۔ اور یہی راز ہے ہماری شریعت میں نکاح کے لیے ولی کی اہمیت کا! آج جو شخص جوانی سے اترا ہوا، بوڑھاپے کی طرف جھکا ہوا دیکھا جا رہا ہے، آج نہ سہی، کل وہ بھی نوجوان ہی تھے، اور نو عمری کے جذبات سے پوری طرح لذت آشنا و سرشار۔ ع

گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پہ بھی ا

واقف اس کوچہ کے قدم قدم سے آگاہ، اس وادی کے ایک ایک پیچ و خم سے

معلوم ہیں مجھکو ترے احوال کہ میں بھی
مدت ہوئی گزرا تھا اسی راہگذر سے

دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے خطیب کا خطبۂ نکاح آپ نے ابتدا میں، عربی کی دو مختلف عبارتوں میں سن لیا۔ سن لیا آپ نے کیا پایا؟ سب سے پہلے حمد اسکی جو کیا، حمد والا ہے، ہر نعمت کا مبدا، ہر مسرت کا منتہی۔ پھر التجا اس سے دنیا میں اعانت کی، آخرت میں مغفرت کی۔ اور اسکی استدعا کہ بچائے رکھے ہمکو ہمارے نفس کے حملوں سے، گویا ایک صاف اشارہ ہے کہ اب جو نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، وہ شروع ہو نیت کی صفائی اور قلب کی پاکیزگی سے۔ اسکے بعد اس حقیقت کا اعتراف کہ تکوینی طور پر اسباب ہدایت و گمراہی سب اسی کے دست قدرت میں ہیں، اور اسکی یاد دہانی کہ ریان کی کشتی ہر وقت امید و بیم کے دو آبہ میں ہے۔ متصلاً بعد، کلمۂ شہادت، شہادت اسکی کہ احکام تو صرف وہ ہیں، جو اللہ کے نازل کیے ہوئے ہوں، نہ کہ ذہن انسانی کے تراشے ہوئے نظریے۔ اور پھر شہادت اسکی کہ احکام معتبر وہی ہیں جو رسول کی وساطت سے پہونچے ہیں۔ یہ دونوں شہادتیں گویا دنیا کے سامنے دلیرانہ اعلان ہیں اسکا کہ منکتیں اور صداقتیں جو کچھ بھی ہیں سب سمٹ سمٹا کر قانون اسلام کے اندر آگئی ہیں! تجدید ایمان کے اس درس کے بعد، اللہ کا بندہ اور پیغمبر اپنا کلام چھوڑ اپنے خالق کا کلام سنانے لگتا ہے، اور متفرق مقامات سے چار آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان چار مختصر آیتوں میں سے پانچ بار اللہ کی تکرار پانچ بار

[illegible] وا[illegible] کے نفیتا، سب سے مقدم اور سب سے [illegible] تقوی [illegible] یہ ہے - رسول اللہ صلعم دنیا کے لیے معلم ہوکر آئے تھے، مصلح ہوکر آئے تھے، نعوذ باللہ کوئی خبطی فلسفی، کوئی واہی ردماں [illegible] نہ تھے، [illegible] کی اور صرف حقائق کی دیے گئے، جانتے تھے کہ جس [illegible] روح جسیوں کا ساتھ اور سابقہ، سال کے ۳۶۵ تین سو پینسٹھوں دنوں اور دن کے چوبیسوں گھنٹوں کا ہے، لازمی ہے کہ [illegible] بھی پیش آتی ہیں اور کبھی کبھی ناچاقیاں بھی، کبھی بے اتفاقی کی [illegible] اپنا رنگ [illegible] انگی، اور کبھی غصہ و اشتعال کی گرماگرمیاں، کبھی [illegible] کبھی [illegible] کبھی مایوسیاں کبھی معذوریاں، کبھی بیماریوں کی [illegible] کبھی [illegible] - [illegible] ان سارے بڑے اور چھوٹے [illegible] خوشگوار [illegible] کے سامنے [illegible] ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز [illegible] ایک ہے، وہ [illegible] نام ہے خوف خدا یا تقوی [illegible] ایسی چیز ہے جو ہر معصیت سے بچائیگی، ہر لغزش کے [illegible] آئیگی - یہی معنی [illegible] قبول کے، اور یہی راز ہے خطبہ [illegible] آیات تقوے کی تکرار کا -

[illegible] کا اس [illegible] پر ہوتا ہے کہ [illegible]
ومن یطع اللہ ورسولہ فقد [illegible] فلاح کی راہ دکھانے والی روشنی تو صرف
[illegible] فوزا عظیما - اللہ و رسول کے قانون شریعت میں ہے، اور
[illegible] تو اسی کا حصہ ہے جو اطاعت اختیار کیے رہے [illegible] ہدایت نامی کی [illegible] دستور العمل کی [illegible] چھوڑ کر اپنی ہی جیسی محدود عقل و بینش رکھنے والوں کے نظریوں اور [illegible] کی ---- اور کامیابی بھی کیسی! مادی بھی اور روحانی بھی، دینی بھی اور دنیاوی بھی، اشخاص اور افراد کے لیے بھی، اور اقوام وجماعات کے لیے بھی [illegible] اسی ایک شاہراہ کے سوا ہر روش باطل، [illegible] ایران کا، یا [illegible] انگلستان کا، یا جرمنی اور امریکہ ذی شان کا!

نکاح، اسلام کی نظر میں ایک معاہدہ ہے، ایک طرف سے اطاعت کا، خدمت کا، دوسری طرف سے حفاظت کا، کفالت کا - اور دونوں طرف سے محبت کا، امانت کا، رفاقت کا - وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ - ایک نسبۃً ضعیف و نازک مخلوق زبان ہار رہی ہے کہ اپنے کو سپرد کر رہی ہوں دوسرے کے - دوسری نسبۃً قوی اور صاحب اقتدار ہستی قول دے رہی ہے کہ میں قبول کر رہا ہوں دوسرے کی ذمہ داری کو - اور دونوں اس قول و قرار پر گواہ ٹھہرا رہے ہیں، قطع نظر ان دو عاقل بالغ گواہوں کے جنکا تعلق صرف دنیا کے ضابطہ سے ہے، خود عالم الغیب والشہادۃ اور اسکی ساری غیبی و شہودی قوتوں کو - نہ ہوکہ عمر کے کسی مرحلہ میں، حیات منزلی کے کسی شعبے میں، غفلت کے کسی لمحہ میں نگاہ استقامت بھٹکے، قدم ثبات پھسلے - مرد چونکہ [illegible] ہے، قوام ہے، با اختیار زیادہ ہے، اس لیے قدرۃً خطاب، خطبہ بھر میں براہ راست مرد ہی سے ہے - اور حجۃ الوداع کے مشہور و معروف خطبہ میں، زبان نبوت نے مردوں سے خطاب کی صراحت کردی ہے،

اتقوا اللہ فی النساء [illegible] رہتے رہو اللہ سے عورتوں کے حقوق کے باب میں پرہیزگاری [illegible] اسی کو کی جاتی ہے، جس سے پرہیزی کا خطرہ ہی زیادہ ہوتا ہے، [illegible] حدود [illegible] کیے جاتے ہیں، جسے [illegible] کا اقتدار ہوتا ہے

حدیث کی ہر "کتاب النکاح" کے ماتحت [illegible] "عشرۃ النساء" کا [illegible] ملیگا، اور وہ [illegible] ہوگا بیوی کے ساتھ حسن سلوک [illegible] ملاطفت کی تفصیل و تاکید سے - یہ سب تفسیر ہے حکم قرآنی وعاشروہن بالمعروف کی - قول رسول پاکؐ کے کانوں سے لگاکر سنیے - تو [illegible] آواز سننے میں آئیگی کہ کھلانا پہنانا بیوی کو رتبے [illegible] - [illegible] نہیں، بلکہ [illegible] دلشکنی کی زبان [illegible] بڑھکر یہ کہ حق بجانب بیوی کا سارے برتاؤ میں، یعنی جو معاملات بھی ہوتے [illegible] طریقہ بہتر سے بہتر رہے، اور شستہ سے شستہ - [illegible] دیکھنے والے یہ سمجھیں [illegible] نہایت [illegible] کی جھولی نہایت [illegible] الدو [illegible] مر [illegible] کی کوشش یقینا کرو، لیکن [illegible] بھی لحاظ [illegible] نزاکت [illegible] کو اتنا نہ جھکاؤ کہ [illegible] - [illegible] یہ ارشاد ہوا ہے، کہ ایمان کامل ترین [illegible] ہے جو [illegible] اپنی عورتوں کے [illegible] دیکھنا چاہیے، تو [illegible] شفقت مرقع [illegible] دیکھ لیجیے [illegible] اپنے اہل سے ہنس بول رہے ہیں پوری بے تکلفی اور خوش طبعی کے ساتھ - [illegible] بیوی صاحبہ کبھی کوئی [illegible] بول اٹھتی ہیں، تو آپ صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں - جو بیوی صاحبہ کمسن ہیں، انکی رعایت سے آپ ان کے کھیل تماشہ، تفریح میں شرکت فرما رہے ہیں - یہاں تک کہ شب کو جب آپ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے لیے بستر مبارک سے اٹھ قبرستان کو جانا چاہتے ہیں، تو اٹھتے آہستہ سے ہیں، اور یہ سارا اہتمام آہستگی کا اسلیے [illegible] سونے والی بیوی صاحبہ کے آرام میں [illegible] ضرورت خلل نہ پڑے!

بچپن میں جب کسی کی شادی کا نام سننے میں آتا، تو ذہن اپنے سامنے کھیل تماشہ کی تصویر لا کھڑی کرتا - بچپن کا یہ خواب نوجوانی تک [illegible] گو شکل بدل گئی، نکاح کی حقیقت اب بھی مخفی رہی اور جب بڑے شاعر اور لباڑیے [illegible] نہیں، اصل حقائق کو مخفی سے مخفی تر بناتے گئے - جب خیال اپنی شادی کا آیا، تو اسکے معنی محدود رہے چند تفریحوں اور چند [illegible] دلچسپیوں تک - گویا ازدواجی زندگی سمٹ آئی تھی، بس عظیم الشان [illegible] اور [illegible] نہایت بیاہتوں کے ساتھ [illegible] چند [illegible] راگ رنگ کے چند گھنٹوں میں، ضیافت کے چند [illegible] عشرت کے چند زمزموں میں! ---- گویا سفر کا آغاز [illegible] تھا نفس سفر [illegible] سفر [illegible] اور بچہ کی پیدائش [illegible] کہیں سکے [illegible] جوانی کے بڑھاپے کے ہزارہا تغیرات کے، اور بیشمار انقلابات [illegible] - [illegible] بچپن کی نادانیاں، اور نوعمری کی خام خیالیاں! بات [illegible] واضح، لیکن اسوقت سمجھ میں نہ آنی تھی نہ آئی، کہ اکبر "آئے" [illegible] "کل" آنے والے ہیں نرم بھی اور گرم بھی، اور [illegible] کتنی صبحیں طلوع ہونے والی ہیں دلکش و رنگین بھی، [illegible] غمگین بھی - آنکھوں سے پردے رفتہ ہی رفتہ ہٹے - اور سوالات پیچیدہ سے پیچیدہ، [illegible] سے سنجیدہ، ہر قسم کے چھڑے - یہاں تک کہ نوجوانی کی برق پاشیاں [illegible] ہوئیں، پختہ عمری کی ٹھنڈی چاندنی چھٹکی، اور ترجمان حقیقت اقبال کا شعر قال نہیں، حال بنکر رہا -

میں نا اے سوختہ در گلو ، تو پرپدہ رنگ رسیدہ بو
نہ حکایت غم عاشقی ، تو حدیث ماتم دلبری

[illegible]

کی طرف اشارہ کر دیا، اور ہر مشکل کا حل نسخۂ تقویٰ الٰہی میں دیدیا۔ مرد وہ ہے جو یاد رکھے اِن سب موقعوں پر اپنی ذمہ داریوں کو، ذمہ داری کی گرانباریوں کو!

—— جذبات کی تیز و تند آندھی یقیناً گزر جانے والی ہے، اور اُسے گزر ہی جانا چاہیے، بغیر اسکے کہ گھروں میں آگ لگائے، بغیر اسکے کہ ہر سے بھرے گلشن کو جھلسا دے۔ لیکن طویل رفاقت سے جو مناسبت فریقین میں پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ مناسبت آہستہ آہستہ تبدیل ہو جاتی ہے موانست عام میں۔ اور اس اُنس و موانست اور محبت لطیف کی نسیم جاں فزا کی ہلکی ہلکی جنبش، زندگی کی آخری سانس تک کو لذیذ بنائے رکھتی ہے

طریق عشق و محبت، رہِ ہوا و ہوس
وہ راہبر کی ہدایت، یہ رہگذر کا فریب!

باپ کا سِن جب اتنا آ جاتا ہے، کہ اولاد جوان ہو کر شادی کے قابل ہو جائے، تو یقین کر لینا چاہیے کہ جو وقت دُور کبھی بھی نہ تھا، اب اور قریب آ لگا ہے۔ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں، اور ہم قدسیوں کے نسبی بزرگوں کی سنت چلی آ رہی ہے، کہ جب اُس نہ ٹلنے والے وقت کا قرب محسوس ہو جائے، تو وصیت کا کلمہ اپنی اولاد کو پہونچا دیا جائے۔ حاضرین بھی اس وصیت کو سُن لیں اور گواہ رہیں کہ جس بزم کا آغاز الحمدللہ سے ہوا تھا، اسکا اختتام تائید پر ہو رہا ہے۔ یہ وصیت کچھ لاکھوں چوٹی نہیں، دونوں کے پروردگار نے اپنے خلیل نبی کے واسطہ سے کلمتی کے چند لفظوں میں ہم تک پہونچا دی ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔

اے اللہ! آج تیرے ایک ناتوان بندہ اور ناتوان بندی کے درمیان تیرے ہی قانون کے ماتحت، تیرے ہی حکم و ہدایت کے مطابق، تیری ہی رضا کی خاطر، وہ رشتہ قائم ہو رہا ہے، جو آدمؑ و حوّاؑ سے لیکر اب تک تیرے بے شمار نیک بندوں اور نیک بندیوں کے درمیان قائم ہو چکا ہے۔ اے اللہ! ان سب کے طفیل میں ان دونوں کو بھی اس امتحان میں پورا اُتار، ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھ۔ انکے نفوس کو پاک کر دے، انکے قلوب کو اپنی محبت اور اپنی طاعت سے بھر دے! انکی دنیا سدھار دے، انکی عاقبت سنوار دے! انکی زندگیاں جو جڑی جا رہی ہیں تیرے نام کی برکت کا سہارا لیکر، قائم رکھ اس سہارے کو جب تک یہ تیری زمین پر جئیں، اور جب اس عالم سے اُٹھیں، اور جب دوبارہ تیرے حضور میں حاضر ہوں! دونوں گم کر دیں اپنی مرضی تیری مرضی میں، تو انکا ہو جا، اور یہ تیرے ہو جائیں۔ اے اللہ! محفوظ رکھ انکو اور انکی نسل کو سارے فتنوں سے عصر حاضر کے اور عصر مستقبل کے، خواہ وہ کیسے ہی خوشنما نقاب اپنے چہروں پر ڈال کر آئیں، کیسے ہی نظر فریب پردوں میں اپنے کو چھپائیں! اے اللہ! انکے نصیب پر سایہ ڈال دے اپنے خلیل ابراہیمؑ اور بی بی سارہؓ کا، اپنے اسمٰعیل ابن ابراہیمؑ اور بی بی ہاجرہؓ کا۔ انھیں نقش قدم پر چلا محمد رسول اللہ اور بی بی خدیجہؓ کے، محمد رسول اللہ اور بی بی عائشہؓ کے۔ باد سموم کی ہر لپٹ کو انکے حق میں نسیم سحر کا جھونکا بنا دے۔ آتش نمرود کے ہر شعلہ میں، انکے لیے گلزار خلیلؑ کے پھول کھلا دے! اپنے دین کی محبت انکے دلوں میں جما دے، اپنے دین کی خدمت کا ولولہ انکی روح میں بسا دے۔

اپنے دین کی نصرت کا جذبہ انکے اندر جگا دے! جب تک اس دنیا میں آباد رہیں، اسلام کے ہتھیاروں سے اپنے جسم کو سجائے ہوئے، اور جب تیرے حضور میں حاضر ہوں، تو ایمان کا طغرا پیشانی پر لگائے ہوئے! جب بُلایا تیرے یہاں سے آئے تو انکے دل تیری دید کی آرزو بسائے ہوئے، اور انکے چہرے تیرے شوق و اشتیاق کی چمک سے جگمگائے ہوئے! دُنیا غدار ہو جائے، اور یہ محمدؐ کے دین کے وفادار رہیں۔ زمانہ اپنے قول سے پھر جائے، اور یہ کلمۂ توحید پر اُستوار رہیں! ایک شرمندہ نہ کرے ایک دوسرے، شرمندہ نہ کرے اپنے سے، اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ سے! تیری مرضیات کی جنت انکے لیے ہو، اور یہ تیری جنت کے لیے۔ اپنے کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ، ہنستے ہوئے جلوؤں کے ساتھ، چمکتے ہوئے بشروں کے ساتھ، دمکتے ہوئے مکھڑوں کے ساتھ، اور انکے ساتھ ہم سب دعا گوؤں کے لیے بھی!

مسیح الملک لباس شعر میں

(بہ سلسلۂ صدق)

آخر عمر میں لباس زہد کی تعظیم و تکریم کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ انکے بعض آزاد خیال احباب اُنکو تقدیر پرست سمجھتے تھے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ اس طبقہ کی اکثریت کو بے ہنر سمجھتے تھے۔

ہنر عشق است و ایشاں را میسر نیست میدانش
مکن عیبم اگر من زاہداں را بے ہنر گفتم

اس گروہ کے بہت سے تماشے اُنھوں نے سیاسی میدان میں دیکھے اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس جماعت کی بے ہنری میں خود غرضی شریک ہے اور خواہش نام و نمود، جو اُنکو اکثر رسوا کرتی ہے۔

اُنکے ارادہ کی پختگی اور اُن کے عزائم کا استحکام انکی فطرت کی امتیازی خصوصیات تھیں جو ہمیشہ اُنکے قول و فعل سے ظاہر ہو جاتی تھیں۔ جس اصول کو صحیح سمجھ کر اختیار کر لیتے تھے اُسکو نظر انداز کر دینا انکی وضعداری کے خلاف تھا۔ احباب کے مشورے اکثر بے اثر ہوتے تھے

ناصحاں ہستند از کیفِ جنونم بے خبر
منع از عشقش جنونِ عشق افزاید مرا

سیاسی میدان میں جب اُنھوں نے قدم رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو احباب احباب و اعزا کی گزارشیں بے وقت اور بے اثر ثابت ہوئیں

پندِ ترکِ عشق از تو در من شد قبول
آں منی زیبد ترا و ایں نمی شاید مرا

وہ اپنی زندگی میں بہت قوی اجتہاد رکھتے تھے اور کوئی نہ تھا جو اُن کے اجتہاد کی قوت کو محسوس نہ کرتا ہو۔ اُنکا وجود اخلاقی اتنا وزن رکھتا تھا کہ بڑے بڑے زبان درازوں کی زبانیں بند ہو جاتی تھیں۔ سیاسی زندگی میں قدم رکھا تو شعر و شاعری بھی اُس رنگ سے محروم نہ رہی۔ اپنی قوم اور ملک اور خصوصاً عالم اسلام کے متعلق جو جوش اُنکی طبیعت میں تھا اُسکا صحیح اندازہ سوائے خاص خاص احباب کے کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔ پبلک کے سامنے اُنکی تقریروں اور تحریروں کا اعتدال اُنکے اندرونی جوش اصلاحی اور حمیت کا صحیح پرتو نہ تھا۔ مگر

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

بدکاری کا انسداد

(از مُلّا واحدی صاحب)

غالباً دُنیا کے ہر خطہ میں عورتوں کی بدکاری کو مردوں کی بدکاری کی نسبت زیادہ بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عورت کی ایک دفعہ کی بدکاری اور مرد کی ہزار دفعہ کی بدکاریاں برابر نہیں سمجھی جاتیں۔ عورت کی ایک دفعہ کی بدکاری اُس کی زندگی تباہ کر دیتی ہے مگر مرد بدکاریاں کرتا رہتا ہے اور اسکی عزت میں فرق نہیں آتا۔

بعض ملکوں میں بدکاری صرف عورتوں کے لیے عیب ہے اور مردوں کے لیے ہنر ہے۔ ایسے ملکوں میں مرد کی اس زیادتی کا یہ اثر پڑا ہے کہ وہاں بعض عورتیں مردوں سے بھی آگے بڑھ کر بدکاری پر آمادہ ہو گئیں۔ مرد پھر بدکاری کچھ نہ کچھ چھپا کر کرتا تھا، ان عورتوں نے منہ کی لوئی اُتار دی۔ یہ تو خانوں کے بجائے بالاخانوں پر بیٹھ گئیں، اور کھلم کھلا اعلان کرکے اور آواز لگا لگا کر بدکاری کرنے لگیں۔

اب مرد کو فکر ہے کہ اپنے تئیں نہیں، اپنے بیٹوں کو کسی طرح ان فاحشاؤں سے بچائے! بیٹوں کو بھی کیا اپنے کمائے ہوئے روپے کو جسے کمانے والا خود احتیاط سے خرچ کرتا ہے اور کمانے والے کا بیٹا بے دریغ لُٹا دیتا ہے۔ اور اب مرد چاہتا ہے کہ اسکی زیادتی کا ردِ عمل کسی دوسرے مرد کی بہو بیٹیاں کرتی ہیں تو کریں اُسکی اپنی بہو بیٹیاں محفوظ رہیں، اُسکی اپنی آبرو نہ بگڑنے پائے۔

آپ نے ہندوستان کے اکثر شہروں کے متعلق سنا ہوگا کہ وہاں کی میونسپلٹیاں فاحشہ عورتوں کو فلاں بازار سے نکالنا چاہتی ہیں اور فلاں بازار میں بھیجتی ہیں۔ ہندوستان میں آج سے تیس چالیس برس پہلے ایک شریف عورت بدکاری کو مرد کا حق خیال کرتی تھی۔ ائیں نہیں، بیویاں مردوں کی بدکاری سے واقف ہوتی تھیں اور تیوری پر بل نہ لاتی تھیں۔ "مرد کا کیا ہے" ۔۔۔ "عمر کا تقاضہ ہے" ۔۔۔ "عقل آئیگی سنبھل جائیگا" وغیرہ وغیرہ فقرے بولتی تھیں اور بیویاں ہنس ہنس کر ہمجولیوں سے کہتی تھیں "نوج، میرا شوہر کوئی بنیا تھوڑا ہی ہے؟" "خرچ کرنے کا عادی ہے۔ مجھے روٹی کپڑے سے محتاج نہیں رکھتا"۔

ہندوستان کی عورت نے دبتے دبتے اپنا آپ اتنا دبایا تھا کہ وہ بھول گئی تھی کہ اس میں روح کا ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن آج ہندوستان میں لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتی ہیں۔ آج ہندوستان کی لڑکی کے چہرہ سے گھونگھٹ اور نقاب ہٹ گئی۔ آج ہندوستان کی لڑکی کی آنکھیں بھی روشن ہو گئی ہیں اور دماغ بھی روشن ہو گیا ہے۔ آج ہندوستان کی لڑکی لڑکوں کے مانند سڑک پر آزادانہ پھرتی ہے اور لڑکوں کو بس [illegible] میں بڑا مانتی ہے اور باتوں میں نہیں۔ اس لیے آج مردوں کی کوشش ہے کہ فاحشہ عورتوں کو زیادہ آباد محلّوں سے اور زیادہ آباد بازاروں سے ہٹا دیا جائے اور اتنی دُور اور ایسی جگہ پھینکا جائے کہ لڑکے وہاں آسانی سے نہ پہونچ سکیں اور لڑکیاں تو جان نہ سکیں کہ دنیا میں ایسی عورتیں بھی موجود ہیں۔

مقصد فاحشہ عورتوں سے بدکاری چھڑانا نہیں ہے بلکہ اپنے چھوٹوں اور اپنی اولاد کو بدکاری کی ترغیب سے بچانا ہے۔

فاحشہ عورتوں کو یا فاحشہ عورتوں سے تعلق رکھنے کو تو necessary evil کہا جاتا ہے، یعنی یہ بُرائی ضرور ہے لیکن ضروری بُرائی ہے۔ اس بُرائی کے کرنے پر مرد مجبور ہے۔ مگر کون سا مرد؟ ذی اختیار مرد۔ ذی اختیار مردوں کے بیٹے نہیں اور بیٹیاں تو فرشتہ ہوتی ہیں۔ فاحشہ عورتوں کا وجود بھی رہے، ذی اختیار مرد اُن کی سرپرستی بھی کریں مگر ذی اختیار مردوں کے لیے، بے اختیار چھوٹوں اور بے اختیار بیٹوں بیٹیوں کو تعفن کی ہوا نہ لگے۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟

میرے ایک بزرگ بھائی قاری سرفراز حسین صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ وہ اودھ کے کسی تعلقہ دار کے ہاں بیٹھے تھے کہ یکایک ملازم نے سلام کرکے عرض کیا "حضور وہ بیٹھی ہے"۔ تعلقہ دار صاحب نے بہت غضبناک لہجہ میں چند گالیاں دے کر حکم فرمایا "نکال دو کمبخت کو چوٹیا پکڑ کر۔ خوب ذلیل کرکے"۔ قاری صاحب نے پوچھا "جناب کیا معاملہ ہے؟" تعلقہ دار نے اپنے بیٹے کا نام لیکر کہا "مردود کو بارہا منع کر چکا ہوں کہ فاحشہ عورتیں نہ بلائے، مگر نہیں مانتا۔ پٹے گا تب ٹھیک ہوگا" قاری صاحب بزرگ اور بیباک شخص تھے۔ مسکرا کر بولے "سرکار! وہ بی بی صاحبہ جو آپ کے حضور میں حاضر ہیں پہلے انھیں رخصت کیجیے، اسکے بغیر صاحبزادہ صاحب پر نصیحتیں کارگر نہیں ہونگی"۔

میں اُن تجویزوں کو پسند کرتا ہوں جو میونسپل کمیٹیاں کیا کرتی ہیں کہ فاحشہ عورتیں شہروں کے کونوں میں بھیج دی جائیں۔ مجھے دہلی میونسپلٹی کی اس خدمتِ خلق کا اعتراف ہے کہ اس نے اول سارے شہر کو فاحشہ عورتوں سے صاف کرکے چاوڑی بازار پہونچایا اور اب انھیں چاوڑی بازار سے ہٹا کر غیر آباد یا کم آباد مقامات میں بھیجا جا رہا ہے۔

شریف عورتوں اور فاحشہ عورتوں کا پڑوس اچھی بات نہیں تھی۔ شرافت اب اتنی کہاں ہے کہ تعفن کو مغلوب کرلے۔ یقیناً تعفن شرافت پر غالب آتا اور چاوڑی بازار جیسے گزرگاہ بازار کو بھی اب فاحشہ عورتوں سے خالی کرا لینا چاہیے۔

بہت سی تجارتوں کی یہ منڈی ہے۔ لڑکیوں کے مدرسے یہاں ہیں، لڑکوں کے مدرسے یہاں ہیں، جامع مسجد کے نمازی ادھر آتے ہیں، چاوڑی میں مندر بھی ہیں اور ایک لائبریری یا ریڈنگ روم بھی ہے۔ لیکن ....

لیکن فقط گلی کوچوں اور بڑے بڑے بازاروں کو فاحشہ عورتوں سے پاک کرلینا میرے نزدیک کافی نہیں ہے۔ چاوڑی بازار کا حرام "نانڈہ"، شنیاں پہونچکر حلال نہیں بن سکتا۔

ہم اگر اپنی آیندہ نسلوں کو پاکباز دیکھنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اپنی نسلوں کو قابو میں کرنے سے پہلے اپنے نفسوں کو قابو میں کرنا چاہیے۔ عورتوں کے حق میں جتنا موثر ماں باپ کا نمونہ ہوتا ہے بازاری عورتوں کا نمونہ نہیں ہوتا۔ ماں باپ اپنا اچھا نمونہ پیش کریں تو اولاد مشکل سے بگڑتی ہے۔ لڑکیاں ابھی تک لڑکوں سے بہتر کیوں ہیں؟ اس لیے کہ ابھی تک لڑکیوں کی ماؤں نے [illegible] کرنا نہیں شروع کیا

ماں باپ کے بعد خاندان کے دوسرے بزرگ عورت و مرد کا نمونہ اثر کرتا ہے پھر خاندان سے باہر شریف کہلانے والے عورت و مرد کا نمونہ۔ پھر اُستادوں اور اُستانیوں کا نمونہ۔ پھر ہم عمر۔ ہم مکتب۔ ہم مدرسہ۔ ہم کالج لڑکوں لڑکیوں کا نمونہ۔ فاحشہ عورتوں کی باری کہیں آخر میں آتی ہے۔

بزرگوں کے ان اچھے اور اچھوں کے ہاں بُرے پیدا ہوتے ہیں مگر کم آم کے درخت میں آم ہی لگتا ہے اور بہت سے بہت پیوندی آم۔

عورتوں کی بدکاری کا علاج یہ ہے کہ مرد قطعاً بدکاری چھوڑ دیں۔ فاحشہ عورتوں سے قطع نظر کرکے مردوں نے شریف کہلانے والی عورتوں پر نظر ڈالی تو انکی عورتیں فاحشہ عورتوں سے تعلق رکھنے کی صورت میں تو شاید ضبط کرلیتی تھیں شریف کہلانے والی عورتوں کی صورت میں ضبط نہیں کرینگی۔ فاحشہ عورتیں تو غیرجنس سے ہوتی ہیں۔ شریف کہلانے والی عورتوں کے نمونہ سے شریف عورتیں ضرور اثر قبول کرینگی۔ اور اب تو ایسا زمانہ آرہا ہے کہ مرد کیا اپنے انجام دیتے ہیں بدلا تو ہر صورت میں عورتیں مردوں سے انتقام لینگی۔ لہذا عورتوں اور بچوں کی بدکاری کا سب سے بڑا علاج یہی ہے کہ مرد بدکاری چھوڑدیں اور اُنکے لیے اچھا نمونہ بنیں۔

ایک علاج یہ ہے کہ مرد عورتوں پر ظلم نہ کریں۔ ظلم کی مختلف قسمیں ہیں اول تو مردوں کی بدکاری ہی ہے۔ پھر کھانے پینے کی تکلیف۔ کپڑے لتے کی تکلیف۔ مارپیٹ۔ بوڑھے مرد اور جوان عورت کی شادی۔ شادی میں کمائیں۔ شادیوں کے ذریعہ دولت حاصل کرنے کا جذبہ۔ اکثر و بیشتر عورتیں ان ظلموں کی وجہ سے فاحشہ ہو جاتی ہیں۔

ایک علاج یہ ہے کہ حکومت یا حکومتیں ہندوستان کے افلاس کی طرف زیادہ توجہ کریں افراد کے بجائے تمام ہندوستان کو کم از کم کھاتا پیتا بنادیں افلاس بھی فحش کو ترقی دیتا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اور افراد کی دولتمندی بھی بدکاری بڑھاتی ہے۔

مثل ہے "نانی عورت خوشود یا بیمار" دولتمند مردوں اور عورتوں کو دنیا و مافیہا کے فکر سے فراغت ہوتی ہے۔

ایک علاج یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں اخلاقیات پر زور دیا جائے موجودہ تعلیم فحش روکنے والی نہیں ہے۔

اور ایک بہت بڑا علاج یہ ہے کہ ایسے قانون رائج ہوں کہ مرد اور عورت بالجبر نہیں بالرضا بھی بدکاری کریں تو دونوں کو عبرتناک سزا دی جائے۔ ورنہ جو ہو رہا ہے۔ بازاری عورتیں تو ممکن ہے انہیں بدلتے بدلتے ختم ہو جائیں لیکن بدکاری نئے نئے روپ میں جسم لیتی دکھائی دیتی ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

حضرت اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک گفتگو سنائی تھی جو اسوقت سنائی تھی جو اسوقت یاد آگئی۔ ان سے الٰہ آباد ہائیکورٹ کے ایک انگریز جج نے کہا کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا اسلام نے بڑی وحشیانہ رکھی ہے۔ حضرت اکبر نے جواب دیا جہاں یہ سزا ہے وہاں جاکر دیکھیے کہ کتنے ہاتھ کٹتے ہیں اور جہاں یہ سزا نہیں ہے وہاں دیکھیے کہ چور کتنے ہیں۔

اسلام نے زانی اور زانیہ کی سزا بھی ایسی ہی سبق آموز مقرر کی ہے۔ اسلام عورت اور مرد کی بدکاری میں فرق نہیں کرتا۔ اسلام نے جہاں جہاں عورتوں کو اپنی عصمت کی حفاظت کا حکم دیا ہے وہیں اُنھیں الفاظ میں مردوں کو بھی اپنی عصمت کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ عورتوں سے اگر یہ کہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور مردوں کو مت گھورو۔ تو مردوں سے بھی ساتھ ہی ساتھ کہدیا ہے کہ تم بھی نگاہیں نیچی رکھو اور عورتوں کو مت گھورو۔

اسلام بدکاروں کو خبیث کہتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا نامسلمان۔ اور کہتا ہے کہ خبیث عورتوں کا جوڑا خبیث مردوں کے ساتھ بندھتا ہے اور خبیث مردوں کا جوڑا خبیث عورتوں کے ساتھ۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے حصہ میں آتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے حصہ میں۔

بدکاری کیا، کوئی بُرائی بھی نہیں رُک سکتی جب تک انسان اپنی بُرائی کو بُرائی نہ سمجھے۔ اور جب تک انسان دوسروں کے واسطے وہی نہ چاہے جو دوسروں کے لیے چاہتا ہے۔

کانٹا کسو کے مت لگا، کیوں مثل گل پھولا ہے تو
تیرا بھی نقصان ہوئے گا، کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ۔ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہات دے اس ہات لے

بدکاری نہیں رُک سکتی جب تک دوسروں کی آبرو لیتے وقت انسان یہ یقین نہ کرنے لگے کہ اُس کی اپنی آبرو بھی خطرہ میں ہے۔ آج وہ اگر کسی کی بیوی بہن کو برباد کرچکا تو کل اُس کی بیوی بہن برباد ہوگی۔ جوانی اور دولت آج ایک کے ہاں ہے تو کل دوسرے کے ہاں۔

بازاری عورت بھی اُن ہی جیسے ایک مرد کی بیٹی ہے اور اب بازاری عورت کے پاس وہ اپنی بیٹی چھوڑ رہے ہیں۔!

یہ باتیں جو میں نے عرض کیں ہیں شاید آج آپ کی عقل کے معیار پر نہ اُتریں۔ لیکن کل اُتر یںگی۔ آج سمجھ میں نہ آئیں لیکن کل آئیںگی۔

(نظام المشائخ)

مخلوط تعلیم

(ایک غیر مسلم ماہر تعلیم کے قلم سے)

مخلوط تعلیم ثانوی منزل یا جامعی منزل میں ضروری نہیں ہے: مسٹر سریش چندر اگپتا محلہ مجمع کے ہائی اسکول کے اسسٹنٹ ماسٹر اس سوال نمبر کے جواب میں لکھتے ہیں جسکو آسام کے ناظم تعلیمات نے اس صوبہ کے مدرسوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم کے مسئلہ پر جاری کیا تھا:

مسٹر گپتا اپنے مراسلہ کے دوران یہ لکھتے ہیں کہ:

(۱) (الف) "مخلوط تعلیم ممکن ہے ابتدائی منزل میں دس گیارہ برس کے سن تک مناسب ہو مگر اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس واسطے کہ لڑکیوں کی روز افزوں تعداد انکے لیے جداگانہ مدارس کھولنے کو حق بجانب قرار دے رہی ہے۔ خصوصاً اس حقیقت کی بنا پر کہ یہ چیز حکومت کے زیر غور ہے کہ ابتدائی تعلیم کو جبری بنایا جائے۔

(ب) اور (ج) مخلوط تعلیم ثانوی منزل یا جامعی منزل پر حسب ذیل اسباب کی بنا پر بالکل نامناسب ہے:- (۱) مرد اور عورت میں فرق اتنا ہے کہ وہ بے انتہا بے احتیاط شاہد کی آنکھوں کو بھی دکھائی دیتا ہے یہ فرق فطری فرق ہے اور اس فرق پر پل باندھنے کی جاری جانب سے کوئی کوشش کبھی نہ صرف بے سود بلکہ برباد کن ہوگی۔ لڑکوں کے لیے ایک کامل صحت بخش فضا شاید ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ لڑکیوں کے موافق مزاج احول ثابت ہو۔ پس فطری مناسبت کے نقطۂ نگاہ سے لڑکوں یا لڑکیوں میں مخلوط تعلیم بلحاظ نشوونما پیدا کرنے میں ممکن ہے مدد نہ ہو۔ کسی مدرسہ یا کالج کا پڑھنے والا ان نصابی کتابوں سے زیادہ جو مقرر کی گئی ہوں یا اُن اسباق سے جو اُستاد پڑھائیں اپنے ماحول سے سیکھتا ہے۔

(۲) نیز مخلوط تعلیم صنفوں کے ابین آزاد حرکت و رفاقت پر دلیل لاتی ہے جسکو اس ملک میں کبھی بھی سماجی منظوری نہیں حاصل ہوئی جہاں مردوں اور عورتوں کی سماجی زندگیاں منفصل چلی آتی ہیں۔ اس طرح یہ آزادی اُس نسل کی قدیم الایام کے رواج و روایات سے مبدل ہو چکا ہے اسکے خطرات ایک ایسے ملک میں بھی جہاں مخلوط تعلیم عام ہے مثلاً امریکہ میں نسبت مشہور ہیں۔ مخلوط تعلیم کی بُرائیوں پر بیچ لکھنے کی خرد وگیر تو اب ساری مہذب دنیا واقف ہو گئی ہے۔ ڈنور ممالک متحدہ امریکہ کی عدالت نوعمران میں دائر شدہ مقدمات کی حقیقی ذاتی تجربہ کی بنا پر جج موصوف نے جو انکشافات کیے ہیں اُن سے ہم ہندوستان میں احساس نفرت و دہشت سے جھجک کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ شہر نیویارک کی سالویشن آرمی (فوج نجات) نے مادر خانہ کی اڈجوٹنٹ ایملی بیرو نے جسمانی تربیت کے ایک امریکی رسالہ میں لکھا ہے کہ:-

"ان دنوں ہماری بے بیاہی ماؤں کی ۴۲ فیصد تعداد ۱۳ سے ۱۰ سال کے سن تک کی مدرسہ کی لڑکیوں کی ہے (!)"۔ اس پر تنقید غیر ضروری ہے۔ یہاں ہندوستان جیسے گرم ملک میں بلوغ اس سے بھی جلد کی منزل میں رونما ہوتا ہے اور جنسی جبلت زور پر پھوٹ پڑتی ہے۔

علاوہ بریں ہمارے اخلاقی خیالات اور روایات آغاز شباب میں مخلوط تعلیم کی ترویج سے متصادم ہیں۔

(۳) جسمانی اور نفسیاتی اختلافات یہ ضروری قرار دے رہے ہیں کہ دونوں صنفوں کو نوجوانی اور بعد از نوجوانی کی منزلوں میں جداگانہ اداروں ہی میں تعلیم دی جائے۔ یہ اختلافات بعض خاص مضامین میں اختلاف نصاب بھی چاہتے ہیں اور طریق تعلیم میں بھی کچھ اتنیاد کے طالب ہیں جسکی وجہ سے اگر مخلوط تعلیم ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتی ہے۔ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد اپنی زندگیوں کا واحد پسندیدہ مقصد شادی کو سمجھتی اور اس کی منتظر رہتی ہے لہذا انکو ایک مناسب احول میں ایسی تعلیم ملنی چاہیے جس میں موسیقی، نقش کشی، امور خانہ داری، حیاتیات، حفظان صحت، پکوان، سوزن کاری، دھلائی وغیرہ مضامین ہوں۔ جو شوہروں کے گھر میں نسل کی ماؤں کی حیثیت سے ان سے مناسبت رکھتے ہیں۔ جامعۂ کلکتہ نے بڑی دانائی سے ۱۹۴۱ء میں منعقد ہونے والے نئے میٹرک امتحان کی لڑکیوں کے لیے مذکورۂ بالا مضامین میں سے بعض نصاب میں شامل کر دیے ہیں۔

(۴) معاشی نقطہ نگاہ سے یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ہی مدرسہ کو سیکھنا چاہیے...... ورنہ بڑی محنت اور صرفہ ہوگا۔ مگر ہمیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تعلیم ذہن کی غذا ہے اور جس طرح ہم کوئی غیر صحت بخش غذا اس کی ارزانی کے باوجود نہیں خریدتے اسی طرح ہمیں اپنے ذہن کے لیے بھی سستی غذا نہیں خریدنا چاہیے۔ امکان غلطی سے ہمیشہ گریز کرنا چاہیے اور جہاں ارزانی کا نتیجہ نکلنے والا ہو کہ ذہنی امراض و عوارض کی صورت میں بُرائیوں کا ایک ڈھیر لگ جائے، ہمیں اُنھیں دھکے سے ساقط حتی الامکان اُسکو دور ہی رکھنا چاہیے۔ ہم علی العموم ملونی غذاؤں کو نہیں کھاتے، خواہ وہ ارزاں قیمت ہی پر مل رہی ہوں اور جب سوال ہمارے باطن کا ہو تو کیا ہمیں اپنے ذہن کے لیے سستی مگر مضر صحت غذا فراہم کر کے ہلاک ہو جانا چاہیے؟ ایک لڑکے کے ذہن کے لیے جو غذا اچھی ہو وہ ہمیشہ ایک لڑکی کے ذہن کے لیے بھی اچھی نہیں ہوتی اور دونوں کو ایک ہی غذا دیکر ہم اُنھیں نفع کی جگہ نقصان پہنچا دیں گے۔

(۲) (الف) لڑکیوں کے لیے ایسے جداگانہ مدارس کے موجودہ انتظامات جہاں اُستانیاں مقرر ہیں، جاری رکھے جاسکتے ہیں۔ اُستانیاں مل سکتی ہوں تو زنانہ مدرسوں میں اُستاد نہ مقرر کیے جائیں۔ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۹)

کبھی کبھی شاعری کے خلیہ میں وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ مثلاً

براں منزل کہ صید ازیں رسیدن آمدہ ام — شکست دشمن اسلام زیدن آمدہ ام
کرتا بہ ہم زنم بنیاد ایں چرخ ستم آئیں — بجا اے ہمنشیں آہے کشیدن آمدہ ام
چو برآید زنفیں خواجہ یثرب پدیدا لم — بسے ارو آزادی بہ بیدن آمدہ ام
حریفاں جام ہاے کامرانی میخورند لیکن — فغاں واہب کو نوں پارچہ چیدن آمدہ ام
امان و مصطفےٰ کامل دقلب چرخ بالاشم — کلامستانہ و بنیاد آں خمیدن آمدہ ام

(باقی آئندہ) (تمام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر — عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجئے۔

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط و کتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو: —
مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

صدق

قیمت فی پرچہ ۱؎

چندہ سالانہ: للعہ
ششماہی: ۲؎
ممالک غیر سے سالانہ: ۸ شلنگ

نمبر ۱۶	لکھنؤ — ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء	جلد ۵

سچی باتیں

— ہٹلر کو ۱۹۳۹ء میں اپنے طیاروں اور اپنی برق رفتاری پر بڑا ناز تھا؟ سمجھتا تھا کہ آندھی کی طرح آئیگا، اور طوفان کی طرح سب اُکھاڑ پچھاڑ کر، ہمارا اقلیم کو ۳، ۴ ماہ میں فتح کر جائیگا۔ اس بھول میں نہ آئے، ہم جم کر، اور ڈٹ کر تین برس تک مقابلہ کرینگے، اور ہر طرف سے ناکہ بندی کرکے اُسے بھوکوں مار کر اور ترسا ترسا کر قابو کرینگے! —— اتحادیوں کے سرداروں نے کہا، اور بہت سوچ سمجھ کر کہا، کہ جنگ میں استقامت و استقلال ہی فتح و ظفر کی کنجی ہے۔

اتنی ہی ہمت! جس کل تین ہی برس! میں! پانچ برس تک لڑونگا۔ لڑونگا اور لڑے جاؤنگا، جب تک اتحادیوں کو نیچا نہ دکھا دوں، اور ان کا گھمنڈ خاک میں ملا کر نہ رکھدوں! —— ہٹلر نے اپنے کس بل پر ناز کرکے تعلی اور فخریہ کے اپنے نعروں میں جواب دیا۔

عرب جاہلی کے شاعر نے کیا مہذب فرنگیوں کی ہوس، جنگ جوئی اور مبارز طلبی سے زیادہ کچھ کہا تھا، جب یہ کہا تھا ؎

الا لا یجہلن احد علینا — فنجہل فوق جہل الجاہلینا

خبردار، کوئی ہم سے الجھنے نہ پائے، نہیں تو ہم بتا دینگے کہ ہم جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہیں!

پنج سالہ جنگ کا عزم، تہذیب جدید کی تاریخ میں کوئی نیا باب ہے؟ یعنی پانچ پانچ سال تک گتھے رہنے، مارتے اور مرتے رہنے، اور خون کی ہولی کھیلتے رہنے کا فخریہ اعلان، جاہلیت فرنگ کے دور میں کوئی انوکھا، نرالا، پہلا واقعہ ہے؟ آخر وہ پچھلی جنگ عمومی (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کیا پانچ سال سے قبل ختم ہوئی تھی؟ اور پانچ سال کی مدت تو پھر کم ہے، جنگ ہفت سالہ (۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۳ء) اور اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر جنگ سی سالہ (۱۶۱۸ء تا ۱۶۴۸ء) اور آپ کے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر جنگ صد سالہ (۱۳۳۷ء تا ۱۴۵۳ء)، یہ کس قوم کی تاریخ حربی کے جلی عنوانات ہیں؟ —— عرب جاہلیت کی فرد جرم میں سب سے زیادہ سیاہ داغ یہی تو رہا ہے نہ کہ

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب بگڑ بیٹھتے تھے
وہ قتل و غارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا — تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

اُس ماضی اور اِس حال میں کچھ فرق ہے؟ وہ "شنیدہ" آج کی "دیدہ" سے کچھ بڑھ چڑھ کر تھی؟ خون کی پیاس میں کیا عرب کا جاہلی، فرنگستان کے مہذب سے آگے نکلا ہوا تھا؟ —— قتل و ہلاکت کے جو جو نازک و لطیف طریقے، جو جو بدیع و نادر صنعتیں، مہذب فرنگی کو معلوم ہیں، وہاں تک کب عرب جاہلی کے ذہن کی رسائی ہو پائی تھی؟

بھولا بھالا مشرقی، یہ سمجھے ہوئے ہے کہ عرب، بے بات کی بات پر لڑا کرتے تھے ؎

لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

لیکن آج کیا حال ہے؟ بھلا نہ فلاں آبنائے سے اس قوم کے گزر نے پائے یا اس قوم کے۔ آج بھی لڑائی ایسی ہی باتوں پر چھڑ جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کلمی میں پہنچے ہوئے فلاں جگہ کے، اور فلاں نشان پڑھے ہوئے کپڑے کی طرف کسی نے [illegible]

کی توہین چھکنی" اور اشی میٹم پر اشی میٹم دوڑنے لگے! —— کہتے ہیں کہ عرب کی سرزمین مختلف قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی، ہر ٹکڑی اسکی حلیف اور یہ ٹکڑی اسکی حریف۔ گویا آج کے فرنگستان کا ہو بہو نقشہ! سارے سرزمین ایک مستقل مستقل کیمپ بنی ہوئی۔ یہ اسکے جوڑ پر اسکا شریک، اور وہ اسکی ضد میں اسکے ساتھ گتھا ہوا —— "تاریخ اپنے کو دہراتی رہتی ہے"، لیکن کیا خوب جاہلیت عرب اپنے کو جاہلیت فرنگ میں دہرا رہی ہے، اور جاہلیت اولیٰ کن کن لطافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ اپنا جلوہ جاہلیت اخریٰ کے اندر دکھا رہی ہے!

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے سلسلہ میں کوئی اور خاص بات قابل ذکر نہیں، سوا اسکے کہ ٹائپ کا کام اپنی معمولی سست رفتاری سے جاری ہے۔ رفتار کی سستی کی ذمہ داری ٹائپ کرنے والے پر ذرہ بھر بھی نہیں، تمامتر کام لینے والے پر ہے۔ تقریباً دو ہزار صفحوں کا ٹائپ ہو جانا یوں بھی آنا فانا کا کام نہیں، اور پھر جب وسائل کی کمی اسکی اجازت ہی نہ دے، کہ کام گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ سے زائد کسی حال میں نہ ہو، تو مدت جس قدر بھی طویل لگے ظاہر ہے۔ بہرحال کام، خرگوش کی چال سے نہ سہی، کچھوے کی چال سے بحمد اللہ جاری ہے، اور کچھوا بھی آخر کبھی نہ کبھی منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ طبع و اشاعت کا اس سے کہیں نازک تر و دشوار تر مرحلہ بعد کو آئیگا۔ فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا مکتوب اس سلسلہ میں اس قابل ہے کہ صدق کے مدیر ہی کی نہیں، ناظرین کی بھی نظر سے گزرے:—

"مبارک ہو کہ کام پورا ہو گیا۔ خبر سن کر بیساختہ ہذا فقد قضی طلبہ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ باقی اسکے آگے آپ کا کام نہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۱۳ جلدوں میں اور تہذیب التہذیب ۱۲ میں لکھی۔ انکو اسکا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ عہد دجال و یاجوج و ماجوج میں بھی انکی کتابوں کو پرانے کتبخانوں سے نکال کر لوگ طبع کرینگے۔ وہ بیچارہ عالم بالا میں ہیں، لیکن عالم اسفل میں یہ سب کام ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنے کرنے کا کام کر دیا۔ اخلاص میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں پھر اسکی اشاعت کی صورت کیوں نہ نکل آئیگی"۔

اخلاص کے بارے میں مولانا کو جو حسن ظن ہے، خدا کرے انکے حسن ظن کی برکت سے عالم الغیب والشہادہ کے حضور میں صحیح نکلے۔ باقی اس اسباب و وسائل والی دنیا میں یوں بھی انکا مکتوب مایہ تسکین و باعث صد تسلی ہے۔

دعا کا فلسفہ

مدیر صدق کے بائیں ہاتھ کی شدید چوٹ کے باب میں (جو اب بڑی حد تک اچھی ہو چکی ہے) ذکر کر کے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ اپنے اسی گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:—

"کیا بتاؤں اسلام کے اس دست و بازو کے لیے دل سے کتنی دعائیں نکلتی ہیں جو ان شاء اللہ ضائع نہ ہونگی۔ آخر آمنت لیطمئن قلبی کا اشرفی ترجمہ تو یہی ہے کہ اعلی خیر منہ کا بھی یہی مطلب ہے۔ دعا جب کسی اعلی شکل میں قبول ہوتی ہے، تو جاہل انسان کرتا ہے کہ دشمنی کی گئی۔ حالانکہ جاہل سے جب ہی جاہل کے علم کو منتقل کیا جاتا ہے، یا علم کو جہل کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ یہ کیسی زبردستی ہے"۔

دعا کا پورا فلسفہ مولانا نے کس جامعیت کے ساتھ دو لفظوں میں بیان کر دیا! اور یہی اصل حقیقت ہے۔ دعا تو مالک کے پکارنے کا نام ہے۔ بکسیں بیکس، عاجز و بیچارہ کی پکار، زور و قدرت والے، علم و حکمت والے کے حضور میں کہیں رائیگاں جا سکتی ہے؟ بس نہ کسی شکل میں شنوائی ہوگی ضرور، مگر کیا ضروری کہ خاص اسی شکل میں ہو، جسے بے علم و بے خبر بندہ، قبولیت سمجھ رہا ہے —— بچہ کے تلوے میں کانٹا گھس گیا ہے، اور بچہ تڑپ رہا ہے، اس کا سانس آتی ہے اور خوش ہو رہی ہے کہ ابھی ابھی بچہ کو آرام ہوا جاتا ہے۔ بچے اپنے بچپن کی عقل سے سمجھ رہا ہے کہ کانٹا نکالنے میں بھی تو تکلیف ہوگی، اور زیادہ بلک بلک کر رو رہا ہے! ؎

طفل می لرزد ز نیش احتجام
مادر مشفق دراں غم شاد کام

اور پھر ماں تو خود ہی مخلوق اور بچے چند ہی سال زائد کی عقل و تجربہ رکھنے والی ہے۔ بھلا خالق کے علم بے پایاں اور شفقت غیر محدود سے اسے کیا نسبت!

مخلوط تعلیم کا تجربہ

"کراچی۔ ۱۹۔ نومبر۔ بیس سال سے زائد کے مخلوط تعلیم کے تجربہ کے بعد، سندھ کے سب سے پرانے کالج، کراچی کے، ڈی، جے، سندھ کالج کے حکام نے بالآخر یہ طے کیا ہے، کہ آئندہ ہفتہ سے ایک حد تک اس قاعدہ کو توڑ کر لڑکوں اور لڑکیوں کے کلاس الگ الگ ہوا کرینگے۔ یہ فیصلہ بڑی حد تک نتیجہ ہے مخلوط تعلیم سے بڑھتی ہوئی مخالفت کا۔ ..... یہ ترمیم سردست نیچے درجوں میں ہوگی، اور گریجویٹ کلاسوں میں ابھی مخلوط تعلیم جاری رہیگی"۔ (وقائع نگار خصوصی اسٹیٹسمین، کلکتہ۔ ۲۰۔ نومبر سنہ ۶ء)

غنیمت ہے، کہ ۲۰ سال کے تجربہ کے بعد سندھ کالج والوں کو کچھ ہوش تو آیا، جیسا اسکے قبل پچھلے سال کانپور کے ایک مسیحی کالج والوں کو ہوش آ چکا ہے۔ اس سرزمین میں تو ایسی ایسی "روشن خیال" مخلوق بھی بستی ہے، جو ۲۰ سال کی مدت گنتی نہیں کہیں زائد ہے —— اس وقت سے کہ جب شیریں مری اور لیلیٰ ایک ہی مکتب میں زیر تعلیم تھے —— مخلوط تعلیم کے نتائج ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر دور میں، دیکھتی چلی آ رہی ہے، اور روشن خیالی اسی کو سمجھتی ہے کہ اپنی آنکھوں کو جھٹلاتی رہے!

عربی کا اثر انگریزی پر

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی ربع اول میں ڈاوٹی (Doughty) نامی ایک مشہور اہل قلم انگریز گزرا ہے، مدتوں بھیس بدل کر بادیہ عرب کی سیر کی، اور اپنا ضخیم سفرنامہ دو زبردست مجلدات میں "عربیا ڈیزرٹا" کے نام سے شایع کیا۔ کتاب معنوی حیثیت سے جیسی بھی کچھ ہو، انشا پردازی کے لحاظ سے اسکی دھوم مچ گئی، اور مصنف کا شمار انگریزی ادب و انشاء کے خاص صاحب طرز لوگوں میں ہونے لگا۔ حال میں ایک انگریز پروفیسر نے ڈاوٹی کی زبان پر ایک مستقل رسالہ "ڈاوٹیز انگلش" کے نام سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شایع کیا ہے، ابیر ورنہ

مشہور انگریزی رسالہ مسلم ورلڈ میں نکلا ہے، اسکے بعض فقرے ملاحظہ طلب ہیں:-

"ڈاڈلی نے اپنے بلے شال عربیا ڈیزرٹا میں جو طرز انشاء اختیار کی، وہ عربی ہی وہ عربی ہی سے لی ہے، جیسا کہ ٹینیسن اور براؤننگ اپنی بعض بہترین نظموں کا منظر اور طرز عربی شاعری سے لے چکے ہیں۔

انگریزی زبان کی علمی، لسانی تحقیق کا شوق ہی وائٹی کو ملک عرب لے گیا، اور وہیں تک۔ انگریزی قوم کے ذہنی ورثہ کا آخری نمونہ ہے۔ اسی بادیہ میں ڈاڈلی نے اپنی بہترین زبان حاصل کی"

(مسلم ورلڈ، نیویارک، اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۱۵)

گویا صاف لفظوں میں اعتراف ہے، کہ انگریزی نثر اور انگریزی نظم دونوں کے بعض بہترین شاہکار عربی ادب کے نمونہ پر ڈھلے، اور عربی زبان و انشا کی رہین منت ہیں۔ قرون وسطی ("ڈاک ایجز") اور قرون مظلمہ ("ڈارک ایجز") میں تو صدیوں قبل جو "استاد" اور جو شاگرد، وہ چکے ہیں، انھیں چھوڑئیے، یہ اعتراف تو انیسویں اور بیسویں صدی کے شعر و ادب سے متعلق ہے —— فرنگیوں کے ظاہری تمدن سے مرعوب لاطینی حروف سے مرعوب اپنے علم و ادب کو حقیر سمجھنے والے، اپنے حروف اور اپنی زبان کو حقیر سمجھنے والے، دل و دماغ کاش تفکر کبھی حقائق پر بھی ڈال لیا کریں!

شریعت کی جہانداری

"ہندوستان اور اس سے بھی بڑھ کر چین اور مشرق میں اسلام اور اسکا تمدن ساری آبادی پر حاوی نہیں، یہاں تبدیل مذہب سے صرف معاشرتی اور معاشی احوال بدل جاتے ہیں بلکہ ملک و جاہ میں تو اور ترقی ممکن ہے۔ حقیقت تو کچھ ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام قبول کرنے والے مسیحیوں کی تعداد اسی قدر زائد ہوتی ہے، جتنی زائد شریعت و شعائر اسلامی کی حکومت کسی قوم یا ملک پر چھائی ہوتی ہے۔ اور اسکے مقابل، جوں جوں شریعت کی گرفت کسی قوم سے ڈھیلی ہوتی جاتی ہے، مسیحیت قبول کر لینے والے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے" (مسلم ورلڈ، نیویارک، اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۲۷)

یہ سنے تجربہ و مشاہدہ مسیحیت کا ایک پرانا تجربہ کار مبلغ بیان کر رہا ہے۔ کہتا ہے، کہ جس نظام زندگی میں شریعت کی حکومت ہر شعبہ حیات پر چھائی ہوتی ہے، اس سے ابھرنے والوں، اس سے مرتد ہو کر حلقہ مسیحیت میں داخل ہونے والوں کی تعداد شاذ و نادر ہوتی ہے، برخلاف اسکے جتنی گرفت شریعت کی ڈھیلی ہوتی ہے، اسی تناسب سے ارتداد کو ترقی ہوتی جاتی ہے —— قانون شریعت اسلامی کا تسلط، بجائے خود تو مقصود ہی ہے، باقی اس بیان کے بعد اس حیثیت سے بھی کتنا ضروری ہو جاتا ہے، کہ اس سے ارتداد کی روک تھام رہتی ہے! اور یہیں سے اُن نادان دوستوں کی نادانی بھی کیسی ظاہر ہوئی جاتی ہے، جو اپنے کو مسلمان کہکر، مسلمانوں کے لیے قانون شریعت کی حکومت کو سختی اور تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں!

مخلوط تمدن کی برکتیں

"معاشرتی زندگی آج کل کے عصر جدید ... "لڑکیاں" ہیں —— یہاں تو میل جول نوجوان لڑکیوں اور نوجوان لڑکوں کے درمیان نہایت درجہ آزادانہ اور بے تکلفانہ تھا اور یہ بڑی حد تک اسی کا نتیجہ ہے، کہ اس دور کے واقعات و حکایات انتہائی فحش کاریوں سے لبریز ہیں" (ٹریولین کی کتاب "سوشل انگلینڈ" جلد اول صفحہ ۴۲)

اس دور سے مراد ۱۰۶۶ء تا ۱۲۱۶ء ہے۔ اور اعتراف انتہائی فحش کاریوں کا انگلستان سے متعلق ایک انگلستانی مورخ کے قلم سے ہے! وہ چاہے تقویم مسیحی کی گیارہویں اور بارہویں صدی ہو، اور چاہے انیسویں اور بیسویں، تہذیب جدید ہو یا قدیم، تمدن آج کا ہو یا آٹھ نو سو سال قبل کا، عورت و مرد کے اختلاط کا آزادانہ ویسا کا نہ میل جول کا، عورت کی "آزادی" اور بے حجابی کا تجربہ جب کبھی اور جہاں کہیں کیا گیا ہے، کیا نتیجہ اس سے مختلف نکلے ہیں؟ —— مصطفٰی کمال (اللہ اسکی لغزشوں کو معاف فرمائے) غریب نہ سمجھا، اور نہ آج اسکے ہندی چیلے سمجھ رہے ہیں، کہ "آزادی" کا نام فرنگی کی زبان سے سن کر، اس آواز سے مرعوب ہو کر، اپنے ہوش و حواس، عقل و فہم کو معطل و مفلوج کر کے، اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے کس جہنم کی راہ کھول دی!

مسلمان کی غلامی

صدق میں تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کے نام" کا نمبر اول پڑھکر ایک ندوی عالم، مغربی ہند سے لکھتے ہیں کہ

"تمدن اسلام خوب پڑھا، اور سنایا۔ اب پرچہ گشت میں ہے۔ میرے بڑے کام آیا۔ زناردار دہریے انکار کریں تو اتنا تعجب نہیں جتنا اس چیز سے اپنوں کی بیگانگی قابل حسرت ہے۔ کثرت سے کثر مسلمان کی بڑی سی بڑی عقیدت عبادات کا اقرار کرنے سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور یہ تو، الا ماشاء اللہ کسی کے ذہن میں نہیں، کہ اسلام اپنے ماننے والوں کی ہر ہر حرکت و سکون کے لیے ایک آئین رکھتا ہے، اور مسلم کو مسلم ہونے، رہنے کے لیے ان سب کو بھی اپنے اوپر جاری کر لینا ناگزیر ہے۔ خدا کرے ہماری مسلم یونیورسٹی کے جواں ہمت فرزندان کے قلوب میں اسلام کا یہ پیام پوری طرح اتر گیا ہو، اور انکے ذریعہ سے یہ حقیقت جو راز سربستہ ہو کر رہ گئی ہے، فاش ہو کر رہے"

قرآن مجید میں تو ڈھکے چھپے، بند لفظوں میں نہیں، بالکل کھلا ہوا ارشاد موجود ہے، ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ اللہ نے تو مسلمانوں سے انکی جانیں اور انکی جائدادیں خرید لی ہیں، اس وعدہ پر کہ انھیں جنت ملیگی۔ "خرید لی ہیں" کا لفظ خیال میں رہے۔ مسلمان کا اپنے مال پر اور اپنی جان پر اب اختیار باقی ہی کب رہا ہے؟ اسکی زندگی تو مع اپنے تمام شعبوں اور صیغوں اور اپنی ساری وسعتوں کے تمام تر بک چکی ہے، اور کلمہ پڑھتے ہی اس دستاویز کی تکمیل ہو گئی، اب وہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، زندگی کے ادنی سے ادنی جزئیہ میں بھی، غلام ہے اور محض غلام شریعت الٰہی کا۔ اور اسکی حیثیت قانون شریعت کے ایک پیادہ سے زیادہ کی ہے ہی نہیں —— بات اتنی صاف ہے کہ جیسے دو اور دو چار، لیکن کوئی دو اور دو کے چار ہونے ہی کو بھلا دینا چاہے تو اب اسکا علاج کسکے ہاتھ میں ہے؟

سائنس کے کمالات

"پارس کے ایک فرنچ ماہر برنرڈ ڈوبوچے نے ابرسازی کا ایک کارخانہ قائم کیا ہے، جس سے اس وقت کام لیا جائیگا جب غنیم پیرس پر ہوائی تاخت کریگا۔ ماہر موصوف کا بیان ہے کہ ۱۵ منٹ کے اندر اندر شہر پیرس بادلوں کے موٹے لحاف کے اندر چھپ جائیگا ..... اسکے لیے پانچ چھ بڑے اونچے اونچے (آئی فل ٹاور) دودکشوں کی ضرورت ہوگی، جو دریائے سین کے کنارے کنارے قائم کیے جائینگے۔ انھیں کے ذریعے مشینیں مرطوب ہوا کو فضا میں بکھیر دینگی، اس سے شہر پر موٹے موٹے بادلوں کی تہ جم جائیگی، اور دشمن کے ہوابازوں کو شہر نظر نہ آئیگا۔ خطرہ کے دور ہوجانے کے بعد ان بادلوں سے بارش ہو جائیگی، خواہ پیرس ہی ہو یا کہیں اور" (اسٹیٹسمین، کلکتہ۔ ۱۳، نومبر ۱۹۳۹ء)

بچپن میں قصہ کہانیوں میں پڑھا ہوگا، کہ دو جادوگروں میں لڑائی ہوئی، ایک جھٹ شیر بن گیا، اور دوسرا گینڈے کے قالب میں آگیا اور شیر کو اپنے سینگ پر رکھ لیا۔ ایک دھواں بن کر آسمان کی طرف اڑا، دوسرا شعلہ بن کر اسکے پیچھے دوڑا۔ ماہرین سائنس کے ان "عجائبات" کے بعد کیا اب بھی آپ بھتنوں اور چڑیلوں، جن و پری، عفریتوں اور جادوگروں کے سارے قصوں کو افسانہ ہی سمجھتے رہیں گے؟

شریعت کی ہمہ گیری

"مسیحیوں کے قدیم ترین فرقے، جنکی شہادت مسیحی عقائد و طرز زندگی کے باب میں صدیوں سے مستند چلی آتی ہے، مذہب کی اسی تعریف و تعبیر کو صحیح قرار دیتے ہیں جیسے اسلام نے دیا ہے"

اور وہ اسلام کی پیش کی ہوئی تعبیر و تعریف کیا ہے؟ یہی کہ دین کا دائرہ ہمہ گیر، کسی جزئی شعبۂ زندگی کا نام نہیں، نفس زندگی ہی کی اعلیٰ تنظیم سے عبارت ہے۔

"اور خود فرنگی مسیحیوں میں بھی بعض ایسے ہیں، جو مذہب اور سلطنت کے دائرۂ عمل جدا نہیں قرار دیتے، جو چاہتے ہیں کہ حکومت وقت دنیوی کے ساتھ دینی نقطۂ نظر بھی رکھے، اور جنکی رائے یہ ہے کہ سیاسی اور مذہبی تحریکات عمل متحد ہو جائیں" (مسلم ورلڈ۔ نیویارک۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء ص ۳۲۵)

یہ کیا ماجرا ہے! ابھی تک تو یہ طعن اسلام پر تھا کہ یہ کیسا جابر مذہب ہے، جس نے زندگی کے ہر ہر جزئیہ پر اپنی مہر لگا رکھی ہے، اور "دنیوی ترقیوں" کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ مذہب تو ایک بالکل شخصی اور پرائیوٹ معاملہ ہے۔ اس میں حکومت کی مداخلت کے معنی کیا؟ اور اسی سبق کی تکرار استاد مغرب کے شاگردان رشید ترکی، مصر و ہندوستان کے روشن خیال دیندار و تجدد نواز طلبے کر رہے تھے۔ اور کہاں خود فرنگی ہی یوں بولنے لگے! اور کہنے لگے، کہ مذہب کی حکومت ہمہ گیر ہے، اور زندگی کا کوئی سا شعبہ بھی اسکی ماتحتی سے باہر نہیں! ——— استاد کی اس قلب ماہیت کے بعد غریب شاگرد اب کہاں اپنا ٹھکانا تلاش کرینگے!

ایک موت

دہلی۔ ۱۲۰ نومبر۔ میجر ایڈرن سمول مرحوم جو مشہور میڈیکل آفیسر صوبہ دہلی تھے آج ایک طویل علالت کے بعد ہندو راؤ اسپتال میں انتقال کر گئے"

میجر صاحب، آئی، ایم، اس تھے۔ اور نہایت کامیاب و ہوشیار جراح، اور سرجری کے فن میں خود دور اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ گزشتہ جنگ عمومی میں حربی سرجری کا تجربہ حاصل کیا، اور وہیں سے شہرت پھیلی۔ پہلے انگلستان کے میل بنک اسپتال میں سرجری کے استاد رہے، پھر ہندوستان آئے اور یہاں اپنے فن میں خوب ناموری حاصل کی۔ عمر کل ۴۸ سال کی تھی۔ ایک مریض پر آپریشن کر رہے تھے، کہ خود اپنی انگلی میں خراش آگئی۔ اور وہی کامیاب "سرجن" جو مخلوق کے خیال میں صدہا ہزارہا بندوں کی جان بچایا کرتا تھا، خود اپنی جان نہ بچا سکا، اور بہترین تدبیروں کے باوجود اسی راستہ پر راہی ہوا، جس سے عامی و عالم، شہری و دیہاتی، گورے اور کالے سب کو گزرنا ہے۔ عبرت کی یہ مثالیں ہر وقت اور ہر آن نظروں کے سامنے گزرتی رہتی ہیں اور دل ہے کہ پھر بھی قادر مطلق سے کہیں زیادہ "قانون قدرت" کے ساتھ، اور مسبب سے کہیں زیادہ اسباب کے ساتھ اٹکا ہوا ہے!

تعلیم نسواں
(وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی نظر میں)

خان بہادر میاں افضل حسین صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے فتح چند زنانہ کالج کے جلسۂ تقسیم انعامات کی صدارت کرتے ہوئے تعلیم نسواں کے متعلق نہایت زریں خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپنے کہا میں یہ تو نہیں کہتا کہ لڑکیوں کو جو تعلیم دیجائے وہ لڑکوں سے مختلف ہونی چاہیے۔ کیونکہ معلومات عامہ بہرحال مشترک ہیں۔ لیکن ہمیں لڑکیوں کو بہتر مائیں بنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بچوں کے ذہنوں کی تربیت کر سکیں۔ اور اس مقصد سے ظاہر ہے کہ لڑکیوں کی عام تعلیم لڑکوں سے مختلف نہ ہونی چاہیے البتہ انکا خاص مضمون خانہ داری کے امور سے متعلق ہونا چاہیے۔ میں نے جنیوا میں یہ نہایت دلچسپ بات دیکھی کہ وہاں لڑکیوں کو "مادری سکھانے کے لیے یتیم خانوں سے ننھے بچے منگوا کر تعلیم و تربیت کے لیے لڑکیوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں ....

آپ نے فرمایا "ہمارے ملک کی دولت وہ ہیرے اور جواہرات نہیں جو زمین کے پیٹ میں پوشیدہ ہیں، بلکہ ہمارے بچے ہماری سب سے بڑی دولت ہیں۔ اس دولت کی حفاظت کرنے اور انکو مفید بنانے میں ہمیں بہترین مائیں چاہئیں جو اس خدمت کو انجام دے سکیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مائیں ایسی ہوں جو ہمارے بچوں کو ایسا بنائیں اور ملک کو ترقی کے راستہ پر لگائیں۔

تعلیم نسواں کے متعلق یہی ایک نظریہ صحیح ہے کہ لڑکیوں کو معلومات عامہ کے علاوہ ایسی تعلیم دی جائے جو انکی معاشرتی اور اخلاقی کے تصورات کو بلند کرے، اور انھیں بہتر مائیں اور بیوی بننے کے قابل بنائے کیونکہ عورت کا دائرہ حیات گھر تک محدود ہے۔ اور قوموں کی ترقی گھر والیوں کی ترقی پر مبنی ہوا کرتی ہے" (انقلاب)

عیدالفطر

(از عبدالماجد)

(تقریر جو آل انڈیا ریڈیو کے اسٹیشن سے ۱۳، ستمبر سنہ ۴۴ء یکم شوال ۶۳ھ کی شام کو نشر کی گئی۔ وقت کل ۱۵ منٹ کا ملا تھا۔ اب ڈائرکٹر براڈکاسٹنگ کے شکریہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے)

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد! یہ نعرے ہر محلہ سے ادھر ہر گوشہ سے، ہر سڑک سے اور ہر مسجد سے تکبیر کی آوازیں کیسی بلند آ رہی ہیں! گویا سب خدائے واحد کی بڑائی کا کلمہ پڑھنے لگے۔ رجب کے [illegible] اور رمضان کے ہونے اور اپنے رب کا نام جپنے لگے مکانوں کے در و دیوار اور درختوں کے پتے۔ پھر آپ نے دیکھا، یہ بستی کی ہر ہر سمت سے کیسے اُمڈے چلے آ رہے ہیں، رئیسان بھی اور [illegible] بھی، اور ان کے ادنیٰ خدمتگار بھی، عالم فاضل و دیندار بھی، اور [illegible] مطلق گنوار بھی۔ جھکے جھکے آہستہ آہستہ قدم اُٹھانے والے بوڑھے بھی اور دوڑتے اچھلتے کودتے چھوٹے چھوٹے بچے بھی۔ زردار بھی، نادار بھی، پیدل بھی، سوار بھی۔ کوئی سائیکل پہ کوئی موٹر پہ کوئی اکہ پہ کوئی تانگے پہ۔ ان میں وہ بھی ہیں، جنہوں نے رمضان کے روزے ہو سکے، پیاسے رہ رہ کر، اور رمضان کی راتیں رکوع اور سجود، تسبیح و تلاوت میں [illegible] اور وہ بھی جو سال میں ایک بار بھی سجدہ میں نہیں گرتے، ایک بار بھی کعبہ کی طرف نہیں جھکے! آج سب کے سب رواں ہیں، دواں ہیں عیدگاہ کی طرف، ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ، اچھے اچھے کپڑوں کے ساتھ! —— پیغمبر [illegible] تفسیر ہو رہی ہے اُس حدیث نبوی کی جس میں آیا ہے کہ عید کی صبح سے اللہ کا فرشتہ پکارتا رہتا ہے لوگو عیدگاہ کی طرف آؤ، عیدگاہ کا تانتا دیکھنا، پورا رستہ بھر آدمیوں کی ریل پیل، سال سال بھر کے بے نمازیوں کا بے نمازی تانتا، بڑے بڑے پڑھے لکھے بے عملوں کا کڑکڑاتے جاڑوں میں صبح سویرے غسل کر کے ہو جانا، یہ تارک نمازوں کا گرمیوں کی دوپہر میں [illegible] اگر یہ نہیں بلانے والے کی پکار کا اثر نہیں تو اور کیا ہے؟ تفسیر زبان سے نہیں، عمل سے ہے، قال سے نہیں، حال سے ہے!

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است
لیکن عشق بے زباں روشن تر است

عید آتی اپنے وقت پر ہے، لیکن آمد آمد کہنا چاہیے کہ ایک مہینہ قبل سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور روزہ داروں کو جو بے شمار فرحتیں اسی دنیا میں نصیب رہتی ہیں، اُن میں ایک خاص فرحت عید کا انتظار و اشتیاق بھی ہے۔ ادھر رمضان آئے، ادھر عید کی تیاریاں شروع ہو گئیں، کہیں چھپ کر، کہیں کھل کر۔ عیدگاہ کی صفائی کا، سفیدی کا اہتمام ہونے لگا، راستہ ٹھیک کیا جانے لگا۔ دوکانوں پر نیا مال عید کے لیے آنے لگا۔ سیوؤں کی باریک باریک سوئیاں دیکھیے تو نازک، اور اٹھائیے تو سبک، بننے لگیں اور بکنے لگیں۔ رمضان ختم کے قریب پہنچے، اور عید و عید کے چاند کا انتظار و اشتیاق دلوں سے زبانوں پر کھل کر آیا۔ جہاں دیکھیے بس یہی چرچا، جنتریاں دیکھی جا رہی ہیں، [illegible]

ہیں، کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا۔ اسکولوں کالجوں کے طالب علم، کچہریوں دفتروں کے ملازم، عہدہ دار، چھٹی کا حساب لگا رہے ہیں۔ روزہ خور غریب ان لذتوں کی کیا قدر جانیں!

لیجیے، ماہ مبارک کی انتیسویں آ گئی۔ نہ پوچھیے کہ آج چاند دیکھنے کے کیسے کیسے انتظام ہو رہے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، جوانوں سب کے دل میں یہی ارمان کہ چاند آج ہی ہو جائے۔ کچھ اللہ والوں اور اللہ والیوں کی زبانوں پر یہ دعا بھی کہ چاند آج کی جگہ کل ہو، روزے تیسوں پورے ہو جائیں۔ شام کے انتظار میں گھڑیاں صبح سے گنی جا رہی ہیں۔ اسلامی ریاستوں اور شہروں میں دور دور سے چاند کی خبر کا ملنے کی باضابطہ سرکاری انتظامات رہتے ہیں۔ جوں ہی شام ہوئی اور شتابا نظریں آسمان پر جم گئیں۔ —— کیا ہی قصیدہ ہے جیسے مطلع کی تلاش ہے۔ اور جو کہیں ٹھیک وقت پر ابر آ گیا تو نہ پوچھیے، لوگ کیسی جھنجھلاہٹ پیدا کر رہی! خدا خدا کر کے چاند نظر آیا۔ گویا شادیانے بجنے لگے۔

لیکن سب سے بھی پہلے جس نے چاند دیکھا، اُس نے دعا پڑھی، اللہ اکبر! چاند بہت بڑا، بہت روشن، بہت چمکدار سہی، لیکن بڑائی اس میں کیا رکھی ہے۔ بڑا تو وہ ہے جس نے اسکو پیدا کیا۔ اللھم اھلہ علینا بالیمن والایمان۔ اے ہمارے اچھے پروردگار چاند دکھا ہم کو ساتھ خیر و برکت اور ساتھ سلامتی اور ایمان کے۔ والسلامۃ والاسلام اور ساتھ خیریت، روحانیت اور اسلام کے۔ والتوفیق لما تحب وترضیٰ۔ اور ساتھ توفیق اُس چیز کے جو تیری پسند و مرضی کے مطابق ہو۔ ربنا وربک اللہ۔ گواہ رہ اے چاند کہ اللہ ہی پروردگار ہے ہمارا بھی اور تیرا بھی۔ —— یہ اسلام کی مملکت ہے، یہاں تو بات بات پر دعا، اور قدم قدم پر اپنے مالک و مولیٰ سے التجا!

چاند دیکھا، چھوٹوں نے بڑوں کو سلام کیا، اور اُنکی زبانوں سے دعائیں لیں۔ شریف گھرانوں میں ابتک اسلامی معاشرت کی یہ جھلک پائی جاتی ہے۔ دوست احباب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ روزانہ افطار کے بعد تراویح کی فکر رہتی تھی، آج ادھر اطمینان ہے۔ بچے خوشی سے اچھل کود رہے ہیں۔ گھر کے بڑے بوڑھے صبح کی ضروریات کی فکر میں لگ گئے۔ دودھ آنا آئیگا، سویاں اتنی پکینگی۔ فرش فروش رات ہی سے ہو لیگا۔ درزی موچی کی دوکان پر رات رات بھر بھیڑ لگی ہوئی، جوڑا اور ریفرنیاں، ہنسی سے آرزو اور ارمان کی چیز۔ گھر کے اندر رالی رات، اب جمعیت، دلہنوں کے آگے کپڑوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ادھر دوپٹہ پر لچکا ٹک رہا ہے ادھر پاجامہ پر گوٹا لگ رہی ہے۔ ٹک ٹک جھک جھک کا ایک ہنگامہ برپا، لیکن اس ہنگامہ میں تلخی نہیں، خوشگواری۔

وقت کے قدرشناس آج کی شب بھی خالی نہیں جانے دیتے۔ رمضان کی ایک ایک رات دولتوں سے مالامال تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہی نعمتیں شب عید تک پھیلا دی جاتی ہیں۔ اللہ اللہ! جب بندہ نواز یوں لٹانے پر آئے تو مانگنے والا مانگنے میں کیوں کوئی کسر اٹھا رکھے۔ آج کی رات دعاؤں کی، مناجاتوں کی، روحانیت و ربانیت کی۔ ادھر سے عبودیت کی، اُدھر سے ربوبیت کی۔ ہر ہر سیٹر پہ، ہر ہر [illegible] پہ۔ بارش ہوئی رات بھر لطف و نوازش کی، عطا و بخشش کی۔

صبح ہوئی، اور صبح ابھی ہونے کہاں پائی، کہیے کہ تڑکے سے اٹھ بیٹھے، رات بھر تو [illegible] خوشی کے نیند ہی کس کو پڑی؟ ہر گھر میں [illegible] چہل پہل، کسی کسی کے ہاں [illegible] گرم ہے اور کوئی [illegible]

[illegible]

وہ اپنی بولی میں عید کہتا ہے۔ عید اُسکے اِس سال میں دو بار آتی ہے۔ آج کی عید کا نام عید الفطر ہے۔ افطار اور افطاری کے محبوب نام اسی فطر سے نکلے ہیں۔ مسلمان کا دن ہر روز فجر کے وضو سے شروع ہوتا تھا، آج غسل سے شروع ہوگا۔ وضو اور غسل دونوں کے لیے مستقل دعائیں ہیں، کہ جسم کی صفائی کے ساتھ ساتھ روح بھی دُھلتی اور نکھرتی چلی جائے۔ سبحان اللہ وبحمدہ، کیا جامع پروگرام ہے اور کیسا مکمل انتظام! جسم کا سنگار بھی اور روح کا نکھار بھی! اِدھر تفریح، اُدھر تسبیح۔ اِدھر جسم کی جِلا، اُدھر روح کی ضیا!

آج کے دن قبل نماز عید، ہر صاحب حیثیت مسلمان پر صدقہ ایک خفیف مقدار میں واجب ہے۔ اسکا نام ہی صدقۂ فطر ہے۔ اہمیت اِس حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ جب تک یہ صدقہ ادا نہ ہولیگا، رمضان کے روزوں تک کا اجر معلق رہیگا۔ آج مسلمان کے قومی و ملی جشن کا دن ہے، کم از کم آج تو مفلس سا مفلس بھی، اسلام کی عملداری میں بھوکا نہ رہنے پائے۔ صدقہ تو صرف وہ مالی اعانت ہے، جو اسلام کے ملی نظام معاشیات میں ہر نادار کی، ہر پیسہ والا بے روزگار کی کرتا رہتا ہے، اور جسکے بدولت بے روزگاری یا بے معاشی unemployment کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہونے پاتا!

غرض نہا دھو، کپڑے بدل بدلا، عطر و خوشبو لگا، صدقہ دے دلا، شیر خرما اور سوئیاں پی پلا، مسلمان نماز کے لیے چلا۔ نماز عیدگاہ میں ہوگی۔ عیدگاہ بستی سے باہر سنسان میدان میں ہوتی ہے، نہ ٹوٹی ہوئی چھت نہ دالان، نہ شہ نشین۔ محلہ کے لوگ محلہ کی مسجد میں تو روز ہی پانچ پانچ مرتبہ جمع ہوتے، ملتے جلتے رہتے ہیں، اور ہفتہ میں ایک بار، بستی کے مسلمان جمعہ کی دوپہر کو۔ سال میں دوبارہ دونوں عیدوں کے موقع پر، شہر اور آس پاس کے مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور یہ مجمع گویا ہر مرکز کے ایمانی بھائیوں کی ایک کانفرنس ہوتا ہے، شریعت کی تاکید ہے کہ وحدت امت کے پروگرام کی یہ اہم کڑی کمزور نہ ہونے پائے۔

سورج ابھی پوری طرح بلند بھی نہیں ہونے پایا، کہ مسلمان اِس نئی نماز کے لیے نکل کھڑا ہوا، جھلاتا ہوا نہیں، رنگ کھیلتا ہوا نہیں، نشہ سے جھومتا جھامتا نہیں۔ آج اُس پر holiday mood طاری ہے، خوشی کی مستی سوار ہے۔ اس خوشی کی مستی میں صدائیں لگاتا، نعرے بلند کرتا چلا جاتا ہے! آپ بھی سنئیں گے، وہ نعرے کیا ہیں؟ اللہ اکبر اللہ اکبر! بڑائی ہم میں کہاں، ہماری کسی چیز میں کہاں؟ ہم آپ کے حضور میں ہیچ محض، بیشک مطلق بڑائی تو صرف آپ میں ہے، صرف آپ میں ہے! لا الٰہ الا اللہ! معبود آپ کے سوا اور ہے کون؟ زندگی کا مقصود اور ہے کون؟ شان ربوبیت کے ساتھ معبود اور ہے کون؟ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ بڑائی بے روک ٹوک صرف آپ میں، بھلائی صرف آپ میں، حسن و جمال صرف آپ کی ذات میں، عزت و کمال صرف آپ کی صفات میں، ہماری ہر جنبش لب آپ ہی کی مدح و ستائش کا ایک عنوان، ہمارا ہر تار نفس آپ ہی کی عظمت و قدرت کا ایک بیان!

نمازیں روز پانچ وقتہ ہوتی تھیں، آج چھ وقت کی ہوگئیں! یہ ہے مسلمان کے خوشی منانے کا انداز، سب سے اُونچا، سب سے نرالا۔ مہینہ بھر کی قید اور پابندی اُسکے بعد کھولی گئی تو جا کر چھٹی ملی، اور اسکا انعام یہ نماز گھٹنے کے بجائے

آج ایک اور بڑھ ہی گئی! مسلمان آج جیب میں پیسے ڈال کر اس لیے باہر نہیں نکلیگا کہ جوے میں لگائے، شراب میں اُڑائے، راگ رنگ میں گنوائے، بلکہ قدم اُٹھائیگا عبادت کے لیے، جسم کی صفائی و پاکیزگی کے ساتھ روح کی صفائی و پاکیزگی کے لیے! بستی کے باہر بستی بھر کے کلمہ گوؤں کے ساتھ رکوع و سجود کی دولت حاصل کرلینے کے لیے! یہ ہے اُسکی خوشی، اس لیے کہ اسی میں اُسکے مولیٰ کی خوشی!

عیدگاہ پہونچے۔ یہاں کے جماؤ کا کیا کہنا۔ کوئی معمولی قصبہ ہے تو مجمع سیکڑوں کا، شہر ہے تو ہزاروں کا، بڑا شہر ہے تو ہزار ہا ہزار کا، اور کلکتہ بمبئی ہے تو نوبت لاکھ دو لاکھ کی! امیر بھی فقیر بھی۔ بڑے بھی، چھوٹے بھی۔ شہری بھی، دیہاتی بھی۔ بوڑھے بھی، جوان بھی۔ چہروں سے ایمان کی مسرت چمکتی ہوئی، بشروں سے ادائے فرض کی بشاشت جھلکتی ہوئی۔ کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی راہ کے گرد و غبار سے ہاتھ منہ دھو رہا ہے۔ کچھ لوگ آپس میں ہنس بول رہے ہیں، کچھ مصلوں پر قابض ہو کر ذکر و درود کی تسبیح میں لگ گئے ہیں، اور کوئی صاحب ہیں کہ جوتوں کی حفاظت کی فکر و انتظام میں لگے ہوئے ہیں! ——— صحن عیدگاہ سے باہر کا منظر بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ سودے والوں کا ہجوم، خوش ذائقہ گاہکوں اور تماشائیوں کی دھوم! خوانچہ والوں کی بہار، پھیری والوں کی چیخ پکار۔ اِدھر سرخ سرخ کباب سیخ پر لگ رہے ہیں، اُدھر کہیں اُن کے گاہک کڑھائی سے اُٹھ رہے ہیں۔ حقہ، پان، سگرٹ کی چاٹ، حلوائیوں کی دوکانوں کے ٹھاٹ، کہیں چلنے والے محفل گرمائے ہوئے، کہیں بہروپ کی نقلیں دکھانے والے اپنا رنگ جمائے ہوئے! اور سب سے بڑھ کر بچوں کے کھلونوں، غباروں، جھنجھنوں والوں کا شور و غل، چیخ پکار، بچوں کے ساتھ خود بھی بچے بنے ہوئے!

سنیے، نماز کا وقت آگیا، اور امام صاحب سامنے مصلے پر آگئے، اور صفیں کھڑی ہونے لگیں۔ آج نہ اذان نہ اقامت۔ مقصد ان دونوں کا اطلاع ہوتا ہے مسجد کے باہر والوں اور اندر والوں کو۔ آج یہ مقصد خود بخود حاصل، اسلیے اطلاع بے محل۔ نماز جماعت کا ایک اہم پہلو لشکری بھی ہے اور صف بندی کی اہمیت آج بھی جس لشکری سے چاہیے پوچھ دیکھیے۔ کوئی صاحب کھڑے ہوگئے پکار پکار کر ترکیب نماز کی تلقین کرنے۔ نماز عید کوئی پیچیدہ یا دشوار نہیں۔ کُل دو رکعتیں۔ نیت وہی جو سب نمازوں کی ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا، اور اسکے لیے ہر دفعہ ازسرنو تلقین کی ضرورت پڑتی ہے، کہ منشاء اُسکی بڑائی آج اور زیادہ تاکید و تکرار کے ساتھ دوہرائی جاتی ہے۔ چنانچہ معمولی تکبیروں کے علاوہ آج چند تکبیریں زائد کہی جائینگی۔ اُنکی تعداد حنفیوں کے ہاں چھ ہے۔ تین رکعت اول میں، نیت نماز کے بعد اور قرأت فاتحہ سے قبل کہی جاتی ہیں، اور باقی تین دوسری رکعت میں، رکوع سے قبل اور قرأت فاتحہ کے بعد۔

عیدگاہ نہ کوئی پرتکلف عمارت، نہ یہاں کوئی سجا سجایا بنگلہ آراستہ ہوا ہال، نہ کوئی عظیم الشان دالان، سرے سے چھت تک نہیں، پوری چار دیواری بھی نہیں! صرف ایک لمبی دیوار مغرب کی سمت کھینچی ہوئی آگے چبوترہ

خلیفۃ اللہ فی الارض

قرآن پاک میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے... اگر انسان کے متعلق اس بیان میں کوئی اہمیت ہے تو اس بنا پر ہمارے اوپر قرآن پاک کی پیروی کا ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے ساتھ کیا ہے۔ وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے یہ فرض محبت اور رواداری کا فرض ہے اور یقین فرمائیے یہ فرض کوئی سلبی فرض نہیں ہے بلکہ ایک اثباتی فرض ہے۔ اگر اللہ کی مخلوق کے ساتھ، وہ چاہے جس ملت سے تعلق رکھتی ہوں محبت و رواداری پر ہمارا عقیدہ ہے تو ہمیں اپنے روزمرہ کے سیدھے سادے فرائض اور خاموش تقویٰ کے سلسلہ میں اس عقیدہ پر کاربند ہونا چاہیے۔

عید کے دن خدمت خلق کا بیڑہ اٹھائیے

آج عید کے دن اس اسپرٹ کا جو روزوں اور نمازوں کی بدولت ہمارے اندر روشن ہوگئی ہے، اس سے زیادہ شایان شان مظاہرہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہم عزم بالجزم کر لیں کہ اپنے گھر کے اندر، اپنی ملت کے اندر، اپنے ملک کے اندر جس کے اندر مختلف المذاہب اور مختلف العقائد لوگ موجود ہیں، کامل ہم آہنگی و اتفاق پیدا کر دینگے اور نجی زندگی ہو یا پبلک زندگی کسی حالت میں خود غرضانہ مقاصد کے ماتحت کام نہیں کرینگے بلکہ اپنے تمام ہم وطنوں اور انجام کار تمام نوع انسان کے اہم تر مفاد کی خاطر کام کرینگے۔

فرقہ وارانہ جنگ و جدال

یہ ایک عظیم الشان تخیل ہے اور اسکی خاطر بڑا کام کرنا ہوگا اور قربانی دینی ہوگی۔ وقت بوقت آپ کی طبیعتوں پر شکوک و شبہات کا حملہ ہوگا۔ پھر طبیعت میں آویزشیں ہونگی۔ وہ آویزشیں صرف مادی ہی نہ ہونگی جنکو آپ دلیری کے ساتھ طے کر سکیں بلکہ روحانی آویزشیں بھی ہونگی۔ ہمیں ان آویزشوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور اگر آج جبکہ ہمارے قلوب مشکور ہیں ہم ان آویزشوں کا سامنا کرنے کی بلند ترین ہمت پیدا نہ کر سکے تو پھر یہ ہمت کبھی پیدا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے لیڈر ہندو اور مسلمان دونوں فرقہ وارانہ جنگ و جدل پر اظہار افسوس کیا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے مواقع آتے ہی جبکہ لوگوں میں جوش بھر جاتا ہے اور اختلافات جنگ کی حیثیت اختیار کر لیا کرتے ہیں میں آپ سے درخواست کرونگا کہ ایسے موقعوں پر آپ عید کی نماز کو یاد کریں اور یہ سوچیں کہ ہمارے قرآن نے اس عظیم الشان اسپرٹ نے جسکا نام اسلام ہے، جو ہمیں راستہ دکھاتا ہے اسکی روشنی میں کیا ہم اس جنگ کو ٹال نہیں سکتے۔ میں آپ سے درخواست کرونگا کہ ایسے وقت اس بات کو یاد کریں کہ ہمارے مقدس پیغمبر صلعم کے نزدیک اس سے زیادہ ضروری بات اللہ کی طرف سے زیادہ قطعی اور محکم نہیں ہے کہ ہم تمام دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت و رواداری کے متعلق اپنے فرض کو پورا کریں۔

مسلمان اور ہندوستان کا مستقبل

تمام معاشرتی احیاء اور سیاسی آزادی کا انحصار حتمی طور پر کسی ایسی چیز پر منحصر ہونا چاہیے جو زندگی کے اندر کوئی گہرے معنی رکھتی ہے۔ اور اگر آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں تو میں کہونگا کہ یہی اسلام اور یہی اسلام کی اسپرٹ ہے۔ بڑی بڑی تقریروں اور بڑی بڑی کانفرنسوں ہی سے سیاسیات نہیں بنا کرتیں۔ بیشک نوجوان میرے پاس آتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کی خدمت کیونکر کر سکتے ہیں۔

میرے نوجوان دوستو! اگر آج رات میں سیاسیات سے متعلق کوئی بات کہوں تو میں صرف مشورہ کے طور پر آپ سے یہ کہونگا کہ ہندوستان کے مستقبل کے متعلق ہمارے حقوق بھی ہیں اور ہمارے دعاوی بھی۔ لیکن ہمیں انکے متعلق ضد نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ضد محبت و رواداری کی اس اسپرٹ کے منافی ہوگی جو آج عید کے دن ہمارے اوپر طاری ہونی چاہیے۔ اور جسکی برکتوں کے متعلق حضرت پیغمبر اسلام نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ یہ برکتیں دوسروں تک پہونچائیں۔

ضبط نفس

لیکن ہم میں کا ہر شخص ضبط نفس کے ذریعے اپنے ملک کی خدمت کر سکتا ہے۔ ضبط نفس اس مقدس وقت کی روح بھی ہے۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ آیا اسکی عادتوں میں باقاعدگی ہے۔ کیا وہ وقت پر سوتا، وقت پر اٹھتا اور وقت پر کھانا کھاتا ہے۔ کیا وہ سڑک کے بائیں جانب چلتا ہے یا سڑک پر کوڑا نہیں پھینکتا۔ کیا وہ اپنے کام میں ایماندار اور مخلص ہے، کیا جو امداد وہ دوسروں کو دے سکتا ہے دیتا ہے، کیا وہ روادار ہے؟ یہ باتیں چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں لیکن ضبط نفس کی تمہیدیں ہیں۔ اور اس عظیم تر ہندوستان کے معاملہ میں تمام ملتوں اور تمام عقائد کی متحدہ کوششوں کے باب میں بڑی قیمتی ہیں۔ یہ ملک کی خدمت ہوگی جو ممکن ہے کہ آپ کو سیاسیات میں نہ چمکائے لیکن آپ کے دل کو پائدار امن بخشیگی۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے سیاسیین کے کام کو زیادہ آسان بنانے کے متعلق اپنا حق ادا کر دیا۔

پیروی صداقت

.... پیروی صداقت اور عقائد کی نشو و نما میں ہمیں قرآن پاک کے عقلی معنی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اگر ہم خلوص کے ساتھ صداقت کے دلدادہ ہیں تو ہم اپنے پیمانے کے مطابق اپنی منزل مقصود کو پہونچ جائیں گے۔ مگر اس صداقت کو جامہ عمل پہناتے ہوئے ہمیں صرف اسی پر قناعت کرنی چاہیے کہ جہاں تک پہونچیں دوسروں کے حقوق پر دست درازی کیے بغیر پہونچ جائیں، اگر اس کے ساتھ ہمیشہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کبھی نہ کریں۔ —— آخر میں میں آپ سے اصرار کرونگا کہ اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ اسلام ہر مسلمان سے متوقع ہے کہ وہ اپنی ملت کے ساتھ اپنا فرض ادا کریگا۔ (الامان)

بدعاتِ محرّم

علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھنؤ میں شیعہ سنی اختلافات پر معارف کے تازہ پرچہ میں ایک نہایت مفید شذرہ قلمبند فرمایا ہے۔ جس کے حسب ذیل الفاظ خاص طور سے قابل توجہ ہیں:۔

"مگر حقیقت میں سنیوں اور شیعوں کے فعل سے اسی قدر تکلیف؟

تو انکا پہلا فرض یہ ہے کہ محرم کے اُن تمام بدعات سیئہ سے جو اسلام کی رسوائی کی باعث ہیں کیقلم الگ ہو جائیں ورنہ یہ کیا ہے کہ شیعوں سے نفرت کرنا اور شیعیت کے مراسم خود ادا کرنا جو باتفاق علماء اہل سنت ناجائز اور ناروا ہیں اور متعدد بار انکے فتاوے شائع ہو چکے ہیں "۔

اس شذرہ میں جس فرض کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے حقیقۃً وہ اس قابل ہے کہ تمام ملک کے سُنی اسکی طرف پوری طرح ملتفت ہوں۔ لکھنؤ میں شیعوں کے خلاف سنیوں کی طرف سے جو محاذ قائم کیا گیا ہے اُسکا مقصد حقیقی تو یہی ہے کہ شیعیت کے جو اثرات سیئہ سنیوں میں سرایت کر چکے ہیں یا دو سرایت کرتے جا رہے ہیں انکی روک تھام کی جائے اور ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ سنی عوام کو اسلام کے صحیح راستہ پر لانے میں کوئی دقت اور رکاوٹ باقی نہ رہے۔ پس اگر ہم نے اپنی ساری جدوجہد صرف شیعوں کی مخالفت میں محدود رکھی اور شیعیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کا قلع قمع کرنے کی طرف توجہ نہ کی تو اس سے بڑی حماقت اور فرض ناشناسی اور کیا ہوگی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ سنیوں کی جو جماعتیں اور انجمنیں اسوقت شیعوں کے خلاف معرکہ آرا ہیں اب جبکہ انکی راہ کی بہت کچھ دشواریاں دُور ہو چکی ہیں اپنی پوری قوت سنیوں کو محرم وغیرہ کی ان بدعات وخرافات سے روکنے میں صرف کریں گی جو اسلام کے خلاف ہونے کے ساتھ مسلمان قوم کے لیے بدرجہ تباہ کن اور شرم انگیز ہیں۔ اگر یہ کام پوری سرگرمی اور جوش کے ساتھ نہ کیا گیا تو وہ تمام جدوجہد اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بالکل فضول ہوگی جو ابتک کی گئی ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ ان انجمنوں اور جماعتوں کی تمام قربانیوں اور خدمات کا مقصد محض ہنگامہ آرائی تھا اور اسلام یا اہل سنت کی کوئی خدمت اُنکے پیش نظر نہیں تھی۔

(مرتبہ)

تعلیم یافتہ عورت

(۱) "میری ... تمہاری بارگاہ حسن میں عقیدت کے پھول چڑھاتا ہوں۔ اپنی زندگی میں مجھے ایک ایسی ہی ہستی کی تلاش و جستجو تھی جو حسن و خوبصورتی، استقلال و تدبر، ہمت اور شرم و حیا کا مجموعہ ہو۔ اور یہ خوبیاں صرف تمہاری ذات میں موجود ہیں۔ میری عقیدت کے پھولوں کو شرف قبولیت بخش کر مجھے فخر کا موقع دو۔ دیوی! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم جس مشن کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہو، ایک ٹوٹے ہوئے دل سے اسی پیغام کی صدائے بازگشت آ رہی ہے "۔

(۲) " میں آپ کے قدموں پر محبت کے پھول چڑھاتا ہوں۔ یہ ایک ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے۔ لیکن اب مایوسی کی تاریکی میں امید کی شعاعیں چمکتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کی زمزمہ بار آواز سن چکا ہے "۔

(۳) " میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپکی پُر اثر شخصیت کی تعریف کر سکوں۔ آپ کی شخصیت میں ایک ... کشش ہے۔ ایک غیر مرئی طاقت پوشیدہ ہے۔ جس نے میرے ... ل کو متاثر کر دیا ہے حتی کہ آپ کی ... ہے۔ میں خود ... روح اور نئی زندگی محسوس کر رہا ہوں۔ ملکۂ حسن! مجھے اپنے قدموں پر عقیدت کے پھول چڑھانے دیجیے۔ میں ایک غلام کی طرح آپ کی ہر خدمت کو تیار رہوں "۔

(۴) " میں ایک ایسی ہستی کو خط لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جو مجھ سے اسی قدر بلند ہے جس قدر زمین سے آسمان۔ اس لیے اپنی اس جرأت و بیباکی کی معافی کا خواستگار ہوں۔ جب سے میں نے آپ کی آنکھوں کو دیکھا ہے اُسوقت سے میرے لیے زندگی کے کچھ اور ہی معنی ہو گئے ہیں۔ اب میں آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کرنے کے لیے تیار رہوں۔ اگر ہم دَورِ ماضی میں پیدا ہوئے ہوتے تو میں خود کو آپکے لیے وقف کر دیتا اور اپنی زندگی آپ پر نثار کر دیتا۔ بہت ممکن ہے کہ موجودہ دور میں ایسا موقع ہاتھ نہ آسکے۔ بہرحال میری جان آپ کے لیے حاضر ہے۔ کیا میں امید کروں کہ آپ اس حقیر کی پیشکش کو قبول فرمائینگی؟ "

ایسا خیال ہے کہ کہیں آپکا اشتیاق حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ چند اقتباسات اُن خطوط کے ہیں جو منچلے مرد پنڈت جواہرلال نہرو کی ہمشیرہ اور سابق وزیر لوکل سلف گورنمنٹ صوبہ متحدہ، مسز وجے لکشمی پنڈت کو لکھا کرتے ہیں۔ اور جن کو شائع کرانے کی ضرورت موصوفہ نے محسوس فرمائی!!

خدا کے لیے اس چیز کو بے تبصرہ ہی رہنے دیجیے! کہ ان خط لکھنے والے مردوں کے زندہ ہاتھ کے آگے ہماری تحریر بیت ہی پھیکی پڑ جائیگی!!

(رہبر دکن)

اشاعتِ صدق کی رفتار

ایک مقامی کرم فرما	۵ خریدار	چندہ نقد وصول
جناب مولانا گیلانی و مولانا بادشاہ حسینی صاحبان (حیدرآباد دکن)	۲۳ - خریدار	وی، پی کا آرڈر۔
جناب محمد باقر صاحب (حیدرآباد دکن)	۲ - "	ایک نقد، دوسرے کے لیے وی، پی
میزان	۳۰ "	

سَو کی مطلوبہ تعداد میں سے ایک عشرہ کے اندر ۳۰ کی تعداد تو یوں ہوگئی۔ گویا رفتار اگر زیادہ امید افزا نہیں تو کچھ ایسی مایوس کُن بھی نہیں۔ بمبئی اور باندہ کے دو خاص ہمدردوں سے مراسلت ہو رہی ہے، اور توقعات بڑی حد تک قائم ہیں۔ بہرحال دفتر ایک بار پھر ہمت کرکے یہ نمبر تو نکالے ہی دیتا ہے۔ آیندہ نمبروں کے لیے، اللہ کے فضل وکرم کے بعد پھر اگر بھروسہ ہے، تو اپنے کرم فرما حضرات ہی کی ہمت اور ہمت افزائی پر۔ جب تک سَو کا عدد پورا نہ ہو جائے، یکسوئی و اطمینان کے ساتھ کوئی وعدہ کرنے سے بالکل معذوری ہے۔ معاصر زمزم (لاہور) نے حوصلہ افزائی کے جو کلمات تحریر فرمائے ہیں وہ اسی اشاعت میں کہیں درج ملیں گے۔

اخبار "صدق" لکھنؤ

لکھنؤ کا ہفت روزہ اخبار "صدق" مشہور مفکر اسلام مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی ادارت میں ایک مدت سے شایع ہو رہا ہے - ممدوح نے اس اخبار کے اسلام اور ملت اسلامیہ کی جو وقیع اور حقیقی خدمات انجام دی ہیں اسکا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنھوں نے "صدق" کا مطالعہ فرمایا ہے - اور ہم علی وجہ البصیرت کہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کو اس اخبار کی جس قدر ضرورت ہے اتنی کسی اور اخبار کی نہیں ہے - یہ اسی اخبار کا کام تھا کہ اس نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مغربیت اور یورپ زدگی کا مقابلہ کیا اور یورپ کی خطرناک اور تباہ کن تہذیب کے مقابلہ میں ایک ایسی سد سکندری قائم کردی جو انشاءاللہ کبھی منہدم ہونے والی نہیں - مگر کس قدر رنج و افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کا یہ بے لوث خادم مسلمانوں کی غفلت کا شکار ہونے لگا ہے اور خریداروں کی قلت کے باعث اسکی مالی حالت اس قدر سقیم ہو چکی ہے کہ اگر اسکی فوری امداد نہ کی گئی تو صدق و سداد کی یہ آواز ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیگی -

"صدق" کے تازہ پرچے میں اعلان کیا گیا ہے کہ:—

ایک سَو خریدار جلد سے جلد مہیا کیے جائیں، ورنہ اسے ایک غیر معین عرصہ کے لیے ملتوی کر دینا پڑیگا!

ہم آج تک معلوم نہ کر سکے کہ مسلمان اپنے اخبارات سے چاہتا کیا ہے؟ سنا گیا ہے کہ مسلمانوں کو مذہب سے عشق ہے - مگر مذہبی جرائد و رسائل کے ساتھ انکا جو سلوک ہے، اُسے دیکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس قوم کا ذہنی اور اخلاقی انحطاط اتنا پست ہو گیا ہے کہ اب اسکے اُبھرنے کی بھی امید باقی نہیں رہی ہے - ہاں اس زمانے میں خوش قسمت وہ فلمی رسائل اور بازاری اخبارات ہیں، جو پست قوم کے لیے پست خیالات فراہم کر کے اسکی اسلامیت کو ذبح کر رہے ہیں -

ہمیں امید ہے کہ معاصر "صدق" کو زندہ رکھنے کے لیے غیرت مند اور حساس مسلمان ضرور کوشش کرینگے - اگر وہ کوشش کریں تو ایکسو خریداروں کا مہیا ہو جانا کچھ مشکل نہیں -

(زمزم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بس یہ کل اصلی کائنات اس سادگی کی انتہا۔ دین فطرت کی سادگی کا ایک نمونہ! اور اس کی دوسری شکل اور وہ آدمی، کلفت و محبوبی! کسی دوسرے مجمع کو مقابلہ میں لایا ، اور کسی دوسرے منظر کو مثال میں بتلایا جائے؟ وہ یہ ہے کہ شاعری کی دنیا میں عیدگاہ دوسرا نام ہے کوے یار کا، دیار محبوب کا!

عیدگاہ ما غریباں کوے تو!

اپنوں نے جو کچھ دیکھا، اسے چھوڑیے۔ غیروں نے جو کچھ ان مناظر کے نظاروں میں پایا، اس کی جھلک سر تامس آرنلڈ، بشپ پی فرانسے وغیرہ کے الفاظ میں دیکھیے ——— اس حسن کی شرح و تفصیل کی تاب، شام عید کی یہ جلتی ہوئی ملاقات کہاں سے لا سکتی ہے؟

نماز ختم ہوئی اور دو رکعتوں کے بعد امام نے سلام پھیرا، اور منبر پر جا، خطبہ شروع کر دیا۔ خطبہ وہی دو ہوتے ہیں، جمعہ کی طرح۔ دونوں خطبوں میں ہوتا کیا ہے؟ نہ پھڑکتی ہوئی غزلیں، نہ رنگین افسانے، نہ ادب لطیف کے نمونے، نہ پرجوش ترانے۔ وہی رب کی نعمتوں کا شکر، اور اس کی توحید کا اقرار، ترغیب توبہ اور تلقین استغفار، اس سے وعدہ، اس کے لیے وعید، ایک کو دلاسا، دوسرے کو تہدید۔ کہیں جنت کے پھولوں کی مہک، کہیں جہنم کے شعلوں کی لپک۔ نیکوں کو بشارتیں اور خوشخبریاں، بدوں کو ڈراوے اور دھمکیاں۔ کچھ فقہ و شریعت کے مسائل، کچھ رمضان و عید کے فضائل، غرض وہ سب کچھ جس کے ذکر و فکر سے شاندار اور نامور روزناموں کے صفحات خالی رہتے ہیں، اور آرٹ اور سائنس کے یا تصویر سگریٹ کے اوراق کورے! دوسرا خطبہ ختم ہوا، تو امام نے ہاتھ اٹھائے دعا کے لیے، اور کئی کئی منٹ تک دعائیں مانگی اللہ کے فضل و کرم کی اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔ آج کے لیے بھی اور کل کے لیے بھی۔ انبیاء، اولیاء اور صالحین کے لیے بھی اور عام مومنین و مسلمین کے لیے بھی۔ دعا ختم ہوئی، لوگ اٹھ کھڑے ہوے۔ آپس میں ملنا ملانا شروع ہو گیا، اودھ کے علاقوں میں معانقہ یا گلے ملنے کی رسم شدت کے ساتھ جاری ہے۔

نماز پڑھی، خطبہ سنا، دعا مانگی۔ یہ سب ملا کر دیر اچھی خاصی لگتی ہے۔ اس ساری مدت بھر، خاصی کڑی دھوپ میں، سارے نمازی بیٹھے رہتے ہیں کہیں کہیں شامیانہ کے نیچے، اور اکثر مقامات پر تو نہ شامیانہ نصیب، نہ کسی درخت کا سایہ۔ اور پھر بیٹھے کاہے پر ہیں۔ کوچ تو کیا ہوتیں نہ صوفے، مخملی قالین ہیں نہ ریشمی گدے۔ کہیں دری کہیں چٹائی، اور کہیں کھرا فرش زمیں! نہ اکتا اکتا کر گھڑی دیکھینگے، نہ گھبرا گھبرا کر شور مچائینگے۔ پسینہ میں شرابور ہیں لیکن اٹھنے اور ہلنے کا نام نہ لینگے۔ جب تک امام خود، دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیر لیں۔ امام کے اٹھتے ہی مجمع منتشر ہوا۔ اور آپس میں ملتے ملاتے، ہوے لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لیا۔ واپسی پھر اسی طریقے سے ہوتی ہے۔ توحید کا کلمہ پڑھتے ہوے، اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوے۔ واپسی بہتر ہے کہ دوسرے راستہ سے ہو، کہ دیکھنے والوں پر شوکت اسلام کا اثر زیادہ پڑے۔

گھر پہنچے، اور عزیزوں دوستوں کے ملنے جلنے لگے۔ آپس میں ملنا ملانا، کھلانا پلانا، ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا، شام اسی میں ہو گئی۔ اور اب ان ہمیشہ کے معمولات پر اضافہ کیا بیسویں صدی کی ایجاد، ریڈیو، اور اس کے ذہین کارکنوں نے ایک گمنام و گوشہ نشین کی خدمتوں میں عید کی شام کو یہ عید کا پیام[illegible]

عید مبارک!

ذرا تصور کیجیے عید کے مقصد اور اللہ اکبر کے نعرہ کا یعنی ایک مومن برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کو اختیار کرنے کا اقرار کر رہا ہے اگر آپ سے کوئی کہے عید مبارک! تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ برائیوں سے بچنا اور بھلائیوں کو اختیار کرنا آپ کو مبارک ہو۔ یہ مطلب تو نہ ہوگا کہ تمھیں زیادہ سے زیادہ برائی کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ خوب لہو و لعب میں مبتلا رہو۔ خوب ناچ اور گانوں کا مزہ لوٹو!

اگر کوئی یہ کہے تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرینگے؟

ارے نہیں آپ یقین کیجیے کہ آپ یہی کہ رہے ہیں اور یہی سن رہے ہیں، یا ورنہ ہو تو اس کا ثبوت ہم سے لیجیے۔ دہلی کے ایک اخبار میں مندرجۂ اشتہار شایع ہوا ہے:۔

عید مبارک!

عید مبارک!!

لیلا ڈیسائی کا رقص عید کی خوشی میں صرف تین دن کے لیے ۔۔۔

یعنی اے مسلمانوں! تم تو اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر برائیوں سے بچنا چاہتے ہو۔ مگر آؤ زندگی کا لطف اس میں ہے کہ لیلا کا رقص دیکھو۔ اس رقص کے دیکھنے کے بعد تمھیں کہا جائیگا عید مبارک! اور عید مبارک کا اس جگہ استعمال اپنے اندر خاص ندرت رکھتا ہے۔ یعنی اے دنادار! تجھے بغاوت مبارک! اے متقی! فسق و فجور پر تو مستحق تبریک! اے پاکی اور نیکی کے متوالے! معصیت و گناہ پر تو لائق ستائش۔ اسی طرح اے برائیوں سے توبہ اور بھلائیوں کو اختیار کرنے والے مومن! عید کی مبارک تقریب پر لیلا ڈیسائی کا رقص تیرے ہی لیے مخصوص ہے۔ تجھے عید مبارک!

کلکتہ کے ایک اخبار سے چند مبارکبادیاں یہاں نقل کی جاتی ہیں

ہمارے مہربانوں کو عید مبارک ہو۔

شری بھارت لکشمی سنیما میں تشریف لا کر مس پرمیلا اور گلاب شیریں سے لطف اندوز ہوجیے۔

دوسری عید مبارک ملاحظہ ہو۔

عید کی تفریح سے لطف اٹھائیے

جیمن ساتھی میں ماما بنرجی اور جینتی کے کام دیکھیے۔

اسی اخبار کی تیسری عید مبارک بھی ملاحظہ ہو۔

عید مبارک

رنگین کہانی شانتا رام کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔

ایک مبارکباد اور

عید مبارک عید مبارک

مس آرزو کا ناچ دیکھانا۔ بلبل بمبئی انورا اور کے گانے اور ستار کا لطف اٹھائیے۔

اس اخبار کی عید مبارک کا ایک اور نمونہ

عید مبارک

[illegible]

ساتھ ملاحظہ فرمایئے

اب مجھے ایک خیال کی مبارکبادیاں بھی ملاحظہ ہوں۔

"ہماری طرف سے تمام مسلمان بھائیوں کو عید مبارک۔ خاص عید کے مبارک دن سے شروع ہونے والے حسن و عشق کے دل ہلا دینے والے معرکہ"

دوسرا نمونہ:-

"عید مبارک ندی کے کنارے ایک حسینہ اور ایک شہزادہ کے عشق و محبت کی دلپذیر داستان ۔۔ آپ بھی آ دیکھیں [illegible] آئیے"

ہاہا... یہاں کی تو کچھ نہ پوچھیے ہر شخص [illegible] مگر جلی حروف سے عید مبارک کا پیغام [illegible] کے روز لہرا گیا۔

ہمارا اعتراض سینما کے اشتہارات اور اُنکی نفس کا رتی پر نہیں بلکہ اس پہ ہے [illegible] میں ملانے کی کیسی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ دنیا و حریص [illegible] سے [illegible] کا بیوپار لگا دیا گیا ہے۔

اللہ اکبر کا مطلب تھا کہ مسلمانو! برائی سے بچو اور ہر بھلائی اختیار کرو۔ لیکن تمہارے لیے عید مبارک! اگر اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! ہر بھلائی سے بچو اور ہر برائی پر عمل کرو۔ کہاں کا ذکر آخرت۔ آؤ مس لیلا [illegible] کا رقص دیکھو اور ندی کے کنارے عشق و محبت کی تکمیل کا سبق سیکھو!

ابھی یہ داستان ختم نہیں ہوئی ہے۔ [illegible] کا ذوق سلیم ملاحظہ ہو کہ اللہ اکبر اور عید مبارک سے کس طرح ناجائز استفادہ کیا گیا ہے۔ ایک اخبار میں ذیل کا یہ [illegible] اشتہار شائع ہوا ہے

عید مبارک عید مبارک

مردمی!

بس کچھ نہ پوچھیے کہ اشتہار کیسا ہے اور سینما اور رقص و سرود اور گانے بجانے کی مناسبت سے "مسلمانوں" کی کیسی بروقت امداد کی گئی ہے!

راقم الحروف کو لاہور کے ایک بازار سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ ایک جگہ ایک بڑی دکان پر قد آدم پتنگ نظر آیا جو ہوا میں ہچکولے لے رہا تھا۔ پتنگ کے درمیانی حصہ میں نہایت جلی حروف میں لکھا ہوا تھا "عید مبارک" گویا عید لہو و لعب سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ اس میں مبتلا ہونے کے لیے ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

مسلمانو! ہم تم سے کچھ نہیں کہتے اگر کہیں بھی تو بے نتیجہ۔ صرف قرآن پاک کی ایک آیت کو دہرا دینا چاہتے ہیں۔

"اللہ کبھی اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے"

تم جو چاہو اختیار کرو، مگر اسلام کے نام پہ نہیں۔ تم جس گڑھے میں چاہو گرو، مگر اسلام کو، خدا کو، تقدیر و قسمت کو الزام نہ دو۔ بہتر ہو کہ تم سال میں ایک ہفتہ اپنی عیاشیوں کے لیے مقرر کرلو اور یہ اعلان کر دو کہ ہم نے اسلام سے ایک ہفتہ کی رخصت لی ہے، اس ہفتہ میں ہم مسلمان نہیں رہیں گے ہم نے عارضی طور پر اسلام سے ایک ہفتہ کی رخصت لے لی ہے۔ پھر ہمیں تم پر کوئی افسوس نہ ہوگا۔

(زمزم)

صدر مسلم لیگ کا پیغام

([illegible] جناح کی تقریر جو عید الفطر کے موقع پر بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوئی)

اسلام درحقیقت عمل کا نام ہے

رمضان کے روزوں اور نمازوں سے متعلق [illegible]

آج اللہ تعالیٰ کی حضوری میں دل کی غیر فانی تسلیم و رضا کی صورت میں آخری مرحلے پر پہنچا ہے۔ لیکن یہ تسلیم و رضا ایک کمزور دل کی تسلیم و رضا نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ یہ تسلیم و رضا ایک کمزور دل کی تسلیم و رضا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور حضرت پیغمبر اسلام صلعم دونوں سے بے وفائی کر رہے ہیں کیونکہ یہ تمام مذاہب کی نمایاں اور بنیادی اصولی بات ہے کہ جو منکسر ہیں وہی طاقتور رہیں گے، اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس بات کو اسلام میں مخصوص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ جیسا آپ سب کو علم ہے، اسلام درحقیقت عمل کا نام ہے۔

رمضان کا ضبط نفس

ہمارے پیغمبر نے رمضان سے متعلق جو ضبط نفس پیش فرمایا تھا اُسکا مدعا یہ تھا کہ ہم میں عمل کے لیے ضروری قوت پیدا ہو۔ اور عمل میں انسانی سوسائٹی مضمر ہے۔ جب ہمارے پیغمبر نے عمل کی تلقین فرمائی تھی اُنکے پیش نظر فرد انسان کی تنہا زندگی نہ تھی، نہ صرف وہ کارنامے تھے جو فرد انسان اپنے نفس کے اندر ہی اندر پورے کیا کرتا ہے۔ نہ صرف نماز تھی اور وہ تمام چیزیں جو روحانی طور پر نماز میں شامل ہوتی ہیں۔ قرآن پاک کے مطابق نماز اور زندگی کے درمیان بہت ہی حقیقی تعلق ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ کتنے بہت سے اور حیرت انگیز مواقع ہمیں دیے گئے ہیں کہ ہم نوع انسان سے ملیں اور انکا مطالعہ کریں اور انکو سمجھیں اور انکو سمجھ کر انکی خدمت کریں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تمام مواقع نمازوں کے ضابطوں کے ذریعہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

نمازوں اور حج کی اہمیت

دن میں پانچ مرتبہ ہمیں اپنے محلہ کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ پھر ہر جمعہ کو ہمیں شہر کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ پھر عید کے دن ہمیں شہر کے باہر کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ اسکے بعد حج ہے۔ جسکے لیے دنیا جہان کے مسلمان اپنی زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ اللہ کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور اللہ سے لو لگاتے ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہماری عبادات کا یہ نظام ہمیں نہ صرف لازمی طور پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وابستہ تعلق بناتا ہے بلکہ دوسرے ملکوں کے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے جنکے ساتھ راستہ میں مڈبھیڑ ہونی ضروری ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہماری نمازوں کے متعلق یہ احکام محض خوشگوار اتفاق کا حکم رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ احکام اس طرح مرتب ہوئے کہ انسانوں کو اپنی معاشرتی جبلی خصوصیات پوری کرنے کے موقع حاصل ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو :-

مہتمم اخبار "صدق" - لکھنؤ

صدق

قیمت فی پرچہ ۱/-

نمبر ۱۸ | لکھنؤ - ۴ - ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۵

سچی باتیں

حال کی ایک نامور جرمن محقق خاتون ڈاکٹر ایلسے شٹیشر [illegible] میں - علوم عربیہ کی ماہر خصوصاً تمدن جاہلیت کی - عرب جاہلیت میں عورت کے مرتبہ و مقام پر ایک نہیں، کئی مقالات کی مصنف - کچھ روز ہوے بڑی ریسرچ اور دیدہ ریزی کے بعد ایک رسالہ "عورت ایام العرب میں" کے عنوان سے تصنیف فرمایا! پہلے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں نکلا، اور اب الگ شایع ہو چکا ہے - مضمون میں زور بار بار اس پر دیا ہے، کہ عرب جاہلیت میں عورت کا درجہ ذلت و پستی کا نہیں، عزت و برابری کا تھا - اور عزت و ذلت، بلندی و پستی کا معیار کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہی جو آج یورپ میں رائج ہے - ایک جگہ لکھتی ہیں :-

"یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ ایام العرب کے مطالعہ سے جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ جاہلیتِ عرب میں عورتیں دبائی نہیں جاتی تھیں، بلکہ اسکے برعکس انکی بڑی عزت ہوتی تھی - ورنہ پھر اسکے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، کہ اگر چند خواتین بگڑ جاتیں، تو سارا قبیلہ خود اپنے اوپر حملہ سمجھتا - ذاتی انتقام کے لیے محض کنبہ والوں کا آمادہ ہو جانا کافی تھا - اسی طرح یہ امر بھی ناقابل فہم رہ جائیگا، کہ عکاظ کے مقدس بازار اور صلح کے مقدس زمانہ میں محض ایک نوجوان عورت کی خاطر ہنگامہ برپا ہو گیا" (ص ۸۴)

اور لیڈی صاحبہ اپنی اس تحقیق میں منفرد نہیں - یورپ سے یہی آواز بار بار بلند ہو چکی ہے، کہ زنِ جاہلی، عرب میں اچھی خاصی "آزاد" تھی، اسلام نے آکر خواہ مخواہ اس پر قیدیں اور بندشیں عائد کر دیں! یہ تحقیق بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، یہاں بحث اس سے نہیں - یہاں دکھانا صرف یہ ہے، کہ فرنگیوں کی تحقیق کے مطابق، ماضی بعید کی زنِ عربی، اور حال کی زنِ غربی کے درمیان کوئی ایسا فرق تھا ہی نہیں - یہی آزادیاں اور یہی بیباکیاں وہاں بھی تھیں، یہاں بھی ہیں - یہی مظاہرۂ حسن و جمال اور شوقِ نمایش وہاں بھی تھا، یہاں بھی ہے - یہی عریانیاں لباس کی اور شعر و ادب کی، دلیل کمال وہاں بھی تھیں، یہاں بھی ہیں - یہی مرد و عورت کا سلسلہ روک ٹوک اور بے تکلف اختلاط وہاں بھی، روشن خیالی کا پروانہ تھا، یہاں بھی ہے - اور چونکہ یورپ اور یورپ زدوں کے نزدیک یہی آزادانہ اختلاط معیار ہے عورت کی عزت کا، اس لیے نتیجہ قدرۃً نکلنا ہی چاہیے، کہ قدیم تمدن جاہلی، جدید تمدن جاہلی سے بہت کچھ مشابہ تھا - اس تسلسل میں رخنہ تو اسلام نے آکر ڈال دیا، جس نے منادی کی قانونِ حجاب کی - عورت کا دائرۂ عمل مرد سے الگ قرار دیا، نظر کی ہر ہر جنبش پر پہرہ بٹھا دیا، اور بلا ضرورت اختلاط کو اپنی شریعت کا ایک سنگین جرم اور نسل انسانی کے حق میں ایک فتنۂ عظیم ٹھہرایا -

---

جب عین جہل کا نام علم پڑ جائے، اور گمراہی تاریکیوں کو روشنی سے تعبیر کیا جانے لگے، تو اسکا علاج کس کے بس کی بات ہے؟ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی "آزادیوں" پر خوش ہونا، اپنے ہاتھوں انکے چہروں سے نقابوں کو نوچ ڈالنا، اور انکے دلوں سے حجاب کی اہمیت کو مٹا دینا، مردوں کی درسگاہوں میں "اعلیٰ تعلیم" کے لیے داخل کر دینا، ان میں زیادہ سے

زیادہ مردانہ کمالات پیدا کر دینے کی کوشش کرنا، گھر کے اندر کی زندگی سے انھیں زیادہ سے زیادہ بیگانہ اور متوحش بنا دینا، ہر شعبہ حیات میں مردوں سے مقابلہ اور مسابقت انکی زندگی کا مقصد ٹھہرا دینا، بے پردہ باہر نکال کر اور کالج میں، کلب میں، پارک میں، ہوٹل میں، سینما میں، مردوں کے پہلو بہ پہلو لا بٹھانا، مخلوط تعلیم اور مخلوط تمدن کی سعی کر کے یہ سمجھنا کہ یہ بھی اصلاح کا ایک بڑا کارنامہ ہے، جن بزرگوں اور عزیزوں کا یہ فلسفۂ زندگی ہو جائے وہ للہ کبھی سوچیں کہ انکے قدم کس منزل کی طرف اٹھ رہے ہیں، اُس صحیح و صالح نظام زندگی کی جانب جسے قانون اسلام نے قائم کیا ہے، یا اُس غیر فطری، غیر صالح، غیر مستورانہ، نیم حیوانی، شہوانی طریق معاشرت کی طرف، جو آج تہذیب یورپ کا طرۂ امتیاز ہے، اور کل ایرانی، یونانی، مصری، رومی، عرب ساری جاہلی تہذیبوں کا بھی مشترک رہ چکا ہے؟

ایک نیا فتنہ!

لیڈر، غیر مسلموں کے ہاتھ میں صوبہ متحدہ کا مشہور انگریزی روزنامہ ہے۔ ۲- جنوری [illegible] کے ایک غیر مسلم مضمون نگار کے قلم سے ایک "جواں مرد" مسلم خاتون کی تصویر مع حالات زندگی شایع ہوئی ہے۔ یہ خاتون "پہلوان" ہیں، اور اکھاڑے اکھاڑے، دنگل دنگل اپنے مردانہ کمالات کے کرتب دکھاتی پھرتی ہیں۔ عمر بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی ۲۰ سال کی ہے۔ بہت سی کشتیاں مار چکی ہیں، اور متعدد مرد پہلوانوں کو چت کر چکی ہیں۔ پیدائش مرزاپور کی ہے، مگر اب شرف توطن علیگڈھ کو حاصل ہے۔ بعض مرتبہ انعام ڈیڑھ ہزار تک مل چکا ہے۔ تصویر میں کوئی علامت نسوانیت کی نہیں۔ سر کے بال مردوں کی طرح ترشے ہوئے۔ ہاتھ انگلیوں سے بازوؤں تک برہنہ، گلے کے نیچے سے نصف شکم تک جسم ملبوس۔ نصف شکم برہنہ، مرد پہلوانوں کی طرح ایک معمولی سا لنگوٹ۔ اسکے بعد کنج ران سے ناخن پا تک ٹانگیں پھر بالکل برہنہ! تصویر کے نیچے اعضائے جسم سے متعلق تفصیلات درج۔ کہ وزن اتنا ہے، قد اتنا ہے، بازوؤں کی گولائی اتنی، کلائی کی ناپ اتنی، رانوں کا پیمانہ اتنا، و قس علی ہذا۔ یہ برہنگی تو تصویر کی ہوئی، باقی عملی زندگی میں اپنے اس برہنہ جسم کی نمائش کی دعوت ہماری یہ غیر شادی شدہ بہن ہزارہا مسلم و غیر مسلم تماشائیوں کو کھلے خزانے دیتی رہتی ہیں، اور اکھاڑے میں جوانوں سے بے تکلف اپنے جسم کی ملابست کراتی رہتی ہیں! اور دیکھنے والے ہزارہا بھائیوں میں سے کسی کو غیرت نہیں آتی! —— گویا ایسے غیر ضروری مسائل، مسلم لیگ، اور جمعیۃ العلماء، اور جمعیۃ احرار، اور بیسیوں دوسری قومی و ملی انجمنوں کے عرصۂ التفات سے یکسر خارج ہیں! —— کچھ روز ہوئے، لاہور کے مسلمانوں نے البتہ اپنی حمیت دینی و غیرت ملی کا ثبوت دے کر اس شرمناک تماشے کو بند کرا دیا تھا۔ کیا یہ احساس غیرت صرف لاہور کے لیے مخصوص تھا؟

ایک آیت کی شرح

قرآن مجید کے ایک ندوی طالب علم لکھتے ہیں:-

"تلاوت قرآن کے وقت یکایک ایک آیت کی طرف خاص طور سے ذہن منتقل ہوا۔ سورۂ شوریٰ میں ہے، ومن آیاتہ خلق السموات والارض وما بث فیہما فیہما میں کیا زمین کے ساتھ آسمان میں کسی جاندار مخلوق کے وجود کا اشارہ نہیں ملتا؟ میں نے ابن جریر اور روح المعانی میں آیت کو دیکھا۔ دونوں صراحۃً آسمان میں ایسی مخلوق کا وجود مانتے ہیں۔ جناب والا کے پیش نظر قدیم و جدید دونوں انکار ہیں، اس لیے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے نزدیک اس میں صحیح مسلک کیا ہے؟"

آیت کا اصل لفظ جو بنائے اشکال ہے اردو سلسلہ میں درج ہونے سے رہ گیا۔ اور وہ لفظ "دابّہ" ہے۔ پوری عبارت یوں ہے ومن آیاتہ خلق السموات والارض وما بث فیہما من دابۃ۔ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی ایک نشانی ہے پیدائش آسمانوں کی اور زمین کی اور ان میں جو جاندار اس نے پھیلا رکھے ہیں۔ سوال اسی پر پیدا ہوتا ہے کہ آسمان کے اوپر جانور کہاں؟ جواب یہ ہے کہ "دب" اور "دبیب" کے معنی آہستہ چلنے کے ہیں۔ اور اس کا اطلاق ہر حیوان سے متعلق ہوتا ہے۔ الدب والدبیب مشی خفیف ۔۔۔ ویستعمل فی کل حیوان (راغب) اور دابّہ، زمین پر حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ وکل ماشی علی الارض دابۃ (جوہری) اہل تفسیر کے ایک گروہ نے تو دابہ کے مفہوم کو وسعت دے کر ملائکہ کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔ مجاز میں بڑی بڑی گنجایش ہے، اور اڑنے والی مخلوق میں چلنے کی قوت تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری بھی نہیں۔ مفسر جلیل ابن کثیر نے یہی پہلو قبول کیا ہے۔ وھٰذا یشمل الملائکۃ والانس والجن وسائر الحیوانات علی اختلاف اشکالہم والوانہم ولغاتہم وطباعہم واجناسہم وانواعہم۔ یہ معنی لے کر تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسری شکل رفع اشکال کی یہ ہے کہ آسمان و زمین میں جانوروں کا وجود محض تغلیباً قرار دیا جائے یعنی فیہما کی تفسیر کی جائے فی مجموعہما سے، محاورۂ قرآن میں اس کی نظیر مل جاتی ہے، اور بعض مفسرین نے یہی شق اختیار کی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خود آسمانوں پر چلنے پھرنے والے حیوانات کا وجود مان لیا جائے۔ اور اسکے فرض کر لینے میں کوئی مانع شرعی و عقلی موجود نہیں۔ زمخشری نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے ولا یبعد ان یخلق فی السموات حیواناً یمشی فیہا مشی الاناسی۔ اشکال ان سب صورتوں میں یکساں رفع ہو جاتا ہے۔ اب آگے اپنا اپنا ذوق و وجدان ہے۔ آگے چلکر ستاروں اور سیاروں میں انسانی اور حیوانی آبادی ثابت ہو جائے، تو بلا کسی خاص تکلف کے، سموات کے معنی مطلق عالم علوی قرار دے کر اس آبادی کی جانب بھی اشارہ اس آیت سے نکالا جا سکتا ہے۔

مسئلۂ تصویر

ایک مخلص جنوبی ہند سے لکھتے ہیں:-

"جناب ... صاحب ایم، اس، سی (آنرس) جو یہاں ایگزیکیٹو انسر ہو کر آئے ہیں، کہتے ہیں کہ اسلام میں تصویر کشی منع نہیں ہے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ایکس رے سے تصویر لے کر انسان کے بدنی نقص کی حالت دریافت کی جاتی ہے۔ اگر اسلام میں تصویر کشی منع ہو تو پھر ایکس رے کے سلسلہ میں کیا کیا جائیگا۔ کہتے ہیں کہ اگر قرآن و حدیث سے یہ ثابت کر دیا جائے

تو میں اسی وقت اپنا کیمرہ توڑ ڈالوں گا۔ اس سلسلہ میں جناب کے ارشاد کی ضرورت ہے"۔

موصوف کی یہ ہمت یقیناً لائق قدر ہے کہ ممانعت ثابت ہو جانے کی صورت میں نہ صرف تصویر کشی سے دست بردار ہو جائیں گے، بلکہ اپنا قیمتی کیمرہ توڑ دیں گے۔ بیشک ہر مسلمان اور طالب حق کو یہی فرض ہونا چاہیے۔ لیکن جو استدلال جواز تصویر کشی کی تائید میں صاحب موصوف کا پیش کیا ہوا نقل کیا گیا ہے اور خود اُنھیں کی مزید توجہ و نظر ثانی کا محتاج ہے۔ کسی شے کی حرمت کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس کی ہر سرے سے کوئی نفع یا مصلحت موجود ہی نہ ہو۔ کسی چیز کا تو وجود ہی دنیا میں نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نفع یا مصلحت ہو۔ چوری، حرام کاری، غیبت وغیرہ کتنے ہی گناہ ایسے ہیں جن میں نفع یا لذت کا پہلو واضح ہے اور شراب اور جوئے کی بابت تو قرآن مجید میں صراحت موجود ہے کہ ان میں منافع ہے۔ یہ نفع ان کا جائز ثابت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ استدلال کہ فلاں شے میں چونکہ نفع حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال جائز ہو گیا، ناقابل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔

علیٰ ہٰذا کسی ناجائز چیز سے اگر کوئی جزوی نفع، یہ وقت ضرورت خاص ثابت ہو جائے، تو وہ حرام چیز صرف اُس مخصوص مورد کے لیے بطور استثناء جائز ہو جائیگی، اور عام حکم اسکی حرمت ہی کا رہیگا۔ مثلاً شراب کہ قطعی حرام ہے، لیکن کسی خاص مرض کے لیے اگر طبیب حاذق اسکو ضروری بتا دے، تو اتنے استعمال کے لیے جائز ہو جائیگی یا مردار جانور کہ حالت اضطرار میں، محض زندگی قائم رکھنے کی ضرورت بھر اسکا کھا لینا جائز ہو جاتا ہے۔ یا پھر جسم کے جن حصوں کو کھولنا عام حالات میں حرام ہے طبیب حاذق کے سامنے ضرورت کے وقت دکھانا جائز ہے ان استثنائی صورتوں سے حکم کلی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور اگر عقلی و قیاسی دلائل ہی کو جواز حرمت کا معیار قبول کر لیا جائے، تو آج جو تصویری تمدن کے مفاسد ہمہ مشاہدہ میں آ چکے ہیں، وہ اس کے حرام ٹھہرانے کے لیے کیا کچھ کم ہیں؟ اور اس ایک ایک مسلے دو سلے نفع کے مقابلہ میں کتنے زائد اجتماعی و انفرادی نقصانات دوسرے پلہ میں نہیں رکھے جا سکتے؟ لیکن اصلی اور صحیح معیار ایک مسلمان کے پاس اسلام قبول کر چکنے کے بعد، صرف یہی ہے کہ شارع کے حکم ہی پر روش کو دیکھا جائے۔ اور جس مسئلہ میں کوئی واضح روشنی قرآن مجید سے نہ ملے، اس میں صاحب قرآن کے قال اور حال پر اعتماد کیا جائے۔

اگر یہاں تک اتفاق ہے، تو اب مختصر الفاظ میں عرض یہ ہے کہ متعدد ممتاز صحابیوں مثلاً عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابی طلحہؓ کی سند سے متعدد روایتیں حدیث نبوی کے مستند ترین مجموعوں یعنی صحاح، اور ان میں بھی مستند ترین، یعنی بخاری و مسلم تک میں اس مضمون کی موجود ہیں کہ آپ نے تصویروں کو سخت ناپسند فرمایا ہے، مصوروں کے لیے شدید وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، اور صاف تصریح فرما دی ہے کہ جس گھر میں کتا اور تصویریں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ جویائے حق کے لیے ان شاء اللہ اتنی تصریح کافی ہو جائیگی۔ باقی حدیث کے اصل الفاظ اور ان پر تفصیلی مباحث ماثبا

مولانا محمد شفیع (مفتی دارالعلوم - دیو بند) کے رسالہ التصویر میں مل جائیں۔ افسوس ہے کہ رسالہ مذکور اس وقت پیش نظر نہیں۔

نئی "رجعت پسندی"

"مسلمان بچیوں کی تعلیم کا مقصد محض ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ آبرومندانہ ازدواجی زندگی بسر کریں"

بنگال کی ایک بڑی تعلیم یافتہ مسلمان خاتون محترمہ حسن آرا بیگم صاحبہ [illegible] سمنے اپنی ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبہ نسواں کے اجلاس [illegible] یہ فرمایا! [illegible] کیا بتایا کہ [illegible] لوازم [illegible] رکھنا [illegible] قائم کر لیں!" آبرو مندانہ ازدواجی زندگی"! وہی ساڑھے تیرہ سو برس کا پرانا سبق! [illegible] بننے کی دعوت، نہ ذہنی بنجارنے کے نقشہ کی، نہ [illegible] اور دوسرے "فنون لطیفہ کی ترغیب" نہ سنئے نئے Careers کی جانب اشارہ۔ بس وہی قدامت پسند عادات ساختہ کی تکرار! وہی شریف بیوی اور شفیق ماں بننے کی تاکید۔ اور پھر جرم بالائے جرم:—

"مسز حسن آرا بیگم صاحبہ کا ہم شہیر ۱۴ سال سے آیا، قومی گرلز [illegible] اور گرل اسکول کے تمام [illegible] آرہی ہیں [illegible] زبردست مالی قربانیاں بھی کی ہیں . . . . ان کا خاکہ مسز حسن نے پڑھ کر سنایا۔ اس مقالہ میں انھوں نے موجودہ فیشن پرستی کی شدید مخالفت کی جو آج کل کی پڑھی لکھی مسلمان عورتوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس بڑھتی ہوئی خرابی کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی"۔

(عصر جدید، یکم جنوری ۱۹۵۴ء)

ستم آیا ستم!

نیا رنیق تنہائی!

"لندن ۴ر دسمبر . . . . شریح جنگ میں یہ بیان ایک ایسے شخص کا ہے جس کا کام ہی کتے پالنا ہے۔ ہزاروں شائقین نے اپنے اپنے کتوں کو ہلاک کر ڈالا اس خیال سے کہ یہ بھی راشن ہوا تو انھیں [illegible] ہو کر بیٹھنا ہوگا۔ اب کتوں کی مانگ اتنی بڑھ گئی ہے کہ پیوند کے پلوں کا تو قحط ہی پڑ گیا ہے اور رسد طلب کی خدمتیں [illegible] کرتی۔ عورتوں کا بیان ہے کہ فرزندوں کے چلے جانے کے بعد کتوں کی [illegible] دلچسپیاں بہت بڑھ گئی ہیں، اور اب بغیر کتوں کی رفاقت کے ان کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اسپنیل قسم کے کتے بہت مقبول ہو رہے ہیں"۔ (انقلاب - ۲۳ - دسمبر ۱۹۳۹ء)

شریک زندگی کی مفارقت کا علاج یہ سمجھ لیا، اور وہ بھی ایک مخصوص نسل کے کتوں سے! خوب نکل آئے: مشرق کی عورت غریب یاد آتی ہے جو روتے روتے یا پنجگانہ پڑھتے پڑھتے عمر ختم کر دیتی۔ دعا، تعویذ، گنڈے سے

کرتے کرتے جوان سے بوڑھی ہو جاتی، جب بھی یہ نہ سوجھتی۔ نعم البدل نہ سہی بئس البدل سہی، بہرحال شوہر کا بدل یہ نیا رفیق خلوت وجلوت انسان کے بجائے جانور، ہے بہت خوب!

قدامت کا جرم

"سڑک کی آزادانہ آمدورفت میں حائل سب سے بڑھ کر بیل گاڑی ہے۔ سڑک کو سب سے زیادہ نقصان اسی سے پہونچتا ہے۔ چھکڑوں کے چلنے کی اجازت اگر آئندہ رہے بھی، تو کم از کم اتنا تو ہو کہ انکے پہیے بجائے لکڑی کے ربڑ کے ہوا کریں"۔

محکمہ انجینیری کے ایک بہت بڑے افسر نے حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔

"بیل گاڑی کے چلانے والے اُسکے ہانکتے وقت سو جاتے ہیں۔ آئندہ سے سو جانا جرم قرار دیا جائے"۔

لاہور میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر نے حال میں یہ قانون پیش کیا۔ —— بیسویں صدی میں روس اور انگلستان اور جرمنی اور امریکہ کی مہذب اور متمدن سواریوں کے نمونہ کے بعد، ہندوستان میں بیل گاڑی کا وجود یقیناً ملک کے دامن تہذیب پر ایک سخت بدنما داغ۔ لیکن کاش یہ بھی ارشاد ہو گیا ہوتا، کہ ہر سال بیل گاڑیوں کے تصادم سے یا اُلٹ جانے سے، کتنا نقصان جان کا، اور مال کا ہوتا رہتا ہے، اور موٹروں، موٹر سائیکلوں، لاریوں کے لڑ جانے اور اُلٹ جانے سے کتنا؟ حادثے پہلی قسم کے کتنی تعداد میں پیش آتے رہتے ہیں، اور دوسرے قسم کے کتنے؟ علیٰ ہذا سڑکوں کی توڑ پھوڑ، اور شکست و ریخت میں بھاری بھاری لاریوں، ٹرکیٹروں، پتھر ڈھونے والے ٹرکوں کا کتنا حصہ ہے، اور چھکڑوں، رتھوں، اور بہلیوں کا کتنا؟ کاش کوئی سوتے اور اونگھتے ہوئے گاڑیبانوں، اور جاگتے ہوئے چاق و چوبند، شوفروں کے کارنامے، مقابل کالموں میں شایع کر دیتا!

مفلسوں کی شاہ خرچیاں

مسلم یونیورسٹی کے چندہ اور مزید چندہ کی اپلیں بارہا اخبارات میں نظر سے گزری ہونگی، امرا، اور اہل حکومت کی خدمت میں وفد کی باریابیاں اسکے علاوہ۔ کمتر لوگوں کو اسکا علم ہوگا، کہ آمدنی جتنی بھی ہے، اُسکا ۵۰ فی صدی سے زائد حصہ اُستادوں کی تنخواہ کی نذر ہو جاتا ہے! اور اُستادوں کی شرح مشاہرہ کیا ہے، اسے بنارس ہندو یونیورسٹی جیسے متمول ادارہ کے مقابلہ میں ملاحظہ فرمائیے:-

مشاہرۂ اُستاد اعلیٰ	ہندو یونیورسٹی میں	مسلم یونیورسٹی میں
شعبۂ انگریزی	۷۵۰	۱۵۰۰
" معاشیات	۴۰۰	۱۰۰۰
" فلسفہ	۵۰۰	۱۰۰۰
" تاریخ	۵۰۰	۱۰۰۰
" کیمسٹری	۷۵۰	۱۰۰۰
" ریاضیات	۵۰۰	۶۰۰
" عربی	سنسکرت ۵۰۰	

مگر قصور خود ان حضرات اساتذہ کا اتنا نہیں جتنا اول نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ یہ گرانقدر مشاہرے اُنھوں نے اپنی ذات سے اپنے لیے نہیں ٹھہرا لیے ہیں، یہ تو مقرر کیے ہوئے یونیورسٹی کے حکام اور افسروں کے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ یونیورسٹی کی آخری حکمراں جماعت کورٹ ہے۔ جسکے ممبر کئی سو کی تعداد میں ساری قوم کے نمایندے سمجھے جاتے ہیں۔ جب فرض کا پورا احساس، قوم کے ان نمایندوں ہی کو نہ ہو، تو دوسروں کا کیا گلہ؟

مجلسِ ثقافت شرقیہ (دکن)

دکن کے اخبارات میں غلام محمود صاحب خویشگی نائب معتمد کی طرف سے اعلان ذیل ہوا ہے:-

"مجلس ہذا سے متعلق متعدد استفسارات کیے جا رہے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں حسب ذیل جواب ادا کیا جائے امید کہ جناب اپنے موقر اخبار میں اسکی اشاعت فرما کر ارباب مجلس کو ممنون فرمائیں گے۔

دو سال ہوئے کہ ملک کے چند تعلیم یافتہ و باہمت کارکنوں نے مجلس مذکور کی بنا ڈالی تھی۔ سال حال مجلس انتظامی نے مولوی فخر الدین صاحب بی اے، ایل ایل بی (عثمانیہ) وکیل ہائیکورٹ کو بالاتفاق آرا مجلس کا معتمد منتخب کیا ہے۔ مجلس انتظامی کے اراکین حسب ذیل ہیں:-

(۱) مولوی محمد مصلح الدین صاحب بی اے، ایل ایل بی (عثمانیہ) وکیل ہائیکورٹ۔

(۲) مولوی عبد الحمید خاں صاحب بی اے (عثمانیہ)

(۳) مولوی احمد خاں صاحب بی اے (عثمانیہ)

(۴) مولوی ابو المکارم فہیم الدین صاحب بی۔ ایس۔ سی (عثمانیہ)

(۵) مولوی سید وزیر علی صاحب بی ایس سی (عثمانیہ)

(۶) مولوی ابو الخیر شیخ شمس صاحب فاضل (نظامیہ)

(۷) مولوی خلیل اللہ صاحب بی۔ اے (عثمانیہ)

(۸) مولوی مصطفےٰ خاں صاحب بی اے (عثمانیہ)

(۱) مشرقی وعلی الخصوص حیدرآبادی ثقافت کا تحفظ، اسکی نشر و اشاعت

(۲) بنی نوع انسان کو مغربی مخرب اخلاق و تباہ کن اثرات سے بچانا۔

(۳) مغربی و مشرقی مفکرین کے خیالات سے بذریعہ تقریر و تحریر ملک کو روشناس کرانا۔

(۴) غیر متوازن تمدن کے تلخ تجربات سے قوم کو واقف کرانا۔

(۵) ایک صالح و سادہ تمدن کی طرف رہنمائی کرنا۔

مجلس ہذا کا دفتر قدیم کتب خانۂ آصفیہ کی عمارت (موقوعہ عابد روڈ) میں قائم ہے"۔

اہل دکن قابل مبارکباد ہیں کہ جو کام سارے ہندوستان میں کرنے کا تھا، اُسکا شرف اولیت اُنکے حصہ میں آگیا۔ حیدرآباد خاص میں ایسے ادارہ کی ضرورت اور اہمیت بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ لیکن ضرورت اسکی بھی ہے کہ اسی نمونہ پر ادارے ملک کے ہر ہر صوبہ، بلکہ ہر بڑے شہر میں قائم ہوں۔ اور جوان اور بوڑھے دونوں ہمت کر کے اُنکے ممبر بنیں۔ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

تقریر

عید الفطر[1]

(لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے، یکم شوال ۱۳۶۹ھ کی شام کو ۱۰ منٹ کے لئے نشر)

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر، اللہ اکبر و للہ الحمد! آپ نے سُنا، ہر محلے سے، ہر گوشے سے، ہر سڑک سے اور ہر چوراہے سے تکبیر کی آوازیں کیسی چلی آ رہی ہیں؟ گویا خدا ئے واحد کا کلمہ پڑھنے لگے ریت کے ذرّے اور خاک کے تودے۔ اور اپنے رب کا نام جپنے لگے مکانوں کے در و دیوار اور درختوں کے برگ و بار! آپ نے دیکھا، یہ بستی کی ہر ہر سمت سے کیسے اُمڈے چلے آ رہے ہیں، ریسانِ نامدار بھی، اور اُن کے ادنیٰ خدمتگار بھی۔ عالم فاضل دیندار بھی، اور جاہل مطلق گنوار بھی۔ جُھکے جُھکے آہستہ آہستہ قدم اُٹھانے والے بوڑھے بھی، اور دوڑتے اُچھلتے، کودتے چلنے والے بچے بھی۔ زردار بھی، نادار بھی۔ پیدل بھی، سوار بھی۔ کوئی سائیکل پر، کوئی موٹر پر، کوئی اِکے پر کوئی تانگے پر۔ ان میں وہ بھی ہیں، جنھوں نے رمضان کے دن بھوکے اور پیاسے رہ رہ کر، رمضان کی راتیں، رکوع و سجود، تسبیح و تلاوت میں رو رو کر گزاری ہیں، اور وہ بھی جو سال میں ایک بار بھی مسجد میں نہیں گئے، ایک بار بھی کعبہ کی طرف نہیں جھکے! آج سب کے سب، دالانوں اور دالانوں میں عیدگاہ کی طرف ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ، اچھے اچھے کپڑوں کے ساتھ! — یہ تفسیر ہو رہی ہے اُس حدیث نبوی کی، جس میں آیا ہے کہ عید کی صبح اللہ کا فرشتہ پکارتا رہتا ہے لوگوں کو عیدگاہ کی طرف! یہ عیدگاہ کا جانا اور گھومنا، یہ راستہ بھر نمازیوں کی ریل پیل، یہ سال سال بھر کے بے نمازیوں کا یک بیک نمازی بن جانا، یہ بڑے بڑے پرانے بے غسلوں کا کر کر اسکے عمارہ دات بہا صبح سویرے غسل پر آمادہ ہو جانا، یہ نازک خراموں کا گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں اتنی دور آنا اور جانا، اگر غیبی پکارنے والے کی پکار کا اثر نہیں تو اور کیا ہے؟ تفسیر زبان سے نہیں، عمل سے، قال سے نہیں، حال سے!

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گر ست
لیکن عشقِ بے زباں روشن تر ست!

عید آتی ہے اپنے وقت پر ہے، لیکن اگر ادھر کہنا چاہیے کہ ایک مہینہ قبل سے شروع ہو جاتی ہے، اور روزہ داروں کو جو بیشمار فرحتیں اس دنیا میں نصیب رہتی ہیں، اُن میں سے ایک خاص فرحت یہ عید کا انتظار بھی ہے۔ ادھر رمضان آئے، اُدھر عید کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کہیں چھپ کر، کہیں کھل کر۔ عیدگاہ کی صفائی کا، سفیدی کا اہتمام ہونے لگا۔ راستہ ٹھیک کیا جانے لگا۔ دکانوں پر عید کے لیے نیا مال آنے لگا۔ میدہ کی باریک باریک سوئیاں، دیکھیے تو نازک، اور اُٹھائیے تو سبک، بننے اور بکنے لگیں۔ رمضان ختم کے قریب آئے، ادھر اُدھر چاند کا انتظار و اشتیاق دلوں سے زبانوں پر جگہ پانے لگا۔ جہاں دیکھیے بس چرچا۔ جنتریاں دیکھی جا رہی ہیں، اندازوں کے پتھر چل رہے ہیں۔ کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا۔ اسکولوں کالجوں کے طالب علم، کچہریوں دفتروں کے اہلکار عہدہ دار، چھٹی کا حساب لگا رہے ہیں۔ روزہ خور غریب کو ان لذتوں کی کیا قدر!

لیجیے ماہ مبارک کی انتیسویں آ گئی۔ نہ پوچھیے کہ آج چاند دیکھنے کے کیسے کیسے انتظام ہو رہے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، بہتوں کے دل میں یہی ارمان کہ چاند آج ہی ہو جائے۔ کچھ اللہ والوں، ورا اللہ والیوں کی زبانوں پر یہ دعا بھی کہ چاند آج کی جگہ کل ہو، روزے تیسوں پورے ہو جائیں۔ شام کے انتظار میں گھڑیاں صبح ہی سے گنی جا رہی ہیں، اسلامی ریاستوں اور شہروں میں تو دور دور سے چاند کی خبر منگانے کے باضابطہ سرکاری انتظامات رہتے ہیں۔ جوں ہی شام ہوئی اور بیشمار نظریں آسمان پر جم گئیں —— گویا آسمان پر کوئی قصیدہ کہا ہے جسکے مطلع کی تلاش ہے —— اور جو کہیں عین وقت پر ابر آ گیا، تو نہ پوچھیے دلوں پر کیسی جھنجھلاہٹ چھا کر رہی! خدا خدا کر کے چاند نظر آیا، گولے پٹاخے چھوٹنے لگے۔ لیکن اس سے پہلے، جس نے چاند دیکھا، اُس نے دعا پڑھی۔ اللہ اکبر! چاند بہت بڑا، بہت روشن، بہت چمکدار سہی، لیکن بڑائی اس میں کیا رکھی ہے۔ بڑا تو وہ ہے جس نے اسکو پیدا کیا۔ اللھم اھلہ علینا بالیمن والایمان، اے ہمارے اچھے پروردگار، چاند دکھا ہم کو ساتھ خیر و برکت اور ساتھ سلامتی اور ایمان کے۔ والسلامۃ والاسلام، اور ساتھ خیریت اور عافیت اور اسلام کے۔ والتوفیق لما تحب وترضی اور ساتھ توفیق اُس چیز کے جو تیری پسند و مرضی کے مطابق ہو۔ ربنا وربک اللہ، گواہ رہ، اے چاند کہ اللہ ہی پروردگار ہے ہمارا بھی اور تیرا بھی —— یہ اسلام کی مملکت ہے۔ یہاں تو بات بات پر دعا، اور قدم قدم پر اپنے مالک و مولیٰ سے التجا!

چاند دیکھا، چھوٹوں نے بڑوں کو سلام کیا، اور اُنکی زبانوں سے دعائیں لیں۔ شریف گھر گھرانوں میں اب تک اسلامی معاشرت کی یہ جھلک پائی جاتی ہے۔ دوست احباب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ روزانہ افطار کے بعد تراویح کی فکر رہتی تھی، آج ادھر سے اطمینان ہے۔ بچے خوشی سے اُچھل کود رہے ہیں۔ گھر کے بڑے بوڑھے صبح کی ضرورتوں کی فکر میں لگ گئے۔ دودھ اتنا آنے لگا، سوئیاں اتنی پکیں گی۔ فرش فروش رات ہی سے ہونے لگا۔ درزی اور موچی کی دوکان پر رات بھر بھیڑ لگی ہوئی۔ "جوڑا" اور پھر نیا، یہی ہے آرزو داران کی چیز۔ گھر کے اندر رات، لیپ چھپ روشنی کے آگے کپڑوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ادھر دوپٹہ پر لچکا ٹک رہا ہے، اُدھر پاجامہ پر

[1] صدق ۲۶ میں یہ تقریر اس قدر غلط اور مسخ شدہ صورت میں نکلی ہے کہ آج مجبوراً دوبارہ شائع کرنا پڑتی ہے۔

برکت لگ رہی ہے - ایک ایک خیاباں جہاں کا ایک چنگا نہ رہا۔ لیکن اس ہنگامہ میں ملکی نہیں خوشگواری -

وقت کے قدر شناس آج کی شب بھی خالی نہیں جانے دیتے۔ رمضان کی ایک ایک رات دولتوں سے مالا مال تھی - حدیث میں آتا ہے کہ یہی بیتیں شب عید تک پہنچ دی جاتی ہیں - اللہ اللہ! جب بندہ نوازیوں لٹانے پر آئے، تو مانگنے میں کیوں کوئی کسر اٹھا رکھے۔

آج کی رات رت ہے دعاؤں کی، مناجاتوں کی، روحانیت کی، ربانیت کی - ادھر سے عبودیت کی، ادھر سے ربوبیت کی - فضائے کائنات میں ہر ہر منٹ پر ہر گھڑی ایک ایک ... length ... - پیدا ہوئی رات رات بھر اس دوزخ کی معافی کی -

---

صبح ہوئی۔ دو صبح ایسی جو بنانہ آئی ہو، کر بچے گھر کے اندر بیٹھے - رات بھر سارے گھر کی نیند کس کو پڑی ہے؟ ہر گھر میں نماز سے پہلے عبادت کا کاروبار رہیں گیا - کسی کے ہاں حمام گرم ہے، اور کوئی گھر کی انگنائی سے غسل خانہ کا کام لے رہا ہے - کوئی نہا رہا ہے مکان کی چھت پر، اور کوئی کنوئیں کی جگت پر - آج مسلمان کے ہاں خوشی کا دن ہے اور اس کو وہ اپنی بولی میں عید کہتا ہے - عید اسکے ہاں سال میں دو بار آتی ہے - آج کی عید کا نام عید الفطر ہے افطار اور افطاری کے محبوب نام اسی فطر سے نکلتے ہیں - مسلمان کا دن ہر روز فجر کے وضو سے شروع ہوتا تھا، آج غسل سے شروع ہوگا - وضو اور غسل دونوں کے لیے مستقل دعائیں ہیں کہ جسم کی صفائی کے ساتھ ساتھ روح بھی دھلتی اور نکھرتی چلی جائے۔ سبحان اللہ وبحمدہ، کیسا جامع پروگرام ہے اور کیسا مکمل انتظام! جسم کا سنگار بھی، اور روح کا نکھار بھی - ادھر تفریح ادھر تسبیح - ادھر جسم کی جلا، ادھر روح کی ضیا!

آج کے دن قبل نماز عید، ہر صاحب حیثیت مسلمان پر صدقہ ایک خفیف مقدار میں واجب ہے - اسکا نام صدقۂ فطر ہے - اہمیت اس حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ جب تک یہ صدقہ ادا نہ ہولے گا، رمضان کے روزوں تک کا اجر معلق رہیگا - آج مسلمان کے قومی و ملی جشن کا دن ہے، کم از کم آج تو مفلس سا مفلس بھی، اسلام کی عملداری میں بھوکا نہ رہنے پائے - صدقہ ہی نام ہے اس مالی اعانت کا، جو اسلام کے ملی نظام معاشیات میں ہر زرداری و ناداری، ہر پیشہ اور بے روزگاری کی کرتا رہتا ہے، اور جس کے بعد بے روزگاری، بے معاشی unemployment کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہونے پاتا!

غرض نہا دھو، کپڑے بدل بدلا، عطر و خوشبو لگا، صدقہ دے دلا، شیر خرما اور سوئیاں پی پلا، مسلمان نماز کے لیے چلا - نماز عیدگاہ میں ہوگی - عیدگاہ، بستی سے باہر میدان میں ہوتی ہے - نہ پٹی ہوئی چھت، نہ دالان و شہ نشیں - محلہ کے لوگ محلہ کی مسجد میں تو روز ہی پانچ پانچ مرتبہ جمع ہوتے، ملتے جلتے رہتے ہیں، اور ہفتے میں ایک بار بستی کے مسلمان جمعہ کی دوپہر کو، سال میں دو بار دونوں عیدوں کے موقع پر شہر اور آس پاس کے مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں - اور یہ مجمع گویا ہر مرکز کے ایمانی بھائیوں کی ایک کانفرنس ہوتا ہے - شریعت کی تاکید ہے کہ وحدت امت کے پروگرام کی یہ اہم کڑی کمزور نہ ہونے پائے -

سورج ابھی پوری طرح بلند بھی نہیں ہونے پایا، کہ مسلمان اس نئی نماز کے لیے نکل کھڑا ہوا - گاتا بجاتا ہوا نہیں، رنگ کھیلتا ہوا نہیں، نشہ سے جھومتا جھامتا نہیں - آج اس پر Holiday Moods طاری رہے، خوشی کی مستی سوار ہے، صدا میں گونج رہی ہیں، نعرے لگتا ہوا، چل رہا ہے! آپ سنئے گے، یہ نعرہ کیا ہے؟ اللہ اکبر اللہ اکبر، بڑائی ہم میں کہاں، ہماری کسی چیز میں کہاں؟ ہم آپ کے حضور ہیچ محض، صفر مطلق! بڑائی تو صرف آپ میں ہے! لا الہ الا اللہ! معبود آپ کے سوا اور ہے کون؟ زندگی کا مقصود اصلی اور ہے کون؟ شان وجوب کے ساتھ موجود اور ہے کون؟ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد - بڑائی میرے مولا و آقا صرف آپ میں، بڑائی صرف آپ میں، حسن و جمال صرف آپ کی ذات میں، عزت و کمال صرف آپ کی صفات میں - ہماری ہر جنبش لب آپ ہی کی مدح و ستائش کا ایک عنوان، ہمارا ہر تار نفس آپ ہی کی قدرت و عظمت کا ایک بیان!

نمازیں روز پانچ وقت ہوتی تھیں، آج چھ وقت کی ہو گئیں! یہ ہے مسلمان کے خوشی منانے کا انداز، سب سے انوکھا، سب سے نرالا - مہینہ بھر کی قید اور پابندیوں کے بعد کہیں آج تو جا کر چھٹی ملی، اور اس کا انجام یہ کہ نماز گھٹنے کے بجائے آج ایک اور بڑھ ہی گئی! مسلمان آج جیب میں پیسے ڈال کر اس لیے باہر نہیں نکلے گا کہ جوئے میں لگائے، شراب میں اڑائے، راگ رنگ میں گنوائے - بلکہ قدم اٹھائے گا عبادت کے لیے! جسم کی صفائی و پاکیزگی کے ساتھ روح کی صفائی و پاکیزگی کے لیے! بستی کے! ہر بستی بھر کے کلمہ گوؤں کے ساتھ رکوع و سجود کی دولت حاصل کرنے کے لیے! یہ ہے اسکی خوشی، اس لیے کہ اسی میں اسکے مولیٰ کی خوشی!

عیدگاہ پہونچے - یہاں کے جماؤ کا کیا کہنا - کوئی معمولی قصبہ ہے تو مجمع سیکڑوں کا، شہر ہے تو ہزاروں کا، بڑا شہر ہے تو ہزارہا ہزار کا، اور کلکتہ و بمبئی ہے تو نوبت لاکھ دو لاکھ کی! امیر بھی، فقیر بھی - بڑے بھی، چھوٹے بھی - شہری بھی، دیہاتی بھی - بوڑھے بھی، جوان بھی - چہروں سے ایمان کی مسرت ٹپکتی ہوئی، بشروں سے ادائے فرض کی بشاشت جھلکتی ہوئی - کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی راہ کے گرد و غبار سے ہاتھ منہ دھو رہا ہے - کچھ لوگ آپس میں ہنس بول رہے ہیں، کچھ مصلوں پر قابض ہو کر ذکر و درود کی تسبیح میں لگ گئے ہیں، اور کوئی صاحب ہیں کہ چندوں کی فکر و انتظام میں لگے ہوئے ہیں ——— صحن عیدگاہ سے باہر کا منظر بھی کچھ کم دلچسپ نہیں - سودے والوں کا ہجوم، خوش غلاف کھلونوں اور تماشائیوں کی دھوم! خوانچہ والوں کی بہار، پھیری والوں کی چیخ پکار۔

ادھر سرخ سرخ کباب سیخ پر لگ رہے ہیں، اُدھر تنوران کے گھات کڑاہی سے اُتر رہے ہیں۔ حقہ، پان، سگرٹ کی چاٹ۔ حلوائیوں کی دکانوں کے ٹھاٹھ۔ کہیں چائے والے محفل گرمائے ہوئے، کہیں برف کی قلفی والے اپنا رنگ جمائے ہوئے! اور سب سے بڑھ کر بچوں کے کھلونوں، غبارون، جھنجھنوں والوں کا شور و غل، چیخ پکار، بچوں کے ساتھ خود بھی بچہ بنے ہوئے!

لیجیے، نماز کا وقت آگیا، اور امام صاحب اپنے مصلّے پر آگئے۔ اور صفیں برابر ہونے لگیں۔ آج نہ اذان نہ اقامت۔ مقصد اذان [illegible] اطلاع پہنچانا ہے مسجد کے باہر والوں اور اندر والوں کو۔ آج یہ مقصد خود بخود حاصل، اس لیے اطلاع بے محل۔ نماز جماعت کا ایک اہم پہلو عسکری بھی ہے، اور صف بندی کی اہمیت آج جس [illegible] چاہیے، پوچھ دیکھیے۔ کوئی کوئی صاحب کھڑے ہوکر پکار پکار کر ترکیب نماز کی تلقین کرتے۔ نماز عید کوئی پیچیدہ یا دشوار نہیں۔ کل دو رکعتیں۔ نیت وہی جو سب نمازوں کی ہوتی ہے، فرق صرف اتنا اور اتنے کے لیے ہر دفعہ تازہ تلقین کی ضرورت پڑتی ہے، کہ خدائے پاک کی بڑائی آج اور زیادہ تاکید و تکرار کے ساتھ دہرائی جاتی ہے۔ چنانچہ معمولی تکبیروں کے علاوہ آج چند تکبیریں زائد کہی جائینگی۔ ان کی تعداد حنفیوں کے ہاں چھ ہے۔ تین رکعت اول میں، نیت نماز کے بعد اور قرأت فاتحہ سے قبل کہی جاتی ہیں۔ اور باقی تین، دوسری رکعت میں، رکوع سے قبل اور قرأتِ فاتحہ کے بعد۔

عیدگاہ نہ کوئی سر بفلک عمارت، نہ یہاں کوئی جگمگاتا ہوا ہال، نہ کوئی عظیم الشان دالان۔ سرے سے چھت تک نہیں۔ پوری چاردیواری بھی نہیں! صرف ایک لمبی دیوار مغرب کی سمت کھنچی ہوئی، آگے چبوترہ، بس یہ کُل اصلی کائنات! سادگی کی انتہا۔ دینِ فطرت کی سادگی کا ایک نمونہ! اور اس پر اسکی وہ دلکشی اور دلآویزی، کشش و محبوبی! کسی دوسرے مجمع کو مقابلہ میں لایا، اور کسی دوسرے منظر کو مثال میں بتلایا جائے؟ حد یہ ہے کہ شاعر کی دنیا میں، عیدگاہ دوسرا نام ہے کوئے یار کا، دیار محبوب کا!

عیدگاہ ما غریباں کوئے تو!

اپنوں نے جو کچھ دیکھا اُسے چھوڑیے۔ غیروں نے جو کچھ ان نماز کے نظاروں میں پایا، اُس کی جھلک سر ٹامس آرنلڈ، بشپ لی فرائے وغیرہ کے الفاظ میں دیکھیے —— اس متن کی شرح و تفصیل کی تاب، شامِ عید کی یہ چلتی ہوئی ملاقات کہاں سے لاسکتی ہے؟

نماز ختم ہوئی، اور دو رکعتوں کے بعد امام نے سلام پھیرا، اور منبر پر جا، خطبہ شروع کردیا۔ خطبے وہی دو ہوتے ہیں، جمعہ کی طرح۔ دونوں خطبوں میں ہوتا کیا ہے؟ نہ پھڑکتی ہوئی غزلیں نہ رنگین افسانے۔ نہ ادب لطیف کے نمونے، نہ پُرجوش ترانے۔ وہی رب کی نعمتوں کا شکر، اور اُس کی توحید کا اقرار۔ ترغیب تو بہ اور تلقین استغفار۔ اس سے وعدہ، اُسکے لیے وعید، ایک کو دلاسا، دوسرے کو تہدید۔ کہیں جنت کے میووں کی مہک، کہیں جہنم کے شعلوں کی لپک، نیکوں کو بشارتیں اور خوشخبریاں، بدوں کو ڈراوے اور دھمکیاں، کچھ فقہ و شریعت کے مسائل، صدقہ رمضان و عید کے فضائل، غرض وہ سب کچھ جنکے ذکر و فکر سے شان دار اور نامور "وزناموں" کے صفحات خالی رہتے ہیں، اور آرٹ اور سائنس کے باتصویر میگزینوں کے ورق کورے! دوسرا خطبہ ختم ہوا تو امام نے ہاتھ اُٹھائے دعا کے لیے، اور کسی کی منت، کسی کی دعائیں مانگیں اپنے نفس و [illegible] اس دنیا کی بھلائی اور اُس دنیا میں بھی [illegible] کے لیے بھلائی [illegible] [illegible] صالحین [illegible] عام مومنین و مسلمین کے لیے [illegible] لوگ آ [illegible] کھڑے ہوئے، آپس میں [illegible] شروع ہوگیا۔ [illegible] [illegible] گلے ملنے [illegible] شدت [illegible] ہی ہے۔

نماز پڑھی، خطبہ سنا، دعا مانگی۔ یہ سب ملاکر یہ اچھی خاصی لگتی [illegible] کڑی دھوپ میں سارے نمازی بیٹھے رہتے ہیں۔ کہیں کہیں شامیانہ کے نیچے، اور اکثر مقامات پر نہ تو شامیانہ نصیب نہ کسی درخت کا سایہ۔ اور پھر بیٹھنے کا بے پناہ کوچ ہیں نہ صوفے، مخملی قالین ہیں نہ ریشمی گدّے۔ کہیں دری، کہیں چٹائی اور کہیں کھُرا فرش زمین! نہ اکتا اکتا کر گھڑی دیکھینگے، نہ گھبرا گھبرا کر شور مچا ینگے۔ پسینے میں شرابور ہیں، لیکن اُٹھنے اور ہلنے کا نام نہ لینگے، جب تک امام دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرلیں۔ امام کے اُٹھنے پر مجمع منتشر ہوا، اور آپس میں ملتے ملاتے ہوئے لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لیا۔ واپسی پھر اسی طریقہ سے ہو رہی ہے۔ توحید کا کلمہ پڑھتے ہوئے، اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے۔ واپسی بہتر ہے کہ دوسرے راستہ سے ہو، کہ دیکھنے والوں پر شوکت اسلام کا اثر زیادہ پڑے۔

گھر پہنچے، اور عزیزوں دوستوں کے جلسے جمنے لگے۔ آپس میں ملنا ملانا، کھلانا پلانا، ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا، شام اسی میں ہوگئی۔ اور اب ان ہمیشہ کے معمولات پر اضافہ کیا بیسویں صدی کی ایجاد ریڈیو، اور اُسکے ذہین کارکنوں نے ایک گمنام و گوشہ نشین کی خدمتوں میں عید کی شام کو یہ عید کا سلام!

تاریخ عالم
میں
فتح مکہ کی اہمیت

(بسلسلۂ صدق نمبر جنوری)

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ)

بہرحال میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ "فتح مکہ" کی اہمیت کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مکۂ معظمہ "کعبہ" "بیت اللہ" کی اہمیت اور عالم کے ساتھ جو اسکا مرکزی تعلق ہے اسکو واضح کیا جائے — کہ اسکے بعد ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام فتوحات کا تعلق جزئی علاقوں سے باقی رہ جائیگا۔ لیکن وہ فتح جسکا تعلق صرف مشرق یا صرف مغرب کے پایۂ تخت سے نہیں بلکہ مشرق و مغرب شمال و جنوب، غرض پورے کرۂ ارض کے مرکز سے ہے، وہ صرف "فتح مکہ" ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اس فتح کا ذکر بغیر اضافت کے کیا گیا ہے کہ عالم کی حقیقی فتح دراصل "فتح مکہ" ہی کا واقعہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اذا جاء نصر اللہ والفتح	جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح ہو گیا۔

دوسری جگہ

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح

اور سورۂ فتح میں بھی اس فتح کا ذکر اطلاقی پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ مقصد یہ کہ جس طرح دلی کی فتح دلی کی فتح نہیں بلکہ کل ہندوستان کی فتح سے عبارت ہے، اسی طرح "مکہ کی فتح" مکہ کی فتح نہیں بلکہ سارے جہان کی فتح کا دوسرا عنوان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کام "فتح مکہ" ہی قرار دیا گیا۔ بلکہ معراج کی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف آسمانوں میں جن آٹھ پیغمبروں سے ملاقات فرمائی جن میں سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور آخری پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی یہ ایک مثالی تعبیر تھی، یعنی نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو واقعہ پیش آیا، وہ وہی واقعہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، یعنی اپنے وطن اصلی (جنت) سے زمین میں ہجرت فرمائی، وہیں یہاں پر انسانی کمالات کا ظہور ہوا اور ہو رہا ہے۔ اسی طرح شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ (جو آپ کا اصلی وطن تھا) سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آنا پڑا، اور مدینہ ہی سے آپ کے کمالات کا ظہور شروع ہوا جو سارے عالم پر پھیل گیا۔ پھر اسکے بعد آپ کے ساتھ مدینہ میں جو جو واقعات پیش آئے انکی تمثیل ان پیغمبروں کی زندگی میں بھی جن سے آدم علیہ السلام کے بعد ملاقات ہوئی، اور آخر میں حضرت ابراہیم سے ملاقات کا دکھانا اس سے مراد یہی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کام تعمیر کعبہ تھا یعنی خالق کی عبادت کے لیے انھوں نے پہلی مسجد کعبہ بنائی، پھر جب کعبہ بجائے خالق کے مخلوق کی پرستش گاہ بن گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر کے پھر کعبہ کو خالق کی عبادت گاہ کی شکل میں بدل دیا اور ساری دنیا کی مسجدوں کا اسے مرکز قرار دیکر بلکہ ساری زمین[1] کو کعبہ کا صحن قرار دے کر

آپ نے اپنا کام ختم کر دیا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ سورۂ اذا جاء سنکر بعض صحابہ رونے لگے، ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی خبر اس سورہ میں دی ہے، یعنی مقصد کی تکمیل ہو چکی ہے، مرکز پر قبضہ ہو چکا، آئندہ مفصلات کا تعلق مرکز سے جوڑنا، یہ کام امت مرحومہ کے سپرد کر دیا گیا۔ تیرہ سو سال سے مسلمان اس کام کو انجام دے رہے ہیں، دیتے رہیں گے، اس سلسلہ میں انکی رفتار کبھی تیز ہوتی ہے کبھی سست ہو جاتی ہے۔ الغرض کبھی بدر کبھی اُحد کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ بدر کو دیکھ کر تو سب خوش ہوتے ہیں لیکن اُحد کا منظر جب پیش آتا ہے، تو جنکے دلوں میں روگ ہے وہ کبھی اسلام سے بدگمان ہوتے ہیں ورنہ مسلمانوں کے نام تو اکثروں کو لعنت پڑھتے ہوئے دیکھا جاتا ہے، حالانکہ حدیث میں کہا گیا تھا کہ "مسلمانوں کے متعلق جو کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو گئے، وہی پہلا ہلاک ہونے والا ہے"۔

افسوس ہے کہ آجکل "معلم الصبیانی" کی مصروفیت میں اتنا منہمک ہوں کہ کسی مستقل مضمون کے لکھنے کی فرصت نہیں نکال سکتا۔ بالفعل تو آپ میرے اس "شورانی مضمون" کو ایک مقالہ فرض کر لیجیے، اور مناسب خیال فرمائیے تو "فتح مکہ نمبر" میں شائع کر دیجیے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ "فتح مکہ" کی تاریخ کو ہم مسلمان اپنا ایک مستقل دن کیوں نہ بنا لیں، اور ہر سال اس تاریخ میں جرائد اور روزنامے "فتح مکہ" کے خصوصی تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیوں نہ نکالے جائیں۔ اگر آپ کی یہ تجویز عام مسلمانوں میں مقبول ہوئی تو انشاء اللہ اس وقت کوئی مستقل مضمون پیش کر سکوں گا۔

اس سلسلہ میں ایک چیز کا ذکر کیے بغیر اس "مقالہ" کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے قصص کے سلسلہ میں ایک مشہور آیت میں یہ مذکور ہے کہ انکو ایک قریہ میں داخل ہوتے ہوئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ "سُجّداً" یعنی سجدہ کرتے ہوئے اور "حطّة" کہتے ہوئے داخل ہوں۔ قرآن میں تو صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اس حکم کو بدل دیا، لیکن کس طرح بدلا، قرآن میں اسکی تصریح نہیں کی گئی۔ مفسرین نے غالباً اسرائیلی روایات سے یہ قصہ لیا کہ بجائے سجدہ کرتے ہوئے بنی اسرائیل شہر میں "حبوا" (چوتڑوں) کے بل اور بجائے "حطة" کے "حبة فی شعرة" (دانہ ہے جو میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ کسی شہر میں بلا وجہ چوتڑوں کے بل داخل ہونا اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر "حبة فی شعرة" کہنا، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس تفسیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ خود "سجداً" اور "حطة" کے اصل حکم کا جو مطلب تھا وہ متعین نہ کیا گیا۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو واقعی یہ حکم تھا کہ جس وقت شہر میں داخل ہوں اس وقت نماز میں جس طرح سجدے کرتے ہیں یوں زمین پر سجدے کرتے ہوئے آگے بڑھیں، اور بطور منتر کے اپنی زبان پر "حطہ" حطہ کا لفظ جاری کریں۔

لیکن جو شخص فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلہ کے منظر کو اپنے پیش نظر رکھے گا تو دونوں الفاظ کا مطلب اسکی سمجھ میں آجائیگا۔

---

[1] جعلت الارض مسجداً وطهوراً	زمین میرے لیے مسجد اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائی گئی۔

یہ بخاری کی حدیث ہے جس میں پورے کرۂ زمین کے مسجد ہونے کا قدرت کی جانب سے دعوے کیا گیا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کی نماز کے لیے کسی معبد کا وجود اتنا ضروری نہیں ہے جتنا غیر قوموں میں ہے۔ بلکہ زمین کا ہر حصہ مسلمان کی مسجد ہے۔ دریا میں ہو یا پہاڑ پر ہو، جہاں وقت آگیا وہ اپنی نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ ہو رہا تھا، اُس وقت جبار فاتحوں کے مانند اکڑتے سینہ تانے ہوئے نہیں بلکہ سر مبارک کو اونٹ پر جھکائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک کجاوے سے چھو چھو جاتی تھی۔ یہ تھی "سجدہ" کی تفسیر نبوی، اور جب مکہ میں داخلہ ہو چکا تو سب امان کا اعلان فرمایا گیا، اور اُسکے بعد جب مفتوح قریش آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو اُس وقت

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم انتم الطلقاء — تم لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے، تم سب کے سب آزاد ہو۔

کے ذریعہ "عفو عام" کا جو اعلان کر دیا گیا یہی "حطہ" کی تفسیر، "حطہ" "عفو" کا مرادف لفظ ہے۔ بہر حال فاتح کو مفتوح کے ساتھ جو برتاؤ، درگزر، عفو، صفح کا کرنا چاہیے "حطہ" اسی عمل کی تعبیر ہے، نہ کہ حکم اس لفظ کے دہرانے کا تھا۔

لیکن اسرائیلیوں کو فتح کے نشہ میں خدا کا یہ حکم یاد نہیں رہا اور وہی جبارہ کے طریقہ سے وہ شہر میں اکڑتے ہوئے داخل ہوئے اور بجائے عفو و حطہ کے انھوں نے انتقام لینا شروع کیا۔ "حنطۃ" دانہ ہے جو میں، اسکا آخر مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ شاید یہ کہا جائے کہ وہ مفتوحوں کے گھروں میں گھس کر اناج اور غلہ لوٹنے لگے، لیکن اس آیت کی جو تفسیر فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہوئی ہے، اسکے ہوتے ہوئے ہمیں ادھر ادھر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، قرآن کی تفسیر کے لیے "کان خلقہ القرآن" والے کی ذات کیا کافی نہیں۔

میں نے "فتح مکہ" کے اس پہلو کا تذکرہ خاص انداز سے اپنی کتاب "النبی الخاتم" صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کیا ہے۔ جو مزید اضافہ اور جدید فہرست و حواشی وغیرہ کے ساتھ حال میں "بریلی" دفتر الفرقان سے شائع ہوئی۔ ناشر نے اس کتاب میں دعوے کیا ہے کہ تین سو سے اوپر ایسے جدید نظریات اس کتاب میں فراہم ہو گئے ہیں، جو دنیا کی کسی زبان کی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ جو لوگ اس مضمون سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، کتاب "بریلی" دفتر "الفرقان" سے غالباً دس بارہ آنے میں ملجائیگی۔ (رہبر دکن)

مخلوط تعلیم اور مجلس علماء کا غور

حیدرآباد۔ ۲۲۔ بہمن۔ مکہ مسجد میں حضرت مولانا محمد بادشاہ حسینی صاحب نے اپنے وعظ میں فرمایا "مسلمانو! سن رہے ہو کہ ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ ابھی "تاریخ اسلام" کے اخراج' اور "اسلامی تعطیلوں" کی تخفیف کی برائی کے ازالہ سے ہم پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے کہ مخلوط تعلیم کا نفاذ شروع کیا جا رہا ہے۔ کہنے کو تو یہ صرف مدارس تحتانیہ اور ٹریننگ کالج کے بہت کمسن اور بہت تعلیم یافتہ دو ہی طبقوں کے متعلق ہے لیکن کند ذہن بچے مدرسہ تحتانیہ سے فارغ ہوتے ہوتے ہی بالغ ہو جاتے ہیں اور ٹریننگ کالج میں آنیوالے مدرسین و مدرسات سب فرشتے نہیں ہوتے۔ اسلامی احکام کی شاہ دین پناہ کی نظروں میں دن دہاڑے بے حرمتی کرنے کی ہمارے نام نہاد افسران تعلیم کو جو جرأت ہو رہی ہے اُس پر مجلس علماء غور کر رہی ہے اسلئے مجلس علماء غور کر رہی ہے کہ انکا مستقل سدباب کس طرح کیا جائے۔

مخلوط تعلیم دکن میں

حکومت کی سررشتہ تعلیمات کی تازہ رپورٹ نے جس میں ان ابتدائی تحتانی مدارس کی پہلی اور دوسری جماعتوں میں آٹھ سال سے کم عمر کی طالبات کو دس سال سے کم عمر کے طلبہ کے ساتھ ملا جلا کر پڑھانے کی تجویز کے سرکار عالی سے منظوری حاصل کر لینے کا ذکر ہے، مسلم رائے عامہ میں ایک اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ یہ سن بظاہر کچھ ایسے اہم نہیں معلوم ہوتے تاہم مسلم رائے عامہ اسکو پسند نہیں کرتی کہ ہمارا رشتہ تعلیم کسی نہ کسی صورت میں مخلوط تعلیم کو کسی منزل میں بھی درست قرار دے لے۔ ایک دوراندیش نے لکھا ہے کہ

"آٹھ سال کی عمر کی طالبات کا امتزاج دس سال کی عمر کے لڑکوں سے ——— گویا ایسا معاملہ نہیں ہے جسے کوئی اخلاق و سیرت کی تباہی کا پیش خیمہ خیال کر سکے"۔

اور اُن لوگوں کی نظروں میں جو قوم کے افراد ذکور و اناث کو نہایت ہی پاک و صاف اخلاق کا حامل دیکھنا پسند کرتے اور اسی پاکی و صفائی سیرت پر قوم کی بلندی و سرفرازی کا مدار یقین کرتے ہیں، یہ بھی اضطراب انگیز۔ مسلم رائے عامہ میں بے چینی کے بڑھنے کا باعث ایک یہی مخلوط تعلیم کا اعلان نہیں ہے بلکہ مخلوط تمدن اور بے پردگی کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔ زنانہ کالج کی لڑکیاں سائنس کے تجارب کے لیے اڈمیٹ جاتی ہیں اور تجربہ خانوں میں اپنے اساتذہ کے آگے بے پردہ کام کرتی ہیں انھیں نقاب پہنکر کام کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ زنانہ کالج کو بھی اڈمیٹ لیجانے کا تصفیہ ہو گیا ہے اور اس طرح طالبات کو طلبہ سے بہت قریب کیا جا رہا ہے اسکو دیکھتے ہوئے یہ خیال مسلمانوں میں عام طور پر پیدا ہو گیا ہے کہ تحتانی جماعتوں میں مخلوط تعلیم ایک بڑی انتہا کی ایک چھوٹی ابتدا ہے اور بڑی ہی قابل اعتراض ابتدا ہے.....

ہم آج یہاں ان ساری بحثوں میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے سررشتہ تعلیمات کو صرف اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مخلوط تعلیم کو کسی منزل میں بھی رائج کرنے کا خیال ترک کر دے۔ اس واسطے کہ ملک کے مسلمان اسکو کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ اسلامی اخلاق کی ان حدود کو اس اسلامی ریاست کے محکمۂ تعلیمات میں بے کم و کاست محفوظ دیکھنے کے متمنی ہیں جنکے اندر کسی صنفی برائی کے اندیشے کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ حجاب کے متعلق اتنی بحث تو پھر بھی ہو سکتی ہے کہ چہرہ کھولنے کی اجازت ہے کہ نہیں ہے، مگر اس میں کوئی مومن تامل نہیں کر سکتا کہ مردوں اور عورتوں کو مخلوط رہنے سے باز رکھا گیا ہے۔ اُن سے کہا گیا ہے کہ اتفاقاً

مسلمانو! بھانڈوں اور ناچ ناٹک کا انتظام کرنے والوں کی ایسی حرکات ملک کے پڑھے لکھے مسلمان جو آج مخالفت کر رہے ہیں وہ بھی نتیجہ ہے اس لادینی ذہنیت کا جسکے ہمارے ہموطن روز افزوں شکار ہوتے جا رہے ہیں اور نو عمروں کو لامذہبیت کی طرف مائل کرنے کا وبال بھی اپنے سر لے رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ سمجھدار لوگ ان حماقتوں کی حوصلہ شکنی کریں تاکہ آئندہ پھر انکا اعادہ نہ ہونے پائے۔ (دکن نیوز)

آمنا سامنا ہو جائے تو نظریں نیچی رکھیں۔ اپنی آرائش عورتیں مردوں پر ظاہر نہ کریں اور غرض یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے قلب طاہر رہتا ہے۔ اسلام قلب کی طہارت چاہتا ہے اور ایک اسلامی سلطنت کے سررشتہ تعلیم سے توقع کی جاتی ہے کہ کوئی ایسا اسکول پیدا کریگا جس میں اور مسلمانوں کے بچے قلب کی طہارت سے بھی محروم ہو جائیں۔ قلب کی طہارت سے محرومی بھی اسلامی اخلاق کا معیار سے گرجاتا ہے۔ اس لئے کہ یقیناً یہ ایک ایسے نقشہ کا لوں میں پیدا کرتا ہے جو جسمی طہارت کو برباد کیے بغیر نہیں رہتا۔

مغرب کی مخلوط تعلیم کی رپورٹوں میں جہاں موسم سرد ہے اور بچوں کی نشو ونما گرم ممالک کے بہت بعد ہوتی ہے۔ لڑکیوں کی بارہ برس کی عمر بھی خطرناک کہلاتی ہے۔ اس سے کس قدر زیادہ یہاں دس برس کی عمر کا اندیشہ ناک سمجھا جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ (نعیم) یہ دیکھنا چاہیئے کہ بغیر اخلاق کے تعلیم فضول ہے اور یہ خیال کرنا بھی نقصوں ہے کہ صنفی بداخلاقیوں کا اثر محدود رہتا اور انسان کے اس کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا جس سے اسکو جماعتی اور قومی زندگی میں کام لینا ہے۔ یہ جو کہا جارہا ہے کہ فردی کردار کا جماعتی کردار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اتنا ہی عجیب ہے کہ کوئی کہے یا سمجھے کہ عمارت کا اس کی بنیاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمیں امید ہے کہ ارباب تعلیمات اس پر از سر نو غور فرمائینگے اور اخلاق کے اسلامی معیار قرآنی کے مدنظر تعلیم کی ہر منزل سے مخلوط تعلیم کو نکال دینگے۔ (رہبر دکن)

وطنیت اور اسلامیت

(از مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت، بہار)

...... گاندھی جی نے اسلامی قومیت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ "مسلمانوں کو علیحدہ قوم سمجھنے کا مسئلہ بحث طلب ہے۔ لیکن میں نے یہ کبھی نہ سنا کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں اتنی ہی قومیں ہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہو تو اسکا یہ مطلب ہوگا کہ کوئی شخص جب اپنا مذہب تبدیل کرے تو اسکی قومیت بدل جائے"۔

گاندھی جی مسلمانوں کی مستقل ملت ہونے کو بحث طلب سمجھتے ہیں، جسکی بنیاد بھی اسلامیات پر موقوف نہ ہوتا ہے۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم تمام دنیا کے انسان نظام زندگی کی ایک وحدت سے منسلک ہو جائیں، وہ انسانوں کو اونچ نیچ اور شریف ورذیل نہ باعتبار نسل تسلیم کرتا ہے اور نہ زمین کی جغرافی تقسیم سے انسانی وحدت کو پارہ پارہ کرنا خوشگوار سمجھتا ہے۔

انسانوں کی تقسیم علامات ارض جیسی بے روح اور بے کیف چیز سے کیونکر وابستہ کی جاسکتی ہے، یہ تو حقیقت میں انسانیت کی تذلیل و توہین ہے۔ بلا شبہ انسانوں کی تقسیم کسی ایسی ہی چیز سے ہونی چاہیے جو شرف انسانیت کے مناسب ہو اور وہ انسانوں کا بلند ترین اور صحیح ترین آئیڈیل اور عمل ہے جس پر انسانی مدنیت اور انسانی خوشگوار زندگی اور ترقی کا دارومدار ہو۔ اور وہ آئیڈیل و تخیل اور عملی پروگرام انسانی مذہب کے لیے وہی ہے جو دنیا کے سامنے قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ پس جو لوگ اس الٰہی آئیڈیل کو اعتقاداً و عملاً قبول کرینگے وہ قدرتاً وطبعاً انسانوں کے ایک مستقل گروپ اور مستقل قوم میں خود بخود منتقل ہو جائینگے۔ اور جو لوگ اس آئیڈیل سے انکار کرینگے وہ خود بخود انسانوں کا ایک دوسرا گروپ ہو جائیگا۔ خواہ یہ لوگ ...... بلکہ خدا کا گروپ اور ...... سے بہرحال قدرتاً علیحدہ ہوگا۔

انسانوں کی یہ ایک قدرتی تقسیم ہے جو خود انکے اندر سے پیدا ہوئی ہے، باہر سے نہیں آئی ہے۔ انسانوں کی روحانی کیفیت سے پیدا ہوتی ہے۔ زبان۔ زمین یا اور کسی مادی اور خارجی سے نہیں ہوتی ہے۔ اور انسان کی نسلی و قومی وحدت کے باوجود جس میں تمام چھوٹے بڑے نسلی و قبائلی شعوب شامل ہیں۔ قدرتاً ان کی دو قومیت نکلتی، ایک اسلامی ایک غیر اسلامی۔ لیکن اس تقسیم کے باوجود تمام دنیا کے انسان نہایت خوشگوار پر امن طریق پر مساوات، اخوت انسانی اور ترقیات کے ساتھ دنیا کی مادی زندگی گزار سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قرآن کریم کے کانسٹی ٹیوشن پر کامل اور مکمل طور پر عملدرآمد ہو اور اس کانسٹی ٹیوشن کے چلانے والے صحیح معنی میں خدا ترس، متقی، پرہیزگار اور مخلص خادم خلق ہوں۔

انسانی زندگی کے اس کامل دستور حکومت نے تمام غیر مسلموں کو انکی اختیار کردہ تہذیب و معاشرت میں کامل اختیار دیا ہے کہ جو چاہیں وہ اختیار کریں۔ سوا اسکے چوری، ڈاکہ زنی، بداخلاقی و بدکاری جیسے جرائم کی انھیں بھی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ یہ تمام چیزیں امن عامہ اور انسانی زندگی کو تباہ کرنے والی ہیں۔

اور مسلمانوں کو انکی تہذیب و مدنیت میں مطلق العنان نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ انکی تہذیب و مدنیت کے متعلق چند اصول مقرر نہیں چھوڑا گیا ہے۔

بلکہ انکی تہذیب و مدنیت کے متعلق چند اصول مقرر ہیں جنکے حدود کے اندر انکو زندگی گزارنی لازم ہے۔ بس مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد حقیقتاً مذہبی بنیاد پر ہے اور اسی وجہ سے وہ علیحدہ ایک قوم ہیں۔

لیکن میں نہایت افسوس و حسرت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسکو میں بطور نمونہ پیش کروں جہاں اس دستور کے مطابق ٹھیک ٹھیک عملدرآمد ہو رہا ہو...... اور انسانوں کی دو قومیں مسلم اور غیر مسلم اس دستور کے ماتحت خوشگوار اور پر امن زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس دستور کا چلانے والا صرف نام کا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسکو تو ایسا ہی مسلمان بننا پڑیگا جسکی تعریف خود کانسٹی ٹیوشن میں موجود ہے۔ پس گاندھی جی کو اس پر تعجب و حیرت نہیں کرنا چاہیئے کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔

جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اسکی بنیاد پر یہ ضروری ہے کہ جب کوئی غیر مسلم مسلم ہو جائیگا تو اسکی انسانی قومیت بدل جائے گی بلا شبہ اسکی نسلی حیثیت آدم مرگ باقی رہیگی اور وطنی حیثیت بھی رہیگی جب تک وہ اپنے وطن سے منتقل نہ ہو جائے۔ لیکن اس کی اسلامی قومیت ہمیشہ اور ہر حال میں باقی رہیگی بشرطیکہ وہ مرتد نہ ہو جائے۔

لیکن مسلمانوں کے ایک مستقل قوم ہونے کے معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہندوستان کے باشندے نہیں، ہندوستانی نہیں۔ وہ بیک وقت اور ہر لمحہ پیدائش سے مرنے تک ہندوستانی بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اسی طرح مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہندوستان کے باشندے مسلمانوں اور ہندو ...... فریضہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کی آزادی و خوشحالی کی سعی کریں اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ہندوستان کی جمہوری حکومت میں اگر مسلمانوں کی تہذیبی خود مختاری تسلیم کر لی جائے اور کانسٹی ٹیوشن میں یہ اختیار حاصل ہو جائے تو مسلمان اس حکومت کو گوارا نہیں کر ......

اسلام کا عسکری نظام

(عربک کالج دہلی میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی ایک فاضلانہ تقریر)

نواب بہادر یار جنگ نے اپنی تقریر کی تمہید کی ابتدا اس خاک پاک ہندوستان کی قدیم تاریخ سے کی اور فرمایا کہ دنیا کو تیاگ دینے کے بعد جب گوتم بدھ نے ایک نیا فلسفہ جو اہنسا کے اصول و ضوابط سے متعلق تھا دنیا کے سامنے پیش کیا تو یہ اہنسا کا فلسفہ بھی اسوقت تک نہ پھیل سکا۔ جب تک کہ اس شہنشاہ کی عسکری قوت نے اسکی پشتبانی نہ کی۔ جسکی لاٹھ آج بھی اشوک اعظم کی لاٹھ کے نام سے دہلی میں اسکی عظمت دیرینہ کی یادگار ہے۔ لیکن جب کوئی طاقت و عسکری نظام اسکا پشت پناہ نہ رہا تو اسکی تعلیم لیوؤں میں جسقدر نام لیوا باقی ہیں وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اور آج بھی جس جگہ یہ مت زندہ ہے یا سانس لے رہا ہے وہ وہی جگہ ہے جہاں کسی قوت نے اسے قبول کیا۔

اسکے بعد آپ نے تاریخ بنی اسرائیل پر روشنی ڈالی اور طالوت و جالوت کے عہد میں بنی اسرائیل کی حالت اور پھر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی نبوت و بادشاہی کی قوتوں کے زیر پناہ بنی اسرائیل کے طاقت و عروج کی تاریخ بیان کی اور فرمایا کہ جونہی طاقت کی پشت پناہی یہاں واقع ہوئی بخت نصر نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہزاروں بنی اسرائیلیوں کو لونڈی غلام بناکر اسطرح تباہ و برباد کردیا کہ اگر تاریخ کے ان اوراق کو پڑھا جائے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔

پھر آپ نے عیسائیت کے دور ابتدائی کا نقشہ کھینچا اور فرمایا عیسائیت نے طاقت نہیں پکڑی جب تک کہ سینٹ ہیلینا قسطنطین اعظم (رومن شہنشاہ) کی والدہ نے مذہب عیسویت قبول نہ کیا۔ اور سلطنت کا مذہب عیسویت قرار دے کر اسکی طاقت نے پشت پناہی نہ کی ــــ اسکے بعد آپ نے بعثت نبوی سے قبل کے حالات اور انتہائی انسانی، دماغی زوال و غلامی پر تفصیلی بحث کی اور فرمایا کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنی چمک دمک کے لحاظ سے مسجود خلائق بنا ہوا تھا۔ ستاروں کو انکی گردش کے سبب سجدہ کیا جاتا تھا۔ ہر طاقت ور ظالم ہستی اور ہر بادشاہ و سردار کے بتوں تک کی پرستش کی جاتی تھی بجلی کی چمک سے گھبراکر ماتھا ٹیک دیا جاتا تھا، دریاؤں کے جوش و ابھار کو اسکا قہر و جلال تصور کرکے پیشانی رگڑی جاتی تھی۔ گائے کی سادگی اور اس سے منفعت حاصل ہونے کے سبب اسے قابل پرستش سمجھا جاتا تھا۔ سانپ کے زہر سے خائف ہوکر اسے دودھ پلایا جاتا تھا اور ناگ دیوتا کی پرستش کی جاتی تھی۔ جبکہ پیپل کے لہلہاتے درخت اور انکی سایہ دار ٹہنیوں کے پھیلاؤ سے متاثر ہوکر سیندور چڑھا دیا جاتا تھا ــــ یہ وہ زمانہ تھا کہ سب سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس پستی سے ابھار کر عرش اعلیٰ کی بلندیوں تک پہونچا دیا۔ اور تمام اوہام باطلہ کی نفی فرماکر انسان کو "دماغی غلامی" سے آزاد کرادیا۔

آپ نے فرمایا باسورتھ اسمتھ، گبن اور کارلائل کی کتابیں پڑھنے والو آؤ، ذرا حقیقت کے عالم میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک نظر ڈالو۔ ان مصنفین کی شیریں بیانی میں جو زہر آلود نشتر پوشیدہ ہیں کبھی تم نے انکی خلش بھی محسوس کی۔ باسورتھ اسمتھ وغیرہ ذات قدسی صفات کا زیادہ سے زیادہ تصور باندھ سکے وہ ایک زبردست جرنیل اور ایک بادشاہ کی حیثیت سے قائم کیا ہے ــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ تھے جبوقت کہ آدم کو مسجود ملائکہ بنایا گیا۔ وہ بادشاہ تھے جس وقت کہ اس عالم کون و فساد کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ گو سایہ پدری سر پر موجود نہ تھا، یہ دُرِ یتیم بادشاہ تھا جبوقت کہ مکہ والوں نے ان سے زیادہ کسی کو امین نہ پایا۔ وہ بادشاہ تھے جبکہ حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت لیکر بصرہ جاتے تھے اور راہبوں نے اُن میں نبوت کی نشانیاں دیکھیں۔ وہ بادشاہ تھے جس وقت کہ غار حرا میں جبرئیل امین کے ذریعہ پہلی مرتبہ نزول وحی ہوا۔ وہ بادشاہ تھے جس وقت مکہ کی گلیوں میں اُن پر سنگباری کی جاتی اور بحالت نماز اونٹ کی اوجھ اُنکے گلے میں ڈالدی جاتی تھی۔ وہ بادشاہ تھے جس وقت کہ غار ثور میں آنے والے وقت کے منتظر تھے۔ وہ بادشاہ تھے جبکہ مدنی زندگی کا آغاز ہوا ــ مگر کیسے بادشاہ تھے، وہ جو اپنے نفس کے قوانین نہیں بلکہ قوانین الٰہیہ کے نفاذ کیلیے دنیا میں آئے تھے۔ وہ جرنیل تھے اور بیشک ایسے جرنیل کہ دنیا میں اُنکا کوئی ثانی نہ ہوا، نہ ہے، نہ ہوگا۔ مگر کیسے جرنیل جنہوں نے ملکوں کو مفتوح کرکے غلام نہیں بنایا، بلکہ دماغ انسانی، تخیلات انسانی، روح انسانی کو آزاد کراکر صرف ایک اور ایک ذات یعنی خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جھکا دیا ــ اور یہی "پہلی چیز" "وحدانیت کا درس" اسلام کے عسکری نظام کا اصل عظیم ہے۔

آپ نے فرمایا کوئی عسکری بہتر سپاہی نہیں بن سکتا جب تک اسکے دل و دماغ میں اپنے کمانڈر کے حکم کی اطاعت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود نہ ہو۔ کوئی سپاہی اُسوقت تک کامیاب سپاہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو غالب قوتوں کا مالک نہ سمجھے اور اپنے سوا سب طاقتوں کو ہیچ نہ سمجھے، کوئی حاکم صحیح معنی میں حاکم نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو غالب قوتوں کا مالک نہ سمجھے اور اپنے سوا سب طاقتوں کو ہیچ نہ سمجھے۔ کوئی حاکم صحیح معنی میں حاکم نہیں ہوسکتا جبتک کہ وہ سوائے اُس حکومت کے جسکا وہ نائب ہے تمام دوسری قوتوں کے اثرات سے اپنے دل کو پاک نہ رکھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کا درس دے کر تمام طاغوتی قوتوں کی نفی کردی اور انسان کا دماغ ابطال کی تمام قوتوں اور غلامیوں سے آزاد کراکر بتادیا کہ مسلمان صرف ایک ہی کا غلام ہوسکتا ہے اور دنیا میں کسی سے ڈرنے نہیں آیا۔

آپ نے فرمایا یہی عسکریت اور دنیوی طاقتوں سے نڈر ہونا تھا جسے قوت ایمانی کہا جاتا ہے اور یہی قوت ایمانی تھی کہ حضرت علیؓ ایک ۱۸ سالہ نوجوان کے مقابلہ میں بڑے بڑے دیوہیکل پہلوانوں کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور یہی نڈرپن تھا کہ رستم کے باجبروت دربار میں ننگی گھوڑوں کی پیٹھ پر رسیوں کی لگام ہاتھ میں لیے سوار عرب کے بدو پہونچتے ہیں اور اپنے نیزوں سے مخملی قالین کو الٹتے ہوئے رستم کے تخت پر اسکے پہلو میں دندناکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسکے دل میں خدا کے سوا کسی کا مطلق خوف نہ تھا ــــ اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم اسی کے بندے ہیں۔ کسی دوسرے کے نہیں۔ یہ روح آزادی جو لا الہ الا اللہ نے پیدا

اور جو اسلام کے نظام عسکری کی بنیاد ہے۔

اس کے بعد آپ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ان چاروں اساس دینی کے مقاصد پر فاضلانہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ لا الٰہ الا اللہ، صف بندی، اطاعت امام، ضبط نفس، امداد باہمی اور اجتماع فوجی کا درس دے رہا ہے۔ وہ درس جسکی گہرائیوں میں اطاعت خداوندی اور اس کی حاکمیت اعلیٰ کے آگے سر جھکا دینے اور تسلیم اسی کے سوا اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے مدنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہوئے بدر، احد اور خندق میں میدان جنگ کی حالت کا نقشہ کھینچا۔ اور خود آنحضور اور صحابہ کبار کی عسکری زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے "رحلت نبوی" کا غم انداز سے بیان کیا۔ اور فرمایا کہ جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب تھا آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ ایک درہم جو میرے تکیہ کے نیچے رکھا ہے اُسے اللہ کی راہ میں دیدو تاکہ کہیں دنیا یہ نہ سمجھے کہ محمد زمانہ میں دولت چھوڑ گیا تھا۔ یہ ایک درہم ان شہنشاہوں کے شہنشاہ کی دولت تھی جسکے لیے عالم کون و مکان کا وجود عمل میں لایا گیا۔ ان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثاث البیت میں اگر کوئی چیز نکلی تو وہ ۹ تلواریں، سات زرہیں، ۹ خود تھے۔ اور اطاعت خداوندی کی روح آپ کا اثاثہ تھی جسے حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پہلے خطبہ میں پیش کیا کہ "اے مسلمانو! اگر تم محمد کو پوجتے تھے تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے۔ اور اگر خدا کی بندگی کرتے تھے تو یاد رکھو کہ وہ زندہ ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا"۔

یہ ہے اسلام کے عسکری نظام کی تعلیم جس پر نوجوانان اسلام کو غور اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ (خدمت)

مسلمان کی وطن پرستی

سی۔ پی۔ اسمبلی میں جناب غلام احمد حسن صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے تجویز جنگ کے سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی کی ترمیم کی تائید میں جو دلچسپ اور دلیرانہ تقریر فرمائی اُسکے ضروری حصے ذیل میں شائع کیے جاتے ہیں:۔

مسٹر غلام احمد حسن نے تمہیدی الفاظ کے بعد فرمایا "مسلمان کا نظریۂ قومیت، ہندو نظریۂ قومیت سے بالکل جدا ہے۔ مسلم قومیت انسانیت کے چند ایسے بنیادی اصولوں سے بنتی ہے جسکا منتہا "خدا پرستی" ہے لیکن دیگر قومیتیں جغرافیائی حدود و نسل سے بنتی ہیں جسکا منتہائے نظر "وطن پرستی" ہے مسلمان اس بات کو ماننے سے انکار کرتا ہے کہ اینٹ کے گھروندے اور مٹی کے تودے انسان کو انسان سے جدا کر سکتے ہیں۔ وہ وطن پرست نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ خدا پرست ہوتا ہے۔ لیکن اُسکے وطن پرست نہ ہونے سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ وطن دوست نہیں ہوسکتا۔ مسلمان کو اپنے وطن سے ویسی ہی محبت ہوسکتی ہے جیسی ایک مکین کو اپنے مکان سے اور ایک کاشتکار کو اپنے کھیت سے۔ اگر کوئی غیر شخص مکان یا کھیت سے ایک انچ زمین پر بھی دستبرد کرنا چاہیگا تو اُس کا مالک اُس کا پنجہ توڑ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی معنی میں ہم مسلمان بھی وطن دوست ہیں۔ ہمارے وطن پر جو غاصبانہ قبضہ کرنا چاہیگا اُسکا پنجہ توڑ ڈالیں گے۔ لیکن ایسا ہم ہم وطن دوست ہیں وطن پرست نہیں۔

مسلمان کے نزدیک خدا سب سے بڑا ہے اس لیے وطن بھی بڑا ہے۔ اسی لیے مسلمان مسلمان پہلے ہے اور ہندوستانی بعد میں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کرتا ہے۔ اس طرح وہ بار بار اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے" آپ نے یہ بھی دیکھا کہ وہ "بندے ماترم" کے نعرے کو قبول نہیں کرتا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ محض یہ کہ وہ بندے ماترم کے نظریہ کو اللہ اکبر کے نظریے سے پست تر سمجھتا ہے۔

نظروں سے اس بنیادی اختلاف کو بھی جانے دیجیے۔ اسکے بعد آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کا مذہب جدا، کلچر جدا، معاشرت جدا، معیشت جدا، تاریخ جدا، زبان جدا، اسکے بعد بھی مسلمانوں کی قومیت کو جدا کیسے نہ تسلیم کیا جائے؟

اس موقع پر آنریبل ڈی پی مصرا نے سوال کیا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے؟

جواب میں غلام احمد حسن صاحب نے فرمایا "مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو اپنی خاص زبان لیکر آئے لیکن اُنھوں نے انگریزوں کی طرح اپنی زبان ہندوستانیوں کے منہ میں ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اُنکے اور ہندوستانیوں کے باہم میل جول سے جو زبان پیدا ہوئی اُسے اختیار کرلیا۔ وہ یہی "اُردو زبان" ہے جو مسلمان کی فراخدلی و رواداری کا بیّن ثبوت پیش کر رہی ہے۔ لیکن جب ہم اپنی خالص زبان کو چھوڑکر اُردو کی درمیانی منزل پر اُتر آئے تو آج اُردو خالص مسلمانوں کی زبان کہی جارہی ہے اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ اُردو کی درمیانی منزل سے اُتر کر "ہندوستانی" پر آ اُترو۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ہندوستانی کے پردہ میں "ہندی" کو رواج دیا جارہا ہے جب یہ حال ہے تو اب ہمیں بھی اُردو کو اپنی زبان کہنے میں کوئی باک نہیں۔ ہم اُسکے تحفظ و ارتقاء کے لیے ہر ممکن کوشش کرینگے۔

(کانفرنس گزٹ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ دریاباد - ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق

مراسلت اس پتہ پر ہو:-

مہتم اخبار "صدق" لکھنؤ

صدق

فی پرچہ ۲ر

چندہ سالانہ عہ

" ششماہی ۳

نمبر ۱۹ | لکھنؤ - ۲۱ر ذیحجۃ الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۰ء | جلد ۵

سچی باتیں

موسیقی، یونان میں نصابِ تعلیم کا ایک اہم جز تھی۔ زِمّرن کی "ہسٹری آف گریس" جلد ۸ صفحہ ۱۱۳) کوئی تعلیم کمل نہ سمجھی جاتی، جب تک موسیقی نہ آجاتی

"فلاسفہ موسیقی کو اُس کے قدیم و وسیع معنی، نیز جدید، محدود معنی میں، دونوں طرح تربیتِ سیرت کا ایک خاص تعلیمی عنصر قرار دیتے تھے" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ صفحہ ۳)

اور موسیقی کے اس شرف و منزلت کو تنہا یونان ہی تک کیوں محدود رکھیے، مصر میں، بابل میں، ہندوستان میں، کس قدیم تہذیب، اور کس جاہلی تمدن میں، گانے بجانے کا مرتبہ بلند، اور راگ مالا کا مقام نیچا رہا ہے؟ کہاں گانے کو جزوِ عبادت نہیں سمجھا گیا ہے؟ کہاں یہ نے بڑھا کر موسیقی کا سرا، دیویوں دیوتاؤں کے بول سے نہیں ملا دیا گیا ہے؟ کہاں گانے والوں میں روحانیت کے اور گانے والیوں میں "تقدس" کے جلوے نہیں دیکھے گئے ہیں؟ "مطربہ" اور "مغنیہ" کے اعزاز اور مرتبہ سے چینی، یونانی، مصری، ہندی، رومی تمدنوں میں سے کونسا تمدن نا آشنا ہے؟

دُنیا اسی روش پر چلی جا رہی تھی، کہ تقویم مسیحی کی ساتویں کی ابتداء تھی عرب کی سرزمین پر ایک معلم نمودار ہوا، دنیا جہاں کے اگلے اور پچھلے معلموں سے بڑھ کر تعلیم لگانے والا۔ اُس کی نگاہ دقیقہ پر بڑی اور روحانی تباہی و تباہکاری کی وہ ساری باریک سی باریک، اور خفی سی خفی راہیں، روشن ہوگئیں، جو چین اور یونان، مصر اور ہندوستان کے بڑے سے بڑے حکیموں اور داناؤں کی نظر سے مخفی رہ گئی تھیں۔ اُس نے ان سب ناقص ہادیوں کو چیلنج دے کر، بے دھڑک اور بے جھجک، اعلان کر دیا کہ راگ گانا جزوِ

الغنا وینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل۔	ترتیب اور ذریعہ خدا شناسی ہونا الگ رہا، اُلٹا روحانی نشو ونما کے حق میں مضر ہے۔ قلب کے اندر نفاق کو (عدم خلوص کو)

اس طرح اُگا دیتا ہے، جس طرح پانی ترکاری سبزی کو اُگاتا ہے!

اور اس قول کے ساتھ عمل یہ تھا، کہ جب راستہ گلی میں باجے کی آواز کان میں پڑ جاتی، تو وہ ہر قوم وملت کا ہادی یہ کرتا، کہ اپنے

فوضع اصبعیہ علی اذنیہ ونای عن الطریق۔	کانوں پر اُنگلیاں رکھ لیتا، اور اُس راستے ہی سے ہٹ جاتا۔

دنیا کے تبکدہ میں جس طرح توحید کی آواز نئی اور نرالی سمجھی گئی، اور آج تک مہذب و متمدن دُنیا کی سمجھ میں اس قدر صاف اور کھری توحید نہیں آرہی ہے، اسی طرح بے عقل عقلمندوں کو اس دائمی اور ابدی قانون کے ایک ایک جزئیہ سے بغاوت کرنے ہی میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی ترقی دکھائی دے رہی ہے، اور جوں جوں تہذیب جاہلی کا رعب دلوں پر مسلط ہوتا جاتا ہے گانے بجانے کی بھی قدر ومنزلت بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور کانفرنسوں، صدارتی ایڈرسوں، لکچروں کے ذریعہ سے تبلیغ پر تبلیغ ہو رہی ہے، کہ گانا بہترین دماغی تعلیم ہے، بہترین روحانی تربیت ہے! —

آج اس صوبہ میں میوزک کالج کھلا، کل اس شہر میں میوزک اکاڈمی قائم ہوئی۔ آج فلاں یونیورسٹی نے اپنی سرپرستی میں میوزک کانفرنس کا اجلاس کیا، اور کل فلاں فلاں صوبہ کے بورڈ نے موسیقی کونسل

عربی، فارسی، سنسکرت، سائنس کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانوں میں بہ طور اختیاری مضمون کے جگہ دے دی۔ آج مس فلاں کو گانے پر انعام اس جلسہ میں ملا، اور کل کماری فلاں کی تصویر، بہ حیثیت بہترین ناچ ہجانے والی کے، مشہور و معزز انگریزی روزنامہ میں نکلی!—

تہذیب جاہلی ٹوٹ رہی ہے اور جب وہ ٹوٹے گی، اپنے ہارمونیم اور وائلین کے ساتھ، طبلہ اور سارنگی کے ساتھ، ستار اور پکھاوج کے ساتھ، سازندوں کے عروج واقبال کے ساتھ، گویا ہمارے دور و دورہ کے ساتھ ہی وابستہ آئیگی! رنج اس پر جتنا چاہئے کر لیجیے، لیکن حیرت کا قطعاً کوئی محل نہیں!

دو مخلصوں کی وفات

صدق کے نقش اول اور سچ کے دو خاص مخلصوں کی وفات حال میں ہوئی، دونوں کا مختصر تذکرہ ان صفحات میں ضروری ہے۔ مولانا محمد سعید صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ صولتیہ کے نام سے نوجوان طبقہ تو واقف نہ ہوگا، لیکن ادھیڑ عمر کے اور سن طبقہ کے پڑھے لکھوں میں شاید ہی ان سے کوئی ناواقف ہو۔ ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ کیرانہ کے باشندہ، مدت دراز ہوئی اپنے نامور ہم وطن مولانا رحمۃ اللہ مہاجر مکیؒ کے قائم کیے ہوئے مدرسہ صولتیہ کے سلسلہ میں مکہ معظمہ چلے گئے، اور ایک عمر اسی مدرسہ کی خدمت و اہتمام میں بسر کردی۔ حسن خلق کا مجسم نمونہ تھے۔ ہندی حاجیوں، زائروں کی خدمت کرنا، ہر طرح آرام پہنچانا، شاید اپنی غایت زندگی سمجھتے تھے۔ مدرسہ صولتیہ کا نام جو ہندوستان میں چلا، اس میں بڑا دخل مرحوم ہی کی سعی تبلیغ کو ہے۔ حجاز میں سعودی حکومت قائم ہوجانے کے بعد سے مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے، اور اپنے وطن ہی سے بیٹھے بیٹھے مدرسہ کی خدمت کرتے رہتے تھے۔ سچ کے خاص کرم فرما تھے۔ اور اب اس راز کے افشا میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، کہ ۱۹۳۳ء میں سچ کے صفحات میں جو مراسلات "نفثۃ جگر" کے نام سے چھپے تھے، وہ مرحوم ہی کے قلم سے تھے۔ اللہ تعالیٰ فردوس بریں میں جگہ دے۔

منشی امتیاز علی بی، اے، مرحوم بھی اب ایک حد تک گوشہ نشیں تھے۔ چند سال قبل تک فیض آباد ہی نہیں، صوبۂ اودھ کے مشاہیر وکلا میں سے تھے۔ اور اس سے قبل اپنی جوانی کے زمانے میں زبان وادب کے ایک سرگرم خدمتگزار تھے۔ شکسپیر کے مشہور ڈراما ہیملیٹ کا اردو ترجمہ جہانگیر کے نام سے انھیں کا کیا ہوا ہے۔ بڑھاپے میں وکالت کے کاروبار کے ساتھ مذہبی تصنیف وتالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ سیرۃ نبویؐ میں سراج منیر کے نام سے ایک خاصی ضخیم کتاب یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ فتنۂ ابن سبا کے گمنام مصنف کے پردہ میں بھی یہی شخصیت تھی۔ حج کیا، ایک بزرگ سے بیعت کی، خاصہ وقت عبادات میں بسر کرتے تھے۔ سچ کے ابتدائی دور میں اسکی مالی امداد بھی کی۔ اللہ اپنے قرب کے مراتب عالیہ نصیب کرے۔

سائنس کا اقرار

"سائنس کا طالب علم جزئیات ہی کی دنیا میں رہتا ہے۔ محسوسات کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں جسے ہم فطرت (یا کائنات) کے نام سے پکارتے ہیں، کوئی چیز بھی ایسی نہیں، جو ہماری، محدود نظروں کو مکمل نظر آئے۔ خالق کائنات جو صانع اعظم بھی ہے، کبھی اپنی صنعت کا ملہ کے کب یک پردہ نہیں اٹھا دیتا۔ اس بچہ کی طرح جس کے سامنے آرے کا معمہ رکھ دیجیے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کو جوڑنے لگے، ہم بھی تصویر کے ٹکڑوں ہی کی کوشش میں لگے رہتے ہیں"۔ (لیڈر، الہ آباد ۵ جنوری ۱۹۴۰ء)

اقتباس صدر انڈین سائنس کانگریس کے تازہ خطبۂ صدارت کا ہے۔ ڈاکٹر ملی، ساہنی، ایم، اے، ڈی، اس سی، ایف، آر، اس، کی زبان سے، جو ہندوستان کے سب سے نامور غیر مسلم ماہرین سائنس میں ہیں۔———

علم انسانی کی بے بضاعتی، عقل بشری کی نارسائی پر کوئی تبصرہ اس سے بہتر، اور وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا کی کوئی تفسیر اس سے زیادہ جامع اور کیا ہو سکتی ہے؟

صاحب کا فتویٰ

"میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عورتیں عموماً"

یاد رہے کہ یہ کہنے والا کوئی اردو کا شاعر نہیں، جسکا تکیہ کلام ہی محبوب سے مخاطبت کے وقت، "اٹھتے بیٹھتے یہی رہتا ہے" اور دغاباز، فسوں ساز، مکر نے والے"! بلکہ کہنے والے شہر لندن کے کارونر (مفتش اموات غیر طبعی) مسٹر انگلس۔ رو ڈی ہیں، جو ستائیس سال تک مقدمات قتل وغیرہ کا تجربہ رکھنے کے بعد اسی میں پنشن پر بیٹھے ہیں۔ ہاں تو ان صفات سے موصوف بزرگ نے فرمایا، اور شاعری و مزاح کی راہ سے نہیں، سنجیدگی و ثقاہت کے ساتھ فرمایا:—

"میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں، کہ عورتیں عموماً پیدائشی جھوٹی ہوتی ہیں، اور بے جھوٹ بولے رہ نہیں سکتیں۔ میں نے عورتوں کو دیکھا ہے کہ میرے سامنے بیان دینے کھڑی ہوئی ہیں، اور ایسی ایسی جزئی تفصیلات بیان کی ہیں، جن کا ہر لفظ جھوٹ تھا! میں دھوکے میں آیا نہیں۔ میں تو ہمیشہ جھوٹ کو تاڑ جاتا ہوں، لیکن مجھے حیرت ضرور ہوتی رہی ہے"۔ (سنڈے اکسپریس، لندن۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء صـ۶)

جس تمدن میں "عورت کی عزت" کی دھوم مچی ہوئی ہے، اس کی ایک ہلکی سی جھلک آپ نے دیکھ لی؟ یہی وہ "مساوات" اور عورت کی وہ قدر و منزلت ہے، جس سے سعدیؒ کے صفحات کورے ہیں، اور شکسپیر کے ہم وطنوں کے دل و دماغ، قلم و زبان لبریز؟

جنت کی راہ

"ایمان کے معنی یہ ہیں کہ عقیدہ ہو خدا کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے پیمبروں کا، اور روز جزا کا۔ ایمانیات کی پہلی اور مرکزی دفعہ توحید الٰہی ہے۔ عقائد اسلامی کا ۹۰ فی صدی سے زائد حصہ اسی ایک دفعہ کی تشریح و توضیح سے بھرا ہوا ہے۔ . . . . اسلام بہ حیثیت دین کی قوت کا اصلی راز اس کا یہی عقیدۂ توحید خالص ہے، جسکے معنی ہیں ایک ماورائی ہستی کی حاکمیت مطلقہ پر زبردست و کامل اعتقاد۔ (اسی سے) اسلامیوں میں تسلیم و رضا کا وہ مادہ پیدا

ہو جاتا ہے جس سے دوسرے مذاہب والے تہی دست ہیں۔ خودکشی اسلامی ممالک میں بالکل نادر الوقوع ہے۔" (ہسٹری آف دی عربس ص ۱۲۹)

یہاں ایک امریکی پروفیسر لکھتا ہے۔ پڑھیے اور عبرت کی نگاہ سے بار بار پڑھیے۔ کہ جن عقائد کی آپ خود یوں ناقدری کر رہے ہیں، اغیار انھیں کس عزت و اہمیت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں! اور انھیں کس قدر زندگی بخش قرار دے رہے ہیں! اور پھر عبارت کا آخری فقرہ ہماری غفلتوں کے حق میں کیسا شدید تازیانہ ہے۔ "خودکشی اسلامی ممالک میں بالکل نادر الوقوع تھی" کل بھی، اور ہے آج بھی، اور رہیگی کل پھر بھی، جب تک ان ملکوں میں اسلامی قوانین کی پابندی خاص حد تک باقی ہے۔ آج بھی تحقیق کر لیجیے۔ گنتی کر کے جانچ کر لیجیے، کہ ہر سال خودکشی کے کتنے واقعات حجاز میں، نجد میں، یمن میں، طرابلس میں، افغانستان میں ہوتے ہیں، اور کتنے، موٹر اور سینما والے، یونیورسٹی اور کالج والے، بینک اور آبرا والے، امریکہ اور یورپ میں!

"صدق" کا مستقبل

"صدق" ابتلاء اور آزمائش کے جس بھنور اور موت و زیست کی جس کشمکش میں مبتلا ہے وہ ناظرین "صدق" سے مخفی نہیں ہے۔ "صدق" کی کسی پچھلی اشاعت میں اس صورت حال کا ایک خفیف عکس اس کے معاونین کی خدمت میں پیش کر کے ان سے اپیل کی گئی تھی کہ اگر وہ "صدق" کے رشتۂ حیات کو منقطع ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تو کم از کم سو ڈیڑھ سو خریدار ویسی کی اس کی اعانت فرما کر کارکنان کا ہاتھ بٹائیں اور اسلام کے اس سچے علمبردار کو اس کی زندگی کے مشن کو پورا کرنے کا موقع دیں۔ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب قبلہ مدیر "صدق" کی اس اپیل نے اسلام کے پرستاروں، دین کے فدائیوں اور مذہب کے شیدائیوں میں اضطراب اور بے چینی کے جو جذبات پیدا کر دیے ہیں ان کا اندازہ ان بکثرت ہمدردانہ خطوط و پیغامات سے ہو رہا ہے کہ جو دفتر میں اس وقت تک موصول ہو چکے ہیں۔ "صدق" نوازوں کے جذبۂ ہمدردی کا یہ مسرت بخش نتیجہ اگرچہ خریداران کی مطلوبہ تعداد کو اس وقت تک پورا نہیں کر سکا ہے لیکن معلوم نہیں کہ وہ کون سی قوت ہے کہ جو انجام اور مآل سے بے نیاز کر کے گذشتہ دو روز سے مجھے برابر اس پر اکسا رہی ہے کہ "صدق" کو جس قدر جلد ممکن ہو پندرہ روزہ سے ہفتہ وار کر کے اس شربت توحید کے جرعہ نوشوں کے نعرۂ ہل من مزید کو پورا کر کے ان کی تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس میخانہ صدق و معرفت کے "پیر مغ" حضرت مولانا محترم کی خدمت میں میں نے "صدق" نوازوں کی طرف سے یہ معروضہ پیش کر کے ان سے استدعا کی کہ وہ اس چشمۂ کرم کو عام کر کے تشنہ لبوں کی دعائیں لیں، اور مجھے اس اعلان میں دلی مسرت ہے کہ انھوں نے بہ کمال سیر چشمی میری اس استدعا کو قبول فرما لیا! چنانچہ آج اللہ کا نام لے کر اور رسول پاک کی رحمت کا دامن تھام کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ دو شنبہ **۱۵ فروری ۱۹۵۰ء سے پندرہ روزہ صدق ہفتہ وار اپنے قدر دانوں کے ہاتھ میں** پہونچا کرے گا! میں نہیں جانتا کہ موجودہ مالی مشکلات کی موجودگی میں میری یہ بلند پروازی مجھے کس گھاٹ لے جا کر اتارے گی لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اگر مالک کونین کا فضل و کرم شامل حال ہے تو ان شاء اللہ یہ کوشش مشکور ہوگی اور اپنے رنگ کا یہ واحد اسلامی پرچہ اس خدمت دین کو پایۂ تکمیل پر پہونچا کر رہیگا کہ جو اسکے اجراء کی غایت حقیقی ہے۔ مجھے قدر دانان "صدق" کے جوش عمل سے امید ہے کہ وہ اس کے حلقۂ اشاعت کی توسیع میں میرا پورا پورا ہاتھ بٹائیں گے۔ "صدق" کا ہر ناظر کم از کم ایک خریدار مہیا کر کے مزید کارکنان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کریگا اس لیے کہ یہ قدم خود انھیں کے مطالبہ و تقاضہ کے تحت اٹھایا جا رہا ہے اور اسکے سالانہ چندہ میں کسی قسم کا اضافہ کیے بغیر۔ ارباب کرم اٹھیں اور دنیا پر یہ ثابت کر دیں کہ "خرد" مغرب نے انکے اس جنون مذہب پر کہ جو ازل سے انکا خط تقدیر بنا ہوا ہے ہنوز قبضہ نہیں پایا ہے۔ اور وہ بدستور اسلام کے شیدائی اور مذہب کے دیوانے ہیں۔

اٹھو اٹھو! کہ زمانہ بہار کا آیا!

یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد عبد الرؤف عباسی

ایڈیٹر روزنامہ "حق" و مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

ایمان اور عمل

سر رادھا کرشنن، وائس چانسلر بنارس ہندو یونیورسٹی کا شمار ہندوستان ہی کے اکابر فلاسفہ میں نہیں، بلکہ ان کے علم و فلسفیت کا شہرہ یورپ میں بھی پھیل چکا ہے۔ اور وہ آکسفرڈ میں فلسفہ پر لکچر دیتے رہتے ہیں۔ آخر دسمبر میں، لکھنؤ میونسپل بورڈ کے ایڈریس کے جواب میں انھوں نے کہا:-

"ہماری سائنس نے ترقیاں بے حد و حساب کی ہیں، اور اگر علم ہی سنبھالنے کے لیے کافی ہوتا، تو آج ہم کو نجات حاصل ہو گئی ہوتی۔ پھر ہم میں قوت ارادی کی بھی کمی نہیں، یعنی برداشت مصائب و جذبۂ شہادت کی۔ تاہم دنیا کے مصائب بدستور قائم ہیں۔ سبب صرف یہ کہ اپنی ان عظیم الشان قوتوں کو ہم نے پست مقاصد کے لیے لگا دیا ہے۔ نہ صحیح غایت ہمارے پیش نظر ہے، اور نہ صحیح قدروں کا ہمیں احساس ہے۔"

لیکن یہ "صحیح غایت" اور "شریف ترین مقصد" اگر دین و شریعت کی زبان میں "ایمان" و "صحیح عقیدہ" نہیں تو اور کیا ہے؟ — گویا یہی "ایمان" جسے قرآن نے ہر جگہ عمل صالح پر مقدم رکھا ہے، اس کی "اہمیت"، اولیت، اقدمیت کا اعتراف اب آپ ملک کے سب سے بڑے غیر مسلم فلسفی کی زبان سے بھی سن رہے ہیں۔ اور اس اعتراف کو اکیلے سر رادھا کرشنن ہی تک کیوں محدود رکھیے، کیا یورپ کے اکابر، [illegible]، ایڈنگٹن، اور جینس، اور وائٹ ہاؤس، اور مارسٹن اب سب مذہب ہی کی طرف واپس نہیں آ رہے ہیں؟ — ہندوستان کا "خادم" و "غلام" "روشن خیال" بیچارہ اب بھی وہی آموختہ رٹے جا رہا ہے، کہ "عمل و حسن عمل بالکل کافی ہے، ایمان کی قید خواہ مخواہ کیوں لگائی جا رہی ہے"!

"صاحب" کی شائستگی

"اخبار مجاہد ہی کی آیت کی انتہائی پستیاں:

اُتر آیا، اور رن بہ رن اور گرتا ہی گیا۔ بیہودہ اور بے تمیز ہوگیا۔ مضامین جو کسی طرح منظر عام پر لانے کے قابل نہ تھے، چھپنے لگے، اور خبروں کے عنوان اس قسم کے نکلنے لگے:۔

"حالاتِ حاضرہ خصوصاً ہماری عورتوں کی عیش پرستیاں"

اخبار کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ پاکیزگی اخلاق کے سبق دے گا، لیکن ایسے مضامین، نثر و نظم دونوں اس پر چھپنے لگے، جو گندہ پن، ظرافت، فحاشی، اور گالم گلوچ سے ایسے لبریز ہوتے تھے کہ آج کوئی اخبار تو اُنھیں کنایۃً بھی شائع نہ کرے گا۔"

(ہندو، مدراس، ۲۶ ر نومبر ۳۹ء)

= اردو صاحبان حمیت و حمیا بعنت روزہ اخبار کے ابھی آپ نے سُنے، یہ اردو کا نہیں انگریزی کا تھا۔ اور کسی ہندوستانی نے نہیں، ایک انگریز کے ہاتھ میں تھا۔ اخبار کا نام بنگال گزٹ تھا، اور ایڈیٹر کا مسٹر ہِکی۔ اسے ہِکی۔ اور زمانہ اشاعت کا تھا شروع ۱۷۸۰ء سے، وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل، اٹھارویں صدی عیسوی کا آخری دور۔ گویا وہ وقت جب میر حسن آپ کے ہاں مثنوی بدر منیر لہرا لہرا کر سنا رہے تھے —— اپنی شاعری کو آپ "صاحب" کے ہم زبان ہوکر جی بھر کر مطعون کر چکے، اور فحش اور غیر مہذب، اور شرمناک سب ہی کچھ قرار دے چکے، اپنی نظم کے مقابلہ میں کبھی یہ بھی خیال فرمایا ہے کہ "صاحب" کی نثر کیسی شستہ، پاکیزہ اور بلند رہی ہے!

زندگی کا جہنم

"ولایات متحدہ (امریکہ) میں ہر سال لڑکیوں اور عورتوں پر مجرمانہ حملوں کی تعداد کوئی پانچ ہزار رہتی ہے، ایسے حملے جن کا شمار دلیری سے حرام کاری میں ہوتا ہے۔ اور بہت زائد صورتوں میں نوبت قتل تک کی آجاتی ہے۔"

(سکسولوجی، نیویارک، نومبر ۳۹ء)

بدچلنی سے کمتر درجہ کے جرم، چوری چھپے کی بدچلنیاں، اور باہمی رضامندی کی حرام کاریاں، ان سب کا یہاں ذکر نہیں، یہ اعداد تو صرف اُن واقعات کے ہیں، جہاں شدید ترین درندگی کی صورتیں پولیس کے علم میں آتی ہیں! —— "مہذب و آزاد" ملکوں اور "مہذب" و "آزاد" قوموں کو اپنی یہ "آزادیاں" مبارک ہوں، گزارش یہاں صرف اتنی ہے، کہ جن ملکوں میں ابھی مخلوط کلب نہیں کُھلے، اور مخلوط کالج نہیں قائم ہوئے، اور جہاں سینما اور Co-education کی برکتیں ابھی نہیں پہونچی ہیں، اور جہاں اسلامی قانون حجاب و عصمت اب بھی کسی درجہ میں نافذ ہے، حجاز، نجد، یمن، طرابلس، وغیرہ، وہاں ان واقعات کی گنتی کہاں تک پہونچتی ہے؟ امریکہ کی آدھی نہ سہی؟ چوتھائی؟ چوتھائی بھی نہ سہی، دسواں حصہ بھی؟

ہلاکت کا فیشن

"سینہ کا سرطان (سرطان پستان) کا مرض کہیں زیادہ عام ہوگیا ہے اُس وقت سے جب سے عورتوں میں اپنے بچوں کی رضاعت نہ کرنے کا فیشن ہوگیا ہے"

(سکسولوجی، نیویارک، نومبر ۳۹ء صفحہ ۱۳۳)

الفاظ، امریکن کالج آف سرجنس کی سرطان کمیٹی کے صدر، ڈاکٹر فرینک ایڈیر کے ہیں —— صدق یقیناً کوئی طبی رسالہ نہیں۔ لیکن کیا مضائقہ ہے، اگر فیشن زدہ بیویاں کبھی کبھی طبی حقائق اسی کی زبان سے سُن لیا کریں!

پرتوِ "جمال"

جمال الدین افغانیؒ کے جشن صدسالہ (حیدرآباد) کے صدر بہادر یار جنگ نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:۔

"طہران کے قریب شیخ محمد عظیم کی درگاہ میں بھی آپ نے کمر نہیں کھولی، یہاں سے بصرہ پہونچے۔ بصرہ سے لندن، لندن سے ایک رسالہ جاری کیا۔ لیکن یہاں بھی آپ نے کمر نہیں کھولی۔ جہاں آپ نے کمر کھولی، پھر آگے کو حرکت نہ کی، اور اپنے آپ کو ختم کردیا، وہ مقام قسطنطنیہ تھا، جہاں آپ نے نظریۂ رابطۂ اسلامی کو دُنیا کے سامنے پیش کیا، جس کو یورپ پین اسلام ازم کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ...

مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تک حبل اللہ میں جکڑے جاکر کأنّھم بنیان مرصوص میں مضبوطنہ ہوجائیں، مصری، ہندی وطنیت کے سومنات اور نسلیت کے بت پاش پاش نہ ہوجائیں، مغرب سے اُٹھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ میں اسی اتحاد اسلامی کو علامہ مرحوم کی تعلیمات کا نچوڑ اور جمال الدین افغانی کا آخری پیام سمجھتا ہوں اور اسی کے ذریعہ زندہ چلتے پھرتے جمال الدین افغانی کو حاصل کر رہا ہوں"۔

اُف، یہ فرقہ پرستی! مذہب کی تنگ نظری! یہ حضرات موقع و محل کو بھی نہیں دیکھتے۔ جمال الدین جیسے "روشن خیال" "قوم پرور" کی یادگار کے موقع پر، اور وہ بھی صدارتی تقریر میں، اسلامیت کو سُنے جاتے، توحید کی تبلیغ کیے جاتے اور وحدت امت پر زور دیے جاتے ہیں!

خانہ بربادی

"کیا یہ غلط ہے کہ آج کل سوائے چند خاص عورتوں اور لڑکیوں کے عام طور پر تعلیم یافتہ عورت اپنی تعلیم کے معاملہ میں اس قدر مشغول ہے کہ اُسے اپنے گھروں کے، عزیزوں کے، یہاں تک کہ اپنے حقیقی بھائی بندوں اور ماں باپ اور شوہر اور اولاد تک کی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملتا؟ آج کہاں ہیں وہ لڑکیاں جو کسی اسکول یا کالج میں پڑھنے کے ساتھ گھر میں کھانا پکانے اور خانہ داری کی مصروفیتوں میں شریک ہوتی ہیں؟ وہ کہاں سی ڈگری یافتہ بیویاں ہیں، جو اپنے شوہر یا کسی دوسرے عزیز کی تیمارداری بغیر نرس کی مدد کے کرتی ہوں، اور رات رات بھر جاگ کر اور اپنے ہاتھ سے اُس کی غذا تیار کردیتی ہوں؟ کہاں ہیں وہ ڈگری یافتہ اپ ٹو ڈیٹ لیڈیاں جو اپنے گھر کی خادمہ کا سر دباتی ہوں، یا بیماری میں اسکی مالش کردیں، یا اس کی دیکھ بھال میں رات کو جاگ سکیں؟"

(انگلش ویمن، لندن، نومبر ۳۹ء)

نئی کتابیں[1]

(۱) **اشرف الجواب بشفاء المرتاب** - حصۂ اول - مرتبۂ جناب علی محمد صاحب لاہوری - ضخامت ۳۰۰ صفحے تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت درج نہیں، غالباً ۸ر پتہ، ناظم کتبخانۂ امداد الغرباء سہارنپور

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہستی ایک بحرِ زخار ہے۔ فیوض و برکات کی خدا معلوم کتنی نہریں اس سے پھوٹ کر نکل چکی ہیں، اور برابر پھوٹتی رہتی ہیں - پیشِ نظر رسالہ ممدوح کے مختلف مواعظ و ملفوظات سے انتخاب کرکے مرتب صاحب نے شایع کیا ہے - موضوع اسکا منکروں خصوصاً ہندوؤں اور آریوں کی طرف سے عائد کیے جانے والے بعض مشہور اعتراضات کا جواب ہے - بس اس قسم کے اہم مسائل آگئے ہیں، مثلاً

(۱) اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔
(۲) شریعت نے کفر کی سزا دائمی کیوں رکھی ہے۔
(۳) رسولؐ نے نکاح، اور وہ بھی متعدد کیوں کیے؟
(۴) ذبحِ حیوانات خلافِ رحم ہے،
(۵) کعبہ کی تعظیم اس کی پرستش کے مترادف ہے۔
(۶) نجات کے لیے رسالت پر بھی ایمان کیوں ضروری ہے؟

وغیرہا - جوابات علی العموم صرف کافی ہی نہیں، شافی بھی ہیں، اور زیادہ تر عام فہم بھی۔ رسالہ ہر ایسے مسلمان کے لیے قابلِ مطالعہ ہے، جسے غیر مذہب والوں کی زبان سے اعتراض سننے کے، یا انکی کتابوں کے دیکھنے کے موقع رہتے ہیں -

(۲) **بزمِ جمشید یا خمخانۂ باطن** - ملفوظ حضرت مولانا تھانوی - مرتبۂ وصل صاحب بلگرامی - ضخامت ۸۰ صفحے - تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت درج نہیں، غالباً ۵ر پتہ جناب وصل بلگرامی مکان نمبر ۹ قیصر باغ - لکھنؤ۔

مولانا تھانوی مدظلہٗ کی مجلسوں کی برکات و خصوصیات کا اندازہ صرف انہیں کو ہو سکتا ہے، جو خود ان مجلسوں سے لطف اندوز ہو چکے ہوں، یا کم از کم ان مجالس کے چھپے ہوئے ملفوظات پڑھ چکے ہوں - کچھ روز ہوئے ضلع میرٹھ کے مشہور رئیس جناب جمشید علی خاں (ممبر یو-پی، لیجسلیٹو اسمبلی) حاضرِ خدمت ہوئے تھے، ان صحبتوں میں مولانا کی زبانِ مبارک سے جو کچھ ارشاد ہوا، وصل صاحب کا کرم و احسان ہے کہ انھوں نے مرتب کرکے شایع کر دیا - ملفوظات، مولانا کے، سب ہی پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں، لیکن بعض ملفوظات یقیناً اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز ہوتے ہیں، یہ تازہ ملفوظ بھی حیثیت خصوصی رکھتا ہے - مسائلِ شریعت کے موتی تو شروع سے آخر تک بکھرے ہوئے ملتے ہی ہیں، مسائلِ تصوف کے بیان میں سوز و گداز کا رنگ جابجا اس قدر غالب ہے، کہ کوئی دل والا بغیر آنکھ سے آنسو بہائے پڑھ نہیں سکتا - اصل ملفوظ کے ساتھ دو ضمیمے ہیں، اور دونوں بہت دلچسپ - مولانا مدظلہٗ کے ملفوظات خشک یوں بھی نہیں ہوتے (انکے خشک ہونے کا غلط خیال نہ معلوم کیونکر پھیل گیا) اور پھر اس رسالہ کی عبارت کو تو وصل صاحب کی پیوندکاریوں نے ادبی لطف بھی اچھا خاصا پیدا کر دیا ہے - مولانا سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لیے رسالۂ مذکور کا مطالعہ ضروریات سے ہے۔

(۳) **الاسفار عن برکات بعض الاسفار یا، الفصل للوصل** - مرتبۂ وصل صاحب بلگرامی - ضخامت ۶ × ۹ ، ۱۵۲ صفحات - قیمت ۱۲ر پتہ، جناب وصل بلگرامی، مکان نمبر ۹ قیصر باغ، لکھنؤ (لکھنؤ اور سہارنپور کے کتب فروشوں کے ہاں بھی مل جائیگی -

یہ کتاب درحقیقت مجموعہ ہے تین مختلف کتابوں کا:-

(۱) ارمغانِ جاوداں (مرتبہ وصل صاحب بلگرامی)
(۲) جمیل الکلام (مرتبۂ مولانا جمیل احمد تھانوی)
(۳) اسعد الابرار (مرتبہ مولوی اسرار الحق و مولانا اسعد اللہ رامپوری)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہٗ نے ادھر سالہا سال سے سفر کرنا کلیتہً ترک کر دیا تھا، ۳۵-۱۹۳۶ء میں بغرضِ علاج لاہور اور لکھنؤ کے سفر کرنا پڑے، اور جو دولت تھانہ بھون میں محدود و محصور ہو گئی تھی، دوسرے شہر بھی اس سے مستفید ہو گئے - وصل صاحب نے واقعات و حالاتِ سفر کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، اور ساتھ ہی ملفوظاتِ گرامی بھی دوسروں کے جمع کیے ہوئے درج کر دیے ہیں - مولانا اپنے دور کے مصلحِ کامل ہیں - شانِ اصلاح ان کی بات بات سے پیدا ہوتی رہتی ہے - مجموعہ شروع سے آخر تک شریعت و طریقت کے علوم و معارف کا ایک ذخیرہ ہے - بیسیوں علمی اور درویشانہ نکتے، یہاں باتوں باتوں میں صفحہ صفحہ پر مل جائیں گے - کتاب اپنی حیثیتِ افادی کے علاوہ دلچسپ بھی اتنی ہے کہ شروع کرکے بغیر ختم کیے چھوڑنے کا جی نہ چاہیگا - وصل صاحب کا طرزِ بیان، ترتیبِ مضامین، وغیرہ سب زمانۂ حال کے موافق ہے، اس لیے کتاب کی "خشکی" کا تو وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیے -

(۴) **پطرس کے مضامین** - از "پطرس" (اے، ایس، بخاری) ۱۷۲ صفحے - مجلد - قیمت ۱۲ر پتہ، حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر، دہلی-

"پطرس" پنجاب کے ادبی رسائل کے بہت پرانے مضمون نگاروں میں ہیں، اور اُردو میں اس وقت جو چوٹی کے ظرافت نگار ہیں، انکا ایک امتیازی مقام ہے - شوخی و ظرافت کے ساتھ ساتھ سنجیدگی و شرافت کو نباہنا بہت آسان کام نہیں - "پطرس" ان لوگوں میں ہیں، جنھوں نے اس مشکل کو آسان بنا کر چھوڑا ہے - انکی ظرافت تالیوں اور قہقہوں والی نہیں بشاشت و خندہ روئی، اور تبسم والی ہے - پڑھتے جایئے اور چپکے چپکے مسکراتے جایئے اور کہیں کہیں کھِل کر بھی ہنس لیجیے

افسانوں کی تعداد گیارہ ہے - سب ہلکے پھلکے، صحیح معنی میں ادب لطیف - دل میں گندگی اور ذوقِ معصیت پیدا کرنے والے نہیں - چند سطری دیباچہ، محض مضامین کتاب کا نہیں، نوعیتِ مضامین کا بھی دیباچہ ہے - شروع اس سے فرماتے ہیں: —

"اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھ پر احسان کیا ہے - اگر آپ نے کہیں سے چرائی ہے تو میں آپ کے

---

[1] تبصرہ کے لیے آئی ہوئی کتابوں کا انبار ادھر چند مہینوں سے اندر لگ گیا ہے، اور مصنفین و ناشرین کے ہاں سے خط پر خط تقاضہ کے چلے آرہے ہیں، اسلیے پچھلے نمبر سے متصل نمبر میں بھی مجبوراً کچھ کتابوں کو نپٹانا پڑ رہا ہے -

ذوق کی داد دیتا ہوں۔ آپ نے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھ کر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں۔"

ساری کتاب اسی طرح سلیس و شستہ زبان میں ہے، اور اسی طرح کی بیشتر ظرافت سے بھری ہوئی۔ اور بڑی بات یہ کہ سنجیدہ اور علمی اصلاحی رنگ بھی موجود ہے۔ زبان ہر جگہ لکھنؤ کے معیار کے مطابق نہیں، لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ سارے ہندوستان کی اردو لکھنؤ ہی کے تابع فرمان رہے۔ اوق الفاظ، مغلق ترکیبیں، بازاری لفظوں اور فحش کی مثالیں اول سے آخر تک تلاش کے بعد بھی نہ ملینگی۔ کتاب بے تکلف ہر شریف گھر گھرانے میں بار پانے کے قابل ہے، اور اس وقت اردو کی کسی ظریفانہ کتاب کی یہ داد معمولی داد نہیں۔ کتاب کی ظاہری حیثیت کاغذ چھپائی، جلد وغیرہ سب پسندیدہ و خوشنما

(۴) **وداعِ راشد**۔ از رازق الخیری صاحب۔ ضخامت ۸۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: عصمت بکڈپو، کوچہ چیلان، دہلی۔

مصورِ غم راشد الخیری مرحوم کے نام اور کام سے کون ایسا بدنصیب پڑھا لکھا ہوگا جو ناواقف ہو۔ یہ انکی زندگی کا آخری باب انکے جانشین اور صاحبزادہ رازق الخیری صاحب کے قلم سے ہے۔ داستانِ موت کسی کی بھی ہو موثر و دلگداز ہوتی ہے۔ اور پھر جب اُس کی موت کی کہانی ہو، جس نے اپنی عمر ہی تمام و کمال غم و الم کی مصوری کے لیے وقف کر دی تھی۔ اور داستاں گو بھی کون؟ باپ کا عاشقِ زار بیٹا۔ درد ظاہر ہے کہ صفحہ صفحہ پر، سطر سطر میں کوٹ کر بھرا ہوگا۔ مرحوم کا انتقال فروری ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا۔ سنکے ماتم میں مضمون اسی زمانہ میں عصمت میں نکل گیا تھا۔ اب یہی بار کتابی صورت میں شائع ہوا ہے، اور اسی قابل تھا بھی کہ مستقل صورت میں محفوظ رکھا جاتا۔ بالکل آخری گفتگو، بالکل آخری منظر، نظر کی بجلی کا آخری بار چمکنا اور پھر رحم جانا، ۴۵ سال کی بیاہی ہوئی دلہن کے سہاگ کا اجڑنا، اور اسکا اپنے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے عاشقِ زار شوہر کے مردہ چہرہ پر دوشالہ باندھنا، ان ساری تفصیلات کا لفظ لفظ نظر کے سامنے آجانے کے بعد کون ایسا سنگدل ہے جسکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نہ جاری ہو جائیں گے۔ ——— اردو کے بڑے سچے بادشاہ کی کتابِ زندگی کا خاتمہ یوں ہی ہونا بھی چاہیے تھا، کہ وہ خود ایک اور بڑے سچے کا تحفہ دنیا کو دے جائے۔

(۵) **حکایاتِ رومی**، حصہ اول۔ مترجم مرزا نظام شاہ صاحب لبیب۔ ضخامت ۱۴۸ صفحے۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: انجمن ترقی اردو، دریا گنج، دہلی۔

مثنوی شریف اور اسکی حکایات کی شہرت سے آج کس کے کان ناآشنا ہیں؟ مولانا کا طرزِ تعلیم یہ ہے، کہ تصوف و سلوک کے ہر مسئلہ کے ضمن میں تشریح و تمثیل کے لیے حکایات کثرت سے لاتے ہیں، اور پھر حکایات کے اندر دوسری دوسری حکایتیں شروع کر دیتے ہیں۔ ہر حکایت نتیجہ خیز اور سبق آموز ہونے کے ساتھ دلچسپ و دلاویز بھی ہوتی ہے۔ اردو میں انکا منتقل ہو جانا اردو خوانوں کی خوش قسمتی ہے۔ کتاب کا ابھی صرف حصہ اول شائع ہوا ہے۔ اس میں کل مثنوی کے نصف حصہ، یعنی دفتر سوم تک کی حکایات آگئی ہیں۔ اور انکی مجموعی تعداد ۹۰ ہے۔ ترجمہ ٹھیٹھ لفظی نہیں ہے، جا بجا حذف و اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اور جن حکایات میں اخلاقی رنگ زیادہ ہے، یعنی جو صرف مسلمانوں کے کام کی ہیں، بزرگ قصے جو بچوں اور لڑکیوں کے سامنے لانے مناسب نہ تھے، وہ سب چھوڑ دیے گئے ہیں۔ مترجم مرزا نظام شاہ صاحب لبیب، دہلی کے شاہی خاندان کے رکن ہیں۔ کس کے منہ میں زبان ہے جو انکی زبان پر حرف رکھ سکے؟ اور پھر کہنہ مشق اہل قلم سید ہاشمی صاحب فرید آبادی کے سنوارنے دلفریبی نے تو اور چار چاند لگا دیے ہیں۔ کتاب، مطبوعات انجمن ترقی اردو کے سلسلہ میں، ایک مفید اضافہ ہے۔

(۶) **اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام**۔ از مولوی ڈاکٹر عبد الحق صاحب۔ ضخامت ۲۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: انجمن ترقی اردو، دریا گنج، دہلی۔

مولوی عبد الحق صاحب "بابائے اردو" اگر تصنیف و تحریر کا کام بالکل چھوڑ دیں، اور صرف اُنھیں ادبی و علمی کوششوں میں لگے رہیں، جو بحیثیت سکریٹری انجمن ترقی اردو انھیں کرنی پڑ رہی ہیں، جب بھی وہ عصرِ حاضر کے سب سے بڑے خادمِ اردو گنے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُنکی طبیعت اور ہمت اتنے پر کب بس کرتی ہے۔ خود بھی جب دیکھیے، کبھی کوئی مقالہ تیار کر رہے ہیں، کبھی کوئی مضمون لکھ رہے ہیں، کبھی مقدمہ یا تنقید کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اور کبھی تصنیف ہی شائع کر رہے ہیں۔ پیشِ نظر رسالہ انکا تازہ افادۂ قلم ہے، اور ان کی کاوش و تفحص پر ایک دلیلِ محکم۔ اردو کی ابتدا کا کھوج لگانے کو اس زبان کے الفاظ انھوں نے بابا فرید گنج شکر کی بولی میں ڈھونڈ نکالے ہیں، درآنحالیکہ شیخ کا زمانہ بارہویں تیرہویں صدی عیسوی کا ہے (۱۱۷۳ء تا ۱۲۶۵ء)، اسکے بعد عہد بعہد کوئی ۲۵ — ۳۰ اور بزرگ اپنے صوفیہ کے کلام سے استشہاد کرتے چلے گئے ہیں۔

علماء و صوفیہ کی چشمک آج سے نہیں، مدت دراز سے چلی آرہی ہے، اور اسکی اچھی خاصی جھلک اس رسالہ کے بھی ابتدائی صفحات میں موجود ہے، خاتمہ کے قریب فاضل مصنف نے بڑے انصاف و تحقیق کے ساتھ اردو زبان کے ارتقاء میں صوفیہ کے مرتبہ کو واضح کر دیا ہے:—

"اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے، اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی، اور اس کو بڑی توقیر دی...... یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔ یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے، بلکہ کم انکا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی۔ نہ اسکا انھیں کچھ خیال تھا۔ انکی غایت ہدایت تھی۔ لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بعہد نئے اصناف اور اسلوب پیدا ہو گئیں۔ اور انکی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے، لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔" (ص ۴۹)

رسالہ اگر انگریزی زبان میں ہوتا، تو عجب نہیں کہ یہی ریسرچ ڈاکٹری کی ڈگری کے لیے کافی ہو جاتی۔

(۷) **ہندوستان کی صنعت و تجارت**۔ از مولوی منت اللہ صاحب رحمانی، ایم۔ اے۔ ضخامت ۳۴۲ صفحے۔ قیمت ۱۲ر ملنے کا پتہ: مکتبہ سفینہ

کتاب کا موضوع ہندوستانی صنعت و تجارت کا عروج اور پھر انگریزی عہد میں اُسکے زوال کی تاریخ ہے۔ کتاب معلومات اور اعداد سے لبریز ہے۔ اور ملک کی سیاسی تربیت کے لیے یقیناً ایسی کتابوں کی ضرورت ہے۔ لیکن یورپین مصنفین کے حوالہ دینے میں مزید احتیاط کی ضرورت تھی، خصوصاً ایسے حوالے جو واسطہ در واسطہ سے حاصل ہوئے ہوں۔ کتاب کا مطالعہ یوں عام ناظرین کے لیے بھی نفع سے خالی نہ ہوگا، لیکن سیاسی کام کرنے والوں کے تو خاص کام کی چیز ہے۔

(۸) بیوہ۔ از منشی پریم چند آنجہانی۔ ۱۹۶ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ۱۲؍ پتہ: مکتبۂ جامعہ۔ نئی دہلی۔

منشی پریم چند، جو ابھی کل تک اپنے ہنستے ہوئے شگفتہ چہرہ، اور بشاش صورت کے ساتھ اہل جہاں تھے، اور آج آں جہانی ہو چکے ہیں، اردو افسانہ نویسوں میں ایک مخصوص و ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ طبقۂ اوسط اور غریب گھرانوں کی زندگی کی مصوری انکا اصلی کارنامہ ہے۔ اور ہندو زندگی کی نقاشی تو ان سے بڑھ کر آج تک کسی سے بن ہی نہیں پڑی ہے۔ خصوصاً وہ معاشرت کی اندرونی کمزوریوں اور خرابیوں کو دکھاتے رہے، اور سوسائٹی کے ظلم و ستم اور جاہلانہ رسم پرستیوں اور وہم پرستیوں کی دکھتی ہوئی رگ تو انھوں نے خوب ہی پکڑی۔ بیوہ اسکے افسانوی کارناموں میں تاریخی اعتبار سے کہنا چاہیے کہ بالکل آخری نمبر پر ہے، لیکن وہ اپنے رنگ میں، اپنے مرتبہ کے لحاظ سے شاید سب سے اول تھا۔ کم سے کم اس قسم کا خیال اس تبصرہ نگار کے سامنے تو ایک بار انھوں نے ظاہر بھی کیا تھا۔

قصہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ایک ہندو بیوہ کی سرگذشت ہے، درد اور دکھ سے بھری ہوئی۔ خانگی زندگی کی چھپائیاں، شکست و رقابت، مرد کی بیوفائیاں، عورت کی چالاکیاں، فطرت بشری کے اُبھار سے، اصلاح کی راہ میں رکاوٹیں، نفس کے دھوکے، اور بالآخر بدی پر نیکی کی، رذالت پر شرافت کی فتح۔ یہ سارے مرحلے لطف و خوبی کے ساتھ ادا کیے ہوئے ملینگے۔ پلاٹ اتنا دلچسپ کہ شروع کرکے چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ اور یہ منشی پریم چند کے خصوصیات میں داخل ہے۔ زبان بھی حسب معمول صاف، سلیس و عام فہم۔ قصے کے حصے جا بجا بڑے دردناک اور رقت انگیز۔ کتابت کی غلطیوں کے باوجود کتاب ظاہری حیثیت سے دیدہ زیب و خوشنما۔

(۹) **معلومات سائنس**۔ از جناب آفتاب حسن صاحب ام اِس سی، و شیخ عبد الحمید صاحب بی اِس سی، و چودھری عبد الرشید صاحب بی اے۔ ضخامت ۸ × ۱۹۹ صفحات۔ تقطیع ۱۸×۲۲ قیمت درج نہیں، پتہ: انجمن ترقی اردو۔ دریا گنج۔ دہلی۔

کتاب کی خوبیاں اس سے کہیں زائد ہیں جتنی نام سے معلوم ہوتی ہیں۔ سائنس کا لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ اول نظر میں خیال یہی گزرتا ہے کہ کل دو سو صفحہ کی ضخامت میں بھلا کیا آیا ہوگا؟ لیکن یہ مصنفین کا کمال ہے کہ کل اتنی ضخامت میں طبیعیات، حیاتیات، نباتیات، ریاضیات وغیرہ سے متعلق سترہ اس قسم کے چیدہ عنوانات قرار دے کر

(۱) خوراک اور حیاتین
(۲) نباتات،
(۳) ریڈیم اور میڈم کوری،
(۴) گلیلیو اور دوربین۔
(۵) آئینسٹائین
(۶) لاسلکی اور مارکونی کی کارگزاری۔

ان کے ماتحت وہ سب ہی کچھ بیان کر دیا ہے، جس سے عام ناظرین کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اور کتاب کا مقدمہ ۸ صفحہ کا، مصنف اول کے قلم سے بجائے خود قابل دید ہے۔

انداز بیان اتنا شگفتہ و دلآویز ہے، کہ جابجا افسانہ کا دھوکا ہونے لگتا ہے، اور سائنس کی خشکی تو کہیں آس پاس بھی نہیں۔ خود اندازہ کرنے کے لیے فلم سازی کے بیان سے اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

"امریکہ والے اس فکر میں ہیں کہ ایسی فلمیں تیار کی جائیں، جن میں دیکھنے والوں کو موٹائی بھی معلوم ہو سکے۔ سردست تو لوگ چپٹی تصویریں ہی دیکھتے ہیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ فلمیں ایسی بنائی جائیں جو کہ ٹھوس اُبھری ہوئی معلوم ہوں جیسی سٹیریو اسکوپ میں دیکھنے سے کاغذ کی تصویریں نظر آتی ہیں .... بعض جدت پسند اصحاب اس فکر میں ہیں، کہ سنیما گھر میں لوگ آواز بھی سنیں، رنگ بھی دیکھیں، تصویر کے حجم کو بھی محسوس کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ تصویر کو بھی سونگھیں۔ مثلاً کوئی باغیچہ نظر آئے تو سارا سنیما پھولوں کی خوشبو سے مہک اُٹھے۔ کوئی گھر جل رہا ہو تو لکڑی جلنے کی بو پھیلے، دھوئیں سے دم گھٹے اور کہیں کوئی بدقسمت انسان جل رہا ہو تو اسکی چراند بھی سونگھی جا سکے۔ ایک صاحب کا تو یہاں تک خیال ہے کہ جب تک سنیما گھروں میں بو نہ آ جائے گی دیکھنے والی فلمیں کامیاب نہیں ہو سکتیں.... وہ کہتے ہیں "صرف جنگ کی مصیبتوں کا نقشہ دکھا دینا کب کافی ہے، ذرا دیکھنے والوں کو خندقوں کی بدبو، اور لڑائی کے میدان میں مرنے، سڑنے، گلنے والوں کی دم گھٹا دینے والی بو سونگھنے دو۔ ذرا توپوں کے دھوئیں سے ان کا دم گھٹنے دو، اور کلیجہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی گیسوں کا مزہ چکھ لینے دو، پھر جنگ کی مصیبت کا اندازہ لوگوں کو لگیگا"۔
خیال تو اچھا ہے، مگر ابھی تک اسکا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ لوگ سنیما گھروں میں زہریلی گیسوں کا مزہ چکھنے جائیں گے بھی یا نہیں۔" (ص ۱۲۶–۱۲۷)

آخر میں اشاریہ (انڈکس) بھی خاصی مفید ہے، گو اسے اور زیادہ مفصل بنایا جا سکتا تھا۔ اغلاط کتابت ہیں۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی کتاب ظاہری حیثیت سے بھی خوشنما ہے۔

(۱۰) **مصنفین اردو**۔ مرتبہ زوار حسین صاحب۔ چھوٹی تقطیع، ضخامت ۲۴۲ صفحے۔ قیمت ۲؍ پتہ: حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر۔ دہلی۔

حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی کی یہ جدت ہے کہ کتابوں کی اس فہرست کو بھی اس نے بجائے خود ایک کتاب بنا دیا ہے اور کتاب بھی قابل دید۔ اس میں پہلے تو مصنفین اردو کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے، مفسرین، ناقدین، مترجمین، مورخین، شعرا و شاعرات وغیرہ۔ اور پھر ہر طبقہ کے مصنفین کی تصانیف کے ساتھ ساتھ خود اُنکے ذاتی حالات اور تعارف درج ہیں۔ حالات میں فروگذاشتوں کا رہ جانا ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ داد کے قابل یہ چیز ہے کہ اس اہتمام

کے ساتھ اور اتنے بڑے پیمانہ پر یہ کوشش اردو میں اپنی قسم کی پہلی ہی ہے۔ مدیر صدق کی تصویر کے چوکھٹے میں بجائے اس کی تصویر کے، اس کے صدق کا رڈ کا (جس میں صرف ایک شعر درج ہے) عکس شایع کر دینا، یہ بھی ستم ظریفی میں اپنی آپ مثال ہے۔

نئے رسائل

(۱) **المحمود** (ماہنامہ) مدیر مولوی امیر احمد مظاہری - حجم ۲۰ صفحے - چندہ سالانہ دو روپیہ۔ پتہ، دارالعلوم - تانبوسے۔ ۱۵ کیمبل روڈ - رنگون (برما)

برما سے اردو ماہنامہ نکالنا یوں بھی ہمت کا کام ہے اور پھر یہ رسالہ تو خاص مذہبی رنگ کا ہے۔ پیش نظر نمبر، نمبر ۱ ہے - اس میں زیادہ توجہ تنقید خاکسار یت پر ہے - سینما کے مسموم اثرات پر ایک مضمون اس نمبر میں اچھا ہے۔

(۲) **دارالاسلام** (ماہنامہ) - مرتبہ ادارۂ تحریر دارالاسلام - حجم ۴۸ صفحے قیمت درج نہیں - پتہ، رسالہ "دارالاسلام" پٹھان کوٹ (پنجاب)

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، مدیر "ترجمان القرآن" کی تجویز دارالاسلام سے صدق کے پرانے پڑھنے والے بخوبی واقف ہوں گے۔ مولانا کا قیام تو وہاں نہ رہ سکا، لیکن دارالاسلام کے دوسرے کارکن کام کو کسی نہ کسی حد تک، اپنی ہمت و استعداد کے موافق، چلائے ہی جاتے ہیں۔ اور اب یہ ماہنامہ اسی ادارہ کی طرف سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - مولوی محفوظ الرحمن نامی (بہرائچ کے مدرسہ نور العلوم والے) کا نام صدق کے پرانے اور نئے کے ناظرین کے لیے نامعلوم نہیں - خوشی کی بات ہے کہ اب وہ اس ادارہ کے خاص کارکن معلوم ہوتے ہیں - انکا جذبۂ اخلاص کسی جدید تعارف کا محتاج نہیں - اور مزید مسرت اس کی ہے کہ خود مولانا مودودی کا تعلق بھی رسالہ سے کسی نہ کسی حد تک باقی ہے - چنانچہ انکے خطبات جمعہ اس میں شایع ہو رہے ہیں۔

(۳) **مسیح الملک** (ماہنامہ) مدیر حکیم محمد مظہر الدین اجملی - حجم ۴۰ صفحے تقطیع ۱۸×۲۲ - چندہ سالانہ عہ رپتہ، قرول باغ - نئی دہلی۔

طبی رسالہ ہے، جس کے دس نمبر اب تک موصول ہو چکے ہیں۔ خالص فنی دلچسپی کے مضامین کے علاوہ عام اصلاحی و کارآمد مضامین بھی کبھی کبھی نکل جاتے ہیں۔ مثلاً نمبر ۱ میں مضمون "رضاعت اور ہی کی اہمیت"

پنجاب اسمبلی کے "روشن خیالوں" کی خدمت میں

پرائمری تعلیم کے مسودۂ تعلیم کے سلسلہ میں پنجاب اسمبلی میں "روشن خیالی" کے جو مضحکہ خیز مظاہرے ہوئے ہیں ہم ان پر فی الحال بحث نہیں کرنا چاہتے یہ "روشن خیالی" مغرب کی نہایت ہی ذلت خیز نقالی ہے اور اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان "روشن خیال" اصحاب کو مغربی اقوام کی اور اپنی معاشرت کے اصولی مقاصد سے مطلقاً کوئی آگاہی نہیں بلکہ انھوں نے صرف یہ سیکھ لیا ہے کہ "روشنی" کی ہر وہ کرن جس کا منبع مغرب ہو اس قابل ہے کہ اسے اپنی آنکھوں کے دامن کی زینت بنا لیا جائے اگرچہ وہ کرن فی الحقیقت آگ کا شعلہ ہی ہو - ہم چودھری کرشن گوپال دت کی "روشن خیالی" کے حدود سے بھی ناواقف نہیں ہیں، اور جانتے ہیں کہ اگر صرف دو مثالیں ان کے سامنے پیش کر دی جائیں تو وہ خفاش کی طرح تیرگی کے دبیز پردوں میں جا چھپیں گے - لیکن سردست ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔

ہماری درخواست پہلے بھی یہی تھی اب بھی یہ ہے کہ مشترکہ تعلیم غلط ہے، مضر ہے - یہ ہماری معاشرتی زندگی کے اس نظام کو درہم برہم کر دیگی جو مختلف افراد کے انفرادی اعمال پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کے اصول و اساسات دوسرے ہیں - ان کے حدود کے متعلق اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن اصل و اساس کے متعلق اختلاف کا سوال درمیان میں نہیں آسکتا۔ لہذا حکومت سے ہماری درخواست ہے کہ وہ مشترکہ تعلیم کا خیال ترک کر دے۔

کوئی مسلمان لڑکیوں کی تعلیم سے اختلاف نہیں کر سکتا البتہ یہ ظاہر ہے کہ تعلیم پیش نظر مقاصد کے مطابق ہوگی بعض شعبے ایسے ہیں جن میں طبقۂ نسواں کی خدمت کے لیے عورتوں کو خاص تعلیم دینے کی ضرورت ہے - مثلاً ڈاکٹری کی تعلیم، نیز ملک کی تعلیم انھیں زنانہ مدرسوں میں پڑھانے کے قابل بنا تا - لیکن ہر شعبے کے لیے عورتوں کو تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط اور مشترکہ تعلیم ہر حال میں غلط ہے، سوال عمر کا نہیں بلکہ صنف اور عادت کا ہے - چند "روشن خیالوں" کو اس میں مضائقہ نہیں نظر آتا وہ جو چاہیں کریں لیکن انھیں کوئی حق حاصل نہیں کہ پوری قوم کو کسی ایسی مصیبت میں الجھا دیں - چودھری کرشن گوپال دت اور دیوان چمن لال اپنی قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھا پڑھائیں - انھیں کوئی روک نہیں سکتا لیکن مسلمان اس پر راضی نہیں ہو سکتے اور انھیں راضی نہ ہونا چاہیے - ہم اس بحث کو وسعت دینے کے خواہاں نہیں - حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر قوم کے مصالح اور معتقدات کا پورا پورا خیال رکھے اور کشمکش سے بچے - بچوں کی تعلیم کو اس قسم کشمکش میں ڈالنا اصل مقصد کے لیے مضر ہے۔

ہمیں پھر دلی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے "روشن خیال" اصحاب نے بحث کو مدورجہ تلخ افزا رنگ دیا اور ایسی باتیں پیدا کیں جن کو اسمبلی میں نہیں آنا چاہیے تھا - افسوس کہ انھیں اپنے اقوال کے حدود و اساسات کا کوئی صحیح علم نہیں ہے، ہماری غرض یہ نہیں کہ انفرادی اقوال پر نکتہ چینی کریں بلکہ محض یہ ہے کہ حکومت مخلوط تعلیم کی غلطی سے آگاہ ہو جائے اور اسے ترک کر دے۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ ہمارے

ے معاشرتی زندگی کی بنیاد پر اثر انداز ہو رہا ہے اور ایسی مضرت خیز اور مصالح پر اثر انداز تحریکات کی مخالفت ہمارا اہم ترین اصلاحی فرض ہے - ہم نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کا مدعا محض یہ تھا کہ حکومت ایک غلطی سے بچ جائے۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ اس غلطی پر قائم رہی تو نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوگی۔

(انقلاب)

ایک مکالمہ

ریڈیو پر

[ذیل کا مکالمہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ۱۳ دسمبر کی شام کو نشر ہوا۔ عنوان تھا "موجودہ سائنس دنیا کے حق میں رحمت ہے یا زحمت؟" اور مدت مکالمہ تھی ۱۵ منٹ۔ ریڈیو کی ساری تقریروں اور مکالموں کے سلسلہ میں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ عنوان و وقت وغیرہ کا سارا تعین کارکنان محکمہ مذکور ہی کے ہاتھ میں ہے، اور اسکے علاوہ اور بہت سے قیود و شرائط محکمہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ زبان بہت سادہ ہو، عربی و فارسی الفاظ کم سے کم لائے جائیں، "فرقہ واریت" کی جھلک کہیں سے نہ آنے پائے، کسی مذہبی یا سیاسی گروہ کی دلشکنی نہ ہونے پائے۔ حکومت وقت کے یا کسی دوسرے مذہب کے خلاف، ہلکی سے ہلکی تعریض، بعید سے بعید صورت میں بھی نہ پیدا ہو، وقس علیٰ ہٰذا۔ تقریر یا مکالمہ ان سب قیود کو ملحوظ رکھ کر تیار کرنا پڑتا ہے، اور پھر بھی بعض مرتبہ عین وقت پر "محتاط" حکام ریڈیو کی نذر احتیاط بڑھ ہی جاتی ہے، اور خاص خاص لفظوں اور فقروں کے ادا کرنے کی کسی طرح اجازت نہیں ملتی۔ چنانچہ یہی صورت مکالمہ ذیل کے ساتھ بھی پیش آئی۔ مکالمہ میں حصہ لینے والے مدیر صدق ("شیخ صاحب") کے علاوہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن ہی کے اسٹاف کے دو صاحب ("میر صاحب" اور "مرزا صاحب") اور تھے۔ مکالمہ اسٹیشن مذکور کے ڈائرکٹر کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے]

میر صاحب۔ آداب بجا لاتا ہوں سرکار، مزاج شریف۔

شیخ صاحب۔ آہا، جناب میر صاحب قبلہ ہیں۔ تسلیم۔ تشریف لائیے۔ یہ آج چاند کدھر سے نکل آیا — اچھا اب سمجھا۔ مرزا صاحب ساتھ ہیں یہی گھسیٹ لائے ہونگے۔

مرزا صاحب۔ جی اور کیا۔ یہ بھلا اب ریڈیو چھوڑ کسی سے ملتے ملاتے ہیں۔ وہ تو کہیے میں گرفتار کر لایا۔ آپ کو انکے شوق کا حال معلوم ہے نہ شیخ صاحب؟

میر صاحب۔ خیر یہ تو مرزا کی شاعری ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب سے ریڈیو لے لیا ہے، باہر نکلنا ذرا کم ہو گیا ہے۔ ظالم میں کچھ ایسی لذت ہے کہ چھوڑنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ اور یہ چیز بھی تو ایسی ہی ہے۔ چوبیس گھنٹے کا مصاحب۔ دن بھر چاہے باتیں سنا کیجیے۔ دل بہلا لیجیے۔ نہ لڑائی جھگڑے کا ڈر، نہ کسی کی حکایت شکایت۔ میں کہتا ہوں شیخ صاحب ان ولایت والوں کو سوجھی بھی کیا کیا ہے۔ کیسی کیسی چیزیں ایجاد کر دی ہیں۔ ان کا سائنس ہے کہ جادو۔ کوئی حد ہے ان کی عقل کی رسائی کی۔

شیخ صاحب۔ جادو آپ کی عقل پر تو ضرور چل گیا ہے۔ مرد آدمی، عقل نام ہے قوت فکری کا۔ ان مشینی ایجادوں سے قوت فکری کی کون سی کرامت ثابت ہو گئی؟ بس وہی جیسے ہمارے یہاں بڑھئی، لوہار، مستری، کاریگر ہوتے ہیں، ویسے ان کے یہاں انجینیر، مکینک۔ تجربہ ان کا بڑھا ہوا، بہت بڑھا ہوا سہی۔

میر صاحب۔ حد کر دی آپ نے بھی شیخ صاحب۔ یہ کوئی کمال ہی آپ کے نزدیک نہ ہوا کہ آدمی گھر بیٹھے سیکڑوں ہزاروں میل کی خبریں دم بھر میں سن لے۔ لندن کا آدمی گویا دیوار کے پیچھے کھڑا ہوا۔ اور اب تو بولنے والے کی تصویر بھی آ جایا کرے گی۔ اور پھر خرچ ہی کیا۔ دو چار سو میں اچھا سا سٹ لے لیجیے۔ دیہات میں بیٹری لگا کر سنیے۔ سفر میں ساتھ رکھیے۔

شیخ صاحب۔ جی ہاں، اور یہ کمال کچھ کم ہے کہ گھر بیٹھے جن بائی صاحبہ کا جی چاہے پتہ لگا لیجیے۔ نہ بدنامی کا ڈر، نہ گلیوں میں خاک چھاننے کی ضرورت۔

میر صاحب۔ لاحول ولا قوۃ۔ آپ کی نظر بھی سب چھوڑ چھاڑ کہاں جا کر پڑی! میں کہتا ہوں کہ اول تو موسیقی کی سرپرستی میں عیب ہی کیا ہے۔ زندہ قومیں تو زندہ اسی کے دم سے ہیں۔ اور پھر مانا کہ ایک عیب آپ نے ٹٹول لیا تو سو ہنر بھی تو اس کے مقابلہ پر دیکھیے۔

شیخ صاحب۔ وہی تو جاننا چاہتا ہوں، یہ مشین پر مشین جو دن پر دن ڈھلتی جاتی ہے، آخر اس سے کیا فائدہ دنیا کو پہنچ رہا ہے؟

مرزا صاحب۔ میرے خیال میں پہلے یہ طے کر لیجیے کہ نفع یا فائدہ کہتے کسے ہیں؟

میر صاحب۔ میں تو فائدہ سے مراد یہ لیتا ہوں کہ انسان کو زندگی میں راحت ملے، سکھ نصیب ہو۔

شیخ صاحب۔ ورد دکھ دور ہو۔ ورنہ ایک راحت اگر مشینیں اپنے ساتھ لگا لائیں، تو یہ بھی کوئی علاج ہوا؟ الٹا اور وبال ہو گیا۔

میر صاحب۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے، آگے چلیے۔

شیخ صاحب۔ تو بس اپنے ہی قائم کیے معیار پر ان صنعتی کوششوں کو جانچ لیجیے۔ ریل کا نام آپ پیش کریں گے؟ اچھا اسی کو لیجیے۔ یہ فرمائیے کہ غلے کی مستقل گرانی جو اب ہو گئی ہے، کبھی ریل سے پہلے بھی تھی؟

میر صاحب۔ سبحان اللہ! ریل کا اس میں کیا قصور۔ یہ تو قحط زدہ علاقوں میں غلہ پہونچا کر مصیبت ہلکی کر دیتی ہے۔

شیخ صاحب۔ جی نہیں کچھ اور۔ ادھر غلہ کھیتوں سے کٹ کر آیا نہیں کہ ادھر مال گاڑیوں میں بھر بھر کر باہر چلا نہیں۔ اور پھر ملک کے اندر الٹ پلٹ کرتا رہتا، جب بھی غنیمت تھا۔ یہ تو خدا معلوم کہاں سے کہاں پہونچ جاتا ہے۔ ایسے میں گرانی نہ ہو، تو کیا ہو؟

میر صاحب۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ مسوری اور نینی تال اور شملہ آناً فاناً پہونچا دینا ریل ہی کا کام ہے۔ ریل نہ ہوتی تو ہم ترسا ہی کرتے اور ان صحت بخش مقاموں کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی —

شیخ صاحب۔ اور ریل خود جو بیماریوں کا گھر ہے! یہ انجنوں کا بلکتا ہوا دھواں آپ کے خیال میں بالا بالا چلا جاتا ہے؟ سانس پر، پھیپھڑوں پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں پڑتا؟ نزلہ اس سے پیدا ہو جائے، گلے میں خراش اس سے ہو جائے، کھانسی اس سے آنے لگے، دق اور سل کی بیماری پیدا کرنے کوئی ایسی ویسی چیز ہے۔ کسی بڑے جنکشن پر ذرا کچھ دیر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھیے تو۔ بادل کے بادل ہیں کہ دھوئیں کے چھائے ہوئے ہیں۔ کپڑے الگ غارت۔ ہاتھ منہ الگ کالک میں لت پت۔ اور کوئلہ کے ذرے ہیں کہ گھسے جا رہے ہیں آنکھ میں، کان میں، ناک میں! انجن والے بیچاروں کی تو گت

بن کر رہتی ہے کہ سبحان اللہ - اللہ نہ کرے دشمن کا بھی یوں سنہ کالا ہوا

میر صاحب - اب اپنی ہی کہے جایئے گا، یا دوسرے کی بھی سنیے گا؟

شیخ صاحب - بات ابھی ختم کہاں ہوئی جو دم لوں۔ اپنی کالی کلوٹی ریل کے گُن ابھی آپ نے پورے سُنے کہاں؟ اپنے کسی لمبے سفر کو یاد کیجیے۔ مسلسل جھٹکے اور دھچکے، اور کمر توڑ ہچکولے۔ انسان کو پیس کر چور چور کر لے۔ صاحب چاہے فولاد کے بنے ہوں، تب بھی انھیں دھوبش کر رکھ دیں۔ پھر رات کے سناٹے میں کوسوں کوس دور دو کوس کے فاصلہ سے سُن لیجیے کہ انجن گھڑگھڑاتا ہوا، دھمک دھمکاتا ہوا، زمین کا سینہ چیرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جیسے جنگل کا کوئی دیو چنگھاڑتا، پھنکارتا ہوا آ رہا ہے۔ یہ آج جو اتنی کثرت سے عصبی اور خفقانی بیماریاں نکل پڑی ہیں، ان میں کوئی ہاتھ ریلوے بازی کا نہیں؟ ذرا کسی بڑے محقق ڈاکٹر سے تو پوچھ دیکھیے۔

میر صاحب - غرض یہ کہ دنیا جہان کی ساری خرابیاں ریل میں آکر جمع ہو گئی ہیں!

شیخ صاحب - ابھی کیا ہے سُنتے جایئے۔ ہیضہ اور طاعون اور چیچک اور خدا جانے اور کون کون، آپ ہی سکے ڈاکٹر کہتے ہیں، لگنی بیماریاں ہوتی ہیں۔ یہ ملک الموتی وبائیں کہ ابھی کلکتہ میں تھیں ابھی بمبئی پہونچ گئیں، ابھی مدراس میں نمودار ہوئیں، ابھی پشاور میں جا نکلیں۔ یہ سب آپ کی ریلوے ہی کی برکت نہیں، تو اور کیا ہے! اور پھر یہ تو ہوئیں جسمانی بیماریاں۔ باقی جہاں جہاں پہلے پہل آپ کی یہ سواری بادبہاری پہونچتی ہے، وہاں اس کے جلو میں شراب خواری، ناچ گھر، اور کیا کیا نہیں پہونچتا؟ کچھ اس کی بھی خبر ہے؟

میر صاحب - اور ناصاحب ان ساری بُرائیوں کے مقابلہ میں آپ کو ایک بھی نظر نہ آیا؟

شیخ صاحب - ایک یہی فائدہ کیا کم ہے، کہ پیروں کی قوت دن بدن جواب ہی دیتی چلی گئی۔ باپ دادا تیس تیس چالیس میل کی منزل پیدل مارنے والے، صاحبزادوں کے سامنے نام ۸ - ۱۰ میل کا بھی لیجیے تو اوسان خطا ہو جائیں۔ اور اکیلی ریل ہی کیا، آپ کے سائنس کو خدا سلامت رکھے موٹر اور ٹرام، لاری اور بائیسکل اور موٹر سائیکل۔

جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا!

اور پھر آپ کے کل زمانہ کی خوشبوؤں کا کیا کہنا! جس آلہ کو اٹھا کر دیکھیے ربڑ کی بدبو سے ناک بس جائے، جس مشین کو چلایئے، پٹرول کی گندگی سے دماغ اڑ جائے۔ کیسی کیسی عطر بیز گیسیں، کیا کیا شامہ نواز اسیڈ اور تیزاب میرے شہر نے ایجاد کر ڈالے ہیں۔

مرزا صاحب - جی ہاں نفاست تو ختم ہے سائنس والوں پر۔ آپ کسی لیبوریٹری میں، کسی فیکٹری میں جا نکلیے، ممکن نہیں وہاں ناک پر نہ رکھ لینا پڑے۔ لیکن شیخ صاحب یہ آپ کی بھی زیادتی ہے کہ آپ سارا الزام ان ایجادوں ہی کے سر منڈھے دیتے ہیں۔ بیجا مصرف جس چیز کا بھی کیجیے وہ بُری بن جائیگی۔ میرے خیال میں تو مشینوں کے استعمال کو صرف ضرورت کے وقت تک محدود کر دیا جائے، تو ان کے نقصانات گھٹ تو یقیناً جائیں گے،

چاہے بالکل دور نہ ہوں۔

میر صاحب - آپ بھی مرزا صاحب کس کی باتوں میں آگئے - ہمارے شیخ صاحب تو وہ ہیں کہ دن دوپہر آفتاب ہی سے انکار کر بیٹھیں - آنکھوں میں خاک جھونکنا اور کہتے کسے ہیں؟ وہ دن بھول گئے، جب رات میں قدم گھر سے باہر نکالتے، تو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے۔ یہ سائنس ہی کا کرشمہ ہے کہ شہر کا ہر گلی کوچہ جگمگا رہا ہے، اور اب تو بجلی گاؤں گاؤں پہونچتی جا رہی ہے۔

شیخ صاحب - جی ہاں وہی بجلی کے لیمپ نہ، جنکی شان میں حضرت اکبر قصیدہ خوانی کر گئے ہیں ؎

روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے۔

یہ بھی خبر ہے، کہ جب سے یہ روشنیاں چلیں، خاص لندن کی گلیوں میں اندھوں کی تعداد گھٹی نہیں اور بڑھ ہی گئی۔ لندن کی نائٹ لائف (شبانہ زندگی) پر تو مستقل کتابیں وہیں کے محققین نے لکھ ڈالی ہیں، کبھی ذرا انھیں اٹھا کر دیکھ لیا کیجیے۔ "روشنی میں اندھیر" کے معنی سمجھ میں آ جائیں گے۔ اچھا جانے دیجیے، لندن اور پیرس کی اس تحقیق کو۔ ذرا یہیں کے کسی معتبر سے پوچھ دیکھیے، کہ اتنی تیز تڑپ کا اثر بصارت پر کیا پڑتا ہے؟ کیا خوب ترقی ہے! پہلے آنکھیں پھوڑیے، پھر آنکھ کے علاج کے لیے عینکیں خریدیے! "روشنی طبع" کا بلا ہونا تو شاعروں کی زبان سے سنا تھا، اس روشنی برقی کا بلا ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں! ؎

کھلے گا کیا کسی حسرت دنیا کی مسٹری میں

اندھیر ہو رہا تھا بجلی کی روشنی میں!

میر صاحب - آپ تو ہر سیدھی بات کو اُلٹی کر دیتے ہیں۔ لیکن میں بھی دیکھتا ہوں، کہاں تک ہٹ دھرمی سے کام لیے جایئے گا؟ ایک اسی بات کو لے لیجیے، کہ جب تک یہ پانی کے نل نہیں لگے تھے، سقہ بہشتی کا رونا جھینکنا کیسا گھر گھر مچا رہتا تھا اور اب وہی ہے، کہ بے محنت بے کھٹکے، پانی چلا آ رہا ہے، ڈول رسی کا جھگڑا، نہ پانی کھینچنے کی مشقت - مزے سے جب چاہا ٹیپ کھول دیا، نہا لیے، دھو لیے۔

شیخ صاحب - جی کیا کہنے ہیں، واٹر ورکس کی برکتوں کے۔ پانی ٹپ ٹپ اور ٹل کر بکنے لگا، ایسا ہے ترقیوں کی! جس دیس میں گلی گلی سبیلیں لگیں، اور جانوروں تک کے لیے پیاؤ چلا کریں، وہاں آج دو دوں کی دیر ہو جائے، میونسپلٹی میں واٹر ٹیکس داخل کرنے کی، چلیے پانی بند! ترسا کیجیے حلق تر کرنے کو

مرزا صاحب - اور یوں بھی تو پانی، وقت ہی وقت نل میں آتا ہے۔ اتنے گھنٹے صبح، اتنے گھنٹے شام۔

شیخ صاحب - اور میں تو کہتا ہوں کہ صاف شفاف، بہتا ہوا، کھلا ہوا پانی چھوڑ چھاڑ، بند، گدلا ہوا، طرح طرح کی ترکیبوں سے پکے پکائے ہوئے پانی میں آخر جان ہی کیا رہ جاتی ہے - اور گرمیوں میں تو بس مزہ ہی آ جاتا ہے - وہ تپتے ہوئے پیپے، اور دہکتے ہوئے نل، اور کھولتے ہوئے پانی کی دھار - برف کا سہارا نہ ہو، تو حلق خشک ہو کر رہ جائے!

میر صاحب - تو آخر برف کیوں نہ بھیجیے؟ اب کیا ایسی نعمت بھی دو پیسہ سیر میں بھی ہونگی ہے؟

شیخ صاحب۔ جی کیوں نہ پیجیے، بڑے شوق سے پیجیے، چاہے دانتوں پر، اور معدہ پر اور اعصاب پر جو کچھ بھی بیت جائے، آخر برف بھی تو ہے نہ سائنس کی پیداوار، اور مشینوں سے تیار ہونے والی نعمت!

میر صاحب۔ خیر، وہ کچھ بھی سہی، یہ فرمائیے، کہ ایسے شاندار اسپتال اس دور سے پہلے کب تھے، سامان راحت ہے بس۔ گھر سے بڑھ کر آرام دہ۔

شیخ صاحب۔ اور یہ نئی نئی بیماریاں، عصبی اور دماغی اور ہر ہر طرح کی جو اب نکل پڑی ہیں، ان کے نام تک بقراط و جالینوس نے کب سنے تھے؟ زہر خورانی کب اتنی عام ہوئی تھی؟ خودکشی کب آج کی طرح داخل فیشن ہوئی تھی؟ گندی سی گندی بیماریاں اپنے ہاتھوں پیدا کی ہوئی کب اس طرح انسان پر مسلط ہوئی تھیں؟ اور سب آڑ پکڑے ہوئے سائنٹفک ایجادوں اور آلوں کی۔

مرزا صاحب۔ اجازت ہو تو ایک اصولی بات میں عرض کر دوں۔ ۔۔۔ کے نام سے تو آپ دونوں واقف ہی ہیں، وہی انگلستان کا مشہور فلسفی۔ ایک جگہ لکھ گیا ہے کہ نیچر اور آرٹ کے درمیان نسبت تضاد کی ہے، یعنی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ میرے خیال میں کچھ ایسا ہی رشتہ نیچر اور سائنس کے درمیان بھی ہے۔ گویا جو چیز زیادہ انسانی سائنس کی شرمندۂ احسان ہوگی، اسی قدر وہ طبعی اور فطری حالت سے دور ہوگی۔ سچی بات کہ نہیں؟

میر صاحب۔ یہ موشگافیاں تو میں جانتا نہیں۔ سیدھی سی بات یہ دیکھتا ہوں کہ دوربینوں نے آسمانوں تک کو چھان ڈالا ہے۔ یوں کہیے کہ ستاروں کی "مردم شماری" کر ڈالی ہے۔ پھر یہ بھی سن لیجیے کہ فلاں ستارہ اتنا بڑا ہے، فلاں زمین سے اتنی دور ہے۔ فلاں کی رفتار فی منٹ اتنی ہے۔ واللہ یہ عجائبات ہیں عجائبات!

شیخ صاحب۔ عجائبات کیوں؟ کہیے معجزات ہیں معجزات! لیکن معاف، یہ نہ ارشاد ہوا کہ اس ستارہ پیمائی اور آفتاب گردی سے آخر حاصل کیا ہوا؟ انسانیت کی راہ کی کتنی منزلیں طے ہوئیں؟ یہ سائنس اور ریاضی نہ معلوم ہوتیں، تو انسان کی تکمیل انسانیت میں کون سی کسر باقی رہ جاتی؟ وقت اور قوت کا صرف بے حساب، روپیہ کا خرچ بے شمار، اندھیرا ہاتھ کیا لگا؟ مادی؟ روحانی؟ کچھ تو بتائیے۔ اس لا حاصل دور بینی اور ستارہ پیمائی سے تو ڈلیا ڈھونا اور گھاس کھودنا کیا برا ہے؟

میر صاحب۔ کیا خوب! بس معلوم ہو گئی آپ کی قدر دانی۔ یہ کوئی ترقی ہی آپ کے خیال میں نہیں کہ خاک نشیں انسان ہوا میں اڑنے لگا، طرح طرح کے اڑن کھٹولے ایجاد کر لیے، ملکوں ملکوں کی سیر آناً فاناً کر ڈالی، آپ کے نزدیک یہ کوئی ترقی ہی نہ ہوئی!

شیخ صاحب۔ اچھا تو معیار ترقی یہ ٹھہرا۔ مگر حضور والا، یہ ترقیاں تو آج سے نہیں، ہمیشہ سے حاصل ہیں۔ جنگل کی چڑیوں کو، درختوں پر گھونسلا بنانے والے پرندوں کو، چیل اور کوّے اور گدھ اور کبوتر اور باز، سب ہی ہوا میں خوب فراٹے بھر لیتے ہیں، منزلوں کی خبر دم بھر میں لے آتے ہیں! حضرت انسان نے یہ پرواز کے سبق جو کچھ سیکھے ہیں، انھیں جانوروں کو دیکھ دیکھ کر سیکھے ہیں، یقین نہ آئے تو فن ہوابازی Aviation کی جو سی کتاب چاہیے اٹھا کر دیکھ لیجیے، یہ اقرار درج ملیگا۔

میر صاحب۔ خیر اب آپ سے مغز کون خالی کرے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ جیسے جیسے عجیب اور نادر آلات جنگ آج جدید سائنس نے ایجاد کر لیے ہیں رستم اور بھیم کے تو خواب و خیال میں بھی نہ آئے ہونگے۔

شیخ صاحب۔ ہاں تو میں بھی قائل ہو گیا سائنس کی استادی کا۔ واقعی بات ہے کہ خوب ہی سکھا دیا آپ کے سائنس نے بھائی کو بھائی کا پھاڑ کھانا، جسم کے ریشہ ریشہ کا قیمہ کر ڈالنا، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ، ناک کے پرخچے اڑا دینا، سانس کی راہ سے جسم کے پور پور میں زہر اتار دینا! آپ سے زیادہ مانتا ہوں کہ یہ حصہ ہے آپ کے سائنس کا! میں تو کہتا ہوں کہ یہ لطیف صنعتیں دیکھ کر جنگل کے شیر اور تیندوے، ریچھ اور بھیڑیے، سانپ اور اژدہے، سب اپنے کان پکڑ کر رہ گئے! کیا بات ہے آپ کے سائنس کی۔ بات کی بات میں انسان کو درندوں سے بڑھ کر درندہ بنا ڈالا۔

مرزا صاحب۔ اور اصلی جوہر تو سائنس کا میدان جنگ ہی میں کھلتا ہے۔ اخباروں میں آپ نے پڑھا نہیں، کہ ایک صاحب کرۂ مریخ کے ہیں، اسی زمین کے، دون کی لینے پر آئے، تو بولے، خبردار، جو کوئی میرے قریب پھٹکا، اپنے خفیہ اور بے پناہ حربہ کا وہ ہاتھ دوں گا کہ بھاگتے راہ نہ ملیگی۔ دوسرے حریف کے ڈائرکٹر آف سائنٹفک ریسرچ نے گرج کر جواب دیا۔ کہ مردود، اس بھول میں نہ رہنا، یہ میرے محکمے کے آٹھ سو سورما، نو ٹولیوں میں تقسیم، اپنا رات دن کس دن کے لیے ایک کیے ہوئے ہیں؟ عین وقت پر وہ شگوفہ چھوڑوں گا، کہ دنیا دیکھتی کی دیکھتی رہ جائیگی۔

شیخ صاحب۔ تو یہ کہیے،

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!

ہاں صاحب پڑھے جنوں کو اتارنا کوئی دل لگی ہے!

مرزا صاحب۔ میرے خیال میں تو گفتگو کو بہت طول ہو چکا۔ اب مجلس برخاست ہو، ہمارے میر صاحب بھی کچھ پریشان ہو چلے ہیں۔

میر صاحب۔ نہیں پریشانی کاہے کی، البتہ رہ رہ کر حیرانی اس پر ہوتی ہے کہ ساری دنیا سے عنقا خیالات ہمارے شیخ صاحب ہی کے کیوں ہیں؟

مرزا صاحب۔ تو آپ کے خیال میں یہ بھی کوئی جرم ہے؟

شیخ صاحب۔ اور جرم ہو بھی تو بندہ تنہا مجرم ہے کب؟ رسکن اور کارلائل اور خدا جانے کتنے تو یورپ ہی میں میرے ساتھ ہیں۔ باقی رہا ہندوستان تو کم از کم گاندھی جی کے انڈین ہوم رول کے اردو ترجمہ ہی دیکھ لیے جائیں۔

مرزا صاحب۔ لیکن میرے نزدیک تو کچھ زیادتی آپ کی بھی ہے، شیخ صاحب۔

شیخ صاحب۔ وہ کیا۔ کھل کر کہیے نہ؟

مرزا صاحب۔ زیادتی یہی ہے کہ سائنس کو ایک سرے سے برا کہہ دیا جائے۔ اور مطلب تو غالباً آپ کا بھی یہ نہیں۔ سائنس کو دراصل جس چیز نے اتنا بدنام کر رکھا ہے، وہ اس کا غلط اور بیجا استعمال ہے، نہ کہ سائنس بجائے خود۔ سائنس تو بس ایک قوت ہے۔ جیسے آگ، یا کسی پہلوان کا جسم۔ اب اگر پہلوان اپنی طاقت کو زور و ظلم میں صرف کرنے لگے، تو یہ خطا پہلوانی کی نہیں، پہلوان کی ہوئی۔ آگ کو قابو میں رکھیے، تو جو چاہیے خدمت لے ڈالیے۔ اور وہی آگ اگر بے قابو ہو گئی، تو خود آپ ہی کو جلا ڈالیگی۔ یہی حال سائنس کا

انسانیت کو اس پر حاکم رکھیے، تو نعمت ہی نعمت، اور جو کہیں اس کو انسانیت پر حاکم بنا دیا، تو لعنت ہی لعنت۔

شیخ صاحب۔ اے تو زندہ باد! کیا خوب فیصلہ کر دیا۔ میں تو خود اسی نتیجے کی طرف لا رہا تھا۔ ہمارے ہاں کے حقیقت شناس تو صدیوں پیشتر ہی فیصلہ کر گئے ہیں ؎

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

علم کو کہیں آپ نے نفس کے تابع کر دیا، تو وہ سانپ اور اژدہا بن کر رہیگا، اور اگر عقل سلیم کے تابع رکھا تو اس سے بڑھ کر رفیق اور کون؟

آب در کشتی ہلاک کشتی ست
آب اندر زیر کشتی پشتی ست

پانی اگر کشتی کو تھامے ہوئے ہے تو رحمت ہی رحمت، اور کہیں پانی کشتی کے اندر آ گیا، تو ہلاکت ہی ہلاکت۔

مرزا صاحب۔ سبحان اللہ، ایسے عارفوں کے کلام کا کیا کہنا۔ اچھا تو اجازت ہے نہ؟

پیر صاحب۔ آداب عرض ہے۔

شیخ صاحب۔ خدا حافظ۔

(بقیہ صفحہ ۴)

(بقیہ صفحہ ۴)

سوالات آپ ہی کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بہن نے کالج کے ایک زنانہ کالج کے افتتاح کے موقع پر کیے۔ جوابات جو کچھ ہیں، بالکل درست ہیں لیکن غنیمت اسی کو سمجھیے، کہ ابھی یہ سوالات کرنے والے اور کرنے والیاں زندہ وسلامت ہمارے درمیان موجود ہیں۔ وہ دن دور نہیں، جب جواب دینے والے الگ رہے، سرے سے سوالات کرنے والا ہی کوئی نہ رہیگا۔ یا اگر ہوگا تو صرف عجائب خانۂ دہر میں رکھنے کے قابل! ——— حضرت اکبرؔ نے اپنی ایک طویل نظم کو شروع یوں کیا تھا

"نئی تہذیب" ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے"

اور بہت سے اشعار میں اسی "نئی تہذیب" کا نقشہ کھینچنے کے بعد آخر میں فرمایا تھا ؎

مقیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہے وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

مخلوط تعلیم

ہندوستان میں مغربی تہذیب جتنی سرایت کرتی جاتی ہے اتنی ہی مخلوط تعلیم کے مسئلہ میں جان پڑتی جاتی ہے۔ ایک تاریخ داں کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں پہلے پردہ کا رواج نہ تھا اس لیے اگر مخلوط تعلیم کے حامی پردہ کے مخالف ہیں تو یہ اثر موجودہ مغربی تہذیب کا نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے ایک قدیم رواج کو زندہ کرنا ہے۔ یہ جواب ممکن ہے کہ ان لوگوں کے لیے اطمینان بخش ہو سکے جو قدیم زمانہ کی تمام برائیوں کو موجودہ ہندوستان میں رواج پاتا دیکھنا پسند کرتے ہوں۔ لیکن وہ لوگ جو قدیم اور جدید زمانہ کی صرف خوبیوں ہی کے قائل ہیں اور انھیں سے ہندوستان کو مزین کرنا چاہتے ہیں مذکورہ بالا جواب پر ہرگز نظر ڈالنا گوارا نہ کریں گے۔ مزید برآں زمانہ قدیم میں حسین شان کی بے پردگی ہوگی ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں وہ رنگ نظر نہیں آسکتا بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں اب بھی پردہ کہاں ہے؟ اگر ان کی یہ بات صحیح ہے تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ پھر کس چیز کو اٹھانا چاہتے ہو؟ بعض کہتے ہیں کہ دوسرے ممالک کی خواتین بے پردہ ہو کر اپنے مردوں کو کتنا فائدہ پہونچاتی ہیں۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ اسی بے پردگی کے ہاتھوں یورپ آج جس کشمکش میں مبتلا ہے اس کی طرف بھی تو نظر ہونی چاہیے۔

حال ہی میں پنجاب اسمبلی میں بے پردگی کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے ایک بل پر بحث ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ مخالفین پردہ نے گیارہ، بارہ اور تیرہ برس کے لڑکے لڑکیوں کو بچے اور بچیاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر کورس جیسے اہم مسئلہ کو بھی جو جی میں آیا ہے کہہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ کورس کا مسئلہ ایسا سیدھا سادہ مسئلہ ہے کہ اس میں اختلاف نہ ہونا چاہیے تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک لڑکی جس زندگی میں قدم رکھنے کے لیے پروان چڑھ رہی ہے وہ لڑکے کی آیندہ زندگی سے مختلف ہے۔ لڑکے کو اگر زیادہ بیباک، زیادہ بہادر، اور زیادہ سے زیادہ باہمت ہونے کی ضرورت ہے تو لڑکی کو زیادہ باخلاق، زیادہ شرمیلی اور زیادہ سے زیادہ باغیرت ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر لڑکے کو سائنس اور آرٹ وغیرہ کا ماہر بننا ہے تو لڑکی کو کھانے پکانے، سینے پرونے اور گھر کو درست رکھنے کی مہارت حاصل کرنی ہے۔ جب یہ ضروری مسئلہ ہیں تو کس طرح بچے اور بچیوں یا لڑکے اور لڑکیوں کا کورس ایک مقرر کرنا عقلمندی ہو سکتا ہے۔ لڑکیوں کی ورزشیں اور درسی کتابیں تو بلاشبہ لڑکوں سے بڑی حد تک جدا ہونی چاہییں لیکن افسوس یہ ہے کہ پردہ کی مخالفت کا جذبہ حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ ہم نے پنجاب اسمبلی کی بحث کو بہت ہی افسوس کے ساتھ پڑھا ہے۔ برادران وطن اگر بل کی تائید کر رہے ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں۔ البتہ حیرت ہے پنجاب کی اسلامی وزارت کے وزیر تعلیم اور وزیر اعظم پر۔

(مدیر)

شیخ شوکت حسین۔ پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر "صدق" مرشد آباد ہیس۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی ...)

صدق
لکھنؤ

ایڈیٹر :- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر ہی کی جانب
ہفتہ وار

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ
چندہ سالانہ
للعہ
ششماہی
عہ
بیرون ہند سے سالانہ

نمبر ۱۲ | دوشنبہ - ۲۴ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

آج سے قبل، بہت قبل، دو ہزار سال سے بھی قبل، کہتے ہیں، کہ خطۂ حکمت و دانش، یونان تمدن نشاں کے مضافات میں، علاقہ کیپڈوسیا یا ایشیائے کوچک میں، بحر اسود کے قریب، دریائے تھرموڈن کے کنارے کنارے، ایک جنگجو قوم آباد تھی - کام ہی لڑنا بھڑنا، مارنا اور مرنا تھا۔ ایک ایک فنون سپہ گری میں طاق، تیر اندازی میں مشاق، نیزہ بازی میں شہرۂ آفاق، ہمت و مردانگی کی دھاک دور دور بیٹھی ہوئی، نزدیک و دور کی ہر قوم اس کے نام سے لرزتی ہوئی ——— مرد اس "جواں مرد" قوم میں ایک نہ تھا! جی، زیادہ وکم کا سوال نہیں، ایک بھی مرد اس ساری قوم میں نہ تھا، صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں! آبادی ساری عورتوں ہی کی، عورتیں ہی حاکم اور عورتیں ہی محکوم - عورت ہی بادشاہ، عورتیں ہی رعایا - عورتیں ہی پیدل، عورتیں ہی سوار۔ عمر بھر بغیر شادی بیاہ کے رہتیں، جب بچوں کی ضرورت "ملت" و "قوم" کو محسوس ہوتی، یہ شیر دل خواتین، پڑوس کے مردانہ ملکوں میں چند روز کے لیے چلی جاتیں، اور جب اولاد پیدا ہوتی، تو لڑکے سب ضائع کر دیے جاتے، یا غیر ملاقوں میں اپنے باپوں کے پاس بھیج دیے جاتے، اور صرف بچیاں زندہ رکھی جاتیں، وہ ایک خاص نظام کے ماتحت، مردانہ تربیت پاتیں، اور دنیا پر اپنی مردانگی کا سکہ بٹھا دیتیں!

انگریزی کتابوں میں قوم کا نام Amazon امیزن آتا ہے۔ اسے اردو میں اپنانا چاہیے تو امیزنی کہیے - یونانی زبان میں لفظ کے لغوی معنی ہیں "بغیر سینہ کے"۔ کلاسیکل ڈکشنری میں اس کی تشریح یہ لکھی ہے، کہ لڑکی جب جوان ہوتی، تو داہنی طرف کا سینہ داغ داغ کر جلا دیا جاتا، تاکہ سیدھے ہاتھ کی سپاہیانہ جنبشوں میں آسانی رہے - اسی لیے قوم کا نام پڑ گیا "بغیر سینہ والیاں"! ——— مقصد گزارش صرف اس قدر ہے کہ "ترقی نسواں" کا یہ ہنگامہ جو آج پڑھے لکھے [illegible] ملک کو بدست کیے ہوئے ہے، اس میں جدت اور ندرت کا پہلو کون سا ہے؟ دنیا تو اس سے پہلے اس "ترقی" سے کہیں بڑھے چڑھے منظر دیکھ چکی ہے، عورت مرد پر غالب بار بار آ چکی ہے، اور وہ سب کچھ کر گزری ہے جس کے تصور سے اچھے اچھے مرد بھی تھرا جاتے ہیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ کس قیمت پر، اور اپنی نسائیت کو کتنے سستے داموں بیچ کرکے، برباد کرکے، ذبح کرکے!

ترقی کے اس میدان میں، تو ابھی مشرقی عورت، بہت پیچھے ہے، بہت ہی پیچھے ہے - اس معیار سے تو ابھی لندن کی زنانہ پولیس، اور امریکہ کی زنانہ خفیہ پولیس، اور جرمنی کی حسین جاسوسنیں، اور روس کی زنانہ فوج، سب ہی ابھی پستی میں ہیں، تاریکی میں ہیں، حالت جمود میں ہیں - یہاں تو ابھی "ترقی" و "تجدد" کی کل کائنات بس اسی قدر ہے نہ، کہ کوئی بڑا سا امتحان پاس کر لیا، اونچی سی ڈگری حاصل کر لی، زنانہ کانفرنسوں میں خطبۂ صدارت کا، یا کسی تجویز پر تقریر کا موقع مل گیا تو اسٹیج کو ہلا ڈالا، کونسل یا اسمبلی میں پہونچ ہو گئی، تو ایوان کے در و دیوار میں زلزلہ ڈال دیا، زلفیں کٹوا ڈالیں، جسم برہنہ کر دیا، "منع حمل" کا لٹریچر پڑھ ڈالا، اس "علم" کو "عمل" میں تبدیل کر لیا؟ ——— ابھی بیسویں صدی مسیحی کی امیزنیاں "پیدا کہاں ہوئی ہیں؟ جب ابھی مغرب ہی میں نہیں وجود میں آئی ہیں، تو مشرق میں کہاں ——— سے نمودار ہو سکتی ہیں؟ صاحب [illegible] کیا خوب اپنے ایک مقطع میں کہا ہے کہ نظیری کے

مرتبہ کو جب عرفی بھی نہ پہونچ سکا، تو صائب بیچارہ کس شمار قطار میں ہے!

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری
عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را!

کام کی رفتار

قرآن مجید کے کام کا تذکرہ عرصہ سے ان صفحات میں نہیں آیا۔ کوئی بات قابل تذکرہ تھی بھی نہیں۔ مسودات دس پاروں کے، ان سطور کی تحریر کے وقت تک ٹائپ ہو چکے ہیں۔ ٹائپ کے بعد تصحیح و مقابلہ میں بھی وقت اچھا خاصہ صرف ہوتا ہے، اور ضمنی کام اور بھی بہت سے برابر نکلتے آتے ہیں۔ بعض مخلصین کی فرمائشیں چلی آرہی ہیں، کہ ساتھ ساتھ کام اُردو ترجمہ و تفسیر کا شروع کر دیا جائے۔ یہ فرمائش سر آنکھوں پر۔ انشاء اللہ اس کی تعمیل کی سعادت نصیب میں کہے۔ لیکن وقت میں فوراً گنجایش اسکی نہیں۔ ٹائپ کی طرف سے یکسوئی ہو لے، اور طبع و اشاعت کا جھمیلا اپنے ہی سر نہ آپڑے، جب البتہ اُردو میں خدمتِ قرآن کی ہمت کی جا سکتی ہے۔ اور دیکھیے اسکی نوبت کتنی مدت بعد آتی ہے۔

پچھلے دنوں حضرات ذیل کی شرکت و اعانت اس مد میں قبول ہوئی:۔

یکم دسمبر ۱۹۳۵ء	ایک مخلص (از راجکوٹ)	۵ر
۱۵ جنوری ۱۹۳۶ء	” (از بھٹکل)	۵ر

ایک ”رجعت پسند“ یونیورسٹی!

”پروفیسر اے بی اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے ۲ر فروری کو اسٹریچی ہال میں طلبا ے مسلم یونیورسٹی کو مخاطب کرتے ہوے یہ نصیحت کی کہ اُنھیں تین قسم کی وفاداریوں کو اپنا اصول زندگی بنانا چاہیے اول تو اپنے متبرک مذہبِ اسلام سے وفاداری دوسرے اپنے وطن سے وفاداری اور تیسرے اس درسگاہ سے وفاداری جس نے اُنھیں تعلیم و تربیت دی ہے“

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

یہ پرو وائس چانسلر صاحب کیا غضب کر رہے ہیں، کہ علاوہ وطن سے وفاداری اور درسگاہ سے وفاداری کے، بلکہ ان سے بھی مقدم یہ تیسری ”وفاداری“ اپنے متبرک مذہب اسلام سے وفاداری کا درس کرکے، سرعام اپنی ”رجعت پسندی“ کی تشہیر کر رہے ہیں! بیسویں صدی کی ایک یونیورسٹی، اور تعلیم اس کہنگی اور قدامت پرستی کی!

”۴۔ طے کیا گیا کہ یونیورسٹی میں جو نئے تقررات کیے جائیں اُن سے تحریری اقرار لیا جائے کہ وہ قولاً یا فعلاً کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے اس یونیورسٹی کے اسلامی ادارہ ہونے پر حرف آئے اور مستقل کرتے وقت اس امر پر بھی نظر رکھی جائے کہ اس اقرار کی تعمیل کس حد تک کی گئی ہے۔“ (مسلم یونیورسٹی گزٹ)

یہ طے کرنے والے مولوی ملا نے نہیں، مسلم یونیورسٹی کی اکزیکیٹو کونسل کے، سائنس اور آرٹ کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں پائے ہوئے ارکان ہیں اپنے آنکھ اٹھیں اور لگ گیا، کہ لگے بالکل ”جمود پرستوں“ کی سی صدا لگانے! یونیورسٹی سائنس اور آرٹ کی، اور اسکے ”اسلامی ادارہ“ ہونے پر اپنا اصرار! ۲۶ افراد کے ”قول و فعل“ پر یہ احتساب، کہ کوئی بات ”اسلامی ادارہ“ کے منافی نہ ہونے پائے، صاف اسپین کے عہد تاریک کی ”انکویزیشن“ کو زندہ کرنا ہے!

غازیِ اُردو

دہلی سے ایک صاحب انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد کے محبّ عمل سکریٹری مولوی ڈاکٹر عبد الحق صاحب کے کارناموں کے ذکر کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

”دسمبر کی اُردو کانفرنس کی کامیابی کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کے خلاف ایک پوسٹر شائع کیا گیا، اور اب ایک پمفلٹ کی تیاری کی جا رہی ہے۔ اور عجب عجب بے سر و پا الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کو تو اس کی پروا نہیں لیکن ڈر ہے کہ کہیں انجمن کے کام کو نقصان نہ پہونچ جائے۔ دھمکیوں کے خطوط بھی مولوی صاحب کو موصول ہونے لگے ہیں۔“

یہ مخالفانہ پوسٹر بازی، اور معاندانہ پمفلٹ نگاری یقیناً کسی پارسی یا عیسائی یا کسی گجراتی اور مرہٹی زبان کی جانب سے نہیں، بلکہ خاص الخاص مسلمانوں اور اُردو بولنے والوں کی جانب سے ہو رہی ہوگی ــــــ عین اُس وقت جب انگریزی روزنامہ لیڈر میں مضمون پر مضمون، غیر مسلموں کے قلم سے نکل رہے ہیں، کہ انجمن کے سکریٹری نے ایک ادبی انجمن کو سیاسی اور ”فرقہ وار“ انجمن بنا دیا! حقیقت یہ ہے کہ یہ طوفانِ مخالفت خود اسکی دلیل ہے کہ اب انجمن نے واقعی کچھ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ خصوصاً جس بے جگری سے مولوی عبد الحق صاحب اس سن و سال میں اپنا خون و پسینہ ایک کیے ہوے ہیں، اسکی داد تو دل سے نکلتی ہے۔ ایک زمانہ میں خواجہ حسن نظامی دہلوی کے ”دربار“ سے مشاہیر قوم و ملک کو خطابات تقسیم ہوا کرتے تھے، اگر اب بھی یہ رسم زندہ ہو، اور خواجہ صاحب خود بھی ”حق“ کا ساتھ دینے والوں میں ہوں، تو مولوی عبد الحق صاحب کے لیے ”غازی اُردو“ سے زیادہ موزوں کوئی خطاب ہو نہیں سکتا۔

میٹھا زہر

ابتدا سے عیسائیت کو اسلام سے رقابت رہی ہے۔ اور یہ گویا عیسائی پادریوں کے فرائض میں داخل تھا کہ جس طرح چاہیں، اسلام اور آں حضرت صلعم کو بدنام کریں ..... لیکن جب سے کہ یورپ تہذیبی اور تمدنی حیثیت سے ترقی کرنے لگا تو اسلام کے خلاف ایک دوسرا تہذیبی حربہ اختیار کیا گیا، اور یہ اسلامی ادبیات کی طرف توجہ تھی ..... اس معاملہ میں ہالینڈ سب کا پیش رو ہے، جیکا سب سے پہلے جاوا پر قبضہ ہوا۔ ان مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ نے جو عام طور پر دینیات کے طالب علم ہوا کرتے تھے، اسلام پر علانیہ اعتراضات شروع کیے۔ لیکن زمانہ کے حالات بدلنے

ہے، یہ طریقہ بھی کارگر ثابت نہیں ہوا، اور مختلف سائنٹفک ادارات اور ایشیائی سوسائٹیاں قائم کرکے علمی پیرایہ میں اسلام پر نکتہ چینی کی جانے لگی۔ آج یورپ میں شرقی اور اسلامی علوم کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے مسلمان طلبہ وہاں جاتے ہیں۔ یہ دراصل وہ کامیابی ہے، جو یورپ نے ہماری ذہنیتوں پر حاصل کی ہے۔ میونک میں جو یورپ کا صدر مقام ہے، تحقیقات قرآنیہ (قرآنک ریسرچ) کے نام سے فن قرأت، تفسیر اور دیگر علوم قرآنیہ کے متعلق ایک زبردست ادارہ ہے جس کے تحت قرآن مجید کے رسم الخط، اعراب، اور املا کی غلطیوں اور دیگر اختلافات کو بڑے اہتمام سے جمع کیا جا رہا ہے۔ اور ابتدائے اسلام سے اب تک قرآن مجید کے جتنے نسخے دنیا میں رائج ہیں، انکے حاصل کرنے کے لیے اس ادارہ کے پروفیسر مختلف ممالک اسلامی کا دورہ کر رہے ہیں۔ اس ساری تحقیقات و تلاش کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے۔" (ڈاکٹر حمید اللہ۔ ایم اے۔ پی، ایچ ڈی (بان) ڈی، لٹ (پیرس) در کتاب "یورپ کے تاثرات" صفحہ ۱۶۴-۱۶۵)

دنیا میں کبھی کیوں زہر ہلاہل کو اس اہتمام کے ساتھ قند کہکر پیش کیا گیا ہوگا؟ اور کیوں کبھی کھانے والوں نے اس رغبت و شوق سے، قند کا نام پائے ہوئے زہر کو کھایا ہوگا؟ اسلام دشمنی دنیا کے لیے یقیناً نئی نہیں ہے، لیکن جان لیوا دشمنی پر دوستی کے ایسے خوشنا لیبل کی مثالیں، تاریخ میں کہاں ڈھونڈھی جائیں؟

"ہولناک" حرم سرا

"مجھے اس بات سے بڑا ہی دکھ ہوتا ہے کہ میرے علم میں کوئی ایک بھی مطمئن و مسرور عورت انگلستان میں موجود نہیں۔ حالانکہ ایسی بہت سی مثالیں میرے علم میں، ایران میں تھیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ وہاں بیماری نہیں، افلاس نہیں، یا زندگی کے عام حوادث وہاں پیش ہی نہیں آتے، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہاں اضطراب اور بےچینی، ہوس اور رشک سے زندگیاں تلخ ہو ہوکر نہیں رہ گئی ہیں۔

میں ایران پہونچی تو اسی عام عقیدہ کے ساتھ، کہ "حرم سرا" مردوں کے حق میں گل و گلزار اور عورتوں کے حق میں جہنم ہوگی۔ اور مجھے اپنی قید میں پڑی ہوئی بدنصیب بہنوں کے آنسو خشک کرنے پڑینگے۔ اور میں انکی زندگیوں کو آزادی اور مغربی ہنرمندیوں سے خوشگوار بنا دوں گی۔ لیکن معلوم ہوا کہ "پردہ" کی سختیوں اور آفتوں کے جو قصے میں نے سُنے تھے، وہ مبالغہ آمیز ہی نہیں، بلکہ یہاں کی عورتیں تو زندہ دلی، مسرت، و بشاشت کی تصویر ہیں۔۔۔۔ جتنی محفوظ وہ مامون میں نے شب کے اکیلے گشت میں طہران کی سڑکیں پائیں، کسی اور شہر کی نہیں پائیں۔ کسی شخص نے بھی مجھے چھیڑنے یا مجھ سے تعرض کرنے کی جرأت نہیں کی۔" (دکن ٹائمس۔ مدراس۔ مورخہ ۰۰ جنوری ۱۹۵۳ء)

(بہ حوالۂ نیشنل آبزرور)

الفاظ ایک انگریز شادی شدہ خاتون مسز الزبتھ پال کے ہیں، جو خود صاحب تجربہ ہیں، اور ایران میں ایک سال قیام کر چکی ہیں۔ یہ متن کسی شرح کا، تبصرہ کا محتاج ہے؟

کلمۂ حکمت

شوہروں اور بیویوں کا انتخاب، والدین کے ذریعہ سے، ہمارے "روشن خیالوں" کے نزدیک کیسا احمقانہ بلکہ مضحکہ خیز دستور ہے، لیکن دیکھیے کہ یہی خاتون، مسز الزبتھ پال اس مسئلہ کو بھی کس حکیمانہ باریک بینی سے دیکھتی ہیں:۔

"ایران کی لڑکیاں جانتی ہیں کہ بڑی ہوکر بیوی اور ماں بننا پڑیگا، اور یہ تقدیر اٹل ہے۔ بچپن بھر انکے والدین انکے نگراں رہتے ہیں۔ شادی کے بعد یہ نگرانی شوہروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ شوہروں کا انتخاب لڑکیوں کے والدین ہی کرتے ہیں، اور عموماً شادیاں ایسی ہو جاتی ہیں کہ لڑکی لڑکے نے نہ کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھی، نہ کبھی بات چیت کی۔ یہ دستور ویسا ظالمانہ نہیں، جیسا اول نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ یورپ میں شادی کے بعد عورت آزاد ہو جاتی ہے، کہ عورت سوسائیٹی میں اپنا مقام حاصل کرے، اور کسی بہتر شوہر کی مسلسل تلاش میں رہے۔ یہاں پر بیاہی ہوئی عورت گویا اس مستقل حسرت ہی میں رہتی ہے، کہ بجائے فلاں کے میں نے فلاں سے شادی کی ہوتی، تو خوب مزے سے گزرتی، حالانکہ اگر یہ ملا ہوتا، جب بھی یہی حسرت رہا کرتی۔ برخلاف اسکے ایرانی عورت کے مرد دوستوں کی تعداد شوہر ہی سے شروع ہوتی اور شوہر ہی پر ختم ہو جاتی ہے"۔

یہ سب مغربی زندگی کے روزمرہ کے مشاہدات ہیں۔ ان میں ندرت کچھ بھی نہیں، سوا اسکے کہ ایک مغربی خاتون کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ لیکن اب اس ذہنی غلامی اور "تجدد" کے نام سے تقلید فرنگ کے جنون کا علاج کس کے بس میں ہے، کہ وہاں کے طرز تمدن کے نتیجے اپنی آنکھوں سے دیکھے جائیں گے، اور پھر بھی ذہن یہی سوار رہیگی، کہ وہی "آزادیاں" اور وہی "بیباکیاں" ہمیں بھی نصیب ہوں!

عورت کی توہین!

"نئی دہلی۔ ۱۳ رفروری۔ ریلوے حکام نے زنانہ مسافروں کی حفاظت کے لیے خاص انتظامات شروع کر دیے ہیں۔ تمام ریلوے لائنوں میں خطرہ کی زنجیریں زنانہ تیسرے درجوں میں اور زیادہ لگادی گئی ہیں۔ اور زنانہ انٹر کے درجوں میں دروازوں اور کھڑکیوں دونوں میں حفاظتی کھٹکے اور زیادہ لگائے جا رہے ہیں"۔

لیکن یہ ساری حفاظتی تدبیریں "روشن خیال" عورت کے نقطۂ خیال سے اسکی عزت و مرتبہ بڑھانے والی ہیں یا اور گھٹانے والی؟ اس لئے بار بار

اپنے خطبات صدارت میں اپنی تقریروں میں کہہ دیا ہے، دنیا کو پکار کر سنادیا ہے کہ وہ ہر طرح اور ہر حیثیت سے مرد کے مساوی ہے، جسماً بھی، عقلاً بھی۔ اور وہ مرد سے ہرگز ہرگز کسی بات میں ذرا بھی پیچھے نہیں۔ پھر بھی ریلوے حکام یہی سمجھے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ کوئی "نازک" اور "کمزور" مخلوق ہے، اور مزید حفاظت کی، تدبیر خاص و اہتمام کی محتاج! ——— اُف ری ان ریلوے حکام کی نافہمی اور قدامت پرستی!

ایک قابل رشک مثال

"میں نے دنیا کے لیے، اپنی اولاد اور بیوی کے لیے کافی کمایا! - اب میں نے اس کاروبار کو اپنے لڑکے کے سپرد کر دیا ہے، کہ یہ سرمایہ ہے اور یہ ہے کاروبار اور اس کی حالت۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اس کو کماؤ اور اپنی ضروریات پوری کرو۔ اب میں نے دنیا کے لیے اپنی ہوس ختم کر دی ہے، لیکن اس رنگ میں ختم نہیں کی کہ مسجد میں بیٹھ کر تسبیح پڑھنا اور اللہ اللہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ بلکہ میں نے عزم کیا ہے کہ جس طرح میں پہلے اپنی دنیا کے لیے کاروبار کرتا اور کماتا تھا، اسی طرح اب دین کے لیے کاروبار کروں گا، کماؤں گا۔ میں نے اپنا سرمایہ اس غرض کے لیے علیحدہ کر دیا ہے کہ اس سے تجارت کے منافع کی پائی پائی انجمن کو بھیجوں گا، اور خدانخواستہ اس تجارت میں جب کوئی نقصان ہوگا، تو اس کی ذمہ داری میری اپنی ذات اور سرمایہ پر ہوگی" (پیغام صلح، لاہور)

یہ مدراس کے ایک سیٹھ صاحب نے لاہور میں جماعت "احمدیہ" لاہور کے امیر و سردار، اور "احمدیہ" انجمن اشاعت اسلام کے صدر سے کہا ———

صحیح العقیدہ، اہل سنت، مسلمان جو کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں، کیا اُن کی آبادی اس عزم و ہمت اور اس صحیح اخلاص کے بڑے بڑے تاجروں اور سیٹھوں سے خالی ہے؟ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

فیضِ تہذیب

"علویہ کلب، بغداد میں، رہنے سہنے کے مکانات بھی موجود ہیں، ٹینس کورٹ ہے .... پیراکی کا حوض ہے .... با تصویر اخبارات و رسائل ہیں، اور ناچ گھر ہے، جہاں اعلیٰ سے اعلیٰ تقریبات منعقد ہوتی ہیں .... شدید گرمیوں میں لوگ ۵۔۶ بجے شام کو کلب ٹینس کھیلنے آتے ہیں، اور رات گئے رقص کے لیے .... جب کبھی آدھی رات تک بھی موسم کی گرما گرمی رقص کی اجازت نہیں دیتی، تو سبزہ زار پر شامی سازوں کی مدد سے گانا بجانا شروع ہو جاتا ہے"

(سنڈے اسٹیٹسمین، ۱۱ فروری ۱۹۴۴ء)

یہ ناچ گانے والا بغداد، الف لیلہ کے زمانہ کا نہیں، اسی ۱۹۴۴ء کا مہذب و شائستہ، علم دوست آرٹ نواز بغداد ہے! ——— الف لیلہ کا نام آتے ہی شرما جائیے، اور موجودہ "بال روم" اور "پکچر گیلری" کا ذکر آئے تو چہرہ فخر و انبساط سے چمک اُٹھے! اکبر مرحوم کچھ غلط تھوڑے ہی فرما گئے ہیں ؎

سرا فرازی ہوا دشوں کی ترکیبوں کا ہے اُن کی اگر بندر کی بن آئے، تو فیض ارتقا کہیے!

ایک سبق آموز ہنگامہ

چند روز ہوئے لاہور میں ایک سبق آموز ہنگامہ ہوا جسے شاید معمولی سمجھ کر نظرانداز کر دیا جائے۔ لیکن درحقیقت اس کے اندر عبرت کے بڑے بڑے سامان موجود ہیں۔ لاہور میں مغرب زدہ روشن خیالوں نے ایک موسیقی اور ڈرامہ کی کلب قائم کر رکھی ہے جس کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ ان اجتماعوں میں وہ سب کچھ دیکھنے میں آتا ہے جو کہ یورپ میں اور مغرب زدہ سوسائیٹیوں اور کلبوں میں ہوا کرتا ہے۔ گزشتہ ہفتہ اس کلب کے منتظمین نے قحط زدگان حصار کی امداد کے لیے لاجپت رائے ہال میں ایک جلسہ رقص و سرود منعقد کرنے کا اہتمام کیا جس کا معقول ٹکٹ رکھا، اور اعلان کیا کہ اس جلسہ میں معزز ہندو گھرانوں کی کنواری لڑکیاں اپنا ناچ دکھائیں گی۔ صلائے عام ہے۔ جلسہ کی تمام آمدنی قحط زدگان حصار کی امداد کے لیے وقف ہوگی۔ لاہور میں "روشن خیالوں" اور زندہ دلوں کی کمی نہیں۔ تعلیم یافتہ خلقت ٹوٹ پڑی۔ خوب ٹکٹ فروخت ہوئے۔ لیکن چند "قدامت پسند" ہندو نوجوانوں نے اپنی بہنوں کا اس طرح پبلک میں ناچنا گوارا نہ کیا۔ انھوں نے منتظمین کلب کو پکٹنگ کی دھمکی دی جو بے اثر رہی۔ آخر انھوں نے پکٹنگ شروع کر دی۔ ان میں سے بعض جوشیلے نوجوانوں نے ہال پر دھاوا بول دیا اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے۔ پولیس آگئی۔ اس ہنگامہ کی وجہ سے مجبوراً یہ محفل رقص و سرود ملتوی کرنی پڑی۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی آیندہ نسلیں اور اس کا نام نہاد روشن خیال طبقہ تقلید مغرب کی رَو میں بہہ کر کس طرف جا رہا ہے۔ یہ لوگ انسانی ہمدردی کے بہت بلند بانگ دعوے کرتے ہیں لیکن ان کی اس ہمدردی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ جان بلب قحط زدگان کی امداد کے لیے جلسۂ عیش و نشاط اور محفل رقص و سرود منعقد کیے بغیر ایک پیسہ کا بھی ایثار گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کو فاقہ زدوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کی اُس وقت تک معمولی سعی کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی جب تک یہ سعد دلو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بےحیائی پر مجبور کر کے سرعام نچوا نہ لیں۔ یہ لوگ مذہب کا تمسخر اڑایا کرتے ہیں اور برملا کہتے سنائی دیتے ہیں کہ انسان مذہب کے بغیر بھی کار خیر میں حصہ لے سکتا ہے اور اعلیٰ اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ان کی نیکی، انسانی ہمدردی اور پابندی اخلاق کے دامن میں بےشمار اخلاقی بیماریاں اور معصیتیں پوشیدہ ہیں ——— ——— ضرورت ہے کہ ہندوستان میں خیرات اور چندہ کے نام پر اس قسم کی بےحیائیوں کو فروغ پانے سے روکا جائے۔

اس واقعہ کا تعلق بظاہر ہندو قوم سے ہے لیکن مسلمانوں کو اس پر سے اسے نظرانداز نہ کر دینا چاہیے۔ مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ ہندوؤں کے مغرب زدہ طبقہ سے بہت قریب ہے۔ ہندوؤں کے بعد یقیناً روشن خیال مسلمان اس قسم کی بےحیائیوں پر آمادہ ہوں گے۔ اس طرح مسلمان قوم کا منتشر ہونا لازمی ہے۔ آج جو شریف زادیاں رقص و سرود کو باعث افتخار سمجھتی ہیں یا وہ کالجوں، اسکولوں اور جلسوں میں مسلمان لڑکیوں اور طالبات سے ملتی جلتی ہیں اگر یہ وبا پھیل گئی تو کسی قوم کا بھی محفوظ رہنا مشکل ہوگا۔ (پیغام صلح)

مسلم لیگ ایک مخلص نکتہ چیں کی نظر میں

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن کا مکتوب ایک دوست کے نام)

یکم ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

محترمی و مکرمی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کے عنایت نامہ کا جواب میں ذرا تفصیل سے دینا چاہتا تھا ۔ اس لیے فرصت کے انتظار میں ٹالتا رہا ۔ مگر فرصت ناپید ۔ لہذا آج مختصراً ہی جواب دے رہا ہوں ۔

میں معاملات کو ذرا اس سے مختلف نگاہ سے دیکھ رہا ہوں جس سے آپ دیکھتے ہیں ۔ میرے نزدیک پچھلے دو ڈھائی سال ایسے گزرے ہیں (اور ابھی وہ وقت گزر نہیں گیا ہے) کہ عامہ مسلمین کے بیدار شدہ احساسات سے بہت کچھ کام لیا جا سکتا تھا ۔ اور ایک ایسی جنگ چھیڑی جا سکتی تھی ۔ جس کا نتیجہ بہرحال مفید ہی ہوتا ۔ مگر تجربہ نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدنصیبی ان کے لیڈروں کی نااہلی ہے میں اس نااہلی کے الزام سے جناح صاحب کو مستثنیٰ نہیں کرتا ، بلکہ بیشتر ذمہ داری ان ہی پر عائد کرتا ہوں ۔ انھوں نے ایک ایسا کام اپنے ذمہ لیا ہے جسے انجام دینے کی پوری استعداد ان میں نہ تھی ۔ اور اس کو ہاتھ میں لینے کے بعد بھی استعداد بہم پہونچانے کی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی ۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انھیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس کام کے لیے کس استعداد کی ضرورت ہے ۔ یا انھیں اپنی خامیوں کا احساس نہیں ۔ یا ہے تو ان میں اتنا احساس ذمہ داری نہیں ہے کہ اپنی خامیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ کریں ۔ وہ ڈھائی سال سے اس پالیسی پر چل رہے ہیں ، جس پر سلطان عبدالحمید خاں تیس تیس سال ٹرکی میں چلتے رہے اور بالآخر نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ اپنی قوم کو ایک سخت انقلابی بحران میں مبتلا کر گئے ۔ جس سے اس کو اب تک پوری طرح نجات نہیں ملی ہے ۔

مختصر الفاظ میں سلطان عبدالحمید خاں کی پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم اور اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے کے بجائے محض اپنے حریفوں کی باہمی کشمکش سے کھیلنے پر اکتفا کرتے رہے ۔ ان کے نزدیک سیاسی مہارت بس اسی قسم کی شطرنج کی سی چالوں کا نام تھا ۔ جس مدت میں جاپان ترقی کر کے دنیا کی بڑی سلطنتوں کی صف میں آگیا ، اتنی ہی مدت میں سلطان عبدالحمید خاں کے سیاسی تدبر نے صرف اتنا کام کیا کہ موت اور تباہی کے وقت کو ٹالتا رہا ۔ مگر زندگی کی طاقت بہم نہ پہونچائی ۔ اسی طرز کی سیاست کی تقلید آج مسٹر جناح کر رہے ہیں ۔ ان کی ساری بازی اتنی ہے کہ انگریز اور ہندو کی کشمکش سے کھیلیں اور خطرے کو ٹالتے رہیں ۔ مگر غور کیجیے ، کیا محض سیاسی چالوں کے بل پر کوئی قوم جی سکتی ہے جینے کے لیے تو طاقت کی ضرورت ہے ۔ اور طاقت شطرنج کھیلنے سے نہیں پیدا ہوتی ۔

طاقت پیدا کرنے کے لیے مسٹر جناح بہت کچھ کر سکتے تھے ۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے قصداً انھوں نے کچھ نہیں کیا ، یا وہ جانتے نہیں تھے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں ۔ بہرحال وہ بس یہی پکارتے رہے کہ مسلمانو جمع ہو جاؤ ۔ اور اب تک اس پکار پر انھوں نے کچھ اضافہ نہیں کیا ۔ مگر محض جمع ہو جانے کی پکار تو کسی قوم کو جمع نہیں کر سکتی ۔ محض کانگریس اور ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا رونا رونے سے بھی اجتماعی قوت پیدا نہیں ہو سکتی اس کے لیے تو ضرورت ہے کہ قوم کے سامنے ایک واضح اور متعین مقصد رکھا جائے ۔ ایک ایسی ایجابی چیز جس میں مسلمانوں کے لیے فی الواقع کوئی جاذبیت ہو ۔ اور جو مسلمانوں کی ضروریات کا پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو ۔ ایسی کوئی چیز مسٹر جناح اور ان کے اعوان و انصار نے اب تک پیدا نہیں کی ۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت وہ مسلمان کو ، اس کی فطرت کو ، اور اس کی حقیقی ضروریات کو جانتے ہی نہیں ۔ ان کو اسلام سے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے کبھی واسطہ نہیں رہا ۔ مسلمانوں کے عوام اور متوسط صاحب فکر طبقے سے بھی وہ دور رہے اس لیے انہیں حقیقی احساسات اور ان کی واقعی ضروریات سے کبھی واقف نہیں ہو سکے ۔ اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی ضروریات سے واقف ہی نہ ہو تو انھیں پورا کرنے کے سامان کیسے کر سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج تک کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کر سکے جسے ہندوستان کے مسلمان اپنا اجتماعی نصب العین قرار دے سکیں ۔ اگر جناح صاحب کی لیڈرشپ میں یہ بنیادی خامی موجود نہ ہوتی تو اپنی حرکت سیاسی شروع کرنے کے ساتھ وہ پہلا کام یہی کرتے ۔ اب جو آپ مسلمانوں کی قوتوں کو مائل بہ انتشار پاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے سامنے کوئی صاف اور متعین چیز رکھی ہی نہیں گئی جس کی کشش ان کو جمع کر سکے اور جس کی طلب ان کے جذبات کو ابھار سکے ۔ اجتماعی طاقت "جمع ہو جاؤ" کی پکار سے پیدا نہیں ہوتی اور نہ محض دوسروں کی چیرہ دستیوں کا ماتم ہی اس کے لیے کافی ہو سکتا ہے ۔ اس کے لیے تو ایک ایسے بلند قابل حصول مقصد کی ضرورت ہے جس کی طلب قوم کے عمیق نفسیات سے ابھرتی ہو ۔

طاقت پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسٹر جناح اپنی زندگی کو بدلتے محمد علی مرحوم بھی آخر انگریزیت میں غرق رہ چکے تھے ۔ مگر جب مسلمانوں کی قیادت کا بار ان کے کندھوں پر آپڑا تو انھوں نے اپنی زندگی کو بدل دیا ۔ اور وہ مذہبی شان اپنے اندر پیدا کی جو عامہ مسلمین کو اپیل کرتی ہے ۔ کسی قوم میں وہی لیڈر کامیاب ہوتا ہے جو اس قوم کے مثیل ٹائپ کا کامل یا کم از کم قریب بکمال نمونہ ہو ۔ ہندو قوم میں جو زبردست مرکزیت گاندھی کی شخصیت نے حاصل کر لی ہے اور اس مرکزیت کی طاقت کے کرشمے جو آپ دیکھ رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہندو کے تخیل کو آدمیت کا جو نمونہ اپیل کرتا ہے گاندھی اس سے بالکل مطابق ہے ۔ مگر مجھے شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمان کے ذہن کو جو نمونہ اپیل کرتا ہے مسٹر جناح اس کے برعکس ہیں ۔ آٹھ کروڑ مسلمانوں کا لیڈر ، اور ان کے کلچر کا محافظ اپنی شخصی حیثیت میں نہیں بلکہ نمائندۂ ملت ہونے کی حیثیت میں جواہرلال کے ساتھ رمضان کے زمانے میں دوپہر کو لنچ کھاتا ہے ۔ تیسرے پہر کو وائسرائیگل لاج سے سگریٹ پیتے ہوئے برآمد ہوتا ہے ۔ اس کی ہدایت میں لیگ کے اسٹیج پر مسلمان عورتیں تبرج جاہلیت کے ساتھ آکر تقریر کرتی ہیں اور شرعی اعتراض کرنے والوں کو اسلامی کلچر کا یہ محافظ ڈانٹ بتاتا ہے ۔ خدارا مجھے بتائیے کہ ایسا لیڈر کبھی مسلمانوں کے قلب ...

حکمراں ہونے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور کیا غیر مسلموں پر اس کا اخلاقی رعب قائم ہو سکتا ہے جب کہ وہ صریح طور پر یہ دیکھ رہے ہوں کہ جس مقدمہ کی وکالت کے لیے وہ اٹھا ہے اُس کی حمایت میں وہ خود مخلص نہیں ہے۔

طاقت پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عملاً سیاسی جنگ کے میدان میں آگے بڑھایا جاتا۔ جن لوگوں کو سیاسی جنگ سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ یہ جانتے ہیں کہ جنگ چھیڑنے کے لیے تھوڑی سی اجتماعی ہیئت بن جانا کافی ہوتا ہے۔ اور جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو قوتیں خود بخود جمع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن اگر جنگ چھیڑنے کے لیے تمام قوتوں کے مجتمع ہونے کا انتظار کیا جائے تو نہ کبھی جنگ چھڑ سکتی ہے اور نہ قوتیں مجتمع ہو سکتی ہیں بلکہ زیادہ دیر تک تعطل کی حالت رہنے سے رہا سہا اجتماع بھی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ جس قدر قوت اب سے ڈیڑھ سال پہلے مسٹر جناح کے پاس جمع ہو چکی تھی وہ عملی اقدام کے لیے بالکل کافی تھی متعدد مواقع بھی ایسے آئے جن کو جنگ چھیڑنے کے لیے بہترین نفسیاتی واقع کہا جا سکتا ہے۔ میں ہر مرتبہ توقع کرتا رہا کہ جناح صاحب اب اقدام کرینگے مگر کسی ایک موقع پر بھی انھوں نے اقدام نہ کیا۔ اب میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو مواقع اُن کو ملے اور جس طرح انھوں نے ان مواقع کو کھویا وہ ایک لیڈر کے نا اہل ہونے کا صریح ثبوت ہیں اور ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناح صاحب (تمام عمر پارلیمنٹری لیڈر رہے ہیں) یا تو سیاسی جنگ کرنا جانتے ہی نہیں ہیں یا ان کے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ میدان کارزار گرم کر سکیں۔ اگر ان کی جگہ محمد علی مرحوم ہوتے تو اب تک کبھی کے جنگ چھیڑ چکے ہوتے۔ اور عجب نہیں کہ دو چار معرکے سر بھی کر چکے ہوتے۔

جناح صاحب کی اہم ترین کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ عوام اور متوسط طبقے سے گھل مل نہیں سکتے۔ غریب کارکنوں کے دل ہاتھ میں لینے کی تدبیریں نہ تو جانتے ہیں اور نہ اپنی امیرانہ طبیعت پر اتنا جبر گوارا کر سکتے ہیں کہ کم حیثیت لوگوں سے ربط رکھ سکیں۔ انھیں اپنی ہمنشینی کے لیے بڑے بڑے دولتمند، ذی مرتبت، عالی مقام لوگوں کی ضرورت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس گروہ میں سیاسی جنگ کے مرد میدان ملنے مشکل ہیں۔ جو لوگ مرد میدان ہو سکتے تھے وہ مسٹر جناح کی نظر پر نہیں چڑھ سکے۔ اور انھوں نے ورکنگ کمیٹی میں اُن لوگوں کو جمع کر لیا جن میں کوئی ایک بھی سیاسی جنگ لڑنے کی قابلیت، جرأت اور عملی تجربہ رکھنے والا نہیں ہے۔ ایک طرف کانگریس کا ہائی کمانڈ ہے جس کا ہر رکن عوام سے ربط رکھنے والا ہے۔ کسانوں اور مزدوروں میں کام کیے ہوئے ہے۔ اپنے مقصد کی راہ میں سیاسی شقتیں اور تکلیفیں اٹھا چکا ہے۔ دوسری طرف لیگ کا ہائی کمانڈ ہے۔ جس کے ارکان میں سے ایک وہ صاحب بھی ہیں جنھوں نے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے فرمایا تھا کہ "جنگ میں انگریزی کی مدد نہ کرنا خدا سے غداری کرنا ہے"۔ اس قسم کے لوگوں کو ساتھ لے کر جناح صاحب پانی پت کا معرکہ سر کرنے چلے ہیں۔

ان کمزوریوں کو آپ کے حریف خوب جانتے ہیں۔ ان کی نظر سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں۔۔ اسی وجہ سے وہ لیگ کا کوئی وزن محسوس نہیں کرتے۔ جو چیز ان کو بار بار جناح صاحب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ عامۂ مسلمین کانگریس سے ناراض ہیں۔ اس ناراضی کو وہ اپنی راہ کا روڑا سمجھتے ہیں اور اسے دور کرنے کے لیے مسٹر جناح کی بانگ و عالی کے چکر کاٹتے ہیں۔ ورنہ اُنھیں جناح صاحب اور اُن کے ہائی کمانڈ سے اس امر کا کوئی خوف نہیں ہے کہ یہ لڑ کر ہمیں شکست دے سکیں گے۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ اُن کا مد مقابل کتنی قوت اور کتنی مہارتِ جنگ رکھتا ہے۔

مختصر خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر بات میں بات نکلتی چلی آئی۔ اب مجھے چند الفاظ خاکسار تحریک کے متعلق عرض کرنے ہیں جس کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ اس تحریک میں جاذبیت کس چیز کی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہ اُسی نوع کی جاذبیت ہے جیسی کسی زمانے میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی پیری میں تھی۔ یہ سب لوگ ایک ہی امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں کمال بس اتنا ہے کہ مسلمانوں کو جس وقت جس چیز کا پیاسا دیکھتے ہیں اُسی کا لیبل لگا کر ایک مصنوعی چیز بازار میں لے آتے ہیں۔ کچھ دن تک لیبل کے بل پر وہ چیز خوب چمکتی ہے اور بعد میں تلخ تجربات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ محض ایک بازیگر کے ہاتھ کی صفائی تھی۔ اسے مسلمانوں کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جائے۔ کہ ان میں یکے بعد دیگرے پیہم ایسے آدمی پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو اپنی قوم کے مصائب سے فائدہ اٹھانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس قوم کا کیا حشر ہوگا، جس کو خود اُس کا دماغ اور اُس کے ہاتھ پاؤں دھوکہ دینے پر تُل جائیں۔

آپ نے نازیوں کا یہ مقولہ سنا ہوگا کہ سیاسی پروپیگنڈے میں جب جھوٹ بولا جائے تو اتنا بڑا سفید جھوٹ بولا جائے کہ سچ بن کر دماغوں پر قبضہ کر لے۔ ہندوستان میں اس مسلک کا نمونہ اگر آپ کو دیکھنا ہو تو خاکسار تحریک کے آرگن "الاصلاح" کو پڑھا کیجیے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ماہر فن پروپیگنڈسٹ کس طرح جھوٹ سے پوری مصنوعی دنیا بنا کر کھڑی کر سکتا ہے اور سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے پھندے تیار کرتا ہے مجھے اُن لوگوں پر ہنسی آتی ہے جو یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ خاکسار تحریک کے چلانے میں جھوٹ سے وسیع پیمانہ پر کام لیا جا رہا ہے۔ مگر کہتے ہیں کہ بھائی کام تو اسلام کے لیے کر رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون سا نیا اسلام آج پیدا ہوا ہے جس کو جھوٹ سے فروغ دیا جا سکتا ہے۔ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اسلام سے ہم کو روشناس کرایا ہے وہ تو جھوٹ کو مٹانے آیا ہے نہ کہ جھوٹ سے فروغ پانے۔ آپ کسی وقت فرصت پائیں تو "تذکرہ" کو بھی ذرا غور سے پڑھ لیں۔ یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ تشبیہ کی زبان میں میں کہوں گا کہ ایک کپڑا ہے جس کا تانا حق ہے تو بانا باطل۔ اور بانا حق ہے تو تانا باطل۔ اس مہارت کے ساتھ بننے والے نے اس کو بنا ہے کہ جب تک کوئی شخص دین میں گہری بصیرت نہ ہو اور حق و باطل کے امتیاز میں شانِ فاروقی کا حامل نہ ہو، کبھی تمیز نہیں کر سکتا کہ اس میں حق کے ساتھ کہاں کہاں، اور کس طرح باطل کا جوڑ ملایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدھے سادھے کم سواد مسلمان جب اس کو پڑھتے ہیں تو حق کے ساتھ باطل کا زہر امرت کے گھونٹوں کی طرح حلق سے اُتارتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جہاد، حرکتِ عمل، اطاعت امیر، روح عسکری، سب ہی اسلامی چیزیں اس میں بھری ہوئی ہیں۔ (زمزم)

خاکسار تحریک

(از مولانا ابو البرکات عبد الرؤف صاحب قادری صدر کلکتہ مسلم لیگ)

کچھ دنوں سے ہندوستان میں علامہ مشرقی صاحب کی ایک تحریک خاکسار تحریک کے نام سے بعض اطراف میں پھیل رہی تھی - علماء کی جماعت بالاتفاق علامہ مشرقی اور اُن کی تحریک کے خلاف تھی - لیکن اس کا اثر ہمارے بنگال میں نہ تھا - اس لیے یہاں اس بحث کو چھیڑنا مناسب نہ معلوم ہوتا تھا - کچھ دن پہلے مشرقی نے ہمارے بنگال کی طرف توجہ کی تاہم اس کا کچھ زیادہ اثر نہ تھا - اور اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت معلوم نہ ہوئی - اس درمیان میں یو-پی کی کانگریس گورنمنٹ اور مشرقی کے درمیان کچھ اختلافات ہوگئے وہاں کی لیگ نے مشرقی کا ساتھ دیا - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خاکسار تحریک تھوڑے دنوں میں بہت زیادہ پھیل گئی اور اب یہ تحریک نفس اسلام - اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال کے لیے اس وقت سب سے بڑا خطرہ بن گئی ہے - اس لیے اُن لوگوں کو جو جناب رسول اللہؐ کی تعلیم کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور اُن تعلیمات کو نجات کا واحد راستہ سمجھتے ہیں اس طرف متوجہ ہونا ضروری ہوگیا ہے۔

تنبیہ} یو۔پی کی لیگ نے اس تحریک کا ساتھ دے کر بڑی سخت غلطی کی ہے - ایسی غلطی جس میں مذہبی نقصان بھی ہے اور سیاسی نقصان بھی - بہت سے مسلمان محض لیگ کے اعتبار پر اس جدید فرقہ میں شامل ہوگئے ہیں - اور اُن کے عقاید خراب ہوگئے ہیں جن کو اب پھر صحیح اسلامی تعلیمات کا پیرو بنانا بہت مشکل ہے - سیاسی خرابی یہ ہے کہ لیگ نے نیشنل والنٹیر کور کی تحریک منظور کی تھی مگر خاکساروں کا ساتھ دینے کے بعد ہر جگہ اس کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے بے ضرورت سمجھا جانے لگا - جو والنٹیر کور یں اب تک بن چکی ہیں وہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں - حالانکہ نیشنل والنٹیر کور کی قوت لیگ کی قوت ہوتی اور خاکساروں کی قوت لیگ سے علحدہ ایک مستقل قوت ہے۔

بنیادی خرابی} خاکسار تحریک کی بنیاد یہ ہے کہ خاکسار وہی ہوسکتا ہے جو ادارۂ عالیہ کے احکام کی اتباع اور فرمان کی پیروی کا اقرار کرے، حلف لے، عہد کرے، اور اُس میں کوئی شرط نہ لگائے اس طرح کا عہد وحلف حرام ہے - نبیِ معصوم کے سوا اور کسی کی اتباع کا عہد اس طرح جائز نہیں ہے - ادارۂ عالیہ اگر اس عہد کے الفاظ اس طرح کردے کہ ادارہ علیہ کے ہر حکم کی اتباع کا عہد کرتے ہیں اگر وہ خدا و رسول کے حکم کے موافق ہو - یا اگر وہ خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف نہ ہو - تو عہد جائز ہوگا - مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ نہیں کرسکتے -

دوئم - جس شخص کے اتباع کا عہد لیا جائے پہلے اُسکو عہد کرنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسا حکم نہیں دینگے جو خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت نہ کی جب تک اُنھوں نے یہ عہد نہ کیا کہ ہم خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف کوئی حکم نہ دیں گے - بیعت کے پہلے حضرت عمرؓ نے یہ عہد کیا - حضرت عثمانؓ نے یہ عہد کیا - حضرت علیؓ نے یہ عہد کیا -

نہ وہ کرسکتے ہیں نہ اُن کو کتاب کے احکام کا علم ہے نہ وہ سنت رسول اللہؐ سے واقف ہیں - وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ہیں کبھی اُس میں کتاب وسنت کی روشنی بھی تلاش نہیں کرتے -

مسلمان وہ ہے جس نے خدا و رسولؐ کے احکام کو بلا شرط قبول کرلیا ہے - پھر کسی اور کے حکم کو کیسے قبول کرسکتا ہے - جب تک اسی کے موافق نہ ہو -

مشرقی کی کتابیں مجھے اُن لوگوں نے دکھائیں جنھوں نے کلکتہ میں خاکساری تحریک شروع کی - ان کتابوں کے دیکھنے کے بعد جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام بلکہ نفس مذہب کی طرف سے قطعاً متنفر کرنا چاہتے ہیں - اُنھوں نے اپنی کتاب تذکرہ میں یہ دعوےٰ کیا ہے کہ تمام انبیائے کرام کا متفقہ مقصد اور اصل مذہب صرف دنیاوی حالت کی اصلاح تھی - حشر و نشر، جزا و سزا کے عقائد سے لوگوں کو غافل کرنے کی کوشش کی ہے - مشرقی صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے "مولوی کا غلط مذہب" کے نام سے بہت سے رسالے لکھے ہیں - ان میں بلا شبہہ بعض اُن برائیوں کا ذکر ہے جو واقعی بری ہیں لیکن اسی کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں جو رسول اللہؐ کی سنت ہیں اور روایات صحیحہ سے ثابت ہیں اُن کی بھی سخت ہجو کی ہے -

نماز} بار بار مشرقی نے بڑے زور شور سے اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسلمان جو نماز پڑھتے ہیں وہ بیکار ہے - کسی کی نماز صحیح نہیں ہوتی - کیونکہ قبلہ ہندکی مسجدوں کا صحیح نہیں ہے - اور جب تک قبلہ پوری طرح صحیح نہ ہوجائے یعنی ٹھیک مسجد حرام کی طرف جب تک رخ نہ ہو نماز بیکار ہے - نماز ہوتی ہی نہیں - لیکن خود اپنے لیے یا اپنے معتقدین کے لیے بھی کوئی قبلہ درست نہ کیا - جس جس شہر میں خاکسار ہیں : ہاں اگر کوئی خاکسار نماز پڑھتا ہے تو اُسی طرف پڑھتا ہے جس طرف دوسرے مسلمان نماز پڑھتے ہیں -

مشرقی کا مذہب} علامہ مشرقی انگریزی کے بہت اعلےٰ تعلیم یافتہ ہیں - اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور مذہب سے قطعاً ناواقف ہیں - اور جیسا کہ عموماً انگریزی تعلیم یافتہ مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے الحاد و زندقہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں یہ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں - مگر فرق یہ ہے کہ اوروں کی بے دینی خود اُن کی ذات تک محدود ہوتی ہے لیکن مشرقی کی بے دینی سے بہتوں کی گمراہی وابستہ ہے - خاکسار کہتے ہیں کہ ہم محض عسکریت اور اجتماعی قوت حاصل کرنے کے لیے خاکسار ہوئے ورنہ میرا مذہب وہی ہے جو پہلے تھا - اُس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن یہ صحیح نہیں ہے - وہ بلا شرط ایک شخص کے اتباع کا عہد کرچکے ہیں - اُنکو یہ بھی پوچھنے کا حق نہیں کہ جو حکم اُن کو دیا گیا وہ خدا و رسولؐ کے حکم کے موافق ہے یا نہیں - خود سمجھ نہیں سکتے کہ یہ حکم دین و مذہب کے موافق ہے یا مخالف - علما سے ان کو نفرت دلائی جاتی ہے - وہ کس سے دریافت کرکے اپنے

میری غرض اس تحریر سے میری غرض [illegible] کرنا نہیں ہے۔ جیسا کہ غرض [illegible] کہ ان لوگوں کو جن کا تعلق مسلم لیگ سے ہے آگاہ کروں [illegible] تعلقاً علیحدہ رہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ خود لیگ کے اندر بھی ایسے لوگ [illegible] کو مذہبی تعلیمات [illegible] دلچسپی نہیں ہے۔ اس علم کے باوجود اس [illegible] کام کیا جا سکتا ہے لیکن ایسے لوگوں سے اگر خلاف تحریک کی حمایت کی تو شاید بہت سے لوگوں کو سوچنا پڑیگا کہ یا تو ایسے لوگ لیگ سے الگ ہو جائیں یا خود کنارہ کشی کر لی جائے۔

بحث و دلائل میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس تحریک کے متعلق بہت دنوں تک اچھی طرح غور و فکر کے بعد لکھا ہے۔ اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے لیے تشفی بخش دلائل میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن اس تحریر کا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کو اور مسلم لیگ کے ساتھ کام کرنے والوں کو جو مجھ پر اعتماد ہے آگاہ کردوں کہ یہ تحریک مضر ہے۔ دلائل سے بحث کی ضرورت نہ معلوم ہوئی۔ لیکن اگر ضرورت پیش آگئی تو انشاء اللہ مفصل گفتگو بھی کی جائیگی۔

اسلامی جہاد اور یورپی جنگ

اسلامی جہاد اور یورپی جنگ میں قتل و تباہی کے اعداد و شمار کیا ہیں؟ پیغمبر اسلام صلعم نے اپنے رفقا کے ساتھ جس قدر بھی جہاد کیے انکی تعداد ۲۲ ہے۔ مندرجہ ذیل فہرست ملاحظہ ہو:—

نام جنگ		تعداد شہداء	دشمن کے مقتول
ابواء	(قتل کی نوبت نہ آئی)	۰	۰
بواط	″	۰	۰
بدر اول	″	۰	۰
العشیرہ	″	۰	۰
بدر کبریٰ		۸	۷۰
بنو سلیم	″	۰	۰
بنو قینقاع	″	۰	۰
السویق		۱	۰
غطفان	″	۰	۰
اُحد		۷۰	۲۳
حمراء الاسد	″		
بنو نضیر	″	۰	۰
ذات الرقاع	″	۰	۰
بدر سوم	″	۰	۰
دومۃ الجندل	″	۰	۰
مریسیع	″	۰	۰
خندق		۶	۳
بنو قریظہ		۱	۰
بنو لحیان		۰	۰
ذو قرد		۱	۰
خیبر		۱۵	۹۳
فتح مکہ		۲	۲۸
حُنین اور طائف		۱۲	نامعلوم
تبوک		۰	۰

یہ ہے اسلامی جہاد جس میں کُل ۱۱۷ مسلمان شہید ہوئے، ۲۱۷ مخالف ہلاک ہوئے - نہ لاکھ نہ دو لاکھ صرف ۳۳۴ -

مگر معترضین کے گھر میں جو جنگیں برپا ہوئیں انکا حال بھی معلوم ہے؟؟ صرف فرانس کی جنگوں میں جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۵ء تک جاری رہیں اُن میں صرف فرانس کے بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ ان ۹ لڑائیوں میں جن میں خود نپولین بوناپارٹ نے شرکت کی جسقدر آدمی مارے گئے اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے:—

نام جنگ	تعداد مقتولین مجروحین	نام جنگ	تعداد مقتولین مجروحین
آسٹرلٹز	۲۵۰۰۰	بوروڈینو	۷۵۰۰۰
جینا	۱۷۰۰۰	لیپزگ	۹۲۰۰۰
ایلو	۴۲۰۰۰	واٹرلو	۴۲۰۰۰
فرڈلینڈ	۳۴۰۰۰	اکموہ	۱۵۰۰۰
وگرام	۴۴۰۰۰	...	...

مندرجہ ذیل جنگوں میں جس قدر انسان ہلاک ہوئے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے پینن سولہ وار میں انگلستان کے پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ جنگ کریمیا میں روس اور اسکی حلیف طاقتوں کے چار لاکھ اسی ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ امریکن سول وار میں جو ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہی چھ لاکھ آدمی مارے گئے ۱۸۷۰ء کی جرمن اور فرانسیسی جنگ میں صرف سات ماہ کے اندر ۳ لاکھ ۷ ہزار آدمی مارے گئے۔ ۱۸۷۷ء کی روس ترکی جنگ میں دو لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں جس قدر انسان مارے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:—

مرنے والے	۹۹۹۸۷۷۱
شدید زخمی	۶۲۹۵۵۱۲
خفیف زخمی	۱۴۰۰۲۰۴۹
گم یا قید شدہ	۵۹۸۳۶۰۰

ان اعداد و شمار کے باوجود بدنام پھر بھی "جہاد" ہی ہے! خبر نہیں ظالم دنیا کو کب اس الزام تراشی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ وللہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ۔ (زمزم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر "صدق" مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ و انتظامی امور
کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ دریاباد ضلع بارہ بنکی
مضامین کے بارے میں مراسلت اسی پتے پر ہو

صدق لکھنؤ
ہفتہ وار

چندہ
سالانہ للعہ
ششماہی ۳ر
بیرون ہند
۸ شلنگ
فی پرچہ ار

نمبر ۲۴ | دوشنبہ - ۹ - صفر المظفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۴۰ء | جلد ۵

سچی باتیں

ہندوستان سے باہر نہیں، اسی برّاعظم کے اندر، ملک راجپوتانہ کے علاقہ "میواڑ" (اودے پور) میں، پہاڑیوں کے درمیان، شری ناتھ جی کا ایک مندر ہے۔ بستی کا نام "ناتھ دوارا" ہے۔ سب ہندوؤں کا نہیں، صرف فرقۂ "بیشنو" اور ویشنوؤں میں بھی، اُنکی ایک چھوٹی سی ٹکڑی "پشٹی مرگیہ" والوں کی عقیدت کا مرکز۔ خود اس فرقہ ہی کو وجود میں آئے کچھ ایسا بہت زمانہ نہیں ہوا ہے۔ کُل سولھویں صدی مسیحی کی تو بات ہے، اور پھر یہ فرقہ اِترا قائم ہوتے ہوتے تو دو صدیاں اور لگ گئیں۔ میلا اٹھارویں صدی سے چلنا شروع ہوا۔ ۳۰ ہزار درشن کرنے والوں کا سالانہ اوسط ہے۔ اور طرح طرح کے چڑھاووں سے، نیز وقف کی جائدادوں سے آمدنی، اب تو خیر کچھ گھٹ گئی ہے، لیکن کچھ روز قبل تک تخمینہ ۳۰ لاکھ سالانہ کا تھا! راستہ دشوار گزار، لیکن زائروں کا تانتا ہے کہ بندھا ہوا۔

دیوتا جی کے معمولات بالکل ہم آپ جیسے انسانوں جیسے ہیں۔ دن میں کئی کئی بار پوشاک بدلی جاتی ہے، کھانا کھلایا جاتا ہے، بڑے تکلف واہتمام کے ساتھ۔ سونا جاگنا، نہانا دھونا، کھانا پینا، درشن دینا، سب گوشت پوست کے بنے ہوئے زندہ انسانوں کی طرح۔ صبح تڑکے پجاری گھنٹی بجاکر بیدار کرتا ہے، بھجن شروع ہوتے ہیں، دروازہ کھلتا ہے، اہلِ حاجت درشن لے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ دوپہر کو دیوتا جی کا وقت خوب ہوتا ہے۔ بھاری بھرکم بنایا جاتا ہے۔ شام کو پھر کھانا ہے۔ ... دونوں وقت کھانے ... بہت ... برتنوں میں لاکر مورتی کے آگے چُن دیے جاتے ہیں۔ اور کچھ دیر بعد وہی کھانا پجاریوں اور جاتریوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ بھنڈار (لنگر) کی مقدار اور کھانے کے تکلفات کا اندازہ اس سے کیجیے، کہ ایک ایک ہزار بلکہ دو دو ہزار روپیہ روزانہ تک کی رقم کھانے کی مد میں اُٹھتی ہے! (سارے معلومات کے لیے ملاحظہ ہو، روزنامہ ہندو، مدراس ۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء)

یہ حال "ہندوستان" کے صرف ایک تیرتھ کا ہوا، جو نہ مرجع عام ہے، اور نہ کچھ ایسا پرانا ہی ہے۔ اسی سے قیاس کیجیے، کہ پراگ (الہ آباد) اور ہردوار اور اجودھیا اور رامیشورم اور دوارکا اور متھرا اور کاشی (بنارس) کے بڑے بڑے اور مشہور استھانوں میں کیا کچھ ہوتا ہوگا، کیسا جمِ غفیر لگتا ہوگا، کیسی بے شمار دولت لُٹتی ہوگی، شرک اور بت پرستی کی ہر رسم کس بڑے پیمانہ پر ادا ہوتی ہوگی!

غیروں کو اُنکے حال پر چھوڑیے۔ اپنے ہاں سوچیے اور دیکھیے کہ کیا کچھ کم ہورہا ہے! اُنکے استھانوں کے مقابلہ میں آپکے ہاں کے بڑے بڑے مشہور "آستانے"، اور آپکے ہاں کی زرق برق درگاہیں مزارات، اُنکے کلس دار گنبد، اور آپ کے ہاں کے عرسوں اور میلوں کے جھمگھٹے، کہیں کی گیارہویں اور کہیں کی بارہویں، کہیں کی ستروں اور کہیں کی نوچندی، آپکے ہاں کی قبروں پر چڑھے ہوئے چڑھاوے، اور چادریں، اور طرح طرح کی "منتوں" اور "نیازوں" کے پیسے اور روپے، حلوے اور توشے، رنگ رنگ کے پھول اور مٹھائیاں اور غسل کا پانی، اور بے حساب اور اَن گنت "تبرکات"! کس چیز میں آپ غیروں سے ہیٹے اور پیچھے ہیں؟ —— سوچیے اور پھر سوچیے کہ ہونا چاہیے کیا تھا؟ اور ہے آپ کیا؟

مولانا تھانوی

تھانہ بھون، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی مدظلہ کے وطن اور مسکن، ابکی مدت دراز کے بعد جانے کا اتفاق ہوا - جو اثر قلب و دماغ پر پڑا، اُسے پوری طرح الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں - مولانا کی زندگی اعتدال، احتیاط، تقوی کی تفسیر رہی، اس لیے اللہ نے انکی صحت میں برکت دی، اور قویٰ اب تک بہت اچھے رہے - لیکن آخر امتدادِ زمانہ کے طبعی اثرات کو کوئی کب تک اور کہاں تک روک سکتا ہے؟ وقت اور زمان کے قدرتی مقتضیات، کبرسنی کے آثار سے تو حضرات انبیاء تک کو مفر نہیں (قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت زکریاؑ وغیرہم کے قصوں کے ضمن میں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ کیا، صراحتیں موجود ہیں) اب حال یہ ہے کہ صحت مسلسل خراب رہنے لگی ہے، اور گو حضرت کی ہمت بحمداللہ یوں کی توں جوان ہے، جسم کی لاغری اور ناتوانی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - کہاں میلوں کی مسافت بلا تکلف اور بڑی تیزروی کے ساتھ طے فرمالیا کرتے تھے، کہاں اب چند فرلانگ، آہستہ خرامی کے ساتھ بھی بار ہو رہے ہیں - پنج وقتہ امامت، جو مقتدیوں کے لیے ایک خاص لطف و لذت کی چیز تھی، اب یکسر ترک ہوگئی ہے، بلکہ مسجد خانقاہ میں شرکتِ جماعت بھی صرف دو وقت (ظہر اور عصر) کے لیے محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ قدمبارک ابھی چند سال اُدھر جوانوں کی طرح سیدھا اور تنا ہوا تھا، اب مائل بہ انحنا ہے - خانقاہ میں جائے نشست پر زیادہ عرصہ تک سیدھے بیٹھنا بھی اب تکلف اور تعب سے خالی نہیں۔ غذا گھٹ کر بہت کم رہ گئی ہے، دانتوں کی تکلیف اور نسیان روز افزوں - خدمتِ دین کا ولولہ بدستور تازہ و شاداب، اور خدمتِ خلق کی تڑپ میں ذرا فتور نہیں۔ انکی زیارت کے وقت نظر بار بار اُنگلیوں پر پڑتی اور جمتی تھی، اور جی میں بے اختیار یہ آتا تھا کہ انھیں آنکھوں سے ملیے، ہونٹوں سے چومیے، کہ یہ دین کی کیسی کیسی گہری اور عظیم الشان خدمتیں انجام دے چکی ہیں! اللہ عمر میں برکت، بہت برکت، عطا فرمائے - اور جی تو یہ دعا کرنے کو چاہتا ہے کہ اللہ اس سایہ کو ہمیشہ ہی امت پر قائم رکھے - مبارک اور خوش قسمت ہیں وہ جو اب بھی اِس نعمتِ عظمیٰ کی قدر پہچانیں، اور اپنا رشتہ اس چشمۂ فیض اور منبعِ رشد و ہدایت سے جوڑیں!

رحمتِ عالمؐ

فتح مکہ کا ذکر ایک جدید مسیحی امریکی مورخ کے قلم سے :-

"جنوری ۶۳۰ء کے آخر میں مکہ پوری طرح فتح ہوگیا - محمدؐ وہاں کے معبد اعظم میں داخل ہوے، اور بتوں کو، جنکی تعداد تین سو ساٹھ بیان کی جاتی ہے، یہ کہہ کہہ کر پاش پاش کرتے گئے، جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا لیکن باشندوں کے ساتھ معاملہ بڑی ہی فیاضی کا کیا - اگلی تاریخ کے صفحات، اِس قسم کے فاتحانہ داخلے، کہنا چاہیے کہ خالی ہی ہیں"۔ (ہیٹی کی کتاب ہسٹری اف دی عربس" صفحہ ۱۱۸)

فتح مکہ کے وقت جانی دشمنوں سے عفو و مدارات کا معاملہ، سیرت نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ایک معلوم و معروف واقعہ ہے، لیکن مخالفت کی زبان سے ہر تازہ شہادت کے بعد تازہ مسرت بھی بالکل قدرتی ہے - نظیر سے "اگلی" تاریخ تو خالی تھی ہی، "پچھلی" تاریخ نے بھی کوئی مثال اِس ساڑھے تیرہ سو سال کے اندر پیش کی؟ برلن، روما، پیرس، لندن، ٹوکیو، ماسکو، سب کہیں کے مورخین اپنے اپنے فاتحین کے کارناموں کے مطالعہ کے بعد جواب دیں!

پیشواے اعظم

"بڑی یا چھوٹی ہر بات میں انکا روزمرہ کا طرزِ عمل خود ایک اُسوہ بن گیا ہے، جسکا اتباع بڑی احتیاط کے ساتھ آج تک لاکھوں کروڑوں انسان کر رہے ہیں نسلِ انسانی میں بہ حیثیت انسان کامل کسی کا اتباع بھی اس جزئیت کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے"۔

(ہیٹی کی "ہسٹری آف عربس" صفحہ ۱۲۰)

ذکر ہمارے آپ کے ہادی، اور اللہ کے سب سے برگزیدہ رسول کا ہو رہا ہے، ایک منکر و مخالف کی زبان سے - ہرگارتھو نے اپنی کتاب "عربیا" میں صفحہ ۵۲ پر یہ عبارت ۱۹۲۲ء میں لکھی تھی - ایک دوسرے منکر، امریکہ کے پروفیسر ہیٹی نے ۱۵ سال بعد ۱۹۳۷ء میں اِسی کو دُہرا دیا - یہ منکرین کہتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ بہ حیثیت متبوعِ خلائق ہونے کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نظیر تاریخ عالم کے پردہ پر موجود نہیں!

حشر اور وزنِ اعمال

سر سی، وی، رامان، ہندوستان کے سب سے بڑے ماہر سائنس ہیں - ریاضیات و طبعیات میں ان کا سکہ یورپ تک میں بیٹھا ہوا - حال میں ویلور میں کالج ڈے کے موقع پر ایک تقریر میں بیان کیا، کہ آواز کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جو سنائی نہیں دیتیں، اور بہت سی صدائیں ہیں، جو ہمارے کانوں کے لیے غیر مسموع رہتی ہیں - یہاں تک کہ حرارت خود، آواز ہی کی ایک قسم ہے غیر مسموع - (روزنامہ ہندو، مدراس، ۲ مارچ سنہ ۴۲ء)

حشر سے متعلق بہت سے پڑھے لکھے جاہل اب تک اس پھیر میں پڑے ہوے ہیں، کہ: ہاں اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو جائیگا، اور یہ غیر مادی چیزیں میزان میں تلینگی کیونکر؟ جو کارساز اپنی قدرت کے یہ کرشمے روزمرہ اسی عالم میں آنکھوں کے سامنے دکھاتا رہتا ہے، اُسکے لیے کسی درجہ میں بھی یہ دشوار ہے کہ وہ بالکل دوسری فضا میں، جہاں مظاہر و ظواہر نہیں، صرف حقائق ہی حقائق ہوں گے، مجردات کو مادیات میں، معقولات کو محسوسات میں تبدیل کر دے؟

عورت کے نادان دوست

۹ - جولائی کو مس ... ایک مسیحی لڑکی، لال باغ ہائی اسکول، لکھنؤ کی طالب علم، ۱۱ بجے شب کی ٹرین سے بریلی پہونچی - ملازم کے تانگے پر سوار ہو، اپنی ماں کے پاس ملٹری ہسپتال جا رہی تھی - راہ میں ایک ویران مقام میں ملازم نے تانگہ کی لالٹین بجھا،

خود اپنا منہ کالا کیا۔ جرم کی شقاوت اور وحشیانہ نوعیت کے مدنظر آج مسٹی مجسٹریٹ نے حسب دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند، ملزم کو سشن سپرد کیا۔
(نیشنل ہیرلڈ، لکھنؤ، ۲ رفروری ۳۷ء)

بمبئی ہائی کورٹ میں چیف جسٹس اور جسٹس سین کے سامنے سشن جج تھانہ گری کے فیصلہ کے خلاف تین اپیلیں ایک ہی مقدمہ کے مختلف ملزموں کی طرف سے پیش ہوئیں۔ جرم یہ تھا کہ ... ۱۹ سال کی عمر کی شادی شدہ سندو عورت اپنے شوہر سے لڑکر بھاگی۔ معلوم ہوا کشتی بہت رات گئے چھوٹیگی، عورت آکر دھرم سالہ میں لیٹ رہی۔ دو شخص فلاں اور فلاں کمرہ میں گھس آئے، اور اُسے خراب کیا، گھبراکر ۸½ بجے عورت وہاں سے بھاگی۔ کشتی میں پناہ لینے آئی، چھوٹنے میں ابھی دیر تھی۔ دو شخص فلاں اور فلاں، وہاں بھی اسی قماش کے مل گئے، یہ جبراً اُسے ایک اُجڑی ہوئی مسجد میں لے گئے، اور عصمت دری کی۔ عورت چور چور، حیران و پریشان پڑی ہوئی تھی، کہ فلاں راہ گیر اُدھر سے نکلا، اس سے اس نے مدد کی التجا کی۔ وہ فلاں شخص کے مکان پر اُٹھا لے گیا، وہاں کم از کم چھ انسان نما درندوں نے اُس پر ہاتھ صاف کیا۔ یہ سارے واقعات چند گھنٹوں کے اندر بیت کر رہے۔ جرم ہر عدالت میں برابر ثابت رہا۔ ہائی کورٹ نے سزائیں بحال رکھیں، گو بعض کی مدت کم کر دی۔" (بمبئی کرانیکل۔ ۹ جنوری ۳۷ء)

جو مخلوق اتنی بے بس، ایسی کمزور و ناتواں پیدا کی گئی ہے، آج اُسی کی طرف سے "آزادی" اور "خود مختاری" کا اعلان ہو رہا ہے، اور وہ چیخ چیخ کر چیلنج دے رہی ہے کہ "ہم سے مقابلہ تو الگ رہا، خبردار، کوئی ہماری محافظت کا، رفاقت کا، خیال بھی دل میں نہ لائے! ہم آزاد ہیں آزاد۔ ہماری امداد کے لیے کسی کے تیار ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ گویا ہم محتاج ہیں دوسروں کی حفاظت کے، رفاقت کے، کفالت کے، اور یہ ہماری کھلی ہوئی توہین ہے، ناقابل برداشت!" —— اور آج عورت کے سب سے بڑے دوست وہ ہیں، جو یہی خواب اپنی چرب زبانی سے اُسے دکھاتے رہتے ہیں، اور اسی نشہ کے جام بھر بھر کر اور اُسے پلاتے رہتے ہیں! دشمنی کا نام دوستی اور دوستی کا نام دشمنی، آج سے بڑھ کر کیوں کسی دور میں پڑا ہوگا؟

ممتا کی ایک مثال

"گاندھی جی اپنے اخبار ہریجن میں لکھتے ہیں:۔

"کتنے سال کی بات ہے، میں پونا کے سیسون اسپتال میں صاحب فراش تھا، میری نیک دل نرس نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک حاملہ عورت اسپتال میں داخل ہوئی، ضرورت اسے کلوروفارم دینے کی تھی، مگر اُس نے کہا کہ اس سے بچہ کو نقصان کا ڈر ہے، میں نہ لوں گی۔ آپریشن بہت سخت قسم کا ہونے کو تھا، مگر اُس نے اپنی ممتا کے آگے اپنی شدید جسمانی تکلیف ذرا پروا نہ کی"

لاحول ولاقوۃ۔ کیا گاندھی جی یہ سمجھے ہوئے ہیں، کہ اس واقعہ کو عورت کے ایثار، ہمت، ہمدردی کے نمونہ کے طور پر اس بیسویں صدی میں پیش

کیا جا سکتا ہے؟ گئے وہ دن جب عورت "باندی" تھی، "محکوم" تھی اور فخر کرتی تھی اولاد پر، اولاد کی ممتا پر۔ اب وہ "آزاد" ہے "مردانی" ہے، نسائیت اسکے لیے باعث فخر نہیں، باعث ننگ ہے، اور وہ علانیہ کہتی ہے کہ سرے سے بچہ جننے، اور پالنے پوسنے کی کیا ضرورت ہے۔ چہ جائیکہ اسکی محبت میں ایسی باؤلی ہو جانا! —— کیا گاندھی جی نے اپنے رفیق کار، جواہر لال نہرو کی زبان سے الٰہ آباد زنانہ کانفرنس میں، حال ہی میں سن نہیں لیا کہ سیتا جی اور ساوتری کی مثالیں آج پیش کرنا اپنی فرسودہ خیالی کا ثبوت دینا ہے؟ جی، بیشک روشن خیالی تو شاید یہی ہے کہ خود نہرو خاندان کی خواتین کو مثال میں پیش کیا جائے!

قدامت پرست کیمبرج

ولایتی روزنامے اس خبر کو بڑی آب و تاب سے شایع کر رہے ہیں، کہ ابکی کیمبرج یونیورسٹی نے آرکیالوجی (اثریات) کا اُستاد، ایک خاتون مس ڈوروتھی گیروڈ کو مقرر کیا ہے۔ خبر میں اہمیت اور ندرت کا پہلو یہ ہے کہ مس موصوفہ، یونیورسٹی بھر میں پہلی لیڈی پروفیسر (پہلی اُستاد خاتون) ہیں، ورنہ اب تک اُستاد یہاں سب مرد ہی رہے ہیں۔ اور ضمناً یہ بات بھی نمایاں کر کے انہیں اخبارات نے لکھی ہے، کہ کیمبرج میں عورتوں کو ڈگری دینے کا اب تک قاعدہ نہیں! —— اُف ری دقیانوسیت، مشہور و معروف کیمبرج اب تک اس یقین نہ آنے والے جمود کا گہوارہ ہے! عورتیں آج تک یہاں سے آرٹ اور سائنس کی ڈگری لینے سے محروم ہیں! اور بیسیوں اُستادوں میں کوئی خاتون آج تک اس عہدہ پر ممتاز نہیں ہونے پائی تھیں! شاباش روشن خیال ہندوستان! کم از کم اس معاملہ میں تو شاگرد اُستاد سے کہیں آگے ہے!

مخلوط تمدن کی برکت

"شادی کے وقت دوسری عورت کا تیز نظر رکھنا ضروری ہمیشہ سے تھا، اب اور ضروری ہو گیا ہے۔ کاروباری شوہروں کے لیے ممکن نہیں، کہ نوجوان حسین بیگانی عورتوں سے سابقہ نہ پڑے اور وہ اُن سے متاثر نہ ہوں، دفتر والی "سوت" ایک مستقل و اہم مسئلہ ہے۔ شاید ہی کوئی دفتر ایسا ہو جہاں بیاہے ہوئے مرد اور بن بیاہی ہوئی عورت کے درمیان آشنائی کا ایک نہ ایک واقعہ ظہور پذیر نہ ہو چکا ہو۔ اور جہاں ایک واقعہ شروع ہوا، دوسرے بھی مسلسل پیش آنے لگتے ہیں۔ گویا بیاہے ہوئے مردوں اور بن بیاہی عورتوں کے درمیان بازی لگ جاتی ہے، کہ دیکھیں کون اس دوڑ میں آگے نکل جاتا ہے"
(پاینیر، ۲ مارچ ۳۷ء)

پاینیر، ہندوستانیوں کی نہیں، انگریزوں کی معاشری زندگی کا ترجمان ہے۔ اُس کے صفحات میں، اسکے اپنی کی یہ تصویر، کہ وہ عورت

کے مشترک قلم سے نکلی ہے۔ یہ میاں بیوی بجرہ دشاہدہ کے بعد مغلوب تمدن کی برکت یہ بیان کر رہے ہیں، کہ کاروباری دفتروں میں اختلاط و اختراک مرد و زن کا نتیجہ یہ ہے، کہ کنواریوں کا ذکر نہیں، شادی شدہ مرد بھی محتاط نہیں رہ پاتے، ادھر ہر خاندان خانہ جنگی کا ایک اکھاڑہ بنتا جا رہا ہے —— بنتا رہے اور ہوا کرے —— یہ آخر قدامت پرستوں کو اعتراض کیوں ہے، کہ وہ جرم کو جرم، معصیت کو معصیت، بلا کو بلا کہہ ساتھ بیٹھے سیدھی سی، کھلی اور آسان بات یہ ہے کہ، تہذیب ہی کو عین ہنر قرار دے لیں، اور زندگی کا نام کا فور کر دیں، ابھی ہر سیاہ سفید نظر آنے لگیگا!

ارتداد سے واپسی

ترکی اخبارات کے حوالے سے شایع ہوا ہے:-

"اناطولیہ کے زلزلہ اور سیلاب کے بعد ترکی حکومت نے ہدایات ذیل تمام اطراف ملک کے لیے شایع کی ہیں،

(۱) عربی زبان کی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جاری کیا جائے اعلیٰ مدارس میں عربی زبان کی تحصیل کو لازمی قرار دیا جائے۔

(۲) قرآن مجید کی تعلیم اور اس پر غور کرنے کے سلسلہ کو وسیع پیمانہ پر شروع کیا جائے۔

(۳) ابتدائی مدارس میں سیرت نبوی کی تعلیم تمام طلبہ کے لیے لازمی کر دی جائے۔

(۴) عربی کی اہم کتب کے تراجم ترکی زبان میں کیے جائیں۔

پندرہ سال کے وقفہ کے بعد اس احیاء تعلیم عربی پر سارے ملک میں مسرت ظاہر کی جا رہی ہے"

خبر اگر صحیح ہے، تو یقیناً باعث مسرت ہے، اور اردو کی مشہور ضرب المثل "صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے" الخ کی پوری مصداق۔ لیکن اصل مسرت تو اس وقت ہوگی، جب بجائے عربی زبان کے، خبر اس کی آئیگی کہ قرآن اور قانون شریعت کے ساتھ ترکوں نے اپنا رشتہ از سر نو جوڑ لیا ہے، اور وراثت، نکاح، طلاق، وغیرہ سارے قانون دیوانی و فوجداری میں بجائے سوئزرلینڈ کی غلامی کے پھر نسبت حلقہ بگوشی "کتاب و سنت" کے ساتھ قائم ہوگئی —— ضرورت اور بڑی ضرورت قرآن کو ترکوں کی نہیں، ضرورت اور بڑی ضرورت ترکوں کو، اگر ان میں ذرا بھی فہم سلیم ہے، قرآن و سنت کی ہے۔

شہری تمدن

"ہوائیں گرد و غبار اور خورد بینی کیڑے تو سب ہی کہیں شامل رہتے ہیں، لیکن جو ہوا شہری آبادیوں کی فضا میں ہوتی ہے، وہاں انکا زور بھی بہت ہی زائد ہوتا ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ حرفتی شہر کا ہر باشندہ اوسطاً ایک چمچہ بھر خاک روز پھانکتا ہے۔ ہوا کی گندگیاں جو ہم پیٹ میں اتارتے رہتے ہیں انکا ۹۰ فی صدی حصہ ایسا ہے، جو خالی آنکھ سے نظر آتا الگ رہا، ایک انچ کا کل سوالاکھواں حصہ حجم میں ہوتا ہے! ہر حرفتی شہر جس میں ہوا جیسا رہتا ہے، اسکے ہر مکعب فٹ ہوا میں ۲ لاکھ سے لیکر ۴۰ لاکھ تک خاک کے ذرے اور کیڑے رہتے ہیں"۔ (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار اڈیشن، ۱۱ فروری ۱۹۳۸ء)

بڑے بڑے ملوں اور کارخانہ والے، چمنیوں اور فیکٹریوں والے، انجنوں اور مشینوں والے کاروباری، تجارتی، صنعتی، حرفتی، شہروں کے یہ فضائل، خود اہل سائنس کی تحقیق کے مطابق آپ نے سن لیے؟ اور پھر بھی آپ کی یہی تعلیم ہے اور یہی تلقین، یہی تبلیغ ہے اور یہی ترغیب، کہ دیہات کے سادہ تمدن میں بجز جمود اور پستی کے اور کیا رکھا ہے، لاؤ قوم کو انھیں "ترقیوں" کی جانب!

ایک معاصر پر برق غضب

ہندوستان کے طول و عرض میں، مسلمانوں کی آٹھ نو کروڑ کی آبادی میں پندرہ روزہ جریدہ "اسلام (لاہور)" ہی انگریزی زبان میں ایسا پرچہ ہے، جو صحیح معنی میں اسلامی کہا جا سکتا ہے۔ ابھی اطلاع ملی کہ حکومت پنجاب نے اس سے ۰ رجنوری کے شذرات پر پانچ سو روپیہ کی ضمانت طلب کر لی ہے! پانچ سو کی رقم بھی کوئی رقم ہے۔ اتنی رقم تو ہماری آپ کی قوم، اکیلے شہر لاہور ہی میں، ہر شب، سینما کی نذر کر دیتی ہوگی۔ لیکن یہاں سوال تو ایک دینی پرچہ کی اعانت کا ہے، اور اس سیاق میں تو پانسو برابر ہیں ہزار ہا ہزار کے! انا للہ وانا الیہ۔

اسلامی پر یہ ضرب، خوب خیال کر لیجیے، کسی بیگانہ کے ہاتھ سے نہیں لگ رہی ہے، یہ وار اس حکومت کے ہاتھ سے ہو رہا ہے، جو "اسلامی" کہی جاتی ہے! سعدی از دست خویشتن فریاد! پہلے رسالہ "ترجمان القرآن" کے ساتھ بھی معاملہ کچھ اسی قسم کا، گو اس سے ہلکا، پیش آ چکا ہے۔

پنجاب کے "زندہ دلوں" میں اگر واقعی زندگی ہے تو، اتنی حقیر رقم تو ایک فرد واحد پیش کر سکتا ہے۔ اسکے لیے چندہ کی عام اپیل اور تحریک کرتے ہوئے خود شرم آتی ہے کاش یہ غیرت کسی ایک صاحب ہی کے دل کو گرما دے!

نکاح بالجبر

"بمبئی، ۲۳-فروری۔ آج ہائیکورٹ میں چیف جسٹس کے سامنے درخواست ایک یورپین رچرڈ ڈنکن کی پیش ہوئی کہ مدعی علیہا ڈورو تھی میرس کے ساتھ اسکا نکاح منسوخ قرار دیا جائے۔ مدعی نے درخواست میں بیان کیا کہ میرا تعارف اس عورت کے بھائی نے اسکے ساتھ ۱۹۳۶ء میں کرایا۔ اس وقت سے یہ عورت میرے پیچھے پڑ گئی۔ میں نے بار بار مکان بھی بدلے، مگر اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ ۱۹۳۸ء میں بڑے دن کی تقریب کے موقع پر یہ میری موٹر میں زبردستی آ بیٹھی اور میں اسکو روکتا رہا، میرے ہی کمرہ میں آ کر شب باش ہوئی۔ بار ہا اس نے مجھے یہ دھمکی دی،

نئی کتابیں

(۱) **تاریخ اخلاق اسلامی** - از مولانا عبد السلام صاحب ندوی، ضخامت ۲۷۴ صفحے، تقطیع ۲۰ × ۲۶ - قیمت درج نہیں - پتہ: منیجر دار المصنفین، اعظم گڈھ -

لیکی نامے ایک سنجیدہ انگریز مصنف انیسویں صدی کے وسط میں گزرا ہے - اسکی کتاب "ہسٹری آف یوروپین مارلس" انگریزی میں مشہور ہے۔ اسکا ترجمہ بھی اُردو میں دو جلدوں میں "تاریخ اخلاق یورپ" کے نام مدیر صدق کے قلم سے، آج سے بیس اکیس سال قبل شایع ہو چکا ہے - اس میں قدیم یورپ کے اخلاقی حالات کی سرگزشت بیان ہوئی ہے، کہ دورِ مسیحیت سے قبل، یونان اور روم کی مشرکانہ اور بت پرستانہ تہذیبوں کے زمانہ میں یورپ کس روش پر چل رہا تھا، پھر اس پر مسیحیت کے کیا کیا اثرات پڑے - تاریخ اخلاق اسلامی اسی نمونہ کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، اور اپنے رنگ میں اچھی ہے - مصنف الحسوۃ صحابہ کی تحریر کے جو خصوصیات ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں - ۵۴ صفحے کے مقدمہ میں پہلے اخلاقِ عرب قبل از اسلام پر بحث ہے، اور اس میں رذائلِ اخلاق و محاسن اخلاق دونوں آگئے ہیں، اور پھر مختصر ذکر اخلاق عجم کا آگیا ہے - اسکے بعد کتاب کے آخر تک قرآن و حدیث کی تعلیمات اخلاق اور انکے عملی اثرات کا بیان ہے - کتاب نفس معلومات کے لحاظ سے مفید ہے، البتہ عربی عبارتوں کے ترجمہ میں جا بجا "ترجمہ پن" ہے اور مصنف کے استنباطات بھی کہیں کہیں محلِ گفتگو ہیں جا بجا، خصوصاً مقدمہ کے مطالعہ سے طبیعت پر اثر یہ پڑتا ہے، کہ گویا شریعتِ اسلام، صرف اخلاقِ عرب، یا زیادہ سے زیادہ اخلاق عرب و ایران کی اصلاح کے لیے آئی ہے - مقدمہ میں، طبع آیندہ میں، بہت کچھ اضافہ، ترمیم و تفصیل کی گنجائش ہے -

(۲) **الفاروق، لائف آف عمر دی گریٹ** (انگریزی) حصہ اول مصنفہ مولانا شبلی نعمانی، مترجمہ ظفر علی خاں صاحب بی اے - ضخامت ۲۷ × ۳۰۶ صفحات - مجلد - قیمت درج نہیں - پتہ: شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب - کشمیری بازار - لاہور -

مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی الفاروق سے اُردو پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے - مدت دراز ہوئی، جب آج کے لیڈر نہیں، علیگڈھ کے تازہ گریجویٹ، ظفر علی خاں، حیدرآباد میں عہدہ دار تھے - اُس وقت انھوں نے بعض دوستوں کی امداد و مشورہ سے اسکا ترجمہ انگریزی میں کر ڈالا تھا - مسودہ چالیس برس تک پڑا رہا، یہاں تک کہ اب اسکی طبع و اشاعت کی سعادت لاہور کے مشہور انگریزی ناشر شیخ محمد اشرف کے حصہ میں آئی، جو اسکے قبل بھی انگریزی زبان میں اسلامیات کی اشاعت کا فخر حاصل کیے ہوئے ہیں -

ترجمہ بہ حیثیت مجموعی صاف، سلیس، و صحیح ہے، گو کہیں کہیں ترجمہ زیادہ آگیا ہے - اور بہتر یہ ہوتا کہ زبان کی نظر ثانی کسی اہل زبان سے کرا لی جا

ورمیہ قانون اور معاشرت کی نگاہ میں نکاح والوں اور نکاح والیوں کے مساوی ٹھہر گیا ہے۔ اور جنسی آزادیوں اور بیباکیوں کے باب میں مرد و زن یکساں ہیں"

اصطلاحات فن بہ کثرت آئی ہیں۔ آخر میں اگر اردو و انگریزی مصطلحات کی ایک فرہنگ دے دی جاتی تو زیادہ مفید ہوتا۔ لفظ "کافی" بہتوں کی زبان پر "بہت" کے معنی میں چڑھا ہوا ہے۔ یہ استعمال صحیح نہیں۔ ادارہ ندوۃ المصنفین اس اعتبار سے یقیناً قابل داد ہے، کہ اپنی بساط سے بڑھ کر خدمت علم کی کوشش کر رہا ہے، لیکن کارکنوں کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہے کہ خدمت دین کا مرتبہ، خدمت "علم" سے بہر حال مقدم ہے۔

(۵) اسپرٹ آف اسلامک کلچر (انگریزی)۔ از خواجہ عبد الوحید صاحب سکریٹری اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ۔ ۲۴ صفحے۔ پتہ: تاج بکڈپو۔ بیگنے زئی اسٹریٹ۔ لاہور۔

اسلامی تہذیب ہے کیا؟ اور اسلامی تمدن کہتے کسے ہیں؟ سوال بہت سی زبانوں پر آچکا ہے۔ بعض کی زبانوں پر محض ناواقفیت سے اور بعض پوچھ رہے ہیں قصداً تجاہل سے کام لے کر۔ خواجہ عبد الوحید جو انگریزی میں دینی خدمت کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں، اور تجربہ بھی، اور ولولہ بھی۔ انھیں نے اس سوال کا معقول جواب اس مختصر رسالہ کے اندر خاصی تفصیل سے دیا ہے۔ اور انگریزی دانوں کے لیے ایک راہ عمل کھول دی ہے۔ رسالہ کا مطالعہ انگریزی خواں نوجوانوں کو ضرور کرنا چاہیے۔ غیر مسلموں میں بھی اسکی اشاعت مفید ہوگی۔ غالباً محض محصول کے ٹکٹ بھیج دینے پر دستیاب ہو جائے۔

(۶) عرفانیاتِ فانی۔ مکمل کلام شوکت علی خاں فانیؔ بدایونی۔ ضخامت ۱۴۴ صفحات۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: انجمن ترقی اردو۔ دریا گنج۔ دہلی۔

حضرت فانی بدایونی ان خوش قسمت شاعروں میں ہیں، جو اپنی زندگی ہی میں اپنی شہرت کی تابناکیاں دیکھ چکے۔ اور شہرت بھی بالکل بجا۔ کلام کا مجموعہ باقیاتِ فانی کے نام سے پہلے بھی چھپ چکا ہے۔ یہ اڈیشن اسکے بعد کا ہے، اور اُنکے تازہ کلام کا بھی جامع۔ بڑا حصہ غزلیات کا ہے، جو ردیف وار صـ۱۱۲ تک آیا ہے۔ چار صفحوں میں "متفرق اشعار" ہیں۔ پھر صـ۱۱۶ سے صـ۱۲۵ تک کہنا چاہیے کہ قطعات کے لیے وقف ہیں۔ صـ۱۲۶ سے صـ۱۳۵ تک رباعیات درج ہیں۔ ایک صفحہ 'عرض حال' کا، پھر صـ۱۳۹ سے صـ۱۴۴ تک ضمیمہ کے نام سے کلام فارسی اور تقریظ مہاراجہ شاد۔ فانیؔ کا اصل جوہر سوز و گداز ہے، اور اسکے لیے میدان خاص غزل کا ہے جستہ جستہ، کہیں کہیں سے ایک نظر کرتے چلیے۔

ردیف 'ی' میں غزل ہے، قضا سے پہلے، مدت سے پہلے، اسی زمین میں یہ گل بوٹے ملاحظہ ہوں ؎

کاش ہی دیکھنے قیامت کا دن ایک اور بھی
دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے

تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول آئے
وہ جو معصوم شرارت تھی حیا سے پہلے

اور شعر تو یہ کہا ہے ؎

ہائے اُن کا مری میت پہ یہ عذر تاخیر
سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے!

زبان و لطف بیان کے لحاظ سے یہ غزل بھی کچھ کم نہیں ؎

جلوۂ حشر دور سہی، خاکِ دلِ حزیں سہی
مشقِ خرام ناز کر، واں نہ سہی، یہیں سہی

ہے ترے تیر ناز کے رُخ پہ نشانہ منحصر
دل ہو جگر ہو کوئی ہو، تیر لگا کہیں سہی

سُن تو لیا ہے حال دل دیکھ کے کیا کہیں
پھر مرے منہ کی بات ہے کیسی ہی لفظیں سہی

فانیؔ زار پہ کرم تیری رضا کے ہے سپرد
ایک نگاہ، اور اگر یہ بھی نہیں، نہیں سہی

"حال رہ نہ جائے، خیال رہ نہ جائے" کی زمین میں کیسے کیسے معنی پیدا کیے ہیں ؎

ہوش رہے نہ دوش کا، فکرِ مآل رہ نہ جائے
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

تاب نظارۂ جمال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا، شانِ جلال رہ نہ جائے

نزع میں داد آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے
عہدِ کرم نباہ دے، پرسشِ حال رہ نہ جائے

دوچار شعر اور سن لیجئے، مگر سن کر دل کا پورا اشتیاق اصل کتاب کے مطالعہ سے پورا کیجیے۔

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہوا

مجھ کو مرے نصیب نے روز ازل میں کیا دیا
دولتِ دو جہاں نہ دی اک دل مبتلا دیا

دل ہی نگاہ ناز کا ایک ادا شناس تھا
جلوۂ برق طور نے طور کو کیوں جلا دیا

روز جزا گلہ تو کیا، شکر ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں اے غم عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا، جلا دیا

ہر بے گنہ سے دعوئے بخشش ہے روز حشر
گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی

فانیؔ کے دل سے آیہ لاتقنطوا کے بعد
زاہد وہ دلفریبی حسن عمل گئی۔

(۷) ہندوستان میں قانون شریعت ۔ از جناب سید عقیل محمد صاحب، بی، ایس، سی، ال، ال، بی، ۸۴ صفحے۔ قیمت ۳ر پتہ، منیجر صاحب ندوۃ المصنفین، قرول باغ، دہلی۔

شکر ہے کہ اب مسلمانوں کو اس کا احساس ہو چلا ہے، کہ ہم حکومت کی اس مذہبی "آزادی" کے دور میں بھی اپنی شریعت سے کتنے دُور پڑے ہوئے ہیں، اور یہ کوشش کسی درجہ میں شروع ہو گئی ہے کہ ہم اگر اپنی سلطنت "اسلامی" نہیں بنا سکتے، تو کم از کم اپنے مقدمات و معاملات تو بہر حال اسلامی قانون کے مطابق طے کرایا جائے، اور بڑی بات یہ ہے کہ اب یہ احساس انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر بھی پیدا ہو گیا ہے اور پیش نظر رسالہ اسی کوشش کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اصل رسالہ ماہنامہ برہان (دہلی) کے تین نمبروں میں نکل چکا ہے، اب بعد نظر ثانی کتابی صورت میں شایع ہوا ہے۔ دار القضا کا اسلامی تخیل، اُسکے مقاصد کی تشریح، دار القضا کا تعلیمی نصاب، وغیرہا ان سب مباحث پر اس میں خاصی تفصیل سے نظر کی گئی ہے، اور موجودہ عدالتی "شرع محمدی" کی بے حقیقتی کھول کر دکھائی گئی ہے۔ رسالہ ہر ایسے شخص کے مطالعہ کے قابل ہے، جو تنظیم ملی کا بھی خواہشمند ہے۔ اور ادارہ ندوۃ المصنفین کی فرد عمل کا ایک مفید عنوان ہے۔

(۸) ہند جدید کا صوفی ۔ از جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم، اے۔ ضخامت ۱۰۳ صفحے۔ تقطیع خرد۔ قیمت ۶ر غالباً مصنف سے ۸ کنوٹمنٹ روڈ، لکھنؤ کے پتہ سے ملے۔

لکھنؤ میں کچھ روز قبل ایک صاحب علم درویش مولوی عبد الاحد صاحب تھے۔ ستمبر ۱۹۲۶ء میں انتقال فرمایا۔ اُس زمانہ کے بیچ میں عرصہ تک ماتم ہوتا رہا۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، اور انگریزی خوانوں کے حق میں تو ایک ابر رحمت تھے۔ وقت ہی آگیا تھا، ورنہ وفات کے وقت سن بھی کچھ ایسا نہ تھا۔ مولوی سید نواب علی صاحب (سیرۃ المصطفٰی، اور "تاریخ صحف سماوی" والے) اُنکے پرانے رفیق نے حق رفاقت یوں ادا کیا کہ اُنکے حالات و مقالات میں یہ دلچسپ رسالہ مرتب کر دیا۔ بعض مسائل ضمناً ایسے بھی آگئے ہیں، جہاں ممکن ہے کہ طالب علمانہ مذاق کے لوگ رُکیں، اور مصنف سے سند اور حوالہ دریافت کریں۔ مثلاً ص۶۷ و ص۸۹ پر آنحضرت صلعم کا حضرت علیؓ کو "درجۂ ولایت" عطا فرمانا۔ لیکن اس سے قطع نظر، جہاں تک اصل موضوع کا تعلق ہے، مولانا مرحوم کے وسیع حلقۂ متوسلین و معتقدین میں رسالہ یقیناً قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔

رسید کتب

۱۔ مشرقی دجال ۔ از ڈاکٹر کاوش۔ ۴۰ صفحہ۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، اخبار "آفتاب" محمد علی لین۔ لکھنؤ۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ردّ "مشرقی" و خاکساریت۔

۲۔ خزینۂ رباعیات ۔ مرتبہ حکیم سعید الرحمٰن خاں صاحب۔ رئیس بیلی بھیت۔ ۴۷ صفحے۔ قیمت اور پتہ درج نہیں۔ فارسی کے شعراء و صوفیہ کی رباعیات کا انتخاب مع مختصر تعارفی تمہید۔

نوجوان لڑکیوں کی غسل گاہ

زمانہ ماشاء اللہ ترقی کر رہا ہے - عورتیں ہر شعبۂ زندگی میں مردوں سے مساوات کا دم بھر رہی ہیں - لڑکیاں مصر ہیں کہ وہ وہی کرینگی جو لڑکے کرتے ہیں۔ چنانچہ پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام یونیورسٹی گراؤنڈ کے اس کونے میں جہاں رصدگاہ (آبزرویٹری) بنی ہوئی ہے، کالجوں کی لڑکیوں کے لیے ایک حوض شناوری تعمیر ہو رہا ہے۔ سنا ہے کہ اس حوض کی تعمیر کے لیے لاہور کی روشن خیال خواتین اور دیویوں نے سولہ ہزار روپیہ جمع کر کے یونیورسٹی کی نذر کیا اور یونیورسٹی نے اپنی طالبات کی اس "شدید ضرورت" کو پورا کر دیا۔

ہم قدامت پسند لوگ اول تو نوجوان لڑکیوں کے لیے حوض شناوری ہی کی ضرورت کے سمجھنے سے قاصر ہیں، اور اگر ایک لمحے کے لیے مان بھی لیں کہ یہ بھی تعلیم عہد حاضر کی ضروریات سے ہے، تو کم از کم ایک ایسے مقام پر لڑکیوں کی غسل گاہ کی تعمیر کو سخت قابل اعتراض سمجھتے ہیں جہاں تین طرف عام شاہراہیں ہوں، جس کے ایک طرف ریلوے [illegible] کا حلقہ ہے - دوسری طرف شاندار حرم کالج ہے - اور یونیورسٹی گراؤنڈ کے متعلق تو یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس میں طلبہ ہر وقت کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں - اور سیکڑوں کے موقعوں پر ہزارہا تماشائیوں کا اجتماع بھی ہوتا ہے - ایسے ماحول میں ایک مکان بنانا جس میں روشنی کے لیے شیشے کی کھڑکیاں بھی ہوں گی اور جس میں تمام کالجوں کی نوجوان اور شوخ و شنگ دوشیزہ لڑکیوں کی آمد و رفت رہے گی - اور جس کے اندر وہ برہنہ ہو کر تیرینگی اور نہائیں گی، کم از کم ہماری حس غیرت تو گوارا نہیں کرتی -

معلوم نہیں، یونیورسٹی کے سرد و گرم چشیدہ ارباب اختیار نے اس عمارت کی منظوری کیونکر دیدی ....

لاہور کے تمام اخباروں کو بلا امتیاز مذہب و ملت اس غسل گاہ کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے - اور یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد بلکہ وزیر صاحب تعلیمات کو اس کی تعمیر رکوا دینی چاہیے - یا اگر تعمیر رک نہ سکے تو یہ حوض شناوری لڑکوں کو دے دیا جائے - اور لڑکیوں کے لیے کسی محفوظ مقام پر بنایا جائے -

(انقلاب)

بقیہ صفحہ ۴

کہ جہاں تم ملازم ہو وہاں تمہاری شکایت پہونچا دونگی، اور اپنے بھائی سے کہلا کر تمہیں پٹوا دونگی۔ کئی بار چھری نکال خودکشی کی دھمکی دے چکی ہے - اس کی ان حرکتوں سے میں عاجز آ گیا، اور میرا دل و دماغ سب خراب ہو گیا۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں یہ شادی کا لائسنس کا فارم لے آئی، اور مجھ سے مطالبہ کیا کہ اب جلد ہی گرفتار کر کے اندراج کرا لو، چنانچہ مجبوراً میں نے اور اس نے نکاح پڑھا لیا۔ بہ حیثیت میاں بیوی کے ہم لوگ کبھی اکٹھے نہ ہوئے اور جنگ سے قبل ہی عورت مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور دہلی ہے .... عدالت نے فیصلہ کیا کہ عقد نکاح منسوخ سمجھا جائے۔"

عورت کی، جدید عورت کی "آزادی" "خودمختاری" اور "مساوات" میں اب بھی کوئی شک باقی ہے؟ وہ سب کچھ کر سکتی ہے، اور سب کچھ کر رہی ہے جس کے لیے مرد اب تک بدنام تھا -

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق"، مرشد آباد پیلس، گولہ گنج - لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۲ٍ
بیرون ہند سے ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق لکھنؤ

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۹۰)

نمبر ۲۵ | دوشنبہ - ۱۶ - صفرالمظفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۵ - مارچ ۱۹۴۰ء | جلد ۵

سچی باتیں

مارچ کا یہی مہینہ جو گزر رہا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ اسکی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ رومیوں کی، مشرک اور بُت پرست رومیوں کی، جنتری میں سال کا پہلا مہینہ یہی تھا۔ اور یہ یادگار ہے انھیں مشرکوں کے بڑے دیوتا، ستارۂ مارس (مریخ) کی یادگار ہے! اور اکیلے مارچ ہی پر کیا موقوف ہے، جنوری بھی تو ایک اور رومی دیوتا جانس (Janus) کے نام پر ہے، جو آگے پیچھے دو چہرے والا تھا، اور دروازوں اور پھاٹکوں کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ یہی حال مئی کا ہے، کہ وہ دیوی مے یس (Maius) ستارۂ عطارد کی ماں کے نام پر ہے۔ اور جون کہ وہ بھی دیوی جونو (Juno) رومی رب الارباب یا دیوتاؤں کے دیوتا، مشتری کی بیوی کے نام پر ہے! اور اسی طرح جولائی، فروری، وغیرہ، کہ سب کے ناموں کی تہ میں، کوئی نہ کوئی مشرکانہ عقیدہ ہی کار فرما ہے! ——— اور انھیں ناموں کا وظیفہ، ہم آپ سب، ہمارے بڑے بڑے عابد و زاہد اور متقی و دیندار بھی، بے تکلف برابر دن رات پڑھتے رہتے ہیں یا نہیں؟

خدا کی اس شرک زائی کو انگریزی اور سرکاری مہینوں تک کیوں محدود رکھیے۔ انگریزی میں ہفتہ کے دنوں میں جو نام ہیں، وہ سات کے ساتوں، اس سے بھی کھلے ہوئے شرک کی خلاقی تجلیات کی تماشا گاہ ہیں! سنڈے (Sun-day) یا "اِتوار" اور منڈے یا "سوم وار" (Monday) کا سورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی جانب منسوب ہونا بالکل صریح اور واضح ہے۔ ٹیوز ڈے یا "منگل وار" (دراصل Tiw's-day) رومی دیوتا منگل (مریخ) اور انگریزی خونی دیوتا Tiw کے مقدس کا ترجمان ہے۔ وڈنز ڈے (دراصل Woden's-day) یا "بدھ وار" رومی دیوتا عطارد اور یورپی دیوتا Woden کی جانب منسوب ہے۔ تھرس ڈے یا "برہسپت وار" (دراصل Thor's day) رومی دیوتا مشتری اور ولایتی دیوتا Thor (خدائے رعد) کی جانب منسوب ہے۔ فرائی ڈے یا "شکروار" (دراصل Freya's-day) منسوب ہے رومی دیوی زہرہ یا فرنگی دیوی Freya کی جانب، اور سٹرڈے یا "سنیچروار" (دراصل Saturn's day) کا انتساب رومی دیوتا زحل یا Saturn کے جانب تو بالکل کھلا ہوا ہے۔

جس تمدن کا تانا بانا ہی شرک والحاد ہو، وہ ہے اس قابل کہ آپ اُس سے اور اپنے ایمان سے، اپنے کامل و مکمل دین سے، اپنے فرکسود نظام شریعت سے صلح کرسکیں؟ جس جال میں پھنس کر آپ کے بڑے سے بڑے صاحبِ احتیاط و تقوے کو بھی، خدا معلوم کتنی بار قدم قدم پر، غیر ارادی و غیر شعوری طور پر سہی، اللہ کے دشمنوں کی تعظیم و تقدیس پر، تمجید و تحمید پر مجبور ہو جانا پڑے، وہ ہے اس لائق، کہ آپ اسکو خوشی سے لپکیں، جان بوجھ کر پڑھیں، شوق و اشتیاق کے ساتھ جھکیں؟ جس ماحول میں ہم آپ سب ہیں، ذہنی، مادی، ہر حیثیت سے جو عفونت اور جو جبن ہم پر مسلط اور طاری ہو چکا ہے، اسکے لحاظ سے اس ملحدانہ و مشرکانہ نظام سے مقابلہ کرنا، اگرچہ اس سے بچنا بھی یقیناً دشوار بہت دشوار، دشوار ہی نہیں محال کہیے، لیکن خدارا اس پر تو اصرار نہ کیجیے، کہ ہم زہر کو سمجھنے بھی قند لگیں، اور موت و ہلاکت کی نسبت عقیدہ بھی یہی اختیار کرلیں، کہ وہ عین زندگی و صحت ہے!

جنگ اور ترقی نسواں

"سارے یورپ میں عورتیں خطراتِ جنگ میں بالکل اسی طرح اور اسی کامیابی کے ساتھ حصہ لے رہی ہیں، جیسے مرد لے رہے ہیں"

مبتدا یہ ہوا۔ پھر ناروے، سوئزرلینڈ، ہنگری، ڈنمارک، وغیرہ کی خواتین کی "مردانہ" جد و جہد کے تذکرہ کے بعد، خبر یہ نکلتی ہے:—

"برطانیہ اور فرانس میں عورتیں تقریباً ہر خطرۂ جنگ میں پہلے ہی کود پڑی ہیں، اور کسی نے یہ پوچھا تک نہیں، کہ ان میں اسکی صلاحیت کہاں تک ہے۔ فرض یہ کہ موجودہ جنگ یورپ کا نتیجہ اور جو کچھ بھی نکلے، اتنا تو بہرحال یقینی ہے کہ عورت کے مرتبہ کو یورپ میں بہت کچھ ترقی ہوکر رہیگی"

(ہندو، مدراس، ۱۰ مارچ ۴۳ء)

"صاحب" کی اصطلاح میں "ترقی" کے جو معنی ہوتے ہیں، اور "عورت کی ترقی" کے جو معنی ہیں، وہ خوب معلوم ہیں۔ لیکن بہتر ہوگا کہ متن کی شرح اور اجمال کی تفصیل بھی خود "صاحب" ہی کی زبان سے سُن لی جائے:۔

"مسٹر جیمس یاور، جو وکٹوریہ اور البرٹ میوزیم کے عہدہ دار ہیں، اور فیشن کے مسائل میں ماہرِ فن کی حیثیت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر تاریخ نے اپنے کو دوہرایا [یعنی مستقبل میں وہی ہوا کہ جو ماضی میں ہوتا آیا ہے] تو جنگ ختم ہوتے ہی عورت اپنی گرم اُتار پھینکیگی، سر کے بال کٹا دیگی، اور آج سے بھی بڑھ کر آزاد ہو جائیگی"

(اسٹیٹسمین، ۷- جنوری ۴۳ء)

گویا "ترقی" کے معنی ہوئے جسم کی عریانی اور برہنگی میں ترقی، اور "آزادی" کا مفہوم ٹھہرا شرم و حیا اور قانونِ اخلاق سے آزادی! مبارک ہو اِس ترقی اور اِس آزادی کے آرزومندوں کو کہ آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کی گھڑی بہت قریب آن لگی!

نیا "عذرِ گناہ"

"کمسنوں میں جرائم کی رفتار روز افزوں ہے، اور اس سے مجسٹریٹوں کو بڑی تشویش لاحق ہو رہی ہے، خصوصاً اُنکو جو بڑی آبادیوں میں ہیں۔ شرحِ جرم تو پہلے ہی سے بڑھ رہی تھی، حالاتِ جنگ نے اس میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ ماہرین فن کا بیان ہے، کہ ارتکاب جرائم کے بڑھے ہوئے موقع، اور قانون شکنی کی عام فضا، یہ دونوں اسباب (جو خود نتیجہ ہیں حالاتِ جنگ کا) جرائم کی تعداد بڑھانے والے ہیں"

(نیوز آف دی ورلڈ، لندن، ۱۰ جنوری ۴۳ء)

اِن "کمسن" مجرموں میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل تھیں۔ اب دوسری خبر خاص لڑکیوں ہی سے متعلق ایک خاتون کی زبان سے سنیے:۔

اندھیرے کلب میں وکٹوریہ اسٹیشن پر سرنویل کرس بنٹ سے ٹکرا گئی۔ انھیں معاشرتی تنظیم کے کام کا بڑا وسیع تجربہ ہے۔ اور ابھی بلیک پول سے واپس آ رہے تھے۔ کمسنوں کے لا زموں کی بڑی تعداد جو یہاں منتقل کر دی گئی ہے، اُسی کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے بڑی ہمدردی کے ساتھ مجھ سے اُنھوں نے لڑکیوں کی، خصوصاً سولہ اور اٹھارہ برس کے درمیانی سن والیوں کی، حالتِ زار بیان کی، اور کہا کہ ایسی لڑکیاں جنھیں پہلی بار گھر چھوڑنے کا اتفاق ہوا ہے، اور انھیں کھانے اور مکان کے علاوہ اب کُل چار شلنگ فی ہفتہ کی رقم تفریحات کے لیے مل رہی ہے، وہ اگر نامناسب لوگوں سے پینگ نہ بڑھائیں تو کریں کیا؟

(سنڈے اکسپریس لندن، ۲۱ جنوری ۴۳ء)

یعنی شوقِ تفریحات کا پورا کرنا تو، اس زمانۂ جنگ میں بھی بہرحال ضروری ہے، اور اسکے لیے فی ہفتہ یہ چار شلنگ کی رقم بھی کوئی رقم ہے، سو اب وہ بیچاریاں مزید رقم کے لیے "نامناسب" قسم کے مَردوں سے اگر میل جول نہ بڑھائیں، تو آخر کیا کریں؟ —— گناہ کے لیے یہ "عذرِ گناہ" کتنا اچھوتا اور دلچسپ ہے! ہمارے شاعروں کی ساری صنعتِ حسنِ تعلیل سیہ کاری کی اس توجیہِ لطیف کے آگے گرد ہو کر رہ گئی!

آرٹ کا کمال

لیجیے، ہندوستان کے انگریزی روزناموں کے مشہور ہیرو اور ملک کے نامور "آرٹسٹ" اودے شنکر کا "ناچ گھر" اصلی پیمانہ پر "کلچر سنٹر" کے نام سے کھل کر رہا۔ الموڑہ سے ۳ مارچ کا چلا ہوا تار ہے، کہ آج یہاں حکام و رؤسا کے ایک بڑے مجمع کے سامنے اس "مرکزِ تہذیب" یعنے "ڈانس اسکول" کا افتتاح دھوم دھام سے ہوا۔ پہلی تقریر خود اودے شنکر نے کی، کہ اس مرکز کے ذریعہ سے ناچ گانے اور ناٹک کے قدیم فنون کو ازسرِ نو زندہ کیا جائیگا، اور خصوصاً ہندی تہذیب کے عنصرِ اصلی، ناچ کو موت اور فنا سے بچایا جائیگا۔ اسکے بعد تقریریں فلاں صاحب اور فلاں صاحبہ کی ہوئیں۔ پھر مرکز کے افتتاح پر مبارکباد کے پیام، مشاہیرِ ہند کی طرف سے سنائے گئے۔ اِن مشاہیر میں سے چند کے نام آپ بھی سُن لیں۔

مہاراجہ نیپال
مہاراجہ بیکانیر
مہاراجہ جھالاوار
مہارانا اودے پور
جواہرلال نہرو
ڈاکٹر ٹیگور
مسز نیڈو
پنڈت گووند بلبھ پنت

(لیڈر، الہ آباد، ۱۱ مارچ ۴۳ء)

واجد علی شاہ غریب کی فردِ جرائم میں سب سے زیادہ سنگین جرم یہی تھا، کہ ناچتے تھے، گاتے تھے، رہس اور سوانگ اور ناچ مجرے میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ یہ جرم اتنے روشن خیالوں کی تائید کے بعد اب بھی "جرم" باقی رہا؟ اب بھی آپ اُنکے نام پر شرم سے گردن جھکا لینگے، یا فخر کے ساتھ آنکھ اُٹھا کر، گردن اونچی کرکے انکا شمار بھی مجاہدینِ فن

اور قوم پرستوں میں کب تک ؟ اور پھر آرٹ نوازی کے میدان میں، راجوں مہاراجوں کے جھرمٹ میں، پنڈت جواہرلال نہرو، اور انکی ہمشیر مسز پنڈت!

—— "سرمایہ سوزی" اور "سرمایہ داری" کا یہ اجتماع، "آرٹ" کا معجزہ ہے معجزہ!

اونٹ کی قدر

"نئی دہلی۔ ۲۴۔ مارچ۔ پنجاب کو مستثنیٰ کرکے ملک میں کوئی صوبہ یا ریاست ایسی نہیں جس نے اونٹوں کی باقاعدہ پرورش کا کوئی خاص انتظام کیا ہو۔ حالانکہ اونٹ کا شتکاروں کے لیے ایک معاشی اہمیت رکھتا ہے اور زمانۂ جنگ میں محکمۂ دفاع کے بڑے کام کا ہے۔ امپیریل کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ (تحقیقاتِ زرعی کی شاہی کونسل) میں اونٹوں کی مختلف نسلوں سے متعلق شتر پرور صوبوں اور ریاستوں سے معلومات فراہم کیے ہیں۔ شتر پروری کے خاص مرکز پنجاب، سندھ، بلوچستان اور راجپوتانہ میں، خصوصاً جودھپور اور بیکانیر۔۔ ہندوستان میں اونٹوں کی تخمینی تعداد ۱۱ لاکھ ہے۔ ان کی نسلوں کی ترقی کا مسئلہ کونسل مذکور کے زیر غور ہے"

شاہی مجلس "تحقیقاتِ زرعی" کے محققین کو اب جا کر ہوش آیا۔ اور کاشتکاروں کے حق میں اونٹ کی "معاشی اہمیت" اور محکمۂ دفاع میں اسکی حربی افادیت کا احساس اب جا کر ہوا۔ یہاں ہر مسلمان کو بغیر ان تجربات کے جھمیلوں میں پڑے ہوئے شروع ہی سے معلوم ہے، کہ اونٹ، صناعِ مطلق کی صنعت گری کا ایک خاص نشان ہے۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت کا خطاب عام ہے، صرف عرب کے لیے مخصوص نہیں۔

غلط علاج

"بمبئی۔ ۱۲۔ مارچ۔ دو نوجوان آج اس جرم میں ماخوذ ہو کر عدالت میں پیش ہوئے، کہ بمبئی کی مشہور تفریح گاہ چوپاٹی میں چار سیالی لڑکیاں جب پیدل کے راستہ پر چل رہی تھیں، تو یہ دونوں اُن سے بھڑ کر اور اُنکے جسم کو مَس کرتے ہوئے نکلے۔ ایک پولیس افسر نے نمائش بھی کی، جو بے اثر رہی، اور نتیجہ یہ نکلا کہ آخر دونوں گرفتار ہوئے مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا، کہ بمبئی جیسے گنجان آبادی کے ترقی یافتہ شہر میں یہ دیکھ بھال ہر شہری کا فرض ہے کہ سڑک پر کوئی مرد، عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے پائے۔ اور مجسٹریٹ نے دونوں ملزموں پر دس دس روپیہ جرمانہ کیے"

فیصلہ ایک نمونہ ہے قانونِ وقت کی بےبسی کا، اور تمامتر ناقص اور ناکافی ہونے کا۔ جرم حاکم کے نزدیک ثابت ہے، پھر بھی قانون اجازت اتنی ہلکی اور برائے نام سزا کی دیتا ہے! —— جن کے دلوں میں روگ ہو اور جو قصداً ایسی شرارتیں اور چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں، انکے لیے دس روپیہ میں ایسا سودا بُرا کیا ہے؟ ایسی سزا دینا، جو بجائے روکنے اور ڈرانے دھمکانے کے، جرم پر اور دلیر کردے، سزا کے فلسفہ کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔

بیل کی "غیب دانی" کا تماشا

صدق ۲۲۳ میں مولانا گیلانی ظلہ کے ایک مکتوب میں بیل کی "غیب دانی" کے ایک تماشہ کا ذکر پڑھ کر صاحب "ایمان" جناب قریشی صاحب، پٹی (ضلع لاہور) سے لکھتے ہیں:—

"۱۱۔ مارچ کے صدق میں بیل کے تماشہ کا ذکر پڑھا، یہ تماشہ اس طرف عام ہے، میں پٹی میں اسکو دیکھ چکا ہوں بیل کی آنکھ پر پٹی بندھی ہوتی ہے۔ بیل کی نتھ یا نکیل بیل والا اپنے ہاتھ میں لیکر درمیان میں کھڑا ہو جاتا ہے، چاروں طرف مجمع ہوتا ہے اور بیل ایک دائرہ میں گھومتا ہوا بیل والے کے اشارہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بیل کا کھڑا ہونا صرف نتھ اور نکیل کے طرز کشش کھینچنے اور بیل والے کی آواز و اشارہ پر موقوف ہوتا ہے۔ بیل والا نکیل کھینچتا ہے پھر اسے ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے لکڑی کی آواز دیتا ہے مختصر یہ کہ بیل کسی آدمی کو بذریعۂ الہام پہچان کر نہیں کھڑا ہوتا، بلکہ تمامتر بیل والے کے اشارہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ بیل کو ایسا سدھا دیا جاتا ہے کہ وہ صرف نتھ کے ڈھیلا کرنے یا کھینچ دینے پر چلتا اور کھڑا ہو جاتا ہے۔ پڑیا ندھا محض ادا سے فریب ہے۔ محترم مضمون نگار اپنی منطقی پرواز میں کہاں سے کہاں جا پہونچے جس طرح قلندر لوگ بندر نچاتے پھرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ بیلوں، بکروں وغیرہ کا تماشا دکھاتے ہیں"

مولانا کے مکتوب سے مکتوب الیہ کا ذہن خود بھی اسی توجیہ کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

درویش عالم کا درس

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے تازہ معارف میں اپنی تازہ سیاحتِ دکن کے کچھ تاثرات قلمبند کیے ہیں، اسکے ذیل میں لکھتے ہیں:—

"درویش عالم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کالج کے درس کے بعد مسجد میں چند خوش نصیبوں کو قرآن پاک کا درس اور سکندرآباد کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہیں۔ موصوف کی آواز اور بیان میں تاثیر کا دریا موجیں مارتا ہے۔ وہ تقریر نہیں کرتے، اپنے دل کے ٹکڑے بکھیرتے ہیں، اور یہ آواز دیتے ہیں کہ ع

"من قماش فروش دلِ صد پارہ خویشم"

کم ازکم وہ ناظرین صدق تو جو ان صفحات میں مولانا کے مضامین پڑھتے رہتے ہیں اس باب میں متفق ہونگے، کہ "درویش عالم" کی ان خصوصیات کے منضبط کرنے میں ناقد عالم نے مبالغہ سے ذرا بھی کام نہیں لیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸)

زندگی ہوا اسکی برائیوں سے بچ ہے ہو سکتا ہے کہ موت سے چند گھنٹے بیشتر وہ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو جائے۔ جسکے بعد اسکی روح کو ابدی نجات میسر ہو جانا یقینی ہے۔

جو طاقت کائنات کی تمام چیزوں پر اختیار رکھتی ہے اور جس کی وجہ سے اس عالم موجودات اور اس دنیا سے ہست و بود کی زندگی قائم ہے وہ صرف ایک ہے، ناقابلِ تشکیل ہے، ناقابل تقسیم ہے۔ اُس کا کوئی مددگار نہیں نہ کوئی اولاد ہے، اور نہ بیوی۔ (مدینہ)

سورۂ آل عمران رکوع ۱۳

(سلسلۂ صدق، نمبر ۲۳)

از عبد الماجد

۱۔	واذ غدوت من اھلک تبوئ المومنین مقاعد للقتال، واللہ سمیع علیم۔	اور وہ وقت یاد کیجیے[۱] جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے[۲] مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے (مناسب) ٹھکانوں پر جماتے ہوئے[۳]۔ اور اللہ بڑا سننے والا ہے[۵] اور بڑا جاننے والا ہے[۶]۔
۲۔	اذ ھمت طائفتٰن منکم ان تفشلا واللہ ولیھما، وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔	اور جب تم میں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں[۷] کہ ہمت ہار دیں[۸]، حالانکہ اللہ ان دونوں کا مددگار تھا[۹]۔ اور اللہ ہی پر تو مسلمانوں کو اعتماد رکھنا چاہیے[۱۰]۔
۳۔	ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ، فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔	اور یقیناً اللہ نے تمہاری بدر میں نصرت کی[۱۱] حالانکہ تم بے سروسامان تھے[۱۲]، سو اللہ سے ڈرتے رہا کرو[۱۳]، عجب کیا کہ شکرگزار بن جاؤ[۱۴]۔
۴۔	اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلٰثۃ اٰلٰف من الملٰئکۃ منزلین۔	اور وہ وقت یاد کیجیے جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے[۱۵]، کہ کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار مدد کو بھیجے تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ (جو) اتارے ہوئے (ہونگے)[۱۶]؟
۵۔	بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمددکم ربکم بخمسۃ اٰلٰف من الملٰئکۃ مسومین۔	ضرور (کافی ہوگا) اگر مستقل رہوگے اور متقی بنے رہوگے[۱۷]۔ اور (اگر) وہ تم پر دفعۃً[۱۸] آپڑینگے، تو تمہارا پروردگار مدد کریگا تمہاری[۱۹] پانچ ہزار فرشتوں سے (جو) ایک خاص نشان کے ساتھ[۲۰] (ہونگے)۔

۱؎ (اے ہمارے پیغمبر!)

۲؎ (اور چل کر جانے کو احد کی طرف) ذکر جنگ احد کا ہو رہا ہے۔

۳؎ (میدان احد میں)۔ بدر کے شکست کھائے ہوئے مشرکین انتقام کے لیے تڑپ رہے تھے۔ ہجرت نبوی کا تیسرا سال قریب ختم تھا، اور واقعۂ بدر پر ایک سال گزرا تھا، کہ مشرکین کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ اپنی تیاریاں بڑے انتظام واہتمام کے ساتھ اور بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ میور کے الفاظ میں، اہل قریش

"بڑے کروفر سے روانہ ہوئے، ۳ ہزار کی جمعیت کے ساتھ جن میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، اور ۲۰۰ سوار، اور باقی شتر سوار تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے ... عورتیں بھی شریک جنگ ہوئیں۔ اپنے ہاتھوں میں طنبورے لے انھوں نے پرجوش نظموں کو گانا اور مقتولین بدر کے انتقام پر عزیزوں قریبوں کو ابھارنا شروع کیا۔" (لائف آف محمدؐ، ص ۲۵۲-۲۵۳)

اسلامی فوج اسکے مقابل کل ملا کر ایک ہزار تھی! اور سامان کی یہ کیفیت تھی، کہ رسول اللہ صلعم کی سواری کے علاوہ، فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ صبح سویرے عین اس وقت کہ سامنے غنیم نظر آیا، اور مسلمان اپنے مقدس امیر الجیش کے ساتھ نماز میں مشغول تھے

"عبداللہ بن ابی اپنے ۳۰۰ رفیقوں کو لے، لشکر اسلام سے غداری کر، شہر کو واپس چلا گیا۔" (ایضاً، ص ۲۵۵)

نتیجہ یہ ہوا کہ اب لشکر اسلام کی جمعیت کل ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں زرہ پوش صرف ایک سو تھے، اور مقابلہ چوگنی سے زائد فوج سے تھا، اور وہ فوج بھی ہر سامان سے لیس!

۴؎ ترتیب صفوف اور مورچوں کی مناسب جگہ کی اہمیت جدید فن حرب میں بھی بالکل مسلم ہے۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں صفحہ کے صفحے "پوزیشن" کی نذر ہوتے ہیں۔ امت کا رہبر کامل، علاوہ مقدس نبی ہونے کے، سپہ سالار اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ بیسویں صدی کا ایک مسیحی مورخ اس کمال خصوصی کی شہادت ان الفاظ میں دیتا ہے:

"برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت وشجاعت ہی رکھتے تھے، .... محمدؐ نے کہنا چاہیے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے ڈھنگ اور اندھا دھند دلیری کے مقابل محمدؐ نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم وانضباط سے کام لیا۔" (اسینڈرکی، "محمدؐ" ص ۲۱۳)

۵؎ (چنانچہ اس وقت بھی موافقین اور مخالفین نے جو کچھ کہا، وہ سب اس نے سنا)

۶؎ (چنانچہ اس وقت بھی موافقین ومخالفین کے دل میں جو کچھ پیش آیا، وہ سب اس کے علم میں آیا۔)

۷؎ (لیکن اس پر عمل نہیں کرنے پائیں)، ہم کے معنی لغت میں قصد پختہ اور عزم بالجزم کے بھی ہیں، اور محض خفیف خیال رشائبۂ قصد کے بھی۔ یہاں یہی آخر الذکر مراد ہے۔

۸؎ (اور لڑائی سے الگ ہو بیٹھیں)۔ مراد اس سے قبیلۂ اوس کے بنو حارثہ اور قبیلۂ خزرج کے بنو سلمہ ہیں۔ ان دونوں دستوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ، ایک آن کی آن، کمزوری اور بدہمتی محسوس کی، لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔

۹؎ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) باسورتھ اسمتھ، صحابہ کرامؓ کے غازیانہ جوش واخلاص کی شہادت ان الفاظ میں دیتا ہے:

"ابتدائی غزوات اسلام" جو "عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں" "مظاہرۂ ایثار واخلاص وشجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔" (محمد اینڈ محمڈنزم، ص ۲۰۶)

۱۰؎ (اور آئندہ یاس وبدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دینا چاہیے۔)

۱۱؎ (اے مسلمانو!) مومنین کو ثابت قدم ومستقل رکھنے کے لیے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے کہ دیکھو، فلاں نازک موقع پر تم نے اعتماد وعلی اللہ سے کام لیا، تو فضل الٰہی نے کیسے حیرت انگیز طریقہ پر تمہیں کامیاب کر دکھایا۔

۱۲؎ غزوۂ بدر سنہ ۲ ہجری کا واقعہ ہے، غزوۂ احد سے ایک سال قبل کا۔

۶- وما جعله الله الا بشرٰى لكم ولتطمئن قلوبكم به، وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم-

اور اللہ نے یہ محض اس لیے کیا کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دل کو اس سے اطمینان ہو جائے۔ اور نصرت تو بس اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، زبردست اور حکمت والے۔

۷- ليقطع طرفاً من الذين كفروا او يكبتهم فينقلبوا خائبين-

اس غرض سے کہ کفر کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے۔ یا انکو ذلیل و خوار کر دے جس سے وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔

۸- ليس لك من الامر شيء او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظٰلمون-

آپ کو (اس) امر میں کوئی دخل نہیں، اللہ یا تو انکی توبہ قبول کرلے اور یا انھیں عذاب دے، اس لیے کہ وہ ہیں ظالم (ہی)

۹- ولله ما في السمٰوٰت وما في الارض، يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء، والله غفور رحيم-

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ (وہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں) اور اللہ ہے بخشنے والا، رحمت کرنے والا۔

بدر، مضافات مدینہ میں نام تھا ایک پڑاؤ اور منڈی کا۔ اور یہ اہمیت اس لیے تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی۔ فرنگی مورخین کی عقلیں اس جنگ کے دوررس نتائج پر آج تک عش عش کر رہی ہیں۔

"یہیں سب سے پہلے اس امر کا ثبوت ملا، کہ مسلمانوں کے اندر عقیدۂ آخرت کی سوچ نے موت سے بے خوفی اور تکلیف سے بے پروائی کی زندگی پیدا کر دی تھی۔۔۔۔ فتوح اسلامی کے سلسلہ میں، جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔" (ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸۔ صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱)

"غزوۂ بدر، بجائے خود بہ طور ایک معرکۂ جنگ کے کیسا ہی معمولی ہو، یہ سنگِ بنیاد ثابت ہوا محمدؐ کے دنیوی اقتدار کا۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی۔۔۔۔ اب تک وہ محض مذہب تھا بلا حکومت، مدینہ میں بدر کے بعد اسکی حیثیت سرکاری مذہب سے بھی بڑھ کر خود ایک حکومت کی پیدا ہو گئی۔ اسکے بعد اسلام کی وہ حیثیت قائم ہو گئی جسے دنیا آج تک تسلیم کرتی چلی آ رہی ہے۔ یعنی ایک جنگی نظام معاشرہ کی۔" (حِتّی، ہسٹری آف دی عربس، صفحہ ۱۱۷)

۱۳؎ یعنی تعداد میں بھی قلیل اور اسلحہ وغیرہ سامانِ جنگ کے لحاظ سے بھی حقیر۔ گبن کے الفاظ ہیں،

"کل ستر اونٹ تھے، جن پر لوگ باری باری سوار ہوتے، اور کل دو گھوڑے تھے۔" (ہسٹری آف دی رومن امپائر" جلد ۵ صفحہ ۳۶۱)

۱۴؎ (جیسا کہ اسی واقعہ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ کہ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ قائم رکھا، تو ادھر سے فضل باری اور نصرت الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی)

۱۵؎ یعنی تقویٰ الٰہی کی عادت تمہیں شکرگزار بندے بھی بنا دیگی۔

۱۶؎ (جب یہ خبر اڑی کہ غنیم کو زبردست کمک پہونچ گئی، اور آپ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔)

۱۷؎ یعنی تمہاری تسکین و تسلی کے لیے۔

۱۸؎ (آسمان سے خاص اسی غرض کے لیے)

۱۹؎ (لڑائی کے وقت، اور اطاعتِ رسولؐ سے منہ نہ موڑو گے)

۲۰؎ یعنی تمہارے مخالفین۔

۲۱؎ (فرشتوں کے اس اچانک آ پہنچنے کی حالت میں بھی) جب بشری امداد مادۃً منقطع ہو رہی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دشمن کی آمد کے وقت جو خطبا ارشاد فرمایا تھا، اُس میں یہ صراحت کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ "اگر ثابت قدم رہوگے، تو اللہ تمھیں مظفر و منصور کریگا، اپنے رب پر اعتماد رکھو ثابت قدم رہو، اور فتح تمھیں کو نصیب ہوگی"۔ گویا سارا زور صبر اور اطاعت پر تھا۔

۲۲؎ یعنی کسی علامتِ امتیازی کے ساتھ۔

۲۳؎ یعنی وعدۂ امدادِ ملائکہ۔

۲۴؎ بطور مقدمۂ فتح و نصرت کے۔

۲۵؎ (حقیقی و واقعی)

۲۶؎ (نہ یہ کہ فرشتوں یا کسی اور مخلوق کے ہاتھ میں ہے) حقیقۃً متصرف صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، فرشتوں وغیرہ کا ذریعہ اور سبب صرف ظاہری ہے۔ ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کی جانب بھی آیت میں اشارہ آگیا، کہ اسلام کی کامیابی حقیقۃً تمام تر تائید غیبی کا نتیجہ ہے۔ اُنیسویں صدی کا ایک انگریز مورخ لکھتا ہے:-

"یہ مان بھی لیا جائے کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد فطرتِ بشری کی شناسی پر بڑی حکمت و دانائی زیرکی و فرزانگی کے ساتھ رکھی، جب بھی تو بہرحال سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی انسان لاکھ پیش بینی سے کام لے، اور ہزار بخت و اتفاق اسکی تائید میں ہوں، اپنے پیرووں کی حیران کُن کامیابی کی راہ یوں صاف کر جائے۔" (اگریس انڈرو دی رومنس" صفحہ ۳۵۲)

۲۷؎ اس پر قادر کہ جب اور جیسے چاہیں بلا اسباب ظاہر بلکہ اسکے خلاف نتیجہ لا دکھائے

۲۸؎ عام عقول بشری کی رعایت سے اسباب ظاہری کے جمع کر دینے والے۔

۲۹؎ (اُس نے تمہاری یہ نصرت کی)

۳۰؎ (تمہارے ہاتھوں) اشارہ ہے واقعہ بدر کی جانب، کہ اس روز ستر روساء قریش قتل ہوئے، اور ستر ہی قید۔

۳۱؎ (دنیا کی نظر میں)

۳۲؎ یعنی کفار مکہ کے اب یہیں۔ یہاں سے قصۂ اُحد پھر شروع ہو جاتا ہے جسکا بیان رکوع کی آیت اول میں تھا۔

۳۳؎ (اور انھیں اسلام نصیب کرے)

۳۴؎ (اسی دنیا میں)

۳۵؎ (اور پوری عذاب کے مستحق)

۳۶؎ حواشی سورۂ بقر میں گزر چکے۔

[illegible]

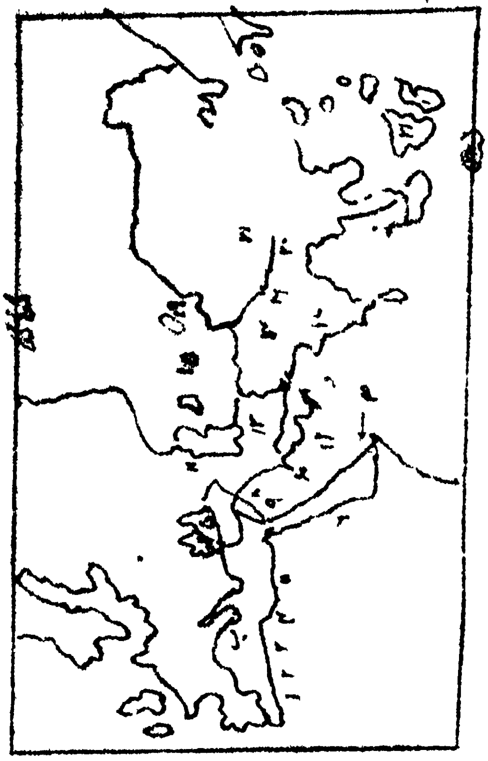
عہد نبوی کی سیاست کاری کے اصول

(جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ)

ایک شخص جس کو وطن میں جان کے لالے پڑے ہوں، صرف ایک رفیق کے ساتھ غاروں میں چھپتا، نا مانوس اور دشوار گزار راستوں پر چلتا، سینکڑوں میل دور جا پناہ گزیں ہوا ہو، وہ دس ہی سال بعد جب انتقال کرتا ہے تو دس لاکھ مربع میل[1] کے علاقہ پر حکمراں ہو چکا تھا۔

پھر اس علاقہ میں جہاں اس سے پہلے کبھی سیاسی مرکزیت آئی ہی نہ ہو، اور ملک قبائلی سطح تمدن سے بلند نہ ہو سکا ہو ۔۔۔۔۔۔ اس مزاج میں ایک راج قائم کرے اور بغیر نونے کے ایک باقاعدہ مملکت کی ضرورت کی ہر چیز رائج کرے اور ایک ایسی حکومت قائم کرے جس کا آغاز ایک شہر کے چند محلوں سے ہو اور جو ستائیس ہی سال میں دنیا کی دو عظیم ترین شہنشاہیوں[2] سے بیک وقت و احد میں لڑ کر بیسیوں دیگر سلطنتوں کو شکست دے کر ایشیا، افریقہ، اور یورپ[3] کے تین براعظموں پر پھیل جائے،

اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمت ماضیہ کا مطالعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایسی شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول و فعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا قانون اور اپنا اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے اگرچہ انسانوں کا یہ گروہ دنیا کی چوتھائی آبادی ہی پر مشتمل ہے۔ لیکن ایک تو یہ مشارق الارض سے مغارب الارض تک پھیلا ہوا ہے، دوسرے پرانی دنیا کی اکثر اہم شاہراہوں پر سیاستہً نہیں تو سکونتہً قابض ہے[4]، تیسرے زیادہ تر جنگی نسلوں پر مشتمل ہے۔[5] چوتھے عظیم الشان قابل رشک ماضی رکھتا ہے جس کے پچھلے کارنامے نمایاں ہمیشہ امکانات کے خوش آئند امید سے ولولے پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پانچویں کسی نسل و رنگ کی وجہ سے جیسا کہ کوئی نہ کوئی جزء "لیبقاتی اختلاط" کو ختم کرکے نئی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔ چھٹے ابھی اس کا پھیلاؤ رکا نہیں اور انتہائی ناسازگار مقاموں میں زبردست اور منظم حریفوں[6] کو شکست دے رہا ہے۔ اور ساتویں اس کے پرانے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے قاعدے سمدن ممالک میں بھی ضروریات حاضرہ کے مطابق خیال کیے جا رہے ہیں[7]، وغیرہ وغیرہ۔



علامات

۱۔ مراکش	۱۲۔ عرب
۲۔ الجزائر	۱۳۔ ایران
۳۔ تونس	۱۴۔ افغانستان
۴۔ طرابلس	۱۵۔ بلوچستان
۵۔ مصر	۱۶۔ کشمیر و پنجاب
۶۔ سوڈان	۱۷۔ سندھ
۷۔ ترکی	۱۸۔ بخارا
۸۔ شام	۱۹۔ ترکستان
۹۔ فلسطین	۲۰۔ بنگال آسام
۱۰۔ عراق	۲۱۔ چین
۱۱۔ قفقاز	۲۲۔ ملایا و جاوا

ا۔ جبل الطارق
ب۔ آبنائے طرابلس
ج۔ باسفورس
د۔ سوئز
ھ۔ باب المندب
و۔ آبنائے عمان
ز۔ آبنائے ملاقہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پورا جزیرۃ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین آپ کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمید اللہ کی فرنچ کتاب Documents sur la Diplomatie musulmane

[2] ایرانی اور بیزنطینی حکومتیں اس وقت کی دو عالمگیر سلطنتیں (world powers) تھیں

[3] تاریخ طبری میں ۲۷ھ کے واقعات کے تحت تفصیل سے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اندلس (اسپین) پر حملہ مذکور ہوا ہے۔ گبن نے بھی یورپی ماخذوں سے اس کی توثیق کی ہے ملاحظہ ہو (Decline & fall) مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ج ۵ ص ۵۵۵ یہ فوجیں مزید کمک نہ ملنے کے باوجود وہیں مقیم رہیں تا آنکہ ۹۲ھ میں طارق و موسیٰ بن نصیر نے آکر فتح کی تکمیل کی ایشیا اور افریقہ میں ترکستان سے تونس اور آرمینیا سے بلوچستان بلکہ سندھ تک عربی قبضہ ہو چلا تھا۔

[4] دیکھیے نقشہ میں مراکش، جزائر، تونس، طرابلس، مصر و سوڈان، ترکی و شام و حجاز، ایران و افغانستان، پنجاب و سندھ، ترکستان، بنگال، چین، ملایا۔

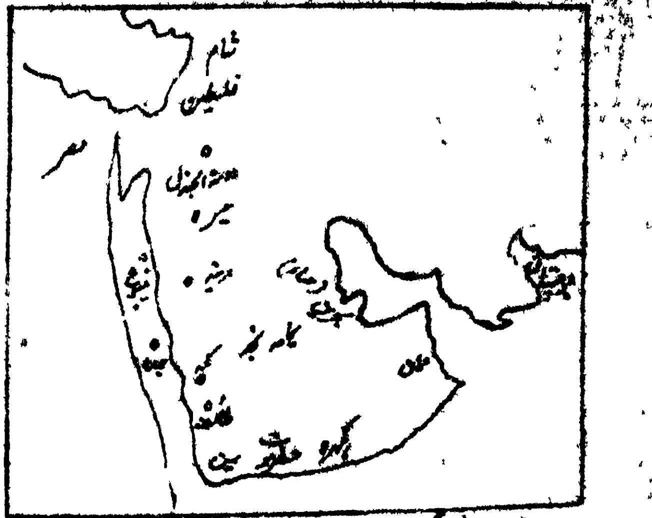
[5] دیکھیے نقشہ میں آبنائے جبل الطارق، آبنائے طرابلس، آبنائے دار دنیل و باسفورس، نہر سوئز، آبنائے باب المندب، آبنائے عمان، آبنائے ملاقہ۔

[6] عرب، ترک، پٹھان، بلوچی وغیرہ مراد ہیں۔ جن کی تعداد بیس کروڑ سے کم نہیں ہے ملایا میں سرکاری اعداد کے موافق ساڑھے چھ کروڑ مسلمان ہیں ان کو خارج کر دیا گیا ہے۔

[7] مثلاً جنوبی افریقہ میں گورے جیسے متعصب کیتھولک علاقہ میں نو مسلم موجود ہیں نو مسلم عیسائی بھی نایاب نہیں ہیں۔

[8] مثلاً ہندوستان میں یہ عجیب نظارہ ہے کہ بعض قومیں قانون کے ذریعہ اپنے مذہب کو بدل رہی ہیں تو مسلمان شریعت ایپلیکیشن ایکٹ وغیرہ کے ذریعہ رواج کے زنگار کو دور کر رہی ہیں۔ پیرس کے پروفیسر ماسینیون نے اپنے ایک حالیہ مضمون ۔۔۔

عہد نبوی کی سیاست خارجہ کے اصول دو حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک ایسے تھے جو عام اور ہمہ گیر تھے اور ہر حال میں اور ہر کسی کے ساتھ ملحوظ رہتے تھے۔ اور بعض انفرادی وحدت کے ساتھ بدلتے ہوتے تھے اور یہ ناگزیر بھی تھا کہ



۱۔ اپنے نظام وطن مکہ
۲۔ عرب کے غیر عربی عناصر خاص کر یہودی قبائل
۳۔ خانہ بدوش عرب قبائل
۴۔ عرب کے حضری زندگی رکھنے والے شہر یا شہری مملکتیں[1] مثلاً طائف
۵۔ عرب میں بیرونی دخل انداز یعنی ایرانی اور رومی صوبے، محفوظات اور نوآبادیاں وغیرہ۔
۶۔ عرب کے ہمسایہ ممالک۔

وغیرہ میں سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلعم کی "سیاست کاری"[2] خصوصی مسائل سے دوچار ہو اور ان کو حل کرنے کے لیے وہ ہر جگہ الگ الگ اور بدلی ہوئی رہے۔ سطور ذیل میں آنحضرت صلعم کی صرف مکی سیاست سے بحث کی جائیگی۔

مکہ کی اہمیت

شہر مکہ کا قدیم جغرافیہ نگاروں کے الفاظ میں "ناف ارض" ہونا چاہیے اسلام کی عالمگیر توسیع میں کتنا ہی ممد و معاون رہا ہو لیکن زمانہ ہائے مابعد سے ہمیں کوئی بحث نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ عہد نبوی میں اسکو کیا اہمیت حاصل تھی۔ ہمیں ان مشنری پادریوں کا لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں جو مصلحۃً مکہ اور مکہ والوں کو کوئی اہمیت دینا نہیں چاہتے اسی طرح ان روحانی عظمتوں یا دیگر حاصل قصوں سے بھی بیان سروکار نہیں جو کرۂ ارض کے بننے میں مکہ کے حصہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔

شہر مکہ میں جو عرب بستے تھے وہ قریش کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کے تجارتی تعلقات کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی اور ہر قبیلہ اپنے رہنے سہنے کے جنگلوں، پہاڑوں میں انتہائی خود مختاری برتتا تھا اور اسکے علاقہ سے گزرنے کے لیے زمانۂ حال کے پاسپورٹوں سے بھی زیادہ دشواریاں تھیں اس لیے کارروانوں کے سفر کرنے اور بین الممالک تجارت کے عرب سے گزرنے کے لیے خفاروں اور بدرقوں کا ایک وسیع اور ترقی یافتہ نظام وجود میں آگیا تھا۔ اس نظام نے عرب میں سیاسی تو نہیں لیکن ایک معاشی وفاق ضرور قائم کر دیا تھا۔ اس وفاق میں قریش کے موقف کا اندازہ مشہور مورخ محمد بن حبیب (فوت ۲۴۵ھ) کے اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

"ہر تاجر جو یمن یا حجاز سے دومۃ الجندل [دومۃ الجندل جو عرب کے شمال میں ہے] جانا چاہتا تو جب تک قبائل مضر کے علاقہ سے گزرتا ہو قریش خفارہ کی خدمات حاصل کرتا۔ کیونکہ نہ تو کوئی مضری اور نہ مضریوں کا کوئی حلیف قریشی خفارہ کو تکلیف دیتا۔ چنانچہ قبائل کلب (بنی جشم سے حلیفی کے باعث) اور قبائل طی[1] (بنی اسد سے حلیفی کے باعث) قریشیوں کو نہیں چھیڑتے تھے۔ قبائل ربیعہ کے پورے علاقہ میں تاجر اپنے لیے بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ اپنے لیے حاصل کرتے تھے۔ ۔۔۔۔ بحرین کے صدر مقام المشقر کو جانے کے لیے بھی قریشی خفارہ حاصل کیا جاتا تھا۔۔ ۔ جنوبی عرب میں مہرہ جانے کے لیے بنی محارب کا خفارہ لیا جاتا تھا۔ حضرموت کے سوق رابیہ جانے کے قریشی کاروان بنی آکل المرار کے خدمات حاصل کرتے تھے ۔۔۔۔ جبکہ بنی آکل المرار جلد اپنے حلیفوں پر غالب ہو گیا ۔۔۔۔ عکاظ عرب کا سب سے بڑا سالانہ میلہ تھا، جس میں تمام عرب کے قبائل سامان لاتے تھے، مثلاً قریش، ہوازن، غطفان، عضل، ویش، جبار، مطلق، احابیش وغیرہ[2]"

اسکے سوا زمانۂ جاہلیت میں قریش اپنے حج کے سلسلہ میں مکہ کے مضافات میں منٰی میں جمع ہوتے تھے ۳ ق ھ میں بیعت عقبہ کے سلسلہ میں مورخین نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ سے ملنے سے پہلے آنحضرت صلعم بندرہ قبائل کے پڑاوؤں میں تبلیغ کے لیے گئے تھے۔ (باقی آئندہ)

---

[1] یہاں لکھا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کا تصادم اس تمدن کے لیے امکانات بڑھا دیتا ہے جو سود کو حرام سمجھتا ہے۔

[1] Statecraft - تحکم

[2] ڈپلومیسی کی اصطلاح خود یورپی زبانوں میں اپنے لغوی معنوں سے بہت دور جا پڑی ہے بعض وقت اس سے مراد محض سفارتی تعلقات ہوتے ہیں۔ بعض وقت اس سے مراد سیاست خارجہ ہوتی ہے اور بعض وقت سفیروں اور وزرائے خارجہ کی کارکردگی مراد ہوتی ہے، اسی آخری مفہوم کے لیے "سیاست کاری" کا لفظ برتا گیا ہے جو مکرمی ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کا تجویز کردہ ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہی لفظ کام دے سکے لیکن قابل اشتقاق ہونے اور مفہوم کو اچھی طرح واضح کر سکنے کی بنا پر کافی کارآمد معلوم ہوتا ہے۔

[1] عربی ادبیات میں قبیلہ طی لٹیروں کی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ یہ عربوں کے "اشہر حرم" تک کی پروا نہیں کرتا تھا۔ پروفیسر کرنکو نے لکھا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ زیادہ تر عیسائی تھے۔ اسی لیے عربی بدویوں کے معتقدات کی پابندی نہ کرنے پر وہ قابل ملامت نہیں لیکن لوٹ مار نہ کرنے کی مخالفت اچھی عیسائیت ہے۔

[2] کتاب المحبّر (مخطوطۂ برٹش میوزیم) باب اسواق العرب

زندگی کے دو فلسفے

زندگی اور اسرارِ زندگی ہندو کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ —

چلتی پھرتی جاندار چیزیں آتما (روح) ہے جو اپنے اچھے کرم (اعمال) سے بلند ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ انسانی قالب اختیار کرنے کے بعد رفتہ رفتہ "روحِ کل" یا خدا تک پہنچ جاتی ہے جو ہندو دھرم کے الفاظ میں اُسے نروان حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مرتبہ تک پہنچنے کے لیے صرف ایک زندگی کافی نہیں ہوتی بلکہ ہر جاندار کو مختلف قالبوں میں کئی بار جنم لینا پڑتا ہے۔ اگر کرم اچھے ہیں تو دوسرا جنم زیادہ اچھی حالت میں ہوتا ہے لیکن اگر کرم بُرے ہیں تو بُری حالت میں۔ گویا ہر انسان کی ظاہری زندگی اسکے پچھلے جنم کے کرم کا نتیجہ ہے۔ سب سے اچھے کرم ہونے کی صورت میں آدمی برہمن کے قالب میں پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد اُسے نجاتِ ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔ سب سے بُرے کرم ہونے کے نتیجہ میں انسان اچھوت اور پیریا وغیرہ نیچ ذات میں جنم لیتا ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں کھشتری، شودر اور ویش وغیرہ کے درجے ہیں۔ چونکہ ہر انسان کی ظاہری زندگی اُسکے کرم کا پھل ہے اس لیے ہمیں اچھی زندگی والے اعلیٰ ذات کے انسانوں کو خدا کا محبوب، اور بُری زندگی رکھنے والے نیچ ذات کے لوگوں کو خدا کا مغضوب سمجھنا چاہیے۔ اچھوت کی زندگی سب سے بُری ہے اس لیے وہ سب سے زیادہ مغضوب و معتوب ہے۔ ہر اچھوت کو خدا کا عذاب سمجھنا چاہیے اور اُس سے خود کو دُور رکھنا چاہیے۔ اچھوت کا جسم دراصل اُس بُری آتما کا دوزخ ہے اس لیے اچھی آتما رکھنے والوں کو نہ تو اچھوتوں سے ملنا جلنا چاہیے اور نہ انھیں مذہب کی مقدس کتابوں سے باخبر کرنا چاہیے۔ اُن کے لیے کچھ خاص منتر ہیں اور کچھ خاص رسوم۔ اگر وہ انکو اپنا معمول بنائیں اور نیک کام کریں تو اگلے جنم میں وہ ایسے نہیں رہیں گے۔

پس انسانوں میں پست و بلند کی جو تقسیمیں یہاں نظر آتی ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ سب سے اونچا انسان برہمن ہے جسکے روپ میں کبھی کبھی بھگوان (خدا) بھی اپنا ظہور کرتے ہیں۔ جیسے وشنو بھگوان کرشن جی کے روپ میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس لیے ہر ورن کے آدمی کو شادی بیاہ کھانا پینا اور اُٹھنا بیٹھنا سب کچھ اپنے ہی ورن والوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اگر دوسرے کے ساتھ کریگا تو تباہ ہو جائے گا۔ ہر انسان پچھلے جنم میں جیسے کرم کرتا ہے ویسے ہی باپ کے گھر میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ تبدیلِ مذہب (Conversion) کوئی چیز نہیں۔

چونکہ ہر جاندار میں آتما (روح) ہے اس لیے کسی جاندار کو نہ ستانا چاہیے چہ جائیکہ گوشت کھانا۔

ہندوستان کے باہر جو لوگ بستے ہیں وہ چونکہ جانداروں کو مارکر اُن کا گوشت کھاتے ہیں اور برہما کی بتائی ہوئی باتوں کو نہیں مانتے اس لیے وہ سب بھی اچھوتوں کی طرح خدا کے مغضوب ہیں۔ اُن سے بچنا چاہیے۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ سب کے موجودہ جنم

بتاتے ہیں کہ زندگی آواگون ایک ہے اس لیے [illegible] دہرا [illegible] اور اس سے چھٹکارا [illegible] چاہیے [illegible] ہر قسم کی [illegible] عبادت کرتے ہیں [illegible] پچھلے کی چیزیں ایسی جگہ ہیں [illegible] جہاں [illegible] کوئی دبا سکے۔ [illegible] ایسا [illegible] اسکے پچھلے جنم کے کرم کا پتہ دیتا ہو۔

یہ ہے وہ تمام لائن جس پر ہندو زندگی کا نقشہ بنتا ہے۔ [illegible] خدائے برتر (برہما) کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے معبودوں کا قائل ہے اور ہر ایک خدا کی ایک خاص شکل و صورت اس نے بنا رکھی ہے اور ہر خدا کے لیے ایک مندر مخصوص ہے۔ [illegible] خدا کے شکل ہونے بغیر کسی محسوس صورت میں لیکن اُس کے [illegible] کا قائل ہے اس لیے اُس کے نزدیک ہر بڑا آدمی انسانی شکل میں خدا ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہندو دھرم دراصل کسی ایک معین [illegible] و عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جو مذکورہ بالا اصول پر قائم [illegible] رسوم و رواج پر عامل ہو اُسے ہندو کہا جا سکتا ہے۔ [illegible] پنڈت [illegible] نے ہندو کی تعریف یہ کی ہے:-

"ہندو دھرم رسوم و رواج کا نام ہے۔ ان رسوم و رواج میں برہمنوں کی مقدس کتابوں کی افسانوی تعلیمیں جمع کر دی گئی ہیں قدیم روایتوں اور عقیدوں کی ایک بہت بڑی تعداد اور عبادات کے بہت سے طریقے جو ہندوستان کی مختلف تاریخ، مختلف معاشرتی ڈھانچہ، مختلف معاشرتی مراسم، مختلف معاشرتی احوال اور مختلف اصل رکھنے والی آبادی پر منطبق ہو سکتے تھے اور اُن کی ضرورتوں کی تکمیل کر سکتے تھے اُن سب کو جمع کرکے ہندو دھرم کا نام دے دیا گیا ہے۔"

اسی بنا پر ہندو مذہب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اُن تمام عقائد کو اپنا لیا جو کسی نہ کسی فرقہ میں مانے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ بدھ اور جین مذہب نے ہندو مذہب کی بہت سی بنیادی باتوں میں انقلاب برپا کیا آج انکو بھی دیوتاؤں کی صف میں شامل کر لیا گیا ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں غور کیجیے کہ مسلمان کیسے سوچتا ہے —

وہ انسان کے علاوہ کسی جاندار کو اس روح کا مالک نہیں مانتا جو "روحِ کل" کا جزو ہے۔ اور نہ کسی انسان کی زندگی کو اتنا [illegible] ہے کہ اگر وہ اس زندگی میں نیک عمل کرے تب بھی ابدی نجات کی منزل تک پہنچ سکے اور اگر بُرے ہیں تو ابدی عذاب (جہنم) [illegible] انسان کی ظاہری زندگی اور اس کا نسلی و نسبی تعلق کسی طرح بھی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خدا کا محبوب یا مغضوب ہے۔ اس کا فیصلہ [illegible] مرنے کے بعد اُسکے اعمال کریں گے اس لیے تبدیلِ مذہب (Conversion) [illegible] روح کی نجات و عدمِ نجات پر [illegible] کسی سے ملنے جلنے یا کسی کے ساتھ کھانے پینے کا کوئی اثر [illegible] نہیں۔ اس لیے کہ انسان انسان سب برابر ہیں [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

حلقۂ انتظامی امور کے بارے میں خط و کتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو: مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۲ر
بیرون ہند سالانہ
ششماہی
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۴۱

نمبر ۲۹ | دوشنبہ - ۱۳ - ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۲ - اپریل سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۵

سچی باتیں

اگر آپ کی گھڑی چلتے چلتے بند ہو جائے، یا وقت غلط دینے لگے، تو کوئی صورت بجز گھڑی ساز کی مدد کے اُسکی اصلاح کی ہے؟ سائیکل اگر تھوڑی بہت بھی ٹوٹ پھوٹ جائے، تو جب تک سائیکل ساز ہی مرمت نہ کرے، آپ مجبور محض رہیں گے یا نہیں؟ موٹر کا کوئی پرزہ اپنی جگہ سے ٹل جائے، نکل جائے، گھس جائے، تو جب تک موٹر ساز ہی کا ہاتھ نہ لگے، آپ کی ساری عقل، ذہانت بیکار رہیگی یا نہیں؟ —— یہ سب معمولی مشینیں ہیں، انسان ہی کی ایجاد کی ہوئی، آپ ہی کے بھائی بندوں کی بنائی ہوئی، لیکن ان کی ترتیب میں، ترکیب میں، بناوٹ میں، صناعت میں، ذرا سا بھی فرق پڑ جاتا ہے، تو انسان کا علم و فضل، عقل کی رسائی اور فکر کی خاک پیمائی سب دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، تاوقتیکہ کسی ماہر فن کی، ماہر خصوصی کی خدمات اعانت نہ حاصل کر لی جائیں۔ بشر کی یہ محتاجی اور بےبسی، بشری مصنوعات اور صناعتوں ہی سے متعلق روزمرہ کا تجربہ ہے، اور ہر وقت کا مشاہدہ۔

پھر جسم انسانی تو خالق کائنات کی کاریگری کا نمونہ ہے، اور حُسن صنعت کا وہ معجزہ کہ جہاں تک انسانی ادراک اور بشری عقل پہونچ بھی نہ پائے۔ اس صناع اعظم کی کاریگری میں ادنیٰ سی ادنیٰ دخل دینے کی ہمت و جرأت کسی مخلوق میں، یا ساری مخلوق میں مل کر بھی، ہوسکتی ہے؟ جسم انسانی میں قدرتی نظام کا قائم کیا ہوا ایک ریشہ بھی اگر جگہ سے بےجگہ ہو جائے، تو کسکی مجال ہے کہ اس میں ایک ذرہ کمی بیشی کر سکے؟ خاک کے بنے ہوئے پُتلے الگ رہے، نور کے بنے ہوئے فرشتے تک اُس کی بارگاہ میں کس نیازمندی و شکستگی کے ساتھ اپنے جہل اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں:—

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ | ہر قسم کے عیب اور نقصان سے پاک اور بالاتر تو آپ ہی کی ذات ہے اے ہمارے مالک و مولا! ہمیں علم ہی کیا، ہمیں علم سے واسطہ ہی کیا۔ ہاں آپ ہی نے اپنے فضل و کرم سے تھوڑا بہت علم ہمیں عطا کر دیا ہے، تو وہ اُس کی بات ہی اور ہے۔ اختیار والے اور حکمت والے تو صرف آپ ہی ہیں، کہ جس کو جتنا علم قرین مصلحت ہوتا ہے، اُس سے اُسے محروم نہیں رکھتے!

یہ محض اُسی کا لطف بےپایاں اور کرم بےحساب ہے کہ اُس نے انسان کو بھی کچھ تھوڑی سی قلیل دخل دوا سازی اور جراحی میں دے دیا، اور اس سے انسان اس قابل ہوگیا کہ اصلی مشیت اور قانون تکوینی کے ماتحت کچھ علاج معالجہ انسانوں کا کر لینے لگا، ورنہ اسکی کیا بساط تھی، کہ خدائی مشین کے کسی چھوٹے سے چھوٹے پرزے سے متعلق بھی طبع آزمائی کر سکے!

مریض اسپتال میں داخل ہوتا ہے۔ حلق کا عضلہ پانی کے داخلہ کو بند کر چکا ہے۔ پیاس سے تڑپ رہا ہے، ایک گھونٹ پانی کا نہیں اُتر پاتا ہے۔ تیمارداروں کی لَو ڈاکٹر سے لگی ہوئی۔ جاہل اور غافل انسان اپنی عقل و تدبیر پر نازاں اور اپنے فنی تجربہ پر مغرور، ڈاکٹر فوراً تدبیر شروع کر دیتے ہیں۔ نلکی کے ذریعہ سے پانی اتارنا چاہتے ہیں۔ ناک کا سوراخ، یہ سوراخ، وہ سوراخ، خدا جانے کتنی کوششیں کر ڈالتے اور بالآخر تھک چکتے ہیں! جب مشیت پانی کی راہ بند کر دے، تو کوئی بھی دروازہ اسکے لیے کھولا جا سکتا ہے؟ مریض وہیں طبیب کے سامنے جاں بحق ہو جاتا ہے۔ الزام طبیب کے سر آتا ہے۔ نادان انسان! گویا زندگی اور صحت، طبیب کے نسخوں اور سرجری کے آلات کی محکوم ہے!—— شکایت اسکی کیوں کیجیے کہ اتنے مریض جانبر نہ ہوئے، شکر اسکا کیجیے کہ آخر اتنے مریض تو شفایاب ہوگئے! یہ محض اُسی کی کریمی اور اُسی کی ستاری ہے، جو فلاں سرجن جنرل اور فلاں

رازق الملک بنے نظر آرہے ہیں، وہ انسان بیچارہ کی یہ مجال بھی تھی، کہ خدائی شعبوں میں کسی چھوٹے سے چھوٹے، حقیر سے حقیر، خلل میں بھی دخل دے سکے!

مولانا محمد علیؒ کا مطالعہ قرآن

مولانا محمد علی مرحوم پختہ مسلمان یوں تو ہمیشہ رہے، علیگڈھ میں بھی، اور آکسفورڈ میں بھی۔ لیکن فرمایا کرتے تھے، نظربندی سے قبل میں محض رسمی اور تقلیدی سی قسم کا مسلمان تھا۔ یعنی چونکہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہو گیا تھا، اس لیے بغیر زیادہ غور و فکر کے اپنے آبائی دین کو مانتا چلا آتا تھا، قرآن کے مطالعہ کا اتفاق سب سے پہلے نظربندی کے زمانہ (۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء وغیرہ) میں ہوا اور اس وقت گویا وہ ازسرنو مسلمان ہوئے۔ مرحوم عربی تھوڑی بہت جانتے ضرور تھے (آکسفورڈ میں مارگولیس سے بھی پڑھتے تھے) لیکن بہرحال اسکے ماہر نہ تھے، اور مطالعہ میں ترجموں کے محتاج یقیناً تھے۔ اتفاق سے جو ترجمہ اُنکے ہاتھ لگا، اور برابر مطالعہ میں رہا، وہ شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم دہلوی کا تھا، جو مطالب قرآنی کی ترجمانی کے اعتبار سے بہت ہی پست ہے۔ اسکے بعد، نظربندی کے آخری زمانہ میں لاہوری ہمنام (امیر جماعت "احمدیہ") کا انگریزی ترجمہ دستیاب ہو گیا۔ محمد علی مرحوم جس کتاب کو بھی پڑھتے، خوب غور سے پڑھتے، گویا مصنف کے لفظ لفظ پر بحث کرتے جاتے۔ اور کتاب کو پنسل کے نشانوں اور اپنی تعلیقات سے رنگین کر ڈالتے۔ قرآن مجید کے ساتھ یہ صورت اور زیادہ رہی۔ اور محمد علی نے اُس اردو اور اس انگریزی کے ترجموں کو جا بجا بالکل منقش کر دیا۔ مولوی نذیر احمد مرحوم والے ترجمہ کی کاپی تو بہت عرصہ ہوا نظر سے گزری تھی، مولوی محمد علی لاہوری کے انگریزی ترجمہ کی کاپی حال میں ایک فرزند جامعہ عبدالمالک صاحب مرادآبادی کی مہربانی سے دیکھنے میں آئی۔ حواشی مترجم پر حواشی بڑی کثرت سے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ زیادہ تر پنسل سے لکھے ہوئے تھے، قدرۃً اتنے عرصہ کے بعد دھندلے پڑ گئے ہیں، اور یوں بھی گھسیٹ خط میں تھے۔ اب دشواری ہی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ پارۂ عم تساءلون، سورۂ والتین پر ایک خاصہ مفصل حاشیہ ہے، کہ سورۂ میں بیان انسان کے دفع جبر کا ہے، انسان کی فطرت بہترین ساخت کی ہے، مسیحیوں کا عقیدہ "گناہ فطری" کا غلط ہے، وہ محض اپنے ارادہ و اختیار کے غلط استعمال سے راہ اسفل السافلین کی اختیار کر لیتا ہے۔ نمبر ۱-۲ فو زمانہ میں، یعنی ۲۹ء و ۱۹۳۰ء میں معلوم ہوتا ہے یہ کاپی پھر مرحوم کے مطالعہ میں تھی، اور اُس زمانہ کے جو حاشیے ہیں، وہ روشنائی سے ہیں۔ سرسید کے خیالات کی جھلک کثرت سے ہے۔ کہیں بلا تصریح اور زیادہ تر مع تصریح نام۔ ایک آدھ جگہ اپنا شعر بھی لکھ دیا ہے، مثلاً سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۶ (رکوع ۴) وما عند اللہ خیر و ابقیٰ للذین آمنوا پر یہ شعر ؎

میں کھو کے تری راہ میں سب دولت دنیا
سمجھوں کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے

کہیں کہیں حوالہ مولانا سید سلیمان ندوی کا بھی ہے۔ سورۂ مومن (رکوع ۷، آیت ۶۱) اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ الخ پر یہ حاشیہ اُردو میں درج ہے:۔

"میں ۲۷ - جون [یعنی ۱۹۳۱ء مراد ہے - صدق] درد دل میں مبتلا ہو کر ریٹز اسپتال لندن میں خطرناک حالت میں بھیجا گیا۔ ۲۹، ۳۰ کی درمیانی شب میں پہلی بار بلا دوا کے نیند آگئی۔ اور صبح ہوتی ہے تو مذکورۂ بالا آیات کی تلاوت ہوئی"

اگر کوئی فرزند جامعہ صرفِ وقت گوارا فرمائیں، تو ایک خاصہ دلچسپ باب "سیرت محمد علی" کا اس عنوان کے ماتحت تیار کر سکتے ہیں۔

پنج سالہ "ترقی"!

ترقی تعلیم کی پنج سالہ سرکاری رپورٹ سے اقتباسات، بہ حوالہ پائنیر ۹، اپریل ۴۰ء:۔

"کُل لڑکیاں زیر تعلیم ۱۹۳۲ء میں ... ۲۴،۹۳،۰۰۰ تھیں۔
" " " ۱۹۳۷ء میں ... ۳۱،۳۸،۰۰۰ پائی گئیں۔
گویا پانچ سال کی مدت میں ۲۵.۹ فی صدی کا اضافہ۔
زنانہ تعلیم کے مصارف ۱۹۳۲ء میں ... ۲،۳۹،۰۰،۰۰۰ تھے۔
" ۱۹۳۷ء میں ... ۲،۶۹،۰۰،۰۰۰ تک پہنچے۔

مخلوط تعلیم برابر پھیلتی رہی۔ متعدد صوبوں میں مردانہ مدارس میں طالبات کی تعداد بڑھتی گئی۔ طالبات کی مجموعی تعداد ۳۱ لاکھ ۳۸ ہزار میں سے ۱۹۳۷ء میں ۱۳ لاکھ ۶۲ ہزار مردانہ مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔"

فتنہ کا سیلاب جس تند رفتاری سے بڑھ رہا ہے، تائید، ترغیب، تشویق کے جو بے پناہ اسباب فراہم ہیں، اور غیب کہ جن جن سحرکاریوں کے ساتھ ہنر کر کے دکھایا جا رہا ہے، ان کے لحاظ سے تعجب اس پر ہرگز نہیں، کہ ۳۱ لاکھ میں سے ۱۳ لاکھ لڑکیاں مردانہ درسگاہوں میں کیونکر شریک و شامل ہو گئیں، بلکہ رشک اس پر ہے کہ باقی ۱۸ لاکھ ابھی تک اس اثر سے کیسے بچی ہوئی، زنانہ درسگاہوں کے اندر رہنے پر قانع ہیں! نشر و اشاعت (پروپیگنڈا) کے اس طوفانی دور میں خیال تو یہی ہوتا تھا کہ سب کی سب اُسی طرف ہو رہی ہونگی!

امریکہ کی "رجعت پسندی"!

"روشن خیال" و "حریت دوست" امریکہ میں، جہاں عورت محکوم و کنیز نہیں، "آزاد" و خودمختار ہے، آپ کو معلوم ہے، طلاق کا سالانہ اوسط کیا ہے؟ ۲۰ فی صدی۔ یعنی ہر پانچویں نکاح کا انجام طلاق! اور یہ طلاقیں بھی کہیں آخر عمر میں جا کر واقع نہیں ہوتیں، ان میں سے پوری ایک تہائی، یعنی ۳۳ فی صدی نکاح کے پہلے ہی سال کے اندر واقع ہو جاتی ہیں! ایجاب و قبول، چشم بد دور، خوب کھیلے کھائے ہوئے میاں بیوی خود ایک دوسرے کا انتخاب کر کے، خوب جانچ پڑتال کر کے، خوب آنا کر کے، کرتے ہیں، اور ابھی چند ہی مہینے گزرنے پاتے ہیں، کہ ایجاب انکار میں، اور قبول رد میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور ایک دوسرے سے عاجز آکر عدالت میں علیحدگی کی درخواست دیدیتے ہیں، اور پھر جو جو رسوائیاں، فضیحتے، زیرباریاں عدالت میں برداشت کرنی پڑتی ہیں، وہ سب بھگت لیتے ہیں! رہے باقی دو تہائی۔ سو اُنکے عقد زوجیت کی مدت بھی دس سال سے آگے نہیں بڑھنے پاتی! —— اور اب اس کا علاج روشن خیالی و دانایان فرنگ نے یہ نکالا ہے کہ شادی کو درسگاہوں کے نصاب میں شامل کر دیا ہے! چنانچہ تین سو سے زائد کالج اور یونیورسٹیاں یہ نصاب اختیار کر چکے ہیں! (اسٹیٹسمین، ۷ - اپریل ۴۰ء)

لیکن اسکے معنی ہوے کیا؟ ہوے یہ کہ نوجوان "آزاد" اور خودمختار لڑکے اور لڑکیاں، ہر ہدایت و رہنمائی کے لیے بڑے بوڑھوں کے صلاح و مشورہ کی محتاج سمجھ لی گئیں! ماں باپ اگر نا سب مشورہ و ہدایت دیتے رہیں، اپنے تجربات کی بناپر رہنمائی کرتے رہیں، تو یہ طریقہ عین قدامت پسندی اور تاریک خیالی، لیکن وہی ہدایتیں اگر کچھ فیس دینے کے بعد ایسوں سے حاصل ہوں جنھیں اپنے سے قطعاً کوئی فطری تعلق نہیں، تو یہ درس ہمہ تن "روشن خیالی" بن جائے!

تحقیق کا تلوّن

ایک طبی رسالہ کا اقتباس ہے:-

"ساختری اور طبی نقطۂ نظر سے پیاز اور لہسن کا استعمال ناگوار محسوس کیا جاتا تھا۔ لیکن طبی تحقیقات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ اور اب یورپ کے ممالک میں انکا استعمال روز بروز بڑھ رہا ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ چیزیں جراثیم کش اثر رکھتی ہیں۔ وہ جوہر جو ان چیزوں میں ہوتا ہے اور جو آنکھوں میں پہونچکر ہمارے آنسو نکال دیتا ہے، بیماری کے کیڑے مارنے میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے انکا استعمال اب یورپ کے اکثر ہوٹلوں اور آرام گاہوں میں کثرت سے کیا جا رہا ہے۔"

یورپ کی ہر علمی، فنی، طبی تحقیق کو آخری اور قطعی سمجھنے والے اس عبارت کو غور و عبرت کی نظر سے پڑھیں۔ کس مسئلہ میں کون سی رائے ایسی ہے، جو "ماہرین فن" پہلے بڑے شد و مد سے ظاہر نہیں کرتے اور پھر چند ہی سال بعد خود ہی اُس کی تردید و تغلیط نہیں کرنے لگتے؟ اور یہ حال جب اُن علوم و فنون اور اُن مسائل میں انکی مستقل رائے اور اصابت فکر کا ہے، جنکے اب بھی واقعی وہ اپنی عمریں صرف کرتے رہتے ہیں، تو مابعد الطبیعیات جو مسائل انکی دسترس سے بالکل بالاتر ہیں، اور جنکی ہوا بھی انھیں زندگی بھر نہیں لگنے پاتی، انکے باب میں ظاہر ہے کہ انکی رائے اور انکے نظریات کسی درجہ میں بھی قابل وقعت ہوسکتے ہیں؟ ——— خدا و ملائکہ، حشر و نشر، جنت و دوزخ، وحی و نبوت سے متعلق کسی ماہر سائنس، ماہر فلسفہ، ماہر تاریخ کے قول سے سند پکڑنا، اگر اس بیچارہ پر ظلم، اور اپنی عقل کے ساتھ تمسخر کرنا نہیں، تو اور کیا ہے؟

"نئی روداد ترقی"

جرائم صوبہ متحدہ سے متعلق آخری سرکاری اعداد:

	۱۹۳۶ء	۱۹۳۷ء	۱۹۳۸ء	
کل جرائم قابل دست اندازی پولیس	۷۱,۵۶	۷۷,۹۷۸	۹۰,۰۴۴	
قتل عمد		۹۵۹	۱,۱۵۳	(اضافہ ۲۰ فیصدی)
قتل انسانی مستلزم سزا	۴۸۶	۵۶۷	۶۳۹	
بلوہ: اوسط سالانہ مدت مختتمہ			۲,۱۸۰	(اضافہ ۶۱ فی صدی)
			۲,۲۰۰	(۵۰ فی صدی نسبت سال گزشتہ)
ڈاکہ	۳۹۴	۴۸۵	۶۶۶	(اضافہ ۶۷ فیصدی)
رہزنی				(اضافہ ۳۳ فی صدی)
نقب زنی				(اضافہ ۲۴ فی صدی)

(ماخوذ از سرکاری سالانہ رپورٹ مندرجہ پائنیر - اپریل سنہ ۳۸ء)

جرائم کے صرف چند عنوانات، اور وہ بھی صرف ایک صوبہ سے متعلق درج ہیں، سارے جرائم اور سارے ملک کے لیے قیاس سے کام لینا کچھ دشوار نہیں ——— "تعلیم کی" "اعلیٰ تعلیم" کی مصارف تعلیم کی، میزانیہ تعلیم کی، اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں "ترقیوں" کے ساتھ ساتھ، دوش بدوش، پہلو بہ پہلو، ظلم و شقاوت میں، قتل و غارت میں، جرائم میں زیادتیاں اور "ترقیاں" کیا دنیا کے لیے کوئی نیا سبق ہیں؟ کیا یورپ اور امریکہ کے تجربوں سے یہ تجربہ کچھ انوکھا اور نرالا ہے؟

مشرکانہ وہم پرستیاں

ٹوکیو (جاپان) کی اطلاع ہے، کہ فلاں مندر میں جاکر ایک سو ایک پجاریوں نے ۰ ۵ ہزار پالتو جانوروں، بلی، کتے، بندر، خرگوش، مچھلی، جھینگر، کیڑوں وغیرہ کی روحوں کے حق میں دعائے سلامتی و ترقی کی، اور یہ عبادت کئی گھنٹے تک جاری رہی:

خبر اتنی حیرت انگیز نہیں جتنی پہلی نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ مشرک قوموں کے عقیدے ایک دو نہیں، کثرت سے ایسے ہیں، جو ہم موحدوں کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتے۔ انھیں مشرکوں میں سے بعض نے جانوروں کو بیلے مقدس مانا ہے کہ فلاں جانور، فلاں دیوتا کا خادم خاص ہوتا ہے۔ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ فلاں دیوتا فلاں جانور کے قالب میں حلول کیے ہوے ہے۔ بعض اسکے قائل ہیں کہ فلاں دیوتا نے جب اوتار بن کر دنیا میں اپنے تئیں ظاہر کرنا چاہا، تو فلاں جانور میں جنم لیا۔ اور یہ تو بہت سے فرقے مانتے ہیں کہ انسان اور حیوانوں کی روحوں کے درمیان آواگون جاری رہتا ہے، یعنے حیوانی اور انسانی روحوں میں تبادلہ ہوتا رہتا ہے، یا یہ کہ حیوانی روح ترقی کرکے انسانی روح بنجاتی ہے۔ یہ سارے عقائد "عجیب" تو ہم کو معلوم ہوتے ہیں، جو محض بفضل خداوندی سے پیدا ہی توحید کے گھرانوں میں ہوے ہیں، باقی جن قوموں کے بڑے بڑے "عقلاء" اور "حکماء" کو ان عقائد میں کوئی بات بے عقلی کی نظر ہی نہیں آتی، اُنکے ہاں تو روح حیوانی کے حق میں دعائے سلامتی و ترقی ایک معمولی اور ادنیٰ سی بات ہے۔

حقیقت عریانی

مصر کا ایک سرکاری اسلامیہ اس امر کی تردید کرتا ہے کہ آیندہ سے اگر میڈیکل کالج میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی اسکول میں رہا کرینگے۔ البتہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ

"آیندہ اس میڈیکل کالج میں طلبہ اور طالبات ساتھ تعلیم ضرور حاصل کیا کرینگی، جیسا کہ صوبہ کی بعض دوسری درسگاہوں میں آرٹ اور سائنس کے طلبہ اور طالبات کر رہے ہیں۔ مالی حالت کے لحاظ سے یہ ممکن نہ تھا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے اعلیٰ پیمانہ پر طبی تعلیم کا انتظام الگ الگ ہو"

ناسمجھ مشرقی اور کم فہم مسلمان ان بے وقوفوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا، کہ اگر نوجوان

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

سورۂ آل عمران رکوع ۱۴

بسلسلہ صدق نمبر ۱۵

(از عبد الماجد)

۱۔ یا ایہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضٰعفۃ، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔	اے ایمان والو مت کھاؤ سود[1] کئی کئی حصے بڑھا کر[2]، اور ڈرتے رہو اللہ سے، عجب نہیں کہ کامیاب ہو جاؤ[3]۔
۲۔ واتقوا النار التی اعدت للکٰفرین۔	اور ڈرو اس آگ سے جو (اصلاً) تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے[4]۔
۳۔ واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون۔	اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول[5] کی، عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے[6]۔
۴۔ وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین۔	اور دوڑو[7] طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور (دوڑو) طرف جنت[8] کے جس کا عرض ہیں سارے آسمان اور زمین[9] اور وہ تیار کی گئی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے[10]۔
۵۔ الذین ینفقون فی السرآء والضرآء والکٰظمین الغیظ والعافین عن الناس، واللہ یحب المحسنین۔	یہ وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں[11] فراغت میں اور تنگی میں[12]، اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کے[13]، اور معاف کرنے والے ہیں لوگوں کو[14]، اور اللہ محبوب رکھتا ہے نیکوکاروں کو[15]۔
۶۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم ومن یغفر الذنوب الا اللہ، ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وہم یعلمون۔	یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی زیادتی کر بیٹھتے ہیں[16]، یا اپنے ہی حق میں کوئی زیادتی کر ڈالتے ہیں[17]، تو اللہ کو[18] یاد کر لیتے ہیں[19]، اور اللہ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو معاف کرتا ہے[20]۔ اور یہ لوگ اپنے کیے ہوئے پر اصرار ہرگز نہیں کرتے، درآنحالیکہ اسے جانتے ہوتے ہیں[21]۔

۱ یعنی سودی کاروبار لین دین کو قطعاً ناجائز سمجھو۔ حرمت سود پر حواشی پارۂ سوم میں قریب ختم سورۂ بقر گزر چکے۔

۲ سود کا کچھ طبعی خاصہ ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر، اور جو امیر ہیں، وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔

۳ فلاح و کامیابی کا، زندگی کا سکھ اور چین کا راز، تقویٰ الٰہی میں، احکام الٰہی کے مطابق متقیانہ زندگی بسر کرنے میں ہے، نہ کہ سود خواروں کی سرمایہ دارانہ اور غیر مطمئن زندگی میں۔ "عجب نہیں" لفظی ترجمہ ہے لعل کا۔ یقین کی لغت کے حوالہ سے کہیں پہلے گزر چکا ہے کہ حرف "لعل" کا استعمال جب وعدۂ الٰہی میں آتا ہے، تو اسکے معنی میں شک و احتمال باقی نہیں رہتا، یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی یقیناً کامیاب ہوگے۔

۴ یعنی وہ آگ جہنم کی ہے تو کافروں ہی کے لیے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کرکے اپنے کو اس کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔

۵ (خوش دلی کے ساتھ)

۶ "عجب نہیں" پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔

۷ (اپنے اعمال کے ذریعے)

۸ مومن کا منتہیٰ اور منزل مقصود تو یہ ہونا چاہیے۔

۹ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے۔ یہ خطرہ نہ کسی کے دل میں گزرے، کہ اس دوڑ میں جو پیچھے وہاں پہنچیگا، وہ وہاں جگہ پانے سے محروم رہ جائیگا۔

۱۰ گویا محض نافرمانیوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو ترغیب اسکی دی گئی ہے کہ دوڑ میں مسابقت کریں، لیکن اعمال صالحہ کی جانب، اور اس طرح حاصل کرلیں جنت کو، جو مقام ہے ظہور رحمت کاملہ کا۔

۱۱ (راہ حق میں، دین کی خدمات میں)

۱۲ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین کی مالی ضروریات سے متعلق بیدار رہتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ خوشحال ہوئے تو پہنچ گئے سرتاسر عیش پسندیوں میں اور نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا۔ یا اسی طرح تنگدست ہوئے تو ناشکری میں مبتلا ہو کر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔

۱۳ غصہ کے "کظم" کر جانے والے، یعنی اس سے مغلوب نہ ہو جانے والے، بلکہ اس سے مقابلہ کرکے اسے پی جانے والے، اپنے اوپر قابو رکھنے والے۔ بعض مفسرین نے یہاں یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ اس موقع مدح پر فاقدین الغیظ ارشاد نہیں ہوا ہے۔ حرارت یا حمیت کو سرے سے فنا کر دینا مقصود نہیں، بلکہ مراد اسے صرف قابو میں رکھنا ہے۔ غصہ اگر اپنے حدود کے اندر اور محل مناسب پر رہے، تو عیب نہیں ہنر ہے۔

۱۴ یعنی لوگوں کے قصوروں خطاؤں سے درگزر کر جاتے ہیں۔ اور باوجود قوت و استطاعت، ان سے انتقام نہیں لیتے۔ آرنلڈ وغیرہ بعض یورپی مصنفین نے لکھا ہے، کہ عرب جیسی تندخو، جنگجو قوم کے سامنے ایسی حلم و آشتی کی تعلیم کا کامیاب ہونا بجائے خود ایک اعجاز تھا۔

۱۵ بعض روایات میں آیا ہے، کہ حضرت حسنؓ کھانے کے لیے تشریف فرما تھے کہ آنجناب غلام کے ہاتھ سے گرا گرم شوربہ کا برتن چھوٹ گرا۔ غلام ڈر سے کانپ گیا، لیکن معاً الفاظ قرآنی "والکاظمین الغیظ" زبان پر آگئے۔ حضرتؓ کا غصہ فوراً ہی فرد ہو گیا، اس نے آگے بڑھکر کہا "والعافین عن الناس"۔ حضرتؓ بولے "میں نے دل سے معاف کر دیا"۔ ادھر غلام نے آخری الفاظ کی تلاوت کی "واللہ یحب المحسنین"۔ ادھر حضرتؓ نے ارشاد فرمایا "میں نے تمھیں آزاد کیا، اور لو یہ چار سو درہم اپنے پاس سے دیتا ہوں"۔

۱۶ (کسی دوسرے کے اوپر)

۱۷ مطلب یہ ہے کہ حقوق العباد و حقوق اللہ میں سے کسی حق کا بھی تلف ان سے اگر اتفاقیہ ہو جاتا ہے۔

۱۸ یعنی اس کے احکام کو، جن سے وقتی طور پر ذہول ہو گیا تھا

۱۹ (طریق مناسب و مشروع سے)

۷ - اولٰئک جزاؤہم مغفرۃ من ربہم وجنّٰت تجری من تحتہا الانہار خٰلدین فیہا ونعم اجر العٰملین۔

ایسے لوگوں کی جزا بخشش ہے[22] انکے رب کی طرف سے اور ایسے باغ (بہشت) ہیں، جنکے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی۔ کیا اچھا معاوضہ ہے ان کام کرنے والوں کا![23]

۸ - قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔

یقیناً تم سے قبل مختلف طریقے[24] گزر چکے ہیں،[25] تو تم روئے زمین پر چلو پھرو، اور دیکھو لو کہ کیا ہوا اپنے انجام جھٹلانے والوں کا!

۹ - ہٰذا بیان للناس وہدًی وموعظۃ للمتقین۔

یہ[26] ایک بیان ہے (سارے) لوگوں کے لیے، اور ہدایت اور خاص نصیحت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے[27]

۱۰ - ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

اور ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب[28] رہوگے اگر تم مومن رہے۔[29]

۱۱ - ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ، وتلک الایام نداولہا بین الناس ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا ویتخذ منکم شہداء، واللہ لا یحب الظٰلمین۔

اگر پہونچ جائے تم کو زخم[30] تو ان لوگوں کو بھی تو پہونچ چکا ہے زخم ایسا ہی۔[31] اور ہم ان ایام کو[32] پھیر لوگوں کے درمیان کرتے رہتے ہیں[33]۔ اور تاکہ جان لے اللہ ایمان والوں کو[34] اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا۔[35] اور اللہ پسند نہیں کرتا ظلم کرنے والوں کو۔[36]

۱۲ - ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا ویمحق الکٰفرین۔

اور تاکہ اللہ صاف کر دے میل کچیل سے ایمان والوں کو[38] اور مٹا دے کافروں کو[39]

۱۳ - ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جٰہدوا منکم ویعلم الصٰبرین۔

کیا تم گمان کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے[40] درانحالیکہ ہنوز اللہ نے ان لوگوں کو جانچا ہی نہیں[41] جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا،[42] اور نہ جانچا ثابت قدم رہنے والوں کو۔

۱۴ - ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رأیتموہ وانتم تنظرون۔

اور تم تو تمنا کر رہے تھے[43] موت کی موت کے سامنے آنے سے پہلے سے[44] سو اسکو تو اب دیکھ لیا کھلی آنکھوں[45]

۲۰ه ملاحظہ ہو اسی پُرزور توحیدی اعلان کے مقابلہ میں اہل تثلیث کا مشرکانہ بیان:
"یسوع نے پھر ان سے کہا، کہ تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں تمہیں بھیجتا ہوں۔ اور یہ کہکر ان پر پھونکا۔ اور ان سے کہا کہ روح القدس کو لو جنکے گناہ تم بخشو انکے بخشے گئے ہیں جنکے گناہ تم قائم رکھو انکے قائم رکھے گئے ہیں" (یوحنا باب ۲۰ آیات ۲۱ - ۲۴) شرک کی انتہا ہے، کہ گناہ صرف مسیح ہی بخش سکتے ہیں، بلکہ نائبان مسیح بھی!

۲۱ه یعنی دیدہ و دانستہ اپنی کسی غلطی پر ہرگز جمے ہوئے نہیں رہتے۔

۲۲ه (باوصف انکی خطاکاریوں کے)

۲۳ه "کام کرنے والے" محاورۂ قرآنی میں نیک ہی کام کرنے والے کہلاتے ہیں۔

۲۴ه (اور ان مختلف طریقوں کے حامل)

۲۵ه مومنین، صادقین، صالحین بھی۔ اور باغی و سرکش منکرین بھی ۔۔۔ دین حق کے!

۲۶ه یعنی یہ قرآن۔ بعض کے نزدیک اس اشارہ کا مشارٌ الیہ آیۂ سابق ہے۔

۲۷ه یعنی یہ اعلان و اعلام ہے تو ساری دنیا کے لیے لیکن واقعۃً اس سے فائدہ وہی اٹھا سکینگے جنکے دلوں میں خوف خدا موجود ہے۔

۲۸ه (اے ایمان والو!) - غلبہ عام ہے - غلبۂ مادی و غلبۂ روحانی کو۔

۲۹ه غلبہ کی شرط بھی ایمان پر قیام و ثبات ہے۔ ۳۰ه یعنی حادثۂ جانکاہ - اشارہ معرکۂ احد کی طرف

۳۱ه جنگ بدر میں۔ ۳۲ه یعنی ایام فتح و شکست کو۔

۳۳ه (مصالح تکوینی سے) - پس اسکو معیار حق و باطل نہ سمجھا جائے۔

۳۵ه انکے اعمال ایثار و جانبازی کی بنا پر ۳۶ه (اور شہادت اسلام میں معنوی ترقی کی معراج ہے)

۳۷ه سو ظالموں کے برسر حق ہونے کا کبھی بھی گمان دل میں نہ کیا جائے، خواہ عارضی و وقتی مصالح کی بنا پر انھیں کیسی ہی کامیابیاں نصیب ہو جائیں۔

۳۸ه اہل ایمان کو جو زیاں و مصیبت بھی پیش آتا ہے وہ ترقی حسنات و رفع درجات ہی کی مصلحت سے آتا ہے۔

۳۹ه (انھیں اور زیادہ مغرور کرکے) - ہٹی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے، کہ احد میں گو قریش فتحمند ہوئے، لیکن یہ عارضی فتح ہی انکے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ("تاریخ عرب" ص۱۱۷)

۴۰ه (امتیاز خاص کے ساتھ) - صحابۂ کرامؓ محض حصول جنت ہی کے مشتاق نہ تھے، بلکہ اسکے اعلیٰ مراتب کا بھی حوصلہ و طلب رکھتے تھے، اور اسکے لیے جہاد کی کڑی منزلوں کو عبور کرنا ناگزیر تھا۔

۴۱ه و ۴۲ه (انکے اعمال کے ذریعہ) یعنی علم الٰہی میں جو کچھ بھی ہو، اشخاص کا استحقاق تو اعمال کے بعد ہی اس مادی دنیا میں ثابت ہو سکتا ہے۔

۴۳ه خطاب ہے بعض صحابہ کی طرف۔ معرکۂ بدر کے بعد بعض حضرات کو جو اس موقع پر حاضر نہ تھے، شوق پیدا ہوا کہ پھر کوئی معرکہ اسی طرح کا پیش آئے، اور ہم اپنی جانوں کی بازی لگا لگا کر شہدائے بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔

۴۴ه یعنی اس معرکۂ قتال کے وقوع سے قبل۔

۴۵ه (پھر اب اس سے خوف و ہراس کیوں؟)

(بقیہ صفحہ ۸)

مسلمان ہونے کا اعلان کریں اور اس طرح سکھ، جین یا بدھ وغیرہ کی طرح ہندوستانی قومیت کا ایک فرقہ بنکر ہندو کی تعریف میں آجائیں جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اور نہ ہندو یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ مسلمان کی خاطر سے نیشنلزم کے دودھ میں کچھ پانی ملا دیں اور اسے کچھ معتدل بنا دیں۔ پھر جب نہ ایک اپنی "خو" چھوڑنے کے لیے تیار ہے اور نہ دوسرا اپنی "وضع" بدلنے پر آمادہ ہے تو پھر اس مشکل کا حل کیا ہو سکتا ہے ---؟ اس مشکل کا حل صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ بات ہندو و

(بقیہ صفحہ ۳)

مردوں اور نوجوان عورتوں نے ایک دوسرے کے پاس مل بیٹھ کر مردانہ و زنانہ اعضاء کی تشریح اور افعال کی تفصیل سن لی، ان کی تصویریں دیکھ لیں، انکے ماڈل دیکھ لیے، زندہ اور مردہ جسموں میں انھیں خود معائنہ کر لیا، تو آخر اس میں خرابی کیا پیدا ہو گئی؟ علم ہے بہرحال علم - اور اس سے بڑھ کر جہالت کیا ہوگی کہ اس بیسویں صدی میں علم کی مخالفت کیجائے اور یہ کھلتے ہوئے حقائق کی تعلیم اسلئے مجنوں کا ہم سبق کے

جمع و ترتیب قرآن

نمبر (۲)

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

بعضوں نے کل رسالوں کو نقل کرلیا تھا اور بعضوں کے پاس کل رسالے نہ تھے جیسے کسی کے پاس مولانا شبلی صاحب کی کل کتابیں ہوں اور کسی کے پاس کل نہ ہوں۔ لیکن بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان رسالوں کی شیرازہ بندی کے متعلق کوئی خاص پابندی نہ تھی۔ جس کا جی چاہتا تھا جس رسالہ کو مقدم و موخر کرکے اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ جب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن کا دور یوں ہی فرمایا کرتے تھے اور ہر سال جبرئیل امین نازل شدہ قرآن کو آپ سے رمضان میں سن لیا کرتے تھے۔ اور سال وفات والے رمضان میں تو دو دفعہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے۔ اس وقت تک تقریباً اکثر رسالے یا قرآن کی سورتیں کیسے مکمل ہوچکی تھیں۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص ترتیب ہی سے جبرئیل علیہ السلام کو سناتے تھے۔ اس رمضان کے بعد بمشکل دو تین مہینے کے اندر چند سورتوں یا رسالوں میں بعض حصوں کا اضافہ ہوا اور اسکے بعد قرآن کے نزول کا سلسلہ بند ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد دنیا میں دو ڈھائی مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہے تھے خلافت صدیقی کا زمانہ آگیا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیفہ کے متعلق مصحف بنانے کی تجویز پیش کی۔ یعنی تمام رسالوں کو جمع کرکے ایک جلد میں انکی شیرازہ بندی کرادی جائے۔

لوگوں کو یہاں بھی مغالطہ ہوا اور مشہور کردیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر مکتوب قرآن کو کتوبی شکل میں لانے کی درخواست دی تھی گویا اس سے پہلے قرآن لکھا ہوا تھا کس قدر عجیب ہے، ایک طرف لوگ یہ بھی کہے جاتے ہیں اور اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے ساتھ ہی قرآن کو لکھوانے کی درخواست دی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا قرآن کیا عہد نبوت میں لکھے ہوئے قرآن کل، یا اسکی بعض سورتیں کن کن صحابیوں کے پاس تھیں اگر انکی فہرست بنائی جائے تو غالباً تعداد سینکڑوں تک پہونچ سکتی ہے۔

ماسوا اسکے سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خود لکھنا جانتے تھے، پھر حضرت ابوبکر سے انکو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً کرتے تھے، یعنی قرآن کو فوراً لکھوا لیا کرتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں اس کام کو کیونکر کروں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ

ؔ اس واقعہ کی یہ میری تولی ہی تعبیر نہیں ہے۔ خطابی لکھتے ہیں جولہ الیٰ ما بین الدفتین (یعنی دو دفتیوں کے درمیان تمام سورتوں کو منتقل کردیا) سیوطی لکھتے ہیں کہ جمعہا جامع بخیط (جمع کرنے والے نے تمام سورتوں کو ایک تاگے میں باندھ دیا)

اتنی کھلی کھلی باتیں اس حدیث میں موجود ہیں لیکن لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصحف کو مصحف کی شکل میں لانے پر اصرار فرمارہے تھے، تاکہ تمام قرآنی رسائل ایک جگہ جمع ہوکر مجلد شکل میں محفوظ ہوجائیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مختلف سورتوں یا دوسرے لفظوں میں مستقل رسالوں کو عموماً ایسی کھلی مختلف تقطیع کی چیزوں پر لکھوایا تھا کہ شیرازہ بندی کرکے کسی ایک جلد کی شکل میں انکا لانا آسان نہ تھا۔ بلکہ ناممکن تھا۔ حضرت عمر کی جو غرض تھی وہ یوں ہی حاصل ہوسکتی تھی کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی وثیقوں کو ایک تقطیع پر نقل کروایا جائے۔ اسکے بعد ان سب رسالوں کی ایک جلد بندھوائی جائے۔

ظاہر ہے کہ اس کام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے زیر انتظام انجام دلا سکتے تھے۔ لیکن انکا مقصد یہ تھا کہ اس کام کو حکومت اپنے زیر اہتمام لے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی تجویز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نئی بات قرار دیتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو جس عالم انفرادی آزادی کی حالت میں چھوڑا تھا اس میں کیسے دخل دوں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے مصلحت انکی سمجھ میں آگئی۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنکا کتابت وحی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ممتاز درجہ تھا، سلطنت کی طرف سے انکو اس کام پر مامور کیا گیا۔ کہ ایک شاہی نسخہ حکومت کی جانب سے قرآن کا مرتب کرکے بارگاہ خلافت میں پیش کریں حالانکہ حضرت زید خود کاتب وحی تھے پورے قرآن کے حافظ تھے، عالم تھے، خالص عربی النسل تھے لکھنے پڑھنے سے انکو ایسی فطری مناسبت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے خط و کتابت کرنے کے سلسلہ میں چاہا کہ حضرت زید عبرانی حروف سیکھ لیں تو بیان کیا جاتا ہے کہ کل پندرہ دن میں وہ اس پر اتنے قادر ہوگئے کہ آسانی اس میں لکھنے پڑھنے لگے۔ ایسی صورت میں بظاہر قرآن کی سورتوں کے مساوی تقطیع کا ایک نسخہ نقل کرلینا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا، لیکن باوجود اسکے قرآن کا معاملہ تھا اور وہ بھی یہ کام خلافت کی جانب سے ہو رہا تھا جسکا اثر تا قیام قیامت تمام مسلمانوں پر پڑنے والا تھا اس لیے حزم و احتیاط کی جتنی ممکنہ شکلیں ہوسکتی تھیں سب کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے اس کام میں ہاتھ لگایا، اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا اظہار خود ان لفظوں میں فرماتے تھے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے کہ

فواللہ لوکلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علیّ مما امرنی بہ	خدا کی قسم اگر لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ اس سے زیادہ گراں نہ ہوتا جتنا کہ وہ حکم تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے متعلق دیا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کن کن نزاکتوں کا التزام فرمایا تھا اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان سورتوں میں جس سورت کا کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ریکارڈ سے نقل

میٹھی کنیز

یا

افسانۂ جمیل

میری ناچیز تصنیف کتاب "نواب جمیل الشان" پر میرے محترم بزرگ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب مدیر "صدق" کا مقتدرانہ افسانہ کے ساتھ شایع ہو چکا ہے اسکو مولانا سے محترم نے ثانی نگاہ کرانے کر ہے اس پر کسی قدر زاید معلومات کے ساتھ روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ نواب جمیل الشان کا یہی وہ تعارف نامہ ہے کہ جسے حضرت مولانا کے دلی شکریہ کے ساتھ آج کے مقالۂ افتتاحیہ کو روک کر اپنے ناظرین کی خدمت میں اس امید پر پیش کر رہا ہوں کہ شاید اس حقیر تصنیف کے ساتھ مولانا کا یہ حسن ظن میرے لیے زادِ آخرت بن سکے۔

عبد الرؤف عباسی

گرجستان یا آرمینیا کے نہیں، آپ کے شہر لکھنؤ کے رہنے والے نواب جمیل الشان بہادر ہماری آپ کی آنکھوں کے سامنے ابھی کل تک زندہ سلامت موجود تھے۔ اور عجیب کیا کہ ہم میں سے بہتوں کو زیارت بھی نصیب ہوئی ہو۔ ایک ضعیف سے آدمی، شاہی خاندان کی یادگار، چہرہ پر جھریاں اور خضابی بال، عمر کوئی ساٹھ سال۔ جسمانی قوے میں ضعف و اضمحلال۔ لیکن طبیعت بانکپنی اور مزاج میں شوقینی۔ تمنائیں اور آرزوئیں جوان، دل کے گوشہ گوشہ میں نوجوانوں کے ارمان۔ آخر نواب زادے اور آخر کے نواب ہی تھے۔ معقول وثیقہ، گراں قدر پنشن تھی کس دن کے لیے۔ رئیسوں کی آن بان، نوابوں شہزادوں کی شان۔ اور بجھ گئی ہوتے ہوئے چراغ کی لو تیز کرنے، بجھتے ہوئے انگاروں کو ہوا دینے کے لیے مصاحب ایک نہیں دو دو حاضر و مستعد، ایک مرزا سینا، دوسرے میاں علی حسین۔ ایک روز باتوں باتوں میں ایک بازاری حسن کا وہ سبز باغ دکھایا اور شوق و اشتیاق کا وہ دام باندھا کہ بھولا شہزادہ اعادۂ شباب کے کسی عذر و ری پرہیز کے بغیر اپنے کو عالمِ تصور میں جوان رعنا سمجھ بیٹھا۔ اور دل کو رقابت کی پروا نہیں، شہر ہی کی ایک کھاتا بیوا پر آگیا۔ یہ بی صاحبہ منیر میاں کا م، اور شاہ شبنوں میں نام پیدا کیے ہوئے۔ اتفاق سے اسوقت ایک خان بہادر کی پابند تھیں۔ خانبہادر سن و سال میں تو تھے شہزادہ صاحب کے لگ بھگ لیکن خوب مضبوط اور ٹانٹھے، ساٹھے پاٹھے۔ غضب کے حکام رس اور بااثر، بڑے زیرک و صاحب ہنر۔ رہنے والے لکھنؤ کے نہیں، خاک پاک بدایوں کے، وہی بدایوں جسکی شان میں استاد مصحفی یوں کلمہ پڑھ گئے ہیں ع

قاتل تری گلی بھی بدایوں سے کم نہیں!

اسی ڈیرہ دار کے عشق میں مرزا اپنی میں ڈیرے ڈنڈے لکھنؤ میں ڈالے ہوئے، چوک کے قریب کہیں چھاؤنی چھائے ہوئے۔

اب شروع ہوئی بازار کی مٹھائی پر چھین جھپٹ یا شاعروں کی زبان میں رقابت۔ ادھر سے مال کے جوڑ، ادھر سے قیامت کے توڑ۔ ادھر کے جلیبے اگر بقول شخصے اپنے وقت کے جالینوس، تو ادھر کے شاطر بھی اپنی حکمت عملی کے لحاظ سے پورے فیلسوف۔ کبھی انکی مات، کبھی انکو شکست فاش۔ ایک کو اپنے خاندانی اعزاز کا غرہ، دوسرے کو صاحب "گورنر" کی خدمت میں رسائی

پیش کرنے اور شکار کھلاتے رہنے کا آسرا۔ ادھر خان بہادر نے جا کر کپتان پولیس کے کان بھر دیے، ادھر شہزادے ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں رو گا آئے۔ آج عتاب نازل ہوا تفتیش کنندہ دار و غہ پر، اور بیچارہ کا درجہ ٹوٹ کر رہا۔ کل نزلہ گرا کوتوال شہر پر، اور غریب کو لکھنؤ چھوڑ کانپور جانا پڑا۔

شہزادے سے نپٹ لینے کے بے خانبہادر بالکل کافی تھے، لیکن ہوا یہ کہ انھیں کمک پہونچ گئی اپنے رفیق قدیم نواب بنیاد حسین خاں آنریری مجسٹریٹ اور رئیس اعظم کانپور کی۔ یہ سوجھ بوجھ میں خانبہادر سے بھی بڑھے چڑھے۔ اور حکام رسی اور خوش تدبیری میں ان سے کہیں آگے۔ اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والے۔ اب نقشۂ جنگ یہ کہ ایک طرف لکھنؤ کے شہزادے اور کانپور کے رئیس اور مجسٹریٹ، اور دوسری طرف بدایوں کے خانبہادر اور کانپور کے کوتوال۔ میدان جنگ بھی اب کھنچتے کھنچتے لکھنؤ سے کانپور اور کلکتہ اور بدایوں تک وسیع ہو گیا اور واقعات کے اسٹیج پر پہلے تو یہی جانے بوجھے وہی چار اشخاص تھے، اب نئی نئی صورتیں نمودار ہونے لگیں، ایک سے ایک بڑھکر دلچسپ، نواب خورشید مرزا اور قمر مرزا، اور خورشید دلہن، اور فرحت مرزا، اور مسعود شاہ، اور سب سے بڑھ کر سیرزمین اعیاد حسینہ فروش، جن سے ایک بار بھی تعارف ہو جائے، تو عمر بھر ساتھ چھوڑنے کا جی نہ چاہے۔ ایک روز شہزادہ صاحب مع اپنی اور خانبہادر کی مشترک محبوبہ کے غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر یک بیک کانپور میں انکا نزول اجلال ہوتا ہے، بیگا سے اس بیوا کے، ایک خوش جمال دشوخ دیدہ کشمیری لڑکے حسن جان کے ساتھ۔ چند روز کے بعد حسن جان بھی لاپتہ اور مفقود الخبر!

"میری زندگی بھی عجیب زندگی ہے ..... مجھے اس زندگی سے کبھی دلچسپی نہ تھی، ہمیشہ کراہت رہی۔ کئی دفعہ اس مخمصہ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ سچ ہے کہ روپیہ پیسہ دولت کی چاٹ بری چاٹ ہے۔ اور عادت پڑ جانے کے بعد بدکاری میں لذت ملتی ہے مگر کب تک۔ دس پانچ برس کے بعد کیا سے کیا ہو جانا پڑیگا۔ باسی ہار کو لوگ پرے سے سونگتے ہیں..... عشاق کہو یا چاہنے والے، سب جوانی کے ساتھی ہیں، وہ وصلی اور انکی نظریں پھیر ہیں۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑائی لڑتے ہیں۔ وضعدار ہوئے تو کچھ دنوں نباہا، رفتہ رفتہ آنا جانا کم کیا، پھر بیٹھ رہے"۔

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے ان خیالات کی جو اس بیوا کے دل میں پیدا ہو رہے ہیں، جسے آپ ابھی اس عالم میں چھوڑ آئے تھے کہ

وائے بر صید کہ یک باشد و صیاد سے چند!

جی ہاں! یہ خیالات اور ایک بیوا کے! بیوائیں بھی آخر اسی مٹی کی بنی ہوتی ہیں، جس سے خمیر بڑی بڑی عصمت کی پتلیوں کا ہوتا ہے، اور بندی اسی قادر مطلق کی ہوتی ہیں جو شریف بہو بیٹیوں کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ اسکی رحمت کی جب ہوا چلتی ہے تو محلہ کے سڑے ہوئے گھوروں پر سے مہکتے ہوئے گلاب کے اور لہلہاتے ہوئے چنبیلی اور جوہی کے پھول کھلا دیتی ہے، اور اسکی صنعت جب بہار پر آتی ہے تو گھورے اور گھوروں سے پتھروں کو ہیرے اور جواہر بنا دیتی ہے۔ تا پاکی کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے، دنیا میں حقیر و ذلیل، آخرت میں راندہ و درماندہ۔ جوانی کی بہار کے دن گئے! دولت کا خواب کے گھڑی کا؟ جو ان جہان دوست اپنے انجام

کو سمیٹی جاتی ہے اور دل ہی دل میں روتی جاتی ہے:۔

"بی صاحبہ سینوں سے اترتیں اور چاہنے والوں کی کمی ہونے لگی۔ دولت کے پھنگے، چگنی اور ودگنی۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت۔ دن کے جلیس اور رات کے مونس ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ حیادار ہوتیں تو جیل میں جتیں تو بہ توبہ بہن کر بھیک مانگنے کی ٹھہری۔ آئے دن کے واقعات ہیں۔ سیکڑوں مثالیں اس قسم کی آج شہر میں کیا ہر شہر میں موجود ہیں۔ کسی کی ناک گئی، کسی کی جان گئی۔ انجام یہ ہے کہ اولاد نہ ہونے پائے۔ بوڑھاپا آ جائیگا۔ چھوٹے بچے کو دیکھ کر ان کو جو دلی خوشی ہوتی ہے وہ انکے نصیب میں نہیں۔ جوانا مریں تو کوئی دو آنسو بہانیوالا نہیں، نہ فاتحہ درود کرنے والا!

پاک زندگی کی اتنا فضیلیں ... شریف زندگی ... اولاد کی محبتیں ... کو کہاں نصیب ... نصیب ... ملک ہونے کے ... شہری ... اور ... کہ ... کا ... سب سے ... پیش ... اللہ کی سب سے بڑی ... اسکی ناقدری ... قدرت کی ... دنیا ... کر رہتی ہے کہ نہ ایسی عورت کے دل میں کسی کی محبت رہ جاتی ہے ... اور یہ نہ ہو تو دنیا میں آخر نور، ظلمات، خوشبو، بدبو، پاکیزگی اور گندگی کیسے ... نہ رہ جائیں!

ناظرین کچھ اور دیکھنا ہے، ... افسانہ ... کی قید سے ... نصیب ہوتی ہے شہزادہ صاحب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اپنا نام کی ماں کے نام خط لکھنے بیٹھتی ہے۔ خدا میں کیا لکھتی ہے۔ اپنی اور اپنی ساری برادری کے نامۂ اعمال کی نقل کاغذ کے اوراق پر کررہی ہے:

"عمی جان۔ کتو کی بندگی قبول کیجیے۔ مجھ نصیبوں جلی کو آپ ... ہوشیں ... دیتیں اور اپنے کاٹے ... سے باز نہیں ... آپ سے ... کہ ... ہوں کیسا پاک زندگی۔ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ نہ معلوم وہ کون سی منحوس گھڑی تھی کہ جب معلوم نہیں کس نے مجھے آپ کے سپرد کیا ... نے مجھے ... کہ آپ نے مجھ پر بہت کافی روپیہ صرف کیا، لیکن جتنا صرف کیا اسکا چوگنا ... تھیٹر ہی سے وصول کرلیا۔ آج اگر کسی شریف ... بیگم بنی بیٹھی ہوتی اور ... دھندا بنا یا کھیل تھیں۔ نے بگاڑا اور لکھنو ایک چلی آئیں۔ تم نے چاروں طرف سے خوب دولت گھسیٹی، لاکھوں کی آدمی ہوگئی ہو۔ ... اللہ نے چاہا تو مرنے وقت بھیک کا ٹھیکرا ہاتھ میں ہوگا۔ کیا کروں منہ سے کوستا ہی نکلتا ہے۔ خیر تم پر اور تمھارے گھر پر میں نے لعنت بھیجی اور موقع پاتے ہی نکل بھاگی"

الفاظ سوز دل کی روشنائی سے لکھے ہوئے اس کے قلم سے نکل رہے ہیں جسکی برادری کو بڑے بڑے جبہ و عمامہ والے حقارت کے ساتھ دھتکارتے ہیں، اور معززین و شرفا، کبھی شرارت سے اور کبھی شقاوت سے گندگی کے اندھیرے غاروں کی گہرائیوں میں ڈھکیلتے چلے جاتے ہیں! اللہ جزائے خیر دے، بہت بہت جزائے خیر دے صاحب حق (روزنامہ حق لکھنؤ کے ایڈیٹر) عبد الرؤف عباسی صاحب کو کہ انھوں نے نفرت و حقارت کے بجائے انسانیت و ہمدردی کے ساتھ اس طبقہ کے جذبات کی ترجمانی کی۔ اور شستہ زبان اور میٹھی بول چال میں۔ اس داستان الم انساں کے پورے ... حالات کو ۲۰۰ صفحہ کی ضخامت میں مرتب کرکے دس سکوں کی قیمت کو عبرت میں وقعت عام کر دیا۔ یہ کام کرنے کا تھا علما و مصلحین کے، لیکن اللہ جس سے جو خدمت چاہے لے۔ اور جسے جس منصب پر چاہے سرافراز کرے۔

"نہ ابھی ختم کیا ہے، آدھا بھی نہیں ہوا ہے۔ چند سطریں اور سن لیجیے۔ شبہ ہے وہ پاک پروردگار میری نہ سنتا تو میں کیا کرتی۔ بدایوں شہر ... صاحب کا سایہ نہیں۔ حاکم انکے اثر میں، پولیس انکے کہنے میں، لاکھوں کرو ... کے الٹ جو چاہیں کر ڈالیں، کوئی پوچھنے گچھنے والا نہیں۔ میری بات سو چلنے چلانے میں تھا ... سے ساتھ دوستی ... جاتی ... خان بہادر کے گھر پڑ جاؤ .... کہو نفی جان، اب تمھیں نفی جان ہی کہونگی۔ ... کے الگ ہو گئی ہو، کبھی اس کا بھی خیال آتا ہے کہ اب موت کے دن قریب ہیں۔ خدا کو ظاہر میں بہت مانتی ہو۔ نذر نیاز بھی کرتی رہتی ہو لیکن کبھی بھولے سے بھی اسکا وہم آتا ہے کہ کتنے دو قرمنے گھاٹے ہیں ... کتنے ... تباہ کیے ہیں ... ان سب کا وبال تمھاری جان پر پڑیگا یا نہیں۔ یاد رہے کہ ... پیسا کا سے ... بیٹھے اور یہ حرامکاری کے پیسہ کی نذر نیاز ایک کام نہ آئیگی۔ توبہ کرو تو ہو، اب بھی کچھ نہیں گیا ہے"

کسی بڑے شہر کے جنکشن اسٹیشن پر جب چاہیے یہ تماشا بچشم عبرت اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجیے، کہ سامنے فقیرنیوں، بھیک منگوں کا ایک غول کا غول ہے چیتھڑے لگائے ہوئے، میلی کچیلی گھناونی بیمار اور لاغر۔ ان میں کتنی ایسی ہیں جو ابھی کل تک جوان تھیں، بنی ٹھنی ہوئی، اپنے حسن و جوانی پر نازاں، اور اللہ کی اس امانت کو بازار میں دکان لگا بیچ ڈالنے والیاں!

—— بی بی آسیہ کا نام کس نے نہیں سنا ہے؟ بیوی کسکی تھیں؟ اللہ کے دشمن فرعون مصری۔ اللہ کے دشمنوں ہی کے درمیان ملیں بڑھیں فرعون ہی کے محل میں رہیں سہیں۔ اسکے باوجود، جب اللہ کی طرف جھکیں سجدہ میں گریں تو مرتبہ کیا پایا؟ قرآن تک میں ذکر آیا! فرشتوں کو رشک آیا! اللہ اللہ! آسیہ کے مرتبہ اور سرافرازیوں کا کیا پوچھنا! اور پھر یہ ہماری بھٹکی ہوئی بہنیں، اور بھٹکی ہوئی بیٹیاں تو منکر نہیں مومن ہیں، باغی نہیں، صرف غافل ہیں۔ آج یہ اپنے خوش نصیب شوہروں کے گھر آباد کیے ہوتیں، تو خود بھی کیسی ہنسی خوشی چین اور سکھ کی زندگیاں گزارتیں اور انکی گودوں میں پل پل کر ہمارے سرور سردار کے لشکر میں کتنے وفادار اور جاں نثار سپاہیوں کا اضافہ ہوتا! محمد مصطفیٰ کو برحق ماننے والیاں، اس نبیؐ کی امت کہلانے والیاں، انکی شفاعت سے آس لگانے والیاں کیا منہ اٹھا انکے کلیجے بالکل پتھر کے ہیں؟ جنت کی کھڑکی اپنے سامنے کھلیں گی اور ادھر سے آنکھ بند کرلینگی، منہ پھیر لینگی! لپکتے ہوئے شعلوں سے بچانے والا ہاتھ ان تک پہونچیگا اور اسے اپنی ٹھوکر دن سے ٹھکرا دینگی؟ گھر میں آگ لگ چکی ہے، اور فائر بریگیڈ والوں کو اپنے پاس سے دھکے دے دے کر نکال دیں گی؟

طول طویل خط کا ایک آخری ٹکڑا شکر کنوئیں اور کتاب دونوں کو بند کر دیجیے:۔ (دیکھیے صفحہ ۷ کالم ۲)

فرما لیتے تو کتابی مقابلہ کے سوا انکا یہ التزام تھا کہ ایک آدمی سے نہیں بلکہ دو معتبر جن جن لوگوں کو یاد ہو تا اُن کو بھی سنا کر اور دکھا کر اسکی توثیق لازمی طور پر کر لیتے کم از کم اسکے لیے ایک سے زائد آدمی کا ہونا انکی ضروری شرط تھی۔ بخاری میں اسی کی تعبیر انھوں نے (صدور الرجال) سے کی ہے اور بحمد اللہ اس میں انکو اسی زبردست کامیابی ہوئی کہ (۱۱۴) سورتوں یا رسالوں میں صرف دو جگہ بیچارے ایک سے زائد کے ایک ہی صحابی حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی توثیق پر انھوں نے قناعت کی اور اس قناعت کی وجہ بھی خود ہی یہ بیان فرماتے ہیں

الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ الرجلین (بخاری)	یعنی وہی خزیمہ جنکی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے مساوی قرار دیا تھا۔

مطلب یہ تھا کہ اپنی اس شرط سے ان دو مقاموں میں اگر وہ ہٹے بھی، تو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے وہ ایک توثیق ہی بمنزلہ دو توثیقوں کے تھی[ٹ]۔ بہر حال ان دو مقاموں میں سے ایک تو سورۂ براءت کا خاتمہ لقد جاءکم رسول الآیۃ اور دوسری آیت سورۂ احزاب کی من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ الآیۃ ہے۔ بلکہ پچھلی آیت کے متعلق اگر بعض روایتوں کا یہ لفظ یعنی "فقدت" راوی کی کوئی تعبیری غلط فہمی نہیں ہے تو اس آیت کی نوعیت پہلے سے کچھ مختلف ہو جاتی ہے جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ریکارڈ کے ذخیرے سے کوئی تختی غائب ہو گئی ہو۔ حالانکہ حضرت زید خود بھی حافظ تھے اور خاص کر اس آیت کے متعلق تو انکی تصریح ہے کہ کسی غیر سے نہیں بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر انھوں نے اسکو یاد کیا تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں

کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنتا تھا۔

لیکن وہی مزید احتیاط کہ کتابی مقابلہ بھی اسکا کر لینا چاہیے، اس لیے چاہا کہ جسکے پاس یہ سورۃ لکھی ہوئی ہو، مقابلہ کر لیا جائے۔ اتفاق سے حضرت خزیمہ ہی کے پاس وہ نکل آئی۔ انکی شہادت کو تو وہ دو شہادتوں کے مساوی خیال ہی کرتے تھے اس لیے اس پر قناعت کر لی اور آگے کسی دوسرے کے لکھے ہوئے نسخہ سے مقابلہ کی ضرورت محسوس نہ فرمائی۔ واقعہ کی کمل نوعیت اتنی ہے۔ مگر جنگی نیتوں میں فساد تھا یا ہے، بخاری کی اس روایت میں اپنے دل کے وسوسوں کو شریک کر کرکے انھوں نے مذ ا جانے کیا کیا نتائج پیدا کر لیے ہیں۔ روایت میں جو چیز نہ ہو اسکو اپنے دماغ سے تراش تراش کر جو واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں وہ واقعہ کی نہیں بلکہ انکے باطن کی دل کی تصویر ہوتی ہے۔ اور اُسکے سامنے انسان کہاں تک پڑ سکتا ہے ہماری کتابوں میں جو کچھ ہے وہ ہم نے بلا کم و کاست مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اسی لیے اس بحث کو ختم کر کے، اب میں اس سوال پر آتا ہوں کہ خلافت صدیقی میں قرآنی سورتوں ...

ٹ یہ قصہ طلب بات ہے۔ ابو داؤد و نسائی میں اسکی تفصیل موجود ہے۔ ایک اعرابی سے بیع کا معاملہ تھا۔ اُسنے خلاف عہد کرنا چاہا اور آنحضرت سے گواہ طلب کیا حضرت خزیمہ نے اسوقت گواہی دی اور دربار نبوت سے ذو الشہادتین کا خطاب ملا

(بقیہ صفحہ ۱۰)

"تھوڑی محبت اور پاک زندگی کے مزے تم کیا جانو۔ تمھارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے۔ امیروں کی تو بڑی بات ہے، بیسیوں مامائیں، اصیلیں، خواصیں ہر وقت منہ دیکھتی رہتی ہیں، غریبوں کو لو۔ میاں کے دل پر اگر بیوی بیٹھ گئی اور کیوں نہ بیٹھیگی، بیوی جوان، وہ بھی جوان، تو غریبی میں بھی زندگی کی خوشیاں ہر وقت ہاتھ باندھے حاضر رہینگی ...... درد دکھ، خوشی و راحت، رنج و غم، میں دونوں شریک، ایک دوسرے کی ہر حالت میں اور ہر جگہ ہمدرد ... آدمی خود مفلس و قلاش ہوا تو کیا، اولاد کو خون جگر کھا کر حوصلہ سے پالتا اور پرورش کرتا ہے اس امید پر کہ جوان ہوگی تو اسکا ہاتھ بٹائیگی۔ یہ محبت کی عمارت خدا جانے کتنی بیکسوں مثالیں اسکی میری اور تمھاری آنکھوں کی دیکھی ہوئی موجود ہیں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ کسی مردنی کا ہی یا تم سی بڑی دیدہ دار حوا الفت کے پہلو میں بھی ایسی امید ہوئی ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اگر خدا نے کچھ بھی عقل دی ہے تو ... سے سبق لو۔"

سبق اُس نا لکھنے لیا یا نہیں، اسے چھوڑیے۔ سبق تو لینے کے قابل ہے بڑوں کے اور چھوٹوں کے، بوڑھوں کے اور جوانوں کے، تماشبینوں کے اور تماشہ بینوں کے، پھنسنے والوں کے اور پھانسنے والیوں کے، نوابوں کے، رئیسوں کے، امیروں کے، کوٹھے والیوں کے، فلم ایکٹرسوں کے، ریڈیو اسٹاروں کے، ہمارے آپ کے سب کے۔ صحت کو، عزت کو، دولت کو، برباد کرنے والے اور دیوانی کی آنکھیں کھولیں اور سوچیں کہ اب تک کس طرح زندگی کا نام کا نور رکھے ہوئے ہیں

کوتوال شہر اپنی سراغرسانی میں کہاں تک کامیاب رہے؟ حسن جان کا کچھ پتہ لگا؟ میر زین العابدین پر کیا کیا گزری؟ نواب میاں حسین خاں کی ذوق زبیروں اور ہوشمندیوں نے کیا گُل کھلائے؟ خورشید مرزا نے سارے کھیل میں کیا حصہ لیا؟ خورشید و دلہن کی اصلیت کیا نکلی؟ شہزادہ صاحب کی خبر انکی بیگم صاحبہ نے کس بُری طرح لی؟ میر صاحب حشمہ فروش کی افسوں نوازی کیا رنگ لائی؟ اس طرح کے سارے سوالات کا حل کتاب میں تلاش کیجیے۔ اور اسکا اطمینان رکھیے، کہ جو لوگ مغز کلام سے قطع نظر قصہ کو محض لطف زبان اور حسن بیان کے لیے پڑھنا چاہتے ہیں، وہ بھی گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ ہاں تو مرزا مصنف سے یہ کہنا ہے کہ اگر انھوں نے اس خداداد نعمت کی پوری قدر نہ کی، اور جس طرح اس کتاب میں لطیف و جمیل پیرایہ اور دلکش انداز سے نیکی کی فتح بدی پر اور پارسائی کی بے عصمتی پر دکھائی ہے، آئندہ اگر اسی رنگ میں دین کی فتح بے دینی پر اور اخلاق کی بداخلاقی پر نہ دکھائی، تو عجب نہیں کہ "کل" خود اُن سے سوال ہو جائے!

...کی جلد بندی میں جو موجودہ ترتیب قائم کی گئی، یعنی سب سے پہلے فاتحہ پھر بقرہ، پھر آل عمران، الغرض ختم تک ان رسالوں کو جو ترتیب سے رکھا گیا کیا صحابہؓ کے سامنے کوئی نبوی نمونہ بھی اس کا موجود تھا ... میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، اصولی طور پر اس سوال کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے کسی مصنف کی چند تصنیفوں کو آدمی جس طرح چاہے جلد بندی کرا اسکا اسکے واقعات پر اس کا نفیاً و اثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (باقی آئندہ)

عقدۂ لاینحل

نیشنلزم کا سیلاب جس دھواں دھار طریقہ سے پورے زور شور کے ساتھ آج کل بہہ رہا ہے اسکی مثال دنیا کی پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہر قوم اپنی قوم پر ساری دنیا کو قربان کر دینے کے تصور پر عامل ہے۔ موجودہ جنگ کی ساری بنیاد اسی تصور پر کھڑی ہوتی ہے نیشنلزم کے اجزا کو اگر بکھیر کر الگ الگ کیا جائے تو وہ یہ ہوں گے:۔

(۱) اپنی قوم کو ساری دنیا سے بہتر جانو اور اسکا بھلا ساری دنیا کے بھلے پر مقدم سمجھو۔

(۲) وطن پرستی پر جان، مال اور آبرو سب کچھ قربان کرو۔

(۳) وطن کی پچھلی تاریخ کی ہر چیز کو عزیز رکھو اور وطن پرستی کے جذبات کو زندہ رکھنے اور دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لیے پرانی تاریخ کی یاد سے دلوں کو گرماتے رہو۔

(۴) اپنے کلچر (تہذیب) کی بہتری پر اعتقاد عقیدہ رکھو اور ہر وقت اسے حملوں سے بچانے کے لیے تیار رہو۔

(۵) دوسری قوموں کے حملہ سے ہر وقت ڈرتے رہو اور بچاؤ یا حملہ کے لیے ہر وقت تیار رہو۔

علاوہ ازیں نیشنلزم کے متعلق یہ اصول متفقہ طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے،

From glorifying the traditions of the past, nationalism has turned towards reaction to the past

یعنی نیشنلزم میں عہد ماضی کی تاریخ و روایات پر اتنا فخر کیا جاتا ہے کہ یہ تصور رجعت پسندی کے ہم معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں نیشنلزم پھیلا ہے، رجعت پسندی کا یہ میلان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مصر میں جب اس کا زور ہوا تو فراعنہ کی تعریفوں کے پل باندھے گئے اور اہرام مصری کی ایک ایک اینٹ کی تاریخ دریافت کی گئی، لیکن ہندوستان سے زیادہ یہ تصور اور کہیں محبوب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں نہیں ہے کہ اسکی ابتدا زمانہ قبل از تاریخ میں کم ہو۔ عیسائیت، یہودیت، اسلام وغیرہ تقریباً تمام مذاہب ایک حد تک ماضی کی طرف رجعت کر سکتے ہیں اس کے بعد سکتے نہیں۔ اسلام سب سے کم رجعت کا قائل ہے اس لیے کہ اول تو اس کی رجعت زیادہ سے زیادہ ساڑھے تیرہ سو برس پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور دوسرے چونکہ "بتشکیل" (Symbolism) کا جانی دشمن ہے، اس لیے ماضی کی طرف لوٹنے میں وہ شان پیدا نہیں ہو سکتی جو "بت پرست" افراد میں ہو سکتی ہے۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ نیشنلزم کے تمام اصول ہندو کے لیے حد سے زیادہ جاذب نظر اور حد سے زیادہ پسندیدہ دلکش ہیں۔ نیشنلزم ہندو کے لیے مذہب کے مترادف ہے اور انسانوں میں جو جوش و ولولہ مذہب کے نام پر پیدا ہو سکتا ہے وہ ہندو میں نیشنلزم کے نام پر جاگ اٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مہاسبھا کانگریس کی زبردست مخالف ہونے کے باوجود نیشنلزم کی مدعی ہے اور ہندوؤں میں آج کوئی جماعت ایسی نہیں جو نیشنلزم کو بنیادی عقیدہ کے طور پر نہ مانتی ہو۔

نیشنلزم کی وجہ سے ہندوؤں میں رجعت پسندی کی طرف جو جھکاؤ پیدا ہو گیا ہے اور ماضی کی طرف لوٹنے اور پچھلے زمانہ (پراچین کال) کی یاد کو تازہ کرنے کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ قدم قدم پر نظر آتا ہے۔ ہندی کے نام سے جو تحریک اٹھائی گئی ہے وہ اسی تصور کا نتیجہ ہے۔ زبان ایک قوم کی تہذیب علم و ادب، جذبات و احساسات اور تاریخ و روایات وغیرہ کا بولتا ہوا آئینہ ہوتی ہے، اس لیے نیشنلزم میں زبان کا موت و زندگی کا سوال مانا جاتا ہے۔ ہمارے احساسات و جذبات زبان ہی کے دامن میں پرورش پاتے ہیں۔ اگر آج جرمنی اپنی زبان چھوڑ کر انگریزی اختیار کرے تو اسکی نیشنلزم کے کئی ستون زمین پر آ رہیں گے۔ یہی اور صرف یہی وجہ ہے جس نے مہاتما گاندھی جیسی حق پسند شخصیت کو بھی ہندی پرچار پر آمادہ کر رکھا ہے اور وہ کسی صورت سے اردو کو ہندی یا وہ بھی پرانی دقیانوسی، سمپورنانندی ہندی پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں۔ گاندھی جی اتنے بے وقوف نہیں کہ وہ اس معمولی سی بات کو نہ سمجھ سکیں کہ ہندوستان میں آج تک جس زبان کو مشترک قومی زبان (لنگوا فرینکا) ہونے کا درجہ حاصل رہا ہے وہ ہندی نہیں اردو ہے۔ وہ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ اس وقت ہندی کے نام سے لکھی اور بولی جا رہی ہے وہ بازاروں، دکانوں اور گھروں میں نہیں بولی جاتی۔ لیکن ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود بھی وہ اسی ہندی کے حامی ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ نیشنلزم کا پودا اسی ہندی کے دامن میں رہ کر پروان چڑھ سکتا ہے۔ وہ ہندو مسلمانوں کا ملاپ ضرور چاہتے ہیں لیکن اس ملاپ کے پودے کو صرف نیشنلزم کی زمین میں اگتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ پھر چونکہ اردو کے رسم خط کا اور اس کے سیکڑوں الفاظ کا تعلق ہندوستان کی تاریخ اور ہندوستان کی ماضی سے نہیں ہے، اس لیے وہ ہندو مسلم ملاپ کو قربان کر سکتے ہیں لیکن اردو کو قبول کر کے ہندی کو قربان نہیں کر سکتے۔

ہندی اردو کا سوال دراصل ایک تھرما میٹر ہے جس سے دل کی کیفیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا مرغ باد نما ہے جس کو دیکھ کر دلی کیفیتوں کا رخ دریافت ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس وقت ہندی میں "سنسکرتیت" کی طرف جو میلان ہے وہ دراصل ماضی کی طرف رجعت کرنے اور پرانے ہندوستان کو زندہ کرنے (Revival) کے ان جذبات کا سچا عکس ہے جو ہندوؤں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔

یہ ہے ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات کا پس منظر۔ اب اس منظر کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ اوپر جو کچھ کہا جا چکا ہے اسکے بعد یہ خیال کرنا کہ مسلمان نیشنلزم کو قبول کر لیں گے یا ہندو اس میں غلو برتنا چھوڑ دیں گے بالکل ہے۔ ہندو نیشنلزم اور نیشنلزم کے نام پر ماضی کی طرف رجعت کو نہیں چھوڑ سکتا اور مسلمان اس چیز کو قبول نہیں کر سکتے۔ مسلمان یہ نہیں کر سکتے کہ نیشنلزم کو اولین اہمیت دے کر تمام عقائد پر اسے مقدم سمجھیں اور پہلے ہندوستانی